وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تیسیر الکریم الرحمٰن
فی تفسیر کلام المنان

المعروف

تفسیر السعدی (اردو)

فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

دارالسلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارُالسّلام

DARUSSALAM

کتاب وسُنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض ٭جدہ ٭شارجہ ٭لاھور
لندن ٭ھیوسٹن ٭نیو یارك

ہیڈ آفس : پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب

فون : 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون وفیکس: 4614483

جدہ فون وفیکس : 6807752 الخبر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان : ① 50لوئر مال نزد ایم ۔ اے ۔ او کالج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com

② اقرا سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس : 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 6255925 (001 718)

Website: http://www.dar-us-salam.com

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تیسیر الکریم الرحمٰن

فی تفسیر کلام المنّان

(اردو ترجمہ)

پارة نمبر ایک 1

مفسرِ قرآن: فضیلۃ الشیخ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

تحقیق: عبدالرحمان بن معلا اللویحق حفظہ اللہ

ترجمۃ القرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ترجمۃ التفسیر: پروفیسر طیب شاہین لودھی حفظہ اللہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمانِ الٰہی

وَقَالَ الرَّسُوْلُ
یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا

اور رسول (ﷺ روزِ قیامت) فرمائیں گے:
"الٰہی! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔"

(الفرقان: ۲۵/۳۰)

فرمانِ نبوی

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ
بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں
عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں دھکیل دیتا ہے

(صحیح مسلم / حدیث: ۸۱۷)

پارة نمبر ایک 1

تفسیر سورۃ الفاتحۃ

سُوْرَۃُ الفَاتِحَۃِ (۱) مَکِّیَّۃٌ (۵) | بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ | اٰیَاتُھَا ۷ رُکُوْعُھَا ۱

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ﴿۳﴾

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو پالنے والا ہے سارے جہانوں کا ○ نہایت مہربان بڑا رحم کرنے والا ○ مالک ہے یوم جزا کا

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ؕ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ

تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں ○ دکھا ہم کو راستہ سیدھا ○ راستہ

الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۧ﴿۷﴾ ع

ان لوگوں کا کہ انعام کیا تو نے ان پر' وہ جو نہیں غصہ کیا گیا ان پر اور نہ وہ جو گمراہ ہیں ○

یعنی میں اللہ تعالیٰ کے ہر نام سے ابتدا کرتا ہوں کیونکہ لفظ ''اسمؔ'' مفرد اور مضاف ہے جو تمام اسمائے حسنیٰ کو شامل ہے۔ ﴿ اللہ ﴾ وہ ذات ہے جو بندگی کے قابل اور معبود ہے' وہ اکیلا ہی عبادت کا مستحق ہے کیونکہ وہ الوہیت کی صفات سے متصف ہے اور وہ صفات کمال ہیں۔

﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴾ دو نام ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بے پایاں اور عظیم رحمت کا مالک ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ہر زندہ چیز کے لیے عام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اصحاب تقویٰ اور اپنے انبیا ورسل کے پیروکاروں کے لیے اس رحمت کو لازم کر دیا ہے۔ پس یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے رحمت مطلقہ ہے اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کے لیے اس کی رحمت میں سے کچھ حصہ ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اور احکام صفات پر ایمان لانا ایمانیات کے ان قواعد میں شمار ہوتا ہے جن پر تمام سلف اور ائمہ امت متفق ہیں' مثلاً وہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحمٰن ہے' رحیم ہے اور رحمت کا مالک ہے جس سے وہ متصف ہے اور اس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جن پر رحم کیا جاتا ہے۔ پس تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار ہیں۔ اور یہی اصول تمام اسمائے حسنیٰ میں جاری ہے جیسے (اَلْعَلِيْم) کے بارے میں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ علیم اور صاحب علم ہے اور اس علم کے ذریعے سے ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ (قَدِيْر) یعنی صاحب قدرت ہے' ہر چیز پر قادر ہے۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور اس کے ان افعال کی ثنا ہے جو فضل وعدل کے درمیان دائر ہیں۔ پس ہر پہلو سے کامل حمد کا مالک وہی ہے۔ ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''جہانوں کا پروردگار ہے۔'' (رَبّ) وہ ہستی ہے جو تمام جہانوں کی مربی ہے۔ (اَلْعَالَمِيْن) سے مراد اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوق ہے۔ پہلے اس نے

ان کو پیدا کیا' ان کے لیے ان کی زندگی کا سروسامان مہیا کیا اور پھر انہیں اپنی ان عظیم نعمتوں سے نوازا کہ اگر وہ نہ ہوتیں تو ان کے لیے زندہ رہنا ممکن نہ ہوتا۔ پس مخلوق کے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہے۔

مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کی تربیت (پرورش کرنے) کی دو قسمیں ہیں۔(۱) تربیت عامہ (۲) تربیت خاصہ

تربیت عامہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو پیدا کیا' ان کو رزق بہم پہنچایا اور ان مفادات و مصالح کی طرف ان کی راہ نمائی کی جن میں ان کی دنیاوی زندگی کی بقا ہے۔ تربیت خاصہ وہ تربیت ہے جو اس کے اولیا کے لیے مخصوص ہے پس وہ ایمان کے ذریعے سے ان کی تربیت کرتا ہے' انہیں ایمان کی توفیق سے نوازتا اور ان کی تکمیل کرتا ہے وہ ان سے ان تمام امور کو دور کرتا ہے جو راہ حق پر چلنے سے انہیں باز رکھتے ہیں اور ان تمام رکاوٹوں کو ہٹاتا ہے جو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حائل ہوتی ہیں۔

تربیت خاصہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے ہر بھلائی کی توفیق ملتی اور ہر برائی سے حفاظت نصیب ہوتی ہے۔ شاید یہی معنی انبیائے کرام ﷺ کی دعاؤں کا سرنہاں ہے کہ ان میں اکثر ''رب'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ انبیائے کرام کی فریادیں تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کی ربوبیت خاصہ کے تحت آتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمام مخلوق کو تخلیق کیا ہے۔ وہ اکیلا ہی ان کی تدبیر کرتا ہے اور اسے کمال بے نیازی حاصل ہے اور تمام عالم ہر پہلو اور ہر اعتبار سے اس کا محتاج ہے۔

﴿ مٰلِكِ یَوْمِ الدِّیْنِ ﴾ ''وہ جزا کے دن کا مالک ہے'' (اَلْمَالِک) وہ ہستی ہے جو ملک کی صفت سے متصف ہو۔ جس کے آثار یہ ہیں کہ وہ ہستی حکم دیتی ہے اور روکتی ہے' نیکی پر ثواب عطا کرتی ہے اور گناہوں پر سزا دیتی ہے' وہ اپنی مملوکات میں ہر قسم کا تصرف کرتی ہے اور اس کی ملکیت کی اقسام میں سے ایک جزا کا دن بھی ہے اور وہ قیامت کا دن ہے۔ جس دن لوگوں کو ان کے اچھے یا برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس لیے اس روز اللہ تعالیٰ کی ملکیت کاملہ اور اس کا عدل اور حکمت مخلوق پر بالکل ظاہر ہو جائے گی اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ مخلوق کے اختیارات میں کچھ نہیں ہے' حتی کہ اس دن بادشاہ اور رعایا' غلام اور آزاد سب برابر ہوں گے۔ اس روز تمام مخلوق اس کی عظمت و عزت کے سامنے سرنگوں اور سرافگندہ ہوگی۔ تمام لوگ اس کی جزا و سزا کے فیصلے کے منتظر ہوں گے' اس کے ثواب کے امیدوار اور اس کی سزا سے خائف ہوں گے۔ اسی بنا پر اس نے خاص طور پر اس دن کی ملکیت کا ذکر کیا ہے ورنہ قیامت کے دن اور دیگر دنوں کا وہی مالک ہے۔

﴿ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ﴾ ''ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں'' یعنی تجھ اکیلے ہی کو ہم عبادت اور استعانت کے لیے مخصوص کرتے ہیں کیونکہ (نحوی قاعدے کے مطابق) معمول کا اپنے

عامل سے پہلے آنا حصر کے معنی پیدا کرتا ہے اور حصر سے مراد صرف مذکور کے لیے حکم کا اثبات اور اس کے سوا کسی اور کے لیے اس حکم کی نفی کرنا ہے۔ گویا بندہ کہتا ہے:

''ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور تیرے سوا کسی سے مدد کے طلبگار نہیں ہوتے''۔

عبادت کو استعانت پر مقدم کرنا عام کو خاص پر مقدم کرنے کی نوع میں سے ہے نیز اللہ تعالیٰ کے حق کو بندے کے حق پر مقدم کرنے کا اہتمام ہے۔ ''عبادت'' ایک ایسا اسم ہے جو ان تمام ظاہری اور باطنی اعمال واقوال کا جامع ہے جن کو اللہ پسند کرتا ہے اور جن سے وہ راضی ہوتا ہے۔

(اسْتِعَانَة) کا مطلب' جلب منفعت اور دفع ضرر کے حصول میں پورے وثوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرنا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے قیام' منافع کے حصول اور نقصان کے ازالے میں صرف اسی سے مدد کا طلبگار ہونا ابدی سعادت کا وسیلہ اور تمام برائیوں سے نجات کا ذریعہ ہے۔ پس نجات کا راستہ یہی ہے کہ عبادت بھی صرف ایک اللہ کی کی جائے اور مدد بھی صرف اسی سے مانگی جائے۔

اور عبادت اس وقت تک عبادت نہیں جب تک کہ اسے رسول اللہ ﷺ سے حاصل نہ کیا گیا ہو اور اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا نہ ہو۔ ان دو امور کے وجود سے عبادت متحقق ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ''استعانت'' کو ''عبادت'' کے بعد ذکر کیا ہے حالانکہ استعانت عبادت میں داخل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بندہ اپنی تمام عبادات میں اللہ تعالیٰ کی مدد کا محتاج ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد نہ فرمائے تو بندہ اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل اور اس کی منہیات سے اجتناب نہیں کر سکتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ یعنی سیدھے راستے کی طرف ہماری راہ نمائی فرما اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق سے ہمیں نواز۔

(صراط مستقیم) سے مراد وہ واضح راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی جنت تک پہنچاتا ہے۔ یہ معرفت حق اور اس پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے۔ پس اس راستے کی طرف راہ نمائی فرما اور اس راستے میں ہمیں اپنی راہ نمائی سے نواز۔

صراط مستقیم کی طرف راہ نمائی کا مطلب' دین اسلام کو اختیار کرنا اور اسلام کے سوا دیگر تمام ادیان کا ترک کر دینا ہے اور صراط مستقیم میں راہ نمائی سے نوازنے کے معنی یہ ہیں کہ تمام دینی معاملات میں علم و عمل کے اعتبار سے ہماری صحیح اور مکمل راہ نمائی فرما' لہٰذا یہ دعا سب سے زیادہ جامع اور بندۂ مومن کے لیے سب سے زیادہ فائدہ مند ہے۔ بنابریں انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنی نماز کی ہر رکعت میں اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے

کیونکہ وہ اس کا ضرورت مند ہے۔

یہ صراط مستقیم نبیوں، صدیقوں، شہیدوں اور صالحین کا راستہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمایا یہ ﴿ اَلْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ﴾ لوگوں کا راستہ نہیں جن پر غضب نازل ہوا، جنہوں نے حق کو پہچان کر بھی اسے ترک کر دیا مثلاً یہود وغیرہ۔ اور نہ یہ ﴿ اَلضَّآلِّيْنَ ﴾ یعنی گمراہ لوگوں کا راستہ ہے جنہوں نے نصاریٰ کی مانند حق کو ترک کر کے جہالت اور گمراہی کو اختیار کیا۔ پس یہ سورت اپنے ایجاز و اختصار کے باوجود ایسے مضامین پر مشتمل ہے جو قرآن مجید کی کسی اور سورت میں نہیں پائے جاتے۔ سورۂ فاتحہ توحید کی اقسام ثلاثہ کو متضمن ہے۔

ا۔ توحید ربوبیت: اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ توحید الوہیت: یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو عبادت کا مستحق سمجھنا۔ لفظ ''اللہ'' اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ سے ماخوذ ہے۔

۳۔ توحید اسماء وصفات: توحید اسماء وصفات سے مراد ہے کہ بغیر کسی تعطیل، تمثیل اور تشبیہ کے اللہ تعالیٰ کے لیے ان صفات کمال کا اثبات کرنا جن کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کیا ہے اور اس پر لفظ (اَلْحَمْدُ) دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ اثبات نبوت کو متضمن ہے کیونکہ سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی نبوت و رسالت کے بغیر ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴾ سے اعمال کی جزا و سزا ثابت ہوتی ہے نیز یہ جزا و سزا عدل و انصاف سے ہوگی کیونکہ ''دین'' کے معنی ہیں عدل کے ساتھ بدلہ دینا۔

اور سورۂ فاتحہ تقدیر کے اثبات کو بھی متضمن ہے نیز اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ بندہ ہی درحقیقت فاعل ہے۔ قدریہ اور جبریہ کے نظریات کے برعکس، بلکہ ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴾ تمام اہل بدعت و ضلالت کی تردید کو متضمن ہے، کیونکہ صراط مستقیم سے مراد حق کی معرفت اور اس پر عمل پیرا ہونا ہے اور بدعتی اور گمراہ شخص ہمیشہ حق کا مخالف ہوتا ہے۔

﴿ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴾ اس بات کو متضمن ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خالص رکھا جائے، چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو یا استعانت سے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

تفسیر سورۃ البقرۃ

سُورَۃُ البَقَرَۃ (۲) مَدَنِيَّة (۸۷)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

آیاتھا ۲۸۶ رکوعاتھا ۴۰

الٓمٓ ۝١ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝٢ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

الٓمٓ ○ یہ کتاب ہے، نہیں کوئی شک اس میں، ہدایت ہے متقیوں کے لیے ○ وہ جو ایمان لاتے ہیں

بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝٣ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

ساتھ غیب کے اور قائم کرتے ہیں نماز اور کچھ اس میں سے جو ہم نے انکو دیا، وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں ○ اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں

بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝٤

اس پر جو نازل کیا گیا آپ کی طرف اور جو نازل کیا گیا آپ سے پہلے اور ساتھ آخرت کے وہ یقین رکھتے ہیں ○

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝٥

یہ لوگ اوپر ہدایت کے ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہی فلاح پانے والے ہیں ○

بسم اللہ کی تفسیر گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

بعض سورتوں کی ابتدا میں جو حروف مقطعات آئے ہیں ان کے بارے میں محتاط اور محفوظ مسلک یہ ہے کہ بغیر کسی شرعی دلیل کے ان کے معانی معلوم کرنے کے لیے تعرض نہ کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حروف مقطعات کو بے فائدہ نازل نہیں فرمایا بلکہ ان کے نازل کرنے میں کوئی حکمت پنہاں ہے جو ہمارے علم کی دسترس سے باہر ہے۔

﴿ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ ﴾ یعنی یہ کتابِ عظیم ہی درحقیقت کتاب کہلانے کی مستحق ہے جو بہت بڑے علم اور واضح حق جیسے امور پر مشتمل ہے جو پہلے انبیاء کی کتابوں میں نہیں ہیں۔ ﴿ لَا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ کسی بھی پہلو سے اس میں کوئی شک نہیں۔ اس کتاب عظیم کے بارے میں شک و شبہ کی نفی اس کی ضد کو مستلزم ہے، جبکہ شک و شبہ کی ضد یقین ہے۔ پس یہ کتاب ایسے علم یقینی پر مشتمل ہے جو شکوک و شبہات کو زائل کرنے والا ہے یہ ایک نہایت مفید قاعدہ ہے کہ نفی سے مقصود مدح ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ اس کی ضد کو متضمن ہو اور وہ ہے کمال۔ کیونکہ نفی عدم محض ہوتی ہے اور عدم محض میں کوئی مدح نہیں ہے۔ جب یہ کتابِ عظیم یقین پر مشتمل ہے اور ہدایت صرف یقین ہی کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے تو فرمایا: ﴿ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔'' (اَلْهُدٰى) وہ چیز ہے جس کے ذریعے سے گمراہی اور شبہات کی تاریکی میں راہ نمائی حاصل ہو اور جو فائدہ مند راستوں پر گامزن ہونے میں راہ نمائی کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے لفظ ﴿ هُدًى ﴾ استعمال کیا ہے اور اس میں

معمول کو حذف کر دیا گیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ فلاں مصلحت اور فلاں چیز کی طرف راہ نمائی (ہدایت) ہے۔ کیونکہ اس سے عموم مراد ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ کتاب دنیا و آخرت کے تمام مصالح کی طرف راہ نمائی ہے' لہٰذا یہ تمام اصولی اور فروعی مسائل میں بندوں کی راہنما ہے' باطل میں سے حق کو اور ضعیف میں سے صحیح کو واضح کرتی ہے' نیز بندوں کے سامنے بیان کرتی ہے کہ دنیا و آخرت کے لیے فائدہ مند راستوں پر انہیں کیسے چلنا چاہیے۔ ایک دوسرے مقام پر ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ (البقرہ: ۲/۱۸۵) ''تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے'' فرما کر اس کو عام کر دیا۔

اس مقام پر اور بعض دیگر مقامات پر فرمایا: ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ کیونکہ یہ فی نفسہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے' لیکن چونکہ بد بخت لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی قبول نہیں کرتے' اس لیے اس کے ذریعے سے ان پر حجت قائم ہو گئی ہے کہ انہوں نے اپنی بدبختی کے سبب سے اس ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ رہے متقی لوگ تو انہوں نے حصول ہدایت کے لیے سب سے بڑا سبب پیش کیا ہے اور وہ ہے تقویٰ اور تقویٰ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت اور اس کی منہیات سے اجتناب کرتے ہوئے ایسے امور کو اختیار کرنا جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب سے بچاتے ہیں۔ پس اہل تقویٰ نے اس کتاب کے ذریعے سے راہ پائی اور اس سے بے انتہا فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ (الانفال ۸/۲۹) ''اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لیے ایک کسوٹی بہم پہنچا دے گا''۔ پس اصحاب تقویٰ ہی آیات قرآنیہ (احکام الٰہیہ) اور آیات کونیہ (قدرت کی نشانیوں) سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اس لیے کہ ہدایت کی دو قسمیں ہیں: (۱) ہدایت بیان (۲) ہدایت توفیق۔

متقی لوگ ہدایت کی دونوں اقسام سے بہرہ مند ہوتے ہیں ان کے علاوہ دیگر لوگ ہدایت توفیق سے محروم رہتے ہیں اور ہدایت بیان' توفیقِ عمل کی ہدایت کے بغیر' حقیقی اور کامل ہدایت نہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اصحاب تقویٰ کے عقائد' اعمال باطنہ اور اعمال ظاہرہ کا بیان فرمایا ہے' کیونکہ تقویٰ ان امور کو متضمن ہے۔ فرمایا: ﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ ''وہ لوگ جو غیب کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں'' حقیقتِ ایمان ان امور کی کامل تصدیق کا نام ہے جن کی خبر انبیاء و رسل نے دی ہے یہ تصدیق جوارح کی اطاعت کو متضمن ہے۔ اشیاء کے حسی مشاہدہ سے ایمان کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس کے ذریعے سے مسلمان اور کافر کے درمیان امتیاز نہیں کیا جا سکتا۔ ایمان کا تعلق تو اس غیب سے ہے جسے ہم دیکھ سکتے ہیں نہ اس کا مشاہدہ ہی کر سکتے ہیں۔ محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خبر دینے سے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہی وہ ایمان ہے جس کے ذریعے سے مسلمان اور کافر کے درمیان امتیاز کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ایمان مجرد اللہ اور اس کے انبیاء و مرسلین کی تصدیق ہے۔ پس مومن وہ ہے جو ہر اس چیز پر ایمان لاتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں نے خبر دی ہے خواہ اس نے اس چیز کا مشاہدہ کیا ہو یا نہ کیا ہو خواہ اس نے اسے سمجھا ہو یا اس کی عقل و فہم کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکی ہو۔

زنادقہ اور امور غیب کی تکذیب کرنے والوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ ان کی عقل ان امور کو سمجھنے سے قاصر رہی اور وہ ان امور تک نہ پہنچ سکے بنابریں انہوں نے ان امور کو جھٹلا دیا جن کا احاطہ ان کا علم نہ کر سکا۔ پس ان کی عقل فاسد ہوگئی اور ان کا فہم خرابی کا شکار ہو گیا اور امور غیب کی تصدیق کرنے والے اہل ایمان کی عقل اور بڑھ گئی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو راہ نما بنالیا۔

ایمان بالغیب سے مراد ان تمام امور غیب پر ایمان لانا ہے جن کا تعلق ماضی، مستقبل، احوال آخرت، اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان کی کیفیات سے ہے اور جن کی خبر اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء و مرسلین نے دی ہے۔ پس اہل ایمان نہایت یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان کے وجود پر ایمان رکھتے ہیں اگرچہ وہ ان کی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر رہیں۔

﴿ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ ﴾ ''اور وہ نماز کو قائم کرتے ہیں۔'' یہ نہیں کہا کہ وہ نماز کا فعل بجالاتے ہیں یا وہ نماز کو ادا کرتے ہیں کیونکہ ظاہری صورت و ہیئت کے ساتھ نماز پڑھنا ہی کافی نہیں بلکہ اقامت صلوٰۃ یہ ہے کہ نماز کو جہاں ظاہری شکل و صورت، اس کے تمام ارکان کی کامل ادائیگی اور اس کی شرائط و واجبات کے ساتھ قائم کیا جائے، وہاں اس کو باطنی اعتبار سے اس کی روح کے ساتھ، یعنی اس کے اندر حضور قلب اور اپنے قول و فعل میں کامل تدبر کے ساتھ قائم کرنا بھی ضروری ہے۔ یہی وہ نماز ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ﴾ (العنکبوت ۲۹/۴۵) ''بے شک نماز فحش کاموں اور برائیوں سے روکتی ہے۔'' اور یہی وہ نماز ہے جس پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔ پس بندۂ مومن کو اس کی صرف اسی نماز کا ثواب ملتا ہے جسے وہ سمجھ کر ادا کرتا ہے اور نماز میں فرائض اور نوافل سب داخل ہیں۔

﴿ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴾ ''اور ان میں سے جو ہم نے ان کو دیا، وہ خرچ کرتے ہیں'' اس میں تمام نفقات واجبہ مثلاً زکوٰۃ، بیویوں کا نان و نفقہ، قریبی رشتہ داروں اور اپنے غلاموں پر خرچ کرنا بھی شامل ہے اور بھلائی کے تمام کاموں میں نفقات مستحبہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جن لوگوں پر خرچ کیا جانا چاہیے ان کا یہاں ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کے اسباب اور ایسے لوگوں کی اقسام بہت زیادہ ہیں نیز خرچ جہاں کہیں بھی کیا جائے تقرب الٰہی کا ذریعہ ہوگا۔ ﴿ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ ﴾ میں (من) تبعیض کے لیے ہے اور یہ اس بات کی طرف توجہ دلانے کے لیے ہے کہ ان کے رزق اور اموال میں سے تھوڑا سا حصہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا مقصود ہے جس کا خرچ کرنا ان کے لیے نقصان دہ اور گراں نہ ہو بلکہ اس انفاق سے خود انہیں اور ان کے بھائیوں کو فائدہ پہنچے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ رَزَقْنٰهُمْ ﴾ میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ مال و متاع جو تمہارے قبضے

میں ہے تمہیں تمہاری اپنی قوت اور ملکیت کے بل بوتے پر حاصل نہیں ہوا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا رزق ہے۔ اسی نے تم کو عطا کیا ہے اور اسی نے تم کو اس نعمت سے نوازا ہے۔ پس جس طرح اس نے تمہیں اور بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے اور اس نے تمہیں اپنے بہت سے بندوں پر فضیلت عطا کی' تو تم بھی اللہ کا شکر ادا کرو اور ان نعمتوں کا کچھ حصہ اپنے مفلس اور نادار بھائیوں پر خرچ کر کے ان کی مدد کرو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اکثر مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کو اکٹھا ذکر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز معبود کے لیے اخلاص کو متضمن ہے اور زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کو متضمن ہے۔ پس بندۂ مومن کی سعادت کا عنوان یہ ہے کہ اس کا اخلاص معبود کے لیے ہو اور اس کی تمام تر کاوش مخلوق کو نفع پہنچانے کے لیے ہو، جیسے بندے کی بدبختی اور شقاوت کا عنوان یہ ہے کہ وہ ان دونوں چیزوں سے محروم ہو اس کے پاس اخلاص ہو نہ حسن سلوک۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ ''اور وہ لوگ جو یقین رکھتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا'' اس سے مراد قرآن اور سنت ہے اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (النساء: ۱۱۳/٤) ''اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت (یعنی سنت) نازل کی''۔ پس اصحاب تقویٰ ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ لے کر مبعوث ہوئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی میں تفریق نہیں کرتے کہ اس کے کسی حصے پر تو ایمان لے آئیں اور کسی حصے پر اپنے انکار یا ایسی تاویل کے ذریعے سے جو اللہ اور اس کے رسول کی مراد نہ ہو' ایمان نہ لائیں۔ جیسا کہ اہل بدعت کا وتیرہ ہے جو قرآن و سنت کی ان نصوص کی تاویل کرتے ہیں جو ان کے قول کے خلاف ہوتی ہیں جو کہ درحقیقت ان نصوص کے معانی کی تصدیق نہیں ہے۔ وہ اگرچہ ان نصوص کے ظاہری الفاظ کی تصدیق کرتے ہیں مگر ان پر حقیقی طور پر ایمان نہیں لاتے۔

﴿ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ﴾ ''اور اس پر جو آپ سے پہلے اتارا گیا'' یہ آیت کریمہ گزشتہ تمام کتابوں پر ایمان رکھنے پر مشتمل ہے اور گزشتہ کتابوں پر ایمان لانا اس بات کو متضمن ہے کہ انبیائے سابقین پر ایمان لایا جائے۔ نیز ان حقائق پر ایمان لایا جائے جن پر یہ الہامی کتابیں خاص طور پر تورات' انجیل اور زبور مشتمل ہیں۔ یہ اہل ایمان کی خصوصیت ہے کہ وہ تمام کتب سماویہ اور تمام انبیاء و مرسلین پر ایمان لاتے ہیں ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔

﴿ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴾ ''اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں''۔ آخرت ان تمام امور کا نام ہے جو مرنے کے بعد انسان کو پیش آئیں گے۔ عمومی ایمان کے ذکر کے بعد آخرت پر ایمان کو خاص طور پر ذکر کیا ہے' کیونکہ

آخرت پر ایمان لانا ارکان ایمان میں سے ایک اہم رکن ہے' نیز آخرت پر ایمان رغبت' خوف اور اعمال صالحہ کا باعث ہے۔ اور (یقین) ایسے علم کامل کو کہتے ہیں جس میں ادنیٰ سا بھی شک نہ ہو۔ یقین عمل کا موجب ہوتا ہے۔

﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ یعنی وہ لوگ جو ان صفات حمیدہ سے متصف ہیں۔ ﴿ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ اپنے رب کی طرف سے عظیم ہدایت پر ہیں' کیونکہ یہاں ﴿ هُدًى ﴾ کا نکرہ استعمال ہونا اس کی تعظیم کی بنا پر ہے اور کون سی ہدایت ایسی ہے جو صفات مذکورہ سے عظیم تر ہو جو صحیح عقیدے اور درست اعمال کو متضمن ہیں؟ ہدایت تو درحقیقت وہی ہے جس پر اہل ایمان عمل پیرا ہیں اس کے علاوہ دیگر تمام مخالف راستے گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ اس مقام پر (علی) کا صلہ استعمال کیا گیا ہے جو بلندی اور غلبے پر دلالت کرتا ہے اور ''ضلالت'' کا ذکر کرتے ہوئے (فی) کا صلہ استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ﴿ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ (سبا: ۲۴/۳۴) ''ہم یا تم یا تو سیدھے راستے پر ہیں یا صریح گمراہی میں'' کیونکہ صاحب ہدایت بر بنائے ہدایت بلند اور غالب ہوتا ہے اور صاحب ضلالت اپنی گمراہی میں ڈوبا ہوا اور نہایت حقیر ہے۔

﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ ''اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے'' (فلاح) اپنے مطلوب کے حصول میں کامیابی اور خوف سے نجات کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فلاح کو اہل ایمان میں محصور اور محدود کر دیا کیونکہ اہل ایمان کے راستے پر گامزن ہوئے بغیر فلاح کی منزل کو نہیں پایا جا سکتا۔ اس راستے کے سوا دیگر راستے بدبختی' ہلاکت اور خسارے کے راستے ہیں جو اپنے چلنے والوں کو ہلاکت کے گڑھوں میں جا گراتے ہیں۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے جہاں اہل ایمان کی حقیقی صفات بیان فرمائی ہیں وہاں رسول اللہ ﷺ سے عناد رکھنے والے کھلے کافروں کی صفات کا ذکر بھی کر دیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا' برابر ہے ان پر' آیا آپ ڈرائیں انہیں یا نہ ڈرائیں انہیں' نہیں ایمان لائیں گے وہ ○

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ؗ وَّلَهُمْ

مہر لگا دی ہے اللہ نے اوپر ان کے دلوں کے اور اوپر ان کے کانوں کے' اور اوپر ان کی آنکھوں کے پردہ ہے اور ان کے لیے

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۷﴾ ع

عذاب ہے بہت بڑا ○

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ جنہوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا یعنی کفر کی صفات سے متصف ہوئے اور کفر کے رنگ میں اس طرح رنگے گئے کہ کفران کا وصف لازم بن گیا جس سے کوئی ہٹانے والا ان کو ہٹا نہیں سکتا اور نہ کوئی نصیحت ان پر کارگر ہو سکتی ہے۔ وہ اپنے کفر میں راسخ اور اس پر جمے ہوئے ہیں' لہٰذا ان کے لیے برابر ہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ

ڈراؤ وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

حقیقت میں کفر اس تعلیم یا اس کے بعض حصے کا انکار کرنے کا نام ہے جسے رسول اللہ ﷺ لے کر آئے۔ پس ان کفار کو کوئی دعوت فائدہ نہیں دیتی البتہ اس دعوت سے ان پر حجت ضرور قائم ہو جاتی ہے۔ اس آیت میں گویا رسول اللہ ﷺ کی اس امید کو ختم کر دیا گیا جو آپ کو ان کے ایمان لانے کی تھی اور فرما دیا گیا کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے پر غمزدہ نہ ہوں اور ان کفار کے ایمان نہ لانے پر افسوس اور حسرت کے مارے آپ ہلکان نہ ہوں۔

پھر ان موانع کا ذکر کیا ہے جو ان کے ایمان لانے سے مانع ہیں۔ ﴿خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے لہٰذا ایمان ان میں داخل نہیں ہو سکتا۔ پس وہ کسی فائدہ مند چیز کو یاد کر سکتے ہیں نہ کسی فائدہ مند چیز کو سن سکتے ہیں۔ ﴿وَ عَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ یعنی ان کی آنکھوں کے سامنے پردہ ہے جو انہیں فائدہ مند چیزوں کو دیکھنے سے روکتا ہے۔ یہی وہ ذرائع ہیں جو علم اور بھلائی کے حصول میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان ذرائع کو ان پر مسدود کر دیا گیا ہے' لہٰذا ان سے کسی قسم کی توقع نہیں کی جا سکتی اور نہ ان سے کسی بھلائی کی امید کی جا سکتی ہے۔ ان پر ایمان کے دروازے صرف اس لیے بند کر دیے گئے کہ انہوں نے حق کے عیاں ہو جانے کے بعد بھی کفر' انکار اور عناد کا رویہ اختیار کیے رکھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ (الانعام: ۶/۱۱۰) ''اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے وہ اس قرآن پر اس طرح ایمان نہ لائیں گے جس طرح وہ پہلی بار ایمان نہ لائے''۔

یہ دنیاوی عذاب ہے۔ پھر آخرت کے عذاب کا ذکر کیا اور فرمایا: ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ ''اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے'' یہ جہنم کا عذاب اور اللہ جبار کی دائمی ناراضی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کا ذکر فرمایا جو ظاہری طور پر مسلمان ہیں مگر ان کا باطن کفر سے لبریز ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۘ﴿۸﴾

اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں' ایمان لائے ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر' حالانکہ نہیں ہیں وہ ایمان لانے والے ○

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ؕ﴿۹﴾

وہ دھوکا دیتے ہیں اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے' اور نہیں دھوکا دیتے وہ مگر اپنے آپ ہی کو اور وہ نہیں شعور رکھتے ○

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾

ان کے دلوں میں بیماری ہے سو بڑھا دیا ان کو اللہ نے بیماری میں' اور ان کیلئے عذاب ہے بڑا دردناک' بہ سبب اسکے کہ تھے وہ جھوٹ بولتے ○

معلوم ہونا چاہیے کہ نفاق بھلائی کا اظہار کرنے اور باطن میں برائی چھپانے کا نام ہے۔ اس تعریف میں نفاق

اعتقادی اور نفاق عملی دونوں شامل ہیں۔ جیسے نبی ﷺ نے بھی اپنے اس فرمان میں اس کا ذکر فرمایا: «آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ، إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَ إِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَ إِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ » [1] ''منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے''۔ ایک اور روایت میں آتا ہے «وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ» [2] ''جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ کرے۔''

رہا نفاق اعتقادی جو دائرۂ اسلام سے خارج کرنے والا ہے۔ تو یہ وہ نفاق ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منافقین کو اس سورت میں اور بعض دیگر سورتوں میں متصف فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد تک نفاق کا وجود نہ تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر میں اہل ایمان کو غلبے اور فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا۔ پس مدینہ میں رہنے والے وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، ذلیل ٹھہرے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ لوگوں نے خوف کی وجہ سے دھوکے کے ساتھ اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا تاکہ ان کا جان و مال محفوظ رہے۔ پس وہ مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے درآنحالیکہ وہ مسلمان نہیں تھے۔

اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم تھا کہ اس نے ان منافقین کے احوال و اوصاف ان کے سامنے واضح کر دیے جن کی بنا پر وہ پہچان لیے جاتے تھے تاکہ اہل ایمان ان سے دھوکہ نہ کھا سکیں نیز منافقین اپنے بہت سے فسق و فجور سے باز آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ (التوبہ: ۹/ ۶۴) ''منافق ڈرتے ہیں کہ کہیں ان کے بارے میں کوئی ایسی سورت نہ نازل کر دی جائے جو ان کے دل کی باتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کر دے''۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اصل نفاق کو بیان کیا اور فرمایا: ﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر، حالانکہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں'' کیونکہ یہ لوگ اپنی زبان سے ایسی بات کا اظہار کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ﴿ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴾ کہہ کر انہیں جھوٹا قرار دیا۔ اس لیے کہ حقیقی ایمان وہ ہے جس پر دل اور زبان متفق ہوں، ان منافقین کا یہ اظہارِ ایمان تو اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کو دھوکہ دینا ہے۔

(اَلْمُخَادَعَةُ) ''دھوکہ'' یہ ہے کہ دھوکہ دینے والا شخص جس کو دھوکہ دیتا ہے اس کے سامنے زبان سے جو کچھ ظاہر کرتا ہے اس کے خلاف اپنے دل میں چھپاتا ہے تاکہ اس شخص سے اپنا مقصد حاصل کر سکے جسے وہ دھوکہ دے رہا ہے۔

[1] صحيح بخاري، الإيمان، باب علامات المنافق، حديث : 33

[2] حوالہ سابق حديث : 34

پس منافقین نے اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کے ساتھ اسی رویہ کو اختیار کیا تو یہ دھوکہ انہی کی طرف لوٹ آیا (یعنی اس کا سارا وبال انہی پر پڑا) اور یہ عجائبات میں سے ہے' کیونکہ دھوکہ دینے والے کا دھوکہ یا تو نتیجہ خیز ہوتا ہے اور اسے اپنا مقصد حاصل ہو جاتا ہے یا وہ محفوظ رہتا ہے اور اس کا نتیجہ نہ تو اس کے حق میں ہوتا ہے اور نہ اس کے خلاف۔ مگر ان منافقین کا دھوکہ خود ان کی طرف پلٹ گیا۔ گویا کہ وہ مکر اور چالبازیاں جو دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لیے کر رہے تھے وہ درحقیقت اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے لیے کر رہے تھے۔ اس لیے کہ ان کے دھوکے سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے نہ اہل ایمان کو۔ پس منافقین کے ایمان ظاہر کرنے سے اہل ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا' اظہار ایمان سے انہوں نے اپنے جان و مال کو محفوظ کر لیا اور ان کا مکر و فریب ان کے سینوں میں رہ گیا اس نفاق کی وجہ سے دنیا میں ان کو رسوائی ملی اور اہل ایمان کو قوت اور فتح و نصرت سے سرفراز ہونے کی وجہ سے وہ حزن و غم کی دائمی آگ میں سلگنے لگے۔ پھر آخرت میں ان کے جھوٹ اور ان کے کفر و فجور کے سبب سے ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا' جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی حماقت اور جہالت کی وجہ سے اس کے شعور سے بے بہرہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ﴾ ''ان کے دلوں میں روگ ہے'' سے مراد شکوک و شبہات اور نفاق کا مرض ہے۔ قلب کو دو قسم کے امراض لاحق ہوتے ہیں جو اسے صحت و اعتدال سے محروم کر دیتے ہیں۔

۱۔ شبہات باطلہ کا مرض ۲۔ اور ہلاکت میں ڈالنے والی شہوات کا مرض۔

پس کفر و نفاق اور شکوک و بدعات یہ سب شبہات کے امراض ہیں۔ زنا' فواحش و معاصی سے محبت اور ان کا ارتکاب یہ سب شہوات کے امراض ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَيَطْمَعَ الَّذِيْ فِيْ قَلْبِهٖ مَرَضٌ ﴾ (الاحزاب: ۳۳/۳۲) ''پس وہ شخص جس کے دل میں مرض ہے' وہ طمع کرے گا'' اس مرض سے مراد شہوت زنا ہے۔ برائی سے صرف وہی بچے گا جو ان دو امراض سے محفوظ ہوگا۔ پس اس کو ایمان و یقین حاصل ہوتا ہے اور معاصی کے مقابلے میں صبر کی ڈھال عطا کر دی جاتی ہے اور وہ عافیت کا لباس زیب تن کر کے ناز و ادا سے چلتا ہے۔

منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ﴾ میں گناہ گاروں کے گناہوں کی تقدیر کی بابت اللہ تعالیٰ کی حکمت کا بیان ہے کہ یہ روگ نفاق ان کے سابقہ گناہوں کا نتیجہ ہے' نیز اللہ تعالیٰ انہیں اس کے سبب سے مزید گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے جو ان کے لیے مزید سزا کے موجب بنتے ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ (الانعام: ۶/۱۱۰) ''اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (وہ اس قرآن پر اسی طرح ایمان نہ لائیں گے جس

طرح) وہ پہلی مرتبہ ایمان نہ لائے تھے“۔ اور فرمایا: ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ (الصف: ۵/۶۱) ”جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا“۔ اور فرمایا: ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ﴾ (التوبہ: ۱۲۵/۹) ”اور رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے تو اس سورت نے ان کی گندگی میں گندگی کو اور زیادہ کر دیا“۔ پس گناہ کی سزا گناہ کی دلدل میں مزید دھنستے چلے جانا ہے۔ جیسے نیکی کی جزا یہ ہے کہ اس کے بعد اسے مزید نیکی کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾ (مریم: ۷۶/۱۹) ”اور وہ لوگ جو ہدایت یاب ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے۔“

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾ اَلَآ

اور جب کہا جاتا ہے ان سے نہ فساد کرو زمین میں، تو کہتے ہیں یقیناً ہم تو اصلاح کرنے والے ہی ہیں ○ خبردار!

اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

بلاشبہ وہی فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ نہیں شعور رکھتے ○

جب ان منافقوں کو زمین میں فساد پھیلانے سے روکا جاتا ہے اور فساد سے مراد اعمال کفر اور معاصی ہیں۔ نیز دشمن کے پاس اہل ایمان کے راز پہنچانا اور کفار کے ساتھ دوستی رکھنا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرتے ہیں۔ پس انہوں نے دو باتوں کو اکٹھا کر دیا۔ (۱) فساد فی الارض کا ارتکاب۔ (۲) اس بات کا اظہار کہ یہ فساد پھیلانا نہیں، بلکہ اصلاح ہے۔ یوں گویا ایک تو انہوں نے حقائق کو بدل دیا (فساد کا نام اصلاح رکھا) دوسرے، فعل باطل اور اس کے حق ہونے کے اعتقاد کو جمع کر دیا۔ یہ لوگ ان لوگوں سے زیادہ بڑے مجرم ہیں جو گناہ کو حرام سمجھتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ لوگ سلامتی کے زیادہ قریب ہیں اور ان کی بابت ارتکاب گناہ سے باز آ جانے کی زیادہ امید ہے۔

چونکہ ان کے قول ﴿اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ﴾ ”بیشک ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں“ میں اصلاح ان کی جانب محدود و محصور ہے۔ جس سے ضمناً یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اہل ایمان اصلاح والے نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا دعویٰ انہی پر پلٹ دیا۔ فرمایا: ﴿اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ﴾ ”خبردار! بے شک یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں“ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر، اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے، اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیا کو دھوکہ دینے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے والوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے بڑا کوئی فساد نہیں۔ اس کے باوجود وہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ وہ اصلاح کر رہے ہیں۔ کیا اس فساد کے بعد بھی کوئی اور فساد رہ جاتا ہے؟ لیکن وہ اپنے فساد کے بارے میں ایسا علم نہیں رکھتے جو انہیں فائدہ پہنچا سکے اگرچہ وہ اس کے بارے میں ایسا علم ضرور

رکھتے ہیں جوان کے خلاف حجت قائم کرے گا اور صرف ان کے اعمال ہی زمین کے اندر فساد کا باعث ہیں کیونکہ برے اعمال اور گناہوں کے سبب سے روئے زمین پر آفتیں اور مصائب نازل ہوتے ہیں جو غلے، پھلوں، درختوں اور نباتات کو بھی خراب کر دیتے ہیں۔

زمین کے اندر اصلاح یہ ہے کہ اسے ایمان اور اطاعت الٰہی سے معمور رکھا جائے۔ اسی اطاعت و ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر کے اس کو زمین پر آباد کیا اور ان پر رزق کے دروازے کھول دیے تاکہ وہ اس رزق کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کرے، لہٰذا جب اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کے خلاف عمل کیا جائے گا تو یہ عمل گویا زمین میں فساد برپا کرنا اور اس کو اجاڑنا ہوگا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا

اور جب کہا جاتا ہے ان سے 'ایمان لاؤ! جیسے ایمان لائے لوگ' تو کہتے ہیں کیا ایمان لائیں ہم جیسے ایمان لائے بے وقوف؟ خبردار!

إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ﴿١٣﴾

بلاشبہ وہی ہیں بیوقوف لیکن وہ نہیں جانتے ○

یعنی جب منافقین سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسے لوگ ایمان لائے ہیں۔ یعنی جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان لائے ہیں جو کہ قلب و زبان کا ایمان ہے تو یہ اپنے زعم باطل میں جواب دیتے ہیں ''کیا ہم ویسا ایمان لائیں جیسا بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟'' ان کا برا ہو۔ بیوقوف لوگوں سے ان کی مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں، کیونکہ ان کے زعم باطل کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیوقوفی اور حماقت ہی ان کے ایمان، ترک وطن اور کفار سے دشمنی مول لینے کی موجب ہے۔ ان کے نزدیک عقل اس کے متضاد اور برعکس رویے کا تقاضا کرتی ہے۔ بنابریں انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سفاہت و حماقت سے منسوب کیا۔ ضمنی طور پر اس سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ صرف وہی عقل مند اور اصحاب دانش و بینش ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کی تردید کرتے ہوئے خبر دی کہ درحقیقت وہی بیوقوف اور احمق ہیں۔ کیونکہ بیوقوفی کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے مصالح سے بے خبر اور ایسے کاموں میں سرگرم ہو جو اس کے لیے ضرر رساں ہوں اور یہ صفت ان منافقین ہی پر منطبق ہوتی ہے۔ اور عقل اور دانش و بینش یہ ہے کہ انسان کو اپنے مصالح کی معرفت حاصل ہو اور وہ فائدہ مند امور کے حصول اور ضرر رساں امور کو روکنے کے لیے کاوش کرے۔ یہ صفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل ایمان پر منطبق ہوتی ہے۔

پس (کسی چیز کا) اعتبار مجرد دعوے اور خالی خولی باتوں سے نہیں ہوتا بلکہ اوصاف اور دلائل کی بنا پر ہوتا ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ

اور جب ملتے ہیں وہ ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ایمان لے آئے ہم اور جب تنہا ہوتے ہیں وہ اپنے سرداروں کی طرف تو کہتے ہیں بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں'

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾

بلاشبہ ہم تو صرف استہزاء کرنیوالے ہیں ○ اللہ استہزاء کرتا ہے ان سے اور بڑھاتا ہے انکو انکی سرکشی میں' وہ بھٹکتے پھرتے ہیں ○

یہ قول ان کی ان باتوں میں سے ہے جس کا اظہار وہ اپنی زبانوں سے کرتے تھے دراں حالیکہ ان کے دل میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ جب یہ منافقین اہل ایمان کے پاس جاتے ہیں تو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ان کے طریقے پر گامزن ہیں اور ان کے ساتھ ہیں اور جب وہ اپنے شیطان سرداروں یعنی شریر رؤسا سے تنہائی میں ملتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں: ''ہم تو درحقیقت تمہارے ساتھ ہیں ہم تو اہل ایمان کو یہ کہہ کر کہ' ہم تمہارے ساتھ ہیں' ان کا مذاق اڑا رہے تھے''۔ یہ ہیں ان کے ظاہری اور باطنی احوال۔ بری چال کا وبال اسی پر پڑتا ہے جو یہ چال چلتا ہے۔

﴿ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ ''اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے اور بڑھاتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں (اور) وہ سرگرداں پھرتے ہیں۔''

اللہ تعالیٰ کا یہ استہزا ان کے اس استہزا کی جزا ہے جو وہ اللہ کے بندوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا استہزا یہ ہے کہ وہ ان کے بدبختی کے اعمال اور خبیث احوال کو ان کے سامنے مزین اور آراستہ کردیتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان پر مسلط نہیں کیا اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اہل ایمان کے ساتھ ہیں۔ قیامت کے روز ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا استہزا یہ ہوگا کہ وہ اہل ایمان کے ساتھ انہیں ظاہری روشنی عطا کرے گا۔ جب اہل ایمان اس روشنی میں چلیں گے تو منافقین کی روشنی بجھ جائے گی۔ وہ روشنی کے بجھ جانے کے بعد تاریکی میں متحیر کھڑے رہ جائیں گے۔ پس امید کے بعد مایوسی کتنی بری چیز ہے۔ ﴿ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ ﴾ (الحدید: ۵۷/ ۱۴) ''وہ منافق اہل ایمان کو پکار کر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اہل ایمان جواب دیں گے کیوں نہ تھے مگر تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالا اور تم ہمارے بارے میں کسی برے وقت کے منتظر رہے اور تم نے اسلام کے بارے میں شک کیا''۔

﴿ وَيَمُدُّهُمْ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو زیادہ کرتا ہے ﴿ فِىْ طُغْيَانِهِمْ ﴾ یعنی ان کے فسق وفجور اور کفر میں ﴿ يَعْمَهُوْنَ ﴾ یعنی وہ حیران وسرگرداں ہیں' یہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا استہزا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی حقیقت احوال کو منکشف کرتے ہوئے فرمایا:

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی بدلے ہدایت کے' پس نہ نفع بخش ہوئی ان کی تجارت اور نہ ہوئے وہ ہدایت پانے والے

یعنی وہ گمراہی کی طرف اس طرح راغب ہوئے جیسے خریدار کسی ایسے سامان تجارت کو خریدنے کی طرف مائل ہو جسے خریدنے کی اسے سخت چاہت ہو چنانچہ وہ اس رغبت کی وجہ سے اس میں اپنا قیمتی مال خرچ کرتا ہے اور یہ بہترین مثال ہے' اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے گمراہی کو' جو کہ برائی کی انتہا ہے' سامان تجارت سے تشبیہ دی ہے اور ہدایت کو' جو کہ بھلائی کی انتہا ہے' اس سامان تجارت کی قیمت سے تشبیہ دی۔ پس انہوں نے ہدایت کو اس سے بے رغبتی کی وجہ سے اور گمراہی کی طرف رغبت اور چاہت کی وجہ سے' گمراہی کے بدلے میں خرچ کر دیا .... پس یہ تھی ان کی تجارت' کتنی بری تجارت تھی اور یہ تھا ان کا سامان بیع اور کتنا برا سامان بیع تھا۔

جب کوئی شخص ایک درہم کے مقابلے میں ایک دینار خرچ کرتا ہے تو خائب و خاسر کہلاتا ہے' تب اس شخص کے خسارے کا کیا حال ہوگا جو جواہر خرچ کر کے اس کے بدلے میں ایک درہم حاصل کرتا ہے اور پھر اس شخص کا خسارہ کتنا بڑا ہوگا جو ہدایت کے بدلے گمراہی خریدتا ہے' خوش بختی کو چھوڑ کر بدبختی اختیار کرتا ہے اور بلند مقاصد کو ترک کر کے گھٹیا امور کی طرف راغب ہوتا ہے۔ اس کی تجارت نے اسے کوئی نفع نہ دیا بلکہ وہ سب سے بڑے خسارے میں مبتلا ہو گیا۔ ﴿ قُلۡ اِنَّ الۡخٰسِرِیۡنَ الَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ وَ اَہۡلِیۡہِمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ ؕ اَلَا ذٰلِکَ ہُوَ الۡخُسۡرَانُ الۡمُبِیۡنُ ﴾ (الزمر: ۱۵/۳۹) ''(اے نبی!) فرما دیجیے کہ بے شک خسارہ اٹھانے والے وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے روز خسارے میں ڈالا۔ آگاہ رہو! کہ یہی صریح خسارہ ہے''۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ وَمَا کَانُوۡا مُہۡتَدِیۡنَ ﴾ ''اور نہ ہوئے وہ راہ پانے والے'' ان کی گمراہی کو متحقق کرنے کے لیے ہے نیز یہ کہ ہدایت سے ان کو کوئی حصہ نہیں ملا۔ پس یہ ان منافقین کے بدترین اوصاف ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے احوال کو واضح کرنے کے لیے ایک تمثیل بیان کی' فرمایا:

مَثَلُہُمۡ کَمَثَلِ الَّذِی اسۡتَوۡقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّاۤ اَضَآءَتۡ مَا حَوۡلَہٗ ذَہَبَ اللّٰہُ

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے جلائی آگ' پھر جب روشن کر دیا اس (آگ) نے اس کے ارد گرد کو' لے گیا اللہ

بِنُوۡرِہِمۡ وَ تَرَکَہُمۡ فِیۡ ظُلُمٰتٍ لَّا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّۢ بُکۡمٌ عُمۡیٌ فَہُمۡ لَا

روشنی ان کی' اور چھوڑ دیا ان کو اندھیروں میں' وہ نہیں دیکھتے ○ (وہ) بہرے ہیں' گونگے ہیں' اندھے ہیں' پس وہ نہیں

یَرۡجِعُوۡنَ ﴿۱۸﴾ اَوۡ کَصَیِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِیۡہِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعۡدٌ وَّ بَرۡقٌ ۚ یَجۡعَلُوۡنَ

لوٹتے ○ یا (ان کی مثال) زوردار بارش کی سی ہے جو آسمان سے (آتی) ہے' اس میں اندھیرے اور گرج اور بجلی ہے' ٹھونستے ہیں

اَصَابِعَہُمۡ فِیۡۤ اٰذَانِہِمۡ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الۡمَوۡتِ ؕ وَ اللّٰہُ مُحِیۡطٌۢ بِالۡکٰفِرِیۡنَ ﴿۱۹﴾

اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں' بوجہ کڑکوں کے' موت کے ڈر سے اور اللہ گھیرنے والا ہے کافروں کو ○

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَاۤ اَضَاۤءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَاۤ اَظْلَمَ

قریب ہے بجلی کہ اچک لے آنکھیں ان کی، جب چمکتی ہے ان پر تو وہ چلنے لگتے ہیں اس (کی روشنی) میں اور جب اندھیرا ہوتا ہے

عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَاۤءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

ان پر تو وہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے کان ان کے اور آنکھیں ان کی؛ بے شک اللہ

عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ ع ۲

ہر چیز پر خوب قادر ہے ○

یعنی ان کی مثال' جوان کے احوال کی آئینہ دار ہے' اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی ہو....... یعنی یہ شخص اندھیرے میں تھا' آگ کی اسے سخت ضرورت تھی اس نے کسی اور سے لے کر آگ روشن کی۔ یہ آگ اس کے پاس تیار اور موجود نہ تھی۔ جب آگ نے اس کے ماحول کو روشن کر دیا اور اس نے اس جگہ کو دیکھا جہاں وہ کھڑا تھا' ان خطرات کو دیکھا جنہوں نے اسے گھیر رکھا تھا اور اس امن کو دیکھا (جو اسے اس روشنی کے باعث حاصل ہوا تھا) اس نے اس آگ سے فائدہ اٹھایا اور اس آگ سے اسے اطمینان حاصل ہوا وہ سمجھتا تھا کہ اس آگ پر اسے پوری قدرت حاصل ہے اور اسی خیال میں غلطاں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے روشنی لے کر زائل کر دی اس کے ساتھ اس کی مسرت بھی چلی گئی اور وہ سخت تاریکی اور جلتی ہوئی آگ میں کھڑا رہ گیا۔ آگ کی روشنی چلی گئی مگر اس کی جلا دینے والی حرارت باقی رہ گئی۔ پس وہ متعدد تاریکیوں میں گھرا ہوا رہ گیا' رات کی تاریکی' بادلوں کا اندھیرا' بارش کا اندھیرا اور ایک وہ اندھیرا جو روشنی کے بجھنے کے فوراً بعد محسوس ہوتا ہے تب اس بیان کردہ شخص کی کیا حالت ہوگی؟ یہی حال ان منافقین کا ہے۔ انہوں نے اہل ایمان سے ایمان کی آگ لے کر آگ روشن کی' کیونکہ وہ ایمان کی روشنی سے بہرہ ور نہ تھے' انہوں نے وقتی طور پر اس آگ سے روشنی حاصل کی اور اس سے فائدہ اٹھایا' اس طرح انہوں نے اپنے جان و مال کو محفوظ کر لیا اور دنیا میں ان کو ایک قسم کا امن حاصل ہو گیا وہ اسی حالت میں تھے کہ اچانک ان پر موت حملہ آور ہوئی اور اس روشنی سے حاصل ہونے والے تمام فوائد اس سے چھین لے گئی' ہر قسم کا عذاب اور غم ان پر مسلط ہو گیا کفر و نفاق اور گناہوں کی مختلف تاریکیوں نے ان کو گھیر لیا اس کے بعد انہیں جہنم کے اندھیروں کا سامنا کرنا ہوگا جو بدترین ٹھکانا ہے۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: ﴿صُمٌّ﴾ وہ بھلائی کی بات سننے سے بہرے ہیں۔ ﴿بُكْمٌ﴾ وہ بھلائی کی بات کہنے سے گونگے ہیں۔ ﴿عُمْىٌ﴾ حق کے دیکھنے سے اندھے ہیں۔ ﴿فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ چونکہ انہوں نے حق کو پہچان کر ترک کیا ہے اس لیے اب یہ واپس نہیں لوٹیں گے۔ ان کی حالت اس شخص کی حالت کے برعکس ہے جو محض جہالت اور گمراہی کی بنا پر حق کو ترک کرتا ہے کیونکہ وہ اسے سمجھتا نہیں۔ ان کی نسبت اس شخص کے

بارے میں زیادہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ حق کی طرف رجوع کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ یا (ان کی مثال) اس شخص کی مانند ہے جس پر موسلا دھار بارش ہو رہی ہو۔ (صَیِّبٍ) سے مراد وہ بارش ہے جو موسلا دھار برستی ہے۔

﴿ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ ﴾ ''اس میں اندھیرے ہیں۔'' اس سے مراد ہے' رات کا اندھیرا' بادل کا اندھیرا اور بارش کی تاریکیاں۔ ﴿ وَّ رَعْدٌ ﴾ ''اور کڑک کی آواز ہے۔'' جو کہ بادل سے سنائی دیتی ہے۔ ﴿ وَّ بَرْقٌ ﴾ اور بجلی کی وہ چمک ہے جو بادلوں میں دکھائی دیتی ہے۔ ﴿ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ ﴾ یعنی اس بجلی کی چمک جب اندھیرے میں روشنی کرتی ہے۔ ﴿ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ﴾ ''تو چلتے ہیں اس میں اور جب ان پر اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں'' یعنی وہ کھڑے رہ جاتے ہیں۔

پس اسی قسم کی حالت منافقین کی ہے جب وہ قرآن مجید' اس کے اوامر ونواہی اور اس کے وعد و وعید سنتے ہیں' تو اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔ اس کے اوامر ونواہی اور وعد و وعید سے اعراض کرتے ہیں وعید ان کو گھبراہٹ میں مبتلا کرتی ہے اور اس کے وعدے ان کو پریشان کر دیتے ہیں۔ وہ حتی الامکان ان سے اعراض کرتے ہیں اور اس شخص کی مانند اسے سخت ناپسند کرتے ہیں جو سخت بارش میں گھرا ہوا بجلی کی کڑک سنتا ہے اور موت کے ڈر سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتا ہے اس شخص کو تو بسا اوقات سلامتی اور امن مل جاتا ہے۔ مگر منافقین کے لیے کہاں سے سلامتی آئے گی؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم نے انہیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ وہ اس کی پکڑ سے بھاگ نہیں سکتے اور نہ وہ اس کو عاجز کر سکتے ہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو اعمال ناموں میں محفوظ کر دیتا ہے اور وہ ان کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔ چونکہ وہ معنوی بہرے پن' گونگے پن اور اندھے پن میں مبتلا ہیں اور ان پر ایمان کی تمام راہیں مسدود ہیں اس لیے ان کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ﴾ ''اور اگر اللہ چاہے تو لے جائے ان کے کان اور ان کی آنکھیں'' یعنی ان کی حسِ سماعت اور حسِ بصر سلب کر لے۔ اس آیت کریمہ میں ان کو دنیاوی سزا سے ڈرایا گیا ہے تاکہ وہ ڈر کر اپنے شر اور نفاق سے باز آ جائیں۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ''بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' اس لیے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو کر گزرتا ہے۔ کوئی اس کو روکنے والا اور اس کی مخالفت کرنے والا نہیں۔

اس آیت اور اس قسم کی دیگر آیات میں قدریہ کا رد ہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انسانوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی قدرت میں داخل نہیں ہیں کیونکہ انسانوں کے افعال بھی من جملہ ان اشیاء کے ہیں جو ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

﴿شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ﴾ کے تحت اس کی قدرت میں داخل ہیں۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعۡبُدُوۡا رَبَّكُمُ الَّذِیۡ خَلَقَكُمۡ وَالَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ لَعَلَّكُمۡ
اے لوگو! عبادت کرو تم اپنے رب کی، وہ جس نے پیدا کیا تمہیں اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم
تَتَّقُوۡنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِیۡ جَعَلَ لَكُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ
متقی بن جاؤ ○ وہ جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت، اور نازل کیا اس نے آسمان سے
مَآءً فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزۡقًا لَّكُمۡ ۚ فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۲۲﴾
پانی، پھر نکالا ساتھ اس کے پھلوں سے رزق تمہارے لیے، پس نہ ٹھہراؤ تم اللہ کا شریک، حالانکہ تم جانتے ہو ○

یہ تمام لوگوں کے لیے امر عام ہے اور وہ اللہ کی عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت، اس کے نواہی سے اجتناب اور اس کی خبر کی تصدیق کی جامع ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس چیز کا حکم دیا جس کے لیے ان کی تخلیق کی گئی ہے۔ فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقۡتُ الۡجِنَّ وَالۡاِنۡسَ اِلَّا لِیَعۡبُدُوۡنِ﴾ (الذاریات: ۵۶/۵۱) ”میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا تاکہ وہ میری عبادت کریں۔“

پھر صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ وہ تمہارا رب ہے اس نے تمہیں بہت سی نعمتوں سے نواز کر تمہاری تربیت اور پرورش کی۔ وہ تمہیں عدم سے وجود میں لایا، اس نے ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے، اس نے تمہیں ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کیں، اس نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا جہاں تم اپنا ٹھکانا بناتے ہو، جہاں تم عمارات تعمیر کر کے زراعت اور کاشتکاری کر کے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کر کے مختلف فوائد حاصل کرتے ہو، اس کے علاوہ تم زمین کے بعض دیگر فوائد سے استفادہ کرتے ہو۔ اس نے تمہارے اس مسکن کے لیے آسمان کو چھت بنایا۔ اس نے تمہاری ضروریات اور حاجات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس چھت میں بھی بہت سی نفع بخش چیزیں مثلاً سورج، چاند اور ستارے پیدا کیے۔

﴿وَّاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً﴾ ”اور اتارا اس نے آسمان سے پانی۔“ ہر وہ چیز جو آپ کے اوپر اور بلند ہے وہ آسمان کہلاتی ہے۔ بنابریں علمائے تفسیر کہتے ہیں کہ یہاں آسمان سے مراد بادل ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے پانی برسایا ﴿فَاَخۡرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ﴾ اور اس پانی کے ذریعے سے مختلف اقسام کے غلہ جات، مختلف انواع کے پھل اور میوہ جات، کھجوریں اور دیگر کھیتیاں اگائیں ﴿رِزۡقًا لَّكُمۡ﴾ ”تمہارے رزق کے طور پر“ جس سے تم رزق اور خوراک حاصل کرتے ہو، اس رزق سے زندگی بسر کرنے کا سامان کرتے ہو اور اس سے تم لذت حاصل کرتے ہو۔ ﴿فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا﴾ پس تم مخلوق میں سے اس کی برابری کرنے والے ہمسر بنا کر ان کی عبادت نہ کرو جیسے تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو، اور ان سے ایسی محبت نہ کرو جیسے تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو،

وہ بھی تمہاری مانند مخلوق ہیں ان کو بھی رزق دیا جاتا ہے اور ان کی زندگی کی بھی تدبیر کی جاتی ہے۔ وہ زمین و آسمان میں ایک ذرے کے بھی مالک نہیں۔ وہ تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ ﴿ وَّاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴾ ”حالانکہ تم جانتے ہو“ کہ تخلیق کرنے، رزق عطا کرنے اور کائنات کی تدبیر کرنے میں اس کا کوئی شریک اور کوئی نظیر نہیں اور نہ الوہیت اور کمال میں اس کی کوئی برابری کرنے والا ہے۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے پھر تم کیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی عبادت کرتے ہو۔ یہ بڑی عجیب بات اور سب سے بڑی حماقت ہے۔

یہ آیت کریمہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کے حکم اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ہستی کی عبادت کرنے سے ممانعت کو جمع کرنے والی ہے، نیز اللہ تعالیٰ کی عبادت کے وجوب کی واضح دلیل اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت کے بطلان کے بیان پر مشتمل ہے۔ یہ توحید ربوبیت ہے جو اس امر کو متضمن ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی تخلیق کرتا، وہی رزق عطا کرتا اور وہی کائنات کی تدبیر کرتا ہے۔ جب ہر ایک شخص یہ اقرار کرتا ہے کہ ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں تو اسے یہ اقرار بھی کرنا چاہیے کہ عبادت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے اثبات اور شرک کے بطلان پر واضح ترین عقلی دلیل ہے۔

﴿ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴾ ”تاکہ تم پرہیز گار بن جاؤ“ اس آیت کریمہ میں ایک معنی کا احتمال یہ ہے کہ جب تم ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گے تو اس کی ناراضی اور عذاب سے بچ جاؤ گے، کیونکہ تم نے ایک ایسا سبب اختیار کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کو دور کرتا ہے۔ اس کے ایک دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جب تم اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے بن جاؤ گے تو تم متقین میں شمار ہو گے جو تقویٰ کی صفت سے آراستہ ہوتے ہیں۔ دونوں معنی صحیح ہیں اور دونوں میں تلازم پایا جاتا ہے، یعنی جو کوئی کامل طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اس کا شمار اہل تقویٰ میں ہوتا ہے اور جو کوئی متقی بن جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۖ وَادۡعُوۡا

اور اگر ہو تم شک میں اس (قرآن) سے جو نازل کیا ہم نے اپنے بندے پر، تو لے آؤ تم ایک سورت اس جیسی، اور بلا لو تم

شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا

اپنے مددگاروں کو سوائے اللہ کے، اگر ہو تم سچے ○ پس اگر نہ کر سکو تم (یہ کام) اور ہرگز نہیں کر سکو گے تم،

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۴﴾

تو بچو اس آگ سے کہ ایندھن اس کا ہیں آدمی اور پتھر، تیار کی گئی ہے (وہ) کافروں کیلئے ○

یہ رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور وحی الٰہی کی صحت کی عقلی دلیل ہے۔ گویا فرمایا: ”اے رسول کے ساتھ عناد رکھنے والو! اس کی دعوت کو رد کرنے والو! اور اسے جھوٹا سمجھنے والو! اگر تم اس وحی کے بارے میں کسی شک و شبہ میں

مبتلا ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے کہ آیا یہ حق ہے یا نہیں تو یہاں ایک ایسا معاملہ موجود ہے جسے ہم تمہارے اور اس کے درمیان فیصلہ کن انداز میں بیان کرتے ہیں اور وہ یہ کہ وہ بھی تمہاری طرح بشر ہے کسی اور جنس سے نہیں، جب سے وہ پیدا ہوا ہے اس وقت سے تم اسے جانتے ہو وہ لکھ سکتا ہے نہ پڑھ سکتا ہے۔ اس نے تمہارے سامنے ایک کتاب پیش کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تم کہتے ہو کہ اس نے اسے خود گھڑا ہے اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے۔ اگر معاملہ ایسے ہی ہے جیسے تم کہتے ہو تو اس جیسی ایک سورت ہی بنالاؤ اور اپنے جن اعوان وانصار اور حمایتیوں کو اپنی مدد کے لیے بلا سکتے ہو بلا لو! تمہارے لیے یہ کام بہت آسان اور معمولی ہے خاص طور پر جبکہ تم فصاحت وخطابت کے میدان کے شاہسوار ہو اور اس رسول کی عداوت میں بھی بہت آگے ہو۔ اگر تم نے اس کتاب جیسی ایک سورت بھی پیش کر دی تو تم اس کتاب کو جھوٹ، بہتان کہنے میں حق بجانب ہو اور اگر تم اس جیسی ایک بھی سورت پیش نہ کر سکے اور اسے پیش کرنے سے مکمل طور پر عاجز آ گئے تو تمہارا یہ عجز اور بے بسی رسول اور وحی الٰہی کی صداقت کی بڑی نشانی اور واضح دلیل ہے۔ پھر تم پر لازم ہو جاتا ہے کہ تم اس کی پیروی کرو اور اس آگ سے بچو جس کی گرمی اور حرارت اتنی زیادہ ہے کہ اس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے دنیاوی آگ کی مانند نہیں جسے (لکڑی کے) ایندھن سے بھڑکایا جاتا ہے۔ یہ بیان کردہ آگ اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے، اس لیے جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ یہ رسول برحق ہے تو اس کا انکار کرنے سے ڈرو۔

اس آیت اور اس قسم کی دیگر آیات کو آیات تحدی (مقابلہ کرنے کی دعوت دینے والی آیات) کہا جاتا ہے ''تحدی'' سے مراد ہے مخلوق کو قرآن جیسی کوئی کتاب پیش کرنے اور اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز کر دینا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قُلْ لَّىِٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/ ۸۸) ''کہو اگر تمام جن وانس اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو اس جیسا قرآن بنا کر نہیں لا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں''۔ پس مشت خاک سے بنے ہوئے انسان کا کلام رب الارباب کے کلام کی مانند کیسے ہو سکتا ہے؟ یا ناقص اور تمام پہلوؤں سے محتاج ہستی اس کامل ہستی کے کلام جیسا کلام کیسے پیش کر سکتی ہے جو تمام پہلوؤں سے کمال مطلق کی اور بے پایاں بے نیازی کی مالک ہے؟ یہ چیز دائرہ امکان اور انسانی بساط سے باہر ہے۔

ہر وہ شخص جو کلام کی مختلف اصناف کی تھوڑی بہت بھی معرفت رکھتا ہے جب قرآن کا اصحاب بلاغت کے کلام سے تقابل کرے گا تو اس پر ظاہر ہو جائے گا کہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ ﴾ ''اگر تم شک میں مبتلا ہو''۔ میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس

کے لیے ہدایت کی توقع کی جاسکتی ہے یہ وہ شخص ہے جو شک میں مبتلا اور حیران و پریشان ہے۔ جو گمراہی میں سے حق کو نہیں پہچان سکتا۔ اگر وہ طلب حق میں سچا ہے تو اس کے لیے حق واضح ہو جانے کے بعد اس کا اتباع کرنا زیادہ مناسب ہے۔

وہ شخص جو حق کے ساتھ عناد رکھتا ہے اور حق کو پہچان کر بھی اسے ترک کر دیتا ہے اس کے حق کی طرف رجوع کرنے کا کوئی امکان نہیں کیونکہ اس نے حق کو اپنی جہالت کی وجہ سے ترک نہیں کیا بلکہ اس نے حق کو اس کے واضح ہو جانے کے بعد رد کیا ہے۔ اسی طرح وہ متشکک شخص جو تلاش حق میں سچا جذبہ نہیں رکھتا بلکہ وہ حق سے گریز کرتا ہے اور تلاش حق میں تگ و دو نہیں کرتا وہ اکثر و بیشتر قبول حق کی توفیق سے محروم رہتا ہے۔

اس مقام عظیم پر رسول اللہ ﷺ کے وصف عبدیت کو بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ عبدیت آپ کی سب سے بڑی صفت ہے۔ اس مقام بلند تک اولین و آخرین میں سے کوئی شخص بھی آپ کے مقام تک نہیں پہنچ سکا۔ جیسے معراج کے موقع پر آپ کی عبدیت کو بیان فرمایا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/۱) ”پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں سفر کرایا“۔

قرآن کی تنزیل کے وقت بھی آپ کی عبدیت کو بیان فرمایا: ﴿ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ﴾ (الفرقان: ۲۵/۱) ”نہایت برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تا کہ وہ تمام جہانوں کو ڈرائے“۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴾ ”جہنم کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“ اور اس قسم کی دیگر آیات سے اہل سنت کے اس مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ جنت اور جہنم دونوں پیدا کی ہوئی ہیں۔ جب کہ معتزلہ اس بات کے قائل نہیں۔ اس آیت کریمہ سے اہل سنت کے اس عقیدے کی بھی تائید ہوتی ہے کہ گناہ گار اور کبائر کے مرتکب گناہ گار موحدین ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ جہنم کفار کے لیے تیار کی گئی ہے۔ خوارج اور معتزلہ کے عقیدے کے مطابق اگر گناہ گار موحدین کے لیے جہنم میں دوام اور خلود ہوتا، تو یہ صرف کفار کے لیے تیار نہ کی گئی ہوتی۔ نیز اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عذاب اپنے اسباب یعنی کفر اور مختلف گناہوں کے ارتکاب سے ثابت ہوتا ہے۔

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ

اور خوشخبری دیجیے! ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل کیے انہوں نے اچھے یقیناً ان کیلئے باغات ہیں، بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ

جب بھی دیے جائیں گے وہ ان میں سے کوئی پھل بطور رزق کے تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو دیے گئے تھے ہم اس سے پہلے اور دیے جائیں گے (رزق)

مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

ملتا جلتا اور ان کے لیے ان میں بیویاں ہیں پاکیزہ اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ○

جب اللہ تعالیٰ نے کفار کی جزا کا ذکر کیا تو اعمال صالحہ سے آراستہ اہل ایمان کی جزا بھی بیان فرمادی، جیسا کہ قرآن مجید میں اس کا طریقہ ہے کہ وہ ترغیب و ترہیب کو اکٹھا بیان کرتا ہے، تاکہ بندۂ مومن اللہ کی رحمت کی رغبت بھی رکھے اور اس کے عذاب سے ڈرتا بھی رہے۔ اس کے دل میں عذاب کا خوف ہو تو رحمت و مغفرت کی امید سے بھی سرشار ہو۔

﴿ وَبَشِّرِ ﴾ یعنی اے رسول! آپ اور آپ کا قائم مقام خوشخبری دے دے۔

﴿ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ "یعنی جو اپنے دل سے ایمان لائے" ﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور انہوں نے اپنے جوارح سے نیک کام سرانجام دیے۔ پس انہوں نے اعمال صالحہ کے ذریعے سے اپنے ایمان کی تصدیق کی۔ اللہ تعالیٰ نے اعمال خیر کو (الصالحات) سے تعبیر کیا ہے کیونکہ ان کے ذریعے سے بندے کے احوال، اس کے دینی اور دنیاوی امور اور اس کی دنیاوی اور اخروی زندگی کی اصلاح ہوتی ہے اور اس کے ذریعے ہی سے احوال کا فساد زائل ہوتا ہے پس اس کی وجہ سے اس کا شمار صالحین میں ہو جاتا ہے جو جنت میں اللہ تعالیٰ کی مجاورت اور اس کے قرب کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں۔

پس ان کو خوشخبری سنا دیجیے ﴿ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ ﴾ "کہ ان کے لیے جنت کے باغات ہیں" جن میں عجیب اقسام کے درخت، نفیس انواع کے پھل، گھرے سائے اور درختوں کی نہایت خوبصورت شاخیں ہوں گی۔ اسی وجہ سے اس کا نام جنت ہے۔ اس میں داخل ہونے والے اس کے باغوں اور گہری چھاؤں سے فیض یاب ہوں گے اور اس میں رہنے والے اس میں عیش و عشرت کی زندگی گزاریں گے۔ ﴿ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ "یعنی جنت میں پانی، دودھ، شہد اور شراب کی نہریں بہتی ہوں گی۔" وہ جیسے چاہیں گے انہیں جاری کر لیں گے اور جہاں چاہیں گے انہیں پھیر لیں گے۔ انہی نہروں سے جنت کے درخت سیراب ہوں گے اور مختلف اصناف کے پھل پیدا ہوں گے۔ ﴿ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ﴾ "جب بھی ان کو ان میں سے کھانے کو کوئی پھل دیا جائے گا، تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو پہلے ہمیں دیا گیا" یعنی جنت کا یہ پھل دنیا کے پھلوں کی جنس میں سے ہوگا اس میں دنیا کے پھلوں کی سی صفات ہوں گی۔ خوبصورتی اور لذت میں جنت کے پھل دنیا کے پھلوں سے ملتے جلتے ہوں گے۔ ان میں کوئی بدذائقہ پھل نہ ہوگا اور کوئی وقت ایسا نہ ہوگا جس میں اہل جنت

لذت نہ اٹھا رہے ہوں گے بلکہ وہ دائمی طور پر جنت کے پھلوں کی لذت سے لطف اندوز ہوں گے۔

﴿ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ﴾ ''اور دیے جائیں گے ان کو پھل ملتے جلتے'' کہا جاتا ہے کہ (جنت کے پھل) نام میں مشابہت رکھتے ہیں اور ذائقے میں مختلف ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ اس سے مراد ہے کہ وہ رنگ میں مشابہت رکھتے ہیں مگر نام مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ وہ خوبصورتی، لذت اور مٹھاس میں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ شاید یہی تعبیر احسن ہے۔ پھر جہاں اہل جنت کے مساکن، ان کی خوراک، طعام و مشروبات اور پھلوں کا ذکر کیا ہے وہاں ان کی بیویوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھ مکمل اور واضح طور پر ان کا وصف بیان کیا ہے۔

﴿ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ﴾ ''ان کے واسطے ان میں بیویاں ہوں گی پاک'' اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ فلاں عیب سے پاک ہوں گی، کیونکہ یہ تطہیر، طہارت کی تمام اقسام پر مشتمل ہوگی۔ ان کے اخلاق پاک ہوں گے، ان کی تخلیق پاکیزگی پر مبنی ہوگی، ان کی زبان پاک ہوگی اور ان کی نظر پاک ہوگی۔ ان کے اخلاق کی پاکیزگی یہ ہے کہ وہ دلکش ہوں گی اور اپنے اخلاق حسنہ، حسن اطاعت اور قولی و فعلی آداب کے ساتھ اپنے شوہروں سے اظہار محبت کریں گی۔ حیض و نفاس، منی، بول و براز، تھوک، بلغم اور بدبو سے پاک ہوں گی۔ نیز اپنی جسمانی تخلیق میں بھی پاک ہوں گی وہ کامل حسن و جمال سے بہرہ ور ہوں گی۔ ان کے اندر کسی قسم کا عیب اور کسی قسم کی جسمانی بدصورتی نہ ہوگی بلکہ وہ نیک سیرت اور خوبصورت ہوں گی۔ وہ پاک نظر اور پاک زبان ہوں گی۔ وہ نیچی نگاہوں والی ہوں گی اور ان کی نگاہیں اپنے شوہروں سے آگے نہ بڑھیں گی۔ ان کی زبانیں ہر گندی بات سے محفوظ اور پاک ہوں گی۔

اس آیت کریمہ میں مندرجہ ذیل امور کا ذکر کیا گیا ہے:

(۱) خوشخبری دینے والا۔ (۲) جس کو خوشخبری دی گئی ہے۔ (۳) جس چیز کی خوشخبری دی گئی ہے۔ (۴) وہ سبب جو اس خوشخبری کا باعث بنتا ہے۔ خوشخبری دینے والے سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات یا وہ لوگ ہیں جو آپ کی امت میں سے (ابلاغ علم میں) آپ کے قائم مقام ہوں گے۔ خوشخبری دیے جانے والے وہ لوگ ہیں جو اہل ایمان ہیں اور نیک اعمال بجالانے والے ہیں۔ جس چیز کی خوشخبری دی گئی ہے وہ ہے جنت، جو بیان کردہ صفات سے متصف ہے۔ اس خوشخبری کے باعث اور سبب سے مراد ایمان اور عمل صالح ہیں۔ ایمان اور عمل صالح کے بغیر اس خوشخبری کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں۔ یہ سب سے بڑی خوشخبری ہے جو بہترین اسباب کے ذریعے سے افضل ترین ہستی کی زبان مبارک سے دی گئی ہے۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل ایمان کو خوشخبری دینا اعمال صالحہ اور ان کے ثمرات کا ذکر کر کے ان

میں نشاط پیدا کرنا مستحب ہے کیونکہ اس طرح اعمال صالحہ آسان ہو جاتے ہیں۔ سب سے بڑی بشارت جو انسان کو حاصل ہوتی ہے وہ ایمان اور عمل صالح کی توفیق ہے۔ پس یہ اولین بشارت اور اس کی بنیاد ہے۔ اس کے بعد دوسری بشارت وہ ہے جو موت کے وقت اسے حاصل ہوتی ہے اور اس کے بعد وہ بشارت ہے جو نعمتوں سے بھرپور دائمی جنت میں پہنچ کر اسے حاصل ہوگی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

بلاشبہ اللہ نہیں شرماتا اس بات سے کہ بیان کرے مثال کوئی سی بھی، مچھر کی یا اس چیز کی جو (عظمت یا حقارت میں) اس سے بڑھ کر ہو، پس لیکن ایمان والے

فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ

تو وہ جانتے ہیں کہ بلاشبہ وہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے اور لیکن جو لوگ کافر ہوئے تو وہ کہتے ہیں کیا ارادہ کیا اللہ نے

بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

اس مثال سے؟ گمراہ کرتا ہے اللہ اس سے بہتوں کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے بہتوں کو اور نہیں گمراہ کرتا اس سے مگر فاسقوں ہی کو ○

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۪ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ

وہ جو توڑتے ہیں عہد اللہ کا بعد اس کے پختہ کر لینے کے اور کاٹتے ہیں اس چیز کو کہ حکم دیا ہے اللہ نے اس کی بابت یہ کہ

يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

ملایا جائے (اس کو) اور فساد کرتے ہیں زمین میں، یہی لوگ ہیں خسارہ اٹھانے والے ○

وقف لازم

﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا﴾ ”اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرماتا کہ وہ کوئی سی بھی مثال بیان کرے“ خواہ وہ کسی قسم کی مثال ہو ﴿بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا﴾ ”مچھر کی ہو یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہو“ کیونکہ مثال حکمت اور ایضاح حق پر مبنی ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرماتا۔ اس آیت کریمہ میں گویا اس شخص کو جواب دیا گیا ہے جو معمولی اور حقیر اشیاء کی مثال دینے کا منکر ہے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتا ہے، پس یہ اعتراض کا مقام نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو تعلیم دینا اور ان کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرنا ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ اسے شکر کرتے ہوئے قبول کیا جائے۔ بنابریں فرمایا: ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ﴾ ”پس وہ لوگ جو ایمان لائے تو وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے“ پس وہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ پس اگر انہیں اس کے مشمولات کا تفصیلی علم حاصل ہو جاتا ہے تو ان کے علم و ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ورنہ انہیں معلوم ہے کہ یہ حق ہے اور حق باتوں پر ہی مشتمل ہے اور اگر اس میں حق کا پہلو ان پر مخفی رہے تب بھی انہیں یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بے فائدہ بیان نہیں فرمایا، بلکہ اس میں یقیناً کوئی حکمت بالغہ اور نعمت کا ملہ مضمر ہے۔

﴿ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ﴾ ”لیکن کافر لوگ، تو وہ کہتے ہیں، اللہ نے اس مثال سے کیا چاہا ہے؟“ یعنی کافر حیران ہو کر اعتراض کرتے ہیں اور اپنے کفر میں اور اضافہ کر لیتے ہیں جیسے اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ﴾ ”وہ اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے“ پس آیات قرآن کے نزول کے وقت یہ اہل ایمان اور کفار کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتا ہے: ﴿ وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ○ وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ (التوبہ: ۹/ ۱۲۴، ۱۲۵) ”جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے بعض تمسخر کے طور پر کہتے ہیں اس سورت نے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے؟ جو لوگ ایمان لائے ان کا ایمان تو اس سورت نے زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے تو اس سورت نے ان کی گندگی میں گندگی کو اور زیادہ کر دیا اور وہ کفر کی حالت ہی میں مر گئے۔“ پس بندوں پر قرآنی آیات کے نزول سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں۔

اس کے باوجود یہ قرآنی آیات کچھ لوگوں کے لیے آزمائش، حیرت، گمراہی اور ان کے شر میں اضافے کا باعث بنتی ہیں اور کچھ لوگوں کے لیے انعام، رحمت اور ان کی بھلائیوں میں اضافے کا سبب بنتی ہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں کے درمیان تفاوت قائم کیا۔ صرف وہی ہے جو ہدایت سے نوازتا ہے اور وہی ہے جو گمراہ کرتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس عدل و حکمت کا ذکر کیا ہے جو اس شخص کی گمراہی میں کارفرما ہوتی ہے جسے وہ گمراہ کرتا ہے۔

﴿ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ﴾ یعنی وہ صرف ان ہی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باہر ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے عناد رکھتے ہیں، فسق و فجور ان کا وصف بن گیا ہے اور وہ اس وصف کو بدلنا نہیں چاہتے۔ پس اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ وہ ان کو گمراہی میں مبتلا کرے کیونکہ ان میں ہدایت کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ جیسے اس کی حکمت اور اس کا فضل اس شخص کی ہدایت کا تقاضا کرتے ہیں جو ایمان سے متصف اور اعمال صالحہ سے مزین ہو۔

فسق کی دو اقسام ہیں: ایک قسم وہ ہے جو انسان کو دائرۂ اسلام ہی سے خارج کر دیتی ہے۔ فسق کی یہ قسم ایمان سے خارج ہونے کا تقاضا کرتی ہے جیسا کہ اس آیت میں اور اس قسم کی دیگر آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔

فسق کی دوسری قسم وہ ہے جو انسان کو دائرہ ایمان سے خارج نہیں کرتی جیسا کہ اس آیت کریمہ میں وارد ہوا

ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْۤا ﴾ (الحجرات : ٤٩ / ٦) ''اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کرلو''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فاسقوں کا وصف بیان کیا' فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ﴾ ''وہ جو اللہ کے عہد کو اس کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں' عہد کا لفظ عام ہے' اس سے مراد وہ عہد بھی ہے جو ان کے اور ان کے رب کے درمیان ہے اور اس کا اطلاق اس عہد پر بھی ہوتا ہے جو انسان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔ اللہ نے عہد کے پورا کرنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ کافر ان عہدوں کی پروا نہیں کرتے' بلکہ وہ ان کو توڑتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو ترک کرتے ہیں' اس کے نواہی کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ ان معاہدوں کا بھی پاس نہیں کرتے جو ان کے درمیان آپس میں ہوتے ہیں۔

﴿ وَيَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ ﴾ ''اور اس چیز کو قطع کرتے ہیں جس کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے'' اس میں بہت سی چیزیں داخل ہیں:

اولاً: اللہ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اس تعلق کو جوڑیں جو ہمارے اور اللہ کے درمیان ہے۔ (اس کی صورت یہ ہے کہ ہم) اللہ پر ایمان لائیں اور اس کی عبادت کریں۔

ثانیاً: ہمارے اور اس کے رسول کے درمیان جو تعلق ہے' اسے قائم کریں' یعنی اس پر ایمان لائیں' اس سے محبت رکھیں' اس کی مدد کریں اور اس کے تمام حقوق ادا کریں۔ (رسول کی مکمل اطاعت کریں)

ثالثاً: وہ تعلق ہے جو ہمارے اور ہمارے والدین' عزیز و اقارب' دوست احباب اور تمام مخلوق کے درمیان ہے' ان سب کے حقوق کی ادائیگی بھی اس تعلق کے جوڑنے میں شامل ہے جس کا حکم ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔

اہل ایمان ان تمام رشتوں' حقوق اور تعلقات کو جوڑے رکھتے ہیں جن کو جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے اور ان حقوق کو بہترین طریقے سے ادا کرتے ہیں۔ رہے اہل فسق تو وہ ان رشتوں کو توڑتے ہیں اور ان کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک کر (ان کے تقدس کا پاس نہیں کرتے) اس کی بجائے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں' قطع رحمی سے کام لیتے ہیں اور گناہوں کے کام کرتے ہیں اور یہی زمین میں فساد برپا کرنا ہے۔

﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ یعنی یہی لوگ جو اس صفت سے متصف ہیں۔ ﴿ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ دنیا و آخرت میں خسارے میں پڑنے والے ہیں۔ خسارے کو ان فاسقین میں اس لیے محصور و محدود رکھا کیونکہ ان کا خسارہ ان کے تمام احوال میں عام ہے۔ ان کے نصیب میں کسی قسم کا کوئی نفع نہیں' کیونکہ ہر نیک کام کے مقبول ہونے کے لیے ایمان شرط ہے۔ پس جو ایمان سے محروم ہے' اس کے عمل کا کوئی وزن اور اعتبار نہیں' یہ خسارہ کفر کا خسارہ ہے۔

رہا وہ خسارہ جو کبھی کفر ہوتا ہے' کبھی گناہ اور معصیت کے زمرے میں اور کبھی مستحب امور کو ترک کرنے کی

کوتاہی کے زمرے میں آتا ہے...... تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مذکور ہے۔ ﴿ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ﴾
(العصر: ۲/۱۰۳) ''بے شک انسان ضرور گھاٹے میں ہے''۔ اس خسارے میں تمام انسان داخل ہیں سوائے
ان لوگوں کے جو ایمان اور عمل صالح کی صفات ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرنے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین
کرنے کی خوبیوں سے متصف ہیں نیز بھلائی سے محرومی کی حقیقت سے بھی وہ آشنا ہوتے ہیں، جس کو بندہ حاصل
کرنے کے درپے ہوتا ہے اور اس کا حصول اس کے امکان میں ہوتا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ

کیسے کفر کرتے ہو تم ساتھ اللہ کے؟ حالانکہ تھے تم مُردے پس زندہ کیا اس نے تمہیں، پھر وہی موت دیگا تمہیں، پھر وہی زندہ کریگا تمہیں،

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے

اس آیت میں استفہام تعجب، زجر و توبیخ اور انکار کے معنی میں ہے۔ یعنی تم کیسے اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو جو
تمہیں عدم میں سے وجود میں لایا اور اس نے تمہیں انواع و اقسام کی نعمتوں سے نوازا پھر وہ تمہارا وقت پورا ہونے
پر تمہیں موت دے گا اور قبروں کے اندر تمہیں جزا دے گا پھر قیامت کے برپا ہونے پر تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔
پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہ تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ پس جب تم اللہ تعالیٰ کے
تصرف میں ہو، اس کی تدبیر اور اس کے احسان کے تحت زندگی بسر کر رہے ہو، اور تم (دنیا میں) اس کے احکام دینیہ اور
اس کے بعد (آخرت میں) اس کے قانون جزا و سزا کے تحت آتے ہو، تب کیا تمہیں یہ لائق ہے کہ تم اس کا انکار کرو؟
کیا تمہارا یہ رویہ ایک بڑی جہالت اور ایک بڑی حماقت کے سوا کچھ اور ہے؟ اس کے برعکس تمہارے لیے مناسب
تو یہ تھا کہ تم اس سے ڈرتے، اس کا شکر ادا کرتے، اس پر ایمان لاتے، اس کے عذاب سے خوف کھاتے اور اس
کے ثواب کی امید رکھتے۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ

وہی ہے (اللہ) جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب، پھر متوجہ ہوا طرف آسمان کی، پس ٹھیک کر کے بنا دیا ان کو

سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾ ع

سات آسمان اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

﴿ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴾ ''وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں
ہے سب کا سب'' یعنی اس نے تم پر احسان اور رحم کرتے ہوئے تمہارے فائدے، تمہارے تمتع اور تمہاری عبرت
کے لیے زمین کی تمام موجودات کو پیدا کیا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام اشیاء میں اصل،

اباحت اور طہارت ہے۔ (یعنی ہر چیز جائز اور پاک ہے) کیونکہ یہ آیت احسان جتلانے کے سیاق میں ہے۔ اس جواز سے تمام ناپاک چیزیں نکل جاتی ہیں' اس لیے کہ ان کی حرمت بھی فحوائے آیت اور بیان مقصود سے ماخوذ ہے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کو ہمارے فائدے کے لیے تخلیق فرمایا ہے' لہٰذا ان میں سے جس کسی چیز میں کوئی نقصان ہے تو وہ اس اباحت سے خارج ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کاملہ ہے کہ اس نے ہمیں خبائث سے منع کیا تاکہ ہم پاکیزہ رہیں۔

﴿ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ ''پھر قصد کیا اس نے آسمان کی طرف' سو ٹھیک کر دیا ان کو سات آسمان' اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے''

کلمہ ''استویٰ'' کے معانی: استویٰ قرآن مجید میں تین معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) کبھی یہ حرف کے ساتھ مل کر متعدی نہیں ہوتا تب یہ ''کمال'' اور ''اتمام'' کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰٓى ﴾ (القصص: ۲۸/ ۱۴) ''جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا اور کامل جوان ہوا''

(۲) کبھی یہ ارتفاع اور بلند ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب یہ ''علیٰ'' کے ساتھ متعدی ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴾ (طٰہ: ۲۰/ ۵) ''رحمٰن جس نے عرش پر قرار پکڑا۔'' اور ارشاد ہے: ﴿ لِتَسْتَوٗا عَلٰى ظُهُوْرِهٖ ﴾ (الزخرف: ۴۳/ ۱۳) ''تاکہ تم اس کی پیٹھ پر قرار پکڑو''۔

(۳) اور کبھی یہ ''قصد کرنے'' کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس وقت یہ ''الٰی'' کے ساتھ متعدی ہوتا ہے' جیسا کہ زیر تفسیر آیت میں ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا کی تو پھر اس نے آسمانوں کی تخلیق کا قصد کیا ﴿ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ﴾ ''پھر اس نے انہیں ٹھیک سات آسمان بنا دیا'' یعنی آسمانوں کو پیدا کیا' ان کو مستحکم اور مضبوط کیا۔ ﴿ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔'' یعنی ﴿ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِى الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاۗءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيْهَا ﴾ (الحدید: ۵۷/ ۴) ''جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے' جو کچھ زمین سے نکلتا ہے' جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ آسمان میں چڑھتا ہے وہ اسے جانتا ہے۔'' اور ﴿ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴾ (النحل: ۱۶/ ۱۹) ''جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو' وہ سب جانتا ہے۔'' اور ﴿ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ﴾ (طٰہ: ۲۰/ ۷) ''وہ تمام بھیدوں اور چھپی ہوئی چیزوں کا علم رکھتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر اپنی قدرت تخلیق اور اپنے لیے اثبات علم کو ساتھ ساتھ بیان فرمایا جیسا کہ

اس آیت میں اور ایک دوسری آیت میں بیان فرمایا ہے: ﴿ اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ ﴾ (الملک: ٦٧/١٤) ’’کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا‘ اور وہ تو تمام پوشیدہ باتوں کو جاننے والا اور باخبر ہے۔‘‘ کیونکہ مخلوقات کو پیدا کرنا اس کے علم و حکمت اور اس کی قدرت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا

اور (یاد کرو) جب کہا آپ کے رب نے فرشتوں سے‘ یقیناً میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ‘ انہوں نے کہا‘ کیا بناتا ہے تو اس (زمین) میں

مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ

اسکو جو فساد کرے گا اس میں اور بہائے گا خون؟ اور ہم تسبیح کرتے ہیں ساتھ تیری تعریف کے اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں تیری‘ کہا اللہ نے بیشک میں

اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ

جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے ○ اور سکھلائے اس نے آدم کو نام سب کے سب‘ پھر پیش کیا ان کو اوپر فرشتوں کے‘ اور کہا

اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ

خبر دو مجھے ان (چیزوں) کے ناموں کی‘ اگر ہو تم سچے ○ انہوں نے کہا‘ پاک ہے تو‘ نہیں ہے علم ہم کو مگر وہی جو سکھلایا تو نے ہم کو‘

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ

بیشک تو ہی ہے جاننے والا حکمت والا ○ اللہ نے کہا‘ اے آدم! بتا دے تو ان کو نام ان چیزوں کے‘ پس جب بتا دیے اس نے ان کو نام انکے

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا

تو کہا اللہ نے‘ کیا نہیں کہا تھا میں نے تم سے کہ بلاشبہ میں جانتا ہوں چھپی باتیں آسمانوں اور زمین کی اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے اور جو

كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى

تھے تم چھپاتے ○ اور جب کہا ہم نے فرشتوں سے‘ سجدہ کرو تم آدم کو! تو سجدہ کیا سب نے سوائے ابلیس کے‘ اس نے انکار کیا

وَاسْتَكْبَرَ ۫ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور تکبر کیا اور تھا وہ کافروں میں سے ○

﴿ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ﴾ ’’اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا‘ میں زمین میں ایک خلیفہ بناؤں گا‘‘ یہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی ابتدا اور ان کی فضیلت کا ذکر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کی تخلیق کا ارادہ کیا تو اس نے فرشتوں کو آگاہ کیا اور فرمایا کہ وہ آدم کو زمین کے اندر خلیفہ بنائے گا۔ اس پر تمام فرشتوں نے کہا: ﴿ اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا ﴾ ’’کیا تو زمین میں اس کو بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا‘‘ یعنی گناہوں کا ارتکاب کر کے زمین پر فساد برپا کرے گا ﴿ وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ﴾ ’’اور خون بہائے گا‘‘ یہ عموم کے بعد تخصیص ہے اور اس کا مقصد قتل کے مفاسد کی شدت کو بیان کرنا ہے۔ اور یہ فرشتوں

کے گمان کے مطابق تھا کہ وہ ہستی جسے زمین میں خلیفہ بنایا جارہا ہے اس کی تخلیق سے زمین کے اندر فساد ظاہر ہوگا' چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور عظمت بیان کرتے ہوئے عرض کی کہ وہ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کررہے ہیں جو تمام مفاسد سے پاک ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا: ﴿ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ ﴾ ''اور ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں تیری خوبیوں کے ساتھ'' یعنی ہم ایسی تنزیہ کے ساتھ تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں جو تیری حمد وجلال کے لائق ہے۔ ﴿ وَنُقَدِّسُ لَكَ ﴾ اس میں ایک معنی کا احتمال یہ ہے کہ ہم تیری تقدیس بیان کرتے ہیں یعنی (نُـقَـدِّسُـکَ) اس صورت میں لام تخصیص اور اخلاص کا فائدہ دے گا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کے معنی ہوں۔ (وَنُـقَـدِّسُ لَکَ اَنْفُسَنَا) ''ہم اپنے آپ کو تیرے لیے پاک کرتے ہیں'' یعنی ہم اپنے نفوس کو اخلاق جمیلہ جیسے محبت الٰہی' خشیت الٰہی اور تعظیم الٰہی کے ذریعے سے پاک کرتے ہیں اور ہم اپنے نفسوں کو اخلاق رزیلہ سے بھی پاک کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا: ﴿ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ ﴾ یعنی میں جانتا ہوں کہ یہ خلیفہ کون ہے۔ ﴿ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ جو تم نہیں جانتے' کیونکہ تمہارا کلام تو ظن اور گمان پر مبنی ہے جب کہ میں ظاہر و باطن کا علم رکھتا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ اس خلیفہ کی تخلیق سے جو خیر اور بھلائی حاصل ہوگی وہ اس شر سے کئی گنا زیادہ ہے جو اس کی تخلیق میں مضمر ہے اور اس میں یہ بات بھی نہ ہوتی' تب بھی اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ کہ وہ انسانوں میں سے انبیاء' صدیقین' شہداء اور صالحین کو چنے' اس کی نشانیاں مخلوق پر واضح ہوں اور اس سے عبودیات کی وہ کیفیتیں حاصل ہوں جو اس خلیفہ کی تخلیق کے بغیر حاصل نہ ہوسکتی تھیں' جیسے جہاد وغیرہ ہیں اور امتحان اور آزمائش کے ذریعے سے خیر و شر کی وہ قوتیں ظاہر ہوں جو مکلفین کی فطرت میں پوشیدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں' دوستوں' اس کے خلاف جنگ لڑنے والوں اور حزب اللہ کے مابین امتیاز ہو اور ابلیس کا وہ شر ظاہر ہو جو اس کی فطرت میں پوشیدہ ہے اور جس سے وہ متصف ہے۔ تو آدم علیہ السلام کی تخلیق میں یہ حکمتیں ہی اتنی عظیم ہیں کہ ان میں سے چند ایک بھی اس کی تخلیق کے لیے کافی ہیں۔

پھر چونکہ فرشتوں کے قول میں ان کے اس خیال کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں اس خلیفہ پر فضیلت حاصل ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ فرشتوں پر آدم کی فضیلت کو واضح کردے' تاکہ اس کے ذریعے سے وہ آدم کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کے کمال حکمت اور اس کے علم کو جان لیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اسماء اور ان کے مسمی کا علم عطا کردیا۔ پس اس نے اسے اسم اور مسمی دونوں کی تعلیم دی۔ یعنی الفاظ اور معانی دونوں سکھا دیے۔ یہاں تک کہ اسماء میں سے مکبر اور مصغر کے مابین امتیاز کو بھی واضح کردیا' مثلاً ''قَصْعَۃٌ'' (پیالہ) اور ''قُصَیْعَۃٌ'' (چھوٹا سا پیالہ)

﴿ ثُمَّ عَرَضَهُمْ ﴾ یعنی پھر ان مسمیات کو پیش کیا۔ ﴿ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ ﴾ ''فرشتوں پر'' یعنی فرشتوں کو آزمانے کے لیے کہ آیا یہ ان مسمیات کو پہچانتے ہیں یا نہیں اور فرمایا: ﴿ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴾ اگر تم اپنے اس دعوے اور گمان میں سچے ہو کہ تم اس خلیفہ سے افضل ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔
﴿ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ ﴾ فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم نے تجھ پر جو اعتراض کیا تھا اور تیرے حکم کی مخالفت کا ارتکاب کر بیٹھے۔ اس سے تجھے منزہ اور پاک تسلیم کرتے ہیں۔ ﴿ لَا عِلْمَ لَنَآ ﴾ یعنی ہمیں کسی بھی پہلو سے کوئی علم نہیں ﴿ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ﴾ سوائے اس علم کے جو تو نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں عطا کیا ہے۔ ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴾ (اَلْعَلِیْم) اس ہستی کو کہا جاتا ہے، جس نے اپنے علم کے ذریعے سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہو۔ اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہ ہو آسمانوں اور زمین میں کوئی ذرہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہ ہو' اس ذرے سے بڑی یا اس سے چھوٹی کوئی چیز بھی اس سے چھپی ہوئی نہ ہو۔ (اَلْحَكِیْم) اس ہستی کو کہا جاتا ہے جو کامل حکمت کی مالک ہو۔ کوئی مخلوق اس کی حکمت سے باہر نہ ہو اور کوئی مامور اس حکمت سے علیحدہ نہ ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جس میں کوئی حکمت نہ ہو اور نہ کوئی ایسا حکم دیا ہے جو حکمت سے خالی ہو۔ حکمت سے مراد ہے کسی چیز کو اس کے اس مقام پر رکھنا جو اس کے لائق ہے۔ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور علم کا اقرار اور اعتراف کیا اور اس بات کو بھی تسلیم کیا کہ وہ ایک ادنی سی چیز کی معرفت سے بھی قاصر تھے۔ انہوں نے اس حقیقت کا بھی اعتراف کیا کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور انہیں وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتے تھے۔ پس اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ﴾ ''اے آدم! ان کو ان کے ناموں کی خبر دو'' یعنی ان تمام مسمیات کے اسماء کے بارے میں آگاہ کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے پیش کیا تھا اور فرشتے ان کے نام بتانے سے قاصر رہے۔ ﴿ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ ﴾ ''جب آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو ان ناموں سے آگاہ کیا'' تو ان پر آدم کی فضیلت ظاہر اور اس کو خلیفہ بنانے میں باری تعالیٰ کی حکمت اور اس کا علم ثابت ہو گیا۔ ﴿ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''اللہ نے فرمایا' کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزوں کو جانتا ہوں''۔ غیب سے مراد ہر وہ چیز ہے جو ہم سے اوجھل ہو اور ہم اس کا مشاہدہ نہ کر سکتے ہوں۔ جب وہ غائب چیزوں کا علم رکھتا ہے تو مشہودات کو وہ بدرجہ اولیٰ جانتا ہے۔ ﴿ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ ﴾ یعنی میں جانتا ہوں اس چیز کو جسے تم ظاہر کرتے ہو ﴿ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴾ ''اور جو کچھ تم چھپاتے ہو''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کے اکرام و تعظیم اور اللہ تعالیٰ کی عبودیت کے اظہار کے لیے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی اور تمام فرشتے اسی وقت سجدے میں گر گئے ﴿ اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰى ﴾ سوائے ابلیس کے' اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ

کے حکم کے سامنے تکبر کا اظہار کیا اور آدم علیہ السلام سے اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔ اس نے تکبر سے کہا: ﴿ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴾ (بنی اسرائیل : ۶۱/۱۷) ''کیا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے تخلیق کیا ہے''۔ یہ انکار اور استکبار اس کے اس کفر کا نتیجہ تھا جو اس کی سرشت میں پوشیدہ تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اور آدم علیہ السلام سے اس کی عداوت ظاہر ہوگئی اور اس کا کفر و استکبار عیاں ہوگیا۔ ان آیات کریمہ سے کچھ نصیحتیں اور کچھ نکات ماخوذ ہوتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے لیے کلام کا اثبات، وہ ہمیشہ سے کلام کرتا رہا ہے، وہ جو چاہتا ہے کہتا ہے، وہ جو چاہتا ہے کلام کرتا ہے، وہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

(۲) بندے پر جب بعض مخلوقات اور مامورات میں پوشیدہ اللہ تعالیٰ کی حکمت مخفی رہ جائے تو اس پر سر تسلیم خم کرنا، اپنی عقل کو ناقص ٹھہرانا اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کا اقرار کرنا واجب ہے۔

(۳) ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے معاملے کو اہمیت دی، ان پر احسان عظیم فرمایا، جس چیز کے بارے میں وہ جاہل تھے اس کی انہیں تعلیم دی اور جس کا انہیں علم نہ تھا اس پر انہیں متنبہ فرمایا۔

ان آیات میں مندرجہ ذیل وجوہ سے علم کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

(الف) اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو اپنے علم و حکمت کی معرفت عطا کی۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے ان کو اس حقیقت سے واقف کرایا کہ آدم علیہ السلام کو بر بنائے علم فضیلت حاصل ہے اور علم بندے کی افضل ترین صفت ہے۔

(ج) جب آدم علیہ السلام کے علم کی فضیلت واضح اور عیاں ہوگئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کے اکرام و تکریم کے لیے اسے سجدہ کریں۔

(د) کسی اور کو کسی امتحان کے ذریعے سے آزمانا جبکہ اس امتحان میں کچھ لوگ پورے نہ اترے ہوں، پھر امتحان میں پورا اترنے والے صاحب فضیلت سے یہ امتحان لے تو یہ اس شخص سے زیادہ کامل ہے جس سے ابتدا میں امتحان لیا گیا تھا۔

(ھ) جن و انس کے والدین کے احوال سے عبرت پذیری، آدم علیہ السلام کی فضیلت، اس پر اللہ تعالیٰ کے احسانات اور آدم کے ساتھ ابلیس کی عداوت کا اظہار اور اس جیسی دیگر عبرتیں۔

وَقُلْنَا يٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۪ وَلَا

اور کہا ہم نے اے آدم! ٹھہر تو اور تیری بیوی جنت میں اور کھاؤ تم دونوں اس میں سے بافراغت جہاں سے چاہو تم، اور مت

تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا

قریب جانا تم دونوں اس درخت کے، پس تم دونوں ہو جاؤ گے ظالموں سے ○ پس پھسلا دیا ان دونوں کو شیطان نے اس سے

فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ

اور نکلوا دیا اس نے انکو اس (آرام وراحت) سے کہ تھے وہ اسمیں اور کہا ہم نے اترو! (یہاں سے) بعض تمہارا بعض کا دشمن ہے

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٣٦﴾

اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے اور فائدہ اٹھانا ہے ایک وقت تک ○

﴿ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا ﴾ ''اور ہم نے کہا' اے آدم! رہ تو اور تیری بیوی جنت میں اور کھاؤ تم اس سے خوب سیر ہو کر۔'' جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا' اس کو فضیلت عطا کی' تو خود اسی میں سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے اس پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا تاکہ وہ اپنی بیوی کے پاس سکون' راحت اور انس حاصل کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حکم دیا کہ وہ جنت میں رہیں اور جنت میں مزے سے بے روک ٹوک کھائیں پئیں۔

﴿ حَيْثُ شِئْتُمَا ﴾ یعنی جہاں سے چاہو' مختلف اصناف کے پھل اور میوے کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ○ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا وَلَا تَضْحٰى ﴾ (طٰه: ۲۰/۱۱۸-۱۱۹) ''یہاں تجھے یہ آسانی حاصل ہوگی کہ تو اس میں بھوکا رہے گا نہ عریاں ہوگا۔ نہ تو اس میں پیاسا ہوگا اور نہ تجھے دھوپ لگے گی''۔

﴿ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ ﴾ ''اور دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا'' یہ جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے۔ واللہ اعلم۔ آدم اور اس کی بیوی کو صرف ان کی آزمائش اور امتحان کے لیے یا کسی ایسی حکمت کے تحت اس درخت کے قریب جانے سے روکا گیا تھا جو ہمارے علم میں نہیں۔ ﴿ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''پس تم بے انصافوں میں سے ہو جاؤ گے'' یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں نہی تحریم کے لیے ہے' کیونکہ اس ممانعت پر عمل نہ کرنے کو ظلم کہا ہے۔ ان کا دشمن (ابلیس) ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتا رہا اور اس درخت کے پھل کو تناول کرنے کی خوبیوں کو مزین کر کے انہیں اس پھل کو کھا لینے کی ترغیب دیتا رہا حتیٰ کہ وہ انہیں پھسلانے میں کامیاب ہو گیا۔ ابلیس کی تزئین نے ان کو اس لغزش پر آمادہ کیا۔ ﴿ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴾ (الاعراف: ۷/۲۱) ''اس نے ان دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں''۔ چنانچہ وہ دونوں اس کی باتوں میں آکر دھوکا کھا گئے اور اس کے پیچھے لگ گئے اور اس نے ان دونوں کو نعمتوں اور آسائشوں کے گھر سے نکال باہر کیا اور ان کو دکھوں' تکلیفوں اور مجاہدے کی سرزمین پر اتار دیا گیا۔

﴿ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ﴾ ''تمہارا ایک' دوسرے کا دشمن ہے'' یعنی ابلیس اور اس کی ذریت' آدم علیہ السلام اور اولاد

آدم کی دشمن ہوگی اور ہمیں معلوم ہے کہ دشمن اپنے دشمن کو نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ ہر طریقے سے اس کی برائی چاہتا ہے اور ہر طریقے سے اسے بھلائی سے محروم کرنے کے درپے رہتا ہے۔ اس ضمن میں بنی آدم کو شیطان سے ڈرایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴾ (فاطر: ٦/٣٥) ''بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم اسے دشمن ہی سمجھو وہ تو اپنی جماعت کو بلاتا ہے تاکہ وہ جہنم والے بن جائیں۔'' ﴿ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ﴾ (الکہف: ۵۰/۱۸) ''کیا تم اسے اور اس کی اولاد کو میرے سوا اپنا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟ اور ظالموں کے لیے بہت ہی برا بدلہ ہے۔''

پھر انہیں زمین پر اتارے جانے کے مقصد سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ ﴾ یعنی زمین کے اندر تمہارا مسکن اور ٹھکانا ہوگا۔ ﴿ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴾ تمہارا وقت پورا ہونے تک (تم نے اس سے فائدہ اٹھانا ہے) پھر تم اس گھر میں منتقل ہو جاؤ گے جس کے لیے تمہیں اور جسے تمہارے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں واضح ہے کہ اس زندگی کی مدت عارضی اور ایک خاص وقت تک کے لیے ہے' یہ دنیا حقیقی مسکن نہیں ہے۔ یہ تو ایک راہ گزر ہے جہاں سے اگلے جہان کے لیے زادِ راہ حاصل کیا جاتا ہے (دوران سفر) اس راہ گزر میں مستقل ٹھکانا تعمیر نہیں کیا جاتا۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝۳۷

پس سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے چند کلمے پس متوجہ ہوا (اللہ مہربانی کیساتھ) اس پر بیشک وہی ہے توبہ قبول کرنیوالا رحم کرنیوالا ○

آدم علیہ السلام نے (کچھ کلمات) سیکھ لیے اور یاد کر لیے' اللہ تعالیٰ نے یہ کلمات آدم کو الہام کیے تھے۔ وہ کلمات یہ تھے ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ (الاعراف: ۲۳/۷) ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے''۔ آدم علیہ السلام نے اپنے گناہ کا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت کا سوال کیا۔ ﴿ فَتَابَ عَلَيْهِ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کر لی اور اس پر رحم فرمایا۔ جو کوئی توبہ کرتا اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں کی طرف رجوع کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) سب سے پہلے اللہ تعالیٰ بندے کو توبہ کی توفیق عطا کرتا ہے۔ (۲) پھر جب توبہ کی تمام شرائط پوری ہو جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیتا ہے۔

﴿ الرَّحِيْمُ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔ ان پر اس کی رحمت یہ ہے کہ اس نے انہیں توبہ کی توفیق سے نوازا اور ان کو معاف کر کے ان سے درگزر فرمایا۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ فَلَا
ہم نے کہا اُترو (یہاں سے) تم سب' پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت' تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی' پس نہ کوئی
خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ
خوف ہو گا ان پر اور نہ وہ غمگین ہی ہونگے ○ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو' یہ لوگ ہیں
ع ١٠ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٩﴾
دوزخی' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

﴿ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ﴾ ''ہم نے کہا اترو اس سے اکٹھے''۔ زمین پر اتارے جانے کا مکرر ذکر کیا' تا کہ اس پر وہ حکم مرتب کیا جائے جس کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے۔ ﴿ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ﴾ یعنی اے جن وانس! اگر تمہارے پاس میری طرف سے کسی وقت اور کسی بھی زمانے میں ہدایت پہنچے' یعنی کوئی رسول اور کوئی کتاب آئے جو اس راستے کی طرف تمہاری راہ نمائی کرے جو تمہیں میرا تقرب عطا کرے' میرے اور میری رضا کے قریب کرے۔ پس جو کوئی میری اس ہدایت کی پیروی کرتے ہوئے میرے رسولوں اور میری کتابوں پر ایمان لائے اور ان رسولوں کو راہنما بنائے ...... اور اس سے مراد ہے کہ وہ تمام انبیاء و مرسلین اور کتب وحی کی دی ہوئی خبر کی تصدیق کرے' اللہ کے اوامر پر عمل کرے اور اس کی منہیات سے اجتناب کرے۔ تب اس صورت میں ﴿ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ ''ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے''۔ ایک دوسرے مقام پر آتا ہے۔ ﴿ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴾ (طٰہ : ۱۲۳/۲۰) ''جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ تو گمراہ ہو گا نہ بدبختی میں پڑے گا''۔

پس اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی پر چار چیزیں مرتب ہوتی ہیں۔

بندے سے حزن وخوف کی نفی۔ حزن اور خوف میں فرق یہ ہے کہ اگر غیر پسندیدہ امر گزر چکا ہو تو وہ دل میں حزن کا باعث ہوتا ہے اور اگر وہ اس غیر پسندیدہ امر کا منتظر ہو تو یہ خوف پیدا کرتا ہے۔ پس جس کسی نے ہدایت الٰہی کی پیروی کی اس سے حزن وخوف دور ہو گئے اور جب اس سے حزن وخوف کی نفی ہو گئی تو ان کی ضد ثابت ہو گئی اور وہ ہے ہدایت اور سعادت' لہٰذا جو کوئی بھی اس کی ہدایت کی پیروی کرتا ہے اسے امن' دنیاوی اور اخروی سعادت اور ہدایت حاصل ہوتی ہے اور ہر تکلیف دہ چیز یعنی حزن وخوف اور ضلالت وشقاوت اس سے دور کر دی جاتی ہے۔ ہر مرغوب چیز اسے عطا کر دی جاتی ہے اور خوف زدہ کرنے والی چیز اس سے دور ہٹا دی جاتی ہے۔

اس کے برعکس اس شخص کا معاملہ ہو گا جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی نہ کی' پس اس کا انکار کیا اور اس کی آیات کو جھٹلایا۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ﴾ ''یہی لوگ جہنمی ہیں'' یعنی جہنم ان کے لیے لازم ہے۔ جیسے

ساتھی دوسرے ساتھی سے اور قرض خواہ مقروض سے چمٹا رہتا ہے۔ ﴿ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ ''وہ اس جہنم میں ہمیشہ رہیں گے''۔ کبھی اس سے باہر نہیں نکلیں گے جہنم کا عذاب کبھی ان سے کم نہ ہوگا اور نہ ان کو کوئی مدد پہنچے گی۔

ان آیات کریمہ اور ان جیسی دیگر آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخلوق میں سے تمام جن وانس' اہل سعادت اور اہل شقاوت کی اقسام میں منقسم ہیں۔ ان آیات میں دونوں فریقوں کی صفات اور ان اعمال کا ذکر کیا گیا ہے جو سعادت یا شقاوت کے موجب ہیں۔ ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ''جن'' ثواب وعقاب کے معاملے میں انسانوں کی طرح ہیں جس طرح وہ ان کی مانند امرونہی کے مکلف ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنی نعمتوں اور اپنے احسانات کا ذکر شروع کیا۔ فرمایا:

يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىٓ اُوْفِ

اے بنو اسرائیل! یاد کرو تم میری نعمت' وہ جو انعام کی میں نے تم پر' اور پورا کرو تم میرا عہد' میں پورا کروں گا

بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّاىَ فَارْهَبُوْنِ ۝٤٠ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ

تمہارے (ساتھ کیا ہوا) عہد اور مجھ ہی سے ڈروO اور ایمان لاؤ اس پر جو میں نے نازل کیا جبکہ وہ تصدیق کرنے والا ہے اس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے

وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ۝٤١

اور نہ ہو تم پہلے کفر کرنے والے' ساتھ اسکے اور نہ بیچو تم میری آیتوں کو قیمت تھوڑی میں' اور مجھ ہی سے ڈروO

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝٤٢ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

اور نہ خلط ملط کرو حق کو ساتھ باطل کے اور مت چھپاؤ حق کو درآں حالیکہ تم جانتے ہوO اور قائم کرو نماز

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۝٤٣

اور دو زکوٰۃ اور رکوع کرو ساتھ رکوع کرنے والوں کےO

یہاں اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب بنی اسرائیل کے ان گروہوں سے ہے جو مدینہ اور اس کے گردونواح میں آباد تھے۔ اس خطاب میں بعد میں آنے والے اسرائیلی بھی شامل ہیں۔ پس ان کو ایک عام حکم دیا ہے۔ فرمایا: ﴿ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ ﴾ ''میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیں''۔ ان نعمتوں میں تمام نعمتیں شامل ہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر عنقریب اس سورت میں آئے گا۔ یہاں ان نعمتوں کے یاد کرنے سے مراد دل میں ان نعمتوں کا اعتراف کرنا' زبان سے ان کی تعریف کرنا اور جوارح کے ذریعے سے ان نعمتوں کو ایسی جگہ استعمال کرنا ہے جہاں اللہ پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے۔

﴿ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِىٓ ﴾ یعنی وہ اس عہد کو پورا کریں جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا ہے کہ وہ اس پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائیں گے اور اس کی شریعت کو قائم کریں گے۔ ﴿ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ﴾ ''میں تم سے کیا ہوا عہد پورا کروں

گا‘‘ یہ ان کے عہد کے پورا کرنے کا بدلہ ہے۔

اس عہد سے مراد وہ عہد ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے: ﴿ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ﴾ (المائدہ: ۵/۱۲) ’’اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان میں سے ہم نے بارہ سردار مقرر کر دیے اور اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرتے اور زکوۃ دیتے رہو گے، میرے رسولوں پر ایمان لاتے اور ان کی عزت وتوقیر کرتے رہو گے اور اللہ کو قرض حسنہ دیتے رہو گے تو میں تم سے تمہارے گناہ دور کر دوں گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی، پھر تم میں سے جس نے اس کے بعد کفر کا ارتکاب کیا وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا‘‘۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا جو وفائے عہد کے حامل ہیں یعنی اس اکیلے سے خوف کھانا اور ڈرنا، کیونکہ جو کوئی اس سے ڈرتا ہے تو یہ ڈر اس کے احکام کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب کا موجب بنتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک خاص امر کا حکم دیا ہے جس کے بغیر ان کا ایمان مکمل ہوتا ہے نہ اس کے بغیر ایمان صحیح۔ فرمایا: ﴿ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ ﴾ ’’اور ایمان لاؤ اس پر جو میں نے نازل کیا۔‘‘ اس سے مراد قرآن مجید ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ محمد ﷺ پر ایمان لائیں اور ان کی اتباع کریں اور آپ پر ایمان لانے اور اتباع کرنے کا حکم اس کتاب پر بھی ایمان لانے کو مستلزم ہے جو آپ پر نازل کی گئی۔

پھر اس داعی کا ذکر کیا جو انہیں ایمان کی طرف بلاتا ہے۔ فرمایا: ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ﴾ ’’تصدیق کرنے والا ہے ان چیزوں کی جو تمہارے پاس ہیں‘‘ یعنی یہ (قرآن) ان کتابوں کی موافقت کرتا ہے جو تمہارے پاس ہیں یہ ان کے مخالف ہے نہ مناقض۔ پس جب یہ قرآن ان کتابوں کی موافقت کرتا ہے جو تمہارے پاس ہیں اور ان کی مخالفت نہیں کرتا تو پھر تمہارے اس پر ایمان لانے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ کیونکہ محمد ﷺ وہی چیز لے کر آئے ہیں جو پہلے رسول لائے تھے، لہٰذا تم سب سے زیادہ مستحق ہو کہ تم اس پر ایمان لاؤ اور اس کی تصدیق کرو کیونکہ تم اہل کتاب اور اہل علم ہو۔ نیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ﴾ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر تم اس پر ایمان نہیں لاؤ گے تو یہ تکذیب خود تمہاری طرف لوٹے گی یعنی تم خود بھی ان کتابوں کے جھٹلانے

والے ٹھہرو گے جو تمہارے پاس ہیں۔ اس لیے کہ یہ پیغمبر بھی وہی چیز لے کر آیا ہے جو حضرت موسیٰ، عیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام لے کر آئے، لہٰذا تمہارا محمد ﷺ کی تکذیب کرنا درحقیقت ان کتابوں کی تکذیب ہے جو تمہارے پاس ہیں۔ نیز اس لیے بھی کہ ان کتابوں میں، جو تمہارے پاس ہیں اس نبی کے اوصاف اور نشانیاں بیان ہوئی ہیں اور اس کی بشارت دی گئی جو یہ قرآن لے کر آیا ہے۔ اس لیے اگر تم اس پر ایمان نہیں لاتے تو تم نے گویا ان کتابوں کے بعض احکام کو جھٹلایا جو تمہارے پاس ہیں۔ پس جو کوئی اس کتاب کے کچھ حصے کو جھٹلاتا ہے جو اس کی طرف نازل کی گئی ہے تو وہ تمام کتابوں کو جھٹلاتا ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی ایک رسول کا انکار کرتا ہے تو دراصل وہ تمام رسولوں کا انکار کرتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اس رسول پر ایمان لانے کا حکم دیا، تو ان کو ایمان کی ضد یعنی اس کے ساتھ کفر سے روکا اور اس سے ڈرایا۔ فرمایا: ﴿ وَلَا تَكُونُوٓا۟ أَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهِۦ ﴾ یعنی رسول اللہ اور قرآن کی تکذیب کرنے والے پہلے لوگ نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ أَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهِۦ ﴾ ”اس کے اولین انکار کرنے والے“ (وَلَا تَكْفُرُوْا بِهٖ) ”اس کا انکار نہ کرو“ سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ جب وہ اولین کفر کرنے والے ہوں گے تو گویا وہ کفر کی طرف بہت تیزی سے لپکے ہیں اس رویہ کے برعکس جو ان کے لیے زیادہ مناسب تھا۔ ان کے اپنے کفر اور انکار کا گناہ تو ان کے ذمہ ہے ہی، بعد میں آنے والے ان لوگوں کا گناہ بھی ان کے کندھوں پر ہے جنہوں نے ان کی پیروی کی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس مانع کا ذکر کیا جو ان کو ایمان لانے سے روکتا ہے اور وہ ہے دنیا کے ادنیٰ فوائد کو ابدی سعادت پر ترجیح دینا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَا تَشْتَرُوا۟ بِـَٔايَـٰتِى ثَمَنًا قَلِيلًا ﴾ ”میری آیات (میں تحریف کر کے ان) کے عوض حقیر معاوضہ مت لو“ اس سے مراد وہ دنیاوی مناصب اور کھانے پینے کی اشیاء ہیں جن کے بارے میں وہ اس وہم میں پڑے ہوئے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے تو وہ ان چیزوں سے محروم ہو جائیں گے۔ پس انہوں نے ان ادنیٰ چیزوں کو آیات الٰہی کے بدلے خرید لیا اور ادنیٰ چیزوں کو آیات الٰہی پر ترجیح دی۔

﴿ وَإِيَّـٰىَ فَٱتَّقُونِ ﴾ ”اور مجھ ہی سے ڈرو“ اور میرے سوا کسی سے نہ ڈرو۔ کیونکہ جب تم صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے تو یہ چیز تم میں تقویٰ اور تھوڑی سی قیمت کے مقابلے میں آیات الٰہی پر ایمان کو مقدم رکھنے کی موجب ہو گی۔ جیسے جب تم آیات الٰہی کے بدلے تھوڑی سی قیمت کو پسند کر لیتے ہو تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ تمہارے دلوں سے تقویٰ کوچ کر گیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَا تَلْبِسُوا۟ ٱلْحَقَّ بِٱلْبَـٰطِلِ وَتَكْتُمُوا۟ ٱلْحَقَّ ﴾ ”اور خلط ملط نہ کرو حق کو باطل کے ساتھ اور نہ چھپاؤ تم حق کو“ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو دو چیزوں سے منع کیا ہے۔ (۱) حق کو باطل میں خلط ملط

کرنے سے۔ (۲) کتمان حق سے۔ اس لیے کہ اہل کتاب اور اہل علم سے مطلوب یہ ہے کہ وہ حق کو ممیز کر کے اس کو ظاہر کریں تاکہ ہدایت کے متلاشی حق کے ذریعے سے راہ پائیں اور گم گشتہ راہ لوگ سیدھے راستے کی طرف لوٹ آئیں اور اہل عناد پر حجت قائم ہو جائے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے اور اپنے دلائل واضح کر دیے تاکہ حق باطل سے بالکل الگ اور ممیز ہو جائے اور مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے۔ پس اہل علم میں سے جو کوئی حق پر عمل پیرا ہوتا ہے وہ انبیاء و مرسلین کا جانشین اور قوموں کا راہ نما بن جاتا ہے اور جو حق کو باطل میں گڈمڈ کر دیتا ہے' حق کا علم رکھنے کے باوجود حق کو باطل سے ممیز نہیں کرتا اور اس حق کو وہ چھپاتا ہے جسے وہ جانتا ہے اور جس کے اظہار کا اسے حکم دیا گیا ہے تو ایسا شخص جہنم کے داعیوں میں شمار ہوتا ہے' کیونکہ لوگ دین کے معاملے میں اپنے علماء کے سوا کسی کی پیروی نہیں کرتے۔ پس تم ان دو چیزوں میں سے اپنے لیے جو چاہو چن لو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ یعنی (ظاہری اور باطنی طور پر) نماز قائم کرو۔ ﴿ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ یعنی (مستحقین کو) زکوٰۃ دو۔ ﴿ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾ ''اور رکوع کرو رکوع کرنے والوں کے ساتھ'' یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھو۔ جب تم نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور آیات الٰہی پر ایمان رکھتے ہوئے ان افعال کو سرانجام دیا تو یقیناً تم نے اعمال ظاہرہ اور اعمال باطنہ کو' معبود کے لیے اخلاص اور اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کو اور عبادات قلبیہ' عبادات بدنیہ اور مالیہ کو جمع کر لیا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾ ''رکوع کرنے والوں کے ساتھ مل کر رکوع کرو' کے معنی یہ ہیں کہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھو۔ پس اس آیت کریمہ میں باجماعت نماز کا حکم اور جماعت کے وجوب کا حکم ہے اور یہ کہ رکوع نماز کا رکن ہے کیونکہ یہاں نماز کو رکوع سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور عبادت کو اس کے کسی جزو سے تعبیر کرنا عبادت میں اس جزو کی فرضیت کی دلیل ہے۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾

کیا حکم دیتے ہو تم لوگوں کو نیکی کا اور بھول جاتے ہو اپنے آپ کو' حالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب' کیا پس نہیں عقل رکھتے تم؟

﴿ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ ﴾ ''کیا تم لوگوں کو نیکی (یعنی ایمان اور بھلائی) کا حکم دیتے ہو؟'' ﴿ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ﴾ ''اور بھول جاتے ہو اپنے آپ کو'' یعنی تم اپنے آپ کو ایمان اور بھلائی کا حکم دینا چھوڑ دیتے ہو۔ ﴿ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہو' کیا تم سمجھتے نہیں؟ عقل کو اس لیے عقل کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے فائدہ مند چیز اور بھلائی کا شعور حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے سے اس چیز سے بچا جاتا ہے جو ضرر رساں ہے' اس لیے کہ عقل انسان کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ جس چیز کا حکم دیتا ہے اس پر سب سے پہلے خود عمل کرے اور جس چیز سے روکتا ہے اس کو سب سے پہلے خود ترک کرے۔

پس جو کوئی کسی کو بھلائی کا حکم دیتا ہے اور خود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتا یا وہ کسی کو برائی سے روکتا ہے اور خود اسے ترک نہیں کرتا تو یہ چیز اس کی جہالت اور اس کے بے عقل ہونے کی دلیل ہے خاص طور پر جبکہ ایسا شخص اس حقیقت کا علم بھی رکھتا ہو۔ پس اس پر حجت قائم ہوگئی۔ ہر چند کہ یہ آیت کریمہ بنی اسرائیل کے معاملے میں نازل ہوئی ہے تاہم اس کا حکم ہر ایک کے لیے عام ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ○ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ (الصف : ۶۱/۲۔۳) ''اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی ناراضی کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جس پر عمل نہ کرو''۔

آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ انسان جس کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے اگر خود اس پر عمل نہیں کرتا تو وہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے سے رک جائے کیونکہ یہ آیت دونوں واجبات کی نسبت توبیخ پر دلالت کرتی ہے۔ ورنہ ہمیں معلوم ہے کہ انسان پر دو امور واجب ہیں۔

(۱) کسی دوسرے کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔ (۲) خود اپنے آپ کو نیکی پر آمادہ کرنا اور برائی سے رک جانا۔ ان میں سے ایک چیز کو ترک کرنے سے دوسری چیز کو ترک کرنے کی رخصت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ کمال یہ ہے کہ انسان دونوں واجبات پر عمل کرے اور نقص یہ ہے کہ وہ دونوں واجبات کو ترک کر دے۔ رہا ان دونوں واجبات میں سے کسی ایک پر عمل کرنا تو یہ رتبہ کمال سے نیچے اور نقص سے اوپر ہے۔ نیز اس کی وجہ یہ ہے کہ نفوس انسانی کی جبلت میں یہ چیز داخل ہے کہ لوگ اس شخص کی اطاعت نہیں کرتے جس کا قول اس کے فعل کے خلاف ہوتا ہے پس وہ عمل سے عاری اقوال کی نسبت افعال کی زیادہ پیروی کرتے ہیں۔

وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِیْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِیْنَ ۴۵ الَّذِیْنَ
اور مدد طلب کرو تم صبر اور نماز کے ذریعے سے اور بلاشبہ وہ بھاری ہے مگر عاجزی کرنیوالوں پر (نہیں)○ وہ جو
یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ۴۶ یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا ع ۵
یقین رکھتے ہیں اس بات کا کہ وہ ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور یہ کہ وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں○ اے بنو اسرائیل! یاد کرو تم
نِعْمَتِیَ الَّتِیْۤ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۴۷ وَاتَّقُوْا
میری نعمت، وہ جو انعام کی میں نے تم پر اور یہ کہ فضیلت دی میں نے تم کو جہانوں پر ○ اور ڈرو
یَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَیْـًٔا وَّلَا یُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ
اس دن سے کہ نہیں فائدہ دے گی کوئی جان کسی جان کو کچھ اور نہ قبول کی جائے گی اس سے کوئی سفارش
وَّلَا یُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۴۸
اور نہ لیا جائے گا اس سے کوئی بدلہ اور نہ وہ مدد ہی کیے جائیں گے ○

﴿ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ﴾ ''اور مدد حاصل کرو صبر سے اور نماز سے۔'' اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ تمام امور میں صبر کی تمام اقسام سے مدد لیں۔ صبر کی اقسام یہ ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اپنے نفس کو پابند کرنا۔ (۲) اس کی نافرمانی سے اپنے آپ کو روکنا یہاں تک کہ اسے ترک کر دے۔ (۳) اس کی تقدیر پر صبر کرنا اور اس پر ناراضی کا اظہار نہ کرنا۔ ہر معاملے میں صبر کے ذریعے سے بڑی مدد ملتی ہے۔ جو کوئی صبر کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے صبر کرنے کی توفیق سے نواز دیتا ہے۔

اسی طرح نماز ہے جو کہ ایمان کی میزان ہے اور فواحش و منکرات سے روکتی ہے۔ ہر معاملہ میں نماز سے مدد لی جاتی ہے۔ ﴿ وَاِنَّهَا ﴾ یعنی نماز ﴿ لَكَبِيْرَةٌ ﴾ بہت شاق گزرتی ہے ﴿ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴾ سوائے ڈرنے والوں کے۔ اس لیے کہ یہ نماز ان پر بہت آسان اور ہلکی ہے کیونکہ خشوع، خشیت الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امید ان کے لیے شرح صدر کے ساتھ نماز کے قیام کی موجب ہوتی ہے کیونکہ وہ ثواب کی امید کرتے اور عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اس کے برعکس جو ثواب کی امید نہیں رکھتا اور عذاب سے نہیں ڈرتا اس کے اندر کوئی ایسا داعیہ موجود نہیں ہوتا جو اسے نماز کی طرف بلائے۔ جب ایسا شخص نماز پڑھتا ہے تو نماز اس کے لیے سب سے بوجھل چیز ہوتی ہے۔ خشوع سے مراد ہے قلب کا اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کے ساتھ سرافگندہ ہونا' اس کا اللہ تعالیٰ کے پاس پرسکون اور مطمئن ہونا اور اس کے سامنے ذلت و فقر کے ساتھ اس کی ملاقات کی امید پر انکسار کا اظہار کرنا۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ ﴾ یعنی جو یقین کرتے ہیں ﴿ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ ﴾ کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کریں گے اور وہ ان کو ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ ﴿ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴾ ''اور یہ کہ وہ اسی کی طرف لوٹیں گے'' اس یقین نے ان کے لیے عبادات کو آسان کر دیا ہے۔ یہی یقین مصائب میں ان کے لیے تسلی کا موجب ہوتا ہے' تکالیف کو ان سے دور کرتا ہے اور برے کاموں سے انہیں روکتا ہے۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بلند بالا خانوں میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ملاقات پر ایمان نہیں رکھتا اس کے لیے نماز اور دیگر عبادات سب سے زیادہ شاق گزرنے والی چیزیں ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی نصیحت کی خاطر اور ان کو برائیوں سے بچانے' نیکیوں پر آمادہ کرنے کے لیے ان پر اپنی نعمتوں کی مکرر یاد دہانی کرائی ہے اور انہیں قیامت کے دن سے ڈرایا ہے کہ ﴿ لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ ﴾ جس روز کوئی نفس کسی کے کوئی کام نہ آئے گا اگرچہ یہ انبیائے کرام اور صالحین کے نفوس کریمہ ہی کیوں نہ ہوں۔ ﴿ عَنْ نَّفْسٍ ﴾ اگرچہ یہ نفس قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ ﴿ شَيْـًٔـا ﴾ ''کچھ بھی'' یعنی وہ کم یا زیادہ کوئی کام بھی نہ آسکے گا۔ انسان کو صرف اس کا وہی عمل کام دے گا جو اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا ہے۔ ﴿ وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ ﴾ اس نفس کے بارے میں کسی کی سفارش قبول نہ کی جائے گی۔ ہاں شفاعت اس شخص کی قبول ہوگی جس کو اللہ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا اور جس کی بابت شفاعت کی اجازت دی جائے گی اس کو بھی وہ پسند کرتا ہوگا

اور اللہ تعالیٰ اس شخص کے اسی عمل کو پسند کرے گا جو صرف اس کی رضا کے لیے اور سنت رسول کے مطابق کیا گیا ہوگا (گویا ہر شخص شفاعت کرنے کا مجاز ہوگا نہ ہر کسی کے لیے شفاعت ہی کی جا سکے گی) ﴿ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ ﴾ یعنی اس سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَوْ اَنَّ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ مِنْ سُوْٓءِ الْعَذَابِ ﴾ (الزمر: ۴۷/۳۹) ''اگر ان لوگوں کے پاس جنہوں نے ظلم کیا وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو تو وہ برے عذاب سے بچنے کے لیے اسے فدیہ میں دیں گے'' (مگر ان سے یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا) ﴿ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴾ ''اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے'' یعنی ان سے وہ عذاب ہٹایا نہیں جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس بات کی نفی کر دی کہ وہ کسی بھی پہلو سے قیامت کے روز مخلوق سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿ لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا ﴾ حصول منافع کے بارے میں ہے اور ﴿ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴾ دفع مضرت کے بارے میں ہے اور یہ نفی مستقبل میں کسی امر نافع کے بارے میں ہے۔ ﴿ وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ ﴾ یہ اس نفع کی نفی ہے جو معاوضہ دے کر اس شخص سے طلب کیا جاتا ہے جو اس نفع کا مالک ہو۔ یہ معاوضہ کبھی تو فدیہ ہوتا ہے کبھی اس کے علاوہ سفارش وغیرہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ پس یہ چیز بندے پر واجب کرتی ہے کہ وہ مخلوق سے تعلق اور امید کو منقطع کر دے کیونکہ اسے علم ہے کہ مخلوق اسے ذرہ بھر نفع پہنچانے پر قادر نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کو جوڑے جو نفع پہنچانے والا اور تکالیف کو دور کرنے والا ہے' پس صرف اسی کی عبادت کرے جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی عبادت پر اسی سے مدد طلب کرے۔

یہاں سے بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تفصیلاً شمار شروع ہوتا ہے' چنانچہ فرمایا:

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ

اور جب نجات دی ہم نے تم کو آل فرعون سے' وہ دیتے تھے تمہیں سخت عذاب' ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے

نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾ وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ

تمہاری بیٹیوں کو اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی ○ اور جب پھاڑا ہم نے تمہاری وجہ سے سمندر کو'

فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ

پھر نجات دی ہم نے تمہیں اور غرق کر دیا ہم نے آل فرعون کو اور تم دیکھ رہے تھے ○ اور جب وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے چالیس

لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ

راتوں کا' پھر بنا لیا تم نے بچھڑے کو (معبود) موسیٰ کے (طور پر جانے کے) بعد اور تم ظالم تھے ○ پھر معاف کر دیا ہم نے تم کو

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ

بعد اس کے' شاید کہ تم شکر کرو ○ اور جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور (حق و باطل کے درمیان) فرق کرنے والی چیز' شاید کہ تم

تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ

ہدایت پاؤ ○ اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے' اے میری قوم! بیشک تم نے ظلم کیا اپنے آپ پر بوجہ بنا لینے تمہارے

الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰی بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ۭ

بچھڑے کو (معبود) پس توبہ کرو تم طرف اپنے پیدا کرنیوالے کی اور قتل کرو تم اپنے آپکو' یہ بہتر ہے تمہارے لیے نزدیک تمہارے پیدا کرنیوالے کے

فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی

پھر اللہ متوجہ ہوا تم پر' بلاشبہ وہی ہے توبہ قبول کرنیوالا رحم کرنیوالا ○ اور جب کہا تم نے' اے موسیٰ! ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے تجھ پر یہاں تک کہ

نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ

دیکھ لیں ہم اللہ کو علانیہ (سامنے) پس پکڑ لیا تم کو بجلی (کے عذاب) نے اور تم دیکھ رہے تھے ○ پھر زندہ کیا ہم نے تم کو' بعد

مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ۭ

تمہاری موت کے' شاید کہ تم شکر کرو ○ اور سایہ کیا ہم نے تم پر بادلوں کا اور نازل کیا ہم نے تم پر من اور سلویٰ'

كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۭ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

کھاؤ تم (ان) پاکیزہ چیزوں سے' جو دیں ہم نے تمہیں' اور نہیں ظلم کیا انہوں نے ہم پر لیکن تھے وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتے ○

﴿ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ ﴾ یعنی فرعون' اس کے سرداروں اور اس کی فوجوں سے نجات دی جو انہیں اس سے قبل ذلت آمیز عذاب میں مبتلا رکھتے تھے ﴿ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ﴾ ''وہ دیتے تھے تمہیں سخت عذاب'' یعنی تمہیں ایذاء پہنچاتے اور تم سے کام لیتے تھے ﴿ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ ﴾ اور وہ یہ کہ تمہارے بیٹوں کو اس خوف سے ذبح کرتے تھے کہ کہیں تمہاری تعداد بڑھ نہ جائے ﴿ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ﴾ ''اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے'' یعنی وہ تمہاری عورتوں کو قتل نہیں کرتے تھے پس تمہاری حالت یہ تھی کہ یا تو تمہیں قتل کر دیا جاتا تھا یا تم سے مشقت کے کام لے کر تمہیں ذلیل کیا جاتا تھا۔ اور تمہیں احسان کے طور پر اور اظہار غلبہ کے لیے زندہ رکھا جاتا تھا۔ یہ توہین اور اہانت کی انتہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں مکمل نجات عطا کر کے اور ان کے آنکھوں دیکھتے ان کے دشمن کو غرق کر کے ان پر احسان فرمایا۔ تاکہ ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہو۔

﴿ وَفِيْ ذٰلِكُمْ ﴾ ''اور اس میں'' یعنی اللہ تعالیٰ کے اس نجات عطا کرنے میں ﴿ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴾ ''تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش ہے''۔ پس یہ چیز تم پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کے احکامات کی اطاعت کو واجب کرتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چالیس راتوں کا وعدہ فرمایا تھا کہ وہ ان پر تورات نازل کرے گا جو عظیم نعمتوں اور مصالح عامہ کو متضمن ہوگی۔ پھر وہ اس میعاد کے

مکمل ہونے تک صبر نہ کر سکے چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد بچھڑے کی پوجا شروع کردی۔ ﴿ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴾ ''اور تم ظالم تھے'' یعنی اپنے ظلم کو جاننے والے۔ تم پر حجت قائم ہوگئی۔ پس یہ سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑا گناہ ہے' پھر اس نے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر تمہیں توبہ کرنے کا حکم دیا۔ اور اس توبہ کی صورت یہ تھی کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس سبب سے تمہیں معاف کر دیا۔ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ ''شاید کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔''

﴿ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ ''اور جب تم نے کہا' اے موسیٰ! ہم ہرگز تیری بات کا یقین نہیں کریں گے' یہاں تک کہ ہم اللہ کو سامنے دیکھ لیں'' یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مقابلے میں تمہاری جرأت کی انتہا تھی۔ ﴿ فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ ﴾ پس تمہیں بے ہوشی نے آ لیا۔ (اس بے ہوشی سے مراد) یا تو موت ہے یا عظیم بے ہوشی ہے۔ ﴿ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴾ تم اس تمام واقعہ کو دیکھ رہے تھے۔ ہر شخص اپنے ساتھی کو دیکھ رہا تھا۔

﴿ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ ''پھر تمہارے مرنے کے بعد ہم نے تمہیں دوبارہ زندہ کیا شاید کہ تم شکر گزار بنو'' پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جن سے اس نے بنی اسرائیل کو اس بیابان وصحرا میں نوازا جو سائے اور کھانے پینے کی چیزوں کی فراوانی سے خالی تھا۔ فرمایا: ﴿ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ ﴾ ''پھر ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر ''منّ'' نازل کیا'' ﴿ الْمَنَّ ﴾ ہر قسم کے اس رزق کے لیے ایک جامع نام ہے جو بغیر کسی جدوجہد کے حاصل ہوتا ہو مثلاً سونٹھ' کھمبی اور جبنر (روٹی) (ایک قسم کی نباتات) وغیرہ۔ ﴿ وَالسَّلْوٰى ﴾ ایک چھوٹا سا پرندہ تھا جسے ''سُمانی'' (ایک قسم کی بٹیر) کہا جاتا ہے اس کا گوشت بہت لذیذ ہوتا ہے۔ پس یہ من اور سلویٰ اس مقدار میں ان پر اترتے کہ ان کی خوراک کے لیے کافی ہوتے ﴿ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ﴾ ''ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں دیں''۔ یعنی ہم نے تمہیں ایسا رزق عطا کیا ہے کہ اس جیسا رزق آسودہ حال شہروں کے باشندوں کو بھی حاصل نہیں۔ مگر انہوں نے اس نعمت کا شکر ادا نہ کیا اور ان کے دلوں کی سختی اور گناہوں کی کثرت بدستور قائم رہی۔

﴿ وَمَا ظَلَمُوْنَا ﴾ یعنی انہوں نے ہمارے احکام کے برعکس مخالف افعال کا ارتکاب کر کے ہم پر ظلم نہیں کیا۔ کیونکہ اہل معاصی کی معصیت اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ جیسے اطاعت گزاروں کی اطاعت اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ ﴿ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ ''لیکن وہ اپنے ہی نفسوں پر ظلم کرتے تھے'' یعنی اس کا نقصان انہی کی طرف لوٹے گا۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا

اور جب کہا ہم نے داخل ہو تم اس بستی میں اور کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو تم فراغت سے اور داخل ہو تم

الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ۞۵۸

دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور کہو بخش دے ہمیں' تو معاف کردیں گے ہم تمہاری خطائیں اور عنقریب زیادہ دینگے ہم احسان کرنیوالوں کو○

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا

پس بدل دیا ظالموں نے بات کو خلاف اسکے جو کہی گئی تھی ان سے' تو نازل کیا ہم نے اوپر ان لوگوں کے جنھوں نے ظلم کیا'

رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۞۵۹ ع

ع ۶ ۱۲ ۶

عذاب آسمان سے' اس وجہ سے کہ تھے وہ نافرمانی کرتے○

یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہی تھی کہ ان کی نافرمانی کے بعد بھی اس نے ان کو حکم دیا کہ وہ ایک بستی میں داخل ہو جائیں یہ بستی ان کے لیے باعث عزت' ان کا وطن اور ان کا مسکن ہوگی اور اس بستی میں ان کو وافر اور بے روک ٹوک رزق ملے گا۔ بستی میں ان کا داخلہ بالفعل خضوع کی حالت میں ہو یعنی وہ بستی کے دروازے میں ﴿سُجَّدًا﴾ "سجدے کی حالت میں" گزریں یعنی وہ اس حالت میں دروازے میں داخل ہوں کہ ان پر خشوع و خضوع طاری ہو اور بالقول وہ ﴿حِطَّةٌ﴾ "بخش دے" کہتے ہوئے دروازے میں داخل ہوں یعنی ان کے مغفرت کے سوال پر ان کی خطائیں معاف کردی جائیں۔

﴿نَغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ﴾ تمہارے مغفرت کے سوال کرنے پر ہم تمہاری خطائیں معاف کردیں گے ﴿وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ یعنی بھلائی کا کام کرنے والوں کو ہم دنیا و آخرت میں ان کے اعمال کی جزا زیادہ دیں گے۔

﴿فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ یعنی ان لوگوں نے اس قول کو بدل دیا تھا جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے (فَبَدَّلُوْا) "ان سب نے بدل دیا" نہیں فرمایا کیونکہ سب لوگ قول کو بدلنے والے نہ تھے ﴿قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ﴾ "بات سوائے اس بات کے جو ان سے کہی گئی تھی" انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی توہین اور اس سے استہزا کرتے ہوئے (حِطَّةٌ) کی بجائے (حَبَّةٌ فِيْ حِنْطَةٍ) کا لفظ کہا۔ جب "قول" کو باوجود اس کے کہ وہ آسان تھا' انہوں نے اسے بدل دیا تو "فعل" کو بدلنے کی ان سے بدرجہ اولیٰ توقع کی جا سکتی ہے۔ اس لیے وہ (اللہ تعالیٰ کے حکم کے برعکس) اپنے سرینوں پر گھسٹتے ہوئے دروازے میں داخل ہوئے۔ چونکہ یہ سرکشی اللہ تعالیٰ کے عذاب کے واقع ہونے کا سب سے بڑا سبب تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا﴾ یعنی ان میں سے ظالموں پر عذاب نازل کیا۔ ﴿مِّنَ السَّمَآءِ﴾ یعنی ان کی نافرمانی اور ان کے بغاوت

کے رویہ کے سبب سے (آسمان سے یہ عذاب نازل ہوا)

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ

اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے تو ہم نے کہا' مار تو اپنا عصا پتھر کو' پس بہہ نکلے اس (پتھر) سے

اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ

بارہ چشمے' تحقیق پہچان لیا ہر قوم نے گھاٹ اپنا اپنا' کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق سے

وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٦٠﴾

اور نہ پھرو تم زمین میں فساد کرتے ہوئے ○

یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لیے پانی مانگا تاکہ وہ اس پانی کو پینے کے لیے استعمال کر سکیں۔ ﴿ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ﴾ "تو ہم نے کہا: اپنی لاٹھی پتھر پر مار۔" یہاں (اَلْحَجَرُ) کے معرفہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یا تو یہ کوئی مخصوص پتھر تھا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے یا اسم جنس کی بنا پر معرفہ ہے۔ ﴿ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ﴾ "پس اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے" اور بنی اسرائیل کے بھی بارہ قبیلے تھے۔ ﴿ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ﴾ یعنی ہر ایک قبیلے نے اپنی وہ جگہ معلوم کر لی جہاں انہوں نے ان چشموں سے پانی پینا ہے' تاکہ وہ پانی پیتے وقت ایک دوسرے کے مزاحم نہ ہوں' بلکہ وہ بغیر کسی تکدر کے خوش گواری کے ساتھ پانی پئیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ ﴾ یعنی وہ رزق جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں بغیر کوشش اور جدوجہد کے عطا کیا ہے اس میں سے کھاؤ پیو۔ ﴿ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴾ یعنی فساد پھیلانے کی خاطر زمین کو مت اجاڑو۔

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا

اور جب کہا تم نے اے موسیٰ! ہرگز نہیں صبر کریں گے ہم ایک کھانے پر' پس دعا کر ہمارے لیے اپنے رب سے کہ وہ نکالے ہمارے لیے وہ چیزیں

تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ

کہ اگاتی ہے زمین' (یعنی) اپنی ترکاری اور ککڑی اور گندم اور مسور اور پیاز' موسیٰ نے کہا: کیا بدلے میں لینا چاہتے ہو تم

الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ

اس چیز کو جو ادنیٰ ہے' بجائے اس چیز کے جو بہتر ہے؟ اترو! کسی شہر میں' پس بیشک تمہارے لیے وہی ہے جس کا سوال کیا تم نے اور مسلط کر دی گئی

عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ

ان پر ذلت اور محتاجی اور پھرے وہ ساتھ اللہ کے غضب کے' یہ اس لیے ہوا کہ بے شک تھے وہ کفر کرتے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾ ع

ساتھ اللہ کی آیتوں کے اور قتل کرتے تھے نبیوں کو ناحق، یہ اس سبب سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور تھے وہ حد سے تجاوز کرتے

تم اس وقت کو بھی یاد کرو جب تم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے اکتا کر اور ان کو حقیر جانتے ہوئے کہا تھا: ﴿ لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ ﴾ یعنی ہم ایک ہی جنس کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ ان کا کھانا جیسا کہ (گزشتہ سطور میں) گزر چکا ہے اگرچہ متعدد انواع کا تھا مگر ان میں تبدیلی نہ ہوتی تھی۔ ﴿ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا ﴾ ''پس تو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کر (وہ) نکالے ہمارے لیے وہ جو اگتا ہے زمین سے، سبزی'' یعنی زمین کی نباتات، جن کا شمار تن آور درختوں میں نہیں ہوتا۔ ﴿ وَقِثَّآئِهَا ﴾ یعنی ککڑی ﴿ وَفُوْمِهَا ﴾ یعنی لہسن ﴿ وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ﴾ یعنی مسور اور پیاز جو کہ معروف ہیں۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى ﴾ ''کیا لینا چاہتے ہو تم وہ چیز جو ادنیٰ ہے'' یعنی یہ تمام کھانے کی چیزیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ ﴿ بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ﴾ ''اس کے بدلے میں جو بہتر ہے'' اس سے مراد ''من و سلویٰ'' ہے یعنی ایسا کہنا تمہارے لائق نہ تھا۔ اس لیے کہ کھانے کی یہ تمام انواع جن کا تم نے مطالبہ کیا ہے، تم جس کسی شہر میں بھی جاؤ گے وہاں تم کو مل جائیں گی۔ رہا وہ کھانا جس سے تمہیں اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا وہ تمام کھانوں سے افضل اور ان سے بہتر ہے۔ پھر تم کیسے ان کھانوں کے بدلے دوسرے (ادنیٰ) کھانوں کا مطالبہ کرتے ہو؟

چونکہ جو کچھ ان کی طرف سے واقع ہوا وہ اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ صبر ان میں بہت ہی قلیل تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی نعمتوں کو حقیر خیال کرتے تھے لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا بدلہ دیا جو ان کے اعمال ہی کی جنس میں سے تھا۔ فرمایا: ﴿ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ ﴾ ''اور ان پر ذلت مسلط کر دی گئی'' یعنی وہ ذلت جس کا ظاہری طور پر ان کے جسموں پر مشاہدہ کیا جا سکتا ہے ﴿ وَالْمَسْكَنَةُ ﴾ یعنی مسکینی جو ان کے دلوں میں جاگزیں ہو گئی۔ پس ان کی عزت نفس باقی رہی نہ بلند ہمتی بلکہ ان کے نفس ذلیل و خوار اور ان کی ہمتیں پست ترین ہو گئیں ﴿ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے'' یعنی وہ غنیمت جسے لے کر کامیابی کے ساتھ واپس لوٹے تھے اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے ساتھ لوٹے تھے۔ ان کی غنیمت کتنی بری غنیمت تھی اور ان کی حالت کتنی بری حالت تھی۔

﴿ ذٰلِكَ ﴾ وہ رویہ جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ٹھہرے ﴿ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ ''یہ تھا کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے'' جو حق پر دلالت اور اس کو واضح کرتی تھیں چونکہ انہوں نے ان آیات کا انکار کر دیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان پر اپنا غضب مسلط کر دیا اور اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ﴿ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ ''انبیاء کو ناحق قتل کیا کرتے تھے۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ فعل کی برائی میں اضافہ کے اظہار کے لیے ہے ورنہ یہ تو اچھی طرح معلوم ہے کہ قتل انبیا کسی بھی صورت میں حق نہیں ہوتا (بنابریں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے) کہ کہیں وہ اپنی جہالت اور عدم علم کی وجہ سے ایسا نہ سمجھ لیں۔

﴿ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا ﴾ یعنی یہ مذکورہ سزا کی وجہ ان کا گناہوں کا ارتکاب تھا ﴿ وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر زیادتی کے مرتکب ہوا کرتے تھے۔ کیونکہ گناہ اور معاصی ایک دوسرے کا سبب بنتے ہیں۔ پس غفلت سے گناہ صغیرہ جنم لیتے ہیں پھر ان گناہوں سے گناہ کبیرہ جنم لیتے ہیں پھر کبیرہ گناہوں سے مختلف قسم کی بدعات اور کفر کے رویے پیدا ہوتے ہیں۔ ہم ہر آزمائش سے اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ان آیات کریمہ میں خطاب بنی اسرائیل کے ان لوگوں سے ہے جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے اور وہ افعال جن کا ذکر اس خطاب میں کیا گیا ہے ان کا ارتکاب ان کے اسلاف نے کیا تھا۔ ان افعال کی نسبت نزول قرآن کے وقت موجود بنی اسرائیل کی طرف متعدد وجوہ کی بنا پر کی گئی ہے۔ مثلاً:

(۱) یہودی اپنے آپ کو پاک سمجھتے تھے اور اپنی تعریف کیا کرتے تھے اور اس زعم میں مبتلا تھے کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان سے افضل ہیں۔ ان کے اسلاف کے ان احوال کے ذریعے سے جو ان کے ہاں بھی مسلمہ تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب پر واضح کر دیا کہ وہ صبر' مکارم اخلاق اور بلند پایہ اعمال کے مالک نہیں تھے۔ جب ان کے اسلاف کی حالت یہ تھی۔ اس گمان کے باوجود کہ ان کی حالت بعد میں آنے والوں سے بہتر ہوگی' تو ان یہودیوں کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے جو قرآن کے براہ راست مخاطب تھے؟

(۲) اللہ تعالیٰ کی جو نعمت متقدمین کو عطا ہوتی ہے وہ متاخرین کو بھی پہنچتی ہے' جو نعمت آباء واجداد کو عطا ہوتی ہے وہ نعمت درحقیقت اولاد کو عطا ہوتی ہے۔ چونکہ نزول قرآن کے وقت موجود یہودی بھی ان نعمتوں میں شامل تھے اس لیے ان کو خطاب کیا گیا۔

(۳) دوسروں کے افعال کی وجہ سے ان کو مخاطب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بنی اسرائیل کی امت ایک ایسے دین پر متفق تھی جس میں وہ ایک دوسرے کے ضامن اور ایک دوسرے کے معاون تھے۔ گویا کہ ان کے متقدمین اور متاخرین ایک ہی زمانے کے لوگ ہوں۔ ان میں سے کسی ایک سے کام کا ظاہر ہونا سب کی طرف سے ہے کیونکہ ان میں سے جو کوئی بھلائی کا کام کرتا ہے تو اس بھلائی کا فائدہ سب کو پہنچتا ہے اور ان میں سے جو کوئی برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا نقصان بھی سب کو اٹھانا پڑتا ہے۔

(۴) متقدمین کے اکثر افعال کا متاخرین میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تھا اور معصیت پر رضامندی کا اظہار

کرنے والا معصیت کے مرتکب کے گناہ میں شریک ہے۔ ان کے علاوہ دیگر حکمتیں بھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

پھر اہل کتاب کے مختلف گروہوں کے درمیان محاکمہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ

بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین (ان میں سے) جو بھی ایمان لایا اللہ

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

اور یوم آخرت پر اور عمل کیا نیک' تو ان کے لیے اجر ہے ان کا' پاس ان کے رب کے' اور نہ کوئی خوف ہو گا ان پر

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے ○

یہ حکم خاص طور پر اہل کتاب کے لیے ہے' کیونکہ صابئین کے بارے میں صحیح ترین رائے یہ ہے کہ یہ نصاریٰ ہی کا ایک فرقہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس امت کے اہل ایمان' یہود و نصاریٰ اور صابئین میں سے جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اپنے رسولوں کی تصدیق کی ان کے لیے اجر عظیم اور امن ہے۔ ان پر کسی قسم کا خوف ہوگا نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔ ان میں سے جس کسی نے اللہ تعالیٰ' اس کے انبیاء و رسل اور یوم آخرت کا انکار کیا تو ان کا حال مذکورہ بالا لوگوں کے حال کے برعکس ہوگا' پس وہ خوف اور غم سے دوچار ہوں گے۔

(مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں) صحیح مسلک یہ ہے کہ ان فرقوں کے مابین یہ محاکمہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی نسبت سے نہیں بلکہ ان کی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ہے۔ کیونکہ یہ تو نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل ان کے احوال کی خبر ہے۔ یہ قرآن کا طریقہ ہے۔ جب سیاق آیات کے بارے میں بعض نفوس وہم کا شکار ہو جائیں تو لازمی طور پر وہ کوئی ایسی چیز ضرور پائیں گے جو ان کے وہم کو زائل کر دے۔ کیونکہ یہ کلام ایسی ہستی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو اشیاء کے وجود میں آنے سے قبل ہی ان کو جانتی ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بنی اسرائیل کا ذکر مذمت کے طور پر کیا ہے اور ان کے گناہوں اور برائیوں کا تذکرہ کیا ہے تو بسا اوقات دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس مذمت میں تمام بنی اسرائیل شامل ہیں۔ اس لیے اللہ نے ایسے لوگوں کے بارے میں واضح کر دیا جو اس مذمت میں شامل نہیں۔ نیز چونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا خاص طور پر ذکر کیا ہے' جس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ باتیں صرف بنی اسرائیل ہی سے متعلق ہیں' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ایک عام حکم بیان کر دیا جو تمام طوائف کو شامل ہے تاکہ حق واضح اور وہم و اشکال دور ہو جائے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی کتاب میں ایسی چیزیں

بیان کی ہیں جو عقلوں کو متحیر کر دیتی ہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ

اور جب لیا ہم نے پختہ وعدہ تم سے اور بلند کیا ہم نے تم پر طور پہاڑ کو (اور کہا) پکڑو تم اس کو جو دیا ہم نے تمہیں، قوت سے

وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۞ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ

اور یاد رکھو تم جو کچھ اس میں ہے، شاید کہ تم متقی بن جاؤ ○ پھر پھر گئے تم بعد اس کے، پس اگر نہ ہوتا فضل

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۞

اللہ کا تم پر اور رحمت اس کی، تو ضرور ہو جاتے تم خسارہ پانے والوں میں سے ○

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اسلاف کے افعال کی وجہ سے ان پر زجر و توبیخ کا پھر اعادہ کیا ہے۔ فرمایا: ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ﴾ یعنی وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا۔ (میثاق) سے مراد ایسا پکا عہد ہے جو طور کو ان کے اوپر معلق کر کے ڈر اور دباؤ کے ذریعے سے مؤکد کیا گیا تھا اور ان سے کہا گیا تھا: ﴿خُذُوْا مَاۤ اٰتَيْنٰكُمْ﴾ یعنی تورات کو پکڑے رہو ﴿بِقُوَّةٍ﴾ یعنی تورات کو محنت، کوشش اور اللہ تعالیٰ کے اوامر پر صبر واستقامت کے ساتھ پکڑے رہو۔ ﴿وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ﴾ یعنی جو کچھ تمہاری کتاب میں ہے اسے سیکھو اور اس کی تلاوت کرو۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ''تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضی سے بچو'' یا ''تاکہ تم اہل تقویٰ میں شمار ہو۔'' پھر اس نہایت بلیغ تاکید کے بعد فرمایا: ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ﴾ یعنی پھر تم نے اس سے اعراض کیا اور یہ روگردانی تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے سخت ترین عذاب کا باعث بنی۔ ﴿فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ''لیکن اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم یقیناً خسارے میں پڑ جاتے''۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً

اور البتہ تحقیق جان لیا تم نے ان لوگوں کو جنہوں نے زیادتی کی تم میں سے ہفتے (کے دن) میں، تو کہا ہم نے ان سے ہو جاؤ تم بندر

خٰسِئِيْنَ ۚ ۞ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا

ذلیل ○ پس کیا ہم نے اس (واقعے) کو عبرت ان لوگوں کیلئے جو اسکے سامنے (موجود) تھے اور جو اسکے پیچھے (آنیوالے) تھے،

وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞

اور (کیا) نصیحت متقی لوگوں کیلئے ○

یعنی تمہارے نزدیک ان لوگوں کی حالت ثابت ہو گئی ہے ﴿الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِى السَّبْتِ﴾ ''جنہوں نے تم میں سے ہفتے کے روز زیادتی سے کام لیا تھا۔'' یہ وہ لوگ تھے جن کا مبسوط اور مفصل قصہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ اعراف میں بیان کیا ہے:

﴿ وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ
حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا
يَفْسُقُوْنَ ۝ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۭ
قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ۝ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ
عَنِ السُّوْۗءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۢ بَـِٔيْسٍۢ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝ ﴾

(الاعراف: ۷/۱۶۳-۱۶۵)

''اور آپ ان لوگوں سے اس بستی والوں کا جو کہ دریائے (شور) کے قریب آباد تھے اس وقت کا حال پوچھیے! جب کہ وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے نکل رہے تھے جب کہ ان کے ہفتہ کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان کے سامنے آتی تھیں، اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں۔ ہم ان کی اس طرح پر آزمائش کرتے تھے اس سبب سے کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ بالکل ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت سزا دینے والا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے روبرو عذر کرنے کے لیے اور اس لیے کہ شاید یہ ڈر جائیں۔ سو جب وہ اس کو بھول گئے جو ان کو سمجھایا جاتا تھا تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو اس بری عادت سے منع کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو جو کہ زیادتی کرتے تھے ایک سخت عذاب سے پکڑ لیا اس وجہ سے کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے۔''

اس گناہ عظیم نے ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب واجب کر دیا۔ ﴿ قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴾ اور ان کو حقیر اور ذلیل بندر بنا دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سزا کو ان قوموں کے لیے ﴿ نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا ﴾ عبرت بنا دیا جو اس وقت وہاں موجود تھیں اور اس زمانے کی وہ قومیں جن تک یہ خبر پہنچی ﴿ وَمَا خَلْفَهَا ﴾ اور ان قوموں کے لیے جو ان کے بعد آئیں، تاکہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو اور وہ گناہوں سے باز آ جائیں مگر یہ نصیحت صرف اہل تقویٰ کے کام آتی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر لوگ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے، بیشک اللہ حکم دیتا ہے تمہیں یہ کہ ذبح کرو تم ایک گائے، انہوں نے کہا کیا بناتا ہے تو ہمیں

هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ ٦٧ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ

ہنسی مذاق؟ موسیٰ نے کہا پناہ میں آتا ہوں میں اللہ کی اس بات سے کہ ہو جاؤں میں جاہلوں سے ۝ انہوں نے کہا، دعا کر تو ہمارے لیے اپنے رب سے،

يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ

وہ بیان کرے ہمارے لیے کیسی ہے وہ گائے؟ کہا موسیٰ نے، بلاشبہ اللہ کہتا ہے کہ بیشک وہ ایک گائے ہے، نہ بوڑھی اور نہ بچی،

عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿٦٨﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ

اوسط عمر کی ہے درمیان اسکے' پس کرو وہ جو تم حکم دیئے جاتے ہو○ انہوں نے کہا' دعا کرو ہمارے لیے اپنے رب سے' بیان کرے وہ

لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ

ہمارے لیے کیسا ہے رنگ اسکا؟ کہا موسیٰ نے' اللہ فرماتا ہے بلاشبہ وہ ایک گائے ہے زرد رنگ کی' خوب گہرا ہے رنگ اسکا خوش کرتی ہے

النّٰظِرِيْنَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ

دیکھنے والوں کو○ انہوں نے کہا' دعا کر ہمارے لیے اپنے رب سے' بیان کرے وہ ہمارے لیے' کس قسم کی ہے وہ گائے؟ بیشک وہ گائے مشتبہ ہوگئی ہے

عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا

ہم پر' اور یقیناً ہم' اگر چاہا اللہ نے' تو ضرور راہ پالیں گے○ (موسیٰ نے) کہا' بیشک اللہ فرماتا ہے کہ بلاشبہ وہ ایک گائے ہے' نہیں ہے

ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ

محنت کرنے والی کہ (بذریعہ ہل) پھاڑتی ہو زمین کو اور نہیں سیراب کرتی کھیتی کو' بے عیب ہے' نہیں ہے کوئی داغ دھبہ اس میں انہوں نے کہا' اب

جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿٧١﴾ ؑ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ ع ٨

لایا ہے تو حق' پس ذبح کیا انہوں نے اسکو اور نہ قریب تھے وہ کہ (ذبح) کرتے○ اور جب قتل کیا تم نے ایک نفس کو' پھر جھگڑا کیا تم نے

فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٧٢﴾ ۚ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ

اس کی بابت اور اللہ ظاہر کرنیوالا ہے اسکو جسے تھے تم چھپاتے○ پس کہا ہم نے' مارو تم اس مردے کو ایک ٹکڑا اس (گائے) کا' اس طرح

يُحْىِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٣﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ

زندہ کریگا اللہ مردوں کو' اور وہ دکھاتا ہے تمہیں نشانیاں اپنی (قدرت کی) تاکہ تم سمجھو○ پھر سخت ہوگئے دل تمہارے

مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا

بعد اس کے' پس ہیں وہ مانند پتھروں کے یا (ان سے بھی) زیادہ سخت' اور تحقیق کچھ پتھر البتہ وہ ہیں کہ

يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ

پھوٹتی ہیں ان سے نہریں' اور بلاشبہ کچھ ان میں سے البتہ وہ ہیں کہ پھٹ پڑتے ہیں' پس نکلتا ہے ان سے پانی' اور تحقیق

مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٧٤﴾

کچھ ان میں سے البتہ وہ ہیں کہ گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے' اور نہیں اللہ غافل اس سے جو تم عمل کرتے ہو○

ان واقعات کو یاد کرو جو تمہارے اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان وقوع پذیر ہوئے۔ جب تم نے ایک شخص کو قتل کر دیا تھا اور اس کے قاتل کے بارے میں آپس میں اختلاف کرنا اور قتل کو ایک دوسرے پر ڈالنا شروع کر دیا حتیٰ کہ تم نے معاملے کو بہت بڑھا دیا اور اگر اللہ تعالیٰ کی توضیح نہ ہوتی تو قریب تھا کہ تم ایک بڑے شر اور فساد میں مبتلا ہو

جاتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قاتل کو تلاش کرنے کے لیے تمہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ تم پر فرض تھا کہ تم فوراً اس کے حکم کی تعمیل کرتے اور اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرتے مگر ہوا یہ کہ تم نے حضرت موسیٰ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور اعتراض کرنے لگے اور کہنے لگے: ﴿ اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ﴾ ''کیا تو ہمارے ساتھ مذاق کرتا ہے''۔ اللہ کے نبی نے فرمایا: ﴿ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴾ ''میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہل بنوں''۔ کیونکہ جاہل ہی ایسی بات کیا کرتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور وہی لوگوں کا تمسخر اڑایا کرتا ہے۔ عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اپنے جیسے کسی آدمی کا مذاق اڑانا عقل و دین کا سب سے بڑا عیب ہے۔ اگرچہ اسے اس آدمی پر فضیلت ہی کیوں نہ حاصل ہو۔ یہ فضیلت تو تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے رب کا شکر کرے اور اس کے بندوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئے۔

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے یہ کہا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ سچ ہے۔ کہنے لگے ﴿ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ﴾ ''اپنے رب سے دعا کر کہ وہ بیان کرے کہ وہ کیا ہے؟'' یعنی اس گائے کی عمر وغیرہ کیا ہے ﴿ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ ﴾ ''موسیٰ نے کہا: اللہ کہتا ہے وہ ایسی گائے ہے جو بوڑھی نہیں ہے'' ﴿ فَارِضٌ ﴾ یعنی بڑی ﴿ وَّلَا بِكْرٌ ﴾ اور نہ ہی زیادہ چھوٹی۔ ﴿ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴾ ان مذکورہ دو عمروں کے درمیان متوسط عمر کی ہو۔ پس وہ کام کرو جس کا حکم دیا جاتا ہے' تشدد اور تکلف کو چھوڑ دو۔ ﴿ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا ﴾ ''انہوں نے کہا: اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کر کہ وہ اس کا رنگ بیان کرے۔ موسیٰ نے کہا: اللہ کہتا ہے' وہ گائے ہے زرد رنگ کی' خوب گہرا ہے رنگ اس کا'' یعنی خالص زرد رنگ۔ ﴿ تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ﴾ یعنی اپنی خوبصورتی کی وجہ سے دیکھنے والوں کو بھلی لگے۔

﴿ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ﴾ ''انہوں نے کہا: اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کر او وہ بیان کرے کہ وہ کیا ہے کیونکہ گائے ہم پر مشتبہ ہو گئی ہے۔'' یعنی ہمیں معلوم نہیں کہ آپ کونسی گائے چاہتے ہیں ﴿ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴾ ''اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے''۔ ﴿ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ ﴾ ''آپ نے فرمایا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے والی نہ ہو۔'' یعنی وہ (کھیتی باڑی کے کاموں میں جت کر) کمزور اور مطیع نہ ہو ﴿ تُثِيْرُ الْاَرْضَ ﴾ ''جوتتی ہو وہ زمین کو'' یعنی اس سے زمین میں ہل نہ چلایا جاتا ہو ﴿ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ﴾ ''نہ پانی دیتی ہو کھیتی کو'' یعنی نہ وہ رہٹ میں جتنے والی ہو۔ ﴿ مُسَلَّمَةٌ ﴾ ہر قسم کے عیب سے پاک ہو اور اس سے کسی قسم کا کام نہ لیا جاتا ہو۔ ﴿ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ﴾ ''اس میں کوئی داغ نہ ہو'' یعنی جس رنگ کا گزشتہ سطور میں ذکر ہو چکا ہے اس کے علاوہ اس میں کسی دوسرے رنگ کا کوئی نشان نہ ہو۔

﴿ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ﴾ ''انہوں نے کہا: اب لایا تو ٹھیک بات''یعنی اب تو نے گائے کے بارے میں واضح طور پر بیان کیا ہے۔ یہ ان کی جہالت تھی ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے پہلی ہی مرتبہ حق بیان کر دیا تھا۔ اگر وہ کوئی بھی گائے پیش کر دیتے تو مقصد حاصل ہو جاتا مگر انہوں نے کثرت سوال کے ذریعے سے تشدد اور تکلف کی راہ اپنائی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی۔ نیز اگر انہوں نے ''ان شاء اللہ'' نہ کہا ہوتا تب بھی وہ مطلوبہ گائے تک نہ پہنچ سکتے۔

﴿ فَذَبَحُوْهَا ﴾ یعنی انہوں نے اس گائے کو ذبح کر ہی ڈالا جس کے یہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ ﴿ وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴾ ان کے تشدد اور تکلف کی وجہ سے جس کا وہ اظہار کر رہے تھے' نظر نہیں آتا تھا کہ وہ گائے ذبح کریں گے۔

جب انہوں نے گائے ذبح کر ڈالی تو ہم نے ان سے کہا کہ گائے کا ایک عضو اس مقتول کو لگاؤ۔ اس سے مراد کوئی معین عضو ہے یا کوئی سا بھی عضو؟ اس کے تعین کا کوئی فائدہ نہیں۔ بس انہوں نے گائے کے کسی حصے کو مقتول کے ساتھ لگایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو ظاہر کر دیا جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں باخبر کر دیا کہ قاتل کون ہے۔ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا اس مقتول کو دوبارہ زندہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مردوں کو زندہ کرے گا۔ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ شاید کہ تم عقل سے کام لو اور ان کاموں سے رک جاؤ جو تمہارے لیے نقصان دہ ہیں۔

﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ ﴾ یعنی پھر تمہارے دل بہت سخت ہو گئے' ان پر کسی قسم کی نصیحت کارگر نہیں ہوتی تھی۔ ﴿ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ﴾ یعنی اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عظیم نعمتوں سے نوازا اور تمہیں بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کرایا۔ حالانکہ اس کے بعد تمہارے دلوں کا سخت ہو جانا مناسب نہ تھا کیونکہ تم نے جن امور کا مشاہدہ کیا تھا وہ رقتِ قلب اور اس کے مطیع ہونے کے موجب ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دلوں کی سختی کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ كَالْحِجَارَةِ ﴾ یعنی وہ سختی میں ''پتھر کی مانند ہیں''، جو لوہے سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے' کیونکہ فولاد ہو یا سیسہ جب اسے آگ میں پگھلایا جائے تو پگھل جاتا ہے بخلاف پتھر کے جو آگ میں بھی نہیں پگھلتا ﴿ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ﴾ ''یا اس سے بھی زیادہ سخت''، یعنی ان کے دلوں کی سختی پتھروں کی سختی سے کم نہیں۔ یہاں ''او'' (بل) کے معنی میں نہیں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پتھروں کو ان کے دلوں پر فضیلت دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ﴾ کیونکہ ''بعض پتھروں سے تو نہریں بہہ نکلتی ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض اللہ

کے ڈر سے گر پڑتے ہیں‘‘ یعنی ان تمام مذکورہ امور کی وجہ سے پتھر تمہارے دلوں سے بہتر ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو سخت وعید سناتے ہوئے کہا: ﴿ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ یعنی وہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں بلکہ وہ تمہارے اعمال کو پوری طرح جانتا ہے‘ وہ تمہارے ہر چھوٹے بڑے عمل کو یاد رکھنے والا ہے اور وہ عنقریب تمہیں تمہارے ان اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ بہت سے مفسرین رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی تفاسیر کو بنی اسرائیل کے قصوں سے لبریز کر رکھا ہے۔ وہ آیات قرآنی کو اسرائیلیات پر پیش کرتے ہیں اور ان کے مطابق کتاب اللہ کی تفسیر کرتے ہیں اور وہ اپنے اس موقف پر رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں «حَدِّثُوا عَنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ» [1] ’’بنی اسرائیل سے روایت کرو اس میں کوئی حرج نہیں‘‘۔ اس بارے میں میری رائے یہ ہے کہ اگرچہ ایک پہلو سے بنی اسرائیل کی روایت نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر اس سے مراد یہ ہے کہ ان روایات کو الگ اور غیر مقرون (قرآن کی تفسیر کے ساتھ ملائے بغیر) بیان کیا جا سکتا ہے۔ ان کو کتاب اللہ پر پیش کر کے کتاب اللہ کی تفسیر بنانا قطعاً جائز نہیں جب کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند سے ثابت نہ ہو۔ یہ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان روایات کا مرتبہ صرف یہ ہے «لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوهُمْ» [2] ’’تم اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب‘‘۔ جب ان روایات کا مرتبہ یہ ہے کہ ان کی صحت مشکوک ہے اور ضروریاتِ دین کے طور پر یہ چیز بھی ہمیں معلوم ہے کہ قرآن مجید پر ایمان لانا اور اس کے الفاظ و معانی پر قطعی یقین رکھنا فرض ہے‘ لہٰذا ان مجہول روایات کے ذریعے سے منقول قصے کہانیوں کو جن کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ یہ جھوٹی ہیں یا ان میں سے اکثر جھوٹی ہیں یقین کے ساتھ قرآن کے معانی قرار دینا ہرگز جائز نہیں۔ اس بارے میں کسی کو شک میں نہیں رہنا چاہیے۔ اس اصول سے غفلت کے سبب سے بہت سا خمیازہ بھگتنا پڑا ہے۔ واللہ الموفق۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ

کیا پس تم (اے مسلمانو!) طمع رکھتے ہو کہ وہ ایمان لے آئیں گے تمہارے لیے‘ حالانکہ تھا ایک فریق ان میں سے‘ وہ سنتے تھے کلام اللہ کا

ثُمَّ يُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾ وَاِذَا لَقُوا

پھر وہ تحریف کر دیتے تھے اس میں بعد اس کے کہ وہ سمجھ لیتے تھے اس (کلام) کو اور وہ جانتے تھے ○ اور جب وہ ملتے ہیں

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا

ان لوگوں سے جو ایمان لائے‘ تو کہتے ہیں‘ ایمان لائے ہیں ہم بھی اور جب علیحدہ ہوتا ہے بعض ان کا بعض کی طرف‘ تو کہتے ہیں

---

[1] سنن ابی داود‘ العلم‘ باب الحدیث عن بنی اسرائیل‘ حدیث: ۳۶۶۲۔

[2] صحیح بخاری‘ التفسیر‘ باب قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا‘ حدیث: ۴۴۸۵۔

اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾

کیاتم بیان کرتے ہوان سے، جوکھولا اللہ نے تم پرتا کہ وہ غالب آجائیں تم پراسکے ساتھ نزدیک تمہارے رب کے؟ کیانہیں تم سمجھتے ؟○

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ

کیا وہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں؟○ اور کچھ ان میں سے ان پڑھ ہیں

لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾

نہیں جانتے وہ کتاب کو سوائے آرزوؤں کے اور نہیں ہیں وہ مگر صرف گمان کرتے ○

النصف

یہاں اہل کتاب کے ایمان لانے کے بارے میں اہل ایمان کی امیدوں کو ختم کردیا ہے کہ تم ان کے ایمان کی امید نہ رکھو۔ ان کے اخلاق ایسے ہیں جو ان کے ایمان کی امید کے متقاضی نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھ کر اور جان بوجھ کر اس کے معانی میں تحریف کرتے ہیں۔ پس وہ اس کے لیے ایسے معانی اور مفاہیم وضع کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہیں تاکہ لوگ اس وہم میں مبتلا ہوں کہ یہ مفاہیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہرگز نہیں۔ پس جب ان کی اس کتاب کے بارے میں یہ حالت ہے جسے وہ اپنے لیے باعث شرف اور اپنا دین قرار دیتے ہیں اور اس کتاب کے ذریعے سے وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ تب ان سے کیونکر یہ امید رکھی جا سکتی ہے کہ وہ تم پر ایمان لائیں گے۔ یہ بعید ترین چیز ہے۔

پھر اہل کتاب کے منافقین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ﴾ ’’جب وہ ایمان والوں کو ملتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم ایمان لائے۔‘‘ یعنی انہوں نے اپنی زبان سے ان کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کیا جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ ﴿ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ ﴾ یعنی جب وہ خلوت میں ہوتے ہیں اور انکے ہم مذہبوں کے سوا ان کے پاس کوئی اور نہیں ہوتا تو وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں: ﴿ اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ﴾ ’’کیا تم ان کو وہ باتیں بیان کرتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں؟‘‘ یعنی کیا تم ان کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہو اور انہیں بتاتے ہو کہ تم ان کی مانند ہو؟ پس یہ چیز ان کے لیے تمہارے خلاف حجت بن جائے گی۔ وہ (یعنی اہل ایمان) کہیں گے کہ انہوں نے اقرار کیا کہ اہل ایمان حق پر ہیں اور جس پر وہ ہیں، وہ باطل ہے۔ پس اہل ایمان اپنے رب کے پاس تمہارے خلاف دلیل دیں گے ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ ’’کیا پس تم سمجھتے نہیں؟‘‘ وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ کیا تم عقل سے عاری ہو کہ تم ان کے پاس وہ چیز چھوڑ رہے ہو جو تمہارے خلاف حجت ہوگی؟

﴿ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴾ ’’کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں؟‘‘ ہر چند کہ وہ اپنے ان عقائد کو چھپاتے ہیں جو ان کے مابین معروف ہیں اور وہ اس

زعم میں مبتلا ہیں کہ انہوں نے ان عقائد کو چھپایا ہوا ہے تاکہ یہ چیز اہل ایمان کے لیے ان کے خلاف دلیل نہ بنے۔ تاہم وہ اس بارے میں غلطی پر ہیں اور بہت بڑی جہالت میں مبتلا ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے۔ اس کے بندے جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دے گا۔

﴿ وَمِنْهُمْ ﴾ ''اور کچھ ان میں سے'' یعنی اہل کتاب میں سے ﴿ اُمِّيُّوْنَ ﴾ ''ان پڑھ عوام بھی ہیں'' جو اہل علم میں شمار نہیں۔ ﴿ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ ﴾ سوائے تلاوت کے' اللہ کی کتاب میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ ان کے پاس اس چیز کی خبر بھی نہیں جو پہلوں کے پاس تھی جن کے حالات یہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کے پاس محض ظن' گمان اور اہل علم کی تقلید کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں اہل کتاب کے علماء' عوام' منافقین اور وہ جنہوں نے نفاق اختیار نہیں کیا' سب کا ذکر کیا ہے۔ پس ان کے علماء اپنی گمراہی کے موقف پر مضبوطی سے جمے ہوئے ہیں اور عوام بصیرت سے محروم ہیں اور ان علماء کی تقلید کرتے ہیں۔ پس ان دونوں گروہوں کے بارے میں تمہیں کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھوں سے' پھر کہتے ہیں' یہ اللہ کی طرف سے ہے

لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ

تاکہ لیں اسکے بدلے میں مول تھوڑا سا' پس ہلاکت ہے ان کے لیے بوجہ اسکے جو لکھا ان کے ہاتھوں نے' اور ہلاکت ہے ان کے لئے

مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿79﴾

بہ سبب اسکے جو وہ کماتے ہیں○

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سخت وعید سنائی ہے جو کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں' اپنی تحریف اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں اس کے بارے میں کہتے ہیں: ﴿ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہ اظہارِ باطل اور کتمانِ حق ہے۔ اور انہوں نے علم رکھنے کے باوجود یہ کیا۔ ﴿ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ ''تاکہ اس کے ذریعے سے تھوڑی قیمت حاصل کریں'' اور تمام دنیا اول سے لے کر آخر تک کتاب اللہ کے مقابلے میں بہت کم قیمت ہے۔ پس انہوں نے اپنے باطل کو ایک جال بنا رکھا ہے جس میں لوگوں کو پھانس کر ان کا مال ہتھیاتے ہیں۔ پس وہ لوگوں پر دو پہلوؤں سے ظلم کرتے ہیں۔ (۱) ایک پہلو یہ ہے کہ وہ لوگوں پر ان کے دین کو چھپاتے ہیں۔ (۲) اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق بلکہ باطل ترین طریقے سے ہڑپ کرتے ہیں اور اس کی برائی چوری اور غصب کرنے سے بھی بڑھ کر ہے۔ پس ان دو امور کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سنائی ہے۔ ﴿ فَوَيْلٌ لَّهُمْ

﴿مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ﴾ ''پس ہلاکت ہے ان کے لیے اس سے'جوان کے ہاتھوں نے لکھا۔'' یعنی جو تحریف کی اور باطل تحریریں لکھیں۔ ﴿وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ﴾ یعنی وہ مال جو وہ باطل طریقے سے کماتے ہیں۔(ویل) عذاب کی شدت اور حسرت کو کہا جاتا ہے اسی کے ضمن میں سخت وعید بھی آجاتی ہے۔

شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ﴿اَفَتَطۡمَعُوۡنَ﴾ سے لے کر ﴿يَكۡسِبُوۡنَ﴾ تک آیات کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں تحریف کر کے ان کو اصل مفہوم سے ہٹا دیتے ہیں۔ اس وعید میں وہ لوگ بھی آتے ہیں جو کتاب وسنت کو اپنی بدعات باطلہ پر محمول کرتے ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بھی مذمت فرمائی ہے جو کتاب کا علم نہیں رکھتے سوائے اپنی خواہشات اور آرزوؤں کے۔ اس وعید میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو تدبر قرآن کے سرنہاں کو ترک کر دیتے ہیں اور اس کے حروف کی مجرد تلاوت کے سوا کچھ بھی نہیں جانتے۔ یہ وعید اس شخص کے لیے بھی ہے جو محض دنیا کمانے کے لیے کوئی ایسی کتاب لکھتا ہے جو قرآن وسنت کے خلاف ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ یہ شریعت اور دین ہے' یہ کتاب وسنت کا معنی ہے' یہ سلف امت اور ائمہ کرام کی تعبیرات ہیں اور یہ دین کے وہ بنیادی اصول ہیں جن پر اعتقاد رکھنا فرض عین یا فرض کفایہ ہے۔ اس وعید میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو کتاب وسنت کے علم کو محض اس وجہ سے چھپاتے ہیں کہ کہیں ان کے مخالفین اس کو اپنے حق میں ان کے خلاف دلیل نہ بنالیں۔ اہل اھواء وبدعات میں بالجملہ یہ امور بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں' مثلاً روافض وغیرہ اور تفصیلاً یہ امور بہت سے ان لوگوں میں بھی پائے جاتے ہیں جو اپنے آپ کو ائمہ فقہ کی طرف منسوب کرتے ہیں''۔

وَقَالُوۡا لَنۡ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعۡدُوۡدَةً ؕ قُلۡ اَتَّخَذۡتُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ

اور کہا انہوں نے' ہر گز نہیں چھوئے گی ہمیں آگ' مگر چند دن گنتی کے' کہہ دیجئے! کیا لیا ہے تم نے اللہ سے

عَهۡدًا فَلَنۡ يُّخۡلِفَ اللّٰهُ عَهۡدَهٗۤ اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى مَنۡ

کوئی عہد؟ پھر تو ہرگز نہیں خلاف کرے گا اللہ اپنے عہد کے' یا کہتے ہو تم اللہ پر وہ بات جو تم نہیں جانتے؟○ کیوں نہیں! جس نے

كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتۡ بِهٖ خَطِيۡٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۱﴾

کمائی کوئی برائی اور گھیر لیا اس کو اس کی برائی نے' پس وہی لوگ ہیں دوزخی' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے○

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ الۡجَـنَّةِ ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۲﴾ ع

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے انہوں نے نیک' یہی لوگ ہیں جنتی' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے○

اللہ تعالیٰ نے ان کے افعال بد کا ذکر کیا پھر اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو پاک

(یعنی تزکیہ شدہ) قرار دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات یافتہ اور اس کے ثواب کے مستحق ہوں گے اور یہ کہ وہ جہنم میں اگر گئے بھی تو جہنم کی آگ انہیں چند دن کے سوا ہرگز نہیں چھوئے گی۔ یعنی بہت ہی کم دنوں کے لیے جن کو انگلیوں پر گنا جا سکتا ہے۔ پس وہ بدی کا ارتکاب بھی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو عذاب سے محفوظ بھی سمجھتے ہیں۔ چونکہ یہ ان کا محض دعویٰ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ﴾ یعنی اے رسول ان سے کہہ دو! ﴿اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا﴾ یعنی کیا تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء و رسل پر ایمان لا کر اور اس کی اطاعت کر کے اللہ تعالیٰ سے عہد لے رکھا ہے۔ پس یہ وعدہ تو یقیناً صاحب وعدہ کی نجات کا موجب ہے، جس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ ﴿اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ''یا تم اللہ کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں''۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کے دعوے کی صداقت ان دو امور میں سے ایک پر موقوف ہے۔ تیسری کوئی چیز نہیں۔

(۱) یا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے نجات کا کوئی عہد لیا ہو گا تب ان کا دعویٰ صحیح ہے۔

(۲) یا یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ رہے ہیں۔ تب ان کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ بس یہ بہتان ان کی رسوائی اور عذاب کے لیے کافی ہے۔

ان کے حالات ہمیں اچھی طرح معلوم ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عہد عطا نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ انہوں نے بے شمار انبیاء کی تکذیب کی تھی حتیٰ کہ ان کی حالت تو یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ انبیاء کا ایک گروہ ان کے ہاتھوں قتل ہوا نیز انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑا اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہدوں کو توڑا۔ پس اس سے اس بات کا تعین ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ رہے ہے اور اس کی بابت ایسی بات کہہ رہے ہیں جس کو وہ خود نہیں جانتے اور علم کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ذمے کوئی بات لگانا' سب سے بڑا حرام اور سب سے بڑی برائی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سب کے لیے ایک عام حکم بیان کیا ہے جس میں بنی اسرائیل اور دیگر تمام لوگ داخل ہیں وہ ایک ایسا حکم ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور حکم ہو ہی نہیں سکتا نہ کہ ان کی آرزوئیں اور دعوے' جو وہ ہلاک ہونے والوں اور نجات پانے والوں کی بابت کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بَلٰى﴾ یعنی معاملہ یوں نہیں جس طرح تم نے بیان کیا ہے کیونکہ یہ تو ایک ایسی بات ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں' بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ﴿مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً﴾ ''جس نے کوئی برائی کمائی'' یہاں ﴿سَيِّئَةً﴾ برائی شرط کے سیاق میں نکرہ استعمال ہوئی ہے لہٰذا اس کے عموم میں شرک اور اس سے کمتر تمام برائیاں داخل ہیں۔ لیکن یہاں اس سے مراد شرک ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ﴿وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ﴾ یعنی برائی کا ارتکاب کرنے والے کو اس کی برائی نے گھیر لیا

اوراس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں چھوڑا اور یہ شرک کے علاوہ کوئی اور برائی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جو ایمان سے بہرہ ور ہے برائی اسے گھیر نہیں سکتی۔

﴿ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ ''پس وہ آگ کے مستحق ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے'' اس آیت کریمہ سے خوارج نے استدلال کیا ہے کہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا کافر ہے حالانکہ یہ تو ان کے خلاف دلیل ہے کیونکہ یہ تو ظاہری طور پر شرک کے بارے میں ہے۔اس طرح ہر باطل پسند جو قرآن مجید کی کسی آیت یا کسی صحیح حدیث سے اپنے باطل نظریے پر استدلال کرتا ہے تو استدلال خود اس کے خلاف ایک قوی دلیل ہوتا ہے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لائے۔﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ اور اعمال صالحہ کیے اور اعمال مندرجہ ذیل دو شرائط کے بغیر اعمال صالحہ کے زمرے میں نہیں آتے۔(۱) خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔(۲) رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہوں۔

ان دو آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ نجات اور فوز و فلاح کے مستحق صرف نیک کام کرنے والے اہل ایمان ہیں اور ہلاک ہونے والے جہنمی' وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۫ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا

اور جب لیا ہم نے پختہ وعدہ بنو اسرائیل سے کہ نہ عبادت کرو تم مگر اللہ کی' اور ماں باپ سے نیک سلوک کرنا

وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا

اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے' اور کہو تم لوگوں سے (بات) اچھی' اور قائم کرو تم نماز اور دو تم

الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

زکوۃ' پھر پھر گئے تم مگر تھوڑے تم میں سے' اور تم اعراض کرنے والے ہو○

پس یہ احکام ان اصول دین میں سے ہیں' جن پر عمل کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہر شریعت میں دیا' کیونکہ یہ احکام ہر زمان و مکان میں مصالح عامہ پر مشتمل ہیں۔دین میں ان کی حیثیت بنیاد کی سی ہے جو منسوخ نہیں ہو سکتی۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان اصولوں پر عمل کرنے کا حکم اپنے اس فرمان میں دیا ہے: ﴿ وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـــًٔـا ﴾ (النساء: ٣٦/٤) ''اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو''۔

﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ ''اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا۔'' یہ ان کی سنگدلی ہی تھی کہ جب بھی انہیں کسی بات کا حکم دیا جاتا تو وہ نافرمانی کرتے۔اس لیے وہ پختہ قسموں اور مضبوط

عہدوں کے بغیر کسی حکم کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔

﴿ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ﴾ یہ اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کی ممانعت ہے۔ یہ دین کی بنیاد ہے اگر یہ بنیاد نہ ہو تو کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ یعنی اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔ اس میں ہر قسم کا حسن سلوک شامل ہے۔ اس زمرے میں قولی، فعلی اور ہر وہ رویہ شامل ہے جس پر حسن سلوک کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس میں والدین کے ساتھ برے سلوک یا عدم حسن سلوک کی ممانعت ہے۔ کیونکہ والدین کے ساتھ حسن سلوک فرض ہے اور کسی چیز کی فرضیت کے حکم سے لازم آتا ہے کہ اس کی ضد ممنوع ہو۔

دو چیزیں حسن سلوک کے مخالف ہیں:

(۱) برا سلوک کرنا، یہ سب سے بڑا جرم ہے۔ (۲) بغیر برائی کیے، حسن سلوک نہ کرنا۔ اگرچہ والدین کے ساتھ اس قسم کا رویہ بھی حرام ہے مگر اس رویئے کو اول الذکر رویئے سے ملحق کرنا ضروری نہیں۔

رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ سلوک میں بھی اسی اصول کا اطلاق ہوتا ہے حسن سلوک (احسان) کی تفصیلات دائرہ شمار سے باہر ہیں البتہ جیسا کہ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے اس کی کچھ حدود ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تمام لوگوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آیا جائے چنانچہ فرمایا: ﴿ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ﴾ ''یعنی لوگوں سے اچھی بات کہنا''۔ مندرجہ ذیل چیزیں ''قول حسن'' (یعنی اچھی بات) کے زمرے میں آتی ہیں۔

(۱) لوگوں کو نیکی کا حکم دینا۔ (۲) ان کو بری باتوں سے روکنا۔ (۳) ان کو علم سکھانا۔ (۴) ان میں سلام پھیلانا۔ (۵) خندہ پیشانی اور بشاشت کا اظہار کرنا۔ (۶) ان کے علاوہ دیگر اچھی باتیں۔

چونکہ ہر انسان اپنے مال کے ذریعے سے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی استطاعت نہیں رکھتا اس لیے اسے ایک ایسی چیز کا حکم دیا گیا ہے جس کے ذریعے سے وہ تمام مخلوق کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی قدرت رکھتا ہے اور وہ ہے ''قولِ حسن''، اسی کے ضمن میں لوگوں کے ساتھ بری گفتگو کرنے کی ممانعت آجاتی ہے، حتیٰ کہ کفار کے ساتھ بھی کلام قبیح کرنا ممنوع ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَا تُجَادِلُوْٓا اَهْلَ الْكِتٰبِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾ (العنکبوت: ۲۹/۴۶) ''اہل کتاب کے ساتھ بحث نہ کرو مگر ایسے طریقے سے جو سب سے اچھا ہو''۔

انسانی آداب میں سے، جن کی تعلیم اللہ نے اپنے بندوں کو دی ہے، یہ بھی ہے کہ انسان اپنے اقوال اور افعال میں پاکیزہ رہے، فحش گوئی اور بے ہودہ باتوں سے اجتناب کرے، گالی گلوچ اور سب وشتم کرنے اور لڑائی

جھگڑے سے باز رہے۔ بلکہ اس کے برعکس حسن خلق، بے پایاں حلم، ہر ایک کے ساتھ اچھے سلوک اور مخلوق کی ایذا رسانی پر صبر کا مظاہرہ کرے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور ثواب کی امید پر کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جاچکا ہے کہ نماز معبود کے لیے اخلاص کو اور زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کو متضمن ہے۔

﴿ ثُمَّ ﴾ ''پھر'' اللہ تعالیٰ کا تمہیں ان اچھے کاموں کا حکم دینے کے بعد، جن کو ایک دانش مند دیکھتا ہے تو جان لیتا ہے کہ یہ اللہ کا بندوں پر ایک احسان ہے کہ اس نے ان باتوں کا انہیں حکم دیا اور اس طرح انہیں اپنے فضل و کرم سے نوازا' اور ان سے عہد و میثاق لیا۔ ﴿ تَوَلَّيْتُمْ ﴾ یعنی تم نے ان احکام سے روگردانی کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لی۔ اس لیے کہ پیٹھ پھیر کر جانے والا کبھی کبھی واپس لوٹنے کی نیت سے بھی پیٹھ پھیر کر جاتا ہے، مگر یہ لوگ تو احکام الٰہی میں سرے سے کوئی رغبت ہی نہیں رکھتے اور نہ ان کی طرف لوٹنے کا کوئی ارادہ ہی رکھتے ہیں فَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْخِذْلَانِ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ ﴾ ''مگر تھوڑے لوگ تم میں سے'' ایک استثناء ہے تاکہ اس وہم کا ازالہ ہو جائے کہ تمام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ چند لوگ ایسے بھی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور ان کو استقامت اور ثابت قدمی عطا کی۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ

اور جب لیا ہم نے پختہ وعدہ تم سے کہ نہ بہاؤ تم خون اپنے (آپس میں) اور نہ نکالو تم اپنے آپ کو اپنے گھروں سے،

ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ

پھر اقرار کیا تم نے اور تم شاہد ہو○ پھر تم ہی وہ ہو کہ (اسکے بعد بھی) قتل کرتے ہو اپنے آپ (اپنوں) کو اور نکال دیتے ہو

فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ز تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ

ایک فریق کو اپنے میں سے ان کے گھروں سے، مدد کرتے ہو تم ایک دوسرے کے خلاف ساتھ گناہ اور ظلم کے۔ اور اگر آئیں وہ تمہارے پاس

اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ط اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ

قیدی ہو کر، تو تم فدیہ دے کر چھڑاتے ہو انہیں، حالانکہ حرام کیا گیا تھا تم پر نکال دینا ان کا، کیا پس تم ایمان لاتے ہو ساتھ ایک حصے کتاب کے

وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ

اور کفر کرتے ہو ساتھ دوسرے حصے کے؟ پس نہیں ہے سزا اس شخص کی جو کرے یہ کام تم میں سے، مگر رسوائی زندگانی

الدُّنْيَا ج وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ط وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

دنیا میں اور دن قیامت کے پھیرے جائیں گے وہ طرف سخت ترین عذاب کی اور نہیں ہے اللہ غافل اس سے جو

تَعۡمَلُوۡنَ ﴿٨٥﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ اشۡتَرَوُا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا بِالۡاٰخِرَةِ‌ فَلَا يُخَفَّفُ عَنۡهُمُ

تم عمل کرتے ہو○ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لی زندگی دنیا کی بدلے آخرت کے‘ پس نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے

الۡعَذَابُ وَلَا هُمۡ يُنۡصَرُوۡنَ ﴿٨٦﴾

عذاب اور نہ وہ مدد ہی کیے جائیں گے ○

آیت کریمہ میں مذکور فعل ان لوگوں کا تھا جو نزول وحی کے زمانے میں مدینہ میں موجود تھے اور یہ اس طرح کہ اوس اور خزرج‘ جو انصار کے نام سے مشہور ہیں‘ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل مشرک تھے اور جاہلیت کی عادت کے مطابق باہم دست و گریباں رہتے تھے‘ اسی اثنا میں یہود کے تین قبیلوں‘ بنو قریظہ‘ بنو نضیر اور بنو قینقاع نے مدینہ میں آ کر وہاں رہنا شروع کر دیا۔ ان میں سے ہر قبیلے نے مدینہ کے کسی قبیلے کے ساتھ (دفاعی) معاہدہ کر لیا۔ جب کبھی اوس اور خزرج کی آپس میں لڑائی ہوتی تو یہودی قبیلہ اس کے مخالفین کے خلاف مدد کرتا جن کی مدد دوسرا یہودی قبیلہ کر رہا ہوتا۔ یوں یہودی ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ بسا اوقات یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو جلاوطن کر دیتے اور ایک دوسرے کا مال لوٹ لیتے پھر جب جنگ ختم ہو جاتی تو جنگ کے فریقین نے ایک دوسرے کے جو افراد جنگی قیدی بنائے ہوتے‘ وہ ان کو فدیہ دے کر آزاد کرواتے۔

یہ تینوں امور‘ جن کی یہ خلاف ورزی کر رہے تھے‘ ان پر فرض کیے گئے تھے: (۱) ایک دوسرے کا خون نہ بہائیں۔ (۲) ایک دوسرے کو گھروں سے نہ نکالیں۔ (۳) جب وہ اپنے میں سے کسی کو قیدی پائیں تو اس کا فدیہ دے کر اسے چھڑانا ان کے لیے ضروری ہے۔

پس ان لوگوں نے آخری بات پر تو عمل کیا اور پہلی دو باتوں کو نظر انداز کر دیا۔ چنانچہ ان کے اس رویئے پر اللہ تعالیٰ نے نکیر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ ﴾ ”کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو“ اس سے مراد ہے قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیہ دینا ﴿ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ ﴾ ”اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو“ اس سے مراد ہے ایک دوسرے کو قتل کرنا اور ایک دوسرے کو گھروں سے نکالنا۔

آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل کیا جائے اور اس کی نواہی سے اجتناب کیا جائے۔ نیز یہ کہ تمام مامورات ایمان میں شمار ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ﴾ ”تم میں سے جو بھی ایسا کرے گا‘ اس کو اس کی سزا دنیا میں رسوائی کے سوا کوئی اور نہیں ملے گی“۔ اور اس رسوائی کا انہیں سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسوا کیا اور ان پر اپنے رسول کو غلبہ عطا کیا۔ ان میں سے کسی کو قتل کر دیا گیا اور کسی کو غلام بنا لیا گیا اور کسی کو جلاوطن کر دیا گیا۔ ﴿ وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ ﴾ ”اور قیامت کے روز

سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے'' یعنی قیامت کے روز کا عذاب دنیا کے عذاب سے بھی بڑھ کر ہوگا ﴿ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ کیا سبب تھا جو اس بات کا موجب بنا کہ وہ کتاب اللہ کے کچھ حصے پر ایمان لائیں اور کچھ حصے کا انکار کر دیں؟ چنانچہ فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے خرید لیا'' یعنی انہیں وہم لاحق تھا کہ اگر انہوں نے اپنے حلیفوں کی مدد نہ کی تو یہ عار کی بات ہے پس انہوں نے عار کے بدلے میں آگ کو چن لیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ ﴾ ''پس ان سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا'' یعنی عذاب کی شدت ہمیشہ رہے گی اور کسی وقت بھی انہیں راحت نصیب نہ ہوگی ﴿ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴾ ''اور نہ ان کی مدد کی جائے گی'' یعنی ان سے عذاب کو نہیں ہٹایا جائے گا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ؗ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ

اور تحقیق دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پے در پے بھیجے ہم نے بعد اس کے رسول اور دیے ہم نے عیسیٰ بن

مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا

مریم کو واضح دلائل (معجزات) اور قوت دی ہم نے اسکو ساتھ روح القدس (جبریل) کے کیا پس جب بھی آیا تمہارے پاس کوئی رسول ساتھ اس چیز کے

لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ؗ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

جس کو نہ چاہتے تھے نفس تمہارے، تو تکبر کیا تم نے، پھر ایک فریق کو جھٹلایا تم نے اور ایک فریق کو قتل کرتے رہے تم ○

﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ ﴾ ''اور تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی'' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے اپنے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان میں مبعوث فرمایا، ان کو تورات عطا کی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان میں پے در پے انبیاء اور رسول مبعوث فرمائے جو تورات کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور انہیں واضح نشانیاں عطا کیں جن پر انسان ایمان لے آتا ہے۔ ﴿ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ﴾ یعنی ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح القدس کے ذریعے تقویت دی''۔ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ روح القدس سے مراد حضرت جبرئیل علیہ السلام ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ایمان ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قوت اور استقامت عطا کرتا ہے۔

پھر ان نعمتوں کے باوجود، جن کی قدر و عظمت کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، جب وہ تمہارے پاس وہ کچھ لائے ﴿ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ﴾ ''جن کو تمہارا دل نہیں چاہتا تھا تو تم نے (ایمان لانے کی بجائے) تکبر کیا''۔ ﴿ وَفَرِيْقًا ﴾ یعنی انبیاء میں سے ایک فریق کو ﴿ كَذَّبْتُمْ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴾ ''تم نے جھٹلایا اور ایک

فریق کو تم نے قتل کر دیا'۔ پس تم نے خواہشات نفس کو ہدایت پر مقدم رکھا اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ اس آیت کریمہ میں جو زجر و توبیخ اور تشدید ہے' وہ ڈھکی چھپی نہیں۔

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور کہا انہوں نے ہمارے دل غلافوں میں ہیں (نہیں) بلکہ لعنت کی ہے ان پر اللہ نے بوجہ انکے کفر کے' پس کم لوگ ہی ایمان لاتے ہیں ○

اے رسول ﷺ جب آپ ان کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں تو یہ لوگ معذرت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ (ہمارے دل غلاف میں لپٹے ہوئے ہیں۔) یعنی ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اس لیے ہم تمہاری بات کو سمجھ نہیں سکتے۔ گویا یہ ان کے گمان کے مطابق عدمِ علم کا عذر ہے اور یہ ان کا جھوٹ ہے بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ ﴾ یعنی وہ اپنے کفر کے سبب سے ملعون اور دھتکارے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان میں سے بہت ہی قلیل لوگ ایمان لائیں گے' یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کا ایمان بہت ہی قلیل ہے اور ان کا کفر بہت زیادہ ہے۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ

اور جب آ گئی ان کے پاس کتاب اللہ کیطرف سے' جو تصدیق کرنیوالی ہے اس (کتاب) کی جو انکے پاس ہے اور تھے وہ پہلے

يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫

اس سے فتح مانگتے خلاف ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا' پھر جب آ گیا انکے پاس وہ (حق) جسکو انہوں نے پہچان لیا تو کفر کیا انہوں نے ساتھ اسکے'

فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ

سو لعنت ہے اللہ کی اوپر کافروں کے ○ بری ہے وہ چیز کہ بیچا انہوں نے بدلے اسکے اپنے نفسوں کو' یہ کہ وہ کفر کرتے ہیں ساتھ اس چیز کے

اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ

جو نازل کی اللہ نے' حسد کرتے ہوئے اس سے کہ نازل کرے اللہ فضل اپنا اوپر جس کے چاہے اپنے بندوں میں سے'

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

پس پھرے وہ ساتھ غضب کے اوپر غضب کے' اور کافروں کے لئے ہے عذاب رسوا کن ○

مطلب یہ ہے کہ جب افضل الخلوقات اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے سے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب آ گئی جو ان تعلیمات کی تصدیق کرتی تھی جنہیں تورات نے پیش کیا' جس کا ان کو علم اور یقین تھا۔ علاوہ ازیں جاہلیت کے زمانے میں جب کبھی ان کے اور مشرکین کے درمیان جنگ ہوتی تو یہ دعا کیا کرتے تھے (اے اللہ) اس نبی کے ذریعے سے ہماری مدد فرما اور وہ مشرکین کو ڈرایا کرتے تھے کہ اس نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ وہ اس نبی کے ساتھ مل کر مشرکین کے خلاف جنگ کریں گے۔ جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب اور وہ نبی

آ گیا جس کو انہوں نے پہچان لیا تو حسد اور سرکشی کی وجہ سے اس کو ماننے سے انکار کر دیا (اور انہیں حسد اس بات پر تھا) کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل نازل فرماتا ہے۔ (اللہ نے یہ شرف نبوت ان کی بجائے کسی اور کو کیوں دے دیا؟) پس اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی اور ان پر سخت غضب ناک ہوا' کیونکہ کفر میں وہ بہت بڑھ گئے تھے اور متواتر شک اور شرک میں مبتلا چلے آ رہے تھے۔

اور ان کافروں کے لیے آخرت میں ﴿عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ ''رسوا کرنے والا عذاب'' ہوگا اور وہ یہ کہ ان کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا اور دائمی نعمتوں سے وہ محروم ہوں گے۔ پس بہت برا ہے ان کا حال' بہت ہی برا ہے وہ معاوضہ جو انہوں نے اللہ تعالیٰ' اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کے مقابلے میں حاصل کیا اور وہ یہ کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ' اس کی کتابوں اور رسولوں کے ساتھ کفر کیا۔ حالانکہ وہ سب کچھ جانتے تھے اور انہیں رسولوں کی صداقت کا بھی یقین تھا اسی وجہ سے ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ

اور جب کہا جاتا ہے ان سے ایمان لاؤ اس پر جو نازل کیا اللہ نے، تو کہتے ہیں ہم ایمان لاتے ہیں اس پر جو نازل کیا گیا ہم پر اور انکار کرتے ہیں وہ

بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ

اسکے ماسوا کا، حالانکہ وہ (قرآن) حق ہے' تصدیق کرنیوالا اس (کتاب) کی جو انکے پاس ہے، کہہ دیجیے! پھر کیوں قتل کرتے رہے تم اللہ کے نبیوں کو

مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩١﴾ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ

پہلے اس سے' اگر تھے تم مومن ○ اور تحقیق آئے تمہارے پاس موسیٰ ساتھ واضح دلیلوں (معجزات) کے' پھر

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿٩٢﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ

بنا لیا تم نے بچھڑے کو (معبود) بعد اس کے اور تم (ہی) ہو ظالم ○ اور (یاد کرو) جب لیا ہم نے پختہ وعدہ تم سے

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا

اور بلند کیا ہم نے تم پر طور (پہاڑ اور کہا) پکڑو تم جو دیا ہم نے تمہیں ساتھ قوت کے اور سنو! کہا انہوں نے سنا ہم نے

وَعَصَيْنَا ۗ وَاُشْرِبُوْا فِىْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ

اور نافرمانی کی ہم نے اور پلا دیئے گئے وہ اپنے دلوں میں (محبت) بچھڑے کی بہ سبب انکے کفر کے' کہہ دیجیے! بری ہے وہ چیز کہ حکم کرتا ہے تمہیں اسکا

اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٩٣﴾

تمہارا ایمان اگر ہو تم مومن ○

جب یہود کو حکم دیا گیا کہ وہ اس کتاب پر ایمان لائیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے یعنی قرآن کریم پر تو انہوں نے تکبر اور سرکشی سے کہا: ﴿قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ﴾ یعنی وہ

(تورات کے سوا) تمام کتابوں کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ ان پر فرض تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ تمام کتابوں پر علی الاطلاق ایمان لائیں خواہ یہ کتابیں بنی اسرائیل کے نبیوں پر نازل کی گئی ہوں یا ان کے علاوہ کسی اور نبی پر' اور یہی وہ ایمان ہے جو فائدہ مند ہے۔ یعنی ان تمام کتابوں پر ایمان جو تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل کی گئی ہیں۔

رہا اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور اس کی نازل کردہ کتابوں کے درمیان تفریق کرنا اور اپنے زعم کے مطابق کسی پر ایمان لانا اور کسی کا انکار کر دینا' تو یہ ایمان نہیں بلکہ عین کفر ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَ یَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ۝ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا﴾ (النساء: ۱۵۰/۴۔ ۱۵۱)

''وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ اس کے مابین (یعنی ایمان اور کفر کے مابین) ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں' بلا شبہ وہی کافر ہیں''۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کو شافی جواب دیا ہے اور ان کو ایک ایسی الزامی دلیل دی ہے جس سے ان کو کوئی مفر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے انکارِ قرآن کا دو پہلوؤں سے رد کیا ہے۔

(الف) فرمایا: ﴿ وَهُوَ الْحَقُّ ﴾ ''اور وہ (قرآن) حق ہے'' پس جب یہ قرآن اوامر و نواہی اور اخبار میں سراسر حق پر مشتمل ہے اور یہ حق ان کے رب کی طرف سے نازل شدہ ہے' لہٰذا یہ معلوم ہو جانے کے بعد اس کا انکار کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا اور اس حق کا انکار کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔

(ب) پھر فرمایا ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ﴾ ''ان کی موجودہ کتاب کی تصدیق کرتا ہے'' یعنی یہ ہر اس چیز کے موافق اور اس کا محافظ ہے جس پر حق دلالت کرتا ہے۔

پس تم اس کتاب پر کیوں ایمان لاتے ہو جو تم پر نازل کی گئی جب کہ اس جیسی دوسری کتاب کا انکار کرتے ہو؟ اور کیا یہ تعصب نہیں؟ کیا یہ ہدایت کی پیروی کی بجائے خواہشاتِ نفس کی پیروی نہیں؟

نیز قرآن کا ان کتابوں کی تصدیق کرنا جو ان پر نازل کی گئیں ہیں' اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ قرآن ان کے لیے اس بات کی دلیل ہو کہ ان کے پاس جو کتابیں ہیں' وہ سچی ہیں۔ اس اعتبار سے وہ اپنی کتابوں کا اثبات بھی قرآن کے بغیر نہیں کر سکتے۔ جب وہ قرآن کا انکار کر دیتے ہیں تو ان کی حالت اس مدعی کی سی ہو جاتی ہے جس کے پاس اپنے دعوی کو ثابت کرنے کے لیے ایسی دلیل و حجت بھی ہے جو اثبات دعویٰ کی واحد دلیل ہے' اس دلیل کے بغیر اس کا دعویٰ ثابت ہی نہیں ہو سکتا' لیکن پھر وہ خود ہی اپنی دلیل میں جرح و قدح کرتا ہے اور اس کو جھٹلا دیتا

ہے۔ کیا یہ پاگل پن اور حماقت نہیں؟ پس واضح ہوا کہ ان کا قرآن کا انکار کرنا درحقیقت ان کتابوں کا انکار ہے جو ان کی طرف نازل کی گئی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کی تردید کی کہ وہ ان کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ قُلْ ﴾ یعنی ان سے (کہہ دو) ﴿ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اگر تم ایماندار ہو تو پھر تم اس سے قبل اللہ کے انبیاء کو کیوں قتل کر دیتے رہے؟'' ﴿ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ یعنی تمہارے پاس موسیٰ حق کو بیان کرنے والے واضح دلائل لے کر آئے۔ ﴿ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ﴾ ''پھر تم نے موسیٰ کے آنے کے بعد بھی بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا'' ﴿ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴾ ''اور تم اس بارے میں سخت ظالم تھے'' اور تمہارے پاس کوئی عذر نہیں۔

﴿ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ﴾ ''اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور کو بلند کیا (کھڑا کیا) کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوطی سے تھامو اور سنو'' یعنی اس کو قبول کرنے' اس کی اطاعت کرنے اور اس کی آواز پر لبیک کہنے کے لیے سنو۔ ﴿ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ﴾ یعنی ان کی حالت یہ ہوگئی ہے کہ ''وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی''۔ ﴿ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ ﴾ یعنی ان کے دل بچھڑے اور اس کی عبادت کی محبت کے رنگ میں رنگے گئے اور ان کے کفر کے سبب سے ان کے دلوں میں گویا بچھڑے کی محبت رچ بس گئی۔

﴿ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ''انہیں کہہ دیجیے کہ تمہارا ایمان تمہیں برا حکم دے رہا ہے اگر تم مومن ہو'' یعنی تم ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہو اور دین حق کے نام نہاد پیرو ہونے پر اپنی تعریف چاہتے ہو اور تمہاری حالت یہ ہے کہ تم نے اللہ کے نبیوں کو قتل کیا' جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے' تو تم نے اللہ کو چھوڑ کر بچھڑے کو معبود بنا لیا۔ تم نے اللہ تعالیٰ کی شریعت (اوامر و نواہی) کو اس وقت تک قبول نہ کیا جب تک کہ تمہیں دھمکی نہ دی گئی اور کوہ طور کو اٹھا کر تم پر معلق نہ کر دیا گیا۔ پھر بھی تم نے زبانی طور پر تو اسے قبول کر لیا مگر بالفعل اس کی مخالفت کی۔ یہ کیسا ایمان ہے جس کا تم دعویٰ کرتے ہو اور یہ کیسا دین ہے؟

تمہارے زعم کے مطابق اگر یہی ایمان ہے تو بہت برا ایمان ہے جو تمہیں سرکشی' رسولوں کے انکار اور کثرتِ عصیان کی دعوت دیتا ہے۔ حالانکہ یہ بات معروف ہے کہ صحیح اور حقیقی ایمان صاحبِ ایمان کو ہر بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے' لہٰذا اس سے ان کا جھوٹ واضح اور ان کا تضاد عیاں ہو جاتا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا

کہہ دیجیے! اگر ہے تمہارے ہی لیے گھر آخرت کا اللہ کے ہاں' خاص طور پر' سوائے اور لوگوں کے' تو تمنا کرو تم

الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ
موت کی اگر ہو تم سچے ○ اور ہرگز نہیں تمنا کریں گے وہ اس (موت) کی کبھی بھی بہ سبب اسکے جو آگے بھیجا انکے ہاتھوں نے
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ
اور اللہ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو ○ اور البتہ آپ ضرور پائیں گے ان (یہودیوں) کو زیادہ حریص سب لوگوں سے زندگی پر
وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ
اور ان سے بھی جنہوں نے شرک کیا۔ چاہتا ہے (ہر) ایک انکا کاش کہ عمر دیا جائے وہ ہزار سال حالانکہ نہیں ہے وہ (کوئی ایک)
۱۱ ع ۱۱ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ ع
بچانے والا اسکو عذاب سے یہ کہ (اس قدر لمبی) عمر دیا جائے وہ اور اللہ دیکھنے والا ہے اس کو جو وہ عمل کرتے ہیں ○

﴿قُلْ﴾ یعنی ان کے دعویٰ کی تصحیح کی خاطر کہہ دیجیے! ﴿اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ﴾ ''کہ اگر آخرت کا گھر (جنت) صرف تمہارے ہی لیے ہے'' ﴿خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ﴾ دوسرے لوگ اس میں نہیں جائیں گے۔ جیسا کہ تمہارا گمان ہے کہ جنت میں صرف وہی لوگ جائیں گے جو یہودی اور نصرانی ہیں، نیز تمہیں ہرگز آگ نہیں چھوئے گی سوائے چند روز کے۔ اس لیے اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو ﴿فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ﴾ ''تو موت کی تمنا کر دیکھو''۔ یہ ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان مباہلہ کی ایک قسم ہے۔ ان کے دلائل کا توڑ انہیں لاجواب کر دینے اور ان کے عناد کے بعد ان کے لیے دو باتوں میں سے کسی ایک کو ماننے بغیر چارہ نہیں۔

(۱) یا تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ (۲) یا وہ اپنے موقف کی صداقت ثابت کرنے کے لیے ایک چھوٹی سی بات پر مباہلہ کر لیں اور وہ ہے موت کی تمنا' جو انہیں اس جنت میں پہنچا دے گی جو خالص انہی کے لیے تخلیق کی گئی ہے۔ مگر انہوں نے اس مباہلے کو قبول نہ کیا۔

پس ہر شخص کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت اور عناد میں انتہاء کو پہنچ گئے ہیں اور وہ یہ سب کچھ جانتے بوجھتے کر رہے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ﴾ یعنی کفر اور معاصی کے اعمال کے باعث وہ موت کی تمنا نہیں کریں گے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ یہ ان کے گندے اعمال کی جزا کا راستہ ہے۔

پس موت ان کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز ہے اور وہ دنیا کے تمام لوگوں سے بڑھ کر زندگی کے حریص ہیں حتیٰ کہ ان مشرکین سے بھی زیادہ جو رسولوں' کتابوں اور کسی چیز پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ساتھ ان کی شدید محبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ﴾ ''ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے'' زندگی کی حرص کے لیے یہ بلیغ ترین پیرایہ ہے۔

انہوں نے ایک ایسی حالت کی آرزو کی ہے جو قطعاً محال ہے اور حال یہ ہے کہ اگر ان کو یہ مذکورہ عمر عطا کر بھی دی جائے تب بھی یہ عمران کے کسی کام نہیں آسکتی اور نہ ان سے عذاب کو دور کر سکتی ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو بخوبی دیکھ رہا ہے'' یہ ان کے لیے تہدید ہے کہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا

کہہ دیجیے! جو کوئی ہے دشمن جبریل کا' تو اسی نے نازل کیا اس (قرآن) کو آپ کے دل پر اللہ کے حکم سے' تصدیق کرنیوالا اس (کتاب) کی

بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝٩٧ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ

جو اس سے پہلے ہے اور ہدایت اور بشارت ہے مومنوں کیلئے ○ جو کوئی ہے دشمن اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا

وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۝٩٨

اور اس کے رسولوں کا اور جبریل و میکائیل کا' تو بلاشبہ اللہ دشمن ہے کافروں کا ○

یعنی ان یہود سے کہہ دیجیے جن کا گمان ہے کہ ان کو آپ پر ایمان لانے سے صرف اس چیز نے روکا ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے دوست اور مددگار ہیں۔ اگر جبریل علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور فرشتہ ہوتا تو وہ آپ پر ایمان لے آتے اور آپ کی تصدیق کرتے۔ تمہارا یہ گمان درحقیقت تمہارا تناقض' تمہاری ضد اور اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارا تکبر ہے۔ کیونکہ جبریل علیہ السلام ہی وہ فرشتہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے قلب پر قرآن اتارا اور جبریل علیہ السلام ہی آپ سے پہلے دیگر انبیائے کرام پر نازل ہوتا رہا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا اور اسے وحی کے ساتھ بھیجا۔ وہ تو محض ایک پیامبر ہے۔

بایں ہمہ جبریل علیہ السلام اس کتاب کو لے کر نازل ہوئے جو کتبِ سابقہ کی تصدیق کرتی ہے۔ یہ کتاب کتبِ سابقہ کی مخالف ہے نہ ان کی مناقض۔ اس میں مختلف قسم کی گمراہیوں سے مکمل ہدایت کا روشن راستہ ہے اور اس پر ایمان لانے والوں کے لیے دنیاوی اور اخروی بھلائی کی بشارت ہے۔

پس ان صفات سے موصوف جبریل علیہ السلام سے عداوت رکھنا درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کا انکار کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ' اس کے رسولوں اور اس کے فرشتوں کے ساتھ عداوت کا اظہار ہے کیونکہ جبریل علیہ السلام کے ساتھ ان کی عداوت جبریل علیہ السلام کی ذات کے ساتھ نہیں بلکہ اس کے ساتھ ان کی عداوت محض اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ کے رسولوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر نازل ہوتا رہا ہے۔ پس ان کا کفر اور عداوت درحقیقت اس ہستی کے ساتھ ہے جس نے اسے بھیجا اور نازل کیا اور اس وحی کے ساتھ ہے جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے اور اس رسول کے ساتھ ہے جس کی طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے۔ ان کی عداوت کی بس یہی وجہ ہے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾

اور تحقیق نازل کی ہم نے آپ کی طرف آیتیں واضح اور نہیں کفر کرتے انکے ساتھ مگر نافرمانی کرنے والے ہی ○

اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے: ﴿ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ﴾ ''اور ہم نے آپ کی طرف روشن آیات نازل کیں'' ان سے اس کو ہدایت حاصل ہوتی ہے جو ہدایت کا طلب گار رہو اور اس پر حجت قائم ہوتی ہے جو عناد کا مظاہرہ کرے۔ یہ آیات حق پر اپنی دلالت اور وضاحت کے اعتبار سے ایک ایسے بلند مقام اور ایسی حالت پر پہنچی ہوئی ہیں کہ کوئی ان کو قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکتا سوائے اس شخص کے جس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی' اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل گیا اور اس نے انتہائی درجے کے تکبر سے کام لیا۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾

کیا (انہوں نے کفر کیا) اور جب بھی عہد کیا انہوں نے کوئی عہد تو پھینک دیا اسکو ایک فریق نے ان میں سے بلکہ اکثر ان میں سے نہیں ایمان لاتے ○

یہ ان کے کثرت معاہدات اور پھر ان معاہدات کے ایفاء پر ان کے عدم صبر پر اظہار تعجب ہے۔ فرمایا: ﴿ كُلَّمَا ﴾ ''جب بھی'' (كُلَّمَا) تکرار کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی جب بھی وہ عہد کرتے ہیں تو وفا نہیں کرتے۔ اس کا کیا سبب ہے؟

اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کا ایمان نہ لانا ہی وہ سبب ہے جو ان کے نقضِ عہد کا موجب ہے۔ اگر ان کے ایمان میں کوئی صداقت ہوتی تو ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہوتی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ﴾ (الاحزاب: ۲۳/۳۳) ''اور اہل ایمان میں سے کتنے ہی ایسے لوگ ہیں کہ جو عہد انہوں نے اللہ سے کیا تھا اسے سچ کر دکھایا''۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ

اور جب آیا انکے پاس کوئی رسول اللہ کے پاس سے تصدیق کرنیوالا اس (کتاب) کی جو انکے پاس ہے' تو پھینک دیا ایک فریق نے

مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠١﴾

ان لوگوں میں سے جو دیئے گئے تھے کتاب' اللہ کی کتاب کو' پیچھے اپنی پیٹھوں کے' گویا وہ نہیں جانتے ○

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ

اور اتباع کیا انہوں نے اسکا جو پڑھتے تھے شیطان' سلیمان کی بادشاہی میں' اور نہیں کفر کیا سلیمان نے لیکن

الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۤ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ

شیطانوں نے کفر کیا' وہ سکھلاتے تھے لوگوں کو جادو اور (پیروی کی) اسکی جو نازل کیا گیا اوپر دو فرشتوں کے' بابل میں'

هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ
ھاروت اور ماروت (پر) اور نہیں سکھلاتے تھے وہ (فرشتے) کسی کو یہاں تک کہ کہتے وہ (پہلے) ہم تو صرف آزمائش ہیں'
فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ
سو نہ کفر کرتو' پس سیکھتے تھے لوگ ان سے وہ (جادو) کہ جدائی ڈالتے تھے وہ اسکے ذریعے سے درمیان مرد اور اسکی بیوی کے
وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ
اور نہیں تھے وہ نقصان پہنچانے والے ساتھ اس (جادو) کے کسی کو بھی' مگر ساتھ حکم اللہ کے - اور سیکھتے تھے لوگ وہ (علم) جو نقصان پہنچاتا تھا انکو
وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ
اور نہیں نفع دیتا تھا انہیں - اور تحقیق جان لیا انہوں نے' البتہ جس نے خریدا اس (جادو) کو نہیں ہے اسکے لیے آخرت میں کوئی
خَلَاقٍ ۛؕ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٢﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ
حصہ اور البتہ بری ہے وہ چیز کہ بیچا انہوں نے بدلے اسکے اپنی جانوں کو کاش کہ ہوتے وہ جانتے ○ اور اگر بے شک وہ
اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٠٣﴾ ع ۱۲
ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے' تو البتہ ثواب (ملتا) اللہ کے ہاں سے بہت بہتر کاش کہ ہوتے وہ جانتے ○

یعنی جب ان کے پاس رسول کریم ﷺ اس حق کے ساتھ یہ عظیم کتاب لے کر آئے جو ان کے پاس موجود کتاب کے موافق تھا اور وہ یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ وہ اپنی کتاب پر عمل کرتے ہیں۔ تو انہوں نے اس رسول اور اس کتاب کو ماننے سے انکار کر دیا جس کو یہ رسول لے کر آئے۔ ﴿ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ كِتٰبَ اللّٰهِ ﴾ ''اہل کتاب کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو پھینک دیا'' یعنی وہ کتاب جو ان کی طرف نازل کی گئی تھی اس کو بے رغبتی کے ساتھ دور پھینک دیا ﴿ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ ﴾ ''اپنی پیٹھوں کے پیچھے'' روگردانی اور اعراض کے لیے یہ بلیغ ترین محاورہ ہے گویا وہ اپنے اس فعل کے ارتکاب میں سخت جہالت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ اس رسول کی صداقت اور جو کچھ وہ لایا ہے اس کی حقیقت کو خوب جانتے ہیں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اہل کتاب کے اس گروہ کے ہاتھ میں کچھ بھی باقی نہیں جبکہ یہ اس رسول پر ایمان نہیں لائے۔ ان کا اس رسول کو نہ ماننا اپنی کتاب کا انکار کرنا ہے مگر وہ اس بات کو سمجھتے نہیں۔

حکمت الٰہی اور عادت قدسی یہ ہے کہ جو کوئی اس چیز کو ترک کرتا ہے جو اسے فائدہ دیتی ہے اور جس سے فائدہ اٹھانا اس کے لیے ممکن ہو لیکن وہ فائدہ نہ اٹھائے تو اسے ایسے کام میں مشغول کر دیا جاتا ہے جو اس کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے۔ پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑتا ہے' اسے بتوں کی عبادت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی محبت' اس سے خوف اور اس پر امید کو ترک کرتا ہے وہ غیر اللہ کی محبت' اس سے خوف اور اس سے

امید میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مال خرچ نہیں کرتا' اسے شیطان کی فرمانبرداری میں مال خرچ کرنا پڑتا ہے۔ جو کوئی اپنے رب کے سامنے ذلت اور فروتنی کا اظہار نہیں کرتا اسے بندوں کے سامنے ذلیل ہونا پڑتا ہے اور جو کوئی حق کو چھوڑ دیتا ہے اسے باطل میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح ان یہودیوں نے جب اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا تو اس جادو کے پیچھے لگ گئے جو شیاطین نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کے زمانے میں ایجاد کیا۔ جہاں شیاطین نے لوگوں کو سکھانے کے لیے جادو نکالا اور لوگوں کو باور کرایا کہ سلیمان علیہ السلام اسی جادو کے عامل تھے اور جادو ہی کے زور پر انہیں اتنی بڑی سلطنت حاصل ہوئی تھی۔ حالانکہ وہ جھوٹ بول رہے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کبھی جادو نہیں کیا۔ بلکہ اللہ سچے نے اپنے اس فرمان میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کام سے منزہ قرار دیا' فرمایا: ﴿ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ ﴾ یعنی (حضرت سلیمان) نے (جادو سیکھ کر) کفر کا ارتکاب نہیں کیا' انہوں نے ہرگز جادو نہیں سیکھا۔ ﴿ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ یعنی (جادو سیکھ کر) شیاطین نے کفر کا ارتکاب کیا۔

﴿ يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ﴾ یعنی بنی آدم کو گمراہ کرنے اور ان کو سرکش بنانے کی حرص کی وجہ سے لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اسی طرح یہودیوں نے اس جادو کی بھی پیروی کی جو سرزمین عراق کے شہر بابل میں دو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے امتحان اور آزمائش کے لیے ان فرشتوں پر جادو نازل کیا گیا تھا اور یہ فرشتے آزمائش ہی کے لیے لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

﴿ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى ﴾ ''اور وہ کسی کو نہیں سکھاتے تھے یہاں تک کہ'' وہ ان کی خیر خواہی کرتے اور ﴿ يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ﴾ ''کہتے کہ ہم تو آزمائش کے لیے ہیں' سو تم کفر مت کرو' یعنی جادو نہ سیکھو کیونکہ جادو کفر ہے۔ پس دونوں فرشتے لوگوں کو جادو سیکھنے سے روکتے تھے اور انہیں جادو کی حیثیت سے آگاہ کر دیتے تھے۔ پس شیاطین کا جادو سکھانا تو محض تدلیس اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی خاطر تھا' نیز اس جادو کو ترویج دینے اور اسے اس معصوم ہستی یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کے لیے تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بری قرار دیا ہے اور فرشتوں کا جادو سکھانا لوگوں کی آزمائش اور امتحان کے لیے تھا۔ وہ خیر خواہی سے لوگوں کو آگاہ کر دیتے تھے تاکہ ان کے لیے حجت نہ بنے۔ پس یہ یہودی اس جادو کے پیچھے لگے' جسے شیاطین نے سیکھا تھا اور جو وہ دو فرشتے سکھایا کرتے تھے۔ تو انہوں نے انبیاء و رسل کے علوم کو چھوڑ دیا اور شیاطین کے علم کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ہر شخص اسی چیز کی طرف مائل ہوتا ہے جو اس کے مناسب حال ہوتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جادو کے مفاسد بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ﴾ ''پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے خاوند اور بیوی میں جدائی ڈال دیں'' اس کے باوجود کہ

میاں بیوی کے درمیان محبت کو کسی اور کی محبت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿ وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ﴾ (الروم : ۲۱/۳۰) ''اور تمہارے درمیان مودت اور رحمہ لی پیدا کردی''۔ یہ آیتِ کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جادو کی کوئی حقیقت ہے نیز یہ کہ جادو اللہ تعالیٰ کے ''اذن'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ارادے سے نقصان دیتا ہے۔ اذن کی دو اقسام ہیں۔

(الف) اذن قدری۔ جو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

(ب) اذن شرعی۔ جیسا کہ سابقہ آیتِ کریمہ ﴿ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ ﴾ (البقرہ : ۹۷/۲) ''اس نے تو یہ کتاب اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر اتاری'' میں مذکور ہے۔

اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسباب کی قوت تاثیر خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو وہ ہر حال میں قضا و قدر کے تابع ہوتے ہیں۔ ان کی مستقل تاثیر نہیں ہوتی۔ افعال العباد کے بارے میں امت کے فرقوں میں کوئی بھی اس اصول کی مخالفت نہیں کرتا سوائے قدریہ کے۔ قدریہ سمجھتے ہیں کہ اسباب کی تاثیر مستقل ہوتی ہے اور وہ مشیت الٰہی کے تابع نہیں ہوتے۔ چنانچہ انہوں نے بندوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج کر دیا اور اس طرح وہ کتاب اللہ، سنتِ رسول اور صحابہ و تابعین کے اجماع کی مخالفت کے مرتکب ہوئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جادو کے علم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جادو میں نقصان ہی نقصان ہے اس میں کوئی دینی یا دنیاوی منفعت نہیں ہوتی جس طرح بعض گناہوں میں دنیاوی منفعت ہوتی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کے بارے میں فرمایا: ﴿ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ﴾ (البقرہ : ۲۱۹/۲) ''کہہ دو شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں البتہ ان کا گناہ ان کے فائدے کی نسبت زیادہ بڑا ہے''۔ پس یہ جادو تو ضررِ محض ہے اور اصل میں اس کا کوئی داعیہ نہیں۔ تمام منہیات یا تو ضررِ محض کی حامل ہیں یا ان میں شر کا پہلو خیر کے پہلو سے زیادہ ہے۔ جیسے تمام مامورات صرف مصلحت پر مبنی ہیں یا ان میں خیر کا پہلو شر کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

﴿ وَلَقَدْ عَلِمُوْا ﴾ ''یعنی یہود نے جان لیا ہے''۔ ﴿ لَمَنِ اشْتَرٰىهُ ﴾ ''جس نے اسے خریدا'' یعنی انہوں نے جادو کے علم میں اس طرح رغبت کی جیسے تاجر مال تجارت کے خریدنے میں رغبت رکھتا ہے ﴿ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴾ یعنی ''آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں'' بلکہ یہ جادو آخرت میں عذاب کا موجب ہوگا۔ پس ان کا جادو پر عمل کرنا جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کیا ہے۔ ﴿ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں، کاش کہ یہ جانتے ہوتے'' یعنی اپنے فعل کے بارے میں ایسا علم رکھنا

جو عمل کا باعث ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نہ کہو تم "رَاعِنَا" اور کہو تم "اُنْظُرْنَا" اور (غور سے) سنو تم اور کافروں کے لیے ہے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۱۰۴ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ

عذاب بہت دردناک ○ نہیں چاہتے وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا اہل کتاب میں سے اور نہ مشرکین

اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ

یہ کہ نازل کی جائے تم پر (اے مسلمانو!) کوئی خیر تمہارے رب کی طرف سے اور اللہ خاص کرتا ہے ساتھ اپنی رحمت کے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۱۰۵

جس کو چاہتا ہے اور اللہ مالک ہے فضل عظیم کا ○

مسلمان جب دینی امور سیکھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوتے تو عرض کرتے ﴿ رَاعِنَا ﴾ یعنی ہمارے حال کی رعایت کیجیے۔ ان کے نزدیک اس لفظ کا صحیح معنی مقصود تھا۔ مگر یہودی اس سے فاسد معنی مراد لیتے تھے، لہٰذا وہ مسلمانوں کے اس لفظ کے استعمال کو غنیمت جانتے ہوئے فاسد معنی کے ارادے سے اس لفظ سے رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی اس لفظ کے ذریعے سے نبی اکرم ﷺ کو خطاب کرنے سے روک دیا۔ تاکہ (گستاخی کا) یہ دروازہ بند ہو جائے۔

اس آیت کریمہ میں کسی جائز کام سے روکنے کی دلیل ہے جبکہ یہ جائز کام کسی حرام کام کے لیے وسیلہ ہو، نیز اس میں ادب کا اور ایسے الفاظ کے استعمال کا بیان ہے جو اچھے ہوں، جن میں بے ہودگی نہ ہو۔ نیز قبیح الفاظ کے ترک کرنے کی تاکید ہے، یا جن میں کسی قسم کی تشویش اور کسی نامناسب امر کا احتمال ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایسا لفظ استعمال کرنے کا حکم دیا جس میں صرف اچھے معنی کا احتمال ہو۔ فرمایا: ﴿ وَقُوْلُوا انْظُرْنَا ﴾ "اور اُنْظُرْنَا کہو" یہ لفظ کافی ہے اور بغیر کسی خدشے کے اس سے اصل مقصد حاصل ہو جاتا ہے ﴿ وَاسْمَعُوْا ﴾ "اور سنو" یہاں مسموع کا ذکر نہیں کیا گیا تاکہ اس کی عمومیت میں ہر وہ چیز شامل ہو جس کے سننے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے مفہوم میں سماعِ قرآن اور سماعِ سنت شامل ہیں جو لفظی، معنوی اور قبولیت کے اعتبار سے سراسر حکمت ہے۔ اس میں ادب اور اطاعت کی تعلیم ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے کفار کو دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے اور یہود اور مشرکین کی مسلمانوں کے ساتھ عداوت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ نہیں چاہتے کہ ﴿ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ ﴾ "تم پر کوئی بھلائی نازل ہو" یعنی کم یا زیادہ ﴿ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ "تمہارے رب کی طرف سے" ان کی یہ خواہش تمہارے ساتھ بغض اور اس بات پر

حسد کی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے فضل کے ساتھ مختص کیوں کیا ﴿ وَاللّٰهُ ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴾ ''اور (بے شک) اللہ بڑے فضل والا ہے''۔ یہ اس کا فضل ہی ہے کہ اس نے تمہارے رسول پر کتاب نازل کی تاکہ وہ تمہیں پاک کرے، تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور تمہیں وہ کچھ سکھائے جو تم نہیں جانتے۔ فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ
جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلوا دیتے ہیں اسے، تو لے آتے ہیں ہم بہتر اس سے یا اس کی مثل ہی، کیا نہیں جانا آپ نے کہ
اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
بلاشبہ اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے؟ ○ کیا نہیں جانا آپ نے کہ بے شک اللہ اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں
وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾
اور زمین کی؟ اور نہیں ہے تمہارے لیے سوائے اللہ کے کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار ○

(نسخ) کے لغوی معنی نقل کرنا ہیں۔ نسخ کی شرعی حقیقت یہ ہے کہ مکلفین کو کسی ایک شرعی حکم سے کسی دوسرے شرعی حکم کی طرف منتقل کرنا یا اس شرعی حکم کو یکسر ساقط قرار دے دینا۔ یہودی نسخ کا انکار کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ نسخ جائز نہیں، حالانکہ نسخ ان کے ہاں تورات میں بھی موجود ہے، ان کا نسخ کو نہ ماننا کفر اور محض خواہش نفس کی پیروی ہے، پس اللہ تعالیٰ نے نسخ میں پنہاں اپنی حکمت سے آگاہ فرماتے ہوئے فرمایا: ﴿ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا ﴾ ''جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا اس کو بھلاتے ہیں'' یعنی اپنے بندوں سے فراموش کرا دیتے ہیں اور اس آیت کو ان کے دلوں سے زائل کر دیتے ہیں ﴿ نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ ﴾ ''تو لاتے ہیں اس سے بہتر'' یعنی ایسی آیت اس کی جگہ لے آتے ہیں جو تمہارے لیے زیادہ نفع مند ہوتی ہے ﴿ اَوْ مِثْلِهَا ﴾ ''یا اس جیسی کوئی اور آیت''۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمہارے لیے نسخ (یعنی آیت ناسخہ) کی مصلحت پہلی آیت (یعنی آیت منسوخہ) کی مصلحت سے کسی طرح بھی کم نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل، خاص طور پر اس امت پر بہت زیادہ ہے جس پر اس کے دین کو اللہ نے بے حد آسان بنا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بھی آگاہ فرمایا کہ جو کوئی نسخ میں جرح وقدح کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور قدرت میں عیب نکالتا ہے۔ فرمایا: ﴿ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے؟'' جب اللہ تعالیٰ تمہارا مالک ہے وہ تمہارے اندر اسی طرح تصرف کرتا

ہے جیسے نیکوکار، مہربان آقا اپنی اقدار میں، اپنے احکام میں اور اپنے نواہی میں تصرف کرتا ہے۔ پس جیسے اس پر اپنے بندوں کی بابت تقدیری فیصلے کرنے پر پابندی نہیں ہے اسی طرح اللہ پر ان احکام کے بارے میں بھی اعتراض صحیح نہیں جو اس نے اپنے بندوں کے لیے مشروع کیے ہیں۔ پس بندہ اپنے رب کے امر دینی اور امر تکوینی کا پابند ہے، اسے اعتراض کا کیا حق ہے؟۔

نیز اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا ولی (کارساز) اور ان کا مددگار ہے۔ پس وہ ان کے لیے منفعت کے حصول میں ان کا والی اور سرپرست ہے اور ضرر کو ان سے دور کرنے میں ان کی مدد کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ولایت (کارسازی) کا حصہ ہے کہ اس نے ان کے لیے ایسے احکام مشروع کیے، جن کا تقاضا اس کی حکمت اور لوگوں کے ساتھ اس کی رحمت کرتی ہے۔

جو کوئی اس نسخ میں غور کرتا ہے جو قرآن و سنت میں واقع ہوا ہے تو اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں اللہ کی حکمت ہے، اس کے بندوں پر رحمت ہے اور اپنے لطف و کرم سے انہیں ان کے مصالح تک ایسے طریقے سے پہنچاتا ہے کہ وہ اسے سمجھ ہی نہیں پاتے۔

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ ۗ وَمَنْ يَتَبَدَّلِ
کیا چاہتے ہو تم (اے مسلمانو!) کہ سوال کرو تم اپنے رسول سے، جیسے سوال کیے گئے موسیٰ پہلے اس سے ؟ اور جو کوئی تبادلہ کرتا ہے
الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٠٨﴾ وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ
کفر کا ایمان کے عوض، تو تحقیق بھٹک گیا وہ سیدھی راہ سے ○ چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب میں سے،
لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ مِنْ بَعْدِ
کاش کہ وہ پھیر دیں (بنا دیں) تمہیں بعد تمہارے ایمان کے، کافر- حسد کرتے ہوئے اپنے دلوں سے، بعد
مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ
اس کے کہ واضح ہو گیا ان کے لیے حق، پس معاف کرو اور درگزر کرو، یہاں تک کہ لے آئے اللہ حکم اپنا، بلاشبہ اللہ
عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٠٩﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ ۚ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِنْ
ہر چیز پر خوب قادر ہے ○ اور تم قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ، اور جو کچھ آگے بھیجو گے تم اپنے نفسوں کیلئے کوئی
خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٠﴾
بھلائی، تو پاؤ گے تم اس کو اللہ کے ہاں، بیشک اللہ جو تم عمل کرتے ہو، دیکھنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ اہل ایمان یا یہود کو منع کرتا ہے کہ وہ اپنے رسول سے اس طرح سوال کریں ﴿كَمَا سُئِلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ﴾ ”جس طرح اس سے پہلے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا“۔ اس سے مراد وہ سوالات ہیں جو بال

کی کھال اتارنے اور اعتراض کی خاطر کیے جاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ (النساء: ۱۵۳/۴) ''اہل کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ان پر آسمان سے کوئی لکھی ہوئی کتاب اتار لا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑی بات کا مطالبہ کر چکے ہیں' کہتے تھے کہ ہمیں اللہ ان ظاہری آنکھوں سے دکھا''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ﴾ (المائدہ: ۱۰۱/۵) ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں گی''۔ لہٰذا اس قسم کے (مذموم) سوالات سے منع کیا گیا ہے۔

رہا رشد و ہدایت اور تحصیل علم کے لیے سوال کرنا تو یہ محمود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے سوالات کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ فَسْـَٔلُوْۤا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ (النحل: ۴۳/۱۶) ''اگر تم نہیں جانتے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو اہل کتاب ہیں''۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے سوالات کو برقرار رکھا ہے۔ فرمایا: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ﴾ (البقرہ: ۲۱۹/۲) ''وہ تجھ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں''۔ نیز فرمایا: ﴿ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ﴾ (البقرہ: ۲۲۰/۲) ''اور وہ تجھ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں'' اور اس قسم کی دیگر آیات۔

چونکہ ممنوعہ سوالات مذموم ہوتے ہیں اس لیے بعض دفعہ سوال پوچھنے والے کو کفر کی حدود میں داخل کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴾ ''جس نے ایمان کے بدلے کفر لے لیا پس اس نے سیدھا راستہ گم کر دیا''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب میں سے بہت سے لوگوں کے حسد کے بارے میں آگاہ فرمایا کہ ان کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ﴿ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ﴾ ''کاش تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں''۔ اس کے لیے انہوں نے پوری کوشش اور فریب کاری کے جال بچھائے' مگر ان کے مکر و فریب پلٹ کر انہی پر پڑ گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ (آل عمران: ۷۲/۳) ''اہل کتاب کا ایک گروہ کہتا ہے وہ کتاب جو اہل ایمان پر نازل کی گئی ہے اس پر دن کے پہلے حصے میں ایمان لاؤ اور اس کے آخر میں انکار کر دو' تاکہ وہ اسلام سے باز آجائیں''۔ یہ ان کا حسد تھا جو ان کے اندر سے پھوٹ رہا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہود کی برائی اور بد خلقی کے مقابلے میں عفو اور درگزر سے کام لینے کا حکم دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آجائے۔

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جہاد کا حکم دے دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو شفا بخشی' چنانچہ اہل ایمان نے ان یہودیوں میں سے جو قتل کے مستحق تھے ان کو قتل کیا' جو قیدی بنائے جا سکے ان کو قیدی بنا لیا اور کچھ کو ملک بدر کر دیا۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فی الحال اقامتِ نماز' ادائے زکوٰۃ اور تقربِ الٰہی کے کاموں میں مشغول رہنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ نیکی کا جو بھی کام کریں گے اللہ تعالیٰ کے ہاں کبھی ضائع نہیں ہو گا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے بہت زیادہ پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو محفوظ کر رکھا ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴾ ''تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے''۔

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ

اور کہا انہوں نے' ہرگز نہیں داخل ہوں گے جنت میں' مگر وہ جو ہوں گے یہودی یا عیسائی۔ یہ (باطل) خواہشیں ہیں انکی'

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ

کہہ دیجیے! لاؤ تم دلیل اپنی' اگر ہو تم سچے ○ کیوں نہیں' (ہاں) جس نے جھکا دیا اپنا چہرہ واسطے اللہ کے اور وہ

مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

نیکی کرنیوالا ہے' تو اس کیلئے ہے اجر اسکا نزدیک اسکے رب کے' اور نہ کوئی خوف ہو گا ان پر اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے ○

یعنی یہودیوں نے کہا کہ یہودیوں کے سوا کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہو گا اور عیسائیوں نے کہا کہ صرف وہی لوگ جنت میں جائیں گے جو عیسائی ہوں گے۔ پس انہوں نے حکم لگا دیا کہ صرف وہی اکیلے جنت کے مستحق ہوں گے۔ یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں جو دلیل و برہان کے بغیر قابل قبول نہیں۔ پس اگر تم (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو دلیل مہیا کرو۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو کسی قسم کا دعویٰ کرتا ہے اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دعوے کی صحت پر دلیل مہیا کرے ورنہ اس کا دعویٰ اگر اس کی طرف پلٹا دیا جائے اور کوئی دعویٰ کرنے والا اس کے برعکس بغیر دلیل کے دعویٰ کر دے' تو وہ بھی ایسا ہی ہو گا۔ ان دونوں دعووں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہو گا۔ پس دلیل ہی ایک ایسی چیز ہے جو دعوے کی تصدیق یا اس کی تکذیب کرتی ہے اور جب ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے' تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسی روشن دلیل بیان فرمائی ہے جو ہر ایک کے لیے عام ہے۔ فرمایا: ﴿ بَلٰی ﴾ یعنی تمہاری آرزوئیں اور تمہارے دعوے صحیح نہیں بلکہ ﴿ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ ﴾ جس نے اپنے قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اپنے اعمال کو اس کے لیے خالص کر لیا۔ ﴿ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ اور وہ اپنے اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی عبادت احسن طریقے سے کرتا ہے۔ یعنی وہ اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عبادت

کرتا ہے صرف یہی لوگ جنت میں جائیں گے۔ ﴿فَلَهٗٓ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ﴾ ’’بے شک اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے‘‘ یہ اجر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر مشتمل جنت ہے۔ ﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ’’اور ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے‘‘ پس انہیں ان کی مرغوب چیز حاصل ہوگی اور خوف سے نجات مل جائے گی۔

ان آیات کریمہ میں یہ مفہوم بھی پایا جاتا ہے کہ جو ان مذکورہ لوگوں کی مانند نہیں ہیں وہ ہلاک ہونے والے جہنمیوں میں شمار ہوں گے۔ پس نجات صرف انہی لوگوں کا نصیب ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نیکی کرتے اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ
اور کہا یہودیوں نے، نہیں ہیں عیسائی اوپر کسی چیز کے اور کہا عیسائیوں نے، نہیں ہیں یہودی
عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ
اوپر کسی چیز کے، حالانکہ وہ (دونوں) پڑھتے ہیں کتاب، اسی طرح کہا ان لوگوں نے (بھی) جو نہیں علم رکھتے، مثل انکے قول کے،
فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿١١٣﴾
پس اللہ فیصلہ فرمائے گا درمیان ان کے دن قیامت کے، اس (چیز) میں کہ تھے وہ اس میں اختلاف کرتے ○

اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب خواہش نفس اور حسد میں اس حد کو پہنچ گئے کہ انہوں نے ایک دوسرے کو گمراہ اور کافر قرار دیا، جیسے مشرکین عرب میں امیوں کا وتیرہ تھا۔ پس ہر فرقہ دوسرے فرقے کو گمراہ قرار دیتا تھا۔ ان اختلاف کرنے والوں کے مابین قیامت کے روز اللہ تعالیٰ عدل کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔ یہ وہ فیصلہ ہے جس کے بارے میں اس نے بندوں کو باخبر کر دیا ہے کہ فوز وفلاح اور نجات صرف انہی لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے تمام انبیا و مرسلین کی تصدیق کی، اور اپنے رب کے احکام کی پیروی کی اور اس کی منہیات سے اجتناب کیا۔ ان کے علاوہ دیگر تمام لوگ ہلاکت کے گڑھے میں گریں گے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى
اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے، جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں سے، یہ کہ ذکر کیا جائے ان میں نام اللہ کا، اور کوشش کی اس نے
فِيْ خَرَابِهَا ۭ اُولٰۗىِٕكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَاۗىِٕفِيْنَ ڛ لَهُمْ
انکے اجاڑنے میں، یہ (روکنے والے) نہیں تھا لائق انکے کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے، انکے لیے
فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١١٤﴾
دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں عذاب عظیم ہے ○

یعنی اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور مجرم کوئی اور نہیں جس نے اللہ کی مساجد میں لوگوں کو اللہ کا ذکر کرنے' نماز پڑھنے اور نیکی اور اطاعت کے دیگر کاموں سے روکا۔ ﴿ وَسَعٰى ﴾ یعنی جس نے پوری جدوجہد اور بھرپور کوشش کی ﴿ فِيْ خَرَابِهَا ﴾ ''ان کے ویران کرنے میں''۔اس سے مراد حسی اور معنوی دونوں اعتبار سے ویران کرنا ہے۔ حسی ویرانی کا مطلب ہے منہدم کرنا' اجاڑنا اور ان میں گندگی وغیرہ پھینکنا۔معنوی ویرانی کا مطلب ان مساجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکنا ہے۔ اور یہ عام ہے' اس زمرے میں وہ تمام لوگ آتے ہیں جو ان صفات سے متصف ہیں۔اس میں اصحاب فیل بھی شامل ہیں' قریش بھی شامل ہیں' جب انہوں نے حدیبیہ کے سال رسول اللہ ﷺ کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اور اس گروہ میں وہ نصرانی اور اہل ظلم بھی شامل ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہوئے پوری کوشش سے بیت المقدس کو ویران کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے کرتوتوں کی یہ سزا دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شرعی اور تقدیری طور پر مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے سے منع کر دیا سوائے اس کے کہ وہ ڈرتے ہوئے ذلت و انکسار کے ساتھ داخل ہوں۔ پس جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو خوف زدہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر خوف مسلط کر دیا۔

مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیا مگر تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ فتح کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی اور مشرکین کو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کے قریب جانے سے منع کر دیا۔چنانچہ فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ﴾ (التوبہ : ۲۸/۹) ''اے ایمان والو! مشرکین تو ناپاک ہیں اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ جائیں''۔

اصحاب فیل کا جو حشر ہوا اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) اس کا ذکر فرمایا ہے۔نصرانیوں پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مسلط فرمایا اور انہوں نے ان کو جلاوطن کر دیا۔اسی طرح ہر وہ شخص جو ان جیسی صفات رکھتا ہے وہ اس سزا سے اپنا حصہ ضرور وصول کرے گا۔ یہ بہت بڑی نشانیاں ہیں جن کے واقع ہونے سے پہلے ہی باری تعالیٰ نے آگاہ فرمادیا اور یہ اسی طرح واقع ہوئیں جس طرح اس نے خبر دی تھی۔

اس آیت کریمہ سے اہل علم نے یہ استدلال کیا ہے کہ کفار کو مساجد میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

فرمایا: ﴿ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ﴾ یعنی ''ان کے لیے دنیا میں فضیحت ہے'' ﴿ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''اور آخرت میں بڑا عذاب ہے''

جب اللہ کی مساجد میں اللہ کے ذکر سے روکنا سب سے بڑا ظلم ہے تو اسی طرح مساجد کو حسی اور معنوی اعتبار سے آباد کرنے والے سے بڑا ایمان والا کوئی نہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ

﴿اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ﴾ (التوبہ: ۹/۱۸) ’’اللہ کی مساجد کو تو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں‘‘۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کے گھروں کو بلند کیا جائے اور ان کی تعظیم و تکریم کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فِیۡ بُیُوۡتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنۡ تُرۡفَعَ وَیُذۡکَرَ فِیۡہَا اسۡمُہٗ﴾ (النور: ۲۴/۳۶) ’’ان گھروں میں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کو بلند کیا جائے اور وہاں اس کے نام کا ذکر کیا جائے‘‘۔

مساجد سے متعلق بہت سے احکام ہیں جن کا خلاصہ ان آیات کریمہ کے اندر مضمر ہے۔

وَلِلّٰہِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ ٭ فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور اللہ ہی کیلئے ہیں مشرق و مغرب، پس جس طرف بھی تم منہ کرو گے، تو وہاں ہی ہے چہرہ اللہ کا، بلاشبہ اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے ○

﴿وَلِلّٰہِ الۡمَشۡرِقُ وَالۡمَغۡرِبُ﴾ ’’اللہ ہی کے لیے ہے مشرق اور مغرب‘‘ اللہ تعالیٰ نے یہاں مشرق و مغرب کا خاص طور پر ذکر کیا کیونکہ یہ روشنی کے طلوع ہونے اور غروب ہونے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی آیاتِ عظیمہ کا محل و مقام ہیں اور جب وہ مشارق و مغارب کا مالک ہے، تو تمام جہات اسی کی ملکیت ہیں۔

﴿فَاَیۡنَمَا تُوَلُّوۡا﴾ پس ان جہات میں سے جس کسی جہت کی طرف بھی تم اپنا منہ پھیر لو گے، بشرطیکہ تمہارا اس کی طرف منہ پھیرنا اللہ کے حکم سے ہو یا تو وہ تمہیں حکم دے کہ خانہ کعبہ کی طرف تم منہ پھیر لو، جب کہ پہلے تم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے پابند تھے یا سفر میں تمہیں سواری کے اوپر نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے، اس صورت میں اس کا قبلہ وہی ہو گا جس کی طرف وہ منہ کرے گا، یا (انجان جگہ میں) قبلے کا رخ معلوم نہ ہو، پس اپنے اندازے سے نماز پڑھ لی، بعد میں معلوم ہوا کہ اندازہ غلط تھا یا کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے قبلہ رخ ہونا مشکل ہو۔ ان تمام صورتوں میں وہ یا تو مامور ہے (یعنی اللہ کے حکم پر قبلے کی طرف رخ کرنے والا ہے) یا معذور ہے۔

ہر حال میں بندہ جس جہت کی طرف بھی منہ کرتا ہے وہ جہت اللہ تعالیٰ کی ملکیت سے باہر نہیں۔ ﴿فَثَمَّ وَجۡہُ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ﴾ ’’جدھر بھی تم رخ کرو ادھر ہی اللہ کا چہرہ ہے بے شک اللہ وسعت علم والا ہے‘‘ اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے چہرے کا اثبات ہوتا ہے مگر جیسے اس کی ذاتِ اقدس کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے مگر مخلوق کے چہروں کے مشابہ نہیں۔ (اللہ تعالیٰ اس مشابہت سے بلند و برتر ہے) وہ وسیع فضل اور عظیم صفات کا مالک ہے اور تمہارے سینوں کے بھید اور نیتوں کو جاننے والا ہے۔ اس نے وسعتِ علم و فضل کی بنا پر تمہارے لیے احکام میں وسعت بخشی ہے اور تم سے مامورات کو قبول فرمایا۔ ہر قسم کی حمد و ثنا اور شکر صرف اسی کی ذات کے لیے ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ

اور کہا انہوں نے ' بنالی ہے اللہ نے اولاد ' پاک ہے وہ (اس سے) بلکہ اسی کیلئے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے ' سب

لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ

اسی کیلئے عاجزی کرنیوالے ہیں ○ وہ انوکھا موجد ہے آسمانوں اور زمین کا اور جب وہ فیصلہ کرتا ہے کسی کام کا ' تو صرف یہی کہتا ہے

لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾

اس کو ہو جا تو پس وہ ہو جاتا ہے ○

﴿ وَقَالُوا ﴾ یعنی یہود و نصاریٰ ' مشرکین اور ان تمام لوگوں نے کہا جو کہتے ہیں: ﴿ اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ﴾ '' اللہ نے بیٹا بنالیا '' ۔ انہوں نے ایسی بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی جو اس کی جلالت شان کے لائق نہ تھی ۔ انہوں نے بہت برا کیا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا ۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس گستاخی پر صبر کرتا ہے ' حلم سے کام لیتا ہے ' انہیں معاف کر کے انہیں رزق عطا کرتا ہے ۔ اس کے باوجود کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں نقص ثابت کرتے ہیں ۔ ﴿ سُبْحٰنَهٗ ﴾ یعنی وہ ان تمام صفات سے پاک اور منزہ ہے جن سے یہ اہل شرک اور اہل ظلم اسے متصف کرتے ہیں اور جو اس کے جلال کے لائق نہیں .... پس پاک اور ہر عیب سے منزہ ہے وہ ذات جو ہر پہلو سے کمالِ مطلق کی مالک ہے جسے کسی بھی پہلو سے نقص لاحق نہیں ۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تردید کرتے ہوئے اپنے منزہ ہونے پر دلیل قائم کی ہے ۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ یعنی زمین و آسمان کی تمام مخلوق اس کی ملکیت اور اس کی غلام ہے ۔ وہ ان میں اسی طرح تصرف کرتا ہے جس طرح مالک اپنے مملوک میں تصرف کرتا ہے ۔ وہ اس کے اطاعت گزار اور اس کے دستِ تدبیر کے تحت مسخر ہیں ۔ جب تمام مخلوق اس کی غلام اور اس کی محتاج ہے اور وہ خود ان سے بے نیاز ہے تو ان میں کوئی کیسے اس کا بیٹا ہو سکتا ہے ۔ بیٹا لازمی طور پر اپنے باپ کی جنس سے ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کے جسم کا حصہ ہے ۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ مالک اور غالب ہے تم سب لوگ مملوک اور مغلوب ہو اس کی ہستی بے نیاز اور تم محتاج محض ' ایسا ہونے کے باوجود اس کا کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے ؟ یہ سب سے بڑا باطل اور سب سے زیادہ قبیح بات ہے ۔

'' قنوت '' (اطاعت کرنا) کی دو اقسام ہیں ۔ (۱) قنوتِ عام: یعنی تمام مخلوق خالق کے دستِ تدبیر کے تحت اس کی اطاعت گزار ہے ۔ (۲) قنوت خاص: اس سے مراد اطاعتِ عبودیت ہے ۔ پس قنوت کی پہلی قسم وہ ہے جس کا ذکر اس آیتِ کریمہ میں کیا گیا ہے ۔ اور قنوت کی دوسری قسم وہ ہے جس کا ذکر ﴿ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴾ (البقرہ : ۲۳۸/۲) '' اور اللہ کے سامنے ادب اور اطاعت گزاری کے ساتھ کھڑے رہیں '' ۔ میں مذکور ہے ۔

پھر فرمایا: ﴿ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو بغیر کسی سابقہ مثال کے

نہایت مضبوط اور بہترین طریقے سے تخلیق کیا ہے۔ ﴿ وَاِذَا قَضٰۤی اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ ''وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے'' یعنی کوئی چیز اس کی نافرمانی نہیں کر سکتی اور کسی چیز کو اس کے سامنے انکار کرنے کی مجال نہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ

اور کہا ان لوگوں نے جو نہیں علم رکھتے کیوں نہیں کلام کرتا ہم سے اللہ یا (کیوں نہیں) آتی ہمارے پاس کوئی نشانی؟ اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

ان سے پہلے تھے مثل انکے قول کے ایک جیسے ہو گئے دل انکے تحقیق بیان کر دیں ہم نے نشانیاں ان لوگوں کیلئے جو یقین رکھتے ہیں○

اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

بلا شبہ بھیجا ہم نے آپکو ساتھ حق کے، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور نہیں سوال کیے جائیں گے آپ دوزخیوں کی بابت○

یعنی اہل کتاب وغیرہ میں سے جہلاء نے کہا: ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ اس طرح کلام کیوں نہیں کرتا جس طرح وہ اپنے رسولوں سے کلام کرتا ہے۔ ﴿ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ﴾ ''یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی نشانی'' اس سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو وہ اپنی فاسد عقلوں اور باطل آراء کے ذریعے سے طلب کرتے تھے۔ ان فاسد آراء کے بل بوتے پر انہوں نے خالق کے مقابلے میں جسارت کی اور اس کے رسولوں کے سامنے تکبر سے کام لیا۔ جیسے انہوں نے کہا: ﴿ لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ﴾ (البقرہ : ۵۵/۲) ''ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم اللہ کو ان ظاہری آنکھوں سے نہ دیکھ لیں''۔ ﴿ يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ ﴾ (النساء : ۱۵۳/۴) ''اہل کتاب تجھ سے کہتے ہیں کہ تو ان پر آسمان سے ایک لکھی ہوئی کتاب اتار لا۔ پس یہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑے بڑے سوال کیا کرتے تھے''۔ ﴿ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ○ اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ﴾ (الفرقان : ۲۵/۷،۸) ''اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہ نازل کیا گیا جو ڈرانے کے لیے اس کے ساتھ ساتھ رہتا یا اس کی طرف کوئی خزانہ اتارا جاتا۔ یا اس کے لیے کوئی باغ ہوتا جس سے وہ کھاتا'' یا جیسے فرمایا: ﴿ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴾ (بنی اسرائیل : ۹۰/۱۷) ''اور انہوں نے کہا ہم تجھ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری نہ کر دے''۔

پس اپنے رسولوں کے ساتھ یہ ان کی عادت رہی ہے کہ یہ طلبِ رشد و ہدایت کے لیے آیات کا مطالبہ نہیں کیا کرتے تھے اور نہ تبیینِ حق ان کا مقصد تھا بلکہ وہ تو محض بال کی کھال اتارنے کے لیے مطالبات کرتے تھے۔ کیونکہ رسول تو آیات (اور معجزات) کے ساتھ آتے رہے ہیں اور ان جیسی آیات و معجزات پر انسان ایمان لاتا رہا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴾ ''بے شک ہم نے بیان کر دیں نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں'' پس ہر صاحب ایقان اللہ تعالیٰ کی روشن نشانیوں اور واضح دلائل و براہین کو پہچان لیتا ہے۔ ان سے اسے یقین حاصل ہوتا ہے اور شک و ریب اس سے دور ہو جاتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نہایت اختصار و ایجاز سے بعض جامع آیات کا ذکر فرمایا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور جو کچھ آپ پر نازل ہوا اس کی صحت پر دلالت کرتی ہیں۔ فرمایا: ﴿ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ﴾ ''ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے'' یہ ان آیات پر مشتمل ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ لے کر مبعوث ہوئے اور یہ تین امور کی طرف راجع ہیں۔

(۱) رسول اللہ ﷺ کی رسالت۔ (۲) آپ کی سیرت طیبہ' آپ کا طریقہ اور آپ کی راہ نمائی۔ (۳) قرآن و سنت کی معرفت۔ پہلا اور دوسرا نکتہ' اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ ﴾ میں داخل ہے اور تیسرا نکتہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ بِالْحَقِّ ﴾ میں داخل ہے۔

نکتہ اول۔۔۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور رسالت کی توضیح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل اہلِ زمین کی جو حالت تھی وہ معلوم ہے۔ اس زمین کے رہنے والے بتوں' آگ اور صلیب کی عبادت میں مبتلا تھے۔ ان کے لیے جو دین آیا انہوں نے اسے تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ کفر کی تاریکیوں میں ڈوب گئے اور کفر کی تاریکی ان پر چھا گئی تھی۔ البتہ اہل کتاب کی کچھ باقیات تھیں (جو دین اسلام پر قائم رہیں) اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے تھوڑا سا پہلے ناپید ہو گئیں۔

یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو عبث اور بے فائدہ پیدا نہیں کیا اور نہ اس کو بے حساب و کتاب آزاد چھوڑا ہے کیونکہ وہ حکیم و دانا' باخبر' صاحب قدرت اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ پس اس کی حکمت اور اپنے بندوں پر اس کی بے پایاں رحمت کا تقاضا ہوا کہ وہ ان کی طرف ایک نہایت عظمت والا رسول مبعوث کرے جو انہیں ایک اللہ کی عبادت کا حکم دے جس کا کوئی شریک نہیں۔ ایک عقلمند شخص محض آپ کی رسالت ہی کی بنا پر آپ کی صداقت کو پہچان لیتا ہے اور یہ اس بات کی بہت بڑی علامت ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

رہا دوسرا نکتہ۔۔۔ تو جس نے رسول اللہ ﷺ کو اچھی طرح پہچان لیا اور اسے آپ کی بعثت سے قبل آپ کی سیرت' آپ کے طریقِ زندگی اور آپ کی کامل ترین خصلتوں پر آپ کی نشوونما کی معرفت حاصل ہو گئی۔ پھر بعثت کے بعد آپ کے مکارم عظیم اور روشن اخلاق بڑھتے چلے گئے۔ پس جنہیں ان اخلاق کی معرفت حاصل ہو گئی اور انہوں نے آپ کے احوال کو اچھی طرح جانچ لیا تو اسے معلوم ہو گیا کہ ایسے اخلاق صرف انبیائے کاملین ہی کے ہو سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اوصاف کو اصحاب اوصاف اور ان کے صدق و کذب کی معرفت کے لیے

سب سے بڑی دلیل قرار دیا ہے۔

رہا تیسرا نکتہ۔۔۔تو یہ اس عظیم شریعت اور قرآن کریم کی معرفت ہے جسے رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا جو سچی خبروں، اچھے احکام، ہر برائی سے ممانعت اور روشن معجزات پر مشتمل ہے۔ پس تمام نشانیاں ان تین باتوں میں آ جاتی ہیں۔

﴿ بَشِيْرًا ﴾ یعنی آپ اس شخص کو دنیاوی اور اخروی سعادت کی خوشخبری سنانے والے ہیں جس نے آپ کی اطاعت کی ﴿ وَّنَذِيْرًا ﴾ اور اس شخص کو دنیاوی اور اخروی بدبختی اور ہلاکت سے ڈرانے والے ہیں جس نے آپ کی نافرمانی کی۔ ﴿ وَّلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴾ یعنی آپ سے اہل دوزخ کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ آپ کا کام پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۭ قُلْ اِنَّ

اور ہرگز نہیں راضی ہوں گے آپ سے یہودی اور نہ عیسائی، حتیٰ کہ پیروی کریں آپ ان کی ملت کی، کہہ دیجیے! بلاشبہ

هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ

اللہ کی ہدایت وہی (حقیقی) ہدایت ہے اور اگر پیروی کی آپ نے ان کی خواہشات کی بعد اس کے جو آ گیا آپ کے پاس

الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿١٢٠﴾

علم، تو نہیں ہو گا آپ کے لئے اللہ سے (بچانے والا) کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار۔

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہود و نصاریٰ آپ سے اس وقت تک خوش نہیں ہو سکتے جب تک آپ ان کے دین کی اتباع نہ کریں کیونکہ وہ اپنے اس دین کے داعی ہیں جس پر وہ عمل پیرا ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی ہدایت ہے، لہٰذا آپ ان سے کہہ دیجیے! ﴿ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ ﴾ ''بے شک اللہ کی ہدایت''، یعنی وہ ہدایت جس کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا ہے ﴿ هُوَ الْهُدٰى ﴾ ''وہی درحقیقت ہدایت ہے۔'' اور وہ مذہب جس پر تم گامزن ہو محض خواہشاتِ نفس کی پیروی ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴾ ''اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی، اس علم کے بعد جو آپ کو پہنچا، تو آپ کو اللہ سے بچانے والا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ہو گا''۔ اس آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ کی اتباع کرنے اور ان امور میں ان کی مشابہت اختیار کرنے سے روکا گیا ہے جو ان کے دین سے مختص ہیں۔ یہاں خطاب اگرچہ رسول اللہ ﷺ سے ہے مگر بالواسطہ آپ کی امت بھی اس میں داخل ہے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ جس سے خاص طور پر خطاب ہو اس کی بجائے عمومِ معنی کا اعتبار کیا جائے۔ جیسے کسی حکم کے نازل ہونے کا کوئی خاص سبب ہوتا ہے، لیکن وہاں اس سبب کی بجائے عموم لفظ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ
وہ لوگ کہ دی ہم نے انکو کتاب' پڑھتے ہیں وہ اسے جس طرح حق ہے اسکے پڑھنے کا' وہی لوگ ایمان لاتے ہیں ساتھ اسکے اور جو کوئی
يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ
کفر کرتا ہے ساتھ اس کے' تو وہی ہیں خسارہ پانے والے ○ اے بنو اسرائیل! یاد کرو تم میری نعمت' وہ جو
اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ
انعام کی میں نے تم پر اور یہ کہ فضیلت دی میں نے تمہیں اوپر تمام جہانوں کے ○ اور ڈرو اس دن سے کہ نہیں کام آئے گا کوئی نفس
عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾
کسی نفس کے کچھ بھی اور نہ قبول کیا جائے گا اس سے کوئی بدلہ اور نہ نفع دے گی اسکو کوئی سفارش اور نہ وہ مدد ہی کئے جائیں گے ○

ع ۱۴ ۹ ۱۴

اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب عطا کی اور کتاب عطا کر کے ان پر احسان کیا ہے ﴿ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ﴾ ''وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے''۔ یعنی اس کی اتباع کرتے ہیں جیسا کہ اتباع کرنے کا حق ہے۔ یہاں (تلاوت) سے مراد اتباع ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے حلال ٹھہرائے ہوئے امور کو حلال اور اس کے حرام ٹھہرائے ہوئے امور کو حرام سمجھتے ہیں۔ اس کی محکمات پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور اس کی متشابہات پر ایمان لاتے ہیں۔ اہل کتاب میں سے یہی وہ لوگ ہیں جو خوش بخت ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانا اور اس کے شکر گزار ہوئے جو تمام رسولوں پر ایمان لائے اور انہوں نے ان رسولوں کے مابین تفریق نہ کی۔ یہی لوگ حقیقی مومن ہیں نہ کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں ﴿ نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ﴾ (البقرہ: ۹۱/۲) ''جو کتاب ہم پر نازل کی گئی ہم تو اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے سوا دوسری کتابوں کا انکار کرتے ہیں''۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ ''جو کوئی اس کا انکار کرے گا پس یہی لوگ گھاٹے میں پڑنے والے ہیں''۔ اس کے بعد آنے والی آیت کریمہ کی تفسیر گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ
اور جب آزمایا ابراہیم کو اسکے رب نے ساتھ چند کلمات کے' تو پورا کر دیا اس نے انکو' اللہ نے کہا بیشک میں بناؤں گا تجھے لوگوں کا امام'
قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً
(ابراہیم) نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی' اللہ نے کہا نہیں پہنچتا میرا عہد ظالموں کو ○ اور جب بنایا ہم نے بیت اللہ کو بار بار لوٹنے کی جگہ
لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ
لوگوں کے لیے اور امن (کی جگہ) اور بناؤ تم مقام ابراہیم کو جائے نماز اور حکم دیا ہم نے ابراہیم

وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

اور اسماعیل کو یہ کہ پاک کرو تم دونوں میرا گھر واسطے طواف کرنیوالوں اور اعتکاف کرنیوالوں اور رکوع سجود کرنیوالوں کے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتا ہے۔ جن کی امامت وجلالت تمام گروہوں کے درمیان متفق علیہ ہے۔ اہل کتاب کے تمام گروہ ان کی پیشوائی کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسی طرح مشرکینِ مکہ بھی ان کو پیشوا مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چند باتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا یعنی چند اوامر و نواہی میں جیسا کہ عادت الٰہی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو امتحان اور آزمائش میں مبتلا کرتا ہے' تاکہ جھوٹا شخص جو ابتلاء و امتحان میں ثابت قدم نہیں رہ سکتا' ایسے شخص سے علیحدہ ہو جائے جو سچا ہے تاکہ سچے شخص کے درجات بلند ہوں' اس کی قدر و قیمت زیادہ ہو' اس کے اعمال صاف ستھرے ہوں اور وہ اس آزمائش کی بھٹی سے کندن بن کر نکلے۔

اللہ تعالیٰ کے ان بندوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام جلیل ترین مقام پر فائز ہیں۔ جن امور میں اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمایا تھا وہ بدرجہ اتم اس آزمائش میں پورے اترے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سعی کی قدر کی اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے (اپنے نیک بندوں کی مساعی کا) قدردان ہے۔ فرمایا: ﴿ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ﴾ ''میں تجھ کو لوگوں کا امام بناؤں گا''، یعنی وہ زندگی کے لائحہ عمل میں تیری پیروی کریں گے اور ابدی سعادت کی منزل تک پہنچنے کے لیے تیرے پیچھے چلیں گے۔ تجھے ہمیشہ مدح و ثنا حاصل رہے گی اور بے پایاں اجر عطا ہوگا اور ہر شخص تیری عظمت کا قائل ہوگا۔ اللہ کی قسم! یہ افضل ترین درجہ ہے۔ جس میں لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر رغبت کرتے ہیں اور ایک ایسا بلند مقام ہے کہ اصحابِ اعمال اس تک پہنچنے کے لیے بڑی جدوجہد کرتے ہیں اور وہ کامل ترین حالت ہے جو صرف اولوالعزم انبیا و مرسلین' ان کے پیروکار صدیقین اور اللہ تعالیٰ اور اس کے راستے کی طرف دعوت دینے والوں کو حاصل ہوتی ہے۔

جب ابراہیم علیہ السلام اس مقام بلند کو پا کر خوش ہوئے تو انہوں نے اپنی اولاد کے لیے بھی اس مقام کی درخواست کی تاکہ ان کے اور ان کی اولاد کے درجات بلند ہوں اور یہ دعا بھی ان کی امامت' اللہ کے بندوں کے ساتھ خیر خواہی اور چاہت کا نتیجہ ہے کہ ان کی اولاد میں اللہ کی طرف رہنمائی کرنے والوں کی کثرت ہو۔ پس کیا خوب عظمت ہے ان اعلیٰ مقاصد اور مقاماتِ بلند کی۔

اللہ رحیم اور لطف و کرم کے مالک نے ان کی دعا قبول فرمالی اور اس رکاوٹ سے ان کو باخبر کر دیا جو اس مقام کے حصول کے راستے میں حائل ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا''، یعنی اہل ظلم دین میں امامت کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتے۔ جس نے اپنے نفس پر ظلم کیا' اس کو نقصان پہنچایا اور اس

کی بے قدری کی‘ کیونکہ ظلم اس مقام کے منافی ہے۔ یہ ایسا مقام ہے جہاں تک پہنچنے کا ذریعہ صبر و یقین ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس رتبے کا مالک ایمان اعمال صالحہ‘ اخلاق جمیلہ‘ خصائل حمیدہ‘ محبت تامہ اور خشیت و انابت میں عظمت کا حامل ہو۔ پس ظلم کا اس مقام سے کیا تعلق؟

آیتِ کریمہ کا مفہوم دلالت کرتا ہے کہ جو ظالم نہیں وہ اس امامت کے بلند مقام تک پہنچ سکتا ہے مگر وہاں تک پہنچانے والے اسباب استعمال کر کے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے باقی رہنے والے نمونے کا ذکر فرمایا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت پر دلالت کرتا ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا محترم گھر جس کی زیارت کو اللہ تعالیٰ نے دین کا ایک رکن اور گناہوں‘ کوتاہیوں کو ختم کر دینے والا قرار دیا اور اس محترم گھر میں اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے آثار ہیں جن کے ذریعے سے ان کی امامت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور حضرت خلیل علیہ السلام کی حالت یاد آتی ہے۔ پس فرمایا:

﴿ وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محترم گھر کو لوگوں کا مرجع قرار دیا‘ لوگ اپنے دینی اور دنیاوی منافع کے حصول کی خاطر وہاں اکٹھے ہوتے ہیں۔ وہاں بار بار جانے کے باوجود ان کا دل نہیں بھرتا ﴿ وَاَمْنًا ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس محترم مقام کو جائے امن قرار دیا جہاں پہنچ کر ہر شخص محفوظ و مامون ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جنگلی جانور اور نباتات و جمادات بھی مامون ہوتے ہیں۔ بنا بریں جاہلیت کے زمانے میں‘ اہل عرب اپنے شرک کے باوجود بیت اللہ کا حد درجہ احترام کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ان میں سے کوئی اگر بیت اللہ میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھ لیتا تو تب بھی اس میں انتقامی جذبہ جوش نہ مارتا۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی حرمت‘ عظمت اور اس کے شرف و تکریم میں اور اضافہ کر دیا۔

﴿ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ﴾ ’’اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ‘‘ اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد وہ معروف مقام ہو جو اب بیت اللہ کے دروازے کے بالمقابل ہے۔ اور جائے نماز بنانے سے مراد طواف کی دو رکعت ہیں جو مقامِ ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھنا مستحب ہے۔ جمہور مفسرین کا یہی مذہب ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہاں مقام مفرد اور مضاف ہو‘ اس صورت میں یہ حج کے ان تمام مقامات کو شامل ہو گا‘ جہاں جہاں ابراہیم علیہ السلام کے قدم پہنچے اور یہ حج کے سارے مشاعر ہوں گے‘ جیسے طواف‘ سعی صفا و مروہ‘ وقوفِ عرفات و مزدلفہ‘ رمی جمار (کنکریاں مارنا)‘ قربانی اور دیگر افعال حج۔

پس یہاں ﴿ مُصَلًّى ﴾ کا معنی ’’عبادت کی جگہ‘‘ قرار پائے گا۔ یعنی تمام شعائرِ حج میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرو۔ شاید یہی معنی زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کے اندر پہلا معنی بھی آ جاتا ہے اور لفظ بھی اس معنی کا محتمل ہے۔

﴿ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ ﴾ یعنی ہم نے حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی طرف وحی کر کے انہیں حکم دیا کہ وہ بیت اللہ کو شرک' کفر و معاصی' رجس و نجاست اور گندگی سے پاک کریں تا کہ اللہ کا یہ گھر ﴿ لِلطَّآئِفِيْنَ ﴾ طواف کرنے والوں' ﴿ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴾ ''اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع و سجود کرنے والوں'' یعنی نمازیوں کے لیے پاک ہو جائے۔

آیتِ کریمہ میں طواف کے ذکر کو مقدم رکھا گیا ہے کیونکہ یہ مسجد حرام سے مختص ہے اس کے بعد اعتکاف کا ذکر آیا ہے کیونکہ صحتِ اعتکاف کے لیے مطلقاً مسجد کی شرط ہے یہی وجہ ہے کہ نماز کا ذکر طواف و اعتکاف کے بعد ہے باوجود اس بات کے کہ وہ افضل ہے۔ باری تعالیٰ نے کعبہ کو چند وجوہات کی بنا پر اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

(۱) اللہ کا گھر ہونے کے حوالے سے یہ نہایت شدت سے اس بات کا متقاضی تھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام اس کی تطہیر کا خوب اہتمام کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کریں اور اپنی پوری طاقت صرف کر دیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی طرف یہ نسبت عزت و شرف اور تکریم کی متقاضی ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا ہے۔

(۳) یہ اضافت اور نسبت ہی ہے جو دلوں کو بیت اللہ کی طرف کھینچنے کا باعث ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ

اور جب کہا ابراہیم نے 'اے میرے رب! بنا اس (جگہ) کو شہر امن والا اور رزق دے اسکے باشندوں کو پھلوں سے 'جو کوئی

اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ

ایمان لائے ان میں سے ساتھ اللہ اور یوم آخرت کے' اللہ نے کہا اور جس نے کفر کیا' پس فائدہ دوں گا میں اسے تھوڑا سا' پھر مجبور کر دوں گا

اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

اسے طرف عذابِ جہنم کی، اور بری ہے وہ جگہ پھرنے کی○

یعنی جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس گھر کو امن کی جگہ بنائے اور یہاں کے رہنے والوں کو مختلف قسم کے پھلوں سے رزق عطا کرے۔ پھر جناب ابراہیم علیہ السلام نے ادبِ الٰہی کی خاطر اس دعا کو ایمان کی قید لگا کر اہلِ ایمان کے لیے خاص کر دیا۔ چونکہ ان کی پہلی دعا مطلق تھی اس لیے اس کے جواب کو ''غیر ظالم'' کی قید سے مقید کیا گیا۔

پس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے رزق کی دعا کی اور اس کے لیے ایمان کی شرط عائد کی اور اللہ تعالیٰ کا رزق مومن اور کافر' نافرمان اور فرمانبردار سب کو ملتا ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ كَفَرَ ﴾

''اور جس نے کفر کیا''، یعنی میں کافر اور مسلمان تمام لوگوں کو رزق عطا کروں گا۔ رہا مسلمان تو وہ اس رزق سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں مدد لے گا پھر وہ یہاں سے جنت کی نعمتوں میں منتقل ہو جائے گا اور کافر تو وہ اس دنیا میں تھوڑا سا فائدہ اٹھائے گا ﴿ ثُمَّ اَضۡطَرُّهٗۤ ﴾ پھر میں اسے لاچار کر دوں گا' اور اس کی ناپسندیدگی کے باوجود اسے دنیا سے نکال کر ﴿ اِلٰی عَذَابِ النَّارِ وَبِئۡسَ الۡمَصِیۡرُ ﴾ جہنم کے عذاب میں جھونک دوں گا جو بہت برا ٹھکانا ہے۔''

وَاِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَيۡتِ وَاِسۡمٰعِيۡلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلۡ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ

اور جب بلند کر رہے تھے ابراہیم بنیادیں بیت اللہ کی اور اسماعیل (کہتے ہوئے) اے ہمارے رب! اور تو قبول کر لے ہم سے (یہ نیکی) یقیناً تو ہی

السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ ﴿١٢٧﴾ رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسۡلِمَةً

سننے والا جاننے والا ہے ○ اے ہمارے رب! بنا ہم دونوں کو فرماں بردار اپنا اور (بنا) ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت فرماں بردار

لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبۡ عَلَيۡنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿١٢٨﴾ رَبَّنَا

اپنی' اور سکھا ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجہ فرما ہم پر' یقیناً تو ہی ہے توبہ قبول کرنیوالا رحم کرنیوالا ○ اے ہمارے رب!

وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ

اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے' تلاوت کرے وہ اوپر ان کے تیری آیتیں اور تعلیم دے ان کو کتاب اور حکمت کی

وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿١٢٩﴾ ع

اور پاک کرے ان کو' بلاشبہ تو ہی ہے غالب حکمت والا ○

۱۵ ع ۸ ۱۵

یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اس حالت کو یاد کرو جب وہ بیت اللہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے اور اس عظیم کام پر تسلسل اور پابندی سے لگے ہوئے تھے اور یہ کہ اس وقت ان پر خوف اور امید کی کیسی کیفیت طاری تھی' حتیٰ کہ اس عظیم عمل کے باوجود انہوں نے دعا کی کہ ان کا عمل قبول کیا جائے' تاکہ اس کا فائدہ عام ہو اور انہوں نے اپنی ذات اور اپنی اولاد کے لیے اسلام کی دعا کی۔ جس کی حقیقت قلب کا خشوع و خضوع ہے اور دل کا اپنے رب کا مطیع ہو جانے اور اعضاء و جوارح کے فرماں بردار ہونے کو متضمن ہے۔

﴿ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا ﴾ یعنی ارادہ اور مشاہدہ کے ذریعے ہمیں ہمارا طریق عبادت سکھا۔ تاکہ یہ زیادہ مؤثر ہو۔ اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ مناسک سے مراد تمام اعمالِ حج ہوں۔ جیسا کہ اس معنیٰ پر آیت کریمہ کا سیاق و سباق دلالت کرتا ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز مراد ہو اور وہ سارا دین اور تمام عبادات ہیں.... جیسا کہ عموم لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ (النسک) کا معنیٰ عبادت کرنا ہے پھر عرف کے لحاظ سے حج کی عبادات کے لیے اس لفظ کا استعمال غالب آ گیا۔ پس ان کی دعا کا حاصل علم نافع اور عمل صالح کی توفیق مانگنا ہے۔

بندہ جیسا بھی ہو اس سے تقصیر ہو ہی جاتی ہے اس لیے وہ توبہ کا محتاج ہوتا ہے' چنانچہ دونوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ﴿ وَتُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴾ ''اے اللہ ہم پر رجوع فرما' تو بہت رجوع کرنے والا بہت مہربان ہے''۔

﴿ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ ﴾ یعنی ہماری اولاد میں رسول مبعوث فرما تاکہ وہ ان دونوں کے درجات کی بلندی کا سبب بنے۔ لوگ اس کی اطاعت کریں اور اسے اچھی طرح پہچان لیں۔ فرمایا: ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ ﴾ یعنی وہ لفظاً لفظاً حفظ کرنے اور حفظ کروانے کیلئے تیری آیات کی تلاوت کرے۔ ﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ یعنی معانی سمجھاتے ہوئے انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے ﴿ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾ یعنی اعمالِ صالحہ کے ذریعے سے ان کی تربیت کرے اور اعمالِ قبیحہ سے ان کو بچائے' کیونکہ قبیح اور ردی اعمال کے ہوتے ہوئے نفس پاک نہیں ہوسکتا۔ ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ ﴾ یعنی تو ہر چیز پر غالب ہے۔ عزیز اس ہستی کو کہتے ہیں جس کی قوت کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکے۔ ﴿ الْحَكِيْمُ ﴾ حکیم اس ہستی کو کہتے ہیں جو ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھے۔ پس تو اپنے غلبہ وحکمت کے تحت ان کے اندر اس رسول (ﷺ) کو مبعوث فرما۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں برگزیدہ نبیوں کی دعا قبول فرمائی اور تمام مخلوق پر عام طور پر اور اولاد ابراہیم واسماعیل علیہما السلام پر خاص طور پر رحم کرتے ہوئے اس رسول کریم (ﷺ) کو مبعوث فرمایا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: «أَنَا دَعْوَةُ أَبِي اِبْرَاهِيْمَ» [1] ''میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں''

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس قدر عظمت وبلندی سے نوازا اور ان کی صفاتِ کاملہ بیان فرمائیں تو فرمایا:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ

اور کون ہے جو بے رغبتی کرتا ہے ملت ابراہیم سے! مگر وہی جس نے نادانی کی اپنے نفس (کے معاملے) میں اور بلاشبہ چن لیا ہم نے اسکو

فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ

دنیا میں اور بیشک وہ آخرت میں نیکوں میں سے ہے ○ جب کہا اس سے اسکے رب نے فرماں بردار ہو جا! تو کہا اس نے

اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَاۤ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ

فرماں بردار ہو گیا میں واسطے رب العالمین کے ○ اور وصیت کی اس (کلمۂ اسلام) کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے' اے میرے بیٹو!

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ اَمْ كُنْتُمْ

یقیناً اللہ نے چن لیا ہے واسطے تمہارے یہ دین' پس نہ ہرگز مرنا تم' مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو ○ کیا تھے تم

[1] البدایہ والنہایہ' ۲/۲۷۵ والصحیحہ' رقم: ۱۵۴۵' ۱۵۴۶

شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ

موجود جب آئی یعقوب کو موت ؟ جب کہا اس نے اپنے بیٹوں سے ' کس چیز کی عبادت کرو گے تم میرے بعد ؟

قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ

انہوں نے کہا' عبادت کریں گے ہم تیرے معبود کی اور تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود' یکتا کی

وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا

اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں ○ یہ ایک جماعت ہے جو گزر گئی' اسی کیلئے ہے جو کمایا اس نے اور تمہارے لیے ہے جو

كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

کمایا تم نے اور نہیں سوال کئے جاؤ گے تم اس سے جو تھے وہ عمل کرتے ○

یعنی وہ کون ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت کو پہچان لینے کے بعد ان کی ملت سے روگردانی کرے۔ ﴿ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ﴾ یعنی ایسا شخص وہی ہو سکتا ہے جس نے اپنے نفس کو جاہل رکھ کر حقیر بنا دیا ہو۔ اپنے نفس کے لیے کمتر چیز پر راضی ہو اور گھاٹے کے سودے میں اسے فروخت کر دیا ہو۔ اسی طرح اس شخص سے بڑھ کر کامل اور راست رو کوئی نہیں جو ملت ابراہیم میں رغبت رکھتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حالت کے بارے میں آگاہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ﴾ یعنی ہم نے حضرت ابراہیم کو چن لیا' انہیں ایسے اعمال کی توفیق سے نوازا جن کی بنا پر وہ چیدہ چیدہ نیک لوگوں میں شمار ہوئے۔ ﴿ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ ''اور وہ آخرت میں صالحین میں سے ہوں گے''، یعنی وہ نیک لوگ جو بلند ترین درجات پر فائز ہوں گے۔

﴿ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ ﴾ ''اور جب انہیں ان کے رب نے کہا مطیع ہو جاؤ''، یعنی (اللہ تعالیٰ کے فرمان کے جواب میں) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت فرمانبرداری سے عرض کی: ﴿ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ یعنی میں اخلاص' توحید' محبت اور انابت کے طور پر جہانوں کے پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔

پس اللہ تعالیٰ کی توحید ان کی خاص صفت قرار پائی۔ پھر اس توحید کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وراثت کے طور پر اپنی اولاد میں منتقل کیا۔ اس کی ان کو وصیت فرمائی اور اسے ایک ایسا کلمہ بنا دیا جو ان کے بعد بھی باقی رہا اور نسل در نسل وراثت میں منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا اور انہوں نے اپنے بیٹوں کو اسی کلمہ توحید کی وصیت کی۔

پس اے اولاد یعقوب! تمہیں تمہارے باپ نے خاص طور پر وصیت کی ہے اس لیے نہایت کامل طریقے سے اس کی اطاعت کرنا اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرنا تم پر واجب ہے۔ فرمایا: ﴿ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى

﴿ لَكُمُ الدِّيْنَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر رحم اور احسان کرتے ہوئے تمہارے لیے دین کو چن لیا ہے لہٰذا اس دین کو قائم کرو اس کی شرائع سے متصف اور اس کے اخلاق میں رنگے جاؤ پھر ان کو دائمی طور پر اختیار کر لو۔ جب تمہیں موت آئے تو یہ اوصاف واخلاق تمہارا اوڑھنا بچھونا ہوں' کیونکہ انسان جن اوصاف کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے انہی اوصاف کے ساتھ موت سے ہم آغوش ہوتا ہے اور جن اوصاف پر وہ مرتا ہے انہی اوصاف کے ساتھ اسے قیامت کے روز اٹھایا جائے گا۔

چونکہ یہودیوں کو زعم تھا کہ وہ ملتِ ابراہیم اور ان کے بعد ملتِ یعقوب پر ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا انکار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ ﴾ یعنی ''کیا تم سب اس وقت موجود تھے'' ﴿ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ﴾ ''جب یعقوب علیہ السلام کو موت آئی''یعنی جب موت کے مقدمات اور اسباب ظاہر ہوئے تو انہوں نے آزمائش اور امتحان کے طور پر اپنے بیٹوں سے پوچھا تاکہ ان کی وصیت پر ان کے بیٹوں کے عمل کرنے کی وجہ سے ان (حضرت یعقوب) علیہ السلام کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ ﴿ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ﴾ ''میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟'' پس یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے انہیں ایسا جواب دیا جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں' چنانچہ انہوں نے جواب دیا: ﴿ نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ﴾ پس ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں گے نہ کسی کو اس کے برابر قرار دیں گے ﴿ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾ ''اور ہم اسی کے مطیع اور فرماں بردار ہیں''۔ پس انہوں نے توحید اور عمل کو جمع کر دیا۔

یہ بدیہی طور پر معلوم ہے کہ یہودی حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کے وقت موجود نہ تھے کیونکہ وہ تو ان کی وفات کے بعد وجود میں آئے۔ جب وہ اس وقت موجود نہ تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہودیت کی نہیں بلکہ حنیفیت کی وصیت فرمائی تھی۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ﴾ یعنی وہ امت گزر گئی ﴿ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ﴾ ''اس کے لیے وہ ہے جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے وہ جو تم کماؤ گے'' یعنی ہر شخص کا اپنا عمل ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی کے فعل کی جزا دے گا۔ وہ کسی شخص کا کسی دوسرے شخص کے گناہوں کی وجہ سے مواخذہ نہیں کرے گا اور کسی شخص کو صرف اس کا اپنا ایمان اور تقویٰ ہی کام دے گا۔ پس تمہارا اس زعم میں مبتلا ہونا اور تمہارا یہ دعویٰ کہ تم ان انبیاء علیہم السلام کی ملت پر ہو مجرد دعویٰ اور ایک ایسا معاملہ ہے جو حقیقت سے خالی ہے' بلکہ تم پر فرض ہے کہ تم اپنی موجودہ حالت پر غور کرو۔ کیا یہ نجات دلانے کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں؟

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا

اور کہا انہوں نے، ہو جاؤ تم یہودی یا عیسائی، تو راہ پا جاؤ گے، کہہ دیجیے! بلکہ (پیروی کرتے ہیں ہم) ملت ابراہیم کی، جو حنیف تھا اور نہیں

كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۳۵﴾

تھا وہ مشرکوں سے O

یعنی یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں کو اپنے اپنے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی ان میں سے ہر ایک اس زعم باطل میں مبتلا تھا کہ وہ ہدایت یافتہ ہے اور دوسرے گمراہ ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے شافی جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا﴾ بلکہ ہم تو ملت ابراہیم کی اتباع کرتے ہیں، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر طرف سے منہ موڑ کر توحید کو قائم کرتے ہوئے اور شرک کو ترک کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے۔ یہی وہ ہستی ہے جس کی پیروی میں ہدایت اور جس کی ملت سے روگردانی کرنا کفر اور گمراہی ہے۔

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ

کہو تم ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور ساتھ اسکے جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو نازل کیا گیا طرف ابراہیم اور اسماعیل

وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ

اور اسحاق اور یعقوب اور (اس کی) اولاد کی اور جو دیئے گئے موسیٰ اور عیسیٰ اور جو دیئے گئے انبیاء

مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

اپنے رب کی طرف سے، نہیں فرق کرتے ہم درمیان کسی ایک کے ان میں سے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں O

یہ آیت کریمہ ان تمام امور پر مشتمل ہے جن پر ایمان لانا واجب ہے۔ جان لیجئے کہ ایمان' جو ان اصولوں کے ساتھ دل کی پوری تصدیق کا نام ہے اور اس کا اقرار' قلوب اور اعضاء کے اعمال کو متضمن ہے اور اس اعتبار سے اس میں اسلام داخل ہے اور اس میں تمام اعمالِ صالحہ بھی داخل ہیں۔ پس تمام اعمالِ صالحہ ایمان کا حصہ اور اس کے آثار میں سے ہیں۔ جب ایمان کا علی الاطلاق ذکر ہوگا تو مذکورہ امور اس میں داخل ہوں گے۔ اسی طرح جب اسلام کا علی الاطلاق ذکر کیا جائے گا تو ایمان بھی اس کے اندر داخل ہوگا۔ جب ایمان اور اسلام کو مقرون اور ایک ساتھ ذکر کیا جائے گا تب ایمان' قلب کے اقرار و تصدیق کا نام اور اسلام' اعمالِ ظاہرہ کا نام ہوگا۔ اور اسی طرح جب ایمان اور اعمال صالحہ کو جمع کیا جائے گا (تو یہی اصول ہوگا)

ارشاد فرمایا: ﴿قُوْلُوْٓا﴾ یعنی اپنی زبان سے کہو اور تمہارے دل تمہارے اس قول کی موافقت کرتے ہوں۔ یہی وہ کامل قول ہے جس پر ثواب اور جزا مرتب ہوتے ہیں، پس جیسے قلبی اعتقاد کے بغیر محض زبان سے ایمان کا اظہار نفاق اور کفر ہے۔ اسی طرح وہ قول' جو عمل سے عاری ہو' عملِ قلب ہے جو تاثیر سے محروم اور بہت کم مفید ہے تاہم اگر یہ قول کوئی بھلائی کی بات ہو اور اس کے ساتھ ساتھ دل میں ایمان بھی موجود ہو تو بندۂ مومن کو اس پر اجر ملتا ہے۔ لیکن مجرد قول اور اس قول کے درمیان فرق ہے جو عملِ قلب کے ساتھ مقرون ہو۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ قُوْلُوْٓا ﴾ میں عقیدے کے اعلان واظہار اور اس کی طرف دعوت دینے کا اشارہ ہے کیونکہ عقیدہ دین کی اصل اور اس کی اساس ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ اٰمَنَّا ﴾ وغیرہ میں جس میں فعل کا صادر ہونا مذکور ہو اور تمام امت کی طرف منسوب ہو اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تمام امت پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو اکٹھے ہو کر مضبوطی سے پکڑے رکھے ایک دوسرے کے ساتھ محبت والفت سے رہے، یہاں تک کہ ان کا داعی ایک اور ان کا عمل متحد ہو۔ اسی سے افتراق اور تشتت کی ممانعت بھی نکلتی ہے۔ نیز اس آیت کریمہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تمام اہل ایمان جسدِ واحد کی مانند ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ﴾ میں اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کے لیے اپنے نفس کی طرف ایمان کی اضافت کرنا جائز ہے مگر مقید طور پر بلکہ اس اضافت کے وجوب کی دلیل ہے۔ اس کے برعکس (اَنَـــا مُـؤمِـنٌ) ''میں مومن ہوں'' کہنے کا معاملہ ہے، تو اس طرح کہنا صرف ان شاء اللہ کے ساتھ جائز ہے۔ کیونکہ یہ اپنے آپ کو پاک کہنے اور اپنے آپ پر ایمان کی شہادت کے زمرے میں آتا ہے۔

﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ﴾ یعنی ہم اس حقیقت پر ایمان لائے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ وہ ایک ہے وہ ہر صفت کمال سے متصف اور ہر نقص اور عیب سے منزہ ہے۔ تمام عبادات کا اکیلا وہی مستحق ہے۔ ان عبادات میں کسی بھی پہلو سے کوئی بھی ہستی اس کی شریک نہیں۔

﴿ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا ﴾ اس میں قرآن اور سنت دونوں شامل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (النساء: ٤/ ١١٣) ''اور اللہ نے تجھ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی''۔ اس میں ان تمام چیزوں پر ایمان لانا داخل ہے جو کتاب وسنت میں ذکر کی گئی ہیں مثلاً باری تعالیٰ کی صفات، انبیاء ومرسلین کی صفات، روز قیامت، گزرے ہوئے اور آنے والے غیبی امور نیز تمام شرعی احکام اور ثواب وعقاب کے احکام پر ایمان لانا۔

﴿ وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ .... وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾

اس آیت کریمہ میں عمومی طور ان تمام کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے جو سابقہ انبیاء ومرسلین پر نازل کی گئی ہیں۔ اور خصوصی طور پر ان انبیاء ومرسلین پر ایمان لانا، جو کہ اس آیت کریمہ میں منصوص ہیں ان کے شرف وتکریم کے باعث اور اس سبب سے کہ وہ بڑی بڑی شریعتیں لے کر دنیا میں تشریف لائے۔ پس انبیائے کرام اور کتب سابقہ پر ایمان لانے میں جو چیز واجب ہے وہ یہ ہے کہ ان پر عمومی طور پر ایمان لایا جائے۔ پھر جس چیز کی تفصیل کی معرفت حاصل ہو جائے اس پر مفصل ایمان لایا جائے۔

﴿ وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ﴾ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ دین کا عطیہ ہی دراصل حقیقی عطیہ ہے جو انسان کو دنیاوی اور اخروی سعادت کی منزل تک پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ ہم انبیائے کرام کی حکومتوں اور ان کو عطا کیے گئے مال ومتاع وغیرہ پر ایمان لائیں۔ بلکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان کو عطا کی گئی کتابوں اور شریعتوں پر ایمان لائیں۔

اس آیتِ کریمہ میں یہ بات بھی واضح ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے (دین) پہنچانے والے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے مابین دین پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ حقیقت میں وہ کسی اختیار کے مالک نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ مِنْ رَّبِّهِمْ ﴾ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے کمال ربوبیت کی بنا پر ان پر کتابیں نازل کیں اور ان کی طرف رسول مبعوث کیے ہیں۔ پس اس کی ربوبیت یہ تقاضا نہیں کرتی کہ انسانوں کو بیکار اور بے مہار چھوڑ دیا جائے۔ جب صورت یہ ہے کہ جو کچھ انبیائے کرام علیہم السلام کو عطا کیا گیا وہ ان کے رب کی طرف سے ہے۔ تو اس سے انبیائے کرام علیہم السلام اور نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کے درمیان فرق کیا گیا ہے۔ نیز انبیائے کرام علیہم السلام اور مدعیان نبوت کے درمیان فرق ان کی دعوت کی معرفت حاصل کرنے سے بھی کیا جا سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول صرف بھلائی کی دعوت دیتے ہیں اور صرف برائی سے روکتے ہیں۔ ان میں ہر رسول دوسرے رسول کی تصدیق کرتا اور اس کے لیے حق کی گواہی دیتا ہے۔ ان کی دعوت میں تناقض اور ایک دوسرے کی مخالفت نہیں ہوتی کیونکہ ان کی دعوت ان کے رب کی طرف سے ہوتی ہے۔ ﴿ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾ (النساء: ۴/ ۸۲) ''اور اگر یہ (قرآن) غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلافات پاتے''۔

اس کے برعکس جو کوئی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس قسم کے جھوٹے نبیوں کی دی ہوئی خبروں اور ان کے اوامر و نواہی میں ضرور تناقض ہوتا ہے جیسا کہ اس قسم کے تمام جھوٹے مدعیانِ نبوت کی سیرت، ان کے احوال اور ان کی دعوت کی معرفت حاصل کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

﴿ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾ یعنی ہم تمام انبیا پر (بلاتفریق) ایمان لاتے ہیں۔ یہ اہل اسلام کی ایک ایسی خاصیت ہے، جس کی بنا پر وہ ان تمام لوگوں میں منفرد ہیں جو کسی (آسمانی) دین کا دعویٰ کرتے ہیں۔

پس یہود ونصاریٰ اور صابی وغیرہ اگرچہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ انبیا و رسل اور کتب منزلہ پر ایمان رکھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے علاوہ دیگر کتب کا انکار کرتے ہیں۔ پس وہ انبیاء ومرسلین اور کتب منزلہ کے مابین تفریق کرتے ہیں، ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور کچھ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کی

تکذیب خود ان کی تصدیق کو توڑ دیتی ہے۔ کیونکہ وہ رسول جس کے بارے میں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لائے ہیں اس نے تمام رسولوں کی تصدیق کی ہوتی ہے۔ خاص طور پر محمد مصطفیٰ ﷺ کی۔ پس جب وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں تو درحقیقت وہ اپنے رسول کی دی ہوئی خبر کی تکذیب کرتے ہیں اور یہ ان کا اپنے رسول کے ساتھ کفر ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو بیان کر دیا جن پر عمومی اور خصوصی طور پر ایمان لانا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ قول، عمل سے کفایت نہیں کرتا، تو فرمایا: ﴿ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾ یعنی ہم اس کی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ ہم اپنے ظاہر و باطن سے اس کی عبودیت کے لیے اس کی طاعت کرتے ہیں اور ہم اس کی عبادت کو صرف اسی کے لیے خالص کرتے ہیں اور اس مفہوم کے لیے دلیل یہ ہے کہ معمول کو عامل پر مقدم رکھا ہے۔ ﴿ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾ میں (لَهٗ) معمول ہے اور (مُسْلِمُوْن) عامل ہے۔ (اس انداز بیان سے اختصاص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔)

یہ آیت کریمہ اپنے ایجاز و اختصار کے باوجود توحید کی تینوں اقسام پر مشتمل ہے۔ وہ ہیں توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید اسماء و صفات۔

یہ آیت کریمہ تمام انبیاء و رسل علیہم السلام اور تمام کتابوں پر ایمان لانے پر مشتمل ہے۔

یہ آیت کریمہ عموم کے بعد اس تخصیص پر مشتمل ہے جو فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔

یہ آیت کریمہ دل، زبان اور جوارح کی تصدیق اور اخلاص للہ پر مشتمل ہے۔

یہ آیت کریمہ سچے انبیاء و رسل اور جھوٹے مدعیان نبوت کے مابین فرق و امتیاز کو شامل ہے۔

یہ آیت باری تعالیٰ کی اپنے بندوں کے لیے اس تعلیم پر مشتمل ہے کہ وہ (اپنے ایمان کا) کیسے اظہار کیا کریں، نیز اس کی رحمت اور بندوں پر اس کے احسان کو شامل ہے جو اس نے ان کو دینی نعمتوں سے نواز کر کیا، یہ نعمتیں انہیں دنیاوی اور اخروی سعادت کی منزل پر پہنچاتی ہیں۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی کتاب کو ایسا جامع بنایا کہ اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور اہل ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ

پس اگر وہ ایمان لائیں ساتھ اس چیز کے کہ ایمان لائے تم ساتھ اسکے، تو یقیناً وہ ہدایت یافتہ ہو گئے اور اگر وہ اعراض کریں تو وہی ہیں

فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ؕ ﴿۱۳۷﴾

مخالفت میں، سو ضرور کفایت کرے گا آپکو ان سے اللہ، اور وہی ہے خوب سننے والا خوب جاننے والا○

یعنی اے اہل ایمان! اگر اہل کتاب اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم تمام انبیاء و مرسلین علیہم السلام اور تمام کتابوں پر ایمان لائے ہو، جن میں سب سے پہلے اور سب سے اولیٰ ہستی جس پر ایمان لایا جائے، حضرت محمد

مصطفیٰ خاتم الانبیاء ﷺ ہیں جو تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن ہے۔ اور انہوں نے اللہ وحدہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کی۔ ﴿ فَقَدِ اهْتَدَوْا ﴾ تو ان کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی مل گئی جو نعمتوں والی جنت تک پہنچانے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے اس ایمان کے بغیر ہدایت تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں۔ اس ہدایت کا راستہ وہ نہیں جو وہ دعویٰ کرتے ہیں۔ ﴿ كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ﴾ یعنی یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو تم راہ راست پالو گے پس وہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ ہدایت تو صرف وہی ہے جس پر وہ عمل پیرا ہیں۔

اور (اَلْهُدٰى) ''ہدایت'' نام ہے حق کو جاننے اور اس پر عمل کرنے کا اور اس کی ضد علم سے محرومی اور علم کے بعد عملی گمراہی ہے اور یہی وہ شقاق (دشمنی اور مخالفت) ہے جس پر وہ قائم تھے' کیونکہ وہ پیٹھ پھیر کر روگردانی کر رہے تھے۔ پس مبتلائے شقاق وہ شخص ہے جو ایک طرف ہوتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول دوسری طرف۔ اس شقاق (مخالفت) سے دشمنی اور انتہا درجے کی عداوت لازم آتی ہے جس کے لوازمات میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ عداوت میں مبتلا لوگ رسول کو اذیت دینے میں اپنی پوری کوشش صرف کرتے ہیں۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے وعدہ کیا کہ وہ دشمنوں کے مقابلے میں ان کے لیے کافی ہے کیونکہ وہ لوگوں کے اختلاف زبان اور ان کی متنوع حاجات وضروریات کے باوجود سب کی آوازیں سنتا ہے۔ جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہو وہ سب جانتا ہے۔ غائب اور شاہد' ظاہر اور باطن سب اس کے دائرۂ علم میں ہیں۔ پس جب بات اس طرح ہے تو ان کے شر کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ تیرے لیے کافی ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کر دکھایا' آپ کو ان پر غلبہ اور تسلط عطا کیا یہاں تک کہ ان میں سے بعض لوگوں کو قتل کیا' بعض کو قیدی اور غلام بنا لیا گیا اور بعض کو جلاوطن کر کے انہیں پوری طرح تتر بتر کر دیا گیا۔

اس آیت کریمہ میں قرآن کے معجزات میں سے ایک معجزے کی طرف اشارہ ہے اور وہ ہے کسی چیز کے واقع ہونے سے قبل اس کے وقوع کے بارے میں خبر دینا پھر اس کا عین دی ہوئی خبر کے مطابق واقع ہونا۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

(اختیار کرو) رنگ اللہ کا' اور کون زیادہ اچھا ہے اللہ سے رنگ میں؟ اور ہم اسی کے عبادت گذار ہیں ○

یعنی اللہ کا رنگ اختیار کر لو' اللہ کے رنگ سے مراد اللہ کا دین ہے' اس کے تمام ظاہری' باطنی اعمال اور تمام اوقات میں اس کے تمام عقائد پر عمل کرو یہاں تک کہ یہ دین تمہارا رنگ اور تمہاری صفات میں سے ایک صفت بن جائے۔ پس جب یہ دین تمہاری صفت بن جائے گا تو یہ تمہارے لیے اس بات کو ضروری کر دے گا کہ تم خوشی'

اختیار اور محبت سے اللہ کے حکموں کے آگے سر تسلیم خم کر دو اور دین تمہاری فطرت اور طبیعت بن جائے گا۔ جیسے کپڑے کو مکمل طور پر رنگ دیا جائے تو یہ رنگ اس کپڑے کی صفت بن جاتا ہے' تب تمہیں دنیاوی اور اخروی سعادت حاصل ہو جائے گی' کیونکہ دین مکارم اخلاق' محاسن اعمال اور بلند مرتبہ امور کو اختیار کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

بنا بریں اللہ تعالیٰ نے بر سبیل تعجب' پاک اور طاہر عقلوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ﴾ یعنی کوئی اور رنگ اللہ کے رنگ سے اچھا نہیں۔ جب تم کوئی ایسی مثال دیکھنا چاہو جو تمہارے سامنے اللہ کے رنگ اور کسی اور رنگ کے مابین فرق کو واضح کرے تو تم کسی چیز کا اس کی ضد کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھو۔

آپ اس بندۂ مومن کو کیسا دیکھتے ہیں جو اپنے رب پر صحیح ایمان رکھتا ہے اور اس ایمان کے ساتھ ساتھ اس کا قلب اپنے رب کے سامنے جھک جاتا ہے اور جوارح اس کی اطاعت کرتے ہیں' پس بندۂ مومن ہر اچھے وصف' خوبصورت فعل' کامل اخلاق اور بلند صفات کے زیور سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے اور گندی صفات' رذیل عادات اور دیگر تمام عیوب سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ پس قول و فعل میں سچائی' صبر' بردباری' پاکبازی' شجاعت' قولی و فعلی احسان' محبت الٰہی' خشیت الٰہی' اللہ کا خوف اور اس سے امید رکھنا' اس کا وصف بن جاتا ہے۔ پس اس کا حال معبود کے لیے اخلاص اور اس کے بندوں کے لیے حسن سلوک ہو جاتا ہے۔ اس کا مقابلہ اس بندے کے ساتھ کیجیے جس نے اپنے رب کا انکار کیا' اس سے منہ موڑ کر مخلوق کی طرف متوجہ ہوا اور کفر' شرک' جھوٹ' خیانت' مکر و فریب' دھوکہ' بدکرداری اور اپنے اقوال و افعال کے ذریعے سے مخلوق کے ساتھ برے سلوک جیسی صفات قبیحہ سے اپنے آپ کو متصف کیا۔ اس بندے میں اپنے معبود کے لیے اخلاص ہے نہ اس کے بندوں کے لیے حسن سلوک کا اہتمام۔

اس سے آپ کے سامنے وہ عظیم فرق ظاہر ہو جاتا ہے جو ان دو بندوں کے درمیان ہے اور آپ پر یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی دوسرا رنگ اللہ کے رنگ سے اچھا نہیں نیز ضمنی طور پر اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جس نے اللہ کے دین کے سوا کوئی اور رنگ اختیار کیا اس سے بدتر کوئی اور رنگ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴾ میں اس رنگ کی توضیح ہے۔ اللہ کا رنگ درحقیقت دو بنیادوں کو قائم کرنا ہے' یعنی اخلاص اور متابعت کیونکہ ''عبادت'' ان تمام اعمال اور ظاہری و باطنی اقوال کا جامع نام ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور وہ ان پر راضی ہے۔ یہ اعمال و اقوال اس وقت تک درست قرار نہیں پاتے جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے رسول کی زبان پر مشروع قرار نہ دیا ہو۔ اخلاص یہ ہے کہ بندۂ مومن ان اعمال میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنا مقصد بنائے۔ پس معمول کو مقدم رکھنا یعنی ''عَابِدُوْنَ لَهٗ'' کی بجائے ''لَهٗ

عَابِدُوْنَ'' کہنا) حصر کا فائدہ دیتا ہے۔

﴿وَنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسم فاعل (عَابِدُوْن) سے موصوف کیا ہے جو ثبات واستقرار پر دلالت کرتا ہے تاکہ یہ لفظ ان کے اس صفت سے متصف ہونے پر دلالت کرے۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ

کہہ دیجئے! کیا جھگڑتے ہو تم ہم سے اللہ کے بارے میں حالانکہ وہ رب ہے ہمارا اور تمہارا اور ہمارے لیے ہیں ہمارے عمل اور تمہارے لیے ہیں

اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾

تمہارے عمل، اور ہم تو اسی کے لیے خالص عمل کرنے والے ہیں ○

(مَحَاجَةٌ) دو یا دو سے زائد افراد کے درمیان اس مباحثہ اور مجادلہ کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق اختلافی مسائل سے ہوتا ہے، ہر فریق اپنے مدمقابل کے خلاف اپنی بات میں کامیابی حاصل کرنا اور مدمقابل کے قول کا ابطال کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے دونوں ہی دلیل قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں مطلوب یہ ہے کہ یہ مباحثہ نہایت احسن طریقے سے ہو۔ قریب ترین راستے کے ذریعے سے گمراہ کو حق کی طرف لوٹایا جائے۔ فریق مخالف کے سامنے دلیل بیان کر کے حق اور باطل کو واضح کر دیا جائے۔ اگر آپ ان مذکورہ امور سے باہر نکل جائیں تو مباحثہ نہیں بلکہ جھگڑا کہلائے گا، یہ ایک مخاصمت ہو گی جس میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی اور اس جھگڑے اور مخاصمت سے برائی جنم لیتی ہے۔

پس اہل کتاب اس زعم باطل میں مبتلا تھے کہ مسلمانوں کی نسبت، وہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہیں۔ یہ ان کا محض دعویٰ تھا جو دلیل اور برہان کا محتاج تھا۔۔۔ جب تمام لوگوں کا رب ایک ہے تمہارا کوئی اور رب نہیں۔ ہم اور تم میں سے ہر شخص کا اپنا اپنا عمل ہے، تو اعمال بجالانے میں ہم اور آپ برابر ہیں۔ پس یہ چیز اس بات کی ہرگز موجب نہیں کہ ہم میں سے کوئی، دوسرے سے زیادہ، اللہ تعالیٰ کے قریب ہے۔ کیونکہ کسی مشترک چیز میں بغیر کسی مؤثر فرق کے تفریق کرنا محض باطل دعویٰ، ایک جیسی دو چیزوں کے مابین تفریق پیدا کرنا اور کھلا انکار حق ہے۔

فضیلت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خالص اعمال کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے اور یہ حالت صرف اہل ایمان کا وصف ہے اور اس سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ اہل ایمان ہی دوسرے لوگوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہیں، اس لیے کہ اخلاص ہی نجات کا راستہ ہے۔ یہی وہ حقیقی اوصاف ہیں جن سے اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطان کے مابین فرق ہوتا ہے جنہیں تمام عقلمند لوگ تسلیم کرتے ہیں اور جاہل منکر حق کے سوا کوئی اس میں نزاع پیدا نہیں کرتا۔

اس آیت کریمہ میں نہایت لطیف طور پر طریق مباحثہ کی طرف راہ نمائی کی گئی ہے۔ نیز یہ کہ تمام امور اس

اصول پر مبنی ہیں کہ دو متماثل اشیاء ایک جیسی ہوتی ہیں اور دو مختلف اشیاء میں فرق ہوتا ہے۔

اَمۡ تَقُوۡلُوۡنَ اِنَّ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَيَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطَ كَانُوۡا
کیا کہتے ہو تم کہ بیشک ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور (اس کی) اولاد' تھے وہ
هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى ‌ؕ قُلۡ ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ ‌ؕ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ
یہودی یا عیسائی؟ کہہ دیجیے! کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے چھپائی
شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ‌ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۴۰﴾
وہ گواہی جو اس کے پاس ہے اللہ کی طرف سے؟ اور نہیں ہے اللہ غافل اس سے جو تم عمل کرتے ہو○

یہ ان کی طرف سے ایک اور دعویٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے بارے میں ایک اور مباحثہ ہے۔ انہوں نے گمان کیا کہ وہ مسلمانوں کی نسبت مذکورہ رسولوں کے زیادہ قریب ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ ءَاَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ اَمِ اللّٰهُ ﴾ ''کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ مَا كَانَ اِبۡرٰهِيۡمُ يَهُوۡدِيًّا وَّلَا نَصۡرَانِيًّا وَّلٰكِنۡ كَانَ حَنِيۡفًا مُّسۡلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ﴾ (آل عمران:٦٧/٣) ''ابراہیم یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ وہ یکسو مسلمان تھے اور وہ مشرکین میں سے بھی نہ تھے''۔ اور وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی یا نصرانی تھے۔ اس بارے میں یا تو وہ سچے اور علم سے بہرہ ور ہیں یا اللہ تعالیٰ زیادہ جاننے والا اور سچا ہے ان دو باتوں میں سے لامحالہ صرف ایک ہی بات صحیح ہے۔

جواب کی صورت مبہم ہے مگر جواب درحقیقت بہت واضح ہے حتیٰ کہ جواب میں یہ بھی کہنے کی ضرورت پیش نہ آئی ''بلکہ اللہ تعالیٰ زیادہ علم رکھنے والا اور زیادہ سچا ہے'' کیونکہ یہ جواب ہر شخص پر واضح ہے۔

مثلاً جب یہ کہا جائے کہ رات زیادہ روشن ہے یا دن؟ آگ زیادہ گرم ہے یا پانی؟ اور شرک زیادہ اچھی چیز ہے یا توحید؟ اور اس قسم کا کوئی اور سوال۔ (اس کا جواب اتنا واضح ہے کہ جواب دینے کی ضرورت نہیں رہتی۔) ایک ادنیٰ سی عقل رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے حتیٰ کہ یہ خود بھی جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء یہودی تھے نہ نصرانی' انہوں نے اس علم اور اس گواہی کو چھپانے کے گناہ کا ارتکاب کیا' لہٰذا ان کا ظلم سب سے بڑا ظلم ہے۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنۡ كَتَمَ شَهَادَةً عِنۡدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ﴾ ''اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اس شہادت کو چھپائے جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے'' پس یہ شہادت جو ان کے پاس تھی' اللہ کی طرف سے ان کے سپرد کی گئی تھی نہ کہ مخلوق کی طرف سے۔ اس لیے اس کی ادائیگی کا اہتمام کرنا ضروری تھا' لیکن انہوں نے اسے چھپایا اور اس کے برعکس باتوں کو ظاہر کیا۔

چنانچہ انہوں نے حق کے چھپانے‘ اسے بیان نہ کرنے اور اظہار باطل اور اس کی طرف دعوت دینے کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ کیا یہ سب سے بڑا ظلم نہیں؟ کیوں نہیں اللہ کی قسم! یہ سب سے بڑا ظلم ہے اس پر انہیں سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ”وہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں“ بلکہ اس نے تمہارے اعمال کو شمار کر کے محفوظ کر لیا ہے اور ان کی جزا بھی محفوظ کی ہوئی ہے۔ پس ان کی جزا بہت بری جزا ہے اور بری ہے جہنم کی آگ‘ جو ظالموں کا ٹھکانا ہے۔

قرآن کریم کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ان آیات کریمہ کے بعد اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کا ذکر کرتا ہے جن میں ان اعمال کا ذکر کیا گیا ہوتا ہے جن پر جزا و سزا مرتب ہوتی ہے پس ان آیات کریمہ کے عقب میں اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کا ذکر کرنا وعدہ و وعید اور ترغیب و ترہیب کا فائدہ دیتا ہے۔ نیز احکام کے عقب میں اسمائے حسنیٰ کا ذکر کرنا اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ امر دینی و جزائی اسمائے حسنیٰ کے آثار اور اس کے موجبات میں سے ہے اور اسمائے حسنیٰ اس امر دینی و جزائی کا تقاضا کرتے ہیں۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ

یہ ایک جماعت ہے‘ تحقیق گزر گئی وہ‘ اسی کے لئے ہے جو کمایا اس نے اور تمہارے لیے ہے جو کمایا تم نے

وَلَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور نہیں سوال کئے جاؤ گے تم اس سے جو تھے وہ عمل کرتے ○

اس کی تفسیر گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا مکرر ذکر اس لیے فرمایا کہ وہ مخلوق سے اپنا تعلق منقطع کر لیں۔ بھروسہ صرف اسی عمل اور اسی صفت پر کرنا چاہیے جس سے انسان خود متصف ہو نہ کہ اپنے اسلاف اور اپنے آباء و اجداد کے اعمال پر کیونکہ اپنے اعمال ہی حقیقی فائدہ دیتے ہیں نہ کہ بڑے انسانوں کی طرف انتساب محض۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

تيسير الكريم الرحمٰن
في تفسير كلام المنان

المعروف

تفسير السعدی (اردو)

فضیلۃ الشیخ عبد الرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

دار السلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارُالسّلام
کتاب وسُنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض * جدہ * شارجہ * لاھور
لندن * ھیوسٹن * نیو یارك
DARUSSALAM

ہیڈ آفس : پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب
فون : 4033962-4043432 (009661) فیکس: 4021659
ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون وفیکس: 4614483

جدہ فون وفیکس : 6807752 الخبر فون: 8692900 فیکس: 8691551
شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان : ① 50 لوئر مال نزد ایم ۔ اے ۔ او کالج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)
فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com
② اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)
ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 6255925 (001 718)
Website: http://www.dar-us-salam.com

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

تیسیر الکریم الرحمن

فی تفسیر کلام المنان

(اردو ترجمہ)

پا رۃ نمبر دو 2

مفسر قرآن: فضیلۃ الشیخ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

تحقیق: عبدالرحمان بن معلا اللویحق حفظہ اللہ

ترجمۃ القرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ترجمۃ التفسیر: پروفیسر طیب شاہین لودھی حفظہ اللہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمانِ الٰہی

وَقَالَ الرَّسُوْلُ
یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

اور رسول (ﷺ روزِ قیامت) فرمائیں گے :
"الٰہی ! یقیناً میری قوم نے اِس قرآن کو پس پُشت ڈال دیا تھا۔"

(الفرقان ۲۵: ۳۰)

فرمانِ نبوی

اِنَّ اللّٰهَ یَرْفَعُ
بِهٰذَا الْكِتٰبِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِهٖ اٰخَرِیْنَ

اللہ تعالیٰ اِس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں
عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں دھکیل دیتا ہے

(صحیح مسلم ، حدیث: ۸۱۷)

پا رۃ نمبر دو 2

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۲	سورۃ البقرۃ (جاری)	174	۱ - ۲ - ۳

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ

عنقریب کہیں گے بیوقوف لوگوں میں سے' کس چیز نے پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو انکے اس قبلے سے کہ تھے وہ اوپر اس کے؟

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾

کہہ دیجئے ! اللہ ہی کے لئے ہے مشرق اور مغرب' ہدایت دیتا ہے وہ جسے چاہتا ہے' طرف سیدھی راہ کی ○

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ

اور (جیسے تمہیں ہدایت دی) اسی طرح بنایا ہم نے تمہیں امت عدل' تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر'

وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ

اور ہو رسول اوپر تمہارے گواہ'

پہلی آیت ایک معجزے' تسلی اور اہل ایمان کے دلوں کو مطمئن کرنے' ایک اعتراض اور تین وجوہ سے اس کے جواب' اعتراض کرنے والے کی صفت اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے کی صفت پر مشتمل ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ عنقریب بیوقوف لوگ اعتراض کریں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے نفس کے مصالح کو نہیں پہچانتے بلکہ انہیں ضائع کر دیتے ہیں اور انہیں نہایت کم قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں یہ یہود و نصاریٰ اور وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی شریعت پر اعتراض کرنے میں ان سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ان کے اعتراض کی بنیاد یہ ہے کہ مسلمان جب تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے ان کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد بھی تقریباً ڈیڑھ سال تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں تھیں جن میں سے بعض کی طرف اللہ تعالیٰ کے اشارے کا تذکرہ عنقریب ہو گا اور کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم بھی اس کی حکمت کا تقاضا تھا۔

پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ بیوقوف لوگ ضرور یہ کہیں گے ﴿مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا﴾ ''ان کو کس چیز نے اس قبلے سے پھیر دیا جس پر وہ تھے'' مراد بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا تھا' یعنی کس چیز نے ان کو بیت المقدس کی طرف منہ کرنے سے پھیر دیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم' اس کی شریعت اور اس کے فضل و احسان پر اعتراض ہے اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کے وقوع کے بارے میں خبر دے کر اہل ایمان کو تسلی دی ہے کہ یہ اعتراض صرف وہی لوگ کریں گے جو بیوقوف' یعنی قلیل العقل اور بردباری و دیانت سے محروم ہوں۔ اس لیے ان کی باتوں کی پروا نہ کرو' کیونکہ ان کا سرچشمہ کلام معلوم ہے۔ عقل مند شخص بیوقوف کے اعتراض کی پروا نہیں کرتا اور نہ اس کی طرف دھیان دیتا ہے۔

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر صرف وہی شخص اعتراض کرتا ہے جو بیوقوف' جاہل اور

عناد رکھتا ہو اور رہا عقل مند اور ہدایت یافتہ مومن تو وہ اپنے رب کے احکام اطاعت اور تسلیم و رضا کے جذبے سے قبول کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب: ٣٦/٣٣) ''کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں کوئی فیصلہ کر دیں تو اس معاملے میں وہ اپنا بھی کوئی اختیار سمجھیں''۔ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (النساء: ٦٥/٤) ''ہرگز نہیں' تیرے رب کی قسم! لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے تنازعات میں تجھے حکم (فیصلہ کرنے والا) نہ بنائیں''۔ نیز فرمایا: ﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ (النور: ٥١/٢٤) ''اہل ایمان کی تو یہ بات ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے' تاکہ اللہ کا رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی''۔

اللہ تعالیٰ کا ان کے لیے ﴿السُّفَهَآءُ﴾ ''بے وقوف'' کا لفظ استعمال کرنا اس بات کے سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ ان کا اعتراض غیر معقول ہے۔ جس کے جواب کی ضرورت ہے نہ اس کی پروا کرنے کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے باوجود اس شبہے کو یوں ہی نہیں چھوڑا' بلکہ اس کا ازالہ فرمایا اور بعض دلوں میں جو اعتراض پیدا ہو سکتا تھا اسے یہ کہہ کر دور فرما دیا۔ ﴿قُلْ﴾ ان کو جواب دیتے ہوئے کہہ دیجیے! ﴿لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ ''مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں' وہ جسے چاہتا ہے' سیدھے راستے کی رہنمائی فرما دیتا ہے۔''

یعنی جب مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور تمام جہات میں سے کوئی جہت بھی اللہ تعالیٰ کی ملکیت سے باہر نہیں اور اس کے باوجود وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور اس قبلہ کی طرف راہ نمائی بھی اسی کی طرف سے ہے' جو ملت ابراہیم کا حصہ ہے۔ پس معترض' تمہارے اس قبلہ کی طرف منہ کر لینے کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہے' کس وجہ سے یہ اعتراض کرتا ہے کہ تم نے ایسی جہت کی طرف رخ کیوں کیا جو اس کی ملکیت نہیں؟ یہ ایک وجہ ہی اس کے حکم کے تسلیم کرنے کو واجب کر دینے والی ہے' تو اس وقت اسے کیوں کر تسلیم نہیں کیا جائے گا' جب کہ تم پر یہ اللہ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے تمہیں اس کی ہدایت نصیب فرمائی۔ پس تم پر اعتراض کرنے والا دراصل اللہ کے فضل پر اعتراض کر رہا ہے' محض تم پر حسد اور ظلم کا ارتکاب کرتے ہوئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ مطلق ہے اور مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ہدایت اور گمراہی کے کچھ اسباب ہیں جن کا موجب اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کا عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایک سے زیادہ مقامات پر ہدایت کے اسباب بیان کیے ہیں' بندہ جب ان اسباب کو اختیار کرتا ہے' تو اسے ہدایت حاصل ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ

﴿السَّلٰمِ﴾ (المائدہ: ٥/ ١٦) ’’اس کے ذریعے سے اللہ اپنی رضا کی پیروی کرنے والوں کو سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے‘‘۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس سبب کا ذکر فرمایا ہے جو اس امت کے لیے ہدایت کی تمام انواع کی طرف راہنمائی کا موجب ہے۔

اس امت پر یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اسے امت وسط بنایا۔ فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا﴾ ’’اور اس طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا۔‘‘ یعنی معتدل اور بہترین امت ’’وسط‘‘ کے علاوہ اور اطراف خطرے کی زد میں ہیں اللہ تعالیٰ نے دین کے ہر معاملے میں اس امت کو معتدل امت بنایا ہے۔ انبیاء کرام کے ساتھ عقیدت کے حوالے سے بھی امت مسلمہ کو ان امتوں کے مابین معتدل امت بنایا ہے جو انبیاء ﷺ کے بارے میں غلو سے کام لیتے ہیں جیسے عیسائی ہیں اور انبیاء ﷺ کے ساتھ ظلم و جفا کرنے والوں کے مابین بھی اسے معتدل امت بنایا کہ وہ سب پر اس طرح ایمان لائے جو ان کی شان کے لائق ہے۔ جب کہ یہودیوں نے انبیاء ﷺ کی توہین و تنقیص کی۔ امت مسلمہ شریعت کے اعتبار سے بھی امت وسط ہے اس میں نہ تو یہودیوں کی شریعت کی سی سختی اور بوجھ ہے اور نہ عیسائیوں کی سی نرمی اور لاپروائی۔ طہارت اور مطعومات کے باب میں بھی۔ نہ یہودیوں کی طرح (سختی ہے) جن کے ہاں ان کی عبادت گاہ اور کنیسہ کے سوا کہیں نماز نہیں ہوتی۔ پانی ان کو نجاستوں سے پاک نہیں کرسکتا۔ سزا کے طور پر ان پر طیبات حرام ٹھہرادی گئیں اور نہ نصاریٰ کی مانند (نرمی ہے) کہ وہ کسی چیز کو نجس ہی نہیں مانتے اور نہ ان کے ہاں کوئی چیز حرام ہے بلکہ انہوں نے ہر چیز کو حلال ٹھہرا لیا ہے، بلکہ اہل ایمان کی طہارت کامل ترین طہارت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے ہر قسم کی طیب و طاہر مطعومات، مشروبات، ملبوسات اور پاک عورتیں مباح ٹھہرادی ہیں اور تمام خبائث ان کے لیے حرام قرار دے دیے۔ بنابریں اس امت کا دین سب سے کامل، اس کے اخلاق سب سے اچھے اور اس کے اعمال سب سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو علم و حلم اور عدل و احسان سے جس طرح نوازا ہے، اس طرح ان کے علاوہ کسی اور امت کو یہ چیزیں عطا نہیں کیں۔ اس لیے وہ ﴿اُمَّةً وَّسَطًا﴾ ’’امت وسط‘‘ یعنی کامل اور معتدل امت کہلانے کی مستحق ہے۔ ﴿شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ تاکہ وہ اپنی عدالت اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کے سبب سے لوگوں پر گواہ ہوں اور وہ تمام اہل ادیان کے لوگوں سے متعلق فیصلے کریں اور ان کی بابت دوسرے فیصلے نہ کریں۔

پس جس چیز کی بابت یہ امت قبولیت کی شہادت دے، وہی مقبول اور جسے رد کرنے کی گواہی دے، وہ مردود ہے۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ دوسروں کے بارے میں ان کا فیصلہ کیسے قابل قبول ہے حالانکہ تنازع میں دونوں ایک دوسرے کے مخالف فریق ہیں اور فریقین کا قول ایک دوسرے کے خلاف قابل قبول نہیں ہوتا؟ اس کا جواب

یہ ہے کہ کسی تنازع میں فریقین کا قول ایک دوسرے کے خلاف وجود تہمت کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہوتا مگر جب تہمت کا شائبہ ختم ہو جائے اور عدالت کامل حاصل ہو جائے' جیسا کہ یہ امت عدالت کامل کی حامل ہے۔ مقصد تو حق اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا ہے اور اس کی شرط علم و عدل ہے اور یہ دونوں چیزیں اس امت میں موجود ہیں۔ اس لیے اس امت کا قول قابل قبول ہے۔

اگر کوئی شک کرنے والا اس امت کی فضیلت میں شک کرے اور اس کے لیے تزکیہ کرنے والے کا مطالبہ کرے' تو اس کا تزکیہ کرنے والے اس امت کے نبی (ﷺ) تمام مخلوقات میں ایک کامل ترین ہستی ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ﴾ ''اور رسول تم پر گواہ ہوگا'' اس امت کی دوسری قوموں پر گواہی اس طرح ہوگی کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ انبیاء و مرسلین سے ان کی تبلیغ کے بارے میں سوال کرے گا اور ان کی امتیں اس تبلیغ کی تکذیب کریں گی اور کہیں گی کہ انبیاء و مرسلین نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ہم تک نہیں پہنچایا' تو انبیائے کرام ﷉ اس امت سے گواہی لیں گے اور ان کا نبی ان کا تزکیہ کرے گا۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ امت مسلمہ کا اجماع قطعی حجت اور دلیل ہے' کیونکہ یہ امت (مجموعی طور پر) ﴿ وَسَطًا ﴾ ''امت وسط'' کے اطلاق کی بنا پر خطا سے معصوم ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ امت مسلمہ خطا پر متفق ہو سکتی ہے تو یہ ''امت وسط'' نہ رہے گی۔ سوائے چند امور کے۔ ﴿ لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ﴾ ''تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔'' اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تقاضا کرتا ہے کہ جب وہ کسی فیصلہ کے متعلق گواہی دے دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال قرار دیا ہے یا اس کو حرام قرار دیا ہے یا اسے واجب کیا ہے' تو یہ درست ہے اس لیے کہ یہ امت اس بارے میں معصوم ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ فیصلہ کرنے' گواہی دینے اور فتویٰ وغیرہ دینے کے لیے عدالت شرط ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ

اور نہیں بنایا ہم نے اس قبلے کو کہ تھے آپ اوپر اس کے' مگر تاکہ جان لیں ہم اس شخص کو جو اتباع کرے گا رسول کا' اس سے جو

يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا

پھر جائے گا اوپر اپنی دو ایڑیوں کے' اور بلاشبہ یہ (بات) بڑی بھاری ہے' مگر اوپر ان کے جن کو ہدایت دی اللہ نے' اور نہیں

كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٤٣﴾

ہے اللہ کہ ضائع کر دے ایمان تمہارا' بیشک اللہ ہے لوگوں پر بہت شفیق بڑا مہربان ○

﴿ إِلَّا ﴾ یعنی اسلام کے ابتدائی دنوں میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے حکم سے مقصود یہ تھا

﴿لِنَعۡلَمَ﴾ ''تا کہ ہم جان لیں''، یعنی ایسا جاننا جس سے ثواب ① وعقاب متعلق ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ تمام امور کو ان کے

① مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ''ایسا علم جس سے ثواب وعقاب متعلق ہے'' ایک مبہم عبارت ہے جو وضاحت کی محتاج ہے ہم ائمہ تفسیر امام نسفی، امام ابو السعود، امام ابن کثیر اور امام ابو حیان رحمہم اللہ نے جو کچھ اپنی تفاسیر میں بیان کیا ہے یہاں ذکر کرتے ہیں پس ہم کہتے ہیں کہ (لنعلم) کا مطلب ہے، تا کہ ہم اتباع کرنے والے اور منہ موڑنے والے کے درمیان امتیاز کر سکیں اور رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کے سامنے ان کا حال منکشف ہو جائے، جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿حَتّٰی یَمِیۡزَ الۡخَبِیۡثَ مِنَ الطَّیِّبِ﴾ (آل عمران: ۱۷۹/۳) ''حتیٰ کہ پاک میں سے ناپاک ممیز ہو جائے'' پس اللہ تعالیٰ نے ''علم'' کو ''تمییز'' کی جگہ میں استعمال کیا ہے، کیونکہ علم ہی سے تمیز ہوتی ہے اور وہی تمییز کا سبب ہے۔ لہذا سبب یعنی علم کا اطلاق کر کے مسبب یعنی تمییز مراد لی گئی ہے۔ ہمارے اس موقف کی تائید ایک قراءت سے بھی ہوتی ہے (لِیُعۡلَمَ) یعنی ''نون'' کی بجائے ''یا'' اور صیغہ مجہول کے ساتھ۔ (تا کہ جان لیا جائے) اللہ تعالیٰ نے بندوں کے علم کو اپنی طرف اسناد کیا ہے، کیونکہ وہ اس کے خاص بندے ہیں، یا یہ ملاطفت خطاب ہے، مثلاً آپ اس شخص سے جو سونے کے پگھلنے کا منکر ہے، کہتے ہیں ''ہم سونے کو آگ میں ڈالتے ہیں، تا کہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ آیا سونا پگھلتا ہے یا نہیں''۔

البحر المحیط میں علامہ ابو حیان رحمہ اللہ رقم طراز ہیں ''اللہ تعالیٰ کے ارشاد (لِنَعۡلَمَ) میں اس علم سے مراد ابتدائے علم ہے (یعنی پہلے سے ہی ہمیں معلوم تھا) اس کا ظاہر معنی مراد نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم کا حادث ہونا محال ہے۔ (یعنی یہ ناممکن ہے کہ پہلے اللہ کے علم میں نہ ہو اور بعد میں اسے معلوم ہو) چنانچہ تاویل کرتے ہوئے مضاف کو محذوف مانا جائے گا۔ تب آیت کا مفہوم یہ ہوگا ''تا کہ ہمارا رسول اور اہل ایمان جان لیں'' ان کے علم کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ نبی ﷺ اور اہل ایمان اس کے مقرب بندے ہیں تب اس کا شمار مجاز حذف میں ہوگا یا علم کا اطلاق تمییز پر کیا گیا ہے کیونکہ علم ہی کی بنا پر تمیز ہوتی ہے۔ یعنی ''تا کہ ہم اتباع کرنے والے اور منہ موڑنے والے کے درمیان امتیاز کر لیں'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿حَتّٰی یَمِیۡزَ الۡخَبِیۡثَ مِنَ الطَّیِّبِ﴾ (آل عمران: ۱۷۹/۳) ''حتیٰ کہ پاک میں سے ناپاک ممیز ہو جائے'' اور اس طرح اس کا شمار اطلاق سبب کے مجاز میں سے ہوگا اور مراد اس سے مسبب ہوگا۔ یہ تاویل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔۔۔ یا اس سے ان کی اطاعت یا معصیت کے وقت اللہ تعالیٰ کے علم کا ذکر مراد ہے، کیونکہ اس وقت کے ساتھ ہی اس علم کا تعلق ثواب وعقاب سے ہوگا، یا یہاں مستقبل سے ماضی مراد لیا ہے۔ تب مفہوم یہ ہوگا ''جب ہم نے جان لیا کہ رسول کی اتباع کون کرتا ہے اور اس کی مخالفت کون کرتا ہے''۔ (ملخصاً)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں یہ معنی بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے اور یہ معنی بنایا ہے ''تا کہ اہل ایمان جان لیں اور کمزور ایمان والے لوگوں کا حال منکشف ہو جائے'' ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اے محمد ﷺ! ہم نے تیرے لیے پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کیا تھا پھر ہم نے تجھے کعبہ کی طرف پھیر دیا، تا کہ ان لوگوں کا حال ظاہر ہو جائے جو تیری اتباع کرتے ہیں، تیری اطاعت کرتے ہیں اور تیرے ساتھ مل کر قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں اور ان لوگوں کا حال ظاہر ہو جائے جو الٹے پاؤں پھر جاتے ہیں۔

(حاشیہ: از محمد زہری النجار، من علمائے ازہر)

وجود میں آنے سے قبل جانتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے کامل عدل اور اپنے بندوں پر حجت قائم کرنے کی بنا پر اس علم کے ساتھ ثواب اور عقاب کا تعلق نہیں' بلکہ جب ان کے اعمال وجود میں آتے ہیں تب ان پر ثواب و عقاب مرتب ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے یہ قبلہ صرف اس لیے مشروع کیا ہے' تاکہ ہم جان لیں اور آزمالیں ﴿مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ﴾ ''کون رسول کی اتباع کرتا ہے۔'' یعنی کون اس رسول پر ایمان لا کر ہر حال میں اس کی پیروی کرتا ہے' کیونکہ وہ بندہ مامور اور اللہ تعالیٰ کے دست تدبیر کے تحت ہے۔ نیز کتب سابقہ نے خبر دی ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ کعبہ کو قبلہ بنائیں گے پس صاحب انصاف جس کا مقصود و مطلوب محض حق ہے' اس سے اس کے ایمان اور اطاعت رسول میں اضافہ ہوتا ہے۔ رہا وہ شخص جو الٹے پاؤں پھر گیا اور اس نے حق سے روگردانی کی اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی تو اس کا کفر بڑھتا جاتا ہے اور اس کی حیرت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور وہ شبہات پر مبنی باطل دلیل پیش کرتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

﴿وَاِنْ كَانَتْ﴾ ''اور بلاشبہ یہ بات۔'' یعنی (عام لوگوں کے لیے) آپ کا بیت المقدس سے منہ پھیرنا ﴿لَكَبِيْرَةً﴾ ''بہت شاق ہے'' ﴿اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ﴾ ''سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ نے ہدایت دی'' اور انہوں نے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان لیا' وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہوئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا اقرار کیا کہ اس نے ان کا رخ اس عظیم گھر کی طرف پھیر دیا جسے اس نے روئے زمین کے تمام خطوں پر فضیلت عطا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کا قصد کرنے کو ارکان اسلام میں سے ایک رکن اور گناہوں کو مٹانے والا بنایا ہے' اسی لیے اہل ایمان پر اس کا ماننا آسان ہو گیا اور ان کے سوا دیگر لوگوں پر رخ کی تبدیلی بہت شاق گزری۔ ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ ''اور اللہ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو یونہی ضائع کر دے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے مناسب ہے نہ یہ اس کی ذات اقدس کے لائق ہے (کہ وہ تمہارے ایمان کو ضائع کرے) بلکہ ایسا کرنا تو اس پر ممتنع (ناممکن) ہے' پس اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ تمہارے ایمان کو ضائع کرنا اس کی ذات اقدس پر ممتنع اور محال ہے۔ یہ ان لوگوں کے لیے بہت بڑی بشارت ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام اور ایمان سے نوازکر ان پر احسان کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی حفاظت کرے گا اسے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔

اللہ کا ایمان کی حفاظت کرنا دو طرح سے ہے:

(۱) ان کو ہر فساد' ایمان میں نقص پیدا کرنے والی تکلیف دہ آزمائشوں اور ایمان سے روکنے والی خواہش نفس سے بچا کر ان کے ایمان کو ضائع اور باطل ہونے سے محفوظ رکھنا۔

(۲) ایمان کی نشوونما کے لیے ان کو ایسے اعمال کی توفیق عطا کرنا جن سے ان کے ایمان میں اضافہ اور یقین کامل حاصل ہوتا ہے۔ پس ابتدائی طور پر جس طرح اس نے ایمان کی طرف تمہاری راہ نمائی کی' اسی طرح وہ تمہارے ایمان کی حفاظت کرے گا۔ اس کو اور اس کے اجر و ثواب کو نشوونما دے کر اپنی نعمت کا

اہتمام کرے گا اور ایمان کو مکدر کرنے والے ہر عمل سے اس کی حفاظت کرے گا' بلکہ جب ایسی آزمائشیں آئیں جن سے مقصود سچے مومن کو جھوٹے دعوے دار سے الگ کرنا ہو' تو یہ آزمائشیں مومنوں کو کھرا ثابت اور ان کی سچائی کو ظاہر کر دیتی ہیں۔

گویا اس آیت میں اس بات سے احتراز (بچاؤ) ہے جو کہی جا سکتی تھی کہ اللہ کا قول ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَن يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّن يَنقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ﴾ کبھی کبھی بعض مومنوں کے لیے ترک ایمان کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس وہم کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ﴾ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس امتحان یا دیگر کسی آزمائش کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا۔ اس آیت کریمہ میں وہ تمام اہل ایمان بھی شامل ہیں جو تحویل قبلہ سے پہلے وفات پا چکے تھے' اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا' کیونکہ انہوں نے اپنے وقت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت یہی ہے کہ ہر وقت اس کے حکم کی پیروی کی جائے۔ اس آیت کریمہ میں اہل سنت والجماعت کے اس مذہب کی دلیل ہے کہ ایمان میں اعمال جوارح داخل ہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ ''اللہ تو لوگوں پر بڑا مہربان اور صاحب رحمت ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ان پر بہت زیادہ رحمت و رأفت کرنے والا ہے۔ یہ اس کی عظیم رحمت و رأفت ہے کہ اس نے اہل ایمان کو نعمت ایمان عطا کر کے اس نعمت کو مکمل کیا اور ان کو ان لوگوں سے علیحدہ کر دیا جو ایمان کا صرف زبانی دعویٰ کرتے تھے۔ ان کے دل ایمان سے خالی تھے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان لیا جس کے ذریعے سے ان کے ایمان میں اضافہ اور ان کے درجات بلند کیے اور سب سے زیادہ عزت و شرف کے حامل گھر کی طرف ان کا رخ موڑ دیا۔

قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا ۚ فَوَلِّ

تحقیق ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا آپکے چہرے کا آسمان کی طرف سو ہم البتہ ضرور پھیر دیں گے آپکو اس قبلے کی طرف کہ پسند کرتے ہیں آپ اسکو پس پھیر لیں آپ

وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۗ

اپنا چہرہ طرف مسجد حرام کی' اور جہاں کہیں بھی ہو تم' تو پھیر لو اپنے چہرے اس کی طرف'

وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّهِمْ ۗ

اور بلاشبہ وہ لوگ جو دیے گئے کتاب' وہ یقیناً جانتے ہیں کہ بیشک وہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے'

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿١٤٤﴾

اور نہیں ہے اللہ غافل اس سے جو وہ عمل کرتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ﴾ ''ہم تمہارا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں۔'' یعنی ہم آپ کو دیکھتے ہیں کہ آپ استقبال کعبہ کے بارے میں نزول

وحی کے شوق اور انتظار میں اپنا منہ تمام جہات میں کثرت سے پھیرتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے ﴿ وَجْهِكَ ﴾ ارشاد فرمایا ہے (بصرک) نہیں، کیونکہ اس سے نبی ﷺ کے فکر وغم کی زیادتی کو بیان کرنا مقصود ہے، نیز چہرہ پھیرنا نظر پھیرنے کو بھی شامل ہے۔ ﴿ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ ﴾ ''سو ہم آپ کو پھیر دیں گے۔'' یعنی چونکہ ہم آپ کے سرپرست اور مددگار ہیں اس لیے ہم ضرور آپ کا منہ پھیر دیں گے ﴿ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ﴾ ''اس قبلہ کی طرف جس کو آپ پسند کرتے ہیں۔'' یعنی ہم آپ کا منہ اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں اور وہ ہے کعبہ شریف۔ اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کے شرف وفضیلت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پسندیدہ امر کے مطابق حکم نازل کرنے میں جلدی فرمائی۔ اس کے بعد اللہ نے آپ کو استقبال کعبہ کا صراحتاً حکم فرمایا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ ''پس اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف موڑ لیں'' (وَجْهٌ) سے مراد انسان کے بدن کے سامنے کا حصہ ہے۔ فرمایا: ﴿ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ ﴾ ''اور تم جہاں کہیں بھی ہو'' یعنی بحر و بر، مشرق و مغرب اور شمال و جنوب جہاں کہیں بھی ہو ﴿ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ﴾ ''پس اپنے چہروں کو اس جہت کی طرف پھیر لو''۔ اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ تمام نمازوں میں، خواہ فرض ہوں یا نفل اگر عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ممکن ہو تو اس کی طرف منہ کرنا فرض ہے ورنہ اس کی طرف اور جہت میں منہ کر لینا کافی ہے۔ اور یہ کہ نماز کے اندر بدن کے ساتھ ادھر ادھر التفات کرنا نماز کو باطل کرنے والا عمل ہے، کیونکہ کسی چیز کی بابت حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی ضد ممنوع ہے۔

گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب وغیرہ میں سے اعتراض کرنے والوں کا ذکر کیا ہے وہاں ان کے اعتراض کا جواب بھی دیا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اہل کتاب اور ان کے اہل علم جانتے ہیں کہ آپ اس معاملے میں واضح حق پر ہیں، کیونکہ انہیں اپنی کتابوں میں اس نبی کی نشانیاں ملتی ہیں۔ اس لیے وہ عناد اور سرکشی کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں۔ پس جب وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے مبتلائے غم ہیں تو تم ان کے اعتراضات کی پروا نہ کرو۔ اس لیے کہ انسان کو صرف اس اعتراض کرنے والے کا اعتراض غم میں ڈالتا ہے، جب معاملہ مشتبہ ہو اور اس کا امکان ہو کہ صواب (صحیح بات) اس کے ساتھ ہو۔

لیکن جب یہ یقین ہو جائے کہ حق وصواب اس شخص کے ساتھ ہے جس پر اعتراض کیا جا رہا ہے اور اعتراض کرنے والا محض عناد سے کام لے رہا ہے اور اسے یہ بھی علم ہے کہ معترض کا اعتراض باطل ہے تو اسے پروا نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اسے انتظار کرنا چاہیے کہ معترض کو دنیاوی اور اخروی عقوبت کا ضرور سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اللہ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں'' بلکہ وہ ان کے اعمال کو محفوظ کرتا ہے اور ان کو ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ اس آیت کریمہ میں اعتراض کرنے والوں کے لیے

وعید اور اہل ایمان کے لیے تسلی ہے۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَ مَآ اَنْتَ

اور البتہ اگر لے آئیں آپ ان لوگوں کے پاس جو دیئے گئے کتاب' ہر قسم کی نشانی' تب بھی وہ نہیں پیروی کریں گے آپ کے قبلے کی' اور نہ آپ

بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَ مَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ

پیروی کرنے والے ہیں انکے قبلے کی اور نہ بعض انکا پیروی کرنے والا ہے بعض کے قبلے کی اور البتہ اگر پیروی کی آپ نے انکی خواہشات کی'

مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

بعد اس کے جو آ گیا آپ کے پاس علم' تو یقیناً آپ اس وقت ہو جائیں گے ظالموں میں سے ○

نبی اکرم ﷺ مخلوقات کی ہدایت کی بہت تمنا اور آرزو کیا کرتے تھے اور ان کی نہایت درجہ خیر خواہی کرتے تھے۔ نرمی اور پیار سے انہیں ہدایت کی راہ پر لانے کی کوششیں کیا کرتے تھے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت نہیں کرتے' تو یہ امر آپ کو نہایت غمگین کر دیتا تھا۔ پس کافروں میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے اللہ کے حکم کے مقابلے میں سرتابی اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ کے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے ساتھ تکبر سے پیش آئے اور جان بوجھ کر ظلم و عدوان کی بنا پر ہدایت کو چھوڑ دیا۔ انہی میں سے پہلے اہل کتاب' یعنی یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کا جہالت کی بنا پر نہیں' بلکہ یہ یقین رکھتے ہوئے انکار کیا کہ آپ نبی ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو آگاہ فرمایا: ﴿لَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ﴾ ''اگر آپ ان اہل کتاب کے پاس تمام نشانیاں بھی لے کر آئیں۔'' یعنی اگر آپ ان کے سامنے ہر قسم کی دلیل اور برہان پیش کر دیں جو آپ کی بات اور دعوت کو واضح کر دیں ﴿مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ﴾ ''تو بھی یہ آپ کے قبلے کی پیروی نہ کریں گے۔'' یعنی تب بھی وہ آپ کی اتباع نہیں کریں گے' کیونکہ قبلہ کی طرف منہ کرنا درحقیقت آپ کی اتباع کی دلیل ہے اور اس لیے کہ اصل سبب قبلے کا معاملہ ہے اور معاملہ واقعی ایسا ہے' کیونکہ وہ حق کے ساتھ عناد رکھتے ہیں انہوں نے حق کو پہچانا اور اسے چھوڑ دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے صرف وہی شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جو حق کا متلاشی ہو اور حق اس پر مشتبہ ہو گیا ہو' تب یہ آیات بینات اس پر حق کو واضح کر دیتی ہیں اور جو کوئی اس بات پر اڑ جاتا ہے کہ وہ حق کی اتباع نہیں کرے گا تو اسے حق کی طرف لانے کی کوئی صورت نہیں۔

نیز ان میں آپس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے۔ یہ سب کچھ ہوتے ہوئے اے محمد! (ﷺ) یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کرتے' کیونکہ وہ دشمن اور حاسد ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ﴾ (وَلَا تَتَّبِعْ) سے زیادہ بلیغ ہے' کیونکہ یہ لفظ اس بات کو متضمن ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کی مخالفت سے متصف ہیں' پس آپ سے اس کا وقوع ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ

نے یہ نہیں فرمایا (وَلَوْ اَتَوْا بِكُلِّ آيَة) کیونکہ ان کے پاس اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل ہی نہیں۔

اسی طرح جب یقینی دلائل و براہین سے حق واضح ہو جاتا ہے، تو اس پر وارد شبہات کا جواب دینا لازم نہیں، کیونکہ ان شبہات کی تو کوئی حد نہیں اور ان کا بطلان واضح ہے، کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ جو چیز واضح حق کے منافی ہو وہ باطل ہوتی ہے۔ تب شبہ کو حل کرنا تبرع کے زمرے میں آئے گا۔ (یعنی بغیر ضرورت کے محض خوشی سے شبہات کا ازالہ کرنا) ﴿وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ﴾ ''اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی'' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے (اھوانھم) ''ان کی خواہشات'' کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس کی بجائے (دینھم) ''ان کا دین'' کا لفظ استعمال نہیں کیا، کیونکہ وہ محض اپنی خواہشات نفس کی پیروی کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ وہ خود بھی یہ جانتے تھے کہ یہ دین نہیں ہے۔ اور جو کوئی دین کو چھوڑ دیتا ہے وہ لامحالہ خواہشات نفس کی پیروی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَفَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ﴾ (الجاثیہ : ٢٣/٤٥) ''بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے؟''

﴿مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ ''اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے۔'' یعنی یہ جان لینے کے بعد کہ آپ حق پر اور وہ باطل پر ہیں ﴿اِنَّكَ اِذًا﴾ ''تب آپ'' یعنی اگر آپ نے ان کی اتباع کی، یہ احتراز ہے، تاکہ یہ جملہ اپنے ماقبل جملے سے علیحدہ نہ رہے، خواہ وہ افہام ہی میں کیوں نہ ہو۔ ﴿لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔'' یعنی آپ کا شمار ظالموں میں ہوگا اور اس شخص کے ظلم سے بڑھ کر کون سا ظلم ہے جس نے حق اور باطل کو پہچان کر باطل کو حق پر ترجیح دی۔ یہ خطاب اگرچہ رسول اللہ ﷺ سے ہے تاہم آپ کی امت اس میں داخل ہے نیز اگر رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ کام کیا ہوتا، حاشا وکلا آپ سے یہ ممکن نہیں تھا، تو آپ بھی اپنے بلند مرتبہ اور نیکیوں کی کثرت کے باوجود ظالموں میں شمار ہوتے تب آپ کے علاوہ کوئی دوسرا تو بطریق اولیٰ بڑا ظالم ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ

وہ لوگ کہ دی ہم نے ان کو کتاب، وہ پہچانتے ہیں اس (رسول) کو جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بے شک ایک فریق ان میں سے

لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿١٤٦﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ

البتہ وہ چھپاتا ہے حق کو، حالانکہ وہ جانتا ہے ○ (یہ) حق ہے آپ کے رب کی طرف سے

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿١٤٧﴾ ع

پس ہرگز نہ ہوں آپ شک کرنے والوں میں سے ○

اللہ تعالیٰ آگاہ کرتا ہے کہ اہل کتاب کو معلوم ہے اور ان کے ہاں یہ بات متحقق ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے

رسول ہیں۔ جو کتاب آپ لے کر مبعوث ہوئے ہیں وہ حق اور سچ ہے اور انہیں اس بات کا پورا پورا یقین ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح انہیں اپنے بیٹوں کے بارے میں یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ ان کے بیٹے ہیں اور اس کی بابت انہیں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ پس محمد مصطفیٰ ﷺ کی پہچان ان کے ہاں اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی، مگر اس کے باوجود ان میں سے ایک فریق جو تعداد میں زیادہ تھا۔ اس نے آپ کا انکار کیا اور آپ کے بارے میں یقینی شہادت کو چھپالیا۔ درآں حالیکہ وہ جانتے تھے۔ فرمایا: ﴿وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ﴾ (البقرہ: ١٤٠) ''اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اس گواہی کو چھپائے جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے'' اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کے لیے تسلی اور ان کو اہل کتاب کے شر اور شبہات سے بچنے کی تلقین ہے۔ البتہ ان میں سے کچھ ایسے لوگ تھے جنہوں نے جانتے بوجھتے حق کو نہیں چھپایا۔ پس ان میں سے بعض آپ پر ایمان لے آئے اور بعض نے محض جہالت کی بنا پر آپ کا انکار کر دیا۔ پس صاحب علم اپنے علم کے مطابق جس قدر دلیل دینے اور تعبیر کرنے پر قادر ہے اس پر اسی قدر حق کا اظہار کرنا اس کو بیان کرنا اور اس کو مزین کرنا فرض ہے اور اسی قدر باطل کا ابطال کرنا، حق سے اس کو علیحدہ کرنا اور ہر ممکن طریقے سے نفوس کے سامنے اس کی برائی نمایاں کرنا اس پر لازم ہے۔ لیکن اس حق کو چھپانے والوں نے اس کے برعکس رویہ اختیار کیا، لہٰذا ان کے احوال بھی اس کے برعکس ہو گئے۔

﴿اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ﴾ ''یہ حق آپ کے رب کی طرف سے ہے۔'' یعنی یہ حق، جو ہر چیز سے زیادہ حق کہلانے کا مستحق ہے، کیونکہ یہ مطالب عالیہ، اچھے احکام اور تزکیہ نفوس پر مشتمل ہے، نیز نفوس کے لیے ان کے مصالح کے حصول اور ان سے مفاسد کو دور کرنے کا باعث ہے۔ اس لیے کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے صادر ہوا ہے اور یہ منجملہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کی تربیت ہے کہ اس نے آپ پر یہ قرآن نازل فرمایا جس میں نفوس وعقول کی تربیت اور تمام مصالح ہیں ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ ''پس آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔'' یعنی اس حق کے بارے میں آپ کو معمولی سے شک وشبہ میں بھی مبتلا نہیں ہونا چاہیے، بلکہ اس حق میں غور و فکر کیجیے یہاں تک کہ آپ یقین کی منزل کو پہنچ جائیں، کیونکہ حق میں غور و فکر لامحالہ شک کو دور کر کے یقین کی منزل پر پہنچاتا ہے۔

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ۭ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ

اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے وہ (منہ) پھیرنے والا ہے اسکی طرف، پس تم سبقت کرو نیکیوں میں، جہاں کہیں تم ہو گے لے آئے گا تم کو اللہ

جَمِيْعًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ١٤٨

سب کو، تحقیق اللہ اوپر ہر چیز کے خوب قادر ہے ○

یعنی ہر ملت اور ہر دین والوں کے لیے ایک جہت مقرر ہے وہ اپنی عبادت میں اس کی طرف منہ کرتے ہیں۔

استقبال قبلہ کوئی بڑا معاملہ نہیں' اس لیے کہ یہ ان شریعتوں میں سے ہے جو احوال و زمان کے بدلنے کے ساتھ بدلتی رہی ہیں' اس میں نسخ اور ایک جہت سے دوسری جہت میں منتقل ہونا بھی داخل ہے' لیکن اصل اور اہم معاملہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت' اس کا تقرب اور اس کے قرب میں حصول درجات ہے یہی سعادت کا عنوان اور ولایت کا منشور ہے۔ یہی وہ وصف ہے کہ اگر نفوس اس سے متصف نہ ہوں تو دنیا و آخرت کے خسارے میں پڑ جاتے ہیں جیسے اگر نفوس اپنے آپ کو اس وصف سے متصف کر لیں تو یہی حقیقی منافع ہے۔ تمام شریعتوں میں یہ متفق علیہ امر ہے۔ اسی کی خاطر اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو تخلیق کیا اور اسی کا اللہ تعالیٰ نے سب کو حکم دیا۔

نیکیوں کی طرف سبقت کرنے کا حکم' نیکی کرنے کے حکم پر ایک قدر زائد ہے' کیونکہ نیکیوں کی طرف سبقت' نیکیوں کے کرنے' ان کی تکمیل' کامل ترین احوال میں ان کو واقع کرنے اور نہایت سرعت سے ان کی طرف بڑھنے کو متضمن ہے۔ جو کوئی اس دنیا میں نیکیوں کی طرف سبقت کرتا ہے وہ آخرت میں جنت کی طرف سبقت لے جائے گا پس سابقون (سبقت کرنے والے) تمام مخلوق میں بلند ترین درجے پر فائز ہوں گے۔

اور نیکیوں کا لفظ تمام فرائض' نماز' نوافل' روزے' زکوٰۃ' حج وعمرہ' جہاد اور لوگوں کو نفع پہنچانے وغیرہ کو شامل ہے۔ جب بات یہ ہے کہ سب سے طاقتور داعیہ جو نفوس کو نیکیوں میں مسابقت و مسارعت پر آمادہ کرتا ہے اور انہیں نشاط عطا کرتا ہے' وہ ثواب ہے جو اللہ تعالیٰ ان نیکیوں پر عطا کرتا ہے' تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ﴿ اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِیْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ ''تم جہاں کہیں بھی ہو گے' اللہ تم سب کو لے آئے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے'' وہ قیامت کے روز اپنی قدرت سے تمہیں اکٹھا کرے گا۔ پھر ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَسَآءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی ﴾ (النجم : ۳۱/۵۳) ''تاکہ جن لوگوں نے برے کام کیے ہیں ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اور جنہوں نے نیک کام کیے ہیں ان کو نیک بدلہ دے''۔

اس آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ ہر اس فضیلت کو اختیار کرنا چاہئے جس سے کوئی عمل متصف ہو سکتا ہے' مثلاً اول وقت پر نماز ادا کرنا' روزے' حج' عمرہ اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے فوری طور پر بری الذمہ ہونا۔ تمام عبادات کی سنن و آداب کو پوری طرح ادا کرنا۔ پس کتنی جامع اور کتنی نفع مند آیت ہے۔

وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ

اور جہاں سے نکلیں آپ' تو پھیر لیں اپنا چہرہ جانب مسجد حرام کی' اور بلاشبہ وہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَیْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ

اور نہیں ہے اللہ غافل اس سے جو تم عمل کرتے ہو ۝ اور جہاں سے آپ نکلیں تو پھیر لیں اپنا چہرہ

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ

جانب مسجد حرام کی' اور جہاں کہیں بھی ہو تم' تو پھیر لو اپنے چہرے اس کی جانب' تاکہ نہ رہے

لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ڎ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ۤ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۤ

لوگوں کے لیے تمہارے خلاف کوئی حجت' سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم کیا ان میں سے' پس نہ ڈرو تم ان سے اور ڈرو مجھ سے'

وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۙ۝١٥٠

اور تاکہ پوری کروں میں اپنی نعمت اوپر تمہارے اور شاید کہ تم ہدایت پاؤ○

﴿ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ ﴾ ''جہاں سے بھی آپ نکلیں'' یعنی اپنے سفر وغیرہ میں۔ یہ عموم کے لیے ہے ﴿ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ﴾ ''پس اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں''۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام امت کو عمومی طور پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ﴾ ''اور تم جہاں بھی ہو' تو اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرلو۔'' فرمایا: ﴿ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ 'اور یہ یقیناً آپ کے رب کی طرف سے حق ہے'' اللہ تعالیٰ نے (اِنَّ) اور (لام) استعمال کر کے اس کو موکد کر دیا ہے' تاکہ اس میں کسی کے لیے ادنیٰ سے شک وشبہ کی گنجائش نہ رہے اور کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ یہ محض خواہش ہے اس میں اطاعت مطلوب نہیں۔ ﴿ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے'' بلکہ وہ تمہیں تمہارے تمام احوال میں دیکھ رہا ہے۔ اس لیے اس کا ادب کرو اور اس سے ڈرتے ہوئے اس کے اوامر پر عمل کرو اور اس کی نواہی سے اجتناب کرو' کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں بلکہ تمہارے اعمال کی کامل جزا دی جائے گی۔ اگر اچھے اعمال ہیں تو اچھی جزا ہوگی اور اگر برے اعمال ہیں تو ان کی جزا بری ہوگی۔

﴿ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ﴾ ''اس لیے کہ لوگ تم کو کسی طرح کا الزام نہ دے سکیں۔'' یعنی ہم نے تمہارے لیے کعبہ شریف کو اس لیے قبلہ قرار دیا ہے' تاکہ اہل کتاب اور مشرکین عرب کے لیے تم پر کوئی حجت نہ رہے' کیونکہ اگر بیت المقدس کو قبلہ کے طور پر باقی رکھا ہوتا تو یہ استقبال کعبہ کے خلاف حجت ہوتی' کیونکہ اہل کتاب اپنی کتاب میں پڑھتے ہیں کہ نبی آخر الزمان ﷺ کا مستقل قبلہ' کعبہ یعنی بیت الحرام ہوگا اور مشرکین مکہ سمجھتے تھے کہ یہ عظیم گھر ان کے مفاخر میں شمار ہوتا ہے اور یہ ملت ابراہیم کا مرکز ہے اور جب رسول اللہ ﷺ کعبہ شریف کو قبلہ نہیں بنائیں گے تو مشرکین کے پاس آپ کے خلاف حجت ہوگی۔ وہ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) ملت ابراہیم پر ہونے کا کیسے دعویٰ کرتا ہے جبکہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہوتے ہوئے بھی بیت اللہ کو قبلہ نہیں بنایا۔ پس بیت اللہ کو قبلہ بنانے سے اہل کتاب اور مشرکین دونوں پر حجت قائم ہوگئی اور آپ پر وہ جو حجت قائم کر سکتے تھے' وہ منقطع ہوگئی۔

﴿ اِلَّا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ﴾ "مگر ان میں سے جو ظالم ہیں۔" یعنی ان میں جو کوئی دلیل دیتا ہے وہ اس بارے میں ظلم کا ارتکاب کرتا ہے اس کے پاس کوئی سند اور کوئی دلیل نہیں سوائے ظلم اور خواہشات نفس کی پیروی کے' لہذا آپ کے خلاف حجت قائم کرنے کی کوئی راہ نہیں۔ اسی طرح اس شبہ کی پروا کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں جسے یہ لوگ حجت کے طور پر وارد کرتے ہیں۔ اس کی طرف دھیان ہی نہ دیا جائے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَلَا تَخْشَوْهُمْ ﴾ "تم ان سے مت ڈرو" کیونکہ ان کی حجت باطل ہے اور باطل اپنے نام کی مانند بے کار اور فاسد ہے۔ باطل اور باطل پرست مدد اور تائید سے محروم ہیں۔ صاحب حق کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ حق کا رعب اور عزت ہے۔ حق جس کے ساتھ ہے وہ اس کی خشیت کا موجب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی خشیت کا حکم دیا ہے جو ہر بھلائی کی بنیاد ہے۔ پس جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ اس کی نافرمانی سے نہیں بچ سکتا اور نہ اس کی اطاعت کر سکتا ہے۔

مسلمانوں نے بیت اللہ کو قبلہ بنایا تو اس سے انہیں بہت بڑے فتنے کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کی اہل کتاب' منافقین اور مشرکین نے خوب خوب اشاعت کی اور اس بارے میں انہوں نے اعتراضات اور شبہات کی بھرمار کر دی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نہایت بسط و شرح اور کامل طریقے سے اس مسئلہ کو بیان کیا ہے اور مختلف قسم کی تاکیدات سے اس کو موکد کیا جو ان آیات کریمہ میں بیان ہوئی ہیں' مثلاً

(۱) استقبال کعبہ کا تین مرتبہ حکم دیا گیا ہے جبکہ صرف ایک ہی مرتبہ کافی تھا۔

(۲) اس میں خصوصی بات یہ ہے کہ حکم یا تو رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے اور امت اس میں داخل ہے یا یہ حکم امت کے لیے عام ہے۔ اس آیت کریمہ میں خصوصی طور پر صرف رسول اللہ ﷺ کو استقبال کعبہ کا حکم دیا گیا ﴿ فَوَلِّ وَجْهَكَ ﴾ اور امت کو اس آیت میں استقبال کعبہ کا حکم دیا گیا ﴿ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ ﴾

(۳) اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں ان تمام باطل دلائل کا رد کیا ہے جو کہ معاندین نے پیش کئے تھے اور ایک ایک شبہ کا ابطال کیا۔ جیسا کہ اس کی توضیح گزشتہ سطور میں گزر چکی ہے۔

(۴) اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت امیدوں کو ختم کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ اہل کتاب کے قبلے کی پیروی کریں گے۔

(۵) اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ﴿ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ ایک عظیم سچے شخص کا خبر دینا ہی کافی ہوتا ہے مگر بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ﴾ "یہ یقیناً آپ کے رب کی طرف سے حق ہے۔"

(۶) اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا' اور وہ عالم الغیب ہے' کہ اہل کتاب کے ہاں استقبال کعبہ کے معاملہ کی صحت متحقق ہے مگر یہ لوگ علم رکھنے کے باوجود اس گواہی کو چھپاتے ہیں۔

جب بیت اللہ شریف کی طرف تحویل قبلہ ایک عظیم نعمت ہے اور اس امت پر اللہ تعالیٰ کا بے پایاں لطف و کرم ہے جو بڑھتا ہی رہتا ہے۔ علاوہ ازیں جب بھی اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے لیے کوئی کام مشروع کرتا ہے تو یہ ایک عظیم

نعمت ہوتی ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِیۡ عَلَیۡکُمۡ﴾ یہ تحویل کا حکم اس لیے دیا گیا ہے ”تاکہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں“۔ اصل نعمت تو دین کی ہدایت ہے جو وہ اپنا رسول بھیج کر اور اپنی کتاب نازل کر کے عطا کرتا ہے اس کے بعد دیگر تمام نعمتیں اس نعمت کی تکمیل کرتی ہیں۔ یہ نعمتیں اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا حصر وشمار ممکن نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لے کر اس دنیائے فانی سے آپ کی رحلت تک اللہ تعالیٰ ان نعمتوں سے نوازتا رہا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو احوال اور نعمتیں عطا کیں اور اس نے آپ کی امت کو وہ کچھ دیا جس سے آپ پر اور آپ کی امت پر اتمام نعمت ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ آپ پر نازل فرمائی ﴿اَلۡیَوۡمَ اَکۡمَلۡتُ لَکُمۡ دِیۡنَکُمۡ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِیۡ وَرَضِیۡتُ لَکُمُ الۡاِسۡلَامَ دِیۡنًا﴾ (المائدہ : ۵/۳) ”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا“۔

پس اللہ تعالیٰ ہی اپنے اس فضل و کرم پر حمد وثنا کا مستحق ہے۔ اس فضل و کرم پر اس کا شکر ادا کرنا تو کجا ہم تو اس کو شمار تک نہیں کر سکتے۔ ﴿وَلَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ﴾ ”اور تاکہ تم راہ راست پر چلو“ یعنی شاید کہ تم حق کو جانو اور پھر اس پر عمل کرو۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کرتے ہوئے ہدایت کے اسباب بے حد آسان فرما دیے اور ہدایت کے راستوں پر چلنے کے بارے میں آگاہ فرما دیا اور ان کے لیے اس ہدایت کو پوری طرح واضح کر دیا۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل عناد کو حق کی مخالفت پر مقرر کر دیتا ہے' چنانچہ وہ حق کے بارے میں جھگڑتے ہیں' جس سے حق واضح' حق کی نشانیاں اور علامتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور باطل کا بطلان ثابت ہو جاتا ہے اور یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ باطل کی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر باطل حق کے مقابلے میں کھڑا نہ ہو تو بسا اوقات اکثر مخلوق پر باطل کا حال واضح نہ ہو۔ اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ اگر رات نہ ہوتی تو دن کی فضیلت کا اعتراف نہ ہوتا۔ اگر قبیح اور بدصورت نہ ہو تو خوبصورت کی فضیلت معلوم نہیں ہو سکتی' اگر اندھیرا نہ ہو تو روشنی کے فوائد کو نہیں پہچانا جا سکتا' اگر باطل نہ ہو تو حق واضح طور پر ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ ہی ہر قسم کی تعریف کا مستحق ہے۔

کَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِیۡکُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡکُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیۡکُمۡ وَیُعَلِّمُکُمُ

جس طرح بھیجا ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے وہ تلاوت کرتا ہے تم پر ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور تعلیم دیتا ہے تمہیں

الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَۃَ وَیُعَلِّمُکُمۡ مَّا لَمۡ تَکُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذۡکُرُوۡنِیۡۤ

کتاب اور حکمت کی اور سکھاتا ہے تمہیں وہ (باتیں) جو نہیں تھے تم جانتے ○ پس یاد کرو تم مجھے

اَذۡکُرۡکُمۡ وَاشۡکُرُوۡا لِیۡ وَلَا تَکۡفُرُوۡنِ ﴿۱۵۲﴾

میں یاد کروں گا تمہیں' اور تم شکر کرو میرے لیے اور نہ ناشکری کرو میری ○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے' کعبہ شریف کی طرف تحویل قبلہ کے ذریعے سے ہم نے تمہیں جو نعمت عطا کی اور اس کے اتمام کے لیے شرعی احکام اور دیگر نعمتیں عطا کیں' یہ ہماری طرف سے کوئی انوکھا اور پہلا احسان نہیں' بلکہ ہم نے تمہیں بڑی بڑی نعمتیں عطا کیں اور پھر دیگر نعمتوں کے ذریعے سے ان کی تکمیل کی۔ ان میں سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اس رسول کریم کو مبعوث کیا جو تم ہی میں سے ہے' جس کے حسب و نسب' اس کی صداقت و امانت اور اس کی خیر خواہی کو تم خوب جانتے ہو۔ ﴿ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا ﴾ ''وہ تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے'' اس کے عموم میں آیات قرآنی اور دیگر تمام آیات داخل ہیں۔ (ہمارا) رسول تم پر آیات کی تلاوت کرتا ہے جو باطل میں سے حق کو اور گمراہی میں سے ہدایت کو واضح کرتی ہیں۔ یہ آیات الٰہی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے کمال کی طرف راہنمائی کرتی ہیں پھر اس کے رسول ﷺ کی صداقت' اس پر ایمان کے وجوب اور ان تمام غیبی اور مابعد الموت امور پر ایمان لانے کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں جن کے بارے میں اس نے خبر دی ہے' تاکہ تمہیں ہدایت کامل اور علم یقینی حاصل ہو جائے۔ ﴿ وَيُزَكِّيْكُمْ ﴾ ''اور تمہارا تزکیہ کرتا ہے۔'' یعنی تربیت کے ذریعے سے اخلاق جمیلہ کو اجاگر اور اخلاق رذیلہ کو زائل کر کے تمہارے نفوس اور تمہارے اخلاق کو پاک کرتا ہے' مثلاً شرک سے توحید کی طرف' ریا سے اخلاص کی طرف' جھوٹ سے صدق کی طرف' خیانت سے امانت کی طرف' تکبر سے تواضع کی طرف' بد خلقی سے حسن اخلاق کی طرف' باہم بغض' قطع تعلق اور قطع رحمی سے ایک دوسرے سے محبت' مودت اور صلہ رحمی کی طرف تمہارا تزکیہ کرتا ہے' اس کے علاوہ تزکیہ کی دیگر انواع کے ذریعے سے تمہیں پاک کرتا ہے۔

﴿ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ ﴾ ''اور تمہیں کتاب (قرآن) سکھاتا ہے۔'' یعنی قرآن کے الفاظ و معانی کی تعلیم دیتا ہے ﴿ وَالْحِكْمَةَ ﴾ ''اور حکمت'' ایک قول کے مطابق حکمت سے مراد سنت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حکمت سے مراد اسرار شریعت کی معرفت اور اس کی سمجھ ہے' نیز تمام امور کو ان کے مقام پر رکھنا ہے۔ اس لحاظ سے سنت کی تعلیم کتاب اللہ کی تعلیم میں داخل ہے' کیونکہ سنت قرآن کی تفسیر و توضیح اور اس کی تعبیر کرتی ہے۔ ﴿ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے'' کیونکہ بعثت محمدی سے قبل اہل عرب کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔ ان کے پاس علم تھا نہ عمل۔ پس ہر علم اور عمل جو اس امت کو حاصل ہوا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے توسط اور آپ ہی کے سبب سے حاصل ہوا ہے۔ یہ نعمتیں علی الاطلاق حقیقی نعمتیں ہیں۔ یہ نعمتیں سب سے بڑی نعمتیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نوازتا ہے۔ لہٰذا ان کا وظیفہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کے تقاضوں کی ادائیگی ہونا چاہیے۔

بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ ﴾ ''پس تم مجھے یاد کرو' میں تمہیں یاد کروں گا'' اللہ تعالیٰ نے اپنے ذکر کا حکم دیا ہے اور اس پر بہترین اجر کا وعدہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کا ذکر کرتا

ہے جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے فرمایا "جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں' جو کسی مجلس میں مجھے یاد کرتا ہے میں اسے اس سے بہتر مجلس میں یاد کرتا ہوں[1]۔" سب سے بہتر ذکر وہ ہے جس میں دل اور زبان کی موافقت ہو اور اسی ذکر سے اللہ تعالیٰ کی معرفت' اس کی محبت اور بہت زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اور ذکر الٰہی ہی شکر کی بنیاد ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس کا حکم دیا ہے۔ پھر اس کے بعد شکر کا عمومی حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَاشْكُرُوْا لِيْ﴾ "اور میرا شکر کرو۔" یعنی میں نے جو یہ نعمتیں تمہیں عطا کیں اور مختلف قسم کی تکالیف اور مصائب کو تم سے دور کیا اس پر میرا شکر کرو۔ شکر' دل سے ہوتا ہے' اس کی نعمتوں کا اقرار و اعتراف کرکے۔ زبان سے ہوتا ہے' اس کا ذکر اور حمد و ثنا کر کے' اعضاء سے ہوتا ہے اس کے حکموں کی اطاعت و فرمان برداری اور اس کی منہیات سے اجتناب کر کے۔

پس شکر' موجود نعمت کے باقی رہنے اور مفقود نعمت (مزید نئی نعمتوں) کے حصول کے جذبے کا مظہر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ﴾ (ابراھیم: ۱۴/۷) "اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں اور زیادہ دوں گا"۔ علم' تزکیہ اخلاق اور توفیق عمل جیسی دینی نعمتوں پر شکر کا حکم دینے میں اس حقیقت کا بیان ہے کہ یہ سب سے بڑی نعمتیں ہیں بلکہ یہی حقیقی نعمتیں ہیں جن کو دوام حاصل ہے' جب کہ دیگر نعمتیں زائل ہو جائیں گی۔ ان تمام حضرات کے لیے' جن کو علم و عمل کی توفیق سے نوازا گیا ہے' یہی مناسب ہے کہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں' تاکہ ان پر اللہ تعالیٰ کے فضل کا اضافہ ہو اور ان سے عجب اور خود پسندی دور رہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے شکر میں مشغول رہیں۔

چونکہ شکر کی ضد کفران نعمت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی ضد سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تَكْفُرُوْنِ﴾ "اور کفر نہ کرو" یہاں "کفر" سے مراد وہ رویہ ہے جو شکر کے بالمقابل ہوتا ہے۔ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناشکری' ان کا انکار اور ان نعمتوں کا حق ادا کرنے سے گریز و فرار۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنی عام ہو تب اس لحاظ سے کفر کی بہت سی اقسام ہیں اور ان میں سب سے بڑی قسم اللہ تعالیٰ سے کفر ہے پھر اختلاف اجناس و انواع کے اعتبار سے مختلف معاصی' مثلاً شرک اور اس سے کم تر گناہ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! مدد طلب کرو تم ساتھ صبر اور نماز کے' بے شک اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے O

اللہ تبارک نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ دنیاوی امور میں صبر اور نماز سے مدد لیں۔ پس صبر' نفس کو روکنے اور ان امور سے باز رکھنے کا نام ہے جن کو وہ ناپسند کرتا ہے۔ صبر کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرنا حتیٰ کہ اسے بجالائے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے رکنے پر صبر کرنا یہاں تک کہ وہ اس نافرمانی کو ترک کر دے۔

---

[1] صحیح البخاری' التوحید' باب قول اللہ تعالیٰ ﴿ویحذرکم اللہ نفسہ......﴾' ح:۷۴۰۵

(۳) تکلیف پہنچانے والی اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر پر صبر کرنا اور اس پر ناراضی کا اظہار نہ کرنا۔

صبر سے ہر کام میں زبردست معونت حاصل ہوتی ہے لہذا بے صبرآدمی کے لیے ہرگز ممکن نہیں کہ وہ اپنا مقصد حاصل کر سکے' خاص طور پر دائمی مشقت سے بھرپور نیکیاں' کیونکہ اس قسم کی نیکیاں انتہائی صبر وتحمل اور مشقت کی تلخی برداشت کرنے کی محتاج ہوتی ہیں۔ ان نیکیوں کا مشتاق جب صبر کو لازم پکڑ لیتا ہے تو کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے اور اگر ناپسندیدہ کام اور مشقت اسے صبر پر قائم نہ رکھ سکے تو اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا' صرف محرومی اس کا نصیب ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ گناہ جس کی طرف نفس انسانی کا داعیہ کشش رکھتا ہے اور اس گناہ کا ارتکاب اس کی قدرت میں بھی ہوتا ہے تو اس گناہ کا ترک کرنا صرف صبر عظیم' اللہ تعالیٰ کی خاطر قلب کے دواعی کے ترک کرنے اور اس سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے ہی سے ممکن ہوتا ہے' کیونکہ وہ گناہ بھی ایک بہت بڑا فتنہ ہوتا ہے۔

اسی طرح سخت مصائب اور آزمائشوں میں' خاص طور پر جبکہ یہ مصائب دائمی ہوں تب ان پے در پے مصائب سے جسمانی اور نفسانی قوی کمزور پڑ جاتے ہیں' اگر یہ شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر صبر' توکل' اللہ تعالیٰ کی پناہ کے ذریعے سے اور اپنے آپ کو اللہ کا دائمی محتاج سمجھتے ہوئے ان کا مقابلہ نہیں کرے گا تو ناراضی اور غصہ اس پر غلبہ پا لیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ صبر ایک ایسی چیز ہے جس کا بندہ محتاج بلکہ ہر حالت میں اس کی طرف مجبور ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے صبر کا حکم دیا ہے اور آگاہ کیا ہے کہ وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے' یعنی ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے صبر کو اپنی عادت' وصف اور ملکہ بنالیا ہے۔

تب ان لوگوں پر بڑی بڑی مشقتیں اور مصائب آسان ہو جاتے ہیں' ان پر ہر بڑا کام آسان اور ان سے ہر مشکل دور ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص معیت ہے جو اس کی محبت' اس کی مدد' اس کی نصرت اور اس کے قرب کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ صبر کرنے والوں کی بہت بڑی مدح ومنقبت ہے۔ اگر اہل صبر کی صرف یہی فضیلت ہوتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں کامیابی کی منزل پر پہنچ گئے' تو شرف وفضیلت کے لیے یہی کافی ہے۔ رہی معیت عامہ تو یہ اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت کی معیت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ﴾ (الحدید: ۵۷/ ۴) ''اور تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے'' میں مذکور ہے اور یہ معیت تمام مخلوق کے لیے عام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نماز سے مدد لینے کا حکم دیا ہے' کیونکہ نماز دین کا ستون اور اہل ایمان کا نور ہے۔ نماز بندے اور اس کے رب کے درمیان رابطے کا ایک ذریعہ ہے۔ جب بندۂ مومن کی نماز کامل ہو' اس میں تمام لازمی امور اور سنن جمع ہوں' اس میں حضور قلب' جو نماز کا لب لباب ہے' حاصل ہو تو بندۂ مومن جب نماز میں داخل ہوتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوا ہے اور اپنے رب کے سامنے اس طرح کھڑا ہے جس طرح ایک

مؤدب خادم غلام اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ کہے اور جو کچھ کرے اس کا معنی اور مفہوم اس کے شعور میں حاضر ہو‘ وہ اپنے رب کے ساتھ مناجات اور اس سے دعا مانگنے میں مستغرق ہو‘ تو یقیناً یہ نماز تمام امور میں سب سے بڑی مددگار ہے‘ کیونکہ نماز فواحش اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ یہ حضور قلب جو نماز کے اندر حاصل ہوتا ہے‘ بندے کے قلب میں ایسے وصف اور داعیے کا موجب بنتا ہے جو بندۂ مومن کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب کی طرف دعوت دیتا ہے۔ یہی وہ نماز ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ہر چیز کے مقابلے میں اس سے مدد لیں۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

اور نہ کہو تم انکو جو قتل کر دیے جائیں اللہ کی راہ میں‘ مردے‘ بلکہ (وہ) زندہ ہیں‘ لیکن نہیں شعور رکھتے تم ○

چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام احوال میں صبر سے مدد لینے کا حکم دیا ہے اس لیے اس نے ایک نمونہ ذکر فرمایا ہے جس میں صبر سے مدد لی جاتی ہے اور وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے جو سب سے افضل بدنی عبادت ہے۔ اپنی مشقت کی وجہ سے یہ نفوس انسانی پر سب سے زیادہ گراں گزرتی ہے نیز یہ عبادت نفوس انسانی پر اس لیے بھی گراں ہے کہ اس کا نتیجہ موت اور عدم حیات ہے اور زندگی ایک ایسی چیز ہے کہ لوگ اس دنیا میں زندگی اور اس کے لوازم کے حصول میں رغبت رکھتے ہیں۔ پس ہر وہ چیز جس میں لوگ تصرف کرتے ہیں اس کے حصول کے لیے کوشش کی جاتی ہے اور اس کی ضد کو دور کیا جاتا ہے۔

اور یہ معلوم ہے کہ عقل مند شخص اپنی محبوب چیز کو اس وقت ہی چھوڑتا ہے جب اسے اس سے بڑی اور اس سے بہتر کوئی اور محبوب چیز حاصل ہونے کی امید ہو‘ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس وجہ سے قتل ہو جاتا ہے کہ اس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا‘ تاکہ اللہ کا کلمہ بلند اور اس کا دین غالب ہو اور اس کے سوا اس کی کوئی اور غرض نہ ہو۔ تو وہ اپنی محبوب زندگی کو کھو نہیں دیتا‘ بلکہ اسے اس زندگی سے زیادہ عظیم اور کامل زندگی حاصل ہو جاتی ہے جس کا تم گمان اور تصور کر سکتے ہو۔

پس شہداء وہ ہیں جن کا ذکر یوں آیا ہے ﴿ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (آل عمران : ۳/۱۶۹۔۱۷۱) ’’وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا کیا اس پر وہ خوش ہیں اور جو پیچھے رہ گئے اور (شہید ہو کر) ان کے ساتھ نہ مل سکے ان کے بارے میں خوش ہو رہے ہیں کہ ان پر کوئی خوف ہو گا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔ وہ اللہ کی نعمتوں‘ اس کے فضل اور اس بات پر خوش ہو رہے ہوں گے کہ اللہ

مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا''۔

کیا اس سے بھی بڑی کوئی اور زندگی ہے جو قرب الٰہی' اس کے بدنی رزق' مثلاً لذیذ ماکولات ومشروبات سے تمتع اور روحانی رزق' مثلاً فرحت' خوشی اور عدم حزن وغم کو متضمن ہے؟ یہ برزخی زندگی ہے جو دنیاوی زندگی سے زیادہ کامل ہے' بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اس زندگی کے بارے میں ان الفاظ میں آگاہ فرمایا۔ ''شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے جوف (پیٹ) میں جنت کی نہروں سے پانی پینے کے لیے وارد ہوتی ہیں جنت کے پھل کھاتی ہیں اور ان قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں جو عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہیں[1]''۔

اس آیت میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور اس میں صبر کا دامن پکڑے رکھنے کی بڑی ترغیب ہے۔ پس اگر بندوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہونے کا کتنا ثواب ہے تو کوئی شخص جہاد سے پیچھے نہ رہے مگر کامل علم یقینی کا فقدان' عزائم کو کمزور' نیند میں مدہوش شخص کی نیند میں مزید اضافہ' نیز غنیمتیں اور بہت بڑا ثواب حاصل کرنے سے محروم کر دیتا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کا جان ومال خرید لیا ہے فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ﴾ (التوبہ: ۹/۱۱۱) ''اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں اور اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے' وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں (کافروں کو) قتل کرتے ہیں اور قتل ہو جاتے ہیں۔''

اللہ کی قسم! اگر انسان کو ہزار جانیں عطا کی گئی ہوں اور وہ ایک ایک کر کے سب جانیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دے تب بھی اس اجر عظیم کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں۔ اسی لیے شہداء جب اللہ تعالیٰ کے عنایت کردہ اس بہترین جزا اور ثواب کا مشاہدہ کر لیں گے تو دنیا کی طرف لوٹائے جانے کی تمنا کریں گے' تاکہ وہ اللہ کے راستے میں بار بار قتل ہوں۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ برزخ میں انسان کو آرام اور عذاب ملتا ہے جیسا کہ بکثرت نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ

اور البتہ ہم ضرور آزمائیں گے تم کو کچھ نہ کچھ خوف اور بھوک اور کمی کرنے سے مالوں اور جانوں

وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا

اور پھلوں میں سے' اور خوشخبری دے دیجیے صبر کرنے والوں کو ○ وہ لوگ کہ جب پہنچتی ہے انہیں کوئی مصیبت' تو کہتے ہیں' بلاشبہ ہم

لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ

اللہ ہی کے لئے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ یہی لوگ' انکے لئے بخشش ہے انکے رب کی طرف سے اور رحمت'

[1] صحيح مسلم، الإمارة، باب بيان أن أرواح الشهداء في الجنة...... الخ، حديث: ١٨٨٧ و مسند احمد: ١/٢٦٦

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

اور یہی ہیں ہدایت یافتہ ○

اللہ تبارک وتعالیٰ نے خبر دی کہ وہ اپنے بندوں کو مصائب ومحن کے ذریعے سے آزماتا ہے' تاکہ سچے اور جھوٹے' صابر اور بے صبر کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔ اپنے بندوں کے معاملے میں یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے' کیونکہ اگر اہل ایمان ہمیشہ خوشحالی سے لطف اندوز ہوں انہیں کبھی مصائب ومحن کا سامنا نہ ہو تو فساد واقع ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اہل خیر اہل شر میں سے علیحدہ ہوں۔ یہ آزمائش کا فائدہ ہے۔ اس سے اہل ایمان کا وہ ایمان زائل نہیں ہوتا جو انہیں عطا کیا گیا ہے اور نہ آزمائش انہیں دین سے ہٹاتی ہے' اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ایمان کو ضائع نہیں کرتا۔ پس اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو آزمائے گا ﴿بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ﴾ ''کسی قدر خوف سے'' یعنی دشمنوں کے خوف سے ﴿وَالْجُوْعِ﴾ ''اور بھوک سے'' یعنی بھوک اور دشمنوں کے خوف کے ذریعے سے کچھ نہ کچھ انہیں ضرور آزمائے گا' کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں مکمل بھوک اور خوف میں مبتلا کر دیا تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ اور آزمائش اور امتحان ہلاک کرنے کی غرض سے نہیں آتا' بلکہ اس کا مقصد پاک صاف کرنا ہوتا ہے۔ ﴿وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ﴾ ''اور کچھ مالوں کی کمی سے'' اس میں وہ تمام کمی اور گھاٹا شامل ہے جو اہل ایمان کو آفات سماوی' سیلاب یا سمندر میں غرق ہونے' ظالم حکومتوں کے مال چھین لینے اور راہزن ڈاکوؤں کے ڈاکہ ڈالنے کی وجہ سے پیش آتا ہے۔ ﴿وَالْاَنْفُسِ﴾ ''اور جانوں کی کمی سے'' اولاد' عزیز واقارب اور دوستوں کو فوت کر کے' خود بندۂ مومن یا اس کے کسی عزیز کو بیماری لاحق کر کے ان کو آزماتا ہے۔ ﴿وَالثَّمَرٰتِ﴾ ''اور پھلوں کی کمی سے'' ژالہ باری' سردی' آگ لگنے' آفات سماوی اور ٹڈی دل کے ذریعے سے غلہ جات' کھجوروں' سبزیوں اور تمام پھلدار درختوں کو نقصان پہنچا کر ہم ضرور آزمائیں گے۔ ان تمام آزمائشوں کا آنا ضروری ہے' کیونکہ اللہ علیم وخبیر نے ان کے بارے میں خبر دی ہے اور یہ آزمائشیں اسی طرح واقع ہوئیں۔ جب یہ مصائب ومحن واقع ہوئے' تو لوگ دو اقسام میں منقسم ہو گئے۔ (۱) بے صبری کا مظاہرہ کرنے والے۔ (۲) صبر کرنے والے۔

بے صبر شخص کو دو مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا' محبوب چیز سے محروم ہونا اور وہ اس مصیبت کا وجود ہے۔ دوسرا اس سے بھی زیادہ بڑی چیز سے محروم ہونا' یعنی اللہ تعالیٰ نے صبر کا حکم دیا ہے اس پر عمل کرتے ہوئے ثواب کا حاصل نہ کرنا چنانچہ خسارہ' حرماں نصیبی اور ایمان میں کمی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ وہ صبر' رضا اور شکر سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کے بدلے میں اسے ناراضی حاصل ہوتی ہے جو شدت نقصان پر دلالت کرتی ہے۔

لیکن وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے ان مصائب ومحن کے وقت صبر سے نوازا اور اس نے اپنے آپ کو قولاً اور فعلاً

اللہ پر اظہار برہمی سے رو کے رکھا۔ پھر اس پر اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر وثواب کی امید رکھی اور اسے یہ بھی علم ہے کہ صبر کرنے سے اسے جو ثواب حاصل ہوگا' وہ اس مصیبت کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے جس کا اسے سامنا ہے' بلکہ یہ مصیبت اس کے حق میں نعمت ہے' کیونکہ یہ مصیبت اس کے لیے اس بھلائی اور فائدے کے حصول کا باعث بنی ہے جو اس مصیبت سے زیادہ بہتر ہے۔ پس اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی اور ثواب کا مستحق قرار پایا۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴾ ''اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو۔'' یعنی انہیں خوشخبری سنا دو کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی حساب کے ان کو پورا پورا اجر دے گا۔ پس اہل صبر وہ لوگ ہیں جن کو عظیم بشارت اور بہت بڑے انعام سے نوازا گیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان صابرین کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ﴾ ''وہ لوگ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے'' مصیبت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو قلب' بدن یا دونوں کو تکلیف پہنچائے۔ جس کا ذکر پہلے گزرا۔ ﴿ قَالُوْۤا اِنَّا لِلّٰهِ ﴾ ''تو وہ کہتے ہیں ہم اللہ ہی کی ملکیت ہیں۔'' یعنی وہ پکار اٹھتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں' اسی کے دست تدبیر اور اسی کے تصرف کے تحت ہیں۔ پس ہماری جانوں اور ہمارے مال میں ہمارا کوئی اختیار نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ ہمیں کسی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ' جس کی ذات سب سے زیادہ رحم کرنے والی ہے' درحقیقت اپنے غلاموں اور ان کے مال میں تصرف کرتا ہے اس لیے مالک پر اعتراض کی مجال نہیں' بلکہ بندۂ مومن کا کمال عبودیت اس کا یہ جان لینا ہے کہ اس پر جو مصیبت آن پڑی ہے وہ اس کے حکمت والے مالک کی طرف سے ہے جو اپنے بندے پر خود اس بندے سے زیادہ رحم کرنے والا ہے' تب یہ چیز بندے کو اللہ تعالیٰ پر راضی اور اس کی اس تدبیر پر شکر گزار رکھتی ہے کہ اس نے اپنے بندے کے لیے وہی چیز اختیار کی جو اس کے لیے بہتر تھی' اگرچہ بندے کو اس کا شعور بھی نہ تھا۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ ہم اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں۔ پس قیامت کے روز ہم نے لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس ہی حاضر ہونا ہے۔ اور ہر شخص کو اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا اگر ہم صبر کریں اور اجر کی امید رکھیں' تو ہم اس کے ہاں اپنے اجر وثواب کو وافر پائیں گے اور اگر ہم بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر پر ناراض ہوں گے تو ہمیں ناراضی اور اجر کی محرومی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ پس بندے کا اللہ کی ملکیت ہونا اور اس کا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا صبر کا سب سے طاقتور سبب ہے۔

﴿ اُولٰٓىِٕكَ ﴾ ''یہی لوگ ہیں۔'' یعنی یہی لوگ جو صبر مذکور کی صفت سے موصوف ہیں ﴿ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ ''ان پر برکتیں ہیں ان کے رب کی طرف سے'' یعنی یہ ان کے احوال کی مدح وثنا اور تعریف وتعظیم ہے ﴿ وَ رَحْمَةٌ ﴾ ''اور رحمت'' اور ان پر عظیم رحمت ہے۔ یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حصہ ہے کہ اس نے ان کو

صبر کی توفیق سے نوازا جس کے ذریعے سے وہ کامل اجر حاصل کرتے ہیں۔ ﴿ وَ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴾ ''اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں'' یعنی وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو پہچان لیا اور وہ حق اس مقام پر یہ ہے کہ انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں اور انہیں لوٹ کر اسی کے پاس حاضر ہونا ہے اور اس پر وہ عمل پیرا ہوئے اور یہاں عمل' اللہ تعالیٰ کے لیے ان کا صبر کرنا ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بھی واضح ہے کہ جس نے صبر نہ کیا انہیں وہ کچھ حاصل ہو گا جو صبر کرنے والوں کی ضد ہے' یعنی مذمت' عقوبت' گمراہی اور خسارہ۔ (اعاذنا اللہ منھا) پس دونوں قسموں کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے' اہل صبر کے لیے کتنی کم مشقت اور بے صبروں کے لیے کتنی بڑی تکلیف ہے۔ یہ دونوں آیتیں نفوس کو مصائب کے نازل ہونے سے پہلے ان مصائب کو خوش دلی سے قبول کرنے پر آمادہ کرتی ہیں' تاکہ جب مصائب نازل ہوں' تو وہ آسانی سے برداشت ہو سکیں۔

ان آیات میں اس امر کا بھی بیان ہے کہ جب مصیبت نازل ہو تو کس چیز سے اس کا مقابلہ کیا جائے اور وہ ہے صبر۔ اس چیز کا بھی بیان ہے جو صبر پر مددگار ہوتی ہے' نیز یہ کہ صبر کرنے والوں کے لیے کیا اجر و ثواب ہے۔

ان سے بے صبر لوگوں کا حال بھی واضح ہوتا ہے جو صبر کرنے والوں کے حال کے بالکل برعکس ہے۔

ان آیات کریمہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ ابتلاء و امتحان اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے اور تو اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔ نیز ان آیات کریمہ میں مصائب کی مختلف انواع کا بیان ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَیْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی (عظمت کی) نشانیوں میں سے ہیں' پس جو شخص حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ کرے' تو نہیں کوئی گناہ

عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَیْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۵۸﴾

اس پر یہ کہ طواف کرے وہ ان دونوں کا' اور جو شخص خوشی سے کوئی نیکی کرے' تو بلاشبہ اللہ قدردان، جاننے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے ﴿ اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ ﴾ ''بے شک صفا اور مروہ'' یعنی صفا اور مروہ دو معروف پہاڑیاں ﴿ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِ ﴾ ''اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔'' یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے دین کی ظاہری علامتیں ہیں جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی عبدیت کو جانچتا ہے' اور جب صفا اور مروہ دونوں اللہ تعالیٰ کے شعائر میں شمار ہوتی ہیں' تو اللہ تعالیٰ نے اپنے شعائر کی تعظیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَ مَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآىِٕرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴾ (الحج: ۳۲/۲۲) ''اور جو کوئی اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے تو یہ فعل دلوں کا تقویٰ ہے''۔

دونوں نصوص مجموعی طور پر اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کرنا دلوں کا تقویٰ ہے اور تقویٰ ہر مکلف پر فرض ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صفا و مروہ کی

سعی (دونوں پہاڑیوں کے درمیان دوڑنا) فرض اور حج وعمرہ کا لازمی رکن ہے۔ جیسا کہ جمہور فقہاء کا مسلک ہے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔ آپ نے خود بھی یہ کام کیا اور فرمایا: ﴿خُذُوْا عَنِّی مَنَاسِکَکُمْ﴾ ''اپنے مناسک حج مجھ سے اخذ کرو۔''①

﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ ''پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان کا طواف کرے'' چونکہ جاہلیت کے زمانے میں صفا اور مروہ پر بت نصب تھے جن کی پوجا کی جاتی تھی اس لیے وہم دور کرنے اور مسلمانوں کے رفع حرج کے لیے فرمایا کہ ان کے طواف میں کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو رفع کرنے کے لیے گناہ کی نفی کی ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان کے مابین سعی لازم نہیں۔ نیز حج اور عمرہ میں ان کی سعی میں بطور خاص گناہ کی نفی' اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ حج یا عمرہ کے بغیر صرف ان کی سعی کرنا جائز نہیں۔ بخلاف طواف بیت اللہ کے' کیونکہ وہ حج اور عمرہ کے ساتھ بھی مشروع ہے اور طواف ایک مستقل عبادت بھی ہے (یعنی حج اور عمرے کے بغیر بھی طواف جائز ہے) لیکن صفا اور مروہ کے مابین سعی' عرفہ اور مزدلفہ میں وقوف اور رمی جمار یہ تمام افعال دیگر مناسک حج کے ساتھ کیے جاتے ہیں اگر یہ افعال دیگر مناسک حج کے ساتھ نہ کیے جائیں بلکہ اکیلے کیے جائیں' تو یہ بدعت ہوں گے۔ اس لیے کہ بدعت کی دو اقسام ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی کسی ایسے طریقے سے عبادت کرنا جو اصل میں اس نے مشروع نہیں کی۔

(۲) بدعت کی دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عبادت ایک خاص طریقے پر مشروع کی ہے اور اس کو کسی مختلف طریقے سے کیا جائے۔ مذکورہ بدعات اسی دوسری قسم سے ہوں گی۔

﴿وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا﴾ ''اور جو کوئی نیک کام کرے۔'' یعنی جو کوئی اللہ تعالیٰ کے لیے خلوص کے ساتھ نیکی کا کام کرتا ہے جیسے حج' عمرہ' طواف' نماز اور روزہ وغیرہ نیکی کے کام تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ بندۂ مومن جتنی زیادہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے کمال' اس کی بھلائیوں اور اس کے درجات میں' اس کے ایمان میں اضافے کی وجہ سے اضافہ ہوتا ہے اور نیکیوں میں بھلائی کی قید اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو کوئی نیکی کے طور پر بدعات پر عمل کرتا ہے جن کو اللہ اور اس کے رسول نے مشروع نہیں کیا' اسے محض مشقت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ اس کے لیے خیر نہیں' بلکہ اگر بدعات کا مرتکب ان کی عدم مشروعیت کا علم رکھتے ہوئے جان بوجھ کر اس پر عمل کرتا ہے' تو بسا اوقات یہ اس کے لیے شر بن جاتی ہیں۔ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ﴾ (اَلشَّاكِرُ) اور (اَلشَّكُوْرُ) اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ اَلشَّاكِرُ اور

① صحیح مسلم، الحج' باب استحباب رمي جمرة العقبة.....الخ' حديث: ۱۲۹۷، سنن البيهقي الكبرى: ۱۲۵/۵

اَلشَّکُوْرُ اس ہستی کو کہتے ہیں جو بندوں کے تھوڑے عمل کو بھی قبول کر لیتی ہے اور اس پر بہت بڑا اجر عطا کرتی ہے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتا ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اپنے بندے کی مدد کرتا ہے اس کی مدح وثنا کرتا ہے اور اسے یہ بدلہ دیتا ہے کہ وہ اس کے قلب کو نور اور ایمان سے لبریز کر دیتا ہے اور اس کے بدن میں قوت ونشاط اس کے احوال میں برکت اور نشوونما اور اس کے اعمال میں مزید توفیق عطا کرتا ہے۔ پھر یہ بندۂ مومن آخرت میں جب رب کے پاس حاضر ہوگا تو وہاں اسے وافر اور کامل ثواب ملے گا' مذکورہ دنیاوی جزائیں اس کے اخروی ثواب میں کمی نہیں کریں گی۔

اور اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے کے لیے قدر دانی یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز ترک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اسے اس سے بہتر چیز عطا کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے ایک بالشت قریب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہے' جو ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر اس کے قریب ہوتا ہے' جو چل کر اللہ تعالیٰ کی طرف آتا ہے اللہ تعالیٰ بھاگ کر اس کی طرف بڑھتا ہے' جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کئی گنا منافع سے اسے نوازتا ہے۔

اور باوجود اس بات کے کہ وہ بندوں کے اعمال کا قدردان ہے' وہ یہ بات بھی خوب جانتا ہے کہ کون اپنی نیت' ایمان اور تقویٰ کے مطابق کامل ثواب کا مستحق ہے اور کون اس ثواب کا حق دار نہیں۔ وہ بندوں کے اعمال کا علم رکھتا ہے' پس وہ ان کے اعمال ضائع نہیں کرے گا' بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی نیتوں کے مطابق' جن کو اللہ علیم وحکیم جانتا ہے' ان عملوں کا ثواب پائیں گے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ

بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں انکو جو ہم نے نازل کئے واضح دلائل اور ہدایت کی باتیں' بعد اسکے کہ ہم نے کھول کر بیان کر دیا انکو

لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ

لوگوں کے لیے کتاب میں' یہی لوگ ہیں' لعنت کرتا ہے ان پر اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے ○ مگر وہ لوگ جنہوں نے

تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾

توبہ کی اور (اپنی) اصلاح کر لی اور کھول کر بیان کیا تو یہی لوگ ہیں متوجہ ہوتا ہوں میں ان پر اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہوں ○

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر ہی تھے' تو یہی لوگ ہیں' ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ

اور لوگوں کی سب کی ○ ہمیشہ رہیں گے وہ اس (لعنت) میں' نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾

عذاب اور نہ وہ مہلت ہی دیئے جائیں گے ○

یہ آیت کریمہ اگرچہ اہل کتاب کے بارے میں اور اس کی بابت نازل ہوئی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صفات کو چھپایا مگر اس کا حکم ہر اس شخص کے لیے عام ہے جو ان حقائق کو چھپاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں ﴿مِنَ الْبَيِّنٰتِ﴾ "دلائل" یعنی حق پر دلالت کرنے والی اور اس کو ظاہر کرنے والی باتیں ﴿وَالْهُدٰى﴾ ھُدٰی وہ علم ہے جس کے ذریعے سے صراط مستقیم کی طرف راہنمائی حاصل کی جاتی ہے اور جس سے اہل جنت اور اہل جہنم کے راستوں میں فرق واضح ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل علم سے وعدہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتاب اللہ کا جو علم عطا کیا ہے اسے لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور اسے ہرگز نہیں چھپائیں گے۔ پس جس نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو دور پھینک دیا اس نے دو مفاسد کو جمع کر دیا۔

(اول) اس حق کو چھپانا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ (ثانی) اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ دھوکہ کرنا ﴿أُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ﴾ "ایسے ہی لوگوں پر اللہ لعنت کرتا ہے۔" یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ دھتکار دے گا اور انہیں اپنی قربت اور رحمت سے دور کر دے گا ﴿وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ﴾ "اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔" یعنی ان پر تمام مخلوق کی بھی لعنت پڑے گی' کیونکہ انہوں نے مخلوق الٰہی کے ساتھ دھوکہ کیا' ان کے دین کو برباد کیا' انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کیا اس لیے انہیں ان کے اعمال کی جنس سے بدلہ دیا جائے گا۔ جیسے لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے والے پر اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتا ہے' فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں' یہاں تک کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی اس کے لیے رحمت کی دعا کرتی ہیں' کیونکہ اس کی تمام بھاگ دوڑ اور کوشش مخلوق کی بھلائی اور ان کے دین کی اصلاح اور ان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ لہٰذا اسے اس کے عمل کی جنس سے بدلہ دیا گیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حق کو چھپانے والا در حقیقت اللہ کے حکم کا مخالف اور اللہ سے دشمنی کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو لوگوں کے سامنے اپنی آیات کو واضح کر کے بیان کرتا ہے اور یہ شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کو چھپانے اور مٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ پس مذکورہ سخت وعید کا مورد یہی شخص ہے۔

﴿إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا﴾ "مگر جنہوں نے توبہ کی" یعنی جو ندامت کے ساتھ گناہ چھوڑ کر اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے ﴿وَأَصْلَحُوْا﴾ "اور اپنی حالت درست کر لی۔" یعنی اپنے فاسد عملوں کی اصلاح کر لی۔ پس صرف برے کام کا چھوڑ دینا ہی کافی نہیں' اس کی جگہ اچھے کام کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔ کتمان حق کے مرتکب کے لیے بھی صرف یہی کافی نہیں کہ اس نے یہ گناہ چھوڑ دیا ہے' بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس حق کو بھی ظاہر کرے جس کو اس نے چھپایا تھا۔ پس یہی وہ شخص ہے جس کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے۔

کیونکہ اس پر توبہ کا دروازہ بند نہیں۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کا سبب لے کر توبہ کے لیے حاضر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ ﴿التَّوَّابُ﴾ ''بڑا معاف کرنے والا۔'' ہے۔ یعنی وہ اپنے بندوں کے ساتھ' گناہ کے بعد عفو و درگزر سے پیش آتا ہے جب وہ توبہ کر لیتے ہیں اور جب بندے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں' تو روک لینے کے بعد' ان پر پھر احسان و نعمتوں کی بارش کر دیتا ہے۔ ﴿الرَّحِيْمُ﴾ اس ہستی کو کہتے ہیں جو عظیم اور بے پایاں رحمت سے متصف ہو جو ہر چیز کو محیط ہے۔ یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے انہیں توبہ اور انابت کی توفیق بخشی پس انہوں نے توبہ کی اور وہ اس کی طرف پلٹے۔ پھر اس نے ان پر رحم کیا یعنی اپنے لطف و کرم سے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ یہ اس شخص کا حکم ہے جو گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔

رہا وہ شخص جو اپنے کفر پر مصر ہے' اس نے اپنے رب کی طرف رجوع نہیں کیا' نہ اس کی طرف پلٹا اور نہ اس نے توبہ کی اور حالت کفر ہی میں مر گیا ﴿اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ﴾ ''تو یہی لوگ ہیں جن پر اللہ' فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے''۔ اس لیے کہ جب کفر' ان کا وصف ثابت بن گیا تو ان پر لعنت بھی ان کا وصف ثابت بن گئی جو کبھی زائل نہیں ہوگی' کیونکہ حکم وجود اور عدم وجود کے اعتبار سے اپنی علت کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ (یعنی علت ہوگی تو حکم ہوگا' علت نہیں ہوگی تو حکم بھی نہیں ہوگا) ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ ''وہ ہمیشہ اس (لعنت) میں رہیں گے۔'' یعنی وہ لعنت یا عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ لعنت اور عذاب دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ فرمایا: ﴿لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ﴾ ''اور ان پر عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی'' بلکہ ان کو سخت اور دائمی عذاب دیا جائے گا ﴿وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ﴾ ''اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی'' کیونکہ مہلت کا وقت تو دنیا کی زندگی تھی جو گزر گئی اور ان کے پاس کوئی عذر بھی نہیں ہوگا جو وہ پیش کر سکیں۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٣﴾

اور معبود تمہارا' معبود ایک ہی ہے' نہیں ہے کوئی معبود (برحق) مگر وہی' نہایت مہربان بڑا رحم کرنے والا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ خبر دیتا ہے اور وہ سب سے زیادہ سچا ہے' فرماتا ہے' وہ ﴿اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ ''ایک ہی الٰہ ہے''۔ یعنی وہ اپنی ذات' اپنے اسماء و صفات اور اپنے افعال میں اکیلا اور متفرد ہے۔ پس اس کی ذات میں اس کا کوئی شریک ہے نہ اس کا کوئی ہم نام اور نہ ہمسر' نہ اس کی کوئی مثال اور نہ اس کی کوئی نظیر ہے۔ اس کے سوا کوئی کائنات کو پیدا کرنے والا ہے اور نہ اس کی تدبیر کرنے والا۔ جب حقیقت حال یہ ہے تو اس بات کا صرف وہی مستحق ہے کہ ہر قسم کی عبادت صرف اسی کے لیے ہو اور اس کی مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ ﴿الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾ کیونکہ وہ رحمان و رحیم ہے' یعنی وہ بے پایاں رحمت سے متصف ہے کسی اور کی رحمت اس سے مماثلت نہیں رکھتی۔ اس کی بے پایاں رحمت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس کی رحمت ہر زندہ چیز کے

لیے عام ہے۔اس کی رحمت ہی کے باعث تمام کائنات وجود میں آئی۔اس کی رحمت ہی کی وجہ سے تمام مخلوقات کو تمام کمالات حاصل ہوئے۔اس کی رحمت ہی کی بنا پر ان سے ہر قسم کی ناراضی دور ہوئی۔ یہ اس کی رحمت ہی ہے کہ اس کے بندوں نے اس کی صفات اور اس کی نعمتوں کے ساتھ اسے پہچان لیا اور اس نے اپنے رسول بھیج کر اور اپنی کتابیں نازل کر کے دین و دنیا کے تمام مصالح جن کے وہ محتاج تھے' ان پر واضح کر دیئے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ بندوں کو جو بھی نعمت عطا ہوئی ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' نیز یہ کہ مخلوق میں سے کوئی شخص دوسرے کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔ تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہر قسم کی عبادت کا صرف وہی مستحق ہے اور صرف وہی ہے جو محبت' خوف و رجا' تعظیم و توکل اور دیگر ہر قسم کی اطاعت کا مستحق ہے۔ سب سے بڑا ظلم اور سب سے بڑھ کر برائی یہ ہے کہ اس کی عبادت سے منہ موڑ کر اس کے بندوں کی عبادت کی جائے۔ مٹی سے پیدا کی گئی مخلوق کو رب ارباب کا شریک ٹھہرایا جائے' یا تدبیر میں محتاج اور ہر لحاظ سے عاجز مخلوق کی اس خالق کائنات کے ساتھ عبادت کی جائے جو تدبیر کنندہ' قادر اور طاقت ور ہے' جو ہر چیز پر غالب ہے اور ہر چیز اس کی مطیع ہے۔

اس آیت کریمہ میں باری تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی الوہیت کا اثبات ہے اور اس بات کا بھی کہ مخلوقات میں سے کوئی بھی الوہیت کا مستحق نہیں اور اس توحید الوہیت پر اصل دلیل کا بیان ہے اور وہ اس کی رحمت کا اثبات ہے جس کے آثار میں سے تمام نعمتوں کا وجود اور تمام مصائب کا دور ہونا ہے۔ پس یہ اس کی وحدانیت کی ایک اجمالی دلیل ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اس کے تفصیلی دلائل ذکر فرماتا ہے۔ فرمایا:

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ

بیشک پیدائش میں آسمانوں اور زمین کی اور بدل بدل کر آنے جانے میں رات اور دن کے اور ان کشتیوں میں جو

تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ

چلتی ہیں سمندر میں ساتھ ان چیزوں کے جو نفع دیتی ہیں لوگوں کو' اور (اس میں) جو نازل کیا ہے اللہ نے آسمان سے

مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۪

پانی' پس زندہ کیا اس نے ساتھ اس کے زمین کو' بعد اس کی موت کے' اور (جو) پھیلائے اس نے اس میں ہر قسم کے جانور'

وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ

اور پھیرنے میں ہواؤں کے اور ان بادلوں میں جو پابند کر دیئے گئے ہیں درمیان آسمان

وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

اور زمین کے' یقیناً (ان سب میں) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ان عظیم مخلوقات میں باری تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی الوہیت' اس کی

عظیم قدرت‘ رحمت اور اس کی تمام صفات کے دلائل ہیں‘ لیکن یہ تمام دلائل صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو ان امور میں اپنی عقل استعمال کرتے ہیں جن کے لیے عقل پیدا کی گئی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو جتنی عقل سے نوازا ہے وہ اتنا ہی آیات الٰہی سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنی عقل اور تفکر و تدبر سے ان آیات کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ پس ﴿فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ﴾ ”آسمانوں کے پیدا کرنے میں۔“ یعنی آسمانوں کی بلندی‘ ان کی وسعت‘ ان کے محکم اور مضبوط ہونے میں‘ نیز ان آسمانوں میں سورج‘ چاند اور ستاروں کی تخلیق اور بندوں کے مصالح کے لیے ان کی منظم گردش میں۔ ﴿وَالْاَرْضِ﴾ ”اور زمین میں“ یعنی مخلوق کے لیے فرش کے طور پر زمین کو پیدا کیا تا کہ وہ اس پر ٹھہر سکیں اور زمین اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اس سے استفادہ کریں۔ نیز اس سے عبرت حاصل کریں کہ تخلیق اور تدبیر کائنات میں اللہ تعالیٰ ایک اور متفرد ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا بیان ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو تخلیق کیا اور اس کی حکمت کا‘ جس کی بنا پر اس نے زمین کو محکم‘ حسین اور موزوں بنایا اور اس کی رحمت اور علم کا‘ جن کی بنا پر اس نے زمین کے اندر مخلوقات کے فائدے کی اشیاء اور ان کی حاجات وضروریات ودیعت کیں اور اس میں اس کے کمال اور اس کے واحد لائق عبادت ہونے پر سب سے زیادہ مؤثر دلیل ہے‘ کیونکہ کائنات کی پیدائش اور اس کی تدبیر اور تمام بندوں کے معاملات کا انتظام کرنے میں وہ متفرد ہے (اس لیے عبادت کا تمام تر مستحق بھی صرف وہی ہے نہ کہ کوئی اور‘ جن کا کوئی حصہ پیدائش میں ہے نہ تدبیر میں اور نہ بندوں کے معاملات کے انتظام میں)

﴿وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ﴾ ”اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں۔“ یعنی رات اور دن کا دائمی طور پر ایک دوسرے کے تعاقب میں رہنا۔ جب ان میں سے ایک گزر جاتا ہے تو دوسرا اس کے پیچھے پیچھے آتا ہے۔ گرمی‘ سردی اور معتدل موسم میں‘ دنوں کا لمبا‘ چھوٹا اور متوسط ہونا اور ان کی وجہ سے موسموں میں تغیر و تبدل کا ہونا۔ جن کے ذریعے سے تمام بنی آدم‘ حیوانات اور روئے زمین کی تمام نباتات کا انتظام ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ایک ایسے انتظام‘ تدبیر اور تسخیر کے تحت ہو رہا ہے جسے دیکھ کر عقلیں حیرت زدہ رہ جاتی ہیں اور بڑے بڑے عقل مند لوگ اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ یہ چیز اس کائنات کی تدبیر کرنے والے کی قدرت‘ علم و حکمت‘ رحمت واسعہ‘ لطف و کرم‘ اس کی اس تدبیر و تصرف‘ جس میں وہ اکیلا ہے‘ اس کی عظمت‘ اقتدار اور غلبہ پر دلالت کرتی ہے اور یہ اس بات کی موجب ہے کہ اس کو اِلٰہ مانا جائے اور اس کی عبادت کی جائے‘ صرف اسی سے محبت کی جائے‘ اسی کی تعظیم کی جائے‘ اسی سے ڈرا جائے‘ اسی سے امید رکھی جائے اور اس کے محبوب اور پسندیدہ اعمال میں جدوجہد کی جائے۔

﴿وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ﴾ ”اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں چلتی ہیں“ اس آیت کریمہ میں

(فُلک) سے مراد جہاز اور کشتیاں وغیرہ ہیں جن کی صنعت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں الہام کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے داخلی اور خارجی آلات تخلیق کیے اور ان کے استعمال پر انہیں قدرت عطا کی۔ پھر اس نے اس بحر بے کراں اور ہواؤں کو ان کے لیے مسخر کر دیا جو سمندروں میں اموال تجارت سمیت کشتیوں کو لیے پھرتی ہیں جن میں لوگوں کے لیے منفعت اور ان کی معاش کے انتظامات اور مصلحتیں ہیں۔

وہ کون ہے جس نے ان کشتیوں کی صنعت انہیں الہام کی اور ان کے استعمال پر انہیں قدرت عطا کی اور ان کے لیے وہ آلات پیدا کیے جن سے وہ کام لیتے ہیں؟ وہ کون ہے جس نے کشتیوں کے لیے بے پایاں سمندر کو مسخر کیا جس کے اندر یہ کشتیاں اللہ کے حکم اور اس کی تسخیر سے چلتی ہیں؟ اور وہ کون ہے جس نے ہواؤں کو مسخر کیا؟ وہ کون ہستی ہے جس نے بری اور بحری سفر کی سواریوں کے لیے آگ اور وہ معدنیات پیدا کیں جن کی مدد سے وہ سواریاں (فضاؤں اور سمندروں میں) چلتی اور ان کے مال واسباب بھی اٹھائے پھرتی ہیں؟

کیا یہ تمام امور اتفاقاً حاصل ہو گئے یا یہ کمزور، عاجز مخلوق انہیں وجود میں لائی ہے۔ جو اپنی ماں کے پیٹ سے جب باہر آئی تو اسے علم تھا نہ قدرت؟ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے قدرت عطا کی پھر اسے ہر اس چیز کی تعلیم دی جس کی تعلیم دینا وہ چاہتا تھا، یا ان تمام چیزوں کو مسخر کرنے والا ایک اللہ ہی ہے جو حکمت اور علم والا ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اور کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں۔ بلکہ تمام اشیاء اس کی ربوبیت کے سامنے سرنگوں، اس کی عظمت کے سامنے عاجز اور اس کے جبروت کے سامنے سرافگندہ ہیں اور نحیف و نزار بندے کی انتہا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ان اسباب میں سے ایک سبب بنایا ہے جن کے ذریعے سے یہ بڑے بڑے کام سرانجام پاتے ہیں، پس یہ چیز اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر رحمت اور اس کی عنایت پر دلالت کرتی ہے اور یہ چیز اس بات کی موجب ہے کہ تمام تر محبت، خوف، امید، ہر قسم کی اطاعت، تذلل و انکسار اور تعظیم صرف اسی کی ذات کے لیے ہو۔

﴿ وَمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ مِنَ ٱلسَّمَآءِ مِن مَّآءٍ ﴾ ”اور اس میں جو اللہ نے آسمان سے پانی اتارا“ اس سے مراد وہ بارش ہے جو بادل سے برستی ہے ﴿ فَأَحْيَا بِهِ ٱلْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾ ”پس اس کے ذریعے سے اس نے زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیا“ پس زمین نے مختلف قسم کی خوراک اور نباتات ظاہر کیں جو مخلوق کی ضروریات زندگی میں شمار ہوتی ہیں، جن کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ کیا یہ اس ذات کی قدرت واختیار کی دلیل نہیں جس نے یہ پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے زمین سے مختلف چیزیں پیدا کیں؟ کیا یہ اپنے بندوں پر اس کی رحمت اور اس کا لطف و کرم اور اپنے بندوں کے مصالح کا انتظام نہیں؟ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ بندے ہر لحاظ سے اس کے سخت محتاج ہیں؟ کیا یہ چیز واجب نہیں کرتی کہ ان کا معبود اور ان کا الٰہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہو؟ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا اور ان کو ان کے اعمال کی جزا دے گا؟

﴿وَبَثَّ فِيهَا﴾ ''اور پھیلائے اس میں'' یعنی زمین کے اندر ﴿مِن كُلِّ دَآبَّةٍ﴾ ''ہر قسم کے جانور'' یعنی زمین کے چاروں طرف مختلف اقسام کے جانور پھیلائے' جو اس کی قدرت' عظمت' وحدانیت اور اس کے غلبے کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو انسانوں کے لیے مسخر کر دیا جن سے وہ ہر پہلو سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پس وہ ان میں سے بعض جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں اور بعض جانوروں کا دودھ پیتے ہیں۔ بعض جانوروں پر سواری کرتے ہیں' بعض جانور ان کے دیگر مصالح اور چوکیداری کے کام آتے ہیں۔ بعض جانوروں سے عبرت پکڑی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے ہیں۔ وہی ان کے رزق کا انتظام کرتا ہے اور وہی ان کی خوراک کا کفیل ہے۔ ﴿وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا﴾ (هود: ٦/١١) ''زمین کے اندر پھرنے والا کوئی جانور نہیں مگر یہ کہ اللہ کے ذمے اس کا رزق ہے وہ اس کے ٹھکانے کو جانتا ہے اور جہاں اسے سونپا جاتا ہے''۔

﴿وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ﴾ ''اور ہواؤں کے پھیرنے میں'' یعنی ٹھنڈی' گرم' شمالاً جنوباً اور شرقاً غرباً اور ان کے درمیان ہواؤں کا چلنا' کبھی تو یہ ہوائیں بادل اٹھاتی ہیں کبھی یہ بادلوں کو اکٹھا کرتی ہیں' کبھی یہ بادلوں کو باردار کرتی ہیں' کبھی یہ بادل برساتی ہیں' کبھی یہ بادلوں کو پھاڑ کر انہیں تتر بتر کرتی ہیں' کبھی اس کے ضرر کو زائل کرتی ہیں' کبھی یہ ہوائیں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہیں اور کبھی ان ہواؤں کو عذاب کے ساتھ بھیجا جاتا ہے۔

کون ہے وہ جو ان ہواؤں کو اس طرح پھیرتا ہے؟ کون ہے جس نے ان ہواؤں میں بندوں کے لیے مختلف منافع ودیعت کیے ہیں جن سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتے؟ اور ان ہواؤں کو مسخر کر دیا جن میں تمام جاندار اشیاء زندہ رہ سکیں اور بدنوں' درختوں' غلہ جات اور نباتات کی اصلاح ہو؟ یہ سب کچھ کرنے والا صرف وہ اللہ ہے جو غالب' حکیم اور نہایت مہربان ہے' اپنے بندوں پر لطف و کرم کرنے والا ہے' جو اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے سامنے تذلل اور عاجزی کا اظہار کیا جائے' اسی سے محبت' اسی کی عبادت اور اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔

آسمان اور زمین کے درمیان بادل اپنے ہلکے اور لطیف ہونے کے باوجود بہت زیادہ پانی کو اٹھائے پھرتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے اس بادل کو لے جاتا ہے پھر وہ اس پانی کے ذریعے سے زمین اور بندوں کو زندگی عطا کرتا اور ٹیلوں اور ہموار زمین کو سیراب کرتا ہے اور مخلوق پر اسی وقت بارش برساتا ہے جس وقت اس کو ضرورت ہوتی ہے۔ جب بارش کی کثرت انہیں نقصان پہنچانے لگتی ہے تو وہ اسے روک لیتا ہے۔ وہ بندوں پر لطف و کرم کے طور پر بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت اور شفقت سے بارش کو ان سے روک لیتا ہے۔ اس کا غلبہ کتنا بڑا' اس کی بھلائی کتنی عظیم اور اس کا احسان کتنا لطیف ہے!!۔ کیا یہ بندوں کے حق میں برائی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رزق سے فائدہ اٹھاتے ہیں' اس کے احسان کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہیں۔ پھر وہ ان تمام چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی

ناراضی اور اس کی معصیت پر مدد لیتے ہیں؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے حلم و صبر' عفو و درگزر اور اس کے عظیم لطف و کرم کی دلیل نہیں؟ پس اول و آخر اور ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ ہی ہر قسم کی تعریف کا مستحق ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عقل مند شخص جب بھی ان مخلوقات میں غور و فکر اور انوکھی چیزوں میں سوچ بچار کرے گا' اور اللہ کی کاریگری میں اور اس میں جو اس نے احسان اور حکمت کے لطائف رکھے ہیں' ان میں جتنا زیادہ غور و فکر کرے گا۔ تو اسے معلوم ہوگا کہ یہ کائنات اس نے حق کے لیے اور حق کے ساتھ تخلیق کی ہے' نیز یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی ذات' وحدانیت اور یوم آخرت کے نشانات اور دلائل ہیں' جس کے بارے میں اس نے اور اس کے رسولوں نے خبر دی ہے اور یہ کائنات اللہ تعالیٰ کے سامنے مسخر ہے' وہ اپنے تدبیر اور تصرف کرنے والے کے سامنے کوئی تدبیر اور نافرمانی نہیں کر سکتی۔ پس تجھے بھی معلوم ہو جائے گا کہ تمام عالم علوی اور عالم سفلی اسی کے محتاج اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اور وہ بالذات تمام کائنات سے بے نیاز اور مستغنی ہے پس اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور اس کے سوا کوئی رب نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ۭ
اور بعض لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے سوا (دوسروں کو) شریک' وہ محبت کرتے ہیں ان سے جیسے محبت (کرنی چاہیے) اللہ سے
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ۭ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ
اور وہ لوگ جو ایمان لائے زیادہ سخت ہیں محبت کرنے میں اللہ سے' اور اگر (دنیا میں) دیکھ لیں ظالم لوگ (اس وقت کو) جب وہ دیکھیں گے عذاب'
اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا
(تو جان لیں یہ کہ) بے شک قوت اللہ ہی کے لئے ہے سب' اور یہ کہ اللہ شدید عذاب والا ہے ○ اور جب بیزار ہو جائیں گے وہ لوگ' جن کی پیروی کی گئی'
مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ
ان سے جنہوں نے پیروی کی تھی جبکہ دیکھیں گے وہ عذاب اور منقطع ہو جائیں گے انکے تمام تعلقات ○ اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے
اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ۭ كَذٰلِكَ
اتباع کیا تھا' کاش کہ ہو واسطے ہمارے ایک بار واپسی (دنیا میں) تو بیزار ہو جائیں گے ہم بھی ان سے جس طرح وہ بیزار ہو گئے ہیں ہم سے' اسی طرح
يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾
دکھلائے گا ان کو اللہ ان کے عمل حسرتیں بنا کر اوپر ان کے اور نہیں وہ نکلنے والے آگ سے ○

یہ آیت کریمہ (مضمون کے اعتبار سے) کتنے خوبصورت طریقے سے پچھلی آیت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کو بیان فرمایا اور اس کے قطعی دلائل و براہین بیان کیے جو علم یقینی عطا کرتے اور ہر قسم کے شک و شبہ کو زائل کر دیتے ہیں۔ تو یہاں اس نے ذکر فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں ﴿مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ

﴿ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا ﴾ ''جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو شریک ٹھہرا لیتے ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ہمسر اور مثیل' جنہیں وہ عبادت' محبت' تعظیم اور اطاعت میں اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دیتے ہیں اور حجت قائم کرنے اور توحید بیان کرنے کے بعد بھی جو شخص اس حالت پر رہنے پر مصر ہو تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے عناد رکھنے والا' اس کا مخالف ہے یا اس کی آیات و مخلوقات میں تدبر و تفکر سے روگردانی کرنے والا ہے اور اس بارے میں اس کے پاس ادنیٰ سا عذر بھی نہیں' بلکہ عذاب کا کلمہ اس پر ثابت ہو گیا ہے اور یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ہمسر بناتے ہیں وہ تخلیق' رزق اور تدبیر میں ان کو اللہ تعالیٰ کے مساوی قرار نہیں دیتے' بلکہ وہ صرف عبادت میں ان کو اللہ تعالیٰ کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ پس وہ ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں' تاکہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ يَتَّخِذُ ﴾ میں اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر نہیں۔

اہل شرک نے بعض مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کا جو ہمسر قرار دے رکھا ہے۔ وہ صرف نام ہی نام ہے' لفظ کے اعتبار سے ان کا کوئی معنی نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ قُلْ سَمُّوْهُمْ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ﴾ (الرعد: ۱۳/۳۳) ''اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک مقرر کر رکھے ہیں ان سے کہو ذرا ان معبودوں کے نام تو لو کیا تم اسے ان چیزوں کے بارے میں آگاہ کرتے ہو جنہیں وہ زمین کے اندر نہیں جانتا (یعنی زمین میں ان کا وجود ہی نہیں) یا محض ظاہری بات کی تقلید کرتے ہو''۔ فرمایا: ﴿ اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ ﴾ (النجم: ۵۳/۲۳) ''یہ تو محض نام ہی ہیں جن کو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے گھڑ رکھا ہے جن کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ وہ تو صرف ظن اور گمان کی پیروی کر رہے ہیں''۔

پس مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہمسر نہیں ہو سکتی' کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق اور اس کے علاوہ سب اس کی مخلوق ہے' رب تعالیٰ رازق ہے اور اس کے علاوہ تمام مخلوق مرزوق ہے' اللہ تعالیٰ غنی اور بے نیاز ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے کامل ہے اور بندے ہر لحاظ اور ہر پہلو سے ناقص ہیں' اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے قبضہ قدرت میں نفع و نقصان ہے اور مخلوق کو نفع و نقصان اور کسی چیز کا بھی اختیار نہیں' لہٰذا اس شخص کے قول کا بطلان یقینی طور پر معلوم ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اللہ کا ہمسر اور معبود ٹھہراتا ہے' یہ غیر اللہ خواہ فرشتہ ہو یا نبی' خواہ کوئی صالح بزرگ ہو یا کوئی بت' یا ان کے علاوہ کوئی اور' صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی محبت کامل اور تذلل تام کی مستحق ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی مدح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ﴾ ''اور جو اہل ایمان ہیں وہ تو اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے ہیں۔'' یعنی اہل شرک اپنے معبودوں سے جتنی محبت کرتے ہیں اس سے بڑھ کر اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں' کیونکہ ان کی محبت خالص اللہ

تعالیٰ کے لیے ہے اور اہل شرک اپنے معبودوں کی محبت میں بھی دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ اہل ایمان صرف اسی سے محبت کرتے ہیں جو محبت کا حقیقی مستحق ہے، جس کی محبت میں بندے کی عین صلاح، سعادت اور فوز و فلاح ہے۔ جب کہ اہل شرک ان ہستیوں سے محبت کرتے ہیں جو محبت کا کچھ استحقاق نہیں رکھتے، ان کی محبت میں بندے کی عین بدبختی، اس کا فساد اور اس کے معاملات کا بکھرنا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا ﴾ ''اگر دیکھ لیں وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا'' یعنی جنہوں نے غیر اللہ کو ہمسر بنا کر اور بندوں کے رب کے سوا دوسروں کی اطاعت کر کے ظلم کیا اور مخلوق پر ان کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روک کر اور انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کر کے ظلم کیا۔ ﴿ اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ﴾ ''جب وہ عذاب دیکھیں گے۔'' یعنی قیامت کے روز اپنی آنکھوں سے عیاں طور پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دیکھیں گے ﴿ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴾ ''ہر طرح کی قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور یہ کہ اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔'' یعنی اس وقت انہیں یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ تمام قوت و قدرت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور انہوں نے جو اللہ تعالیٰ کے ہمسر ٹھہرا رکھے تھے ان کے پاس کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں، تب اس روز ان کے سامنے ان کے بنائے ہوئے معبودوں کی کمزوری اور بے بسی ظاہر ہو جائے گی۔ ایسا نہیں ہوگا جیسے اس دنیا میں ان کا معاملہ مشتبہ ہے اور اہل شرک یہ سمجھتے ہیں کہ ان معبودوں کے پاس بھی اختیار ہے اور یہ معبود انہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں اور اس کے پاس پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ پس وہ اپنے ظن اور گمان میں خائب و خاسر ہوئے اور ان کی تمام بھاگ دوڑ باطل گئی اور ان کے لیے سخت عذاب واجب ہو گیا۔ ان کے ٹھہرائے ہوئے یہ ہمسر ان سے عذاب کو روک نہیں سکیں گے اور نہ ذرہ بھر ان کے کوئی کام آ سکیں گے، بلکہ ان معبودوں سے ان کو کسی فائدے کی بجائے نقصان پہنچے گا۔

اور راہ نما اپنے پیروکاروں سے براءت کا اظہار کریں گے اور وہ تمام تعلقات منقطع ہو جائیں گے جو دنیا میں ان کے مابین تھے، کیونکہ یہ تعلقات غیر اللہ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف تھے، ان کا تعلق باطل کے ساتھ تھا جس کی کوئی حقیقت نہیں تھی اس لیے ان کے تمام اعمال مضمحل اور ان کے تمام احوال نابود ہو جائیں گے اور ان پر واضح ہو جائے گا کہ وہ جھوٹے تھے اور ان کے وہ اعمال جن کے نفع مند اور نتیجہ خیز ہونے کی انہیں امید تھی، ان کے لیے حسرت اور ندامت میں بدل جائیں گے۔ وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل ہوں گے اور وہاں سے کبھی نہیں نکلیں گے۔ پس اس خسارے کے بعد بھی کوئی اور خسارہ ہے؟ یہ اس لیے کہ انہوں نے باطل کی پیروی کی، انہوں نے ان سے امیدیں رکھیں جن پر امید نہیں رکھی جانی چاہیے تھی اور ان سے تعلق قائم کیا جن سے تعلق قائم نہیں کیا جانا چاہیے تھا۔ پس جب وہی باطل ثابت ہوا، جن سے انہوں نے تعلق جوڑا، تو ان کے اعمال بھی باطل ہو گئے اور جب ان کے اعمال باطل ہو گئے تو اپنی امیدوں کے ٹوٹ جانے کی بنا پر حسرت میں پڑ گئے، پس ان کے

اعمال نے انہیں سخت نقصان پہنچایا۔

اور یہ اس شخص کے حال کے برعکس ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے' جو بادشاہ حقیقی اور واضح کرنے والا ہے' ناطہ جوڑا۔ اسی کے لیے اپنے عمل کو خالص کیا اور اس عمل پر نفع کی امید رکھی۔ پس یہی وہ شخص ہے جس نے حق کو اس کے مقام پر رکھا' اس کے اعمال بھی حق ثابت ہوئے' کیونکہ اس نے حق کے ساتھ تعلق جوڑا تھا اور اپنے اعمال کے نتیجے میں کامیاب ہوا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان اعمال کا بدلہ پائے گا' جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَاَصْلَحَ بَالَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ اَمْثَالَهُمْ ﴾ (محمد: ٤٧/١۔٣) ''وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا' اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی اور وہ (کتاب) ان کے رب کی طرف سے برحق ہے' اللہ ان کے گناہ مٹا دے گا اور ان کا حال درست کر دے گا' یہ اس وجہ سے ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے باطل کی پیروی کی اور جو ایمان لائے' انہوں نے اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے حق کی پیروی کی' اللہ اسی طرح لوگوں کے سامنے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے''۔

اور اس وقت (غلط کاروں کی) پیروی کرنے والے تمنا کریں گے کہ کاش انہیں دنیا میں لوٹایا جائے تو وہ بھی اپنے لیڈروں اور راہنماؤں سے بایں طور براءت کا اظہار کر دیں کہ شرک چھوڑ دیں گے اور صرف اللہ کے لیے عمل کریں گے' یہ بہت دور اور ناممکن ہے۔ معاملہ ہاتھ سے نکل گیا' اب یہ مہلت دینے کا وقت نہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ جھوٹے ہیں اگر انہیں دنیا میں بھیج بھی دیا گیا تو وہ وہی کریں گے جس سے انہیں روکا گیا ہے۔ یہ تو محض ان کے منہ کی بات ہے اور یہ تو محض ان کی تمنائیں ہیں چونکہ ان کے راہنماؤں نے ان سے براءت کا اظہار کیا ہے اس لیے وہ ان پر شدید غصے کی بنا پر اس تمنا کا اظہار کر رہے ہیں' ورنہ گناہ تو خود انہی کا ہے۔ پس بدی کے میدان میں تمام راہنماؤں کا راہنما تو شیطان ہے' اس کے باوجود وہ اپنے پیروکاروں سے کہے گا: ﴿ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ (ابراھیم: ١٤/٢٢) ''جب یہ معاملہ پورا ہو چکے گا (تو شیطان کہے گا) اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ وعدہ سچا تھا اور جو وعدہ میں نے تمہارے ساتھ کیا تھا وہ جھوٹا تھا اور مجھے تم پر کسی قسم کا اختیار نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں (بدی کی طرف) دعوت دی اور تم نے قبول کر لی۔ پس اب تم مجھے ملامت نہ کرو' بلکہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو''۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا

اے لوگو! کھاؤ تم ان چیزوں میں سے جو زمین میں ہیں حلال پاکیزہ اور نہ پیچھے چلو

خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٦٨﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ

شیطان کے قدموں کے، بلاشبہ وہ تمہارا دشمن ہے ظاہر ○ یقیناً وہ تو حکم دیتا ہے تمہیں برائی اور بے حیائی کا

وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿١٦٩﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور یہ کہ کہو تم اوپر اللہ کے وہ جو نہیں جانتے تم ○ اور جب کہا جاتا ہے ان سے، پیروی کرو تم اس کی جو نازل کیا اللہ نے

قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ

تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ پیروی کریں گے ہم تو اس چیز کی کہ پایا ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو کیا (اتباع کریں گے وہ ان کی) اگرچہ تھے باپ دادا انکے

لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿١٧٠﴾

نہ عقل رکھتے اور نہ پاتے وہ ہدایت ○

یہ خطاب مومن اور کافر تمام لوگوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر احسان فرمایا کہ انہیں اس بات کا حکم دیا کہ وہ زمین سے پیدا ہونے والے ہر قسم کے اناج، پھل، میوہ جات اور حیوانات اس حال میں کھائیں ﴿حَلٰلًا﴾ کہ انکا کھانا تمہارے لیے حلال ہو، وہ غصب شدہ مال ہو نہ چوری کیا ہوا، نہ حرام معاملے کے ذریعے سے اور نہ حرام طریقے سے حاصل کیا گیا ہو اور نہ کسی حرام امر پر اس سے مدد لی گئی ہو۔ ﴿طَيِّبًا﴾ ''پاکیزہ'' یعنی وہ خبیث اور ناپاک نہ ہو، مثلاً مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور دیگر تمام ناپاک چیزیں۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے، کھانے اور فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے۔ (یعنی ہر چیز اس وقت تک حلال ہے جب تک اس کی حرمت پر دلیل قائم نہ ہو۔)

اور محرمات کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) مُحَرَّم لِذَاتِه، یعنی جو بذات خود حرام ہیں اور وہ ناپاک چیزیں ہیں جو پاکیزہ چیزوں کی ضد ہیں۔

(۲) حرام کرنے والے کسی سبب کے پیش آنے کی وجہ سے حرام ہونے والی چیزیں، یہ حقوق اللہ یا حقوق العباد کے تعلق کے حوالے سے حرام ہوتی ہیں۔ یہ حلال کی ضد ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ انسان پر کم از کم اتنی خوراک کھانا فرض ہے جس سے اس کا ڈھانچہ کھڑا رہ سکے۔ اس آیت کے ظاہری حکم کے مطابق کھانا ترک کرنا گناہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان امور کی اتباع کا حکم دیا جن کو بجالانے کا اس نے حکم دیا ہے، کیونکہ ان میں ان کی بھلائی ہے، تو پھر ان کو شیطان کے نقش قدم کی پیروی کرنے سے روکا ہے ﴿خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ ''شیطان کے قدم'' یعنی شیطان کے راستے جن پر

چلنے کا وہ حکم دیتا ہے۔ اس سے مراد کفر، فسق، ظلم اور دیگر تمام گناہ ہیں اور اس میں سائبہ اور حام وغیرہ کی تحریم بھی شامل ہے نیز اس کے اندر تمام حرام ماکولات بھی شامل ہیں۔ ﴿إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ ''وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔'' یعنی شیطان کی عداوت ظاہر ہے۔ وہ تمہیں محض دھوکے سے حکم دیتا ہے، تاکہ تم جہنمی بن جاؤ۔

ہمارے پروردگار نے ہمیں صرف شیطان کے نقش قدم پر چلنے ہی سے منع نہیں کیا، بلکہ اس نے یہ خبر بھی دی ہے........ اور وہ سب سے زیادہ سچا ہے........ کہ شیطان ہم سے عداوت رکھتا ہے اور اس سے بچنا چاہئے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ تفصیل کے ساتھ آگاہ بھی فرمایا کہ شیطان کن امور کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ شیطان جن امور کا حکم دیتا ہے وہ سب سے زیادہ قباحت کے حامل اور مفاسد میں سب سے بڑھ کر ہیں، چنانچہ فرمایا: ﴿إِنَّمَا يَأْمُرُكُم بِالسُّوٓءِ﴾ ''وہ شر کا حکم دیتا ہے۔'' یعنی ایسے شر کا جو اپنے مرتکب کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ پس تمام معاصی اس میں آجاتے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَٱلْفَحْشَآءِ﴾ خاص کا عطف عام پر کے باب میں سے ہوگا، کیونکہ فواحش بھی معاصی میں شمار ہوتے ہیں جن کی قباحت انتہا کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے، مثلاً زنا، شراب نوشی، قتل ناحق، تہمت اور بخل، وغیرہ یہ سب ان کاموں میں سے ہیں جن کو ہر عقل مند برا سمجھتا ہے۔ ﴿وَأَن تَقُولُوا۟ عَلَى ٱللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ''اور یہ کہ تم اللہ پر ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں علم نہیں'' اس میں اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کی تقدیر کے بارے میں کسی علم کے بغیر بات کہنا بھی شامل ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کو کسی ایسی صفت سے موصوف کرتا ہے جسے خود اس نے یا اس کے رسول ﷺ نے بیان نہیں کیا یا اللہ تعالیٰ کی کسی ایسی صفت کی نفی کرتا ہے جس کو خود اس نے اپنے لیے ثابت کیا ہے یا کسی ایسی صفت کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرتا ہے جس کی خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے نفی کی ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر کسی علم کے بات کرتا ہے اور جو کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر ہے، یا بت ہیں جن کی عبادت کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جا سکتا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں بلا علم بات کرتا ہے اور جو کوئی دلیل کے بغیر یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز حلال کی ہے یا فلاں چیز حرام کی ہے یا فلاں کام کا حکم دیا ہے یا فلاں کام سے روکا ہے، تو وہ بھی بغیر کسی علم کے اللہ تعالیٰ کی طرف بات منسوب کرتا ہے اور جو کوئی بغیر کسی دلیل اور برہان کے یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی فلاں صنف فلاں علت کی وجہ سے تخلیق فرمائی ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں بلا علم بات کرتا ہے اور بغیر کسی علم کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی ہوئی باتوں میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تاویل کرنے والا اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کے کلام کی ان معانی کے مطابق تاویل کرے جو کسی باطل فرقے کی اصطلاحات میں سے ہو اور پھر یہ کہے کہ یہی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔

پس بغیر کسی علم کے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کرنا سب سے بڑا حرام ہے جس میں تمام گناہ شامل ہیں اور یہ شیطان کا سب سے بڑا راستہ ہے جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ یہی شیطان اور اس کے

لشکروں کے راستے ہیں' جہاں وہ اپنے مکر و فریب کے جال پھیلائے رکھتے ہیں اور جتنا بس چلتا ہے مخلوق کو پھانستے رہتے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ تو عدل و احسان اور رشتہ داروں کو عطا کرنے کا حکم دیتا ہے اور فواحش' منکرات اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے۔

پس بندہ اپنے بارے میں غور کرے کہ وہ ان دو داعیوں میں سے کس داعی اور دو گروہوں میں سے کس گروہ کے ساتھ ہے؟ کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کی پیروی کر رہا ہے جو تیرے لیے بھلائی' دنیاوی اور اخروی سعادت چاہتا ہے' وہ جس کی اطاعت تمام تر فلاح' جس کی خدمت ہر لحاظ سے کامیابی ہے اور ہر قسم کا نفع اس منعم حقیقی کے ساتھ ظاہری اور باطنی نعمتوں پر معاملہ کرنے میں ہے جو صرف بھلائی کا حکم دیتا ہے اور صرف اسی چیز سے روکتا ہے جو شر ہے' یا تو شیطان کے داعی کی پیروی کر رہا ہے جو انسان کا دشمن ہے جو تیرے لیے برائی چاہتا ہے اور جو تجھے دنیا و آخرت میں ہلاک کرنے کے لیے بھرپور کوشش اور جدوجہد میں مصروف ہے' وہ جو تمام تر شر اس کی اطاعت میں اور ہر قسم کا خسارہ اس کی سرپرستی میں ہے' وہ صرف شر کا حکم دیتا ہے اور صرف اس چیز سے روکتا ہے جو خیر ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ مشرکین کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جب ان کو اس کتاب کی اتباع کرنے کا حکم دیا جاتا ہے جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائی ہے جس کی صفت گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے تو وہ اس سے روگردانی کرتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ "بلکہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے"۔ پس انہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی تقلید پر اکتفا کیا اور انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے سے بے رغبتی اختیار کی۔ باوجود اس بات کے کہ ان کے آباء و اجداد لوگوں میں سب سے زیادہ جاہل اور سب سے زیادہ گمراہ تھے۔ حق کو رد کرنے کا یہ ایک نہایت ہی کمزور شبہ ہے' یہ ان کی حق سے روگردانی اور اس سے اعراض اور ان کے عدم انصاف کی دلیل ہے' اگر رشد و ہدایت اور اچھے مقصد کی طرف ان کی راہنمائی کی گئی ہوتی' تو حق ان کا مقصد ہوتا اور جو کوئی حق کو اپنا مقصد بنا لیتا ہے اور وہ حق اور غیر حق کے درمیان موازنہ کرتا ہے تو قطعی طور پر حق اس کے سامنے واضح ہو جاتا ہے اور اگر وہ انصاف پسند ہے تو وہ حق کی اتباع کرتا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً

اور مثال ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا مانند مثال اس شخص کی ہے جو پکارتا ہے اس کو جو نہیں سنتا سوائے پکار

وَّنِدَآءً ط صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

اور آواز کے' (وہ) بہرے' گونگے' اندھے ہیں' پس وہ نہیں عقل رکھتے ○

جب اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جو کچھ انبیاء کرام لے کر آئے' کفار نے ان کی اطاعت نہیں کی اور آباؤ

اجداد کی تقلید کے باعث ان رسولوں کو رد کر دیا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ حق کو قبول کر کے اس کی دعوت پر لبیک نہیں کہیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ کو ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ اپنے عناد سے ہرگز باز نہیں آئیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرما دیا کہ ان کی مثال ایمان کے داعی کی پکار کے وقت ان مویشیوں کی سی ہے جنہیں ان کا چرواہا پکارتا ہے، لیکن ان جانوروں کو یہ علم نہیں کہ ان کا چرواہا اور منادی کیا کہہ رہا ہے؟ وہ صرف آواز سنتے ہیں جس کے ذریعے سے ان پر حجت قائم ہوگی مگر وہ اسے اس طرح سمجھتے نہیں کہ انہیں کوئی فائدہ پہنچے۔ پس وہ بہرے ہیں، حق کو سمجھنے اور قبول کرنے کے لیے سننے سے قاصر ہیں۔ وہ اندھے ہیں عبرت کی نظر سے دیکھ نہیں سکتے اور گونگے ہیں اس لیے حق کے اندران کے لیے جو خیر ہے اس کے بارے میں بولتے نہیں۔

اور وہ سبب جو اس تمام فساد کا موجب ہے یہ ہے کہ وہ عقل سلیم سے محروم ہیں، بلکہ وہ سب سے بڑے احمق اور سب سے بڑے جاہل ہیں۔ کیا عقل مند شخص اس بارے میں کوئی شک کر سکتا ہے کہ جس شخص کو رشد و ہدایت کی طرف بلایا جائے، فساد سے روکا جائے، عذاب میں گھسنے سے منع کیا جائے اور اسے اس چیز کا حکم دیا جائے جس میں اس کی بھلائی، فوز و فلاح اور نعمت ہے اور وہ اپنے خیر خواہ کا حکم ماننے سے انکار کر دے، اپنے رب کے حکم سے پیٹھ پھیر لے، دیکھتے بوجھتے آگ میں جا گھسے اور حق کو چھوڑ کر باطل کی پیروی کرے۔ یقیناً یہ شخص ایسا ہے کہ اس میں ذرہ بھر عقل نہیں۔ اگر وہ عیاری، دھوکہ اور فریب کو اپنی صفت بنا لے تو یہ شخص سب سے بڑا احمق ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کھاؤ تم ان پاکیزہ چیزوں سے جو رزق دیا ہم نے تمہیں، اور شکر کرو اللہ کا، اگر

كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿١٧٢﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ

ہو تم اسی کی عبادت کرتے ○ بس صرف اس نے تو حرام کیا ہے تم پر مردار اور خون اور گوشت سور کا

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ

اور وہ چیز کہ پکاری گئی وہ غیر اللہ کے لیے، پھر جو شخص ناچار کر دیا گیا (بشرطیکہ) نہ ہو وہ سرکشی کرنے والا اور نہ حد سے گزرنے والا،

فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٧٣﴾

تو نہیں ہے کوئی گناہ اس پر، یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے ○

عام حکم دینے کے بعد یہ اہل ایمان کے لیے خاص حکم ہے اور یہ اس لیے کہ وہی درحقیقت اپنے ایمان کے سبب سے اوامر و نواہی سے مستفید ہونے والے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو پاک رزق کھانے کا اور اللہ کے اس انعام پر اس کا شکر کرنے کا حکم دیا کہ وہ اس رزق کو اس کی اطاعت میں ان امور میں مدد لینے کے لیے استعمال کرتے ہیں جو انہیں اللہ تک پہنچاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی چیز کا حکم دیا ہے جس چیز کا حکم اس نے اپنے

رسولوں کو دیا ہے فرمایا: ﴿ يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا ﴾ (المومنون: ۵۱/۲۳)
''اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو''۔ پس اس آیت کریمہ میں شکر سے مراد عمل صالح ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے لفظ (حلال) استعمال نہیں فرمایا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ضرر رساں چیزوں کو چھوڑ کر خالص پاکیزہ رزق کو اہل ایمان کے لیے مباح کیا ہے' نیز ایمان مومن کو وہ چیز تناول کرنے سے روک دیتا ہے جو اس کے لیے نہیں ہے۔ فرمایا: ﴿ إِن كُنتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴾ ''اگر تم اسی کی عبادت کرنے والے ہو'' تو اس کا شکر کرو۔ اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کا شکر نہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی۔ جیسے جس نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور وہ اس کا حکم بجالایا۔ نیز یہ آیت کریمہ اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ پاکیزہ رزق کھانا اعمال صالحہ اور ان کی قبولیت کا سبب ہے۔ نعمتوں کے ذکر کے بعد شکر بجالانے کا حکم دیا ہے' کیونکہ شکر موجود نعمتوں کی حفاظت کرتا ہے اور غیر موجود نعمتوں کے حصول کا باعث بنتا ہے جیسے کفر غیر موجود نعمتوں کو مزید دور کرتا ہے اور موجود نعمتوں کو زائل کرتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے طیبات کی اباحت کا ذکر فرمایا تو خبائث کی تحریم کا ذکر بھی فرما دیا' چنانچہ فرمایا: ﴿ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ ﴾ ''اللہ نے تم پر صرف مردار حرام کیا'' مردار سے مراد وہ جانور ہے جو شرعی طریقے سے ذبح کیے بغیر مر جائے اور اس کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ مردار ناپاک اور خراب ہونے کی بنا پر ضرر رساں ہوتا ہے اور اکثر و بیشتر مردار کسی بیماری سے مرتا ہے۔ پس وہ مرض میں اضافے ہی کا باعث ہوتا ہے۔ مردار کی حرمت کی عمومیت سے ٹڈی اور مچھلی مستثنیٰ ہیں۔ یہ دونوں مردہ ہونے کی صورت میں بھی حلال اور طیب ہیں۔ ﴿ وَالدَّمَ ﴾ ''اور خون'' یعنی بہتا ہوا خون اور یہ قید ایک اور آیت سے ثابت ہے (ملاحظہ کیجیے! سورۃ الانعام: ۱۴۵/۶): (مترجم) ﴿ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ﴾ ''اور جو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو'' مثلاً وہ جانور جو بتوں' استھانوں' پتھروں اور قبروں وغیرہ پر ذبح کیے گئے ہوں اور یہ مذکورہ انواع محرمات کے لیے خاص نہیں' بلکہ ان کو ان خبائث کی اجناس کے بیان کے لیے ذکر کیا گیا ہے جن کی حرمت پر ''طیبات'' کا مفہوم مخالف دلالت کرتا ہے۔ پس محرمات کی عمومیت گزشتہ آیت میں لفظ (حَلٰلًا طَيِّبًا) سے مستفید ہوتی ہے' جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے اور ان کے ضرر سے بچانے کے لیے یہ چیزیں ہم پر حرام ٹھہرائی ہیں۔ اس کے باوجود یہ بھی فرما دیا: ﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ ﴾ ''جو کوئی ناچار ہو جائے'' یعنی جو کوئی بھوک' موت کے خوف یا جبر و اکراہ کے باعث ان مذکورہ محرمات کو کھانے پر مجبور ہو جائے ﴿ غَيْرَ بَاغٍ ﴾ ''نہ سرکشی کرنے والا ہو'' یعنی سخت بھوکا نہ ہونے اور حلال کھانے پر قدرت رکھنے کے باوجود وہ حرام کھانے کا طلبگار نہ ہو۔ ﴿ وَلَا عَادٍ ﴾ ''اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو'' یعنی اضطراری حالت میں جتنی مقدار میں اس کے لیے یہ حرام کھانا جائز ہے

اس مقدار سے تجاوز نہ کرے۔ ﴿فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ﴾ ''تو اس پر کوئی گناہ نہیں'' یعنی اضطراری حالت میں یہ محرمات تناول کرنے میں اس پر کوئی گناہ نہیں اور جب گناہ اٹھ گیا تو معاملہ اسی (اباحت اصلی کی) حالت پر چلا گیا جو کہ تحریم سے پہلے تھی۔ انسان اس اضطراری حالت میں حرام کھانے پر مامور ہے' بلکہ اسے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے اور اپنے آپ کو قتل کرنے سے روکا گیا ہے' تب اس پر حرام کھانا فرض ہے۔ اگر وہ اضطراری حالت میں حرام نہیں کھاتا اور مر جاتا ہے تو گناہ گار اور خودکشی کا مرتکب ہوگا۔

یہ اباحت اور وسعت اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کا اختتام اپنے ان دو اسمائے گرامی کے ساتھ کیا ہے جو غایت درجہ تک اس مضمون کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں' چنانچہ فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''بے شک اللہ بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے''۔ چونکہ ان کی حلت ان دو شرائط کے ساتھ مشروط ہے اور اس حالت میں انسان بسا اوقات اچھی طرح تحقیق کرنے سے قاصر رہتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ وہ بخشنے والا ہے۔ پس اگر اس حالت میں اس سے خطا سرزد ہو جائے تو وہ بخش دے گا' خاص طور پر اس حالت میں جب کہ اس پر ضرورت غالب آ جائے اور مشقت اس کے حواس کو مضمحل کر دے۔ اس آیت کریمہ میں مشہور فقہی قاعدہ (اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِيْحُ الْمَحْظُوْرَات) ''ضرورت حرام کو مباح کر دیتی ہے'' کی دلیل ہے۔ پس ہر حرام چیز' جس کے استعمال کرنے پر انسان مجبور ہو جائے تو اس رحم کرنے والے مالک نے اس کے لیے اسے جائز ٹھہرا دیا ہے۔ پس اول و آخر اور ظاہری و باطنی طور پر ہر قسم کی حمد و ثنا اور شکر کی مستحق صرف اسی کی ذات اقدس ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ

بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس کو جو نازل کیا اللہ نے کتاب سے اور لیتے ہیں بدلے اس کے مول تھوڑا سا'

اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا

یہی لوگ ہیں' نہیں بھر رہے وہ اپنے پیٹوں میں مگر آگ ہی' اور نہیں کلام کرے گا ان سے اللہ دن قیامت کے اور نہ

يُزَكِّيْهِمْ ۚۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٤﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى

پاک کرے گا ان کو اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک ○ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خریدا گمراہی کو بدلے ہدایت کے

وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ

اور عذاب کو بدلے مغفرت کے' پس کس قدر صبر کرنے والے ہیں یہ اوپر آگ کے؟ ○ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ نے نازل فرمائی کتاب

بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿١٧٦﴾ ع

ساتھ حق کے' اور بے شک وہ لوگ جنہوں نے اختلاف کیا کتاب میں' یقیناً وہ بہت دور والی مخالفت میں ہیں ○

اللہ تعالیٰ نے جو علم اپنے رسولوں پر نازل فرمایا اور لوگوں پر اس علم کو واضح کرنے اور اس کو نہ چھپانے کا اہل علم سے وعدہ لیا۔ اس علم کو جو لوگ چھپاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس میں ان کو سخت وعید سنائی ہے۔ پس جو لوگ اس علم کے عوض دنیاوی مال و متاع سمیٹتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو دور پھینک دیتے ہیں۔ انہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا يَأْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ﴾ ''یہ اپنے پیٹوں میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں'' کیونکہ یہ قیمت جو انہوں نے (آیات الٰہی کے عوض) کمائی ہے یہ انہیں بدترین اور انتہائی حرام طریقے سے حاصل ہوئی ہے' لہٰذا ان کی جزا بھی ان کے عمل کی جنس سے ہوگی۔ ﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ ''اور قیامت کے دن اللہ ان سے کلام نہیں فرمائے گا'' بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوگا اور ان سے منہ پھیر لے گا۔ پس یہ چیز ان کے لیے جہنم کے عذاب سے بھی بڑھ کر ہوگی۔ ﴿وَلَا يُزَكِّيْهِمْ﴾ ''اور نہ ان کو پاک کرے گا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اخلاق رذیلہ سے پاک نہیں کرے گا اس لیے کہ ان کے اعمال ایسے نہیں ہوں گے جو مدح' رضائے الٰہی اور جزا کے قابل ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس لیے پاک نہیں کرے گا' کیونکہ انہوں نے عدم تزکیہ کے اسباب اختیار کئے۔ تزکیہ کا سب سے بڑا سبب کتاب اللہ پر عمل کرنا' اس کو راہنما بنانا اور اس کی طرف دعوت دینا ہے۔ پس انہوں نے کتاب اللہ کو دور پھینک دیا' اس سے روگردانی کی' ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی اور مغفرت کو چھوڑ کر عذاب کو اختیار کیا۔ پس یہ لوگ جہنم ہی کے قابل ہیں۔ یہ جہنم کی آگ پر کیسے صبر کریں گے اور اس کی آگ کو کیسے برداشت کر سکیں گے؟

﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی یہ اللہ کا عدل و انصاف پر مبنی بدلہ اور اس کا اسباب ہدایت سے انہیں محروم رکھنا' جنہوں نے انہیں اختیار کرنے سے انکار کیا اور ان کے سوا دوسرے اسباب اختیار کئے۔ ﴿بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ ''اس لیے ہے کہ اللہ نے کتاب کو حق کے ساتھ اتارا'' اور حق میں سے ہی یہ بات بھی ہے کہ نیک کام کرنے والے کو اس کی نیکیوں کا اور برا کام کرنے والے کو اس کی برائیوں کا بدلہ دیا جائے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ میں اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید مخلوق کی ہدایت' باطل میں سے حق کو اور گمراہی میں سے ہدایت کو واضح کرنے کے لیے نازل فرمایا ہے' اس لیے جس نے اس کو اس کے اصل مقصد سے ہٹا دیا' وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے اس کی پاداش میں بڑی سے بڑی سزا دی جائے۔ فرمایا: ﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ﴾ ''جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا وہ دور کی دشمنی میں ہیں۔'' یعنی وہ لوگ جنہوں نے کتاب اللہ کے بارے میں اختلاف کیا اور اس کے کسی حصے پر ایمان لائے اور کسی حصے کا انکار کیا اور وہ لوگ جنہوں نے اپنی مراد اور اپنی خواہشات کے مطابق اس میں تحریف کی اور اس کے اصل معانی سے ہٹا دیا ﴿لَفِىْ شِقَاقٍ﴾ یعنی وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں ﴿بَعِيْدٍ﴾ جو حق سے بہت دور ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے کتاب اللہ کی مخالفت کی' جو حق لے کر آئی ہے جو اتفاق اور عدم تناقض کا

موجب ہے۔ پس ان کا معاملہ خراب ہو گیا' ان کی مخالفت اور دشمنی بڑھ گئی اور اس کے نتیجے میں ان میں افتراق پیدا ہو گیا۔ اس کے برعکس وہ اہل کتاب جو کتاب اللہ پر ایمان لائے اور تمام معاملات میں اسے حکم تسلیم کیا' پس ان میں اتفاق ہو گیا اور یہ لوگ محبت اور کتاب اللہ پر اجتماع کی وجہ سے بلندیوں پر پہنچ گئے۔ یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے لیے جو اس چیز کو چھپاتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور کتاب اللہ پر دنیا کو ترجیح دیتے ہیں' سخت ناراضی اور عذاب کی وعید کو متضمن ہے' نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق اور مغفرت کے ذریعے سے پاک نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے اس سبب کا ذکر فرمایا ہے جو ان کے ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دینے کا باعث بنا اور اس پر یہ امر مترتب ہوا کہ انہوں نے مغفرت کو چھوڑ کر عذاب کو اختیار کر لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس امر پر دکھ کا اظہار کیا کہ وہ جہنم کی آگ برداشت کرنے پر کس قدر صابر ہیں؟ جس میں وہ ان اسباب کی بنا پر داخل ہوئے جن کے بارے میں انہیں خوب علم تھا کہ یہ جہنم میں لے جاتے ہیں۔ یہ آیت اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ کتاب اللہ تمام تر حق پر مشتمل ہے جو اتفاق اور عدم افتراق کا موجب ہے' نیز ہر وہ شخص جو کتاب اللہ کی مخالفت کرتا ہے وہ حق سے بہت دور ہے اور وہ نزاع اور مخاصمت میں مبتلا ہے۔ واللہ اعلم۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ

نہیں ہے نیکی یہ کہ پھیر لو تم اپنے چہرے طرف مشرق اور مغرب کی' لیکن نیکی (والا) تو وہ ہے جو

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ

ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور دن آخرت کے اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں کے' اور دے مال اپنا باوجود اس کی محبت کے'

ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ

قرابت داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور (چھڑانے) میں گردنوں کے

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ

اور قائم کرے نماز اور دے زکوٰۃ اور وہ جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو جب وہ عہد کریں

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اور وہ جو صبر کرنے والے ہیں تنگ دستی میں اور تکلیف میں اور وقت لڑائی کے' یہی لوگ ہیں جنہوں نے

صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

سچ کہا اور یہی متقی ہیں ○

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ﴾ "نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لو" یعنی یہ وہ نیکی نہیں ہے جو بندوں سے مطلوب ہے جس کے بارے میں اس کثرت سے بحث و مباحثہ کی

مشقت برداشت کی جائے جس سے سوائے دشمنی اور مخالفت کے کچھ اور جنم نہیں لیتا۔ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کی نظیر ہے جس میں آپ نے فرمایا:

(لَيْسَ الشَّدِيْدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيْدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ) ①

"طاقتور وہ نہیں جو کشتی میں طاقت ور ہے بلکہ حقیقی طاقت ور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھتا ہے۔"

﴿ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ ﴾ "لیکن نیکی تو یہ ہے جو ایمان لایا اللہ پر" یعنی وہ اس بات پر ایمان لایا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود واحد ہے وہ صفت کمال سے متصف اور ہر نقص سے پاک اور منزہ ہے۔ ﴿ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ "اور آخرت کے دن پر" یعنی وہ ان تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہے جو انسان کو موت کے بعد پیش آئیں گی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یا اس کے رسول ﷺ نے خبر دی ہے۔ ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةِ ﴾ "اور فرشتوں پر" ۔فرشتے وہ ہستیاں ہیں جن کی بابت اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کیا ہے نیز رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ ﴿ وَالْكِتٰبِ ﴾ "اور کتاب پر" اس سے مراد جنس ہے یعنی ان تمام کتابوں پر ایمان لاتا ہے جو اللہ نے اپنے رسولوں پر نازل فرمائی ہیں۔ ان میں سب سے عظیم کتاب قرآن مجید ہے۔ پس وہ ان تمام اخبار واحکام پر ایمان لاتا ہے جن پر یہ کتابیں مشتمل ہیں۔ ﴿ وَالنَّبِيّٖنَ ﴾ "اور پیغمبروں پر" یعنی وہ تمام انبیاء ﷷ پر عام طور پر اور ان میں سب سے افضل اور خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ پر خاص طور پر ایمان لاتا ہے۔ ﴿ وَاٰتَى الْمَالَ ﴾ "اور دیتا ہے وہ مال" مال کے زمرے میں ہر وہ چیز آتی ہے جو مال کے طور پر انسان اپنے لیے جمع کرتا ہے۔ خواہ یہ کم ہو یا زیادہ۔ ﴿ عَلٰى حُبِّهٖ ﴾ "اس کی محبت کے باوجود" (حُبِّهٖ) میں ضمیر کا مرجع مال ہے۔ یعنی وہ مال کی محبت رکھنے کے باوجود مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ بھی واضح فرمایا کہ مال نفوس انسانی کو بہت محبوب ہوتا ہے۔ بندہ اسے مشکل ہی سے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے اس لیے جو کوئی اس مال سے محبت کے باوجود اس کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کی خاطر خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے ایمان کی بہت بڑی دلیل ہے۔ مال سے محبت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ بندہ اس حال میں مال خرچ کرے کہ وہ صحت مند ہو مال کا حریص ہو فراخی کی امید رکھتا ہو اور محتاجی سے ڈرتا ہو۔ اسی طرح اگر قلیل مال میں سے صدقہ نکالا جائے تو یہ افضل ہے کیونکہ بندے کی یہی وہ حالت ہے جب وہ مال کو اس وہم سے روکے رکھنا پسند کرتا ہے کہ کہیں وہ محتاج نہ ہو جائے۔

اسی طرح جب مال نفیس ہو اور وہ اس مال سے محبت کرتا ہو اور پھر بھی وہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ﴾ (آل عمران: ۹۲/۳) "تم

① صحیح البخاری' کتاب الادب' باب الحذر من الغضب' حدیث: ٦١١٤۔

اس وقت تک نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم ان چیزوں میں سے خرچ نہ کرو جن سے تم محبت کرتے ہو۔'' پس یہ سب وہ لوگ ہیں جو مال سے محبت رکھنے کے باوجود اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن پر مال خرچ کیا جانا چاہئے۔ یہی لوگ تیری نیکی اور تیرے احسان کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ﴿ذَوِی الْقُرْبٰی﴾ ''رشتے داروں کو'' ان قریبی رشتہ داروں پر جن کے مصائب پر تو تکلیف' اور ان کی خوشی پر خوشی محسوس کرے جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور دیت ادا کرنے میں شریک ہوتے ہیں۔ پس بہترین نیکی یہ ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ ان کے قرب اور ان کی حاجت کے مطابق مالی اور قولی احسان سے پیش آیا جائے۔ ﴿وَالْیَتٰمٰی﴾ ''اور یتیموں کو'' ان یتیموں پر جن کا کوئی کمانے والا نہ ہو اور نہ خود ان میں اتنی قوت ہو کہ وہ کما کر مستغنی ہو جائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر عظیم رحمت ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ رحیم ہے جتنا باپ اپنی اولاد پر ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو وصیت کی ہے اور ان پر ان کے اموال میں فرض قرار دیا ہے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ احسان اور بھلائی سے پیش آئیں حتیٰ کہ وہ یوں محسوس کریں کہ گویا ان کے والدین فوت ہی نہیں ہوئے' کیونکہ عمل کا بدلہ عمل کی جنس ہی سے ہوتا ہے جو کسی دوسرے کے یتیم پر رحم کرتا ہے تو اس کے یتیم کے سر پر بھی دست شفقت رکھا جاتا ہے۔

﴿وَالْمَسٰكِیْنَ﴾ ''اور مسکینوں کو'' مساکین وہ لوگ ہیں جن کو حاجت نے بے دست و پا اور فقر نے ذلیل کر دیا ہو۔ پس مال دار لوگوں پر ان کا اتنا حق ہے جس سے ان کی مسکینی دور ہو جائے یا کم از کم اس میں کمی ہو جائے۔ مال دار لوگ اپنی استطاعت کے مطابق اور جو کچھ ان کو میسر ہے (اس سے ان کی مدد کریں)

﴿وَابْنَ السَّبِیْلِ﴾ ''اور مسافر کو'' یہ اس اجنبی کو کہا جاتا ہے جو کسی دوسرے شہر میں ہو اور وہ اپنے شہر سے کٹ کر رہ گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اجنبی مسافر کو اتنا مال عطا کریں جو سفر میں اس کا مددگار ہو۔ اس گمان پر کہ وہ حاجت مند ہے اور اس کے سفر کے مصارف بہت زیادہ ہیں۔ پس اس شخص پر جسے اللہ تعالیٰ نے وطن سے اور اس کی راحت سے نوازا ہے اور اسے نعمتیں عطا کی ہیں' فرض ہے کہ وہ اپنے اس قسم کے غریب الوطن بھائی پر اپنی استطاعت کے مطابق ترس کھائے خواہ اسے زاد راہ عطا کر دے' یا سفر کا کوئی آلہ (سواری وغیرہ) دے دے' یا اس کو پہنچنے والے مظالم وغیرہ کا ازالہ کر دے۔

﴿وَالسَّآىِٕلِیْنَ﴾ ''اور مانگنے والوں کو'' سائلین وہ لوگ ہیں جن پر کوئی ایسی ضرورت آن پڑے جو ان کو سوال کرنے پر مجبور کر دے' مثلاً ایسا شخص جو کسی دیت کی ادائیگی میں مبتلا ہو گیا ہو یا حکومت کی طرف سے اس پر کوئی جرمانہ عائد کر دیا گیا ہو یا وہ مصالح عامہ کے لیے کوئی عمارت' مثلاً مسجد' مدرسہ اور پل وغیرہ تعمیر کروا رہا ہو۔ اس حوالے سے سوال کرنا اس کا حق ہے خواہ وہ مال دار ہی کیوں نہ ہو۔ ﴿وَفِی الرِّقَابِ﴾ ''اور گردنوں

کے آزاد کرنے میں' غلاموں کو آزاد کرنا اور آزادی پر اعانت کرنا' مکاتب کو آزادی کے لیے مالی مدد دینا' تاکہ وہ اپنے مالک کو ادائیگی کر سکے۔ جنگی قیدی جو کفار یا ظالموں کی قید میں ہوں۔ سب اس مد میں شامل ہیں۔ ﴿وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ﴾ ''اور قائم کرے وہ نماز اور ادا کرے زکوٰۃ'' گزشتہ صفحات میں متعدد بار گزر چکا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کے سب سے افضل عبادت ہونے' تقرب الٰہی کا کامل ترین ذریعہ ہونے' اور قلبی' بدنی اور مالی عبادت ہونے کی بنا پر ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ ہی کے ذریعے سے ایمان کا وزن ہوتا ہے اور انہی سے معلوم کیا جاتا ہے کہ صاحب ایمان کتنے یقین کا مالک ہے۔ ﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا﴾ ''اور وہ اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہیں جب وہ عہد کر لیں'' اللہ تعالیٰ یا خود بندے کی طرف سے لازم کیے ہوئے امر کا التزام کرنا عہد کہلاتا ہے۔ پس تمام حقوق اللہ اس میں داخل ہو جاتے ہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ان کو لازم قرار دیا ہے اور وہ اس التزام کو قبول کر کے اس عہد میں داخل ہو گئے اور ان کا ادا کرنا ان پر فرض قرار پایا۔ نیز اس عہد میں وہ حقوق العباد بھی داخل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب قرار دیا ہے اور اس میں وہ حقوق بھی شامل ہیں جن کو بندے اپنے آپ پر لازم قرار دے لیتے ہیں' مثلاً قسم اور نذر وغیرہ۔

﴿وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ﴾ ''اور صبر کرنے والے ہیں وہ سختی میں'' یعنی فقر اور محتاجی میں صبر کرتے ہیں' کیونکہ محتاج شخص بہت سے پہلوؤں سے صبر کا محتاج ہوتا ہے۔ وہ دائمی طور پر ایسی قلبی اور بدنی تکالیف میں مبتلا ہوتا ہے جس میں کوئی اور شخص مبتلا نہیں ہوتا۔ اگر مالدار دنیاوی نعمتوں سے استفادہ کرتے ہیں' تو فقیر آدمی ان نعمتوں سے استفادے پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے رنج والم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب وہ اور اس کے اہل و عیال بھوک کا شکار ہوتے ہیں تو اسے دکھ ہوتا ہے جب وہ کوئی ایسا کھانا کھاتا ہے جو اس کی چاہت کے مطابق نہ ہو' تب بھی اسے تکلیف پہنچتی ہے۔ اگر وہ عریاں ہوتا ہے یا عریانی کی حالت کے قریب پہنچ جاتا ہے تو دکھ محسوس کرتا ہے۔ جب وہ اپنے سامنے کی یا مستقبل میں متوقع کسی چیز کو دیکھتا ہے' تو غم زدہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ سردی محسوس کرتا ہے جس سے بچنے پر وہ قادر نہیں ہوتا' تو اسے تکلیف پہنچتی ہے۔ پس یہ تمام چیزیں مصائب کے زمرے میں آتی ہیں جن پر صبر کرنے کا اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿وَالضَّرَّآءِ﴾ ''اور تکلیف میں'' یعنی مختلف قسم کے امراض مثلاً بخار' زخم' ریح کا درد' کسی عضو میں درد کا ہونا حتیٰ کہ دانت اور انگلی کا درد وغیرہ' ان تمام تکالیف میں بندہ صبر کا محتاج ہے' کیونکہ نفس کمزور ہوتا ہے اور بدن درد محسوس کرتا ہے اور یہ مرحلہ نفس انسانی کے لیے نہایت مشقت آزما ہوتا ہے۔ خاص طور پر جب بیماری طول پکڑ جائے۔ پس اسے حکم ہے کہ وہ صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے۔ ﴿وَحِيْنَ الْبَاْسِ﴾ ''اور لڑائی کے وقت'' یعنی ان دشمنوں سے لڑائی کے وقت جن سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے' کیونکہ صبر و استقلال سے جواں

مردی کا مظاہرہ نفس انسانی کے لیے نہایت گراں بار ہے اور انسان قتل ہونے' زخمی ہونے یا قید ہونے سے بہت گھبراتا ہے۔ پس وہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ پر ثواب کی امید رکھتے ہوئے صبر کرنے کا سخت محتاج ہے جس کی طرف سے فتح و نصرت ہوتی ہے جس کا وعدہ اس نے صبر کرنے والوں کے ساتھ کر رکھا ہے۔ ﴿أُولَٰئِكَ﴾ ''یہی'' یعنی جو ان عقائد حسنہ اور اعمال صالحہ سے متصف ہیں جو ایمان کے آثار' اس کی برہان اور اس کا نور ہیں اور ان اخلاق کے مالک ہیں جو انسان کا حسن و جمال اور انسانیت کی حقیقت ہے۔ ﴿الَّذِينَ صَدَقُوا﴾ ''جو سچے ہیں۔'' یعنی یہی لوگ اپنے ایمان میں سچے ہیں' کیونکہ ان کے اعمال ان کے ایمان کی تصدیق کرتے ہیں ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ ''اور یہی لوگ متقی ہیں'' کیونکہ انہوں نے محظورات کو ترک کر دیا اور مامورات پر عمل کیا' اس لیے کہ یہ امور تمام اچھی خصلتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتے ہیں' چاہے ضمناً یا لزوماً' کیونکہ ایفائے عہد میں پورا دین ہی آ جاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت میں جن عبادات کی صراحت ہے' وہ سب عبادات سے اہم اور بڑی ہیں اور جو ان عبادات کا التزام کرتا ہے وہ دیگر امور کو زیادہ آسانی سے سرانجام دے سکتا ہے۔ پس یہی لوگ نیک' سچے اور متقی ہیں۔ ان تین امور پر اللہ تعالیٰ نے جو دنیاوی اور اخروی ثواب مرتب کیا ہے وہ سب کو معلوم ہے جس کی تفصیل اس مقام پر ممکن نہیں۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ كُتِبَ عَلَيْكُمُ ٱلْقِصَاصُ فِى ٱلْقَتْلَى ۖ ٱلْحُرُّ بِٱلْحُرِّ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! لکھ دیا گیا ہے تم پر برابر کا بدلہ لینا مقتولوں میں' آزاد بدلے آزاد کے'

وَٱلْعَبْدُ بِٱلْعَبْدِ وَٱلْأُنثَىٰ بِٱلْأُنثَىٰ ۚ فَمَنْ عُفِىَ لَهُۥ مِنْ أَخِيهِ شَىْءٌ فَٱتِّبَاعٌۢ

اور غلام بدلے غلام کے' اور عورت بدلے عورت کے' پھر جو شخص کہ معاف کر دیا گیا اسے اسکے بھائی (ولی) کی طرف سے کچھ تو پیروی کرنی ہے

بِٱلْمَعْرُوفِ وَأَدَآءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَٰنٍ ۗ ذَٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ۗ

موافق دستور کے اور ادا کرنا ہے اس کی طرف ساتھ اچھائی کے' یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت'

فَمَنِ ٱعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَلَهُۥ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٨﴾ وَلَكُمْ فِى ٱلْقِصَاصِ

پھر جس شخص نے زیادتی کی بعد اس کے' تو اس کے لئے عذاب ہے دردناک○ اور تمہارے لیے برابر کا بدلہ لینے میں

حَيَوٰةٌ يَٰٓأُو۟لِى ٱلْأَلْبَٰبِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿١٧٩﴾

بڑی زندگی ہے اے عقل مندو! شاید کہ تم بچو (قتل و غارت سے)○

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس احسان کا ذکر کرتا ہے کہ اس نے مقتولین کے بارے میں قصاص' یعنی اس میں مساوات کو فرض کیا' جس کا مطلب یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کے بدلے میں اسی طریقے سے قتل کیا جائے جس طریقے سے اس نے مقتول کو قتل کیا تھا' یہ بندوں کے درمیان عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔ اس خطاب کا رخ عام

مومنوں کی طرف ہے' اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ تمام اہل ایمان پر یہ فرض ہے حتی کہ قاتل کے اولیاء اور خود قاتل پر بھی کہ جب مقتول کا ولی قصاص کا مطالبہ کرے اور قاتل سے قصاص لینا ممکن ہو تو مقتول کے ولی کی مدد کی جائے اور یہ کہ ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس حد کے درمیان حائل ہوں اور مقتول کے وارث کو بدلہ لینے سے روکیں' جیسا کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگوں کی عادت تھی یا ان جیسے دیگر لوگ جو مجرموں کو پناہ دیتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس قصاص کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ﴾ ''آزاد' بدلے آزاد کے'' الفاظ کے اعتبار سے اس میں مرد' بدلے مرد کے' کا مفہوم بھی شامل ہے۔ ﴿وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى﴾ ''عورت' بدلے عورت کے۔'' اس کا مطلب ہے مرد کے بدلے عورت اور عورت کے بدلے مرد۔ پس منطوق کلام 'الانثی بالانثی' کے مفہوم پر مقدم ہوگا' اس لیے کہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا (اگر مرد عورت کا قاتل ہوگا) اس عموم سے والدین (اوپر تک) مستثنیٰ ہیں۔ لہٰذا بیٹے کے قتل کے قصاص میں والدین کو قتل نہیں کیا جائے گا' کیونکہ یہ استثناء سنت میں وارد ہوا ہے۔ نیز قصاص کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد دلالت کرتا ہے کہ بیٹے کے قتل کی پاداش میں باپ کو قتل کرنا انصاف نہیں۔ نیز اس لیے کہ باپ کا دل اپنے بیٹے کے لیے رحم اور شفقت سے لبریز ہوتا ہے جو اسے بیٹے کو قتل کرنے سے روکتا ہے۔ سوائے اس صورت کے کہ باپ کے دماغ میں کوئی خلل ہو یا بیٹے کی طرف سے اسے نہایت سخت اذیت پہنچی ہو۔ سنت نبوی ہی کی رو سے اس عموم سے کافر بھی خارج ہے۔ نیز اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ یہ خطاب خاص طور پر اہل ایمان کے لیے ہے۔ نیز یہ قرین انصاف بھی نہیں کہ اللہ کے دشمن کے بدلے اللہ تعالیٰ کے دوست کو قتل کیا جائے اور غلام کے بدلے غلام کو قتل کیا جائے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور خواہ ان کی قیمت مختلف ہو یا برابر' مفہوم کلام یہ بھی دلالت کرتا ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا' کیونکہ غلام آزاد کے مساوی نہیں ہوتا۔

بعض اہل علم نے (وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى) کے مفہوم سے یہ استدلال کیا ہے کہ عورت کے قصاص میں مرد کو قتل کرنا جائز نہیں اور اس کی وجہ گزشتہ سطور میں گزر چکی ہے۔ (کہ یہ صحیح نہیں' کیونکہ یہ مفہوم حدیث کے خلاف ہے) اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اصل' قتل میں قصاص کا واجب ہونا ہے (یعنی قتل کے بدلے میں قتل ضروری ہے) اور دیت تو قصاص کا بدل ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ﴾ ''اگر اس (قاتل) کو اس کے (مقتول) بھائی سے کچھ معاف کر دیا جائے۔'' یعنی اگر مقتول کا ولی قاتل کو معاف کر کے دیت قبول کر لے یا مقتول کے اولیاء میں سے کوئی شخص قاتل کو معاف کر دے تو اس صورت میں قصاص ساقط ہو جائے گا اور دیت واجب ہو جائے گی۔ قصاص میں اختیار ہوگا اور مقتول کا ولی قصاص کی بجائے دیت لے سکتا ہے۔ جب مقتول کا ولی قاتل کو معاف کر دے تب اس پر واجب ہے کہ وہ قاتل سے معروف

طریقے سے خون بہا کا مطالبہ کرے ﴿ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ''معروف طریقے سے'' یعنی ایسے طریقے سے کہ اس پر شاق نہ گزرے اور اتنا زیادہ مطالبہ نہ کرے جس کو ادا کرنے کی قاتل میں طاقت نہ ہو، بلکہ نہایت احسن طریقے سے قاتل سے دیت کا تقاضا کرے اور اسے تنگی میں مبتلا نہ کرے۔ ﴿ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ﴾ ''اور احسان کے ساتھ اسے ادا کرنا چاہیے۔'' یعنی قاتل پر واجب ہے کہ وہ ٹال مٹول' خون بہا میں کمی اور قولی یا فعلی تکلیف پہنچائے بغیر' بھلے طریقے سے دیت ادا کرے۔ معاف کر دینے کے احسان کا بدلہ یہ ہے کہ خون بہا کو احسن طریقے سے ادا کیا جائے۔ انسان پر لوگوں کی جو ذمہ داریاں واجب ہیں ان میں یہی اصول مامور بہ ہے کہ جس نے کسی سے اپنا حق لینا ہے' وہ اس امر پر مامور ہے کہ وہ معروف طریقے سے حق کا مطالبہ کرے اور جس کے ذمے حق ہے وہ اسے بھلے طریقے سے ادا کرے۔

﴿ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ ﴾ میں نرمی اختیار کرنے اور قصاص معاف کر کے دیت قبول کرنے کی ترغیب ہے۔ اس سے بھی زیادہ احسن بات یہ ہے کہ کچھ لیے بغیر ہی قاتل کو معاف کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد (أَخِيـهِ) اس بات کی دلیل ہے کہ قاتل کی تکفیر نہ کی جائے' کیونکہ یہاں ''اخوت'' سے مراد اخوت ایمانی ہے۔ پس قتل کے ارتکاب سے قاتل دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوگا۔ جب بات یہ ہے تو دیگر معاصی کا مرتکب' جو کفر سے کم تر ہیں' بطریق اولیٰ دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوگا البتہ اس سے اس کے ایمان میں کمی ضرور واقع ہوگی۔

اور جب مقتول کے اولیا یا ان میں سے کوئی ایک قاتل کو معاف کر دیں تو قاتل کا خون محفوظ ہو جاتا ہے اور وہ مقتول کے اولیا یا دیگر لوگوں کے قصاص لینے سے بچ جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ ﴾ ''اگر کوئی اس کے بعد زیادتی کرتا ہے'' یعنی معاف کر دینے کے بعد اگر کوئی شخص زیادتی کرتا ہے ﴿ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ''تو (آخرت میں) اس کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

رہا اس کو قتل کرنا یا نہ قتل کرنا تو یہ حکم گزشتہ آیت سے اخذ کیا جائے گا اور چونکہ (معاف کرنے کے بعد) اس نے قاتل کو محض بدلہ لینے کے لیے قتل کیا ہے' لہٰذا اس کے قصاص میں اسے قتل کیا جائے گا۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے ﴿ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ کی تفسیر ''قتل'' کی ہے۔ نیز ان کا موقف ہے کہ یہ آیت اس قاتل کا قتل متعین کرتی ہے اور اس کو معاف کرنا جائز نہیں۔ تو بعض اہل علم اس کے قائل ہیں۔ لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے' کیونکہ اس کا جرم دوسرے شخص کے جرم سے زیادہ نہیں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ قصاص کی مشروعیت میں پنہاں عظیم حکمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ ﴾ ''اور تمہارے لیے قصاص میں زندگانی ہے۔'' یعنی قصاص کے قانون سے خون محفوظ ہو جاتے ہیں اور شقی القلب لوگوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے' کیونکہ جب قاتل کو معلوم ہوگا کہ قتل کے بدلے اس کو قتل کر دیا جائے گا

تو اس سے قتل کا ارتکاب ہونا مشکل ہے۔ اور جب دوسرے لوگ مقتول کے قصاص میں قاتل کو قتل ہوتا دیکھیں گے تو دوسرے لوگ خوفزدہ ہو کر عبرت پکڑیں گے اور قتل کرنے سے باز رہیں گے۔ اگر قاتل کی سزا قصاص (قتل) کے سوا کچھ اور ہوتی تو اس سے شر (برائی) کا انسداد اس طرح نہ ہوتا جس طرح قتل کی سزا سے ہوتا ہے اور اسی طرح تمام شرعی حدود ہیں کہ ان سب میں عبرت پذیری اور انسداد شر کے ایسے پہلو ہیں جو اس اللہ تعالیٰ کی حکمت پر دلالت کرتے ہیں' جو نہایت دانا اور بڑا بخشنے والا ہے۔

﴿حَیٰوۃٌ﴾ کو نکرہ استعمال کرنا تکثیر اور تعظیم کے لیے ہے اور چونکہ اس حکم کی حقیقت کو صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جو عقل کامل کے مالک ہیں اس لیے دیگر لوگوں کی بجائے انہی لوگوں کو خاص طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کے احکام میں پوشیدہ حکمتوں' اس کے کمال پر دلالت کرنے والی مصلحتوں' اس کی کامل حمد و حکمت اور عدل و رحمت واسعہ میں تدبر کے لیے اپنی عقل و فکر کو استعمال میں لائیں اور جو کوئی یہ عمل کرتا ہے وہ اس مدح کا مستحق ہے کہ وہ ان عقل مند لوگوں میں سے ہے جن کو اس خطاب میں مخاطب کیا گیا ہے اور جن کو رب ارباب نے پکارا ہے۔ سوچنے سمجھنے والے لوگوں کے لیے یہی فضیلت اور شرف کافی ہے۔ فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ ''تاکہ تم متقی بن جاؤ'' اور یہ تقویٰ اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے رب کو اور اس کے دین و شریعت کے بڑے بڑے اسرار انوکھی حکمتوں اور بلند مرتبہ نشانیوں کو پہچان لیتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے' اس کی نافرمانیوں کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہوئے انہیں ترک کر دے۔ تب وہ اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اسے اہل تقویٰ میں شمار کیا جائے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۚۖ الْوَصِيَّةُ

لکھ دیا گیا ہے تم پر' جب آنے لگے ایک تمہارے کو موت' اگر چھوڑے جا رہا ہو وہ مال' وصیت کرنا

لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ

واسطے والدین کے اور قرابت داروں کے موافق دستور کے' یہ حق ہے متقیوں پر ○ پھر جو شخص بدل دے اس (وصیت) کو

بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ؕ

بعد اسکے کہ وہ سن چکا اسے' تو یقیناً اس کا گناہ انہی لوگوں پر ہے جو بدلیں گے اس کو' بلاشبہ اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے ○

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ

پس جو شخص خوف کرے وصیت کرنے والے کی طرف سے حق تلفی یا گناہ کا پھر وہ اصلاح کرا دے انکے درمیان' تو نہیں ہے کوئی گناہ

عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾ ع

اس پر' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' بڑا رحم کرنے والا ہے ○

یعنی اے مومنوں کے گروہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آجائے' یعنی جب موت کے اسباب' مثلاً مہلک مرض اور دیگر ہلاکت خیز اسباب قریب آجائیں تو اللہ تعالیٰ نے تم پر (وصیت) فرض کی ہے۔ ﴿اِنْ تَرَكَ خَيْرًا﴾ ''اگر اس نے مال چھوڑا ہو'' (خیر) عرف میں مال کثیر کو کہا جاتا ہے' پس اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے والدین اور ان لوگوں کے لیے جو سب سے زیادہ اس کی نیکی کے مستحق ہیں اپنے حال اور طاقت کے مطابق بغیر کسی اسراف کے' وصیت کرے۔ علاوہ ازیں قریبی رشتہ داروں کو چھوڑ کر صرف دور کے رشتہ داروں کے لیے ہی وصیت نہ کرے' بلکہ وصیت کو ضرورت اور قرابت مندی کے تقاضوں کے مطابق ترتیب دے' اسی لیے اسم تفضیل کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ (یعنی اقربین جس کا مطلب یہ ہے کہ جو جتنا زیادہ قریب ہے' وہ اتنا ہی زیادہ تمہارے مال میں استحقاق رکھتا ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ﴾ ''یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر'' وصیت کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے' کیونکہ وہ حق ثابت ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے موجبات تقویٰ میں شمار کیا ہے۔

جان لیجئے کہ جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس آیت کو میراث کی آیت نے منسوخ کر دیا ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں وصیت کا حکم والدین اور غیر وارث رشتہ داروں کے لیے ہے حالانکہ ایسی کوئی دلیل نہیں جو اس تخصیص پر دلالت کرتی ہو۔ اس ضمن میں بہترین رائے یہ ہے کہ یہ وصیت مجمل طور پر والدین اور قریبی رشتے داروں کے لیے ہے' پھر اس کو اللہ تعالیٰ نے عرف جاری کی طرف لوٹا دیا۔ پھر اس اجمالی حکم کے بعد اللہ تعالیٰ نے وارث والدین اور وارث رشتہ داروں کے لیے اس معروف کو آیات میراث میں مقدر فرما دیا (یعنی ان کے حصوں کا تعین فرما دیا) اور وصیت کا حکم ان والدین اور رشتہ داروں کے لیے باقی رہ گیا جو وراثت سے محروم ہو رہے ہوں تو وصیت کرنے والا ان کے حق میں وصیت کرنے پر مامور ہے اور یہ لوگ اس کی نیکی کے سب سے زیادہ محتاج ہیں۔ اس قول پر تمام امت متفق ہو سکتی ہے اور اس سے سابقہ دونوں اقوال میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے' کیونکہ دونوں فریقوں نے اس آیت کو اپنے اپنے نقطہ نظر سے دیکھا اور اختلاف کا باعث بنے۔ اس تطبیق سے اتفاق اور دونوں آیات میں مطابقت حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دونوں آیتوں میں جمع و تطبیق ممکن ہے اور دو آیتوں کے درمیان تطبیق نسخ کے اس دعوے سے بہتر ہے جس کی تائید میں کوئی صحیح دلیل نہ ہو۔

بسا اوقات وصیت کرنے والا اس وہم کی بنا پر وصیت کرنے سے گریز کرتا ہے کہ کہیں پسماندگان وصیت کو تبدیل نہ کر دیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَنْ بَدَّلَهٗ﴾ ''پس جو شخص اس (وصیت) کو بدل ڈالے۔'' یعنی جو کوئی اس وصیت کو بدلتا ہے جو ان مذکور لوگوں یا دیگر لوگوں کے حق میں کی گئی ہے ﴿بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ﴾ ''اس کو سننے کے بعد'' یعنی اس وصیت کو سمجھ لینے اور اس کے طریقوں اور اس کے نفاذ کو اچھی طرح جان لینے کے بعد جو کوئی اس کو تبدیل کرتا ہے ﴿فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ﴾ ''تو اس کا گناہ صرف انہی لوگوں پر ہے جو انہیں

تبدیل کرتے ہیں‘‘۔ ورنہ وصیت کرنے والا تو اللہ تعالیٰ کے اجر کا مستحق ہو گیا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ﴾ ’’بے شک اللہ سنتا ہے۔‘‘ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ تمام آوازوں کو سنتا ہے۔ اسی طرح وہ وصیت کرنے والے کی بات اور وصیت کو بھی سنتا ہے۔ پس وہ اس ہستی کا خوف کھاتے ہوئے جو اسے دیکھ اور سن رہی ہے اپنی وصیت میں ظلم اور زیادتی کا ارتکاب نہ کرے۔ ﴿عَلِيمٌ﴾ وہ وصیت کرنے والے کی نیت کو جانتا ہے اور اس شخص کے عمل کو بھی جس کو یہ وصیت کی گئی ہے۔

جب وصیت کرنے والا پوری کوشش سے کام لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی نیت کو جانتا ہے تو اسے اپنی نیت کا ثواب ملتا ہے۔ خواہ اس سے خطا ہی کیوں نہ واقع ہو۔ اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لیے تنبیہ ہے جس کو وصیت کی گئی ہو کہ وہ اس میں تبدیلی سے باز رہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے اس کے فعل سے وہ باخبر ہے۔ پس اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہیے۔ یہ تو تھا وصیت عادلہ کا حکم، رہی وہ وصیت جو ظلم اور گناہ کی بنیاد پر کی گئی ہو تو وصیت کے وقت جو کوئی وصیت کرنے والے کے پاس موجود ہو اسے چاہیے کہ وہ اسے اس امر کی نصیحت کرے جو بہتر اور زیادہ قرین عدل ہو اور اسے ظلم کرنے سے روکے۔ (الْجَنَف) سے مراد بغیر کسی ارادے کے غلطی سے وصیت میں ظلم کا ارتکاب کرنا اور (الإِثْم) سے مراد عمداً ظلم کرنا ہے۔ اگر اس نے وصیت کے وقت وصیت کرنے والے کو (غلط وصیت کرنے سے) نہیں روکا، تو اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ ان لوگوں کے مابین صلح کروا دے جن کو وصیت کی گئی ہے۔ ان کی باہمی رضامندی اور مصالحت کے ذریعے سے ان کے درمیان عدل و انصاف کا اہتمام کرے اور ان کو وعظ ونصیحت کرے کہ وہ اپنے مرنے والے کی ذمہ داری کو پورا کریں۔ باہمی صلح کروانے والے کا یہ فعل بہت بڑی نیکی ہے اور ان پر کوئی گناہ نہیں جیسے اس شخص کو گناہ ہوتا ہے جو جائز وصیت کو تبدیل کرتا ہے۔ بنابریں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ تمام لغزشوں کو معاف کر دیتا ہے۔ اس شخص کی غلطیوں سے درگزر کرتا ہے جو توبہ کر کے اس کی طرف لوٹتا ہے، وہ اس شخص کو بھی اپنی مغفرت سے نوازے گا جو اپنی ذات سے صرف نظر کر کے اپنا کچھ حق اپنے بھائی کے لیے چھوڑ دیتا ہے، اس لیے کہ جو نرمی اختیار کرتا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ نرمی اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح وہ اس مرنے والے کو بھی بخش دینے والا ہے جو اپنی وصیت میں ظلم کا ارتکاب کر گیا ہے، بشرطیکہ اس کے ورثا اس کو بری الذمہ کرنے کی خاطر، اللہ کی رضا کے لیے آپس میں نرمی اور درگزر کا معاملہ اختیار کریں۔ ﴿رَّحِيمٌ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نہایت رحم کرنے والا ہے، کیونکہ اس نے اپنے بندوں پر ہر معاملہ اس طرح مشروع کیا ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی اور نرمی سے معاملہ کریں۔ یہ آیات کریمہ وصیت کی ترغیب پر دلالت کرتی ہیں، نیز اس امر پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ جس شخص کے لیے وصیت کی گئی ہے اس کو بیان کیا جائے اور ان میں اس شخص کے لیے سخت

وعید ہے جو جائز وصیت میں تغیر وتبدل کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور ظلم پر مبنی وصیت میں اصلاح کرنے کی ترغیب ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! لکھ دیا گیا ہے تم پر روزہ رکھنا جسطرح لکھا گیا (تھا) ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿١٨٣﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ

شاید کہ تم متقی بن جاؤ ○ چند دن گنتی کے پس جو ہو تم میں سے بیمار یا سفر پر

فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ۭ

تو گنتی (پوری کرنی) ہے دوسرے دنوں سے اور اوپر ان لوگوں کے جو طاقت رکھتے ہیں اس کی فدیہ ہے کھانا ایک مسکین کا

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ

پھر جو کوئی خوشی سے کرے نیکی تو وہ زیادہ بہتر ہے اس کے لیے اور تمہارا روزہ رکھنا بہت بہتر ہے تمہارے لیے اگر

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٨٤﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى

ہو تم علم رکھتے ○ مہینہ رمضان کا وہ ہے کہ نازل کیا گیا اس میں قرآن ہدایت ہے

لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ

واسطے لوگوں کے اور واضح دلیلیں ہدایت کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی پس جو شخص حاضر ہو تم میں سے اس مہینے میں

فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ

تو چاہیے کہ روزے رکھے وہ اس کے اور جو شخص ہو بیمار یا سفر پر تو گنتی (پوری کرنی) ہے دوسرے دنوں سے چاہتا ہے

اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ

اللہ تمہارے ساتھ آسانی اور نہیں چاہتا وہ تمہارے ساتھ تنگی اور تاکہ تم پوری کرو گنتی اور تاکہ تم بڑائی (بیان) کرو اللہ کی

عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿١٨٥﴾

اس پر کہ ہدایت دی اس نے تمہیں اور شاید کہ تم شکر کرو ○

اللہ تبارک وتعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے اپنے بندوں پر احسان فرماتے ہوئے ان پر روزے فرض کیے جس طرح اس نے پہلی امتوں پر روزے فرض کیے تھے کیونکہ روزے کا تعلق ایسی شرائع اور اوامر سے ہے جو ہر زمانے میں مخلوق کی بھلائی پر مبنی ہیں۔ نیز روزے اس امت کو اس جرأت پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ اعمال کی تکمیل اور خصائل حسنہ کی طرف سبقت کرنے میں دوسرے لوگوں سے مقابلہ کریں' نیز روزے بوجھل اعمال میں سے نہیں ہیں جن کا صرف تمہیں ہی بطور خاص حکم دیا گیا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے روزے کی مشروعیت کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ ''تاکہ تم متقی بن جاؤ۔'' کیونکہ روزہ تقویٰ کا سب سے بڑا سبب ہے۔

اس لیے کہ روزے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی کامل اطاعت اور اس کی نہی سے مکمل اجتناب ہے۔ پس یہ آیت کریمہ تقویٰ کے جن امور پر مشتمل ہے وہ یہ ہیں کہ

روزہ دار کھانا پینا اور جماع وغیرہ اور ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے جنہیں وقتی طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حرام قرار دیا ہے اور جن کی طرف نفس کا میلان ہوتا ہے، لیکن وہ صرف تقرب الٰہی اور ثواب کی امید پر ان چیزوں کو ترک کر دیتا ہے اور یہی تقویٰ ہے۔

روزے دار اپنے نفس کو یہ تربیت دیتا ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کی نگرانی میں ہے، چنانچہ وہ اپنی خواہشات نفس کو پورا کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود انہیں ترک کر دیتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ ان پر مطلع ہے۔

روزہ شیطان کی راہوں کو تنگ کر دیتا ہے۔ شیطان ابن آدم کے اندر یوں گردش کرتا ہے جیسے اس کی رگوں میں خون گردش کرتا ہے۔ روزے کے ذریعے سے شیطان کا اثر و نفوذ کمزور پڑ جاتا ہے اور گناہ کم ہو جاتے ہیں۔

غالب حالات میں روزہ دار کی نیکیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور نیکیاں تقویٰ کے خصائل میں شمار ہوتی ہیں۔

جب خوشحال روزہ دار بھوک کی تکلیف کا مزا چکھ لیتا ہے تو یہ چیز محتاجوں اور ناداروں کی غمگساری اور دستگیری کی موجب بنتی ہے اور یہ بھی تقویٰ کی ایک خصلت ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے اہل ایمان پر روزے فرض کر دیئے اس لیے یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ گنتی کے چند روزے ہیں۔ سہولت کی خاطر ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اور سہولت عطا کر دی، چنانچہ فرمایا: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ ''پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کر لے۔'' چونکہ غالب طور پر مریض کو اور مسافر کو دوران سفر مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو روزہ چھوڑنے کی رخصت عطا کر دی ہے۔ چونکہ روزے کی منفعت و مصلحت کا حصول ہر مومن کا مطلوب و مقصود ہے۔ اس لیے مریض اور مسافر کو حکم دیا کہ جب مرض جاتا رہے اور سفر ختم ہو جائے اور انسان کو راحت حاصل ہو جائے تو چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا دیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ﴾ میں اس بات کی دلیل ہے کہ رمضان کے دنوں کی گنتی کی قضا دی جائے خواہ رمضان پورا ہو یا ناقص۔ نیز اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ گرمیوں کے طویل دنوں کی قضا سردیوں کے چھوٹے دنوں میں دی جا سکتی ہے اور اس کے برعکس چھوٹے دنوں کی قضا بڑے دنوں میں دی جا سکتی ہے۔

﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ﴾ ''اور ان لوگوں پر جو اس کی طاقت رکھتے ہوں۔'' یعنی جو روزے رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ روزہ نہ رکھیں، تو وہ ﴿فِدْيَةٌ﴾ فدیہ دیں ﴿طَعَامُ مِسْكِيْنٍ﴾ ''ایک

مسکین کا کھانا۔" یعنی ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ یہ حکم روزوں کے فرض ہونے کی ابتدا میں تھا چونکہ انہیں روزے رکھنے کی عادت نہیں تھی اور روزے ان پر فرض تھے' تاہم اس میں ان کے لیے مشقت تھی' اس لیے رب حکیم نے نہایت آسان طریقے کے ساتھ انہیں اس راستے پر لگایا اور روزے کی طاقت رکھنے والے کو اللہ نے اختیار دے دیا کہ چاہے تو روزہ رکھ لے اور چاہے تو ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ مگر روزہ رکھنا افضل ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ "اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے لیے بہتر ہے"۔ اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر اس مسلمان پر روزہ رکھنا فرض کر دیا جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو اور طاقت نہ رکھنے والے شخص کو روزہ چھوڑنے اور دوسرے دنوں میں اس کی قضا دینے کی رخصت دے دی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ﴿ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ ﴾ کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ جو بہت تکلیف سے روزہ رکھتے ہیں۔ یعنی وہ روزے کی مشقت کے متحمل نہیں' جیسے بہت بوڑھا وغیرہ تو وہ روزہ کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور یہی مسلک صحیح ہے۔

﴿ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ﴾ "رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل ہوا۔" یعنی جو روزے تم پر فرض کیے ہیں وہ رمضان کے روزے ہیں' یہ ایک ایسا عظمت والا مہینہ ہے جس میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل حاصل ہوا' یعنی قرآن کریم جو تمہارے دینی اور دنیاوی مصالح کی طرف رہنمائی پر مشتمل ہے۔ جو حق کو نہایت وضاحت سے بیان کرتا ہے اور جو حق اور باطل' ہدایت اور گمراہی اور خوش بخت اور بدبخت لوگوں کے درمیان پرکھ کرنے کی کسوٹی ہے۔ وہ مہینہ جس کی یہ فضیلت ہو جس میں تم پر اللہ تعالیٰ کا اس قدر احسان اور فضل ہو' اس بات کا مستحق ہے کہ وہ بندوں کے لیے نیکیوں کا مہینہ بنے اور اس کے اندر روزے فرض کیے جائیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کو روزوں کے لیے مقرر کر دیا اور اس نے اس کی فضیلت اور روزوں کے لیے اس کو مختص کرنے کی حکمت کو واضح کر دیا' تو فرمایا: ﴿ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ﴾ "پس جو تم میں سے اس مہینے کو پالے' تو وہ اس کے روزے رکھے" اس آیت کریمہ میں یہ بات متعین کر دی گئی کہ ہر صحت مند شخص جو سفر میں نہ ہو اور روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہو وہ رمضان کے روزے رکھے۔

چونکہ نسخ کا تعلق اس اختیار سے ہے جو خاص طور پر روزہ رکھنے اور فدیہ دینے کے درمیان دیا گیا تھا' اس لیے مریض اور مسافر کے لیے رخصت کو دوبارہ بیان کر دیا گیا' تاکہ اس وہم کا ازالہ ہو جائے کہ مریض اور مسافر کے لیے بھی رخصت منسوخ ہو گئی ہے۔ پس فرمایا: ﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ "اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے' تم پر سختی کرنا نہیں چاہتا" یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ تم پر اپنی رضا کے راستے حد درجہ آسان کر دے۔ اس لیے ان تمام امور کو جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض قرار دیا ہے' اصل

میں حد درجہ آسان بنایا ہے اور جب کوئی ایسا عارضہ پیش آ جائے جو ان کی ادائیگی کو مشکل اور بوجھل بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک اور طرح سے آسان کر دیا۔ یا تو سرے سے اس فرض ہی کو ساقط کر دیا یا ان میں مختلف قسم کی تخفیفات سے نواز دیا۔ یہ اس (آسانی) کا اجمالاً ذکر ہے۔ یہاں تفاصیل بیان کرنا ممکن نہیں' کیونکہ اس کی تفاصیل تمام شرعیات کا احاطہ کیے ہوئے ہیں اور ان شرعیات میں تمام رخصتیں اور تخفیفات شامل ہیں۔

﴿ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ ﴾ ''اور تاکہ تم اس کی گنتی کو پورا کرو'' ۔اس آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے۔ واللہ اعلم۔ کہ کوئی شخص اس وہم میں مبتلا نہ ہو کہ رمضان کے چند روزے رکھنے سے مقصود و مطلوب حاصل ہو سکتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں روزوں کی تکمیل کے حکم کے ذریعے سے اس وہم کا ازالہ کر دیا گیا' نیز حکم دیا گیا کہ روزوں کے مکمل ہونے پر بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی توفیق' سہولت اور تبیین کا شکر ادا کیا جائے۔ رمضان کے اختتام اور روزوں کے پورے ہونے پر تکبیریں کہی جائیں۔ اس حکم میں وہ تمام تکبیریں شامل ہیں جو شوال کا چاند دیکھ کر خطبہ عید سے فراغت تک کہی جاتی ہیں۔

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا

اور جب سوال کریں آپ سے میرے بندے میرے بارے میں' تو بلاشبہ میں قریب ہوں' قبول کرتا ہوں میں پکارنے والے کی پکار کو جب

دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ۝۱۸۶

بھی وہ مجھے پکارے' پس چاہیے کہ مانیں وہ (بھی) میرا حکم اور ایمان لائیں مجھ پر' تاکہ وہ ہدایت پائیں ○

رسول اللہ ﷺ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ''کیا ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس سے سرگوشی کے انداز میں مناجات کریں یا وہ دور ہے کہ ہم اسے پکاریں؟'' اس سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ﴾ ''اور جب تجھ سے میرے بندے میری بابت پوچھیں تو (ان کو بتلا دیں کہ) میں قریب ہوں'' کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی نگہبانی کرنے والا اور اسے دیکھنے والا ہے وہ ہر بھید اور ہر چھپی ہوئی چیز کی اطلاع رکھتا ہے۔ وہ آنکھوں کی خیانت اور سینوں میں مدفون رازوں کو جانتا ہے۔ وہ دعا قبول کرنے کے اعتبار سے بھی پکارنے والے کے قریب ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ﴾ ''جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔'' دعا کی دو اقسام ہیں۔ (۱) دعائے عبادت۔ (۲) دعائے سوال۔ اسی طرح قرب کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اپنے علم کے اعتبار سے اپنی تمام مخلوق کے قریب ہونا۔ (۲) دعا کی قبولیت' مدد اور توفیق کے ساتھ اپنے عبادت گزار بندوں اور پکارنے والے کے قریب ہونا۔

جو کوئی حضور قلب کے ساتھ اپنے رب سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جو مشروع ہو اور قبولیت دعا میں کوئی مانع بھی نہ ہو' مثلاً حرام کھانا وغیرہ' تو اللہ تعالیٰ نے ایسی دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ خاص طور پر جب بندہ ایسے

اسباب اختیار کرتا ہے جو اجابت دعا کے موجب ہیں' مثلاً اللہ تعالیٰ کے قولی اور فعلی اوامر و نواہی کے سامنے سرافگندہ ہونا اور اس پر ایمان لانا' جو قبولیت دعا کا موجب ہے۔ بنابریں فرمایا: ﴿فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ ''پس ان کو چاہیے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں' تاکہ وہ راہ راست پالیں'' یعنی ان کو وہ رشد عطا ہوگی جو ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے کا نام ہے اور ان سے وہ گمراہی زائل ہو جائے گی جو ایمان اور اعمال صالحہ کے منافی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کے احکام کی اطاعت کرنا حصول علم کا سبب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَل لَّكُمْ فُرْقَانًا﴾ (الانفال: ۲۹/۸) ''اے ایمان دارو! اگر تم اللہ سے ڈرو تو وہ تمہارے لیے حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی کسوٹی بہم پہنچا دے گا''۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ

حلال کر دیا گیا ہے تمہارے لیے روزے کی رات کو صحبت کرنا اپنی عورتوں کے ساتھ' وہ لباس ہیں تمہارے لیے اور تم لباس ہو

لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ

ان کے لئے' جان لیا اللہ نے کہ بیشک تھے تم خیانت کرتے اپنے نفسوں کی' سو اس نے توجہ فرمائی تم پر اور معاف کر دیا تمہیں'

فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ

پس اب مباشرت کرو تم ان سے اور تلاش کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لیے' اور کھاؤ اور پیو حتیٰ کہ ظاہر ہو جائے

لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ

واسطے تمہارے دھاری سفید' سیاہ دھاری سے یعنی فجر ہو جائے پھر پورا کرو تم روزے کو

إِلَى اللَّيْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوهُنَّ وَأَنتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسَاجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُودُ

رات تک' اور نہ مباشرت (صحبت) کرو تم اپنی عورتوں سے' جبکہ تم اعتکاف کرنے والے ہو مسجدوں میں' یہ حدیں ہیں

اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١٨٧﴾

اللہ کی' سو مت قریب جاؤ تم ان کے' اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے' شاید کہ وہ متقی بنیں ○

روزوں کے فرض کیے جانے کے بعد شروع شروع میں مسلمانوں پر رات کے وقت سو جانے کے بعد کھانا پینا اور جماع وغیرہ حرام تھا' بنابریں بعض اصحاب کے لیے یہ چیز مشقت کا باعث ہوئی' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس حکم میں تخفیف فرما دی اور رمضان کی راتوں میں ان کے لیے کھانا پینا اور جماع مباح قرار دے دیا۔ خواہ وہ سویا ہو یا نہ سویا ہو اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کچھ ایسے امور کو ترک کر کے جن کا انہیں حکم دیا گیا تھا' اپنے نفسوں کے ساتھ خیانت کرتے تھے۔ ﴿فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ ''پس اس (اللہ تعالیٰ) نے تم پر رجوع کیا'' بایں طور کہ اس نے

تمہارے لیے اس معاملے میں وسعت پیدا کر دی اگر اس میں یہ وسعت پیدا نہ کی جاتی تو یہ معاملہ گناہ کا موجب بنتا۔

﴿ وَعَفَا عَنْكُمْ ﴾ ''اور تم سے درگزر فرمایا'' یعنی جو کچھ خیانت ہو چکی اللہ تعالیٰ نے اس پر تمہیں معاف کر دیا ﴿ فَالْـٰٔنَ ﴾ ''پس اب'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس رخصت اور وسعت کے بعد ﴿ بَاشِرُوْهُنَّ ﴾ ''ان سے مباشرت کرو۔'' یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت یعنی جماع' بوس و کنار اور لمس وغیرہ کرو۔ ﴿ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ﴾ ''اور اس چیز کو تلاش کرو' جو اللہ نے تمہارے لیے لکھی ہے'' یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت میں تقرب الٰہی اور جماع کے سب سے بڑے مقصد کو مد نظر رکھو۔ اور وہ ہے حصول اولاد' خود اپنی اور اپنی بیوی کی عفت کی حفاظت اور نکاح کے مقاصد کا حصول۔ نیز رمضان کی راتوں میں اللہ تعالیٰ نے شب قدر کی موافقت کو جو تمہارے لیے مقرر کر رکھا ہے (اس کے حصول کی کوشش کرو) اور تمہارے شایاں نہیں کہ تم شب قدر کے حصول کی کوشش کو چھوڑ کر اس لذت میں مصروف ہو جاؤ اور شب قدر کو ضائع کر دو یہ لذت تو پھر بھی حاصل ہو سکتی ہے لیکن اگر شب قدر کے حصول کی فضیلت سے محروم ہو گئے تو یہ فضیلت کبھی حاصل نہیں ہو سکے گی۔

﴿ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ﴾ ''اور کھاؤ اور پیو' یہاں تک کہ سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے واضح (یعنی) فجر ہو جائے'' یہ کھانے پینے اور جماع کے وقت کی آخری حد ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ طلوع فجر کے وقت میں کچھ شک ہو' تو اس وقت میں کچھ کھا پی لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ یہ آیت سحری کھانے کے استحباب پر بھی دلیل ہے' کیونکہ اس میں کھانے پینے کے لیے امر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سحری کے وقت کھانے پینے میں تاخیر کی جائے۔ یعنی آخری وقت میں سحری کھائی جائے' کیونکہ سحری کا حکم اللہ نے لوگوں کی آسانی ہی کے لیے دیا ہے' اس لیے اس میں جتنی تاخیر کی جائے گی' اتنی ہی سہولت بھی زیادہ ہو گی۔

اس میں اس امر کے جواز کی بھی دلیل ہے کہ اگر جماع کی وجہ سے حالت جنابت میں انتہائے سحر ہو جائے اور وہ غسل نہ کر سکا ہو تو اس کا روزہ صحیح ہے' اس لیے کہ طلوع فجر تک جماع کی اباحت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جب فجر ہو گی تو وہ اس وقت جنبی ہو گا اور حق کو لازم ہونے والا امر بھی حق ہوتا ہے۔

﴿ ثُمَّ ﴾ ''پھر'' یعنی جب فجر طلوع ہو جائے ﴿ اَتِمُّوا الصِّيَامَ ﴾ ''تو روزے کو پورا کرو'' یعنی روزہ توڑنے والے افعال کے ارتکاب سے رکے رہو ﴿ اِلَى الَّيْلِ ﴾ ''رات تک'' یعنی غروب آفتاب تک۔ رمضان کی راتوں میں جماع کی جو اجازت دی گئی ہے چونکہ یہ ہر شخص کے لیے عام نہیں' کیونکہ اعتکاف میں بیٹھنے والے کے لیے جماع جائز نہیں' چنانچہ اس استثناء کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ﴿ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ﴾ ''اور جب مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو ان سے مباشرت نہ کرو۔'' یعنی جب تم اعتکاف کی صفت سے

متصف ہو تو تم اپنی بیویوں سے مباشرت (ہم بستری، بوس و کنار وغیرہ) نہ کرو۔ یہ آیت کریمہ اعتکاف کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے اور وہ ہے دنیاوی امور سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی خاطر مسجد میں گوشہ گیر ہو جانا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسجد کے سوا کسی اور جگہ اعتکاف صحیح نہیں اور مساجد کی تعریف سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ یہاں مساجد سے مراد وہ مساجد ہیں جو مسلمانوں کے ہاں معروف ہیں اور یہ وہ مساجد ہیں جہاں پانچ وقت جماعت ہوتی ہو۔

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جماع ان امور میں سے ہے جن سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔ یہ تمام مذکورہ امور، مثلاً روزے کی حالت میں کھانے پینے اور جماع کی ممانعت جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، غیر معذور کے لیے روزہ چھوڑ دینے کی ممانعت اور اعتکاف میں بیٹھنے والے کے لیے جماع کی حرمت وغیرہ ﴿حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ ''اللہ کی حدیں ہیں'' جنہیں اس نے بندوں کے لیے مقرر کیا ہے اور ان کو توڑنے سے انہیں منع کیا ہے۔ ﴿فَلَا تَقْرَبُوْهَا﴾ ''پس تم ان کے قریب مت جاؤ'' اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد (فلا تفعلوھا) ''پس تم ان کا ارتکاب مت کرو'' سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ ''قریب جانے'' کے لفظ میں نفس فعل کی حرمت اور اس فعل حرام تک پہنچانے والے وسائل و ذرائع کی حرمت سب شامل ہیں اور بندۂ مومن تمام محرمات کو ترک کرنے، حتی الامکان ان سے دور رہنے اور ان تمام اسباب کو ترک کرنے پر مامور ہے جو ان محرمات کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

رہے اوامر تو اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا﴾ (البقرۃ: ۲/ ۲۲۹) ''یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔'' پس اللہ تعالیٰ نے ان حدود سے باہر نکلنے سے روک دیا۔ ﴿كَذٰلِكَ﴾ ''اسی طرح'' یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے گزشتہ احکام کو اپنے بندوں کے سامنے اچھی طرح بیان اور مکمل طور پر واضح کر دیا ہے ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ﴾ ''اللہ بیان کرتا ہے اپنی نشانیاں لوگوں کے لیے تاکہ وہ بچیں'' اس لیے کہ جب حق ان کے لیے واضح ہو جائے گا تو وہ اس کی پیروی کریں گے اسی طرح جب باطل ان کے سامنے عیاں ہو جائے گا تو وہ اس سے اجتناب کریں گے، کیونکہ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان فعل حرام کا ارتکاب محض اس وجہ سے کر بیٹھتا ہے کہ اسے اس کے حرام ہونے کا علم نہیں ہوتا، اگر اسے اس کی حرمت کا علم ہوتا، تو وہ کبھی اس کا ارتکاب نہ کرتا اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے اپنی آیات کو کھول کھول کر بیان کر دیا، تو ان کے پاس کوئی عذر اور کوئی حجت باقی نہ رہی اور یہ چیز تقویٰ کا سبب ہے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا

اور نہ کھاؤ تم اپنے مال آپس میں ناجائز طریقے سے اور (نہ) لے جاؤ ان کو حاکموں کی طرف تاکہ کھاؤ تم

فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ع ﴿١٨٨﴾

کچھ حصہ لوگوں کے مالوں سے ساتھ گناہ کے، حالانکہ تم جانتے ہو ○

﴿وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ ''اور اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے مت کھاؤ'' کھانے سے مراد لینا ہے اور اپنے مال سے مراد دوسرے لوگوں کا مال ہے۔ دوسروں کے مال کو اپنا مال اس لیے کہا کہ مسلمان کے شایاں یہی ہے کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور اپنے بھائی کے مال کا اسی طرح احترام کرے جس طرح وہ اپنے مال کا احترام کرتا ہے۔ دوسرے کے مال کو اپنا مال کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ دوسرے کا مال کھائے گا تو دوسرا شخص بھی جب اس کو قدرت حاصل ہوگی' تو اس کا مال کھانے کی جسارت کرے گا۔ (اس لیے کسی دوسرے کا مال کھانا ایسا ہی ہے جیسے وہ اپنا مال کھا رہا ہے) چونکہ مال کھانے کی دو قسمیں ہیں: (۱) حق کے ساتھ مال کھانا۔ (۲) اور باطل طریقے سے مال کھانا' اور حرام صرف باطل طریقے سے مال کھانا ہے اس لیے یہاں اس کو ''باطل'' سے مقید کیا ہے اور اس میں غصب کر کے' چوری کر کے' امانت میں خیانت کر کے اور ادھار لی ہوئی چیز کا انکار کر کے مال کھانا' سب شامل ہے۔ نیز اس میں وہ معاوضہ بھی شامل ہے جو حرام ہے' جیسے سودی لین دین اور ہر قسم کے جوئے سے حاصل شدہ مال' کیونکہ یہ مال کسی جائز معاوضے کے طور پر حاصل نہیں ہوا۔

باطل طریقے سے مال کھانے میں خرید و فروخت اور اجارہ میں دھوکہ اور ملاوٹ کے ذریعے سے حاصل کیا ہوا مال بھی شامل ہے۔ مزدوروں سے کام لینا اور پھر ان کی اجرت کھا جانا بھی باطل طریقے سے مال کھانا ہے۔

اسی طرح ان مزدوروں کا کسی کام کی اجرت لینا اور اس کے عوض پورا کام نہ کرنا بھی حرام کھانا اور باطل ہے۔

ان عبادات اور تقرب الٰہی کے کاموں پر اجرت لینا جو اس وقت تک صحیح نہیں ہوتیں جب تک ان میں صرف رضائے الٰہی مقصود نہ ہو' باطل طریقے ہی سے مال کھانے میں داخل ہے۔

اس حرام کھانے میں ان لوگوں کا زکوٰۃ' صدقات' اوقاف اور وصیتوں کا مال کھانا بھی داخل ہے جو اس مال کے مستحق نہیں' یا وہ مستحق تو تھے مگر اپنے حق سے زیادہ مال وصول کیا۔

(مال کھانے کی) مذکورہ بالا اور ان جیسی دیگر تمام اقسام باطل طریقے سے مال کھانے کے زمرے میں داخل ہیں۔ جس کا کھانا کسی بھی پہلو سے جائز نہیں۔ حتیٰ کہ اگر اس میں نزاع واقع ہو جائے اور جھگڑا شرعی عدالت میں چلا جائے اور وہ فریق جو باطل طریقے سے مال کھانا چاہتا ہے کوئی ایسی دلیل پیش کرتا ہے جو اصلی حق دار کی دلیل پر غالب آ جاتی ہے اور حاکم اس دلیل کی بنیاد پر اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہے۔ (تو عدالتی فیصلے کے باوجود یہ مال حرام اور باطل ہی رہے گا)' اس لیے کہ کسی حاکم کا فیصلہ کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کر سکتا' کیونکہ حاکم تو صرف پیش کردہ دلائل سن کر فیصلہ کرتا ہے ورنہ معاملات کے اصل حقائق تو اپنی جگہ موجود رہتے ہیں' اس لیے باطل طریقے سے مال ہڑپ کرنے والے کے لیے حاکم کے فیصلے میں کوئی خوشی اور اس مال کے باطل ہونے میں کوئی شبہ اور اس کے لیے کوئی راحت نہیں۔ بنابریں جو کوئی جھوٹے ثبوت کے ساتھ کوئی جھوٹا مقدمہ حاکم کی عدالت

میں دائر کرتا ہے اور حاکم اس ثبوت کی بنیاد پر اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہے، تو یہ مال اس شخص کے لیے جائز نہیں اور وہ غیر کے مال کو جانتے بوجھتے باطل اور گناہ کے طریقے سے کھانے کا مرتکب ہوگا' اس لیے وہ سخت ترین سزا اور عقوبت کا مستحق ہے۔ اسی بنا پر جب وکیل کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا موکل اپنے دعوے میں جھوٹا ہے، تو اس کے لیے اس خائن کی وکالت کرنا جائز نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآىِٕنِيْنَ خَصِيْمًا﴾ (النساء : ۱۰۵/۴) ''اور خیانت کرنے والوں کی حمایت میں کبھی جھگڑا نہ کرنا''۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ

سوال کرتے ہیں آپ سے چاندوں کے بارے میں' کہہ دیجئے! وہ اوقات مقررہ ہیں واسطے لوگوں کے اور حج کے اور نہیں ہے نیکی یہ کہ

تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ

آؤ تم اپنے گھروں میں ان کے پچھواڑوں کی طرف سے' لیکن نیکی تو (اس کی) ہے جو پرہیزگار ہو اور آؤ تم اپنے گھروں میں

مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

ان کے دروازوں سے' اور ڈرو تم اللہ سے' شاید تم فلاح پاؤ ○

﴿الْاَهِلَّة﴾ (هِلَال) کی جمع ہے' یعنی وہ سوال کرتے ہیں کہ چاند کا کیا فائدہ اور اس میں کیا حکمت ہے یا چاند کیا چیز ہے؟ ﴿قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ﴾ ''کہہ دیجئے! یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے لیے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف وکرم سے اسے درج ذیل نظم وتدبیر پر تخلیق کیا ہے۔

مہینے کے آغاز میں چاند بہت باریک اور کمزور سا ظاہر ہوتا ہے۔ پھر مہینے کے نصف تک بڑھتا چلا جاتا ہے۔ پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور مہینے کے پورا ہونے تک گھٹتا رہتا ہے۔ (اس طرح یہ سلسلہ مستقل جاری رہتا ہے) اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگ اس ذریعے سے اپنی عبادات کے اوقات' مثلاً روزوں' زکوٰۃ کے اوقات' کفارے اور حج کے اوقات پہچان لیں اور چونکہ حج متعین مہینوں میں ہوتا ہے اور بہت زیادہ وقت اس میں صرف ہوتا ہے' اس لیے ﴿وَالْحَجِّ﴾ فرما کر اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا' یعنی چاند کے ذریعے سے حج کے مہینوں کا بھی علم ہوتا ہے۔ اسی طرح چاند کے ذریعے سے مدت معینہ پر ادا کئے جانے والے قرض' اجارات' عدت طلاق و وفات اور حمل وغیرہ کی مدت اور اوقات معلوم کئے جاتے ہیں جو کہ مخلوق کی ضرورت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاند کو ایسا حساب بنایا کہ جس سے ہر چھوٹا بڑا اور عالم و جاہل سب معلوم کر لیتے ہیں۔ اگر یہ حساب تقویم شمسی کے ذریعے سے ہوتا تو چند لوگ ہی اس حساب کی معرفت حاصل کر سکتے۔

﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا﴾ ''نیکی یہ نہیں کہ تم گھروں کو پچھواڑے سے آؤ'' یہ انصار وغیرہ اور بعض دیگر عربوں کے اس طریقے کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ حج کے لیے احرام باندھ لیتے تھے

تو اپنے گھروں میں دروازوں میں سے داخل نہیں ہوتے تھے (بلکہ پچھواڑے سے داخل ہوتے تھے) اور اسے وہ نیکی اور عبادت تصور کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ ایسا کرنا نیکی نہیں ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مشروع نہیں کیا اور ایسا شخص جو کسی ایسی عبادت کا التزام کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے مشروع قرار نہیں دیا' تو وہ بدعت کا ارتکاب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ دروازوں سے اپنے گھروں میں داخل ہوا کریں' کیونکہ اسی میں ان کے لیے سہولت ہے جو شریعت کے قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے۔ اس آیت کریمہ کے اشارہ سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ تمام معاملات میں مناسب یہی ہے کہ انسان آسان اور قریب ترین راستہ استعمال کرے جسے اس منزل تک پہنچنے کے لیے مقرر کیا گیا ہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے والے کو چاہیے کہ وہ مامور کے احوال کو مدنظر رکھے۔ نرمی اور ایسی حکمت عملی سے کام لے جس سے پورا مقصد یا اس سے کچھ حصہ حاصل ہو سکتا ہو۔ متعلم اور معلم دونوں کو چاہیے کہ وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے قریب ترین اور سہل ترین راستہ استعمال کریں۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو کسی کام کا ارادہ کرتا ہے اور وہ اس کے لیے صحیح راستے سے داخل ہوتا ہے اور ہمیشہ اسی اصول پر عمل کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ضرور اپنے مقصد کو پالے گا۔

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو'' اور یہی حقیقی نیکی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور وہ ہے دائمی طور پر تقویٰ کا التزام' یعنی اس کے اوامر کے سامنے سرافگندہ ہونا اور اس کی منہیات سے اجتناب کرنا۔ تقویٰ فلاح کا سبب ہے جس کے ذریعے سے مطلوب (جنت) کے حصول میں کامرانی اور ڈرائے گئے امر (عذاب) سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ پس جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اس کے لیے فوز و فلاح کا کوئی راستہ نہیں اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہی فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی سے شاد کام ہوگا۔

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

اور لڑو تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے' اور نہ زیادتی کرو تم' بیشک اللہ نہیں پسند کرتا

الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ

زیادتی کرنے والوں کو ○ اور قتل کرو تم ان کو' جہاں پاؤ تم ان کو' اور نکال دو تم ان کو جہاں سے نکالا انہوں نے تم کو'

وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى

اور فتنہ زیادہ سخت ہے قتل سے' اور نہ لڑو تم ان سے نزدیک مسجد حرام کے' یہاں تک کہ

يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا

لڑیں وہ تم سے اس میں' پس اگر وہ لڑیں تم سے' تو قتل کرو تم ان کو' اسی طرح ہے سزا کافروں کی ○ پھر اگر وہ باز آجائیں'

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ

تو بلاشبہ اللہ ہے بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ○ اور لڑو تم ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ اور ہو جائے دین صرف اللہ کے لئے

فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

پھر اگر وہ باز آ جائیں تو نہیں ہے زیادتی مگر اوپر ظالموں کے ○

یہ آیات کریمہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد اور قتال کو متضمن ہیں اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے بعد جب مسلمان طاقتور ہو گئے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قتال کا حکم دیا جب کہ اس سے قبل ان کو حکم تھا کہ وہ اپنے آپ کو لڑائی سے روکے رکھیں۔ قتال کو ﴿فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ کے ساتھ مختص کرنے میں' اخلاص کی ترغیب اور فتنوں کے زمانے میں مسلمانوں کے آپس میں لڑنے کی ممانعت ہے۔ ﴿الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ﴾ ''جو تم سے لڑتے ہیں۔'' یعنی ان لوگوں کے ساتھ قتال کرو جو تمہارے ساتھ لڑنے کی تیاری کرتے ہیں۔ یہ ذمے دار لڑنے کی اہلیت رکھنے والے کافر مرد ہیں' نہ کہ وہ بوڑھے جو لڑ سکتے ہیں اور نہ لڑائی میں کوئی مشورہ دے سکتے ہیں۔ حد سے تجاوز کرنے کی ممانعت میں ظلم و تعدی کی تمام انواع شامل ہیں جیسے عورتوں' بچوں' بے عقل لوگوں اور راہبوں وغیرہ کو قتل کرنا جو لڑائی میں شریک نہ ہوں۔ جنگ کے دوران مقتولین کا مثلہ کرنا (یعنی مقتول کے کان' ناک اور پوشیدہ اعضاء کاٹنا' آنکھیں نکال دینا اور پیٹ چاک کرنا) اور مسلمانوں کی کسی مصلحت کے بغیر جانوروں کو قتل کرنا اور درخت وغیرہ کاٹنا' سب ظلم و تعدی میں شمار ہوگا۔ جب کفار جزیہ قبول کر کے اس کو ادا کر چکے ہوں تو ان کے خلاف لڑنا بھی ظلم و تعدی ہے جو کہ ہرگز جائز نہیں۔ ﴿وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ﴾ ''اور مار ڈالو ان کو جہاں کہیں بھی پاؤ تم ان کو'' یہ ان کے ساتھ قتال کا حکم ہے ہر وقت اور ہر زمانے میں جہاں کہیں بھی وہ پائے جائیں ان کے خلاف مدافعانہ اور جارحانہ جنگ جاری رہے۔ پھر اس عموم سے مسجد حرام کے قریب قتال کرنے کو مستثنیٰ کر دیا' کیونکہ مسجد حرام کے قریب لڑنا جائز نہیں' البتہ اگر وہ مسجد حرام کے قریب لڑائی کی ابتدا کریں تو پھر ان کے خلاف لڑائی کی جائے یہ ان کے ظلم و زیادتی کا بدلہ ہے۔

یہ کفار کے خلاف' ہر وقت اور دائمی قتال و جہاد ہے یہاں تک کہ وہ کفر کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں۔ (اگر وہ ایسا کر لیں) تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اگرچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا' مسجد حرام میں شرک کا ارتکاب کیا اور رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت اور اس کا کرم ہے' چونکہ مسجد حرام کے قریب لڑنے کی ممانعت سے یہ وہم لاحق ہوتا ہے کہ یہ لڑائی اس محترم شہر کے اندر گویا فساد برپا کرنا ہے' تو اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اس حرمت والے شہر کے اندر فتنہ شرک اور اللہ تعالیٰ کے دین سے لوگوں کو روکنے کے مفاسد' قتل کے مفاسد سے بڑھ کر ہیں' لہٰذا اے مسلمانو!

تمہارے لیے ان کے خلاف لڑنے میں کوئی حرج نہیں۔

اس آیت کریمہ سے فقہ کے ایک مشہور قاعدہ پر استدلال کیا جاتا ہے کہ دو برائیوں میں سے (جب ایک برائی کو اختیار کرنا لابدی ہو تو) کم تر برائی کو اختیار کیا جائے، تاکہ بڑی برائی کا سد باب کیا جا سکے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے راستے میں اس قتال اور جہاد کا مقصد بیان فرمایا ہے۔ قتال فی سبیل اللہ کا مقصد یہ نہیں کہ کفار کا خون بہایا جائے اور ان کے اموال لوٹ لیے جائیں، بلکہ جہاد کا مقصد صرف یہ ہے ﴿وَيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ﴾ ''کہ دین اللہ کا ہو جائے'' یعنی اللہ تعالیٰ کا دین تمام ادیان پر غالب آ جائے اور شرک وغیرہ اور ان تمام نظریات کا قلع قمع کر دیا جائے جو اللہ کے دین کے منافی ہیں اور فتنہ سے بھی یہی مراد ہے۔ جب یہ مقصد حاصل ہو جائے، تو قتل کرنا اور لڑائی کرنا جائز نہیں۔ ﴿فَاِنِ انْتَهَوْا﴾ ''پس اگر وہ باز آ جائیں۔'' یعنی اگر وہ مسجد حرام کے قریب تمہارے ساتھ لڑائی کرنے سے باز آ جائیں ﴿فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں۔'' یعنی تمہاری طرف سے ان پر کوئی ظلم اور زیادتی نہیں ہونی چاہیے، سوائے اس کے جس نے ظلم کا ارتکاب کیا ہو تو ایسا شخص اپنے ظلم کے برابر سزا کا مستحق ہے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۭ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ

حرمت والا مہینہ، حرمت والے مہینے کے بدلے میں ہے، اور سب حرمتیں بدلے کی چیزیں ہیں، سو جو زیادتی کرے اوپر تمہارے

فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

تو تم زیادتی کرو اوپر اس کے مثل اس کے جو زیادتی کی اس نے تم پر، اور ڈرو اللہ سے، اور جان لو بیشک

اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

اللہ ساتھ ہے متقین کے ○

﴿اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ ''حرمت والا مہینہ، حرمت والے مہینے کے بدلے میں ہے'' اس آیت میں اس مفہوم کا احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ واقعہ ہو کہ جب صلح حدیبیہ والے سال کفار نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اور ان سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ اگلے سال مکہ مکرمہ آئیں گے، تو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکنے کا واقعہ اور عمرۂ قضا دونوں حرمت والے مہینے (ذوالقعدہ) میں پیش آئے۔ اس لیے حرام مہینے کے مقابلے میں حرام مہینے کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس مفہوم کی رو سے اس آیت کریمہ میں صحابہ کرام کے مناسک کی تکمیل کی خبر دے کر ان کی دل جوئی کی ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ تم نے اگر ان کے ساتھ حرمت والے مہینے میں لڑائی کی ہے تو (کیا ہوا) انہوں نے بھی تو تم سے حرمت والے مہینے ہی میں لڑائی کی ہے اس لیے حد سے تجاوز کرنے والے تو وہی کفار مکہ ہیں (تمہیں تو مجبوراً لڑنا پڑا ہے) پس تمہارے

لیے اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ﴾ ''اور حرمتوں میں بدلہ ہے'' عام کا عطف خاص پر کے باب سے ہوگا' یعنی ہر وہ چیز جو قابل احترام ہے' وہ حرمت والا مہینہ ہو یا حرمت والا شہر ہو یا احرام ہو یا اس سے بھی زیادہ عام ہو' یعنی ہر وہ چیز جس کی حرمت کا حکم شریعت نے دیا ہے' جو کوئی ان کی بے حرمتی کی جرأت کرے گا' اس سے قصاص لیا جائے گا۔ پس جو کوئی حرام مہینے میں لڑائی کرے گا اس کے ساتھ لڑائی کی جائے گی۔ جو کوئی اس محترم شہر کی بے حرمتی کرے گا اس پر حد جاری کی جائے گی اور اس کا کوئی احترام نہیں۔ جو کوئی بدلہ لینے کے لیے (حرم شریف کے اندر) کسی کو قتل کرے گا اسے قتل کیا جائے گا جو کسی کو زخمی کرے گا یا اس کا کوئی عضو کاٹے گا' اس کا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ جو کوئی بلا جواز کسی کا مال لے گا' اس سے اس کا بدلا لیا جائے گا۔

البتہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا صاحب حق کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ مال میں سے اپنے مال کے بقدر مال لے لے؟ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے اس میں راجح مسلک یہ ہے کہ اگر حق کا سبب واضح ہو جیسے مہمان جب کہ دوسرے شخص نے اس کی مہمان نوازی نہ کی ہو' بیوی اور وہ قریبی رشتہ دار جن کا نفقہ جس کے ذمہ فرض ہو' وہ نفقہ اور کفالت سے انکار کر دے' تو اس کے مال میں سے بقدر حق مال لے لینا جائز ہے۔

اور اگر حق کا سبب خفی اور غیر واضح ہو' مثلاً کوئی شخص کسی کے قرض کا انکار کر دیتا ہے کہ اس نے قرض لیا ہی نہیں' یا کسی امانت میں خیانت کرتا ہے' یا اس میں سے چوری کر لیتا ہے وغیرہ' تو اس صورت میں مال لینا جائز نہیں ہے۔ اس طرح دلائل میں تطبیق ہو جاتی ہے اور تعارض نہیں رہتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے گزشتہ حکم کی تاکید اور تقویت کے لیے فرمایا ﴿ فَمَنِ اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ ﴾ ''جو تم پر زیادتی کرے' تو تم بھی اس پر اس کی مثل زیادتی کرو جو اس نے تم پر کی'' یہ بدلہ لینے کی صفت کی تفسیر ہے۔ نیز یہ کہ یہ تعدی کا ارتکاب کرنے والے کی تعدی اور ظلم کی مماثلت ہے۔

چونکہ غالب حالات میں' اگر نفوس انسانی کو (اپنے ساتھ زیادتی کے بدلے میں) سزا دینے کی رخصت دے دی جائے' تو وہ اپنی تشفی اور تسکین کے لیے جائز حد پر نہیں رکتے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو التزام تقویٰ کا حکم دیا جو کہ نام ہے اللہ تعالیٰ کی حدود پر ٹھہر جانے اور ان سے تجاوز نہ کرنے کا اور ان کو بتلایا کہ ﴿ اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کے ساتھ ہے'' یعنی اللہ کی مدد و نصرت اور اس کی تائید و توفیق ان کے ساتھ ہے اور جسے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوگئی' وہ ابدی سعادت سے سرفراز ہو گیا اور جس نے تقویٰ کا التزام نہ کیا تو اس کا سرپرست اس سے علیحدہ ہو گیا' اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیا' تب اس کی ہلاکت اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہو جاتی ہے۔

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ ۚۖۛ وَاَحْسِنُوْا ۚۛ

اور خرچ کرو تم اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو تم اپنے ہاتھوں کو طرف ہلاکت کی اور نیکی کرو'

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

یقیناً اللہ پسند کرتا ہے نیکی کرنے والوں کو ○

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے راستے میں مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس سے مراد ہے کہ مال کو ان راستوں میں خرچ کیا جائے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں اور یہ بھلائی کے تمام راستے ہیں جیسے مساکین' قریبی رشتہ داروں پر صدقہ کرنا اور ان لوگوں پر خرچ کرنا جن پر خرچ کرنا واجب ہے۔ ان راستوں میں سب سے بڑا اور ان میں سب سے پہلے نمبر پر آنے والا' فی سبیل اللہ یعنی جہاد کی راہ میں خرچ کرنا ہے' کیونکہ اس راہ میں خرچ کرنا جہاد بالمال کے زمرے میں آتا ہے اور مالی جہاد بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح بدنی جہاد فرض ہے۔ مالی جہاد میں عظیم مصالح پنہاں ہیں۔ مالی جہاد سے اہل ایمان کو تقویت پہنچتی ہے' شرک اور اہل شرک کمزور ہوتے ہیں اور اقامت دین اور اس کی سربلندی میں مدد ملتی ہے۔ پس جہاد فی سبیل اللہ کا درخت مالی اعانت کے تنے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا' جہاد کے لیے مالی اخراجات وہی حیثیت رکھتے ہیں جو بدن کے لیے روح' پس اس کے بغیر جہاد کا جاری رہنا ممکن نہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے گریز درحقیقت جہاد کا ابطال' دشمنوں کا تسلط اور ان کی اسلام دشمنی میں اضافہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ﴾ ''اپنے ہاتھوں (جان) کو ہلاکت میں نہ ڈالو'' اس حکم کی علت کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا دو امور کی طرف راجع ہے۔

(۱) اس امر کو ترک کر دینا جس کا حکم بندے کو دیا گیا جبکہ اس امر کو ترک کرنا بدن یا روح کی ہلاکت کا یا ہلاکت کے قریب کرنے کا موجب ہو۔

(۲) ایسے فعل کا ارتکاب کرنا جو بدن یا روح کی ہلاکت کا سبب ہو۔ اس کے تحت بہت سے امور آتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے راستے میں بدنی یا مالی جہاد ترک کر دینا' جو دشمن کے تسلط کا باعث بنتا ہے۔

(۲) انسان کا خود اپنے آپ کو موت کے منہ میں لے جانا' مثلاً کسی لڑائی میں گھس جانا' کسی خوفناک سفر پر روانہ ہو جانا' جانتے بوجھتے درندوں یا سانپوں کے مسکن میں داخل ہونا' کسی خطرناک درخت یا گرنے والی عمارت وغیرہ پر چڑھنا یا کسی خطرناک چیز کے نیچے چلے جانا یہ تمام امور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے تحت آتے ہیں۔

(۳) توبہ سے مایوس ہو کر گناہوں پر قائم رہنا۔

(۴) ان فرائض کو ترک کرنا جن کو اللہ تعالیٰ نے بجالانے کا حکم دیا ہے اور جن کے ترک کرنے میں روح اور دین کی ہلاکت ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا احسان کی ایک قسم ہے' لہٰذا اللہ تعالیٰ نے عمومی طور پر احسان کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ ''اور احسان کرو' یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے'' اس آیت کے معنی میں ہر قسم کا احسان شامل ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے کسی صفت اور شرط وغیرہ سے مقید نہیں کیا۔ پس اس میں مالی احسان بھی شامل ہے۔ اپنے جاہ و منصب کی بنیاد پر (کسی حق دار کی) سفارش کرنے کا احسان بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور علم نافع کی تعلیم بھی احسان میں داخل ہے۔ لوگوں کی ضروریات پوری کرنا' ان کی تکالیف کو دور کرنا' ان کی مصیبتوں کا ازالہ کرنا' ان کے مریضوں کی عیادت کرنا' ان کے جنازوں کے ساتھ جانا' ان کے بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتانا' کسی کے کام میں ہاتھ بٹانا اور کسی ایسے شخص کے لیے کام کر دینا جسے کام نہ آتا ہو۔ یہ تمام امور اس احسان کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اور اس احسان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت احسن طریقے سے کرنا بھی داخل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهُ يَرَاكَ)) ''احسان یہ ہے کہ تو اس طرح اللہ کی عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو کہ تو اسے دیکھ رہا ہے تب وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے[1]۔''

جو کوئی ان صفات سے متصف ہو جاتا ہے وہ ان لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے جن کے بارے میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ﴾ (یونس: ۱۰/۲۶) ''جنہوں نے نیکی کی ان کے لیے بھلائی ہے (اور مزید برآں) اور بھی''۔ اللہ تعالیٰ کی معیت اسے حاصل رہتی ہے' اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے' اس کی راہنمائی کرتا ہے اور ہر معاملے میں اس کی مدد کرتا ہے۔

اور جب اللہ روزے اور جہاد کے احکام کا ذکر فرما چکا' تو اب حج کے احکام کا ذکر فرماتا ہے۔

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

اور پورا کرو تم حج اور عمرہ اللہ کے لئے' پھر اگر روک دیئے جاؤ تم' تو جو میسر ہو قربانی سے (وہ کر دو)

وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا

اور نہ منڈاؤ اپنے سر یہاں تک کہ پہنچ جائے قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ پر' پس جو کوئی ہو تم میں سے مریض

اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ

یا ہو اس کو کوئی تکلیف اس کے سر میں' تو فدیہ دینا ہے روزوں سے یا صدقے سے یا قربانی سے' پھر جب

---

[1] صحیح بخاری' الإیمان' باب سؤال جبریل...... الخ' حدیث: ٥٠

اَمِنْتُمْ ۗ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

امن میں ہو جاؤ تم' تو جس نے فائدہ اٹھایا ساتھ عمرے کے' حج (کے احرام) تک' تو جو میسر ہو قربانی سے (وہ کردو)

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ

پھر جو شخص نہ پائے (قربانی) تو روزے رکھنے ہیں تین دن کے' حج (کے دنوں) میں اور سات' جب واپس لوٹو تم' یہ

عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ

دس ہیں پورے' یہ (حکم) اس شخص کے لئے ہے کہ نہ ہوں اس کے گھر والے رہنے والے مسجد حرام کے پاس'

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾

اور ڈرو تم اللہ سے اور جان لو بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○

﴿وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ﴾ ''اور پورا کرو حج اور عمرے کو'' سے متعدد امور پر استدلال کیا جاتا ہے۔

(۱) حج اور عمرے کا وجوب اور ان کی فرضیت

(۲) حج اور عمرے کو ان ارکان و واجبات کے ساتھ پورا کرنا جن کی طرف رسول اللہ ﷺ کا فعل اور آپ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے ﴿خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ﴾ ''اپنے مناسک حج مجھ سے اخذ کرو''[1]

(۳) اس آیت کریمہ سے ان علماء کی تائید ہوتی ہے جو عمرے کو واجب قرار دیتے ہیں۔

(۴) حج اور عمرہ کو' خواہ وہ نفلی ہی کیوں نہ ہوں جب شروع کر دیا جائے تو ان کا اتمام واجب ہے۔

(۵) حج اور عمرے کو احسن طریقے سے ادا کیا جائے اور یہ چیز حج اور عمرے کے لازمی افعال سے قدر زائد ہے۔

(۶) اس میں حج اور عمرے کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

(۷) حج اور عمرے کا احرام باندھنے والا ان کی تکمیل کئے بغیر احرام نہ کھولے سوائے اس صورت حال کے جس کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور وہ ہے (کسی وجہ سے) محصور ہو جانا۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ﴾ ''پس اگر تم روک دیئے جاؤ'' یعنی اگر تم کسی مرض یا راستہ بھول جانے یا دشمن کے روک لینے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے حج اور عمرہ کی تکمیل کے لیے بیت اللہ نہ پہنچ سکو تو فرمایا: ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ ''تو جیسی قربانی میسر ہو'' یعنی (جو قربانی میسر ہو) ذبح کرو۔ یہ قربانی اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ یا ایک بکری ہے جسے محصور ذبح کرے گا۔ اس کے بعد وہ اپنا سر منڈوائے اور احرام کھول دے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیبیہ والے سال کیا تھا جب مشرکین مکہ نے آپ کو بیت اللہ جانے سے روک دیا تھا۔ اگر محصور کو قربانی نہ ملے تو اس کے بدلے دس روزے رکھے جیسا کہ تمتع کرنے

[1] سنن البیہقی: ۱۲۵/۵

والے کے لیے ضروری ہے اور اس کے بعد احرام کھول کر حلال ہو جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ﴾ ''اور اپنے سروں کو نہ منڈواؤ' یہاں تک کہ قربانی اپنے ٹھکانے کو پہنچ جائے'' بالوں کو منڈوا کر یا کسی اور طریقے سے زائل کرنا احرام کے ممنوعات میں شمار ہوتا ہے۔ بال خواہ سر کے ہوں یا بدن کے کسی اور حصے کے' ان کو زائل کرنا منع ہے' کیونکہ احرام میں اصل مقصود بالوں کی پراگندگی اور ان کو زائل کر کے ان کی اصلاح کرنے کی ممانعت ہے اور وہ باقی بالوں میں بھی موجود ہے۔ بہت سے علماء نے زیب و زینت کے لیے ناخن ترشوانے کو بال منڈوانے پر قیاس کیا ہے اور مذکورہ تمام چیزیں اس وقت تک ممنوع ہیں جب تک کہ قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے اور اس سے مراد قربانی کا دن ہے اور افضل یہ ہے کہ قربانی کرنے کے بعد بال اتروائے جائیں جیسا کہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ تمتع کرنے والا جب اپنے ساتھ قربانی لے کر آیا ہو تو وہ قربانی کے دن سے قبل اپنے عمرے کا احرام نہ کھولے۔ پس تمتع کرنے والا جب عمرے کے طواف اور سعی سے فارغ ہو جائے تو حج کا احرام باندھ لے اور اپنے ساتھ قربانی لانے کی وجہ سے اس کے لیے احرام کھولنا جائز نہیں۔

اور اللہ تعالیٰ نے (حَلْق) ''بال مونڈنے'' سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ اس میں عاجزی' اللہ کے لیے خضوع اور انکسار ہے جو کہ بندے کے لیے عین مصلحت ہے اور اس میں اس کے لیے کوئی نقصان بھی نہیں۔ اگر سر میں کسی مرض' یا زخم یا جوؤں کی وجہ سے تکلیف ہو تو اس کے لیے سر کو منڈوانا جائز ہے البتہ فدیہ کے طور پر تین روزے رکھنا' یا چھ مسکینوں کو کھانا کھلانا یا جانور ذبح کرنا جو قربانی کے لیے جائز ہو واجب ہے۔ ان میں سے جو کام چاہے اسے کرنے کا اختیار ہے۔ قربانی سب سے افضل ہے' اس کے بعد صدقہ اور پھر روزے۔

اسی طرح کے حالات میں اگر ناخن تراشنے' سر ڈھانپنے' سلا ہوا کپڑا پہننے یا خوشبو لگانے کی ضرورت لاحق ہو تو ضرورت کے وقت ایسا کرنا جائز ہے البتہ مذکورہ بالا فدیہ کی مانند فدیہ دینا واجب ہے۔ اس تمام صورت میں اصل مقصد آسودگی کے مظاہر سے دور رہنا ہے۔ پھر فرمایا: ﴿فَإِذَآ أَمِنتُمْ﴾ ''پس جب تم امن میں ہو جاؤ'' یعنی جب تم دشمن وغیرہ کی رکاوٹ کے بغیر بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت رکھتے ہو ﴿فَمَن تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ﴾ ''پس جو حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔'' یعنی جو عمرہ کو حج کے ساتھ ملا دے اور عمرہ سے فارغ ہو کر اپنے تمتع سے فائدہ اٹھائے ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ ''تو وہ جیسی قربانی میسر ہو کرے۔'' یعنی اس پر واجب ہے کہ وہ قربانی دے جو میسر ہو اور وہ ایسا جانور ذبح کرے جو قربانی کے لیے جائز ہو۔

یہ قربانی' حج کی قربانی ہے جو ان دو عبادات کے مقابلے میں ہے جو اسے ایک ہی سفر میں حاصل ہوئیں' علاوہ ازیں یہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکرانہ ہے جو اسے عمرہ سے فراغت کے بعد اور مناسک حج شروع کرنے سے پہلے

تمتع سے استفادہ کرنے کی صورت میں حاصل ہوئی اور اسی کی مثل حج قران ہے' کیونکہ اس میں بھی (حج تمتع کی طرح) دو عبادات کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ آیت کریمہ کا مفہوم دلالت کرتا ہے کہ مفرد حج کرنے والے شخص پر قربانی واجب نہیں۔ آیت کریمہ تمتع کے جواز بلکہ تمتع کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے نیز اس پر بھی کہ حج کے مہینوں میں تمتع جائز ہے۔ ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ "پس جو شخص نہ پائے" یعنی جس کے پاس قربانی یا اس کی قیمت موجود نہ ہو ﴿فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ﴾ "تو تین روزے رکھنے ہیں حج کے دنوں میں" ان روزوں کا پہلا جواز تو یہ ہے کہ انہیں عمرہ کے احرام کے ساتھ ہی رکھا جائے اور ان کا آخری وقت یوم النحر کے بعد کے تین دن ہیں' رمی جمار اور منیٰ میں شب باشی کے ایام' البتہ افضل یہ ہے کہ یہ روزے ساتویں' آٹھویں اور نویں ذوالحج کو رکھے جائیں۔

﴿وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ﴾ "اور سات (روزے) اس وقت جب تم گھر لوٹو" یعنی جب تم اعمال حج سے فارغ ہو جاؤ تو ان روزوں کو مکہ مکرمہ میں رکھنا بھی جائز ہے' واپسی سفر کے دوران راستے میں اور گھر پہنچ کر بھی رکھے جاسکتے ہیں۔ ﴿ذٰلِكَ﴾ "یہ" یعنی تمتع کرنیوالے پر قربانی کا واجب ہونا ﴿لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ "اس کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں" یعنی یہ صرف اس شخص کے لیے ہے جو نماز قصر کرنے یا اس سے زیادہ فاصلے پر رہتا ہو یا اتنا دور رہتا ہو جسے عرف میں دور سمجھا جاتا ہو۔ اس شخص پر ایک ہی سفر میں دو عبادات کے ثواب کے حصول کی بنا پر قربانی واجب ہے۔

جو کوئی مکہ مکرمہ میں مسجد حرام کے پاس رہتا ہے' تو اس پر عدم موجب کی بنا پر قربانی واجب نہیں۔ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ "اور اللہ سے ڈرو" یعنی اپنے تمام امور میں' اس کے اوامر کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب کرتے ہوئے۔ اسی زمرے میں حج کے ان اوامر کی اطاعت اور ان ممنوعات سے اجتناب ہے جو کہ اس آیت کریمہ میں مذکور ہیں۔ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ "اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے" یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو سخت سزا دیتا ہے جو اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ یہی (خوف عذاب) تقویٰ کا موجب ہے' کیونکہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے وہ ان تمام امور سے اجتناب کرتا ہے جو عذاب کے موجب ہیں۔ جیسے جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتا ہے وہ ایسے کام کرتا ہے جو ثواب کے موجب ہیں اور جو کوئی عذاب سے نہیں ڈرتا اور ثواب کی امید نہیں رکھتا وہ حرام میں گھس جاتا ہے اور فرائض کو چھوڑ دینے کی جرأت کا مرتکب ہوتا ہے۔

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ

حج (کا وقت) چند مہینے ہیں معلوم' پس جس نے فرض کر لیا ان میں حج' تو نہیں ہے شہوت کی باتیں کرنا اور نہ نافرمانی کرنا

وَلَا جِدَالَ فِى الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ

اور نہ جھگڑا کرنا حج میں' اور جو کچھ کرتے ہو تم نیکی سے' جانتا ہے اسے اللہ' اور زاد راہ لے لو' کیونکہ یقیناً

خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوْنِ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾

بہترین زاد راہ تقویٰ ہے' اور تم مجھ سے ڈرو! اے عقل مندو! ○

اللہ تبارک و تعالیٰ خبر دیتا ہے ﴿اَلْحَجُّ﴾ یعنی حج واقع ہوتا ہے ﴿اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ ''معلوم مہینوں (میں۔)'' جو مخاطبین کے ہاں معلوم اور معروف ہیں جن کی تخصیص کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ روزوں کے لیے اس کے مہینے کے تعین کی ضرورت پیش آئی اور جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کے اوقات بیان فرمائے ہیں۔ رہا حج تو یہ ملت ابراہیم کا رکن ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہمیشہ سے معروف رہا ہے اور وہ لوگ حج کرتے چلے آئے ہیں۔ جمہور اہل علم کے نزدیک ﴿اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ﴾ ''معلوم مہینے'' سے مراد شوال' ذیقعد اور ذوالحج کے پہلے دس دن ہیں۔ یہی وہ مہینے ہیں جن میں غالب طور پر حج کے لیے احرام باندھا جاتا ہے۔

﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ﴾ ''تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کر لے۔'' یعنی جو کوئی ان مہینوں میں حج کا احرام باندھتا ہے' کیونکہ جو کوئی حج شروع کر دیتا ہے تو اس کا اتمام اس پر فرض ہو جاتا ہے خواہ حج نفلی ہی کیوں نہ ہو۔ اس آیت کریمہ سے امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب استدلال کرتے ہیں کہ حج کے مہینوں سے قبل حج کے لیے احرام باندھنا جائز نہیں ہے۔

میں (عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی) کہتا ہوں کہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ آیت کریمہ جمہور اہل علم کے اس مسلک پر دلالت کرتی ہے کہ حج کے مہینوں سے پہلے حج کے لیے احرام باندھنا صحیح ہے تو ایسا کہنا زیادہ قرین صحت ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ﴾ دلالت کرتا ہے کہ حج کی فرضیت کبھی تو مذکورہ مہینوں میں واقع ہوتی ہے اور کبھی نہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اسے مقید نہ کرتا۔

﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ ''تو دل لگی کی باتیں نہیں کرنا' نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا ہے حج میں'' یعنی تم پر حج کے احرام کی تعظیم کرنا فرض ہے خاص طور پر جبکہ وہ حج کے مہینوں میں واقع ہو' لہٰذا تم پر فرض ہے کہ تم احرام حج کی ہر اس چیز سے حفاظت کرو جو احرام کو فاسد کرتی ہے یا اس کے ثواب میں کمی کر دیتی ہے' مثلاً (رَفَث) اور (رفث) سے مراد ہے جماع اور اس کے قولی اور فعلی مقدمات۔ خاص طور پر بیویوں کے پاس' ان کی موجودگی میں۔ (فُسوق) سے تمام معاصی مراد ہیں اور ممنوعات احرام بھی اس میں شامل ہیں اور (جِدال) سے مراد لڑائی' جھگڑا اور مخاصمت ہے' کیونکہ لڑائی جھگڑا شر کو جنم دیتا اور دشمنی پیدا کرتا ہے۔

حج کا مقصد اللہ تعالیٰ کے لیے تذلل اور انکسار' عبادات کے ذریعے سے ممکن حد تک اس کے تقرب کا حصول اور برائیوں کے ارتکاب سے بچنا ہے' اس لیے کہ یہی وہ امور ہیں جن کی وجہ سے حج اللہ کے ہاں مقبول و مبرور ہوتا ہے اور حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا کوئی نہیں۔ مذکورہ برائیاں اگرچہ ہر جگہ اور ہر وقت ممنوع ہیں تاہم حج کے ایام

میں ان کی ممانعت میں شدت اور زیادہ ہو جاتی ہے اور جان لیجئے کہ صرف ترک معاصی سے تقرب الٰہی کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بھی نہ بجا لائے جائیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ﴾ ''اور جو بھی تم بھلائی کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے'' اللہ تعالیٰ نے بھلائی کے عموم کی تصریح کے لیے (مِـــنْ) استعمال کیا ہے۔ اس لیے ہر بھلائی' تقرب الٰہی کا ہر ذریعہ اور ہر عبادت اس میں شامل ہے' یعنی اللہ تعالیٰ ہر بھلائی کو جانتا ہے۔ یہ آیت کریمہ بھلائی کے کاموں میں ترغیب کو متضمن ہے۔ خاص طور پر زمین کے ان قطعات میں جن کو شرف اور احترام میں بہت بلند مقام حاصل ہے۔ اس لیے یہی مناسب ہے کہ نماز' روزہ' صدقہ' طواف اور قولی و فعلی احسان کے ذریعے سے جتنی بھلائی ممکن ہو' اسے حاصل کیا جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس مبارک سفر میں زاد راہ ساتھ لینے کا حکم دیا ہے' کیونکہ زاد راہ مسافر کو لوگوں سے بے نیاز کر دیتا ہے اور اسے لوگوں کے مال کی طرف دیکھنے اور سوال کرنے سے روک دیتا ہے۔ ضرورت سے زائد زاد راہ ساتھ لینے میں فائدہ اور ساتھی مسافروں کی اعانت ہے اور اس سے اللہ رب العالمین کے تقرب میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہی وہ زاد راہ ہے جو یہاں مراد ہے جو زندگی کو قائم رکھنے' گزر بسر کرنے اور راستے کے اخراجات کے لیے نہایت ضروری ہے۔ رہا زاد حقیقی جس کا انسان کو دنیا و آخرت میں فائدہ ہوتا ہے تو وہ تقویٰ کا زاد راہ ہے جو جنت کی طرف سفر کا زاد راہ ہے اور وہی زاد راہ ایسا ہے جو انسان کو ہمیشہ رہنے والی کامل ترین لذت اور جلیل ترین نعمت کی منزل مراد پر پہنچاتا ہے۔ جو کوئی زاد تقویٰ کو چھوڑ دیتا ہے وہ اس بنا پر اپنی راہ کھوٹی کر بیٹھتا ہے۔ تقویٰ سے محروم ہونا ہر برائی کا نشانہ بن جانا ہے اور وہ اہل تقویٰ کی منزل پر پہنچنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ پس یہ تقویٰ کی مدح ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے عقل مند لوگوں کو ان الفاظ میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے: ﴿وَاتَّقُونِ يَاُولِي الْاَلْبَابِ﴾ ''اے اہل دانش! مجھ سے ڈرتے رہو۔'' یعنی اے سنجیدہ اور عقلمند لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس سے ڈرنا وہ سب سے بڑی چیز ہے جس کا عقل انسانی حکم دیتی ہے' اور اس کو ترک کرنا جہالت اور فساد رائے کی دلیل ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ

نہیں ہے تم پر کوئی گناہ یہ کہ تلاش کرو تم فضل اپنے رب کا' پھر جب لوٹو تم عرفات سے

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ

تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر حرام کے' اور یاد کرو تم اس کو جس طرح اس نے ہدایت دی تمہیں' اور تحقیق

كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿١٩٨﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ

تھے تم پہلے اس سے البتہ گمراہوں سے ○ پھر لوٹو تم جہاں سے لوٹیں سب لوگ

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٩٩﴾ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ

اور مغفرت مانگو اللہ سے' بیشک اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے ○ پھر جب پورے کر چکو تم اپنے حج کے احکام

فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ
تو یاد کرو اللہ کو مانند یاد کرنے تمہارے اپنے باپ دادا کو' بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرنا' پس کچھ لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں
رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ
اے ہمارے رب! دے ہمیں دنیا میں' اور نہیں ہے اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ ○ اور کچھ ان میں سے وہ ہیں جو
يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا
کہتے ہیں' اے ہمارے رب! دے ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور بچا ہمیں
عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ
آگ کے عذاب سے ○ یہی لوگ ہیں' واسطے ان کے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے کمایا
وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾
اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے ○

النصف

چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تقویٰ کا حکم دیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں آگاہ فرمادیا کہ مواسم حج وغیرہ میں محنت واکتساب کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں' جبکہ وہ فرائض سے غافل ہوکر اسی میں مشغول نہ ہو جائے۔ جبکہ اس کا اصل مقصد حج ہی ہو اور یہ کمائی حلال اور اللہ تعالیٰ کے فضل کی طرف منسوب ہو اور بندے کی اپنی مہارت کی طرف منسوب نہ ہو' کیونکہ سبب کو ہی سب کچھ سمجھنا اور مسبب کو فراموش کردینا' یہی عین حرج ہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ﴿فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ﴾ ''پس جب تم عرفات سے لوٹو' تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو'' متعدد امور پر دلالت کرتا ہے:

(۱) عرفہ میں وقوف' مناسک حج میں سے ہے اور یہ ارکان حج میں سے ایک معروف رکن ہے' کیونکہ عرفات سے واپسی صرف وقوف کے بعد ہی ہوتی ہے۔

(۲) مشعر حرام کے پاس اللہ تعالیٰ کے ذکر کا حکم دیا گیا ہے اور مشعر حرام سے مراد مزدلفہ ہے' مزدلفہ بھی معروف جگہ ہے جہاں قربانی کی رات بسر کرنی ہوتی ہے' نماز فجر کے بعد خوب روشنی پھیلنے تک دعائیں کرتے ہوئے مزدلفہ میں وقوف کرے' مزدلفہ کے پاس دعاؤں اور اذکار میں فرائض اور نوافل بھی داخل ہیں۔

(۳) مزدلفہ کا وقوف' عرفات کے وقوف سے متاخر ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں دی گئی ترتیب دلالت کرتی ہے۔

(۴) عرفات اور مزدلفہ' دونوں ان مشاعر حج میں شمار ہوتے ہیں جن کا فعل اور اظہار مقصود ہے۔

(۵) مزدلفہ بھی حرم میں داخل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ''حرام'' کی صفت سے مقید کیا ہے۔

(۶) مزدلفہ کو ''حرام'' کی صفت سے مقید کرنا یہ مفہوم دیتا ہے کہ عرفہ حرم میں شامل نہیں۔

﴿وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ﴾ ''اور اس (اللہ) کا اس طرح ذکر کرو جس طرح اس نے تم کو بتلایا ہے اور اس سے پہلے تم ناواقف تھے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسا کہ اس نے گمراہی کے بعد تمہیں ہدایت سے نوازا اور تمہیں وہ کچھ سکھایا جو تم نہ جانتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے جس کا شکر واجب' اور اس کے مقابلے میں قلب اور زبان سے منعم کا ذکر کرنا فرض ہے۔

﴿ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ﴾ ''پھر تم وہاں سے لوٹو جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں'' یعنی مزدلفہ سے۔ اور یہ وہ عمل ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر اب تک چلا آ رہا ہے۔ اور اس افاضہ یعنی واپسی کا مقصد ان کے ہاں معروف تھا اور وہ ہے رمی جمار' قربانیوں کو ذبح کرنا' طواف' سعی' تشریق کی راتوں میں منیٰ میں شب بسری اور باقی مناسک کی تکمیل۔ چونکہ اس افاضہ کا مقصد وہ ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ مذکورہ امور حج کے آخری مناسک ہیں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان سے فارغ ہو کر استغفار اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے' اس لیے کہ استغفار کا مقصد یہ ہے کہ عبادات کی ادائیگی میں بندے کی طرف سے جو خلل اور کوتاہی واقع ہوئی ہے استغفار سے اس کی تلافی ہو جائے اور اللہ کا ذکر' یہ اللہ کا اس انعام پر شکر ہے جو اس نے عظیم عبادت اور بھاری احسان کی توفیق سے نواز کر کیا۔

بندۂ مومن کے لیے مناسب بھی یہی ہے کہ جب وہ اپنی عبادت سے فارغ ہو تو اپنی تقصیر اور کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور عبادت کی توفیق پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے' نہ کہ اس شخص کی مانند ہو جو یہ سمجھتا ہے کہ اس نے عبادت کی تکمیل کر کے رب پر احسان کیا ہے اور اس عبادت نے اس کے مقام و مرتبہ کو بہت بلند کر دیا ہے۔ یہ رویہ یقیناً اللہ کی ناراضی کا باعث اور اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے فعل (عبادت) کو ٹھکرا دیا جائے جیسے عبادت کی پہلی صورت اس بات کی مستحق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کا درجہ حاصل کرے اور بندے کو دوسرے اعمال خیر کی توفیق عطا ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے احوال کی خبر دی اور آگاہ فرمایا کہ تمام مخلوق اپنے اپنے مطالبات کا سوال کرتی ہے اور جو چیز ان کے لیے ضرر رساں ہے اس سے بچنے کی دعا مانگتی ہے' البتہ ان کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں۔

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو یہ کہتے ہیں ﴿رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْيَا﴾ ''اے ہمارے رب! دے تو ہمیں دنیا میں'' یعنی وہ دنیا کے ساز و سامان اور اس کی شہوات کا سوال کرتے ہیں۔ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہو گا' کیونکہ آخرت میں ان کو کوئی رغبت نہیں اور انہوں نے اپنی ہمت اور ارادے دنیا ہی پر مرکوز کر دیئے ہیں۔

ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو دنیا اور آخرت دونوں کے لیے دعا کرتے ہیں اور اپنے آپ کو دنیا اور آخرت کے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کا محتاج سمجھتے ہیں۔

ان دونوں گروہوں کے لیے اپنے اپنے اعمال اور اپنے اپنے اکتساب کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب انہیں ان کے اعمال' ان کے ارادوں اور ان کی نیتوں کی ایسی جزا دے گا جو عدل اور فضل کے دائرے میں ہوگی' اس پر اس کی کامل ترین حمد و ثنا بیان کی جائے گی۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی دعا سنتا ہے' خواہ وہ کافر ہو' مسلمان ہو یا فاسق و فاجر' البتہ کسی کی دعا قبول ہونے کے معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور اس نے (اس کی دعا قبول کر کے) اسے اپنے قرب سے نواز دیا ہے۔ البتہ آخرت کی بھلائی اور دینی امور میں دعا کی قبولیت اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب کی علامت ہے۔ وہ بھلائی جو دنیا میں طلب کی جاتی ہے' اس میں ہر وہ بھلائی شامل ہے جس کا ہونا بندے کو پسند ہو۔ جیسے رزق کی کشائش' نیک بیوی' نیک اولاد جسے دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں' آرام اور راحت' علم نافع' اعمال صالحہ اور دیگر پسندیدہ اور مباح چیزیں اور آخرت کی بھلائی' قبر' حساب کتاب اور آگ کے عذاب سے سلامتی' اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول' ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے کامیاب ہونے اور رب رحیم کے قرب کا نام ہے۔ اس اعتبار سے یہ دعا سب سے جامع اور سب سے کامل دعا ہے اور اس قابل ہے کہ اسے تمام دعاؤں پر ترجیح دی جائے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ اکثر یہی دعا مانگا کرتے تھے اور اس دعا کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ

اور یاد کرو تم اللہ کو گنتی کے چند دنوں میں' پس جس نے جلدی کی دو دنوں میں' تو نہیں ہے کوئی گناہ

عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اس پر' اور جس نے تاخیر کی' تو نہیں کوئی گناہ اس پر (بھی) واسطے اس کے جو ڈرا' اور ڈرو تم اللہ سے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۲۰۳

اور جان لو بیشک تم اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے ○

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ گنتی کے چند دنوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے' ان دنوں سے مراد عید کے بعد کے ایام تشریق (کے تین دن) ہیں' کیونکہ انہیں شرف و فضیلت حاصل ہے نیز اس لیے بھی کہ بقیہ تمام مناسک حج انہی ایام میں پورے کیے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان دنوں میں لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان دنوں میں روزہ رکھنا حرام قرار دیا ہے۔ ان کے اندر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ایک ایسی خوبی ہے جو اور دنوں میں نہیں پائی جاتی' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَيَّامُ التَّشْرِيقِ اَيَّامُ اُكُلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ»

''ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں''[1]

[1] مسند احمد: ۷٦/۵

اوران ایام میں جو اللہ کا ذکر کرنے کا حکم ہے' تو اس میں رمی جمار کے وقت' قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اور فرض نمازوں کے بعد مخصوص اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی آ جاتا ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں اس حکم میں مطلق تکبیرات داخل ہیں۔ جیسے ذوالحج کے پہلے دس دنوں میں تکبیرات کہی جاتی ہیں اور یہ بعید بھی نہیں۔

﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ﴾ ''پس جس نے جلدی کی دو دنوں میں' تو اس پر کوئی گناہ نہیں'' یعنی جو کوئی دوسرے روز غروب آفتاب سے قبل منیٰ سے نکل کر کوچ کرتا ہے ﴿وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ﴾ ''اور جس نے دیر کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں'' یعنی جو کوئی تیسری رات منیٰ میں بسر کر کے اگلی صبح کنکر مارتا ہے (تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں) دونوں امور مباح قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تخفیف عطا کی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہے کہ اگرچہ دونوں امور جائز ہیں تاہم تیسری رات کے بعد منیٰ سے کوچ کرنا افضل ہے' کیونکہ اس طرح کثرت عبادت کی فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

چونکہ آیت کریمہ میں نفی حرج کا ذکر کیا گیا ہے جس سے کبھی تو صرف اسی معاملے میں نفی حرج کا مفہوم ذہن میں آتا ہے اور کبھی اس کے علاوہ دیگر معاملات میں بھی۔ جب کہ صورت حال یہ ہے کہ صرف تقدیم وتاخیر میں حرج کی نفی کی گئی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ﴿لِمَنِ اتَّقٰی﴾ کے ساتھ مقید کیا ہے' یعنی جس نے تمام معاملات میں اور حج کے احوال میں تقویٰ اختیار کیا۔ پس جس نے ہر معاملے میں تقویٰ اختیار کیا اس کے لیے ہر معاملے میں حرج کی نفی حاصل ہو گئی اور جس نے بعض معاملات میں تقویٰ اختیار کیا اور بعض معاملات میں اسے نظر انداز کر دیا تو اس کو جزا بھی اس کے عمل کی جنس سے ملے گی۔

﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو'' یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ ''جان لو کہ تمہیں اسی (اللہ تعالیٰ) کے پاس اکٹھا کیا جائے گا'' اور وہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔ پس جس کسی نے تقویٰ اختیار کیا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی جزا پائے گا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گناہوں سے باز نہ آیا' اللہ تعالیٰ اسے سخت سزا دے گا۔ جزا و سزا کا علم' تقویٰ کا سب سے بڑا داعیہ ہے' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جزائے آخرت کے علم کی بڑی ترغیب دی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا

اور کچھ لوگ وہ ہیں کہ خوش لگتی ہے آپ کو اس کی بات حیات دنیا میں اور وہ گواہ بناتا ہے اللہ کو اس پر جو

فِیْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰی سَعٰی فِی الْاَرْضِ لِیُفْسِدَ فِیْهَا

اسکے دل میں ہے' حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے ○ اور جب وہ پیٹھ پھیر جاتا ہے تو کوشش کرتا ہے زمین میں' تاکہ فساد کرے اس میں

وَیُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ

اور برباد کرے کھیتیاں اور نسل' اور اللہ نہیں پسند کرتا فساد کو ○ اور جب کہا جاتا ہے اسے' ڈر تو اللہ سے'

اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴿۲۰۶﴾

تو ابھارتا ہے اسے تکبر گناہ پر، سو کافی ہے اسے جہنم اور یقیناً وہ برا ٹھکانا ہے ○

جب اللہ تعالیٰ نے کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا' خاص طور پر فضیلت والے اوقات میں' وہ ذکر الٰہی جو سب سے بڑی بھلائی اور نیکی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے حال کے بارے میں خبر دی جو اپنی زبان سے جو بات کرتا ہے اس کا فعل اس کی مخالفت کرتا ہے۔ پس کلام ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو بلند مراتب پر فائز کرتی ہے یا اس کو پستی میں گرا دیتی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ''بعض لوگ وہ ہیں جن کی بات تجھ کو اچھی لگتی ہے دنیا کی زندگی میں'' یعنی جب وہ بات کرتا ہے تو اس کی باتیں سننے والے کو بہت اچھی لگتی ہیں۔ جب وہ بات کرتا ہے تو آپ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت ہی فائدہ مند بات کر رہا ہے۔ اور بات کو مزید موکد بناتا ہے ﴿ وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ﴾ ''اور جو اس کے دل میں ہے' اس پر وہ اللہ کو گواہ بناتا ہے'' یعنی وہ خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے آگاہ ہے کہ اس کے دل میں وہی کچھ ہے جس کا اظہار وہ زبان سے کر رہا ہے' درآنحالیکہ وہ اس بارے میں جھوٹا ہے' کیونکہ اس کا فعل اس کے قول کی مخالفت کرتا ہے۔ اگر وہ سچا ہوتا تو اس کا فعل اس کے قول کی موافقت کرتا جیسا کہ سچے مومن کا حال ہوتا ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴾ ''اور وہ سخت جھگڑالو ہے'' یعنی جب کبھی آپ اس سے بحث کرتے ہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ اس میں سخت جھگڑالو پن' سرکشی اور تعصب جیسی مذموم صفات موجود ہیں اور ان کے نتیجے میں' اس کے اندر وہ اوصاف پائے جاتے ہیں جو قبیح ترین اوصاف ہیں۔ یہ اوصاف اہل ایمان کے اوصاف کی مانند نہیں ہیں۔ وہ اہل ایمان جنہوں نے سہولت کو اپنی سواری' اطاعت حق کو اپنا وظیفہ اور عفو و درگزر کو اپنی طبیعت بنا لیا۔

﴿ وَاِذَا تَوَلّٰى ﴾ ''اور جب وہ پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے۔'' یعنی یہ شخص جب آپ کے پاس موجود ہوتا ہے تو اس کی باتیں آپ کو بہت خوش کن لگتی ہیں' جب وہ آپ کے ہاں سے واپس لوٹتا ہے ﴿ سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا ﴾ ''تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے' تاکہ اس میں فتنہ انگیزی کرے'' یعنی وہ گناہ اور نافرمانی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا ہے جو زمین میں فساد برپا کرنے کا باعث بنتے ہیں ﴿ وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ﴾ ''اور کھیتی اور نسل کو نابود کر دے۔'' اور اس سبب سے کھیتیاں' باغات اور مویشی تباہ ہوتے ہیں یا ان میں کمی واقع ہوتی ہے اور گناہوں کے سبب سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴾ ''اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا'' اور جب وہ فساد کو پسند نہیں کرتا تو وہ زمین میں فساد پھیلانے والے بندے کو سخت ناپسند کرتا ہے خواہ یہ بندہ اپنی زبان سے بہت اچھی اچھی باتیں ہی کیوں نہ کرتا ہو۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ باتیں جو لوگوں کے منہ سے صادر ہوتی ہیں ان کے صدق یا کذب' اور نیکی یا بدی پر اس وقت تک دلالت نہیں کرتیں جب تک اس کا عمل ان باتوں کی تصدیق نہ کر دے۔ یہ آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ گواہوں' حق پرستوں اور باطل پرستوں کے احوال کی تحقیق اور ان کے اعمال اور قرائن احوال میں غور و فکر کے ذریعے سے ان کی پہچان کی جائے' نیز ان کی ملمع سازی اور ان کے پاکی داماں کے دعووں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ گناہوں اور نافرمانیوں کے ذریعے سے زمین میں فساد پھیلانے والے اس شخص کو جب اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کی جاتی ہے تو تکبر کرنے لگتا ہے۔ ﴿اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ﴾ ''کھینچ لاتا ہے غرور اس کو گناہ پر'' چنانچہ اس کے اندر گناہ اور معاصی کے اعمال اور نصیحت کرنے والوں کے خلاف متکبرانہ رویہ اکٹھے ہو جاتے ہیں ﴿فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ﴾ ''پس اس کے لیے جہنم کافی ہے'' جو نافرمان متکبرین کا ٹھکانا ہے۔ ﴿وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ﴾ ''اور بہت برا ٹھکانا ہے۔'' یعنی بہت ہی برا ٹھکانا اور مسکن ہے جہاں وہ کبھی نہ ختم ہونے والی مایوسی اور دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے' ان کے عذاب میں کبھی تخفیف نہیں کی جائے گی۔ وہ ثواب کی کوئی امید نہیں رکھیں گے یہ ان کے اعمال بد اور ان کے جرم کی سزا ہے۔ ہم ان کے احوال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کے طلب گار ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ

اور کچھ لوگ وہ ہیں جو بیچ دیتے ہیں اپنا نفس' واسطے تلاش کرنے کے رضا مندی اللہ کی

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

اور اللہ بہت شفیق ہے اپنے بندوں کے ساتھ ○

''اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو بیچ دیتا ہے اپنے آپ کو اللہ کی رضا جوئی میں اور اللہ بڑا مہربان ہے بندوں پر'' ۔ یہی لوگ توفیق یافتہ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو ارزاں داموں میں بیچ دیا اور اللہ کی رضا کے حصول اور ثواب کی امید پر اپنی جانوں کو قربان کر دیا۔ پس انہوں نے' بندوں کے ساتھ انتہائی مہربان' پورا بدلہ دینے والے مال دار کو قیمت ادا کی ہے' وہ مہربان کہ جس کی شفقت و رحمت ہی سے ہے کہ اس نے ان کو اس قربانی کی توفیق بخشی اور اس نے اس قربانی کے پورے بدلے کا وعدہ فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ (التوبہ: ۹ / ۱۱۱) ''بے شک اللہ نے خرید لیا ہے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور مالوں کو اس کے بدلے کہ ان کے لیے جنت ہے۔'' اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ مومنوں نے اپنی جانوں کو فروخت اور قربان کر دیا ہے اور اللہ نے ان کے مطلوب و مقصود کے حصول کے لیے اپنی واجب شفقت و رحمت کی خبر دی ہے۔ پس اس کے بعد' ان پر اللہ کریم جو نوازشات فرمائے گا اور جو کامیابی و کامرانی ان کو حاصل ہو گی' اس کی بابت مت پوچھ۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَاۗفَّةً ۠ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! داخل ہو جاؤ تم اسلام میں پورے کے پورے، اور نہ پیروی کرو تم شیطان کے قدموں کی،

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٠٨﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ

بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے ظاہر ○ پھر اگر پھسل جاؤ تم بعد اس کے کہ آ گئیں تمہارے پاس واضح دلیلیں،

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٠٩﴾

تو جان لو! بیشک اللہ غالب ہے خوب حکمت والا ○

یہ اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ وہ مکمل طور پر اسلام میں داخل ہو جائیں۔ یعنی دین کے تمام احکام پر عمل کریں اور ان احکام میں سے کسی حکم کو ترک نہ کریں اور ان لوگوں میں شامل نہ ہوں جنہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنالیا۔ اگر شرعی حکم ان کی خواہش نفس کے مطابق ہوتا ہے تو اس پر عمل کر لیتے ہیں اگر یہ حکم خواہش نفس کے خلاف ہو تو اسے چھوڑ دیتے ہیں، بلکہ یہ فرض ہے کہ بندے کی خواہش دین کے تابع ہو، بھلائی کا ہر وہ کام کرے جس پر اسے قدرت حاصل ہو اور جس کام کے کرنے سے وہ عاجز ہو اس کی کوشش کرے اور اس کو بجالانے کی نیت رکھے، پس اپنی نیت سے وہ اسے پالے گا۔ چونکہ دین میں مکمل طور پر داخل ہونا شیطان کے راستوں کی مخالفت کیے بغیر ممکن نہیں اور نہ اس کا تصور کیا جا سکتا ہے اس لیے فرمایا: ﴿وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ ''اور شیطان کے نقش قدم کی اتباع نہ کرو۔'' یعنی اپنے اعمال میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو ﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ ''وہ تمہارا ظاہر دشمن ہے۔'' یعنی اس کی دشمنی ظاہر ہے۔ ایسا دشمن جس کی عداوت ظاہر ہو ہمیشہ تمہیں برائی، فواحش اور ایسے کاموں کا حکم دیتا ہے جو تمہارے لیے نقصان دہ ہوں۔ چونکہ بندے سے ہمیشہ کوتاہی اور لغزش واقع ہوتی رہتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاِنْ زَلَلْتُمْ﴾ ''اگر تم پھسل جاؤ۔'' یعنی اگر تم سے کوئی لغزش ہو جائے اور تم گناہ میں پڑ جاؤ ﴿مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ﴾ ''احکام روشن پہنچ جانے کے بعد'' یعنی علم اور یقین حاصل ہو جانے کے بعد ﴿فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ''تو جان لو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے''۔

اس آیت میں نہایت سخت وعید اور تخویف ہے جو لغزشوں کو ترک کرنے کی موجب ہے، کیونکہ جب نافرمان لوگ اس غالب اور حکمت والی ہستی کی نافرمانی کرتے ہیں تو وہ نہایت قوت کے ساتھ ان کو پکڑتی ہے اور اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق ان کو سزا دیتی ہے، کیونکہ نافرمانوں اور مجرموں کو سزا دینا اس کی حکمت کا تقاضا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ

نہیں انتظار کرتے وہ مگر یہ کہ آئے ان کے پاس اللہ سایوں میں بادلوں کے اور فرشتے (بھی)

وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿٢١٠﴾

اور چکا دیا جائے معاملہ اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سب کام ○

یہ بہت سخت وعید اور تہدید ہے جس سے دل کانپ جاتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا شیطان کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے زمین میں فساد پھیلانے والے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو رد کرنے والے روز جزا کے منتظر ہیں جو ہولناکیوں سختیوں اور خوفناک مناظر سے بھرپور ہوگا اور بڑے بڑے ظالموں کے دل دہلا دے گا۔ اور جس میں فساد برپا کرنے والوں کو ان کے اعمال کی بری جزا گھیر لے گی۔ یہ سب کچھ یوں ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ زمین وآسمان کو لپیٹ دے گا ستارے بکھر جائیں گے سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے۔ مکرم فرشتے نازل ہوں گے اور تمام خلائق کو گھیرے میں لے لیں گے اور اللہ تعالیٰ بادلوں کے سائے میں نزول فرمائے گا تاکہ وہ اپنے بندوں کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلے کرے۔ ترازو نصب کردی جائیں گی اعمال نامے کھول کر پھیلا دیئے جائیں گے سعادت مند لوگوں کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے اور بدبخت گناہ گاروں کے چہرے سیاہ اور تاریک ہوں گے۔ نیک لوگ بدکاروں سے علیحدہ ہو جائیں گے اور ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا۔ پس ظالم وہاں (افسوس کے طور پر) اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا جب اپنی آنکھوں سے روز جزا کی حقیقت کا مشاہدہ کرے گا۔

یہ آیت کریمہ اور اس قسم کی دیگر آیات اہل سنت والجماعت کے مذہب کی حقانیت پر دلالت کرتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفات اختیاری مثلاً استواء علی العرش ''نزول'' اور ''آمد'' جیسی صفات کا اثبات کرتی ہیں جن کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول ﷺ نے خبر دی ہے۔ اہل سنت بغیر کسی تشبیہ تعطیل اور تاویل وتحریف کے ان صفات کا ان کے ایسے معانی کے ساتھ اثبات کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت کے لائق ہیں۔ اس کے برعکس اہل تعطیل کے مختلف گروہ مثلاً جہمیہ معتزلہ اور اشاعرہ وغیرہ ان صفات کی نفی کرتے ہیں اور پھر اپنے مذہب کی تائید کے لیے ان آیات کریمہ کی ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تاویلات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تبیین کو ناقص قرار دیتی ہیں۔ وہ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ اس بارے میں صرف ان کی تاویلات ہی کے ذریعے سے ہدایت حاصل ہو سکتی ہے۔

پس ان لوگوں کے پاس کوئی نقلی دلیل بلکہ کوئی عقلی دلیل بھی نہیں ہے۔ جہاں تک نقلی دلیل کی بات ہے تو ان لوگوں کو خود اعتراف ہے کہ قرآن اور سنت کے ظاہری الفاظ بلکہ واضح الفاظ اہل سنت کے مذہب پر دلالت کرتے ہیں۔ جب کہ یہ حضرات اپنے باطل مذہب کی تائید اور اس کو ثابت کرنے کے لیے ان نصوص کے ظاہری معنی سے باہر نکلنے اور ان میں کمی بیشی کرنے پر مجبور ہیں اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں اس چیز کو کوئی ایسا شخص پسند نہیں کر سکتا

جس کے دل میں رتی بھر بھی ایمان ہے۔ رہی عقلی دلیل تو کوئی عقلی دلیل ایسی نہیں جو مذکورہ صفات الٰہی کی نفی پر دلالت کرے' بلکہ عقل تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فاعل' فعل پر قدرت نہ رکھنے والے سے زیادہ کامل ہوتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فعل' جو اس کی اپنی ذات سے متعلق ہو یا اس کی مخلوق سے متعلق' وہ ایک کمال ہی ہے۔

اگر وہ یہ اعتراض کریں کہ ان صفات کا اثبات' مخلوق کے ساتھ تشبیہ پر دلالت کرتا ہے' تو اس کا جواب یہ ہے کہ صفات پر بحث' ذات پر بحث کی تابع ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات مخلوق کی ذات سے مشابہت نہیں رکھتی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات سے مشابہت نہیں رکھتیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کے تابع ہیں اور مخلوق کی صفات ان کی ذات کے تابع ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی صفات کے اثبات سے' کسی بھی پہلو سے مخلوق کی صفات کے ساتھ مشابہت لازم نہیں آتی۔ نیز اس شخص سے یہ بھی کہا جائے گا' جو اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا اقرار کرتا ہے اور اس کی بعض صفات کا منکر ہے یا وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا اقرار کرتا ہے اور اس کی صفات کی نفی کرتا ہے کہ یا تو آپ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا اثبات کریں جیسے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کے لیے اور اس کے رسول ﷺ نے ان صفات کا اثبات کیا ہے۔ یا ان تمام صفات کی نفی کر کے اللہ رب العالمین کے منکر بن جائیں لیکن آپ کا بعض صفات کا اثبات کرنا اور بعض صفات کی نفی کرنا تو محض تناقض ہے اس لیے آپ ان صفات میں جن کا آپ اثبات کرتے ہیں اور ان صفات میں جن کی آپ نفی کرتے ہیں' فرق ثابت کریں اور اس تفریق پر آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اگر آپ کہیں کہ جن صفات کا میں نے اثبات کیا ہے ان سے تشبیہ لازم نہیں آتی تو صفات الٰہی کا اثبات کرنے والے اہل سنت آپ سے یہ کہتے ہیں کہ جن صفات کی آپ نے نفی کی ہے ان سے بھی تشبیہ لازم نہیں آتی۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ جن صفات کی میں نے نفی کی ہے میرے نزدیک تو ان میں تشبیہ ہی لازم آتی ہے۔ تو صفات کی نفی کرنے والے تجھے کہیں گے کہ جن صفات کا آپ اثبات کرتے ہیں' ہمیں تو ان میں بھی تشبیہ ہی نظر آتی ہے۔ پس جو جواب آپ نفی کرنے والوں کو دیں گے' وہی جواب اہل سنت آپ کو ان صفات کی بابت دیں گے جن کی آپ نفی کرتے ہیں۔

حاصل بحث یہ ہے کہ جو کوئی کسی ایسے امر کی نفی کرتا ہے' جس کے اثبات پر قرآن اور سنت دلالت کرتے ہیں' تو وہ تناقض کا شکار ہے۔ اس کے پاس کوئی شرعی دلیل ہے نہ عقلی' بلکہ وہ معقول اور منقول دونوں کی مخالفت کا مرتکب ہے۔

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ

سوال کیجئے بنو اسرائیل سے ! کتنی ہی دیں ہم نے ان کو نشانیاں واضح اور جو کوئی بدل دیتا ہے اللہ کی نعمت کو'

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

بعد اس کے کہ آ گئی وہ اس کے پاس' تو یقیناً اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○

﴿سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ﴾ ''بنواسرائیل سے پوچھیں' کتنی ہی واضح نشانیاں ہم نے ان کو دیں؟'' ایسی آیتیں جو حق اور رسولوں کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں' انہوں نے ان آیات کو پہچان لیا اور ان کی حقانیت کا انہیں یقین بھی ہو گیا مگر وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر اس کا شکر نہ بجالائے جو اس نعمت کا تقاضا ہے' بلکہ انہوں نے اس نعمت کی ناشکری کی اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو کفران نعمت سے بدل ڈالا۔ پس وہ اس بات کے مستحق بن گئے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب نازل کرے اور ان کو اپنے ثواب سے محروم رکھے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے کفران نعمت کو ''نعمت کی تبدیلی'' اس لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو کوئی دینی یا دنیاوی نعمت عطا کرتا ہے اور وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتا اور اس کے واجبات کو ادا نہیں کرتا تو یہ نعمت اضمحلال کا شکار ہو جاتی ہے اور اس کے پاس سے چلی جاتی ہے اور کفر اور معاصی اس کی جگہ لے لیتے ہیں۔ اس طرح گویا کفر' نعمت کا بدل ہو گیا اور جو کوئی اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے اور اس کے حقوق کو ادا کرتا ہے تو وہ نعمت نہ صرف ہمیشہ برقرار رہتی ہے' بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس نعمت میں اضافہ کر دیتا ہے۔

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا وَیَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ۘ

مزین کر دی گئی ہے واسطے ان لوگوں کے' جنہوں نے کفر کیا' زندگانی دنیا کی اور مذاق کرتے ہیں وہ ان لوگوں سے جو ایمان لائے'

وَالَّذِیْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ یَرْزُقُ

اور وہ لوگ جو متقی ہیں' بالا ہوں گے ان پر دن قیامت کے' اور اللہ رزق دیتا ہے

مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے ○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ' اس کی آیات اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اس کی شریعت کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کے سامنے دنیاوی زندگی کو مزین اور آراستہ کر دیتا ہے۔ دنیا کی یہ زندگی ان کے دلوں میں اور ان کی آنکھوں کے سامنے خوشنما بنا دی جاتی ہے' پس وہ اس دنیا میں مگن اور اس پر مطمئن ہو جاتے ہیں تو ان کی خواہشات' ان کے ارادے اور ان کا عمل سب دنیا کے لیے ہو جاتے ہیں۔ وہ دنیا کی طرف بھاگتے ہیں' اسی کے حصول میں ہمہ تن مشغول رہتے ہیں' وہ اس دنیا اور اپنے جیسے دنیاداروں کی تعظیم کرتے ہیں اور اہل ایمان سے نہایت حقارت سے پیش آتے ہیں اور ان کا تمسخر اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں ''کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا؟'' یہ ان کی کم عقلی اور کم نظری ہے' کیونکہ یہ دنیا آزمائش اور امتحان کا گھر ہے اس دنیا میں اہل ایمان اور اہل کفر' ان سب کو آزمائش کی یہ سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں' بلکہ اس دنیا کے اندر مومن کو اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان اور صبر کی بنا پر اس کی تکلیف میں

تخفیف کر دیتا ہے کسی اور کے لیے یہ تخفیف نہیں ہوتی۔ اس لیے تمام معاملہ اور تمام تر فضیلت وہ ہے جو آخرت میں عطا ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ "اور پرہیز گار ان سے بلند ہوں گے قیامت کے دن" پس اہل تقویٰ قیامت کے روز بلند ترین درجات پر فائز ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی انواع و اقسام کی نعمتوں، مسرتوں، تروتازگی اور خوبصورتی سے لطف اندوز ہوں گے اور کفار ان کے نیچے جہنم کی اتھاہ گہرائیوں میں مختلف قسم کے عذاب، ابدی اہانت اور بدبختی میں مبتلا رہیں گے جس کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔ پس اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کے لیے تسلی اور کفار کے لیے ان کے برے انجام کی اطلاع ہے۔

چونکہ دنیاوی اور اخروی رزق صرف اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی مشیت ہی سے حاصل ہوتے ہیں اس لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴾ "اور اللہ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے، بغیر حساب کے" پس دنیاوی رزق تو مومن اور کافر سب کو عطا ہوتا ہے۔ رہا علم و ایمان، محبت الٰہی، اللہ کا ڈر اور اس پر امید تو یہ دلوں کا رزق ہے جو اللہ تعالیٰ صرف اسے عطا کرتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۣ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۠

تھے لوگ (پہلے) ایک ہی امت (پھر مختلف ہو گئے) تو بھیجے اللہ نے نبی، خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے

وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ

اور نازل کیں اس نے انکے ساتھ کتابیں، ساتھ حق کے تاکہ فیصلہ کرے وہ درمیان لوگوں کے اس بات میں کہ اختلاف کیا انہوں نے اس میں،

وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ

اور نہیں اختلاف کیا اس میں مگر ان ہی لوگوں نے جو دیئے گئے کتاب، بعد اس کے کہ آ گئے ان کے پاس واضح دلائل،

بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ

آپس کی ضد سے، پھر ہدایت دی اللہ نے انکو جو ایمان لائے، واسطے اس (بات) کے کہ اختلاف کیا انہوں نے اس میں، حق سے، اپنے حکم سے

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

اور اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہتا ہے طرف سیدھے راستے کی ○

یعنی وہ سب ہدایت پر جمع تھے اور یہ سلسلہ آدم علیہ السلام کے بعد دس صدیوں تک جاری رہا۔ پھر جب انہوں نے دین میں اختلاف کیا تو ایک گروہ کافر ہو گیا اور دوسرا گروہ دین پر قائم رہا اور ان کے درمیان اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان فیصلے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لیے رسول بھیجے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تمام لوگ کفر، ضلالت اور شقاوت پر مجتمع تھے۔ ان کے سامنے کوئی روشنی اور ایمان کی کوئی کرن نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف انبیاء و رسل علیہم السلام بھیج کر ان پر رحم فرمایا ﴿ مُبَشِّرِيْنَ ﴾ "بشارت دینے والے۔" یعنی یہ رسول لوگوں

کو خوشخبری سناتے کہ اللہ کی اطاعت کے ثمرات' رزق' قلب و بدن کی قوت اور پاکیزہ زندگی کی صورت میں ہوں گے...... اور ان سب سے بڑھ کر وہ کامیابی ہے جو اللہ کی رضامندی اور جنت کی صورت میں حاصل ہوگی۔
﴿ وَ مُنْذِرِيْنَ ﴾ اور اللہ کے نافرمانوں کو معصیت کے نتائج سے ڈراتے ہیں جو دنیا میں رزق سے محرومی' کمزوری' اہانت اور تنگ زندگی کی صورت میں نکلتے ہیں اور آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے بدترین عذاب' اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور جہنم ہے۔ ﴿ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ﴾ ''اور ان کے ساتھ کتاب اتاری ساتھ حق کے''۔ اس سے مراد وہ سچی خبریں اور عدل پر مبنی احکام ہیں جنہیں اللہ کے رسول لے کر مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ پس وہ تمام اخبار و احکام جن پر کتب الٰہیہ مشتمل ہیں' حق ہیں اور اصول و فروع میں اختلاف کرنے والوں کے مابین فیصلہ کرتے ہیں اور اختلاف اور تنازع واقع ہونے کی صورت میں فرض ہے کہ اختلاف اور تنازع کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹایا جائے۔ اگر کتاب اللہ اور سنت رسول میں ان اختلاف کرنے والوں کے نزاع کا فیصلہ موجود نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے جھگڑوں کو ان کی طرف لوٹانے کا حکم نہ دیتا۔
چونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب پر کتابیں نازل فرما کر اپنی عظیم نعمت کا ذکر کیا ہے۔ اس نعمت کا تقاضا تھا کہ وہ ان کتابوں پر اتفاق کرتے ہوئے اکٹھے ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ انہوں نے ایک دوسرے پر زیادتی کا ارتکاب کیا جس کے نتیجے میں نزاعات' جھگڑے اور بے شمار اختلافات ظاہر ہوئے' چنانچہ انہوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا جس کے بارے میں ان کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ اس کتاب پر لوگوں میں سے سب سے زیادہ اتفاق کرنے والے ہوتے اور ان کا یہ رویہ آیات بینات اور دلائل قاطعہ کو جان لینے اور ان کی صداقت پر یقین ہو جانے کے بعد تھا۔ پس وہ اپنے اس رویے کی وجہ سے دور کی گمراہی میں جا پڑے۔
﴿ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''پس اللہ نے مومنوں کو راہ دکھا دی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اس امت کے اہل ایمان کی راہنمائی فرمائی ﴿ لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ ﴾ ''ان چیزوں میں جن میں انہوں نے اختلاف کیا' حق سے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر اس معاملے میں اہل ایمان کی راہنمائی فرمائی جس میں اہل کتاب اختلافات کا شکار ہو کر حق و صواب سے دور ہٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی حق و صواب کی طرف راہنمائی فرمائی ﴿ بِاِذْنِهٖ ﴾ ''اپنے حکم سے'' یعنی اپنے اذن اور اپنی رحمت سے حق و صواب کو ان کے لیے آسان کر دیا۔
﴿ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ ''اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے'' پس اللہ تعالیٰ نے عدل اور مخلوق پر حجت قائم کرنے کے لیے تمام انسانوں کو صراط مستقیم کی طرف عام دعوت دی ہے۔ تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں ﴿ مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّ لَا نَذِيْرٍ ﴾ (المائدہ: ۱۹/۵) ''ہمارے پاس تو کوئی خوشخبری دینے والا اور کوئی ڈرانے والا ہی نہیں آیا'' اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت اور لطف و اعانت سے

اپنے بندوں میں سے جس کو چاہا ہدایت سے نوازا۔ پس ہدایت سے نوازنا' یہ اس کا فضل و احسان ہے اور ساری مخلوق کو صراط مستقیم کی طرف دعوت دینا' یہ اس کا عدل اور اس کی حکمت ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا
کیا گمان کیا تم نے کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں' حالانکہ نہیں پیش آئیں تمہیں (مشکلیں) مانند ان لوگوں کے جو گزر چکے
مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ
تم سے پہلے' پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور ہلا ڈالے گئے وہ' یہاں تک کہ کہنے لگے رسول
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾
اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس کے ساتھ' کب (آئے گی) مدد اللہ کی؟ آگاہ رہو! بیشک مدد اللہ کی قریب ہی ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ خوشحالی' بدحالی اور مشقت کے ذریعے سے ضرور اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو آزمایا۔ یہ اس کی سنت جاریہ ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا جو کوئی اس کے دین اور شریعت پر چلنے کا دعویٰ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ضرور آزماتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کرتا ہے اور اس کی راہ میں پیش آنے والے مصائب اور تکالیف کی پروا نہیں کرتا تو وہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور کامل ترین سعادت اور سیادت کی منزل کو پالے گا اور جو کوئی لوگوں کے فتنے کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مانند سمجھ لیتا ہے بایں طور کہ لوگوں کی ایذائیں اور تکالیف اس کو اپنے راستے سے ہٹا دیتی ہیں اور امتحان اور آزمائش اس کی منزل کھوٹی کر دیتے ہیں' تو وہ اپنے دعوی ایمان میں جھوٹا ہے۔ کیونکہ ایمان محض تمناؤں اور مجرد دعووں کا نام نہیں' بلکہ اعمال اس کی تصدیق یا تکذیب کرتے ہیں۔ سابقہ امتوں کو بھی اسی راستے سے گزرنا پڑا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ﴾ ''ان کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں۔'' یعنی وہ فقر و فاقہ کا شکار ہوئے اور ان پر مختلف بیماریوں نے حملہ کیا ﴿وَزُلْزِلُوْا﴾ ''اور وہ ہلا دیے گئے۔'' یعنی قتل' جلاوطنی' مال لوٹ لینے اور عزیز و اقارب کو قتل کی دھمکی کے خوف اور دیگر نقصانات کے ذریعے سے ان کو ہلا ڈالا گیا' اس حالت نے ان کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد پر یقین رکھنے کے باوجود اس کے بارے میں بے یقینی کا شکار ہو گئے۔ یہاں تک کہ معاملے کی شدت اور تنگی کی بنا پر ﴿حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ﴾ ''رسول اور اس کے مومن ساتھی بھی پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی''۔

چونکہ ہر شدت کے بعد آسانی اور ہر تنگی کے بعد فراخی ہوتی ہے' اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ﴾ ''آگاہ رہو کہ اللہ کی مدد قریب ہے'' پس ہر وہ شخص جو حق پر قائم رہتا ہے اس کا اسی طرح امتحان لیا جاتا ہے۔ جب بندۂ مومن پر سختیاں اور صعوبتیں یلغار کرتی ہیں اور وہ ثابت قدمی سے ان پر صبر کرتا ہے' تب یہ امتحان

اس کے حق میں انعام اور مشقتیں راحتوں میں بدل جاتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو دشمنوں کے خلاف فتح و نصرت سے نوازا جاتا ہے اور وہ قلب کی تمام بیماریوں سے شفایاب ہو جاتا ہے۔

یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی نظیر ہے ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ (آل عمران : ۱۴۲/۳) ''کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اس نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو آزما کر معلوم ہی نہیں کیا اور نیز یہ کہ وہ صبر کرنے والوں کو معلوم کرے''۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی نظیر ہے ﴿ الٓمّٓ ۝ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ (العنکبوت : ۲۹/ ۱-۳) ''الٓمّٓ۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لائے ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور ان کو آزمایا نہیں جائے گا' یقیناً ہم نے ان لوگوں کو بھی آزمایا ہے جو ان سے پہلے تھے اللہ ان کو ضرور آزما کر معلوم کرے گا جو اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں۔'' پس امتحان کے وقت ہی انسان کی عزت یا تحقیر ہوتی ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَا ذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ
سوال کرتے ہیں آپ سے کہ وہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے! جو خرچ کرو تم مال سے تو وہ واسطے ماں باپ کے ہے
وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا
اور رشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے اور جو کچھ کرو گے تم
مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾
بھلائی سے تو بلاشبہ اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے ○

لوگ آپ سے خرچ کرنے کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ یہ سوال خرچ کرنے والے اور جس پر خرچ کیا جائے' ان کے بارے میں عام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں ان کو جواب عطا فرمایا ہے: ﴿ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ ﴾ ''کہہ دیجیے' جو مال تم خرچ کرنا چاہو۔'' یعنی تھوڑا یا زیادہ جو مال بھی تم خرچ کرتے ہو' اس مال کے سب سے زیادہ اور سب سے پہلے مستحق والدین ہیں جن کے ساتھ نیکی کرنا فرض اور ان کی نافرمانی حرام ہے اور والدین کے ساتھ سب سے بڑی نیکی ان پر خرچ کرنا اور ان کی سب سے بڑی نافرمانی ان پر خرچ کرنے سے گریز کرنا ہے۔ اس لیے صاحب کشائش بیٹے کے لیے والدین پر خرچ کرنا فرض ہے۔

والدین کے بعد رشتہ داروں پر ان کے رشتوں کے مطابق خرچ کیا جائے اور (اَلْاَقْرَبُ فَالْاَقْرَب) ''جو زیادہ قریبی ہے وہ زیادہ مستحق ہے'' کے اصول کو مدنظر رکھا جائے اور جو زیادہ قریبی اور ضرورت مند ہے اسے دیا جائے۔ پس ان پر

خرچ کرنا صدقہ اور صلہ رحمی ہے۔ ﴿ وَالْيَتٰمٰى ﴾ یتیموں سے مراد وہ چھوٹے بچے ہیں جن کا کوئی کمانے والا نہیں۔ان کے بارے میں گمان یہی ہوتا ہے کہ وہ ضرورت مند ہیں کیونکہ ان کے لیے کوئی کمانے والا موجود نہیں ہے اور وہ خود اپنے مصالح کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے۔اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم اور لطف و کرم کرتے ہوئے اپنے بندوں کو ان کے بارے میں وصیت کی ہے۔ ﴿ وَالْمَسٰكِيْنِ ﴾ مساکین سے مراد حاجت منداور ضرورت مند لوگ ہیں جنہیں ضرورتوں اور حاجتوں نے غریب و مسکین بنا دیا ہو۔ان کی ضروریات زندگی پوری کرنے اور انہیں ضروریات سے بے نیاز کرنے کے لیے ان پر خرچ کیا جائے۔ ﴿ وَابْنِ السَّبِيْلِ ﴾ اس سے مراد وہ مسافر اور اجنبی شخص ہے جو زادِ سفر ختم ہو جانے کی وجہ سے دیارِ غیر میں پھنس کر رہ گیا ہو۔اس پر خرچ کر کے اس کے سفر میں اس کے ساتھ تعاون کیا جائے تاکہ وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ضرورت مندوں کی ان تمام اصناف کو خاص طور پر ذکر کرنے کے بعد اس حکم کو عام کر دیا اور فرمایا: ﴿ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ ﴾ ’’اور جو بھلائی تم کرو گے۔‘‘یعنی مذکورہ بالا اور دیگر لوگوں پر تم جو کچھ خرچ کرتے ہو بلکہ نیکی اور تقرب الٰہی کا جو کام بھی کرتے ہو اس میں سب شامل ہیں کیونکہ یہ تمام کام ’’خیر‘‘ یعنی بھلائی کے تحت آتے ہیں ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴾ ’’اللہ (بھلائی کے) ان تمام کاموں کو جانتا ہے‘‘ پس وہ تمہیں ان کا بدلہ عطا کرے گا اور اس کو وہ تمہارے لیے محفوظ رکھتا ہے ہر شخص کو اس کی نیت اخلاص اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی قلت یا کثرت ضرورت مندوں کی ضرورت کی شدت اس خرچ کی وقعت اور فائدے کے مطابق جزا ملے گی۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

لکھ دیا گیا ہے تم پر لڑنا اور وہ ناگوار ہے تمہارے لیے اور ممکن ہے کہ تم ناپسند کرو کسی چیز کو اور وہ بہتر ہو تمہارے لیے

وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ

اور ممکن ہے کہ تم پسند کرو کسی چیز کو اور وہ بری ہو تمہارے لیے اور اللہ جانتا ہے

وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۟۝ (۲۱۶)

اور تم نہیں جانتے ۝

اس آیت کریمہ میں اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کے راستے میں (کافروں کے ساتھ) قتال فرض کیا گیا ہے اس سے قبل وہ ترک قتال پر مامور تھے کیونکہ وہ کمزور تھے اور قتال کے متحمل نہیں تھے۔جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ آ گئے مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی اور وہ طاقتور ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو قتال کا حکم دے دیا۔ ان کو یہ بھی بتا دیا کہ مشقت تکان مختلف قسم کے خوف اور ہلاکت کے خطرے کی وجہ سے نفس کو جہاد اور قتال ناپسند ہے۔اس کے باوجود قتال خالص نیکی ہے جس میں بہت بڑا ثواب جہنم کے عذاب سے حفاظت دشمن پر فتح و

نصرت اور مال غنیمت وغیرہ کا حصول ہے۔ یہ تمام چیزیں قتال کے ناپسند ہونے کے باوجود مرغوب ہوتی ہیں۔
﴿ وَعَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ﴾ ''اور شاید تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بری ہو'' مثلاً محض راحت اور آرام کی خاطر جہاد چھوڑ کر گھر بیٹھ رہنا۔ یہ بہت بڑی برائی ہے اس کا نتیجہ پسپائی' اسلام اور مسلمانوں پر کفار کے تسلط' ذلت اور رسوائی' بہت بڑے ثواب سے محرومی اور جہنم کے عذاب کے سوا کچھ نہیں۔ یہ آیات کریمہ اس بات کی بابت عام ہیں کہ نیکی کے وہ کام جن کو نفوس ناپسند کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے کرنے میں مشقت ہے۔ بلا شک وشبہ بھلائی ہیں اور برے کام جن کو نفوس پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ ان میں لذت وراحت کا واہمہ ہے۔ بلا شک وشبہ شر ہیں۔ رہے دنیا کے حالات تو یہ اصول عام نہیں' لیکن غالب طور پر بندۂ مومن جب کسی معاملے کو پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جو اس کے اس خیال کو دور کر دیتے ہیں کہ یہ معاملہ اس کے لیے اچھا ہے۔ پس اس کے لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور فی الواقع خیر ہی کا اعتقاد رکھے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اس سے کہیں زیادہ رحم کرتا ہے جتنا بندہ اپنے آپ پر رحم کر سکتا ہے اور اپنے بندے کے مصالح کی اس سے کہیں زیادہ دیکھ بھال کرتا ہے جتنی دیکھ بھال بندہ خود کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ بندے سے زیادہ اس کے مصالح کو جانتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے'' لہٰذا تمہارے لیے مناسب یہی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی قضاء وقدر کے ساتھ ساتھ چلو' خواہ تمہیں اچھے لگیں یا برے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے قتال کا (مطلق) حکم دیا ہے اور اگر اس حکم کو مقید نہ کیا جائے تو اس میں حرام مہینوں میں قتال بھی شامل ہو جائے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان حرام مہینوں کو مستثنیٰ قرار دے دیا' چنانچہ فرمایا:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ
وہ پوچھتے ہیں آپ سے حرمت والے مہینے کی بابت' لڑائی کرنے سے اس میں؟ کہہ دیجیے! لڑائی کرنا اس میں بہت بڑا (گناہ) ہے'
وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ
اور روکنا اللہ کے راستے سے' اور کفر کرنا اس کے ساتھ اور (روکنا) مسجد حرام سے اور نکالنا اس کے رہنے والوں کو
مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ
اس سے' بہت بڑا (گناہ) ہے نزدیک اللہ کے' اور فتنہ کہیں بڑا (گناہ) ہے قتل سے' اور وہ (کافر تو) ہمیشہ لڑتے رہیں گے تم سے
حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ
یہاں تک کہ وہ پھیر دیں تمہیں تمہارے دین سے اگر وہ استطاعت رکھیں' اور جو شخص پھر جائے تم میں سے
عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا
اپنے دین سے' پھر وہ مر جائے ایسی حالت میں کہ وہ کافر ہی ہو' تو یہی لوگ ہیں' برباد ہو گئے اعمال ان کے بیچ دنیا

وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

اور آخرت کے' اور یہی ہیں دوزخ والے' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ حرام مہینوں میں قتال کی حرمت اس آیت کے ذریعے سے منسوخ ہوگئی ہے جس میں حکم ہے کہ مشرکوں سے لڑو جہاں کہیں بھی ان کو پاؤ۔ (اشارہ ہے البقرہ/۱۹۱' النساء/۸۹'۹۱ کی طرف۔ مترجم) اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں' کیونکہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے یہ آیت کریمہ قتال کے عام اور مطلق حکم کو مقید کرتی ہے۔ نیز اس لیے بھی کہ حرام مہینوں کی جملہ خوبیوں میں سے ایک خوبی' بلکہ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان مہینوں میں لڑائی حرام ہے۔ یہ حکم لڑائی کی ابتدا کرنے کے بارے میں ہے۔ رہی دفاعی جنگ تو یہ حرام مہینوں میں بھی جائز ہے جیسے حرم کے اندر دفاعی جنگ لڑنا جائز ہے۔

اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے سریہ میں مسلمانوں نے عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دیا اور مشرکوں کا مال لوٹ لیا........روایات کے مطابق........یہ سریہ رجب کے مہینے میں واقع ہوا تھا' اس لیے مشرکین نے عار دلائی کہ مسلمانوں نے حرام مہینوں میں لڑائی کی ہے' حالانکہ اس عار دلانے میں وہ زیادتی کا ارتکاب کر رہے تھے' کیونکہ خود ان میں بہت سی برائیاں تھیں ان میں سے بعض برائیاں تو ایسی تھیں جو اس برائی سے بڑی تھیں جس پر مشرکین مسلمانوں کو عار دلا رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان برائیوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَصَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ "اور اللہ کی راہ سے روکنا۔" یعنی مشرکین کا لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے روکنا' اہل ایمان کو آزمائش میں ڈالنا' ان کو ان کے دین سے ہٹا دینے کی کوشش کرنا اور حرمت والے مہینے اور حرمت والے شہر میں کفر کا ارتکاب کرنا وغیرہ اور قباحت کے لیے تو مجرد کفر ہی کافی ہے........ تب اس برائی کی شدت اور قباحت کا کیا حال ہوگا اگر اس کا ارتکاب حرمت والے مہینے اور حرمت والے شہر میں کیا جائے۔

﴿وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ﴾ "اور اہل مسجد کو اس میں سے نکال دینا" یعنی مسجد حرام میں عبادت کرنے والوں کو مسجد سے نکالنا' اس سے مراد نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ وہ مسجد حرام میں عبادت کرنے کے مشرکوں سے زیادہ حق دار ہیں۔ وہی درحقیقت مسجد حرام کو آباد کرنے والے ہیں۔ پس مشرکین نے ان کو مسجد حرام سے نکال دیا اور ان کے لیے مسجد حرام تک پہنچنا ممکن نہ رہا۔ حالانکہ یہ گھر مکہ کے رہنے والوں اور باہر کے لوگوں کے لیے برابر حیثیت رکھتا ہے۔ ﴿اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ "خون ریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔" یعنی ان تمام برائیوں میں سے ہر ایک برائی کی قباحت حرام مہینوں میں قتل کی قباحت سے بڑھ کر ہے' تب ان کا کیا حال ہے جبکہ ان کے اندر مذکورہ تمام برائیاں ہی جمع ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ یہ فاسق و فاجر لوگ ہیں اور اہل ایمان کو عار دلانے میں زیادتی سے کام لے رہے ہیں۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ مشرکین اہل ایمان سے لڑتے رہیں گے اور اس لڑائی سے ان کی غرض اہل ایمان کو قتل کرنا یا ان کے اموال لوٹنا نہیں' بلکہ ان کی غرض وغایت صرف یہ ہے کہ اہل ایمان اپنا دین چھوڑ کر پھر کفر کی طرف لوٹ جائیں اور اس طرح وہ پھر سے جہنمیوں کے گروہ میں شامل ہو جائیں۔ پس وہ مسلمانوں کو اپنے دین سے پھیرنے کے لیے پوری قوت استعمال کر رہے ہیں اور امکان بھر اسی کوشش میں مصروف ہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت کی روشنی کو مکمل کر کے رہے گا خواہ کفار کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔

تمام کفار کا عام طور پر یہی رویہ ہے وہ دوسرے لوگوں سے ہمیشہ برسرپیکار رہیں گے جب تک کہ ان کو اپنے دین سے پھیر نہ دیں۔ خاص طور پر یہود ونصاریٰ نے اس مقصد کے لیے جماعتیں تشکیل دیں' اپنے داعی بھیجے' طبیب پھیلائے اور مدارس قائم کئے' تاکہ دوسری قوموں کو اپنے مذہب میں جذب کر لیں۔ ان کے اذہان میں ہر وہ شبہ ڈال دیں جو ان کے دین میں شک پیدا کرے مگر امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جس نے اہل ایمان کو اسلام جیسی نعمت عطا کر کے احسان فرمایا اور اپنے اس دین قیم کو ان کے لیے چن لیا اور اپنے دین کو ان کے لیے مکمل کیا' ان پر اپنی نعمت کو قائم کرے گا' پوری طرح اس کا اتمام کرے گا اور ہر اس طاقت کو پسپا کر دے گا جو اس کے دین کی روشنی کو بجھانے کی کوشش کرے گی' وہ ان کی چالوں کو ان کے سینوں ہی میں کچل کر رکھ دے گا اور وہ اپنے دین کی مدد اور اپنے کلمہ کو ضرور بلند کرے گا اور سورۃ الانفال کی یہ آیت کریمہ جس طرح پہلے کفار پر صادق آتی تھی' اسی طرح یہ موجودہ کفار پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۬ؕ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴾ (الانفال: ۳۶/۸) ''بے شک وہ لوگ جو کافر ہیں وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ وہ عنقریب ابھی اور مال خرچ کریں گے آخر کار یہ مال خرچ کرنا ان کے لیے حسرت کا باعث بنے گا اور وہ مغلوب ہوں گے اور وہ لوگ جو کافر ہیں ان کو جہنم کی طرف ہانکا جائے گا''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ جو کوئی مرتد ہو کر اسلام کو چھوڑ دے اور کفر کو اختیار کرے' ہمیشہ کفر پر قائم رہے حتیٰ کہ کفر کی حالت میں مر جائے ﴿ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ﴾ ''تو دنیا و آخرت میں ان کے تمام اعمال اکارت جائیں گے'' کیونکہ ان اعمال کی قبولیت کی شرط یعنی اسلام موجود نہیں ہے ﴿ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴾ ''اور یہی لوگ دوزخ والے ہیں جس میں ہمیشہ رہیں گے'' اس آیت کریمہ کا مفہوم دلالت کرتا ہے کہ جو کوئی مرتد ہونے کے بعد پھر دین اسلام کی طرف لوٹ آئے' تو اس کا عمل اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ جو اس نے مرتد ہونے سے پہلے کیا تھا۔ اسی طرح جو کوئی گناہوں سے تائب ہو جاتا ہے تو اس کے سابقہ اعمال اس کی طرف لوٹ آتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ
بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں یہی لوگ
يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢١٨﴾
امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی' اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے ○

آیت کریمہ میں مذکور تینوں اعمال سعادت کا عنوان اور عبودیت کا مرکز ومحور ہیں' انہی اعمال سے پہچان ہوتی ہے کہ انسان کے پاس کیا گھاٹے یا منافع کا سودا ہے۔ رہا ایمان تو اس کی فضیلت کے بارے میں مت پوچھئے اور آپ اس چیز کے بارے میں کیسے پوچھ سکتے ہیں جو اہل سعادت اور اہل شقاوت اور جنتیوں اور جہنمیوں کے درمیان حد فاصل ہو؟ یہ ایمان ہی ہے کہ جب بندہ اس سے بہرہ ور ہوتا ہے' تو بھلائی کے تمام اعمال اس سے قبول کیے جاتے ہیں اور اگر وہ اس سے محروم ہو' تو پھر اس کا کوئی فرض اور کوئی نفل قابل قبول نہیں۔ رہی ہجرت! تو یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے محبوب اور مالوف وطن سے جدائی کو قبول کرنا ہے۔ پس مہاجر محض تقرب الٰہی اور نصرت دین کی خاطر اپنا وطن' اپنا مال ومتاع' اپنے اہل وعیال اور اپنے دوست واحباب کو چھوڑ دیتا ہے۔

رہا جہاد تو یہ دشمنان اسلام کے خلاف پوری طاقت سے جدوجہد کرنے' پوری کوشش سے اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت اور شیطانی نظریات کے قلع قمع کرنے کا نام ہے۔ جہاد اعمال صالحہ میں سب سے بڑا عمل ہے اور اس کی جزا بھی ہر عمل کی جزا سے افضل ہے۔ جہاد دائرہ اسلام کی توسیع' بتوں کے پجاریوں کی پسپائی اور مسلمانوں' ان کی جان ومال اور ان کی اولاد کے لیے امن کا سب سے بڑا وسیلہ اور سبب ہے۔ جو کوئی ان تینوں اعمال کو ان کی سختیوں اور مشقتوں کے باوجود بجالاتا ہے وہ دیگر اعمال کو بدرجہ اولیٰ بجالانے اور ان کی تکمیل پر قادر ہے۔ یہی لوگ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار بنیں' کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں ایسا سبب پیش کیا ہے جو اس کی رحمت کا موجب ہے۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ سعادت کے اسباب کو عمل میں لا کر ہی سعادت کی امید کی جا سکتی ہے۔ رہی وہ امید جو سستی اور کاہلی پر مبنی ہو اور جس سے پہلے اسباب کو عمل میں نہ لایا گیا ہو۔ تو وہ محض عجز' آرزو اور فریب ہے اور اس قسم کی امید' کم ہمتی اور کم عقلی پر دلالت کرتی ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو نکاح کے وجود کے بغیر ہی اولاد کی اور بیج بوئے اور پانی دیے بغیر ہی غلے کی فصل کی امید رکھتا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ﴾ ''یہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں'' میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بندۂ مومن خواہ کتنے ہی بڑے بڑے اعمال لے کر اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو' تب بھی اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ان اعمال پر بھروسہ کرے' بلکہ وہ اپنے رب کی رحمت کی امید رکھے وہ یہ امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ

کی جناب میں اس کے اعمال قبول ہو جائیں گے' اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے اور اس کے عیوب کی پردہ پوشی کر دی جائے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ ﴾ ''اور اللہ بخشنے والا'' یعنی جو خالص توبہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے ﴿ رَّحِيْمٌ ﴾ ''رحمت کرنے والا ہے۔'' یعنی اس کی رحمت ہر چیز پر محیط اور اس کی سخاوت اور احسان ہر ذی حیات کے لیے عام ہے۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو کوئی ان مذکورہ اعمال کو بجالائے گا' وہ مغفرت الٰہی سے بہرہ ور ہوگا' کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں اور بندۂ مومن کو اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل ہو جائے گی اور بندۂ مومن جب اللہ تعالیٰ کی مغفرت حاصل کرلے گا' تو دنیا و آخرت کی تمام عقوبتیں اس سے دور ہو جائیں گی۔ یہ عقوبتیں درحقیقت گناہوں کے اثرات ہیں ان گناہوں کو بخش دیا جائے گا تو یہ اثرات بھی ختم ہو جائیں گے۔

جب بندۂ مومن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہرہ مند ہو جاتا ہے تو دنیا و آخرت کی ہر بھلائی اسے حاصل ہو جاتی ہے' بلکہ مذکورہ اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حصہ ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو ان اعمال کی توفیق عطا نہ فرماتا تو کبھی ان اعمال کا ارادہ بھی نہ کر سکتے' اگر اللہ تعالیٰ ان اعمال کو بجالانے کی قدرت عطا نہ کرتا' تو وہ ان اعمال کو بجالانے پر کبھی قادر نہ ہوتے اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان شامل حال نہ ہوتا تو اللہ ان اعمال کو تکمیل تک پہنچاتا نہ ان اعمال کو قبول کرتا۔ پس اول و آخر وہی فضل و کرم کا مالک ہے اور وہی ہے جو سبب اور مسبب سے نوازتا ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ

وہ پوچھتے ہیں آپ سے شراب اور جوئے کی بابت' کہہ دیجیے! ان دونوں میں گناہ ہے بڑا' اور (کچھ) فائدے ہیں' لوگوں کے لیے

وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ

اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے'

یعنی اے رسول! اہل ایمان آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ صحابہ کرام زمانہ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی ایام میں شراب وغیرہ استعمال کیا کرتے تھے۔ یوں لگتا ہے کہ شراب اور جوئے کے بارے میں کوئی اشکال واقع ہوا تھا اس لیے انہوں نے ان کے احکام کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ اہل ایمان پر شراب اور جوئے کے فوائد اور نقصانات واضح کر دیں' تاکہ یہ وضاحت شراب اور جوئے کی تحریم اور ان کو حتمی طور پر ترک کر دینے کا مقدمہ بن جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کے گناہ اور ان کے نقصانات اور ان کے اثرات سے آگاہ فرمایا' ان اثرات اور نقصانات میں عقل اور مال کا زائل ہونا' ان کا اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکنا اور عداوت اور بغض پیدا کرنا شامل ہیں۔ یہ تمام نقصانات ایسے ہیں جو ان کے مزعومہ فوائد' مثلاً شراب کی تجارت اور جوئے کے ذریعے سے اکتساب مال' شراب نوشی اور جوا کھیلتے وقت حاصل

ہونے والے طرب اور فرحت وغیرہ سے، بہت بڑے ہیں۔

نیز یہ بیان نفوس کے لیے زجر و توبیخ کی حیثیت رکھتا تھا کیونکہ عقل مند شخص ہمیشہ اس چیز کو ترجیح دیتا ہے جس کے فوائد راجح ہوں اور اس چیز سے اجتناب کرتا ہے جس کے نقصانات زیادہ ہوں۔ لیکن چونکہ یہ حضرات شراب اور جوئے کے عادی اور ان سے مالوف تھے لہٰذا فوری اور حتمی طور پر ان کو چھوڑنا ان کے لیے سخت مشکل تھا اس لیے (تدریج کے طور پر) اس آیت کریمہ کو پہلے نازل فرمایا۔ چنانچہ یہ آیت اس آیت کے مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ﴾ (المائدۃ:٩٠/٥) ’’اے ایمان والے لوگو! شراب، جوا، بت اور پانسے تو ناپاک اور شیطان کے کام ہیں‘‘۔ اور آخر میں فرمایا ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ (المائدۃ:٩١/٥) ’’کیا تم باز آؤ گے؟‘‘ اور یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم، اس کی رحمت اور اس کی حکمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پکار اٹھے: «اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا»[1] ’’اے ہمارے رب ہم باز آئے، ہم باز آئے‘‘۔

رہی شراب، تو اس سے مراد ہر نشہ دینے والی چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے خواہ وہ کسی نوع سے تعلق رکھتی ہو۔

اور جوئے سے مراد ہر وہ کام ہے جس میں مدمقابل کو ہرانے اور خود جیتنے کے لیے مقابلہ ہو اور فریقین کی طرف سے جیتنے پر کوئی مالی عوض مقرر کیا گیا ہو مثلاً شطرنج کا کھیل اور تمام قولی اور فعلی مقابلے جن کی ہار جیت پر کوئی مالی عوض مقرر کیا گیا ہو۔ البتہ گھوڑ دوڑ، اونٹ دوڑ میں مسابقت اور تیر اندازی کا مقابلہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ کام جہاد میں مدد دیتے ہیں اس لیے شارع نے ان مقابلوں کی رخصت دی ہے۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ

اور وہ پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجیے! جو ضرورت سے زائد ہو، اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے (اپنے) احکام،

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢١٩﴾ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِؕ

تاکہ تم غور و فکر کرو ○ دنیا اور آخرت کے بارے میں،

یہ سوال اس بارے میں ہے کہ اہل ایمان اپنے اموال میں سے کتنی مقدار اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کریں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تمام معاملے کو نہایت آسان بنا دیا اور حکم دیا کہ وہ صرف وہی چیز خرچ کریں جو فاضل ہو۔ اس سے مراد ان کے اموال میں وہ زائد حصہ ہے جس کا تعلق ان کی ضرورتوں اور حاجتوں سے نہ ہو۔ یہ حکم ہر شخص کی طرف اس کی استطاعت کے مطابق لوٹتا ہے، خواہ وہ مال دار ہو، فقیر ہو یا متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔ ہر شخص اس مال کو خرچ کرنے پر قادر ہے جو اس کی ضروریات سے فاضل ہو خواہ یہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔

[1] سنن الترمذی، تفسیر القرآن، سورۃ المائدۃ، حدیث:٣٠٤٩

بنا بریں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ لوگوں کے مال اور صدقات میں سے فاضل مال وصول کیا جائے اور انہیں کسی ایسے امر کا مکلف نہ کیا جائے جو ان پر شاق گزرتا ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کسی ایسی چیز کے خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا جس کی ہمیں خود ضرورت ہو اور نہ ہمیں کسی ایسے امر کا مکلف بنایا ہے جو ہم پر شاق گزرے' بلکہ اس نے ہمیں صرف اسی چیز کا حکم دیا ہے جو ہمارے لیے آسان اور جس میں ہماری سعادت ہو اور جس میں ہمارا یا ہمارے بھائیوں کا کوئی فائدہ ہو۔ پس وہ اس عنایت اور نوازش پر کامل ترین حمد وثنا کا مستحق ہے۔

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس حکم کو اچھی طرح واضح کر دیا اور اپنے بندوں کو اسرار شریعت سے آگاہ کر دیا' تو فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ﴾ ''اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنے احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔'' یعنی یہ آیات حق پر دلالت کرتی ہیں اور علم نافع اور حق و باطل کے درمیان فرق کے لیے کسوٹی عطا کرتی ہیں۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ ''تاکہ تم دنیا وآخرت (کی باتوں) میں غور وفکر کرو۔'' یعنی تاکہ تم اسرار شریعت معلوم کرنے کے لیے اپنے فکر وتدبر کو استعمال میں لاؤ اور تمہیں اس حقیقت کی معرفت حاصل ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں دنیا وآخرت کے مصالح اور فوائد پوشیدہ ہیں اور تاکہ تم دنیا اور اس کے نہایت تیزی کے ساتھ اپنے اختتام کی طرف بڑھنے پر اور آخرت اور اس کے ہمیشہ باقی رہنے پر غور وفکر کرو۔ نیز یہ کہ آخرت جزا وسزا کا گھر ہے۔ تاکہ تم اسے آباد کرو۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ

اور وہ پوچھتے ہیں آپ سے یتیموں کے بارے میں، کہہ دیجیے! اصلاح کرنا انکی بہتر ہے' اور اگر باہم ملا لو تم انکو تو وہ بھائی ہیں تمہارے

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ

اور اللہ جانتا ہے فسادی کو اصلاح کرنے والے سے' اور اگر چاہتا اللہ تو تکلیف میں ڈال دیتا تمہیں'

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

بیشک اللہ بہت زبردست' حکمت والا ہے○

جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا﴾ (النساء: ٤/ ١٠) ''بے شک وہ لوگ جو ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے'' تو یہ آیت کریمہ مسلمانوں پر بہت شاق گزری اور انہوں نے یتیموں کے کھانے سے اپنے کھانے کو اس خوف سے علیحدہ کر لیا کہ کہیں وہ ان کا کھانا تناول نہ کر بیٹھیں۔ اگرچہ ان حالات میں اموال میں شراکت کی عادت جاری وساری رہی۔ پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آگاہ فرمایا کہ اصل

مقصد تو یتیموں کے مال کی اصلاح‘ اس کی حفاظت اور (اضافے کی خاطر) اس کی تجارت ہے اگر ان کا مال دوسرے مال میں اس طرح ملا لیا جائے کہ یتیم کے مال کو نقصان نہ پہنچے تو یہ جائز ہے‘ کیونکہ یہ تمہارے بھائی ہیں اور بھائی کی شان یہ ہے کہ وہ دوسرے بھائی سے مل جل کر رہتا ہے۔ اس بارے میں اصل معاملہ نیت اور عمل کا ہے۔

جس کی نیت کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ یتیم کے لیے مصلح کی حیثیت رکھتا ہے اور اسے یتیم کے مال کا کوئی لالچ نہیں‘ تو اگر بغیر کسی قصد کے اس کے پاس کوئی چیز آ بھی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جس کی نیت‘ اللہ کے علم میں‘ یتیم کے مال کو اپنے مال میں ملانے سے اس کو ہڑپ کرنا ہو تو اس میں یقیناً حرج اور گناہ ہے اور قاعدہ ہے (اَلْوَسَائِلُ لَھَا اَحْکَامُ الْمَقَاصِدِ) ”وسائل کے وہی احکام ہیں جو مقاصد کے ہیں“

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ماکولات و مشروبات اور عقود وغیرہ میں مخالطت (مل جل کر کرنا) جائز ہے اور یہ رخصت اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کا لطف و احسان اور ان کے لیے وسعت ہے۔ ورنہ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ﴾ ”اگر اللہ چاہتا تو تمہیں دشواری میں مبتلا کر دیتا۔“ یعنی اس بارے میں عدم رخصت تم پر بہت شاق گزرتی اور تم حرج‘ مشقت اور گناہ میں مبتلا ہو جاتے ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ”بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔“ یعنی وہ قوت کاملہ کا مالک ہے اور وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ لیکن بایں ہمہ وہ حکمت والا ہے‘ وہ صرف وہی فعل سرانجام دیتا ہے جس کا تقاضا اس کی حکمت کاملہ اور عنایت تامہ کرتی ہے۔ پس اس کی عزت و غلبہ اس کی حکمت کے منافی نہیں ہے لہٰذا اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے خواہ اس کی حکمت کے مطابق ہو یا مخالف ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یوں کہا جائے گا کہ اس کے افعال اور احکام اس کی حکمت کے تابع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو عبث پیدا نہیں کرتا بلکہ اس کی تخلیق کے پیچھے کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے خواہ اس حکمت تک ہماری رسائی ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے کوئی ایسا شرعی حکم مشروع نہیں کیا جو حکمت سے خالی ہو‘ اس لیے وہ صرف اس بات کا حکم دیتا ہے جس میں ضرور کوئی فائدہ ہو یا فائدہ غالب ہو اور اسی طرح منع بھی صرف اسی بات سے کرتا ہے جس میں یقینی نقصان یا نقصان کا غالب امکان ہو اور ایسا اس لیے ہے کہ اس کا ہر کام حکمت اور رحمت پر مبنی ہوتا ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ

اور نہ نکاح کرو تم مشرک عورتوں سے‘ یہاں تک کہ ایمان لائیں وہ‘ اور لونڈی مومنہ بہتر ہے‘ ایک مشرک عورت سے اگرچہ

اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ

وہ تمہیں بھلی ہی لگے اور نہ نکاح میں دو تم (مسلمان عورتیں) مشرک مردوں کے‘ یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور البتہ غلام مومن بہت بہتر ہے

مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا

مشرک سے‘ اگرچہ وہ تمہیں بھلا ہی لگے‘ یہ (مشرک) بلاتے ہیں طرف آگ کی‘ اور اللہ بلاتا ہے

اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ

طرف جنت کی اور (طرف) مغفرت کی اپنے حکم سے' اور بیان کرتا ہے اپنی آیتیں

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

واسطے لوگوں کے' تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○

یعنی ان مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جو اپنے شرک پر قائم ہوں ﴿حَتّٰى يُؤْمِنَّ﴾ ''حتی کہ وہ ایمان لے آئیں'' کیونکہ ایک مومن عورت خواہ وہ کتنی ہی بدصورت کیوں نہ ہوں' مشرک عورت سے بہر حال بہتر ہے خواہ وہ کتنی ہی زیادہ حسین کیوں نہ ہو۔ یہ حکم تمام مشرک عورتوں کے بارے میں عام ہے اور اس حکم کے عموم کو سورۂ مائدہ کی اس آیت نے خاص کر دیا ہے جس میں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اباحت کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ﴾ (المائدہ : ۵/۵) ''اور اہل کتاب میں سے پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں'' فرمایا ﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا﴾ ''اور اپنی عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں مت دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں'' یہ حکم عام ہے اور اس میں کوئی تخصیص نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس حکمت کا ذکر فرمایا ہے جو ایک مسلمان مرد اور مسلمان عورت کے غیر مسلموں کے ساتھ نکاح کی حرمت میں پنہاں ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ﴾ ''یہ (مشرک) آگ کی طرف بلاتے ہیں۔'' یعنی وہ اپنے اقوال' افعال اور احوال میں جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ لہذا ان کے ساتھ اختلاط میں سخت خطرہ ہے اور یہ خطرہ کوئی دنیاوی خطرہ نہیں' بلکہ یہ تو ابدی بدبختی ہے۔

اس آیت کریمہ کی علت سے مشرک اور بدعتی سے اختلاط کی ممانعت مستفاد ہوتی ہے جب مشرکین سے نکاح جائز نہیں' حالانکہ اس میں بہت سے مصالح ہیں...... تو مجرد اختلاط تو بدرجہ اولی جائز نہ ہوگا۔ خاص طور پر جبکہ مشرک مسلمان پر معاشرتی طور پر فوقیت رکھتا ہو مثلاً مسلمان مشرک کا خادم ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ''مشرک مردوں سے اپنی عورتوں کا نکاح مت کرو'' اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح میں ولی کا اعتبار ہے (یعنی اس کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوگا) ﴿وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ﴾ ''اور اللہ جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جنت کے حصول اور اپنی مغفرت کی طرف بلاتا ہے جس کے اثرات یہ ہیں کہ اس سے تمام عذاب دور ہو جاتے ہیں۔ یہ دعوت درحقیقت اعمال صالحہ' خالص توبہ اور علم نافع کی طرف دعوت ہے جو حصول جنت اور مغفرت کے اسباب ہیں۔ ﴿وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ﴾ ''وہ اپنی آیات بیان کرتا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ اس آیت کے حکم اور اپنے دیگر احکام کو واضح کرتا ہے ﴿لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ﴾ ''لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔'' تب یہ آیات لوگوں کے لیے نصیحت اور عبرت کا موجب بنتی ہیں جسے

انہوں نے فراموش کر ڈالا تھا۔ انہیں وہ علم عطا کرتی ہیں جس سے وہ جاہل تھے اور انہیں وہ اطاعت اور فرمانبرداری عطا کرتی ہیں جسے انہوں نے ضائع کر ڈالا تھا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ ۙ

اور سوال کرتے ہیں آپ سے حیض کے بارے میں' کہہ دیجئے! وہ گندگی ہے' پس الگ رہو تم عورتوں سے حیض میں'

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ

اور نہ قربت (صحبت) کرو تم ان سے' یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں' پس جب وہ پاک ہو جائیں' تو آؤ ان کے پاس جہاں سے حکم دیا تم کو

اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ص

اللہ نے' بیشک اللہ پسند کرتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور پسند کرتا ہے پاک صاف رہنے والوں کو ○ تمہاری عورتیں کھیتی ہیں تمہارے لیے'

فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا

پس آؤ تم اپنی کھیتی میں جس طرح سے چاہو' اور آگے بھیجو (نیک عمل) واسطے اپنے نفسوں کے' اور ڈرو تم اللہ سے اور جان لو

اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾

بلاشبہ تم ملنے والے ہو اللہ سے' اور خوشخبری سنا دیجئے مومنوں کو ○

اللہ تعالیٰ حیض کے بارے میں اہل ایمان کے اس سوال سے آگاہ فرماتا ہے کہ آیا ایام حیض کے شروع ہونے کے بعد عورت سے اسی طرح اختلاط رکھا جائے جس طرح ایام حیض سے قبل تھا۔ یا اس سے مطلقاً اجتناب کیا جائے جیسے یہودی کیا کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ حیض ایک نجاست ہے۔ جب حیض ایک نجاست ہے تو حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس نجاست سے روک کر اس کی حدود مقرر کر دے۔ اس لیے فرمایا: ﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ﴾ ''پس ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو۔'' یعنی مقام حیض سے دور رہو۔ اور اس سے مراد شرم گاہ میں مجامعت ہے اور اس مجامعت کے حرام ہونے پر اجماع ہے اور حیض کے دوران مجامعت سے دور رہنے کی تخصیص اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شرم گاہ میں مجامعت کے سوا عورت کے ساتھ اختلاط اور اس کو ہاتھ سے چھونا جائز ہے البتہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ ''جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرنا۔'' عورت کے ساتھ ایسے اختلاط کی ممانعت پر دلالت کرتا ہے جو فرج کے قریب یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیان ہو۔ اس قسم کے اختلاط کو ترک کر دینا چاہیے۔ نبی اکرم ﷺ جب کبھی اپنی کسی بیوی کے ساتھ اختلاط کرنا چاہتے تو اسے ازار پہننے کا حکم دیتے تب اس کے ساتھ اختلاط کرتے ①۔

اور بیوی سے دور رہنے اور حیض کی وجہ سے قریب نہ جانے کی حد ﴿حَتّٰى يَطْهُرْنَ﴾ ''یہاں تک کہ وہ پاک ہو

① صحیح بخاری' الحیض' باب مباشرۃ الحائض' حدیث: ۳۰۲

جائیں'' مقرر فرمائی ہے۔ یعنی جب حیض کا خون منقطع ہو جائے تو وہ مانع زائل ہو جاتا ہے جو جریان حیض کے وقت موجود تھا۔ اس کے جائز ہونے کی دو شرطیں ہیں ۔(۱) خون کا منقطع ہونا۔ (۲) خون کے منقطع ہونے کے بعد غسل کرنا۔ جب خون منقطع ہو جاتا ہے تو پہلی شرط زائل ہو جاتی ہے اور دوسری شرط باقی رہ جاتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَإِذَا تَطَهَّرْنَ﴾ ''پس جب وہ (حیض سے) پاک ہو جائیں'' یعنی غسل کر لیں ﴿فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾ ''پس تم آؤ ان عورتوں کو جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے'' قبل یعنی سامنے سے جماع کرو اور دُبر سے اجتناب کرو۔ کیونکہ قبل (شرم گاہ) ہی کھیتی کا محل و مقام ہے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حائضہ عورت پر غسل فرض ہے اور غسل کی صحت کے لیے خون کا منقطع ہونا شرط ہے۔ اور چونکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف و کرم اور نجاستوں سے ان کی حفاظت ہے اس لیے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ﴾ ''اللہ توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو ہمیشہ توبہ کرتے رہتے ہیں ﴿وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ اور ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو گناہوں سے پاک رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ آیت کریمہ حدث اور نجاست سے حسی طہارت کو شامل ہے۔ پس اس آیت سے طہارت کی مطلق مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند کرتا ہے جو طہارت کی صفت سے متصف ہو۔ اس لیے مطلق طہارت صحت نماز' صحت طواف اور مصحف شریف کو چھونے کے لیے شرط ہے۔ یہ آیت کریمہ معنوی طہارت یعنی اخلاق رذیلہ' صفات قبیحہ اور افعال خسیسہ جیسی معنوی نجاستوں سے طہارت کو بھی شامل ہے۔

﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ﴾ ''تمہاری بیویاں' تمہاری کھیتیاں ہیں' پس تم اپنی کھیتیوں کو جہاں سے چاہو آؤ'' یعنی تم اپنی بیویوں سے سامنے سے جماع کرو یا پیچھے سے۔ البتہ یہ جماع صرف قُبل (یعنی شرمگاہ) میں ہونا چاہئے' کیونکہ یہی کھیتی کے اگنے کی جگہ ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے اولاد جنم لیتی ہے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دبر (یعنی پیٹھ) میں جماع کرنا حرام ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیوی کے ساتھ صرف اسی مقام میں مجامعت کو جائز قرار دیا ہے جو کھیتی (یعنی اولاد) پیدا کرنے کا مقام ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے نہایت کثرت سے احادیث مروی ہیں جو دبر میں جماع کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں اور جن میں آپ نے اس فعل کے مرتکب پر لعنت فرمائی ہے۔[1] ﴿وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ﴾ ''اور اپنے لیے (نیک عمل) آگے بھیجو۔'' یعنی نیکیوں کے کام سرانجام دے کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور ان نیکیوں میں ایک نیکی یہ بھی ہے کہ مرد اپنی بیوی سے مباشرت کرے' یہ مباشرت اللہ تعالیٰ کے تقرب کی خاطر اور اولاد کے حصول کی امید کے ساتھ ہو' وہ اولاد جن کے ذریعے سے اللہ فائدہ پہنچاتا ہے۔ ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے

[1] سنن ابی داود' النكاح' باب في جامع النكاح' حديث: ٢١٦٢

رہو۔" یعنی اپنے تمام احوال میں تقویٰ اختیار کرو اور اس بارے میں اپنے علم سے مدد لیتے ہوئے تقویٰ کا التزام کرو ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ﴾ "اور جان لو کہ تم اس (اللہ تعالیٰ) سے ملاقات کرو گے" اور وہ تمہیں تمہارے اعمال صالحہ وغیرہ کی جزا دے گا ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ "اور ایمان والوں کو بشارت سنا دو۔" یہاں اس امر کا ذکر نہیں کیا گیا جس کی بشارت دی گئی ہے، تاکہ یہ بشارت کے عموم پر اور اس بات پر دلالت کرے کہ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی بشارت ہے اور ہر بھلائی کا حصول، ہر نقصان سے بچاؤ جو ایمان پر مترتب ہو، وہ بھی اس بشارت میں داخل ہے۔ اس آیت میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اہل ایمان سے محبت کرتا ہے اور اس چیز کو پسند کرتا ہے جس سے اہل ایمان خوش ہوتے ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اہل ایمان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیار کی ہوئی دنیاوی اور اخروی جزا کے حصول کے لیے شوق اور نشاط پیدا کرنا مستحب ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا

اور نہ بناؤ تم اللہ کو نشانہ واسطے اپنی قسموں کے، یہ کہ تم نیکی (نہیں) کرو گے، اور تقویٰ (نہیں) اپناؤ گے، اور صلح (نہیں) کراؤ گے

بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

درمیان لوگوں کے اور اللہ خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ○

حلف اور قسم کا مقصد اس ہستی کی تعظیم ہے جس کی قسم کھائی جائے اور اس چیز کی تاکید مراد ہے جس پر قسم کھائی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قسموں کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر معاملے میں قسم کی حفاظت کی جائے مگر اس سے اس قسم کو اللہ نے مستثنیٰ کر دیا ہے جس میں کسی کے ساتھ احسان (نہ کرنے) کی قسم کھائی گئی ہو۔ یہ اس بات کو متضمن ہے کہ وہ قسم توڑ کر اس چیز کو اختیار کرے جو اسے زیادہ پسند ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس بات سے منع کیا ہے کہ وہ اپنی قسموں کو نشانہ، یعنی انہیں نیکی کرنے سے رکاوٹ بنا لیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بھلائی کے کام سرانجام دیں، برائی سے بچیں اور لوگوں کے درمیان صلح کروائیں۔ (اور اس طرح قسم نہ کھائیں کہ میں فلاں کے ساتھ احسان نہیں کروں گا، فلاں کے ساتھ نہیں بولوں گا، وغیرہ)۔

پس جو کوئی کسی واجب کو ترک کرنے کی قسم کھاتا ہے اس پر قسم توڑنا واجب ہے اور اس قسم پر قائم رہنا حرام ہے اور جو کوئی کسی مستحب کو چھوڑنے کی قسم کھاتا ہے اس پر اس قسم کو توڑنا مستحب ہے اور جو کسی حرام امر کے ارتکاب کا حلف اٹھاتا ہے اس پر حلف توڑنا واجب ہے اور اگر وہ کسی مکروہ فعل کے ارتکاب پر قسم اٹھاتا ہے تو اس پر اس قسم کو توڑنا مستحب ہے۔ رہے مباح امور تو ان کے بارے میں اٹھائی ہوئی قسم کی حفاظت کرنا زیادہ مناسب ہے۔

اس آیت کریمہ سے اس مشہور فقہی اور قانونی قاعدے پر استدلال کیا جاتا ہے (اِذَا تَزَاحَمَتِ الْمَصَالِحُ

قَدِّمْ اَھَمُّھَا) ''جب مصالح میں باہم ٹکراؤ ہو تو اس کو مقدم رکھا جائے گا جو ان میں سب سے زیادہ اہم ہوگا'' پس یہاں قسم کا پورا کرنا ایک مصلحت ہے اور ان اشیاء میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنا اس سے زیادہ بڑی مصلحت ہے اس لیے اس کو مقدم رکھا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان دو اسمائے کریمہ کے ذکر کے ساتھ آیت کا اختتام کیا ہے ﴿وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ﴾ ''اللہ سننے والا'' یعنی اللہ تمام آوازوں کو سننے والا ہے ﴿عَلِیْمٌ﴾ یعنی وہ مقاصد اور نیتوں کو خوب جانتا ہے۔ گویا وہ قسم اٹھانے والوں کی بات کو سنتا ہے اور ان کے مقاصد کو بھی جانتا ہے کہ آیا یہ قسم کسی نیک مقصد کے لیے اٹھائی گئی ہے یا برے مقصد کے لیے۔ یہ آیت کریمہ اس بات کو بھی متضمن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچا جائے نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال اور تمہاری نیتوں کو جانتا ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا

نہیں مؤاخذہ کرے گا تمہارا اللہ اوپر لغو قسموں میں تمہاری، لیکن وہ مؤاخذہ کرے گا تمہارا ان پر

كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

جن کا قصد کیا تمہارے دلوں نے' اور اللہ بخشنے والا بڑا بردبار ہے ○

یعنی اللہ تعالیٰ ان لغو قسموں پر تمہارا مواخذہ نہیں کرتا جو تمہاری زبان سے نکلتی رہتی ہیں اور بندہ بغیر کسی قصد اور ارادے کے قسمیں کھاتا رہتا ہے اور یوں ہی اس کی زبان سے بلا قصد قسمیں نکل جاتی ہیں مثلاً وہ بات چیت میں بار بار کہتا ہے ''اللہ کی قسم! نہیں'' اور ''ہاں! اللہ کی قسم'' وغیرہ۔ یا جیسے وہ کسی گزرے ہوئے معاملے میں حلف اٹھاتا ہے جس کے بارے میں وہ اپنے آپ کو سچا سمجھتا ہے۔ البتہ اس قسم پر مواخذہ ہوگا جو دل سے کھائے گا۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس طرح مقاصد افعال میں معتبر ہوتے ہیں اسی طرح اقوال میں بھی مقاصد کا اعتبار ہوگا۔ ﴿وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ﴾ اللہ تعالیٰ اس شخص کو بخش دیتا ہے جو توبہ کے ذریعے سے اس کی طرف لوٹتا ہے ﴿حَلِیْمٌ﴾ جو شخص اس کی نافرمانی کرتا ہے وہ اس کے بارے میں بہت حلم سے کام لیتا ہے اور اس کو سزا دینے میں عجلت سے کام نہیں لیتا' بلکہ اپنے حلم کی بنا پر اس کی پردہ پوشی کرتا ہے اور اس پر قدرت رکھنے اور اپنے سامنے ہونے کے باوجود اس سے درگزر کرتا ہے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ

واسطے ان لوگوں کے' جو قسم کھا لیتے ہیں اپنی عورتوں (کے پاس جانے) سے' انتظار کرنا ہے چار مہینے' پھر اگر وہ رجوع کرلیں' تو بلاشبہ

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے ○ اور اگر عزم کرلیں وہ طلاق کا' تو بیشک اللہ خوب سننے والا' خوب جاننے والا ہے ○

یہ قسم کسی خاص معاملے میں صرف بیوی کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ بیوی کے ساتھ مطلق طور پر یا چار مہینے یا

اس سے بھی زیادہ کی قید کے ساتھ جماع نہ کرنے کی قسم ہے۔ پس جو کوئی اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھاتا ہے۔ اگر یہ قسم چار ماہ سے کم مدت کے لیے ہے تو یہ عام قسموں میں شمار ہوگی۔ اگر وہ قسم توڑے گا' تو اس کا کفارہ ادا کرے گا اور اگر وہ اپنی قسم پوری کرتا ہے' تو اس پر کوئی چیز نہیں اور اس کی بیوی کو اس کے خلاف چارہ جوئی کرنے کا کوئی اختیار نہیں' کیونکہ اس کی بیوی چار ماہ تک اس کی ملک ہے اور اگر اس نے ہمیشہ کے لیے اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی ہے یا قسم کا عرصہ چار ماہ سے زیادہ ہے' ایسی صورت میں جب اس کی بیوی اس سے حق زوجیت کا مطالبہ کرے گی تو اس قسم کے لیے چار ماہ کی مدت مقرر کر دی جائے گی' کیونکہ یہ بیوی کا حق ہے۔ جب چار ماہ کی مدت پوری ہو جائے تو خاوند کو رجوع یعنی مجامعت کا حکم دیا جائے' اگر وہ رجوع کر کے تعلق زوجیت قائم کر لے تو اس پر قسم کے کفارے کے سوا کچھ لازم نہیں اور اگر وہ رجوع کرنے سے انکار کر دے تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر پھر بھی طلاق نہ دے تو حاکم طلاق نافذ کر دے گا........ البتہ بیوی کی طرف رجوع کرنا اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاِنْ فَآءُوْ﴾ ''پس اگر وہ رجوع کریں۔'' یعنی جس چیز (تعلق زوجیت) کو چھوڑ دینے کی انہوں نے قسم اٹھائی تھی اگر اس کی طرف دوبارہ لوٹ آئیں۔ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ تو قسم اٹھانے کی وجہ سے انہوں نے جس گناہ کا ارتکاب کیا تھا ان کے رجوع کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا ﴿رَّحِيْمٌ﴾ وہ بہت رحم کرنے والا ہے کہ اس نے بندوں کی قسموں کو اٹوٹ اور ان پر لازم قرار نہیں دیا' بلکہ ان سے باہر نکلنے کے لیے کفارہ مقرر کیا۔ نیز وہ ان پر اس لحاظ سے بھی مہربان ہے کہ انہوں نے اپنی بیویوں سے رجوع کیا ان سے مہربانی اور شفقت سے پیش آئے۔ (یعنی ان کا رجوع بھی اللہ کی مہربانی ہی کا نتیجہ ہے)

﴿وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ﴾ ''اور اگر وہ طلاق کا ارادہ کر لیں۔'' یعنی اگر وہ رجوع کرنے سے انکار کر دیں' تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ انہیں ان میں رغبت نہیں اور وہ ان کو بیوی کے طور پر باقی رکھنا نہیں چاہتے........ اور یہ چیز طلاق کے ارادے کے سوا کچھ نہیں........ اگر یہ طلاق جو اس پر واجب ہے' کہنے سننے پر بیوی کو حاصل ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ حاکم اس کو طلاق پر مجبور کرے یا خود نافذ کر دے۔ ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''بے شک اللہ سننے والا' جاننے والا ہے'' اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لیے سخت وعید اور تہدید ہے جو کوئی اللہ کی قسم اٹھاتا ہے اور اس کا مقصد محض ضرر رسانی اور تکلیف پہنچانا ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے اس امر پر استدلال کیا جاتا ہے کہ اِیلاَء بیوی سے مخصوص ہے کیونکہ اس میں مِنْ نِّسَآءِهِمْ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ نیز چار ماہ میں ایک مرتبہ بیوی کے ساتھ مجامعت فرض ہے' کیونکہ چار ماہ کے بعد یا تو اسے مجامعت پر مجبور کیا جائے گا یا اسے طلاق دینی پڑے گی۔ یہ جبر صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ کسی واجب کو ترک کرے۔

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ

اور مطلقہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک' اور نہیں حلال ان کے لیے یہ کہ چھپائیں وہ

مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ

اس کو جو پیدا کیا اللہ نے ان کے رحموں میں اگر ہیں وہ ایمان رکھتیں ساتھ اللہ اور یوم آخرت کے

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَلَهُنَّ

اور خاوند انکے زیادہ حق دار ہیں انکو لوٹا لینے کے اس (مدت) میں' اگر ارادہ رکھیں وہ اصلاح کا' اور (ان) عورتوں کا (حق ہے مردوں پر)

مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ

مانند اس کے جو ہے ان (عورتوں) پر' مطابق دستور کے' اور مردوں کو ان پر ایک فضیلت ہے

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٨﴾

اور اللہ غالب' خوب حکمت والا ہے ○

یعنی وہ عورتیں جن کو ان کے شوہروں نے طلاق دے دی ہے ﴿يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ﴾ ''اپنے تئیں روکے رکھیں''، یعنی وہ انتظار کریں اور عدت پوری کریں ﴿ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ ''تین حیض'' (قُرُوْء) کے معنی میں اختلاف ہے بعض کے نزدیک اس کے معنی حیض اور بعض کے نزدیک طہر کے ہیں۔ تاہم صحیح مسلک یہ ہے کہ اس سے مراد تین حیض ہیں اور اس عدت کی متعدد حکمتیں ہیں، مثلاً جب مطلقہ عورت کو بتکرار تین حیض آجاتے ہیں تو براءت رحم ہو جاتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے پیٹ میں حمل نہیں اور اس طرح نسب میں اختلاط کا کوئی خدشہ نہیں رہتا۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورتوں پر واجب کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رحم میں جو کچھ تخلیق کیا ہے اس کے بارے میں آگاہ کریں اور حمل یا حیض کا چھپانا ان پر حرام ٹھہرایا ہے' کیونکہ ان کا حیض یا حمل چھپانا بہت سے مفاسد کا باعث بنتا ہے۔ حمل کو چھپانا اس بات کا موجب بنتا ہے کہ عورت اپنے حمل کے نسب کو کسی ایسے شخص کے ساتھ ملحق کر دے جس میں اسے رغبت ہے یا محض عدت کے پورا ہو جانے میں جلد بازی کے لیے حیض آنے کا اعلان کر دے۔ پس جب یہ عورت اپنے حمل کو اس کے باپ کے سوا کسی اور کے ساتھ ملحق کر دیتی ہے' تو یہ چیز قطع رحمی اور میراث سے محروم کرنے کا باعث بنتی ہے' اس کے لیے اس کے محرموں اور اقارب سے پردے کا موجب بنتی ہے اور بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ اس الحاق سے محارم کے درمیان نکاح کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

اس کے مقابلے میں باپ کے سوا کسی اور شخص سے اس حمل کا الحاق ہوتا ہے اور اس کے نتیجہ میں اس کے تمام توابع' مثلاً میراث وغیرہ کا اثبات ہوتا ہے اور جس شخص کے ساتھ اس حمل کا الحاق کیا گیا ہوتا ہے' اس کے تمام اقارب کو اس بچے کے اقارب بنا دیتا ہے اور اس میں بہت بڑا شر اور فساد ہے جسے بندوں کے رب کے سوا کوئی نہیں

جانتا اور اگر اس میں مذکورہ باتیں نہ بھی ہوں' تب بھی مطلقہ کا ایسے شخص سے نکاح کر لینا' جس سے اس کا نکاح جائز ہی نہیں تھا' تو اس کا یہ ایک نتیجہ ہی اس فعل کی برائی کے لیے کافی ہے' کیونکہ یہ نکاح' نکاح نہیں' زنا ہوگا' جو کبیرہ گناہ اور اس پر اصرار ہے۔ رہا حیض کو چھپانا تو اس نے عجلت سے کام لے کر جھوٹ بولتے ہوئے حیض آنے کی خبر دی ہے تو اس میں پہلے خاوند کی حق تلفی اور اپنے آپ کو دوسرے کے لیے مباح قرار دینا ہے نیز اس سے دیگر برائیاں متفرع ہوتی ہیں جیسا کہ گزشتہ سطور میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اگر وہ حیض کے عدم وجود کی جھوٹی اطلاع دیتی ہے' تاکہ عدت لمبی ہو جائے اور اس طرح وہ نان و نفقہ حاصل کر سکے جو شوہر پر واجب نہ تھا تو یہ دو پہلوؤں سے اس پر حرام ہے۔ (۱) اب وہ اس کی مستحق نہیں رہی۔ (۲) اس کو شریعت کی طرف منسوب کرنا حالانکہ وہ جھوٹی ہے۔

اس صورت میں بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ عدت کے ختم ہو جانے کے بعد خاوند رجوع کر لیتا ہے (یعنی خاوند مطلقہ کی اطلاع کے مطابق سمجھتا ہے کہ ابھی عدت ختم نہیں ہوئی) یہ رجوع درحقیقت زنا ہے۔ کیونکہ یہ عورت اب اس کے لیے اجنبی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ ''ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کی ہے' اگر وہ اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتی ہیں'' حیض یا حمل کو چھپانا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتیں۔ اگر ان کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان ہوتا اور انہیں علم ہوتا کہ انہیں ان کے اعمال کی جزا ملے گی' تو ان سے کبھی یہ فعل صادر نہ ہوتا۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر عورت اپنے معاملات کے بارے میں جن کی اطلاع اس کے سوا کسی اور کو نہیں ہوتی' مثلاً حیض اور حمل وغیرہ......... کوئی خبر دیتی ہے' تو وہ قابل قبول ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَٰلِكَ﴾ ''اور ان کے خاوند ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حق دار ہیں۔'' یعنی جب تک بیویاں عدت کے اندر عدت پوری ہونے کی منتظر ہیں اس وقت تک ان کے شوہر ان سے رجوع کا زیادہ حق رکھتے ہیں ﴿إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا﴾ ''اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہے'' یعنی اگر شوہر رغبت' الفت اور مودت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر رجوع کرنے سے ان کا مقصد اصلاح نہیں تو وہ انہیں واپس لانے کا حق نہیں رکھتے' کیونکہ بیوی کو نقصان پہنچانے اور عدت کو طول دینے کی غرض سے رجوع کرنا جائز نہیں۔ کیا خاوند اس قسم کا مقصد و ارادہ رکھتے ہوئے رجوع کرنے کا اختیار رکھتا ہے؟ فقہاء اس بارے میں دو آراء رکھتے ہیں۔

جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ تحریم کے باوجود خاوند یہ اختیار رکھتا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ اگر شوہر اصلاح کا ارادہ نہیں رکھتا تو رجوع کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ جیسا کہ آیت کریمہ کے ظاہری الفاظ دلالت کرتے ہیں۔

اور اس انتظار میں یہ دوسری حکمت ہے۔ وہ اس طرح کہ بسا اوقات شوہر بیوی کو طلاق دے کر نادم ہوتا ہے تو اس کے لیے یہ مدت رکھ دی گئی ہے' تاکہ وہ دوبارہ اپنے فیصلہ طلاق پر غور کر لے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان الفت چاہتا ہے ان کے درمیان جدائی اسے پسند نہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ» ''حلال چیزوں میں سے جو سب سے زیادہ اللہ کو ناپسند ہے' وہ طلاق ہے[1]'' رجوع کا یہ حق طلاق رجعی کے ساتھ مخصوص ہے۔ رہی طلاق بائن تو اس میں خاوند کو رجوع کا حق نہیں۔ البتہ اگر میاں بیوی دونوں رجوع پر راضی ہوں' تو نکاح کی پوری شرائط کے ساتھ نیا نکاح ضروری ہے۔

﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ ''اور عورتوں کا حق ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔'' یعنی عورتوں کے اپنے شوہروں پر وہی حقوق ہیں جو شوہروں کے اپنی بیویوں پر ہیں۔ میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق کے بارے میں اصل مرجع ''معروف'' ہے' یہاں معروف سے مراد اس زمانے اور اس شہر میں عورتوں مردوں کے بارے میں جاری عادت ہے۔ زمان و مکان' احوال و اشخاص اور عادات میں تغیر و تبدل کے ساتھ معروف میں تبدیلی ہو جائے گی۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ نان و نفقہ' لباس' معاشرتی تعلق' گھر' اسی طرح میاں بیوی کے درمیان خاص تعلق' ان سب کا مرجع ''معروف'' ہے۔ یہ عقد مطلق کی صورت میں ہے' یعنی نکاح کے وقت کوئی شرط طے نہ کی گئی ہو' لیکن جو نکاح مطلق نہیں' مقید یعنی شرطوں کے ساتھ ہوگا' تو وہاں ان شرطوں کا ایفاء ضروری ہوگا۔ البتہ کوئی ایسی شرط نہ ہو جو حرام کو حلال اور کسی حلال کو حرام ٹھہرا دے۔ ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ ''اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے''۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ (النساء: ٣٤/٤) ''مرد عورتوں پر حاکم و قوام ہیں کیونکہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے نیز اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں''۔

منصب نبوت' منصب قضا' امامت صغریٰ' امامت کبریٰ اور دیگر تمام شعبوں کی سربراہی مردوں سے مخصوص ہے۔ میراث وغیرہ جیسے بہت سے معاملات میں بھی مرد کو عورت کے مقابلے میں دوگنا حیثیت حاصل ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ''اور اللہ غالب صاحب حکمت ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ عزت' غلبہ' بہت بڑے تسلط اور اختیارات کا مالک ہے۔ تمام کائنات اس کے سامنے سرافگندہ ہے مگر وہ اپنے غلبہ اور اختیارات کے باوجود اپنے تصرفات میں نہایت حکمت سے کام لیتا ہے۔

اس آیت کریمہ کے عموم سے مندرجہ ذیل صورتیں مستثنیٰ ہیں۔

[1] سنن ابی داود' الطلاق' باب فی کراهية الطلاق' حدیث: ٢١٧٨

(۱) اگر مطلقہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔

(۲) اگر مطلقہ غیر مدخولہ ہو یعنی اس کے ساتھ خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو تو اس پر کوئی عدت نہیں۔

(۳) لونڈیوں کی عدت دو حیض ہیں۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ آیات کریمہ کا سیاق دلالت کرتا ہے کہ آیت میں مذکورہ عورت سے مراد آزاد عورت ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ۭ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ

طلاق (رجعی) دو مرتبہ ہے، پھر روک رکھنا ہے موافق دستور کے یا چھوڑ دینا ہے ساتھ بھلائی کے، اور نہیں حلال تمہارے لیے

اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْھُنَّ شَـيْـــًٔـا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۭ

یہ کہ لو تم اس (مہر) میں سے جو دیا تم نے ان کو، کچھ بھی، مگر یہ کہ وہ دونوں ڈریں اس بات سے کہ نہ قائم رکھ سکیں گے وہ اللہ کی حدوں کو

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْھِمَا فِــيْمَا

پس (اے مومنو!) اگر تم خوف کھاؤ اس بات سے کہ وہ دونوں نہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو تو نہیں گناہ ان پر اس (مال) میں جو

افْتَدَتْ بِهٖ ۭ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْھَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ

(خلع کے) فدیے میں دے عورت وہ مال، یہ حدیں ہیں اللہ کی، سو نہ تجاوز کرو تم ان سے، اور جو کوئی تجاوز کرے

حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۲۲۹

اللہ کی حدوں سے تو وہی ہیں ظالم ○

جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں مرد اپنی بیوی سے طلاق و رجوع کا لامتناہی سلسلہ جاری رکھتا تھا........ لہٰذا مرد جب اپنی بیوی کو نقصان پہنچانا چاہتا تو اسے طلاق دے دیتا اور عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر لیتا۔ پھر اسے طلاق دے دیتا اور پھر اختتام عدت سے پہلے رجوع کر لیتا اور ہمیشہ اسی طرح کرتا رہتا۔ اس طرح عورت کو جس ضرر اور نقصان کا سامنا کرنا پڑتا وہ اللہ ہی جانتا ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا: ﴿اَلطَّلَاقُ﴾ یعنی وہ طلاق جس میں خاوند کو رجعت کا حق حاصل ہے۔ ﴿مَرَّتٰنِ﴾ ''صرف دو مرتبہ ہے'' تاکہ اگر خاوند اپنی بیوی کو ضرر پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا، تو اس مدت کے دوران میں طلاق دینے کے فیصلے سے رجوع کر سکتا ہے۔ رہا اس سے زیادہ مرتبہ طلاق دینا تو یہ طلاق کا محل نہیں، کیونکہ جو کوئی دو مرتبہ سے زیادہ طلاق دیتا ہے وہ یا تو حرام فعل کے ارتکاب کی جرأت کرتا ہے یا اسے اپنی بیوی کو رکھنے میں رغبت نہیں ہوتی، بلکہ وہ اسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خاوند کو حکم دیا ہے کہ یا تو وہ بھلے طریقے سے اپنی بیوی کو رکھ لے ﴿بِمَعْرُوْفٍ﴾ ''بطریق شائستہ'' یعنی اچھے رہن سہن اور اچھے سلوک کے ساتھ اور اس کے ساتھ وہی سلوک کرے جو اس جیسے دوسرے لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ کرتے ہیں اور یہی زیادہ راجح بات ہے، یا اس کو آزاد کر دے اور اس سے جدا ہو جائے

﴿ بِإِحْسَانٍ ﴾ یعنی بھلے طریقے سے۔

احسان یعنی بھلائی یہ ہے کہ اس نے بیوی کو جو مال وغیرہ دیا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لے' اس لیے کہ یہ ظلم ہے اور یہ کچھ دیئے بغیر مال لینے کے زمرے میں آئے گا' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْتُمُوهُنَّ شَيْئًا ﴾ ''تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم نے ان عورتوں کو جو کچھ دیا ہے' اس میں سے کچھ بھی واپس لو'' ﴿ إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ﴾ ''مگر یہ کہ وہ دونوں اس بات سے ڈریں کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے'' اس میں معروف کے ساتھ خلع کرنے کا بیان ہے (جس میں خاوند کو معاوضہ لے کر طلاق دینے کی اجازت ہے) اس کی صورت یہ ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کو اس کی عادات یا جسمانی بدصورتی کی وجہ سے ناپسند کرتی ہو اور ڈرتی ہو کہ وہ خاوند (کے حقوق) کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کر سکے گی۔ (تو وہ خلع کے ذریعے سے طلاق حاصل کر سکتی ہے۔) ﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ﴾ ''پس اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو عورت جو معاوضہ دے گی تو ان پر کوئی گناہ نہیں'' اس لیے کہ یہ اس جدائی اور علیحدگی کا عوض ہے جو وہ حاصل کرنا چاہتی ہے۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے جب یہ حکمت پائی جائے' تب خلع مشروع ہے۔ ﴿ تِلْكَ ﴾ یعنی وہ تمام احکام جن کا ذکر گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے ﴿ حُدُودُ اللَّهِ ﴾ ''اللہ کی حدود ہیں۔'' یعنی وہ احکام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مشروع فرمایا اور حکم دیا کہ ان پر عمل کیا جائے ﴿ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴾ ''اور جو اللہ کی حدوں سے تجاوز کرے' پس وہی لوگ ظالم ہیں'' اس سے بڑا اور کون سا ظلم ہے کہ حلال سے تجاوز کر کے حرام کی حدود میں داخل ہوا جائے؟ کیا جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرائی ہے' وہ اس کے لیے کافی نہیں؟ ظلم کی تین اقسام ہیں۔

(۱) بندے کا ان معاملات میں ظلم کا ارتکاب کرنا جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین ہیں۔

(۲) بندے کا ظلم اکبر یعنی شرک کا ارتکاب۔

(۳) بندے کا ان معاملات میں ظلم کا ارتکاب' جو اس کے اور لوگوں کے درمیان ہیں۔

اللہ تعالیٰ شرک کو توبہ کے بغیر نہیں بخشتا اور حقوق العباد کو اللہ تعالیٰ بالکل نہیں چھوڑے گا (بلکہ ایک دوسرے کو بدلہ دلوایا جائے گا) اور وہ ظلم جو بندے اور اس کے مابین ہے اور شرک سے کم تر ہے' وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت پر منحصر ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ ط

پھر اگر وہ خاوند (تیسری) طلاق دے دے اسکو' تو وہ حلال نہیں اسکے لیے اسکے بعد' یہاں تک کہ نکاح کرے وہ کسی خاوند سے اسکے علاوہ'

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا

پھر اگر وہ طلاق دے دے اسکو تو نہیں گناہ ان (سابقہ میاں بیوی) پر یہ کہ باہم رجوع کر لیں اگر وہ یقین کریں یہ کہ قائم رکھیں گے

حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ

حدیں اللہ کی اور یہ حدیں ہیں اللہ کی وہ بیان کرتا ہے انہیں ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں ○ اور جب (پہلی یا دوسری) طلاق دو تم

النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ

عورتوں کو پھر (قریب) پہنچ جائیں وہ اپنی عدت کے، تو روک لو ان کو موافق دستور کے یا چھوڑ دو ان کو موافق دستور کے

وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ

اور نہ روکو ان کو ستانے کے لئے تاکہ تم زیادتی کرو اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ یقیناً ظلم کرے گا اپنے نفس ہی پر

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۚ وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ

اور نہ بناؤ تم اللہ کی آیتوں کو ہنسی مذاق اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو (جو ہوئی) تم پر اور اس کو (بھی) جو نازل کی اس نے

عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا

تم پر کتاب اور حکمت، نصیحت کرتا ہے وہ تمہیں اس کے ساتھ اور ڈرو تم اللہ سے اور جان لو!

اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾ ع

بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

﴿فَاِنْ طَلَّقَهَا﴾ "پھر اگر (تیسری) طلاق دے دے" ﴿فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ﴾ "تو اب اس کے لیے حلال نہیں وہ عورت اس کے بعد، یہاں تک کہ وہ نکاح کرے کسی خاوند سے اس کے سوا"۔ یعنی وہ عورت دوسرے خاوند سے صحیح نکاح کرے اور وہ خاوند اس سے ہم بستری بھی کرے، اس لیے کہ اہل علم کے اجماع کے مطابق نکاح شرعی اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں عقد اور مجامعت نہ ہو۔ اس سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ نکاح ثانی رغبت سے کیا گیا ہو۔ اگر یہ نکاح پہلے شوہر کے لیے حلال ہونے کی نیت سے کیا گیا ہو تو یہ نکاح نہیں ہوگا اور نہ اس نکاح سے عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہی ہوگی نہ اس سے اس کی ہم بستری ہی مفید ہے، کیونکہ وہ اس کا خاوند ہی نہیں ہے۔

اگر اس مطلقہ سے کوئی دوسرا شخص نکاح کر لیتا ہے اور اس سے جماع بھی کرتا ہے پھر اسے طلاق دے دیتا ہے اور اس مطلقہ کی عدت پوری ہو جاتی ہے ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ﴾ "تو نہیں ہے گناہ ان دونوں پر" یعنی پہلے خاوند اور اس بیوی پر ﴿اَنْ يَّتَرَاجَعَآ﴾ "یہ کہ وہ دونوں رجوع کر لیں" یعنی وہ ایک دوسرے سے رجوع کر کے اپنے نکاح کی تجدید کر لیں یہ آیت باہمی رضامندی پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ تراجع کی اضافت دونوں کی طرف کی گئی

ہے۔ مگر ان کے آپس کے رجوع میں یہ یقینی شرط ہے ﴿ اَنْ یُّقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰہِ ﴾ ''کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھیں گے'' اور اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم رکھنے کی صورت یہ ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں اور وہ اس طرح کہ دونوں اپنے سابقہ رویوں پر نادم ہوں جن کی وجہ سے ان میں جدائی پیدا ہوئی اور یہ عزم کریں کہ وہ اپنے ان رویوں کو بدل کر اچھی معاشرت اختیار کریں گے۔ تب ان کے ایک دوسرے سے رجوع کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے' کیونکہ ان کو گمان غالب ہے کہ ان کے گزشتہ رویے باقی رہیں گے اور ان کی بری معاشرت زائل نہیں ہوگی' تو پھر ان پر گناہ ہوگا' اس لیے کہ تمام معاملات میں اگر وہ اللہ کے حکم کو قائم نہیں کریں گے اور اس کی اطاعت کے راستے پر نہیں چلیں گے' تو ان کے لیے (دوبارہ باہم نکاح کرنے کا) یہ اقدام جائز ہی نہیں ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کے لیے مناسب یہی ہے کہ جب وہ کسی معاملے میں داخل ہونے کا ارادہ کرے' خاص طور پر چھوٹے یا بڑے عہدے کو قبول کرتے وقت' تو اسے اپنے آپ میں غور کرنا چاہئے۔ اگر اسے ذمہ داری کو پورا کرنے کی طاقت رکھنے کا پورا یقین ہے تو اسے آگے بڑھ کر اس ذمہ داری کو قبول کر لینا چاہئے ورنہ پیچھے ہٹ جائے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان بڑے بڑے احکام کو بیان فرمایا ہے' اس لیے فرمایا: ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰہِ ﴾ ''یہ اللہ کی حدیں ہیں'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے شرائع ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اور ان کو واضح کیا۔ ﴿ یُبَیِّنُهَا لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ ﴾ ''وہ اسے جاننے والے لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے'' کیونکہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ان احکام سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور پھر دوسروں کو فائدہ دے سکتے ہیں۔ اس میں اہل علم کی جس فضیلت کا بیان ہے' وہ مخفی نہیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حدود کی توضیح و تبیین کو ان کے ساتھ مختص کیا ہے اور اس آیت میں وہی لوگ مقصود اور مراد ہیں۔ یہ آیت کریمہ اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے چاہتا ہے کہ وہ ان حدود کی معرفت اور ان میں تفقہ حاصل کریں جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ﴾ ''جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو۔'' یعنی جب تم اپنی بیویوں کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاق دے دو ﴿ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ ﴾ ''پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں۔'' یعنی وہ اپنی عدت پوری ہونے کے قریب پہنچ جائیں ﴿ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ﴾ ''تو انہیں یا تو حسن سلوک سے نکاح میں رہنے دو یا بطریق شائستہ رخصت کر دو۔'' یعنی یا تو تم ان سے رجوع کرو اور تمہاری نیت یہ ہونی چاہئے کہ تم ان کے حقوق پورے کرو گے یا تم ان کو بغیر رجوع کئے اور بغیر نقصان پہنچائے چھوڑ دو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا ﴾ ''اور ان کو نقصان پہنچانے کے لیے نہ روکو'' ۔ ﴿ لِّتَعْتَدُوْا ﴾

’’تا کہ تم زیادتی کرو‘‘ یعنی تم اپنے اس فعل میں حلال سے تجاوز کر کے حرام میں نہ پڑ جاؤ یہاں ’’حلال‘‘ سے مراد معروف طریقے سے بیوی کو روک لینا اور ’’حرام‘‘ سے مراد اس کو نقصان پہنچانا ہے ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ﴾ ’’اور جو شخص ایسا کرے گا‘ پس یقیناً اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا‘‘ اگر حق مخلوق کی طرف لوٹتا ہو تو ضرر اس شخص کی طرف لوٹے گا جو ضرر پہنچانے کا ارادہ کرے۔ ﴿وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا﴾ ’’اور نہ ٹھہراؤ اللہ کے حکموں کو ہنسی مذاق‘‘ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مقرر کردہ حدود کو نہایت وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان حدود کا علم حاصل کیا جائے‘ ان پر عمل کیا جائے اور انہی پر اکتفا کی جائے اور ان حدود سے تجاوز نہ کیا جائے‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان حدود کو عبث اور بے فائدہ نازل نہیں فرمایا‘ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان حدود کو حق‘ صدق اور اہتمام کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اس لیے ان کا تمسخر اڑانے سے منع کیا ہے‘ یعنی ان کو کھیل تماشا بنانے سے روکا ہے‘ جس کا مطلب ان کے خلاف جسارت کرنا اور ان کی ادائیگی میں عدم اطاعت کا راستہ اختیار کرنا ہے‘ مثلاً بیوی کو نقصان پہنچانے کی خاطر روکنا‘ یا جدا رکھنا‘ یا کثرت سے طلاق دینا یا تین طلاق ایک ہی بار دے دینا۔ جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی رحمت‘ مہربانی اور بندے کی بھلائی کی بنا پر یکے بعد دیگرے (ایک‘ ایک کر کے) طلاق دینے کا طریقہ مقرر فرمایا ہے۔ ﴿وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ ’’اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو‘ جو تم پر ہوئی‘‘ زبان سے عام طور پر‘ حمد وثنا کے ذریعے سے۔ دل سے اقرار واعتراف کر کے اور جوارح (اعضاء) کے ذریعے سے‘ ان کو اللہ کی اطاعت میں مصروف کر کے۔ ﴿وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ﴾ ’’اور جو اس نے تم پر کتاب وحکمت سے اتارا‘‘ حکمت سے مراد سنت ہے‘ یعنی قرآن اور سنت کے ذریعے سے تمہارے لیے بھلائی کی راہیں واضح کر دیں اور ان پر گامزن ہونے کی تمہیں ترغیب دی اور تمہارے سامنے برائی کے راستے بھی واضح کر دیے اور ان پر چلنے سے ڈرایا‘ اور اس نے تمہیں اپنی معرفت سے نوازا اور تمہیں اپنے اولیاء اور اعداء کے بارے میں اپنی عادت اور اپنے طریقے سے آگاہ کیا اور تمہیں وہ کچھ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ یہاں حکمت سے مراد اسرار شریعت ہیں اس معنی کے لحاظ سے‘ کتاب سے مراد احکام الٰہی اور حکمت سے مراد وہ اسرار وحکم ہیں جو اس کے اوامر ونواہی کے اندر ہیں اور حکمت کے دونوں ہی معنی صحیح ہیں۔ ﴿يَعِظُكُمْ بِهٖ﴾ ’’وہ اس کے ذریعے سے تمہیں نصیحت کرتا ہے۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر جو کتاب نازل فرمائی ہے اس کے ذریعے سے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے‘ آیت کریمہ کا یہ ٹکڑا اس رائے کو تقویت دیتا ہے کہ حکمت سے مراد اسرار شریعت ہیں‘ کیونکہ حکم اور حکمت اور ترغیب یا ترہیب کے بیان کے ذریعے سے ہی نصیحت کی جاتی ہے۔ پس حکم (یعنی شریعت) سے جہالت زائل ہو جاتی ہے۔ حکمت‘ ترغیب کے ساتھ رغبت کی موجب ہوتی ہے اور ترہیب کے ساتھ حکمت‘ اللہ تعالیٰ کے ڈر کی موجب ہوتی ہے۔ فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ﴾ ’’اور اللہ سے

ڈرتے رہو''، یعنی اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ ''اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔'' اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمہارے لیے یہ احکام کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں جو اپنے تمام تر مصالح کے ساتھ ہر زمان و مکان میں جاری وساری ہیں۔ پس ہر قسم کی حمد وثنا کا وہی مستحق ہے اور اسی کا احسان ہے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ

اور جب طلاق دو تم عورتوں کو، پھر پہنچ جائیں وہ اپنی عدت کو، تو مت روکو تم ان کو اس بات سے کہ وہ نکاح کریں

اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ

اپنے (پہلے) خاوندوں سے، جب کہ وہ راضی ہوں آپس میں موافق دستور کے، یہ بات نصیحت کی جاتی ہے ساتھ اس کے اس شخص کو جو ہے

مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ

تم میں سے ایمان رکھتا ساتھ اللہ اور یوم آخرت کے، یہ بہت پاکیزہ ہے واسطے تمہارے اور زیادہ صاف ستھرا،

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾

اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○

یہ خطاب اس مطلقہ عورت کے سرپرستوں سے ہے جسے تین سے کم طلاق دی گئی ہو، عدت پوری ہونے کے بعد اس کا خاوند اس سے دوبارہ نکاح کا خواہاں ہو اور وہ عورت بھی اس نکاح پر راضی ہو تو اس عورت کے ولی کے لیے خواہ وہ باپ ہو یا کوئی اور، جائز نہیں کہ اسے نکاح کرنے سے روکے، یعنی پہلی طلاق پر اپنے غصہ، بغض اور نفرت کی بنا پر میاں بیوی کو نکاح کی تجدید سے منع نہ کرے اور بیان کیا کہ تم میں سے جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کا ایمان اسے ان دونوں کو نکاح کرنے سے روکنے سے منع کرتا ہے، کیونکہ عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ تجدید نکاح تمہارے لیے اس سے زیادہ پاک اور بہتر ہے جو عورت کا ولی سمجھتا ہے کہ عدم نکاح درست رائے ہے اور نکاح سے روکنا (انتقاماً) پہلی طلاق کا جواب ہے۔ جیسا کہ متکبر اور نام نہاد اونچے گھرانوں کے لوگوں کی عادت ہے۔ پس اگر ولی یہ سمجھتا ہے کہ عدم نکاح ہی میں میاں بیوی کی مصلحت ہے تو ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ''اسے اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے''۔ پس اس ہستی کی اطاعت کرو جو تمہارے مصالح کا تم سے زیادہ علم رکھتی ہے، وہ تمہارے لیے یہ مصالح چاہتی ہے، وہ ان پر قادر ہے اور ان کو تمہارے لیے اس طرح آسان بناتی ہے جن کو تم خوب جانتے ہو۔ اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ نکاح میں ولی کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء (یعنی سرپرستوں) کو عورتوں کے نکاح سے روکنے سے منع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کو اسی چیز سے روکتا ہے جو ان کی تدبیر کے تحت آتی ہو اور اس میں ان کا حق ہو۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ
اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو دو سال مکمل (یہ حکم) اس شخص کے لئے ہے جو ارادہ کرے یہ کہ پوری کرے
الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ
وہ دودھ پلانے کی مدت' اور بچے کے باپ پر ہے کھانا ان کا اور کپڑا ان کا موافق دستور کے' نہیں تکلیف دیا جاتا
نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ق
کوئی نفس مگر اپنی وسعت کے مطابق ہی' نہ نقصان پہنچایا جائے ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے اور نہ باپ کو اسکے بچے کی وجہ سے'
وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ
اور اوپر وارثوں کے مثل اسی کے (نان نفقہ) ہے' پس اگر ارادہ کریں ماں باپ دودھ چھڑانے کا آپس کی رضامندی اور باہمی مشورے سے'
فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ
تو نہیں کچھ گناہ ان دونوں پر' اور اگر ارادہ کرو تم کہ دودھ پلواؤ (کسی انّا سے) اپنی اولاد کو' تو نہیں کوئی گناہ
عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا
تم پر جب کہ حوالے کر دو (ان کے) جو کچھ تم نے دینا ٹھہرایا تھا موافق دستور کے اور ڈرو اللہ سے اور جان لو
اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٣٣﴾
بیشک اللہ ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو' دیکھنے والا ہے ○

یہ خبر' امر کے معنی میں ہے گویا یہ امر متحقق ہے جو کسی حکم کا محتاج نہیں' وہ یہ کہ مائیں ﴿يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ﴾ ''اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں''۔ چونکہ (حَوْل) کا لفظ سال یا سال کے بڑے حصے کے لیے بولا جاتا ہے اس لیے فرمایا: ﴿كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ ''پورے دو سال' اس شخص کے لیے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنی چاہے'' پس جب دودھ پیتے بچے کے دو سال مکمل ہو جائیں تو اس کی رضاعت مکمل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ماں کا دودھ دیگر غذاؤں کی مانند ہو جاتا ہے۔ اسی لیے دو سال کے بعد کی رضاعت معتبر نہیں اور اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اس نص اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ (الاحقاف: ۱۵/۴۶) ''اس کو پیٹ میں اٹھائے رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینوں میں ہوتا ہے'' کو ملا کر یہ فقہی مسئلہ اخذ کیا گیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ اس مدت میں بچے کا پیدا ہونا ممکن ہے۔ ﴿وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ﴾ ''اور بچے کے باپ پر'' ﴿رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ''ان کا رزق اور ان کا لباس ہے' معروف کے ساتھ'' اور یہ حکم دودھ پلانے والی خواہ اس کے نکاح میں ہو یا مطلقہ' دونوں کو شامل ہے۔ مولود (بچے) کے باپ پر اس عورت کا نان و نفقہ اور لباس واجب ہے اور یہ دودھ پلانے کی اجرت ہے۔

یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جب تک عورت مرد کے نکاح میں ہے اس وقت تک عورت کو رضاعت کی اجرت دینا واجب نہیں' سوائے نان ونفقہ اور لباس کے۔ نان ونفقہ اور لباس بھی مرد کے حسب حال اور حیثیت کے مطابق ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا﴾ ''کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے'' یعنی کسی فقیر شخص کو مال دار شخص جیسے نان ونفقہ دینے کا مکلف نہیں ٹھہرایا جائے گا اور نہ اس شخص کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ نان ونفقہ ادا کرے جس کے پاس نان ونفقہ ادا کرنے کے لیے کچھ بھی نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس کے پاس طاقت ہو جائے۔ فرمایا: ﴿لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا﴾ ''ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان نہ پہنچایا جائے۔'' یعنی یہ جائز نہیں کہ ماں کو اپنے بیٹے کے سبب سے نقصان پہنچایا جائے۔ (یعنی ان دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ذریعے سے) یا تو اس کو دودھ پلانے سے روک دیا جائے یا نان ونفقہ لباس اور اجرت وغیرہ جیسے واجبات اس کو ادا نہ کیے جائیں۔ ﴿وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ﴾ ''اور نہ باپ کو بچے کی وجہ سے تکلیف پہنچائی جائے'' یعنی ماں نقصان پہنچانے کے لیے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر دے' یا اس اجرت سے زیادہ کا مطالبہ کرے جو دودھ پلانے پر اس کا حق بنتا ہے اور اس قسم کے دیگر نقصانات۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿مَوْلُوْدٌ لَّهٗ﴾ دلالت کرتا ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی ملکیت ہوتا ہے کیونکہ وہ اسی کو عطا کیا گیا ہے اور اس لیے کہ بیٹا درحقیقت باپ کا کسب ہے' پس اسی لیے باپ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے بیٹے کا مال لے لے خواہ وہ راضی ہو یا نہ ہو' اس کے برعکس ماں مال نہیں لے سکتی۔ فرمایا: ﴿وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ﴾ ''اور اسی طرح وارث کے ذمے ہے۔'' یعنی جب بچے کا باپ نہ ہو اور بچے کا کوئی مال بھی نہ ہو تو بچے کے وارث پر دودھ پلانے والی کا وہی نان ونفقہ وغیرہ واجب ہے جو باپ پر واجب ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خوش حال قریبی رشتہ داروں پر واجب ہے کہ وہ اپنے تنگدست اقرباء کے نان نفقہ کا انتظام کریں۔

﴿فَاِنْ اَرَادَا﴾ ''پس اگر دونوں چاہیں۔'' یعنی والدین (ماں باپ) ﴿فِصَالًا﴾ ''دودھ چھڑانا'' یعنی دو سال سے قبل ہی بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں ﴿عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا﴾ ''آپس کی رضامندی سے۔'' یعنی دونوں ہی دودھ چھڑانے پر راضی ہوں ﴿وَتَشَاوُرٍ﴾ ''اور مشورے سے'' یعنی دونوں کے باہمی مشورے کے ساتھ کہ آیا بچے کا دودھ چھڑانا اس کے لیے درست ہے یا نہیں۔ اگر بچے کے لیے اس میں کوئی مصلحت ہو اور دونوں اس پر راضی ہوں ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ ''تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔'' یعنی تب دو سال سے قبل اس کے دودھ چھڑانے میں کوئی حرج نہیں۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم دلالت کرتا ہے کہ اگر دونوں میں سے صرف ایک دودھ چھڑانے پر راضی ہو یا دودھ چھڑانے میں بچے کے لیے کوئی مصلحت نہ ہو تو اس صورت میں بچے کا دودھ چھڑانا جائز نہیں۔

﴿وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ﴾ ''اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو۔'' یعنی اگر تم ضرر

پہنچائے بغیر بچوں کی ماؤں کی بجائے دوسری عورتوں سے دودھ پلوانا چاہو ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ''تو تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ تم دونوں پلانے والیوں کو دستور کے مطابق ان کا حق جو تم نے دینا کیا تھا دے دو۔'' یعنی اگر دودھ پلانے والی دیگر عورتوں کو معروف طریقے سے ان کی اجرت عطا کر دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ﴿اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ''بے شک اللہ تمہارے عملوں کو دیکھنے والا ہے'' پس اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر اچھی یا بری جزا دے گا۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ

اور وہ لوگ جو فوت کر دیے جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں، تو انتظار میں رکھیں وہ اپنے آپ کو

اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا

چار مہینے اور دس دن، پھر جب پہنچ جائیں وہ اپنی عدت کو، تو نہیں کوئی گناہ تم پر اس میں جو

فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾

کریں وہ اپنے حق میں موافق دستور کے اور اللہ ساتھ اس کے، جو تم عمل کرتے ہو، خبردار ہے ○

یعنی جب خاوند فوت ہو جائے تو عورت پر فرض ہے کہ وہ گھر میں چار مہینے دس دن ٹھہرے اور انتظار کرے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ چار ماہ کی مدت میں حمل واضح ہو جاتا ہے اور پانچویں مہینے کی ابتدا میں بچہ پیٹ میں حرکت کرنے لگ جاتا ہے۔ یہ حکم ان تمام عورتوں کے لیے عام ہے جن کے شوہر فوت ہو جائیں۔ مگر اس عموم میں سے حاملہ عورتیں مخصوص ہیں، کیونکہ ان کی عدت وضع حمل ہے۔ اسی طرح لونڈی کی عدت نصف یعنی دو ماہ اور پانچ دن ہے۔

﴿فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ﴾ ''پس جب ان کی عدت پوری ہو جائے'' ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ﴾ ''تو جو وہ اپنے لیے کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں'' یعنی اگر وہ دوبارہ بناؤ سنگار کرتی ہیں اور خوشبو وغیرہ لگاتی ہیں ﴿بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ''بھلائی کے ساتھ'' یعنی اگر وہ بناؤ سنگار اس طرح کریں جو حرام اور مکروہ نہ ہو (بلکہ معروف طریقے سے ہو۔) یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس پر عدت کی مدت کے لیے سوگ منانا (یعنی بناؤ سنگار سے پرہیز کرنا) فرض ہے۔ جب کہ یہ پرہیز مطلقہ رجعیہ اور بائنہ پر واجب نہیں، اس پر اہل علم کا اجماع ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ ''اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری اور باطنی، چھوٹے اور بڑے تمام اعمال کو جانتا ہے۔ پس وہ تمہیں ان کا بدلہ دے گا اور عورت کے اولیا سے اللہ تعالیٰ کے خطاب ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ﴾ میں اس امر کی دلیل ہے کہ عورت کا ولی اس پر نظر رکھے اور جو فعل جائز نہ ہو اس کے ارتکاب سے اسے منع کرے اور اس فعل کو بجا لانے پر اسے مجبور کرے جو اس پر واجب ہو۔ عورت کا ولی اس آیت کا مخاطب ہے اور ایسا کرنا اس پر واجب ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ
اور نہیں گناہ تم پر اس بات میں کہ اشارہ کرو تم ساتھ اس کے نکاح کے پیغام کا عورتوں کو (عدت میں) یا پوشیدہ رکھو تم
فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا
اپنے دلوں میں؛ جان لیا اللہ نے یہ کہ یقیناً تم ضرور ذکر کرو گے ان عورتوں کا، لیکن نہ وعدہ کرو ان سے چھپ کر،
اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى
مگر یہی کہ کہو تم کوئی بات موافق دستور کے، اور مت عزم کرو عقد نکاح کا، یہاں تک کہ
يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ
پہنچ جائے میعاد مقرر اپنی انتہا کو، اور جان لو بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے، پس ڈرو تم اس سے،
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿٢٣٥﴾
اور جان لو بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت بردبار ہے ○

یہ حکم اس عورت کے بارے میں ہے جو خاوند کی وفات پر عدت گزار رہی ہو یا اسے طلاق دی گئی ہو۔ طلاق دینے والے شوہر کے علاوہ کسی اور کے لیے حرام ہے کہ وہ صریح الفاظ میں اسے نکاح کا پیغام دے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا﴾ ''لیکن تم ان سے وعدہ مت کرو، چھپ کر'' سے یہی مراد ہے۔

رہی تعریض (اشارے کنایے سے نکاح کی بات کرنا) تو اللہ تعالیٰ نے اس میں گناہ کو ساقط کر دیا ہے۔

اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ تصریح صرف نکاح کے معنی کی محتمل ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تصریح کو حرام قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ کہیں عورت جلدی نکاح کرنے کے لیے عدت پوری ہونے کے سلسلے میں جھوٹ نہ بولے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حرام کی طرف لے جانے والے وسائل بھی ممنوع ہیں، نیز عدت کی مدت کے دوران خاوند کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کے وعدے کا سد باب کر کے، پہلے خاوند کے حق کو برقرار رکھا ہے۔ رہی تعریض تو اس میں نکاح کے علاوہ دیگر معانی کا احتمال بھی ہو سکتا ہے اور یہ تعریض بائنہ عورت کے لیے بھی جائز ہے، جیسے کوئی کہے ''میں نکاح کا ارادہ رکھتا ہوں۔ جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھ سے مشورہ کر لینا'' تو یہ جائز ہے۔ اس لیے کہ تعریض تصریح کی مانند نہیں ہے اور نفوس انسانی کے اندر اس کا قوی داعیہ موجود ہے۔ اسی طرح انسان کا اپنے دل میں یہ ارادہ چھپا کر رکھنا بھی جائز ہے کہ وہ فلاں عورت، جو عدت گزار رہی ہے اس کی عدت ختم ہونے کے بعد وہ اس کے ساتھ نکاح کرے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ﴾ ''یا چھپا کر رکھو تم اپنے نفسوں میں۔ اللہ جانتا ہے کہ تم ضرور ان کو یاد کرو گے'' یہ تمام تفصیلات عقد کے مقدمات میں شمار ہوتی ہیں۔ (لہٰذا جائز ہیں) رہا عقد نکاح تو یہ جائز نہیں

﴿حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ﴾ ''جب تک کہ عدت پوری نہ ہو جائے'' ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِىْٓ اَنْفُسِكُمْ﴾ ''اور جان لو! اللہ ان باتوں کو جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہیں'' اس لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف اور اس کے ثواب کی امید میں ہمیشہ بھلائی کی نیت رکھو اور کبھی بھی برائی کی نیت نہ رکھو ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ﴾ ''اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کے گناہوں کو بخش دیتا ہے جو توبہ کر کے اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے ﴿حَلِيْمٌ﴾ ''وہ بردبار ہے'' کیونکہ گناہ گاروں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پکڑنے کی قدرت رکھنے کے باوجود ان کو پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ
نہیں گناہ تم پر اگر طلاق دے دو تم عورتوں کو جب کہ نہ ہاتھ لگایا ہو تم نے ان کو اور نہ مقرر کیا ہو واسطے ان کے
فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ
کچھ مہر اور انہیں کچھ فائدہ دو، خوش حال پر ہے اس کی حیثیت کے مطابق اور تنگ دست پر ہے اس کی حیثیت کے مطابق،
مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾
فائدہ دینا مطابق دستور کے، لازم ہے اوپر نیکی کرنے والوں کے ○

یعنی اے مردو! اگر تم اپنی بیویوں کو چھونے اور مہر مقرر کرنے سے قبل ہی طلاق دے دو، تو تم پر کوئی گناہ نہیں، اگرچہ اس میں عورتوں کے لیے نقصان ہے تاہم متعہ طلاق سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ پس تم پر لازم ہے کہ تم ان کی دل جوئی کی خاطر ان کو کچھ مال ضرور عطا کرو۔ ﴿عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ﴾ ''فراخ دست پر اس کی طاقت کے مطابق اور تنگ دست پر اس کی وسعت کے مطابق'' مطلقہ کو خرچ دینا لازم ہے۔ اور اس کا مرجع عرف ہے جو کہ زمان و مکان کے اختلاف کے مطابق مختلف ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿مَتَاعًۢا بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ''فائدہ پہنچانا ہے معروف کے ساتھ'' پس یہ حق واجب ہے ﴿عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ''نیکوکاروں پر'' اس لیے ان کو اس حق میں کمی نہیں کرنی چاہیے۔

پس جیسے وہ عورتوں کی امیدوں، ان کے اشتیاق اور ان کے دلی تعلق کا سبب بنے، لیکن پھر انہوں نے ان کو وہ چیز نہیں دی جو ان عورتوں کو مرغوب تھی، اس لیے اس کے مقابلے میں ان کو فائدہ پہنچانا ضروری ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ کتنا اچھا ہے! اور شارع کی حکمت اور رحمت پر کس قدر دلالت کرتا ہے! اور ایمان و ایقان سے بہرہ ور لوگوں کے لیے اللہ سے بڑھ کر کون اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ یہ حکم تو ان عورتوں سے متعلق تھا جن کو چھونے سے پہلے اور حق مہر مقرر کرنے سے پہلے ہی طلاق دے دی گئی ہو۔

وَإِنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً

اور اگر طلاق دے دو تم ان کو پہلے اس سے کہ ہاتھ لگاؤ تم ان کو جب کہ مقرر کر چکے ہو تم واسطے ان کے مہر

فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوَا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ

تو نصف ہے اس (مہر) کا جو تم نے مقرر کیا' مگر یہ کہ وہ عورتیں معاف کر دیں یا معاف کر دے وہ شخص کہ اسکے ہاتھ میں ہے گرہ نکاح کی،

وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ

اور تمہارا معاف کر دینا زیادہ قریب ہے تقویٰ کے' اور نہ بھلاؤ احسان کرنا آپس میں'

إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۲۳۷﴾

بے شک اللہ اس کو جو تم عمل کرتے ہو' دیکھنے والا ہے ○

پھر اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کا ذکر فرمایا ہے' جن کا مہر مقرر کیا گیا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مہر مقرر کرنے کے بعد ان کو چھوئے بغیر طلاق دے دو' تو مطلقہ عورتوں کے لیے نصف مہر ہے اور باقی نصف تمہارا ہے۔ مہر کی یہ رقم اگر عورت کی طرف سے معاف نہ کر دی جائے' تو خاوند پر اس کی ادائیگی واجب ہے۔ جب کہ عورت کا اس کو معاف کرنا صحیح ہو۔ ﴿أَوْ يَعْفُوَا الَّذِي بِيَدِهِ عُقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ ''یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے''۔ صحیح مسلک کے مطابق اس سے مراد شوہر ہے'[1] (نہ کہ ولی) کیونکہ شوہر ہی وہ شخص ہے جو نکاح کی گرہ کو کھول سکتا ہے۔[2] عورت کے ولی کے لیے تو درست ہی نہیں کہ وہ عورت کے کسی حق واجب کو معاف کر دے کیونکہ وہ مالک ہے نہ وکیل۔

پھر اللہ تعالیٰ نے معاف کرنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا کہ جو کوئی معاف کر دیتا ہے وہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے' کیونکہ یہ ایک ایسا احسان ہے جو شرح صدر کا موجب ہے' نیز انسان کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو احسان اور نیکی سے تہی دست نہ رکھے اور اس فضیلت کو فراموش نہ کر دے جو معاملات کا بلند ترین درجہ

---

① اس کی وضاحت شیخ رحمہ اللہ نے حاشیہ نمبر 1 میں فرمائی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: ''ان سطور کو لکھتے وقت میرا یہی موقف تھا لیکن بعد میں میرے لیے یہ واضح ہوا کہ جس شخص کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے' وہ قریب ترین ولی ہے اور وہ باپ ہے۔ لفظی اور معنوی اعتبار سے یہی زیادہ صحیح قول ہے جیسا کہ غور و فکر کرنے والے کے لیے ظاہر ہے۔'' اور حاشیہ نمبر 2 میں مؤلف رحمہ اللہ کے قلم سے لکھا ہوا ہے: ''ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ باپ ہے (یعنی جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے) اور یہی وہ معنی ہے جس پر آیت کریمہ کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔'' (از محقق)

② خاوند کے معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ادا شدہ (یا مقرر) حق مہر میں سے اپنے حصے کا آدھا حق مہر عورت سے واپس نہ لے اور پورا کا پورا مہر ہی عورت کے پاس رہنے دے (یا اس کو دے دے)۔ (ص۔ی)

ہے' اس لیے کہ لوگوں کے آپس کے معاملات کے دو درجے ہیں۔

(۱) عدل وانصاف جو کہ واجب ہے۔ یعنی حق واجب لینا اور کسی کا جو حق واجب ہے اسے ادا کرنا۔

(۲) فضل واحسان' اور اس سے مراد یہ ہے کہ کسی کو کچھ عطا کرنا جس کا عطا کرنا واجب نہ تھا اور اپنے حقوق کے بارے میں چشم پوشی اور مسامحت سے کام لینا۔ پس انسان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس درجہ کو فراموش کر دے خواہ کبھی کبھار ہی سہی۔ خاص طور پر آپ اس شخص کے ساتھ تسامح کو ہرگز فراموش نہ کریں جس کے ساتھ آپ کے تعلقات اور میل جول ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو احسان کے بدلے میں اپنے فضل وکرم سے نوازتا ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ ''تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے''۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾ فَاِنْ

حفاظت کرو تم (سب) نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی' اور کھڑے ہو اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ○ پھر اگر

خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا

(حالت) خوف میں ہو تم' تو (نماز پڑھ لو) پیدل یا سوار ہی' پھر جب امن میں ہو جاؤ تم' تو یاد کرو اللہ کو جس طرح

عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٩﴾

سکھایا ہے اس نے تمہیں وہ جو تم نہیں تھے جانتے ○

اللہ تعالیٰ تمام نمازوں کی حفاظت کا عام حکم دے رہا ہے اور ''درمیان والی نماز'' کی حفاظت کا خاص طور پر۔ اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ نماز کی حفاظت کا مطلب ہے کہ اسے وقت پر' مشروط ارکان کا خیال رکھتے ہوئے' خشوع خضوع کے ساتھ اور اس کے تمام واجبات و مستحبات کے ساتھ ادا کیا جائے۔ نماز کی حفاظت کے ساتھ دوسری عبادتوں کی بھی حفاظت ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے (خود کو) برائی اور بے حیائی سے روک دینے کا فائدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے' خصوصاً جب نماز اس طرح مکمل کی جائے جس طرح اللہ نے اس آیت میں فرمایا: ﴿وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ﴾ ''اللہ کے لیے باادب کھڑے رہا کرو'' یعنی اخلاص' عاجزی اور ذلت کا اظہار کرتے ہوئے۔ اس میں قیام اور عاجزی کا حکم ہے' اور نماز کے دوران بات کرنے کی ممانعت ہے۔ اس کے ساتھ آرام وسکون کا حکم ہے۔ پھر فرمایا: ﴿فَإِنْ خِفْتُمْ﴾ ''اگر تمہیں خوف ہو'' خوف والی چیز کا ذکر نہیں فرمایا' تاکہ اس میں کافر سے' ظالم سے اور درندے سے خوف اور دوسرے تمام اقسام کے خوف شامل ہو جائیں۔ یعنی ان حالات میں نماز پڑھتے ہوئے اگر تم خوف محسوس کرو تو ﴿فَرِجَالًا﴾ ''پیدل ہی'' یعنی چلتے چلتے نماز پڑھ لو' یا گھوڑوں اونٹوں وغیرہ پر ﴿أَوْ رُكْبَانًا﴾ ''سوار ہو کر ہی سہی'' اس طرح نماز پڑھنے سے یہ لازم آتا ہے کہ کبھی ان کا رخ قبلہ کی طرف ہو اور

کبھی نہ ہو۔ اس سے بروقت نماز پڑھنے کی مزید تاکید ظاہر ہوتی ہے کہ بہت سے ارکان اور بہت سی شروط میں خلل پڑ جانے کے باوجود نماز وقت پر پڑھو۔ اس نازک وقت میں بھی نماز میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔ ان حالات میں اس طریقے سے نماز پڑھنا افضل ہے' بلکہ تاخیر کر کے اطمینان کے ساتھ نماز پڑھنے سے اس طریقے سے وقت پر نماز پڑھ لینا زیادہ ضروری ہے۔ ﴿فَاِذَآ اَمِنْتُمْ﴾ ''پھر جب تم امن میں آ جاؤ'' یعنی خوف ختم ہو جائے ﴿فَاذْكُرُوا اللّٰهَ﴾ ''تو اللہ کا ذکر کرو'' اس میں ذکر کی ہر قسم شامل ہے۔ اور کامل نماز پڑھنا بھی اس ذکر کی ایک صورت ہے۔ ﴿كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ﴾ ''جس طرح اس نے تمہیں اس بات کی تعلیم دی جسے تم نہیں جانتے تھے۔'' اس لیے کہ یہ ایک عظیم نعمت ہے' جس کے عوض ذکر اور شکر کرنا چاہیے' تاکہ تم پر اس کی نعمت باقی رہے اور اس میں اضافہ ہو۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ

اور وہ لوگ جو فوت کر دیے جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں' (ان پر لازم ہے) وصیت کرنا واسطے اپنی بیویوں کے

مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

خرچ دینے کی ایک سال تک بغیر نکالنے کے (گھر سے)' پس اگر وہ خود نکل جائیں' تو نہیں کوئی گناہ تم پر

فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾

اس میں جو کریں وہ اپنے حق میں موافق دستور کے' اور اللہ غالب ہے' حکمت والا ○

مطلب یہ ہے کہ جو مرد فوت ہو جاتے ہیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جاتے ہیں' تو مرنے سے پہلے ان کے لیے ضروری ہے ﴿وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ﴾ ''اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کر جائیں سال بھر فائدہ اٹھانے کی' اور یہ کہ انہیں کوئی نہ نکالے۔'' یعنی انہیں چاہیے کہ بیویوں کو سال بھر ان (شوہروں) کے گھروں میں رہنے کی وصیت کر جائیں۔ اس مدت میں عورتیں وہاں سے نہ نکلیں۔ ﴿فَاِنْ خَرَجْنَ﴾ ''پس اگر وہ خود نکل جائیں۔'' ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ ''تو (اے وارثو!) تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں''۔ ﴿فِيْ مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ جو وہ اپنے لیے اچھائی سے کریں اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے۔'' اچھائی سے مراد زیب و زینت اور خوشبو وغیرہ کا استعمال ہے۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت اپنے سے پہلی آیت کی وجہ سے منسوخ ہو گئی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا﴾ (البقرۃ:۲/۲۳۴) ''تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں' وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے دس دن عدت میں رکھیں۔'' بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں' بلکہ پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ چار ماہ دس دن کی مدت پوری کرنا واجب ہے۔ اس سے

زیادہ مستحب ہے۔ خاوند کے حق کی تکمیل کے لیے اور بیوی کی دلجوئی کے لیے اسے پورا کرنا چاہیے۔ مستحب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ سال پورا ہونے سے پہلے عورتوں کے اس گھر سے چلے جانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے خاوند کے وارثوں پر گناہ نہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اگر اس گھر میں رہائش رکھنا واجب ہوتا' تو انہیں یہ نہ کہا جاتا کہ کوئی حرج نہیں۔

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٤١﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ

اور واسطے مطلقہ عورتوں کے فائدہ پہنچانا ہے مطابق دستور کے' (یہ) حق ہے اوپر متقی لوگوں کے ○ اسی طرح بیان فرماتا ہے

اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٤٢﴾ ع

اللہ واسطے تمہارے اپنی آیتیں' تاکہ تم سمجھو ○

ع ۱۵

یعنی ہر طلاق یافتہ عورت کو مناسب فائدہ دینا اس کا حق ہے جو ہر متقی پر واجب ہے' تاکہ عورت کی دل جوئی ہو سکے اور اس کے بعض حقوق ادا ہو سکیں۔ جس عورت کو خلوت سے پہلے طلاق دی جائے اسے یہ متعہ (مثلاً کپڑوں کا جوڑا یا کچھ رقم وغیرہ) دینا واجب ہے۔ دوسری صورت میں پورا حق مہر ادا کرنا واجب ہے جیسے پہلے بیان ہوا۔ اس مسئلہ میں یہ قول زیادہ بہتر ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہر عورت کو طلاق کے بعد متعہ دینا واجب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت کا مفہوم عام ہے۔ (اس میں کوئی تخصیص نہیں کی گئی) لیکن قانون یہ ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے' اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ متعہ اس عورت کے لیے واجب ہے جسے خلوت سے پہلے اور حق مہر کے تعین سے پہلے طلاق ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم مسائل بیان فرمائے جو اس کی حکمت اور رحمت پر مشتمل ہیں' تو بندوں پر اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ ''اللہ تعالیٰ اسی طرح تم پر اپنی آیتیں بیان فرما رہا ہے۔'' یعنی حدود' حلال و حرام اور وہ احکام جن میں تمہارا فائدہ ہے۔ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾ تاکہ تم انہیں سمجھو' اور ان کا اصل مقصد تمہیں معلوم ہو جائے' کیونکہ جو ان کو سمجھ لے گا' وہ ان پر عمل کرنا ضروری سمجھے گا۔ اس کے بعد ارشاد ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠

کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کو جو نکلے اپنے گھروں سے اور وہ کئی ہزار تھے' موت کے ڈر سے

فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

تو کہا ان سے اللہ نے' مر جاؤ تم! پھر زندہ کر دیا ان کو' بے شک اللہ فضل کرنے والا ہے اوپر لوگوں کے'

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٢٤٣﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

اور لیکن اکثر لوگ نہیں شکر کرتے ○ اور لڑو تم اللہ کی راہ میں' اور جان لو! بے شک

اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٤٤﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ

اللہ سننے والا' خوب جاننے والا ہے ○ کون ہے جو قرض دے اللہ کو قرض حسنہ پھر اللہ بڑھا دے وہ (مال)

لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

اس کے لیے کئی کئی گنا؟ اور اللہ ہی تنگی کرتا اور فراخی کرتا ہے' اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ○

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا واقعہ بیان فرما رہا ہے جو ایک متفقہ مقصد کے تحت کثیر تعداد میں اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے نکلنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ وبا یا کسی اور وجہ سے مرجانے کا خوف رکھتے تھے۔ گھروں سے نکلنے سے ان کا مقصود موت سے بچنا تھا' لیکن تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی' چنانچہ ﴿فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا﴾ ''اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: مرجاؤ۔'' تو وہ مر گئے۔ ﴿ثُمَّ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ﴿اَحْيَاهُمْ﴾ ''انہیں زندہ کر دیا۔'' یا نبی کی دعا کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے۔ یہ ان پر رحمت' مہربانی اور حلم کا اظہار تھا اور مردوں کو زندہ کرنے کی ایک نشانی دکھانا مقصود تھا اس لیے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے' لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔'' پس وہ نعمت ملنے پر شکر میں اضافہ نہیں کرتے' بلکہ بعض اوقات ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مزید گناہ کرنے لگتے ہیں۔ ان میں ایسے شکرگزار بندے کم ہی ہوتے ہیں جو نعمت کو پہچان کر' اس کا اعتراف کر کے اسے منعم حقیقی کی اطاعت میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جنگ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے مراد اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لیے اپنے دشمنوں یعنی کافروں کے خلاف جنگ کرنا ہے' چنانچہ فرمایا: ﴿وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے۔'' لہٰذا نیت درست رکھو' اور جہاد سے صرف اللہ کی رضا تمہارا مقصود ہونا چاہیے اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جنگ سے پہلوتہی کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ جنگ نہ کرنے کے نتیجے میں تم زیادہ عرصہ زندہ رہو گے تو حقیقت یوں نہیں ہے۔ اسی لیے اس حکم کی تمہید کے طور پر گزشتہ قصہ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح ان کو موت کے ڈر سے گھروں سے نکلنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا' بلکہ ان کا خطرہ ان کے سامنے آ گیا جب کہ ان کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ موت اس طرح بھی آ سکتی ہے' تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا معاملہ بھی ایسا ہی ہے اور چونکہ اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کے لیے مال خرچ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لیے اللہ نے اس راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا اور ترغیب دی اور اسے قرض فرمایا' چنانچہ فرمایا: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ ''ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے؟'' اور جتنا مال ہو سکے نیکی کے کاموں میں' بالخصوص جہاد میں خرچ کرے۔ ''اچھا'' وہ ہے جو حلال کی کمائی سے ہو اور اس سے مقصود محض رضائے الٰہی ہو۔ ﴿فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً﴾ پس اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے۔'' یعنی نیکی کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک یا اس سے بھی بہت زیادہ عطا فرمائے گا۔ ثواب میں یہ اضافہ خرچ کرنے والے کی حالت' نیت' اس خرچ کے فائدے اور ضرورت کی

نسبت سے ہوتا ہے۔ انسان کو بعض اوقات یہ خیال آتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے وہ مفلس ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ﴾ ''اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے۔'' یعنی جس کا رزق چاہتا ہے وسیع کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ یہ معاملات صرف اسی کے ہاتھ میں ہیں اور تمام امور کا دارومدار اسی کی ذات پر ہے۔ بچا بچا کر رکھنے سے رزق بڑھتا نہیں اور خرچ کرنے سے گھٹتا نہیں۔ علاوہ ازیں جو خرچ کیا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا' بلکہ ایک دن آنے والا ہے جب وہ اپنی پیش کی ہوئی اشیا پوری پوری' بلکہ بہت زیادہ اضافے کے ساتھ کئی گناہ وصول کر لیں گے' اس لیے فرمایا: ﴿وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾ ''اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔'' پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ تقدیر کے مقابلے میں اسباب فائدہ نہیں دیتے۔ خصوصاً وہ اسباب جن سے اللہ کے احکامات پر عمل ترک ہوتا ہو۔ نیز ان میں اللہ کی عظیم نشانی کا ذکر ہے کہ اسی جہان میں مردوں کو زندہ کر کے دکھا دیا۔ ان میں اللہ کی راہ میں جہاد و قتال اور خرچ کرنے کا حکم ہے یہاں ایسی چیزیں بیان کی گئی ہیں جن سے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب ہوتی ہے' مثلاً اسے قرض قرار دینا' اس کا بہت زیادہ بڑھ جانا' اور رزق کی کمی بیشی اللہ کے ہاتھ میں ہونا' اور بندوں کا اسی کی طرف لوٹ کے جانا۔

وقف لازم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ

کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ایک جماعت کی بنی اسرائیل میں سے' بعد موسیٰ کے؟ جب انہوں نے کہا اپنے نبی سے'

ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ

آپ مقرر کر دیں ہمارے لیے ایک بادشاہ' تاکہ ہم لڑیں اللہ کی راہ میں' اس نے کہا' تحقیق امید (تو یہی) ہے تم سے اگر لکھ دیا جائے

عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اوپر تمہارے لڑنا' یہ کہ نہ لڑو تم' انہوں نے کہا! اور ہمیں کیا ہے کہ ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں

وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا

جب کہ ہم نکال دیئے گئے ہیں اپنے گھروں اور اپنے بیٹوں سے؟ پھر جب فرض کر دیا گیا اوپر ان کے لڑنا' تو پھر گئے وہ (سب)

اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۲۴۶ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ

سوائے تھوڑے سے لوگوں کے ان میں سے' اور اللہ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو ○ اور کہا ان سے ان کے نبی نے' بے شک

اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۭ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ

اللہ نے تحقیق مقرر کیا ہے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ' انہوں نے کہا' کیسے ہو سکتی ہے واسطے اس کے بادشاہی

عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ قَالَ

ہم پر جب کہ ہم زیادہ حق دار ہیں بادشاہی کے اس سے' اور نہیں دیا گیا وہ وسعت مال کی' اس نے کہا'

إِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ

بے شک اللہ نے چن لیا ہے اسے تم پر' اور زیادہ دی ہے اسے کشادگی علم اور جسم (دونوں) میں' اور اللہ دیتا ہے'

مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ

ملک اپنا جس کو چاہتا ہے' اور اللہ بڑا وسعت والا' جاننے والا ہے O اور کہا ان سے ان کے نبی نے' بیشک نشانی

مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ

اسکی بادشاہی کی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس صندوق، اس میں سکینت ہوگی تمہارے رب کی طرف سے اور بقیہ چیزیں ہوں گی

مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

اس سے جو چھوڑ گئے تھے آل موسیٰ اور آل ہارون' اٹھا کر لائیں گے اس کو فرشتے' بلاشبہ اس میں یقیناً (عظیم) نشانی ہے

لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع

واسطے تمہارے اگر ہو تم مومن O

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو بنی اسرائیل کے سرداروں کا واقعہ سنایا ہے۔ سرداروں کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ عام طور پر سردار ہی اپنے فائدے کے معاملات پر غور وفکر کرتے ہیں تا کہ وہ متفقہ فیصلہ کریں اور دوسرے لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ واقعہ یوں ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہونیوالے اپنے نبی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا: ﴿ابعث لنا ملكا نقاتل فى سبيل الله﴾ ''کسی کو ہمارا بادشاہ بنادیجیے تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔'' تا کہ قوم کی شیرازہ بندی ہو اور ہم دشمن کا مقابلہ کرسکیں۔ شاید اس وقت ان کا کوئی متفقہ سردار نہیں تھا۔ جیسے قبائلی معاشرے میں ہوتا ہے کہ کوئی گھرانا یہ پسند نہیں کرتا کہ دوسرے گھرانے کا کوئی آدمی اس پر حاکم مقرر ہو جائے۔ اس لیے انہوں نے اپنے نبی سے درخواست کی کہ ایک بادشاہ مقرر کر دیا جائے جس پر سب فریق متفق ہو جائیں۔ بنی اسرائیل میں سیاسی رہنمائی انبیائے کرام کا فریضہ تھی۔ جب کوئی نبی فوت ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا نبی مقرر فرما دیتا۔ جب انہوں نے اپنے نبی سے یہ بات کہی تو پیغمبر نے کہا: ﴿هل عسيتم ان كتب عليكم القتال الا تقاتلوا﴾ ''ممکن ہے جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو۔'' یعنی شاید تم ایسی چیز کا مطالبہ کر رہے ہو کہ اگر تم پر فرض ہو جائے تو تم اس کو انجام نہ دے سکو۔ نبی کے اس مشورہ کو تسلیم کر لینے میں ان کے لیے عافیت تھی، لیکن انہوں نے اسے قبول کرنے کے بجائے اپنے عزم و نیت پر اعتماد کیا اور بولے: ﴿وما لنا الا نقاتل فى سبيل الله وقد اخرجنا من ديارنا وابنآئنا﴾ ''بھلا ہم اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیے گئے ہیں۔'' یعنی ہمیں جہاد کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے جب کہ ہمیں اس پر مجبور کر دیا گیا ہے کیونکہ ہمیں وطن سے بے

وطن کر دیا گیا اور بیوی بچوں کو قید کر لیا گیا ہے؟ ان حالات میں بھی اگر ہم پر اللہ کی طرف سے جہاد کا حکم نہ بھی آئے تب بھی ہمیں لڑنا چاہیے۔ اب جب کہ سب کچھ ہو چکا ہے اور جہاد فرض کر دیا جائے تو ہم کیوں نہیں لڑیں گے۔ لیکن ان کی نیتیں درست نہ تھیں اور اللہ پر توکل مضبوط نہیں تھا۔ اس لیے ﴿فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا﴾ ''جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سب پھر گئے۔'' انہیں بزدلی کی وجہ سے جہاد کی ہمت نہ ہوئی' وہ دشمن سے ٹکر لینے کی جرأت نہ کر سکے۔ ان کا عزم جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اکثریت پر بزدلی کے جذبات غالب آ گئے۔ ﴿إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ﴾ ''سوائے تھوڑے سے لوگوں کے'' جنہیں اللہ نے ثابت قدمی بخشی' ان کے دل مضبوط ہو گئے۔ پس انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دشمن سے ٹکرانے کا حوصلہ کیا تو انہیں دنیا اور آخرت کی عزت نصیب ہوئی۔ لیکن اکثریت نے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہوئے اللہ کے حکم کو چھوڑ دیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔'' ﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ﴾ ''اور ان کے نبی نے (ان کا مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے) کہا'' ﴿إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا﴾ ''اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے۔'' یہ نامزدگی اللہ کی طرف سے تھی' لہٰذا ان کا فرض تھا کہ اسے قبول کرتے ہوئے اعتراضات بند کر دیتے۔ لیکن انہوں نے اعتراض کر دیا' اور کہنے لگے: ﴿أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ﴾ ''بھلا اس کی ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو بہت حق دار بادشاہت کے ہم ہیں۔ اسے مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔'' یعنی وہ ہمارا بادشاہ کیسے بن سکتا ہے جب کہ وہ خاندانی طور پر ہم سے کم تر ہے۔ پھر وہ غریب اور نادار بھی ہے' اس کے پاس حکومت قائم رکھنے کے لیے مال بھی نہیں۔ ان کی اس بات کی بنیاد ایک غلط خیال پر تھی کہ بادشاہ اور سردار ہونے کے لیے اونچا خاندان اور بہت مالدار ہونا ضروری ہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ترجیح کے قابل اصل صفات زیادہ اہم ہیں۔ اس لیے ان کے نبی نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ﴾ ''سنو! اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر برگزیدہ کیا ہے۔'' لہٰذا اس کی اطاعت قبول کرنا تمہارا فرض ہے۔ ﴿وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ ''اور اسے اللہ نے علمی اور جسمانی برتری بھی عطا فرمائی ہے۔'' یعنی اسے عقل اور جسم کی قوت عطا فرمائی ہے' اور ملک کے معاملات انہی دو چیزوں کی بنیاد پر صحیح طور پر انجام پاتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ عقل و رائے میں کامل ہو' اور اس صحیح رائے کے مطابق احکام نافذ کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہو' تو درجہ کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک مفقود ہو تو نظام میں خلل آ جائے گا۔ اگر وہ جسمانی طور پر طاقت ور ہو لیکن پورا عقل مند نہ ہو تو ملک میں غیر شرعی سختی ہوگی اور طاقت کا استعمال حکمت کے مطابق نہیں ہوگا اور اگر وہ معاملات کی پوری سمجھ رکھنے والا ہو' لیکن اپنے احکام نافذ کرنے کی طاقت سے محروم ہو' تو اس عقل و فہم کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا' جسے وہ نافذ نہ کر سکے۔ ﴿وَاللَّهُ وَاسِعٌ﴾ ''اللہ تعالیٰ

کشادگی والا''، یعنی بہت فضل وکرم والا ہے اس کی عمومی رحمت کسی کو محروم نہیں رکھتی' بلکہ ہر ادنیٰ واعلیٰ اس سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ﴿عَلِیْمٌ﴾ ''علم والا ہے۔'' وہ جانتا ہے کہ فضل کا صحیح حق دار کون ہے۔ لہٰذا اس پر فضل کر دیتا ہے۔ اس کلام سے ان کے دلوں کے تمام شکوک وشبہات دور ہو گئے۔ کیونکہ طالوت میں حکمرانوں والی خوبیاں موجود تھیں' اور اللہ اپنا فضل جسے چاہے دیتا ہے' اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اس کے بعد ان کے نبی نے ایک حسی نشانی بھی بیان کی' جسے وہ دیکھ لیں گے۔ وہ ہے اس تابوت کا واپس مل جانا جو ایک طویل عرصہ سے ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اس تابوت میں ان کے لیے اطمینان قلب اور سکون کا سامان موجود تھا۔ یعنی آل موسیٰ اور آل ہارون کی چھوڑی ہوئی اشیا موجود تھیں۔ اسے فرشتے اٹھا کر لائے تو لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ

پس جب نکلا طالوت فوجیں لے کر' تو کہا' بے شک اللہ آزمائے گا تمہیں ساتھ ایک نہر کے' سو جس نے پانی پیا

مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۢ

اس سے (سیر ہو کر)' تو نہیں ہے وہ مجھ سے' اور جس نے نہ چکھا اس سے' تو بلاشبہ وہ مجھ سے ہے' مگر جو چلو بھر لے ایک چلو

بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ

اپنے ہاتھ سے' پس پی لیا انہوں نے اس نہر سے' سوائے تھوڑے سے لوگوں کے ان میں سے' پھر جب عبور کر لیا اس کو اس نے

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ

اور ان لوگوں نے جو ایمان لائے تھے اسکے ساتھ' تو کہا' نہیں ہے طاقت ہمارے اندر آج لڑنے کی' ساتھ جالوت اور اسکی فوجوں کے'

قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ

کہا ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے اس پر کہ وہ ملنے والے ہیں اللہ سے' بارہا تھوڑی سی جماعت غالب آئی ہے

فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٢٤٩﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ

بڑی جماعت پر' اللہ کے حکم سے' اور اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے ○ اور جب وہ (مومن) سامنے ہوئے واسطے جالوت

وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا

اور اس کی فوجوں کے' تو کہا' اے ہمارے رب! ڈال دے ہم پر صبر اور جمائے رکھ قدم ہمارے' اور مدد فرما ہماری

عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٥٠﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ

اوپر اس کافر قوم کے ○ پس شکست دی مومنوں نے کافروں کو' اللہ کے حکم سے' اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو'

وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَاۗءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ

اور دی اللہ نے داؤد کو بادشاہی اور حکمت' اور سکھایا اس کو اس سے جو چاہا (اللہ نے)' اور اگر نہ ہوتا دفع کرنا اللہ کا

النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ

لوگوں کو ان کے بعض کو بعض کے ذریعے سے تو یقیناً خراب ہو جاتی (ساری) زمین، لیکن اللہ بڑے فضل والا ہے

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٥١﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ط

اوپر جہانوں کے ○ یہ آیتیں ہیں اللہ کی، ہم پڑھتے ہیں ان کو آپ پر ساتھ حق کے،

وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٥٢﴾

اور بلاشبہ آپ رسولوں میں سے ہیں ○

جب بنی اسرائیل پر طالوت کی حکومت قائم ہوگئی اور مستحکم ہوگئی تو قوم نے دشمن سے مقابلے کی تیاری کی۔ طالوت بنی اسرائیل کے لشکروں کو لے کر روانہ ہوا۔ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ تو اس نے اللہ کے حکم سے ان کا امتحان لیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ثابت قدم رہنے والا کون کون ہے اور دوسری طرح کا (بھگوڑا) کون کون ہے؟ چنانچہ فرمایا ﴿اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ﴾ "سنو! اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے۔ جس نے اس میں سے پانی پی لیا، وہ میرا نہیں۔" پس وہ نافرمان ہے۔ اس کی بے صبری اور گناہ کی سزا یہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہ آئے۔ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ﴾ "اور جو اسے نہ چکھے" یعنی اس کا پانی نہ پیے۔ وہ میرا ہے ﴿اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ﴾ ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے۔" اسے کوئی گناہ نہیں۔ اور شاید اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس میں برکت ڈال دے کہ وہ اس کے لیے کافی ہو جائے۔ اس امتحان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس پانی تھوڑا رہ گیا تھا، تاکہ آزمائش ہو سکے۔ اکثر نے نافرمانی کرتے ہوئے اتنا پانی پی لیا، جتنا پینے کی انہیں اجازت نہیں دی گئی تھی۔ چنانچہ یہ لوگ دشمن کے مقابلے میں جہاد کرنے سے بھی پہلوتہی کر گئے۔ ان کا گھڑی بھر پانی سے صبر نہ کر سکنا بہت بڑی دلیل تھی کہ وہ جنگ میں بھی صبر نہ کر سکیں گے، جو طویل بھی ہو سکتی ہے اور پر مشقت بھی۔ ان کے اس طرح پلٹ جانے سے باقی لشکر میں اللہ پر اعتماد، اللہ کے سامنے عجز و نیاز اور اپنی طاقت پر گھمنڈ سے اجتناب جیسی کیفیات اور زیادہ ہوگئیں وہ اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کو دیکھ کر مزید ثابت قدم ہو گئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَلَمَّا جَاوَزَهٗ﴾ "جب وہ نہر سے گزر گیا" ﴿هُوَ﴾ "وہ طالوت" ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ﴾ "مومنین سمیت" جنہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جائز حد سے زیادہ پانی نہیں پیا تھا، تو فوج کے اکثر لوگ اپنی قلت اور دشمنوں کی کثرت دیکھ کر کہنے لگے ﴿لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ﴾ "آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔" کیونکہ ان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور اسلحہ بھی۔ ﴿قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ﴾ "لیکن اللہ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا" جو پختہ ایمان کے حامل تھے، انہوں نے دوسروں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے،

انہیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے کہا ﴿ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ﴾ ''بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے'' یعنی اس کے ارادہ اور مشیت سے۔ ''غلبہ پالیتی ہیں۔'' کیونکہ معاملات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ عزت اور ذلت اس کے دینے سے ملتی ہے۔ اللہ کی مدد کے بغیر کثرت کا کوئی فائدہ نہیں' اور اس کی مدد حاصل ہو تو قلت سے کوئی نقصان نہیں۔ ﴿ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' اس کی مدد اور توفیق انہیں حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کی مدد حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ بندے کا اللہ کی رضا کے لیے صبر کرنا ہے۔ ان کی نصیحت کا کم ہمتوں پر بہت اچھا اثر ہوا' اس لیے جب وہ جالوت کے مقابلے میں آئے تو ان سب نے دعا مانگی: ﴿ رَبَّنَآ أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا ﴾ ''اے پروردگار! ہمیں صبر دے۔'' یعنی دل مضبوط کر دے۔ ہمیں صبر کی توفیق دے۔ ﴿ وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا ﴾ ''اور ثابت قدمی دے۔'' کہ ہمارے قدموں میں لغزش نہ آئے' ہم بھاگنے کی غلطی سے محفوظ رہیں۔ ﴿ وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جالوت اور اس کی قوم کافر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی' کیونکہ انہوں نے قبولیت کے اسباب مہیا کر لیے تھے۔ اللہ نے ان کی مدد فرمائی ﴿ فَهَزَمُوْهُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ وَقَتَلَ دَاوٗدُ ﴾ ''چنانچہ اللہ کے حکم سے انہوں نے جالوتیوں کو شکست دے دی اور حضرت داود علیہ السلام کے ہاتھوں'' جو طالوت کے لشکر میں شامل تھا ﴿ جَالُوْتَ ﴾ ''جالوت قتل ہوا'' آپ علیہ السلام نے بہادری' قوت اور ثابت قدمی کی بدولت کافروں کے بادشاہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ ﴿ وَاٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ نے داود علیہ السلام کو مملکت وحکمت عطا فرمائی۔'' یعنی اللہ نے آپ پر یہ احسان فرمایا کہ بنی اسرائیل کی حکومت عطا فرمانے کے علاوہ حکمت بھی عطا فرمائی۔ یعنی نبوت سے سرفرازی فرمائی جس سے عظیم شریعت اور سیدھی راہ ملی۔ اس لیے فرمایا: ﴿ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ﴾ ''اور جتنا کچھ چاہا' علم بھی عطا فرمایا۔'' شریعت کا علم بھی اور سیاست کا علم بھی۔ اس طرح انہیں نبوت اور حکومت دونوں عطا فرمادیں۔ اس سے پہلے انبیاء اور ہوتے تھے اور بادشاہ اور۔ پس جب اللہ نے ان کی مدد فرمائی تو وہ لوگ اطمینان سے اپنے گھروں میں رہنے لگے اور بے خوف ہو کر اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ اللہ نے ان کے دشمنوں کو مغلوب کر دیا اور انہیں اقتدار عطا فرمادیا' یہ سب جہاد فی سبیل اللہ کی برکات تھیں۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْأَرْضُ ﴾ ''اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے سے دفع نہ کرتا' تو زمین میں فساد پھیل جاتا۔'' اگر مجاہدین کے ذریعے سے بدکاروں اور کفار کا قلع قمع نہ کرتا تو کافروں کے غلبے کی وجہ سے' کفر کی رسمیں قائم ہونے سے اور اللہ کی عبادت سے روک دیے جانے کی وجہ سے زمین فساد سے بھر جاتی۔ ''لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل وکرم کرنے والا ہے۔'' یہ اس کا فضل ہے کہ اس نے جہاد مقرر کر دیا' جس میں ان کی

سعادت اور ان کا دفاع ہے اور انہیں معلوم و نامعلوم اسباب کے ذریعے سے زمین میں اقتدار عطا فرما دیا۔ پھر فرمایا: ﴿ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ﴾ ''یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں، جنہیں ہم حقانیت کے ساتھ آپ پر پڑھتے ہیں۔'' یعنی ایسی سچائی کے ساتھ جس میں کوئی شک نہیں، جو اعتبار اور بصیرت کو بھی متضمن ہے اور بیان حقائق امور کو بھی۔ ﴿ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ ''اور بالیقین آپ رسولوں میں سے ہیں۔'' اس میں اللہ کی طرف سے اپنے رسول کے لیے رسالت کی گواہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی رسالت کے دلائل میں انبیائے سابقین، ان کے متبعین اور مخالفین کے ان واقعات کا بیان بھی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو نہ بتاتا تو آپ کو ان کا علم نہیں ہو سکتا تھا، بلکہ آپ کی پوری قوم میں کوئی بھی ایسا شخص نہ ہوتا جس کو ان واقعات کے بارے میں کچھ معلوم ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ اللہ کے سچے رسول اور نبی ہیں۔ جو حق لے کر آئے ہیں آپ ﷺ کا دین بھی سچا ہے جسے اللہ تعالیٰ تمام ادیان پر غالب کرنے والا ہے۔

اس قصہ میں بہت سی نصیحت آموز نشانیاں ہیں جن سے اہل علم کو نصیحت حاصل ہوتی ہے، مثلاً

(١) پہلی بات یہ ہے کہ اہل حل وعقد کا جمع ہو کر یہ غور و فکر کرنا کہ ان کے معاملات کس طریقے سے سدھر سکتے ہیں اور پھر ان تجاویز پر عمل کرنا ترقی اور حصول مقصود کا سب سے بڑا سبب ہے۔ جیسے ان سرداروں نے اپنے نبی سے بادشاہ مقرر کر دینے کی درخواست کی تاکہ وہ متحد اور متفق رہیں اور ایک بادشاہ کا حکم مانیں۔

(٢) جب حق کی مخالفت کی جائے اور اس پر شبہات وارد کیے جائیں، تو اس سے حق زیادہ واضح ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں یقین تام حاصل ہو جاتا ہے، جیسے ان لوگوں نے طالوت کے بادشاہت کا مستحق ہونے پر اعتراض کیا، تو انہیں ایسے جواب دیے گئے کہ وہ مطمئن ہو گئے اور شک و شبہ ختم ہو گیا۔

(٣) حکومت کو کمال تب حاصل ہوتا ہے جب حاکم علم و عقل بھی رکھتا ہو اور نافذ کرنے کی قوت بھی رکھتا ہو۔ ان میں سے کسی ایک شرط کا، یا دونوں شرطوں کا فقدان سلطنت کے نقصان کا باعث ہے۔

(٤) اپنے آپ پر اعتماد کرنے سے ناکامی حاصل ہوتی ہے اور صبر پر قائم رہتے ہوئے اللہ سے مدد مانگنا اور اس کی پناہ حاصل کرنا فتح و کامیابی کا ذریعہ ہے۔

پہلی صورت کی مثال ان کا اپنے نبی سے یہ کہنا ہے: ﴿ وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا ﴾ ''بھلا ہم اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیے گئے ہیں۔'' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب جہاد کا حکم ہوا تو وہ منہ موڑ گئے۔

دوسری صورت کی مثال اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''جب وہ جالوت کے مقابلے میں آئے تو ان سب

نے دعا مانگی! اے پروردگار! ہمیں صبر دے، ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔'' نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کو شکست ہوگئی۔

(۵) اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ ناپاک کو پاک سے، سچے کو جھوٹے سے، ثابت قدمی والے کو بزدل سے ممتاز اور الگ کر دے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ملے جلے اور غیر نمایاں نہیں رہنے دیتا۔

(۶) اللہ کی رحمت اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کافروں اور منافقوں کے شر کو مجاہد مومنوں کے ذریعے سے دور کر دیتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو زمین میں کافروں کا غلبہ ہوتا اور کافرانہ طور طریقے ہر جگہ پھیل جاتے جس سے زمین فساد سے بھر جاتی۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ

تیسیر الکریم الرحمٰن
فی تفسیر کلام المنّان

المعروف

تفسیر السعدی (اردو)

فضیلۃ الشیخ عبد الرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

دار السلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارُالسّلام

کتاب و سُنّت کی اشاعت کا عالمی اِدارہ

ریاض * جدہ * شارجہ * لاھور

لندن * ھیوسٹن * نیو یارک

ہیڈ آفس : پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب

فون : 4033962-4043432 (00966 1) فیکس :4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون وفیکس :4614483

جدہ فون وفیکس : 6807752 الخبر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان : ① 50 لوئر مال نزد ایم ۔ اے ۔ او کالج لاہور فون:7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس:7354072 ای میل:darussalampk@hotmail.com

② اِقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون:7120054 فیکس:7320703

لندن فون:5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون :7220419 فیکس :7220431 (001 713) نیویارک فون: 6255925 (001 718)

Website: http://www.dar-us-salam.com

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

تیسیر الکریم الرحمن

فی تفسیر کلام المنان

(اردو ترجمہ)

پا رۃ نمبر تین 3

مفسر قرآن: فضیلۃ الشیخ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

تحقیق: عبدالرحمان بن معلا اللویحق حفظہ اللہ

ترجمۃ القرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ترجمۃ التفسیر: پروفیسر طیب شاہین لودھی حفظہ اللہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمانِ الٰہی

وَقَالَ الرَّسُولُ

يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا

اور رسول (ﷺ) روزِ قیامت فرمائیں گے:

"الٰہی! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔"

(الفرقان: ۲۵/۳۰)

فرمانِ نبوی

إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ

بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں

عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں دھکیل دیتا ہے

(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۷)

پا رۃ نمبر تین 3

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ

یہ سب رسول' فضیلت دی ہم نے ان کے بعض کو بعض پر' کچھ ان میں سے ایسے ہیں جن سے کلام فرمایا اللہ نے اور بلند کیا

بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ

انکے بعض کو درجوں میں' اور دیئے ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح دلائل (معجزات)' اور قوت دی ہم نے اسکو ساتھ روح القدس (جبریل) کے'

وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ

اور اگر چاہتا اللہ تو نہ باہم لڑتے وہ لوگ جو ہوئے ان (رسولوں) کے پیچھے' بعد اس کے کہ آئیں ان کے پاس واضح نشانیاں'

وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ

لیکن انہوں نے اختلاف کیا' پس کچھ ان میں سے وہ ہیں جو ایمان لائے اور کچھ ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا' اور اگر چاہتا اللہ

مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝ ۲۵۳

تو وہ باہم نہ لڑتے' لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے ۝

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کو دوسروں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ پہلے تو انہیں تمام لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی کہ ان کی طرف وحی نازل کر کے انہیں دوسروں کی طرف مبعوث فرمایا' اور انہوں نے مخلوق کو اللہ کی طرف بلایا۔ پھر انہیں ایک دوسرے پر فضیلت دی کہ ان میں درست افعال اور لوگوں کو نفع پہنچانے جیسی خاص خوبیاں دیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلام ہونے کا خاص شرف عطا فرمایا۔ اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرے انبیاء سے افضل بنایا اور آپ میں وہ تمام فضائل جمع فرما دیے جو دوسرے رسولوں کو الگ الگ ملے تھے۔ اور آپ کو ایسے مناقب بخشے جن کی وجہ سے آپ اولین اور آخرین سے اشرف قرار پائے۔

﴿ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ ﴾ "اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو معجزات عطا فرمائے۔" جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ اللہ کے بندے' اس کے رسول اور مریم کی طرف نازل ہونے والا اللہ کا کلمہ' اور اس کی طرف سے آنے والی ایک روح ہیں۔ ﴿ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ﴾ "اور روح القدس سے ہم نے ان کی تائید کی۔" اس سے مراد ایمان اور یقین ہے جس کے ذریعے سے ان کو وہ فریضہ انجام دینے کی طاقت حاصل ہوئی' جو آپ پر عائد کیا گیا تھا۔ ایک قول کے مطابق روح القدس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں' جو ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ ﴿ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ ﴾ "اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے اپنے پاس دلیلیں آ جانے کے بعد ہرگز آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے۔" بلکہ ان دلائل کی وجہ سے سب مومن اور متحد ہو جاتے۔ ﴿ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ﴾ "لیکن ان لوگوں نے اختلاف کیا۔ ان میں سے بعض تو مومن ہوئے اور بعض کافر۔" پس اس اختلاف کے نتیجے میں افتراق' دشمنی اور لڑائی ہوئی۔ اس

کے باوجود اگر اللہ چاہتا تو اختلاف کے باوجود لڑائی تک نوبت نہ پہنچتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی مرضی اسباب پر غالب ہے۔ اسباب کا فائدہ تبھی ہوتا ہے جب مشیت اس کے برعکس نہ ہو۔ جب مشیت آ جائے تو ہر سبب کالعدم ہو جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ﴾ ''لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔'' اس کا ارادہ غالب ہے' اس کی مرضی پوری ہو کر رہتی ہے۔ اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی مشیت اور حکمت کے تقاضوں کے مطابق جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور وہ جو کچھ کرتا ہے اس میں سے بعض کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ مثلاً استوا' نزول' کلام اور وہ افعال جنہیں ''افعال اختیاریہ'' کہا جاتا ہے۔

فائدہ: جس طرح اللہ کی پہچان حاصل کرنا فرض ہے۔ اسی طرح رسولوں کے بارے میں علم حاصل کر لینا بھی ضروری ہے' ان کی لازمی صفات کیا ہیں' کیا کچھ ان کے لیے محال ہے اور کیا کچھ ممکن ہے۔ ان امور کا علم قرآن مجید کی متعدد آیات سے ہوتا ہے۔ مثلاً رسول مرد ہیں عورتیں نہیں' وہ بستیوں میں رہنے والوں میں سے مبعوث ہوئے ہیں' خانہ بدوشوں میں سے نہیں۔ وہ اللہ کے منتخب اور پسندیدہ بندے ہوتے ہیں' ان میں ایسی خوبیاں موجود ہوتی ہیں جو انہیں اس انتخاب کا اہل بنا دیتی ہیں۔ ان میں کوئی ایسی خرابی نہیں ہوتی جو منصب رسالت کے منافی ہو۔ مثلاً جھوٹ' خیانت' حق کو چھپانا' اور قابل نفرت جسمانی عیوب۔ ان سے اگر کوئی ایسی فروگزاشت ہو جائے جو منصب رسالت سے متعلق ہو' تو فوراً اصلاح کر دی جاتی ہے۔ اللہ نے انہیں وحی کے لیے مخصوص فرمایا ہے اس لیے ان پر ایمان لانا' اور ان کی اطاعت کرنا فرض ہے۔ جو شخص کسی نبی پر تنقید کرے یا اس کی شان میں گستاخی کرے' وہ کافر ہو جاتا ہے' اور اسے قتل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ ان تمام مسائل کے دلائل بہت زیادہ ہیں۔ جو شخص قرآن مجید میں غور و فکر کرے گا اس پر حق واضح ہو جائے گا۔ اس کے بعد ارشاد ہے:

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَنفِقُوا۟ مِمَّا رَزَقْنَٰكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِىَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! خرچ کرو تم اس میں سے جو دیا ہم نے تمہیں' پہلے اس سے کہ آئے وہ دن کہ نہ خرید و فروخت ہو گی اس میں'

وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَٰعَةٌ ۗ وَٱلْكَٰفِرُونَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿٢٥٤﴾

اور نہ کوئی دوستی اور نہ کوئی شفاعت' اور کافر لوگ وہی ہیں ظالم ○

اللہ کا اپنے بندوں پر یہ بھی احسان ہے کہ اس نے حکم دیا ہے کہ اسی کے دیے ہوئے رزق میں سے تھوڑا سا واجب اور مستحب صدقہ پیش کریں تا کہ ان کے لیے ثواب کا ذریعہ ہو جائے اور انہیں اس دن زیادہ ہو کر ملے جس دن ایک ذرہ برابر نیکی کی ضرورت ہو گی تو مل نہیں سکے گی۔ اگر انسان زمین بھر سونا فدیہ کر دے تا کہ اس دن کے عذاب سے بچ جائے' تو اس کی یہ پیش کش قبول نہیں کی جائے گی۔ نہ کوئی دوست اس کے کام آ سکے گا وجاہت کے ذریعے سے' نہ شفاعت کے ذریعے سے۔ اس دن اہل باطل خسارے میں ہوں گے اور ظالم رسوا ہوں گے۔

ظالم وہ ہیں جو ایک چیز کو اس کے محل سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دیتے ہیں۔ پس انہوں نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے واجب کو ترک کر دیا۔ اور حلال کے بجائے حرام اختیار کیا۔ سب سے بڑا ظلم اللہ کے ساتھ کفر کرنا ہے' یعنی عبادت جو صرف اللہ کا حق ہے۔ کافر اسے اپنے جیسی مخلوق کے لیے کرتا ہے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ''اور کافر ہی ظالم ہیں۔'' اور یہ حصر کے باب سے ہے' یعنی انہوں نے مکمل ظلم کا ارتکاب کیا ہے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ﴾ (لقمٰن: ۳۱/ ۱۳) ''بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔'' اس کے بعد ارشاد ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا

اللہ' نہیں کوئی معبود (برحق) سوائے اس کے' زندہ سب کو سنبھالنے والا' نہیں آتی اس کو اونگھ اور نہ نیند' اسی کا ہے جو کچھ

فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ

آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے' کون ہے وہ جو شفاعت کرے اس کے پاس؟ سوائے اس کی اجازت کے؟ وہ جانتا ہے

مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ

جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے' اور وہ نہیں احاطہ کر سکتے کسی چیز کا اس کے علم میں سے' مگر ساتھ اس چیز کے جو وہ چاہے'

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــــُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ

گھیر لیا ہے اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو اور نہیں گراں اس پر حفاظت ان دونوں کی'

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ﴿۲۵۵﴾

اور وہ بلند تر' نہایت عظمت والا ہے ○

یہ آیت قرآن مجید کی عظیم ترین آیت ہے اور یہ سب سے افضل آیت ہے جس میں عظیم مسائل اور اللہ کی صفات کریمہ بیان ہوئی ہیں۔ اس لیے بہت سی احادیث میں اس کی تلاوت کی ترغیب وارد ہے کہ اسے صبح شام، سوتے وقت اور فرض نمازوں کے بعد پڑھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بارے میں فرمایا: ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ﴾ ''اللہ ہی معبود برحق ہے۔'' لہٰذا ہر قسم کی عبادت اور اطاعت اسی کے لیے ہونی چاہیے کیونکہ وہ تمام صفات سے متصف اور عظیم نعمتیں دینے والا ہے۔ بندے کا یہ حق ہے کہ اپنے رب کا بندہ بن کر رہے' اس کے احکامات کی تعمیل کرتا رہے' اس کے منع کیے ہوئے کاموں سے بچتا رہے۔ اللہ کے سوا ہر شے باطل ہے' پس اس کے سوا ہر ایک کی عبادت باطل ہے' کیونکہ اللہ کے سوا ہر چیز مخلوق اور ناقص اور ہر لحاظ سے محتاج ہے۔ لہٰذا کسی قسم کی کسی عبادت کا حق نہیں رکھتی۔ ﴿ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴾ وہ زندہ اور سب کا تھامنے والا ہے۔'' ان دو اسمائے حسنیٰ (الحی القیوم) میں دیگر تمام صفات کی طرف اشارہ موجود ہے۔ خواہ وہ دلالت مطابقت سے ہو' یا دلالت تضمن سے یا دلالت لزوم

ہے۔(الحی) سے مراد وہ ہستی ہے جسے کامل حیات حاصل ہو اور یہ مستلزم ہے تمام صفات ذاتیہ کو مثلاً سننا' دیکھنا' جاننا اور قدرت رکھنا وغیرہ۔ (القیوم) سے مراد وہ ذات ہے جو خود قائم ہو اور دوسروں کا قیام اس سے ہو اس میں اللہ تعالیٰ کے وہ تمام افعال شامل ہو جاتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ متصف ہے یعنی وہ جو چاہے کر سکتا ہے' استواء' نزول' کلام' قول' پیدا کرنا' رزق دینا' موت دینا' زندہ کرنا اور دیگر انواع کی تدبیر سب اس کے قیوم ہونے میں شامل ہیں۔ اس لیے بعض محققین کا کہنا ہے کہ یہی وہ اسم اعظم ہے جس کے ذریعے کی ہوئی دعا رد نہیں ہوتی۔ اس کی حیات اور قیومیت کے تمام ہونے کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ ﴿لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ﴾ ''اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔'' ﴿لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ ''اس کی ملکیت میں آسمان و زمین کی تمام چیزیں ہیں۔'' وہ مالک ہے' باقی سب مملوک ہیں۔ وہ خالق' رازق اور مدبر ہے باقی سب مخلوق' مرزوق اور مُدَبَّر۔ کسی کے ہاتھ میں آسمان و زمین کے معاملات میں سے' نہ اپنے لیے ذرہ بھر اختیار ہے نہ دوسروں کے لیے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ﴾ ''کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے؟'' یعنی کوئی شفاعت نہیں کر سکتا۔ تو شفاعت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن وہ جب کسی بندے پر رحم کرنا چاہے گا' تو اپنے جس بندے کی عزت افزائی کرنا چاہے گا' اسے اس کے حق میں شفاعت کی اجازت دے دے گا۔ اجازت ملنے سے پہلے کوئی شفاعت نہیں کر سکتا۔ پھر فرمایا: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ ''وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔'' یعنی ان کے گزشتہ اور آئندہ معاملات سے باخبر ہے۔ یعنی وہ تمام معاملات کی تمام تفصیلات جانتا ہے یعنی اگلے پچھلے' ظاہر' پوشیدہ' غیب اور حاضر سب جانتا ہے۔ بندوں کو ان میں کوئی اختیار حاصل نہیں' نہ وہ ذرہ برابر معلومات رکھتے ہیں' سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ خود بتا دے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ ''اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے' مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی کی وسعت نے آسمان و زمین کو گھیر رکھا ہے۔'' اس سے اس کی عظمت کا کمال اور سلطنت کی وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ جب کرسی کی یہ شان ہے کہ آسمان و زمین کے اتنے بڑے ہونے کے باوجود وہ ان سے بہت بڑی ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی سب سے بڑی مخلوق نہیں بلکہ اللہ کی اس سے بڑی مخلوق بھی موجود ہے۔ یعنی عرش اور ایسی مخلوقات جن کا علم صرف اللہ کو ہے۔ ان مخلوقات کی عظمت کا تصور کرنے سے بھی عقلیں عاجز ہیں تو ان کے خالق کی عظمت کا اندازہ کیسے لگایا جا سکتا ہے۔ جس نے انہیں وجود بخشا' اور ان میں بے شمار حکمتیں اور اسرار رکھ دیے۔ جس نے زمین و آسمان کو اپنی جگہ چھوڑنے سے روک رکھا ہے اور وہ اس سے تھکتا نہیں۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَلَا يَـــُٔوْدُهٗ حِفْظُهُمَا﴾ ''اور نہ وہ ان دونوں کی حفاظت سے تھکتا ہے۔'' یعنی اس کے لیے ان کی حفاظت دشوار نہیں ﴿وَهُوَ﴾ ''اور وہ'' اپنی ذات کے لحاظ سے ﴿الْعَلِيُّ﴾ ''بہت

بلند ہے۔'' اور عرش عظیم پر مستوی ہے۔ وہ اس لیے بھی بلند ہے کہ تمام مخلوقات اس کے زیر نگیں ہیں۔ اس لیے بھی بلند شان والا ہے کہ اس کی صفات کامل ہیں۔ اور ﴿الْعَظِيمُ﴾ ''بہت بڑا ہے۔'' جس کی عظمت کے سامنے بڑے سے بڑے جبار' متکبر اور زبردست بادشاہوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس آیت میں توحید الوہیت بھی ہے' توحید ربوبیت بھی اور توحید اسماء وصفات بھی۔ اس میں اس کی بادشاہت کا محیط ہونا بھی مذکور ہے اور علم کا بھی' اس کی سلطنت کی وسعت بھی ہے اس کا جلال' مجد اور اس کی عظمت و کبریائی کا بھی بیان ہے۔ لہٰذا یہ آیت اکیلی ہی اللہ کے تمام اسماء و صفات اور تمام اسمائے حسنیٰ کے معانی کی جامع ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے:

لَآ إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۖ قَد تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَن يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ

نہیں ہے' کوئی زبردستی دین میں' تحقیق واضح ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے' پس جو شخص کفر کرے طاغوت سے

وَيُؤْمِن بِاللَّهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللَّهُ

اور ایمان لائے ساتھ اللہ کے' تو تحقیق تھام لیا اس نے کڑا مضبوط' نہیں ہے ٹوٹنا اس کے لیے' اور اللہ

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٥٦﴾ اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ ۖ

خوب سننے والا' خوب جاننے والا ہے ○ اللہ دوست ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے' نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أَوْلِيَاؤُهُمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ ۗ

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا' ان کے دوست ہیں شیطان' وہ نکال لے جاتے ہیں ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف'

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥٧﴾ ع

یہی لوگ ہیں دوزخی' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں۔ اس کی ضرورت بھی نہیں۔ کیونکہ زبردستی تو اس کام کے لیے کی جاتی ہے جس کے حقائق واضح نہ ہوں یا جو کام انتہائی ناپسندیدہ ہو۔ اس صراط مستقیم کا تو ہر گوشہ واضح ہے۔ اس کا چپہ چپہ روشن ہے۔ کوئی بھی سمجھ دار آدمی معمولی سا غور و فکر کرے تو اسے قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ لیکن جس کی نیت درست نہ ہو' غلط ارادے رکھتا ہو' ایسا بدظن آدمی حق کو دیکھ کر بھی باطل کو اختیار کر لیتا ہے۔ اچھی چیز کو دیکھ کر پھر گندی چیز کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں کہ اسے دین کو قبول کرنے پر مجبور کرے کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور زبردستی قبول کرایا گیا ایمان معتبر بھی نہیں۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ جو کافر مسلمانوں سے لڑتے ہیں ان کے خلاف جہاد نہ کیا جائے۔ یہ آیت تو صرف یہ بات واضح کرتی ہے کہ دین بنیادی طور پر ایسی چیز ہے کہ ہر انصاف پسند اسے قبول کرنے پر خود کو مجبور پاتا ہے۔ جنگ کرنے یا نہ کرنے کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ مسئلہ دوسری نصوص سے ثابت ہے۔ البتہ اس سے یہ استدلال کیا

جا سکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے علاوہ دوسرے غیر مسلموں سے بھی جزیہ لینا درست ہے۔ جیسا کہ بہت سے علماء کا قول ہے۔ لہٰذا جو شخص غیر اللہ کی عبادت اور شیطان کی اطاعت ترک کر کے اللہ پر صحیح ایمان لے آئے جس کے نتیجے میں وہ اللہ کی عبادت واطاعت پر قائم ہو جائے ﴿فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى﴾ ''تو اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا۔'' یعنی ایسا پختہ دین اختیار کر لیا' جس کی بنیادیں بھی مضبوط ہیں اور عمارت بھی۔ وہ پورے اعتماد سے اس پر قائم رہتا ہے کیونکہ اس نے ایسا مضبوط کڑا تھام لیا ہے ﴿لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾ ''جو کبھی نہ ٹوٹے گا۔'' اس کے برعکس جو شخص اللہ کا انکار کر کے شیطانوں پر یقین رکھتا ہے اس نے اس مضبوط کڑے کو چھوڑ دیا' جس کے ذریعے سے نجات حاصل ہو سکتی ہے اور ایسے باطل کو پکڑ لیا جو اسے جہنم میں لے جائے گا۔ ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔'' وہ ہر ایک کے نیک و بد اعمال سے واقف ہے لہٰذا اس کے مطابق جزا و سزا دے گا۔ اس کڑے کو پکڑنے والے اور نہ پکڑنے والے کا یہی انجام ہے۔ اس کے بعد اللہ نے وہ سبب بیان فرمایا ہے جس کی وجہ سے یہ نتیجہ حاصل ہوا وہ یہ ہے کہ ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ خود ہے۔'' یہ آیت ان کی اپنے رب سے دوستی پر مشتمل ہے' بایں طور کہ وہ اپنے رب سے محبت رکھتے ہیں' پس اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اس کے پیاروں سے محبت کرتے اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھتے ہیں' اللہ نے بھی ان پر لطف و کرم اور احسان فرماتے ہوئے انہیں کفر' معاصی اور جہل کے اندھیروں سے نکالا اور ایمان' نیکی اور علم کی روشنی میں پہنچا دیا۔ اس کے نتیجے میں وہ قبر' حشر اور قیامت کے اندھیروں سے محفوظ رہ کر دائمی نعمت' راحت اور سرور والی جنت میں پہنچ گئے۔ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـــُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ﴾ ''اور کافروں کے اولیاء شیطان ہیں۔'' پس انہوں نے شیطان سے اور اس کی پارٹی سے دوستی کی۔ اپنے مالک اور آقا کی دوستی چھوڑ دی۔ اس کی سزا کے طور پر اللہ نے ان پر شیطانوں کو مسلط کر دیا' جو انہیں گناہوں کی طرف ہانکتے اور برائی پر آمادہ کرتے ہیں۔ اس طرح انہیں ایمان' علم اور نیکی کے نور سے ہٹا کر کفر' معاصی اور جہالت کے اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ ان کے نتیجے میں وہ نیکیوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور نعمت اور خوشی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ حسرت کے جہان (جہنم) میں بھی شیطان کی جماعت اور اس کے دوست ہی شمار ہوں گے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''یہ لوگ جہنمی ہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں پڑے رہیں گے۔''

وقف لازم

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ

کیا نہیں دیکھا آپ نے اس شخص کو جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے اسکے رب کی بابت اس وجہ سے کہ دے رکھی تھی اسکو اللہ نے بادشاہی' جب کہا

اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ

ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے' اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں' کہا ابراہیم نے

فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي

پس بے شک اللہ لاتا ہے سورج کو مشرق سے، سو تو لے آ اس کو مغرب سے، پس ہکا بکا رہ گیا وہ جس نے

كَفَرَ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ﴿٢٥٨﴾

کفر کیا تھا، اور اللہ نہیں ہدایت دیتا ان لوگوں کو جو ظالم ہیں ○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرٰهِيمَ فِي رَبِّهِ ﴾ ''کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو ابراہیم (علیہ السلام) سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا۔'' یعنی کیا آپ نے اس کی جرأت، تجاہل، عناد اور ناقابل شک حقیقت کے بارے میں جھگڑے کا مشاہدہ نہیں فرمایا؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی۔ ﴿ أَنْ آتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ﴾ ''کہ اسے اللہ نے حکومت دی تھی۔'' تو وہ سرکشی اور بغاوت پر اتر آیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ رعیت کا حکمران بن گیا ہے تو اتنی جرأت کی کہ ابراہیم علیہ السلام سے اللہ کی ربوبیت کے بارے میں بحث کرنے لگا۔ اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ جیسے کام کرسکتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ﴾ ''میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔'' یعنی ہر کام کا اختیار اسی کو حاصل ہے۔ آپ نے زندہ کرنے اور مارنے کا خاص طور پر ذکر فرمایا کیونکہ یہ سب سے عظیم تدبیر ہے۔ اور اس لیے بھی کہ زندگی بخشنا دنیا کی زندگی کی ابتدا ہے اور موت دینا آخرت کے معاملات کی ابتدا ہے۔ اس کے جواب میں اس نے کہا: ﴿ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ﴾ ''میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔'' اس نے یہ نہیں کہا: ''میں ہی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔'' کیونکہ اس کا دعویٰ مستقل تصرف کا نہیں تھا۔ بلکہ وہ کہتا تھا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ جیسے کام کرسکتا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ایک آدمی کو قتل کر دیتا ہے تو گویا اسے موت دے دی۔ اور ایک آدمی کو زندہ رہنے دیتا ہے تو گویا اسے زندگی بخش دی۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ شخص بحث میں مغالطہ سے کام لیتا ہے۔ اور ایسی باتیں کہتا ہے جو دلیل تو درکنار شبہ بننے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتیں تو ایک دوسری دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ ﴾ ''اللہ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے۔'' یہ حقیقت ہر شخص تسلیم کرتا ہے، حتیٰ کہ وہ کافر بھی اس کا انکار نہیں کرسکتا تھا۔ ﴿ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ﴾ ''پس تو اسے مغرب کی جانب سے لے آ۔'' یہ الزامی دلیل ہے۔ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہوتا تو یہ اس کے موافق ہوجاتی۔ جب آپ نے ایسی بات فرمادی جس میں شبہ پیدا کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ نہ اس کے پاس اس دلیل کا کوئی توڑ موجود تھا۔ ﴿ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ﴾ ''اس لیے وہ کافر حیران رہ گیا۔'' یعنی حیرت زدہ ہوگیا، اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اس کی دلیل غلط ثابت ہوگئی اور اس کا پیش کردہ شبہ کالعدم ہوگیا۔ جو بھی جھوٹا ضد اور عناد کے ذریعے سے حق کا مقابلہ کرنا چاہے، وہ اسی طرح مغلوب اور شکست خوردہ ہوجایا کرتا ہے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِينَ ﴾ ''اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔'' بلکہ انہیں کفر و ضلالت

میں مبتلا رہنے دیتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے لیے خود یہ چیز پسند کر لی ہوتی ہے۔ اگر ان کا مقصد ہدایت کا حصول ہوتا تو اللہ انہیں ہدایت دے دیتا' اور ہدایت تک پہنچنے کے اسباب مہیا کر دیتا۔ یہ آیت ایک قطعی دلیل ہے کہ اللہ ہی خالق ہے اور وہی مختار کل ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عبادت اور ہر حال میں توکل اسی کا حق ہے۔ ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا: ''اس مناظرہ میں ایک باریک نکتہ ہے کہ دنیا میں شرک کا دارومدار ستاروں اور قبروں کی عبادت پر ہے۔ بعد میں انہی کے نام سے بت تراشے گئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جو دلائل پیش کیے ہیں ان میں ان سب کی الوہیت کی اجمالاً تردید موجود ہے کیونکہ اللہ وحدہ لاشریک ہی زندہ کرتا اور موت دیتا ہے۔ وہ زندہ' جو مر جانے والا ہے وہ زندگی میں معبود بننے کی اہلیت رکھتا ہے نہ مرنے کے بعد۔ کیونکہ اس کا ایک رب ہے' جو قادر ہے' زبردست ہے' وہ اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ کرتا ہے۔ جو ایسا مجبور ہو وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کی صورت کا بت بنایا جائے اور اس کی پوجا کی جائے۔ اسی طرح ستاروں کا حال ہے۔ ان میں سے بڑا نظر آنے والا سورج ہے۔ یہ بھی حکم کا پابند ہے' اپنے بارے میں آزادی سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کا خالق و مالک ہی اسے مشرق سے لاتا ہے تو وہ اس کے حکم اور مرضی کے مطابق اطاعت کرتا ہے۔ یعنی یہ بھی مربوب اور مسخر یعنی حکم کا پابند غلام ہے۔ معبود نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔'' (مفتاح دار السعادہ: ۳ / ۲۱۰-۲۱۱) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ

یا اسی طرح اس شخص کو (نہیں دیکھا) جو گزرا ایک بستی پر اور وہ گری پڑی تھی اوپر اپنی چھتوں کے اس نے کہا' کس طرح زندہ کرے گا اسکو

اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ

اللہ بعد اس کی موت کے؟ پس موت دے دی اسے اللہ نے ایک سو سال' پھر زندہ کیا اسے' (اللہ نے) کہا' تو کتنی دیر (یہاں) رہا؟

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ

اس نے کہا' رہا میں ایک دن یا کچھ حصہ دن کا' (اللہ نے) فرمایا' (نہیں) بلکہ تو (مرا) رہا سو سال' پس دیکھ تو

إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً

طرف اپنے کھانے اور پینے کی' نہیں سڑا بسا وہ' اور دیکھ طرف اپنے گدھے کی اور (یہ اس لیے) تاکہ بنائیں ہم تجھے نشانی

لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا

لوگوں کے لئے' اور دیکھ طرف (گدھے کی) ہڈیوں کی' کیسے ہم اُٹھا کر جوڑ دیتے ہیں انکو پھر پہناتے ہیں انکو گوشت (کا لباس) پس جب

تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾

(یہ سب) واضح ہو گیا واسطے اس کے' تو اس نے کہا' میں (بالیقین) جانتا ہوں کہ بیشک اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے ۝

یہ ایک اور دلیل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اکیلا اللہ ہی خالق ہے۔ وہی سب فیصلے کرتا ہے۔ اسی کے

ہاتھ میں زندگی اور موت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ﴾ ''یا اس شخص کے مانند جس کا گزر ایک بستی پر ہوا' جو چھتوں کے بل اوندھی پڑی ہوئی تھی۔'' یعنی اس کے باشندے مرکھپ گئے تھے' اور چھتیں گر کر ان کے اوپر دیواریں گر چکی تھیں' وہاں کوئی نہیں رہتا تھا بلکہ بالکل ویران ہو چکی تھی۔ وہ شخص وہاں کھڑا ہو کر تعجب سے بولا ﴿ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾ ''اس کی موت کے بعد اللہ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟'' اسے یہ چیز ناممکن محسوس ہوئی' اس نے اللہ کی قدرت کا صحیح اندازہ نہ کیا۔ اللہ نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا تو خود اس کی ذات میں اور اس کے گدھے میں اپنی قدرت کا مشاہدہ کرا دیا۔ اس کے پاس کھانے پینے کا سامان بھی تھا۔ ﴿ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ﴾ ''پس اللہ نے اسے سو سال کے لیے مار دیا۔ پھر اسے اٹھایا' پوچھا: کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا: ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔'' اسے یہ موت انتہائی مختصر محسوس ہوئی' کیونکہ اس کے احساسات ختم ہو چکے تھے۔ اسے اپنی صرف وہ حالت یاد تھی جو اسے موت سے پہلے معلوم تھی۔ اسے بتایا گیا: ﴿ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ﴾ ''بلکہ تو سو سال تک رہا۔ پس اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا۔'' سالوں کی مدت گزرنے کے باوجود اور مختلف اوقات گزرنے کے باوجود اس میں تبدیلی نہیں آئی۔ اس میں اللہ کی قدرت کی بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ اس نے کھانے پینے کی چیزوں کو تبدیل یا خراب ہونے سے بچائے رکھا حالانکہ یہ چیزیں سب سے جلدی خراب ہوتی ہیں۔ ﴿ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ ﴾ ''اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ۔'' وہ مر چکا تھا۔ اس کا گوشت اور چمڑا ریزہ ریزہ ہو چکا تھا۔ اس کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ ﴿ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ ﴾ ''اور تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنائیں۔'' جس سے اللہ کی قدرت ظاہر ہو کہ وہ مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھا سکتا ہے۔ تاکہ یہ ایسی مثال بن جائے جس کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ پیغمبر نے جو خبریں دی ہیں وہ واقعی سچی ہیں۔ ﴿ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ﴾ ''اور تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں۔'' اور انہیں ایک دوسری سے جوڑتے ہیں۔ ﴿ ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ﴾ ''پھر ہم ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔'' پس اس نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ ہوتے دیکھ لیا۔ ﴿ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ﴾ ''جب یہ سب ظاہر ہو چکا'' اور اسے اللہ کی قدرت کا علم ہو گیا۔ تو کہنے لگا: ﴿ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ''میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص موت کے بعد کی زندگی کا منکر تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی کہ اسے ہدایت دے کر لوگوں کے لیے نشانی اور قیامت کی دلیل بنا دے۔ اس موقف کے تین دلائل ہیں: (۱) اس نے کہا: ﴿ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾ ''اس کی موت کے بعد اللہ اسے کس طرح زندہ کرے گا۔؟'' اگر وہ نبی یا نیک بندہ ہوتا تو یوں نہ کہتا۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی خوراک' اس کے مشروب'

اس کے گدھے اور اس کی ذات میں اپنی نشانی دکھا دی' تا کہ وہ جس چیز کا انکار کرتا ہے اسے آنکھوں سے دیکھ کر اقرار کر لے۔ آیت میں یہ ذکر نہیں کہ وہ بستی بعد میں پہلے کی طرح آباد ہو گئی تھی۔ نہ سیاق کلام ہی سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔ نہ اس کا کوئی خاص فائدہ ہی ہے۔ ایک بستی جو بے آباد ہو گئی۔ بعد میں اس کے باشندوں نے واپس آ کر یا دوسرے لوگوں نے رہائش اختیار کر کے اسے آباد کر دیا تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ اللہ مردوں کو زندہ کرے گا؟ اصل دلیل تو خود اسے اور اس کے گدھے کو زندہ کرنے میں اور اس کے سامان خورونوش کو اصلی حالت میں باقی رکھنے میں ہے۔ (۳) اللہ نے فرمایا: ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ﴾ ''جب اس کے لیے ظاہر ہو گیا۔'' یعنی جو چیز اسے معلوم نہیں تھی' اس سے مخفی تھی' وہ ظاہر اور واضح ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارا قول صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَٰهِـۧمُ رَبِّ أَرِنِى كَيْفَ تُحْىِ ٱلْمَوْتَىٰ ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِن ۖ قَالَ بَلَىٰ

اور جب کہا' ابراہیم نے' اے رب! دکھا مجھے' کیسے تو زندہ کرے گا مردوں کو؟ فرمایا' کیا تو نہیں ایمان لایا؟ کہا' کیوں نہیں؟

وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِى ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ ٱلطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ

اور لیکن تاکہ مطمئن ہو جائے میرا دل' (اللہ نے) فرمایا' پس پکڑ لے تو چار پرندے' پس ہلا لے انکو اپنے ساتھ' (پھر ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر لے) پھر

ٱجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ٱدْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ

رکھ دے اوپر ہر پہاڑ کے ایک ایک ٹکڑا ان میں سے' پھر بلا تو ان کو' آئیں گے وہ تیرے پاس دوڑتے ہوئے'

وَٱعْلَمْ أَنَّ ٱللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾ ع

اور جان لے کہ بیشک اللہ غالب ہے' خوب حکمت والا ○

یہ بھی ایک عظیم اور محسوس دلیل ہے' جس سے اللہ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ وہ فوت شدہ لوگوں کو جزا و سزا دینے کے لیے زندہ فرمائے گا۔ اللہ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خبر دی ہے کہ انہوں نے اللہ سے درخواست کی کہ انہیں مردوں کو زندہ ہوتا آنکھوں سے دکھا دیا جائے۔ آپ علیہ السلام کو اللہ کے بتانے سے اس کا یقین تو حاصل ہو چکا تھا' لیکن آپ کی خواہش تھی کہ اس کا بچشم سر مشاہدہ فرما لیں تا کہ انہیں حق الیقین کا مقام حاصل ہو جائے۔ اس لیے اللہ نے انہیں فرمایا: ﴿أَوَلَمْ تُؤْمِن قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِى﴾ ''کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا: ایمان تو ہے' لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی۔'' اس کی وجہ یہ ہے کہ یقینی دلائل یکے بعد دیگرے آنے سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور یقین کامل ہو جاتا ہے۔ اہل عرفان اسی کے حصول کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اس کے رب نے اسے فرمایا: ﴿فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ ٱلطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ﴾ یعنی چار پرندے لے کر اکٹھے کر لے۔ تا کہ سب کچھ آپ کی آنکھوں کے سامنے واقع ہو۔ اور آپ کے ہاتھوں سے اس کا مشاہدہ کرایا جائے۔ ﴿ثُمَّ ٱجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا﴾ ''پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو۔'' یعنی ان کے

ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کے اجزا کو باہم ملا دو۔ اور قریب پہاڑوں میں سے ہر پہاڑ پر ان کا ایک حصہ رکھ دو۔ ﴿ ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ﴾ ''پھر انہیں پکارو، تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے۔'' یعنی انہیں مکمل زندگی حاصل ہو جائے گی۔ تو وہ پوری قوت سے دوڑتے ہوئے اور تیزی سے اڑتے ہوئے آپ کے پاس آجائیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایسے ہی کیا، تو انہیں مردوں کے زندہ ہونے کا مطلوبہ مشاہدہ حاصل ہو گیا۔ اور یہ معاملہ بھی (مَلَكُوتَ السَّمٰوَاتِ وَالْأَرْضِ) ''آسمانوں اور زمین کی سلطنت'' میں شامل ہے جس کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہے: ﴿ وَ كَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴾ (الانعام: ٧٥/٦) ''اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھائیں اور تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔'' اس کے بعد فرمایا: ﴿ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ ''اور جان رکھو کہ اللہ غالب ہے حکمتوں والا۔'' یعنی عظیم قوتوں والا ہے، جس سے اس نے مخلوقات کو مسخر کر رکھا ہے۔ کوئی مخلوق اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتی۔ بلکہ سب کی سب اس کی عظمت کے آگے سرنگوں اور اس کے جلال کے سامنے جھکی ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے افعال اس کی حکمت کے تابع ہیں۔ وہ کوئی کام بے مقصد نہیں کرتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ

مثال ان لوگوں کی، جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں مانند مثال اس دانے کی ہے جو اگاتا ہے سات

سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ

بالیاں، ہر ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ بڑھاتا ہے، واسطے جس کے چاہتا ہے،

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦١﴾

اور اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے ○

اس آیت میں اللہ کے اس ارشاد کی تشریح ہوتی ہے: ﴿ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ﴾ (البقرہ: ٢٤٥/٢) کون شخص ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے تو اللہ اس کے قرض کو اس کے لیے کئی گنا بڑھا دے گا یہاں فرمایا: ﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''مثال ان لوگوں کی جو اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی اس کی اطاعت میں اور اس کی خوشنودی کے کاموں میں۔ ان میں سب سے اہم جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنا ہے۔ ﴿ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ﴾ ''مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں، اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔'' اس مثال کے ذریعے عمل کے ثواب میں اضافے کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ یہ اضافہ بندہ دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ثواب میں

اضافے کو اپنی بصیرت سے دیکھتا ہے۔ اس طرح آنکھوں دیکھی چیز کی وجہ سے ایمان کے ذریعے دیکھی ہوئی چیز پر یقین بڑھتا ہے۔ لہٰذا دل حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پوری آمادگی کے ساتھ خرچ کرتا ہے۔ کیونکہ اسے اس قدر اضافے اور اس اللہ کے عظیم احسان کی امید ہوتی ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ ''اور اللہ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے۔'' یعنی خرچ کرنے والے کے حال اور اس کے خلوص کے مطابق یا خرچ کی کیفیت' منافع اور برمحل ہونے کی مناسبت سے ثواب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ﴾ ''اور اللہ بڑھا چڑھا کر دے'' اس سے بھی زیادہ ﴿لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ ''جسے چاہے'' یعنی بے حساب اجر و ثواب عنایت فرمائے۔ ﴿وَاللّٰهُ وَاسِعٌ﴾ ''اور اللہ کشادگی والا ہے۔'' اس کا فضل وسیع ہے' اس کی عطا بے حساب ہے' جس میں کسی قسم کی کمی نہیں آتی۔ لہٰذا خرچ کرنے والے کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ شاید کئی گنا بڑھا کر دینے کا ذکر مبالغے کے طور پر کیا گیا ہے۔ اللہ کے لیے تو کوئی انعام بھی مشکل نہیں۔ بے شمار عطا کے باوجود اسے کمی نہیں آئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ﴿عَلِيْمٌ﴾ وہ علیم بھی ہے اسے خوب معلوم ہے کہ کون اس دگنے چوگنے ثواب کا مستحق ہے اور کون نہیں۔ لہٰذا وہ اضافہ وہیں کرتا ہے جہاں اس کا صحیح مقام ہو' کیونکہ اس کا علم بھی کامل ہے اور حکمت بھی۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا

وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں' پھر نہیں پیچھے لگاتے اس کے جو انہوں نے خرچ کیا احسان جتلانا

وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

اور نہ ایذا دینا' واسطے انکے اجر ہے ان کا نزدیک ان کے رب کے' اور نہ کوئی خوف ہوگا اوپر ان کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۭ

بات کہنا اچھی اور درگزر کرنا بہت بہتر ہے اس صدقے سے جس کے پیچھے ہو ایذا دینا'

وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

اور اللہ بے پروا ہے' نہایت بردبار ○

جو لوگ اپنے مال اللہ کی فرماں برداری کے کاموں میں اور اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اس کے بعد ایسے کام نہیں کرتے جن سے عمل میں نقص واقع ہو جائے یا عمل ضائع ہو جائے۔ یعنی جس کو دیا ہے اس پر زبان سے یا دل سے احسان نہیں دھرتے مثلاً اپنے احسانات گن گن کر بتانا اور اس کے بدلے ان سے کسی چیز کا مطالبہ کرنا' نہ زبانی نہ عملی طور پر ایذا دیتے ہیں' تو ان کو وہ ثواب ملے گا جو ان کے شایان شان ہوگا۔ انہیں کوئی خوف یا غم بھی لاحق نہیں ہوگا۔ لہٰذا انہیں ہر خیر حاصل ہو جائے گی اور ہر برائی ان سے دور ہو جائے گی۔ کیونکہ انہوں نے اللہ کے لیے ایسی نیکی کی تھی' جو ضائع کرنے والے اسباب سے پاک تھی۔ ﴿قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ﴾ ''اچھی بات''۔ جس کو دل پہچانتے

ہیں اور اسے ناپسند نہیں کرتے۔ اس میں ہر اچھی بات شامل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے دل کی خوشی کا باعث بننا کار ثواب ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ سائل کو جواب دینا ہو تو اچھے الفاظ سے جواب دیا جائے۔ اور اسے دعا دی جائے۔ ﴿وَ مَغْفِرَةٌ﴾ ''اور برائی کرنے والے کو معاف کر دینا'' یعنی اس سے مواخذہ نہ کرنا۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اگر سائل کوئی نامناسب حرکت کرے تو اسے معاف کر دیا جائے۔ نرم بات کہنا قولی احسان ہے۔ اور معاف کر دینا عملی احسان ہے کہ اس کا مواخذہ نہیں کیا گیا۔ یہ دونوں احسان ایسے ہیں' جن کے ساتھ ان کو تباہ کرنے والی کوئی غلطی موجود نہیں۔ لہٰذا یہ اس صدقے کے احسان سے بہتر ہیں' جن کے ساتھ احسان جتلانے کی یا کسی اور انداز سے تکلیف پہنچانے کی خرابی موجود ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس صدقہ کے ساتھ تکلیف پہنچانے کی خرابی موجود نہ ہو' وہ صدقہ نرم بات کہنے اور معاف کرنے سے افضل ہے۔ صدقہ کر کے احسان جتلانا حرام ہے۔ جس سے عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اصل احسان اللہ ہی کا ہے۔ لہٰذا بندے کے لیے مناسب نہیں کہ کسی کو ایسا احسان جتلائے جو اس کی طرف سے نہیں ہوا (بلکہ اصل میں اللہ کی طرف سے ہوا ہے) علاوہ ازیں احسان جتلانا غلام بنانے کے مترادف ہے اور عبودیت اور جھکنا صرف اللہ کے لیے روا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ جو تمام مخلوقات سے مستغنی ہے۔ اور تمام مخلوقات تمام حالات اور تمام اوقات میں اس کی محتاج ہیں' لہٰذا تمہارا صدقہ' تمہارا خرچ کرنا' اور تمہاری نیکیاں ان سب کا فائدہ خود تم ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ غَنِيٌّ﴾ ''اور اللہ بے نیاز ہے'' اسے ان کی ضرورت نہیں' اس کے ساتھ ساتھ وہ ﴿حَلِيْمٌ﴾ ''بردبار ہے'' جو اس کی نافرمانی کرے اسے فوراً سزا نہیں دیتا' حالانکہ وہ اس کی قدرت رکھتا ہے۔ لیکن اس کی رحمت' احسان اور بردباری اسے گناہ گاروں کو فوری سزا دینے سے مانع ہو جاتی ہے۔ بلکہ وہ انہیں مہلت دیتا ہے' انہیں مختلف انداز سے اپنی آیات سناتا اور دکھاتا ہے' تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں' البتہ جب یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں میں خیر کی کوئی رمق نہیں رہی' اور انہیں آیات سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا۔ پھر ان پر عذاب نازل فرما دیتا ہے اور اپنے عظیم ثواب سے محروم فرما دیتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ باطل کرو اپنے صدقے ساتھ احسان جتانے اور ایذا دینے کے' مانند اس شخص کے جو خرچ کرتا ہے

مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ

مال اپنا واسطے دکھاوے لوگوں کے' اور نہیں ایمان لاتا وہ ساتھ اللہ اور یوم آخرت کے' پس اسکی مثال مانند مثال ایک چکنے پتھر کے ہے کہ

عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ

اوپر اس (پتھر) کے مٹی ہے' سو پہنچی اسے زور کی بارش' پس بارش نے چھوڑا اس پتھر کو صاف کر کے' نہیں قدرت رکھیں گے (ایسے لوگ)

عَلٰى شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝٢٦٤

اوپر کسی چیز کے اس میں سے جو انہوں نے کمایا' اور اللہ نہیں ہدایت دیتا کافر قوم کو ○

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحمت وشفقت فرماتے ہوئے انہیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ وہ احسان جتلا کر اور تکلیف دے کر اپنے صدقے ضائع کر بیٹھیں۔اس میں اشارہ ہے کہ احسان جتلانے اور تنگ کرنے سے صدقہ کالعدم ہو جاتا ہے۔اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ گناہوں کے ارتکاب کے نتیجے میں نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔جیسے ارشاد ربانی ہے:﴿ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ﴾ (الحجرات:۲/۴۹)''نبی سے اونچی آواز سے بات نہ کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔'' چنانچہ جس طرح نیکیوں کی وجہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔اسی طرح گناہ بھی اپنے مقابلے میں آنے والی نیکیوں کو ضائع کر سکتے ہیں۔ایک اور مقام پر ارشاد ہے:﴿ وَلَا تُبْطِلُوْٓا اَعْمَالَكُمْ ﴾ (محمد:۳۳/۴۷)''اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو۔'' ان دونوں آیات میں عمل کو مکمل کرنے اور اسے خراب کرنے والی اشیاء سے محفوظ رکھنے کی ترغیب ہے تا کہ عمل بے کار نہ ہو جائے۔پھر فرمایا:﴿ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾''جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرے۔نہ اللہ پر ایمان رکھے نہ قیامت پر۔'' یعنی اگر تم نے شروع میں اللہ کی رضا کی نیت رکھ کر بھی عمل کیا ہو تو احسان جتلانے سے وہ تباہ ہو جاتا ہے۔چنانچہ تمہارا یہ عمل اس شخص کے عمل کی طرح ہو جائے گا جو صرف دکھاوے کے لیے نیکی کرتا ہے۔اس کا مقصد اللہ کی رضا اور جنت کا حصول نہیں ہوتا۔ظاہر ہے کہ اس کا عمل سرے سے ناقابل قبول ہے۔کیونکہ عمل مقبول کی شرط یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کے لیے ہو۔اس شخص نے اصل میں عمل کیا ہی لوگوں کے لیے ہے' اللہ کے لیے کیا ہی نہیں۔لہٰذا اس کا عمل کالعدم ہو گا۔اور اس کی محنت بے کار جائے گی۔اس کے حال کے مطابق تو اس کی مثال ﴿ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ ﴾''ملائم اور سخت پتھر کی سی ہے'' ۔﴿ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ ﴾''جس پر کچھ مٹی پڑی ہے۔پھر اس پر زوردار مینہ برسا''﴿ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ﴾ یعنی اسے اس طرح کا کر کے چھوڑا کہ اس پر وہ مٹی بالکل باقی نہیں رہی۔دکھاوا کرنے والے کی بھی یہی مثال ہے۔اس کا سخت دل صاف اور سخت پتھر کے مشابہ ہے۔اس کا صدقہ وغیرہ اس پتھر پر پڑی ہوئی مٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔جو شخص اس پتھر کی حقیقت سے واقف نہیں' وہ خیال کرے گا کہ یہ قابل کاشت اور زرخیز زمین ہے۔جب حقیقت ظاہر ہو گئی تو گویا وہ مٹی ہٹ گئی اور معلوم ہو گیا کہ اس کا عمل ایک سراب کی حیثیت رکھتا تھا۔اس کا دل تو اس قابل تھا ہی نہیں کہ اس میں (نیکی کی) کھیتی اگ سکے اور بڑھ پھول سکے۔اس کی ریاکاری اور بدنیتی اسے کسی نیکی سے مستفید ہونے کے قابل نہیں چھوڑتی۔اس لیے فرمایا:﴿ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَيْءٍ ﴾ یعنی وہ اپنے کمائے ہوئے اعمال میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے' کیونکہ انہوں نے ان اعمال کو غلط جگہ پر رکھا' اور اپنے جیسی مخلوق کے لیے انجام دیا جس کے ہاتھ میں نہ نفع ہے نہ نقصان۔جس رب کی عبادت سے فائدہ ہو سکتا ہے اس

کی عبادت سے منہ موڑ لیا' تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ہدایت سے پھیر دیا۔ اس لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''اللہ کافروں کی قوم کو راہ نہیں دکھاتا۔''

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ

اور مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال واسطے تلاش کرنے کے رضا مندی اللہ کی، اور واسطے پختگی پیدا کرنے کے اپنے نفسوں میں،

كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ

مانند مثال اس باغ کے ہے جو ٹیلے پر ہے، پہنچی اسے زور کی بارش تو لایا وہ باغ اپنا پھل دوگنا،

فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

پس اگر نہ پہنچے اس باغ کو زور کی بارش تو پھوار (ہی کافی ہے) اور اللہ ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے ○

یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو اپنے مال اس انداز سے خرچ کرتے ہیں کہ ان کے صدقات قبول ہوتے اور بڑھتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: ﴿ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ﴾ ''ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ کی رضا مندی کی طلب میں خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی ان کا مقصد اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔ ﴿ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ''دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ۔'' یعنی جب وہ خرچ کرتے ہیں تو ان کے دلوں میں سخاوت اور خوشی کی کیفیت ہوتی ہے۔ تردد کے ساتھ بادل نخواستہ خرچ نہیں کرتے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے نیک عمل پر دو طرح کی آفتیں آتی ہیں۔ یا تو انسان کا یہ ارادہ ہوتا ہے کہ لوگ تعریف کریں۔ یہ ریا کی بیماری ہے یا کمزور نیت کے ساتھ ہچکچاتا ہوا خرچ کرتا ہے۔ سچے مومن ان دونوں آفتوں سے بچ کر صرف اللہ کی رضا کے حصول کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ ان کے سامنے کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔ ان کے خرچ کی مثال ایسے ہے ﴿ كَمَثَلِ جَنَّةٍ ﴾ ''جیسے ایک باغ'' جس میں درخت بے شمار ہیں اور سایہ گھنا ہے۔ (جَنَّة) کا لفظ (اِجْتِنَان) سے ماخوذ ہے یعنی چھپا لینا۔ لہٰذا جنت سے مراد ایسا باغ ہے جس کے درخت زمین کو چھپا لیتے ہیں اس تک دھوپ نہیں پہنچنے دیتے۔

اور یہ باغ ﴿ بِرَبْوَةٍ ﴾ ''اونچی زمین پر'' ہے۔ جس کو صبح، دوپہر اور شام سورج کی پوری روشنی حاصل ہوتی ہے۔ ایسے باغ کے پھل زیادہ اور بہتر ہوتے ہیں۔ یہ ایسی جگہ نہیں جہاں نہ ہوا لگے نہ دھوپ۔ اونچی زمین پر موجود اس باغ پر ﴿ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ﴾ ''زوردار بارش برسے تو وہ اپنا پھل دگنا لائے۔'' زمین نم دار ہونے کی وجہ سے اور دوسرے معاون اسباب کی وجہ سے اور بکثرت پانی کی موجودگی کی وجہ سے اس باغ سے دگنا پھل حاصل ہوا۔ ﴿ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ﴾ ''اور اگر اس پر بارش نہ برسے تو پھوار ہی کافی ہے۔'' یعنی عمدہ زمین کی وجہ سے معمولی بارش بھی کافی ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا حال ہے۔ کوئی زیادہ خرچ

کرے یا کم، ہر ایک کو اپنے حالات کے مطابق فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اور ہر ایک کے ثواب میں پوری طرح اضافہ ہوتا ہے۔ اس کو بڑھانے والا وہ ہے جو تجھ پر تجھ سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ جہاں تجھے اپنے فائدے کا خیال نہیں رہتا، اسے وہاں بھی تیرا فائدہ مقصود ہوتا ہے۔ اگر اس دنیا میں اس طرح کا کوئی باغ ہوتا، تو لوگ اس کے حصول کے لیے پوری کوشش کرتے، بلکہ ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے اور جنگ وجدل تک نوبت پہنچ جاتی۔ حالانکہ یہ دنیا فنا ہونے والی ہے اور یہاں بے شمار آفات ومصائب ہیں۔ اور یہ ثواب جس کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے، مومن اسے بصیرت ایمانی کے نور سے گویا سامنے دیکھتا ہے، وہ جہاں دائمی ہے اس کی تمام خوشیاں اور نعمتیں دائمی ہیں۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ان کی ہمت بیدار نہیں ہوتی، اس کے لیے جدوجہد کا کوئی داعیہ پیدا نہیں ہوتا۔ کیا اس کی وجہ آخرت سے بے رغبتی ہے یا اللہ کے وعدے پر یقین کمزور ہے؟ ورنہ اگر بندے کو واقعی کما حقہ یقین ہوتا، اور دل میں ایمان سرایت کر چکا ہوتا، تو دل اس کے لیے جذبے اور ولولے سے معمور ہو جاتے، اور ثواب کے حصول کے لیے زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا آسان ہو جاتا۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ''اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔'' وہ ہر شخص کے عمل سے بھی باخبر ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس عمل کا باعث کیا ہے۔ لہٰذا وہ اس کے مطابق مکمل جزا دے گا۔ اس کے بعد ارشاد ہے۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

کیا پسند کرتا ہے ایک تمہارا یہ کہ ہو اس کے واسطے ایک باغ کھجوروں اور انگوروں کا، بہتی ہوں اس کے نیچے

الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ

نہریں، اس شخص کے واسطے اس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں، اور آ پہنچا ہو اسے بڑھاپا، اور واسطے اس کے اولاد ہو کمزور،

فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ

پھر (ناگہاں) آ پڑے اس (باغ) پر ایک ایسا بگولا کہ اس میں آگ ہو پس جل جائے وہ (باغ)؟ اسی طرح

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿٢٦٦﴾

(کھول کر) بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے آیتیں، تاکہ تم غور و فکر کرو ○

یہ مثال اس شخص کی ہے جو صدقہ وغیرہ نیکی کا کام اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے، پھر کوئی ایسا کام کر دیتا ہے جس سے وہ نیکی تباہ ہو جائے۔ اس کی مثال ایک باغ کے مالک کی سی ہے جس کے باغ میں ہر قسم کے پھل ہیں۔ ان میں سے کھجور اور انگور کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے کیونکہ یہ دوسروں سے افضل ہیں اور ان کے فوائد بھی زیادہ ہیں۔ ان کا استعمال خوراک کے طور پر بھی ہوتا ہے اور میوہ کے طور پر (لطف اندوزی کے لیے) بھی۔ اس باغ میں نہریں بھی چل رہی ہیں، جن کی وجہ سے آب پاشی میں کوئی مشقت نہیں ہوتی۔ اس کا مالک اس پر خوش ہے،

لوگ رشک کرتے ہیں۔ یہ آدمی بوڑھا ہو گیا' کام کاج کے قابل نہیں رہا۔ اس لیے اب اسے باغ ہی سے امید ہے۔ اس کی اولاد کمزور ہے' جو کام کاج میں اس کی مدد نہیں کر سکتی۔ بلکہ اس کے لیے بوجھ ہے۔ اس کا اپنا خرچ بھی باغ سے چلتا ہے اور بچوں کا بھی۔ ان حالات میں باغ پر آندھی آ گئی۔ (اِعْصَار) اس تیز ہوا کو کہتے ہیں جو گول گھومتی ہے اور اوپر کو بلند ہوتی ہے۔ اس بگولے میں آگ تھی جس سے باغ جل گیا۔ اس حادثے سے جو رنج و غم حاصل ہو گا اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ اگر غم سے مرا جا سکتا تو یہ آدمی ضرور مر جاتا۔ اس طرح جو شخص اللہ کی رضا کے لیے عمل کرتا ہے تو اس کے عمل کھیتی اور پھلوں کے بیج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے اعمال کے نتیجے میں اسے وہ باغ مل جاتا ہے جو بے انتہا دلکش ہے۔ نیکیوں کو ضائع کرنے والے اعمال اس بگولے کی طرح ہیں' جس میں آگ ہے۔ بندہ اپنے اعمال کا انتہائی ضرورت مند اس وقت ہوتا ہے جب وہ فوت ہوتا ہے۔ اس وقت اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ مزید کوئی عمل نہیں کر سکتا۔ اور جس عمل سے فائدے کی امید کی جا سکتی ہے وہ گرد و غبار کی طرح بے حقیقت ہو چکا ہوتا ہے۔ اگر انسان اس صورت حال کو سمجھ لے' اور اس کا تصور کرے تو اگر اسے تھوڑی سی عقل حاصل ہے تو ایسا کام ہرگز نہ کرے گا' جس میں اس کا اس قدر نقصان ہے اور جس کا انجام حسرت و افسوس ہے' لیکن ایمان و عقل کی کمزوری کی وجہ سے اور بصیرت کی کمی کی وجہ سے انسان اس حال کو پہنچ جاتا ہے کہ اگر ایسی حرکت کسی مجنون سے بھی سرزد ہو تو وہ عظیم اور انتہائی خطرناک ہو۔ اس لیے اللہ نے غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے: ﴿ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ ''اسی طرح اللہ تمہارے لیے آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔''

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! خرچ کرو تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو کماؤ تم اور ان میں سے (بھی) جو نکالیں ہم نے تمہارے لیے

مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ

زمین سے' اور نہ ارادہ کرو تم خراب چیز کا اس میں سے کہ خرچ کرو تم' اور نہیں ہو تم لینے والے اس چیز کو مگر یہ کہ

تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝۲۶۷ اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ

چشم پوشی کر جاؤ تم اس میں' اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ بے پروا ہے' قابل تعریف ہے ○ شیطان ڈراتا ہے تمہیں تنگ دستی سے

وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاۗءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ

اور حکم دیتا ہے تمہیں بے حیائی کا' اور اللہ وعدہ کرتا ہے تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا'

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۶۸

اور اللہ وسعت والا' خوب جاننے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اس نے انہیں جس کمائی کی توفیق دی ہے اور ان کے لیے زمین سے جو کچھ نکالا ہے اس میں سے کچھ پاکیزہ اموال خرچ کریں۔ جس طرح اس نے تم پر احسان کیا ہے کہ اس کا حصول تمہارے لیے آسان فرمادیا' اسی طرح اس کا شکر ادا کرنے کے لیے' اپنے بھائیوں کے کچھ حقوق ادا کرنے کے لیے۔ اور اپنے مالوں کو پاک کرنے کے لیے اس میں سے کچھ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ خرچ کرنے کے لیے وہ عمدہ چیز منتخب کرو' جو تمہیں اپنے لیے پسند ہے۔ ایسی نکمی چیز دینے کا قصد نہ کرو' جو خود تمہیں پسند نہیں' اور جسے تم خود دوسروں سے وصول کرنا پسند نہیں کرتے۔ ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ ''اور جان لو کہ اللہ بے نیاز اور خوبیوں والا ہے۔'' وہ تم سے بے نیاز ہے۔ تمہارے صدقات اور دوسرے اعمال کا فائدہ خود تمہی کو حاصل ہوگا۔ وہ اس بات پر تعریف کے قابل ہے کہ اس نے تمہیں اچھے اعمال کے کرنے کا اور اچھی خوبیاں اپنانے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا تمہارا فرض ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل کرو' کیونکہ ان سے دلوں کو روحانی غذا ملتی ہے۔ دل زندہ ہوتے ہیں اور روح کو نعمت حاصل ہوتی ہے۔ اپنے دشمن یعنی شیطان کی پیروی ہرگز نہ کرنا' جو تمہیں بخل کا حکم دیتا ہے اور تم کو ڈراتا ہے کہ خرچ کرنے سے مفلس ہو جاؤ گے۔ وہ تمہاری خیر خواہی کے طور پر یہ مشورہ نہیں دیتا' بلکہ یہ اس کا بہت بڑا دھوکا ہے۔ ﴿اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ (فاطر: ٦/٣٥) ''وہ اپنی جماعت کو (گناہ کی طرف) بلاتا ہے' تاکہ وہ بھی جہنمی بن جائیں۔'' بلکہ اپنے رب کا حکم مانو' جو تمہیں ایسے انداز سے خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے' جو تمہارے لیے آسان ہو' اور جس میں تمہارا کوئی نقصان نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ﴿يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ﴾ ''وہ تم سے وعدہ کرتا ہے اپنی بخشش کا'' یعنی تمہیں گناہوں سے پاک کرنے کا ﴿وَفَضْلًا﴾ ''اور فضل کا'' جس سے دنیا اور آخرت میں تمہارا بھلا ہوگا۔ یعنی جو خرچ کرتے ہو' ویسا ہی جلد ہی (دنیا میں) تمہیں دے گا' دلوں کو خوشی اور سکون اور قبر میں راحت حاصل ہوگی۔ قیامت کے دن اس کا پورا پورا ثواب بھی ملے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے اتنا زیادہ اجر و ثواب اور انعام دینا مشکل نہیں۔ کیونکہ وہ ﴿وَاسِعٌ﴾ ''وسعت والا'' یعنی وسیع فضل اور عظیم احسان کرنے والا ہے۔ اور تمہارے کیے ہوئے خرچ کو ﴿عَلِيْمٌ﴾ ''جاننے والا ہے'' خواہ وہ کم ہو یا زیادہ' خفیہ ہو یا ظاہر' لہٰذا اپنے فضل و احسان سے اس کا بدلہ دے گا۔ اب بندے کو خود سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے کہ اسے اللہ کی بات ماننی ہے یا شیطان کی؟

ان دو آیات میں بہت سے اہم مسائل مذکور ہیں مثلاً: (۱) اللہ کی راہ میں خرچ کی ترغیب۔ (۲) وضاحت کہ خرچ کرنا کیوں ضروری ہے۔ (۳) سونے چاندی اور سامان تجارت میں زکوٰۃ کا حکم کیونکہ یہ ﴿مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ میں شامل ہیں۔ (۴) غلہ' پھل اور معدنیات میں زکوٰۃ واجب ہے۔ (۵) زکوٰۃ اس پر واجب ہے جو غلہ اور پھل کا مالک ہے۔ زمین کے مالک پر واجب نہیں کیونکہ ارشاد ہے: ﴿اَخْرَجْنَا لَكُمْ﴾ لہٰذا زمین جس

کے لیے یہ اشیا اگاتی ہے' زکوٰۃ بھی اس پر واجب ہے۔ (٦) ان مالوں پر زکوٰۃ نہیں جو اپنی ذاتی ضروریات کے لیے رکھے گئے ہوں مثلاً قطعہ زمین اور برتن وغیرہ۔ اسی طرح اگر معلوم نہ ہو کہ فلاں نے میرا قرض ادا کرنا ہے' یا کسی نے مال پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے' یا مال اور قرض ایسے شخص کے پاس ہے جس سے واپس لینے کی طاقت نہیں' تو ایسے اموال پر زکوٰۃ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مالوں سے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے جو بڑھتے ہیں یعنی زمین سے حاصل ہونے والی اشیا اور اموال تجارت اور جو مال اس مقصد کے لیے تیار نہیں رکھے گئے یا جن مالوں کو حاصل کرنا ممکن نہیں' ان میں یہ وصف نہیں پایا جاتا ہے۔ (٧) نکمی چیز دینا منع ہے' ایسی چیز دینے سے زکوٰۃ کا فرض ادا نہیں ہوگا۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَاۤءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ؕ

اللہ دیتا ہے حکمت جسے چاہتا ہے اور جو شخص دیا جائے حکمت پس تحقیق دیا گیا وہ بھلائی بہت'

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل مند ہی ○

چونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت عظیم احکامات نازل فرمائے ہیں جن میں بہت سے اسرار اور بہت سی حکمتیں ہیں۔ اور ان پر عمل کی توفیق ہر کسی کو نہیں ملتی بلکہ صرف اسی کو ملتی ہے جس پر اللہ کا خاص احسان ہو اور اسے اللہ حکمت عطا فرمادے۔ حکمت سے مراد علم نافع' عمل صالح' اور شریعت کے اسرار اور حکمتوں سے واقفیت ہے۔ جسے اللہ ایسی حکمت دے دے اسے اللہ نے بہت بھلائی عطا فرمادی۔ اس بھلائی سے عظیم تر بھلائی کون سی ہو سکتی ہے جس میں دنیا اور آخرت کی خوش نصیبی پنہاں ہو' اور جس کے ذریعے سے دنیا اور آخرت کی بدنصیبی سے نجات مل جائے؟ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نعمت خاص خاص لوگوں کو ملتی ہے اور یہ انبیاء کا ترکہ ہے۔ پس بندے کو کمال صرف حکمت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کمال نام ہے علمی اور عملی قوت کے کامل ہونے کا۔ علمی قوت تو حق کی معرفت سے اور اس کے مقصود کی معرفت سے کامل ہوتی ہے۔ اور عملی قوت نیکی کرنے اور برائی سے اجتناب کرنے سے مکمل ہوتی ہے۔ اس کے نتیجے میں بندہ صحیح قول اور صحیح عمل کا حامل ہو سکتا ہے۔ اور اپنی ذات کے بارے میں' نیز دوسروں کے بارے میں ہر حکم کو اس کے صحیح مقام پر رکھ سکتا ہے۔ اس کے بغیر یہ ممکن نہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی فطرت میں یہ رکھ دیا ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں' بھلائی سے محبت رکھیں' حق کے طالب ہوں' اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول مبعوث فرمائے کہ لوگوں کو ان کی عقل و فطرت میں جڑیں رکھنے والی ان اشیاء کی یاد دہانی کرائیں اور جو تفصیلات لوگوں کو معلوم نہیں' وہ بیان فرمائیں۔ پھر لوگ دو قسموں میں تقسیم ہوگئے۔ ایک قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے انبیاء کی دعوت کو قبول کیا' تو انہیں اپنے فائدے کی باتیں یاد ہوگئیں' انہوں نے اس پر

عمل کیا۔ اور انہیں اپنے نقصان کی باتیں معلوم ہو گئیں' لہٰذا وہ ان سے بچ گئے۔ یہ لوگ کامل عقل و فہم کے حامل ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے انبیاء کی دعوت قبول نہیں کی' بلکہ ان کی فطرت میں جو خرابی پیدا ہو گئی تھی اسی کے مطابق عمل کیا' رب کا حکم نہیں مانا۔ یہ لوگ عقل والے نہیں۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا: ﴿ وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ ''نصیحت صرف عقل مند ہی حاصل کرتے ہیں۔''

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُهٗ ؕ

اور جو خرچ کرو تم کسی قسم کا خرچ یا نذر مانو تم کوئی بھی نذر' تو بیشک اللہ جانتا ہے اسے'

وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

اور نہیں ہے واسطے ظالموں کے کوئی مددگار ○

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس خرچ کا اللہ نے حکم دیا ہے وہ واجب ہو یا مستحب' کم ہو یا زیادہ' ہر خرچ کا ثواب ملتا ہے۔ نذر اسے کہتے ہیں جسے کوئی مکلّف انسان خود اپنے ذمے لے لے۔ اور اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے کیونکہ اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ یہ عمل خلوص سے کیا گیا ہے یا کسی اور نیت سے۔ اگر صرف اللہ کی رضا کے لیے اخلاص کے ساتھ کیا گیا ہے تو اللہ اس کی جزا کے طور پر عظیم فضل اور کثیر ثواب عطا فرماتا ہے۔ اگر بندہ واجب اخراجات نہ کرے' یا مانی ہوئی نذر پوری نہ کرے۔ یا یہ عمل مخلوق کی خوشنودی کے لیے کرے تو وہ ظالم بن جاتا ہے کیونکہ اس نے ایک چیز کو غلط مقام پر رکھ دیا ہے۔ لہٰذا وہ سخت سزا کا مستحق ہے۔ جس سے اسے کوئی نہیں بچا سکتا اس لیے فرمایا: ﴿ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴾ ''اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ

اگر ظاہر کرو تم خیرات' تو اچھی بات ہے یہ' اور اگر چھپاؤ تم اس کو اور دو وہ فقیروں کو تو وہ

خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ وَیُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَیِّاٰتِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۷۱﴾

بہت ہی بہتر ہے تمہارے لیے' اور دور کر دے گا (اللہ) تم سے تمہارے گناہ' اور اللہ' ساتھ اسکے جو تم عمل کرتے ہو خوب خبردار ہے ○

﴿ اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ ﴾ ''اگر تم صدقے خیرات کو ظاہر کرو۔'' یعنی علانیہ خیرات کرو' جبکہ اس کا مقصد اللہ کی رضا کا حصول ہو ﴿ فَنِعِمَّا هِیَ ﴾ ''تو وہ بھی اچھا ہے۔'' کیونکہ اس سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ ﴿ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ﴾ ''اور اگر تم اسے پوشیدہ مسکینوں کو دے دو' تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔'' اس میں یہ نکتہ ہے کہ غریب آدمی کو پوشیدہ طور پر صدقہ دینا' ظاہر کر کے دینے سے افضل ہے لیکن جب غریبوں کو صدقات نہ دیے جا رہے ہوں تو اس آیت میں اشارہ ہے کہ اس صورت میں پوشیدہ طور پر صدقہ کرنا ظاہر کرنے سے افضل نہیں۔ یعنی اس کا دار و مدار مصلحت اور فائدے پر ہے۔ اگر اس کے ظاہر کرنے سے ایک

دینی حکم کی اشاعت ہوتی ہو اور امید ہو کہ دوسرے لوگ بھی یہ نیک کام کرنے لگیں گے، تو چھپانے کی نسبت ظاہر کر کے دینا افضل ہوگا۔ ﴿وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ﴾ ''اور اسے مسکینوں کو دے دو۔'' سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ دینے والے کو چاہیے کہ ضرورت مندوں کو تلاش کر کے صدقہ دے۔ زیادہ ضرورت مند کی موجودگی میں کم ضرورت مند کو نہ دے۔ اور اللہ کے اس فرمان میں کہ صدقہ دینا صدقہ دینے والے کے لیے بہتر ہے، یہ اشارہ ہے کہ اسے ثواب حاصل ہوگا اور ﴿وَ يُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ﴾ میں بتایا ہے کہ سزا ختم ہو جائے گی، اور عذاب سے نجات مل جائے گی۔ ﴿وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ﴾ ''اور اللہ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھنے والا ہے'' یعنی وہ اچھے ہوں یا برے، کم ہوں یا زیادہ، یہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کی جزا و سزا ملے گی۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا

نہیں ہے اوپر آپ کے ہدایت دینا ان کو، لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے، اور جو خرچ کرو تم

مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا

مال سے، تو وہ تمہارے نفسوں ہی کے (فائدے کے) لیے ہے، اور نہیں خرچ کرتے ہو تم مگر واسطے تلاش کرنے کے رضا مندی اللہ کی، اور جو

تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٢﴾ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ

خرچ کرو گے تم مال سے، وہ پورا پورا دیا جائے گا تمہیں اور تم نہیں ظلم کیے جاؤ گے ○ (یہ صدقہ) واسطے ان ضرورت مندوں کے ہے جو

اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ

روک دیے گئے ہیں اللہ کی راہ میں، نہیں استطاعت رکھتے وہ چلنے پھرنے کی زمین میں، گمان کرتا ہے ان کو

الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ

ناواقف، مالدار ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے، آپ پہچان لیں گے انکو انکے چہرے کی علامات سے، نہیں سوال کرتے وہ لوگوں سے

ع ۳۷ ۵ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿٢٧٣﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ

چمٹ کر، اور جو خرچ کرو تم مال سے، تو بلاشبہ اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے ○ وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں

اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ

اپنے مال رات اور دن میں، پوشیدہ اور ظاہر، تو واسطے ان کے اجر ہے ان کا نزدیک ان کے رب کے،

وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٤﴾

اور نہ کوئی خوف ہوگا اوپر ان کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ مخلوق کو ہدایت پر چلا دینا آپ کی ذمہ داری نہیں۔ آپ کا فرض صرف یہ ہے کہ حق کو واضح طور پر ان تک پہنچا دیں۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ آیت میں اس امر پر بھی

دلالت ہے کہ مال کا یہ خرچ کرنا عام ہے جیسے مسلم پر خرچ کرنا واجب ہے اسی طرح کافر (اہل ذمہ وغیرہ) پر بھی خرچ کیا جائے گا اگرچہ اس نے ہدایت قبول نہ کی ہو۔ اس لیے فرمایا: ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ ﴾ تم جو کچھ خرچ کرو گے'' کم ہو یا زیادہ اور چاہے یہ مال تم مسلمان پر خرچ کرو یا کافر پر: ﴿ فَلِاَنْفُسِكُمْ ﴾ ''اس کا فائدہ خود پاؤ گے ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ﴾ ''اور تم صرف اللہ کی رضا مندی کی طلب کے لیے خرچ کرتے ہو'' یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ مومنوں کے خرچ کی بنیاد ایمان ہوتی ہے اور وہ صرف اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا ایمان انہیں فضول مقاصد کے لیے کام کرنے سے منع کرتا ہے اور اخلاص پیدا کرتا ہے۔ ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ ﴾ ''تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا'' یعنی قیامت کے دن تم پورا اجر وثواب حاصل کرو گے۔ ﴿ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴾ ''اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا'' تمہارے نیک عملوں میں ذرہ برابر کمی نہیں کی جائے گی' اور تمہارے گناہوں میں بلاوجہ اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ یہ بیان کرتا ہے کہ کون لوگ زیادہ مستحق ہیں کہ ان پر خرچ کیا جائے۔ چنانچہ ان کی چھ صفات بیان فرمائی ہیں۔ (١) فقر اور تنگ دستی۔ (٢) ﴿ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کاموں' جہاد وغیرہ کے لیے وقف ہو چکے ہیں' وہ اس کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ (٣) رزق کی تلاش کے لیے سفر کے قابل نہ ہوں۔ جیسے فرمایا: ﴿ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ﴾ یعنی روزی کمانے کے لیے زمین میں سفر نہیں کر سکتے۔ (٤) ﴿ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ﴾ ''نادان لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے انہیں مال دار خیال کرتے ہیں۔'' اس سے ان کا مخلصانہ صبر اور سوال سے بچنے کی صفت کا بیان ہے۔ (٥) اللہ نے فرمایا: ﴿ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ﴾ ''آپ ان کے چہرے دیکھ کر قیافہ سے پہچان لیں گے۔'' یعنی اس علامت کے ذریعے سے پہچان لیں گے جو اللہ نے ان کے وصف کے طور پر ذکر کی ہے۔ اور یہ ارشاد ﴿ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ ﴾ نادانوں کے انہیں مال دار خیال کرنے کے منافی نہیں۔ کیونکہ جو ان کے حالات سے واقف نہیں۔ اس میں اتنی سمجھ نہیں کہ دیکھ کر ان کے حالات سمجھ لے۔ سمجھ دار آدمی تو انہیں دیکھتے ہی ان کی علامت کی وجہ سے پہچان لیتا ہے۔ (٦) ﴿ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ﴾ یعنی لوگوں سے اصرار کے ساتھ نہیں مانگتے۔ بلکہ اگر حالات انہیں سوال کرنے پر مجبور کر دیں تب بھی ان کے سوال میں اصرار اور چمٹ جانے کی کیفیت نہیں ہوتی۔ یہ لوگ اپنی ان صفات کی وجہ سے صدقات دیے جانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ دوسروں پر خرچ کرنا فی نفسہ ایک نیکی اور احسان ہے۔ خواہ کسی شخص پر خرچ کیا جائے۔ آدمی کو اس کا اجر وثواب ملے گا۔ اس لیے فرمایا: ﴿ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴾ ''تم جو کچھ

مال خرچ کرو' اللہ اس کا جاننے والا ہے۔'' اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو ہر حال میں ہر وقت صدقہ کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ ''جو لوگ اپنے مال خرچ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں'' یعنی اس کی اطاعت میں' اور اس کی خوشنودی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں' حرام اور مکروہ کاموں میں یا اپنے دل کی خواہش پوری کرنے کے لیے خرچ نہیں کرتے ﴿بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّ عَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ''رات دن' چھپے کھلے (خرچ کرتے ہیں) ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔'' یعنی رحمتوں والے مالک کے پاس عظیم اجر ہے۔ ﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ﴾ ''انہیں نہ خوف ہوگا'' جب کوتاہی کرنے والے خوف میں مبتلا ہوں گے ﴿وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ﴾ ''اور نہ غم'' جب جائز حد سے آگے بڑھنے والے غم میں مبتلا ہوں گے۔ تو یہ اپنا اصل مقصود اور مطلوب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور ہر قسم کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کے بندوں پر مختلف انداز سے خرچ کر کے احسان کرنے والوں کا ذکر مکمل کر لیا تو اس کے بعد ان ظالموں کا ذکر فرمایا جو اللہ کے بندوں پر انتہائی برا ظلم کرتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ

وہ لوگ جو کھاتے ہیں سود' نہیں کھڑے ہوں گے وہ مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ شخص کہ حواس باختہ بنا دیا ہو اس کو شیطان نے

مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ (وقف لازم)

چھوکر' یہ (سزا) بہ سبب اس کے کہ انہوں نے کہا' بلاشبہ بیع بھی مثل سود ہی کے ہے' حالانکہ حلال کیا ہے اللہ نے

الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ

بیع کو اور حرام کیا سود کو' پس وہ شخص کہ آ گئی اسکے پاس نصیحت' اسکے رب کی طرف سے اور وہ باز آ گیا' تو اسکے لئے ہے جو کچھ پہلے ہو چکا'

وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧٥﴾

اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے اور جو شخص دوبارہ (سودی معاملہ) کرے' تو یہی لوگ ہیں دوزخی' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیْمٍ ﴿٢٧٦﴾ اِنَّ

مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو' اور اللہ نہیں پسند کرتا ہر کفر کرنے والے گناہ گار کو ○ بے شک

الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ

وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے نیک' اور قائم کیا نماز کو اور ادا کرتے رہے زکوٰۃ' ان کے واسطے اجر ہے ان کا

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٧﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا

نزدیک ان کے رب کے' اور نہ کوئی خوف ہوگا اوپر ان کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ڈرو تم

اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿٢٧٨﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا

اللہ سے' اور چھوڑ دو جو باقی ہے سود سے' اگر ہو تم مومن ○ پس اگر نہ کیا تم نے (یہ)

فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ

تو خبردار ہو جاؤ واسطے جنگ کے اللہ اور اس کے رسول سے' اور اگر توبہ کرلو تم' تو تمہارے لیے ہیں اصل مال تمہارے'

لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٩﴾ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَ

نہ تم (کسی پر) ظلم کرو اور نہ تم ظلم کیے جاؤ گے ○ اور اگر ہو وہ (مقروض) تنگ دست' تو مہلت دینا ہے (اسے) آسانی تک' اور

اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨٠﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ

تمہارا معاف کر دینا بہت بہتر ہے تمہارے لیے' اگر ہو تم جانتے ○ اور ڈرو اس دن سے کہ لوٹائے جاؤ گے تم اس میں

اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٨١﴾ ع

اللہ کی طرف' پھر پورا (بدلہ) دیا جائے گا ہر نفس کو (اس کا) جو کچھ اس نے کمایا' اور وہ نہیں ظلم کیے جائیں گے ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سود خوروں کا انجام بد بیان فرمایا ہے۔ وہ قیامت کے دن قبروں سے اٹھیں گے ﴿اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ﴾ تو ان کی حالت یہ ہوگی گویا انہیں شیطان نے پاگل بنا دیا ہے۔ یہ لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو حیران پریشان ہوں گے۔ انہیں سخت سزا ملنے کا یقین ہوگا۔ ﴿قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا﴾ ''انہوں نے کہا تھا: تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔'' یہ بات کوئی ایسا جاہل ہی کہہ سکتا ہے جو جہالت کے انتہائی درجے تک پہنچا ہوا ہو یا دین کا انتہائی دشمن کہہ سکتا ہے۔ جس طرح ان کی عقلیں اوندھی ہوگئی تھیں تو اس کا بدلہ بھی یہ ملے گا کہ ان کی حالت پاگلوں کے مشابہ ہوگی۔ آیت مبارکہ کے اس حصے کی تشریح اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ چونکہ سود کی کمائی کے حصول میں ان کی عقلیں سلب ہوگئیں' اس لیے وہ احمق بن گئے اور ان کی حرکات پاگلوں کے مشابہ ہوگئیں۔ جو بے سروپا ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے اور عظیم حکمت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ﴾ ''اور اللہ نے تجارت کو حلال کیا'' کیونکہ اس میں سب کا فائدہ ہے' سب کو اس کی ضرورت ہے اور اسے حرام قرار دینے میں نقصان ہے۔ اور حصول رزق سے تعلق رکھنے والے کاموں میں یہ ایک عظیم اصل ہے۔ اس سے صرف وہی تصرفات مستثنیٰ ہوں گے جن سے صاف طور پر منع کر دیا گیا ہے۔ ﴿وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ''اور سود کو حرام کیا'' کیونکہ یہ ظلم پر مبنی ہے اور اس کا انجام برا ہے۔ سود کی دو قسمیں ہیں: (۱) ربا نسیئہ مثلاً سودی چیز کا اس کی علت میں شریک چیز کے عوض ادھار تبادلہ۔ اور اس کی صورت یہ بھی ہے کہ واجب الادا رقم کو راس المال کا نام دے کر بیع سلم کرلی جائے۔ (۲) ربا الفضل: کسی ایسی چیز کو جس میں سود ہو سکتا ہے' اس کی ہم جنس چیز کے عوض اضافے کے ساتھ بیچنا' دونوں کی حرمت پر قرآن و حدیث کے دلائل موجود ہیں۔ اور ربا نسیئہ کی حرمت پر اجماع بھی ہے۔ جس نے ربا الفضل کو جائز قرار دیا ہے اس کا قول شاذ ہے جو بکثرت نصوص کے خلاف ہے بلکہ سود تباہ کن کبیرہ گناہوں میں شامل ہے۔ ﴿فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾

’’جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت آئی۔‘‘ یعنی اللہ نے کسی کو توفیق دی کہ اسے نصیحت کرے‘ جو اس کے لیے رحمت کا باعث ہے اور اس کی وجہ سے اس پر حجت قائم ہوگئی۔ ﴿فَانْتَهٰى﴾ پس اس کے ڈرانے سے وہ سود لینے سے باز آ گیا۔ اس گناہ سے رک گیا تو ﴿فَلَهٗ مَا سَلَفَ﴾ ’’اس کے لیے ہے جو گزرا۔‘‘ یعنی یہ نصیحت کی بات پہنچنے سے پہلے اس نے جو غلط لین دین کیا وہ معاف ہوجائے گا۔ یہ نصیحت قبول کرنے کی جزا ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو باز نہیں آئے گا‘ اسے پہلے اور پچھلے دونوں گناہوں کی سزا ملے گی۔ ﴿وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ﴾ ’’اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے۔‘‘ یعنی اسے سزا دینا اور مستقبل میں اس کے عمل دیکھنا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ﴿وَمَنْ عَادَ﴾ ’’اور جس نے پھر بھی کیا‘‘ دوبارہ سود لیا‘ نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ سودخوری پر اصرار کیا ﴿فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ’’تو وہ جہنمی ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔‘‘

شرک کے علاوہ جن گناہوں کے بارے میں قرآن و حدیث میں دوزخ میں ہمیشہ رہنے کی سزا مذکور ہے۔ ان کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ زیادہ بہتر قول یہ ہے کہ جن اعمال کا نتیجہ اللہ نے دائمی جہنم مقرر کیا ہے یہ اس کا سبب ہیں۔ لیکن سبب کے ساتھ اگر کوئی مانع نہ ہو تو نتیجہ ضرور ظاہر ہوا کرتا ہے۔ قرآن و حدیث اور اجماع سے ثابت ہے کہ توحید اور ایمان جہنم میں ہمیشہ رہنے سے مانع ہیں۔ یعنی یہ عمل ایسا ہے کہ اگر بندہ توحید کا حامل نہ ہوتا تو یہی عمل اسے جہنم میں ہمیشہ رکھنے کا باعث بن سکتا تھا۔ اس کے بعد فرمایا: ﴿يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا﴾ ’’اللہ سود کو مٹاتا ہے۔‘‘ یعنی اسے بھی اور اس کی برکت کو بھی ذاتی اور صفاتی طور پر ختم کرتا ہے۔ یہ آفات کا باعث بنتا ہے اور برکت چھن جانے کا سبب ہوتا ہے۔ اگر اس (حرام کمائی) سے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اسے اس کا کوئی ثواب نہیں ملے گا‘ بلکہ یہ اسے جہنم میں لے جائے گا۔ ﴿وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ ’’اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔‘‘ یعنی جس مال سے صدقہ دیا جائے اس میں برکت نازل فرماتا ہے اور ثواب میں اضافہ کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جزا و سزا عمل کی جنس سے ہوتی ہے۔ سودخور لوگوں پر ظلم کرتا ہے اور ان کے مال غیر شرعی طریقے سے لیتا ہے اس لیے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کا مال تباہ ہوجائے اور جو شخص لوگوں پر کسی بھی انداز سے احسان کرتا ہے‘ اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ سخی ہے۔ جس طرح اس شخص نے اس کے بندوں پر احسان کیا ہے‘ اللہ بھی اس پر احسان کرتا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ﴾ ’’اور اللہ نہیں دوست رکھتا کسی ناشکرے کو۔‘‘ جو اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے اور اللہ کے واجب کیے ہوئے صدقے اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتا‘ اور اللہ کے بندے اس کے شر سے محفوظ نہیں۔ ﴿اَثِيْمٍ﴾ ’’اور گناہ گار کو‘‘ یعنی اس نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے جو اسے سزا ملنے کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب سودخوروں کا ذکر فرمایا۔ اور واضح ہے کہ اگر انہیں ایمان نافع حاصل ہوتا تو ان سے یہ جرم سرزد نہ ہوتا۔ تو اس کے بعد مومنوں کا ذکر فرمایا‘ ان کو ملنے والا ثواب بیان فرمایا اور انہیں ایمان والے کہہ کر

مخاطب فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ سود لینا چھوڑ دیں اگر وہ مومن ہیں۔ ایسے لوگ ہی اللہ کی نصیحتیں قبول کرتے اور اس کے احکامات تسلیم کرتے ہیں۔ اللہ نے انہیں تقویٰ کا حکم دیا ہے اور تقویٰ میں یہ بات بھی شامل ہے کہ موجودہ لین دین کے سلسلے میں جو سود کسی کے ذمہ ہے اسے چھوڑ دیں' وصول نہ کریں۔ باقی رہا وہ سود جو پہلے لیا جا چکا ہے تو اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ جو شخص نصیحت قبول کر کے آئندہ سود لینے سے اجتناب کرے گا' اس کا سابقہ گناہ معاف ہو جائے گا۔ اور جس نے اللہ کی نصیحت قبول نہ کی اور باز نہ آیا وہ اللہ کا مخالف اور اللہ سے جنگ کرنے والا ہے۔ بھلا ایک عاجز ضعیف بندہ اس رب کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔ وہ ظالم کو مہلت تو دیتا ہے' اسے چھوڑتا نہیں۔ ﴿وَاِنْ تُبْتُمْ﴾ "ہاں اگر تم (سود سے) توبہ کر لو" ﴿فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ﴾ "تو تمہارے لیے تمہارا اصل مال ہے۔" یعنی وہ وصول کر لو ﴿لَا تَظْلِمُوْنَ﴾ "نہ تم ظلم کرو۔" کہ اصل قرض سے زیادہ وصول کرو' جو سود ہے۔ ﴿وَلَا تُظْلَمُوْنَ﴾ "اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔" کہ تمہاری اصل رقم میں کمی کی جائے۔ ﴿وَاِنْ كَانَ﴾ "اور اگر کوئی" مقروض ﴿ذُوْ عُسْرَةٍ﴾ "تنگی والا ہو" جسے قرض کی ادائیگی کے لیے مال میسر نہ ہو ﴿فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ﴾ "تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہیے۔" یہ واجب ہے کہ ایسے مقروض کو اتنی مہلت دی جائے کہ اسے قرض واپس کرنے کے لیے مال مل جائے۔ ﴿وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ "اور صدقہ کرو (کہ سارا یا کچھ قرض معاف کر دو) تو تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے۔ اگر تمہیں علم ہو۔"

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ "اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔" یہ آیت مبارکہ قرآن مجید کی ان آیات میں شامل ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئیں۔ اس پر ان احکام اور اوامر و نواہی کو ختم کیا گیا کیونکہ اس میں نیکی پر جزا کا وعدہ ہے' برائی پر سزا کی وعید ہے اور یہ بیان ہے کہ جس شخص کو یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے پاس جانے والا ہے' جو اسے ہر چھوٹے بڑے' ظاہر اور پوشیدہ عمل کی جزا دے گا' اور وہ اس پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرے گا' اس یقین کے نتیجے میں اس کے دل میں رغبت و رہبت (شوق اور خوف) کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب تک دل میں یہ یقین جاگزیں نہ ہو' یہ چیز کسی طرح پیدا نہیں ہو سکتی۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم آپس میں معاملہ کرو ساتھ ادھار کے ایک وقت مقرر تک' تو لکھ لو اسے'

وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ

اور چاہیے کہ لکھے تمہارے درمیان ایک کاتب ساتھ انصاف کے' اور نہ انکار کرے کاتب اس سے کہ لکھے وہ جس طرح سکھایا اسے

اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ

اللہ نے' پس چاہیے کہ لکھے وہ' اور چاہیے کہ لکھوائے وہ شخص کہ اوپر اسکے حق (قرض) ہے' اور چاہیے کہ ڈرے وہ' اللہ اپنے رب سے' اور نہ کم کرے

مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ

اس میں سے کوئی چیز' پھر اگر ہو وہ شخص کہ اوپر اس کے حق (قرض) ہے' بے وقوف یا ضعیف یا نہیں استطاعت رکھتا وہ

اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ

اس بات کی کہ لکھوائے وہ خود' تو چاہیے کہ لکھوائے مختار اس (مقروض) کا ساتھ انصاف کے' اور گواہ بنا لو تم دو گواہ

مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ

اپنے (مسلمان) مردوں میں سے' پس اگر نہ ہوں دو مرد' تو (گواہی دیں) ایک مرد اور دو عورتیں' ان میں سے جنہیں تم پسند کرتے ہو

مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ وَلَا يَاْبَ

گواہوں سے' (یہ اس سبب سے) کہ بھول جائے ایک عورت ان دو میں سے تو یاد کرا دے ایک ان میں سے دوسری کو' اور نہ انکار کریں

الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ؕ

گواہ جب وہ بلائے جائیں' اور نہ اکتاہٹ ہو تمہیں اس سے کہ لکھو تم اس کو' چھوٹا (معاملہ) ہو یا بڑا' اس کے مقرر وقت تک'

ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا

یہ (لکھنا) زیادہ قرین انصاف ہے نزدیک اللہ کے' اور بہت درست رکھنے والا ہے گواہی کو' اور زیادہ قریب ہے اس بات کے کہ نہ شک میں پڑو تم'

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ

مگر یہ کہ ہو سودا ہاتھوں ہاتھ کہ لیتے دیتے ہو تم اسے آپس میں' تو نہیں تم پر کوئی گناہ

اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ وَاِنْ

یہ کہ نہ لکھو تم اس کو' اور گواہ بنا لو جب تم آپس میں سودا کرو' اور نہ نقصان پہنچایا جائے کاتب کو اور نہ گواہ کو' اور اگر

تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ

تم ایسا کرو گے تو بے شک یہ نافرمانی ہے (جس کا گناہ ہوگا) تمہیں اور ڈرو اللہ سے' اور تمہیں سکھلاتا ہے اللہ'

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٢٨٢﴾

اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

یہ آیت (آیت دَیْن) ''قرض کے مسائل والی آیت'' کے نام سے معروف ہے۔ یہ قرآن مجید کی سب سے طویل آیت ہے۔ اس میں بڑے عظیم مسائل بیان ہوئے ہیں جو بے شمار عظیم فوائد پر مشتمل ہیں۔

(۱) اس سے قرض کی تمام صورتوں مثلاً سلم وغیرہ کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرض کا ذکر کیا ہے

جو مومنوں میں رائج تھا' اس کے مسائل بیان کیے ہیں' جس سے ان کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ (۲۔۳) بیع سلم میں مدت ضروری ہے اور وہ مدت متعین ہونی چاہیے اس لیے نہ تو نقد بیع سلم درست ہے' نہ اس صورت میں جب کہ اس کی مدت مقرر نہ ہو۔ (۴) تمام قرض وغیرہ کے معاملات لکھنا شرعاً مطلوب ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ واجب ہے یا مستحب۔ اس کی مشروعیت میں یہ حکمت ہے کہ لوگوں کو اس کی سخت ضرورت ہے۔ اور نہ لکھنے کی صورت میں غلطی' بھول' اختلاف اور جھگڑا واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔ (۵) کاتب کو حکم ہے کہ وہ لکھے۔ (۶) کاتب کو عادل (قابل اعتماد) ہونا چاہیے۔ تاکہ اس کی تحریر پر اعتبار کیا جا سکے۔ فاسق کے نہ قول کا اعتبار ہے نہ لکھنے کا۔ (۷) کاتب پر فرض ہے کہ فریقین کے درمیان انصاف سے کام لے۔ وہ رشتہ داری' دوستی وغیرہ کی وجہ سے کسی ایک فریق کی طرف مائل نہ ہو۔ (۸) کاتب کا ایسی تحریریں لکھنے کے طریق کار سے' اور فریقین کے لیے جو کچھ واجب ہے اور جس چیز سے تحریر قابل اعتماد بنتی ہے ان سب امور سے باخبر ہونا ضروری ہے۔ ان مسائل کی دلیل یہ فرمان الٰہی ہے۔ ﴿وَلۡيَكۡتُب بَّيۡنَكُمۡ كَاتِبُۢ بِٱلۡعَدۡلِ﴾ ''اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے''(۹) جب کوئی ایسی تحریر موجود ہو' جس کی کتابت معروف عادل (قابل اعتماد) آدمی کے ہاتھ کی ہو' تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ اگرچہ لکھنے والا اور گواہ فوت ہو چکے ہوں۔ (۱۰) اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَا يَأۡبَ كَاتِبٌ أَن يَكۡتُبَ﴾ ''کاتب کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے'' یعنی جس پر اللہ نے یہ احسان کیا ہے کہ اسے لکھنے کا علم عطا فرمایا ہے' اسے بھی اللہ کے ان بندوں پر احسان کرنا چاہیے جو اس سے لکھوانے کے محتاج ہیں۔ لہٰذا ان کو لکھ کر دینے سے انکار نہ کرے۔ (۱۱) کاتب کو حکم ہے کہ صرف وہی چیز لکھے' جس کو وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق ہے۔ (۱۲) فریقین میں سے لکھوانے کی ذمہ داری اس کی ہے جس کے ذمہ قرض ہے۔ (۱۳) اسے حکم ہے کہ پورا حق بیان کرے' اس میں کچھ نہ چھپائے۔ (۱۴) انسان کا اپنے بارے میں اقرار شرعاً معتبر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مقروض کو حکم دیا ہے کہ وہ کاتب کو لکھوائے' جب وہ اس کے اقرار کے مطابق لکھے گا تو اس کا مضمون اور اس کے نتائج بھی معتبر ہوں گے۔ اگرچہ بعد میں غلطی لگ جانے کا یا بھول جانے کا دعویٰ کرے۔ (۱۵) قول اس کا معتبر ہوگا جس کے ذمے کوئی حق ہے کہ بیع شدہ چیز کی مقدار' صفت' قلت' کثرت' اور مقررہ مدت کیا ہے۔ جس کا حق ہے (قرض خواہ) اس کا قول معتبر نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو حکم دیا ہے کہ جتنا حق ہے' اس سے کم نہ لکھوائے' اس کی وجہ یہی ہے کہ مقدار اور وصف میں اس کا قول معتبر ہے۔ (۱۶) جس کے ذمہ حق ہے اس پر حرام ہے کہ مقدار میں' عمدگی اور ظاہری اچھائی میں' یا مدت وغیرہ میں کمی کرے۔ (۱۷) جو شخص کسی عذر مثلاً کم سنی' کم عقلی' گونگا ہونا وغیرہ کی وجہ سے خود نہ لکھوا سکے تو لکھوانے اور اقرار کا کام اس کا سرپرست اس کا نائب ہونے کی حیثیت سے کرے گا۔ (۱۸) جو عدل اس پر واجب ہے جس کے ذمے حق ہے' وہی عدل اس کے سرپرست پر واجب

ہے۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿بِالْعَدْلِ﴾ ''عدل کے ساتھ'' (۱۹) سرپرست کا عادل ہونا شرط ہے۔ کیونکہ عدل کے ساتھ لکھوانا فاسق سے نہیں ہوسکتا۔ (۲۰) مالی معاملات میں سرپرستی کا ثبوت۔ (۲۱) حق بچے، کم عقل، مجنون اور کمزور کے ذمے واجب ہوتا ہے اس کے سرپرست کے ذمے نہیں ہوتا۔ (۲۲) بچے، کم عقل، مجنون وغیرہ کا اقرار اور تصرف صحیح نہیں کیونکہ اللہ نے لکھوانے کی ذمہ داری ولی (سرپرست) پر ڈالی ہے۔ ان معذور افراد کے ذمہ نہیں۔ اس میں ان پر لطف و رحمت ہے، اور ان کے مال کا ضائع ہونے سے بچاؤ ہے۔ (۲۳) مذکورہ افراد کے مال میں ولی (سرپرست) کا تصرف (قانوناً) درست ہے۔ (۲۴) انسان کے لیے ایسے معاملات کا جاننا مشروع ہے جس سے قرض کا لین دین کرنے والوں کا ایک دوسرے پر اعتماد رہتا ہے۔ لہٰذا اصل مقصود معاملے کا قابل اعتبار رکھنا اور انصاف ہے۔ اور جس عمل کے بغیر مشروع کام پر عمل نہ کیا جا سکے، وہ عمل بھی مشروع ہوتا ہے۔ (۲۵) کتابت سیکھنا فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرض وغیرہ کے معاملات لکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ کام کتابت سیکھے بغیر نہیں ہوسکتا۔ (۲۶) لین دین کے معاہدوں پر گواہ بنانا مشروع ہے۔ اور یہ مشروعیت مندوب کے درجے میں ہے۔ کیونکہ اس حکم کا مقصد حقوق کی حفاظت کا طریقہ بتانا ہے۔ اور اس میں آخر کار مکلف افراد ہی کا فائدہ ہے۔ ہاں اگر تصرف کرنے والا یتیم کا سرپرست ہو یا کسی وقف کا نگران ہو یا اسی قسم کا کوئی معاملہ ہو جس کی حفاظت واجب ہو۔ تب حق کو محفوظ رکھنے والی یہ گواہی واجب ہو جائے گی۔ (۲۷) مالی معاملات میں گواہوں کی کم از کم مطلوب تعداد یہ ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک گواہ کی موجودگی میں مدعی کی ایک قسم سے بھی فیصلہ ہوسکتا ہے۔ (۲۸) بچوں کی گواہی معتبر نہیں۔ کیونکہ (رجل) ''مرد'' کے لفظ سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ (۲۹) مال وغیرہ کے معاملات میں صرف عورتوں کی گواہی قبول نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مرد کے ساتھ ہی گواہ کے طور پر قبول کیا ہے۔ البتہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام اس حکمت کی وجہ سے قرار دیا ہے جو آیت میں مذکور ہے۔ اور یہ حکمت مرد کی موجودگی اور غیر موجودگی دونوں صورتوں میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔ (۳۰) بالغ غلام کی گواہی بھی بالغ آزاد لوگوں کی طرح مقبول ہے کیونکہ اللہ کے اس فرمان میں عموم ہے: ﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِن رِّجَالِكُمْ﴾ ''اور اپنے مردوں میں سے دو مرد گواہ رکھ لو۔'' اور بالغ غلام ''ہمارے مردوں'' میں شامل ہے۔ (۳۱) غیر مسلم مرد ہوں یا عورتیں، ان کی گواہی قبول نہیں۔ کیونکہ وہ ہم میں شامل نہیں۔ علاوہ ازیں گواہی کا دارومدار ''عدل'' (نیک قابل اعتماد) ہونے پر ہے۔ اور غیر مسلم ''عدل'' نہیں۔ (۳۲) اس سے مرد کا عورت سے افضل ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اور ایک مرد کو دو عورتوں کے مقابلے میں رکھا گیا ہے کیونکہ مرد کا حافظہ مضبوط ہوتا ہے، عورت کا کمزور۔ (۳۳) جو شخص گواہی بھول جائے، اور اسے یاد دلانے پر یاد آ جائے، تو اس کی گواہی قبول ہے کیونکہ ارشاد ہے: ﴿فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ﴾

''ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے۔'' (۳۴) اس سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ جب گواہ کو واجب حقوق سے تعلق رکھنے والی گواہی بھول جانے کا خطرہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ اسے لکھ لے۔ کیونکہ جس عمل کے بغیر واجب ادا نہ ہو سکے، وہ بھی واجب ہوتا ہے۔ (۳۵) جب گواہ کو گواہی دینے کے لیے بلایا جائے تو اگر اسے کوئی عذر لاحق نہ ہو تو اسے گواہی دینا واجب ہے۔ اس سے انکار کرنا ناجائز ہے۔ کیونکہ ارشاد ہے: ﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ إِذَا مَا دُعُوْا﴾ ''اور گواہوں کو چاہیے کہ وہ جب بلائے جائیں تو انکار نہ کریں۔'' (۳۶) جس شخص میں ایسی صفات موجود نہ ہوں جن کی بنیاد پر گواہی قبول کی جاتی ہے، تو اس پر گواہی کے لیے حاضر ہونا واجب نہیں، کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں اور وہ گواہوں میں شامل بھی نہیں۔ (۳۷) قرض چھوٹے ہوں یا بڑے سب لکھنے چاہئیں۔ مدت اور شروط و قیود لکھنا بھی ضروری ہیں۔ اس سے اکتاہٹ کا اظہار کرنا ممنوع ہے۔ (۳۸) آیت معاملات میں تحریر اور گواہی کی حکمت بیان کرتی ہے۔ ارشاد ہے: ﴿ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰى اَلَّا تَرْتَابُوْا﴾ ''اللہ کے نزدیک یہ بات زیادہ انصاف والی ہے اور گواہی کو درست رکھنے والی اور شک وشبہ سے زیادہ بچانے والی ہے'' یعنی اس میں انصاف پایا جاتا ہے جس سے بندوں کے اور سب کے معاملات درست رہتے ہیں اور تحریری شہادت زیادہ پختہ زیادہ کامل، شک وشبہ سے زیادہ دور رکھنے والی اور جھگڑے سے بچانے والی ہے۔ (۳۹) اس سے یہ بھی مسئلہ نکلتا ہے کہ جسے گواہی میں شک ہو جائے، اسے گواہی دینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس کے لیے یقین ضروری ہے۔ (۴۰) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا﴾ اگر تجارت دست بدست اور نقد ہو تو نہ لکھنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ اس میں تحریر کی ضرورت اتنی شدید نہیں۔ (۴۱) نقد لین دین میں تحریر نہ کرنا تو جائز ہے۔ تاہم اس میں گواہ بنانا مشروع ہے کیونکہ فرمایا: ﴿وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ﴾ ''خرید وفروخت کے وقت گواہ مقرر کر لیا کرو۔'' (۴۲) کاتب کو تنگ کرنا منع ہے۔ مثلاً اسے اس وقت طلب کیا جائے جب وہ کسی اور کام میں مشغول ہو، یا جس وقت اسے حاضر ہونے میں مشقت ہو۔ (۴۳) گواہ کو بھی تنگ کرنا منع ہے مثلاً اسے اس وقت گواہ بننے کے لیے یا گواہی دینے کے لیے بلایا جائے جب وہ بیمار ہو، یا ایسے کام میں مشغول ہو، جسے چھوڑ کر آنے میں پریشانی اور مشقت ہو۔ یہ اس صورت میں ہے جب ﴿وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ﴾ ''نہ لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو'' میں لفظ (یضار) کو مجہول قرار دیا جائے۔ اور اگر اسے فعل معروف سمجھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ گواہ اور کاتب کے لیے صاحب حق کو تنگ کرنے کے لیے گواہی یا کتابت سے انکار کرنا، یا بہت زیادہ اجرت طلب کرنا منع ہے، اس صورت میں انہیں فائدہ نمبر ۴۲ اور نمبر ۴۳ شمار کیا جا سکتا ہے۔ (۴۶) ان حرام کاموں کا ارتکاب فسق ہے کیونکہ ارشاد ہے: ﴿وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌ بِكُمْ﴾ ''اگر تم یہ کرو تو یہ تمہاری کھلی نافرمانی ہے۔'' (۴۷) فسق، ایمان، نفاق، عداوت، محبت وغیرہ

جیسے اوصاف کسی بھی انسان میں کم یا زیادہ مقدار میں ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک آدمی میں فسق وغیرہ کا مادہ موجود ہو اور اسی طرح ایمان یا کفر کا مادہ موجود ہو۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ﴾ ''یہ تمہارے اندر نافرمانی ہے'' یہ نہیں فرمایا: (فَاَنْتُمْ فَاسِقُوْن) ''تم فاسق ہو'' (۴۸) یہ نکتہ پہلے بیان ہونا چاہیے تھا کیونکہ وہاں اس کی مناسب جگہ تھی۔ وہ یہ ہے کہ گواہ عادل (نیک اور قابل اعتماد) ہونا چاہیے کیونکہ ارشاد ہے: ﴿مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ﴾ ''جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرو۔'' (۴۹) عدالت (قابل اعتماد ہونا) اس میں ہر زمانے اور ہر مقام کا عرف معتبر ہے۔ جو شخص لوگوں کے نزدیک قابل اعتبار ہو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ (۵۰) اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کا عادل یا فاسق ہونا معلوم نہ ہو۔ اس کی گواہی بھی قبول نہیں، حتیٰ کہ اس کے نیک ہونے کی تصدیق ہو جائے۔ موجود حالات میں ناقص سمجھ کے مطابق یہ مسائل اخذ کیے گئے ہیں۔ اللہ کے کلام میں اور بہت سی حکمتیں اور اسرار ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے ان کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ

اور اگر ہو تم سفر میں اور نہ پاؤ تم کوئی کاتب' تو رہن (کے طور پر) قبضے میں دیدی جائے (کوئی چیز)' پس اگر امین سمجھے

بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا

بعض تمہارا بعض کو تو چاہیے کہ ادا کر دے وہ شخص کہ جس کو امین سمجھا گیا ہے' امانت اسکی' اور چاہیے کہ ڈرے وہ اللہ سے اپنے رب سے' اور نہ

تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ

چھپاؤ تم گواہی کو' اور جو شخص چھپائے گا اس (گواہی) کو' تو بلاشبہ وہ شخص' گناہ گار ہے دل اس کا

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝۲۸۳ ع

اور اللہ ان کو جو تم عمل کرتے ہو خوب جاننے والا ہے ○

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم سفر میں ہو' ﴿وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا﴾ ''اور تمہیں کاتب نہ ملے'' جو تمہارے لیے تحریر لکھ دے' جس سے بات پکی اور قابل اعتماد ہو جائے ﴿فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ﴾ ''تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو۔'' صاحب حق (قرض خواہ) اسے قبضہ میں رکھے' اور یہ اس کے اطمینان کا باعث (اور ضمانت کے طور پر) رہے حتیٰ کہ اس کا حق (قرض) اسے واپس مل جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر رہن (گروی رکھی ہوئی چیز) پر قرض خواہ کا قبضہ نہ ہو تو اس سے ضمانت نہیں بنتی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر راہن (رہن والی چیز کا مالک) اور مرتہن (رہن رکھ کر قرض دینے والا) رہن شدہ چیز کی مقدار میں اختلاف کریں تو مرتہن کا قول قبول کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرض خواہ کے اعتبار کے لیے رہن کو تحریر کا قائم مقام بنا دیا ہے۔ اگر رہن شدہ چیز کی قیمت کے بارے میں مرتہن کی بات نہ مانی جائے تو رہن کا مقصود (اعتماد اور اطمینان) حاصل نہیں ہو گا۔ کیونکہ رہن

کا مقصد اعتماد و اعتبار ہے۔ اس لیے یہ سفر اور حضر (دونوں صورتوں) میں جائز ہے۔ آیت میں سفر کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کی ضرورت سفر میں زیادہ پیش آ سکتی ہے کیونکہ سفر میں ہو سکتا ہے کاتب میسر نہ ہو۔ یہ حکم تب ہے کہ جب صاحب حق (قرض خواہ) اپنے حق (قرض) کے بارے میں تسلی کرنا چاہتا ہے۔ اگر صاحب حق کو مقروض سے کوئی خطرہ نہ ہو اور وہ بغیر رہن کے معاملہ کرنا چاہے تو مقروض کو چاہیے کہ قرض پورا پورا ادا کرے۔ نہ ظلم کرے نہ اس کی حق تلفی کرے ﴿وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے۔'' حق ادا کرے۔ اور جس نے اس کے بارے میں حسن ظن رکھا اس کی نیکی کا اچھا بدلہ دے۔ ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ﴾ ''اور گواہی کو مت چھپاؤ۔'' کیونکہ حق کا دارومدار گواہی پر ہے۔ اس کے بغیر حق ثابت نہیں ہوتا۔ لہٰذا اسے چھپانا عظیم ترین گناہ ہے۔ کیونکہ اس نے سچی بات بتانے کا فریضہ ترک کر کے جھوٹ بولا۔ جس کے نتیجے میں حق والے کا حق مارا گیا۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ ''اور جو کوئی اسے چھپا لے وہ گناہ گار دل والا ہے۔ اور جو تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔'' اللہ نے اپنے بندوں کو یہ جو عمدہ مسائل بتائے ہیں ان میں بہت سی حکمتیں اور عام فوائد موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر بندے اللہ کی ہدایات پر عمل کریں تو ان کا دین درست ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا بھی سنور جائے۔ کیونکہ ان میں انصاف' فائدہ' حقوق کی حفاظت اور لڑائی جھگڑے کا خاتمہ' اور معاشی معاملات کی درستی پائی جاتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے جیسے اس کے چہرہ اقدس کے جلال اور عظیم سلطنت کے لائق ہے۔ ہم اس کی کما حقہ تعریف کرنے سے قاصر ہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ

اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور اگر ظاہر کرو تم اس کو جو تمہارے دلوں میں ہے

اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ

یا چھپاؤ تم اس کو' حساب لے گا تم سے اس کا اللہ' پھر بخش دے گا وہ جس کو چاہے گا اور عذاب دے گا

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۲۸۴

جس کو چاہے گا' اور اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے ○

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ سب کو اسی نے پیدا کیا' رزق دیا' ان کے دینی اور دنیوی فوائد کا بندوبست فرمایا۔ چنانچہ وہ سب اس کی ملکیت اور اس کے غلام ہیں۔ وہ اپنی ذات کے لیے نفع کا اختیار رکھتے ہیں نہ نقصان کا' نہ موت کا نہ حیات کا' نہ مر کر جینے کا۔ وہ ان کا رب ہے' ان کا مالک ہے' جو اپنی حکمت' عدل اور احسان کے مطابق ان میں جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ اس نے انہیں کچھ کاموں کا حکم دیا ہے' کچھ کاموں سے منع فرمایا۔ لہٰذا وہ ان سے ان کے ظاہر اور پوشیدہ اعمال کا حساب لے گا۔ ﴿فَيَغْفِرُ لِمَنْ

﴿يَشَآءُ﴾ ''پھر جسے چاہے گا بخشے گا۔'' یعنی جس کے پاس مغفرت کے اسباب موجود ہوں گے۔ ﴿وَيُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ﴾ ''اور جسے چاہے گا سزا دے گا۔'' اسے ان گناہوں کی سزا ملے گی' جن کی معافی کے اسباب حاصل نہیں ہوئے۔ ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' کوئی چیز اس کے بس سے باہر نہیں۔ بلکہ تمام مخلوقات اس کے غلبہ' مشیت' تقدیر اور جزا و سزا کے قوانین کے ماتحت ہیں۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

ایمان لائے رسول (ﷺ) ساتھ اس (کتاب) کے جو نازل کی گئی انکی طرف انکے رب کی طرف سے اور سارے مومن بھی' سب ایمان لائے ساتھ اللہ کے

وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟

اور اسکے فرشتوں کے اور اسکی کتابوں کے اور اسکے رسولوں کے' (کہتے ہیں) ہم نہیں تفریق کرتے درمیان کسی کے' اسکے رسولوں میں سے

وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿٢٨٥﴾

اور کہا انہوں نے سنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے' (ہم طلب کرتے ہیں) تیری مغفرت' اے ہمارے رب! اور تیری ہی طرف ہے لوٹنا○

اللہ تعالیٰ رسولوں اور مومنوں کے ایمان' اطاعت اور طلب مغفرت کا ذکر فرماتا ہے کہ وہ لوگ اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس میں ان تمام صفات کمال و جلال پر ایمان لانا داخل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں بتائی ہیں اور رسولوں نے بتائی ہیں۔ ان پر اجمالاً اور تفصیلاً ایمان رکھنا' اور اللہ کی ذات کو تشبیہ و تمثیل' تعطیل اور تمام صفات نقص سے پاک ماننا بھی شامل ہے۔ شریعتوں میں جن فرشتوں کا ذکر کیا گیا ہے' ان سب پر اجمالاً اور تفصیلاً ایمان رکھنا' رسولوں کی بتائی ہوئی اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں میں موجود تمام خبروں اور احکامات پر ایمان رکھنا بھی شامل ہے۔ مومن رسولوں میں تفریق نہیں کرتے' بلکہ تمام انبیاء و رسل پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ وہ اللہ اور بندوں کے درمیان واسطہ ہیں (جن کے ذریعے ہمیں اللہ کے اوامر و نواہی کا علم ہوتا ہے) لہٰذا کسی نبی کا انکار کرنا تمام نبیوں کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔ ﴿وَقَالُوْا سَمِعْنَا﴾ ''انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا۔'' یعنی اے اللہ تو نے ہمیں جن کاموں کا حکم دیا ہے اور جن سے منع کیا ہے ہم نے انہیں توجہ سے سن لیا ہے ﴿وَاَطَعْنَا﴾ ''اور ہم نے اطاعت کی'' یہ تمام احکام تسلیم کر لیے۔ ان لوگوں میں شامل نہیں ہوئے جنہوں نے کہا تھا: ﴿سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ (البقرہ: ۹۳/۲) ''ہم نے سنا اور ہم نے نافرمانی کی۔'' کیونکہ بندے سے اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو ہی جاتی ہے' لہٰذا اسے ہمیشہ اس کی مغفرت کی ضرورت رہتی ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں ﴿غُفْرَانَكَ﴾ ''تیری بخشش'' یعنی ہم سے جو کوتاہی اور گناہ ہوئے ہیں' ہم تجھ سے ان کی بخشش طلب کرتے ہیں۔ اور ہم جن عیوب میں ملوث ہوئے ہیں' ان گناہوں کو مٹا دینے کی درخواست کرتے ہیں۔ ﴿وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ﴾ ''اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔'' یعنی تمام مخلوقات واپس

تیرے پاس ہی پہنچیں گی۔ پھر تو ان کے اچھے اور برے اعمال کا بدلہ دے گا۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ

نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی نفس کو مگر اس کی وسعت کے مطابق ہی واسطے اسی کے ہے جو کمائی اس نے (بھلائی) اور اسی پر ہے وبال جو کمائی اس نے (برائی)

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا

اے ہمارے رب! نہ مؤاخذہ کرنا ہمارا اگر ہم بھول جائیں یا ہم چوک جائیں اے ہمارے رب! نہ ڈالیو ہم پر ایسا بھاری بوجھ جیسا کہ

حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ

ڈالا تو نے وہ اوپر ان لوگوں کے جو ہم سے پہلے تھے اے ہمارے رب! اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ کہ نہیں طاقت ہمیں اس (کے اٹھانے) کی

وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا

اور درگزر فرما ہم سے اور بخش دے ہمیں اور رحم فرما ہم پر تو ہی کارساز ہے ہمارا

فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٢٨٦﴾ ع

پس تو مدد فرما ہماری اوپر کافر قوم کے ○

جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ ''تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے۔ تم اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ اللہ اس کا حساب تم سے لے گا'' تو مسلمان بہت پریشان ہوئے کیونکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ دل میں جس قسم کے خیالات ہوں خواہ وہ پختہ یقین کی صورت میں ہوں' یا عارضی خیالات' دل میں جاگزین ہوں یا آکر گزر جانے والے' سب کا مواخذہ ہوگا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کا مکلف نہیں فرماتا۔ ان کاموں کا حکم دیتا ہے جو وہ کرسکتا ہو۔ ان کا حکم نہیں دیتا جو اس کی طاقت سے بڑھ کر ہوں۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج: ۲۲/۷۸) ''اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی'' اوامر ونواہی بنیادی طور پر ایسے نہیں جو انسانوں کے لیے انتہائی دشوار ہوں۔ بلکہ یہ تو روح کی غذا' بدن کی دوا اور نقصان سے بچاؤ کا ذریعہ ہیں۔ اللہ نے بندوں کو جن کاموں کا حکم دیا ہے' وہ رحمت اور احسان کی بنا پر دیا ہے۔ اس کے باوجود جب کوئی عذر پیش آجائے جس سے مشقت کا اندیشہ ہو تو اللہ تعالیٰ تخفیف اور آسانی فرمادیتا ہے۔ کبھی تو اس عمل کو مکلف کے ذمہ سے مکمل طور پر ساقط فرمادیتا ہے۔ کبھی اس کا کچھ حصہ معاف کردیتا ہے۔ جیسے بیمار اور مسافر کے لیے بعض احکام میں تخفیف کردی گئی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ہر کسی کو وہی نیکی ملے گی جو اس نے کمائی' اور اس کے ذمے وہی گناہ لکھا جائے گا جس کا اس نے ارتکاب کیا۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' اور کسی کی وجہ سے دوسرے کی نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی۔ نیکی میں (كَسَبَتْ) کا لفظ فرمایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو نیکی معمولی سی کوشش سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات صرف نیت کی وجہ سے ہی ثواب مل جاتا ہے۔ جبکہ گناہ کے

لیے (اکْتَسَبَتْ) کا لفظ فرمایا گیا ہے۔ جس میں یہ ارشاد ہے کہ انسان کے ذمے گناہ اس وقت تک نہیں لکھا جاتا' جب تک وہ اس کا ارتکاب نہ کرلے اور اس کی کوشش نہ کی جائے۔ جب اللہ نے رسول اور مومنوں کے ایمان کا ذکر فرمایا' اور بتایا کہ انسان سے کوتاہی' غلطی اور بھول چوک کا صدور ممکن ہے اور یہ بتایا کہ اس نے ہمیں صرف ایسے اعمال کا حکم دیا ہے جس کو انجام دینے کی طاقت ہم میں موجود ہے' تو اس کے بعد بتایا کہ مومن بھی یہ دعا کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول کرکے فرمایا: ''میں نے یہ کر دیا۔'' ارشاد ہے: ﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا﴾ ''اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو' تو ہمیں نہ پکڑنا'' بھول اور غلطی میں فرق یہ ہے کہ نسیان (بھول) کا مطلب ہوتا ہے' مامور کام کا دل سے فراموش ہو جانا' اور بھول جانے کی وجہ سے اس عمل کا چھوٹ جانا۔ خطا (غلطی) یہ ہوتی ہے کہ انسان ایک جائز کام کا ارادہ کرے' لیکن اس سے کام اس انداز سے واقع ہو جائے جو جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر رحمت اور احسان فرماتے ہوئے اس سے واقع ہونے والے یہ دونوں طرح کے کام معاف فرما دیے۔ اس اصول کی روشنی میں کہا جاتا ہے کہ جو شخص چھینٹے ہوئے یا ناپاک کپڑے پہن کر نماز پڑھے۔ بدن پر سے نجاست دور کرنا بھول گیا ہو' یا نماز کے دوران بھول کر کسی سے بات کرلے۔ یا روزے کے دوران بھول کر کچھ کھالے' یا احرام کے دوران بھول کر کوئی ممنوع کام کرلے' بشرطیکہ اس میں کسی جان دار کی ہلاکت شامل نہ ہو۔ تو اس کی یہ غلطیاں معاف ہیں۔ اسی طرح اگر ایک کام نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہو' پھر بھول کر وہ کام کرلے۔ اس طرح اگر غلطی سے کسی کی جان یا مال کا نقصان کر بیٹھے تو اس کو گناہ نہیں ہوگا۔ نقصان پورا کرنے کے لیے ادائیگی کرنے کا تعلق نقصان کرنے سے ہے (ارادہ یا بھول وغیرہ سے نہیں) اس طرح جن موقعوں پر (بسم اللہ) پڑھنا واجب ہے۔ اگر وہاں (بسم اللہ) پڑھنا بھول جائے تو کام درست سمجھا جائے گا۔ ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا﴾ ''اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا'' اس سے مشکل احکام مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ درخواست قبول فرمالی اور اس امت پر طہارت اور عبادت کے مسائل میں ایسی نرمی فرما دی' جو کسی اور امت پر نہیں فرمائی تھی۔ ﴿رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ﴾ ''اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو'' اللہ نے یہ درخواست بھی قبول فرمالی۔ وله الحمد ﴿وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا﴾ ''اور ہم سے درگزر فرما' ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر'' معافی اور بخشش کے نتیجے میں مصائب اور شر دور ہوتے ہیں۔ اور رحمت کے نتیجے میں معاملات درست ہوتے ہیں۔ ﴿اَنْتَ مَوْلٰىنَا﴾ ''تو ہمارا مولیٰ ہے'' یعنی ہمارا رب' ہمارا بادشاہ اور ہمارا معبود ہے۔ جب سے تو نے ہمیں پیدا فرمایا تیری مدد اور توفیق ہمیں حاصل رہی ہے۔ تیری نعمتیں ہر وقت مسلسل ہمیں مل رہی ہیں۔ پھر تو نے ہم پر ایک عظیم احسان کیا کہ اسلام کی نعمت عطا فرما دی۔ باقی

سب نعمتیں اس کے تابع ہیں۔ اس لیے اے ہمارے مالک اور ہمارے مولیٰ ہم تجھ سے اس نعمت کی تکمیل کا سوال کرتے ہیں کہ ان کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما جنہوں نے تیرے ساتھ کفر کیا' تیرے نبیوں کا انکار کیا' تیرا دین ماننے والوں سے مقابلہ کیا' تیرے احکامات کو پس پشت ڈالا۔ لہٰذا دلیل و برہان اور شمشیر و سنان کے ساتھ ہماری مدد فرما۔ ہمیں زمین میں شوکت عطا فرما۔ ان کو ذلیل کر دے۔ ہمیں ایسا ایمان اور ایسے اعمال نصیب فرما' جن کی برکت سے فتح حاصل ہوتی ہے۔ آمین والحمدلله رب العالمین۔

تفسیر سورۃ آل عمران

سورۃ آل عمران (۳) مدنیۃ (۸۹) — آیاتھا ۲۰۰ — رکوعاتھا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ﴿۲﴾ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ

الٓمّٓ ○ اللہ' نہیں کوئی معبود سوائے اس کے' زندہ ہے' سب کو سنبھالنے والا ○ نازل کی اس نے آپ پر کتاب ساتھ حق کے'

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ

تصدیق کرنے والی ہے ان (کتابوں) کی جو اس سے پہلے تھیں' اور اس نے نازل کی تورات اور انجیل ○ اس سے پہلے'

هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ

ہدایت کے لئے واسطے لوگوں کے' اور نازل کیا اس نے فرقان' بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ساتھ اللہ کی آیتوں کے واسطے ان کے

عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ

عذاب شدید ہے' اور اللہ غالب ہے بدلہ لینے والا ○ بے شک اللہ' نہیں مخفی اس پر کوئی چیز

فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ ﴿۵﴾ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ

زمین میں اور نہ آسمان میں ○ وہی ہے جو صورتیں بناتا ہے تمہاری رحموں میں جس طرح چاہتا ہے'

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶﴾

نہیں کوئی معبود مگر وہی' غالب ہے' خوب حکمت والا ○

اس سورت کی شروع کی اسی (۸۰) سے زیادہ آیات عیسائیوں سے مباحثہ' ان کے مذہب کی تردید اور انہیں سچے دین یعنی اسلام کو قبول کرنے کی دعوت پر مشتمل ہیں۔ جس طرح سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات یہود سے مناظرہ پر مشتمل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اپنی الوہیت کے اعلان سے شروع کی ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ وہی ایسا معبود ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ عبادت صرف اسی کی' اور اسی کے لیے ہونی چاہیے۔ لہٰذا اس کے سوا جس معبود

کی بھی پوجا کی جاتی ہے وہ باطل ہے۔ اللہ ہی سچا معبود ہے جو الوہیت کی تمام صفات سے موصوف ہے جن سب کا تعلق حیات اور قیومیت کی صفات سے ہے۔ ﴿الْحَيُّ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اسے عظیم ترین اور کامل ترین حیات کی صفات حاصل ہیں' جو ان تمام صفات کو مستلزم ہیں جن کے بغیر صفات حیات کی تکمیل نہیں ہوتی۔ مثلاً سمع' بصر' قدرت' قوت' عظمت' بقا' دوام اور غلبہ ﴿الْقَيُّومُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود بخود قائم ہے لہٰذا تمام مخلوقات سے بے پرواہ ہے۔ اور وہ سب کو قائم رکھنے والا ہے اس لیے تمام مخلوقات وجود میں آنے' تیار ہونے اور ترقی کرنے میں اس کی محتاج ہیں۔ وہی تمام مخلوقات کا مدبر اور ان میں تصرف کرنے والا ہے۔ جسموں' روحوں اور دلوں کے تمام معاملات اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کی قیومیت اور رحمت کی بنا پر اس نے اپنے رسول محمد ﷺ پر وہ کتاب نازل کی' جو سب سے عظیم کتاب ہے' جس کی خبریں اور احکام سب حق ہیں۔ اس نے جو خبریں دی ہیں وہ سچی ہیں۔ جو اس نے حکم دیے ہیں وہ انصاف پر مبنی ہیں۔ اس نے حق کے ساتھ یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے تاکہ بندے اس کتاب کا علم حاصل کریں اور اپنے رب کی عبادت کریں۔ ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ ''جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرنے والی ہے'' یعنی گزشتہ کتابوں کی تائید کرتی ہے جس مسئلہ کے حق میں قرآن فیصلہ دے وہی مقبول ہے' اور جس کی یہ تردید کرے وہی ناقابل قبول ہے۔ یہ ان تمام مسائل کے مطابق ہے جن پر تمام رسولوں کا اتفاق ہے۔ ان سے اس کا سچا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اہل کتاب جب تک قرآن پر ایمان نہ رکھیں تب تک اپنی کتابوں کو سچا نہیں مان سکتے۔ کیونکہ قرآن کا انکار ان کتابوں پر ایمان کو کالعدم کر دیتا ہے۔ ﴿وَأَنزَلَ التَّوْرَاةَ﴾ ''اس نے (موسیٰ علیہ السلام پر) تورات'' اور عیسیٰ علیہ السلام پر ﴿وَالْإِنجِيلَ﴾ ''انجیل کو اتارا تھا'' ﴿مِن قَبْلُ﴾ ''اس قرآن کو نازل کرنے سے پہلے''۔ ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ لوگوں کو ہدایت کرنے والی بنا کر'' ہدایت کی صفت ان تمام کے لیے ہے یعنی اللہ نے قرآن' تورات اور انجیل کو لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے رہنما بنا کر نازل کیا تھا۔ جس نے اللہ کی یہ ہدایت قبول کر لی' وہ ہدایت یافتہ ہوا۔ اور جس نے قبول نہ کیا وہ گمراہ رہا۔ ﴿وَأَنزَلَ الْفُرْقَانَ﴾ ''اور اس نے فرقان کو نازل کیا'' یعنی دلائل و براہین قاطعہ' جن سے تمام مقاصد و مطالب پایہ ثبوت کو پہنچ جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس نے مخلوق کی ضرورت کے مطابق تفصیل و تفسیر بیان کی ہے۔ جس سے احکام و مسائل نہایت واضح ہو گئے ہیں۔ لہٰذا کسی کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ اور اس پر ایمان نہ لانے والے کسی شخص کے پاس کوئی حجت و دلیل باقی نہیں رہی۔ اس لیے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ﴾ ''جو لوگ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں'' حالانکہ اللہ نے انہیں خوب واضح فرما دیا اور تمام شبہات کو دور فرما دیا ہے۔ ﴿لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ ''ان کے لیے سخت عذاب ہے'' جس کی شدت کا اندازہ کرنا ممکن نہیں' اور جس کی حقیقت و کیفیت معلوم نہیں ہو سکتی۔ ﴿وَاللَّهُ عَزِيزٌ﴾ ''اللہ غالب ہے'' اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اور ﴿ذُو انتِقَامٍ﴾ جو اس کی نافرمانی کرے اس

سے "بدلہ لینے والا ہے" ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَىْءٌ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمَآءِ ﴾ "یقیناً اللہ پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں" یعنی اس کا علم تمام معلومات کو محیط ہے۔ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ مثلاً ماؤں کے پیٹوں میں جو بچے ہیں، انہیں مخلوق کی نظریں نہیں دیکھ سکتیں، نہ لوگ ان کے بارے میں جان سکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ بڑی باریک بینی سے انہیں سنبھالتا ہے اور ان سے متعلق ہر چیز کا صحیح اندازہ مقرر کرتا ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِىْ يُصَوِّرُكُمْ فِى الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ﴾ "وہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے۔" یعنی کامل جسم والے یا ناقص الخلقت، خوبصورت یا بدصورت، مذکر یا مؤنث۔ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ "اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ غالب ہے حکمت والا ہے" اس سے اللہ تعالیٰ کا معبود ہونا ثابت و متعین ہوتا ہے اور نہ صرف اسی کا معبود ہونا بلکہ اس کے سوا پوجے جانے والوں کی الوہیت کا بطلان بھی ثابت ہوتا ہے۔ اور اس سے نصاریٰ کی تردید بھی ہو جاتی ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو معبود سمجھتے ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی حیات کاملہ اور قیومیت تامہ کا اثبات بھی ہے، جن سے تمام صفات مقدسہ کا اثبات ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس سے بڑی بڑی شریعتوں کا ثبوت بھی ملتا ہے اور یہ بیان ہے کہ وہ لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا باعث تھیں۔ اور یہ کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ ہدایت یافتہ اور ہدایت سے محروم۔ اور ہدایت قبول نہ کرنے والے کی سزا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت اور اس کی مشیت اور حکمت کا واقع ہو کر رہنا ثابت ہوتا ہے۔

هُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ

وہی ہے جس نے نازل کی آپ پر کتاب، اس کی بعض آیتیں محکم (واضح) ہیں وہی ہیں اصل کتاب اور (کچھ) دوسری

مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ

متشابہ (غیر واضح) ہیں، پس لیکن وہ لوگ کہ ان کے دلوں میں کجی ہے، تو وہ پیچھے لگتے ہیں انہی آیتوں کے جو متشابہ ہیں ان میں سے، واسطے تلاش کرنے

الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ

فتنہ کے اور واسطے تلاش کرنے اسکی تاویل کے، حالانکہ نہیں جانتا انکی تاویل (کوئی بھی) سوائے اللہ کے، اور وہ لوگ جو پختہ ہیں

فِى الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ

علم میں وہ کہتے ہیں، ہم ایمان لائے ساتھ اس کے، (یہ) سب ہمارے رب کی طرف سے ہے، اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر

اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا

عقل مند ہی ۝ اے ہمارے رب! نہ ٹیڑھا کر ہمارے دلوں کو بعد اس کے کہ ہدایت دی تو نے ہمیں اور عطا کر واسطے ہمارے

مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ

اپنے پاس سے رحمت، بے شک تو ہی ہے بڑا عطا کرنے والا ۝ اے ہمارے رب! یقیناً تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو

وقف لازم

لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۹ؑ

ایک دن کہ نہیں ہے شک اس میں' بلاشبہ اللہ نہیں خلاف ورزی کرتا وعدے کی ○

قرآن مجید سب کا سب محکم (پختہ' مضبوط) ہے جیسے اللہ نے فرمایا: ﴿ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ﴾ (هود: ۱۱/۱) ''یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں محکم ہیں۔ پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں ایک حکیم باخبر کی طرف سے'' لہٰذا یہ انتہائی مضبوطی' عدل اور احسان پر مشتمل ہیں۔ ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴾ (المائدہ: ۵/ ۵۰) ''یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے اللہ سے بہتر فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے'' ایک لحاظ سے قرآن سب کا سب متشابہ ہے۔ یعنی یہ حسن و بلاغت کے لحاظ سے ایک دوسرے کی تصدیق کرنے کی بنا پر اور ایک دوسرے سے لفظی اور معنوی مطابقت رکھنے کی وجہ سے ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ اس آیت میں جس محکم اور متشابہ ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ تو اللہ کے فرمان کے مطابق ﴿ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ ﴾ یعنی واضح مفہوم کی حامل آیات ہیں۔ جن میں نہ کوئی شبہ ہے نہ اشکال۔ ﴿ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴾ یعنی وہ کتاب کی اصل اور بنیادی تعلیمات ہیں۔ ہر متشابہ کو انہی کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ قرآن کا اکثر حصہ ایسی ہی محکم آیات پر مشتمل ہے۔ ﴿ وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ﴾ ''اور دوسری کچھ متشابہ آیتیں ہیں'' یعنی بعض افراد کے ذہنوں میں ان کا مفہوم ملتبس ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کی دلالت مجمل ہے یا بعض لوگ سرسری نظر میں وہ مفہوم سمجھ بیٹھتے ہیں جو اصل میں مراد نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات واضح ہیں جو آسانی سے ہر شخص کی سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ یہ بہت زیادہ ہیں۔ ان ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ کچھ آیتیں ہیں جو بعض لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ اس صورت میں متشابہ کو محکم کی روشنی میں اور خفی کو جلی کی مدد سے سمجھنا ضروری ہے۔ اس طریقے سے آیات ایک دوسری کی تائید کرتی نظر آتی ہیں۔ ان میں کوئی اختلاف اور تعارض معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن لوگ دو قسموں میں منقسم ہیں: ﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ ﴾ ''پس جن کے دلوں میں کجی ہے'' یعنی وہ سیدھے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں۔ ان کے ارادے خراب ہیں۔ گمراہی ان کا مقصود بن گئی ہے۔ ان کے دل ہدایت کی راہ سے برگشتہ ہو چکے ہیں۔ ﴿ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ﴾ ''وہ اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں'' یعنی محکم اور واضح ارشادات کو چھوڑ کر متشابہ کی طرف چل پڑتے ہیں۔ اور معاملہ کو الٹ طریقے سے لے کر محکم کو متشابہ پر محمول کرتے ہیں۔ ﴿ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ ﴾ ''فتنے کی طلب میں'' یعنی ان لوگوں کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں جن کو یہ اپنے قول کی طرف بلاتے ہیں۔ متشابہ میں چونکہ اشتباہ موجود ہوتا ہے' اس لیے اس کے ذریعے سے فتنہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ ورنہ محکم اور صریح میں فتنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کیونکہ جو شخص حق کی پیروی کرنا چاہے اسے محکم میں واضح حق مل جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: ﴿ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ﴾ ''اور ان کی مراد کی جستجو کے لیے۔

حالانکہ اس کی حقیقی مراد کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے'' اس آیت میں علماء کے دو قول ہیں۔ اکثر علمائے کرام لفظ اللہ پر وقف کرتے ہیں۔ (موجودہ ترجمہ اسی قول کے مطابق ہے) اور بعض لوگ ﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ﴾ کا عطف بھی اس پر مانتے ہیں۔ (اس صورت میں یہ ترجمہ ہوگا ''حالانکہ اس کی تفسیر کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور پختہ علم والوں کے۔'' یعنی پختہ علم والے بھی جانتے ہیں۔) یہ دونوں تشریحات درست ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ اگر تاویل سے مراد کسی شے کی حقیقت اور کنہ جاننا ہو تو (الا اللہ) پر وقف کرنا ہی درست ہوگا۔ کیونکہ جن اشیاء کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھا ہے۔ مثلاً اللہ کی صفات کی حقیقت و کیفیت' آخرت میں پیش آنے والے اوصاف کی حقیقت وغیرہ۔ ان کو تو اللہ کے سوا واقعی کوئی نہیں جانتا۔ اس کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا بھی درست نہیں' کیونکہ یہ ایسی چیز کی کوشش ہے جسے جاننا ممکن ہی نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا: اس آیت کا کیا مطلب ہے: ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾ (طٰہٰ: ٢٠/٥) ''رحمان عرش پر مستوی ہے'' سائل نے کہا: ''کس طرح مستوی ہے؟'' امام مالک رحمہ اللہ نے فرمایا: (اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ' وَالْكَيْفُ مَجْهُوْلٌ' وَالْاِيْمَانُ بِهِ وَاجِبٌ' وَالسُّؤَالُ عَنْهُ بِدْعَةٌ) ''استواء (قائم ہونا) معلوم ہے (یعنی واضح لفظ ہے جس کی تشریح کی ضرورت نہیں) اس کی کیفیت نامعلوم ہے۔ اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔'' اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے بارے میں یہی طرز عمل اختیار کرنا چاہیے کہ اگر کوئی شخص ان کی کیفیت دریافت کرے تو امام مالک رحمہ اللہ کی طرح کہہ دیا جائے کہ یہ صفت تو معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت نامعلوم ہے۔ تاہم اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا (کہ یہ صفت کس طرح ہے) بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ صفات بتائی ہیں۔ ان کی کیفیت بیان نہیں فرمائی۔ لہٰذا ہمیں اپنی حد تک آ کر رک جانا چاہیے۔ حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ گمراہ لوگ ان متشابہ امور کے بارے میں بے فائدہ بحث کرتے ہیں' اور اس چیز کے حصول کی ناکام کوشش کرتے ہیں جنہیں معلوم کرنے کا کوئی طریقہ موجود نہیں' کیونکہ انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پختہ کار اہل علم ان پر ایمان لاتے ہیں' اور ان کی حقیقت اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ اس طرح (فرمان الٰہی کو) تسلیم کر کے (تکلفات اور غلطیوں سے) محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اگر تاویل کا مطلب تفسیر اور وضاحت لیا جائے تو ﴿وَالرّٰسِخُوْنَ﴾ کا عطف لفظ (اللہ) پر ہوگا۔ (اس صورت میں لفظ (اللہ) پر وقف نہیں ہوگا' بلکہ (العلم) پر وقف ہوگا) اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ متشابہ کو محکم کی روشنی میں سمجھ کر اس کی تفسیر کرنا اور اس کے شبہات دور کرنا یہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے' اور پختہ علم والے بھی جانتے ہیں چنانچہ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور اسے محکم کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ﴿كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ ''یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے۔'' یعنی محکم اور متشابہ سب اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ اور اس کی طرف سے

آنے والی چیز میں تعارض اور تناقض نہیں ہوسکتا۔ بلکہ یہ ایک دوسرے کی تائید اور تصدیق کرتے ہیں۔ اس سے ایک بڑے اصول کا پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ چونکہ وہ جانتے ہیں کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ تو جب انہیں کسی مجمل طور پر ذکر کیے متشابہ میں اشکال پیدا ہوتا ہے۔ تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مفہوم بہرحال محکم کے مطابق ہی ہوگا' اگرچہ ہم سمجھ نہ سکے ہوں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام پر ایمان لانے اور تسلیم کرنے کی ترغیب دی ہے اور متشابہ کے پیچھے پڑنے سے منع فرمایا ہے اس لیے فرمایا: ﴿وَمَا يَذَّكَّرُ﴾ یعنی اللہ کی نصیحت سے فیض یاب ہونے والے' اس کی نصیحت اور اس کی طرف سے آنے والے علم کو قبول کرنے والے ﴿إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ﴾ صرف وہ لوگ ہیں جو کامل عقلوں والے ہیں۔ وہی جوان کا مغز اور بنی آدم کا خلاصہ (اور بہترین حصہ) ہیں۔ نصیحت ان کی عقلوں تک پہنچتی ہے تو انہیں اپنے فائدے کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اور وہ اس پر عمل کر لیتے ہیں۔ اور انہیں (اس نصیحت کے ذریعے سے) اپنے نقصان کی باتیں معلوم ہوجاتی ہیں۔ اور وہ ان سے بچ جاتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کی سمجھ مغز کے بجائے چھلکے سے مشابہت رکھتی ہے جس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ نہ ان سے کوئی نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو نہ تنبیہ اور زجر و توبیخ سے فائدہ حاصل ہوتا ہے' نہ سمجھانے سے کیونکہ ان کے پاس وہ عقل ہی نہیں' جس سے انہیں کوئی فائدہ حاصل ہوسکے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے (رَاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ) ''پختہ کار علما'' کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا﴾ ''اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کردے'' یعنی ایسا نہ ہو کہ جہالت یا عناد کی وجہ سے ہم حق سے روگردانی کریں۔ بلکہ ہمیں سیدھی راہ پر چلنے والے' ہدایت دینے والے اور ہدایت پانے والے بنا۔ ہمیں ہدایت پر قائم رکھ' اور ہمیں ان (بداعمالیوں) سے محفوظ رکھ' جن میں گمراہ مبتلا ہوچکے ہیں۔ ﴿وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً﴾ ''اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما'' یعنی ہمیں ایسی عظیم رحمت عطا فرما' جس کے ساتھ تو ہمیں نیکیوں کی توفیق اور گناہوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ ﴿إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ﴾ ''یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے'' یعنی تیرے انعامات وعطیات بے حد وسیع' اور تیرے احسانات بے شمار ہیں۔ تیری سخاوت سے ہر مخلوق بہرہ ور ہوتی ہے۔ ﴿رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ﴾ ''اے ہمارے رب! تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے' جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا''۔ لہٰذا وہ ان کی نیکیوں اور گناہوں کا بدلہ ضرور دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے (رَاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ) کی سات صفات بیان کی ہیں۔ یہ بندے کی خوش بختی کی علامت ہیں۔

(۱) علم: یہ وہ راستہ ہے جو اللہ تک پہنچاتا ہے۔ اس کے احکامات اور قوانین کو واضح کرتا ہے۔ (۲) (رُسُوخ

فِي الْعِلْمِ) "علم میں پختہ ہونا" یہ صفت محض علم سے بڑھ کر ہے' اس لیے کہ راسخ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ آدمی محقق و مدقق عالم ہو۔ جس کو اللہ نے ظاہری علم بھی عطا فرمایا ہو اور باطنی علم بھی۔ شریعت کے اسرار میں اس کا علم بھی پختہ ہوتا ہے' عمل بھی درست ہوتا ہے اور حال بھی کامل ہوتا ہے۔ (۳) وہ پوری کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور متشابہ کو محکم کی روشنی میں سمجھتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: ﴿يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ "کہتے ہیں ہم تو اس پر ایمان لا چکے۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے" (۴) وہ اللہ تعالیٰ سے معافی کے طلب گار ہوتے ہیں۔ اور جن غلطیوں میں گمراہ مبتلا ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ ان سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ (۵) وہ اللہ کا احسان مانتے ہیں کہ اس نے انہیں ہدایت دی۔ کیونکہ کہتے ہیں۔ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا﴾ "اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے" (۶) اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کی رحمت کا سوال کرتے ہیں۔ جس میں ہر بھلائی کا حصول اور ہر برائی سے بچاؤ شامل ہے۔ اس مقصد کے لیے اللہ کے اسم مبارک (الْوَهَّابُ) کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں۔ (۷) اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ قیامت کے آنے پر ایمان اور پورا یقین رکھتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں۔ یہی ایمان عمل کرنے پر آمادہ کرتا' اور لغزش سے بچا کر رکھتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا' ہرگز نہیں کام آئیں گے انکے مال ان کے اور نہ ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے کچھ بھی'

وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ⑩ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ

اور یہی لوگ ایندھن ہیں آگ کا ○ مانند عادت آل فرعون کے اور ان لوگوں کے جو ان سے پہلے تھے

كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ⑪ قُلْ

جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو پس پکڑ لیا ان کو اللہ نے بہ سبب ان کے گناہوں کے' اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○ کہہ دیجیے

لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ⑫

واسطے ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا' عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے تم اور اکٹھے کیے جاؤ گے جہنم کی طرف' اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے ○

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ

تحقیق ہے تمہارے لیے (عظیم) نشانی ان دو گروہوں میں جو باہم (لڑائی کے لیے) ملے' ایک گروہ لڑتا تھا اللہ کی راہ میں'

وَأُخْرَىٰ كَافِرَةٌ يَرَوْنَهُمْ مِثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ ۚ وَاللَّهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهِ

اور دوسرا کافر تھا' وہ (مسلمان) دیکھتے تھے ان کو اپنے سے دگنا' دیکھنا (ظاہری) آنکھ سے' اور اللہ قوت دیتا ہے ساتھ اپنی نصرت کے

مَنْ يَشَاءُ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَعِبْرَةً لِأُولِي الْأَبْصَارِ ⑬

جس کو چاہتا ہے' بلاشبہ اس میں البتہ عبرت ہے واسطے اہل بصیرت کے ○

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرنے والے اس کے دین اور اس کی کتاب کا انکار کرنے والے اپنے کفر اور گناہوں کی وجہ سے سزا اور سخت عذاب کے مستحق ہیں۔ وہاں انہیں اپنے مالوں اور اولادوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اگرچہ دنیا میں وہ آنے والی مصیبتوں کا ان کے ذریعے سے مقابلہ کر لیا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے ﴿ نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴾ (سبا: ۳۵/۳۴) ''ہمارے مال اور ہماری اولادیں زیادہ ہیں ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔'' قیامت کے دن انہیں ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا، جس کی انہیں بالکل توقع نہ ہوگی۔ ﴿ وَبَدَا لَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا كَسَبُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴾ (الزمر: ۴۸/۳۹) ''ان کے کمائے ہوئے اعمال کا برا انجام ان کے سامنے آ جائے گا اور انہیں وہ عذاب گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے'' اللہ کے ہاں مال اور اولاد کی قدر نہیں، بلکہ بندے کو اللہ پر ایمان لانے کا اور نیک اعمال کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿ وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَ لَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴾ (سبا: ۳۷/۳۴) ''تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ چیز نہیں جو تمہیں ہمارا قرب بخشتی ہیں بلکہ جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے انہی لوگوں کو اپنے اعمال کا دگنا بدلہ ملے گا، اور وہ بالا خانوں میں امن سے رہیں گے'' اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ کافر جہنم کا ایندھن ہیں، یعنی ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ یہ قانون کہ کافروں کو ان کے مالوں یا اولادوں سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکے گا، گزشتہ امتوں میں بھی اللہ کا یہی قانون جاری رہا ہے۔ فرعون، اس سے پہلے اور اس کے بعد آنے والے سب جابر، سرکش، مالوں اور لشکروں والے ان سب کے ساتھ یہی ہوا کہ جب انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا، رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات تسلیم کرنے سے انکار کیا، اور ان سے دشمنی کی، اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا، یہ اس کا عدل تھا، ظلم نہیں۔ جو کوئی ایسا کام کرے جو سزا کا مستوجب ہے تو اللہ اسے سخت سزا دے دیتا ہے۔ عذاب کا یہ سبب کفر بھی ہو سکتا ہے، اور دوسرے گناہ بھی جن کی مختلف قسمیں اور بہت سے مراتب ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: ﴿ قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴾ ''(اے محمد ﷺ!) کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے۔ اور جہنم کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔ اور وہ برا ٹھکانا ہے۔'' اس میں مومنوں کی مدد اور فتح کا اشارہ ہے اور کافروں کو تنبیہ ہے۔ جیسے اللہ نے فرمایا تھا ویسے ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں یعنی مشرکین، یہود اور نصاریٰ جیسے کافروں کے خلاف مومنوں کی مدد فرمائی۔ قیامت تک وہ اپنے مومن بندوں اور لشکروں کی مدد فرماتا رہے گا۔ اس میں ایک عبرت ہے اور قرآن کی ایسی نشانی ہے جو آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے۔ اللہ نے بتایا کہ کافر دنیا میں مغلوب ہونے کے ساتھ ساتھ قیامت کے دن جمع کر کے جہنم کی طرف ہانک دیے جائیں گے جو برا ٹھکانا ہے۔ اور ان کے بد اعمال کا برا بدلہ

ہے۔ ﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ﴾ "یقیناً تمہارے لیے نشانی تھی" یعنی عظیم عبرت تھی۔ ﴿فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا﴾ "ان دو جماعتوں میں جو گتھ گئی تھیں۔" یہ غزوۂ بدر کے موقع پر ہوا۔ ﴿فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ "ایک جماعت اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی۔" یہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام تھے۔ ﴿وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ﴾ "اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا۔" یعنی کفار قریش جو فخر و تکبر کے ساتھ لوگوں کو دکھانے کے لیے اور اللہ سے روکنے کے لیے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں جماعتوں کو بدر کے میدان میں اکٹھا کر دیا۔ مشرکوں کی تعداد مومنوں سے کئی گنا تھی۔ اس لیے فرمایا: ﴿يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ﴾ "وہ انہیں اپنی آنکھوں سے اپنے سے دگنا دیکھتے تھے۔" یعنی مومن دیکھ رہے تھے کہ کافر تعداد میں ان سے بہت زیادہ ہیں۔ یہ اضافہ دگنے سے زیادہ تھا۔ (یعنی کفار کی تعداد تین گنا سے زائد تھی) اللہ نے مومنوں کی مدد کی تو انہوں نے کفار کو شکست دی' ان کے سرداروں کو تہ تیغ کیا' اور بہت سے افراد کو قید کر لیا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جو کوئی اللہ کے دین کی مدد کرتا ہے' اللہ اس کی مدد کرتا ہے' اور جو کفر کرتا ہے اللہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔ اس میں آنکھوں والوں کے لیے عبرت ہے۔ یعنی جن کی بصیرت اور عقل کامل ہے' جس کی وجہ سے وہ دیکھ رہے ہیں کہ جس جماعت کی مدد کی گئی ہے وہی اہل حق ہیں اور دوسرے باطل پر ہیں۔ ورنہ محض ظاہری اسباب' سامان اور تعداد پر نظر رکھنے والا یہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس چھوٹی سی جماعت کا اتنی بڑی جماعت پر فتح پانا بالکل محال اور ناممکن ہے۔ لیکن بصارت سے نظر آنے والے ان اسباب کے پیچھے ایک عظیم تر سبب بھی ہے۔ جسے بصیرت' ایمان اور توکل علی اللہ کی نظر ہی دیکھ سکتی ہے۔ اور وہ سبب ہے اللہ کا اپنے مومن بندوں کو تقویت بخشنا اور اپنے کافر دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرنا۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ

مزین کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے محبت (نفسانی) خواہشوں کی' عورتوں سے اور بیٹوں سے اور خزانے جمع کیے ہوئے سے'

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ

سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان زدہ سے اور چوپائے اور کھیتی سے' یہ (سب)

مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ

سامان ہے حیات دنیا کا' اور اللہ' اس کے پاس ہی ہے اچھا ٹھکانا ○ کہہ دیجئے' کیا خبر دوں میں تمہیں' ساتھ بہت بہتر کے

مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

ان (سب) سے؟ واسطے ان لوگوں کے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں' نزدیک ان کے رب کے باغات ہیں' بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں'

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ ۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ۚ

وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں' اور بیویاں ہیں پاکیزہ اور رضامندی اللہ کی طرف سے' اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو ○

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٦﴾

وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! بیشک ہم ایمان لائے پس بخش دے واسطے ہمارے گناہ ہمارے اور بچا ہم کو آگ کے عذاب سے ○

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ

وہ جو صبر کرنے والے' اور سچ بولنے والے اور حکم بجا لانے والے اور خرچ کرنے والے

وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿١٧﴾

اور مغفرت طلب کرنے والے ہیں سحری کے اوقات میں ○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے لوگوں کے لیے دنیوی مرغوب چیزوں کی محبت مزین کردی ہے۔ ان میں مذکورہ بالا اشیاء کو خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ دنیا کی مرغوب چیزوں میں سے یہ سب سے بڑھ کر ہیں۔ باقی سب ان کے تابع ہیں۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا﴾ (الکہف:۷/۱۸) ''ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اسے زمین کی زینت بنایا ہے'' چونکہ یہ چیزیں مزین کردی گئیں ہیں۔ اور ان میں دلوں کو مائل کرنے کا وصف ہے۔ اس لیے لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو گئے۔ اور عملی طور پر لوگوں کی دو قسمیں ہو گئیں۔ ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے انہی مادی اشیاء کو اپنا مقصود بنا لیا' ان کی سوچیں' ان کے خیالات' ان کے ظاہری اور باطنی اعمال اسی کے لیے خاص ہو کر رہ گئے۔ اسی دنیوی مال و متاع میں مشغول ہو کر وہ اپنی تخلیق کے مقصد کو بھول گئے۔ دنیا سے ان کا وہ تعلق رہا جو چرنے والے مویشیوں کا ہوتا ہے۔ وہ اس کی لذتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہ پروا نہیں کرتے کہ انہوں نے یہ کیسے حاصل کی اور کہاں خرچ کی۔ دنیا ان کے لیے مشقت و عذاب کے مقام (جہنم) کی طرف لے جانے والے سفر کا سامان بن جاتی ہے۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے اس کا اصل مقصود سمجھ لیا۔ کہ اسے تو اللہ نے بندوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ کون اپنی خواہش نفس اور دنیوی لذت پر اللہ کی اطاعت اور رضا کو ترجیح دیتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے دنیا کو آخرت کے حصول کا ذریعہ بنا لیا۔ وہ اس سے فائدہ تو اٹھاتے ہیں' لیکن اس طرح کہ وہ اللہ کی رضا کے حصول میں مددگار ثابت ہو۔ ان کے بدن تو اس کے ساتھ ہوتے ہیں' لیکن دل اس سے دور ہوتے ہیں' انہیں معلوم ہے کہ اس کی حقیقت وہی ہے جو اللہ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی: ﴿ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''یہ تو دنیا کی زندگی کا مال و متاع ہے'' انہوں نے اسے آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھا۔ اسے ایک بازار جانا جس میں انہیں اخروی نفع عظیم کی امید ہے۔ ان کے لیے دنیا آخرت کے سفر کے لیے زاد راہ بن گئی۔ علاوہ ازیں اس آیت میں ان ناداروں کو تسلی دی گئی ہے' جو اپنی ایسی خواہشات پوری نہیں کر سکتے جو دولت مند پوری کر سکتے ہیں اور اس کے دھوکے میں گرفتار ہو جانے والوں کو تنبیہ ہے اور روشن عقل والوں کو اس کی محبت سے روکا گیا ہے۔ یہ موضوع اس طرح مکمل ہوا ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے

دار القرار (ہمیشہ رہنے والا گھر) اور نیک متقیوں کا انجام بیان فرمایا ہے' اور بتایا ہے کہ یہ اُخروی نعمتیں ان مذکورہ (دنیوی) اشیاء سے بہتر ہیں۔ یعنی بلند و بالا درختوں کے باغات' جن میں نفیس محلات' اور اونچے اونچے بالا خانے ہیں' طرح طرح کے پھلوں سے لدے ہوئے پھل دار درخت ہیں' ان کی مرضی کے مطابق چلنے والی نہریں ہیں' ہر ظاہری و باطنی عیب و نجاست سے پاک بیویاں ہیں' اور ان تمام نعمتوں کے ساتھ ہمیشہ کی زندگی' یہ نعمتوں کی انتہا ہے اور پھر اللہ کی خوشنودی جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ ذرا اس شان دار جہان کا اس حقیر جہان سے مقابلہ و موازنہ تو کیجئے۔ پھر اپنے لیے بہتر متبادل کا انتخاب کر لیجئے۔ اپنے دل کو ان دونوں کا فرق سمجھائیے۔ ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ﴾ ''سب بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں۔'' وہ ان کے تمام اچھے اور برے اوصاف سے باخبر ہے۔ اسے معلوم ہے کہ ان کے حالات کے مطابق کون سا نتیجہ ان کے لائق ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے توفیق دے دیتا ہے۔

وہ جنت جس کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے' اور اس کی کامل صفات بیان فرمائی ہیں وہ بھی انہیں ملے گی جو اس کے مستحق ہیں۔ یعنی جنہوں نے اللہ سے ڈرتے ہوئے حکموں کی تعمیل کی' اور ممنوع کاموں سے پرہیز کیا۔ اور اپنی دعاؤں میں کہا: ﴿رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ''اے ہمارے رب! ہم ایمان لا چکے۔ اس لیے ہمارے گناہ معاف فرما۔ اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔'' انہوں نے اللہ کے اس احسان کا ذکر کیا کہ اس نے انہیں ایمان کی توفیق دی ہے اور اس کے وسیلے سے یہ دعا کی کہ وہ ان کے گناہ معاف کر دے۔ اور گناہوں کے برے اثرات و نتائج یعنی جہنم کے عذاب سے محفوظ فرما دے۔ اس کے بعد تقویٰ کے اوصاف تفصیل سے بیان کیے۔ اور فرمایا: ﴿اَلصّٰبِرِيْنَ﴾ ''صبر کرنے والے'' جو اپنے آپ کو اللہ کے پیارے کاموں اور اس کی اطاعت کے اعمال پر قائم رکھتے ہیں' اس کی نافرمانی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہوئے صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں' اور اللہ کی تقدیر کے مطابق پیش آنے والے مصائب و مشکلات پر بھی صبر کرتے ہیں۔ ﴿وَالصّٰدِقِيْنَ﴾ ''اور سچ بولنے والے'' جو اپنے ایمان میں' اقوال میں اور احوال میں راست باز اور سچے ہیں۔ ﴿وَالْمُنْفِقِيْنَ﴾ ''اور خرچ کرنے والے'' جو کچھ اللہ نے انہیں دیا ہے اس میں سے مختلف انداز سے ضرورت مند افراد کو دیتے ہیں خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا اجنبی' ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ﴾ ''اور پچھلی رات بخشش مانگنے والے'' اللہ تعالیٰ نے ان کی اچھی صفات میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو معمولی سمجھتے ہیں۔ اپنے آپ کو اعلیٰ مقام پر فائز نہیں سمجھتے۔ بلکہ خود کو گناہ گار اور کوتاہی کرنے والے سمجھتے ہیں۔ اس لیے رب سے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں۔ اور اس مقصد کے لیے ایسا وقت منتخب کرتے ہیں جب قبولیت کی امید زیادہ ہو اور وہ صبح صادق کا وقت ہے۔ حسن (بصری) رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز اتنی لمبی کرتے ہیں کہ سحر ہو جاتی ہے۔ پھر بیٹھ کر رب سے استغفار اور دعائے مغفرت کرنے لگتے ہیں۔ ان آیات میں یہ مسائل بیان ہوئے ہیں۔ دنیا میں لوگوں کی حالت' دنیا ختم ہونے والا مال و

متاع ہے۔ جنت کا بیان، اس کی نعمتیں، آخرت کا دنیا سے افضل ہونا، جس میں یہ ارشاد ہے کہ آخرت کو ترجیح دینا، اور آخرت کے لیے کام کرنا چاہیے۔ اہل جنت یعنی متقیوں کی صفات، تقویٰ پر مشتمل اعمال کا تفصیلی بیان۔ ان کی روشنی میں ہر شخص اپنا فیصلہ خود کر سکتا ہے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی؟

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ اُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًۢا بِالْقِسْطِ ؕ

گواہی دی ہے اللہ نے کہ بلاشبہ نہیں کوئی معبود سوائے اسکے اور فرشتوں نے اور اہل علم نے (بھی) اس حال میں کہ وہ قائم ہے ساتھ انصاف کے

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ؕ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫ وَمَا

نہیں کوئی معبود مگر وہی، غالب ہے خوب حکمت والا ○ بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے، اور نہیں

اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ

اختلاف کیا ان لوگوں نے جو دیے گئے کتاب مگر بعد اس کے کہ آ گیا ان کے پاس (صحیح) علم، سرکشی کرتے ہوئے آپس میں،

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ

اور جو کوئی کفر کرے ساتھ اللہ کی آیات کے، تو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ○ پھر اگر وہ جھگڑا کریں آپ سے تو کہہ دیجیے،

اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ

جھکا دیا میں نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے اور (انہوں نے بھی) جنہوں نے اتباع کیا میرا اور کہہ دیجیے ان لوگوں سے جو دیے گئے کتاب اور ان پڑھوں سے

ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ

کیا تم اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر وہ اسلام قبول کر لیں، تو یقیناً وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ منہ پھیریں، تو یقیناً آپ کے ذمے (صرف پیغام) پہنچا دینا ہے،

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾ ع

اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا پختہ ترین ثبوت پیش کیا ہے، وہ ہے اللہ عزوجل کی اپنی گواہی۔ اور اس کی مخلوق میں سے معزز ترین افراد یعنی فرشتوں اور علماء کی گواہی۔ اللہ تعالیٰ کی گواہی یہ ہے کہ اس نے توحید پر دلائل و براہین قاطعہ قائم فرمائے ہیں۔ آفاق و انفس کے دلائل اس عظیم اصول پر قائم ہیں۔ اللہ کا جو بندہ بھی توحید کا علم لے کر کھڑا ہوا ہے۔ اللہ نے ہمیشہ توحید کے منکروں اور مشرکوں کے خلاف اس کی مدد کی ہے۔ بندوں کو جو بھی نعمت حاصل ہے وہ اسی کی طرف سے ہے۔ مشکلات کو اس کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔ مخلوق کے تمام افراد عاجز ہیں جو نہ اپنے آپ کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان سے بچا سکتے ہیں، نہ کسی اور کے نفع نقصان پر اختیار رکھتے ہیں۔ یہ زبردست دلیل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا واجب ہے۔ اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا باطل ہے۔ فرشتوں کی گواہی کا علم ہمیں اللہ کے بتانے سے اور اس کے رسولوں کے

بتانے سے ہوا ہے۔اہل علم کی گواہی اس لیے معتبر ہے کہ تمام دینی امور میں انہی سے رجوع کیا جاتا ہے۔خصوصاً سب سے عظیم' سب سے زیادہ جلالت وشرف والے مسئلہ یعنی توحید کے مسئلہ میں۔علماء کا اول سے آخر تک اس پر اتفاق ہے' انہوں نے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی ہے' اور توحید تک پہنچنے کے راستے بتائے ہیں۔لہٰذا مخلوق پر واجب ہے کہ اتنی عظیم گواہیوں والے حکم کو تسلیم کریں اور اس پر عمل کریں۔اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ سب سے زیادہ شرف والا کام توحید کو جاننا ہے۔لہٰذا اس کی گواہی اللہ نے خود دی ہے۔اور اپنی مخلوق میں سے عظیم ترین افراد کو اس کا گواہ بنایا ہے۔شہادت (گواہی) علم ویقین کی بنیاد ہی پر دی جاسکتی ہے' جو آنکھ سے مشاہدہ کے برابر ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص توحید کے معاملہ میں اس مقام تک نہیں پہنچتا وہ اہل علم میں شامل نہیں۔اس آیت میں علم کے شرف ومنزلت کے بہت سے دلائل ہیں۔(۱) اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں میں سے انبیاء کو منتخب کر کے اس عظیم ترین مسئلہ پر شہادت دینے کے لیے مقرر کیا۔(۲) اللہ نے ان کی گواہی کو اپنی گواہی اور فرشتوں کی گواہی کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا۔اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔(۳) اللہ نے انہیں ''علم والے'' فرمایا۔ان کی اضافت علم کی طرف کی۔کیونکہ وہی اسے لے کر اٹھنے والے اور اس صفت سے متصف ہیں۔(۴) اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں پر شاہد اور حجت قرار دیا اور جس چیز کی انہوں نے گواہی دی تھی' لوگوں کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔اس طرح وہ اس کا سبب بنے اور اس کے مطابق ہونے والے ہر عمل کا ثواب انہیں پہنچے گا۔یہ اللہ کا فضل ہے' جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔(۵) اللہ تعالیٰ نے اہل علم کو گواہ بنایا ہے اس سے ان کا سچا اور قابل اعتماد ہونا ثابت ہوتا ہے' اور یہ کہ اللہ نے انہیں جس چیز کا محافظ بنایا ہے' وہ اس معاملے میں دیانت دار ہیں۔اپنی توحید کے اثبات کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا عدل ثابت فرمایا ہے۔ارشاد ہے ﴿ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ﴾ ''عدل کے ساتھ قائم'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں' اور بندوں کے معاملات کے فیصلے کرنے میں ازل سے انصاف کے ساتھ متصف ہے۔امر ونہی میں بھی اس کا راستہ ''صراط مستقیم'' ہے خلق وتقدیر میں بھی۔اس کے بعد پھر توحید کی تاکید فرمائی اور فرمایا: ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ ''اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔''

بنیادی مسئلہ کہ اللہ کی توحید کو تسلیم کیا جائے اور صرف اسی کی عبادت کی جائے' اس کے اتنے زیادہ نقلی اور عقلی دلائل موجود ہیں کہ صاحب بصیرت حضرات کے ہاں یہ سورج سے بھی زیادہ واضح ہوگیا ہے۔نقلی دلائل میں قرآن وحدیث کی وہ تمام نصوص شامل ہیں جن میں اس کا حکم دیا گیا ہے' اس کی تائید کی گئی ہے' اہل توحید سے محبت' اور منکرین توحید سے نفرت اور ان کی عقوبت مذکور ہے' اور شرک واہل شرک کی مذمت ہے۔یہ سب توحید کے نقلی دلائل ہیں۔قرآن تقریباً تمام ہی توحید کے دلائل پر مشتمل ہے۔عقلی دلائل جنہیں غور وفکر کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے' قرآن نے ان کی طرف بھی رہنمائی فرمائی ہے اور بہت سے دلائل کی طرف توجہ دلائی ہے۔سب سے بڑی

عقلی دلیل اللہ کی ربوبیت کا اعتراف ہے۔ جو شخص یہ جانتا ہے کہ اللہ ہی خالق، رازق، تمام معاملات میں مختار کل ہے۔ وہ لازماً اس نتیجے تک پہنچتا ہے کہ معبود بھی اللہ ہی ہے، اس کے سوا کسی کی عبادت درست نہیں۔ چونکہ یہ واضح ترین اور عظیم ترین دلیل ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کثرت کے ساتھ اس سے استدلال کیا ہے۔ صرف اللہ کے مستحق عبادت ہونے کی ایک اور عقلی دلیل یہ ہے کہ نعمتیں دینے والا اور مصیبتیں دور کرنے والا صرف وہی ہے۔ جس شخص کو یہ یقین ہے کہ ظاہری، باطنی، چھوٹی، بڑی، قلیل اور کثیر تمام نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں اور ہر مصیبت، سختی، تکلیف اور پریشانی کو صرف وہی دور کر سکتا ہے اور مخلوق میں سے کوئی فرد کسی کے لیے تو درکنار، اپنے لیے بھی حصول نعمت اور دفع مضرت کا مالک نہیں، اسے ضرور یہ یقین ہوگا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرنا سب سے بڑا باطل ہے۔ اور عبودیت اسی کا حق ہے جو اکیلا ہی نعمتیں دینے والا اور مصیبتیں ٹالنے والا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پر اس دلیل کو بہت ہی زیادہ ذکر فرمایا ہے۔ ایک عقلی دلیل یہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائی ہے کہ اللہ کے سوا جن معبودوں کی عبادت کی جاتی ہے وہ نہ نفع کے مالک ہیں نہ نقصان کے۔ وہ نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں نہ کسی اور کی۔ اور فرمایا ہے کہ وہ سماعت و بصارت سے محروم ہیں۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ سنتے ہیں تو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ ان کی دوسری صفات بھی انہیں انتہائی ناقص ثابت کرتی ہیں۔ ان کی یہ حقیقت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم صفات اور افعال جمیلہ کا ذکر فرمایا ہے اور قدرت و غلبہ وغیرہ صفات ذکر کی ہیں جو سمعی اور عقلی دلائل سے معلوم ہوتی ہیں جو اس چیز کو کماحقہ سمجھ لے گا (کہ غیر اللہ مجبور ہیں اور اللہ تعالیٰ عظیم صفات، قوت غلبہ وغیرہ کا حامل ہے) اسے معلوم ہو جائے گا کہ عبادت کے لائق صرف رب عظیم ہے، جسے ہر لحاظ سے کمال، ہر قسم کی عظمت، تمام تعریف، ہر ایک قدرت، اور تمام تر کبریائی حاصل ہے۔ وہ عبادت کے لائق نہیں جو پیدا کیے گئے ہیں، جن کے فیصلے کوئی اور کرتا ہے، جو ناقص ہیں، بہرے اور گونگے ہیں اور عقل و فہم سے محروم ہیں۔ ایک اور عقلی دلیل، جو اللہ کے بندے زمانہ قدیم میں بھی اور زمانہ جدید میں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں وہ اہل توحید کی عزت افزائی اور اہل شرک کی رسوائی اور عقوبت ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ نے توحید کو دین و دنیا کی ہر بھلائی کے حصول، اور ہر شر سے بچاؤ کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور شرک و کفر کو تمام دینی و دنیاوی سزاؤں کا سبب قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب رسولوں کے واقعات بیان فرمائے جو انہیں اطاعت کرنے والوں اور نافرمانی کرنے والوں کے ساتھ پیش آئے، نافرمانوں کی سزائیں ذکر کیں، رسولوں اوران کے پیروکاروں کی نجات کا ذکر فرمایا، تو ہر واقعہ کے بعد فرمایا: ﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً﴾ (الشعراء: ۸/۲۶) ''بے شک اس میں نشانی ہے'' یعنی عبرت ہے، جس سے لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں کہ توحید ہی نجات کا باعث ہے، اور اسے چھوڑنا تباہی کا باعث ہے۔ یہ بڑے بڑے عقلی اور نقلی دلائل ہیں جن سے یہ عظیم اصول ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

اپنی کتاب میں اسے بار بار مختلف انداز سے بیان کیا ہے تا کہ حق واضح ہو جائے۔ پھر جو چاہے اسے قبول کر کے نجات پالے اور جو چاہے انکار کر کے تباہی کا نشانہ بن جائے۔ وللہ الحمد۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ معبود برحق صرف اللہ ہی ہے' تب یہ بتایا کہ کس طرح عبادت کرنا' اور کس دین کو قبول کرنا ضروری ہے۔ وہ دین اسلام ہے''اسلام'' کا مطلب ''سر تسلیم خم کرنا'' ہے' یعنی اللہ کی توحید اور اطاعت جس کی دعوت اس کے رسولوں نے دی' جس کی ترغیب اس کی کتابوں نے دی۔ اس کے سوا کوئی دین قبول نہیں' اس میں یہ بھی شامل ہے کہ محبت' خوف' امید' انابت اور دعا خالصتاً اس کے لیے ہو اور اس مقصد کے لیے اس کے رسول کی پیروی کی جائے۔ یہی تمام رسولوں کا دین ہے۔ جو ان کی پیروی کرے گا' وہ ان کے راستے پر ہو گا۔ اہل کتاب کو ان کی کتابیں متحد ہو کر اللہ کے دین پر عمل کرنے کا حکم دیتی تھیں۔ انہوں نے ان کتابوں کے آنے کے بعد ظلم و زیادتی کرتے ہوئے آپس میں اختلاف کیا۔ ورنہ ان کے پاس اختلاف سے بچ کر حق کی راہ اختیار کرنے کا سب سے بڑا سبب موجود تھا۔ اسے پس پشت ڈال دینا ان کا کفر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۗ وَمَن يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ ''اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بنا پر ہی اختلاف کیا ہے اور اللہ کی آیتوں کے ساتھ جو بھی کفر کرے۔ اللہ اس کا جلد حساب لینے والا ہے'' پھر وہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ بالخصوص جس نے حق کو پہچان کر ترک کیا' یہ سخت وعید اور عذاب الیم کا مستحق ہے۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ عیسائی اور دیگر جو لوگ اسلام پر دوسرے مذاہب کو فوقیت دیتے ہیں ان سے بحث کرتے ہوئے انہیں فرما دیں کہ ﴿أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ﴾ ''میں نے اور میرے تابع داروں نے اللہ کی اطاعت میں اپنا چہرہ مطیع کر دیا'' یعنی میں نے اور میرے پیروکاروں نے اقرار کیا ہے' گواہی دی ہے اور اپنے مالک کے سامنے سر جھکا دیے ہیں۔ ہم نے اسلام کے سوا دوسرے تمام مذاہب کو چھوڑ دیا ہے' ہمیں ان کے باطل ہونے پر یقین حاصل ہے۔ یہ کہہ کر آپ ان لوگوں کو مایوس کر دیں جن کو تمہارے بارے میں کوئی امید ہے (کہ شاید اسلام چھوڑ کر ہمارا دین اختیار کر لیں) اور شبہات پیش آنے پر اس طرح تمہارے دین کی تجدید ہو جائے گی' اور جو شبہات کا شکار ہے اس کے خلاف حجت قائم ہو جائے گی۔ کیونکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اہل علم بندوں کو توحید کی دلیل اور گواہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ تا کہ وہ دوسروں کے خلاف حجت بن جائیں' اہل علم کے سردار' سب سے افضل اور سب سے بڑے عالم ہمارے نبی محمد ﷺ ہیں۔ اس کے بعد آپ کے متبعین درجہ بدرجہ عالم ہیں۔ انہیں وہ صحیح علم اور کامل عقل حاصل ہے کہ کسی اور کو ان کے برابر تو کیا' قریب تر بھی حاصل نہیں۔ جب اللہ کی توحید اور اس کے دین کی حقانیت واضح دلیلوں سے ثابت ہو چکی ہے' مخلوقات میں سے کامل ترین اور عالم ترین

شخصیت نے انہیں مانا اور پیش کیا' تو اس سے یقین حاصل ہو گیا اور ہر شک و شبہ دور ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ اس کے سوا ہر مذہب باطل ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ﴾ "اہل کتاب سے (یعنی نصاریٰ اور یہود سے۔) اور ان پڑھ لوگوں سے (یعنی عرب و عجم کے مشرکین سے) کہہ دیجئے" ﴿ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا ﴾ "کیا تم بھی اطاعت اختیار کرتے ہو پھر اگر یہ بھی تابع دار بن جائیں"۔ اور تمہاری طرح ایمان لے آئیں ﴿ فَقَدِ اهْتَدَوْا ﴾ "تو وہ یقیناً ہدایت پانے والے ہیں"۔ جس طرح تم ہدایت یافتہ ہو۔ اس صورت میں وہ تمہارے بھائی بن جائیں گے۔ ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو تمہیں حاصل ہیں۔ اور ان کے وہی فرائض ہوں گے' جو تمہارے ہیں ﴿ وَاِنْ تَوَلَّوْا ﴾ "اور اگر یہ روگردانی کریں" اور اسلام قبول نہ کریں اور اسلام کے مخالف مذاہب پر قائم رہیں۔ ﴿ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ﴾ "تو آپ پر صرف پہنچا دینا ہے" آپ کو آپ کا رب ضرور اجر و ثواب دے گا۔ مخالف پر حجت قائم ہو چکی۔ اس کے بعد صرف یہی چیز باقی رہ گئی ہے کہ وہ انہیں ان کے جرم کی سزا دے۔ اس لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴾ "اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے"

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ

بیشک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں ساتھ اللہ کی آیتوں کے اور قتل کرتے ہیں نبیوں کو ناحق' اور قتل کرتے ہیں

الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ

ان لوگوں کو جو حکم دیتے ہیں ساتھ انصاف کے لوگوں میں سے' پس خوش خبری سنا دیجئے ان کو عذاب دردناک کی ○ یہی

الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

وہ لوگ ہیں کہ برباد ہو گئے عمل ان کے دنیا اور آخرت میں' اور نہیں واسطے ان کے کوئی مددگار ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کی خبر دی ہے' عظیم ترین جرائم کے مرتکب ہیں۔ اس سے بڑا جرم کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ کی ان آیات کا انکار کیا جائے جو اس حق کا قطعی ثبوت پیش کرتی ہیں' جس کا انکار کرنے والا انتہائی درجے کے کفر و عناد میں مبتلا ہے۔ وہ اللہ کے نبیوں کو قتل کرتے ہیں جن کا حق اللہ کے حق کے بعد سب سے بڑا ہے' جن کی اطاعت کرنا' ان پر ایمان لانا' ان کا احترام کرنا اور ان کی مدد کرنا' اللہ نے فرض قرار دیا ہے۔ لیکن انہوں نے اس کے بالکل برعکس عمل کیا۔ وہ انصاف کا حکم دینے والوں کو بھی قتل کرتے ہیں۔ انصاف سے مراد نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا ہے جو احسان اور خیر خواہی ہے ان لوگوں کی' جنہیں اچھی بات بتائی جاتی ہے یا بری بات سے منع کیا جاتا ہے۔ لیکن انہوں نے اس احسان اور خیر خواہی کا انتہائی برا جواب دیا کہ اپنے محسنوں کو شہید کر دیا۔ ان شنیع جرائم کی وجہ سے وہ انتہائی سخت عذاب کے مستحق ہو گئے۔ یعنی ایسا شدید اور دردناک عذاب جس کو پوری طرح بیان کرنا' اور اس کی شدت کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ جس کی تکلیف بدنوں' دلوں اور روحوں کے لیے ہے۔ ان کی

بداعمالیوں کی وجہ سے ان کی نیکیاں ضائع ہو گئیں۔ انہیں کوئی اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا' بلکہ اللہ کی دی ہوئی سزا میں کوئی ذرہ برابر کمی نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ ہر خیر سے مایوس ہیں۔ انہیں ہر شر اور مصیبت حاصل ہو گی۔ یہ حالت یہود کی' اور ان جیسے دوسرے لوگوں کی ہے۔ اللہ ان کا برا کرے۔ یہ اللہ پر' نبیوں پر اور نیک لوگوں پر کتنے جری ہیں!

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ

کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کی جو دیئے گئے کچھ حصہ کتاب سے' وہ بلائے جاتے ہیں کتاب اللہ کی طرف تاکہ فیصلہ کرے وہ (کتاب)

بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ

انکے درمیان' پھر منہ پھیر لیتا ہے ایک فریق ان میں سے' اور وہ اعراض کرنے والے ہیں ○ یہ بسبب اسکے کہ بے شک انہوں نے کہا' ہرگز نہیں

تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا

چھوئے گی ہمیں آگ مگر چند دن گنتی کے' اور دھوکے میں ڈال دیا ان کو ان کے دین (کے بارے) میں' ان چیزوں نے جو

كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ

تھے وہ گھڑتے ○ پس کیا حال ہو گا جب ہم جمع کریں گے انکو ایسے دن میں کہ نہیں شک اس (کے وقوع) میں' اور پورا (بدلہ) دیا جائے گا

كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

ہر نفس کو اس کا جو اس نے کمایا' اور وہ نہیں ظلم کیے جائیں گے ○

اللہ تعالیٰ اہل کتاب کی حالت بیان فرما رہا ہے جن پر انعام کرتے ہوئے اللہ نے انہیں اپنی کتاب دی۔ ان کا فرض تھا کہ سب سے زیادہ وہ اس پر قائم رہتے' اور سب سے پہلے وہ اس کے احکام کو تسلیم کرتے' لیکن اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں بتا رہا ہے کہ انہیں جب کتاب کے فیصلے (کو قبول کرنے) کی طرف بلایا جاتا ہے تو ان میں سے کچھ لوگ منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں۔ اپنے بدنوں کے ساتھ بھی منہ پھیرتے ہیں اور دلوں کے ساتھ بھی انکار کرتے ہیں۔ یہ انتہائی قابل مذمت رویہ ہے۔ اس میں ہمارے لیے تنبیہ ہے کہ ان جیسا کام نہ کریں' ورنہ ہم بھی اس مذمت کے مستحق ہوں گے۔ اور ہمیں بھی ان جیسی سزا مل سکتی ہے۔ بلکہ جس کو اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جائے اس کا فرض ہے کہ سنے' اطاعت کرے' اور دل سے تسلیم کرے' جیسے اللہ نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ (النور: ۵۱/۲۴) ''مومنوں کو جب اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے' تو وہ صرف یہی کہتے ہیں: ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا'' اہل کتاب کو جو دھوکا لگا ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ کی نافرمانی کی جرأت کرتے ہیں' وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: ﴿لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ ''ہمیں تو آگ گنے چنے چند دن کے لیے ہی جلائے گی' اور ان کی گھڑی ہوئی باتوں نے ان کو ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں

ڈال دیا۔'' انہوں نے اپنے پاس سے ایک بات بنا کر اس کو حقیقت سمجھ لیا اور اس پر عمل کرنے لگے اور گناہوں سے اجتناب نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے دلوں نے ان کو یہ دھوکا دے رکھا ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے۔ ان کی یہ بات سراسر جھوٹ اور کذب بیانی ہے۔ ان کا انجام تو بہت برا اور انتہائی اندوہناک ہونے والا ہے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْنَاهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ﴾ ''پس کیا حال ہوگا' جب ہم انہیں اس دن جمع کریں گے۔ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔'' ان کا حال اتنا برا ہوگا کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ دن کمائی کا پورا پورا بدلہ ملنے کا دن ہے اور یہ بدلہ انصاف کے ساتھ ملے گا' جس میں ظلم بالکل شامل نہیں ہوگا۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ یہ نتیجہ اعمال کے مطابق ہوگا اور ان کے اعمال ایسے ہیں جو انہیں شدید ترین عذاب کا مستحق ثابت کرتے ہیں۔

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ

آپ کہہ دیجیے' اے اللہ! اے مالک بادشاہی کے! تو ہی دیتا ہے بادشاہی جس کو چاہے' اور چھین لیتا ہے بادشاہی اس سے جس سے چاہے'

وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ط بِيَدِكَ الْخَيْرُ ط إِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

اور تو ہی عزت دیتا ہے جس کو چاہے' اور تو ہی ذلت دیتا ہے جس کو چاہے' تیرے ہی ہاتھ میں ہے سب بھلائی' یقیناً تو اوپر ہر چیز کے

قَدِيْرٌ ﴿٢٦﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ

قادر ہے ○ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں' اور نکالتا ہے تو زندہ کو

مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٢٧﴾

مُردہ سے اور نکالتا ہے مُردہ کو زندہ سے' اور تو رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے حساب ○

اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ کہہ دیجیے ﴿اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ﴾ ''اے اللہ! بادشاہی کے مالک'' یعنی تو بادشاہ ہے جو تمام ملکوں کا مالک ہے۔ بادشاہ کی صفت علی الاطلاق تیرے لیے ہے۔ اور آسمان کی اور زمین کی تمام سلطنت تیری ہی ہے۔ اس میں تبدیلیاں لانا اور انتظام کرنا سب تیرے ہاتھ میں ہے۔ پھر چند تبدیلیاں ذکر کی ہیں جو اکیلے باری تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ فرمایا: ﴿تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ﴾ ''تو جسے چاہے باشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے'' اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایران کے کسریٰ بادشاہوں سے' اور روم کے قیصر بادشاہوں سے' اور ان کے پیروکاروں سے حکومت چھین کر محمد ﷺ کو عطا فرمائے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ وللہ الحمد۔ لہٰذا حکومت کا مل جانا یا چھن جانا اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے۔ یہ فرمان اللہ کی اس سنت کے خلاف نہیں جو اس نے کچھ تکوینی اور دینی اسباب قائم کر رکھے ہیں جن کی وجہ سے حکومت باقی رہتی' ملتی اور ختم ہو جاتی ہے۔ یہ اسباب بھی اللہ کی مشیت کے تابع ہیں۔ کوئی سبب مستقل بالذات نہیں۔ بلکہ تمام

اسباب قضاء وقدر کے تحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بادشاہی کے حصول کے جو اسباب مقرر کیے ہیں ان میں ایمان اور عمل صالح بھی ہیں۔ اس مقصد کے لیے چند ضروری اعمال صالحہ یہ ہیں: مسلمانوں کا اتفاق واتحاد جو آلات تیار کرنے اور حاصل کرنے ممکن ہوں' جمع کرنا' صبر وثبات' باہمی تنازعات سے پرہیز۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (النور: ۲۴/۵۵) ''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے' اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا' جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا'' اللہ نے بتایا ہے کہ مذکورہ خلافت کے حصول کی شرط ایمان اور عمل صالح ہے اور فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾ (الانفال: ۸/۶۲-۶۳) ''وہی ہے جس نے آپ کو اپنی مدد کے ساتھ اور مومنوں کے ساتھ قوت بخشی اور ان کے دلوں میں محبت ڈال دی'' اور فرمایا ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (الانفال: ۸/۴۵-۴۶) ''اے مومنو! جب تم کسی جماعت کا سامنا کرو تو ثابت قدم رہو' اور اللہ کو بہت یاد کرو' تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اور جھگڑا نہ کرو' ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' یعنی اللہ نے بتایا ہے کہ مومنوں کی باہمی محبت' ثابت قدمی اور اتفاق دشمنوں پر فتح کا باعث ہے۔ اگر آپ مسلمان ملکوں کے حالات پر غور کریں تو ان کی سلطنت ختم ہونے کا بڑا سبب دین سے دوری اور باہمی افتراق ہے جس سے دشمنوں کو حوصلہ ہوا اور ان کے درمیان لڑائی ڈال دی۔ پھر اللہ نے فرمایا: ﴿وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ ''تو جسے چاہے (اپنی اطاعت کی وجہ سے) عزت دے'' ﴿وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ﴾ ''اور جسے چاہے (معصیت کی وجہ سے) ذلت دے'' ﴿اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ''بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔'' کوئی چیز تیرے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتی۔ بلکہ سب کچھ تیری قدرت اور مشیت کے تحت ہے ﴿تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ﴾ ''تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے' اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔'' جس کی وجہ سے موسم پیدا ہوتے ہیں' روشنی' دھوپ' سایہ' سکون اور انتشار پیدا ہوتا ہے۔ جو اللہ کی قدرت' عظمت' حکمت اور رحمت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ﴿وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ ''تو نکالتا ہے جان دار کو بے جان سے۔'' جیسے انڈے سے چوزہ' گٹھلی سے درخت' بیج سے کھیتی اور کافر سے مومن۔ ﴿وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ﴾ ''اور نکالتا ہے بے جان کو جان دار سے'' جیسے پرندے سے انڈا' درخت سے گٹھلی' پودے سے دانہ اور مومن میں سے کافر۔ یہ اللہ کی قدرت کی سب سے بڑی دلیل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام اشیا مسخر ہیں' ان کے ہاتھ میں کوئی اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا متضاد اشیا کو پیدا کرنا اور ایک چیز میں سے

اس سے متضاد چیز پیدا کرنا ثابت کرتا ہے کہ یہ سب مجبور ولاچار ہیں۔ ﴿ وَتَرۡزُقُ مَنۡ تَشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ ﴾ ''تو ہی جسے چاہتا ہے' بے حساب روزی دیتا ہے۔'' تو جسے چاہتا ہے وہاں سے وسیع رزق دے دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا' اور نہ اس نے کمائی کی ہوتی ہے۔ پھر فرمایا:

لَا يَتَّخِذِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ۚ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ

نہ بنائیں مومن کافروں کو دوست سوائے مومنوں کے' اور جو کوئی کرے گا یہ

فَلَيۡسَ مِنَ اللّٰهِ فِىۡ شَىۡءٍ اِلَّاۤ اَنۡ تَتَّقُوۡا مِنۡهُمۡ تُقٰٮةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ

تو نہیں ہے اسے اللہ سے کوئی تعلق' مگر اس لیے کہ چاہو تم ان (کے شر) سے بچنا' اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ

نَفۡسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الۡمَصِيۡرُ ۝۲۸ قُلۡ اِنۡ تُخۡفُوۡا مَا فِىۡ صُدُوۡرِكُمۡ اَوۡ تُبۡدُوۡهُ

اپنی ذات سے' اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ○ کہہ دیجیے' اگر چھپاؤ تم وہ بات جو تمہارے سینوں میں ہے' یا ظاہر کرو اسے'

يَعۡلَمۡهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعۡلَمُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ

جانتا ہے اس کو اللہ' اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور اللہ اوپر ہر چیز کے

قَدِيۡرٌ ۝۲۹ يَوۡمَ تَجِدُ كُلُّ نَفۡسٍ مَّا عَمِلَتۡ مِنۡ خَيۡرٍ مُّحۡضَرًا ۖۚ وَّمَا عَمِلَتۡ

قادر ہے ○ جس دن پائے گا ہر نفس جو عمل کیا اس نے اچھائی سے' (اپنے سامنے) حاضر کیا ہوا' اور جو عمل کیا اس نے

مِنۡ سُوۡٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوۡ اَنَّ بَيۡنَهَا وَبَيۡنَهٗۤ اَمَدًاۢ بَعِيۡدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ

برائی سے (وہ بھی) تو وہ آرزو کرے گا' کاش کہ ہو درمیان اسکے اور درمیان اس (کی برائی) کے فاصلہ دور کا' اور ڈراتا ہے تمہیں

اللّٰهُ نَفۡسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌ ۢ بِالۡعِبَادِ ۝۳۰ ع

اللہ اپنی ذات سے' اور اللہ بہت شفقت کرنے والا ہے اپنے بندوں پر ○

اللہ تعالیٰ مومنوں کو کافروں سے دوستی لگانے سے منع فرماتا ہے کہ ان سے محبت نہ رکھیں' ان کی مدد نہ کریں' مسلمانوں کے کسی کام میں ان سے مدد نہ لیں اور جو کوئی ایسی حرکت کرے اسے تنبیہ فرماتا ہے کہ ﴿ وَمَنۡ يَّفۡعَلۡ ذٰلِكَ فَلَيۡسَ مِنَ اللّٰهِ فِىۡ شَىۡءٍ ﴾ ''جو ایسا کرے گا' اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں'' یعنی وہ اللہ سے کٹ گیا ہے' اس کا اللہ کے دین میں کوئی حصہ نہیں۔ کیونکہ کافروں سے دوستی اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے۔ ایمان تو اللہ سے محبت اور اس کے دوستوں یعنی مومنوں سے تعاون کر کے اللہ کے دین کو قائم کرنے اور اس کے دشمنوں سے جنگ کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَالۡمُؤۡمِنُوۡنَ وَالۡمُؤۡمِنٰتُ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلِيَآءُ بَعۡضٍ ﴾ (التوبہ: ۹/۷۱) ''مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے ولی (مددگار' محبت رکھنے والے) ہیں۔'' جو شخص مومنوں کو چھوڑ کر ان کافروں سے دوستی لگاتا ہے جو اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اس کے اولیاء کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں' ایسا

شخص مومنوں کی جماعت سے نکل جاتا ہے اور کافروں کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے:
﴿ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ﴾ (المائدہ: ۵/۵۱) ''تم میں سے جو کوئی ان سے محبت رکھے گا' وہ انہی میں سے ہوگا''
اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں سے ان کے ساتھ میل جول رکھنے سے' ان سے دوستی لگانے سے ان کی طرف میلان رکھنے سے بچنا ضروری ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی کافر کو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی عہدہ نہیں دیا جا سکتا۔ عام مسلمانوں کے فائدے کے کسی کام میں ان سے مدد نہیں لی جا سکتی۔ ﴿ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ﴾ ''مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح کا بچاؤ مقصود ہو۔'' یعنی اگر تمہیں ان سے جان کا خطرہ ہو تو اپنی جان بچانے کے لیے زبان سے تقیہ کر سکتے ہو' اور ظاہری طور پر ایسا کام کر سکتے ہو جس سے تقیہ ہو جاتا ہے۔ [1] ﴿ وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ ﴾ ''اللہ تعالیٰ تمہیں خود اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے۔'' لہٰذا اس کی نافرمانی کر کے اس کی ناراضی مول نہ لو۔ ورنہ وہ تمہیں اس کی سزا دے گا۔ ﴿ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴾ ''اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' یعنی قیامت کے دن سب بندے اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔ پھر وہ تمہارے اعمال کو شمار کرے گا' ان پر محاسبہ کرے گا اور سزا و جزا دے گا۔ لہٰذا ایسے برے کام کرنے سے بچو جن کی وجہ سے تم عقوبت کے مستحق ہو جاؤ۔ بلکہ ایسے عمل کرو جن سے تمہیں اجر و ثواب ملے۔ پھر اللہ نے اپنے علم کی وسعت کے بارے میں فرمایا' وہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے' بالخصوص جو کچھ دلوں میں ہے اسے بھی جانتا ہے۔ اس کی قدرت بھی کامل ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ دلوں کو پاک رکھنا چاہیے اور ہر وقت اللہ کے علم کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔ اس کے نتیجے میں بندے کو اس بات سے شرم آئے گی

---

[1] تحقیق شدہ نسخہ کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ''المنہاج'' میں فرمایا ہے: اللہ کا یہ فرمان: ﴿ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً ﴾ اس کے بارے میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: (لامصانعة) ''ان کا ساتھ نہ دو''۔ تقیہ یہ نہیں ہوتا کہ میں جھوٹ بولوں' اور زبان سے وہ بات کہوں جو میرے دل میں نہیں' یہ تو منافقت ہے۔ بلکہ مجھے چاہیے کہ نبی ﷺ کے ارشاد کے مطابق جو کچھ کر سکوں کروں۔ ارشاد نبوی ہے ''تم میں سے جو کوئی کچھ برائی دیکھے' تو اسے ہاتھ سے تبدیل (اور ختم) کر دے' اور اگر یہ طاقت نہ ہو' تو زبان سے (منع کرے)۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (نفرت رکھے)۔'' لہٰذا مومن جب کافروں اور بدکاروں میں گھر جائے تو کمزور ہونے کی وجہ سے اس پر ہاتھ سے جہاد کرنا فرض نہیں۔ اگر زبان سے منع کر سکے تو ضرور کرے ورنہ دل سے نفرت رکھے۔ ان تمام درجات میں وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ زبان سے وہ بات نہیں کہے گا' جو اس کے دل میں نہیں۔ وہ یا تو اپنا دین ظاہر کرے گا' یا چھپائے گا۔ لیکن کسی بھی حال میں ان کے مذہب کی تائید نہیں کرے گا۔ زیادہ سے زیادہ وہ مومن آل فرعون کا' یا زوجہ فرعون کا سا طرز عمل اختیار کر سکتا ہے۔ وہ مومن ان کے دین کی تائید نہیں کرتا تھا' نہ جھوٹ بولتا تھا' نہ زبان سے وہ بات کہتا تھا جو اس کے دل میں نہیں' بلکہ اپنے دین کو چھپائے ہوئے تھا۔ دین کو چھپانا اور چیز ہے اور باطل دین کا اظہار بالکل دوسری چیز ہے۔ اللہ نے اس چیز کی بالکل اجازت نہیں دی۔ صرف اسے اجازت دی ہے جسے کلمہ کفر کہنے پر زبردستی مجبور کر دیا جائے...... ''الخ۔ (از محقق)

کہ اس کا مالک اس کے دل کو گندے خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا دیکھے۔ بلکہ وہ اپنی سوچ کو ایسے امور میں مشغول کرے گا جن سے اللہ کا قرب حاصل ہو۔ مثلاً قرآن مجید کی کسی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث پر غور و فکر یا ایسے علم کو سمجھنے کی کوشش جس سے اسے فائدہ ہو یا اللہ کی کسی مخلوق اور نعمت کے بارے میں سوچنا' یا اللہ کے بندوں کی بھلائی کے کسی کام کے بارے میں سوچ بچار۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے علم اور قدرت کا ذکر فرماتا ہے' تو اس میں ضمناً اعمال کی جزا و سزا بھی شامل ہوتی ہے۔ جو قیامت کے دن واقع ہوگی۔ اس دن ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری جزا و سزا ملے گی۔ اس لیے فرمایا: ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا﴾ ''جس دن ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکیوں کو موجود پائے گا'' یعنی اس کی نیکیاں مکمل طور پر محفوظ ہوں گی۔ ان میں ذرہ برابر بھی کمی نہ آئی ہوگی۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ﴾ (الزلزال:۹۹/۷) ''پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی' وہ اسے دیکھ لے گا'' (خیر) ایک جامع لفظ ہے جس میں اللہ کے قریب کرنے والا ہر نیک عمل شامل ہے۔ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ جس طرح (سوء) ایک جامع لفظ ہے جس میں اللہ کو ناراض کرنے والا ہر چھوٹا بڑا برا عمل شامل ہے۔ ﴿وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا﴾ ''اور جو اس نے برائیاں کی ہوں گی' آرزو کرے گا' کاش اس کے اور ان (برائیوں) کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی'' وہ بے انتہا افسوس اور شدید ترین غم کی وجہ سے یہ آرزو کرے گا۔ بندے کو ان گناہوں سے بچنا اور ڈرنا چاہیے جن کے نتیجے میں اسے شدید ترین غم برداشت کرنا پڑے گا۔ اب ان گناہوں کو چھوڑنا ممکن ہے' اس لیے فوراً ترک کر دینا چاہیے ورنہ اس وقت وہ کہے گا ﴿يٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ﴾ (الزمر: ۵۶/۳۹) ''ہائے افسوس! میں نے اللہ کی جناب میں کوتاہی کی!'' ﴿يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ﴾ (النساء: ۴۲/۴) ''جنہوں نے کفر کیا' اور رسول کی نافرمانی کی اس دن تمنا کریں گے کاش! زمین ان کو نگل کر برابر ہو جائے'' ﴿وَيَوْمَ يَعَضُّ الظَّالِمُ عَلٰى يَدَيْهِ يَقُوْلُ يٰلَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُوْلِ سَبِيْلًا ۝ يٰوَيْلَتٰى لَيْتَنِيْ لَمْ اَتَّخِذْ فُلَانًا خَلِيْلًا﴾ (الفرقان: ۲۵/۲۷-۲۸) ''اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا' کاش! میں نے رسول (ﷺ) کی راہ اختیار کی ہوتی! ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔'' ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَنَا قَالَ يٰلَيْتَ بَيْنِيْ وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِيْنُ﴾ (الزخرف: ۴۳/۳۸) ''یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا تو کہے گا' کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری ہوتی' تو تو بڑا برا ساتھی ہے۔'' قسم ہے اللہ کی! ہر خواہش نفس کو اور لذت کو ترک کر دینا۔ اگرچہ اس جہان میں اسے ترک کرنا نفس کو کتنا دشوار محسوس ہوتا ہو۔ ان عذابوں کو جھیلنے سے اور ان رسوائیوں کو برداشت کرنے سے بہت زیادہ آسان ہے۔ لیکن بندہ ظالم اور نادان ہونے کی وجہ سے صرف حاضر و موجود پر نظر رکھتا ہے۔ اگر اس کے پاس کامل عقل ہو تو ان اعمال کے انجام کو دیکھے'

پھر وہ عمل کرے جس کا دونوں جہان میں فائدہ ہو۔ اور اس کام سے اجتناب کرے جو دونوں جہان میں نقصان کا باعث ہو۔ اس کے بعد اللہ نے ہم پر شفقت و رحمت کرتے ہوئے دوبارہ اپنی ذات سے ڈرایا ہے تاکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے دل سخت نہ ہو جائیں۔ تاکہ ترغیب بھی ہو جس کے نتیجے میں امید اور عمل صالح حاصل ہو۔ اور ترہیب بھی ہو جس کے نتیجے میں خوف حاصل ہو اور گناہ چھوٹ جائیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ﴾ ”اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے“ ہم اس سے دعا کرتے ہیں کہ ہم پر احسان فرما کر ہمیشہ اپنے خوف سے نوازے رکھے تاکہ ہم وہ کام نہ کریں جن سے وہ ناراض ہوتا ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ

کہہ دیجئے' اگر ہو تم محبت کرتے اللہ سے' تو اتباع کرو میرا' محبت کرے گا تم سے اللہ' اور بخش دے گا واسطے تمہارے گناہ' تمہارے

وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٣١﴾

اور اللہ بہت بخشنے والا' نہایت رحم کرنے والا ہے ○

اس آیت میں اللہ کی محبت کا وجوب' اس کی علامات' اس کا نتیجہ اور فوائد ذکر کیے گئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ﴾ ”کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو“ اگر تم اس اونچے مرتبے کا دعویٰ رکھتے ہو' جس سے بلند کوئی مرتبہ نہیں' تو اس کے لیے صرف دعویٰ کافی نہیں' بلکہ یہ دعویٰ سچا ہونا چاہیے۔ اس کے سچا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہر حال میں ہو' اقوال میں بھی ہو اور افعال میں بھی' عقائد میں بھی ہو اور اعمال میں بھی' ظاہر میں بھی ہو اور باطن میں بھی۔ پس جو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتا ہے' اللہ کی محبت اس کے دعویٰ کی تصدیق کرتی ہے' اللہ اس سے محبت رکھتا ہے اور اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے' اس پر رحمت فرماتا ہے' اسے تمام حرکات و سکنات میں راہ راست پر قائم رکھتا ہے۔ جس نے رسول کی اتباع نہ کی وہ اللہ سے محبت رکھنے والا نہیں۔ کیونکہ اللہ کی محبت کا تقاضا رسول ﷺ کی اتباع ہے۔ جب اتباع موجود نہیں' تو یہ محبت نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس صورت میں اگر وہ رسول سے محبت رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ اور اگر محبت موجود بھی ہو تو اس کی شرط (اتباع) کے بغیر ایسی محبت بے کار ہے۔ سب لوگوں کو اسی آیت کی ترازو پر تولنا چاہیے۔ جتنی کسی میں اتباع رسول ہوگی' اسی قدر اس میں ایمان اور اللہ کی محبت کا حصہ ہوگا اور جس طرح اتباع میں کمی ہوگی' اسی قدر ایمان اور اللہ کی محبت میں نقص ہوگا۔

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿٣٢﴾

کہہ دیجئے' اطاعت کرو تم اللہ کی اور اس کے رسول کی' پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو بلاشبہ اللہ نہیں پسند کرتا کافروں کو ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو سب سے جامع حکم صادر فرمایا ہے۔ وہ ہے اس کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت۔ اس میں ایمان اور توحید بھی شامل ہے۔ اور اس کی شاخیں یعنی ظاہری اور باطنی اقوال و افعال بھی۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں اس کے منع کیے ہوئے کاموں سے پرہیز بھی شامل ہے۔ کیونکہ گناہ سے پرہیز اللہ کے حکم کی تعمیل ہے، یعنی اس کی اطاعت میں شامل ہے۔ لہٰذا اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرنے والے ہی کامیاب ہیں۔ ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ ''پس اگر یہ منہ پھیر لیں''، یعنی اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری سے اعراض کریں، تو دوسرا راستہ صرف کفر کا اور شیطان کی فرماں برداری کا ہے۔ ﴿كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ﴾ (الحج: ۲۲/ ۴) ''اس کے بارے میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو اسے دوست بنائے گا، وہ اسے گمراہ ہی کرے گا اور جہنم کے عذاب میں لے جائے گا۔'' اس لیے فرمایا: ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ ''پس اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا'' بلکہ ان سے ناراض ہے، اور سخت ترین سزا دے گا۔ اس آیت مبارکہ میں اتباع رسول کی وضاحت ہے کہ اس کا طریقہ اللہ کے احکامات اور رسول کے احکامات پر عمل کرنا ہے۔ یہی حقیقی اتباع اور پیروی ہے۔ اس کے بعد فرمایا:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿٣٣﴾ ذُرِّيَّةً

بے شک اللہ نے چن لیا آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو اوپر جہانوں کے ○ اولاد ہیں

بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ ۗ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٣٤﴾ إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ

بعض ان کے بعض کی اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ○ جب کہا عمران کی بیوی نے

رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي ۖ إِنَّكَ أَنْتَ

اے میرے رب! بیشک میں نے نذر مانی ہے تیرے لیے اس (بچے) کی جو میرے پیٹ میں ہے آزاد کیا ہوا پس تو قبول کر مجھ سے (یہ) یقیناً تو ہی

السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ ۗ وَاللَّهُ

خوب سننے والا، خوب جاننے والا ہے ○ پھر جب اس نے جنا اس کو تو کہا، اے میرے رب! بیشک میں نے تو جنی ہے وہ لڑکی، اور اللہ

أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ۗ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ ۖ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي

خوب جانتا تھا جو اس نے جنا تھا، اور نہیں تھا (وہ) لڑکا مانند (اس) لڑکی کے، اور بیشک میں نے اسکا نام رکھا ہے مریم اور بے شک میں

أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا

پناہ میں دیتی ہوں اس کو تیری اور اس کی اولاد کو (بھی) شیطان مردود سے ○ پس قبول کیا اس کو اس کے رب نے

بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَأَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۖ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا

قبول کرنا اچھا اور پرورش کی اس کی پرورش اچھی، اور کفیل بنایا اس کا زکریا کو، جب بھی داخل ہوتے اس پر

زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ؕ قَالَتْ

زکریا حجرے میں' تو پاتے اسکے پاس کچھ کھانے کی چیزیں' انہوں نے کہا' اے مریم! کہاں سے آئیں تیرے لیے یہ؟ مریم نے کہا'

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

یہ اللہ کے پاس سے (آئی) ہیں' بے شک اللہ رزق دیتا ہے' جسے چاہے' بے حساب ○

اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ اولیاء' اصفیاء' اور انبیاء کے منتخب افراد ہونے کا ذکر فرماتا ہے کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کا انتخاب فرمایا۔ انہیں تمام مخلوقات میں بلند مقام عطا فرمایا۔ انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کر کے ان میں روح ڈالی' فرشتوں کو حکم دیا کہ انہیں سجدہ کریں' انہیں جنت میں ٹھہرایا۔ انہیں ایسا علم' حلم اور شرف عطا فرمایا جس کی بنا پر وہ تمام مخلوقات سے افضل قرار پائے۔ اس لیے ان کی اولاد بھی افضل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۷۰/۱۷) ''یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی' اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں' اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں' اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔''

اللہ نے نوح علیہ السلام کو منتخب فرمایا اور انہیں اس وقت رسول بنا کر اہل زمین کی طرف بھیجا' جب بتوں کی پوجا شروع ہوگئی۔ آپ کو ہر وقت صبر' برداشت' شکر اور تبلیغ کی وہ توفیق بخشی جس کی وجہ سے وہ منتخب قرار دیے جانے کے لائق ہوگئے۔ اللہ نے آپ کی دعا کے نتیجے میں زمین کے تمام باشندوں کو غرق کر دیا۔ آپ کو' آپ کے ساتھیوں کو کشتی کے ذریعے سے نجات بخشی' آپ کی نسل کو قیامت تک باقی رکھا۔ ہر زمانے میں لوگ آپ کی تعریف کرتے رہے اور کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آل ابراہیم کو منتخب فرمایا۔ جن میں خود ابراہیم علیہ السلام بھی شامل ہیں جن کو اللہ نے خاص طور پر اپنی خلت سے نواز کر خلیل الرحمٰن کے لقب سے مشرف فرمایا۔ جنہوں نے اپنی ذات کو آگ کے حوالے کر دیا' بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کر دیا' اور مال مہمانوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ آپ نے رات دن' چھپ چھپ کر اور علانیہ لوگوں کو رب کی طرف بلایا۔ اللہ نے آپ کو اسوہ (نمونہ) قرار دیا کہ بعد کے سب لوگ ان کی اتباع کریں۔ نبوت اور آسمانی کتابیں آپ کی اولاد کے لیے خاص کر دیں۔ آل ابراہیم میں وہ تمام انبیاء شامل ہیں جو آپ کے بعد مبعوث ہوئے' کیونکہ وہ سب آپ کی نسل سے تھے۔ اللہ نے ان حضرات کو ایسے ایسے فضائل سے نوازا کہ وہ جہانوں میں افضل ترین افراد بن گئے۔ ابراہیم علیہ السلام ہی کی آل میں سے تمام اولاد آدم کے سردار' ہمارے نبی جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی تشریف لائے۔ جن میں اللہ نے وہ تمام خوبیاں جمع فرما دیں جو دوسرے انبیائے کرام میں انفرادی طور پر موجود تھیں۔ چنانچہ آپ گزشتہ اور آئندہ تمام انسانوں سے بلند تر ہوئے۔ آپ رسولوں کے سردار ہوئے' جنہیں آل ابراہیم میں سے منتخب فرد (مصطفیٰ) ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمران کی آل کو بھی منتخب قرار دیا۔ عمران حضرت مریم علیہا السلام کے والد ماجد کا نام ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی عمران تھا۔ یہ گھرانے، جن کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے، یہ جہان والوں سے اس کے منتخب افراد کے گھرانے تھے۔ ان کی اولادوں کے ذریعے سے اصلاح اور توفیق کا تسلسل قائم رہا۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ﴾ ''یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں'' ان میں باہمی مناسبت اور مشابہت تخلیق کے لحاظ سے بھی ہے اور اخلاق حسنہ کے لحاظ سے بھی۔ جس طرح اللہ نے ان خاندانوں کے دوسرے انبیاء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (الانعام: ۸۷/۶) ''اور ان کے کچھ آباؤ واجداد کو، اور کچھ اولاد کو، اور کچھ بھائیوں کو۔ اور ہم نے ان کو مقبول بنایا اور ہم نے ان کو راہ راست کی ہدایت کی'' ﴿وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ سنتا جانتا ہے'' یعنی کون اس قابل ہے کہ اسے چنا جائے اور کون نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے انہیں اس لیے منتخب فرمایا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ان میں ایسی خوبیاں موجود ہیں جو انہیں انتخاب کے قابل بناتی ہیں۔ یہ بھی اللہ کا فضل و کرم تھا۔

ان بلند مرتبت حضرات کے واقعات ہمیں سنانے کا فائدہ اور حکمت یہ ہے کہ ہم ان سے محبت رکھیں، ان کی اقتدا کریں، اللہ سے سوال کریں کہ جس طرح ان کو توفیق دی تھی۔ ہمیں بھی ویسے نیک اعمال کی توفیق بخشے۔ ان کے پیچھے رہ جانے اور ویسی صفات سے متصف نہ ہونے کی بنا پر اپنے آپ کو حقیر سمجھتے رہیں (یعنی اپنے اعمال پر فخر نہ کریں) علاوہ ازیں اس بیان میں ان پر مہربانی ہے، اولین و آخرین میں ان کی تعریف کا اظہار ہے۔ اور ان کے شرف و عظمت کا اعلان ہے۔ اللہ کا جود و کرم کتنا عظیم ہے، اگر کوئی اور شرف نہ بھی ہوتا تو ان کے لیے یہی شرف کافی تھا کہ ان کا ذکر اور ان کی خوبیوں کا بیان دوام پا گیا ہے۔

ان معزز گھرانوں کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر فرمایا ہے کہ ان کی تربیت اور نشو و نما میں کس طرح اللہ کا خاص لطف و کرم شامل تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ﴾ ''جب عمران کی بیوی نے کہا'' یعنی مریم علیہا السلام کی والدہ نے حمل قرار پا جانے پر فرمایا: ﴿رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا﴾ ''اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے، اسے میں نے تیرے نام پر آزاد کرنے کی نذر مانی'' یعنی تیری رضا کے حصول کے لیے میں نے تیرے گھر کی خدمت کے لیے آزاد کر دیا۔ ﴿فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ﴾ ''پس تو میری طرف سے (یہ مبارک عمل) قبول فرما'' ﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ﴾ ''یقیناً تو خوب سننے والا، اور پوری طرح جاننے والا ہے'' تو میری دعا سن رہا ہے، اور میری نیت اور ارادے سے باخبر ہے، یہ دعا انہوں نے اس وقت کی تھی جب مریم علیہا السلام ان کے پیٹ میں تھیں، ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں۔ ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ اُنْثٰى﴾ ''جب بچی کو جنا تو کہنے لگی: پروردگار! مجھے تو لڑکی ہوئی'' جب کہ

انہیں شوق تھا کہ لڑکا پیدا ہو' جو اللہ کے گھر میں خدمت اچھے طریقے سے کر سکے۔ اس کلام سے گویا ایک قسم کی معذرت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ﴾ ''اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی'' اسے بتانے کی ضرورت نہیں۔ اسے تو اس وقت بھی علم تھا جب ان کی والدہ کو بھی علم نہیں تھا۔ ﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰى وَاِنِّيْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ﴾ ''اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں اور میں نے اس کا نام مریم رکھا'' اس سے معلوم ہوا کہ لڑکا لڑکی سے افضل ہے۔ اور پیدائش کے وقت نام رکھنا جائز ہے۔ اور ماں اپنے بچے کا نام رکھ سکتی ہے بشرطیکہ باپ کو یہ بات ناپسند نہ ہو۔ ﴿وَاِنِّيْ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ﴾ ''اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں'' انہوں نے مریم علیہا السلام اور مریم علیہا السلام کی اولاد کے لیے دعا کی کہ انہیں اللہ تعالیٰ شیطان سے محفوظ رکھے۔ ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ﴾ ''پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا'' یعنی انہیں نذر کے طور پر قبول فرمایا۔ اور انہیں اور ان کی اولاد کو شیطان سے محفوظ فرمایا۔ ﴿وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾ یعنی ان کی جسمانی اور اخلاقی تربیت بہت اچھی ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے زکریا علیہ السلام کو متعین فرمایا۔

﴿وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾ ''اور ان کی خیر خبر لینے والا زکریا کو بنایا'' یہ اللہ کی مہربانی تھی کہ ان کی تربیت کامل ترین حال میں ہو۔ چنانچہ اللہ کی عبادت کرتے کرتے ان کی عمر بڑھی' اور دوسری عورتوں سے فائق ہو گئیں۔ وہ اپنے رب کی عبادت کے لیے وقف ہو گئیں اور اپنی محراب یعنی نماز کی جگہ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے لگیں۔ ﴿كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا﴾ ''جب کبھی زکریا ان کے حجرے میں جاتے' تو ان کے پاس روزی رکھی ہوئے پاتے'' جس میں ان کی محنت و مشقت شامل نہیں تھی۔ بلکہ یہ رزق انہیں اللہ نے کرامت کے طور پر عطا فرمایا۔ زکریا علیہ السلام نے فرمایا ﴿اَنّٰى لَكِ هٰذَا﴾ ''یہ روزی تمہارے پاس کہاں سے آئی'' ﴿قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ''وہ جواب دیتیں' یہ اللہ کے پاس سے ہے'' یہ اس کا فضل و احسان ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ''بے شک اللہ جسے چاہے بے شمار روزی دے'' یعنی جہاں سے بندے کو گمان بھی نہ ہو اور بغیر محنت کھانے کا بندوبست فرما دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق: ۶۵: ۲، ۳) ''اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے' اللہ اس کے لیے خلاصی کی صورت بنا دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو'' علاوہ ازیں اس آیت سے اولیائے کرام کی خرق عادت کرامات کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ ایسے واقعات تواتر سے ثابت ہیں۔ اس لیے جو لوگ ان کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا موقف درست نہیں۔

جب زکریا علیہ السلام نے مریم علیہا السلام پر اللہ کا یہ احسان ملاحظہ فرمایا' اور انہیں بغیر کوشش اور محنت کے بہترین

رزق ملنے کی کرامت دیکھی تو آپ کے دل میں بیٹے کی خواہش پیدا ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ

وہیں دعا کی زکریا نے اپنے رب سے' کہا اے میرے رب! عطا کر مجھے اپنے پاس سے (بغیر اسباب ظاہری کے) اولاد پاکیزہ بیشک تو

سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ

خوب سننے والا ہے دعا کا ○ پس آواز دی اس کو فرشتوں نے جب کہ وہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا حجرے میں' بیشک اللہ

يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا

خوش خبری دیتا ہے تجھے یحییٰ کی درانحالیکہ وہ تصدیق کرنے والا ہوگا ایک کلمے (عیسیٰ) کی جو اللہ کی طرف سے ہے' اور سردار ہوگا

وَّحَصُوْرًا وَّ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ

اور بہت ضبط کرنے والا (نفس کا) اور نبی ہوگا صالحین میں سے ○ زکریا نے کہا' اے میرے رب! کیوں کر ہوگا میرے لیے لڑکا جبکہ

بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ

پہنچ چکا ہے مجھے بڑھاپا' اور میری بیوی بانجھ ہے؟ فرشتے نے کہا' اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے ○ زکریا نے کہا'

رَبِّ اجْعَلْ لِّيْٓ اٰيَةً ۭ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا

اے میرے رب! بنا دے میرے لیے کوئی نشانی' اللہ نے فرمایا' نشانی تیری یہ ہے کہ نہیں کلام کر سکے گا تو لوگوں سے تین دن مگر

رَمْزًا ۭ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾ ع

اشارے سے' اور یاد کر اپنے رب کو کثرت سے اور تسبیح کر شام اور صبح ○

زکریا علیہ السلام نے وہیں رب سے دعا کی کہ وہ انہیں پاکیزہ اولاد عطا فرمائے۔ یعنی خوش اخلاق اور خوش اطوار اولاد دے' تاکہ دینی اور دنیوی دونوں قسم کی نعمتوں کی تکمیل ہو جائے۔ اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمالی۔ جب آپ حجرے میں کھڑے اپنے رب کی عبادت اور مناجات میں مشغول تھے' فرشتوں نے آواز دی ﴿اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ''کہ اللہ تجھ کو یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ کے کلمہ (یعنی عیسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔'' ﴿وَسَيِّدًا﴾ ''اور سردار'' یعنی اللہ آپ کو ایسی اچھی صفات عطا فرمائے گا کہ آپ سردار بن جائیں گے۔ اور لوگ اپنے معاملات میں رہنمائی کے لیے آپ کی طرف رجوع کریں گے۔ ﴿وَحَصُوْرًا﴾ ''اور ضابط نفس'' یعنی عورتوں سے تعلق نہیں رکھیں گے۔ رب کی خدمت و اطاعت میں مشغول ہونے کی وجہ سے آپ کے دل میں عورتوں کی خواہش پیدا نہیں ہوگی۔ ﴿وَنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ ''اور نبی نیک لوگوں میں سے'' کتنی عظیم بشارت ہے۔ اس سے بڑی خوش خبری کیا ہو سکتی ہے۔ اس میں بیٹا ملنے کی خوش خبری بھی ہے' اور اس کی کامل صفات والا ہونے کی بھی' اور اس کے نبی ہونے کی بھی! زکریا علیہ السلام انتہائی خوشی کی حالت میں پکار اٹھے۔

﴿ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِیَ الْكِبَرُ وَ امْرَاَتِیْ عَاقِرٌ ﴾ ''اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ میں بالکل بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے''۔ ان میں سے ایک سبب بھی ہوتا تو اولاد نہ ہوتی۔ اب تو دونوں جمع ہیں۔ اللہ نے بتایا کہ یہ پیدائش معجزانہ شان کی حامل ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ﴾ ''اسی طرح اللہ جو چاہے کرتا ہے''۔ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اولاد کی موجودگی کو اسباب مثلاً توالد و تناسل کے ساتھ متعلق کر دیا ہے اسی طرح اگر وہ بغیر اسباب کے اولاد دینا چاہے تو دے سکتا ہے کیونکہ اس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں۔ زکریا علیہ السلام نے اس بشارت کے جلدی پورا ہونے کی امید میں اور مکمل اطمینان حاصل ہونے کی غرض سے فرمایا: ﴿ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً ﴾ ''پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دے'' جو اس بچے کے وجود میں آجانے کی علامت ہو۔ ﴿ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ﴾ ''فرمایا: نشانی یہ ہے کہ تین دن تک تو لوگوں سے بات نہ کر سکے گا، مگر اشارے سے''۔ یعنی آپ کی زبان بغیر کسی مرض یا آفت کے کلام سے رک جائے گی، آپ صرف اشارے سے بات کر سکیں گے۔ کلام نہ کر سکنا ایک عظیم علامت ہے۔ اس میں ایک عجیب مناسبت ہے یعنی جس طرح اسباب موجود ہوتے ہوئے اللہ ان کو کام کرنے سے روک سکتا ہے۔ اسی طرح اسباب کے بغیر پیدا کر سکتا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ تمام اسباب اللہ کی قضاء و قدر کے تحت ہیں۔ اللہ نے آپ کو اپنا شکر کرنے اور صبح شام کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا۔ حتیٰ کہ جب آپ حجرے سے باہر تشریف لائے ﴿ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا ﴾ (مریم: ۱۹/۱۱) ''تو لوگوں کو اشارے سے فرمایا کہ صبح شام اللہ کی تسبیح کرتے رہنا''۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىِٕكَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ

اور (یاد کرو) جب کہا فرشتوں نے، اے مریم! بے شک اللہ نے چن لیا تجھے اور پاک کیا تجھے اور برگزیدہ کیا تجھے

عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۲﴾ یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ

اوپر دنیا جہان کی عورتوں کے O اے مریم! تو فرماں برداری کر اپنے رب کی، اور سجدہ کر اور رکوع کر

مَعَ الرّٰكِعِیْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ

ساتھ رکوع کرنے والوں کے O یہ خبروں میں سے ہیں غیب کی، ہم وحی کرتے ہیں ان کی آپ کی طرف اور نہیں تھے آپ ان کے پاس

اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَیُّهُمْ یَكْفُلُ مَرْیَمَ ۪ وَمَا

جب کہ وہ ڈال رہے تھے اپنے قلم کہ کون ان میں سے کفالت کرے مریم کی؟ اور نہیں

كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

تھے آپ ان کے پاس، جب کہ وہ باہم جھگڑ رہے تھے O

اللہ عزوجل حضرت مریم علیہا السلام کا شرف اور بلند مقام ظاہر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ فرشتوں نے انہیں براہ راست مخاطب کر کے فرمایا: ﴿ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ ﴾ ''اے مریم! اللہ نے تجھے برگزیدہ کر لیا'' ﴿ وَ طَهَّرَكِ ﴾ ''اور تجھے (ایسی خرابیوں سے) پاک کر دیا'' جو تیری شان میں کمی کا باعث بن سکتی تھیں۔ ﴿ وَ اصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''اور سارے جہان کی عورتوں میں تیرا انتخاب کر لیا'' پہلے (اصطفاء) ''انتخاب اور برگزیدہ کرنے'' کا تعلق آپ کی اچھی صفات اور نیک اعمال سے ہے۔ اور دوسرے (اصطفاء) سے مراد جہان کی عورتوں سے افضل قرار دینا ہے۔ جہان سے مراد یا تو ان کے زمانے کی ساری دنیا کی عورتوں پر فضیلت ہے یا پروردگار کی تمام عورتوں سے افضل قرار دینا مقصود ہے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے چند خواتین یعنی جناب خدیجہ، جناب عائشہ اور جناب فاطمہ رضی اللہ عنہن کا اس شرف میں شریک ہونا مریم علیہا السلام کے اصطفاء کے منافی نہیں۔ جب فرشتوں نے آپ کو اللہ کی منتخب بندی ہونے اور پاک کرنے کی خوشخبری دی تو یہ ایک عظیم نعمت اور اللہ کا عظیم احسان تھا، جس کا شکر کرنا ضروری تھا۔ اس لیے فرشتوں نے کہا: ﴿ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ ﴾ ''اے مریم! تو اپنے رب کی اطاعت کر'' قنوت سے مراد خشوع وخضوع کے ساتھ اطاعت پر مسلسل قائم رہنا ہے۔ ﴿ وَ اسْجُدِىْ وَ ارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴾ ''اور سجدہ کر، اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔'' عبادت میں رکوع اور سجدہ کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کا مقام دوسری عبادتوں سے افضل ہے۔ اور ان سے اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار ہوتا ہے۔ مریم علیہا السلام نے اللہ کا شکر کرتے ہوئے اطاعت کے جذبہ سے اس حکم کی تعمیل کی۔ جب اللہ نے اپنے نبی کو مریم علیہا السلام کے بارے میں یہ باتیں بتائیں کہ وہ اللہ کی مرضی کے مطابق کن حالات سے گزریں، تو یہ غیبی معاملات تھے جن کا علم وحی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ﴾ ''یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں۔'' ﴿ وَ مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ﴾ ''اور آپ ان کے پاس نہ تھے، جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ مریم کو ان میں سے کون پالے گا۔'' جب مریم علیہا السلام کی والدہ انہیں بیت المقدس کے ذمہ دار افراد کے پاس لے گئیں تو ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہوئی کہ وہ مریم علیہا السلام کی دیکھ بھال کا شرف حاصل کرے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے انہوں نے قرعہ اندازی کی، وہ اس طرح کہ اپنے قلم دریا میں ڈال دیے کہ جس کا قلم پانی کے ساتھ نہیں بہے گا وہی مریم علیہا السلام کا سرپرست قرار پائے گا۔ یہ شرف حضرت زکریا علیہ السلام کو حاصل ہوا جو ان کے نبی اور معزز ترین فرد تھے۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)! آپ ان لوگوں کو یہ واقعات بتاتے ہیں جن کے بارے میں نہ انہیں معلوم تھا، نہ ان کے آباء واجداد کو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ سچے ہیں اور آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ لہٰذا ان کا فرض ہے کہ آپ کی اطاعت قبول کریں اور آپ کے احکام کی تعمیل کریں۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿ وَ مَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَاۤ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَ مَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾

(القصص:۲۸/٤٤) ''اور طور کے مغربی جانب' جبکہ ہم نے موسیٰ کو احکام کی وحی پہنچائی تھی' نہ تو آپ موجود تھے اور نہ آپ دیکھنے والوں میں سے تھے۔''

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓىِٕكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ

جب کہا فرشتوں نے' اے مریم! بے شک اللہ خوش خبری دیتا ہے تجھ کو ایک کلمے کی اپنی طرف سے' اس کا نام ہوگا

الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۝۴۵

مسیح عیسیٰ بن مریم' بڑے مرتبے والا دنیا میں اور آخرت میں' اور (اللہ کے) مقربین میں سے ○

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۴۶ قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى

اور وہ کلام کرے گا لوگوں سے گہوارے میں اور پختہ عمر میں اور ہوگا صالحین میں سے ○ مریم نے کہا' اے میرے رب! کس طرح

يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا

ہوگا میرے لیے لڑکا' حالانکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے؟ فرشتے نے کہا' اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے' جب

قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۴۷ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

وہ فیصلہ کرتا ہے کسی کام کا تو صرف یہ کہتا ہے اس کے لیے کہ ہو جا' پس وہ ہو جاتا ہے ○ اور وہ تعلیم دے گا اسے کتاب کی اور حکمت کی

وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۴۸ۚ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ اَنِّىْ قَدْ جِئْتُكُمْ

اور تورات اور انجیل کی ○ اور (بنائے گا اسے) رسول طرف بنی اسرائیل کی' (وہ کہے گا) بے شک میں آیا ہوں تمہارے پاس

بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْــــَٔــةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ

نشانیاں لے کر تمہارے رب سے (وہ یہ کہ) بیشک میں بناتا ہوں تمہارے لیے گارے سے مانند شکل پرندے کی' پھر پھونک مارتا ہوں اس میں

فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْىِ الْمَوْتٰى

تو ہو جاتا ہے وہ (واقعی) پرندہ ساتھ اللہ کے حکم کے' اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور برص والے کو اور زندہ کرتا ہوں مردوں کو

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

ساتھ حکم اللہ کے' اور خبر دیتا ہوں تمہیں اس چیز کی جو تم کھاتے ہو اور جو تم ذخیرہ کرتے ہو اپنے گھروں میں' بلاشبہ اس میں

لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۴۹ۚ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ

یقیناً بہت بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر ہو تم مومن ○ اور تصدیق کرنے والا ہوں واسطے اس کے جو مجھ سے پہلے (نازل شدہ) ہے تورات'

وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ

اور تاکہ حلال کر دوں میں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جو حرام کر دی گئی تھیں تم پر' اور آیا ہوں تمہارے پاس نشانی لے کر تمہارے رب کی طرف سے'

فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ۝۵۰ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ ھٰذَا صِرَاطٌ

پس ڈرو تم اللہ سے اور اطاعت کرو میری ○ بیشک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا' پس تم عبادت کرو اسی کی' یہی ہے راستہ

مُّسْتَقِيْمٌ ﴿٥١﴾ فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ

سیدھا ○ پھر جب محسوس کیا عیسیٰ نے ان میں کفر' تو کہا' کون ہے مددگار میرا اللہ کے لیے؟

قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿٥٢﴾

کہا حواریوں نے' ہم ہیں مددگار اللہ (کے دین) کے' ہم ایمان لائے ساتھ اللہ کے' اور تو گواہ رہ اس بات کا کہ بے شک ہم فرماں بردار ہیں ○

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٥٣﴾

اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ساتھ اس چیز کے جو تو نے نازل کی' اور اتباع کیا ہم نے رسول کا' پس لکھ لے تو ہمیں ساتھ گواہوں کے ○

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٥٤﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى

اور انہوں نے تدبیر کی اور اللہ نے (بھی) تدبیر کی' اور اللہ بہتر ہے سب تدبیر کرنے والوں سے ○ (یاد کرو) جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ!

اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

بلا شبہ میں پورا پورا لینے والا ہوں تجھ کو اور اٹھانے والا ہوں تجھے اپنی طرف' اور پاک کرنے والا ہوں تجھے ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا'

وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَيَّ

اور کرنے والا ہوں ان کو جنہوں نے اتباع کیا تیرا' اوپر ان کے جنہوں نے کفر کیا' روز قیامت تک' پھر میری ہی طرف

مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٥٥﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ

ہے لوٹ کر آنا تمہارا' پس فیصلہ کروں گا میں تمہارے درمیان ان باتوں میں کہ تھے تم ان میں اختلاف کرتے ○ پس لیکن وہ لوگ جنہوں نے

كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ

کفر کیا' تو میں عذاب دوں گا ان کو عذاب شدید دنیا میں اور آخرت میں' اور نہیں ہو گا ان کے لیے

مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿٥٦﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ

کوئی مددگار ○ اور لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے نیک' تو اللہ پورے دے گا انہیں اجر ان کے'

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٥٧﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ

اور اللہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو ○ یہ (واقعات) کہ پڑھتے ہیں ہم ان کو آپ پر' نشانیوں میں سے ہیں

وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿٥٨﴾

اور ذکر حکمت والا ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو عظیم ترین بشارت دی' وہ اللہ کا کلمہ' اس کا بندہ' اس کا رسول' مریم کا بیٹا عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ آپ کو اللہ کا کلمہ اس لیے کہا گیا کہ آپ اللہ کے ایک کلمہ (اور خصوصی فرمان) کے ذریعے پیدا ہوئے تھے۔ اور آپ کے حالات اسباب سے خارج تھے۔ اللہ تعالیٰ

نے آپ کو اپنی نشانی اور عجیب مخلوق بنایا۔ وہ اس طرح کہ اللہ نے جبریل علیہ السلام کو مریم علیہا السلام کے پاس بھیجا۔ انہوں نے آپ کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماری۔ مقدس فرشتے کی یہ مقدس پھونک مریم علیہا السلام کے جسم میں داخل ہوگئی جس سے وہ پاک روح پیدا ہوگئی۔ اس وجہ سے آپ روحانی فطرت رکھتے تھے جو روحانی مادے سے پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے آپ کو روح اللہ (اللہ کی روح) کہا گیا۔ ﴿وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ ''جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے'' یعنی انہیں دنیا میں ایک معزز مقام حاصل ہے کہ آپ کو اللہ نے ان اولو العزم رسولوں میں شامل کیا' جو بڑی شریعتوں کے حامل تھے' اور انہیں کثیر تعداد میں متبعین نصیب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ شہرت بخشی جو مشرق اور مغرب میں پھیل گئی۔ وہ آخرت میں بھی اللہ کے ہاں' عزت والے ہوں گے۔ دوسرے انبیاء اور رسولوں کی طرح آپ بھی شفاعت کریں گے' جس سے آپ کا بلند مقام جہان والوں کے سامنے ظاہر ہو جائے گا۔ اس لیے وہ اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہیں' اپنے رب سے انتہائی قریب ہیں۔ بلکہ آپ مقربین کے سرداروں میں سے ہیں۔ ﴿وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا﴾ ''اور وہ لوگوں سے اپنے گہوارے میں باتیں کرے گا' اور ادھیڑ عمر میں بھی'' یہ عام بات چیت سے ممتاز کلام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں سے ایسی باتیں کرے گا جس میں ان کی بھلائی اور کامیابی ہے۔ اور ایسا کلام رسولوں کا ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ رسول ہوگا جو لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلائے گا۔ گہوارے میں لوگوں سے کلام کرنا اللہ کی ایک عظیم نشانی ہوگی جس سے مومنوں کو فائدہ ہوگا' اور وہ دشمنوں کے خلاف حجت ہوگی۔ جس سے ثابت ہوگا کہ وہ رب العالمین کے رسول اور اللہ کے بندے ہیں۔ یہ کلام آپ کی والدہ کے لیے بھی نعمت ہوگا کیونکہ اس کے ذریعے سے ان پر لگنے والے الزام کی تردید ہو جائے گی۔ ﴿وَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ''اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا'' یعنی اللہ اس پر یہ احسان بھی فرمائے گا کہ اسے نیکی عطا فرما کر نیک لوگوں میں شامل فرمائے گا۔ اس میں مریم علیہا السلام کے لیے کئی بشارتیں ہیں اور مسیح علیہ السلام کے بلند مقام کا اظہار بھی ہے۔ ﴿قَالَتْ رَبِّ أَنَّىٰ يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ﴾ ''کہنے لگیں: الٰہی مجھے لڑکا کیسے ہوگا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا'' اور اللہ کا عام قانون یہی ہے کہ مرد سے تعلق کیے بغیر اولاد نہیں ہوتی۔ یہ بات مریم علیہا السلام نے تعجب کے طور پر فرمائی۔ اللہ کی قدرت پر شک کرتے ہوئے نہیں فرمائی۔ ﴿قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۚ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾ ''فرشتے نے کہا: اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا' تو وہ ہو جاتا ہے۔'' اس نے مریم علیہا السلام کو بتایا کہ یہ خرق عادت معاملہ ہے۔ اسے پیدا کرنے والا وہ اللہ ہے جو کسی بھی کام کو کہتا ہے ہو جا' تو وہ ہو جاتا ہے۔ جو اس چیز پر یقین کر لے اس کا تعجب ختم ہو جائے گا۔ یہ اللہ کی حکمت ہے کہ اس نے عجیب کے بعد زیادہ عجیب واقعہ بیان فرمایا ہے۔ پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر فرمایا جن کے والد انتہائی بوڑھے اور والدہ بانجھ تھیں۔ پھر زیادہ عجیب واقعہ بیان فرمایا

یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا کسی والد کے بغیر صرف والدہ سے پیدا ہونا۔ تاکہ بندوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے۔ ہوتا وہی ہے جو وہ چاہے۔ جو کچھ وہ نہ چاہے وہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے بندے اور اپنے رسول عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے عظیم احسان کا ذکر فرمایا ﴿ وَ يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ ﴾ ''اللہ اسے کتاب یا کتابت کا علم دے گا'' اس لفظ سے کتاب کی جنس مراد ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد تورات اور انجیل کا ذکر خصوص کے طور پر کیا گیا کیونکہ یہ دونوں کتابیں اشرف و افضل ہیں۔ ان میں وہ احکام و شرائع مذکور ہیں جن کے مطابق بنی اسرائیل کے انبیاء فیصلے فرماتے تھے۔ علم دینے میں الفاظ اور معانی دونوں کا علم شامل ہے۔ ممکن ہے کہ الکتاب سے کتابت (لکھنے کا علم) مراد ہو۔ کیونکہ تحریر کا علم اللہ کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ہے۔ اسی لیے اللہ نے بندوں پر اپنا یہ احسان خاص طور پر ذکر فرمایا ہے کہ اس نے انہیں قلم کے ذریعے سے علم دیا' چنانچہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت میں ارشاد ہے: ﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴾ (العلق:۹۶/۱۔۴) ''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ تو پڑھتا رہ' تیرا رب بڑے کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا'' اور حکمت سے مراد اسرار شریعت کا علم' اور ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھنے کا علم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر یہ احسانات بیان فرمائے کہ انہیں لکھنا سکھایا' اور علم و حکمت سے نوازا۔ یہ انسان کی ذات سے تعلق رکھنے والا کمال ہے۔ پھر ایک اور کمال ذکر فرمایا جو آپ کو حاصل ہونے والے دوسرے فضائل سے بڑھ کر ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَ رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ ''اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا'' اللہ نے آپ کو اس عظیم قوم کی طرف مبعوث فرمایا جو اپنے زمانے کی افضل ترین قوم تھی۔ آپ نے انہیں اللہ کی طرف بلایا۔ اور اللہ نے آپ کو وہ معجزات عطا فرمائے جن سے ثابت ہو جائے کہ وہ واقعی اللہ کے بھیجے ہوئے رسول اور اس کے سچے نبی ہیں۔ اس لیے فرمایا: ﴿ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ ﴾ ''کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں۔ میں تمہارے لیے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں۔'' ﴿ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ﴾ ''پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔'' یعنی اس میں اللہ کے حکم سے جان پڑ جاتی ہے اور وہ اڑنے لگتا ہے۔ ﴿ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَ الْاَبْرَصَ ﴾ ''اور میں (اللہ کے حکم سے) مادر زاد اندھے اور ابرص کو اچھا کر دیتا ہوں'' ﴿ وَ اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ﴾ ''اور میں اللہ کے حکم سے مردے کو زندہ کر دیتا ہوں۔ اور جو کچھ تم کھاؤ' اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو' میں تمہیں بتا دیتا ہوں'' ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے' اگر تم ایمان دار ہو'' اس سے بڑی نشانی کیا ہو سکتی ہے کہ بے جان مٹی زندہ جانور بن جائے' ایسے بیمار تندرست ہو جائیں جن کا علاج کرنے سے تمام معالج عاجز تھے اور مردے زندہ ہو جائیں' اور غیبی امور کی خبریں

دی جائیں۔ ان میں سے اگر کوئی نشانی اکیلی بھی ظاہر ہوتی تو بہت بڑا معجزہ ہوتی۔ تو پھر جب یہ سب نشانیاں ظاہر ہوں اور ایک دوسری کی تائید کریں تو یقیناً یقین حاصل ہوگا' اور ایمان لانا ضروری ہوگا ﴿ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ ﴾ "اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے" یعنی میں ویسی ہی تعلیمات لے کر آیا ہوں جیسی موسیٰ علیہ السلام لائے تھے اور جو تورات میں موجود تھیں۔ سچے آدمی کی علامت یہ ہے کہ اس کی بتائی ہوئی باتیں دوسرے سچے افراد کے بیانات کے مطابق ہوں۔ وہ سچی خبریں دے اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرے۔ اس کی باتوں میں تناقض اور اختلاف نہ ہو۔ جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کی کیفیت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ بالخصوص جو سب سے بڑا دعویٰ یعنی نبوت کا دعویٰ کرے۔ اگر اس کا دعویٰ جھوٹ ہے تو اس کا جھوٹ ہر کسی کے سامنے ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ اس کی باتوں میں تناقض ہوتا ہے۔ اس کی باتیں سچے لوگوں کی باتوں کے خلاف اور جھوٹے لوگوں کی باتوں سے مشابہ ہوتی ہیں۔ گزشتہ اقوام میں یہی طریقہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت کا بھی یہی تقاضا ہے۔ کیونکہ نبوت کے دعویٰ میں سچے اور جھوٹے میں ہرگز اشتباہ نہیں ہوتا۔ البتہ بعض چھوٹے موٹے جزوی معاملات میں سچا اور جھوٹا ایک دوسرے سے مشابہ ہو سکتے ہیں۔ نبوت پر تو مخلوق کی ہدایت وضلالت اور نجات وہلاکت کا دارومدار ہے۔ اس کا سچا دعویٰ کرنے والا کامل ترین انسان ہی ہو سکتا ہے اور اس کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا سب سے حقیر' سب سے بڑھ کر جھوٹا اور سب سے زیادہ ظالم ہوتا ہے۔ لہٰذا اللہ کی حکمت اور رحمت کا تقاضا ہے کہ ان دونوں میں ایسے واضح فرق موجود ہوں جنہیں عقل رکھنے والا ہر شخص سمجھ سکے۔

اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ انجیل کی شریعت میں آسانی اور نرمی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَلِأُحِلَّ لَكُم بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ﴾ "اور میں اس لیے آیا ہوں تاکہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کردوں جو تم پر حرام کردی گئی ہیں" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجیل نے تورات کے اکثر احکام منسوخ نہیں کیے' بلکہ ان کی تکمیل کی ہے اور انہیں برقرار رکھا ہے۔ ﴿ وَجِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ﴾ "اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں سچا ہوں اور میری پیروی واجب ہے۔ اس سے مراد وہی معجزات ہیں' جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یہ سب کچھ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ ﴾ "تم اللہ سے ڈرو" اس کے احکام کی تعمیل کرو' اور اس کے منع کیے ہوئے کاموں سے پرہیز کرو' اور میری اطاعت کرو۔ کیونکہ رسول کی اطاعت اصل میں اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔ ﴿ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ ﴾ "یقین مانو میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے تم سب اسی کی عبادت کرو" توحید ربوبیت (یعنی اللہ کے خالق ہونے) کا اقرار سب کو ہے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو توحید الوہیت (یعنی صرف اللہ کے معبود برحق ہونے) کی دلیل بنایا۔ جسے مشرکین نہیں مانتے۔ آپ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم یہ مانتے ہیں کہ ہمارا خالق' رازق اور ہمیں تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں

دینے والا صرف اللہ ہے' اسی طرح ہمیں یہ بھی ماننا چاہیے کہ ہمارا معبود صرف اللہ ہے جس سے ہم محبت رکھیں' اس سے ڈریں' اس سے امیدیں رکھیں' اس سے دعائیں کریں' اس سے مدد مانگیں' اور عبادت کی دوسری تمام صورتیں بھی اس کے لیے مخصوص کر دیں۔ اس سے نصاریٰ کی تردید ہوتی ہے۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کو معبود مانتے ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے خود اقرار کیا ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق' اللہ کے بندے اور اللہ کی مشیت کے ماتحت ہیں۔ جیسے انہوں نے فرمایا تھا: ﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ آتَانِيَ الْكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا﴾ (مریم: ۱۹/ ۳۰) ''میں اللہ کا بندہ ہوں' اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے نبی بنایا ہے۔'' نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ أَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَانَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۚ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ○ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ﴾ (المائدۃ: ۵/ ۱۱۶۔ ۱۱۷) ''اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ فرمائے گا' اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو۔ عیسیٰ عرض کریں گے کہ میں تجھ کو منزہ سمجھتا ہوں۔ مجھ کو کسی طرح زیبا نہیں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے کہا ہوگا تو تجھ کو اس کا علم ہوگا۔ تو تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتا ہے' اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا۔ تمام غیبوں کا جاننے والا تو ہی ہے۔ میں نے ان سے اور کچھ نہیں کہا' مگر صرف وہی جو تو نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو' جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔'' ﴿هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ﴾ ''یہی سیدھی راہ ہے'' یعنی اللہ کی عبادت' اس کا تقویٰ اور اس کے رسول کی فرماں برداری ہی سیدھی راہ ہے جو اللہ تک اور اس کی جنت تک پہنچاتی ہے۔ اس کے سوا ہر راستہ جہنم کی طرف پہنچانے والا ہے۔

﴿فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ﴾ ''جب عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان کا کفر محسوس کر لیا'' دیکھا کہ وہ آپ کی اطاعت قبول کرنے پر آمادہ نہیں بلکہ انہیں جادوگر کہتے ہیں۔ آپ کو شہید کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کی کوشش کر رہے ہیں ﴿قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ﴾ ''تو کہنے لگے: اللہ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون ہے؟'' یعنی اللہ کے دین کی نصرت کے لیے میرے ساتھ کون تعاون کرے گا؟ ﴿قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ﴾ ''حواریوں (یعنی آپ کے مددگاروں) نے کہا ہم اللہ کی راہ کے مددگار ہیں'' یعنی انہوں نے آپ کا ساتھ دیا اور یہ فریضہ نبھایا۔ انہوں نے کہا: ﴿آمَنَّا بِاللَّهِ﴾ ''ہم اللہ پر ایمان لائے'' ﴿فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾ ''پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے'' یعنی ایسی گواہی جو مفید ہو' اس گواہی سے مراد اللہ کی توحید کا اقرار اور نبیوں کی تصدیق اور اس کے مطابق عمل۔ جب وہ دین کی نصرت کے لیے اور شریعت کو قائم کرنے کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو گئے تو

بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لے آیا۔ اور ایک گروہ نے کفر اختیار کیا۔ ان دونوں میں جنگ ہوئی تو اللہ نے مومنوں کی مدد کی۔ اور مشرکوں کو شکست ہوئی اور اہل توحید کامیاب ہوگئے۔ اس لیے اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَكَرُوْا ﴾ ''اور انہوں (کافروں) نے تدبیر کی'' یعنی اللہ کے نور کو بجھانے کے لیے اللہ کے نبی کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ﴿ وَمَكَرَ اللّٰهُ ﴾ ''اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی'' اور انہیں ان کے منصوبوں کی سزا دینے کا فیصلہ فرمایا۔ ﴿ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴾ ''اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے'' اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر کو ناکام بنا دیا اور وہ خائب وخاسر ہو کر رہ گئے۔ ﴿ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! میں تجھے پورا لینے والا ہوں' اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں۔'' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور اپنے رسول عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف آسمانوں پر اٹھا لیا' اور کسی اور شخص پر آپ کی مشابہت ڈال دی۔ جس آدمی کو آپ کا ہم شکل بنایا گیا تھا' دشمنوں نے اسے پکڑ کر صلیب پر چڑھایا اور قتل کر دیا۔ اس طرح وہ ایک عظیم جرم کے مرتکب ہوئے کیونکہ ان کی نیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کی تھی۔ اور اپنے خیال میں وہ اس کوشش میں کامیاب بھی رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ﴾ (النساء: ۱۵۷/۴) ''نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا' نہ سولی پر چڑھایا' بلکہ ان کے لیے وہی صورت بنا دی گئی تھی'' اس آیت سے اللہ تعالیٰ کا مخلوق سے اوپر ہونا' اور عرش پر حقیقتاً مستوی ہونا ثابت ہوتا ہے' جیسے کہ قرآن وحدیث کی نصوص سے ثابت ہوتا ہے جنہیں اہل سنت نے تسلیم کیا ہے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غالب قوی اور زبردست ہے۔ جس کا ایک مظہر بنی اسرائیل کا عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لینے اور پروگرام بنا لینے' اور اس میں کوئی ظاہری رکاوٹ نہ ہونے کے باوجود' اس کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام رہنا ہے جیسے اللہ کا ارشاد ہے: ﴿ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ (المائدہ: ۱۱۰/۵) ''اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا' جب تم ان کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے۔ پھر ان میں سے جو کافر تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ بجز کھلے جادو کے یہ اور کچھ بھی نہیں۔'' اللہ تعالیٰ حکیم ہے' جو ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھتا ہے۔ بنی اسرائیل کو شبہ میں رکھنے میں بھی اس کی عظیم حکمت پوشیدہ تھی۔ چنانچہ وہ شبہ میں پڑ گئے جیسے ارشاد ہے ﴿ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِىْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴾ (النساء: ۱۵۷/۴) ''یقین جانو' عیسیٰ (علیہ السلام) کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں شک میں ہیں انہیں اس کا کوئی یقین نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے۔ اتنا یقینی ہے کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا۔'' اس کے بعد فرمایا: ﴿ وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ ''اور تیرے تابع داروں کو کافروں کے

اوپر رکھنے والا ہوں' قیامت کے دن تک'' پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے کافروں کے خلاف ان کے مومنوں کی مدد فرمائی۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام سے نسبت رکھنے والے نصاریٰ یہودیوں پر ہمیشہ غالب رہے' کیونکہ یہود کی نسبت عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے قریب تر تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی متبع بنے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار کے خلاف مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ البتہ کسی کسی زمانے میں عیسائی وغیرہ کافر مسلمانوں پر غالب آتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ ہے اور یہ مسلمانوں کو نبی ﷺ کی اتباع سے پہلوتہی کرنے کی سزا ہے۔ ﴿ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ﴾ ''پھر تم سب کا (یعنی تمام مخلوقات) کا لوٹنا میری ہی طرف ہے۔'' ﴿فَاَحْكُمُ بَیْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ﴾ ''پس میں ہی تمہارے آپس کے تمام تر اختلافات کا فیصلہ کروں گا'' ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ وہی حق پر ہے اور دوسرے سب غلطی پر ہیں۔ یہ سب دعوے ہیں جنہیں دلیل کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اللہ ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ﴿فَاَمَّا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ ''پھر جنہوں نے انکار کیا'' اللہ کے ساتھ کفر کیا' اس کی آیات کا اور رسولوں کا انکار کیا ﴿فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ﴾ ''پس میں انہیں دنیا اور آخرت میں سخت تر عذاب دوں گا'' دنیا کے عذاب سے مراد ظاہر نظر آنے والی مصیبتیں' سزائیں' قتل' ذلت وغیرہ ہیں۔ اور آخرت کا عذاب سب سے بڑی آفت اور مصیبت ہے۔ یعنی جہنم کا عذاب' اللہ کی ناراضی' اور نیکی کے ثواب سے محرومی۔ ﴿وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ﴾ ''اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا'' جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔ وہ بھی جنہیں وہ اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کرنے والے سمجھتے ہیں' وہ بھی نہیں' جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر دوست بناتے ہیں' نہ ان کے رفیق نہ رشتے دار' نہ وہ خود اپنی کچھ مدد کر سکیں گے۔ ﴿وَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''لیکن جو لوگ ایمان لائے'' اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' موت کے بعد کی زندگی پر' اور ان سب امور پر ایمان لائے' جن پر ایمان لانے کا انہیں حکم دیا گیا ہے۔ ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور نیک اعمال کیے'' دل' زبان اور بدن سے ادا ہونے والے وہ اعمال جنہیں رسولوں نے مشروع اور مطلوب قرار دیا۔ اور ان اعمال سے ان کا مقصد رب العالمین کو خوش کرنا تھا۔ ﴿فَیُوَفِّیْهِمْ اُجُوْرَهُمْ﴾ ''پس انہیں وہ (اللہ تعالیٰ) ان کا پورا ثواب دے گا۔'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دنیا میں بھی نیکیوں کا ثواب ملے گا' یعنی عزت' احترام' مدد' پاکیزہ زندگی' البتہ مکمل ثواب قیامت کو ملے گا کہ اللہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا ثواب بھی دے گا' اور اپنے فضل و کرم سے مزید انعامات بھی دے گا۔ ﴿وَاللّٰهُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ﴾ ''اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا'' بلکہ ان سے ناراض ہے اور انہیں عذاب دیتا ہے ﴿ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِیْمِ﴾ ''یہ جسے ہم تیرے سامنے پڑھ رہے ہیں' آیتیں ہیں اور حکمت والی نصیحت ہے۔'' یہ محمد ﷺ پر اور آپ کی امت پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ ان پر یہ حکمت والا قرآن نازل کیا جو محکم اور پختہ ہے۔ تمام احکام' حلال و حرام' گزشتہ انبیائے کرام کے واقعات

اور ان کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے واضح معجزات بیان کرتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن وہ تمام احکام و قصص بیان کرتا ہے جو ہمارے لیے مفید ہیں۔ ہمیں اس سے علم' عبرت' ثابت قدمی اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے جو رب کی عظیم ترین نعمت ہے۔ اس کے بعد فرمایا:

إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ ۖ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن
بے شک مثال عیسیٰ کی نزدیک اللہ کے مانند مثال آدم کی ہے' اللہ نے پیدا کیا اس کو مٹی سے' پھر کہا واسطے اس کے ہو جا'
فَيَكُونُ ﴿٥٩﴾ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿٦٠﴾
تو ہو گیا وہ (انسان) ○ (یہ) حق ہے آپ کے رب کی طرف سے' پس نہ ہوں آپ شک کرنے والوں میں سے ○

عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ عقیدہ رکھتے ہیں جو درست نہیں' ان کے پاس اس کی کوئی قوی یا ضعیف دلیل بھی نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ آپ کا کوئی والد نہیں' اس لیے وہ حق رکھتے ہیں کہ انہیں اللہ کا بیٹا اور شریک تسلیم کیا جائے۔ یہ بات دلیل تو درکنار' شبہ بننے کے بھی قابل نہیں۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح پیدا کرنے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اکیلا اللہ ہی تخلیق و تدبیر کا مالک ہے' اور تمام اسباب اس کی مشیت و ارادہ کے تابع ہیں۔ چنانچہ اس سے ان کے قول کی تردید ہی ہوتی ہے تائید نہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مخلوق کا کوئی فرد اللہ کے ساتھ کسی بھی لحاظ سے شریک بننے کا مستحق نہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بغیر باپ اور بغیر ماں کے پیدا کیا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ عیسائی آدم علیہ السلام کے بارے میں بھی وہی عقیدہ رکھیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رکھتے ہیں۔ اگر مسیح علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنے کی وجہ سے اللہ کا بیٹا اور معبود قرار دیا جا سکتا ہے تو آدم علیہ السلام کے ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہونے کی وجہ سے ان کے معبود ہونے کا بالا ولیٰ دعویٰ کرنا چاہیے۔

اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَىٰ عِندَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِن تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُن فَيَكُونُ ○ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ﴾ یعنی ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ بیان فرمایا ہے حق اور اعلیٰ ترین سچائی ہے۔ کیونکہ یہ (رب) "پالنے والے" کی طرف سے ہے' آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے خصوصی تربیت میں اس کے بیان کردہ یہ انبیاء کرام کے واقعات بھی ہیں۔

﴿فَلَا تَكُن مِّنَ الْمُمْتَرِينَ﴾ "پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں" یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ بتایا ہے اس میں شک نہ کیجئے گا۔ اس میں اور اس کے بعد والی آیت سے ایک اہم قاعدہ و قانون ثابت ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ عقیدہ یا عمل سے تعلق رکھنے والا جو مسئلہ دلائل سے ثابت ہو جائے تو اس کے خلاف ہر قول کے بارے میں یہ پختہ یقین ہونا چاہیے کہ وہ باطل ہے۔ اس پر جو بھی شبہ وارد کیا جائے' وہ غلط ہے۔ خواہ بندہ اس کا جواب تلاش کر سکے یا نہ کر سکے۔ شبہ کا جواب نہ دے سکنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ یقینی بات قابل تنقید ہے۔ کیونکہ حق کے

خلاف ہر بات باطل ہی ہوسکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلَٰلُ﴾ (یونس: ۱۰/۳۲) ''حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں'' اس شرعی قاعدہ کی مدد سے انسان کے وہ بہت سے اشکال حل ہوجاتے ہیں جو اہل کلام اور اہل منطق کی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر کوئی انسان ان کا جواب دے سکتا ہے تو وہ ایک زائد نیکی ہوگی۔ ورنہ اس کا اصل فرض یہی ہے کہ دلائل کے ساتھ حق کو واضح کرے اور اس کی طرف دعوت دے۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ

پھر جو کوئی جھگڑا کرے آپ سے اس (عیسیٰ) کے بارے میں بعد اسکے کہ آ گیا آپ کے پاس (صحیح) علم سے تو آپ کہہ دیں آ ؤ بلاتے ہیں ہم

أَبْنَاءَنَا وَأَبْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ

اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو پھر ہم گڑگڑا کر دعا مانگیں

فَنَجْعَلْ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكَٰذِبِينَ ﴿٦١﴾ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا

اور کریں لعنت اللہ کی جھوٹوں پر ○ بے شک یہی ہے بیان سچا' اور نہیں ہے

مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا

کوئی معبود سوائے اللہ کے' اور بے شک اللہ ہی ہے غالب خوب حکمت والا ○ پس اگر وہ (اب بھی) روگردانی کریں'

فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾ ع

تو اللہ خوب جاننے والا ہے فساد کرنے والوں کو ○

آیات کا مطلب یہ ہے ﴿فَمَنْ حَاجَّكَ﴾ کہ اے محمد ﷺ! جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ سے بحث کرتا ہے اور انہیں ان کے اصل مقام سے بڑھاتے ہوئے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ان کا مقام عبودیت کے مقام سے بلند تر ہے۔ حالانکہ ﴿مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ آپ کے پاس یقینی علم آ چکا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور آپ نے ایسے شخص کے لیے دلائل کے ساتھ واضح کر دیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندے ہیں تو ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ کی اتباع کر کے ایسے یقینی علم کو نہ ماننے والا عناد میں مبتلا ہے۔ لہٰذا اس سے بحث و مباحثہ کرنے میں نہ آپ کو کوئی فائدہ حاصل ہوسکتا ہے' نہ اس کو۔ کیونکہ حق واضح ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس کی بحث محض اللہ اور رسول کی مخالفت اور ضد کی بنا پر ہے۔ اس کا مقصد اپنے نفس کی خواہش کے پیچھے چلنا ہے' حق کی اتباع نہیں۔ ایسے شخص کا کوئی علاج نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اللہ نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اس سے مباہلہ اور ملاعنہ کریں۔ یعنی دونوں فریق اللہ کے سامنے عجز و نیاز کے ساتھ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے فریق پر اپنی لعنت اور عذاب نازل کرے۔ اس میں فریقین خود بھی' اور ان کے سب سے پیارے افراد یعنی بیویاں اور اولاد وغیرہ بھی شریک ہوں۔ نبی ﷺ نے انہیں اس کی دعوت دی تو انہوں نے یہ چیلنج قبول کرنے سے انکار

کر دیا۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اگر مباہلہ کیا تو انہیں فوری سزا ملے گی اور ان کے اہل وعیال ہلاک ہو جائیں گے۔ وہ اپنے دین پر قائم رہے حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ باطل ہے۔ یہ انتہائی درجے کا عناد اور فساد ہے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴾ ”پھر بھی اگر قبول نہ کریں تو اللہ ہی صحیح طور پر فسادیوں کو جاننے والا ہے“ وہ انہیں سخت ترین سزا دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ﴾ ”یقیناً صرف یہی سچا بیان ہے“، یعنی جو کچھ اللہ نے بیان کیا ہے وہی حق ہے۔ اس کے خلاف ہر چیز باطل ہے۔ ﴿ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ﴾ ”اور کوئی معبود برحق نہیں سوائے اللہ کے“ اس کے سوا کسی کی عبادت درست نہیں، کوئی اور ذرہ برابر عبادت کا بھی حق نہیں رکھتا۔ ﴿ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴾ ”بے شک اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے“ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور ہر چیز اس کے سامنے سرنگوں ہے۔ وہ حکمت والا ہے جو ہر چیز کو صحیح مقام پر رکھتا ہے۔ کافروں کے ذریعے سے مومنوں کی آزمائش میں بھی اس کی حکمت کاملہ موجود ہے۔ جن سے مومن قولی اور عملی طور پر جہاد اور قتال کرتے رہتے ہیں۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا

کہہ دیجیے، اے اہل کتاب! آؤ طرف ایسی بات کی جو برابر ہے ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان، یہ کہ نہ عبادت کریں ہم مگر

اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ

اللہ ہی کی، اور نہ شریک ٹھہرائیں ہم اس کے ساتھ کسی چیز کو، اور نہ بنائے بعض ہمارا بعض کو رب سوائے اللہ کے،

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾

پس اگر وہ روگردانی کریں، تو تم کہہ دو، گواہ رہو اس بات کے کہ بے شک ہم تو (اللہ کے) فرماں بردار ہیں ○

اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے کہہ دیجیے کہ ﴿ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ ﴾ ”ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے“، یعنی ہم اس کی بنیاد پر متحد ہو جائیں، اس سے مراد وہ بات ہے جس پر تمام انبیاء و رسل کا اتفاق ہے۔ جس کی مخالفت سوائے گمراہ اور ضدی لوگوں کے کسی نے نہیں کی ہے اور وہ بات فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں، بلکہ دونوں میں مشترک ہے۔ یہ اختلاف کے موقع پر انصاف والی بات ہے۔ پھر اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا ﴾ ”کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں، اور نہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک بنائیں۔“ اکیلے اللہ کی عبادت کریں۔ محبت، خوف اور امید کا تعلق صرف اسی سے رکھیں۔ اس کے ساتھ نہ کسی نبی کو شریک کریں نہ ولی کو، نہ صنم کو نہ وثن کو، نہ حیوان کو نہ جمادات کو، ﴿ وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ﴾ ”اور نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب بنائیں“ بلکہ صرف اللہ کی اور اس کے رسولوں کی اطاعت

کریں۔ ہم کسی مخلوق کی بات مان کر خالق کی نافرمانی نہ کریں۔ کیونکہ یہ کام مخلوق کو خالق کا مقام دینے کے مترادف ہے۔ جب اہل کتاب یا دوسرے غیر مسلموں کو اس بات کی دعوت دی جائے اور وہ تسلیم کرلیں تو وہ دوسرے مسلمانوں کے برابر ہو جائیں گے۔ ان کے حقوق و فرائض دوسرے مسلمانوں کے برابر ہوں گے۔ اگر وہ تسلیم نہ کریں تو ثابت ہو جائے گا کہ وہ اپنی خواہش نفس کے پیروکار اور معاند ہیں تو انہیں گواہ بنا کر کہہ دو کہ ہم تو مسلمان ہیں۔ اس کا فائدہ غالباً یہ ہے کہ جب تم انہیں یہ بات کہو گے اور حقیقی اہل علم تم ہی ہو تو یہ بات ان پر مزید حجت قائم کردے گی۔ علاوہ ازیں جب تم ایمان لا کر اسلام میں داخل ہو چکے ہو تو اللہ کو دوسروں کے غیر مسلم رہنے کی پروا نہیں' کیونکہ وہ پاک نہیں ہیں' بلکہ ان کی فطرت ناپاک ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/ ۱۰۷) ''کہہ دیجیے! تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ' جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان کے پاس تو جب بھی اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔'' علاوہ ازیں ایمان والے عقیدے پر شبہات وارد ہونے سے مومن پر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ایمان کی تجدید کرے اور اپنے اسلام کا اعلان کرے۔ اور اس طرح اپنے یقین کی خبر دے اور اپنے رب کی نعمت پر اس کا شکر ادا کرے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ
اے اہل کتاب! کیوں جھگڑتے ہو تم ابراہیم کے بارے میں؟ حالانکہ نہیں نازل کی گئی تورات اور انجیل
اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ
مگر بعد اس کے' کیا پس نہیں عقل رکھتے تم؟ ○ سنو! آگاہ رہو! تم وہی لوگ تو ہو کہ جھگڑا کیا تم نے اس بات میں جس کا تمہیں
عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ
کچھ علم تھا' تو (اب) کیوں جھگڑتے ہو تم اس چیز کی بابت کہ نہیں ہے واسطے تمہارے اس چیز کا کوئی علم؟ اور اللہ جانتا ہے اور تم
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا
نہیں جانتے ○ نہیں تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی' لیکن تھے وہ صرف حق کے پرستار'
مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ
مسلمان اور نہیں تھے وہ مشرکین میں سے ○ بے شک سب سے زیادہ قریب تمام لوگوں میں سے ابراہیم کے البتہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے
اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾
اتباع کیا ان کا اور یہ نبی (محمد ﷺ) ہیں' اور وہ لوگ ہیں جو (ان پر) ایمان لائے' اور اللہ دوست ہے مومنوں کا ○

یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ اور عیسائی کہتے تھے کہ آپ عیسائی تھے۔ اس بارے میں وہ

جھگڑتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بحث و جدال کا تین طریقوں سے جواب دیا ہے۔ اولاً: ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ان کا جھگڑا' ایسے معاملے میں ہے جس کے بارے میں انہیں علم حاصل نہیں۔ لہٰذا انہیں اس موضوع پر بحث ہی نہیں کرنی چاہیے جن سے ان کا تعلق ہی نہیں۔ تورات وانجیل کے مسائل کے بارے میں تو انہوں نے بحث ومجادلہ کیا' خواہ ان کا موقف صحیح تھا یا غلط۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بحث کرنے کا انہیں کوئی حق حاصل نہیں۔ ثانیاً: یہود تورات کے احکام ومسائل کی طرف منسوب ہیں اور نصاریٰ کا تعلق انجیل کے احکام ومسائل سے ہے۔ اور یہ دونوں کتابیں ابراہیم علیہ السلام کے دنیا سے چلے جانے کے بہت بعد نازل ہوئی ہیں۔ پھر وہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کو اپنے ساتھ کیوں ملاتے ہیں حالانکہ وہ ان سے بہت پہلے تھے۔ کیا یہ معقول بات ہے؟ اس لیے فرمایا: ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ "کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے" یعنی اگر تم خود اپنی بات کو سمجھ سکتے ہوتے تو یہ بات نہ کہتے۔ ثالثاً: اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کا یہود' نصاریٰ اور مشرکین سے کوئی بھی تعلق ہونے سے انکار فرمایا ہے۔ انہیں خالص مسلمان قرار دیا ہے۔ آپ سے تعلق ان کا ہے جو آپ پر ایمان لا کر آپ کی امت بنے' ان کے بعد ابراہیم علیہ السلام سے تعلق محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا' اور آپ پر ایمان رکھنے والوں کا ہے۔ یہی اصل میں آپ کے متبع ہیں۔ لہٰذا دوسروں کی نسبت ان ہی کا تعلق ابراہیم علیہ السلام سے ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی ان کا مددگار اور مؤید ہے۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کے دین کو پس پشت ڈال دیا' جیسے یہود' نصاریٰ اور مشرکین' ان کا ابراہیم علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ ابراہیم علیہ السلام کا ان سے کوئی تعلق ہے۔ انہیں اس خالی نسبت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ان آیات میں یہ مسئلہ بیان ہوا ہے کہ بغیر علم کے بحث کرنا منع ہے۔ جو ایسی بات کرتا ہے' اسے اس کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے۔ ان میں علم تاریخ حاصل کرنے کی ترغیب بھی ہے۔ اس کے ذریعے سے بہت سے غلط اقوال اور غلط عقائد کی تردید کی جاسکتی ہے' جو تاریخ کے معلوم واقعات کے مخالف ہوں۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ

چاہتا ہے ایک گروہ اہل کتاب میں سے کاش کہ وہ گمراہ کر دیں تمہیں' اور نہیں گمراہ کرتے وہ مگر اپنے آپ ہی کو

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اور نہیں شعور رکھتے وہ ○ اے اہل کتاب! کیوں کفر کرتے ہو تم ساتھ اللہ کی آیتوں کے؟ حالانکہ تم (اسکی سچائی کی) گواہی دیتے ہو ○

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ

اے اہل کتاب! کیوں خلط ملط کرتے ہو تم حق کو باطل کے ساتھ اور چھپاتے ہو تم حق کو حالانکہ تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾ ع وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ

جانتے ہو؟ ○ اور کہا ایک گروہ نے اہل کتاب میں سے (اپنے لوگوں کو) ایمان لاؤ ساتھ اس چیز کے جو نازل کی گئی ہے اوپر ان لوگوں کے جو

اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ

ایمان لائے' شروع دن میں اور کفر کرو دن کے آخری حصے میں' شاید کہ وہ (مسلمان بھی) پھر جائیں ○ اور نہ یقین کرو تم مگر اسی کا جو پیروکار ہے

دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ

تمہارے دین کا' کہہ دیجیے' بلاشبہ ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے' (اور نہ یہ مانو) کہ دیا جائے کوئی مثل اس کے جو تم دیئے گئے' یا

يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ

(یہ کہ) وہ جھگڑیں گے تم سے (اور غالب آجائیں گے) تمہارے رب کے پاس' کہہ دیجیے' بے شک فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے' وہ دیتا ہے یہ (فضل)

مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ۙ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ

جس کو چاہتا ہے' اور اللہ وسعت والا' جاننے والا ہے ○ خاص کرتا ہے وہ ساتھ اپنی رحمت کے جس کو چاہتا ہے'

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۴﴾

اور اللہ صاحب فضل عظیم ہے ○

اللہ تعالیٰ مومنوں کو اہل کتاب کے اس خبیث گروہ کی مکاریوں سے متنبہ فرما رہا ہے کہ ان کی خواہش یہی ہے کہ تمہیں گمراہ کر دیں۔ جیسے ارشاد ہے۔ ﴿ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ﴾ (البقرۃ:۲/۱۰۹) ''اہل کتاب کے اکثر لوگ تمہیں ایمان لانے کے بعد دوبارہ کافر بنا دینے کی خواہش رکھتے ہیں'' اور جسے کسی چیز کی خواہش ہوتی ہے' وہ اسے حاصل کرنے کے لیے جدوجہد بھی کرتا ہے۔ یہ گروہ بھی پوری کوشش کرتا ہے کہ مومنوں کو مرتد کر دے۔ اس مقصد کے لیے وہ لوگ ہر ممکن طریقے سے شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ اللہ کا فضل ہے کہ بری تدبیریں کرنے والا اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ ﴾ ''دراصل وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں'' مومنوں کو گمراہ کرنے کی کوشش خود ان کی گمراہی اور عذاب میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴾ (النحل:۱۶/۸۸) ''جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا' ہم ان کے عذاب میں عذاب کا اضافہ کر دیں گے' کیونکہ وہ فساد کرتے تھے'' ﴿ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴾ ''اور سمجھتے نہیں'' انہیں اس بات کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ ان کی کوشش خود انہی کو نقصان پہنچا رہی ہے' اور وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ رہے۔

﴿ يٰٓاَھْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴾ ''اے اہل کتاب! تم باوجود قائل ہونے کے پھر بھی اللہ کی آیات سے کیوں کفر کر رہے ہو؟'' یعنی تمہیں اللہ کی آیات کا انکار کرنے پر کون سی چیز مجبور کرتی ہے حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ جس مذہب پر تم کاربند ہو' وہ باطل ہے اور محمد ﷺ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے'

خود تمہیں بھی اس میں شک نہیں بلکہ تم اس کی گواہی دیتے ہو اور بعض اوقات ایک دوسرے کو خفیہ طور پر یہ بات بتا بھی دیتے ہو۔ اس طرح اللہ نے انہیں اس گمراہی سے روکا ہے۔ پھر دوسروں کو گمراہ کرنے پر انہیں زجر و توبیخ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ﴿ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اے اہل کتاب! باوجود جاننے کے حق و باطل کو کیوں خلط ملط کرتے ہو؟ اور کیوں حق کو چھپا رہے ہو؟'' اللہ نے انہیں حق و باطل کو خلط ملط کرنے اور حق کو چھپانے پر توبیخ کی ہے۔ کیونکہ ان دو طریقوں سے وہ اپنے ساتھ تعلق رکھنے والوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ جب علماء حق و باطل میں امتیاز نہ کریں' بلکہ معاملہ مبہم رہنے دیں' اور جس کو ظاہر کرنا ان کا فرض ہے' اسے چھپالیں' تو اس کا نتیجہ بہت برا نکلے گا کہ حق چھپ جائے گا اور باطل عام ہو جائے گا۔ اور جو عوام حق کے متلاشی ہوں گے' انہیں ہدایت نہیں ملے گی۔ حالانکہ اہل علم سے تو یہ مطلوب ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے حق ظاہر کریں۔ اس کا اعلان کریں' حق کو باطل سے اور پاک کو ناپاک سے الگ کر کے واضح کر دیں۔ حلال و حرام اور صحیح و غلط عقائد کو الگ الگ کر دیں۔ تاکہ ہدایت یافتہ لوگ ہدایت پر قائم رہیں۔ اور گمراہ حق کی طرف پلٹ آئیں اور عناد کی وجہ سے انکار کرنے والوں پر اتمام حجت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ ﴾ (آل عمران: ۱۸۷/۳) ''جب اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ لیا جنہیں کتاب دی گئی تھی کہ اسے لوگوں کے لیے بیان کریں گے' اور چھپائیں گے نہیں' تو انہوں نے اس وعدے کو پس پشت ڈال دیا۔''

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس خبیث جماعت کے ارادوں' اور مومنوں کے خلاف سازش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَقَالَتْ طَّآىِٕفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْۤ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْۤا اٰخِرَهٗ ﴾ ''اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا: جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لاؤ اور شام کے وقت کافر بن جاؤ'' یعنی صبح کے وقت مکر اور دھوکا کرتے ہوئے ایمان کا اظہار کرو۔ اور جب شام ہو تو اسلام سے نکل جاؤ۔ ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ ''تاکہ یہ لوگ بھی (اپنے دین سے) پلٹ جائیں۔'' پس وہ سوچیں گے اگر یہ دین صحیح ہوتا تو اہل کتاب جو اہل علم ہیں وہ اس سے نہ نکلتے۔ انہوں نے یہ چاہا' اپنے آپ کو اچھا سمجھتے اور یہ گمان کرتے ہوئے کہ لوگ ان کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہوئے ان کے ہر قول و عمل میں ان کی پیروی کریں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنا نور پورا کر کے رہے گا خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ ﴿ وَ ﴾ ''اور'' انہوں نے ایک دوسرے سے کہا۔ ﴿ لَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ﴾ ''سوائے تمہارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی کا یقین نہ کرو۔'' یعنی تم صرف اپنے ہم مذہب افراد پر اعتماد کرنا' دوسروں سے اس بات کو چھپا کر رکھنا۔ اگر تم نے دوسرے مذہب والوں کو بتا دیا تو جو علم تمہیں حاصل ہے انہیں بھی حاصل ہو جائے گا' تو وہ تمہارے جیسے ہو جائیں گے یا

قیامت کے دن تم سے بحث کریں گے اور رب کے پاس تمہارے خلاف گواہی دیں گے کہ تم پر حجت قائم ہو چکی تھی اور تمہیں ہدایت معلوم ہو چکی تھی، لیکن تم نے اس کی اتباع نہیں کی۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اگر ہم مومنوں کو نہیں بتائیں گے تو انہیں اس سازش کا بالکل علم نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ ان کے خیال میں علم صرف انہی کے پاس ہو سکتا ہے جس سے ان پر حجت قائم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ﴾ ”بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے“ لہٰذا ہر ہدایت یافتہ کو ہدایت اللہ ہی سے ملتی ہے۔ علم میں یا تو حق کو جاننا شامل ہے یا اسے اختیار کرنا۔ علم صرف وہی ہے جو اللہ کے رسول لائے ہیں اور توفیق صرف اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔ اہل کتاب کو علم بہت کم ملا ہے۔ اور توفیق سے وہ بالکل محروم ہیں کیونکہ ان کی نیتیں اور ارادے غلط ہیں۔ اس کے برعکس اس امت کو اللہ کی ہدایت کی وجہ سے علوم و معارف بھی حاصل ہوئے ہیں اور ان پر عمل کی توفیق بھی۔ اس وجہ سے وہ دوسروں سے افضل ہو گئے۔ لہٰذا وہی رہنما قرار پائے جو اللہ کے حکم کے مطابق ہدایت و رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ یہ امت پر اللہ کا عظیم فضل و احسان ہے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا ﴿ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ﴾ ”کہہ دیجیے، فضل تو اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے۔“ وہی اپنے بندوں پر ہر قسم کا احسان فرماتا ہے۔ ﴿ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ”وہ جسے چاہے اسے دے“ جو اس کے اسباب اختیار کرے گا، اللہ اس کو اپنا فضل دے گا، ﴿ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ ”اور اللہ وسعت والا علم والا ہے“ اس کا فضل و احسان بہت وسیع ہے۔ وہ جانتا ہے کون احسان کے قابل ہے، اسے وہ عطا فرماتا ہے اور کون اس کا مستحق نہیں، چنانچہ اسے محروم رکھتا ہے۔ ﴿ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ”وہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص کر لے“ یعنی اس کی وہ مطلق رحمت جو دنیا میں ہوتی ہے اور آخرت سے متصل ہے۔ اس سے مراد دین کی نعمت اور اس کی تکمیل کرنے والی چیزیں ہیں۔ ﴿ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴾ ”اور اللہ بڑے فضل والا ہے“ اس کے فضل کی وسعت بیان نہیں کی جا سکتی، بلکہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال بھی نہیں آ سکتا۔ اس کا فضل و احسان وہاں تک پہنچتا ہے جہاں تک اس کا علم پہنچتا ہے۔ اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر شے کو محیط ہے۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ ۚ

اور بعض اہل کتاب میں سے وہ ہیں کہ اگر آپ امانت رکھیں انکے پاس ایک ڈھیر (سونے چاندی کا) تو بھی وہ ادا کر دیں گے آپ کو،

وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖۤ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ

اور بعض ان میں سے وہ ہیں کہ اگر آپ امانت رکھیں انکے پاس ایک دینار تو نہیں ادا کریں گے وہ آپ کو مگر (یہ کہ) آپ ہمیشہ رہیں ان (کے سر) پر کھڑے

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

یہ بہ سبب اس کے کہ بے شک انہوں نے کہا، نہیں ہے ہم پر امیوں (عربوں) کے بارے میں کوئی گناہ، اور کہتے ہیں وہ اللہ پر

الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٥﴾ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

جھوٹ اور وہ جانتے ہیں ○ کیوں نہیں؟ جو شخص پورا کرے اپنا عہد اور (اللہ سے) ڈرے تو بلاشبہ اللہ محبت کرتا ہے

الْمُتَّقِيْنَ ﴿٧٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ

متقی لوگوں سے ○ بے شک وہ لوگ جو خریدتے (لیتے) ہیں اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض قیمت تھوڑی سی، یہی وہ لوگ ہیں کہ

لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

نہیں ہے کوئی حصہ ان کے لیے آخرت میں اور نہ کلام کرے گا ان سے اللہ اور نہ دیکھے گا انکی طرف (نظر رحمت سے) دن قیامت کے

وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٧﴾

اور نہ پاک کرے گا ان کو اور ان کے لیے، عذاب ہے دردناک ○

اللہ تعالیٰ اہل کتاب کے بارے میں بیان فرما رہا ہے کہ مالوں میں ان کی دیانت اور بددیانتی کا کیا حال ہے۔ جب دین کے بارے میں ان کی خیانت، مکر اور حق کو چھپانے کا ذکر فرمایا تو اس کے بعد بتایا کہ ان میں سے خائن بھی ہیں اور دیانت دار بھی۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ ﴿مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ﴾ ''تو اگر انہیں خزانے کا (یعنی بہت زیادہ مال کا) امین بنا دے''۔ ﴿يُّؤَدِّهٖٓ﴾ ''تو بھی وہ واپس کر دیں۔'' اور اس سے کم تر تو بالاولی واپس کریں گے، اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ ﴿مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ﴾ ''اگر تو انہیں ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں۔'' اور بڑی رقم ادا کرنے سے تو بالاولی انکار کریں گے۔ انہیں خیانت اور بے وفائی کی عادت اس لیے ہوئی کہ ان کے خیال کے مطابق ﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ﴾ 'ان پر جاہلوں کے حق میں کوئی گناہ نہیں۔'' یعنی اگر وہ (اُمِّيّٖنَ) ''ان پڑھ عربوں'' کے مال واپس نہ کریں تو انہیں گناہ نہیں ہوگا۔ وہ اپنی فاسد رائے کی بنا پر انہیں انتہائی حقیر سمجھتے ہیں اور خود کو انتہائی عظمت والے تصور کرتے ہیں، حالانکہ اصل میں حقیر اور ذلیل وہ خود ہیں۔ پس انہوں نے (اُمِّيّٖنَ) کے مال کی حرمت کو نہ سمجھا اور اسے انہوں نے اپنے لیے جائز قرار دے لیا۔ اس طرح وہ دو گناہوں کے مرتکب ہوئے۔ حرام کھانا اور حرام خوری کو حلال سمجھنا۔ یہ عقیدہ اللہ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ جو عالم حرام اشیاء کو حلال کہتا ہے، وہ گویا لوگوں کو اللہ کا حکم سناتا ہے، اپنی بات نہیں سناتا۔ جبکہ اللہ کا یہ حکم نہیں اور اسی کو جھوٹ کہتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا: ﴿وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ ''یہ لوگ باوجود جاننے کے اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں'' یہ گناہ بغیر جانے بوجھے اللہ کے بارے میں باتیں بنانے سے بھی بڑا گناہ ہے۔ پھر اللہ نے ان کے غلط خیال کی تردید کرتے ہوئے فرمایا ﴿بَلٰى﴾ یعنی حقیقت وہ نہیں جو تم کہہ رہے ہو کہ تمہیں جاہلوں کے حق کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمہیں اس جرم کا سخت گناہ ہوگا۔ ﴿مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى﴾ ''جو شخص اپنا قرار پورا کرے

اور پرہیز گاری کرے۔'' اس عہد و قرار میں وہ وعدہ بھی شامل ہے جو بندے اور رب کے درمیان ہے۔ اس میں اللہ کے وہ تمام حق شامل ہیں جو اس نے بندے پر واجب کیے ہیں۔ اور وہ وعدہ بھی شامل ہے جو بندے کا دوسرے بندوں سے ہوتا ہے۔ اس مقام پر عہد و پیمان سے مراد ان گناہوں سے بچنا ہے جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سے بھی جو حقوق العباد سے متعلق ہیں۔ جو شخص ان سب گناہوں سے بچتا ہے وہ متقی ہے جن سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے خواہ وہ (اُمّیّین) (عرب ان پڑھ لوگوں) میں سے ہو یا دوسروں میں سے ہو اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہمیں جاہلوں کے حق کا کوئی گناہ نہیں' اس نے اللہ کا وعدہ پورا نہیں کیا' اور اللہ سے نہیں ڈرا۔ لہٰذا اسے اللہ کی محبت حاصل نہیں ہوئی' بلکہ اللہ اس سے بغض رکھتا ہے۔ اگر ان پڑھ ایفائے عہد' تقویٰ اور مالی خیانت سے پرہیز سے متصف ہوں گے تو وہی اللہ کے پیارے ہوں گے' وہی متقی کہلائیں گے جن کے لیے جنت تیار کی گئی ہے۔ وہ اللہ کی مخلوق میں افضل مقام پر فائز ہوں گے۔ لیکن جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں جاہلوں کی حق تلفی کرنے سے گناہ نہیں ہوتا وہ اللہ کے اس قول میں داخل ہوتے ہیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ ''بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں۔'' اس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو اللہ کی یا بندوں کی حق تلفی کر کے اس کے عوض دنیا کی کوئی چیز لیتا ہے۔ اسی طرح جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال ناجائز طور پر لے لیتا ہے' وہ بھی اس آیت میں شامل ہے۔ یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾ ''ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔'' یعنی وہاں انہیں کوئی بھلائی اور خیر حاصل نہیں ہوگی۔ ﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ﴾ ''اور اللہ ان سے بات نہیں کرے گا'' یعنی قیامت کے دن ان سے ناراض ہوگا اس لیے ان سے کلام نہیں کرے گا۔ کیونکہ انہوں نے خواہش نفس کو رب کی رضا سے مقدم سمجھا ہے۔ ﴿وَلَا يُزَكِّيهِمْ﴾ ''اور نہ انہیں پاک کرے گا'' اللہ تعالیٰ انہیں گناہوں سے پاک نہیں کرے گا' ان کے عیب زائل نہیں کرے گا۔ ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ''اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' جس سے دلوں کو بھی تکلیف ہوگی اور بدنوں کو بھی۔ وہ ہے ناراضی کا عذاب دیدار الٰہی سے محرومی کا عذاب' اور جہنم کا عذاب۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُونَ أَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ

اور بیشک ان میں سے البتہ ایک گروہ ایسا ہے جو مروڑتے ہیں زبانیں اپنی ساتھ (پڑھنے) کتاب کے تاکہ گمان کرو تم اسکو کتاب سے' حالانکہ نہیں ہے وہ

مِنَ الْكِتَابِ ۚ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۚ وَيَقُولُونَ

کتاب میں سے' اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی جانب سے ہے' حالانکہ نہیں ہے' وہ اللہ کی جانب سے' اور کہتے ہیں وہ

عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿٧٨﴾

اللہ پر جھوٹ اور وہ جانتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ اہل کتاب میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتا ہے اور اسے اس کے اصل معانی سے ہٹا دیتا ہے۔ اس میں لفظی تحریف بھی شامل ہے اور معنوی تحریف بھی۔ کتاب سے اصل مطلوب یہ ہے کہ اس کے الفاظ کو یاد کیا جائے' ان میں تبدیلی نہ کی جائے' اس کے مفہوم کو سمجھا اور سمجھایا جائے۔ انہوں نے صورت حال برعکس کر دی۔ اور وہ بات سمجھائی جو کتاب سے مراد نہیں۔ خواہ اشارتاً ایسا کیا ہو یا صراحتاً۔ اشارتاً کا ذکر ان الفاظ میں ہے ﴿لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ﴾ ''تا کہ تم اسے کتاب میں سے خیال کرو۔'' یعنی وہ اپنی زبانوں کو مروڑ کر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ کی کتاب سے یہی مسئلہ مراد ہے۔ حالانکہ حقیقت میں وہ مراد نہیں ہوتا۔ صراحتاً کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ دراصل وہ اللہ کی طرف سے نہیں۔ وہ تو دانستہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔'' یہ علم کے بغیر اللہ کے ذمے کوئی بات لگانے سے بڑا جرم ہے۔ یہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ اس طرح دو طرح کا جرم کرتے ہیں۔ صحیح مفہوم کی نفی کرتے ہیں اور غلط مفہوم کا اثبات کرتے ہیں۔ اور جو لفظ حق معنی پر دلالت کرتا ہے اس سے باطل معنی مراد لیتے ہیں' حالانکہ وہ حقیقت سے باخبر ہوتے ہیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ

نہیں ہے لائق واسطے کسی بشر کے کہ دے اس کو اللہ کتاب اور حکم اور نبوت' پھر کہے وہ واسطے لوگوں کے

كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ

کہ ہو جاؤ تم بندے میرے' اللہ کو چھوڑ کر' لیکن (وہ تو کہے گا) ہو جاؤ تم رب والے' بوجہ اس کے کہ ہو تم تعلیم دیتے کتاب کی'

وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا

اور بوجہ اس کے کہ ہو تم (خود بھی) پڑھتے ○ اور نہیں حکم دے گا وہ تم کو اس بات کا (بھی) کہ بنا لو تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب'

اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

کیا وہ حکم دے گا تمہیں کفر کا' بعد اس کے کہ تم ہو چکے مسلمان؟ ○

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ نبی ﷺ نے کچھ اہل کتاب کو ایمان لانے اور اطاعت کرنے کی تبلیغ کی تو انہوں نے کہا: ''محمد (ﷺ)! کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ آپ کی بھی عبادت کیا کریں؟'' اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ فرمایا: ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ﴾ ''کسی انسان کو یہ لائق نہیں'' یعنی جس انسان پر اللہ تعالیٰ یہ احسان کرے کہ اس پر کتاب نازل کرے' اسے علم سکھائے اور مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے' ایسے انسان کے لیے ناممکن اور محال ہے کہ ﴿يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔'' ایسی بات کا کسی نبی کی زبان سے ادا ہونا سب سے بڑی محال چیز ہے۔ کیونکہ

یہ مطالبہ اتنا قبیح ہے کہ اس سے قبیح کوئی اور حکم نہیں ہو سکتا۔ اور انبیائے کرام کو کمال کا وہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ کمال کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ حکم بھی ایسے کاموں کا دیتے ہیں جو ان کے حالات سے مناسبت رکھتے ہیں۔ وہ اعلیٰ کاموں کا حکم دیتے ہیں۔ اور برے کاموں سے منع کرنے میں بھی کوئی ان سے بڑھ نہیں سکتا۔ اس لیے فرمایا: ﴿ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴾ یعنی وہ تو یہی حکم دیں گے کہ لوگ ربانی بن جائیں۔ ربانی کا مطلب یہ ہے کہ وہ عالم ہوں' دانا ہوں' حلم اور بردباری سے موصوف ہوں' لوگوں کو تعلیم دیں اور ان کی تربیت کریں' پہلے علم کے چھوٹے (اور آسان) مسئلے بتائیں۔ پھر بڑے (اور پیچیدہ) مسائل سمجھائیں' خود بھی عمل کریں۔ چنانچہ وہ علم و عمل کا حکم دیتے ہیں۔ جس پر سعادت کا دارومدار ہے۔ جس میں کوئی چیز چھوٹ جائے تو نقص و خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ ﴾ میں "با" سببیہ ہے۔ یعنی تم ربانی بن جاؤ اس سبب سے کہ تم دوسروں کو تعلیم دیتے ہو۔ اس میں یہ بات بھی آ جاتی ہے کہ تم خود اہل علم ہو۔ تم اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت پڑھتے ہو۔ اس کے پڑھنے پڑھانے سے علم پختہ ہوتا ہے اور باقی رہتا ہے۔ ﴿ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ﴾ "اور یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم دے" یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ یعنی وہ تمہیں نہ اپنی ذات کی عبادت کا حکم دے گا نہ کسی بھی دوسری مخلوق کی عبادت کا حکم دے گا خواہ وہ فرشتے ہوں یا انبیاء یا کوئی اور ﴿ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ "کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد پھر کفر کا حکم دے گا؟" یہ نہیں ہو سکتا۔ جس کو نبوت کا شرف حاصل ہوا اس سے کسی ایسی بات کا تصور بھی محال ہے۔ جو شخص کسی نبی کی طرف اس قسم کی کوئی بات منسوب کرتا ہے وہ بہت بڑے گناہ کا بلکہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ

اور (یاد کرو) جب لیا اللہ نے عہد (تمام) نبیوں سے البتہ جو کچھ دوں میں تمہیں کتاب اور حکمت سے' پھر آئے تمہارے پاس

رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ

کوئی رسول جو تصدیق کرنے والا ہو اس کی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور ایمان لانا ساتھ اس (نبی) کے اور ضرور مدد کرنا اس کی اللہ نے فرمایا کیا تم اقرار کرتے ہو

وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ

اور قبول کرتے ہو اس پر میرا عہد؟ کہا انہوں نے' اقرار کیا ہم نے' اللہ نے فرمایا' تو تم گواہ رہنا' اور میں بھی تمہارے ساتھ

مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

گواہوں میں سے ہوں ○ پس جو کوئی روگردانی کرے گا بعد اس (عہد) کے' تو وہی لوگ ہیں نافرمان ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے نبیوں سے پختہ عہد و پیمان لیا' کیونکہ انہیں کتاب دی

ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور حکمت دی ہے جو حق و باطل کے درمیان اور ہدایت و گمراہی کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کوئی رسول بھیجے جو ان کے پاس آنے والی وحی اور کتاب کو سچا مانے۔ تو تمام نبیوں کو چاہیے کہ اس پر ایمان لائیں۔ اس کی تصدیق کریں اور اپنی امتوں کو بھی اس پر ایمان و تصدیق کا حکم دیں۔ چنانچہ اللہ نے تمام انبیاء علیہم السلام پر واجب کیا ہے کہ ایک دوسرے پر ایمان لائیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ کیونکہ ان کے پاس جو بھی احکام آئے ہیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ اور اللہ کی طرف سے آنے والی ہر چیز پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا ضروری ہے۔ وہ سب ایک اکائی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ لہٰذا تمام انبیائے کرام پر واجب ہے کہ جس نبی کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ملے، وہ آپ پر ایمان لائے۔ آپ کی پیروی کرے اور آپ کی مدد کرے۔ کیونکہ آپ ان کے امام، پیشوا اور متبوع ہیں۔ یہ آیت کریمہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مرتبے اور عظمت شان کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور ان کے سردار ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام سے اقرار لیا ﴿ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ﴾ ''تو سب نے کہا: ہمیں اقرار ہے'' اور اے اللہ! ہم تیرا حکم قبول کرتے اور اسے سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ ﴿ قَالَ فَاشْهَدُوْا ﴾ اللہ نے انہیں فرمایا: اپنی ذات کی طرف سے بھی اور اپنی امتوں کی طرف سے بھی گواہ رہو۔ ﴿ وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ ''اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں'' ﴿ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ ﴾ ''پس اس (پختہ وعدے اور عہد) کے بعد بھی (جس پر اللہ اور اس کے رسولوں کی گواہی ہے) جو پلٹ جائیں'' ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ ''تو وہ یقیناً پورے نافرمان ہیں'' لہٰذا جو شخص بھی یہ دعویٰ رکھتا ہے کہ وہ انبیائے کرام کا پیروکار ہے۔ یہودی ہو یا عیسائی یا کوئی اور۔ اگر وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لایا تو وہ اس پختہ عہد کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اس عہد شکنی کی سزا کے طور پر جہنم میں ہمیشہ رہنے کا مستحق ہو گیا ہے کیونکہ وہ نافرمان ہے۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

کیا پس سوائے اللہ کے دین کے یہ (کوئی اور دین) تلاش کر رہے ہیں؟ حالانکہ اسی (اللہ) کے فرماں بردار ہیں جو کوئی بھی ہے آسمانوں اور زمین میں

طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ۝۸۳

خوشی اور ناخوشی سے اور اسی کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے ○

یعنی کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کے خواہش مند اور طالب ہیں؟ یہ خواہش نہ درست ہے نہ مناسب اس لیے کہ اللہ کے دین سے بہتر کوئی دین نہیں ﴿ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا ﴾ ''حالانکہ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ ہی کے فرماں بردار ہیں۔ خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے'' یعنی تمام مخلوق اس کی محکوم ہے۔ ان میں سے بعض نے اپنی خوشی سے اللہ کی اطاعت قبول کر لی ہے، وہ مومن ہیں جو خوشی

سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور کچھ مجبوراً اللہ کے فرماں بردار ہیں۔ اس میں باقی تمام مخلوقات شامل ہیں۔ حتیٰ کہ کافر بھی اللہ کی قضاء وقدر کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ اس سے نکل نہیں سکتے۔ تمام مخلوق اسی کے پاس واپس جائے گی' وہ ان کے درمیان فیصلے کرے گا اور انہیں جزا وسزا دے گا۔ اور تمام معاملہ' اس کے فضل کا مظہر ہوگا یا اس کے عدل کا۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ

کہہ دیجیے' ہم ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور ساتھ اس کے جو نازل کیا گیا ہم پر اور جو نازل کیا گیا اوپر ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق

وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۠ لَا

اور یعقوب اور ان کی اولاد کے' اور جو دیئے گئے موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے انبیاء' اپنے رب کی طرف سے' نہیں

نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿٨٤﴾

فرق کرتے ہم درمیان کسی ایک کے ان میں سے' اور ہم اسی (اللہ) کے فرماں بردار ہیں ○

اس مفہوم کی آیت سورۂ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ

اور جو کوئی تلاش کرے گا سوائے اسلام کے کوئی اور دین' تو ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا اس سے' اور وہ

فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٨٥﴾

آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا ○

اللہ نے بندوں کے لیے دین اسلام پسند کیا ہے۔ جو شخص اللہ کے اس پسندیدہ دین کے علاوہ کسی اور دین پر چلے گا' اس کا عمل ناقابل قبول ہوگا۔ کیونکہ دین اسلام میں اخلاص کے ساتھ اللہ کی اطاعت قبول کرنا اور رسولوں کی فرماں برداری کرنا شامل ہے۔ جب تک یہ کام نہ کرے' اس وقت تک اس نے اللہ کے عذاب سے نجات دینے والا' اور اللہ کے ثواب کا باعث بننے والا عمل نہیں کیا۔ اور اسلام کے سوا ہر مذہب باطل ہے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ

کیسے ہدایت دے گا اللہ ان کو جو کافر ہو گئے بعد اپنے ایمان کے اور (بعد اسکے کہ) گواہی دی انہوں نے اس بات کی کہ بلاشبہ رسول برحق ہیں'

وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٨٦﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ

اور آئیں ان کے پاس واضح نشانیاں' اور اللہ نہیں ہدایت دیتا ظالم قوم کو ○ یہ لوگ' سزا ان کی

اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿٨٧﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

(یہ ہے کہ) بیشک ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی ○ ہمیشہ رہیں گے وہ اس لعنت میں'

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾

نہیں ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ وہ مہلت ہی دیئے جائیں گے ○

یہ استفہام استبعاد کے معنی میں ہے۔ یعنی یہ بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے‘ جنہوں نے ایمان لاکر اور رسول کے سچا ہونے کی گواہی دینے کے بعد کفر اور گمراہی کو اختیار کرلیا۔ ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ”اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا“ انہوں نے ظلم کیا اور حق کو پہچان کر اسے ترک کیا۔ اور ظلم اور سرکشی کرتے ہوئے اور خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے باطل کو اختیار کرلیا‘ حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ وہ باطل ہے‘ تو انہیں ہدایت کی توفیق نہیں ملتی۔ ہدایت کی امید اس شخص کے لیے کی جاسکتی ہے جس نے حق کو نہ پہچانا ہو‘ لیکن اسے حق کی تلاش ہو۔ ایسے شخص کے لیے ممکن ہے کہ اللہ اس کے لیے ہدایت کے اسباب میسر فرمادے‘ اور گمراہی کے اسباب سے بچالے۔ پھر ان ظالموں اور ضدی لوگوں کی دنیوی اور اخروی سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ○ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴾ ”ان کی یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ کی‘ فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے‘ ان کے عذاب کو ہلکا کیا جائے گا‘ نہ انہیں مہلت دی جائے گی“ یعنی ان کا عذاب نہ تو لحظہ بھر کے لیے ختم کیا جائے گا‘ نہ لحظہ بھر کے لیے ہلکا کیا جائے گا۔ نہ انہیں مہلت دی جائے گی‘ کیونکہ مہلت کا زمانہ ختم ہوگیا اور اللہ نے ان کا عذر ختم کردیا۔ یعنی اتنی عمر دے دی جس میں اگر کوئی نصیحت حاصل کرنا چاہے تو کرسکتا ہے۔ اگر ان میں کوئی بھلائی ہوتی تو ظاہر ہوجاتی۔ اب انہیں اگر دوبارہ دنیا میں آنے کا موقع دیا جائے تو دوبارہ وہی کام کریں گے‘ جس سے انہیں منع کیا گیا تھا۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی بعد اس کے اور (اپنی) اصلاح کرلی‘ تو بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے ○

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ ۚ

بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا بعد اپنے ایمان (لانے) کے‘ پھر بڑھتے گئے وہ کفر میں‘ ہرگز نہیں قبول کی جائے گی ان کی توبہ‘

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الضَّآلُّوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ

اور یہی لوگ ہیں گمراہ ○ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مرے وہ ایسی حالت میں کہ وہ کافر ہی تھے‘ تو ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا

مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

کسی ایک سے (بھی) ان میں سے‘ زمین بھر سونا (بھی)‘ اگرچہ وہ فدیے میں دے دے اسے‘ یہی لوگ ہیں‘ واسطے ان کے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾ ع

عذاب ہے دردناک‘ اور نہیں ہو گا واسطے ان کے کوئی مددگار ○

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کرے۔ پھر گمراہی میں آگے ہی آگے بڑھتا جائے' ہدایت کو چھوڑے رکھے' ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ یعنی اسے توبہ کی توفیق ہی نہیں ملتی جو قبول ہو سکے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ انہیں ڈھیل دیتا ہے تو وہ گمراہی میں ٹامک ٹوئیاں مارتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ (الانعام:٦/ ١١٠) ''اور ہم ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر دیں گے۔ جیسے یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے'' اور فرمایا: ﴿ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ ﴾ (الصف: ٦١/ ٥) ''جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیے'' گناہوں سے گناہ پیدا ہوتے ہیں۔ خاص طور پر جو شخص سیدھا راستہ چھوڑ دے اور کفر عظیم کا ارتکاب کرے' حالانکہ اس پر حجت قائم ہو چکی ہو' اور اللہ نے اس کے لیے دلائل و براہین کو واضح کر دیا ہو۔ کیونکہ اس نے خود رب کی رحمت کے اسباب کو منقطع کرنے کی کوشش کی' اور اپنے لیے توبہ کا دروازہ خود ہی بند کر لیا' لہٰذا گمراہی ایسے ہی لوگوں میں محصور ہو گئی ہے۔ اللہ نے فرمایا: ﴿ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴾ ''یہی لوگ گمراہ ہیں'' اس سے بڑی گمراہی کیا ہو سکتی ہے کہ انسان آنکھوں سے دیکھ کر سیدھی راہ کو ترک کر دے۔ یہ کافر اگر موت تک اپنے کفر پر قائم رہیں تو ان کے لیے ہلاکت اور ابدی بدنصیبی یقینی ہے' انہیں کسی چیز سے فائدہ نہیں ہو گا۔ ایسا شخص اگر زمین بھر سونا فدیہ دے کر اللہ کے عتاب سے بچنا چاہے تو کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ بلکہ وہ ہمیشہ دردناک عذاب میں پڑا رہے گا۔ نہ کوئی اس کی سفارش کرے گا' نہ مدد۔ نہ کوئی اس کی فریاد سنے گا' نہ کوئی اللہ کے عذاب سے بچا سکے گا۔ یہ لوگ ہر خیر سے مایوس ہیں۔ ان کے لیے عذاب میں ہمیشہ کے لیے رہنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اللہ ہمیں ان کے حال سے محفوظ رکھے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تيسير الكريم الرحمن
في تفسير كلام المنان

المعروف

تفسیر السعدی (اردو)

فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارُالسّلام

کتاب و سنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض * جدہ * شارجہ * لاہور
لندن * ہیوسٹن * نیویارک

DARUSSALAM

ہیڈ آفس : پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب

فون : 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

ای میل: darussalam @ naseej.com.sa بک شاپ فون و فیکس: 4614483

جدہ فون و فیکس : 6807752 الخبر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان : ① 50 لوئر مال نزد ایم ۔ اے ۔ او کالج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com

② اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 6255925 (001 718)

Website: http://www.dar-us-salam.com

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنان

(اردو ترجمہ)

پا رۃ نمبر چار 4

جلد اوّل

مفسر قرآن: فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

تحقیق: عبدالرحمٰن بن معلا اللویحق حفظہ اللہ

ترجمۃ القرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ترجمۃ التفسیر: پروفیسر طیب شاہین لودھی حفظہ اللہ

دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمانِ الٰہی

وَقَالَ الرَّسُولُ
يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا

اور رسول (ﷺ روزِ قیامت) فرمائیں گے :
"الٰہی ! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔"

(الفرقان: ۲۵/۳۰)

فرمانِ نبوی

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ
بِهَٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں
عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں دھکیل دیتا ہے

(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۷)

پا رۃ نمبر چار 4

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۥ وَمَا تُنْفِقُوْا

ہرگز نہ حاصل کرسکو گے تم نیکی' یہاں تک کہ خرچ کرو تم ان (چیزوں) سے جن کو تم پسند کرتے ہو اور جو خرچ کرو گے تم

مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾

کسی چیز سے' تو بلاشبہ اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے ○

اس میں اللہ کی طرف سے بندوں کو ترغیب ہے کہ وہ نیکی کے کاموں میں خرچ کریں' چنانچہ فرمایا: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ ''تم ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے'' یعنی تم کبھی 'بِرّ' حاصل نہیں کرسکو گے۔ 'بِرّ' میں ہر قسم کے نیکی اور ثواب کے کام شامل ہیں۔ جو کرنے والے کو جنت میں پہنچاتے ہیں۔ ﴿حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ ''جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں (اللہ کی راہ میں) صرف نہ کرو گے۔'' یعنی جب تم مال کی محبت پر اللہ کی محبت کو ترجیح دیتے ہوئے اللہ کی رضامندی کے کاموں میں مال خرچ کرو گے تو اس سے ثابت ہوگا کہ تمہارا ایمان سچا ہے اور تمہارے دلوں میں نیکی اور تقویٰ موجود ہے۔ اس میں عمدہ اشیاء خرچ کرنا بھی شامل ہے' اور خود ضرورت مند ہوتے ہوئے ضرورت کی چیز اللہ کی راہ میں دے دینا بھی اور صحت کی حالت میں خرچ کرنا بھی۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بندے کی نیکی کا معیار دل پسند اشیاء اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ جس قدر یہ خوبی کم ہوگی اتنا ہی اس کے نیک ہونے میں نقص ہوگا۔ چونکہ بندوں کو ہر انداز سے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے' کم ہو یا زیادہ' دل پسند چیز ہو یا نہ ہو۔ اور ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ﴾ سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ جس چیز سے دلی محبت نہ ہو اسے خرچ کرنے پر ثواب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا: ﴿وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ﴾ ''اور جو کچھ تم خرچ کرو' اللہ اسے بخوبی جانتا ہے۔'' اللہ تمہیں تنگی میں نہیں ڈالتا' بلکہ تمہاری نیت اور چیز کے فائدے کے مطابق تمہیں اس کا ثواب دے دیتا ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ

تمام کھانا تھا حلال واسطے بنو اسرائیل کے' مگر وہ جو حرام کر لیا تھا یعقوب نے اپنے نفس پر'

مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ

پہلے اس سے کہ نازل کی جائے تورات' کہہ دیجیے! پس لاؤ تم تورات اور پڑھو اسے' اگر ہو تم

صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

سچے ○ پس جس نے باندھا اوپر اللہ کے جھوٹ' اس کے بعد' تو یہی لوگ ہیں

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ

ظالم ○ کہہ دیجیے! سچ کہا اللہ نے' پس اتباع کرو تم ملت ابراہیم کا' جو حق پرست تھا

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٩٥﴾

اور نہیں تھا وہ شرک کرنے والوں میں سے ○

یہ یہودیوں کے اس زعم باطل کی تردید ہے کہ احکام کا منسوخ ہونا جائز نہیں۔ اس لیے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کیا' کیونکہ ان دونوں حضرات نے حلال وحرام کے بعض ایسے مسائل بیان فرمائے جو تورات کے احکام کے خلاف تھے۔ بحث میں انصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے خلاف خود ان کی مسلمہ کتاب تورات سے دلیل پیش کی گئی ہے کہ کھانے کی تمام چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں۔ ﴿إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَآءِيلُ عَلَىٰ نَفْسِهِۦ﴾ "سوائے اس کے جس چیز کو اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کرلیا تھا" یہ چیزیں اللہ نے حرام نہیں کی تھیں' آپ کو عرق النساء کی بیماری ہوگئی تو آپ نے نذر مان لی کہ اگر اللہ نے شفا عطا فرمائی تو وہ سب سے پسندیدہ غذا اپنے آپ پر حرام کرلیں گے۔ اللہ نے شفا دے دی تو مشہور قول کے مطابق انہوں نے اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ اپنے آپ پر حرام کرلیا۔ آپ کی اولاد نے بھی (آپ کے احترام میں) اس سے اجتناب کیا' یہ واقعہ تورات کے نزول سے بہت پہلے کا ہے۔ پھر تورات میں یعقوب علیہ السلام کی حرام کردہ اشیاء کے علاوہ بعض دوسری حلال اور پاک اشیاء کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ جیسے اللہ نے فرمایا ہے: ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا۟ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبَٰتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ (النساء: ۴/ ۱۶۰) "یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی پاک چیزیں حرام کردیں جو ان کے لیے حلال تھیں" اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم دیتا ہے کہ اگر یہودی اس حقیقت کا انکار کریں تو تورات پیش کرنے کا حکم دیجیے۔ لیکن وہ اس کے بعد بھی ظلم وعناد کی روش پر قائم رہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَمَنِ ٱفْتَرَىٰ عَلَى ٱللَّهِ ٱلْكَذِبَ مِنۢ بَعْدِ ذَٰلِكَ فَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ﴾ "اس کے بعد بھی جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھیں' وہی ظالم ہیں" اس سے بڑا ظلم کیا ہوسکتا ہے کہ ایک آدمی کو اللہ کی کتاب کی روشنی میں فیصلہ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے اور وہ عناد' تکبر اور سرکشی کی بنا پر اس سے انکار کردیتا ہے۔ یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ محمد ﷺ کی نبوت حق ہے۔ آپ کی اور آپ کو خبریں دینے والے کی سچائی پر طرح طرح کی واضح دلیلیں موجود ہیں' جس (اللہ) نے آپ کو وہ خبریں دیں' جن کا علم آپ کو اللہ کے بتائے بغیر نہیں ہوسکتا۔ اس لیے فرمایا: ﴿قُلْ صَدَقَ ٱللَّهُ﴾ "کہہ دیجیے اللہ سچا ہے" ان خبروں میں بھی جو اس نے بتائی ہیں اور ان احکام میں بھی جو اس نے نازل کیے ہیں۔ اللہ کی طرف سے رسول کو اور اس کے رسول کے متبعین کو حکم ہے کہ زبان سے بھی کہیں "اللہ سچا ہے" اور ان یقینی دلائل کی بنیاد پر دل میں بھی یہ عقیدہ رکھیں' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کو سمعی اور عقلی تفصیلی دلائل کا علم زیادہ ہوتا ہے' اس کا اللہ کے سچا ہونے پر زیادہ یقین ہوتا ہے۔ پھر حکم دیا کہ اپنے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی پیروی کرتے ہوئے توحید اختیار کریں اور

شرک سے اجتناب کریں۔ کیونکہ سعادت وخوش نصیبی کا دارومدار توحید کو اختیار کرنے اور شرک سے پرہیز کرنے پر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہودی وغیرہ جو ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر نہیں' وہ مشرک ہیں موحد نہیں۔ جب ابراہیم علیہ السلام کے اس طریقے کی پیروی کا حکم دیا گیا کہ توحید اختیار کریں اور شرک سے بچیں' تو اس کے بعد یہ حکم دیا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی پیروی کرتے ہوئے بیت اللہ کا بھی احترام کریں یعنی حج اور عمرہ وغیرہ ادا کریں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿٩٦﴾

بلاشبہ پہلا گھر جو مقرر کیا گیا واسطے لوگوں کے' البتہ وہ ہے جو مکہ میں ہے' بڑی برکت والا اور ہدایت واسطے جہانوں کے ○

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۖ وَمَن دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَلِلَّهِ عَلَى

اس میں نشانیاں ہیں واضح' مقام ابراہیم (وغیرہ) اور جو اس میں داخل ہوا' ہو گیا وہ امن والا' اور اللہ ہی کے لیے ہے اوپر

النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَن كَفَرَ

لوگوں کے حج کرنا بیت اللہ کا' جو طاقت رکھے اس کی طرف راستے کی اور جس نے کفر کیا'

فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿٩٧﴾

تو بلاشبہ اللہ بے پروا ہے سارے جہانوں سے ○

اللہ تعالیٰ کعبہ شریف کا شرف بیان فرما رہا ہے کہ یہ پہلا گھر ہے جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے اس مقصد کے لیے مقرر کیا ہے کہ وہ اس میں اپنے رب کی عبادت کریں اور ان کے گناہ معاف ہوں اور انہیں وہ نیکیاں حاصل ہوں جن کی وجہ سے انہیں رب کی رضا حاصل ہو' اور وہ ثواب حاصل کر کے اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔ اس لیے فرمایا: ﴿مُبَارَكًا﴾ ''برکت والا ہے'' اس میں بہت سی برکتیں' اور دینی و دنیوی فوائد موجود ہیں۔ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿لِّيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ (الحج: ۲۸/۲۲) ''تاکہ وہ اپنے فائدے حاصل کرنے کو آ جائیں اور ان مقررہ دنوں میں ان چوپایوں پر اللہ کا نام یاد کریں جو اس نے انہیں دیے ہیں'' ﴿وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ﴾ ''اور ہدایت ہے جہان والوں کے لیے'' ہدایت کی دو قسمیں ہیں: علمی ہدایت اور عملی ہدایت۔ عملی ہدایت تو ظاہر ہے کہ اللہ نے ایسی عبادتیں مقرر کی ہیں جو اس مقدس گھر کے ساتھ مخصوص ہیں۔ علمی ہدایت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے حق کا علم حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس میں واضح نشانیاں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ﴾ ''اس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں'' یعنی مختلف علوم الٰہی اور بلند مطالب پر واضح دلائل اور قطعی براہین موجود ہیں۔ مثلاً اللہ کی توحید کے دلائل' اس کی رحمت' حکمت' عظمت' جلالت' اس کے کامل علم اور بے حد و حساب جود و سخا کے دلائل' اور انبیاء و اولیاء پر ہونے والے اللہ کے احسانات کی

نشانیاں۔ ان نشانیوں میں سے ایک ﴿مَقَامُ اِبْرٰهِیْمَ﴾ ”مقام ابراہیم“ بھی ہے۔ اس سے وہ پتھر بھی مراد ہو سکتا ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی عمارت بناتے رہے تھے۔ پہلے یہ کعبہ کی دیوار سے متصل تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسے موجودہ مقام پر منتقل کیا۔ اس پتھر میں نشان سے مراد ایک قول کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان ہیں کہ سخت چٹان میں نشان پڑ گئے جو امت محمدیہ کے ابتدائی زمانے تک باقی رہے۔ یہ ایک خرق عادت معجزہ ہے۔ دوسرے قول کے مطابق نشان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت' شرف اور احترام کے جذبات رکھ دیے ہیں۔ ”مقام ابراہیم“ کی دوسری تشریح یہ ہو سکتی ہے کہ یہ لفظ مفرد ہے جسے ابراہیم کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اس لیے اس سے مراد وہ تمام مقامات ہیں جن سے آپ کا تعلق ہے یعنی وہ تمام مقامات جہاں حج کے مناسک ادا ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے حج کے تمام مناسک بھی ”آیات بینات“ میں شامل ہیں۔ مثلاً طواف' سعی اور ان کے مقامات' عرفات اور مزدلفہ میں ٹھہرنا' رمی کرنا اور دوسرے شعائر۔ اس میں نشانی یہ ہے کہ اللہ نے لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت واحترام نقش کر دیا ہے۔ لوگ یہاں تک پہنچنے کے لیے مال و دولت خرچ کرتے اور ہر قسم کی مشقت برداشت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں عجیب و غریب اسرار اور اعلیٰ معنویات پوشیدہ ہیں۔ اس کے افعال میں وہ حکمتیں اور مصلحتیں ہیں کہ مخلوق ان میں سے تھوڑی سی حکمتیں شمار کرنے سے بھی عاجز ہے۔ اس کی کھلی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس میں داخل ہونے والے کو اللہ تعالیٰ امن عطا فرماتا ہے اور اسے شرعی حکم بھی قرار دے دیا گیا ہے' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے پیغمبر ابراہیم علیہ السلام نے' پھر محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے احترام کا حکم دیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ جو اس میں داخل ہو جائے' اسے امن حاصل ہو جاتا ہے۔ اسے وہاں سے نکالا نہیں جا سکتا۔ یہ حرمت حرم کے شکار' درختوں اور نباتات کو بھی حاصل ہے۔ اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص حدود حرم سے باہر کوئی جرم کر لے' پھر حرم میں آ جائے تو اسے بھی امن حاصل ہو گا۔ جب تک وہ اس سے باہر نہیں آتا اس پر حد قائم نہیں کی جائے گی۔ اللہ کے قضاوقدر کے فیصلے کے مطابق اس مقام کے امن ہونے کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے دلوں میں' حتیٰ کہ مشرکوں اور کافروں کے دلوں میں بھی اس کا احترام ڈال دیا۔ مشرکین عرب انتہائی لڑاکا طبیعت والے' غیرت والے اور کسی کا طعنہ برداشت نہ کرنے والے تھے۔ اس کے باوجود اگر کسی کو اپنے باپ کا قاتل بھی حرم کی حدود میں مل جاتا تھا تو وہ اسے کچھ نہیں کہتا تھا۔ اس کے حرم ہونے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جو اسے نقصان پہنچانا چاہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا ہی میں سزا دے دیتا ہے۔ جیسے ہاتھی والوں کے ساتھ ہوا۔

اس موضوع پر میں نے ابن قیم رحمہ اللہ کا بہت اچھا بیان پڑھا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ اسے یہاں ذکر کر دوں' کیونکہ اس کا معلوم ہونا بہت ضروری ہے۔ امام صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فائدہ: ﴿ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ﴾ اس آیت میں (حج البیت) مبتدا ہے۔ اس کی خبر اس سے پہلے دو جار و مجرور میں سے کوئی ایک ہو سکتا ہے۔ معنی کے لحاظ سے (علی الناس) کو خبر بنانا بہتر ہے کیونکہ یہ وجوب کے لیے ہے۔ اور وجوب کے لیے (علی) ہونا چاہیے ممکن ہے "وللہ" خبر ہو۔ کیونکہ اس میں وجوب اور استحقاق کا مفہوم ہے۔ اس قول کو اس امر سے بھی ترجیح حاصل ہوتی ہے کہ فائدہ کا اصل مقام خبر ہے۔ اس مقام میں اس کو لفظاً مقدم کیا گیا ہے لیکن معنی کے لحاظ سے وہ موخر ہے۔ اس وجہ سے (وللہ علی الناس) کہنا بہتر ہوا۔ پہلے قول کی تائید میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ وجوب کے لیے (حج البیت علی الناس) "بیت اللہ کا حج لوگوں پر واجب ہے" کا انداز زیادہ استعمال ہوتا ہے بنسبت یوں کہنے کے (حج البیت للہ) "بیت اللہ کا حج اللہ کا حق ہے۔"

اس تشریح کے مطابق پہلے مجرور کو مقدم کرنا' حالانکہ وہ خبر نہیں' دو فوائد کا حامل ہے:

پہلا فائدہ: یہ حج کو واجب کرنے والے (اللہ) کا نام ہے۔ لہٰذا وجوب کے ذکر سے پہلے اس کا ذکر کرنا زیادہ حق رکھتا ہے۔ یعنی آیت میں تین اشیا کا ذکر ہے جو وقوع کے لحاظ سے بالترتیب ذکر ہوئی ہیں:

(۱) اس فریضہ کو واجب کرنے والا۔ اس کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا ہے۔ (۲) واجب کو ادا کرنے والا' جس پر وہ فرض عائد ہوتا ہے۔ وہ ہیں لوگ (۳) وہ حق جس کے ساتھ اللہ کا تعلق واجب کرنے کا اور بندوں کا تعلق واجب ہونے اور ادا کرنے کا ہے' وہ ہے حج۔

دوسرا فائدہ: مجرور اللہ تعالیٰ کا نام مبارک ہونے کی وجہ سے اہمیت کا مستحق ہے۔ لہٰذا اس کے واجب کیے ہوئے فریضہ کے احترام کی عظمت کا لحاظ رکھتے ہوئے' اس فریضہ کو ضائع کرنے سے منع کرنے کے لیے اسے پہلے ذکر کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ کا واجب کیا ہوا کام کسی اور کے واجب کیے ہوئے کی طرح نہیں' بلکہ زیادہ اہم اور لازم ہے۔

لفظ "مَـــن" بدل ہے۔ بعض لوگوں نے اسے مصدر کا فاعل قرار دینا پسند کیا ہے گویا آیت کا مفہوم یوں ہے: (ان یحج البیت من استطاع الیہ سبیلا) "کہ جو شخص اس کی طرف راستے کی طاقت رکھتا ہے وہ بیت اللہ کا حج کرے" یہ قول کئی وجہ سے ضعیف ہے۔ (۱) حج فرض عین ہے۔ اگر آیت کا مفہوم یہ ہوتا جو ان لوگوں نے بیان کیا ہے تو اس سے حج کا فریضہ فرض کفایہ ہوتا۔ یعنی جب استطاعت والوں نے حج کر لیا تو دوسروں کے ذمہ سے ساقط ہو گیا۔ اس صورت میں معنی یوں بن جاتا ہے (وللہ علی الناس حج البیت مستطیعھم) "لوگوں کے ذمے اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج فرض ہے' استطاعت رکھنے والے کے لیے" اس کا نتیجہ ہوگا کہ جب استطاعت رکھنے والوں نے ادا کر لیا تو استطاعت نہ رکھنے والوں پر واجب نہیں رہا۔ حالانکہ صحیح صورت حال یہ نہیں۔ بلکہ حج ہر شخص پر فرض عین ہے۔ طاقت والا حج کرے یا نہ کرے وہ اس کے ذمے ہے۔ لیکن طاقت نہ رکھنے والے کو اللہ

نے معذور قرار دیا ہے۔ لہٰذا اس سے مواخذہ نہیں کرے گا' نہ اس سے ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے۔ جب وہ حج کرے گا تو خود اس کا اپنا فرض ادا ہوگا۔ ایسا نہیں ہے کہ طاقت رکھنے والوں کے حج کرنے کی وجہ سے طاقت نہ رکھنے والوں سے فرضیت ساقط ہو جاتی ہو۔ اس کی مزید وضاحت اس مثال سے ہوتی ہے کہ جب کوئی کہے: (واجب علی اهل هذه الناحية ان يجاهد منهم الطائفة المستطيعون للجهاد) ''اس علاقے والوں کا فرض ہے کہ ان میں سے جہاد کی طاقت رکھنے والی جماعت ضرور جہاد کرے'' تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ جب طاقت رکھنے والے جہاد کریں تو دوسرے لوگوں سے وجوب کا تعلق ختم ہو جائے گا۔ لیکن اگر یوں کہا جائے (واجب علی الناس کلهم ان يجاهد منهم المستطيع) ''سب لوگوں کا فرض ہے کہ ان میں سے طاقت رکھنے والا جہاد کرے'' تو وجوب کا تعلق تو ہر فرد سے ہوگا' لیکن طاقت نہ رکھنے والے معذور سمجھے جائیں گے۔ لہٰذا (لله حج البيت علی المستطيعين) کے بجائے آیت مبارکہ کے انداز سے ارشاد فرمانے میں یہ نادر نکتہ ہے۔ لہٰذا اسے غور کر کے سمجھنا چاہیے۔

دوسری وجہ: جملہ میں فاعل کی موجودگی میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف کرنا مفعول کی طرف اضافت کرنے کی نسبت زیادہ اولی ہے۔ اس اصول سے گریز صرف کسی منقول دلیل ہی کی بنیاد پر کیا جا سکتا ہے۔ آیت مبارکہ میں اگر (مَنْ) کو فاعل تسلیم کیا جائے تو اس کا تقاضا ہے کہ مصدر کو اس کی طرف مضاف کر کے یوں کہا جائے: (ولله علی الناس حجُّ مَنِ اسْتَطَاعَ) اسے (يُعْجِبُنِیْ ضَرْبُ زيدٍ عمرًا) جیسی مثال پر یا مصدر اور اس کے مضاف الیہ فاعل کے درمیان مفعول یا ظرف کے فاصلے کی صورت پر محمول کرنا گویا مکتوب پر محمول کرنا ہے جو مرجوح ہے۔ جیسے ابن عامر کی یہ قراءت مرجوح ہے (كذلك زُيِّنَ لكثير من المشركين قتلُ اولادهم شركائهم) لہٰذا یہ قول درست نہیں ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ (من استطاع) میں (من) بدل بعض ہے تو ضروری ہے کہ کلام میں کوئی ضمیر موجود ہو جو (الناس) کی طرف راجع ہو۔ یعنی عبارت گویا یوں ہے (من استطاع منهم) اکثر مقامات پر اس ضمیر کا حذف کرنا بہتر نہیں ہوتا۔ البتہ یہاں اس کا حذف کرنا اچھا ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں: (۱) (من) کا لفظ اس کے مبدل منہ کی طرح غیر عاقل پر واقع ہوا ہے۔ اس لیے اس سے ربط قائم ہو گیا ہے۔ (۲) یہ اسم موصول ہے جس کا صلہ اس سے زیادہ خاص ہے۔ اگر صلہ عام ہوتا تو ضمیر حذف کرنا قبیح ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب آپ کہیں: (رايت اخوتك من ذهب الی السوق منهم) ''میں نے تیرے بھائیوں کو ان میں سے جو بازار گیا' دیکھا'' تو یہ قبیح ہوگا۔ کیونکہ بازار جانیوالا دوسرے بھائیوں کی نسبت عام ہے۔ اسی طرح اگر یوں کہا جائے: (البس الثياب ماحسن) ''کپڑے پہن جو اچھے ہیں'' مطلب یہ ہوگا کہ (ماحسن منها) ''ان میں سے جو اچھے ہیں'' تو ضمیر ذکر نہ کرنا زیادہ غلط ہوگا۔ کیونکہ لفظ (ماحسن) میں ''الثیاب'' کی نسبت عموم

پایا جاتا ہے اور بدل بعض کو مبدل منه سے زیادہ خاص ہونا چاہیے۔ اگر وہ زیادہ عام ہو پھر اسے مبدل منه کی طرف لوٹنے والی چیز کی طرف مضاف کر دیا جائے یا اس ضمیر کے ساتھ مقید کر دیا جائے تو عموم ختم ہو جائے گا اور خصوص کا مفہوم باقی رہ جائے گا۔ (۳) یہاں مضاف کو حذف کرنا اس لیے بھی بہتر ہے کہ صلہ اور موصول کے ساتھ کلام زیادہ طویل ہو جاتا ہے۔

لفظ (لله) کے مجرور کے بارے میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ وہ (من سبيل) کے محل میں ہو۔ گویا وہ نکرہ کی صفت ہے جو نکرہ سے مقدم ہے۔ کیونکہ اگر اسے موخر کیا جاتا تو وہ (سبيل) کی صفت کی جگہ ہوتا۔ دوم یہ کہ (سبيل) کا متعلق ہو۔ اگر آپ کہیں کہ یہ اس کا متعلق کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس ''سبيل'' میں فعل کا معنی نہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہاں ''سبيل'' کا مفہوم ''الموصل الى البيت'' کعبہ تک پہنچانے والی چیز یعنی سامان سفر وغیرہ ہے۔ لہٰذا اس میں فعل کا تھوڑا سا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہاں ''سبيل'' سے وہ راستہ مراد نہیں جس پر چلتے ہیں۔ اس لیے جار مجرور اس کے متعلق ہو سکتا ہے۔ اور حسن نظم اور اعجاز لفظی کے لحاظ سے جار مجرور کو مقدم کرنا بہتر تھا' اگرچہ اس کا اصل مقام موخر ہی ہے' کیونکہ یہ ضمیر ''بیت'' کی طرف راجع ہے۔ اور اصل اہمیت ''بیت'' (کعبہ) ہی کو دینا مقصود ہے۔ اور اہل عرب کلام میں اہم چیز کو مقدم کرتے ہیں۔ یہ سُہَیلی کے کلام کی وضاحت ہے۔ لیکن یہ قول بہت بعید ہے۔ بلکہ جار مجرور کے متعلق ان دونوں سے بہتر ایک قول ہے' وہی درست ہے۔ اور اس آیت سے وہی مفہوم مناسبت رکھتا ہے۔ وہ ہے ''وجوب'' جو آیت کے لفظ (على الناس) سے سمجھ میں آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ (يجب لله على الناس الحج) ''لوگوں پر اللہ کے لیے حج کرنا واجب ہے۔'' یعنی وہ اللہ کا وجوبی حق ہے۔ اسے ''سبيل'' کے متعلق قرار دے کر اس کا حال بنانا بہت ہی بعید ہے۔ آیت سے یہ مفہوم بالکل ذہن میں نہیں آتا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کہیں (لله عليك الصلاة والزكاة والصيام) ''آپ پر اللہ کے لیے نماز زکوٰۃ اور روزہ ضروری ہے۔''

آیت میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی ایسے کام کا ذکر کرتا ہے' جسے واجب یا حرام قرار دینا مقصود ہو تو وہ اکثر اوقات امر و نہی کے الفاظ سے مذکور ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس مقصد کے لیے ایجاب' کتابت اور تحریم کے الفاظ بھی وارد ہوتے ہیں۔ مثلاً ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ﴾ (البقرة:۲/۱۸۳) ''تم پر روزہ رکھنا لکھ دیا گیا ہے۔'' ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ (المائدة:۵/۳) ''تم پر مردار حرام کیا گیا ہے'' ﴿قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ (الانعام:۶/۱۵۱) ''آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ اللہ نے تم پر کیا پابندیاں لگائی ہیں۔'' حج کے بارے میں جو لفظ استعمال ہوا ہے ﴿وَلِلَّهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ﴾ ''اس سے دس انداز سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کو مقدم فرمایا ہے۔ اور اس پر ''ل'' داخل کیا ہے' جس سے استحقاق اور اختصاص ظاہر ہوتا ہے۔ پھر جن پر واجب ہے ان کے لیے عموم کا صیغہ استعمال کیا ہے' اور اس پر ''علی''

داخل کیا ہے‘ جس سے اہل استطاعت کو بدل بنایا ہے۔ پھر ”سبیل“ نکرہ ہے جو سیاق شرط میں واقع ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ حج ہر قسم کے ”سبیل“ میسر ہونے سے واجب ہو جاتا ہے مثلاً خوراک اور مال۔ یعنی وجوب کا تعلق ہر اس چیز سے ہے جسے ”سبیل“ کہا جا سکے۔ پھر اس کے بعد سب سے عظیم تہدید ذکر فرمائی اور فرمایا ﴿ وَمَنْ كَفَرَ ﴾ یعنی جس نے اس واجب پر عمل نہ کر کے اور اسے ترک کر کے کفر کا ارتکاب کیا۔ پھر اس کی عظمت شان کے لیے وعید کو موکد فرمایا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ مستغنی ہے۔ اسے کسی کے حج کی ضرورت نہیں۔ یہاں استغنا کے ذکر کا مقصد ناراضی‘ غصے اور بے اعتنائی کا اظہار ہے‘ جو بہت عظیم اور بلیغ وعید ہے۔ اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہاں (العالمین) کا عام لفظ بولا گیا ہے۔ یہ نہیں فرمایا: (فان اللہ غنی عنه) ”اللہ اس سے مستغنی ہے“ کیونکہ جب وہ تمام جہانوں سے مستغنی اور بے پروا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے ہر لحاظ سے اور ہر اعتبار سے کامل و مکمل استغنا حاصل ہے۔ اس طرح اس کے واجب کردہ حق کو ترک کرنے والے پر اس کی ناراضی زیادہ تاکید سے ظاہر ہوتی ہے۔ پھر اس مفہوم کو لفظ (ان) کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے جو بذات خود تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ یہ دس وجوہ ہیں جن سے اس فرض عظیم کا ضروری اور موکد ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں آیت مبارکہ میں موجود بدل میں پوشیدہ نکتہ پر بھی غور کیجیے۔ بدل کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اسناد دوبارہ ذکر ہوئی ہے۔ ایک دفعہ اس کی اسناد عمومی طور پر سب لوگوں سے ہے اور دوسری بار خاص طور پر استطاعت رکھنے والوں سے۔ اور بدل کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اسناد کی تکرار سے معنی میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لیے بدل عامل کی تکرار اور دہرانے کا مفہوم رکھتا ہے۔

پھر غور کیجیے کہ آیت میں کس طرح ابہام کے بعد توضیح اور اجمال کے بعد تفصیل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اسے اہمیت دیتے ہوئے اور اس کی شان کی تاکید فرماتے ہوئے کلام کو دو صورتوں میں وارد کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی غور کیجیے کہ کس طرح وجوب کا ذکر کرنے سے پہلے کعبہ شریف کی خوبیوں اور عظمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے دلوں میں اس کی زیارت اور حج کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ چیز خود مقصود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴾ چنانچہ کعبہ شریف کی پانچ صفات بیان کی گئی ہیں۔ (۱) وہ دنیا میں عبادت کے لیے مقرر کیا جانے والا سب سے پہلا اللہ کا گھر ہے۔ (۲) برکت والا ہے۔ برکت کا مطلب خیر کا دوام اور کثرت ہے۔ دنیا میں اتنی برکت والا‘ اس قدر کثیر اور دائمی خیر والا‘ اور مخلوق کے لیے اس قدر فوائد کا حامل کوئی گھر موجود نہیں۔ (۳) وہ ہدایت ہے۔ ہدایت دینے والے کے بجائے ہدایت (مصدر) کا لفظ بولنے میں مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے گویا یہ خود سراپا ہدایت ہے۔ (۴) اس میں آیات بینات (واضح نشانیاں) موجود ہیں۔ جن کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے۔ (۵) اس میں داخل ہونے والے کے لیے

امن ہے۔ اگر یہی صفات ذکر کردی جاتیں اور اس کی زیارت کا حکم نہ دیا جاتا' تب بھی ان صفات کی وجہ سے دلوں میں اس کی زیارت کی تڑپ پیدا ہوتی' خواہ کتنی دور سے آنا پڑتا۔ یہاں تو یہ صفات ذکر کرنے کے بعد صراحت کے ساتھ فرض ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس قدر تاکیدات لائی گئی ہیں' جن سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس گھر کی بے حد اہمیت ہے اور اس کے نزدیک اس کی شان و عظمت کی کوئی حد نہیں۔ اگر اس میں یہی شرف ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے اسے (بیتی) ''میرا گھر'' فرمایا ہے' تو یہ نسبت ہی اتنی بڑی فضیلت اور اتنا بڑا شرف ہے کہ صرف اس کی وجہ سے جہان والوں کے دل اس کی طرف متوجہ ہو جاتے' اور اس کی زیارت کے لیے دور دراز سے کھنچے آتے۔ محبت کرنے والوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ اس کے پاس اکٹھے ہو کر آتے ہیں' اس کی زیارت سے کبھی سیر نہیں ہوتے۔ جتنی زیادہ زیارت کرتے ہیں' اتنا ہی محبت اور شوق میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ نہ دور جانے سے محبت کی لو مدہم ہوتی ہے نہ وصال سے ان کی پیاس بجھتی ہے۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

میں اس کا طواف کرتا ہوں اور دل پھر بھی شوق سے بھرپور ہے
کیا طواف کے بعد مزید قرب بھی ہو سکتا ہے؟
میں اس کے حجر اسود کو چومتا ہوں' اور اس طرح دل میں موج زن
محبت اور پیاس کو ٹھنڈک پہنچاتا ہوں
قسم ہے اللہ کی! میری محبت ہی میں اضافہ ہوتا ہے
اور دل اور زیادہ دھڑکنے لگتا ہے
اے جنت ماویٰ! اے مقصود تمنا!
اور اے میری آرزو! ہر امان سے قریب تر!
غلبہ ہائے شوق تیرے قرب پر اصرار کرتے ہیں
تجھ سے فراق میرے بس میں نہیں
میں اگر تجھ سے دور ہوا تو اس کی وجہ بے اعتنائی نہیں
اس کا گواہ میری (اشک بار) آنکھیں اور (نالہ و شیون کرتی) زبان ہے
تجھ سے دور ہونے کے بعد میں نے صبر کو بھی آواز دی اور گریہ کو بھی
گریہ نے (فوراً) لبیک کہا (اور آ گیا) اور صبر نے میری بات نہ مانی (صبر نہ آیا)
لوگ گمان کرتے ہیں کہ جب محب دور چلا جائے

تو لمبا عرصہ گزرنے کے بعد اس کی محبت کمزور ہو جاتی ہے
اگر یہ خیال درست ہوتا' تو یقیناً
ہر زمانے کے لوگوں کے لیے محبت کا علاج ہوتا
ہاں ہاں محب کمزور ہو جائے گا اور محبت
اسی حال میں ہوگی' اسے رات دن کے گزرنے نے کمزور نہیں کیا ہوگا ①
یہ محبت کرنے والا ہے' جسے شوق اور عشق لیے جاتا ہے
بغیر کسی لگام اور باگ کے جو اسے کھینچے لیے جاتی ہو
زیارت گاہ دور ہونے کے باوجود وہ تیرے در پر آ پہنچا ہے
اگر اس کی سواری کمزور ہو جاتی تو اس کے قدم ہی اسے لے آتے
یہاں امام ابن قیم رحمہ اللہ کا کلام ختم ہوا۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا
کہہ دیجیے! اے اہل کتاب! کیوں کفر کرتے ہو تم ساتھ آیتوں کے اللہ کی؟ اور اللہ گواہ ہے ان پر جو
تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ
تم کرتے ہو ○ کہہ دیجیے! اے اہل کتاب! کیوں روکتے ہو تم اللہ کے راستے سے' اس کو جو ایمان لایا'
تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾
ڈھونڈتے ہو تم اس (راہ) میں کجی' جب کہ تم گواہ ہو اور نہیں ہے اللہ غافل ان سے جو تم کرتے ہو ○
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اطاعت کرو گے ایک فریق کی ان لوگوں میں سے جو دیے گئے کتاب' تو لوٹا (بنا) دیں گے وہ تمہیں بعد
اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ
تمہارے ایمان کے کفر کرنے والے ○ اور کیسے کفر کرو گے تم جب کہ تلاوت کی جاتی ہیں تم پر آیتیں اللہ کی اور تمہارے اندر
رَسُوْلُهٗ ؕ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ ع
اس کا رسول (موجود) ہے؟ اور جو مضبوط پکڑ لے اللہ (کے دین) کو تو تحقیق ہدایت دیا گیا وہ طرف سیدھے راستے کی ○

اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو زجر و توبیخ فرماتا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا' جو اس نے اپنے

① امام ابن قیم کا یہ کلام ان کی کتاب "بدائع الفوائد" سے منقول ہے۔ اس میں یہ شعر اس طرح درج ہے۔

بلیٰ انه یبلی التصبر والهوی — علی حاله لم یبله الملوان

ہاں صبر تو کمزور ہو جاتا ہے لیکن محبت — اپنے حال پر رہتی ہے' وہ رات دن کے گزرنے سے کمزور نہیں ہوتی (از محقق)

رسولوں پر نازل کیں' جنھیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے رحمت بنایا کہ ان کی رہنمائی میں اللہ تک پہنچ سکیں اور ان کی مدد سے تمام اہم مقاصد اور مفید علوم حاصل کریں۔ ان کافروں نے ان کا انکار بھی کیا' ان پر ایمان لانے والوں کو روکا' ان میں تحریف کی' انھیں اصل مفہوم سے پھیرنے کی کوشش کی۔ وہ خود ان جرائم کو تسلیم کرتے ہیں۔ انھیں خوب معلوم ہے کہ ان کا یہ کام بہت بڑا کفر ہے' جس کی سزا بہت سخت ہے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴾ (النحل:۱۶/۸۸) ''جنھوں نے کفر کیا' اور اللہ کی راہ سے روکا' ہم انھیں عذاب پر مزید عذاب دیں گے کیونکہ وہ فساد کرتے تھے'' یہاں انھیں یہ فرما کر تنبیہ کی۔ ﴿ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں''۔ بلکہ تمہارے اعمال' تمہاری نیتوں اور تمہاری بری تدبیروں سے پوری طرح باخبر ہے' وہ تمھیں ان کی بہت بری سزا دے گا۔ ان کو تنبیہ کرنے کے بعد اپنی رحمت' عطا اور احسان کا ذکر کیا' اور اپنے مومن بندوں کو ان سے متنبہ کیا' تا کہ وہ بے خبری میں ان کے مکر و فریب کا نشانہ نہ بن جائیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴾ ''اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی کسی جماعت کی باتیں مانو گے تو وہ تمھیں' تمہارے ایمان لانے کے بعد مرتد کافر بنا دیں گے۔'' اس کی وجہ ان کا حسد' ظلم اور تمھیں مرتد کر دینے کی شدید خواہش ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ﴾ (البقرۃ:۲/۱۰۹) ''اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے' محض حسد و بغض کی بنا پر تمھیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی اپنے ایمان پر ثابت قدمی کا اور یقین میں ڈانواں ڈول نہ ہونے کا سب سے بڑا سبب بیان کیا ہے اور یہ کہ ان کا ایمان سے پھر جانا انتہائی ناممکن ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ﴾ ''اور تم کیسے کفر کر سکتے ہو جب کہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول موجود ہے۔'' یعنی رسول تمہارے اندر موجود ہیں' وہ ہر وقت تمھیں رب کی آیتیں سناتے ہیں۔ یہ واضح آیات ہیں جو بیان کردہ مسائل پر قطعی یقین کا فائدہ دیتی ہیں اور یہ کہ ان سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس میں کسی بھی لحاظ سے شک کی گنجائش نہیں۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ اسے بیان کرنے والا وہ انسان (محمد ﷺ) ہے' جو تمام مخلوق میں سب سے افضل' زیادہ عالم' زیادہ فصیح' زیادہ مخلص و خیر خواہ اور مومنوں پر زیادہ شفیق' مخلوق کو ہر ممکن طریقے سے ہدایت دینے اور ان کی رہنمائی کرنے کا انتہائی شوق رکھنے والا ہے۔ اللہ کے درود و سلام نازل ہوں آپ کی ذات اقدس پر۔ آپ نے یقیناً خیر خواہی فرمائی اور پوری وضاحت سے اللہ کا دین پہنچا دیا۔ حتیٰ کہ کسی کو بات کرنے کی گنجائش نہ رہی اور نیکی کے کسی طلب گار کو تلاش کی ضرورت نہ رہی' آخر میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جو

شخص اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرے' اس پر توکل کرے' ہر برائی سے بچاؤ کے لیے اس کی قوت و رحمت کا سہارا تلاش کرے اور ہر خیر کے لیے اس سے مدد طلب کرے ﴿فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ﴾ "تو بلاشبہ اسے راہ راست دکھا دی گئی" جو مطلوب منزل تک پہنچانے والی ہے۔ کیونکہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے اقوال' افعال اور احوال کی اتباع بھی کی' اور اللہ کا سہارا بھی حاصل کیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ڈرو اللہ سے جیسا کہ حق ہے اس سے ڈرنے کا اور نہ ہرگز موت آئے تمہیں مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو ○

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ

اور مضبوطی سے پکڑ لو تم اللہ کی رسی اکٹھے اور نہ جدا جدا ہو اور یاد کرو نعمت اللہ کی (جو) تم پر ہوئی'

إِذْ كُنتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُم بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنتُمْ

جب تھے تم (باہم) دشمن پس الفت ڈال دی اس نے درمیان تمہارے دلوں کے' تو ہو گئے تم اس کے احسان سے بھائی (بھائی) اور تھے تم

عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنْهَا ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ

اوپر کنارے ایک گڑھے کے آگ کے' پس بچایا اس نے تم کو اس سے' اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ

لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٠٣﴾

تمہارے لیے اپنی آیتیں' شاید کہ تم ہدایت پاؤ ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ اس سے ایسے ڈریں جیسے ڈرنے کا حق ہے' پھر اس تقویٰ پر قائم اور ثابت قدم رہیں۔ اور موت تک استقامت ہو۔ کیونکہ انسان جس طرح کی زندگی گزارتا ہے' اسے ویسی ہی موت نصیب ہوتی ہے۔ جو شخص صحت' نشاط اور طاقت کی حالت میں اللہ کے تقویٰ اور اس کی اطاعت پر قائم رہتا ہے' اور ہمیشہ اس کی طرف متوجہ رہتا ہے' اللہ تعالیٰ اسے موت کے وقت استقامت عطا فرماتا ہے اور اسے حسن خاتمہ سے نوازتا ہے۔ اللہ سے کما حقہ تقویٰ رکھنے کی وضاحت جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں کی ہے: (هو ان يُطاعَ فلا يُعصىٰ، ويُذكر فلا يُنسىٰ ويُشكر فلا يُكفر) "اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی فرماں برداری کی جائے' نافرمانی نہ کی جائے' اسے یاد کیا جائے' فراموش نہ کیا جائے' اس کا شکر کیا جائے' ناشکری نہ کی جائے۔" اس آیت میں وضاحت ہے تقویٰ کے سلسلے میں اللہ کا کیا حق ہے۔ اس بارے میں بندے کا جو فرض ہے۔ وہ اللہ کے اس فرمان میں بیان ہوا ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: ۱۶/۶۴) "جہاں تک تمہارا بس چلے' اللہ سے ڈرتے رہو" دل اور جسم کے متعلق تقویٰ کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں' جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ جس جس کام کا حکم دے' اسے انجام دینا اور جس جس کام سے منع کرے' اس سے باز رہنا۔ اس

کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کام کا حکم دیا ہے جو تقویٰ اختیار کرنے میں مدد دیتا ہے' وہ ہے متحد رہنا' اللہ کے دین پر مضبوطی سے کاربند رہنا' تمام مومنوں کا یک آواز ہونا' مل جل کر رہنا اور اختلاف نہ کرنا۔ دین پر متحد رہنے سے اور باہمی الفت و مودت سے ان کا دین بھی درست رہے گا اور دنیا بھی درست رہے گی۔ اتحاد کی وجہ سے وہ ہر کام کر سکیں گے اور انہیں وہ تمام فوائد حاصل ہوں گے جن کا دارومدار اتفاق و اتحاد پر ہے۔ یہ فوائد اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں نیکی اور تقویٰ میں تعاون بھی ممکن ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اختلاف اور تفرقہ کی وجہ سے ان کا نظام درہم برہم ہو جائے گا' باہمی رابطے ٹوٹ جائیں گے اور ہر شخص اپنے ذاتی فائدے کے لیے بھاگ دوڑ کرے گا' اگرچہ اس سے اجتماعی طور پر نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک نعمت ذکر فرمائی اور حکم دیا کہ اسے یاد رکھیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَاذۡكُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ عَلَيۡكُمۡ اِذۡ كُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً﴾ ''اور اللہ کی اس وقت کی نعمت یاد کرو' جب تم (یہ نعمت حاصل ہونے سے پہلے) ایک دوسرے کے دشمن تھے'' ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ ایک دوسرے کا مال چھینتے تھے' قبیلوں کی قبیلوں سے دشمنی تھی' ایک ہی شہر کے رہنے والے آپس میں عداوت اور جنگ و جدل کا شکار تھے۔ غرض بہت بری حالت تھی۔ یہ وہ حالت ہے جو نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب میں عام تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مبعوث فرمایا' اور وہ لوگ ایمان لے آئے' تو وہ اسلام کی بنیاد پر اکٹھے ہو گئے' ان کے دلوں میں ایمان کی وجہ سے محبت پیدا ہو گئی۔ وہ باہمی محبت اور مدد کے لحاظ سے فرد واحد کی حیثیت اختیار کر گئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِكُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِهٖۤ اِخۡوَانًا﴾ ''اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی' پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔'' اس کے بعد فرمایا: ﴿وَكُنۡتُمۡ عَلٰى شَفَا حُفۡرَةٍ مِّنَ النَّارِ﴾ ''اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے'' یعنی تم جہنم کے مستحق ہو چکے تھے۔ صرف اتنی کسر رہ گئی تھی کہ تمہیں موت آ جائے تو جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ ﴿فَاَنۡقَذَكُمۡ مِّنۡهَا﴾ ''تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا'' وہ اس طرح کہ تم پر یہ احسان کیا کہ تمہیں محمد ﷺ پر ایمان نصیب فرما دیا۔ ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ﴾ ''اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے'' یعنی ان کی وضاحت اور تشریح کرتا ہے' اور تمہارے لیے حق و باطل اور ہدایت و گمراہی الگ الگ کر کے واضح کر دیتا ہے ﴿لَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ﴾ ''تاکہ تم (حق کو پہچان کر اور اس پر عمل کر کے) ہدایت پاؤ'' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ بندے دلوں اور زبانوں کے ساتھ اس کی نعمت کو یاد کریں' تاکہ ان میں شکر اور اللہ کی محبت کے جذبات پروان چڑھیں اور اللہ تعالیٰ مزید فضل و احسانات سے نوازے۔ اللہ کی جو نعمت سب سے زیادہ ذکر کیے جانے کے قابل ہے وہ ہے اسلام کا شرف حاصل ہو جانے کی نعمت' اتباع رسول کی توفیق مل جانے کی نعمت اور مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی موجودگی اور اختلاف و افتراق نہ ہونے کی نعمت۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

اور چاہیے کہ ہو تم میں سے ایک جماعت' جو بلائے طرف خیر کی اور حکم دے ساتھ اچھے کاموں کے اور روکے

عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا

برے کاموں سے' اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ○ اور نہ ہو تم مانند ان لوگوں کے جو جدا جدا ہو گئے اور انھوں نے (باہم) اختلاف کیا

مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾

بعد اس کے کہ آ گئیں ان کے پاس واضح دلیلیں اور یہ لوگ' ان کے لیے ہے عذاب بہت بڑا ○

مطلب یہ ہے کہ اے مومنو! جن پر اللہ نے ایمان لانے اور اپنی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کی توفیق دے کر احسان فرمایا ہے' تم میں سے ﴿اُمَّةٌ﴾ ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے ﴿يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ﴾ ''جو بھلائی کی طرف بلائے۔'' (خیر) ''بھلائی'' میں ہر وہ چیز شامل ہے جو اللہ سے قریب کرنے والی اور اس کی ناراضی سے دور کرنے والی ہو۔ ﴿وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ''اور وہ نیک کاموں کا حکم کرے'' (معروف) اسے کہتے ہیں جس کا اچھا ہونا عقل اور شریعت کی روشنی میں معلوم ہو چکا ہو۔ ﴿وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ''اور برے کاموں سے روکے'' (منکر) اسے کہتے ہیں جس کا برا ہونا عقل اور شریعت کے ذریعے سے معلوم ہو چکا ہو۔ اس میں مومنوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ان میں ایک ایسی جماعت موجود ہونی چاہیے جو لوگوں کو اس کی راہ کی طرف بلائے اور اس کے دین کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہے۔ اس جماعت میں وہ علماء بھی شامل ہیں جو لوگوں کو دین سکھاتے ہیں' وہ مبلغ بھی جو دوسرے مذاہب والوں کو دین اسلام میں داخل ہونے کی اور بدعملی میں مبتلا لوگوں کو دین پر کار بند ہونے کی تبلیغ کرتے ہیں' اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے بھی اور وہ لوگ بھی شامل ہیں' جن کی ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ لوگوں کے حالات معلوم کرتے رہیں اور انھیں شرعی احکام مثلاً نماز' روزہ' حج اور زکاۃ وغیرہ کی پابندی کروائیں اور غلط کاموں سے روکیں مثلاً ماپ تول کے پیمانوں اور باٹوں کو چیک کریں' بازار میں خرید و فروخت کرنے والوں کو دھوکا بازی سے اور لین دین کے ان معاملات سے روکیں جو شرعاً ناجائز ہیں۔ یہ سب کام فرض کفایہ ہیں۔ جیسے کہ آیت کریمہ کے الفاظ ﴿وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ﴾ ''تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے'' سے ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی تم میں ایک جماعت ایسی موجود ہونی چاہیے جس سے مذکورہ بالا مقاصد حاصل ہو سکیں۔ یہ ایک جانا پہچانا اور مانا ہوا اصول ہے کہ جب کسی خاص کام کا حکم دیا جائے' تو اس میں ان تمام کاموں کا حکم شامل ہوتا ہے' جو اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ضروری ہوں۔ لہٰذا وہ تمام کام جن پر ان اشیاء کا وجود موقوف ہے' وہ سب ضروری ہیں اور اللہ کی طرف سے ان کا حکم سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً جہاد کے لیے طرح طرح کے سامان تیار کرنا' جن سے دشمنوں کا قلع قمع کیا جا سکے اور اسلام کا نام بلند کیا جا سکے' وہ علم سیکھنا جس کی مدد سے نیکی کی طرف بلایا جا سکے۔

علم ور ہنمائی کے لیے مدارس کی تعمیر' لوگوں میں شریعت نافذ کرنے کے لیے حکمرانوں کی قولی' عملی اور مالی امداد اور ایسے دوسرے کام جن پر ان امور کا دارومدار ہے۔ یہ جماعت جو نیکی کی طرف بلانے' بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے کمربستہ ہے' یہ خاص مومنین ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ''اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں'' یعنی کامیاب ہیں جنہیں مطلوب حاصل ہوگا اور خطرناک نتائج سے محفوظ رہیں گے۔ اس کے بعد انہیں اہل کتاب کی طرح اختلاف وانتشار میں گرفتار ہونے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا﴾ ''اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا' جنھوں نے تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا'' اور عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے اختلاف بھی کیا تو ﴿مِن بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾ ''روشن دلیلیں آ جانے کے بعد'' حالانکہ ان کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ افتراق واختلاف نہ ہوتا۔ انہیں دین پر دوسروں کی نسبت زیادہ پابندی اختیار کرنا چاہیے تھی۔ لیکن انہوں نے بالکل الٹ کام کیا حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ وہ اللہ کے احکام کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اس لیے وہ سخت عذاب کے مستحق ہو گئے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ''اور انہی لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔''

يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ

جس دن کہ سفید ہوں گے کئی چہرے اور سیاہ ہوں گے کئی چہرے۔ پس لیکن وہ لوگ کہ سیاہ ہوں گے چہرے اُنکے (ان سے کہا جائے گا)

اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿١٠٦﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

کیا کفر کیا تھا تم نے بعد اپنے ایمان کے؟ تو (اب) چکھو تم عذاب بہ سبب اس کے جو تھے تم کفر کرتے ○ اور لیکن وہ لوگ

ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿١٠٧﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ

کہ سفید ہوں گے چہرے ان کے' پس وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ یہ آیتیں ہیں

اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٨﴾

اللہ کی' پڑھتے ہیں ہم ان کو آپ پر ساتھ حق کے اور نہیں اللہ ارادہ کرتا ظلم کرنے کا جہان والوں کیلئے ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کے حالات بیان فرمائے ہیں۔ اس دن عدل اور فضل کی بنیاد پر ملنے والی جزاو سزا کے اثرات بیان فرمائے ہیں۔ اس بیان کا مقصد ترغیب وترہیب ہے۔ جس کا فائدہ خوف اور امید کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ﴾ ''جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے'' وہ خوش نصیبوں اور نیکی کرنے والوں کے چہرے ہوں گے' جنہوں نے آپس میں الفت ومحبت رکھی اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔ ﴿وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ ''اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے'' وہ بدنصیبوں اور بدکاروں کے چہرے ہوں گے' جو اختلاف وافتراق پیدا کرنے والے تھے۔ ذلت ورسوائی کی وجہ سے ان کے دلوں کی جو

کیفیت ہوگی' اس کے نتیجے میں ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔ اور نیک لوگوں کو نعمتیں اور خوشیاں نصیب ہوں گی' ان کے اثرات ان کے چہروں پر ظاہر ہوں گے۔ اور ان کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقّٰهُمْ نَضْرَةً وَّسُرُوْرًا﴾ (الدھر: ۷۶/۱۱) ''اور انہیں تازگی اور خوشی پہنچائی'' تروتازہ ہونے کا تعلق چہروں سے ہے' اور خوشی دلوں میں ہوتی ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۢ بِمِثْلِهَا ۙ وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۭ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ كَاَنَّمَآ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ (یونس: ۱۰/۲۷) ''جنہوں نے گناہ کمائے تو ہر برائی کا بدلہ اس کے برابر ہے۔ اور ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ یوں ہوگا گویا ان کے چہروں پر رات کے تاریک ٹکڑے اوڑھا دیے گئے ہیں۔ یہی لوگ آگ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' ﴿فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ﴾ ''اور جن کے چہرے سیاہ ہوں گے'' انہیں ڈانٹ ڈپٹ اور زجر و توبیخ کے انداز سے کہا جائے گا: ﴿اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ﴾ ''کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا'' یعنی تم نے ہدایت اور ایمان کے بجائے کفر و ضلالت کو کیوں ترجیح دی؟ تم نے ہدایت والا راستہ چھوڑ کر گمراہی کا راستہ کیوں اختیار کیا؟ ﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ اب ''اپنے کفر کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو'' تمہارے لائق صرف جہنم کا مقام ہے' تم صرف ذلت و رسوائی کے مستحق ہو۔ ﴿وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ﴾ ''اور جن کے چہرے سفید ہوں گے'' انہیں مبارک باد دی جائے گی' اور عظیم ترین بشارت ملے گی۔ یعنی انہیں جنت میں داخلے کی' رب کی خوشنودی کی اور اس کی رحمت کی خوش خبری دی جائے گی۔ ﴿فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ۭ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''وہ اللہ کی رحمت میں داخل ہوں گے' اور اس میں ہمیشہ رہیں گے'' چونکہ وہ ہمیشہ رحمت میں رہیں گے اور جنت بھی اللہ کی رحمت کا ایک مظہر ہے۔ لہٰذا وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے جس میں دائمی نعمتیں اور سلامتی والی زندگی ہوگی۔ وہ ارحم الراحمین کے پڑوس میں ہوں گے۔

جب اللہ تعالیٰ نے احکام و اوامر بھی بتا دیے اور ان کی جزا بھی بیان فرما دی' تو اس کے بعد فرمایا: ﴿تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ﴾ ''یہ اللہ کی آیتیں ہیں' جو ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک بیان کر رہے ہیں'' کیونکہ اس کے اوامر و نواہی حکمت و رحمت پر اور جزا و سزا پر مشتمل ہیں۔ اس طرح وہ حکمت و رحمت پر اور عدل پر مشتمل ہیں جن میں ظلم کا کوئی شائبہ نہیں'' اس لیے فرمایا: ﴿وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اور اللہ کا ارادہ لوگوں پر ظلم کرنے کا نہیں'' ظلم کرنا تو بہت دور کی بات ہے' اللہ تعالیٰ ظلم کا ارادہ بھی نہیں فرماتا۔ لہٰذا کسی کی نیکیوں میں کمی نہیں کرتا' اور ظالموں کے ظلم میں اضافہ نہیں فرماتا' بلکہ صرف ان کے کیے ہوئے اعمال کی سزا دیتا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

اور اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور طرف اللہ ہی کی لوٹائے جاتے ہیں سب معاملات ○

یعنی آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے' اس سب کا مالک وہی ہے۔ جس نے انہیں پیدا کیا' انہیں رزق دیا اور اپنی قضاء وقدر کے مطابق اور اپنی شریعت اور احکام کے مطابق ان میں تصرف کرتا ہے۔ قیامت کے دن وہ اسی کے پاس واپس جائیں گے' پھر وہ انہیں اچھے اور برے اعمال کا بدلہ دے گا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

ہو تم بہترین امت جو نکالی (بنائی) گئی ہے لوگوں کیلئے' تم حکم کرتے ہو ساتھ اچھے کاموں کے اور روکتے ہو برے کاموں سے

وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ

اور ایمان رکھتے ہو تم ساتھ اللہ کے اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب' تو البتہ ہوتا بہت بہتر ان کیلئے' بعض ان میں سے ایمان لانے والے ہیں

وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١١٠﴾ لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى ۖ وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُوَلُّوكُمُ

اور اکثر ان میں سے فاسق ہیں ○ وہ ہرگز نہیں ضرر پہنچا سکیں گے تمہیں' مگر ایذا تھوڑی سی اور اگر لڑیں وہ تم سے تو پھیر دیں گے تمہاری طرف

الْأَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُونَ ﴿١١١﴾ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ

پیٹھیں' پھر نہیں مدد کیے جائیں گے وہ ○ مسلط کر دی گئی ان پر ذلت' جہاں کہیں بھی وہ پائے جائیں' مگر ساتھ پناہ کے

مِنَ اللَّهِ وَحَبْلٍ مِنَ النَّاسِ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ

اللہ کی اور (ساتھ) پناہ کے لوگوں کی اور لوٹے وہ ساتھ غضب کے اللہ کی طرف سے' اور مسلط کر دی گئی ان پر

الْمَسْكَنَةُ ۚ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ

محتاجی' یہ اس سبب سے کہ بے شک تھے وہ کفر کرتے ساتھ آیتوں کے اللہ کی اور قتل کرتے تھے نبیوں کو

بِغَيْرِ حَقٍّ ۚ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿١١٢﴾

ناحق' یہ بہ سبب اس کے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور تھے وہ زیادتی کرتے ○

اللہ تعالیٰ اس امت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ تمام امتوں سے بہتر اور افضل امت ہے جسے اللہ نے لوگوں کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کامل کرتے ہیں یعنی ایسا ایمان رکھتے ہیں جو اللہ کے ہر حکم پر عمل کرنے کو مستلزم ہے۔ اور دوسروں کو بھی کامل بناتے ہیں۔ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہوتے ہیں' جس میں مخلوق کو اللہ کی طرف بلانا' اس مقصد کے لیے ان سے جہاد کرنا' ان کو گمراہی اور نافرمانی سے روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا شامل ہے۔ اس وجہ سے وہ بہترین امت ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیت میں یعنی اس فرمان الٰہی میں: ﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ''تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے' نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے۔'' اللہ کی طرف سے اس امت کو ایک حکم دیا گیا تھا۔ اور جسے حکم دیا جائے وہ بعض اوقات

حکم کی تعمیل کرتا ہے اور بعض اوقات تعمیل نہیں کرتا۔ لہٰذا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس امت نے وہ کام انجام دیا ہے، جس کا اسے حکم دیا گیا تھا' اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی ہے اور تمام امتوں سے افضل قرار پانے کی مستحق ہوگئی ہے۔ ﴿ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴾ "اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔" اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نرم انداز اختیار کرتے ہوئے اہل کتاب کو ایمان کی دعوت دی ہے۔ لیکن ان میں سے بہت کم افراد ایمان لائے۔ زیادہ فاسق' اللہ کے نافرمان اور اللہ کے دوستوں سے طرح طرح سے دشمنی کا اظہار کرنے والے تھے۔ لیکن اللہ کا اپنے مومن بندوں پر یہ لطف و کرم ہے کہ اس نے دشمن کے ناپاک منصوبوں کو ناکام بنا دیا۔ اور مومنوں کو ان سے نہ دینی نقصان پہنچا' نہ جسمانی' وہ زیادہ سے زیادہ جو کچھ کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ زبان سے تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اور یہ چیز ایسی ہے کہ اس سے کوئی بھی دشمن بچ نہیں سکتا۔ اگر وہ مومنوں سے جنگ کریں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ ان کی یہ ہزیمت دائمی ہوگی' اور ان کی ذلت ہمیشہ رہے گی۔ ان کی کبھی مدد نہیں کی جائے گی۔ اس لیے اللہ نے ان کا انجام یہ بتایا کہ باطنی طور پر وہ ذلت کا شکار ہوں گے اور ظاہری طور پر فقر و مسکنت کا۔ لہٰذا وہ کہیں اطمینان اور سکون سے نہیں رہ سکیں گے۔

﴿ اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ ﴾ "مگر یہ کہ اللہ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں" اس لیے یہودی یا تو مسلمانوں سے معاہدہ کر کے ان کے ماتحت (ذمی بن کر) رہیں گے' ان سے جزیہ لیا جائے گا۔ وہ ذلیل ہوں گے۔ یا نصاریٰ کے ماتحت ہوں گے۔ ﴿ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ﴾ "یہ غضب الٰہی کے مستحق ہوگئے" اور یہ سب سے بڑی سزا ہے۔ وہ اس حال کو کیوں پہنچے' اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ﴾ "یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے" یہ لوگ ان آیتوں کا انکار کرتے تھے' جنہیں اللہ نے اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل کیا ہے' جن سے ایمان اور یقین حاصل ہوتا ہے۔ لیکن انہوں نے سرکشی اور عناد کی وجہ سے ان کا انکار کیا۔ ﴿ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ﴾ "اور انبیاء کو بے وجہ قتل کرتے تھے" وہ انبیاء جو ان پر سب سے عظیم احسان کرتے تھے' وہ اس احسان کے بدلے میں بدترین سلوک کرتے تھے یعنی انہیں شہید کر دیتے تھے۔ کیا اس جسارت اور اس جرم سے بڑھ کر بھی کوئی جرم ہو سکتا ہے؟ ان سب بداعمالیوں کی وجہ ان کی نافرمانی اور ظلم تھا' جس کی وجہ سے انہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور انبیائے کرام کو شہید کرنے کی جسارت کی۔ اس کے بعد فرمایا:

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ

نہیں ہیں وہ (سب) برابر' اہل کتاب میں سے ایک جماعت ہے (حق پر) قائم' تلاوت کرتے ہیں وہ آیتیں اللہ کی رات کی گھڑیوں میں اور وہ

يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

سجدہ کرتے ہیں ○ ایمان لاتے ہیں وہ ساتھ اللہ کے اور دن آخرت کے اور حکم کرتے ہیں ساتھ اچھے کاموں کے اور روکتے ہیں

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا

وہ برے کاموں سے اور جلدی کرتے ہیں وہ بھلائیوں میں اور یہی لوگ ہیں صالحین میں سے ○ اور جو کچھ

يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

کریں گے وہ بھلائی سے پس ہرگز نہیں محروم کیے جائیں گے وہ اس (کے ثواب) سے اور اللہ خوب جاننے والا ہے پرہیزگاروں کو○

جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے فاسق گروہ کا ذکر کیا' ان کی بداعمالیاں اور ان کی سزائیں بیان کیں' تو ان آیات میں حق پر قائم رہنے والی جماعت کا ذکر فرمایا' ان کے نیک اعمال اور ان کا ثواب ذکر فرمایا اور یہ بتایا کہ اللہ کے نزدیک یہ دونوں گروہ برابر نہیں بلکہ ان کے درمیان اتنا زیادہ فرق ہے کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ اس فاسق گروہ کا ذکر تو پہلے ہو چکا۔ باقی رہے یہ مومن' تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان میں ﴿اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ﴾ ایک جماعت اللہ کے دین پر قائم رہنے والی' اور اللہ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے ان پر عمل پیرا رہنے والی ہے۔ ان نیک اعمال میں نماز قائم کرنا بھی شامل ہے۔ ﴿يَتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ﴾ "وہ راتوں کے وقت کلام اللہ کی تلاوت بھی کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں" یہ رات کے اوقات میں ادا کی جانے والی ان کی نمازوں کا بیان ہے کہ وہ طویل تہجد پڑھتے ہیں اور اپنے رب کے کلام کی تلاوت کرتے ہیں۔ اللہ کے لیے خشوع و خضوع کے ساتھ رکوع اور سجدے کرتے ہیں۔ ﴿يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ "اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتے ہیں" جس طرح مسلمانوں کا ایمان ان کے لیے ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہر نبی پر اور اللہ کی نازل کی ہوئی ہر کتاب پر ایمان رکھیں۔ وہ بھی اس طرح کا ایمان رکھتے ہیں۔ قیامت پر ایمان کا خاص طور پر ذکر فرمایا' کیونکہ قیامت پر صحیح یقین و ایمان ہی مومن کو ان اعمال پر آمادہ کرتا ہے جو اسے اللہ سے قریب کرتے ہیں اور جن کا قیامت کو ثواب ملے گا اور ہر اس عمل کے ترک پر آمادہ کرتا ہے جس سے اس دن سزا ملے۔ ﴿وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ "اور بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں" اس طرح ان سے یہ عمل انجام پاتا ہے۔ ایمان اور ایمان کے لوازم کے ذریعے سے اپنی تکمیل کرتے ہیں اور دوسروں کو ہر نیکی کا حکم دے کر ہر برائی سے منع کر کے دوسروں کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کو اور دوسرے لوگوں کو محمد ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ پھر ان کی عالی ہمتی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ﴿وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ﴾ "بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں" نیکی کے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں' اور جب بھی ہو سکے فوراً نیکی کر لیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نیکی کی شدید رغبت اور خواہش رکھتے ہیں اور اس کے فوائد و ثمرات سے خوب واقف ہیں۔ یہ لوگ جن کی تعریف اللہ نے ان عمدہ صفات اور عظیم اعمال کے ساتھ کی ہے۔ ﴿مِنَ الصّٰلِحِيْنَ﴾ "یہی نیک لوگوں میں سے ہیں" جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی

رحمت میں داخل کرے گا' انہیں اپنی بخشش کے سائے میں لے لے گا اور انہیں اپنے فضل واحسان سے نوازے گا۔ ﴿ وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ ﴾ ''اور یہ جو کچھ بھی بھلائیاں کریں'' تھوڑی ہوں یا زیادہ ﴿ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ﴾ ''ان کی ناقدری نہیں کی جائے گی'' انہیں ان کے ثواب سے محروم نہیں رکھا جائے گا' بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان اعمال کا مکمل ترین ثواب دے گا۔ لیکن اعمال کے ثواب کا دارومدار عمل کرنے والے کے دل میں موجود ایمان وتقویٰ پر ہوتا ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴾ ''اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے'' جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ﴿ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴾ (المائدۃ: ۵/ ۲۷) ''اللہ صرف پرہیزگاروں کی قربانی قبول کرتا ہے۔''

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ
بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا' ہرگز نہیں کفایت کریں گے ان سے مال انکے اور نہ اولاد ان کی اللہ (کے عذاب) سے کچھ بھی'
وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١١٦﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ
اور یہ لوگ ہیں دوزخی' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ مثال اس کی جو خرچ کرتے ہیں وہ اس زندگانیٔ
الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ
دنیا میں مانند مثال سخت ہوا کی ہے اس میں ہو سخت سردی' پہنچی وہ کھیتی کو ایک قوم کی' جس نے ظلم کیا تھا اپنی جانوں پر اور تہس نہس کر دیا اسے'
وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿١١٧﴾
اور نہیں ظلم کیا ان پر اللہ نے لیکن وہ اپنے نفسوں پر (خود ہی) ظلم کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ یعنی اللہ کے عذاب سے بچانے میں یا اللہ سے ثواب کے حصول میں معمولی سا بھی فائدہ نہیں دیں گی۔ جیسے فرمان الٰہی ہے: ﴿ وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالَّتِي تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ﴾ (سبا: ۳۴/ ۳۷) ''یہ تمہارے مال اور تمہاری اولادیں ایسی نہیں کہ جو تمہیں ہمارا قرب بخش سکیں' لیکن جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے (اسے قرب حاصل ہوگا)'' بلکہ ان کے مال واولاد جہنم کی طرف سفر میں ان کا زاد راہ ہیں۔ اللہ کی نعمتوں میں اضافے کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا شکر ادا کیا جائے' لیکن ان کے لیے یہ چیزیں شکر نہ کرنے کی وجہ سے ان کے خلاف حجت ہوں گی' اس لیے ان پر شکر نہ کرنے اور ناشکری کی پاداش میں انہیں سزا دی جائے گی۔ اس لیے فرمایا:

﴿ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾ ''یہ تو جہنمی ہیں جو ہمیشہ اس میں پڑے رہیں گے''

پھر اللہ نے کافروں کے مال خرچ کرنے کے بارے میں ایک مثال بیان فرمائی' کہ وہ لوگ مال خرچ کر کے اللہ کے نور کو بجھانے کی کوشش کرتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں' تو یہ کوششیں ناکام رہیں گی' جیسے کوئی شخص فصل بوئے اسے اس کا نتیجہ ملنے اور اس سے پیداوار حاصل ہونے کی امید ہو' اچانک کھیتی پر ایک سخت

ٹھنڈی ہوا چلے' جس سے کھیتی تباہ ہو جائے۔ اس کے حصے میں صرف محنت' مشقت اور حسرت وافسوس ہی آئے۔ کافروں کا بھی یہی حال ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ﴾ (الانفال:۸/۳۶) ''بے شک کافر اپنے مال اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے خرچ کرتے ہیں' یہ خرچ کریں گے' پھر یہ ان کے لیے حسرت کا باعث بن جائیں گے' پھر یہ مغلوب ہو جائیں گے'' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ﴾ ''اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔'' کہ ان کے عمل ضائع کر دیے۔ ﴿وَلَٰكِنْ أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ ''بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔'' وہ اس طرح کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا' اس کے رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ کے نور کو بجھانے کی کوشش کی۔ ان بد اعمالیوں کی وجہ سے ان کی نیکیاں ضائع ہو گئیں اور مال تباہ ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ بناؤ تم دلی دوست سوائے اپنے (لوگوں) کے' نہیں کمی کرتے وہ تمہیں برباد کرنے میں'

وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ

وہ چاہتے ہیں یہ کہ تکلیف میں پڑو تم' تحقیق ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں سے' اور جو چھپاتے ہیں ان کے سینے

أَكْبَرُ ۚ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ ۖ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾ هَا أَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ

وہ بہت بڑا ہے' تحقیق بیان کیا ہم نے تمہارے لیے نشانیوں کو اگر ہو تم عقل رکھتے ○ خبردار! تم ہی وہ لوگ ہو کہ محبت رکھتے ہو تم ان سے

وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا

اور نہیں محبت رکھتے وہ تم سے اور تم ایمان رکھتے ہو سب کتابوں پر اور جب وہ ملتے ہیں تم سے تو کہتے ہیں ایمان لائے ہم اور جب تنہا ہوتے ہیں

عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۚ قُلْ مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ

تو کاٹتے ہیں اوپر تمہارے انگلیاں (اپنی) غصے سے' کہہ دیجیے! مر جاؤ تم ساتھ اپنے غصے ہی کے' بلاشبہ اللہ خوب جاننے والا ہے

بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١١٩﴾ إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ

سینوں کے راز ○ اگر پہنچے تمہیں کوئی بھلائی تو بری لگتی ہے ان کو' اور اگر پہنچے تمہیں کوئی برائی

يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ

تو خوش ہوتے ہیں ساتھ اس کے اور اگر صبر کرو تم اور تقویٰ اختیار کرو' تو نہیں نقصان پہنچائے گا تمہیں مکر ان کا کچھ بھی'

إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾

ع ۱۲

بلاشبہ اللہ اس کو جو وہ کرتے ہیں' گھیرنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اس بات سے منع فرماتا ہے کہ وہ اہل کتاب کے یا دوسرے مذاہب کے

منافقوں کو ولی دوست بنائیں‘ انہیں اپنے راز بتائیں‘ یا بعض اسلامی ذمہ داریاں ان کے سپرد کر دیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دشمن ہیں جن کے دل بغض و عداوت سے بھرے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ عداوت ان کی زبان سے بلا ارادہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ ﴿وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُھُمْ اَکْبَرُ﴾ ’’اور جو ان کے سینوں میں پوشیدہ ہے‘ وہ ظاہر ہو جانے والی دشمنی سے بہت زیادہ ہے‘‘۔ اسی لیے ﴿لَا یَاْلُوْنَکُمْ خَبَالًا﴾ ’’وہ تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے‘‘ یعنی تمہیں نقصان پہنچانے اور مشکلات پیدا کرنے میں کمی نہیں کرتے۔ وہ ایسے اسباب پیدا کرتے ہیں جس کے نتیجے میں تمہیں نقصان پہنچے اور تمہارے خلاف تمہارے دشمنوں کی مدد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مومنوں سے فرماتا ہے: ﴿قَدْ بَیَّنَّا لَکُمُ الْاٰیٰتِ﴾ ’’ہم نے تمہارے لیے آیتیں بیان کر دی ہیں‘‘ جن میں تمہاری دینی اور دنیاوی مصلحتیں اور فوائد موجود ہیں۔ ﴿اِنْ کُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ﴾ ’’اگر تم عقل مند ہو‘‘ تو ان نشانیوں کو پہچان کر دوستوں اور دشمنوں کی پہچان کرو‘ کیونکہ ہر شخص اس قابل نہیں ہوتا کہ اسے ہم راز بنایا جائے۔ عقل مند وہ ہوتا ہے جسے اگر دشمن سے میل جول رکھنے کی ضرورت پیش آ جائے تو اس سے میل جول صرف ظاہری معاملات میں ہو اور اپنے اندرونی معاملات اسے نہ بتائے۔ اگرچہ دشمن کتنی ہی چاپلوسی کرے اور قسمیں کھائے کہ وہ دوست ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مومنوں کو یہودی اور عیسائی منافقوں سے احتیاط کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ان کی شدید دشمنی کو واضح کرتا ہے۔ ارشاد ہے ﴿ھٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَھُمْ وَلَا یُحِبُّوْنَکُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْکِتٰبِ کُلِّهٖ﴾ ’’ہاں‘ تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے‘ اور تم پوری کتاب کو مانتے ہو‘‘ یعنی ان تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو جو اللہ نے اپنے نبیوں پر نازل کی ہیں۔ حالانکہ وہ تمہاری کتاب‘ قرآن پر ایمان نہیں رکھتے۔ بلکہ جب وہ تم سے ملتے ہیں تو اوپر اوپر سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ ﴿وَاِذَا لَقُوْکُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْکُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ﴾ ’’اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں‘ ہم ایمان لائے۔ لیکن تنہائی میں تم پر غصے کے مارے اپنی انگلیاں چباتے ہیں‘‘ (انامل) کا مطلب ’’انگلیوں کے سرے‘‘۔ ﴿قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِکُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ ’’کہہ دو! اپنے غصے ہی میں مر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے راز بخوبی جانتا ہے۔‘‘ اس میں مومنوں کے لیے خوش خبری ہے کہ یہ دشمن تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ وہ اپنے غصے کو عملی جامہ پہنانے کے قابل نہیں۔ وہ مرتے دم تک دنیا کا یہ عذاب سہتے رہیں گے اور مرنے کے بعد دنیا کے عذاب سے آخرت کے عذاب کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ ﴿اِنْ تَمْسَسْکُمْ حَسَنَةٌ﴾ ’’تمہیں اگر بھلائی ملے‘‘ مثلاً دشمنوں پر فتح نصیب ہو‘ یا غنیمت حاصل ہو ﴿تَسُؤْھُمْ﴾ ’’تو یہ ناخوش ہوتے ہیں‘‘ یعنی انہیں اس سے غم ہوتا ہے ﴿وَاِنْ تُصِبْکُمْ سَیِّئَةٌ یَّفْرَحُوْا بِھَا وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ﴾ ’’اور اگر تمہیں برائی پہنچے تو وہ خوش ہوتے ہیں اور تم اگر صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو ان کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہ

دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل کا احاطہ کر رکھا ہے۔" لہٰذا جب تم ان اسباب کو عملی جامہ پہناؤ' جن پر اللہ نے مدد کا وعدہ کر رکھا ہے۔ یعنی صبر اور تقویٰ اختیار کرو' تو ان کا مکر تمہیں نقصان نہ دے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے مکر کو انہی پر الٹ دے گا۔ کیونکہ اس کا علم اور اس کی قدرت ان کو گھیرے ہوئے ہے' وہ اس کی قدرت کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے اور ان کی کوئی بات اللہ سے چھپی نہیں رہ سکتی۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ

اور جب صبح کو نکلے آپ اپنے گھر والوں (کے پاس) سے بٹھاتے تھے آپ مومنوں کو مورچوں پر لڑائی کیلئے' اور اللہ خوب سننے والا

عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ

خوب جاننے والا ہے ○ جب ارادہ کیا دو گروہوں نے تم میں سے یہ کہ وہ بزدلی کریں اور اللہ دوست تھا ان کا'

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور اللہ ہی پر' پس چاہیے کہ توکل کریں مومن ○

یہ آیات واقعۂ احد کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اس کا قصہ معروف ہے جو سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ یہاں اسے بیان کرنے اور اس کے درمیان میں بدر کا واقعہ لے آنے میں غالباً یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ صبر اور تقویٰ اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا اور دشمن کی سازشوں سے انہیں محفوظ فرمائے گا۔ یہ ایک عام حکم اور سچا وعدہ تھا' جس کی شرائط پوری کی جاتیں تو اس کا پورا ہونا ناممکن نہیں تھا۔ ان دو قصوں میں اس کا ایک نمونہ پیش فرما دیا کہ اللہ نے بدر میں مسلمانوں کی مدد اس لیے فرمائی تھی کہ انہوں نے صبر کیا اور تقویٰ اختیار کیا' اور احد میں انہیں دشمنوں کے ہاتھوں اس لیے نقصان پہنچا کہ ان میں سے بعض افراد سے ایسی غلطی ہوگئی جو تقویٰ کے منافی تھی دونوں واقعات اکٹھے بیان کرنے کا یہ مقصد ہے کہ اللہ کو بندوں کا یہ عمل پسند ہے کہ جب انہیں کوئی ناخوشگوار صورت حال پیش آجائے تو انہیں وہ نعمت یاد کرنی چاہیے جو انہیں پسند ہے' تو ان کی مصیبت ہلکی ہوجائے گی اور وہ اس بڑی نعمت پر رب کا شکر کریں گے۔ جس کے مقابلے میں یہ ظاہری مصیبت' جو حقیقت میں نعمت ہی ہے' بڑی نعمت کے مقابلے میں بہت معمولی محسوس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اسی حکمت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ﴿ اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ﴾ (آل عمران: ۱۶۵/۳) "کیا بات ہے کہ جب تمہیں ایک ایسی تکلیف پہنچی کہ تم اس جیسی دوچند پہنچا چکے"

واقعۂ احد کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ۲ھ میں جنگ بدر کے بعد بچے کھچے مشرکین مکہ پہنچے' تو انہوں نے اپنی طاقت کے مطابق مال' افراد اور اسلحہ کے ساتھ بھرپور تیاری کی' حتیٰ کہ اتنا کچھ جمع ہوگیا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنا مقصود حاصل کرنے اور اپنا غصہ نکالنے کا پختہ ارادہ کرلیا۔ تب وہ تین ہزار جنگجو افراد کا لشکر لے کر مکہ سے

روانہ ہوئے اور مدینہ کے قریب آ ٹھہرے۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا' تو طے پایا کہ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ نبی ﷺ ایک ہزار آدمی لے کر روانہ ہوئے۔ تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد عبداللہ بن اُبَی (منافق) اپنے جیسے تین سو افراد لے کر واپس پلٹ گیا۔ اس طرح اسلامی لشکر کی تعداد میں ایک تہائی مقدار کی کمی ہوگئی۔ مومنوں کے دو گروہ بھی پلٹ جانے کا سوچنے لگے۔ وہ بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے قبائل تھے۔ اللہ نے انہیں ثابت قدمی عطا فرمائی۔ جب احد کے مقام پر پہنچے تو نبی ﷺ نے لشکر کو ترتیب دے کر ان کے مختلف دستے اپنے اپنے مقام پر متعین فرمائے۔ احد کا پہاڑ ان کی پشت کی طرف تھا۔ انہوں نے اپنی پیٹھیں احد کی طرف رکھیں۔ نبی ﷺ نے پچاس صحابہ کرام کو احد کی ایک گھاٹی پر متعین فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہیں ٹھہرے رہیں' اور وہ جگہ نہ چھوڑیں' تاکہ پیچھے سے دشمن کے حملہ کا خطرہ نہ رہے۔ جب مسلمانوں اور مشرکوں کے مابین جنگ ہوئی تو مشرکوں کو بری طرح شکست ہوئی' وہ اپنی لشکر گاہ کو پیچھے چھوڑ گئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل اور قید کرنا شروع کر دیا۔ جن تیر اندازوں کو نبی ﷺ نے پہاڑ پر متعین فرمایا تھا' جب انہوں نے یہ صورت حال دیکھی تو (انہوں نے سوچا کہ اب ہمارا فرض مکمل ہوگیا ہے۔ اس لیے) انہوں نے آپس میں کہا' غنیمت! غنیمت! ہم یہاں کیوں بیٹھے ہیں جبکہ مشرکین شکست کھا چکے ہیں۔ ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی نہ کریں۔ لیکن دوسروں نے اس طرف توجہ نہ دی۔ جب انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور وہاں صرف چند افراد رہ گئے' تو مشرکین کا گھڑ سوار دستہ اس گھاٹی سے آ گیا اور مسلمانوں کے پیچھے آ کر لشکر کے پچھلے دستے پر حملہ کر دیا۔ تب مسلمان کچھ ادھر ادھر ہوئے' جو اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی۔ جس سے ان کے گناہ معاف ہوئے اور تعمیل حکم میں کوتاہی کی سزا مل گئی۔ اس کے نتیجے میں جن کی قسمت میں شہادت تھی' وہ شہید ہوگئے۔ آخر کار مسلمان جبل احد کی چوٹی کی طرف جمع ہوگئے۔ اللہ نے مشرکین کے ہاتھوں کو روک دیا اور وہ لوگ اپنے وطن کی طرف لوٹ گئے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ﴾ "اور اس وقت کو یاد کرو جب آپ اپنے گھر سے نکلے' اس مقام پر (غدوت) کا مطلب "مطلقاً نکلنا ہے" صبح کے وقت نکلنا نہیں۔ کیونکہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمعہ کی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے تھے۔ ﴿تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ﴾ "مومنوں کو میدان جنگ میں لڑائی کے مورچوں پر باقاعدہ بٹھا رہے تھے" یعنی آپ انہیں ترتیب دے رہے تھے۔ اور ہر ایک کو اس مقام پر ٹھہرا رہے تھے جو اس کے لیے مناسب تھا۔ اس میں نبی ﷺ کی عظیم تعریف ہے۔ کہ آپ بنفس نفیس ان کو منظم فرما رہے تھے اور جنگ کے لیے مناسب مقامات پر ٹھہرا رہے تھے۔ اس کی وجہ آپ کے علم و فراست کا کمال' دور اندیشی اور بلند ہمتی تھی۔ علاوہ ازیں آپ کامل شجاعت سے بہرہ ور تھے' صلوات اللہ وسلامہ علیہ ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ "اور اللہ سننے والا

جاننے والا ہے'' جو ہر بات سنتا ہے۔ مومنوں کی باتیں بھی سنتا ہے اور منافقوں کی بھی۔ ہر ایک کی بات چیت سے اس کے دل کے جذبات' احساسات اور خیالات ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ بندوں کی نیتوں کو جانتا ہے' وہ ان کے مطابق انہیں مکمل بدلہ عطا فرماتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ مطلب بھی ہے کہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ تمہارے معاملات سنوارتا ہے۔ اور تمہیں اپنی مدد سے نوازتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے بھی اسی طرح فرمایا تھا: ﴿ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰى ﴾ (طه: ٢٠/٤٦) ''میں تمہارے ساتھ ہوں' اور سنتا دیکھتا ہوں۔''

اللہ تعالیٰ کی مومنوں پر مہربانی اور احسان اس طرح بھی ہوا کہ ﴿ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ ﴾ جب مومنوں کی دو جماعتیں پست ہمتی کا ارادہ کر چکی تھیں' اور وہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ تھے' جیسے پہلے بیان ہوا۔ اللہ نے ان پر اور تمام مومنوں پر احسان کرتے ہوئے انہیں ثابت قدمی کی توفیق بخشی۔ اس لیے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ﴾ ''اللہ ان کا ولی اور مددگار ہے'' یہاں اللہ تعالیٰ کی خاص ولایت مراد ہے یعنی اس کی اپنے دوستوں پر مہربانی' انہیں ایسے کاموں کی توفیق دینا جن میں ان کا فائدہ ہو' اور ایسے کاموں سے محفوظ رکھنا' جن میں ان کا نقصان ہو۔ اس کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ جب انہوں نے اس گناہ کا ارادہ کیا کہ وہ پست ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میدان جنگ سے چلے جائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس غلطی سے بچا لیا' کیونکہ ان میں ایمان موجود تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ (البقرة: ٢/٢٥٧) ''اللہ مومنوں کا دوست اور مددگار ہے' انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے۔'' اس کے بعد فرمایا: ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''اور اللہ ہی کی ذات پر مومنوں کو بھروسا کرنا چاہیے'' اس میں توکل کا حکم ہے توکل کا مطلب یہ ہے کہ فائدہ مند اشیاء کے حصول کے لیے اور نقصان سے بچنے کے لیے اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے دل کا سہارا اللہ پر ہو۔ بندے کو اللہ پر جتنا ایمان ہوتا ہے' اس کے مطابق اس کا توکل ہوتا ہے۔ اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ دوسروں کی نسبت مومن اللہ پر توکل کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ بالخصوص سختی اور جہاد کے موقع پر انہیں اللہ پر توکل کرنا' اس سے مدد اور فتح طلب کرنا' اپنی طاقت پر بالکل بھروسا نہ کرنا' بلکہ اللہ کی قوت اور حفاظت پر بھروسا کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ان کی مدد کرتا ہے اور ان کی مصیبتیں اور مشکلات دور فرماتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اِذْ

اور البتہ تحقیق مدد کی تمہاری اللہ نے بدر میں جب کہ تم کمزور تھے پس ڈرو تم اللہ سے تاکہ تم شکر کرو○ جب

تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

کہتے تھے آپ مومنوں سے' کیا ہرگز نہ کفایت کرے گی تمہیں یہ بات کہ مدد کرے تمہاری تمہارا رب ساتھ تین ہزار فرشتوں کے'

مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ

اتارے ہوئے (آسمان سے)؟○ کیوں نہیں (ہاں)! اگر تم صبر کرو اور ڈرو اور وہ (دشمن) آ جائے تمہارے پاس اسی دم تو مدد کرے گا تمہاری،

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى

تمہارا رب ساتھ پانچ ہزار فرشتوں کے (وہ خاص) نشان لگائے ہوں گے○ اور نہیں کیا اس کو اللہ نے مگر خوش خبری

لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا

تمہارے لیے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل ساتھ اس کے، اور نہیں ہے مدد مگر

مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾

اللہ ہی کی طرف سے (جو) زبردست حکمت والا (ہے)○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اپنا احسان یاد دلایا ہے، اور انہیں اپنی وہ مدد یاد دلائی ہے جو بدر کے موقع پر ہوئی۔ جب وہ کمزور تھے، ان کی تعداد بھی کم تھی، اور سامان بھی۔ جبکہ دشمنوں کی تعداد اور سامان جنگ کی مقدار بہت زیادہ تھی۔ غزوۂ بدر ہجرت کے دوسرے سال واقع ہوا۔ نبی ﷺ مدینہ منورہ سے تین سو دس سے چند افراد زیادہ کی تعداد میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ ان کے پاس صرف ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔ آپ قریش کے تجارتی قافلہ کے تعاقب میں نکلے تھے۔ جو شام سے آ رہا تھا۔ مشرکین کو اطلاع ملی تو وہ اپنے قافلے کو بچانے کے لیے پوری طرح تیار ہو کر مکہ مکرمہ سے نکلے۔ وہ تقریباً ایک ہزار جنگ جو تھے جن کے پاس مکمل سامان رسد، بکثرت ہتھیار اور بہت سے گھوڑے موجود تھے۔ ان کا مسلمانوں سے آمنا سامنا ایک چشمے کے پاس ہوا، جسے "بدر" کہتے تھے۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ جنگ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی عظیم مدد فرمائی۔ چنانچہ انہوں نے مشرکین کے ستر بہادر سردار قتل کیے اور ستر کو جنگی قیدی بنایا اور ان کی لشکر گاہ پر قبضہ کر لیا۔ جیسے سورۂ انفال میں ان شاء اللہ بیان ہوگا۔ اس کی تفصیل کا اصل مقام وہی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر صرف اس لیے کیا ہے کہ مسلمان اس سے نصیحت حاصل کرتے ہوئے اللہ کا تقویٰ اختیار کریں اور اس کا شکر کریں۔ اس لیے فرمایا: ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ "اللہ ہی سے ڈرو، تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ" کیونکہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہی اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ جو تقویٰ ترک کر دیتا ہے، وہ شکر گزار نہیں ہوتا۔ اے محمد (ﷺ)! یاد کیجیے جب بدر کے دن آپ مومنوں کو فتح کی خوش خبری دیتے ہوئے ان سے فرما رہے تھے: ﴿ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴾ "کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہوگا کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے؟" ﴿ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا ﴾ "بلکہ اگر تم صبر اور پرہیز گاری کرو، اور وہ اپنے اس جوش سے تمہارے مقابلے میں آئیں۔" (من فورھم ھذا) کا مطلب ہے (من مقصدھم ھذا) "اپنے کسی ارادے اور عزم کے ساتھ" اس سے غزوۂ بدر مراد ہے۔

﴿يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ﴾ ''تمہارا رب تمہاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا' جو نشان دار ہوں گے'' یعنی ان پر بہادروں کا خصوصی نشان ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں کی مدد کی تین شرطیں بیان فرمائی ہیں: صبر' تقویٰ اور مشرکین کا فوری جوش و جذبہ کے ساتھ آنا۔ یہ وعدہ مذکورہ بالا فرشتوں کے بطور امداد فوج کے نازل ہونے کے بارے میں ہے۔ لیکن فتح اور دشمنوں کے منصوبوں کی ناکامی کے لیے اللہ نے پہلی دو شرطیں مقرر فرمائی ہیں۔ جیسے کہ پہلے فرمان الٰہی گزرا ہے۔ ﴿وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ (آل عمران:۳/۱۲۰) ''اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو گے تو ان کے منصوبے تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے'' اس کے بعد فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى﴾ ''اللہ نے اس چیز کو (یعنی فرشتے اتار کر تمہیں کمک پہنچانے کو) صرف خوش خبری بنایا ہے'' تاکہ اس سے تمہیں خوشی حاصل ہو۔ ﴿وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ﴾ ''اور اس بشارت سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں'' ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ''ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے'' لہٰذا اپنے اسباب پر اعتماد نہ کرو۔ بلکہ اسباب صرف تمہارے دلوں کے اطمینان کے لیے ہیں۔ اصل فتح' جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا' وہ تو اللہ کی مشیت ہے' وہ اپنے بندوں میں سے جس کی مدد کرنے کا ارادہ فرمالے وہی فتح یاب ہوتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس فریق کی مدد کرے' جس کے پاس اسباب ہیں' جیسے عام طور پر مخلوق میں اس کی سنت جاری ہے اور اگر چاہے تو کمزور اور معمولی فریق کی مدد کرے' تاکہ اس کے بندوں کو معلوم ہو جائے کہ سب کام اس کے ہاتھ میں ہیں اور سب معاملات کا دارومدار اسی کی مرضی پر ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ﴾ ''مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب ہے'' کوئی مخلوق اس کے آگے سرتابی نہیں کر سکتی۔ بلکہ تمام مخلوقات اس کی تدبیر اور غلبے کے آگے کمزور اور مجبور ہیں۔ ﴿الْحَكِيْمِ﴾ ''حکمتوں والا ہے'' جو ہر چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھتا ہے۔ بعض اوقات کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے تو اس میں بھی اس کی حکمت ہوتی ہے۔ کفار کا یہ غلبہ مستقل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ﴾ (محمد:۴۷/۴) ''اگر اللہ چاہتا تو خود ہی بدلہ لے لیتا' لیکن اس کا منشا یہ ہے کہ تم میں سے ایک کا امتحان دوسرے سے لے''

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

تاکہ کاٹ (ہلاک کر) دے وہ ایک گروہ کو ان میں سے جنہوں نے کفر کیا یا ذلیل کرے انکو پس پھریں وہ نامراد ہو کر ○

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کی مدد دو مقاصد کے لیے کرتا ہے۔

۱۔ تاکہ کافروں کی ایک جماعت کو کاٹ لے۔ یعنی وہ قتل ہو جائیں یا قید ہو جائیں۔ یا ان کے شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے' یا مال غنیمت حاصل ہو۔ اس طرح مومنوں کو قوت حاصل ہو اور کافر ذلیل ہو جائیں۔ کیونکہ اسلام کا مقابلہ کرنے اور اسلام سے جنگ کرنے کی قوت انہیں یا افراد سے حاصل ہوتی ہے یا ہتھیاروں سے یا مال سے یا زمین سے۔ ان میں سے کسی بھی چیز کا ختم ہونا یا مسلمانوں کے قبضے میں آنا' ان کی قوت میں کمی کا باعث ہے۔

۲۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ کافر اپنی قوت و کثرت پر اعتماد کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی خواہش کریں' بلکہ اس کی انتہائی شدید حرص میں مبتلا ہو کر اپنی طاقت اور اپنا مال صرف کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ جنگ میں مومنوں کی مدد کر کے انہیں ناکام کر دے تو وہ اپنا مقصد حاصل نہ کر سکیں۔ بلکہ خسارہ اٹھا کر غم اور حسرت لے کر واپس چلے جائیں۔ جب آپ حالات پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جب مومنوں کی مدد کرتا ہے تو وہ ان دو امور سے خارج نہیں ہوتی۔ یا ان پر مسلمانوں کی فتح' یا کفار کی اپنی کوششوں میں ناکامی۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٢٨﴾

نہیں ہے واسطے آپ کے اس معاملے میں کچھ (اختیار) یا متوجہ ہو وہ (مہربانی سے) ان پر یا عذاب دے وہ انکو پس بیشک وہ ظالم ہیں ○

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ

اور اللہ ہی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' وہ معاف کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور عذاب دیتا ہے

مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٢٩﴾

جس کو چاہتا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے ○

جب جنگ احد کے سنگین واقعات پیش آئے اور نبی ﷺ کو سخت مصائب پیش آئے' جن کی وجہ سے اللہ نے آپ کا مقام مزید بلند فرما دیا۔ اس موقع پر آپ کا سر مبارک زخمی ہوا' اور دندان مبارک شہید ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: «کیف یفلح قوم شجوا نبیهم»[1] ''وہ قوم کس طرح فلاح پا سکتی ہے' جس نے اپنے نبی کو زخمی کر دیا۔'' اس موقعے پر آپ ﷺ نے مشرکین کے سرداروں کے حق میں بددعا بھی فرمائی۔ مثلاً ابوسفیان بن حرب' صفوان بن امیہ' سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی نازل فرما کر آپ کو ان کے خلاف دعا کرنے' انہیں لعنت کرنے' ان کے لیے رحمت سے دوری کی درخواست کرنے سے منع فرما دیا اور فرمایا: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ ''آپ کے اختیار میں کچھ نہیں'' آپ کے فرائض صرف یہ ہیں کہ تبلیغ کریں' مخلوق کی رہنمائی فرمائیں' اور ان کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں۔ باقی معاملات اللہ کے ہاتھ میں ہیں' وہ جیسے چاہتا ہے تدبیر فرماتا ہے۔ جسے چاہتا ہے ہدایت نصیب فرما دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ آپ انہیں بددعائیں نہ دیں۔ ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اس کی حکمت اور رحمت کا تقاضا ہوگا تو ان کی توبہ قبول فرما کر انہیں اسلام کی نعمت عطا فرما دے گا اور اگر اس کی حکمت کا تقاضا ہوا تو انہیں ہدایت سے محروم فرما کر کفر میں پڑا رہنے دے گا۔ اس صورت میں اپنے نقصان کا باعث اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے وہی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان معین افراد کو اور دوسروں کو بھی ہدایت نصیب فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا اختیار بندوں کے اختیار پر غالب ہے۔ بندے کا درجہ جتنا بھی بلند ہو' اس سے یہ

[1] صحیح مسلم' الجهاد' باب غزوۃ احد' ح: ۱۷۹۱

ہو سکتا ہے کہ وہ ایک چیز کو بہتر سمجھ کر منتخب کرے حالانکہ بہتری اور مصلحت دوسری چیز میں ہو۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول ﷺ معاملات میں اختیار نہیں رکھتے تھے۔ لہٰذا دوسرے افراد بدرجہ اولیٰ اختیار سے محروم ہوں گے۔ اس میں انبیاء و اولیا سے حاجتیں مانگنے والوں کی سخت تردید ہے اور یہ وضاحت ہے کہ اس قسم کا عقیدہ رکھنا شرک فی العبادت ہے' جو ان لوگوں کی کم عقلی کو ظاہر کرتا ہے کہ جس ہستی کے ہاتھ میں سب اختیارات ہیں اسے چھوڑ کر انہیں پکارتے ہیں جو ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے' یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔ غور کیجئے جب اللہ نے ان کی توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا تو فعل کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ (یعنی یہ فرمایا کہ اللہ توبہ قبول فرماتا ہے) اس کا کوئی سبب بیان نہیں فرمایا جس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا ہو۔ تاکہ یہ ثابت ہو کہ نعمت تو بندے پر اللہ کا خالص فضل ہوتا ہے۔ اس کے لیے ضروری نہیں کہ بندے کی طرف سے پہلے کوئی عمل ہوا ہو جو اس نعمت کا سبب بنے نہ کسی وسیلے کی ضرورت ہے۔ لیکن جب عذاب کا ذکر فرمایا تو ساتھ ہی ان کے ظلم کا ذکر فرمایا۔ اور فائے سببیہ کے ذریعے سے واضح فرمایا کہ عذاب کا سبب ان کا ظلم ہے۔ ارشاد ہے: ﴿أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَٰلِمُونَ﴾ "یا ان کو عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں" تاکہ اس سے اللہ کا کامل عدل اور اس کی کامل حکمت ظاہر ہو' کہ اس نے سزا کو مناسب مقام پر رکھا' اور بندے پر ظلم نہیں کیا' بلکہ بندے نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا۔

جب یہ واضح فرما دیا کہ رسول کے ہاتھ میں اختیار نہیں' تو اس کے بعد بیان فرمایا کہ اختیار کس کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَٰوَٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ "آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے' سب اللہ ہی کا ہے۔" یعنی فرشتے' انسان' جن' حیوانات' جمادات' افلاک وغیرہ اور آسمانوں اور زمین میں موجود تمام کی تمام اشیاء اللہ کی ملک اور اللہ کی مخلوق ہیں اور اس کی تدبیر کے تابع ہیں۔ وہ ان میں اس طرح تصرف کرتا ہے جس طرح بادشاہ اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے۔ اس حکومت میں ان کا ایک ذرہ بھی نہیں۔ جب صورت حال یہ ہے تو وہ سب اس کی مغفرت اور اسکے عذاب کے درمیان ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے اس کی مغفرت اس طرح فرماتا ہے کہ ہدایت دے کر اسلام میں داخل کر دیتا ہے۔ اس طرح اس کا شرک معاف کر دیتا ہے' اور اس پر یہ احسان فرماتا ہے کہ اسے گناہ ترک کرنے کی توفیق دیتا ہے اور اس طرح اس کے گناہ بھی معاف کر دیتا ہے۔ ﴿وَيُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ﴾ "اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے" وہ اس طرح کہ اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔ انسان کا نفس جاہل اور ظالم ہے جو برائیوں کے ارتکاب کا تقاضا کرتا ہے۔ چنانچہ انسان گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے گناہ کی سزا دے دیتا ہے۔

آیت مبارکہ کو دو اسمائے مبارکہ پر ختم کیا گیا ہے جن سے اللہ کی رحمت کی وسعت' اس کی مغفرت کا لامحدود ہونا' اس کے احسان کی وسعت و عموم ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ "اللہ بخشش کرنے والا مہربان ہے" اس میں بہت بڑا اشارہ ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اور اس کی مغفرت اس کے مواخذہ پر غالب ہے۔ اس آیت میں مخلوق کی حالت بیان کی گئی ہے کہ ان میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے اور کسی کو عذاب دیتا ہے لیکن آیت کے آخر میں اس طرح کے دو اسمائے مبارکہ ذکر نہیں فرمائے

کہ ایک سے اس کی رحمت ظاہر ہو اور دوسرے سے اس کا انتقام۔ پس اللہ تعالیٰ رحمت و احسان والا ہے۔ وہ اپنے بندوں پر ایسے انداز سے رحمت فرمائے گا جو کسی انسان کے خیال میں بھی نہیں آ سکتا، نہ اس کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے دامن رحمت میں جگہ دے اور اپنی رحمت سے ہمیں بھی اپنے نیک بندوں میں شامل فرمالے۔ (آمین)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ کھاؤ تم سود دگنا چوگنا کر کے اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم

تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ

فلاح پاؤ○ اور ڈرو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے○ اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا

تاکہ تم رحم کیے جاؤ○ اور جلدی کرو تم طرف بخشش کی، اپنے رب کی اور بہشت کی (طرف) کہ ہے عرض اس کا

السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ ۙ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ

آسمان اور زمین، تیار کی گئی ہے وہ متقین کے لیے ○ وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور سختی میں

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

اور پی جانے والے ہیں غصے کو اور معاف کر دینے والے ہیں لوگوں کو، اور اللہ پسند کرتا ہے احسان کرنے والوں کو○

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا

اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھتے ہیں کوئی برائی یا وہ ظلم کر گزرتے ہیں اپنے آپ پر تو یاد کرتے ہیں اللہ کو اور بخشش مانگتے ہیں

لِذُنُوْبِهِمْ ۠ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۪ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰي مَا فَعَلُوْا

اپنے گناہوں کی، اور کون بخشتا ہے گناہوں کو سوائے اللہ کے؟ اور نہیں وہ اصرار کرتے اس پر جو انہوں نے کیا

وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰۗىِٕكَ جَزَاۗؤُھُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ

جب کہ وہ جانتے ہیں○ یہ لوگ، بدلہ ان کا بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے اور باغات ہیں، چلتی ہیں

مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْھَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾ۭ

ان کے نیچے نہریں، ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا○

اس تفسیر کے مقدمہ میں گزر چکا ہے کہ بندۂ مومن کو چاہیے کہ وہ خود اپنی ذات میں اور دوسروں میں اوامر و نواہی کا خیال رکھے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا حکم دیتا ہے تو سب سے پہلے بندۂ مومن پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی حدود کو پہچانے کہ وہ کیا چیز ہے جس پر عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تاکہ وہ اس کے حکم کی اطاعت

کر سکے۔ جب اسے اس حکم کی حدود کی معرفت حاصل ہو جائے تو اپنی طاقت اور امکان بھر اپنی ذات اور دوسروں پر اس حکم کے نفاذ کے لئے جدوجہد کرے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے۔ اسی طرح جب اسے کسی امر سے روک دیا جائے تو وہ اس کی حدود کی معرفت حاصل کرے کہ کیا چیز اس کی حدود میں داخل ہے اور کیا چیز اس سے باہر ہے پھر اس کو ترک کرنے کی کوشش کرے اور اپنے رب سے مدد طلب کرے۔

یہ ایسا اصول ہے جسے اللہ تعالیٰ کے تمام اوامر اور نواہی میں ملحوظ رکھنا چاہئے۔ یہ آیات کریمہ بھلائی کے ان احکام اور خصائل پر مشتمل ہیں جن کا اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم اور ان کی ترغیب دی ہے اور ان کے اجر و ثواب سے آگاہ فرمایا ہے اور ایسی منہیات پر مشتمل ہیں جن کو ترک کرنے کی اللہ تعالیٰ نے تاکید کی ہے اور اُحد کے قصے کے درمیان ان آیات کو بیان کرنے کی حکمت شاید یہ ہے۔۔ واللہ اعلم۔۔ کہ گزشتہ آیات میں گزر چکا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان سے وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ صبر اور تقویٰ اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کے دشمنوں پر فتح دے گا اور ان کے دشمنوں کی مدد چھوڑ دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ﴾ (آل عمران: ۱۲۰/۳) ”اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی سازش تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔“ فرمایا: ﴿ بَلَىٰ إِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُم ﴾ (آل عمران: ۱۲۵/۳) ”کیوں نہیں اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور کفار تم پر اچانک زور کا حملہ کر دیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کرے گا“

گویا نفوس انسانی تقویٰ کی خصائل کی معرفت کے مشتاق ہوئے، جن کے ذریعے سے فتح و نصرت اور فلاح و سعادت حاصل ہوتی ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں تقویٰ کے اہم ترین خصائل کا ذکر فرمایا جن کو اگر بندۂ مومن قائم کر لے تو پھر دوسرے خصائل تقویٰ کو وہ بطریق اولیٰ اختیار کرے گا۔ ہمارے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں ”تقویٰ“ کا لفظ تین بار ذکر فرمایا ہے۔ ایک دفعہ بغیر کسی قید کے علی الاطلاق ذکر فرمایا ﴿ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴾ ”جو متقین کے لئے تیار کی گئی ہے“ دو دفعہ تقویٰ کا ذکر مقید طور پر کیا ﴿ وَاتَّقُوا اللَّهَ ﴾ ”اللہ سے ڈرو“ ﴿ وَاتَّقُوا النَّارَ ﴾ ”آگ سے ڈرو“۔ پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ﴾ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی یوں آتا ہے ”اے ایمان والو! فلاں کام کرو یا فلاں کام چھوڑ دو۔۔۔“ تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایمان ہی وہ سبب ہے جو اس حکم کی اطاعت کا داعی اور موجب ہے اور اس نہی سے اجتناب کا باعث ہے، کیونکہ ایمان ان تمام امور کی تصدیق کامل کا نام ہے جن کی تصدیق واجب ہے اور اعضاء کے اعمال کو مستلزم ہے، چنانچہ انہیں کئی کئی گنا سود کھانے سے منع کیا۔ جیسا کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگوں کی عادت تھی یا وہ لوگ ہیں جو شرعی احکام کی پروا نہیں کرتے۔ زمانہ جاہلیت میں سود لینے کا طریقہ یہ تھا کہ جب تنگ دست مقروض کے قرض کی ادائیگی کا وقت ہو جاتا اور اس سے کچھ حاصل ہونے کی امید

نہ ہوتی تو قرض خواہ اس سے کہتا کہ وہ یا تو اپنا قرض ادا کر دے یا قرض خواہ مدت بڑھا دے گا اور مقروض کے ذمہ جو رقم ہے اس میں اضافہ ہو جائے گا۔ پس تنگ دست مقروض مجبور ہو جاتا اور اپنی جان چھڑانے اور وقتی طور پر راحت کی خاطر قرض خواہ کی شرائط کا التزام کر لیتا۔ اس طرح اس کے ذمہ جو قرض ہوتا وہ بغیر کسی فائدے کے بڑھ کر کئی گنا ہو جاتا۔ پس اللہ تعالیٰ کے قول ﴿أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً﴾ میں سود کی برائی پر سخت تنبیہ بیان ہوئی ہے اور اس میں سود کی تحریم کی حکمت کی طرف اشارہ ہے۔ اور سود کی حرمت کی حکمت یہ ہے کہ اس میں بے انتہا ظلم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے سود لینے سے روک دیا اور وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے کہ تنگ دست مقروض کو مہلت دی جائے اور بغیر کسی اضافے کے اس کے ذمہ وہی قرض باقی رہنے دیا جائے جو اصل زر ہے اور اس پر اصل زر سے زیادہ رقم عائد کرنا سخت ظلم ہے۔ لہٰذا متقی مومن پر لازم ہے کہ وہ سود کو ترک کر دے اور اس کے قریب نہ جائے کیونکہ سود کو ترک کرنا موجبات تقویٰ میں سے ہے۔

فلاح تقویٰ پر موقوف ہے بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾ یعنی جہنم سے ڈرو اور ان تمام امور کو چھوڑ دو جو جہنم میں لے جاتے ہیں مثلاً کفر اور مختلف اقسام کے گناہ اور معاصی۔ کیونکہ تمام گناہ، خصوصاً کبیرہ گناہ کفر کی طرف لے جاتے ہیں بلکہ کبیرہ گناہ تو کفر کے خصائل ہیں جس کے حاملین کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے اور گناہ اور معاصی کو ترک کرنا جہنم کی آگ سے نجات دیتا ہے اور (اللہ) جبار کی ناراضی سے بچاتا ہے۔ نیکی اور اطاعت کے افعال رحمٰن کی رضا، جنت میں دخول اور حصول رحمت کے موجب ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل اور اس کے نواہی سے اجتناب کر کے اللہ اور رسول کی اطاعت کرو ﴿لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت حصول رحمت کا سبب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ ....﴾ (الاعراف: ۱۵۶/۷) ”اور میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے اور میں اسے ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔“

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے مغفرت اور اس جنت کی طرف سبقت کرنے کا حکم دیا ہے جس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے، تب اس کی لمبائی کا کیا حال ہوگا؟ اللہ تعالیٰ نے اس کو متقین کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ متقین ہی اس جنت کے وارث ہیں اور اعمال تقویٰ ہی جنت تک پہنچاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے متقین اور ان کے اعمال کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ﴾ یعنی وہ تنگی اور فراخی میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔ یعنی جب وہ مال دار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں کثرت سے خرچ کرتے ہیں اور جب وہ تنگ دست ہوتے ہیں تو وہ نیکی کے کسی کام کو حقیر نہیں سمجھتے خواہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو۔

﴿ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ ﴾ یعنی جب ان کو دوسروں کی طرف سے کوئی ایسی تکلیف پہنچتی ہے جو ان کے غصے کا موجب ہوتی ہے۔ یہاں (غیظ) سے مراد ان کے دلوں کا ایسے غصے سے لبریز ہونا ہے جو قول و فعل کے ذریعے سے انتقام کا موجب ہوتا ہے۔ یہ اہل تقویٰ طبائع بشری کے ان تقاضوں پر عمل نہیں کرتے بلکہ ان کے دلوں میں جو غصہ ہوتا ہے اسے دبا دیتے ہیں اور برا سلوک کرنے والے کے مقابلے میں صبر سے کام لیتے ہیں۔ ﴿ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ﴾ لوگوں کو معاف کر دینے میں ہر اس شخص کو معاف کر دینا شامل ہے جو آپ کے ساتھ قول یا فعل کے ذریعے سے برائی سے پیش آتا ہے۔

(عفو) (کظم) سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ ''عفو'' برائی کرنے والے سے درگزر کرنے کے ساتھ 'مواخذہ ترک کرنے کا نام ہے۔ یہ سب کچھ وہی شخص کر سکتا ہے جس نے اپنے آپ کو اخلاق جمیلہ سے آراستہ اور عادات رذیلہ سے پاک کر لیا ہو اور وہ ان میں سے ہو جس کی تجارت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو۔ جو اللہ کے بندوں پر رحم اور احسان کرتے ہوئے اور اس خوف سے کہ کہیں ان کو برائی نہ پہنچے ان کو معاف کر دیتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے اور اس کا اجر اس کے رب کریم پر واجب ہو نہ کہ اس بندۂ فقیر پر۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ﴾ (الشوری: ٤٢/ ٤٠) ''جو کوئی معاف کر دے اور معاملے کی اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے (بندۂ مومن کے) ایسے حال کا ذکر فرمایا ہے جو دیگر احوال سے زیادہ عام' احسن و اعلیٰ اور زیادہ جلیل القدر ہے اور وہ ہے احسان۔ فرمایا ﴿ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ 'اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے'' احسان کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی عبودیت میں احسان۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ احسان۔

خالق کی عبودیت میں احسان کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں کی ہے «اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ»[1] ''احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی بندگی اس طرح کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے دیکھ نہیں رہا تو پھر وہ تجھے دیکھ رہا ہے''۔ رہا مخلوق کے ساتھ احسان تو یہ ان کو دینی اور دنیاوی نفع پہنچانے اور ان سے دینی اور دنیاوی شر کو ہٹانے اور دور کرنے کا نام ہے۔ چنانچہ امر بالمعروف' نہی عن المنکر' جاہل کو تعلیم دینا' غافل کو وعظ و نصیحت کرنا' مسلمان عوام اور خواص کی خیر خواہی کرنا اور ان کو متحد رکھنے کی کوشش کرنا یہ تمام امور مخلوق کے ساتھ احسان کے زمرے میں آتے ہیں۔ نیز لوگوں کے مختلف احوال اور متباین اوصاف کے مطابق ان تک واجب اور مستحب صدقات وغیرہ پہنچانا بھی احسان ہی میں شامل ہے۔ پس سخاوت کرنا' لوگوں کی تکالیف رفع کرنا خود تکالیف برداشت کرنا احسان ہے۔ جیسا کہ انہی آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کا وصف بیان فرمایا ہے۔ پس جس نے مذکورہ بالا امور کو قائم کیا اس نے اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کو ادا کیا۔

[1] صحیح البخاری' الایمان' سؤال جبریل النبی ﷺ ...... ' ح: ٥٠ و صحیح مسلم' الایمان' ح: ١

پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی اس معذرت کا ذکر فرمایا جو وہ اپنے جرائم اور گناہوں کے بارے میں اپنے رب کے سامنے پیش کرتے ہیں ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ یعنی جب کبھی ان سے کوئی بڑا یا چھوٹا گناہ صادر ہو جاتا ہے تو وہ فوراً توبہ اور استغفار کرتے ہیں' اور اپنے رب اور اس کی وعید کو یاد کرتے ہیں جو اس نے نافرمانوں کو سنا رکھی ہے اور اپنے رب کے اس وعدے کو یاد کرتے ہیں جو اس نے اہل تقویٰ سے کر رکھا ہے۔ پس وہ گناہوں کو ترک کرنے اور ان پر نادم ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے ان گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں اور اس سے اپنے عیوب پر پردہ پوشی کا سوال کرتے ہیں۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ "اور وہ جانتے ہوئے اپنی بداعمالیوں پر اڑتے نہیں ہیں" ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یعنی وہ لوگ جو ان صفات سے متصف ہیں ﴿جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ﴾ "ان کی جزا مغفرت ہے ان کے رب کی طرف سے۔" اور یہ مغفرت ان کے ہر گناہ کو زائل کر دے گی ﴿وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ﴾ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں' شادمانی' خوبصورتی' رونق' بھلائی' مسرت' عالی شان محل' خوبصورت اور بلند منازل' پھلوں سے لدے ہوئے خوش کن درخت' اور ان خوبصورت مساکن و منازل میں نہریں بہہ رہی ہوں گی ﴿خٰلِدِيْنَ فِيْهَا﴾ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے انہیں وہاں سے نکالا جائے گا نہ وہ ان جنتوں کے بدلے میں کچھ اور چاہیں گے اور نہ ان نعمتوں کو' جن میں وہ رہتے ہوں گے' بدلا جائے گا۔ ﴿وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ﴾ "اور عمل کرنے والوں کا اجر اچھا ہے" یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر تھوڑا عمل کیا مگر ان کو بہت زیادہ اجر عطا ہوا۔ مشقت برداشت کرنے کے بعد ہی راحت کی امید ہوتی ہے اور جزا کے وقت ہی عمل کرنے والے کو اپنے عمل کا پورا اور وافر بدلہ عطا ہوتا ہے۔

یہ آیات کریمہ مرجئہ کے برعکس اہل سنت والجماعت کے اس موقف پر دلالت کرتی ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور آیت کریمہ سے استدلال کا پہلو سورۃ الحدید کی اس آیت کو ملا کر مکمل ہوتا ہے جو کہ اس آیت کی نظیر ہے ﴿سَابِقُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اُعِدَّتْ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ﴾ (الحدید: ۵۷/ ۲۱) "اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف لپکو جس کی چوڑائی زمین و آسمان کی چوڑائی کی مانند ہے جسے ان لوگوں کے لئے تیار کیا گیا ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں" اس آیت کریمہ میں صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ﴾ "جنت متقین کے لئے تیار کی گئی ہے" پھر متقین کے اعمال مالیہ اور اعمال بدنیہ بیان فرمائے۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ متقین' جو ان صفات سے متصف ہیں' وہی مومن ہیں۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تحقیق گزر چکے تم سے پہلے کئی واقعات' پس سیر کرو تم زمین میں اور دیکھو کیسا ہوا انجام

الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

جھٹلانے والوں کا ○ یہ وضاحت ہے واسطے لوگوں کے اور ہدایت اور نصیحت ہے واسطے متقیوں کے ○

یہ آیات کریمہ اور ان کے بعد آنے والی آیات ''اُحد'' کے واقعات کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو تسلی دیتے ہوئے آگاہ فرماتا ہے کہ ان سے پہلے گزری ہوئی قوموں اور امتوں کو بھی امتحان میں ڈالا گیا اور اہل ایمان کفار کے ساتھ جنگ کی آزمائش میں مبتلا کئے گئے اور وہ کبھی فتح سے نوازے گئے اور کبھی انہیں زک اٹھانا پڑی۔ مگر اس تمام کشمکش کا انجام اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کے حق میں رکھا اور اپنے مومن بندوں کو فتح ونصرت سے نوازا۔ آخرکار جھٹلانے والوں پر غلبہ حاصل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور ان کے پیروکاروں کو اپنی نصرت عطا کر کے جھٹلانے والوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

﴿فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ﴾ ''زمین میں چلو پھرو'' یعنی اپنے جسم اور قلوب کے ساتھ (زمین میں چلو پھرو) ﴿فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ تم تکذیب کرنے والوں کو مختلف قسم کے دنیاوی عذاب اور عقوبتوں میں مبتلا پاؤ گے۔ ان کے شہر تباہ وبرباد ہو گئے اور ان کا خسارہ سب پر عیاں ہو گیا۔ ان کی شان وشوکت اور اقتدار قصہ پارینہ بن گیا' ان کا تکبر اور فخر ختم ہو گیا۔ کیا یہ سب اس امر کی سب سے بڑی دلیل اور سب سے بڑا شاہد نہیں کہ جو کچھ انبیاء کرام لے کر مبعوث ہوئے وہ صداقت پر مبنی ہے؟

بندوں کو آزمائش میں مبتلا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ سچوں اور جھوٹوں میں امتیاز ہو جائے۔ بنا بریں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ﴾ یعنی یہ واضح دلیل ہے جو لوگوں کے سامنے باطل میں سے حق کو واضح کر دیتی ہے۔ اہل شقاوت میں سے اہل سعادت کو ممتاز کر دیتی ہے اور یہ اس عذاب کی طرف بھی اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والوں کو مبتلا کیا۔ ﴿وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ اور متقین کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے صرف یہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ آیات انہیں رشد وہدایت کی راہ دکھاتی اور انہیں گمراہی کے راستے سے روکتی ہیں۔ رہے باقی لوگ تو یہ ان کے سامنے کھول کر بیان کر دینا ہے جس سے ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت قائم ہو جاتی ہے تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل کو جان کر ہلاک ہو۔

نیز اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ﴿هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ﴾ میں قرآن مجید اور ذکر حکیم کی طرف اشارہ ہو اور یہ کہ یہ عمومی طور پر تمام لوگوں کے لئے بیان ہے اور اہل تقویٰ کے لئے خاص طور پر ہدایت اور نصیحت ہے۔ دونوں معنی صحیح ہیں۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ

اور نہ ہمت ہارو تم اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر ہو تم مومن ○ اگر پہنچے تم کو

قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ
کوئی زخم تو تحقیق پہنچ چکا ہے اس قوم (کافر) کو بھی زخم اسکی مثل اور یہ ایام باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم انکو درمیان لوگوں کے اور تاکہ جان لے
اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۴۰ ۙ
اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور تاکہ بنائے تم میں سے کچھ کو شہید اور اللہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو ○
وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۱۴۱ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا
اور تاکہ پاک صاف کر دے اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور مٹادے کافروں کو ○ کیا گمان کیا تم نے یہ کہ داخل ہو جاؤ گے تم
الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۴۲ وَلَقَدْ
جنت میں حالانکہ (ابھی) نہیں جانا اللہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے اور یہ کہ جان لے وہ صبر کرنے والوں کو ○ اور البتہ تحقیق
كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ
تھے تم آرزو کرتے موت کی پہلے اس کے کہ دوچار ہو تم اس سے، پس تحقیق مشاہدہ کیا تم نے اس کا
وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝۱۴۳ ۧ
جب کہ تم دیکھ رہے تھے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کا حوصلہ بڑھانے' ان کے عزائم مضبوط اور ان کے ارادوں کو بلند کرنے کے لئے فرماتا ہے: ﴿ وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا ﴾ یعنی تم اس مصیبت کے وقت جو تم پر نازل ہوئی ہے اور اس ابتلا پر جس سے تم دوچار ہوئے ہو جسمانی کمزوری اور دلی غم کا مظاہرہ نہ کرو۔ کیونکہ دلوں کا حزن و غم اور جسموں کی کمزوری' تمہارے لئے مصیبت میں اضافے اور دشمن کی مدد کا باعث ہوں گے بلکہ دلوں کو مضبوط رکھو اور ان میں استقامت پیدا کرو۔ حزن و غم کو اپنے دلوں سے نکال دو اور اپنے دشمن کے ساتھ قتال کے لئے سخت جان ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ایمان کے بلند مرتبہ پر فائز ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت اور اس کے ثواب کے امیدوار ہیں' اس لئے کمزوری اور حزن و غم کا مظاہرہ ان کے شایان شان نہیں۔ اس قسم کے رویے کا اظہار اس مومن کے لائق نہیں جو اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق دنیاوی اور اخروی ثواب کا طلب گار ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ "تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو"۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس ہزیمت پر ان کو تسلی دی' جو انہوں نے اٹھائی تھی اور ان عظیم حکمتوں کو بیان کیا جو اس ہزیمت پر مرتب ہوئیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ﴾ یعنی زخم کھانے کے اعتبار سے تم اور وہ برابر ہو۔ مگر تم اللہ تعالیٰ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ﴾ (النساء: ۴/۱۰۴)

''اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو انہیں بھی تکلیف پہنچتی ہے جیسے تمہیں پہنچتی ہے اور تم اللہ سے ایسی امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔'' اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ مومن و کافر اور نیک و بد سب کو حصہ عطا کرتا ہے اور ان ایام کو لوگوں کے مابین ادلتا بدلتا رہتا ہے آج کامیابی ایک گروہ کے لئے ہے تو کل کسی اور گروہ کے لئے۔ کیونکہ یہ دنیا تو آخر کار ختم ہو جانے والی اور فانی ہے مگر اس کے برعکس آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے اور وہ صرف اہل ایمان کے لئے ہے۔

﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت میں سے ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ہزیمت اور آزمائش میں مبتلا کرتا ہے تاکہ مومن اور منافق کے درمیان فرق واضح ہو جائے' کیونکہ اگر مومنوں کو تمام جنگوں میں فتح ہی حاصل ہوتی رہے تو اسلام میں ایسے لوگ بھی داخل ہو جائیں گے جو اسلام نہیں چاہتے۔ اگر بعض مواقع پر مسلمان آزمائش میں مبتلا ہوں تو حقیقی مومن کا پتہ چل جاتا ہے جو مصیبت و مسرت' فراخی اور تنگی ہر حالت میں اسلام میں رغبت رکھتا ہے۔ ﴿وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ﴾ ''اور تم میں سے گواہ بنائے۔'' یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت میں سے ہے' کیونکہ شہادت اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ترین مرتبہ ہے اور اس کے اسباب کے حصول کے بغیر وہاں تک پہنچنا ناممکن ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے مومن بندوں پر رحمت ہے کہ وہ ان کے لئے اسباب مہیا کرتا ہے جو اگرچہ نفوس کو ناپسند ہوتے ہیں مگر ان اسباب کے ذریعے سے وہ اعلیٰ مراتب اور دائمی نعمتیں حاصل کر لیتے ہیں جو انہیں پسند ہیں۔ ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا'' یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اللہ کے راستے میں جہاد کو چھوڑ کر بیٹھ رہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ﴾ (التوبۃ: ۴۶/۹)

''اگر وہ جہاد کے لئے نکلنے کا ارادہ کرتے تو وہ اس کے لئے سامان تیار کرتے مگر اللہ کو ان کا اٹھنا پسند نہ آیا اور ان کو اس سے باز رکھا اور کہا گیا کہ معذور بیٹھے ہوئے لوگوں کے ساتھ تم بھی بیٹھ رہو۔''

﴿وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اور یہ کہ اللہ ایمان والوں کو خالص (مومن) بنا دے۔'' یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت میں سے ہے کہ وہ ان آزمائشوں کے ذریعے سے اہل ایمان کو گناہوں اور عیبوں سے پاک کرتا ہے۔ اور اس امر کی دلیل یہ ہے کہ شہادت اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ کرنا گناہوں کو مٹا دیتے اور عیوب کو زائل کر دیتے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو منافقین سے پاک کرتا ہے اور وہ منافقین سے الگ ہو جاتے ہیں اور وہ منافق اور مومن کو پہچان لیتے ہیں اور اس میں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس نے یہ سب کچھ کفار کو مٹانے کے لئے مقرر کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے (جہاد کو) سزا کے ذریعے سے کفار کے استیصال کا سبب بنایا کیونکہ جب کفار فتح یاب ہوتے ہیں تو بغاوت کا رویہ اختیار کر لیتے ہیں اور اپنی سرکشی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں چنانچہ وہ اس دنیا

ہی میں سزا کے مستحق بن جاتے ہیں اور یہ بھی مومن بندوں پر اللہ کی مہربانی ہے (کہ وہ منافقوں کو جلد ہی دنیا میں عبرت ناک انجام سے دوچار کر دیتا ہے)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ ﴾ "کیا تمہارا خیال ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے' جب کہ ابھی تک اللہ نے ان لوگوں کو بھی معلوم نہیں کیا جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور معلوم نہیں کیا ثابت قدم رہنے والوں کو؟" یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی یہ نہ سمجھ لینا اور نہ تمہارے دل میں یہ خیال آئے کہ تم کسی مشقت اور اللہ کی راہ میں اس کی رضا کے لئے کوئی تکلیف اٹھائے بغیر جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اس لئے کہ جنت بلند ترین منزل مقصود اور سب سے افضل مقام ہے جس کے حصول کے لئے مسابقت کی جاتی ہے۔ مطلوب و مقصود جتنا زیادہ بڑا ہو گا وہاں تک پہنچانے والا وسیلہ اور عمل بھی اتنا ہی بڑا ہو گا۔ پس ایک راحت کو چھوڑ کر ہی دوسری راحت تک پہنچا جا سکتا ہے اور نعمت کو ترک کر کے ہی دوسری نعمت حاصل کی جا سکتی ہے۔

دنیا کی تکالیف اور مشکلات' جن کا سامنا بندۂ مومن کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کرنا پڑتا ہے۔ نفس کو ان تکالیف کا عادی بنانے کے لئے ان کی مشق کرواتے وقت اور ان کی معرفت حاصل کرتے وقت اہل بصیرت کی نزدیک اللہ تعالیٰ کی نعمت بن جاتی ہیں جن پر وہ مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی کوئی پروا نہیں کرتے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ پھر ایک ایسے معاملے میں جس کی وہ خود تمنا کیا کرتے تھے اور اسے حاصل کرنا چاہتے تھے' اس پر ان کے عدم صبر پر اللہ تعالیٰ نے ان کو زجر و توبیخ کی ہے چنانچہ فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ كُنتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِن قَبْلِ أَن تَلْقَوْهُ ﴾ "اور تم تو آرزو کرتے تھے مرنے کی اس کی ملاقات سے پہلے" اس آیت کریمہ کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے' وہ آرزو کیا کرتے تھے اگر اللہ تعالیٰ انہیں کسی معرکے میں شرکت کا موقع عطا کرے تو وہ اس میں اپنی جان لڑا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ﴿ فَقَدْ رَأَيْتُمُوهُ ﴾ یعنی جس چیز کی تم تمنا کیا کرتے تھے تم نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ﴿ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴾ اب تمہیں کیا ہو گیا تم نے صبر کیوں چھوڑ دیا؟ یہ حالت خاص طور پر اس شخص کے لائق نہیں جو اس کی آرزو کیا کرتا تھا اور اسے وہ چیز حاصل ہو گئی ہو جس کی اسے آرزو تھی۔ اس پر تو واجب یہ ہے کہ اب وہ اس کے لئے اپنی پوری کوشش' جہد اور طاقت صرف کر دے۔ اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ شہادت کی تمنا کرنا ناجائز نہیں۔ اس میں استدلال کا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی آرزو پر برقرار رکھا اور ان کی آرزو کا انکار نہیں کیا۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اس تمنا کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے ان کے عمل نہ کرنے پر نکیر کی ہے۔ واللہ تعالی اعلم۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ اَفَا۠ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ

اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول ہی' تحقیق گزر چکے ہیں ان سے پہلے (بھی) رسول' کیا پس اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں'

انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ ؕ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

تو پھر جاؤ گے تم اپنی ایڑیوں پر؟ اور جو پھر جائے اپنی ایڑیوں پر' تو ہرگز نہیں نقصان پہنچائے گا وہ اللہ کو کچھ بھی

وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۴ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ

اور عنقریب جزا دے گا اللہ شکر کرنیوالوں کو O اور نہیں ہے (ممکن) واسطے کسی جان کے یہ کہ وہ مر جائے مگر ساتھ حکم اللہ ہی کے'

كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ

(لکھا ہے اس نے) لکھنا ایک وقت مقرر' اور جو چاہتا ہے بدلہ دنیا کا' تو دے دیتے ہیں ہم اسے کچھ اس میں سے' اور جو چاہتا ہے ثواب

الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ۝۱۴۵

آخرت کا' تو دیں گے ہم اس کو اس میں سے اور عنقریب ہم جزا دیں گے شکر گزاروں کو O

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ یعنی وہ رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں ہیں بلکہ وہ ان رسولوں کی جنس سے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان کی ذمہ داری اپنے رب کا پیغام پہنچانا اور اس کے احکام کا نفاذ تھا۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے نہ تھے اور نہ ان کی بقاء اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کے لئے کوئی شرط تھی۔ بلکہ تمام امتوں پر یہ چیز فرض تھی کہ وہ ہر وقت اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَفَا۠ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ﴾ ''کیا پس اگر ان کو موت آ گئی یا قتل کر دیے گئے' تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟'' یعنی یہ نبی ایمان اور جہاد وغیرہ کے جو احکام لے کر مبعوث ہوئے ہیں کیا تم ان کو ترک کر کے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا﴾ ''اور جو شخص الٹے پاؤں پھر جائے گا' تو ہرگز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ'' وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے دین کو ضرور قائم کرے گا اور اپنے مومن بندوں کو غلبہ عطا کرے گا۔

جب اللہ تعالیٰ نے الٹے پاؤں پلٹ جانے والوں کو زجر و توبیخ کی تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح و ثنا بھی کی جو اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ثابت قدمی سے ڈٹے رہے اور انہوں نے اپنے رب کے حکم کی اطاعت کی۔ فرمایا: ﴿وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ﴾ ''اور اللہ شکر گزار بندوں کو جزا دے گا'' اور شکر کے تقاضے اس کے بغیر ادا نہیں ہوتے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی عبودیت اختیار کی جائے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی راہنمائی فرمائی ہے کہ ان کے سربراہ کا مفقود ہونا خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو کسی بھی حالت میں ان کو ان کے ایمان یا کسی لازمہ ایمان سے نہ ہٹا دے مگر یہ تب ہی ممکن

ہے کہ امور دین کے ہر ہر شعبہ میں کچھ لوگوں کو تیار کیا جائے جو اس شعبہ میں برابر ہوں۔ ان میں سے ایک کی عدم موجودگی میں دوسرا اس کی جگہ لے لے۔ نیز اہل ایمان کا عمومی مقصد اقامت دین اور اس کے دفاع میں اپنی استطاعت کے مطابق جہاد ہونا چاہئے۔ ان کا مقصد ایک سربراہ کی جگہ دوسرے سربراہ کو لانا نہیں ہونا چاہئے۔ اسی صورت میں ان کا معاملہ درست طریقے سے جاری رہ سکتا ہے اور دیگر تمام امور صحیح نہج پر چل سکتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں صدیق اکبر جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب کرام کی فضیلت پر بھی سب سے بڑی دلیل ہے' جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتدین کے خلاف جنگ کی' کیونکہ وہ سادات اہل شکر میں شمار ہوتے ہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ تمام نفوس اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قضا وقدر سے اپنی اپنی اجل کے ساتھ معلق ہیں۔ پس جس کی تقدیر میں موت کا حتمی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اسے بغیر کسی سبب کے بھی موت آ کر رہتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو باقی رکھنا چاہے' تو پھر اگر موت کے تمام اسباب بھی جمع کیوں نہ ہو جائیں' یہ اسباب وقت مقررہ سے پہلے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ کر کے اس کو مقدر کر دیا ہے اور اس کی موت کا وقت معین اس کی تقدیر میں لکھ دیا۔ ﴿فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ﴾ (الاعراف: ۳۴/۷) "جب ان کا وقت معین آ جاتا ہے تو نہ وہ ایک گھڑی تاخیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی۔"

پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ لوگوں کو دنیا و آخرت کا وہی ثواب عطا کرتا ہے جس سے ان کے ارادے متعلق ہوتے ہیں۔ فرمایا: ﴿وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا﴾ "جو کوئی دنیا ہی میں اپنے اعمال کا بدلہ چاہتا ہے ہم اسے وہیں بدلہ دے دیتے ہیں اور جو کوئی اپنے اعمال کا بدلہ آخرت میں چاہتا ہے ہم اس کو آخرت میں اس کا بدلہ عطا کریں گے"۔ فرمایا: ﴿كُلًّا نُمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۝ انْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَلَلْآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۲۰/۱۷-۲۱) "ہم ان سب کو تیرے رب کی عطا و بخشش سے مدد دیتے ہیں اور تیرے رب کی عطا و بخشش ممنوع اور روکی ہوئی نہیں ہے۔ دیکھ ہم نے کیسے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے اور آخرت درجات کے اعتبار سے بہت بڑی اور فضیلت میں بہت بڑھ کر ہے۔"

فرمایا: ﴿وَسَنَجْزِي الشَّاكِرِينَ﴾ "اور ہم جزا دیں گے شکر کرنے والوں کو" یہاں اللہ تعالیٰ نے جزا کا ذکر نہیں فرمایا تاکہ یہ اس جزا کی کثرت اور عظمت پر دلیل ہو اور یہ بھی بندے کو معلوم ہو جائے کہ یہ جزا قلت و کثرت اور حسن کے اعتبار سے شکر کی مقدار پر منحصر ہے۔

وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ

اور کتنے ہی نبی تھے' لڑے ان کے ساتھ (مل کر) اللہ والے بہت سے' پس نہ سست ہوئے وہ بوجہ اس کے جو پہنچا ان کو

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ

اللہ کے راستے میں اور نہ انہوں نے کمزوری دکھائی اور نہ وہ دبے اور اللہ پسند کرتا ہے صبر کرنے والوں کو ○ اور نہیں تھا

قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ

قول انکا مگر یہی کہ کہا انہوں نے اے ہمارے رب بخش دے ہمارے لیے ہمارے گناہ اور ہماری زیادتی ہمارے اپنے کام میں اور ثابت رکھ

اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىھُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا

ہمارے قدموں کو اور مدد فرما ہماری اوپر کافر قوم کے ○ پس دیا انہیں اللہ نے ثواب دنیا کا بھی

وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ ع

اور اچھا ثواب آخرت کا بھی، اور اللہ پسند کرتا ہے احسان کرنے والوں کو ○

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کے لئے تسلی ہے اور ان کے فعل کی اقتداء کی ترغیب ہے اور اس حقیقت سے آگاہ کرنا ہے کہ (حق و باطل کی کشمکش کا) یہ معاملہ شروع ہی سے چلا آ رہا ہے اور ازل سے اللہ تعالیٰ کی سنت جاری ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ﴾ ''یعنی کتنے ہی نبی ہیں'' ﴿قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ﴾ ''جن کے ساتھ ہو کر اکثر اللہ والوں نے قتال کیا ہے۔'' یعنی انبیاء کرام کے پیروکاروں کی بہت سی جماعتوں نے' جن کی انبیاء علیہم السلام نے ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعے سے تربیت کی' جہاد کیا' پس وہ شہید ہوئے اور انہوں نے زخم کھائے ﴿فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا﴾ یعنی ان کے دل کمزور ہوئے نہ ان کے بدن اور نہ انہوں نے عاجزی اور فروتنی ظاہر کی۔ یعنی وہ دشمن کے سامنے جھکے نہیں۔ بلکہ انہوں نے صبر کیا اور ثابت قدم رہے اور اپنا حوصلہ بڑھاتے رہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ''اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی اس دعا کا ذکر فرمایا جس میں انہوں نے اپنے رب سے فتح و نصرت طلب کی ہے۔ ﴿وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ﴾ یعنی ان انتہائی مشکل مقامات پر ان کا یہی قول تھا۔ ﴿اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا﴾ ''اے ہمارے رب ہمارے گناہ اور وہ زیادتیاں جو ہمارے معاملے میں ہم سے سرزد ہوئی ہیں بخش دے۔'' اسراف سے مراد حد سے تجاوز کر کے حرام امور میں داخل ہونا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ گناہ اور اسراف اللہ تعالیٰ کی نصرت اور توفیق کے اٹھ جانے کا سب سے بڑا سبب ہے اور گناہ اور اسراف کو چھوڑ دینا اللہ تعالیٰ کی نصرت کے حصول کا سبب ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنے گناہوں کی بخشش کا سوال کیا۔ پھر انہوں نے محض اپنی جدوجہد اور اپنے صبر ہی پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ دشمن سے مقابلہ ہونے کے وقت انہیں ثابت قدمی سے نوازے اور دشمن کے مقابلے میں فتح

ونصرت عطا کرے۔ پس اہل ایمان نے صبر کرنے، صبر کے متضاد امور کو ترک کرنے، توبہ، استغفار اور اللہ تعالیٰ سے فتح ونصرت کی دعا کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح ونصرت سے نوازا اور دنیا و آخرت میں ان کا اچھا انجام کیا۔ اس لئے فرمایا: ﴿فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا﴾ ''پس دیا ان کو اللہ نے دنیا کا ثواب'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں فتح وظفر سے نوازا اور مال غنیمت عطا کیا ﴿وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ﴾ ''اور خوب آخرت کا ثواب'' یعنی اپنے رب کی رضا کے حصول میں کامیابی، ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کا عطا ہونا جو ہر قسم کے تکدر سے محفوظ ہوں گی۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ انہوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے لئے بہترین اعمال سرانجام دیئے پس اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو بہترین جزا سے نوازا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ یعنی خالق کی عبادت اور مخلوق کے ساتھ معاملہ میں احسان کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ دشمن کے ساتھ جہاد کے وقت، ان مومنین کا سا کردار اختیار کرنا بھی احسان ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر اطاعت کرو گے تم انکی جنہوں نے کفر کیا تو لوٹا دیں گے وہ تمہیں اوپر تمہاری ایڑیوں کے (شرک کی طرف)

فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِيْ

پس پلٹو گے تم خسارہ پانے والے ○ بلکہ اللہ کارساز ہے تمہارا اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے ○ عنقریب ڈال دیں گے ہم

فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَاۤ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ

دلوں میں ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا رعب، بہ سبب اسکے جو شریک ٹھہرایا انہوں نے اللہ کا ایسی چیزوں کو کہ نہیں اُتاری اس نے اسکی کوئی دلیل

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور برا ہے ٹھکانا ظالموں کا ○

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کو منافقین ومشرکین کی اطاعت سے ممانعت ہے۔ کیونکہ وہ جب بھی کفار کی اطاعت کریں گے تو کفار ان کے مقابلے میں برا ارادہ ہی رکھیں گے اور ان کا قصد وارادہ یہی ہوگا کہ وہ اہل ایمان کو کفر کی طرف لوٹا دیں، جس کا انجام ناکامی اور خسارے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

پھر اہل ایمان کو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ ان کا مولیٰ اور حامی وناصر ہے اور اس میں اہل ایمان کے لئے خوشخبری ہے کہ وہ اپنے لطف وکرم سے ان کے امور کی سرپرستی کرتا ہے اور انہیں مختلف قسم کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ اسی ضمن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ وہ ہر ایک کو چھوڑ کر صرف اسی کو اپنا ولی اور مددگار بنائیں۔ اللہ کی سرپرستی اور اس کی طرف سے مسلمانوں کی مدد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ ان کے دشمن کفار کے دلوں میں رعب ڈال دے گا۔ یہاں رعب سے مراد وہ خوف عظیم ہے جو کفار کو ان کے بہت سے مقاصد سے

روک دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمایا وہ اس طرح کہ ''اُحد'' کے واقعہ کے بعد جب مشرکین واپس لوٹنے تو (راستے میں) انہوں نے باہمی مشورہ کیا اور کہنے لگے ''ہم کیسے واپس لوٹ سکتے ہیں۔ ہم نے ان کے بعض لوگوں کو قتل کیا اور ان کو شکست دی مگر ہم نے ان کا مکمل استیصال نہیں کیا۔'' چنانچہ انہوں نے اس کا ارادہ کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ خائب و خاسر ہو کر لوٹ گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت بڑی فتح ہے۔ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لئے فتح و نصرت' دو امور سے خالی نہیں ہوتی۔ (۱) اللہ تعالیٰ یا تو کفار کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ (۲) یا انہیں ذلت سے دوچار کرتا ہے اور وہ خائب و خاسر واپس لوٹ جاتے ہیں اور یہ (رعب ڈال کر انہیں ناکام لوٹا دینا) دوسری قسم سے ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس سبب کا ذکر فرمایا جو کفار کے دلوں میں رعب ڈالنے کا موجب تھا ﴿ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ﴾ یعنی اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرا لئے اور اپنی خواہشات نفس اور اپنے فاسد ارادوں کے مطابق بتوں کو رب بنا لیا۔ جس پر کوئی حجت اور برہان نہیں تھی اور اس طرح وہ اللہ واحد و رحمٰن کی سرپرستی سے محروم ہو گئے۔ اسی وجہ سے مشرک اہل ایمان سے مرعوب ہو جاتا تھا اور اسے کوئی مضبوط سہارا حاصل نہیں تھا۔ کسی شدت اور تنگی کے وقت کوئی اس کی پناہ گاہ نہیں تھی۔ یہ اس کا دنیا میں حال ہے۔ آخرت کا حال اس سے زیادہ برا اور سخت ہو گا اس لئے فرمایا: ﴿ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ﴾ یعنی ان کا ٹھکانا جہاں یہ پناہ لیں گے' جہنم ہے' اور پھر وہاں سے نکل نہیں سکیں گے ﴿ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''اور برا ہے ٹھکانا ظالموں کا'' ان کے ظلم اور تعدی کے سبب جہنم ان کا ٹھکانا ہو گا۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ

اور تحقیق سچا کر دکھایا تم سے اللہ نے اپنا وعدہ جب کاٹتے تھے تم انکو ساتھ اس کے حکم کے' یہاں تک کہ جب تم پست ہمت ہو گئے

وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ

اور باہم جھگڑا کیا تم نے حکم (رسول) میں اور نافرمانی کی تم نے بعد اسکے کہ دکھلایا اس نے تم کو وہ جسے تم پسند کرتے تھے' تم میں سے بعض

مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ

وہ ہیں جو ارادہ کرتے تھے دنیا کا اور بعض تم میں سے وہ ہیں جو ارادہ کرتے تھے آخرت کا۔ پھر پھیر دیا اللہ نے تم کو ان (کافروں) سے

لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

تاکہ آزمائے وہ تمہیں اور البتہ تحقیق معاف کر دیا اس نے تم کو اور اللہ فضل والا ہے اوپر مومنوں کے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے اپنی نصرت کا وعدہ پورا کر دیا' پس تمہیں کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت عطا کی حتیٰ کہ تمہیں ان کی گردنوں پر اختیار دے دیا تھا اور تم نے ان کی گردنیں مارنا شروع کر دیں یہاں تک

کہ تم خود اپنے لئے ہزیمت کا سبب بن گئے اور تم خود اپنے مقابلے میں دشمن کی اعانت کا باعث بن گئے۔ پس جب تم بزدلی' کمزوری اور سستی کا شکار ہو گئے ﴿وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ اور تم نے جھگڑے میں پڑ کر اللہ تعالی کے اس حکم کو چھوڑ دیا جو اتحاد اور عدم اختلاف کے بارے میں تھا۔ پس تم اختلافات میں پڑ گئے۔ کوئی کہتا تھا کہ ہم تو اسی مقام پر ڈٹے رہیں گے جہاں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں متعین فرمایا ہے اور کسی نے کہا' اب ہمارے یہاں ٹھہرے رہنے کا کیا کام؟ جب کہ دشمن شکست کھا چکا اور کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔

پس تم نے رسول ﷺ کی نافرمانی کی اور آپ کے حکم کو چھوڑ دیا ﴿بَعْدِ مَا أَرَاكُمْ مَا تُحِبُّونَ﴾ "بعد اس کے' جب اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھادی جو تم پسند کرتے تھے" اور وہ تھی تمہارے دشمن کی ناکامی اور شکست۔ اس لئے کہ جس کو اللہ تعالی اس چیز سے نواز دے' جو اسے پسند ہو' اس پر دوسرے کی نسبت زیادہ ضروری ہے کہ وہ نافرمانی سے بچے۔ پس خاص طور پر اس حال میں اور عام طور پر ہر حال میں اس پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل کرنا واجب ہے۔ ﴿مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا﴾ "تم میں سے بعض وہ ہیں جو دنیا چاہتے ہیں" یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالی نے عتاب فرمایا ﴿وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ﴾ "اور بعض تم میں سے آخرت چاہتے ہیں" یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کا التزام کیا اور جو ان کو حکم دیا گیا تھا اس پر ثابت قدم رہے۔

﴿ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ﴾ "پھر تم کو پھیر دیا ان سے" یعنی جب یہ تمام امور تم میں پائے گئے تو اللہ تعالی نے تمہیں ان کے مقابلے میں پھیر کر بھگا دیا۔ اللہ تعالی کی طرف سے تمہاری آزمائش اور تمہارے امتحان کے طور پر جیت دشمن کے ہاتھ رہی تاکہ مومن اور کافر' فرمانبردار اور نافرمان کے درمیان امتیاز ہو جائے اور تاکہ تم سے جو غلطی سرزد ہوئی ہے اس مصیبت کے ذریعے سے تمہیں معاف کر دے۔ اس لئے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ "اس نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ مومنوں پر فضل کرنے والا ہے" یعنی وہ ان پر بہت زیادہ فضل کرنے والا ہے کیونکہ اس نے انہیں اسلام سے نوازا' اپنے احکام کی طرف راہنمائی کی' ان کے گناہوں کو معاف کر دیا اور ان کے مصائب پر ان کو اجر عطا کیا۔

یہ اہل ایمان پر اللہ تعالی کا فضل ہی ہے کہ وہ جو بھلائی یا مصیبت ان کے لئے مقدر کرتا ہے وہ بھی ان کے لئے بھلائی ہی ہوتی ہے۔ اگر انہیں خوشحالی عطا کرتا ہے اور وہ اس پر شکر ادا کرتے ہیں تو اللہ تعالی انہیں شکر گزاروں کی جزا دیتا ہے۔ اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور اس پر وہ صبر کرتے ہیں تو اللہ تبارک وتعالی انہیں صبر کرنے والوں کے ثواب سے نوازتا ہے۔

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أُخْرَاكُمْ فَأَثَابَكُمْ

جب تم چڑھے جا رہے تھے اور کسی کو مڑ کر دیکھتے تک نہیں تھے اور رسول پکار رہے تھے تمہیں تمہاری پچھلی جماعت میں (کھڑے ہوئے) پس بدلے میں دیا اس نے تم کو

غَمًّا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا

غم پر غم' تاکہ نہ غم کھاؤ تم اس پر جو فوت ہو گیا تم سے اور نہ اس (تکلیف) پر جو پہنچی تمہیں' اور اللہ خبردار ہے اس سے جو

تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً

تم عمل کرتے ہو ○ پھر نازل کیا اس نے تم پر بعد غم کے' امن (یعنی) اونگھ ڈھانپتی تھی وہ ایک جماعت کو

مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ؕ

تم میں سے اور ایک جماعت تھی کہ فکر میں ڈال دیا تھا انکو انکی جانوں نے وہ گمان کرتے تھے ساتھ اللہ کے ناحق گمان جاہلیت کا'

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ؕ يُخْفُوْنَ

کہتے تھے کیا ہے ہمارے لیے معاملے سے کچھ؟ کہہ دیجئے! بے شک معاملہ سب کا سب اللہ ہی کے لیے ہے' وہ چھپاتے ہیں

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ؕ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا

اپنے دلوں میں' وہ (بات) جو نہیں ظاہر کرتے آپ کے سامنے' کہتے ہیں اگر ہوتا ہمارے لیے معاملے سے کچھ تو نہ

قُتِلْنَا هٰهُنَا ؕ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ

قتل کیے جاتے ہم یہاں' کہہ دیجئے! اگر ہوتے تم اپنے گھروں میں (بھی) تو ضرور باہر نکلتے وہ لوگ کہ لکھ دیا گیا تھا ان پر قتل ہونا'

اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا

طرف اپنی قتل گاہوں کی اور تاکہ آزمائے اللہ اس میں جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ صاف کر دے ان (وسوسوں) کو جو

فِيْ قُلُوْبِكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

تمہارے دلوں میں ہیں اور اللہ جانتا ہے سینوں کے راز ○

اللہ تبارک و تعالیٰ جنگ سے ان کی پسپائی کے وقت ان کا حال بیان کرتے ہوئے ان پر عتاب کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿اِذْ تُصْعِدُوْنَ﴾ یعنی جب تم تیزی سے بھاگے جا رہے تھے ﴿وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ﴾ یعنی تم ایک دوسرے کو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے بلکہ جنگ سے فرار اور نجات کے سوا تمہارا کوئی ارادہ نہ تھا اور حال یہ تھا کہ تم کسی بڑے خطرے سے بھی دوچار نہ تھے کیونکہ تم سب سے آخر میں تھے اور ان لوگوں میں سے نہ تھے جو دشمن کے قریب اور بلاواسطہ میدان جنگ میں تھے' بلکہ صورت حال یہ تھی ﴿وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ﴾ "رسول تمہیں بلا رہے تھے' تمہارے پیچھے سے" یعنی رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کو بلا رہے تھے جو پہاڑوں پر چڑھ رہے تھے۔ آپ پکار رہے تھے "اے اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ" مگر تم نے ان کی طرف پلٹ کر دیکھا نہ تم ان کے پاس رکے۔ پس میدان جنگ سے فرار فی نفسہ موجب ملامت ہے اور رسول اللہ ﷺ کا بلانا' جو اس امر کا موجب تھا کہ اپنی جان پر بھی آپ کی پکار کو مقدم رکھا جائے' سب سے بڑی ملامت کا مقام ہے' کیونکہ تم لوگ بلانے کے باوجود آپ سے پیچھے رہے۔

﴿ فَاَثَابَكُمْ ﴾ یعنی اس نے تمہارے اس فعل پر تمہیں جزا دی ﴿ غَمًّاۢ بِغَمٍّ ﴾ یعنی غم کے بعد غم۔ فتح حاصل نہ ہونے کا غم، مال غنیمت سے محروم ہونے کا غم، ہزیمت اٹھانے کا غم اور ایک ایسا غم جس نے تمام غموں کو بھلا دیا اور وہ تھا تمہارا اس افواہ کو سن لینا کہ محمد ﷺ کو شہید کر دیا گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم اور اپنے بندوں پر حسن نظر کی بنا پر ان تمام امور کے اجتماع کو ان کے لئے بھلائی بنا دیا۔ فرمایا: ﴿ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ ﴾ یعنی جو فتح و ظفر تمہیں حاصل نہ ہو سکی' اس پر غمزدہ نہ ہوں ﴿ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ﴾ ''اور نہ اس پر جو تمہیں پہنچا'' یعنی تمہیں ہزیمت قتل اور زخموں کا جو سامنا کرنا پڑا۔ اور جب تم نے اس بات کی تحقیق کر لی کہ رسول اللہ ﷺ شہید نہیں ہوئے تو تم پر تمام مصیبتیں آسان ہو گئیں۔ تم رسول اللہ ﷺ کے زندہ ہونے پر خوش ہو گئے آپ کی زندگی کی خبر نے ہر مصیبت اور سختی کو فراموش کر دیا۔

پس ابتلاء اور آزمائش میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور اسرار پنہاں ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ اس کے علم' تمہارے اعمال اور ظاہر و باطن کے مکمل باخبر ہونے کے ساتھ صادر ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا: ﴿ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اللہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَاۤ اَصَابَكُمْ ﴾ میں اس معنی کا احتمال بھی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم پر یہ غم اور مصیبت اس لئے مقدر کئے ہیں تاکہ تمہارے نفس ان مصائب کا سامنا کرنے پر آمادہ' اور ان پر صبر کرنے کے عادی ہوں اور تمہارے لئے مشقتوں کو برداشت کرنا آسان ہو جائے۔

﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ ﴾ ''پھر اتارا اس نے تم پر اس غم کے بعد'' یعنی وہ غم جو تمہیں پہنچا ﴿ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَاۤىِٕفَةً مِّنْكُمْ ﴾ ''امن کو جو کہ اونگھ تھی کہ ڈھانک لیا اس نے تمہارے ایک گروہ کو'' اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت' احسان' اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں کو ثابت قدم رکھنے اور طمانیت میں اضافہ کا باعث تھا۔ کیونکہ خوف زدہ شخص کو' دل خوف سے لبریز ہونے کی وجہ سے اونگھ اور نیند نہیں آتی۔ جب دل سے خوف زائل ہو جاتا ہے' تب نیند آنے کا امکان ہوتا ہے۔ یہ گروہ جس کو اللہ تعالیٰ نے نیند اور اونگھ سے نوازا' اہل ایمان ہیں جن کے سامنے اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کرنے' اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے حصول اور مسلمانوں کے مصالح کے سوا کوئی اور مقصد نہیں تھا۔

رہا دوسرا گروہ جس کے بارے میں فرمایا: ﴿ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ ﴾ ''انہیں فکر میں ڈال دیا تھا ان کی جانوں نے'' تو ان کے نفاق یا ان کے ایمان کی کمزوری کی بنا پر' ان کا اپنی جان بچانے کے سوا کوئی اور ارادہ نہ تھا۔ اس لئے ان کو وہ اونگھ نہ آئی جو دوسروں کو آئی تھی ﴿ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ﴾ ''وہ کہتے تھے' کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ میں؟'' یہ استفہام انکاری ہے یعنی فتح و نصرت میں ہمارا کوئی اختیار نہیں۔ پس انہوں نے

اپنے رب، اپنے دین اور اپنے نبی کے بارے میں بدگمانی کی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی دعوت کو پورا نہیں کرے گا۔ انہوں نے یہ بھی سمجھ لیا کہ یہ شکست اللہ تعالیٰ کے دین کے خلاف ایک فیصلہ کن شکست ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ﴾ ”کہہ دو کہ تمام معاملے کا اختیار اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے“۔ (امر) دو امور پر مشتمل ہوتا ہے امر قدری اور امر شرعی۔

پس تمام چیزوں کا ظہور اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اس کی اطاعت کرنے والوں کے حق میں ان چیزوں کا انجام فتح وظفر ہی ہوتا ہے خواہ ان پر کچھ بھی گزر جائے۔

﴿ يُخْفُوْنَ ﴾ یعنی منافقین چھپاتے ہیں ﴿ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ﴾ ”اپنے دلوں میں جو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے“ پھر اللہ تعالیٰ نے اس معاملے کو واضح کر دیا جو وہ چھپاتے تھے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ ﴾ یعنی اگر اس واقعہ میں ہم سے رائے اور مشورہ لیا گیا ہوتا ﴿ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ﴾ ”تو ہم یہاں مارے نہ جاتے۔“ یہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کا انکار اور اس کی تکذیب ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام کی رائے کو بیوقوفی کی طرف منسوب کرنا اور اپنے آپ کو پاک صاف اور صحیح قرار دینا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ﴾ ”کہہ دیں، اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے“ گھر ایسی جگہ ہے جہاں قتل کا گمان بعید ترین چیز ہے۔ فرمایا: ﴿ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ﴾ ”تب بھی وہ لوگ ضرور اپنے پڑاؤ کی طرف نکلتے جن کا مارا جانا لکھ دیا گیا تھا“ پس معلوم ہوا کہ اسباب خواہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں، وہ تب ہی فائدہ دیتے ہیں جب قضا و قدر معارض نہ ہو جب قضا و قدر اسباب کے خلاف ہو تو اسباب کوئی فائدہ نہیں دیتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کے جو فیصلے لوح محفوظ میں لکھ دیے ہیں وہ نافذ ہو کر رہتے ہیں۔ ﴿ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ ﴾ ”تاکہ وہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں (نفاق، ایمان اور ضعف ایمان) ہے۔“ ﴿ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ﴾ ”تاکہ وہ تمہارے دلوں کو (شیطانی وسوسوں اور ان سے پیدا ہونے والی مذموم صفات سے) پاک کر دے“ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان تمام (خیالات اور ارادوں) کو جانتا ہے جو دلوں کے اندر ہیں اور ان میں چھپے ہوئے ہیں۔ پس اس کے علم و حکمت کا تقاضا ہوا کہ وہ ایسے اسباب پیدا کرے جن سے سینوں کے بھید اور معاملات کے اسرار نہاں ظاہر ہوں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ

بلاشبہ وہ لوگ جو پھر گئے تھے تم میں سے، جس دن ملی تھیں دو جماعتیں، یقیناً پھسلا دیا تھا انکو شیطان نے

بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝۱۵۵ ع

بہ سبب بعض ان (کوتاہیوں) کے جو انہوں نے کیں اور تحقیق معاف کر دیا اللہ نے ان سے، بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا بڑا بردبار ہے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ ان لوگوں کے احوال کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے جنہوں نے احد کے روز ہزیمت اٹھائی۔ اوران عوامل کی خبر دی جو ان کے فرار کا موجب بنے۔ نیز یہ کہ شیطان نے ان کو گمراہ کیا اور وہ ان کے بعض گناہوں کے سبب سے ان پر مسلط ہو گیا۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے شیطان کو دراندازی کی اجازت دی اور اپنی نافرمانیوں پر اسے اختیار دے دیا کیونکہ معصیت شیطان کی سواری اور اس کی دراندازی کا ذریعہ ہے۔ اگر وہ اپنے رب کی اطاعت کے ذریعے سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتے تو شیطان کو ان پر کوئی اختیار نہ ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ﴾ (بنی اسرائیل : ۶۵/۱۷) ''بے شک میرے جو بندے ہیں ان پر تیرا کوئی اختیار نہیں''۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے ان لوگوں کو معاف کر دیا جن سے یہ قابل مواخذہ فعل سرزد ہوا اور اگر وہ ان کا مواخذہ کرتا تو ان کی جڑ کاٹ کر رکھ دیتا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ ﴾ بے شک اللہ خطا کار گناہ گاروں کو توبہ واستغفار کی توفیق عطا کر کے اور ان کو مصائب میں مبتلا کر کے بخش دیتا ہے ﴿ حَلِیْمٌ ﴾ یعنی جو کوئی اس کی نافرمانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ وہ اسے توبہ وانابت کے لئے اپنی طرف بلاتا ہے اگر وہ توبہ کر کے اس کی طرف لوٹ آئے تو وہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اسے ایسے کر دیتا ہے جیسے اس سے کوئی گناہ اور عیب صادر ہی نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے اس احسان پر اللہ تعالیٰ ہی کی حمد وثنا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ ہو تم مانند ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اور کہا انہوں نے واسطے اپنے بھائیوں کے جب سفر کیا انہوں نے

فِی الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّی لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَ مَا قُتِلُوْا ۚ لِیَجْعَلَ اللّٰهُ

زمین میں یا تھے وہ لڑنے والے' اگر ہوتے وہ ہمارے پاس تو نہ مرتے وہ اور نہ قتل کیے جاتے' تاکہ کر دے اللہ

ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۵۶﴾

اس (فاسد خیال) کو پچھتاوا ان کے دلوں میں اور اللہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اللہ ساتھ اس کے' جو تم کرتے ہو' خوب دیکھنے والا ہے○

وَ لَىِٕنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا

اور البتہ اگر قتل کر دیے گئے تم اللہ کے راستے میں یا مر گئے' تو البتہ بخشش اللہ کی اور رحمت' بہت بہتر ہے اس سے جو

یَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَ لَىِٕنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

وہ جمع کرتے ہیں○ اور البتہ اگر تم مر گئے یا قتل کر دیے گئے' تو یقیناً اللہ ہی کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے○

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے اہل ایمان بندوں کو کفار اور منافقین وغیرہ کی مشابہت اختیار کرنے سے روکا ہے جو اپنے رب اور اس کی قضا وقدر پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس نے ہر چیز میں ان کی مشابہت اختیار کرنے سے روکا ہے۔ خاص طور پر اس معاملے میں کہ وہ اپنے دینی یا نسبی بھائیوں سے کہتے ہیں: ﴿ اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ ﴾

یعنی جب تجارت وغیرہ کے لئے سفر کرتے ہیں ﴿أَوْ كَانُوا غُزًّى﴾ یا وہ غزوات کے لئے نکلتے ہیں۔ پھر اس دوران میں انہیں موت آ جاتی ہے یا وہ قتل ہو جاتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں ﴿لَّوْ كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا﴾ ''اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو وہ نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے'' یہ ان کا جھوٹ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿قُل لَّوْ كُنتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَىٰ مَضَاجِعِهِمْ﴾ (آل عمران: ۱۵۴/۳) ''کہہ دو اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں قتل ہونا لکھا تھا تو وہ اپنی اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔'' مگر اس تکذیب نے ان کو کوئی فائدہ نہ دیا البتہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول اور عقیدے کو ان کے دلوں میں حسرت بنا دیا پس ان کی مصیبت میں اور اضافہ ہو گیا۔ رہے اہل ایمان' تو وہ جانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے پس وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے تسلیم کرتے ہیں اور یوں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو ہدایت دیتا ہے اور ان کو مضبوط کر دیتا ہے اور اس طرح ان کی مصیبت میں تخفیف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ منافقین کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَاللَّهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾ یعنی زندہ کرنے اور موت دینے کا اختیار وہ اکیلا ہی رکھتا ہے۔ اس لئے صرف احتیاط تقدیر سے نہیں بچا سکتی۔ ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ ''اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو دیکھ رہا ہے۔'' اس لئے وہ تمہارے اعمال اور تمہاری تکذیب کا بدلہ ضرور دے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہو جانا یا مر جانا' اس میں کوئی نقص یا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے پرہیز کیا جائے بلکہ یہ تو ایک ایسا معاملہ ہے جس میں رغبت کے لئے لوگوں کو مسابقت کرنی چاہئے کیونکہ یہ ایک سبب ہے جو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت تک پہنچاتا ہے۔ اور یہ اس دنیاوی مال ومتاع سے کہیں بہتر ہے جسے دنیا والے جمع کرتے ہیں۔ نیز مخلوق کو جب بھی موت آئے گی یا کسی بھی حالت میں ان کو قتل کیا جائے انہیں اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ اس لئے اللہ کے سوا کوئی جائے فرار نہیں اور مخلوق کو کوئی بچانے والا نہیں' سوائے اس کے کہ اس کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا جائے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنتَ لَهُمْ ۖ وَلَوْ كُنتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانفَضُّوا

پس بہ سبب رحمت کے اللہ کی' نرم ہو گئے آپ ان کے لیے' اور اگر ہوتے آپ تندخو سخت دل' تو ضرور منتشر ہو جاتے وہ

مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ ۖ فَإِذَا

آپ کے پاس سے' پس آپ معاف کر دیں انہیں اور بخشش مانگیں ان کیلئے اور مشورہ کریں ان سے (اہم) معاملے میں' پس جب

عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ ﴿١٥٩﴾

پختہ ارادہ کر لیں آپ تو توکل کریں اللہ پر' بلاشبہ اللہ پسند کرتا ہے توکل کرنے والوں کو ○

یعنی یہ آپ پر اور آپ کے اصحاب پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور یہ اللہ کا آپ پر احسان ہے کہ آپ ان کے لئے نہایت نرم دل ہو گئے' آپ ان سے نہایت مہربانی اور شفقت سے پیش آتے ہیں اور ان کے ساتھ آپ کا خلق بہت اچھا ہے اس لئے وہ آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور وہ آپ سے محبت کرتے اور آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ ﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا﴾ یعنی اگر آپ بد اخلاق ہوتے ﴿غَلِيظَ الْقَلْبِ﴾ یعنی سخت دل ہوتے ﴿لَا نْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ ''تو وہ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے'' کیونکہ بد خوئی اور سخت دلی لوگوں کو متنفر اور ان کے دلوں میں بغض پیدا کرتی ہے۔ پس دنیاوی سربراہ کے اچھے اخلاق لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف کھینچتے ہیں اور دین کے بارے میں لوگوں میں رغبت پیدا کرتے ہیں اس کے علاوہ وہ لوگوں میں قابل تعریف اور اللہ کے ہاں اجر خاص کا مستحق ہوتا ہے اور دینی سربراہ کے برے اخلاق لوگوں کو دین سے متنفر کرتے اور دین کے بارے میں لوگوں میں بغض پیدا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بد خو دینی سربراہ قابل مذمت اور خاص سزا کا مستحق ہے۔ یہ رسول معصوم (ﷺ) ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے تب کسی دوسرے کا کیا حال ہوگا۔

کیا یہ سب سے زیادہ واجب اور سب سے زیادہ اہم بات نہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کی پیروی کریں اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اور لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف راغب کرنے کے لئے ہم ان کے ساتھ نرمی' حسن خلق اور الفت کے ساتھ پیش آئیں جیسے رسول اللہ ﷺ پیش آیا کرتے تھے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ ان کی کوتاہیاں معاف کر دیں جو آپ کے حق میں ان سے صادر ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حق میں جو کوتاہیاں ان سے سرزد ہوئی ہیں اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے بخشش طلب کریں اور اس طرح عفو اور احسان کو یکجا کر دیں۔ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ یعنی ان امور میں ان سے مشورہ کریں جو مشاورت اور فکر و نظر کے محتاج ہیں۔ کیونکہ مشاورت میں بہت سے فوائد اور بے شمار دینی اور دنیاوی مصالح ہیں۔ جیسے:

۱۔ مشاورت دینی عبادات میں شمار ہوتی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ مشاورت میں لوگوں کی دل جوئی اور اس قلق کا ازالہ ہوتا ہے جو حوادث کے وقت دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جس شخص کے ہاتھ میں لوگوں کے معاملات کا اختیار ہوتا ہے' جب وہ کسی حادثہ اور اہم موقع پر اہل رائے اور اہل فضیلت اصحاب کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتا ہے تو لوگوں کے دل اس پر مطمئن ہو جاتے ہیں اور وہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ہی رائے کو ترجیح نہیں دیتا بلکہ وہ تمام لوگوں کے لئے کلی مصلحت عامہ میں غور و فکر کرتا ہے۔ تب وہ اس کی اطاعت کی پوری کوشش کرتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ وہ مصالح عامہ میں تگ و دو کرتا ہے۔ اس

کے برعکس جو یہ طرز عمل اختیار نہیں کرتا لوگ اس سے سچی محبت کرتے ہیں نہ اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اگر وہ اس کی اطاعت کرتے بھی ہیں تو یہ اطاعت کامل نہیں ہوتی۔

۳۔ مشاورت میں افکار نکھر کر سامنے آجاتے ہیں کیونکہ ان کو ان کے اصل مقام پر استعمال کیا جاتا ہے اور اس طرح لوگوں کی عقل وفہم میں اضافہ ہوتا ہے۔

۴۔ مشاورت کے نتیجے میں صحیح رائے سامنے آجاتی ہے مشاورت سے کام لینے والا عام طور پر غلطی نہیں کرتا۔ اگر اس سے غلطی سرزد ہو بھی جائے یا مقصد پورا نہ ہو تو وہ ملامت کا مستحق نہیں ٹھہرتا۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا ہے ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ درآں حالیکہ آپ لوگوں میں سب سے زیادہ عقل، سب سے زیادہ علم اور سب سے افضل رائے رکھتے ہیں...... تو وہ دوسروں کو یہ حکم کیسے نہ دے گا؟ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِذَا عَزَمْتَ﴾ یعنی اگر کسی ایسے معاملے میں جس میں مشاورت کی حاجت ہو تو مشاورت کے بعد جب آپ کوئی عزم کر لیں ﴿فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ تو اپنی طاقت اور اپنی دوربینی پر بھروسہ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی قوت وقدرت پر بھروسہ کریں ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کے پاس پناہ لیتے ہیں۔

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي

اگر مدد کرے تمہاری اللہ تو نہیں کوئی غالب آنے والا تم پر اور اگر وہ (بے مدد) چھوڑ دے تمہیں، تو پس کون ہے جو

يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١٦٠﴾

مدد کرے تمہاری بعد اس کے؟ اور اللہ ہی پر پس چاہیے کہ توکل کریں مومن ○

اگر اللہ تعالیٰ اپنی فتح ونصرت اور اعانت کے ذریعے سے تمہاری مدد کرے ﴿فَلَا غَالِبَ لَكُمْ﴾ تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا' خواہ دنیا کے تمام گوشوں سے جمع ہو کر لوگ تمہارے خلاف کیوں نہ آجائیں اور خواہ ان کے پاس کتنی ہی زیادہ تعداد اور کتنا ہی سروسامان کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تمام بندے اس کے سامنے مغلوب ومقہور ہیں۔ ان کی پیشانی اس کے قبضہ قدرت میں ہے' پس کوئی جاندار اس کی اجازت کے بغیر حرکت کر سکتا ہے نہ اس کی اجازت کے بغیر سکون اختیار کر سکتا ہے۔ ﴿وَإِنْ يَخْذُلْكُمْ﴾ ''اور اگر وہ تمہاری مدد نہ کرے''، یعنی تمہیں تمہارے نفس کے حوالے کر دے ﴿فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ﴾ ''پس کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے؟'' اس لئے اگر تمام مخلوق بھی تمہاری اعانت پر مجتمع ہو جائے تو پھر بھی تم مدد سے محروم ہو گے۔ یہ آیت کریمہ اس حکم کو متضمن ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے فتح ونصرت طلب کی جائے' اسی پر بھروسہ کیا جائے اور اپنی طاقت وقدرت سے براءت کا اظہار کیا جائے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَعَلَى اللَّهِ

﴿ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴾ معمول کو عامل سے قبل لانا حصر کا معنی دیتا ہے۔ یعنی تم صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرو، کسی اور پر بھروسہ نہ کرو۔ کیونکہ یہ حقیقت معلوم ہے کہ وہ اکیلا مدد کرنے والا ہے۔ اس لئے اس پر اعتماد اور بھروسہ کرنا توحید ہے اور اس سے مقصود و مطلوب حاصل ہوتا ہے اور کسی دوسرے پر بھروسہ کرنا شرک ہے اور بھروسہ کرنے والے کو کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ نقصان دہ ہے۔ اس آیت میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا حکم ہے اور بندۂ مومن کے ایمان کے مطابق ہی اس کا توکل ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ۚ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ

اور نہیں لائق کسی نبی کے خیانت کرنا اور جو خیانت کرے گا تو آئے گا وہ ساتھ اس چیز کے جس کی خیانت کی دن قیامت کے پھر

تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾

پورا (بدلہ) دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا اور وہ نہیں ظلم کیے جائیں گے ○

یہاں (غلول) سے مراد ہے مال غنیمت چھپانا اور اس چیز میں خیانت کرنا جس کا اسے منتظم بنایا گیا ہے۔ خیانت کے حرام ہونے پر اتفاق ہے بلکہ اس کا شمار کبائر میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہ آیت کریمہ اور دیگر نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ مال غنیمت میں خیانت کرنا ایک نبی کے شایان شان نہیں۔ کیونکہ مال غنیمت میں خیانت، جیسا کہ آپ کو علم ہے۔۔۔ سب سے بڑا گناہ اور بدترین عیب ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام کو ہر عیب سے محفوظ رکھا ہے جو ان میں کسی اعتراض کا باعث بن سکتا تھا۔ اخلاق و اطوار کے لحاظ سے انہیں دنیا میں افضل ترین انسان، سب سے زیادہ پاک نفوس کے مالک اور سب سے زیادہ طیب و طاہر ہستیاں بنایا ہے اور انہیں ہر عیب سے پاک کیا ہے۔ انہیں اپنی رسالت کا محل اور اپنی حکمت کا خزانہ بنایا ہے۔ ﴿ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ﴾ (الانعام: ۶/۱۲۴) "اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اس کی رسالت کا کون سا محل ہے اور وہ اپنی رسالت کسے عنایت فرمائے"۔

ان میں سے کسی ایک رسول کے بارے میں بندے کا مجرد علم، تمام رسولوں کے ہر عیب سے محفوظ اور سلامت ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیتا ہے اور انبیاء و مرسلین کے بارے میں ان کے دشمنوں کی طرف سے جو کچھ کہا گیا ہے اس کے فاسد ہونے پر کسی دلیل کی حاجت نہیں، کیونکہ ان کی نبوت کی معرفت ان تمام اعتراضات کو دفع کرنے کو مستلزم ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے اسلوب کے ساتھ ذکر کیا جو اس فعل کے وجود کو مانع ہے چنانچہ فرمایا: ﴿ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ ﴾ یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نبوت کے لئے چنا ہے اس کے بارے میں یہ ممتنع اور محال ہے کہ وہ مال غنیمت میں خیانت کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت میں خیانت کرنے والوں کے لئے وعید سنائی ہے، فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴾ یعنی مال غنیمت میں خیانت کرنے والا قیامت

کے روز اس مال کو خواہ وہ کوئی حیوان ہے یا مال و متاع وغیرہ اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے آئے گا اور اس مال کے ذریعے سے اسے عذاب دیا جائے گا۔

﴿ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ﴾ یعنی مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کو اس کی خیانت کی مقدار کے مطابق اس کے گناہ کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ﴾ ''اور ان پر ظلم نہیں ہوگا'' یعنی ان کی برائیوں میں اضافہ اور ان کی نیکیوں میں کمی نہیں کی جائے گی اس آیت کریمہ میں آپ اس حسن احتراز (مفہوم مخالف سے بچاؤ کے احسن پیرائے) پر غور کیجئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی سزا کا ذکر کیا ہے کہ وہ قیامت کے روز خیانت شدہ مال کے ساتھ آئے گا اور چونکہ وہ اس غنیمت میں خیانت کرنے والے کی پوری جزا کا ذکر کرنا چاہتا ہے اور اس میں صرف غنیمت میں خیانت کی سزا کے ذکر پر اقتصار کیا ہے۔ یوں اس آیت کے مفہوم مخالف سے یہ وہم لازم آتا ہے کہ دیگر عمل کرنے والوں کو ہو سکتا ہے کہ پورا پورا بدلہ نہ دیا جائے۔ اس لئے یہاں ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو غنیمت میں خیانت کرنے والوں اور دیگر عمل کرنے والوں، دونوں کے لئے جامع ہے۔

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ

کیا پس جس نے پیروی کی رضائے الٰہی کی مانند اس شخص کے ہوگا جو لوٹا ساتھ ناراضی کے اللہ کی اور ٹھکانا اس کا جہنم ہے؟ اور وہ بری ہے

الْمَصِيْرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

جگہ لوٹنے کی ○ وہ (الگ الگ) درجوں پر ہوں گے اللہ کے ہاں، اور اللہ دیکھنے والا ہے ساتھ اس کے جو وہ کرتے ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ شخص، جس کا مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے مطابق اس کے اعمال ہوں، اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو گناہوں میں مشغول ہے اور اپنے رب کو ناراض کرنے میں لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم، اس کی حکمت اور فطرت انسانی میں یہ دونوں قسم کے اشخاص مساوی نہیں ہو سکتے ﴿أَفَمَنْ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا ۭ لَا يَسْتَوٗنَ﴾ (السجدہ: ۱۸/۳۲) ''بھلا جو شخص مومن ہے وہ اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو فاسق ہے؟ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔'' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ''لوگوں کے مختلف درجے ہیں اللہ کے ہاں'' یعنی یہ تمام لوگ اپنے اعمال میں تفاوت کی بنا پر اپنے درجات اور منزلت میں بھی متفاوت ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی پیروی کرنے والے بلند درجات و منازل اور بالاخانوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کے مطابق اپنے فضل و کرم سے انہیں عطا کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے سبب والے امور کی پیروی کرنے والے پست سے پست اور فروترین ٹھکانے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے

اعمال کو دیکھتا ہے اور ان کا کوئی عمل اس سے چھپا ہوا نہیں۔ بلکہ ان کے تمام اعمال اس کے احاطہ علم میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو لوح محفوظ میں ثبت کر رکھا ہے اور اس کے امین و کریم فرشتے ان اعمال کو لکھ کر محفوظ رکھتے ہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

تحقیق احسان کیا اللہ نے مومنوں پر جب بھیجا ان میں ایک رسول انہی میں سے وہ تلاوت کرتا ہے ان پر

اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا

اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھلاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت' اور بلاشبہ تھے وہ

مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

اس سے پہلے گمراہی ظاہر میں ○

النصف

اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ احسان جو اس نے اپنے بندوں پر کیا ہے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے' بلکہ اصل نعمت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس رسول کریم ﷺ کو مبعوث فرما کر ان پر بہت بڑا احسان کیا۔ جس کے ذریعے سے اس نے ان کو گمراہی کے گڑھے سے بچایا اور انہیں ہلاکت سے محفوظ کیا۔ پس فرمایا: ﴿ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ ﴾ ''یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا' جو بھیجا ان میں رسول انہی میں سے'' یعنی وہ اس کا حسب و نسب' اس کے احوال اور اس کی زبان جانتے ہیں۔ وہ ان کی اپنی قوم اور ان کے اپنے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے وہ ان کے لئے خیر خواہی کے جذبات رکھتا اور ان پر بہت شفیق اور مہربان ہے۔ ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ یعنی وہ ان کو ان آیات کے الفاظ اور معانی سکھاتا ہے ﴿ وَيُزَكِّيْهِمْ ﴾ یعنی وہ ان کو شرک' گناہ' رذائل اور دیگر تمام برے اخلاق و اطوار سے پاک کرتا ہے ﴿ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ ﴾ ''اور انہیں کتاب سکھاتا ہے'' یا تو اس سے مراد جنس کتاب ہے جو کہ قرآن مجید ہے تب اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ ﴾ سے مراد آیات کونیہ ہوں گی۔ یا کتاب سے مراد ''کتابت'' ہے تب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتاب اور کتابت کی تعلیم دے کر ان پر بڑا احسان کیا ہے' جس کے ذریعے سے علوم حاصل کئے جاتے ہیں اور ان کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ ﴿ وَالْحِكْمَةَ ﴾ یہاں حکمت سے مراد سنت ہے جو کہ قرآن مجید کی مانند ہے نیز اس سے مراد تمام اشیاء کو اپنے اپنے مقام پر رکھنا اور اسرار شریعت کی معرفت بھی ہے۔

پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے تعلیم احکام' تنفیذ احکام کے ذرائع اور ان احکام کے فوائد و ثمرات کے حصول کے ذرائع کو جمع کر دیا۔ پس وہ ان عظیم امور کی بنا پر تمام لوگوں سے آگے نکل گئے اور ان کا شمار علمائے ربانی میں ہونے لگا۔ ﴿ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ ﴾ یعنی اس رسول ﷺ کی بعثت سے قبل ﴿ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴾ ''وہ کھلی گمراہی میں تھے'' اور اپنے رب تک پہنچانے والے راستے کی معرفت سے محروم تھے اور نہ انہیں اس طریق کا علم تھا جو ان کا

تزکیہ نفس کر کے ان کو پاک کرے بلکہ وہ تو اس راستے پر گامزن تھے جو ان کی جہالت کو مزین کرتا تھا۔ خواہ یہ جہالت تمام جہانوں کی عقل کے متناقض ہی کیوں نہ ہو۔

أَوَلَمَّآ أَصَٰبَتۡكُم مُّصِيبَةٞ قَدۡ أَصَبۡتُم مِّثۡلَيۡهَا قُلۡتُمۡ أَنَّىٰ هَٰذَاۖ قُلۡ هُوَ
کیا جب (احد کے دن) پہنچی تمہیں مصیبت حالانکہ پہنچا چکے تھے تم (بدر کے دن) دوگنی اس سے تو کہا تم نے کہاں سے آئی یہ؟ کہہ دیجیے! وہ
مِنۡ عِندِ أَنفُسِكُمۡۗ إِنَّ ٱللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيۡءٖ قَدِيرٞ ﴿١٦٥﴾ وَمَآ أَصَٰبَكُمۡ يَوۡمَ ٱلۡتَقَى
تمہاری ہی طرف سے ہے، بلاشبہ اللہ اوپر ہر چیز کے خوب قادر ہے ○ اور جو کچھ پہنچا تمہیں جس دن ملیں
ٱلۡجَمۡعَانِ فَبِإِذۡنِ ٱللَّهِ وَلِيَعۡلَمَ ٱلۡمُؤۡمِنِينَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعۡلَمَ ٱلَّذِينَ نَافَقُواْۚ وَقِيلَ
دو جماعتیں، پس ساتھ حکم اللہ کے اور تاکہ جان لے وہ مومنوں کو ○ اور تاکہ جان لے وہ ان لوگوں کو جنہوں نے منافقت کی اور کہا گیا
لَهُمۡ تَعَالَوۡاْ قَٰتِلُواْ فِي سَبِيلِ ٱللَّهِ أَوِ ٱدۡفَعُواْۖ قَالُواْ لَوۡ نَعۡلَمُ قِتَالٗا لَّٱتَّبَعۡنَٰكُمۡۗ
ان سے آؤ! لڑو! اللہ کے راستے میں یا (دشمن کو) دفع کرو! تو انہوں نے کہا اگر جانتے ہم لڑائی کو تو ضرور ساتھ چلتے ہم تمہارے،
هُمۡ لِلۡكُفۡرِ يَوۡمَئِذٍ أَقۡرَبُ مِنۡهُمۡ لِلۡإِيمَٰنِۚ يَقُولُونَ بِأَفۡوَٰهِهِم مَّا لَيۡسَ
وہ کفر کے اس دن زیادہ قریب تھے ان سے، بہ نسبت ایمان کے، کہتے تھے ساتھ اپنے مونہوں کے وہ جو نہیں تھا
فِي قُلُوبِهِمۡۚ وَٱللَّهُ أَعۡلَمُ بِمَا يَكۡتُمُونَ ﴿١٦٧﴾ ٱلَّذِينَ قَالُواْ لِإِخۡوَٰنِهِمۡ وَقَعَدُواْ
ان کے دلوں میں، اور اللہ خوب جانتا ہے ساتھ اسکے جو وہ چھپاتے ہیں ○ وہ لوگ جنہوں نے کہا اپنے بھائیوں سے جب کہ وہ خود بیٹھے رہے
لَوۡ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُواْۗ قُلۡ فَٱدۡرَءُواْ عَنۡ أَنفُسِكُمُ ٱلۡمَوۡتَ
اگر اطاعت کرتے وہ ہماری تو نہ قتل کئے جاتے وہ، کہہ دیجیے! تو ٹال لو تم اپنے نفسوں سے موت کو
إِن كُنتُمۡ صَٰدِقِينَ ﴿١٦٨﴾
اگر ہو تم سچے ○

جب اہل ایمان کو غزوۂ احد میں بہت بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا اور ان میں سے تقریباً ستر صحابہ نے جام شہادت نوش کیا۔ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے ان مومن بندوں کے لئے تسلی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قَدۡ أَصَبۡتُم مِّثۡلَيۡهَا﴾ ”پہنچا چکے ہو تم اس سے دوچند“ یعنی تمہارے ہاتھوں سے دشمنوں پر دوچند مصیبت پڑ چکی ہے۔ تم نے ان کے ستر آدمیوں کو قتل کیا اور ستر آدمیوں کو قیدی بنایا تھا۔ بنا بریں تمہارے لئے یہ معاملہ آسان اور تم پر یہ مصیبت ہلکی ہونی چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ تم اور وہ برابر نہیں ہو۔ تمہارے مقتول جنت میں ہیں اور ان کے مقتول جہنم میں۔

﴿قُلۡتُمۡ أَنَّىٰ هَٰذَاۖ﴾ ”تم نے کہا، یہ کہاں سے آئی؟“ یعنی یہ مصیبت جو ہمیں پہنچی ہے اور یہ ہزیمت جو ہمیں اٹھانا

پڑی ہے کہاں سے آ گئی؟ ﴿قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ﴾ یہ مصیبت تمہارے نفس ہی کی طرف سے وارد ہوئی ہے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ چیز دکھائی جسے تم پسند کرتے تھے اس کے بعد تم نے آپس میں جھگڑا کیا اور رسول کے حکم کی نافرمانی کی پس اپنے ہی نفسوں کو ملامت کرو اور ہلاکت کے اسباب سے بچو ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ پس اللہ تعالیٰ کے بارے میں برے گمان سے بچو۔ وہ تمہاری مدد کرنے پر قادر ہے مگر تمہیں آزمائش اور مصیبت میں مبتلا کرنے میں اس کی کامل حکمت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ذٰلِكَ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ﴾ (محمد: ٤٧/٤) ''یہ (حکم یاد رکھو) ''اگر اللہ چاہتا تو ان سے انتقام لے لیتا مگر وہ ایک دوسرے کے ذریعے سے تمہاری آزمائش کرتا ہے''۔

پھر اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ دونوں لشکروں یعنی مسلمانوں کے لشکر اور کفار کے لشکر میں مڈبھیڑ ہونے کے روز احد میں' ان کو ہزیمت اور قتل کی جو مصیبت پہنچی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قضا و قدر سے پہنچی۔ جس کو کوئی روکنے والا نہیں' لہذا اس مصیبت کا واقع ہونا ایک لابدی امر تھا اور جب امر قدری نافذ ہو جائے تب اس کے سامنے سر تسلیم خم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں اور یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ اس نے اس امر کو عظیم حکمتوں اور بہت بڑے فوائد کے لئے مقدر کیا ہے۔ تاکہ جب مسلمانوں کو جنگ کا حکم دیا جائے تو اس امر قدری کے ذریعے سے مومن اور منافق کے مابین فرق واضح ہو جائے۔

﴿وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اور ان سے کہا گیا کہ آؤ! اللہ کی راہ میں لڑو'' یعنی تم دین کی مدافعت اور حمایت اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر اللہ کے راستے میں جنگ کرو ﴿اَوِ ادْفَعُوْا﴾ ''یا دشمن کو دفع کرو'' یعنی اگر تمہاری نیت صالح نہیں ہے تو پھر تم اپنے حرم اور شہر کے دفاع کی خاطر لڑو۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا اور عذر یہ پیش کیا ﴿قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ﴾ یعنی اگر ہم یہ جانتے ہوتے کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے' حالانکہ وہ اس میں جھوٹے تھے۔ وہ جانتے تھے اور انہیں یقین تھا بلکہ ہر شخص جانتا تھا کہ مشرکین کو اہل ایمان نے شکست دی ہے اس لئے مشرکین کے دل اہل ایمان کے بارے میں غیظ وغضب سے لبریز ہیں۔ ان سے انتقام لینے کے لئے مشرکین نے مال خرچ کیا۔ اہل ایمان کے خلاف لوگوں اور سامان حرب کو اکٹھا کرنے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کر دی ہے اور وہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ اہل ایمان پر ان کے شہر میں حملہ آور ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی میں ان میں سخت جوش و خروش پایا جاتا ہے۔ جب حملہ آوروں کی یہ حالت اور کیفیت ہو تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان جنگ نہیں ہوگی۔ خاص طور پر جبکہ مسلمان کفار کا مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ سے باہر نکل آئے تھے؟۔۔۔ یہ محال ہے۔ مگر منافقین کا خیال تھا کہ ان کا یہ عذر مسلمانوں کو مطمئن کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ﴾ ''وہ اس دن کفر کے'' یعنی اس حال میں جس میں انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر نکلنے سے انکار کیا ﴿أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ﴾ ''زیادہ قریب ہیں' بہ نسبت ایمان کے' اپنے منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں'' یہ منافقین کی خاصیت ہے کہ وہ اپنے کلام اور افعال سے وہ کچھ ظاہر کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں چھپے ہوئے خیالات اور ارادوں کی ضد ہوتا ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ ﴿لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ﴾ بھی اسی زمرے میں آتا ہے کیونکہ انہیں علم تھا کہ جنگ ضرور ہوگی۔

اس آیت کریمہ میں اس فقہی قاعدہ پر دلیل ملتی ہے ''کہ بوقت ضرورت بڑی برائی کو روکنے کے لئے چھوٹی برائی کو اختیار کرنا جائز ہے۔ اسی طرح دو مصلحتوں میں سے اگر بڑی مصلحت پر عمل کرنے سے عاجز ہو تو اسے چھوڑ کر کم تر مصلحت پر عمل کرنا جائز ہے''۔ اس لئے کہ منافقین کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ دین کے لئے جنگ کریں۔ اگر وہ دین کے لئے جنگ نہیں کرتے تو اپنے اہل و عیال اور وطن کے دفاع کے لئے ہی جنگ کریں ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ﴾ ''اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں'' پس وہ اسے اپنے مومن بندوں کے سامنے ظاہر کرے گا اس پر ان منافقین کو سزا دے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا لَوْ أَطَاعُونَا مَا قُتِلُوا﴾ ''وہ لوگ جنہوں نے کہا اپنے بھائیوں سے اور خود بیٹھے رہے' اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے'' یعنی انہوں نے دو برائیوں کو اکٹھا کر لیا تھا' جہاد سے جی چرا کر پیچھے رہنا اور اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر اعتراض اور اس کی تکذیب کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ فَادْرَءُوا﴾ یعنی دور ہٹا دو ﴿عَنْ أَنفُسِكُمُ الْمَوْتَ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ﴾ ''اپنے اوپر سے موت کو' اگر تم سچے ہو'' یعنی اگر تم یہ کہنے میں سچے ہو کہ اگر وہ تمہاری بات مانتے تو کبھی قتل نہ ہوتے۔ تم اس پر قدرت نہیں رکھتے اور نہ تم ان کو قتل ہونے سے بچانے کی استطاعت رکھتے ہو۔ ان آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بندے میں کبھی کبھی کفر کی کوئی خصلت ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ایمان کی خصلت بھی اس کے اندر موجود ہوتی ہے۔ اور کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ ایک خصلت کی نسبت دوسری خصلت کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قُتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتًا ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ عِندَ رَبِّهِمْ

اور نہ ہرگز گمان کریں آپ ان لوگوں کو جو قتل کر دیے گئے اللہ کے راستے میں' مردے' بلکہ (وہ) زندہ ہیں نزدیک اپنے رب کے

يُرْزَقُونَ ﴿١٦٩﴾ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ

وہ رزق دیے جاتے ہیں ○ وہ خوش ہیں ان پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوشی محسوس کرتے ہیں وہ ساتھ ان کے جو

لَمْ يَلْحَقُوا بِهِم مِّنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٧٠﴾ يَسْتَبْشِرُونَ

نہیں ملے ان کو ان کے پیچھے سے' یہ کہ نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ وہ خوشی محسوس کرتے ہیں

وقف لازم

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

ساتھ احسان کے اللہ کی طرف سے اور (ساتھ اس کے) فضل کے اور اس پر کہ بلا شبہ اللہ نہیں ضائع کرتا اجر مومنوں کا○

ان آیات کریمہ میں شہداء کی کرامت اور فضیلت بیان کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا ذکر ہے جن سے شہداء کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان سے نوازا ہے اور اسی ضمن میں ان زندہ لوگوں کے لئے تسلی اور تعزیت ہے جن کے اقرباء نے جام شہادت نوش کیا تھا۔ نیز ان کو جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دینا اور ان میں شوق شہادت پیدا کرنا ہے اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ یعنی جو دشمنان دین کے ساتھ اس قصد کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو قتل ہو گئے ﴿ اَمْوَاتًا ﴾ ”ان کو مردہ گمان مت کرو“ یعنی ان کے بارے میں تمہارے دل میں اس خیال کا گزر بھی نہ ہو کہ وہ موت سے ہم کنار ہو کر مفقود ہو گئے اور دنیاوی زندگی کی لذات ان سے دور ہو گئیں اور وہ دنیا کی رنگینیوں سے متمتع ہونے سے محروم ہو گئے۔ جن سے محرومی کے خوف اور بزدلی کی وجہ سے جہاد سے گریز کیا جاتا اور شہادت سے بچا جاتا ہے۔ ﴿ بَلْ ﴾ بلکہ وہ اس سے بھی بلند مراتب حاصل کر چکے ہیں جن کے حصول کے لئے لوگ بڑھ چڑھ کر کوشش کرتے ہیں ﴿ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ ﴾ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عزت و تکریم کے گھر میں زندہ ہیں۔ (عِنْدَ رَبِّهِمْ) کا لفظ ان کے بلند درجات اور ان کے رب کے قرب پر دلالت کرتا ہے ﴿ يُرْزَقُوْنَ ﴾ یعنی ان انواع و اقسام کی نعمتوں سے رزق عطا کیا جاتا ہے جن کے اوصاف کو صرف وہی ہستی جانتی ہے جس نے ان کو یہ نعمتیں عطا کی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ﴿ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ یعنی ان نعمتوں کے حصول پر وہ خوش ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھیں ٹھنڈی اور نفس خوش ہوتے ہیں۔ یہ فرحت ان نعمتوں کی خوبصورتی' ان کی کثرت و عظمت' ان نعمتوں تک پہنچنے میں کامل لذت اور ان نعمتوں کے کبھی ختم نہ ہونے کی بنا پر ہو گی۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے رزق کے ذریعے سے بدنی نعمت اور اپنے فضل و کرم پر فرحت کے ذریعے سے قلبی اور روحانی نعمت کو جمع کر دیا ہے۔

پس ان کے لئے نعمت اور مسرت کی تکمیل ہو گئی ﴿ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ﴾ یعنی وہ ایک دوسرے کو اپنے ان بھائیوں کے پہنچنے پر جو ابھی تک نہیں پہنچے' خوشخبری دیتے ہیں نیز ان کو بھی وہی نعمتیں حاصل ہوں گی جن سے وہ بہرہ ور ہو چکے ہیں ﴿ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ یعنی ڈرانے والے امور کے ان سے اور ان کے بھائیوں سے زائل ہونے کی وجہ سے، بہت خوش ہوں گے جن کا زوال کامل مسرت کو مستلزم ہے۔ ﴿ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ﴾ وہ ایک دوسرے کو ہدیہ تبریک پیش کر رہے ہوں گے اور یہ ان کے رب کی نعمت اور اس کا فضل و کرم ہے۔ ﴿ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ اور اللہ اہل ایمان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا بلکہ وہ اسے بڑھاتا ہے اس کی قدر کرتا ہے اپنے فضل و کرم سے اس میں اتنا اضافہ کرتا ہے کہ ان کی

کوشش وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتی۔ ان آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ برزخ میں بھی نعمتیں عطا ہوں گی اور برزخ میں شہداء اپنے رب کے پاس بلند ترین مقامات پر فائز ہوں گے۔ نیز نیک ارواح ایک دوسرے سے ملاقات اور ایک دوسرے کی زیارت کرتی ہیں اور ایک دوسرے کو خوشخبری دیتی ہیں۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ

وہ لوگ جنہوں نے حکم مانا اللہ اور رسول کا بعد اس کے کہ پہنچا انہیں زخم واسطے ان لوگوں کے

اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ

جنہوں نے احسان کیا ان میں سے اور تقویٰ اختیار کیا' اجر ہے بہت بڑا ○ وہ لوگ کہ کہا ان سے لوگوں نے' بلاشبہ لوگوں نے

جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ

جمع کیا ہے (لشکر) تمہارے مقابلہ میں پس ڈرو تم ان سے تو زیادہ کر دیا ان کو (اس بات نے) ایمان میں اور کہا انہوں نے' کافی ہے ہمیں اللہ اور وہ اچھا

الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا

کارساز ہے ○ پس لوٹے وہ ساتھ احسان کے اللہ سے اور فضل کے' نہیں پہنچی انہیں کوئی برائی اور پیروی کی انہوں نے

رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ

رضائے الٰہی کی اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے ○ یقیناً یہ تو شیطان ہی ہے' ڈراتا ہے وہ

اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

اپنے دوستوں سے' پس نہ ڈرو تم ان سے اور ڈرو مجھ سے اگر ہو تم مومن ○

جب رسول اللہ ﷺ احد سے مدینہ کی طرف لوٹ آئے آپ نے سنا کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھ جو مشرک ہیں وہ مدینہ پر دوبارہ حملہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے اپنے اصحاب کرام کو جنگ کے لئے نکلنے کو کہا۔ اس کے باوجود کہ صحابہ کرام سخت زخمی تھے رسول اللہ ﷺ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے نکل آئے۔ جب وہ ''حمراء الاسد'' پہنچے تو ایک آنے والے نے ان کے پاس آ کر کہا ﴿اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ﴾ اس نے خوف زدہ کرنے کی غرض سے کہا کہ لوگ تمہیں مٹانے کے لئے اکٹھے ہو رہے ہیں۔ اس کے اس قول نے اللہ تعالیٰ پر ایمان اور بھروسے میں اور اضافہ کیا اور انہوں نے کہا۔ ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ﴾ یعنی ہماری پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہے ﴿وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ اور وہ بہترین کارساز ہے اور بندوں کی تدبیر اسی کے سپرد ہے اور وہ ان کے مصالح کا انتظام کرتا ہے۔

﴿فَانْقَلَبُوْا﴾ یعنی مسلمان لوٹے ﴿بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ﴾ ''اللہ کے احسان اور فضل کے ساتھ' ان کو کوئی برائی نہ پہنچی'' جب یہ خبر مشرکین کے پاس پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام

تمہارے تعاقب میں آ رہے ہیں اور جو پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی اب نادم ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ مکہ واپس چلے گئے اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے فضل و کرم سے مستفید ہو کر لوٹے کیونکہ اس حالت میں بھی ان کو جنگ کے لئے نکلنے کی توفیق ہوئی اور انہوں نے اپنے رب پر بھروسہ کیا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے غازیوں کا پورا اجر لکھ دیا۔ پس اپنے رب کے لئے حسن اطاعت اور اس کی نافرمانی سے بچنے کی وجہ سے ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

﴿إِنَّمَا ذَٰلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ﴾ یعنی مشرکین میں سے جس نے ڈرایا اور کہا کہ لوگ تمہارے لئے اکٹھے ہو چکے ہیں۔ وہ شیطان کے داعیوں میں سے ایک داعی ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے جو ایمان سے محروم ہیں یا جن کا ایمان کمزور ہے۔ فرمایا: ﴿فَلَا تَخَافُوهُمْ وَخَافُونِ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ﴾ یعنی شیطان کے دوست مشرکین سے نہ ڈرو کیونکہ ان کی پیشانیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں' وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق ہی تصرف کر سکتے ہیں۔۔۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو اپنے ان دوستوں کی مدد کرتا ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کا خوف واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کا خوف لوازم ایمان میں شمار ہوتا ہے۔ بندہ اپنے ایمان کی مقدار کے مطابق خوف الٰہی رکھتا ہے۔ اور خوف محمود وہ ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کے ارتکاب سے روک دے۔

وَلَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ ۚ إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ

اور نہ غم میں ڈالیں آپ کو وہ لوگ جو جلدی کرتے ہیں کفر میں' بلاشبہ وہ ہرگز نہیں نقصان پہنچا سکیں گے اللہ کو کچھ بھی'

يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٦﴾

ارادہ کرتا ہے اللہ یہ کہ نہ کرے ان کے لیے کوئی حصہ آخرت میں اور ان کے لیے عذاب ہے بہت بڑا ○

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۚ

بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے خریدا کفر کو بدلے ایمان کے' ہرگز نہیں نقصان پہنچا سکیں گے وہ اللہ کو کچھ بھی

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٧﴾

اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک ○

رسول اللہ ﷺ لوگوں کی ہدایت کے بہت آرزومند تھے اور ان کو ہدایت کی راہ پر لانے کے لئے جدوجہد کرتے تھے۔ جب وہ ہدایت قبول نہ کرتے تو آپ بہت آزردہ ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا يَحْزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ﴾ یعنی ان کی کفر میں شدید رغبت اور چاہت کی وجہ سے آپ آزردہ خاطر نہ ہوں ﴿إِنَّهُمْ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا﴾ ''وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے'' پس اللہ تعالیٰ اپنے دین کا حامی و ناصر' اپنے

رسول ﷺ کی مدد کرنے والا اور ان کے بغیر اپنے حکم کو نافذ کرنے والا ہے۔ اس لئے آپ ان کی پروا نہ کریں۔ یہ محض اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں' ایمان سے محروم ہو کر اس دنیا میں اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے حقیر ہونے' اس کی نظر سے گرنے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارادے کی وجہ سے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو..... ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔ ان کی جزا یہ ہے کہ اس نے ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور انہیں اس توفیق سے نہ نوازا جو اس نے نہایت عدل و حکمت کی بنا پر اپنے اولیاء اور ان بندوں کو عطا کی جن کے ساتھ وہ بھلائی چاہتا ہے۔۔۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ راہ ہدایت کے ذریعے سے تزکیہ نفس نہیں چاہتے اور اپنے فاسد اخلاق و اطوار اور برے مقاصد کی بنا پر رشد و ہدایت کو قبول نہیں کرتے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے مقابلے میں کفر کو چن لیا پھر اس کفر میں اس شخص کی مانند رغبت کرنے لگے جو کسی محبوب مال تجارت کو خریدنے کے لئے اپنا محبوب مال خرچ کرتا ہے۔ فرمایا: ﴿لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا﴾ "وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچاتے"۔ بلکہ ان کے فعل کا نقصان خود ان کی ذات کو پہنچتا ہے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ "اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے" وہ اللہ تعالیٰ کو کیسے نقصان پہنچا سکتے ہیں' وہ ایمان سے دور بھاگتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر میں پوری طرح راغب رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے بے نیاز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لئے ان کفار کے سوا اپنے نیک اور پاک بندوں کو مقرر کر رکھا ہے اور اپنے دین کی مدد اور نصرت کے لئے اپنے پسندیدہ بندوں میں سے اصحاب عقل و بصیرت اور بڑے بڑے ذہین لوگوں کو تیار کر رکھا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ آمِنُوا بِهِ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِن قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۰۷/۱۷) "کہہ دیجیے کہ تم اس قرآن پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا جب یہ ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں"۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ

اور نہ گمان کریں کافر کہ بیشک جو ڈھیل دے رہے ہیں ہم انکو وہ بہتر ہے انکی جانوں کے لیے ہم تو صرف مہلت دیتے ہیں ان کو

لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٧٨﴾

تاکہ زیادہ ہو جائیں وہ گناہ میں اور واسطے ان کے عذاب ہے رسوا کرنے والا ○

وہ لوگ جو اپنے رب کے ساتھ کفر کرتے ہیں' اس کے دین کو دور پھینکتے ہیں اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرتے ہیں' یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا ان کو اس دنیا میں چھوڑ دینا' ان کا استیصال نہ کرنا اور ان کو مہلت دینا' ان کے لئے بہتر ہے اور ہم ان سے محبت کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں' معاملہ ایسا نہیں جیسا وہ سمجھتے ہیں۔ یہ مہلت دینا تو

ان کے حق میں برا ہے ان کی سزا اور عذاب میں اور اضافہ ہوگا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْٓا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ﴾ ''ہم تو انہیں اس لئے مہلت دیتے ہیں تا کہ وہ گناہوں میں اور ترقی کریں اور ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے'' پس اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ اس کی سرکشی بڑھ جاتی ہے اس کے رویے میں پے در پے کفر کا اظہار ہوتا ہے۔ پھر وہ اس کو غالب اور مقتدر ہستی کے طور پر پکڑ لیتا ہے۔ پس ظالموں کو اس مہلت سے ڈرنا چاہئے اور وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ اس بڑی اور بلند ہستی کی پکڑ سے رہ جائیں گے۔

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ
نہیں ہے اللہ کہ چھوڑ دے مومنوں کو اس (حالت) پر کہ ہو تم اوپر اس کے یہاں تک کہ وہ علیحدہ کر دے ناپاک کو

مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ
پاک سے اور نہیں ہے اللہ کہ مطلع کرے وہ تمہیں اوپر غیب کے لیکن اللہ پسند کر لیتا ہے

مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا
اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے پس ایمان لاؤ تم ساتھ اللہ اور اس کے رسولوں کے اور اگر تم ایمان لاؤ گے

وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾
اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لیے اجر ہے بہت بڑا○

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت نہیں کہ وہ اہل ایمان کو پرکھے بغیر خلط ملط حالت میں چھوڑ دے۔ وہ ان کو پرکھے گا اور پاک کو ناپاک میں سے مومن کو منافق میں سے اور سچے کو جھوٹے میں سے علیحدہ کرے گا۔ نیز یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت نہیں کہ اپنے بندوں کو اس غیب پر مطلع کرے جس کا علم اس نے اپنے بعض بندوں (رسولوں) کو عطا کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی حکمت تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مختلف قسم کی آزمائش اور امتحان میں مبتلا کرے تاکہ پاک میں سے ناپاک ممیز ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے اور ان کی اطاعت ان کی پیروی اور ان پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ ایمان اور تقویٰ کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ پس انبیائے کرام کی اتباع کے اعتبار سے لوگ دو اقسام میں منقسم ہیں: اطاعت گزار اور نافرمان مومنین اور منافقین مسلمان اور کفار۔ تاکہ ان پر اللہ تعالیٰ کا ثواب و عقاب مترتب ہو۔ اور تاکہ اس کا عدل و فضل اور اس کی مخلوق پر اس کی حکمت ظاہر ہو۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ
اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں ساتھ اس کے جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے کہ وہ بہتر ہے

بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ
ان کیلئے بلکہ وہ بدتر ہے انکے لیے عنقریب وہ طوق پہنائے جائیں گے اس (مال) کا کہ بخل کیا تھا انہوں نے ساتھ اسکے دن قیامت کے اور اللہ ہی کیلئے

مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾

ملکیت ہے آسمانوں اور زمین کی اور اللہ' ساتھ اس کے جو تم کرتے ہو' خوب خبردار ہے O

یعنی جو لوگ بخل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال' جاہ' علم اور دیگر چیزیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا ہے اور ان کو حکم دیا کہ ان چیزوں میں سے اس کے بندوں پر اتنا ضرور خرچ کریں جس سے خود ان کو نقصان نہ پہنچے۔ مگر انہوں نے بخل کیا اور ان چیزوں کو بندوں پر خرچ کرنے سے روک رکھا اور سمجھتے رہے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ ان کے لئے بہتر ہے (یہ ان کے لئے بہتر نہیں) بلکہ یہ تو ان کے دین و دنیا و آخرت کے لئے بدترین چیز ہے۔ ﴿ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ یعنی جس چیز کے بارے میں انہوں نے بخل کیا' اللہ تعالیٰ اسے طوق بنا کر ان کی گردن میں ڈال دے گا اور اس سبب سے انہیں عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «اِنَّ الْبَخِيْلَ يُمَثَّلُ لَهُ مَالُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهُ زَبِيْبَتَانِ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَقُوْلُ : اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ» ''قیامت کے روز بخیل کے مال کو ایک بڑا سانپ بنا دیا جائے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے وہ بخیل کو اس کے جبڑوں سے پکڑ لے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں' میں تیرا خزانہ ہوں'' پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کے مصداق کے طور پر یہی آیت تلاوت فرمائی۔[1] یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ان کا بخل ان کے لئے نفع مند اور عزت کا باعث ہے مگر معاملہ الٹ نکلا اور یہی بخل ان کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ اور عذاب کا باعث بن گیا۔

﴿ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ اقتدار اور بادشاہی کا مالک ہے تمام املاک اپنے مالک کی طرف لوٹتی ہیں اور بندے اس دنیا سے اس حالت میں جائیں گے کہ ان کے ساتھ درہم و دینار ہوں گے نہ کوئی مال و متاع۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ﴾ (مریم : ۱۹/۴۰) ''زمین اور جو لوگ اس کے اوپر ہیں ہم ہی ان کے وارث ہیں اور انہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔''

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سبب ابتدائی اور سبب انتہائی کو کیسے ذکر فرمایا ہے اور یہ دونوں اس بات کے موجب ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیزوں میں بخل نہ کرے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ بندے کے پاس اور بندے کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ بندے کی ملکیت نہیں' بلکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی نعمت ہے۔ اگر بندے پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کا احسان نہ ہوتا تو ان میں سے کوئی چیز بھی اسے عطا نہ ہوتی۔ لہذا

[1] صحيح بخاري' التفسير' باب "ولا يحسبن الذين يبخلون...... من فضله" حديث: ٤٥٦٥ بلفظ: من آتاه الله مالا فلم يؤد زكاته

جو کوئی یہ چیزیں لوگوں کو عطا کرنے میں بخل کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو لوگوں تک پہنچنے سے روکتا ہے۔ کیونکہ بندے پر اللہ تعالیٰ کا احسان اس بات کا موجب ہوتا ہے کہ وہ بندہ اللہ کے بندوں پر احسان کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ (القصص : ۷۷/۲۸) ”جیسے اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے تو بھی لوگوں کے ساتھ ویسی ہی بھلائی کر۔“

پس جسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم کو دوسروں تک پہنچانے سے کبھی نہیں رکے گا جس سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ یہ فعل اس کے دل اور مال میں اسے فائدہ ہی پہنچاتا ہے اس کے ایمان میں اضافہ کا باعث بنتا ہے اور اسے آفات سے محفوظ رکھتا ہے۔

ثانیاً: اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ یہ سب کچھ جو بندے کے ہاتھ میں ہے' اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کا وارث ہوگا اور وہ سب سے اچھا وارث ہے۔ کسی ایسی چیز میں آپ کا بخل کرنا کیا معنی رکھتا ہے جو چیز آپ کے پاس سے زائل ہو کر کسی دوسرے کے پاس منتقل ہو جائے گی۔

ثالثاً: اللہ تعالیٰ نے سبب جزائی کا ذکر فرمایا چنانچہ فرمایا: ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ جب اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھتا ہے تو یہ حقیقت اس بات کی مستلزم ہے کہ وہ اچھے اعمال پر اچھی جزا دے اور برے اعمال پر بری سزا دے۔ اب جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہے وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے باز نہیں رہ سکتا جس کا بدلہ ثواب ہے اور بخل پر راضی نہیں ہو سکتا' جو عذاب کا باعث ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿١٨١﴾ ذَٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿١٨٢﴾

وقف لازم

تحقیق سن لی اللہ نے بات ان لوگوں کی جنہوں نے کہا' بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار۔ یقیناً ہم لکھتے ہیں جو کچھ انہوں نے کہا اور ان کے قتل کرنے کو (بھی) انبیاء کا ناحق اور کہیں گے ہم چکھو عذاب جلانے والا ○ یہ بہ سبب اس کے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے اور یہ کہ اللہ نہیں ہے ظلم کرنے والا واسطے بندوں کے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ ان متکبرین کے قول سے آگاہ فرماتا ہے جنہوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں بدترین اور قبیح ترین بات کہی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ انہوں نے جو بدزبانی کی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے سن لیا ہے۔ وہ اس بدزبانی کو لکھ کر محفوظ کر لے گا اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ دیگر افعال قبیحہ بھی محفوظ کرے گا۔ مثلاً ان کا خیر خواہی کرنے والے انبیائے کرام کو ناحق قتل کرنا' اور وہ ان کو ان افعال پر سخت سزا دے گا' ان کی اس ہرزہ گوئی...... ”اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم دولت مند ہیں“...... کے بدلے میں کہا جائے گا: ﴿ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ﴾

یعنی بدن سے دل تک جلا ڈالنے والے عذاب کا مزا چکھو۔ان کو دیا گیا یہ عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظلم نہیں ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ ﴿لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ ''بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔'' وہ اس سے منزہ ہے۔فرمایا: ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ﴾ یہ رسوائیاں اور قباحتیں جو انہیں عذاب کا مستحق بناتی اور ثواب سے محروم کرتی ہیں ان کا اپنا کیا دھرا ہے۔مفسرین ذکر کرتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے مذکورہ ہرزہ سرائی کی تھی۔ان میں ''فنحاص بن عازوراء'' کا نام لیا جاتا ہے جو مدینہ میں علمائے یہود کا سرخیل تھا۔اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب فنحاص بن عازوراء نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ (البقرہ: ۲/۲۴۵) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَاَقْرَضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ (الحدید: ۵۷/۱۸) سنا تو اس وقت اس نے تکبر کی بنا پر یہ بات کہنے کی جسارت کی۔۔۔قبحه الله

اللہ تعالیٰ نے اس کی بدگوئی کا ذکر کرتے ہوئے آگاہ فرمایا کہ ان کی یہ ہرزہ سرائیاں کوئی نئی چیز نہیں ہیں بلکہ وہ اس سے پہلے بھی اس قسم کے قبیح کام کرتے رہے ہیں ان کی ایک نظیر یہ ہے کہ انہوں نے نبیوں کو ناحق قتل کیا...... یہاں ''ناحق'' کی قید لگانے سے مراد یہ ہے کہ وہ نبیوں کو لاعلمی اور ضلالت کی وجہ سے قتل نہیں کرتے تھے بلکہ اس جرم کی قباحت اور شناعت کو جانتے ہوئے بھی سرکشی اور عناد کی بنا پر قتل انبیاء علیہم السلام کے اقدام کی جرأت کرتے تھے۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ

وہ لوگ جنہوں نے کہا بلاشبہ اللہ نے عہد لیا ہے ہم سے یہ کہ نہ ایمان لائیں ہم کسی رسول پر، یہاں تک کہ لائے وہ ہمارے پاس ایسی قربانی

تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ

کہ کھا جائے اسے آگ کہہ دیجیے! تحقیق آئے تمہارے پاس کئی رسول پہلے مجھ سے ساتھ واضح دلائل کے اور ساتھ اسکے جو کہا تم نے

فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ

پھر کیوں قتل کیا تم نے ان کو اگر ہو تم سچے؟ O پس اگر جھٹلایا ہے انہوں نے آپ کو، تو تحقیق جھٹلائے گئے کئی رسول

مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

آپ سے پہلے لائے تھے وہ واضح دلائل اور صحیفے اور کتاب روشن O

اللہ تعالیٰ ان افترا پردازوں کے احوال کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے کہ جو یہ کہتے ہیں: ﴿اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ہم سے عہد لے چکا ہے اور اس نے وصیت کی ہے کہ ﴿اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ﴾ ''ہم کسی رسول پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ (آسمان سے نازل ہو کر) کھا لے۔'' پس انہوں نے یہ افترا پردازی کر کے اللہ تعالیٰ پر کذب بیانی اور

انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے معجزات کو صرف اسی ایک معجزے میں محصور کر کے یکجا کر دیا نیز یہ کہ وہ کسی ایسے رسول پر ایمان نہیں لائیں گے جس نے ایسی قربانی نہ کی ہو جسے آگ نے کھایا ہو۔ اس لئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کے سلسلے میں اپنے رب کی اطاعت اور اس کے عہد کا التزام کر رہے ہیں۔ یہ چیز معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول مبعوث فرمائے ان سب کی معجزات و براہین کے ذریعے سے تائید کی، جس پر انسان مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور جس معجزے کا انہوں نے مطالبہ کیا انبیاء علیہم السلام اس سے قاصر نہیں رہے۔ اس کے باوجود انہوں نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کو بہتان و افتراء کہہ کر اس کا التزام نہ کیا اور اسے باطل کہا اور اس پر عمل نہ کیا۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ ان سے کہہ دیں ﴿ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ ”مجھ سے پہلے کئی پیغمبر تمہارے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے۔“ یعنی وہ دلائل لے کر آئے جو ان کی صداقت کی تائید کرتے تھے ﴿ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ ﴾ اور وہ معجزہ لے کر بھی آئے جس کا تم نے مطالبہ کیا ہے یعنی انہوں نے وہ قربانی بھی کی جس کو آگ نے کھایا ﴿ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ ”اگر تم سچے ہو تو تم نے ان کو قتل کیوں کیا؟“ یعنی اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ ہم تو رسول پر اس وقت ایمان لاتے ہیں جب وہ قربانی کرے اور آگ آسمان سے نازل ہو کر اسے کھا لے تو پھر تم یہ معجزہ دکھانے والے نبیوں کو قتل کیوں کرتے تھے۔ پس اس سے ان کا جھوٹ اور تناقض واضح ہو گیا۔

پھر اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان الفاظ میں خوشخبری سنائی ہے ﴿ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ ﴾ ”پس اگر انہوں نے تمہاری تکذیب کی ہے تو تم سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور اللہ کے رسولوں کی تکذیب کرنا ان ظالموں کی عادت اور وتیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب اس وجہ سے نہ تھی کہ وہ معجزہ دکھانے سے قاصر رہے یا دلیل واضح نہ تھی بلکہ ﴿ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ یعنی وہ تو دلائل عقلیہ اور براہین نقلیہ لے کر مبعوث ہوئے ﴿ وَالزُّبُرِ ﴾ ان کے لئے آسمان سے لکھی ہوئی کتابیں نازل ہوئیں ان کتابوں کو رسول کے سوا کوئی اور نہیں لا سکتا۔ ﴿ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴾ یعنی احکام شرعی کو روشن اور عیاں کرنے والی اور یہ احکام الٰہی جن محاسن عقلی پر مشتمل ہیں ان کو بیان کرنے والی ہیں نیز سچی خبروں کو روشن کرتی ہے۔ لہذا جب ان اوصاف کے حامل رسولوں پر ایمان لانا ان کی عادت نہیں تو ان کا معاملہ آپ کو غمزدہ نہ کر دے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ

ہر نفس چکھنے والا ہے موت کو اور بلاشبہ پورے دیئے جاؤ گے تم اپنے اجر دن قیامت کے پس جو

زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ

دور کر دیا گیا آگ سے اور داخل کر دیا گیا جنت میں تو یقیناً وہ کامیاب ہو گیا اور نہیں ہے زندگانی

الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

دنیا مگر سامان دھوکے کا ○

اس آیت کریمہ میں دنیا میں زہد کی ترغیب دی گئی ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اور باقی نہیں رہے گی' یہ محض دھوکے کا سامان ہے یہ اپنی چکا چوند' اپنے غرور اور اپنی ظاہری خوبصورتی سے انسان کو دھوکے میں مبتلا کرتی ہے۔ پھر یہ دنیا ختم ہو جائے گی اور اس میں رہنے والے آخرت کے ٹھکانے میں منتقل ہو جائیں گے جہاں ہر نفس کو اچھے یا برے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے اس دنیا میں کیے ہیں۔ ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ ''جسے آگ سے بچا کر جنت میں بھیج دیا گیا پس وہ کامیاب ہو گیا۔'' یعنی دردناک عذاب سے نجات حاصل کر کے اور نعمتوں سے لبریز جنتوں میں پہنچ کر اس نے عظیم کامیابی حاصل کی۔ ان جنتوں میں ایسی ایسی نعمتیں ہوں گی جو کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کے تصور کا گزر ہوا ہے۔

اس آیت کریمہ کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جس کسی کو جہنم کی آگ سے ہٹا کر جنت میں داخل نہ کیا گیا' وہ کامیابی سے محروم ہو گیا۔ بلکہ ابدی شقاوت اور سرمدی عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔ نیز اس آیت کریمہ میں برزخ کی نعمتوں کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے' لوگوں کو ان کے اعمال کا کچھ بدلہ برزخ میں بھی دیا جائے گا ان کے اعمال کے کچھ نمونے ان کے سامنے پیش کیے جائیں گے۔ یہ لطیف اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے مستنبط ہوتا ہے ﴿وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾ یعنی اعمال کی کامل جزا تو قیامت کے روز ہی ملے گی البتہ اس سے کم تر جزا برزخ میں عطا ہو گی۔ بلکہ بسا اوقات اس سے بھی پہلے کبھی کبھی یہ جزا دنیا ہی میں عطا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَنُذِيْقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ﴾ (السجدہ: ۲۱/۳۲) ''ہم ان کو آخرت کے بڑے عذاب کے علاوہ دنیا کے عذاب کا مزا بھی چکھائیں گے۔''

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

البتہ ضرور آزمائے جاؤ گے تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں' اور بالیقین ضرور سنو گے تم ان لوگوں سے جو دیے گئے کتاب

مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا

تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا' ایذا (کی باتیں) بہت اور اگر تم صبر کرو

وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿۱۸۶﴾

اور تقویٰ اختیار کرو' تو بلاشبہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے آگاہ فرماتا ہے کہ انہیں ان کے اموال میں اللہ کی راہ میں واجب اور مستحب نفقات کے ذریعے سے آزمایا جائے گا اور خود ان کو ایسی بوجھل تکالیف میں مبتلا کیا جائے گا

جو اکثر لوگوں کے لئے نا قابل برداشت ہوتی ہیں مثلاً جہاد فی سبیل اللہ' جہاد میں مشقت' قتل' اسیری اور زخموں سے واسطہ پڑتا ہے اور مثلاً امراض جو خود اسے یا اس کے کسی محبوب فرد کو لاحق ہو جاتے ہیں۔

﴿وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيرًا﴾ یعنی تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے خود تمہاری ذات' تمہارے دین' تمہاری کتاب اور تمہارے رسول کے بارے میں طعنے سننے پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان امور کے بارے میں اپنے مومن بندوں کو آگاہ کرنے میں متعدد فوائد ہیں۔

۱۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت اس کا تقاضا کرتی ہے تاکہ مومن صادق اور دیگر لوگوں کے درمیان امتیاز واقع ہو جائے۔

۲۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے تو وہ ان کے لئے شدائد اور تکالیف کو مقدر کر دیتا ہے تاکہ وہ ان کے درجات بلند کرے اور ان کی برائیوں کو مٹا دے اور تاکہ ان کے ایمان میں اضافہ ہو اور ان کے ایقان کی تکمیل ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں آگاہ فرمایا اور وہ اسی طرح واقع بھی ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی۔

﴿قَالُوا هَٰذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ ۚ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب:۲۲/۳۳)

''تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا تھا۔ اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا اس سے ان کے ایمان میں اضافہ اور تسلیم و رضا زیادہ ہو گئی''۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس کی خبر دی تاکہ ان کے نفوس اس قسم کے شدائد برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہوں اور جب سختیاں آن پڑیں تو ان پر صبر کریں۔ کیونکہ جب شدائد کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں گے تو ان کا برداشت کرنا ان کے لئے آسان ہو جائے گا اور ان کا بوجھ ہلکا لگے گا' تب وہ صبر اور تقویٰ کی پناہ لیں گے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِن تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا﴾ یعنی تمہاری جان و مال میں تم جس ابتلاء و امتحان میں پڑے ہوئے ہو اور تمہیں ظالموں کی اذیتوں کا جو سامنا کرنا پڑا ہے اگر تم اس پر صبر کرو اور اس صبر میں تقویٰ کا التزام یعنی اس صبر میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے تقرب کی نیت رکھو اور اپنے صبر میں صبر کی شرعی حدود سے تجاوز نہ کرو یعنی ایسے مقام پر صبر نہ کرو جہاں صبر کرنا جائز نہ ہو بلکہ وہاں تمہارا کام اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے انتقام لینا ہو ﴿فَإِنَّ ذَٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ تو اس کا شمار ایسے امور میں ہوتا ہے جس پر عزم کیا جاتا ہے اور جس میں رغبت کے لئے سبقت کی جاتی ہے اور اس کی توفیق صرف انہیں عطا ہوتی ہے جو باعزم اور بلند ہمت لوگ ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلَقَّاهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ﴾ (فصلت:۳۵/۴۱)

”یہ بات صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور اس بات سے صرف وہ لوگ بہرہ ور ہوتے ہیں جو نصیب والے ہیں“۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ

اور جب لیا اللہ نے عہد ان لوگوں سے جو دیے گئے کتاب' البتہ ضرور بیان کرو گے تم اسے واسطے لوگوں کے اور نہ چھپاؤ گے اسے'

فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿١٨٧﴾

پس پھینک دیا انہوں نے اسے پیچھے اپنی پیٹھوں کے اور خرید لیا اس کے بدلے مول تھوڑا' پس برا ہے وہ جو خریدتے ہیں ○

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا وَّيُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا

نہ گمان کریں آپ ان لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں ساتھ اس کے جو انہوں نے (کرتوت) کیے اور پسند کرتے ہیں وہ یہ کہ تعریف کیے جائیں ساتھ اس کے جو

لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُم بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨٨﴾

نہیں کیا انہوں نے' پس نہ گمان کریں آپ ان کی بابت چھوٹ جانے کا عذاب سے' اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک ○

﴿مِيثَاقَ﴾ اس عہد کو کہتے ہیں جو بہت موکد اور بھاری ذمہ داری کا حامل ہو۔ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص سے لیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب عطا کی اور اسے علم سے نوازا۔ اس سے یہ عہد لیا کہ لوگ اس کے علم میں سے جس چیز کے محتاج ہوں وہ ان کے سامنے بیان کرے اور ان سے کوئی چیز نہ چھپائے اور نہ علم بیان کرنے میں بخل سے کام لے خاص طور پر جب اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے یا کوئی ایسا واقعہ پیش آ جائے جو علمی راہنمائی کا متقاضی ہو۔ پس اس صورتحال میں ہر صاحب علم پر فرض ہے کہ وہ مسئلہ کو بیان کر کے حق اور باطل کو واضح کر دے۔ اور جن لوگوں کو اللہ نے توفیق سے نوازا ہے' وہ اس ذمہ داری کو پوری طرح نبھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو علم ان کو عطا کیا ہے وہ اسے اللہ کی رضا کی خاطر لوگوں پر شفقت کی وجہ سے اور کتمان علم کے گناہ سے ڈرتے ہوئے لوگوں کو سکھاتے ہیں۔

رہے وہ لوگ جن کو کتاب عطا کی گئی' یعنی یہود و نصاریٰ اور ان جیسے دیگر لوگ تو انہوں نے اس عہد اور میثاق کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور اس میثاق کی انہوں نے پروا نہیں کی۔ پس انہوں نے حق کو چھپا لیا اور باطل کو ظاہر کیا' حقوق اللہ اور حقوق العباد کو حقیر سمجھتے ہوئے محرمات کے ارتکاب کی جرأت کی اور اس کتمان حق کے بدلے بہت معمولی قیمت لی۔ وہ یہ تھی کہ انہیں کتمان حق کی بنا پر سرداری حاصل ہوئی اور ان کے گھٹیا پیروکاروں کی طرف سے' جو ان کی خواہشات کی پیروی کرتے تھے اور حق پر خواہشات کو مقدم رکھتے تھے' ان کو حقیر سے مال کے نذرانے پیش ہوتے تھے۔

﴿فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ﴾ ”پس کتنا برا ہے جو وہ خریدتے (حاصل کرتے) ہیں“ کیونکہ یہ خسیس ترین

معاوضہ ہے جو انہوں نے حاصل کیا ہے اور جس حق کے بیان کرنے سے انہوں نے روگردانی کی' اس حق میں ان کی ابدی سعادت' دینی اور دنیاوی مصالح موجود ہیں اور یہ حق سب سے بڑا اور جلیل ترین مطلوب و مقصود ہے۔ پس انہوں نے محض اپنی بدنصیبی اور ذلت کی بنا پر عالی مرتبہ دین کو چھوڑ کر گھٹیا طریق زندگی اختیار کر لیا' نیز اس لئے بھی کہ انہوں نے وہی چیز اختیار کر لی جس کے لئے وہ پیدا ہوئے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوا﴾ ''آپ ان کی نسبت خیال نہ کریں جو اپنے (ناپسندیدہ) کاموں سے خوش ہوتے ہیں۔'' یعنی وہ جن قبیح امور اور قولی اور فعلی باطل کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ﴿وَيُحِبُّونَ أَن يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا﴾ یعنی اس بھلائی کی وجہ سے ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے کبھی نہیں کی اور اس حق کی وجہ سے ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے کبھی نہیں بولا۔ پس انہوں نے برائی کے قول و فعل اور اس پر اظہار فرحت کو یکجا کر دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ بھلائی کے اس کام پر ان پر تعریف کے ڈونگرے برسائے جائیں جو انہوں نے کیا ہی نہیں۔ فرمایا: ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّهُم بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ﴾ یعنی وہ یہ نہ سمجھیں کہ انہیں عذاب سے نجات اور سلامتی حاصل ہو گئی ہے بلکہ وہ تو عذاب کے مستحق ہو گئے ہیں عنقریب انہیں عذاب میں ڈالا جائے گا۔ اسی لئے فرمایا ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ''ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔''

اس آیت کریمہ کی وعید میں وہ اہل کتاب شامل ہیں جو اس بات پر خوش ہیں کہ ان کے پاس علم ہے درآں حالیکہ انہوں نے رسول ﷺ کی اطاعت نہ کی اور وہ اس زعم باطل میں مبتلا رہے کہ وہ اپنے حال و مقال میں حق پر ہیں۔ اسی طرح ہر وہ شخص بھی اس وعید میں شامل ہے جو کوئی قولی یا فعلی بدعت ایجاد کرتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے اور پھر اس بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور وہ اس بارے میں اپنے موقف کو حق اور دوسروں کے موقف کو باطل سمجھتا ہے جیسا کہ اہل بدعت کا وتیرہ ہے۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم مخالف دلالت کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ خواہش کرتا ہے کہ نیکی کے کام اور اتباع حق پر اس کی تعریف کی جائے جبکہ اس سے اس کا مقصد ریاء اور شہرت نہ ہو تو یہ مذموم نہیں۔ بلکہ اس کا شمار تو ان امور میں ہوتا ہے جو مطلوب و مقصود ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ ان نیکیوں کی بنا پر نیکوکاروں کو ان کے قول و فعل کا بدلہ دیتا ہے۔ اس نے اپنے خاص بندوں کو ان نیکیوں پر جزا سے نوازا ہے اور ان خاص بندوں نے اللہ تعالیٰ سے ان نیکیوں کا سوال کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی ﴿وَاجْعَل لِّي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ﴾ (الشعراء:٢٦/٨٤) ''اور پچھلے لوگوں میں میرا نیک ذکر جاری کر۔'' اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿سَلَامٌ عَلَىٰ نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ﴾ (الصافات: ٣٧/٧٩، ٨٠) ''تمام جہان میں نوح پر سلام ہو۔ ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔'' رحمٰن کے بندوں نے عرض کی ﴿وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ (الفرقان:٢٥/٧٤)

''اور ہمیں متقی لوگوں کا امام بنا۔'' یہ اپنے بندے پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے احسان کا فیضان ہے جس پر اللہ تعالیٰ کے شکر کی ضرورت ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۸۹﴾

اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اللہ اوپر ہر چیز کے خوب قادر ہے ○

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمین اور ان میں موجود تمام مخلوق کا مالک ہے اور وہی اپنی قدرت کاملہ اور انوکھی ربوبیت کے ذریعے سے ان پر تصرف کرتا ہے کوئی اس کے دائرہ اختیار سے باہر نہیں اور کوئی اسے عاجز و لاچار نہیں کر سکتا۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی

بے شک پیدائش میں آسمانوں اور زمین کی اور بدل بدل کر آنے جانے میں رات اور دن کے البتہ نشانیاں ہیں واسطے اہل

الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَ یَتَفَكَّرُوْنَ

عقل کے ○ وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اوپر اپنے پہلوؤں کے اور غور و فکر کرتے ہیں

فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ

پیدائش میں آسمانوں اور زمین کی (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب نہیں پیدا کیا تو نے یہ بے فائدہ پاک ہے تو! پس بچا تو ہمیں عذاب سے

النَّارِ ﴿۱۹۱﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَیْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ

آگ کے ○ اے ہمارے رب! بلاشبہ جس کو داخل کرے تو آگ میں تو یقیناً رسوا کر دیا تو نے اسے اور نہیں واسطے ظالموں کے

مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۱۹۲﴾ رَبَّنَاۤ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ

کوئی مددگار ○ اے ہمارے رب! بلاشبہ ہم نے سنا ایک مُنادی کو پکارتا ہے وہ ایمان کی طرف یہ کہ ایمان لاؤ ساتھ اپنے رب کے!

فَاٰمَنَّا ۖۗ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَ تَوَفَّنَا

پس ایمان لائے ہم اے ہمارے رب! پس بخش دے واسطے ہمارے ہمارے گناہ اور دور کر دے ہم سے ہماری برائیاں اور فوت کر ہمیں

مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا

ساتھ نیک لوگوں کے ○ اے ہمارے رب! اور دے ہمیں جو وعدہ کیا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی اور نہ رسوا کرنا ہمیں

یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

دن قیامت کے۔ بلاشبہ تو نہیں خلاف ورزی کرتا وعدے کی ○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ﴾

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اس کی آیات میں غور و فکر اور اس کی مخلوق میں تدبر

کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: ﴿لَاٰيٰتٍ﴾ کو مبہم رکھا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ فلاں معاملے میں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں غور وفکر کرو۔ اور یہ آیات کے عموم اور ان کی کثرت پر اشارہ ہے۔ کیونکہ اس کائنات میں عجیب و غریب نشانیاں ہیں جو دیکھنے والوں کو متحیر اور غور وفکر کرنے والوں کو عاجز کر دیتی ہیں جو اہل صدق کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں اور عقل روشن کو تمام مطالب الٰہیہ کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ یہ آیات جن تفصیلات پر مشتمل ہیں ان کو احاطہ شمار میں لانا مخلوق کے بس میں نہیں۔ البتہ مخلوق ان میں سے بعض چیزوں کا احاطہ کر سکتی ہے۔ مجمل طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کائنات کی عظمت' وسعت' اور اس کی حرکت و رفتار کا ایک نظم کے تحت ہونا' اس کے خالق کی عظمت پر دلالت کرتا ہے نیز اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا تسلط و غلبہ اور اس کی قدرت سب کو شامل ہے۔ اس کائنات کا محکم اور مضبوط انداز' اس میں نت نئی تخلیقات اور انوکھے افعال اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے علم کی وسعت پر دلالت کرتے ہیں نیز اس بات پر دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھا ہے۔

اس کائنات میں مخلوق کے لئے جو فوائد ہیں وہ اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع' اس کا فضل عام' اس کا احسان سب کو شامل اور اس کا شکر واجب ہے۔

یہ تمام امور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ قلب کے اپنے خالق اور پیدا کرنے والے کے ساتھ تعلق جوڑنے اور اس کی رضا کے حصول کے لئے پوری کوشش ہونی چاہئے اور اس کے ساتھ کسی ایسی ہستی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے جو خود اپنی ذات اور زمین و آسمان میں ذرہ بھر کی بھی مالک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ساتھ صرف عقل مندوں کو مخصوص کیا ہے کیونکہ یہی لوگ ان آیات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور عقل مند لوگ ہی اپنی آنکھوں کی بجائے اپنی عقل کے ذریعے سے غور وفکر کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان عقل مند لوگوں کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ﴾ وہ اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں ﴿قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ﴾ یہ قلبی و قولی ذکر اور ذکر کی تمام انواع کو شامل ہے اور اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا' اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اگر بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھنا بھی شامل ہے۔ نیز ﴿وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہ زمین و آسمان کی تخلیق پر غور وفکر کرتے یعنی ان سے ان کی تخلیق کے مقصد پر استدلال کرتے ہیں۔ نیز یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات میں غور وفکر کرنا عبادت ہے اور عارفین اولیاء اللہ کی صفت ہے۔ جب وہ اس کائنات میں غور وفکر کرتے ہیں تو انہیں اس حقیقت کی معرفت حاصل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عبث پیدا نہیں کیا' پس وہ پکار اٹھتے ہیں ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ﴾ تیری ذات ہر اس وصف سے پاک ہے جو تیرے جلال کے لائق نہیں' تو نے اسے حق کے ساتھ حق کے لئے بلکہ حق پر مشتمل پیدا کیا ہے۔ ﴿فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ''پس تو ہمیں جہنم سے بچا'' بایں طور کہ ہمیں برائیوں سے بچا اور نیک اعمال کی توفیق عطا کر' تاکہ اس کے ذریعے

سے ہم جہنم کی آگ سے نجات حاصل کر سکیں۔ یہ دعا جنت کے سوال کو بھی متضمن ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ انہیں جہنم کے عذاب سے بچالے گا تو انہیں جنت حاصل ہو جائے گی۔ مگر جب ان کے دلوں پر خوف چھا گیا تو انہوں نے ان امور کی دعا مانگی جو ان کے لئے زیادہ اہم تھے۔

﴿رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ﴾ ''اے ہمارے رب! جس کو تو نے دوزخ میں ڈال دیا' تو اس کو تو نے رسوا کر دیا'' یعنی اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور اس کے اولیاء کو ناراض کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو رسوا کیا اور اسے فضیحت میں مبتلا کر دیا۔ جس سے نجات کی کوئی راہ ہے نہ اس سے کوئی بچانے والا ہے۔ اسی لئے فرمایا: ﴿وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ ''ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا'' جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے ظلم کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے نقل فرمایا: ﴿رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ﴾ ''اے ہمارے رب! ہم نے ایک منادی کو سنا جو ایمان لانے کی ندا دیتا ہے'' ایمان کی منادی دینے والے محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور اس کے اصول و فروع میں ان کو ترغیب دیتے ہیں ﴿فَاٰمَنَّا﴾ پس ہم نے جلدی سے آگے بڑھ کر ان کی دعوت پر لبیک کہا۔

اس آیت کریمہ میں ان پر اللہ تعالیٰ کے احسان' اس کی نعمت پر اظہار فخر اور اس ایمان کو اپنے گناہوں کی بخشش اور برائیوں کو مٹانے کے لئے وسیلہ بنانے کی خبر ہے۔ کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ وہ ہستی جس نے انہیں ایمان سے نوازا ہے وہی انہیں کامل امان سے نوازے گی۔

﴿وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ﴾ ''اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے'' یہ دعا اس بات کو متضمن ہے کہ نیکی کرنا اور برائی کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوتا ہے جس کی بنا پر بندہ ''ابرار'' میں شمار ہوتا ہے اور اس توفیق کی بنا پر نیکی کرنے اور برائی چھوڑنے پر اپنی موت تک ہمیشہ ثابت قدم رہتا ہے۔ جب انہوں نے ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تکمیل نعمت کے لئے اس ایمان کو وسیلہ بنانے کا ذکر کیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس پر اجر و ثواب کا سوال کیا اور دعا کی کہ وہ اپنی فتح و نصرت' دنیا میں غلبہ اور آخرت میں جنت اور اپنی رضا کا وہ وعدہ پورا کر دے جو اس نے اپنے نبیوں اور رسولوں کی زبانی کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا اور تضرع و زاری کو قبول فرما لیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ

پس قبول کی (دعا) ان کی ان کے رب نے' یہ کہ نہیں ضائع کروں گا میں عمل کسی عمل کرنے والے کا تم میں سے مرد ہو یا عورت'

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا

بعض تمہارا بعض سے ہے (یعنی تم ایک ہی ہو) پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور نکال دیے گئے وہ اپنے گھروں سے اور تکلیف دیے گئے

فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ

میرے راستے میں اور لڑے وہ اور قتل کر دیئے گئے وہ تو دور کردوں گا ان سے انکی برائیاں اور یقیناً داخل کروں گا میں انکو ایسے باغوں میں

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

کہ چلتی ہیں ان کے نیچے نہریں' بطور ثواب کے اللہ کی طرف سے اور اللہ اسی کے پاس ہے اچھا ثواب ○

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائے عبادت اور دعائے طلب' (دونوں دعائیں) قبول فرمالیں اور فرمایا: ﴿ اَنِّیْ لَاۤ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰی ﴾ ''میں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا' وہ مرد ہو یا عورت'' پس تمام لوگ اپنے اعمال کا پورا پورا اور وافر اجر پائیں گے۔۔۔تم میں سے تمام لوگ (خواہ مرد ہوں یا عورت) ثواب اور عقاب میں مساوی ہیں۔

﴿ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِیْ سَبِیْلِیْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا ﴾ ''وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذا دی گئی اور جنہوں نے جہاد کیا اور شہید کر دیئے گئے'' پس انہوں نے ایمان' ہجرت اور اپنے رب کی رضا کی خاطر اپنے وطن اور مال و متاع جیسی محبوب چیزوں سے مفارقت کو جمع کر دیا نیز انہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ ﴿ لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ ''میں بالضرور ان کی برائیاں ان سے دور کروں گا اور بالضرور انہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' بدلہ اللہ کی طرف سے'' جو اپنے بندے کو اس کے بہت تھوڑے سے عمل پر بہت زیادہ ثواب عطا کرتا ہے ﴿ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴾ ''اور اللہ کے پاس ہی بہترین اجر و ثواب ہے'' ایسا ثواب جو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں اس کے تصور کا گزر ہوا ہے۔ پس جو کوئی اس ثواب کے حصول کا ارادہ رکھتا ہے وہ حسب استطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے تقرب کے ذریعے اس سے یہ ثواب طلب کرے۔

لَا یَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ۫ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ

نہ دھوکے میں ڈالے آپ کو چلنا پھرنا ان لوگوں کا' جنہوں نے کفر کیا' شہروں میں ○ (یہ) فائدہ ہے تھوڑا سا' پھر ٹھکانا ان کا

جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ

جہنم ہے اور برا بچھونا ہے (وہ) ○ لیکن وہ لوگ جو ڈر گئے اپنے رب سے' ان کے لیے باغ ہیں چلتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ

ان کے نیچے نہریں' ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں' بطور مہمان نوازی کے اللہ کے پاس سے'

وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

اور جو پاس ہے اللہ کے وہ بہتر ہے واسطے نیک لوگوں کے ○

اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو اس بارے میں تسلی دینا مقصود ہے کہ کفار کو جو دنیا کی نعمتیں' دنیا کی متاع' شہروں پر ان کا تصرف' مختلف قسم کی تجارتیں' مکاسب' انواع واقسام کی لذات' اقتدار کی مختلف صورتیں اور بعض اوقات اہل ایمان پر ان کا غلبہ یہ تمام چیزیں ﴿مَتَاعٌ قَلِيلٌ﴾ ''بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے'' بے ثبات ہیں باقی رہنے والی نہیں ہیں۔ بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ وہ اس متاع قلیل سے بہت تھوڑا فائدہ اٹھائیں گے اور اس کی وجہ سے بہت ہی طویل عذاب بھگتیں گے۔ یہ کافر کی بلند ترین حالت ہے اور آپ نے دیکھ لیا ہے کہ اس کا ٹھکانا کیا ہوگا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں انہیں دنیا کی عزت اور دنیا کی نعمتوں کے حصول کے ساتھ ساتھ ﴿لَهُمْ جَنَّٰتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَٰرُ خَٰلِدِينَ فِيهَا﴾ ''ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی' ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔''

اگر یہ مقدر کر لیا جائے کہ انہیں دنیا میں ہر قسم کی تکلیف' شدت' عناد اور مشقت کا سامنا کرنا پڑا تو یہ جنت میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں' کدورتوں سے سلامت زندگی' بے پایاں مسرت' خوشی اور تروتازگی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ یہ تو محنت کی صورت میں نوازش ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا عِندَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلْأَبْرَارِ﴾ ''اور جو اللہ کے پاس ہے وہ ابرار کے لئے بہتر ہے'' اور (ابرار) وہ لوگ ہیں جن کے دل پاک اور اطاعت گزار ہوں اور ان کے اقوال وافعال بھی نیک ہوں۔ پس بھلائی کرنے والا اللہ مہربان اپنی عنایت سے انہیں اجر عظیم' بہت بڑی عطا و بخشش اور دائمی فوز و فلاح عطا کرے گا۔

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَٰبِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ

اور بلاشبہ اہل کتاب میں سے البتہ وہ (بھی) ہے جو ایمان لاتا ہے ساتھ اللہ کے اور جو نازل کیا گیا تمہاری طرف اور جو نازل کیا گیا

إِلَيْهِمْ خَٰشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتَرُونَ بِـَٔايَٰتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۗ أُولَٰٓئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ

انکی طرف' جھکنے والے ہیں وہ واسطے اللہ کے' نہیں خریدتے (لیتے) وہ ساتھ اللہ کی آیتوں کے مول تھوڑا' یہ لوگ' ان کیلئے اجر ہے ان کا'

عِندَ رَبِّهِمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾ يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا اصْبِرُوا

نزدیک ان کے رب کے' بلاشبہ اللہ جلد لینے والا ہے حساب ○ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر کرو

وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۲۰۰﴾

اور ڈٹے رہو اور کمربستہ رہو اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم فلاح پاؤ ○

یعنی اہل کتاب میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں بھلائی کی توفیق عطا کی گئی ہے' جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل کی گئی اور اس پر بھی جو ان کی طرف نازل کی گئی اور یہی وہ ایمان ہے جو نفع پہنچاتا ہے اور اس شخص کے ایمان کی مانند نہیں' جو بعض رسولوں اور کتابوں پر ایمان لاتا ہے اور بعض

کا انکار کرتا ہے۔ بنابریں' چونکہ ان کا ایمان عام اور حقیقت پر مبنی ہے اس لئے یہ نفع پہنچانے والا ہے' یہ ایمان ان کے دلوں میں خشیت الٰہی اور اللہ تعالیٰ کے جلال کے سامنے خشوع و خضوع پیدا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی پر عمل کرنے اور اس کی مقرر کردہ حدود پر رک جانے کا موجب ہے۔ یہی لوگ درحقیقت اہل کتاب اور اہل علم ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَٰٓؤُا﴾ (فاطر: ۲۸/۳۵) ''اللہ تعالیٰ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف وہی لوگ ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔'' اور کامل خشیت الٰہی یہ ہے کہ ﴿لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ ''وہ اللہ کی آیات کو معمولی قیمت پر نہیں بیچتے'' پس دین پر دنیا کو ترجیح نہیں دیتے' جیسا کہ اہل انحراف کا وتیرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے بہت معمولی قیمت حاصل کرتے ہیں۔ لیکن یہ اہل کتاب' تو انہوں نے معاملے کی حقیقت کو پہچان لیا ہے اور انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ دین سے کم تر چیز پر راضی ہونا' نفس کے بعض سفلی حظوظ کے ساتھ ٹھہرنا اور حق کو ترک کرنا جو دنیا و آخرت میں سب سے بڑا حظ اور فوز و فلاح کا ضامن ہے...... سب سے بڑا خسارہ ہے' اس لئے وہ حق کو مقدم رکھتے ہیں' اس کو بیان کرتے ہیں اور اس کی طرف دعوت دیتے ہیں اور باطل سے ڈراتے اور بچاتے ہیں۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ بدلہ دیا ہے کہ اس نے ان کے لئے اجر عظیم اور ثواب جمیل کا وعدہ کیا ہے اور اپنے قرب کی خبر دی ہے نیز آگاہ فرمایا ہے کہ وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان سے جو وعدہ کیا ہے اس میں دیر نہ سمجھیں یہ وعدہ پورا ہونے والا ہے اور اس کا حصول متحقق ہو چکا ہے۔ پس یہ وعدہ بہت قریب ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس چیز کی ترغیب دی ہے جو انہیں فوز و فلاح کی منزل پر پہنچاتی ہے۔ اور وہ ہے سعادت اور کامیابی۔ اس سعادت تک پہنچانے والا راستہ صبر کا التزام ہے اور صبر کیا ہے؟ نفس انسانی کو ایسی چیز پر روکے رکھنا جو اس کو ناپسند ہو' جیسے گناہ کا چھوڑ دینا' مصائب پر صبر کرنا اور نفوس کو ان پر گراں گزرنے والے اوامر پر روکے رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ تمام امور پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے۔

(مصابرہ) صبر کے دائمی اور مسلسل التزام اور تمام احوال میں دشمن کا مقابلہ کرنے کا نام ہے۔

(مرابطۃ) سے مراد اس مقام پر جمے رہنا جہاں سے دشمن کے آنے کا خطرہ ہو۔ نیز یہ کہ اہل ایمان دشمنوں سے ہوشیار رہیں اور ان کو اپنا مقصد حاصل نہ کرنے دیں۔۔۔۔ شاید وہ فلاح پالیں یعنی دینی' دنیاوی اور اخروی محبوب شے کے حاصل کرنے میں وہ کامیاب ہو جائیں اور اسی طرح ناپسندیدہ چیزوں سے نجات پالیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف صبر' صبر پر دوام اور دشمن سے ہمیشہ ہوشیار رہنا ہی فلاح کا راستہ ہے۔ جس کسی نے فلاح پائی تو اسی راستہ پر چل کر فلاح پائی اور جو کوئی اس فلاح سے محروم ہوا تو ان تمام امور کو یا ان میں سے بعض کو ترک کر کے محروم ہوا۔ واللہ الموفق ولا حول ولا قوۃ إلا بہ۔

تفسیر سورۃ النسآء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا
اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے' وہ جس نے پیدا کیا تمہیں ایک جان سے اور پیدا کیا اسی سے
زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ
اسکا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے مرد کثرت سے اور عورتیں۔ اور ڈرو اللہ سے' وہ کہ سوال کرتے ہو تم آپس میں اسکے واسطے سے'
وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①
اور (ڈرو) رشتوں (کے توڑنے) سے۔ بلاشبہ اللہ ہے اوپر تمہارے نگہبان ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس سورت کا افتتاح تقویٰ کے حکم' اپنی عبادت کی تاکید اور صلہ رحمی کے حکم اور اس کی تاکید سے کیا ہے۔ اور ان اسباب کو بیان کیا ہے جو ان تمام امور کے موجب ہیں اور تقویٰ کا موجب یہ ہے ﴿رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ﴾ ''وہ تمہارا رب ہے جس نے تمہیں پیدا کیا'' تمہیں رزق عطا کیا اور بڑی بڑی نعمتوں کے ذریعے سے تمہاری تربیت کی اور ان جملہ نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ اس نے تمہیں پیدا کیا ﴿مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ ''ایک ہی جان سے اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا'' تاکہ وہ اس کے مشابہ اور مناسب ہو اور اسے اس کے پاس سکون حاصل ہو' اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی تکمیل ہو اور اس سے فرحت و سرور حاصل ہو۔ اسی طرح تقویٰ کا موجب اور اس کا داعی اس کے نام پر تمہارا ایک دوسرے سے سوال کرنا اور تمہارا تعظیم کرنا ہے۔ حتیٰ کہ جب تم اپنی کوئی ضرورت پوری کرنا چاہتے ہو تو تم اپنے سوال میں اس کا وسیلہ اختیار کرتے ہو۔

پس جو کوئی دوسرے کے لئے یہ چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے ''میں اللہ کے نام پر تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو فلاں کام کر'' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت جاگزیں ہے جو اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو رد نہ کرے جو اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرتا ہے جیسا کہ تم نے اس کی اس ذریعے سے تعظیم کی ہے پس تمہیں چاہئے کہ تم اس کی عبادت اور تقویٰ کے ذریعے سے اس کی تعظیم کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بھی آگاہ فرمایا ہے کہ وہ نگہبان ہے وہ بندوں کی حرکات و سکنات' ان کے کھلے چھپے تمام احوال میں ان کی خبر رکھتا ہے اور ان احوال میں ان کا نگہبان ہے اللہ تعالیٰ کا نگہبان ہونا جن امور کا موجب بنتا ہے ان میں تقویٰ کے التزام کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس خبر میں کہ اس نے انہیں ایک جان سے تخلیق کیا ہے اور

اس نے ان کو روئے زمین کے کناروں تک پھیلایا جبکہ وہ ایک ہی اصل کی طرف لوٹتے ہیں۔۔۔ مقصد یہ ہے کہ بندے ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی اور نرمی کے ساتھ پیش آیا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا حکم' صلہ رحمی کے حکم اور قطع رحمی کی ممانعت کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا تاکہ یہ حق موکد ہو جائے۔ یعنی جس طرح حقوق اللہ کو قائم کرنا لازم ہے اسی طرح حقوق العباد کو قائم کرنا بھی لازم ہے۔ خاص طور پر رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔ بلکہ رشتہ داروں کے حقوق کو قائم کرنا تو حقوق اللہ میں شمار ہوتا ہے جن کو قائم کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ غور کیجئے کہ اللہ نے کیسے اس سورت کا افتتاح تقویٰ کے اختیار کرنے' صلہ رحمی اور عمومی طور پر بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے حکم کے ساتھ کیا' پھر اس کے بعد اس سورت میں اس کی ابتدا سے لے کر انتہا تک ان تمام امور کی پوری تفصیلات بیان ہوئی ہیں گویا یہ سورۂ مبارکہ مذکورہ امور کی ان تفصیلات کو بیان کرتی ہے جن کو مجمل رکھا گیا تھا اور ان امور کو واضح کرتی ہے جو مبہم تھے۔

اللہ تبارک کے ارشاد ﴿وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ ''اور پیدا کیا اس سے اس کا جوڑا'' میں شوہروں اور بیویوں کے حقوق کی مراعات پر تنبیہ ہے اور ان کو قائم کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ بیویاں بھی شوہروں ہی کی صلب سے پیدا کی گئی ہیں۔ پس شوہروں اور بیویوں کے درمیان قریب ترین نسب' مضبوط ترین اتصال اور نہایت قوی رشتہ ہے۔

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا

اور دو تم یتیموں کو ان کے مال اور نہ بدل کر لو تم ناپاک کو پاک کے عوض، اور نہ کھاؤ تم

اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲

ان کے مال ساتھ (ملا کر) اپنے مالوں کے' بلاشبہ یہ ہے گناہ بہت بڑا ○

اس سورۂ مبارکہ میں جن حقوق العباد کی تاکید کی گئی ہے' یہ ان میں سے پہلا حکم ہے اور وہ یتیم بچے ہیں جن کے باپ فوت ہو گئے ہیں جو ان کی کفالت کیا کرتے تھے۔ وہ بہت چھوٹے اور نہایت کمزور ہیں اپنے مصالح کی خود دیکھ بھال نہیں کر سکتے۔ بنا بریں اللہ رؤف و رحیم نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ان یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ ان کے مال کے قریب نہ جائیں مگر بھلے طریقے سے۔ اور جب یہ بالغ اور سمجھدار ہو جائیں تو ان کا پورے کا پورا مال ان کے حوالے کر دیں۔ ﴿وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ﴾ ''اور بدل نہ لو خبیث مال کو'' خبیث سے مراد ناحق یتیم کا مال کھانا ہے ﴿بِالطَّيِّبِ﴾ طیب مال سے مراد حلال مال ہے جس میں کوئی حرج ہے نہ تاوان ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ﴾ یعنی ''تم اپنے اموال کے ساتھ انکے اموال نہ کھاؤ''۔

اس آیت کریمہ میں یتیموں کا مال کھانے کی قباحت پر دلیل ہے۔ اس حال میں جبکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے خود اس کے مال میں رزق عطا کیا ہوتا ہے اور وہ اپنے مال کی وجہ سے یتیم کے مال سے مستغنی ہوتا ہے اور جو کوئی

اس حال میں یتیم کا مال کھانے کی جرأت کرتا ہے تو وہ بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے ﴿حُوبًا كَبِيرًا﴾ یعنی گناہ عظیم اور بہت بڑا بوجھ۔

خبیث کو طیب سے بدلنا یہ ہے کہ یتیم کا سرپرست یتیم کا نفیس مال خود رکھ لے اور اس کے بدلے میں اپنا گھٹیا مال یتیم کو دے دے۔ اس آیت کریمہ میں یتیم کی سرپرستی کی دلیل ہے۔ کیونکہ یتیم کو اس کا مال حوالے کرنے والے کی سرپرستی ثابت ہوتی ہے۔ اس میں اس بات کا بھی حکم ہے کہ یتیم کے مال کی اصلاح کی جائے کیونکہ یتیم کو اس کا پورا مال حوالے کرنے کے حکم میں از خود یہ بات آ جاتی ہے کہ اس مال کی حفاظت کی جائے اس کی اصلاح اور نشوونما کا انتظام کیا جائے اور اس کو تلف ہونے کے خطرات سے بچایا جائے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ

اور اگر ڈرو تم یہ کہ نہ انصاف کرسکو گے تم یتیم عورتوں کے بارے میں تو (انکی بجائے) نکاح کرو تم (ان سے) جو اچھی لگیں تمہیں عورتوں سے دو دو

وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ ۖ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ

اور تین تین اور چار چار۔ پس اگر ڈرو تم اس بات سے کہ نہ انصاف کرسکو گے تم تو (نکاح کرو) ایک ہی سے یا جس کے مالک ہوئے تمہارے دائیں ہاتھ۔

ذَٰلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعُولُوا ﴿٣﴾ وَآتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَإِن طِبْنَ لَكُمْ

یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ نہ نا انصافی کرو تم ○ اور دو تم عورتوں کو مہر ان کے خوش دلی سے پس اگر وہ خوشی سے دیں تم کو

عَن شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا ﴿٤﴾

کچھ اس میں سے دل سے، تو کھا لو تم اسے رچتا پچتا ○

یعنی اگر تمہیں اس بات کا خدشہ ہے کہ تم ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے جو تمہاری پرورش اور سرپرستی میں ہیں اور تمہیں ڈر ہے کہ ان کے ساتھ تمہاری محبت نہ ہونے کی وجہ سے تم ان کے حقوق ادا نہ کر سکو گے۔ تو تم ان کے علاوہ دوسری عورتوں کے ساتھ نکاح کر لو ﴿مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ﴾ ''عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگیں''، یعنی دین، مال، حسب و نسب اور حسن و جمال جیسی دیگر صفات جو نکاح کی ترغیب دیتی ہیں، ان صفات کی حامل عورتوں میں سے جس کیساتھ نکاح کرنے کا اختیار حاصل ہو اپنی خواہش اور صوابدید کے مطابق نکاح کر لو۔ نکاح کے انتخاب کے لئے بہترین صفت دین ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''عورت سے چار صفات کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے، اس کے مال، اس کے حسن و جمال، اس کے حسب و نسب اور اس کے دین کی وجہ سے، تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں، تو دین دار عورت سے نکاح کرنے کی کوشش کر۔''[1]

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ نکاح سے قبل عورت کو منتخب کر لے۔ بلکہ شارع نے تو یہاں تک مباح کیا ہے کہ انسان جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اسے ایک نظر دیکھ

[1] صحيح البخاري، النكاح، باب الأكفاء في الدين، ح: ٥٠٩٠ و صحيح مسلم، النكاح، باب استحباب...... ح: ١٤٦٦۔

لے تاکہ یہ نکاح بصیرت کی بنیاد پر ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی تعداد کا ذکر کیا ہے جن کے ساتھ نکاح کرنا مباح ہے چنانچہ فرمایا: ﴿ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ﴾ ”دو دو' تین تین اور چار چار“ یعنی جو کوئی دو بیویاں رکھنا چاہتا ہے وہ دو بیویاں رکھ لے اگر تین بیویوں سے یا چار بیویوں سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو تین یا چار سے نکاح کر لے۔ البتہ چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح نہ کرے کیونکہ آیت کریمہ کا سیاق اللہ تعالیٰ کے احسان کو بیان کرنے کے لئے ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے جو عدد مقرر کر دیا ہے بالاتفاق اس سے زیادہ بیویاں جائز نہیں۔ ایک سے زیادہ بیوی کی اجازت کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات مرد کی شہوت ایک بیوی سے پوری نہیں ہوتی اس لئے یکے بعد دیگرے چار بیویاں جائز ہیں کیونکہ شاذ اور نادر صورت کے سوا' چار بیویاں کافی ہوتی ہیں۔ یہ چار بیویاں بھی مرد کے لئے صرف اس وقت جائز ہیں جب وہ ظلم و جور کرنے سے محفوظ ہو اور اسے یقین ہو کہ وہ چار بیویوں کے حقوق پورے کر سکے گا اور اگر اسے ظلم و زیادتی اور حقوق کی عدم ادائیگی کا خدشہ ہو تو اسے صرف ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہئے۔ یا اس کے ساتھ لونڈیوں پر اکتفا کرے۔ لونڈیوں میں وظیفہ زن و شو کی مساوی تقسیم واجب نہیں۔

﴿ ذٰلِكَ ﴾ ”یہ“ یعنی ایک بیوی یا لونڈیوں پر اکتفا کرنا ﴿ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴾ ”اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم ظلم نہ کرو۔“ اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر بندے کو کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے جہاں اس سے ظلم و جور کے ارتکاب کا خدشہ ہو اور اسے اس بات کا خوف ہو کہ وہ اس معاملے کے حقوق پورے نہیں کر سکے گا۔ خواہ یہ معاملہ مباحات کے زمرے میں کیوں نہ آتا ہو تو اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اس معاملے میں کوئی تعرض کرے۔ بلکہ وہ اس میں بچاؤ اور عافیت کا التزام کرے۔ کیونکہ عافیت بہترین چیز ہے جو بندے کو عطا کی گئی ہے۔ چونکہ اکثر لوگ اپنی بیویوں پر ظلم کرتے ہیں اور ان کے حقوق غصب کر لیتے ہیں۔ خاص طور پر حق مہر (اکثر) بہت زیادہ ہوتا ہے یہ مہر ایک ہی بار پورے کا پورا ادا کرنا باعث مشقت ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا اور ان کو تاکید کی کہ وہ اپنی بیویوں کو مہر ادا کریں ﴿ صَدُقٰتِهِنَّ ﴾ یعنی ان کے مہر ﴿ نِحْلَةً ﴾ یعنی ان کا مہر خوش دلی اور اطمینان قلب کے ساتھ ادا کرو۔ مہر ادا کرنے میں ٹال مٹول نہ کرو اور اسے ادا کرتے وقت اس میں کچھ کم نہ کرو۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر عورت مکلف (یعنی بالغ اور عاقل) ہو تو مہر اس کو ادا کر دیا جائے گا اور عقد کے موقع پر عورت مہر کی مالک بن جاتی ہے۔ کیونکہ حق مہر کی اضافت اس کی طرف جاتی ہے اور اضافت تملیک کا تقاضا کرتی ہے۔ ﴿ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ ﴾ ”اگر وہ خود اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ چھوڑ دیں“ یعنی حق مہر سے ﴿ نَفْسًا ﴾ یعنی اگر بیویاں برضا و رغبت مہر کا کچھ حصہ چھوڑ کر یا ادائیگی میں مہلت دے کر یا مہر کا کوئی عوض قبول کر کے شوہروں کے ساتھ نرمی کرتی ہیں ﴿ فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـئًا مَّرِيْٓـئًا ﴾ ”تو کھاؤ تم اس کو

ذوق شوق سے'' یعنی اس صورت میں تمہارے لئے کوئی حرج اور کوئی نقصان نہیں۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت بالغ اور عاقل ہے تو اپنے مال میں تصرف کا پورا اختیار رکھتی ہے۔ خواہ وہ صدقہ ہی کیوں نہ کر دے۔ لیکن اگر بالغ اور عاقل نہیں ہے تو اس کے عطیہ کا حکم معتبر نہیں نیز عورت کا سرپرست اس مہر میں سے کچھ حصہ لینے کا حق دار نہیں سوائے اس کے' کہ عورت برضا و رغبت خود اسے کچھ عطا کر دے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ ﴾ میں اس بات کی دلیل ہے کہ خبیث یعنی ناپاک عورت سے نکاح مامور نہیں' بلکہ خبیث عورتوں سے نکاح کرنا منع ہے مثلاً مشرک اور فاسق وفاجر عورت سے۔۔۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾ (البقرۃ: ۲۲۱/۲) ''مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں''۔ اور فرمایا: ﴿ وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ﴾ (النور: ۳/۲٤) ''بدکار عورت کے ساتھ ایک زانی اور مشرک مرد کے سوا کوئی نکاح نہیں کرتا''۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا

اور نہ دو تم بے وقوفوں کو اپنے مال' وہ جن کو بنایا ہے اللہ نے تمہارے لیے گزران کا سبب اور کھلاؤ تم ان کو اس میں سے

وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۵﴾

اور پہناؤ ان کو اور کہو ان سے بات معقول ○

﴿ السُّفَهَآءَ ﴾ (سفیہ) کی جمع ہے اور (سفیہ) ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بے عقل ہو نے مثلاً پاگل وغیرہ یا عدم بلوغت جیسے چھوٹا بچہ اور بے سمجھ وغیرہ ہونے کی وجہ سے اپنے مال میں تصرف اور دیکھ بھال کی اہلیت سے محروم ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایسے بے عقل لوگوں کے سرپرستوں کو اس ڈر سے ان کا مال ان کے حوالے کرنے سے روک دیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ وہ اس کو خراب یا تلف کر دیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مال کو اپنے بندوں کے دینی اور دنیاوی مفادات و مصالح کی دیکھ بھال کے لئے بنایا ہے اور یہ بے سمجھ لوگ اس مال کی دیکھ بھال اور اس کی حفاظت سے قاصر ہیں۔ بنابریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سرپرست کو حکم دیا ہے کہ وہ مال ان بے سمجھ لوگوں کے حوالے نہ کرے بلکہ وہ اس مال میں سے ان کے کھانے پینے اور کپڑے لتے کا انتظام کرے اور جو ان کی دینی اور دنیاوی ضروریات ہیں ان میں خرچ کرے اور ان سے اچھی بات ہی کہے۔ یعنی جب وہ اپنے مال کا مطالبہ کریں تو وہ ان سے وعدہ کرے کہ وہ ان کے بالغ اور عاقل ہو جانے کے بعد ان کا مال ان کو لوٹا دے گا اور ان کی دل جوئی کی خاطر ان سے نرم مقالی سے پیش آئے۔

اللہ تعالیٰ کا ان اموال کو سرپرستوں کی طرف مضاف کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان بے سمجھ لوگوں

کے مال کا اس طرح انتظام کرنا ان پر فرض ہے۔ جس طرح وہ اپنے مال کا انتظام کرتے ہیں مثلاً مال کی حفاظت' اس میں تصرف اور اس مال کو خطرات سے بچانا وغیرہ۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ پاگل' نابالغ اور بے عقل جب مال کے مالک ہوں تو ان پر انہی کے مال میں سے اخراجات کیے جائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ﴾ "اس مال میں سے ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو۔" نیز اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ کھانے پینے اور لباس وغیرہ کے ممکن حد تک اخراجات میں سرپرست کا قول اور اس کا دعویٰ قابل قبول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان بے سمجھ لوگوں کے مال پر امین مقرر کیا ہے اور امین کا قول قابل قبول ہے۔

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا

اور جانچ پرکھ کرو تم یتیموں کی یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں وہ نکاح (کی عمر) کو' پھر اگر پاؤ تم ان میں سمجھ داری' تو سونپ دو

اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا

طرف انکی انکے مال اور نہ کھاؤ تم انکو حد سے بڑھ کر اور جلدی کرتے ہوئے اس سے کہ وہ (یتیم) بڑے ہو جائیں گے' اور جو ہو مالدار

فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ

تو چاہیے کہ بچے اور جو ہو فقیر' تو چاہیے کہ کھا لے وہ موافق دستور کے۔ پس جب سونپو تم ان کو

اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝

ان کے مال' تو گواہ ٹھہرا لو ان پر' اور کافی ہے اللہ خوب حساب لینے والا ○

یہاں (ابتلاء) سے مراد آزمائش و امتحان ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس قریبی یتیم کو جس کے بارے میں توقع ہے کہ وہ اب سمجھ دار ہو گیا ہے' اس کے مال میں سے کچھ مال دے دیا جائے وہ اپنے لائق حال اس میں تصرف کرے اس طرح اس کی سمجھ داری واضح ہو جائے گی۔ اگر وہ اپنے تصرف میں مسلسل ناسمجھی کا ثبوت دے رہا ہو تو مال اس کے حوالے نہ کیا جائے اور اسے ناسمجھ ہی سمجھا جائے' خواہ وہ بہت بڑی عمر کو کیوں نہ پہنچ جائے۔ پھر جب اس کی سمجھ داری اور صلاحیت واضح ہو جائے اور وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائے ﴿فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ﴾ "تو ان کا مال (پورے کا پورا) ان کے حوالے کردو" ﴿وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا﴾ "اور اس (مال) کو فضول خرچی سے نہ کھاؤ" یعنی اس حد سے تجاوز کر کے' جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مال میں سے حلال ٹھہرایا ہے' ان کے مال میں نہ جاؤ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حرام ٹھہرایا ہے ﴿وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا﴾ "اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے" یعنی ان کی صغر سنی میں ان کا مال نہ کھاؤ جس عمر میں وہ تم سے اپنا مال واپس لینے پر قادر نہیں ہیں اور نہ تمہیں مال کھانے سے منع کر سکتے ہیں۔ تم جلدی جلدی مال کھاتے رہو کہ وہ بڑے ہو کر تم سے مال لے لیں گے اور ناحق مال کھانے سے منع کر دیں گے۔

یہ امور فی الواقع بہت سے سرپرستوں سے پیش آتے رہتے ہیں جن کے دل اللہ تعالیٰ کے خوف اور زیر سرپرستی بے سمجھ لوگوں کی محبت اور ان پر رحم سے خالی ہوتے ہیں چنانچہ اس مال کو وہ غنیمت سمجھتے ہیں اور جلدی جلدی وہ مال کھانے کی کوشش کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حرام ٹھہرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس حال میں مال کھانے سے روکا ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ

مردوں کیلئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور قرابت دار اور عورتوں کیلئے بھی حصہ ہے اس سے جو چھوڑ جائیں

الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿٧﴾

ماں باپ اور قرابت دار اس (متروکہ) سے کہ تھوڑا ہو یا زیادہ اس حال میں کہ وہ حصہ ہے مقرر کیا ہوا ○

زمانہ جاہلیت میں عرب اپنی جابریت اور قساوت قلبی کی وجہ سے کمزوروں یعنی عورتوں اور بچوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیتے تھے۔ وہ صرف طاقتور مردوں کو میراث دیا کرتے تھے ان کے زعم کے مطابق یہ لوگ جنگ وجدل اور لوٹ مار میں حصہ لینے کے قابل تھے۔ پس حکمت والے رب رحیم نے ارادہ فرمایا کہ اپنے بندوں کے لئے وراثت کا ایسا قانون بنادے جس میں ان کے مرد اور عورتیں' طاقتور اور کمزور سب مساوی ہوں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس قانون کو بیان کرنے سے پہلے ایک مجمل حکم بیان کیا تاکہ نفوس اس قانون میراث کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ جب نفوس اس کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور وہ وحشت زائل ہو گئی جس کا سبب بری عادات تھیں تو اس اجمال کی تفصیل آ گئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ ﴾ یعنی مردوں کے لئے حصہ ہے ﴿ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ ﴾ یعنی ان میں سے جو کچھ ماں اور باپ پیچھے (ترکہ میں) چھوڑ جاتے ہیں ﴿ وَالْأَقْرَبُونَ ﴾ ''اور رشتہ دار'' یعنی خاص کے بعد عام کا ذکر کیا ہے ﴿ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ﴾ ''اور عورتوں کے لئے بھی اس ترکے میں سے حصہ ہے جو والدین اور دیگر اقارب چھوڑ کر فوت ہوتے ہیں'' گویا کہ سوال کیا گیا کہ یہ حصہ عرف عام اور عادت کی طرف راجع ہے اور لوگ جو چاہیں ورثاء کو دے دیں؟ یا میراث کے حصے مقرر شدہ ہیں؟ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے' جو علم اور حکمت والا ہے ہر ایک کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ ان مقرر کردہ حصوں کا ان شاء اللہ عنقریب ذکر آئے گا۔

یہاں ایک اور وہم کا خدشہ ہے' شاید کوئی سمجھے کہ عورتوں اور بچوں کو صرف مال کثیر کی صورت میں حصہ ملے گا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعے سے اس وہم کا ازالہ کر دیا ﴿ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ﴾ ''خواہ یہ ترکہ تھوڑا ہو یا بہت'' نہایت ہی بابرکت ہے اللہ تعالیٰ' جو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ

اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتے دار اور یتیم اور مساکین' تو دو تم ان کو کچھ اس (مقسوم) میں سے

وَ قُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۸﴾

اور کہو تم ان سے بات معقول ○

یہ اللہ تعالیٰ کے بہترین اور جلیل ترین احکام میں سے ہے جو ٹوٹے دلوں کو جوڑتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ﴾ یعنی میراث کی تقسیم کے وقت ﴿اُولُوا الْقُرْبٰى﴾ یعنی وہ رشتہ دار جو میت کے وارث نہیں ہیں اور اس کا قرینہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿الْقِسْمَةَ﴾ ہے کیونکہ ورثاء تو وہ لوگ ہیں جن میں وراثت تقسیم ہوگی ﴿وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ﴾ "یتیم اور مساکین" یعنی فقراء میں سے مستحق لوگ ﴿فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ﴾ یعنی اس مال میں سے جو تمہیں بغیر کسی کدو کاوش اور بغیر کسی محنت کے حاصل ہوا۔ ان کو بھی جتنا ہو سکے عطا کر دو۔ کیونکہ ان کا نفس بھی اس کا اشتیاق رکھتا ہے اور ان کے دل بھی منتظر ہیں۔ پس تم ان کی دل جوئی کی خاطر اتنا مال ان کو دے دو جس سے تمہیں نقصان نہ ہو اور ان کے لئے فائدہ مند ہو۔

اس معنی سے یہ بات اخذ کی جاتی ہے کہ اگر انسان کے سامنے کوئی چیز رکھی جائے اور وہاں کوئی ایسا فرد موجود ہو جو کسی آس میں اس پر نظر رکھتا ہو تو اس شخص کے لئے مناسب ہے کہ جتنا بھی ہو سکے اس کو عطا کر دے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: "جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے سامنے کھانا پیش کرے تو وہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلائے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو اسے ایک یا دو لقمے عطا کر دے۔"[1]

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان کے سامنے موسم کا پہلا پھل آتا تو وہ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے' آپ اس میں برکت کی دعا فرماتے اور پھر وہاں موجود سب سے چھوٹے بچے کو عطا کر دیتے' یہ جانتے ہوئے کہ یہ ننھا بچہ نہایت شدت سے اس کی خواہش رکھتا ہوگا۔ یہ سب کچھ اس وقت ہے جب عطا کرنا ممکن ہو اگر عطا کرنا ممکن نہ ہو۔۔۔ مثلاً یہ بے سمجھ لوگوں کا حق ہے یا اس سے بھی اہم کوئی اور وجہ ہو تو ایسی صورت میں ﴿قَوْلًا مَّعْرُوْفًا﴾ ان کو اچھی اور غیر قبیح بات کہہ کر بھلے طریقے سے لوٹا دو۔

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا

اور چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑ جائیں وہ اپنے پیچھے اولاد کمزور' تو (کیسے) خوف کھاتے ہیں وہ اوپر ان کے۔ پس چاہیے کہ ڈریں وہ

اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ﴿۹﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا

اللہ سے اور چاہیے کہ کہیں بات سیدھی ○ بلاشبہ وہ لوگ جو کھاتے ہیں مال یتیموں کے ظلم سے

اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ط وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ﴿۱۰﴾

تو بلاشبہ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ۔ اور عنقریب داخل ہوں گے وہ دہکتی آگ میں ○

[1] صحيح البخاري' العتق' باب إذا أتى أحدكم خادمه بطعامه' ح:۲۵۵۷۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس شخص کے لئے ہے جو کسی قریب المرگ شخص کے پاس موجود ہو اور مرنے والا اپنی وصیت میں ظلم اور گناہ کا مرتکب ہو رہا ہو۔ تو وہ اس شخص کو اس کی وصیت میں عدل وانصاف اور مساوات کی تلقین کرے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ﴾ یعنی ان سے درست بات کہو جو انصاف اور معروف کے موافق ہو۔ وہ ان لوگوں کو جو اپنی اولاد کے بارے میں وصیت کرنا چاہتے ہیں' ان کی اولاد کے بارے میں ایسی تلقین کریں جو وہ خود اپنے بعد اپنی اولاد کے بارے میں پسند کرتے ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد بے سمجھ یعنی پاگل' کم سن اور کمزور لوگوں کے سرپرست ہیں۔ ان کو حکم ہے کہ وہ ان بے سمجھ لوگوں کے دینی اور دنیاوی مفادات کا ایسا انتظام کریں جو وہ اپنے مرنے کے بعد اپنی کمزور اور بے سمجھ اولاد کے بارے میں پسند کرتے ہیں۔ ﴿ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ ﴾ وہ دوسروں کی سرپرستی کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈریں یعنی وہ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کریں جو تقویٰ پر مبنی ہو جس میں ان لوگوں کی اہانت نہ ہو جو ان کی سرپرستی میں ہیں' ان کی دیکھ بھال کریں اور ان سے تقویٰ کا التزام کروائیں۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے یتیموں کے مال کی دیکھ بھال کا حکم دیا تو اب ان کو یتیموں کا مال کھانے پر زجر و توبیخ کی ہے اور اس پر سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا ﴾ ''جو لوگ ناحق یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔'' اس ''ناحق'' کی قید سے وہ نادار سرپرست نکل گئے جن کو معروف طریقے سے بقدر ضرورت ان کے مال میں سے کھانے کی اجازت ہے' اسی طرح وہ بھی اس سے خارج ہو گئے جو آسانی اور اصلاح کی نیت سے اپنا کھانا یتیموں کے کھانے کے ساتھ ملا لیتے ہیں' کیونکہ یہ بھی جائز ہے۔

پس جو کوئی ظلم سے یتیموں کا مال کھاتا ہے ﴿ يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ﴾ ''وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔'' یعنی انہوں نے یتیموں کا جو مال کھایا ہے وہ آگ ہے جو ان کے پیٹ میں بھڑکے گی' یہ آگ خود انہوں نے اپنے پیٹ میں داخل کی ہے ﴿ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ﴾ یعنی وہ عنقریب جلانے والی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔

یہ سب سے بڑی وعید ہے جو گناہوں کے بارے میں سنائی گئی ہے جو یتیموں کا مال کھانے کی برائی اور قباحت پر دلالت کرتی ہے نیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یتیموں کا مال کھانا جہنم میں جانے کا موجب ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً

وصیت کرتا ہے تمہیں اللہ تمہاری اولاد کی بابت' واسطے مرد کے ہے مثل حصے دو عورتوں کے۔ پھر اگر ہوں (صرف) عورتیں

فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ وَلِأَبَوَيْهِ

(دو یا) زیادہ دو سے تو ان کیلئے ہے دو تہائی اس میں سے جو چھوڑ گیا وہ اور اگر ہو ایک ہی (لڑکی) تو اس کیلئے ہے آدھا' اور واسطے اس کے ماں باپ کے

لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ

ہر ایک کے لیے ان میں سے چھٹا حصہ ہے اس سے جو وہ چھوڑ گیا' اگر ہے اس کی اولاد۔ پس اگر نہ ہو اس کی

وَلَدٌ وَّ وَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ

اولاد اور وارث ہوں اسکے ماں باپ ہی تو اسکی ماں کیلئے ہے تیسرا حصہ۔ پس اگر ہوں اسکے (ایک سے زیادہ) بھائی (بہن) تو اسکی ماں کا ہے چھٹا حصہ۔

مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ

بعد وصیت کے کہ وصیت کر جائے وہ اس کی یا (بعد) قرض کے۔ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے' نہیں تم جانتے کون ان میں سے

اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾ وَلَكُمْ

زیادہ قریب ہے تمہارے لیے بہ اعتبار نفع کے۔ (یہ) مقرر ہے اللہ کی طرف سے' بلاشبہ اللہ ہے خوب جاننے والا بڑا حکمت والا ○ اور تمہارے لیے

نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ

آدھا ہے اس کا جو چھوڑ گئیں تمہاری بیویاں اگر نہ ہو ان کی اولاد۔ پس اگر ہو واسطے ان کے اولاد'

فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ

تو تمہارے لیے ہے چوتھا حصہ اس سے جو وہ چھوڑ گئیں بعد وصیت کے کہ وصیت کر جائیں وہ اسکی یا (بعد) قرض کے۔ اور ان (بیویوں) کیلئے ہے چوتھا حصہ

مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا

اس سے جو چھوڑ جاؤ تم' اگر نہ ہو تمہاری اولاد' پس اگر ہو تمہاری اولاد' تو ان (بیویوں) کے لیے ہے آٹھواں حصہ' اس سے

تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً

جو چھوڑ جاؤ تم' بعد وصیت کے کہ وصیت کر جاؤ تم اسکی یا (بعد) قرض کے۔ اور اگر ہو وہ مرد کہ وراثت لی جا رہی ہے (اسکی) کلالہ

اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْۤا اَكْثَرَ

یا عورت ہو (ایسی ہی) اور واسطے اسکے ایک بھائی ہے یا ایک بہن تو ہر ایک کیلئے ان دونوں میں سے چھٹا حصہ ہے۔ پس اگر ہوں وہ زیادہ

مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ۙ

اس سے' تو وہ شریک ہوں گے تہائی حصے میں۔ بعد وصیت کے کہ وصیت کر دی جائے اس کی' یا (بعد) قرض کے۔

غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ؕ ﴿۱۲﴾

بشرطیکہ نہ نقصان پہنچانے والا ہو وہ' (یہ) وصیت ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا بردبار ہے ○

وراثت کے احکام اور اصحاب وراثت:۔

یہ آیات اور اس سورت کی آخری آیت وراثت کی آیات ہیں اور وراثت کے احکام پر مشتمل ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری میں مروی ہے "میراث کے مقررہ حصے ان کے حق داروں کو دو جو بچ جائے وہ اس مرد کو دے دو جو میت کا سب سے زیادہ قریبی ہے" ان آیات کو اس حدیث سے ملایا جائے تو یہ دونوں

وراثت کے بڑے بڑے بلکہ تمام احکام پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ ابھی تفصیل سے واضح ہوگا' سوائے نانی کی وراثت کے' کیونکہ اس کا ذکر ان میں نہیں ہے' مگر سنن میں حضرت مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میت کی نانی کو وراثت کا چھٹا حصہ عطا کیا' اس پر علماء کا بھی اجماع ہے۔

وراثت میں میت کی اولاد کا حصہ:۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ ''اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیت (حکم) فرماتا ہے۔'' یعنی اے والدین کے گروہ! تمہاری اولاد تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں وصیت کی ہے تاکہ تم ان کے دینی اور دنیاوی مصالح کی دیکھ بھال کرو۔ تم ان کو تعلیم دو' ادب سکھاؤ' انہیں برائیوں سے بچاؤ' انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور تقویٰ کے دائمی التزام کا حکم دو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (التحریم:۶/۶۶) ''اے ایمان دارو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔''

پس اولاد کے بارے میں والدین کو وصیت کی گئی ہے۔ اس لئے چاہیں تو وہ اس وصیت پر عمل کریں تب ان کے لئے بہت زیادہ ثواب ہے اور چاہیں تو اس وصیت کو ضائع کر دیں تب وہ سخت وعید اور عذاب کے مستحق ہیں۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ان کے والدین سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہے کیونکہ اس نے والدین کو ان کی اولاد کے بارے میں وصیت کی در آں حالیکہ والدین اپنی اولاد کے لئے کمال شفقت کے حامل ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اولاد کے لئے وراثت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ یعنی اگر اصحاب الفروض نہ ہوں یا اصحاب الفروض کو دینے کے بعد ترکہ بچ جائے تو صلبی اولاد اور بیٹے کی اولاد کے لئے وراثت کا حکم یہ ہے کہ دو لڑکیوں کا حصہ ایک لڑکے کے برابر ہے۔ اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے نیز اگر میت کی صلبی اولاد موجود ہو تو وراثت انہی میں تقسیم ہوگی۔ اگر میت کے بیٹے بیٹیاں ہیں تو پوتے پوتیوں کو وراثت نہیں ملے گی۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ میت کے بیٹے اور بیٹیاں دونوں موجود ہیں یہاں دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت کہ صرف بیٹے ہوں' اس کا ذکر آگے آئے گا۔ دوسری صورت کہ صرف بیٹیاں ہوں' اس کا ذکر ذیل میں ہے۔

بیٹیوں کے لئے وراثت کے احکام:۔

اگر صرف بیٹیاں وارث ہوں تو ان کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ﴾ یعنی اگر صلبی بیٹیوں یا پوتیوں کی تعداد تین یا تین سے زیادہ ہے ﴿فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾ ''تو ان سب کے لئے دو تہائی ترکہ ہے۔'' ﴿وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ ''اور اگر ایک بیٹی (یا پوتی) ہے تو اس کے لئے نصف ترکہ ہے'' اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اس پر اجماع کے بعد یہ اصول کہاں سے مستفاد ہوا کہ دو بیٹیوں کے لئے ترکہ میں سے دو تہائی حصہ ہے؟۔۔۔تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اصول اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ سے ماخوذ ہے، کیونکہ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے اگر بیٹی ایک سے زائد ہو تو وراثت کا حصہ بھی نصف سے منتقل ہو کر آگے بڑھے گا اور نصف کے بعد دو تہائی حصہ ہی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ جب میت نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی ہو تو ترکہ میں سے بیٹے کے لئے دو تہائی حصہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ اس کا یہ حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔ پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی حصہ ہے۔ نیز اگر بیٹی اپنے بھائی کی معیت میں وراثت میں سے ایک تہائی حصہ لیتی ہے درآں حالیکہ بھائی بہن کی نسبت وراثت میں اس کے لئے زیادہ نقصان کا باعث ہے تو بہن کی معیت میں بیٹی کا وراثت سے حصہ لینا زیادہ اولیٰ ہے۔

نیز بہنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِن كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ﴾ (النساء: ۴/۱۷۶) ''اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کے لئے ترکے میں سے دو تہائی حصہ ہے''۔ دو بہنوں کے لئے دو تہائی ترکہ کے بارے میں یہ واضح نص ہے۔ جب دو بہنیں میت سے رشتہ میں بُعد کے باوجود اس کے ترکہ میں سے دو تہائی حصہ لیتی ہیں۔ تو دو بیٹیاں میت سے رشتہ میں قرب کی بنا پر دو تہائی ترکہ لینے کی زیادہ مستحق ہیں۔ نیز صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ کی دو بیٹیوں کو دو تہائی ترکہ عطا کیا۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿فَوْقَ اثْنَتَيْنِ﴾ ''اگر بیٹیاں دو سے زیادہ ہوں'' کا کیا فائدہ؟ کہا جاتا ہے کہ اس کا فائدہ یہ ہے۔۔۔ واللہ اعلم۔۔۔ کہ یہ معلوم ہو جائے کہ زیادہ سے زیادہ حصہ دو تہائیاں ہی ہیں۔ وارث بیٹیوں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ وراثت کا حصہ دو تہائی سے زیادہ نہیں ہوگا۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ جب میت کی صلب میں سے ایک بیٹی ہو اور ایک یا ایک سے زائد پوتیاں ہوں تو بیٹی کے لئے نصف ترکہ ہے اور اس دو تہائی میں سے جو اللہ تعالیٰ نے ایک سے زائد بیٹیوں یا پوتیوں کے لئے مقرر کیا ہے۔ چھٹا حصہ باقی بچ جاتا ہے تو یہ چھٹا حصہ پوتی یا پوتیوں کو دیا جائے گا۔ اسی وجہ سے اس چھٹے حصے کو ''دو تہائی کا تکملہ'' کہا جاتا ہے۔ اور اس کی مثال پوتی کی معیت میں وہ پوتیاں ہیں جو اس سے زیادہ نیچے ہیں۔

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ اگر بیٹیاں یا پوتیاں پورے کا پورا دو تہائی حصہ لے لیں تو وہ پوتیاں جو زیادہ نیچے ہیں ان کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لئے صرف دو تہائی کا حصہ مقرر کیا ہے جو کہ پورا ہو چکا ہے۔ اگر ان کا حصہ ساقط نہ ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ ان کے لئے دو تہائی سے زیادہ حصہ مقرر ہو اور یہ بات نص کے خلاف ہے اور ان تمام احکام پر علماء کا اجماع ہے۔ وللہ الحمد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ مِمَّا تَرَكَ ﴾ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ میت ترکہ میں جو کچھ بھی چھوڑتی ہے خواہ وہ زمین کی صورت میں جائیداد ہو' گھر کا اثاثہ یا سونا چاندی وغیرہ ہوحتیٰ کہ دیت بھی جو اس کے مرنے کے بعد ہی واجب ہوتی ہے اور وہ قرضے جو میت کے ذمہ واجب الادا ہیں ۔ ورثاء ان سب چیزوں کے وارث ہوں گے ۔

ماں باپ کے لئے وراثت کے احکام :۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے لئے وراثت کے احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلِأَبَوَيْهِ ﴾ اس سے مراد ماں اور باپ دونوں ہیں ﴿ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِن كَانَ لَهُ وَلَدٌ ﴾ یعنی اگر میت کا ایک یا ایک سے زائد صلبی بیٹا یا بیٹی' پوتا یا پوتی موجود ہوں ۔ تو پس ماں اولاد (بیٹے یا پوتے) کی معیت میں چھٹے حصے سے زیادہ نہیں لے گی ۔

باپ کے لئے وراثت کے احکام :۔

اگر میت کی نرینہ اولاد موجود ہے تو ان کی معیت میں باپ چھٹے حصے سے زیادہ نہیں لے گا ۔ اگر اولاد بیٹی یا بیٹیاں ہیں اور مقررہ حصے ادا کرنے کے بعد کچھ نہ بچے' جیسے ماں باپ اور دو بیٹیاں ہوں' تو باپ کا استحقاق عصبہ باقی نہیں رہے گا ۔

اور اگر بیٹی یا بیٹیوں کے حصے کے بعد کچھ بچ جائے تو باپ چھٹا حصہ مقررہ حصے کے طور پر اور باقی مال عصبہ ہونے کے اعتبار سے لے گا ۔ اس لئے کہ اصحاب الفروض کو ان کے حصے دینے کے بعد جو بچ جائے تو اس کا وہ مرد زیادہ مستحق ہوتا ہے جو میت کے زیادہ قریب ہو' اس لئے اس صورت میں باپ بھائی اور چچا وغیرہ سے زیادہ قریب ہے ۔

﴿ فَإِن لَّمْ يَكُن لَّهُ وَلَدٌ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ﴾ ''اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے'' یعنی باقی ترکہ باپ کے لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مال کی اضافت بیک وقت ماں اور باپ کی طرف کی ہے پھر ماں کا حصہ مقرر کر دیا' تو یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ باقی مال باپ کے لئے ہے ۔

اس سے یہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ میت کی اولاد کی عدم موجودگی میں میت کا باپ اصحاب فروض میں شمار نہیں ہوتا بلکہ وہ عصبہ کی حیثیت سے تمام مال یا مقرر کردہ حصوں (فروض) سے بچے ہوئے باقی مال کا حق دار ہو گا ۔

اگر ماں باپ کی موجودگی میں میت کا خاوند یا بیوی بھی موجود ہو ۔ جن کو (عـــمـــریتـــین) سے تعبیر کیا جاتا ہے ...... تو خاوند یا بیوی اپنا حصہ لیں گے' ماں باقی میں سے ایک تہائی لے گی اور جو بچ رہے گا اس کا مالک میت کا باپ ہو گا ۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿ وَوَرِثَهُ أَبَوَاهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ ﴾ یعنی جس مال کے وارث ماں باپ ہوں اس کا ایک تہائی حصہ ماں کے لئے ہے اور وہ ان دو صورتوں میں یعنی میت کے خاوند' ماں اور باپ کے

وارث ہونے کی صورت میں چھٹا حصہ' اور میت کی بیوی' ماں اور باپ کے وارث ہونے کی صورت میں چوتھا حصہ ہے۔ پس یہ آیت اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ میت کی ماں' میت کی اولاد کی عدم موجودگی میں تمام مال کی ایک تہائی کی وارث ہے۔ جب تک یہ نہ کہا جائے کہ یہ مذکورہ دو صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ خاوند یا بیوی جو حصہ لیتی ہے' وہ اس حصے کی طرح ہے جو قرض خواہ لیتے ہیں' اس لئے وہ سارے مال سے ہوگا اور باقی مال کے وارث ماں باپ ہوں گے۔ کیونکہ اگر ہم کل مال کا تیسرا حصہ ماں کو عطا کر دیں تو اس سے میت کے خاوند کی معیت میں ماں کا حصہ باپ کے حصے سے بڑھ جائے گا یا میت کی بیوی کی معیت میں باپ کا حصہ ماں کی نسبت چھٹے حصے کے نصف سے زیادہ ہو جائے گا جس کی کوئی نظیر نہیں' کیونکہ اصول یہ ہے کہ ماں' باپ کے مساوی حصہ لے گی یا باپ اس سے دگنا لے گا جو ماں کے حصہ میں آتا ہے۔

﴿فَإِن كَانَ لَهُۥٓ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ ٱلسُّدُسُ﴾ ''اگر مرنے والے کے بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے'' یعنی حقیقی بھائی ہوں' یا باپ کی طرف سے (علاتی بھائی) ہوں یا ماں کی طرف سے (اخیافی بھائی) ہوں خواہ وہ مرد ہو یا عورتیں۔۔۔ وارث بنتے ہوں یا وہ باپ یا دادا کی موجودگی میں محجوب ہوں۔

مگر کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿فَإِن كَانَ لَهُۥٓ إِخْوَةٌ﴾ کا ظاہر غیر ورثاء کو شامل نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ محجوب کو نصف حصہ نہیں پہنچتا۔۔۔ تب اس صورت میں میت کے وارث بننے والے بھائیوں کے سوا ماں کو ایک تہائی حصہ سے کوئی بھائی محجوب نہیں کر سکتا۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ میت کے بھائیوں کی ماں کو ایک تہائی حصے سے محجوب کر دینے میں حکمت یہ ہے کہ کہیں ان کے لئے مال میں کچھ بڑھ نہ جائے حالانکہ وہ معدوم ہے۔ مگر یہاں ایک شرط عائد کی گئی ہے کہ بھائی دو یا دو سے زائد ہوں۔ البتہ اس میں اشکال یہ ہے کہ یہاں ﴿إِخْوَةٌ﴾ جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جمع مقصود نہیں بلکہ مجرد تعدد (متعدد ہونا) مقصود ہے۔ اور یہ تعدد دو کے عدد پر بھی صادق آتا ہے۔ کبھی جمع کا صیغہ تو بول لیا جاتا ہے' مگر اس سے مراد دو ہوتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے حضرت داود اور سلیمان علیہما السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَٰهِدِينَ﴾ (الانبیاء: ۲۱/ ۷۸) ''اور ہم ان کے فیصلے کو دیکھ رہے تھے''۔ اللہ تعالیٰ نے اخیافی بھائیوں کے بارے میں فرمایا ﴿وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَٰلَةً أَوِ ٱمْرَأَةٌ وَلَهُۥٓ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَٰحِدٍ مِّنْهُمَا ٱلسُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوٓا۟ أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى ٱلثُّلُثِ﴾ (النساء: ۴/ ۱۲) ''اگر ایسے مرد یا عورت کی وراثت ہو جو کلالہ ہو یعنی جس کی اولاد ہو نہ باپ' مگر اس کے بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے اگر ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے''۔ پس یہاں بھی جمع کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے مگر بالاجماع اس سے مراد دو اور دو سے زائد افراد ہیں۔

اس صورت میں اگر میت اپنے پیچھے ماں باپ اور کچھ بھائی وارث چھوڑتا ہے تو ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے اور باقی ترکے کا وارث باپ ہے پس انہوں نے ماں کو ایک تہائی حصے سے محجوب کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ باپ نے ان کو بھی محجوب کر دیا۔ البتہ اس میں ایک دوسرا احتمال موجود ہے' جس کی رو سے ماں کے لئے ایک تہائی اور باقی ترکہ باپ کے لئے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿مِنۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٖ يُوصِي بِهَآ أَوۡ دَيۡنٍ﴾ یعنی میت کے ذمے اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے قرض کی ادائیگی اور وصیت کے نفاذ کے بعد جو کچھ باقی بچتا ہے وہ میت کا ترکہ ہے جس کے مستحق ورثاء ہیں اور یہ وراثت قرض کی ادائیگی اور وصیت کے نفاذ کے بعد فروض اور ورثاء کے حصوں میں تقسیم ہوگی اور آیت میں وصیت کو مقدم رکھا گیا ہے' باوجود اس بات کے کہ اس کا نفاذ قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگا' اس کی وجہ وصیت کی اہمیت کو واضح کرنا ہے (تاکہ ورثاء اس کو نظر انداز نہ کریں) علاوہ ازیں وصیت کا نفاذ ورثاء پر شاق گزرتا ہے (اور وہ اس پر عمل کرنے سے بالعموم گریز کرتے ہیں) وگرنہ قرض کی ادائیگی' وصیت پر مقدم ہے اور وصیت اصل مال میں سے ہوگی۔ جہاں تک وصیت کا معاملہ ہے تو وہ صرف ایک تہائی مال یا اس سے کم میں' نیز صرف غیر وارث اجنبیوں کے لئے جائز ہے اس کے علاوہ اگر وصیت کی گئی ہے تو وہ نافذ نہیں ہوگی البتہ اگر ورثاء اجازت دے دیں تو نافذ ہو سکتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے ﴿ءَابَآؤُكُمۡ وَأَبۡنَآؤُكُمۡ لَا تَدۡرُونَ أَيُّهُمۡ أَقۡرَبُ لَكُمۡ نَفۡعٗا﴾ ''تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے' تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون نفع کے اعتبار سے تمہارے زیادہ قریب ہے'' یعنی اگر وراثت کے حصے تمہاری عقل اور تمہارے اختیار کے مطابق بنائے جاتے تو اس قدر نقصان پہنچتا جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے' کیونکہ عقل ناقص ہے اور ہر زمان و مکان کے مطابق جو چیز زیادہ اچھی اور زیادہ لائق ہے اس کی معرفت حاصل کرنے سے قاصر ہے۔ پس انسان نہیں جانتا کہ اس کی اولاد یا والدین میں سے دینی اور دنیاوی مقاصد کے حصول میں کون اس کے لئے زیادہ فائدہ مند اور اس کے زیادہ قریب ہے۔

﴿فَرِيضَةٗ مِّنَ ٱللَّهِۗ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمٗا﴾ ''اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے بے شک اللہ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے'' یعنی وراثت کے ان حصوں کو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس نے جو شریعت بنائی ہے اسے محکم کیا ہے اور اس نے جو چیز مقدر کی ہے اسے بہترین اندازے کے ساتھ مقدر کیا ہے۔ عقل ان جیسے احکام وضع کرنے سے قاصر ہے جو ہر حال اور ہر زمان و مکان کے موافق اور نفاذ کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

شوہر اور بیویوں کے لئے وراثت کے احکام:۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ وَلَكُمْ ﴾ یعنی اے شوہرو! ﴿ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّهُنَّ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِن بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِن لَّمْ يَكُن لَّكُمْ وَلَدٌ فَإِن كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُم مِّن بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ﴾ ''اور جو کچھ تمہاری بیویاں (ترکے میں) چھوڑ جائیں اس میں سے نصف کے تم حق دار ہو بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو۔ اگر ان کی اولاد ہے تو تمہیں جو کچھ وہ چھوڑ جائیں اس کا چوتھائی ملے گا (یہ تقسیم) مرنے والی کی وصیت کی تعمیل اور اس کے قرضے کی (ادائیگی) کے بعد (عمل میں لائی جائے) اور ان کے لئے جو کچھ تم چھوڑ جاؤ اس کا چوتھائی حصہ ہے بشرطیکہ تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کے لئے تمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ہوگا (یہ تقسیم) تمہاری وصیت کی تکمیل یا قرضے (کی ادائیگی) کے بعد (عمل میں لائی جائے)'' اولاد کے مسمّی کے زمرے میں' جس کے وجود اور عدم وجود کو میاں بیوی کی وراثت میں شرط بنایا گیا ہے' صلبی اولاد یا بیٹے کی اولاد لڑکے یا لڑکیاں خواہ ایک ہو یا متعدد جو اس شوہر یا بیوی سے ہوں یا کسی اور سے' شمار ہوتی ہیں اس میں بیٹیوں کی اولاد شامل نہیں اور اس پر اجماع ہے۔

(کلالہ) کا معنی اور اس کے احکام:۔

﴿ وَإِن كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ ﴾ ''اور اگر کوئی مرد یا عورت ہو (جو ترکہ چھوڑ جائے) اور اس کا نہ باپ ہو نہ بیٹا اور بھائی یا بہن ہو'' اس سے مراد اخیافی (ماں شریک) بہن بھائی ہیں جیسا کہ بعض قراءت میں بھی وارد ہے۔ اور فقہاء کا اجماع ہے کہ یہاں بہن بھائی سے مراد اخیافی بہن بھائی ہیں۔ اگر میت کلالہ ہے۔ یعنی میت کا باپ ہے نہ بیٹا' یعنی باپ ہے نہ دادا' بیٹا ہے نہ پوتا' بیٹی ہے نہ پوتی۔۔۔۔ خواہ نیچے تک چلے جائیں۔۔۔۔ ایسی میت کو کلالہ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر بیان کی ہے اور اسی مفہوم پر اجماع واقع ہو گیا۔ وللہ الحمد

﴿ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا ﴾ یعنی بھائی اور بہن دونوں میں سے ہر ایک کے لئے ﴿ السُّدُسُ ﴾ چھٹا حصہ ہے ﴿ فَإِن كَانُوا أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ ﴾ یعنی اگر وہ ایک سے زائد ہوں ﴿ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ﴾ یعنی ایک تہائی میں سب شریک ہیں اور ایک تہائی سے زیادہ نہیں ملے گا خواہ ان کی تعداد دو سے بڑھ جائے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ﴿ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ﴾ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس میں مرد اور عورتیں سب برابر ہیں کیونکہ لفظ ''شریک'' مساوات کا تقاضا کرتا ہے۔ (یعنی اس صورت میں مرد کو عورت سے دگنا حصہ نہیں' بلکہ برابر کا حصہ ملے گا) لفظ ''کلالہ'' دلالت کرتا ہے کہ فروع نیچے تک اور اصول مرد اوپر تک خواہ کتنی ہی دور کیوں نہ جائیں' وہ ماں کی اولاد کو ساقط کر دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اخیافی بہن بھائیوں کو صرف کلالہ کی صورت میں وارث بنایا ہے اور

اگر وہ کلالہ کی صورت میں وارث نہیں بنتے تو وہ کسی اور صورت میں میت کے وارث نہیں بن سکتے۔ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ ﴾ دلالت کرتا ہے کہ "مسئلہ حماریہ" کے مطابق حقیقی بھائی ساقط ہو جاتے ہیں۔۔۔۔ یعنی اگر میت کا شوہر' ماں اور حقیقی بھائی بھی ہوں تو شوہر کے لئے نصف ترکہ' ماں کے لئے چھٹا حصہ اور اخیافی بھائیوں کے لئے ایک تہائی حصہ ہے اور حقیقی بھائی ساقط ہو جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک تہائی ترکہ کو اخیافی بھائیوں کی طرف مضاف کیا ہے اگر اس ترکہ میں حقیقی بھائیوں کو شریک کر لیا جائے تو یہ اس چیز کو جمع کرنا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تفریق کی ہے۔ نیز اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اخیافی بھائی اصحاب فروض ہیں اور حقیقی بھائی عصبہ ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میراث کے مقررہ حصے ان کے حق داروں کو دو جو بچ جائے وہ اس مرد کو دے دو جو میت کا سب سے زیادہ قریبی ہے۔"[1] اور اصحاب فروض وہ لوگ ہیں جن کا حصہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے۔

زیر بحث کلالہ کے مسئلہ میں اصحاب فروض کو دینے کے بعد کچھ باقی نہیں بچتا اس لئے حقیقی بھائی ساقط ہو جائیں گے اور یہی صحیح موقف ہے۔ رہی حقیقی بھائیوں اور بہنوں کی وراثت' یا باپ کی طرف سے بھائیوں اور بہنوں کی وراثت' تو یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ﴾ (النساء: ۱۷۶/۴) میں مذکور ہے۔ پس ایک حقیقی یا باپ کی طرف سے بہن کے لئے نصف ترکہ ہے۔ اگر دو ہوں تو ان کے لئے دو تہائی ترکہ ہے۔

اگر کلالہ کی ایک حقیقی بہن' ایک یا زائد باپ کی طرف سے بہنیں ہوں تو ترکہ کا نصف حصہ حقیقی بہن کو ملے گا اور دو تہائی میں سے باقی جو کہ چھٹا حصہ بنتا ہے دو تہائی کی تکمیل کے لئے باپ کی طرف سے بہن یا بہنوں کو ملے گا۔ اگر حقیقی بہنیں دو تہائی حصہ لے لیں تو باپ کی طرف سے بہنیں ساقط ہو جائیں گی جیسا کہ بیٹیوں اور پوتیوں کے بارے میں گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ اگر بھائی اور بہنیں وارث ہوں تو ایک بھائی کو دو بہنوں کے مساوی حصہ ملے گا۔

قاتل اور مختلف دین رکھنے والے کے لئے وراثت:۔

اگر یہ کہا جائے کہ آیا قرآن کریم سے قاتل' غلام' غیر مسلم' جزوی غلام' مخنث' باپ کی طرف سے بھائیوں کی معیت میں دادا' عول' رد' ذوو الارحام' بقیہ عصبہ' بیٹیوں کی معیت میں باپ شریک بہنوں یا پوتیوں کی وراثت مستفاد ہوتی ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس بارے میں بعض دقیق اشارے اور تنبیہات موجود ہیں' گہرے غور و فکر کے بغیر ان اشارات کو سمجھنا مشکل ہے۔

رہا قاتل اور مخالف دین یعنی غیر مسلم' تو یہ بات معروف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو ورثاء میں ان کے میت

---

[1] صحيح البخاري' الفرائض' باب ميراث الولد من أبيه و أمه' ح: ۶۷۳۲ و صحيح مسلم' الفرائض' باب ألحقوا الفرائض بأهلها..... ح: ۱۶۱۵۔

سے قرب اور دینی اور دنیاوی فوائد کے اعتبار سے تقسیم کرنے کی جو حکمت بیان کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وارث نہیں بن سکتے...... اللہ تعالیٰ نے اپنی اس حکمت بالغہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے: ﴿لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾ (النساء : ۴/ ۱۱) ''تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون نفع کے اعتبار سے تمہارے زیادہ قریب ہے''

یہ بات معلوم اور واضح ہے کہ قاتل نے اپنے مورث کو سب سے بڑا نقصان پہنچایا ہے لہذا وہ امر جو اس کے لئے وراثت کا موجب ہے' قتل کے ضرر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ قتل اس نفع کی ضد ہے جس پر وراثت مرتب ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قتل سب سے بڑا مانع ہے جو میراث کے حصول سے روکتا ہے اور قطع رحمی کا باعث بنتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ (الانفال: ۸/ ۷۵) ''اور رشتہ دار اللہ کے حکم کے مطابق ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں''۔ نیز ایک شرعی قاعدہ مشہور ہے کہ ''جو کوئی وقت سے پہلے کوئی چیز حاصل کرنے میں جلدی کرتا ہے اسے اس چیز سے محرومی کی سزا دی جاتی ہے''۔

مندرجہ بالا توضیح سے واضح ہوتا ہے کہ اگر وارث' مورث کے دین سے مختلف دین رکھتا ہے تو وہ وراثت سے محروم ہے۔ وراثت کا موجب' جو کہ نسب کا اتصال ہے اور وراثت کا مانع جو کہ اختلاف دین ہے اور اختلاف دین ہر لحاظ سے وارث کو مورث سے علیحدہ کر دیتا ہے۔ پس موجب اور مانع میں تعارض ہے۔ مانع زیادہ قوی ہے اور موجب وراثت کو روک دیتا ہے۔ بنابریں مانع کے ہوتے ہوئے موجب پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اس اصول کی وضاحت اس امر سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے حقوق کو کفار رشتہ داروں کے حقوق پر اولیت دی ہے۔ اس لئے جب مسلمان وفات پا جاتا ہے تو اس کا مال اس شخص کی طرف منتقل ہوگا جو اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ تو اسی صورت میں صادق آئے گا جب وارث اور مورث کا دین ایک ہو۔

وارث اور مورث کے دین میں تباین اور اختلاف کی صورت میں دینی اخوت مجرد نسبی اخوت پر مقدم ہے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ جلاء الافہام میں رقمطراز ہیں ''اس لفظ کے معنی پر مواریث کی آیت میں غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے درمیان توارث کو ''عورت'' کی بجائے ''زوجہ'' کے لفظ کے ساتھ معلق کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں آیا ہے ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ﴾ اس میں اس بات کی تعلیم ہے کہ یہ توارث اس زوجیت کی بنا پر واقع ہوا ہے جو کامل مشابہت اور تناسب کا تقاضا کرتی ہے۔ مومن اور کافر کے مابین کوئی مشابہت اور کوئی تناسب نہیں ہوتا اس لئے ان کے مابین توارث واقع نہیں ہو سکتا قرآن کریم کے مفردات اور

مرکبات کے اسرار نہاں اس سے بہت بلند ہیں کہ عقل مندوں کی عقل اس کا احاطہ کر سکے۔۔۔"

غلاموں کے لئے وراثت کے احکام:۔

جہاں تک غلام کا معاملہ ہے تو نہ وہ خود کسی کا وارث بن سکتا ہے اور نہ کوئی اس کا وارث بن سکتا ہے۔۔۔ رہا یہ معاملہ کہ کوئی اس کا وارث نہیں بن سکتا تو یہ بالکل واضح ہے کیونکہ اس کا کوئی مال ہی نہیں جس کا کوئی وارث ٹھہرے' بلکہ اس کے برعکس اس کا تمام مال اس کے آقا کی ملکیت ہے رہی یہ بات کہ وہ وارث بھی نہیں ہو سکتا' تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا' اگر اس کے ہاتھ میں کوئی چیز آتی بھی ہے تو وہ اس کے مالک کی ملکیت ہوتی ہے۔ پس وہ میت کے لئے اجنبی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے اس قسم کے ارشادات: ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ﴾ ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ﴾ اور ﴿فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ﴾ وغیرہ اس کے لئے ہے جو ملکیت کا اثبات کر سکتا ہو اور غلام کے لئے چونکہ ملکیت کا اثبات ممکن نہیں' اس لئے معلوم ہوا کہ وہ میراث کا حق دار نہیں۔

رہا وہ شخص جو جزوی طور پر آزاد اور جزوی طور پر غلام ہو تو اس کے احکام میں بھی تبعیض ہو گی۔ پس اس میں جو آزادی کا حصہ ہے' اس کی وجہ سے اللہ نے وراثت کا جو حق مترتب کیا ہے' اس کا وہ مستحق ہو گا' کیونکہ آزادی کی وجہ سے وہ مالک بننے کے قابل ہے اور اس میں جو غلامی کا حصہ ہے' اس کی وجہ سے وہ اس کے قابل نہیں۔ تب اس صورت میں یہ جزوی طور پر آزاد ہے۔ وراثت میں حصہ لے گا اور خود اس کی میراث بھی اس کے ورثاء میں تقسیم ہو گی اور اپنی آزادی کی مقدار کے مطابق دوسروں کو وراثت سے محجوب کرے گا اور جب غلام' قابل تعریف اور قابل مذمت' ثواب کا حق دار اور عذاب کا حق دار' ان موجبات کی مقدار کے مطابق ہو سکتا ہے' جو اسے ان امور کا مستحق بناتی ہیں' تو یہ معاملہ بھی اسی طرح ہے۔

مخنث کے لئے وراثت کے احکام:۔

مخنث کا معاملہ تین امور سے خالی نہیں ہوتا۔

مخنث کی ذکوریت واضح ہوتی ہے (یعنی اس میں مرد کی علامتیں پائی جاتی ہیں) یا اس کی انوثیت واضح ہوتی ہے۔ (اس میں عورت کی علامتیں غالب ہوتی ہیں) یا اس کا مذکر ہونا یا مونث ہونا واضح نہیں ہوتا تب اس کو "مشکل" کہتے ہیں۔

اگر مخنث کا معاملہ واضح ہے تو اس کی وراثت کا مسئلہ بھی واضح ہے۔ چنانچہ اگر اس میں مرد کی علامتیں غالب ہیں تو اس پر اس نص کا اطلاق ہو گا جو مردوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور اگر اس میں عورت کی علامتیں غالب ہیں تو اس پر عورتوں کے احکام کا اطلاق ہو گا۔ اگر وہ مشکل ہے تو اگر وہ مرد اور عورت ہیں جن کا حصہ وراثت مختلف نہیں۔ (بلکہ یکساں ہے) جیسے اخیافی بہن بھائیوں کا معاملہ ہے تو اس میں معاملہ بالکل واضح ہے۔

اور اگر اس کو مرد مقدر کرتے ہوئے یا عورت مقدر کرتے ہوئے اس کا حصہ وراثت مختلف ہو اور ہمارے پاس اس کے بارے میں تیقن کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ تو ہم اسے وہ حصہ نہ دیں گے جو دونوں صورتوں میں سب سے زیادہ بنتا ہے کیونکہ اس میں ان لوگوں پر ظلم کا احتمال ہے جو اس کی معیت میں وراثت کے حق دار ہیں اور نہ ہم اسے کم ترین حصہ دیں گے کیونکہ اس صورت میں خود اس پر ظلم کا احتمال ہے۔ پس ان کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ (المائدہ : ۸/۵) ''عدل کیا کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے''۔

اس قسم کی صورتحال میں ہمارے پاس اس سے زیادہ کوئی عدل کا راستہ نہیں جس کا گزشتہ سطور میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ﴾ (البقرہ : ۲۸۶/۲) ''اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے مطابق''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن: ۱۶/۶٤) ''پس جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو''۔

دادا کے لئے وراثت کے احکام:۔

رہا حقیقی بھائیوں یا باپ شریک (علاتی) بھائیوں کی موجودگی میں میت کے دادا کے لئے وراثت کا مسئلہ کہ آیا مذکورہ بھائی دادا کی معیت میں وراثت میں سے حصہ لیں گے یا نہیں ۔۔۔ تو اللہ تعالیٰ کی کتاب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس فتویٰ کی تائید کرتی ہے کہ دادا بھائیوں کو محجوب کر دے گا' چاہے وہ حقیقی بھائی ہوں یا علاتی (باپ شریک) یا اخیافی (ماں شریک) ہوں۔ جیسے باپ ان سب کو محجوب کر دیتا ہے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک سے زائد مقامات پر دادا کو باپ کہا گیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ ﴾ (البقرہ: ۱۳۳/۲) ''جب یعقوب وفات پانے لگے تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا تیرے معبود اور تیرے آباء ابراہیم' اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی''۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا قول نقل فرمایا: ﴿ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ﴾ (یوسف: ۳۸/۱۲) ''میں نے اپنے آباء ابراہیم' اسحاق اور یعقوب کی ملت کی پیروی کی ہے''۔

پس اللہ تعالیٰ نے دادا اور باپ کے دادا کو ''باپ'' کے نام سے موسوم کیا ہے یہ چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ دادا باپ کے مقام پر ہوتا ہے اور وراثت میں اس کا وہی حصہ ہے جو باپ کا حصہ ہے۔ جس کو باپ محجوب کرتا ہے اس کو دادا بھی محجوب کرے گا (یعنی باپ کی عدم موجودگی میں)

اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ میت کے باپ کی عدم موجودگی میں میت کی میراث میں میت کی اولاد

وغیرہ کی معیت میں اس کے بھائیوں' چچاؤں اور چچاؤں کے بیٹوں کے ہوتے ہوئے دادا کا وہی حکم ہے جو باپ کا حکم ہے۔۔۔۔اس لئے مناسب یہی ہے کہ اخیافی بھائیوں کے علاوہ دوسرے بھائیوں کو محجوب کرنے میں بھی دادا کا وہی حکم ہو جو باپ کا حکم ہے اور جب بیٹے کا بیٹا صلبی بیٹے کی مانند ہے تو دادا باپ کے مقام پر کیوں نہیں ہو سکتا اور جب باپ کا دادا میت کے بھتیجے کی موجودگی میں' اہل علم کے اجماع کے مطابق' بھتیجے کو محجوب کر دے گا۔ تو پھر میت کا دادا میت کے بھائی کو کیوں محجوب نہیں کر سکتا؟ لہذا جو دادا کی معیت میں بھائیوں کو وارث قرار دیتا ہے اس کے پاس کوئی نص ہے نہ اشارہ نہ تنبیہ اور نہ قیاس صحیح۔

عول اور اس کے احکام:۔

عول کے مسائل کے احکام قرآن مجید سے مستفاد ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب مواریث کے لئے حصے مقرر کر دیئے ہیں اور ان کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔

وہ ایک دوسرے کو محجوب کرتے ہیں یا نہیں کرتے۔ اگر وہ ایک دوسرے کو محجوب کرتے ہیں تو وراثت میں محجوب ساقط ہو جاتا ہے اور وہ کسی چیز کا مستحق نہیں رہتا۔ اگر وہ ایک دوسرے کو محجوب نہیں کرتے تو وہ مندرجہ ذیل دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا تو وہ ترکہ کے تمام حصے کے وارث نہیں بنتے۔ (یعنی ورثاء کو ان کے شرعی حصے دینے کے بعد بھی ترکہ بچ جاتا ہے)

یا وہ ترکہ کے تمام حصوں کے وارث اس طرح بنتے ہیں کہ یہ مقرر کردہ حصے مجموعی طور پر نہ تو ترکہ سے کم ہوتے ہیں اور نہ زیادہ۔ یا مقرر کردہ حصے ترکہ سے بڑھ جاتے ہیں۔

پہلی دو صورتوں میں ہر وارث اپنا پورا حصہ حاصل کرتا ہے مگر آخری صورت میں جب حصے ترکہ سے بڑھ جائیں تو یہ بھی دو حالتوں سے خالی نہیں۔ یا تو ہم بعض ورثاء کا وہ حصہ کم کر دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر کیا ہے اور ان میں سے باقی ورثاء کا حصہ پورا پورا عطا کرتے ہیں۔ یہ ترجیح بلا دلیل ہے ان میں سے کوئی ایک نقصان اٹھانے کا کسی دوسرے سے زیادہ مستحق نہیں۔

پس دوسری صورت کا یوں تعین ہوتا ہے کہ ہم امکانی حد تک ہر وارث کو اس کا پورا حصہ ادا کرتے ہیں اور موجود ترکہ کو ان کے درمیان ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کر دیتے ہیں جیسے مقروض کے اس مال کو قرض خواہوں کے مابین تقسیم کیا جاتا ہے جو قرض خواہوں کے مطالبے سے کم ہوتا ہے۔ اب اس مال کو عول کے اصول کو استعمال کئے بغیر تقسیم کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم فرائض (وراثت) میں عول کا مسئلہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرما دیا ہے۔

رد اور اس کے احکام:۔

عول کے اس طریقے کے بالکل برعکس رد کا اصول معلوم ہوا' اس لئے کہ جب اصحاب فروض میں ترکہ کو تقسیم کرنے کے بعد ترکہ میں سے کچھ بچ جائے۔ اور اس کا کوئی حق دار نہ ہو اور قریب یا دور میت کا عصبہ بھی نہ ہو۔ اگر یہ بچا ہوا ترکہ کسی ایک کو عطا کر دیں تو یہ بلا دلیل ترجیح ہے۔ اور یہ بچا ہوا کسی ایسے شخص کو دے دینا جو میت کا قریبی نہیں ہے تو یہ گناہ' کج روی اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مخالفت ہے ﴿ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ﴾ (الانفال:۷۵/۸) ''اور رشتہ دار اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں''۔ پس یہ بات متحقق ہو گئی کہ بچا ہوا ترکہ اصحاب فروض کو ان کے حصے کے مطابق واپس لوٹا دینا چاہئے۔

زوجین کی طرف رد کے احکام:۔

ان فقہاء کے نزدیک جو بچے ہوئے ترکے کو زوجین کی طرف لوٹانے کے قائل نہیں' ان کے مسلک کے مطابق زوجین اپنے مقررہ حصے سے زیادہ لینے کے مستحق نہیں' کیونکہ ان کے درمیان نسبی قرابت نہیں ہوتی۔ مگر صحیح مسلک یہ ہے کہ رد کے ضمن میں زوجین کا حکم بھی وہی ہے جو باقی ورثاء کا ہے۔ مذکورہ بالا دلیل سب کو اسی طرح شامل ہے جس طرح اصول عول میں سب شامل ہیں۔

میراث میں ذوی الارحام کا حکم:۔

اس کے ذریعے سے ذوی الارحام کی وراثت بھی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اگر میت کے پیچھے کوئی ایسا شخص نہ بچے جو اصحاب فروض (جن کے حصے اللہ کی طرف سے مقرر ہیں) یا عصبہ (میت کا قریب ترین رشتے دار) میں شمار ہوتا ہو تو میراث کا معاملہ دو امور کے مابین گھومتا ہے۔ ترکہ کا مال بیت المال میں جمع ہو جس سے اجنبی لوگ استفادہ کریں یا ترکہ میت کے ان اقارب کی طرف لوٹ جائے جو ورثاء کے متفق علیہ قریبی ہیں۔ ان دونوں میں سے دوسرا مسلک متعین ہے اور اس کی صحت پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے ﴿ وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ﴾ (الانفال:۷۵/۸)

اس لئے میراث کو اولوالارحام کے علاوہ کسی اور طرف پھیرنا اس شخص کو محروم کرنا ہے جو دوسروں سے زیادہ اس کا مستحق ہے۔ پس ذوی الارحام کو وارث بنانا متعین ہو گیا اور جب ان کو وارث بنانا متعین ہو گیا تو یہ معلوم ہو گیا کہ کتاب اللہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے حصے مقرر نہیں فرمائے۔ نیز یہ کہ ان کے اور میت کے درمیان کچھ واسطے ہیں جن کے سبب سے وہ میت کے رشتہ دار بنے پس ان کو اسی مقام پر رکھا جائے گا جس کے ذریعے سے وہ میت کے قریبی بنتے ہیں۔ واللہ اعلم

میت کا عصبہ کون ہے؟ اور میراث میں اس کا حکم:۔

رہی باقی عصبہ کی وراثت جیسے بیٹے' بھائی' بھتیجے' چچا اور چچاؤں کے بیٹے' تو ان کے بارے میں رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا: «الحقوا الفرائض باھلھا فمابقی فلاولی رجل ذکر»① ”وراثت کے مقررہ حصے ان کے حق داروں کو دے دو جو بچ جائے اس مرد کو دے دو جو میت کا سب سے زیادہ قریبی ہے“

اور فرمایا: ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْأَقْرَبُوْنَ﴾ (النساء: ۴/۳۳) ”جو مال ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ کر مر جاتے ہیں ہم نے ہر ایک کے حق دار مقرر کر دیے ہیں“۔ جب ہم اصحاب فروض کو ان کے مقررہ حصے عطا کر دیں اور کچھ باقی نہ بچے تو عصبہ کسی چیز کا حق دار نہیں ہوتا اور اگر ترکہ میں سے کچھ باقی بچ جائے تو عصبہ میں سے جو سب سے زیادہ مستحق ہیں وہ اپنی جہات اور درجات کے مطابق حصہ لیں گے۔

عصبہ کی جہات:۔

عصبہ کی پانچ جہات ہیں۔ بیٹے، باپ، بھائی اور بھتیجے، چچا اور چچاؤں کے بیٹے، پھر ولاء۔ ان میں سے اس کو مقدم رکھا جائے گا جو جہت کے اعتبار سے سب سے قریب ہے۔ اگر تمام ایک ہی جہت میں واقع ہوں تو ان میں وہ زیادہ مستحق ہے جو منزلت کے اعتبار سے زیادہ قریب ہے۔ اگر منزلت کے اعتبار سے سب برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ قوی ہے وہ زیادہ مستحق ہے اور وہ حقیقی بھائی ہے۔ اگر ہر پہلو سے برابر ہوں تو سب عصبہ میں شریک ہوں گے، واللہ اعلم۔

رہا باپ شریک بہنوں کا بیٹیوں کی معیت یا بھتیجیوں کی معیت میں عصبہ ہونا اور ان کا ترکہ میں سے اپنے حصوں سے زائد لینا۔۔۔۔ تو قرآن مجید میں ایسی کوئی چیز نہیں جو یہ دلالت کرتی ہو کہ بہنیں بیٹیوں کی وجہ سے ساقط ہو جائیں گی۔ جب صورت حال یہ ہو اور بیٹیوں کے اپنا حصہ لینے کے بعد کچھ بچ جائے تو وہ بہنوں کو دیا جائے گا اور ان کو چھوڑ کر اس عصبہ کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی جو ان سے بعید تر ہے۔ مثلاً بھتیجا، چچا اور وہ لوگ جو ان سے بھی بعید تر ہیں واللہ اعلم۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

یہ حدیں ہیں اللہ کی اور جو اطاعت کرے گا اللہ اور اسکے رسول کی تو داخل کرے گا وہ اسکو ایسے باغوں میں کہ چلتی ہیں انکے نیچے

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ

نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور یہ ہے کامیابی بہت بڑی ○ اور جو نافرمانی کرے گا اللہ اور اسکے رسول کی اور تجاوز کرے گا

حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٤﴾ ع

اسکی حدوں سے تو داخل کرے گا وہ اس کو آگ میں ہمیشہ رہے گا وہ اس میں اور اس کے لیے عذاب ہے رسوا کن ○

رکوع ۲

① صحیح البخاری، الفرائض، باب میراث ابن الابن اذا لم یکن ابن، ح:۶۷۳۵ و صحیح مسلم، الفرائض، باب الحقوا الفرائض باھلھا...، ح:۱۶۱۵۔

یہ تفاصیل جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے میراث کے ضمن میں کیا ہے اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جن پر رکنا' ان سے تجاوز نہ کرنا اور ان میں کوتاہی سے بچنا فرض ہے اور اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ وارث کے لئے وصیت منسوخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام ورثاء کے حصے مقرر کر دیئے ہیں اور اس کے بعد فرمایا: ﴿ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ﴾ ''یہ اللہ کی حدیں ہیں'' بنابریں وارث کے لئے اس کے حق سے زیادہ وصیت کرنا (منع کردہ) تجاوز میں داخل ہے۔

نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: «لا وصية لوارث»[1] ''کسی وارث کے حق میں وصیت کرنا جائز نہیں''

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے عمومی طور پر اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا اور نافرمانی سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ اس عمومی اطاعت کے حکم میں فرائض (وراثت) کی حدود کا التزام اور اس سے تجاوز نہ کرنا بھی شامل ہو جائے۔ فرمایا: ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ ''اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کو بجا لا کر' جس میں سب سے بڑی چیز توحید میں ان کی اطاعت کرنا ہے' پھر اوامر میں ان کے درجات کے مطابق اطاعت کرنا اور ان کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کرنا ہے' جن میں سب سے بڑا ممنوع اللہ کے ساتھ شرک ہے' پھر دوسرے معاصی ہیں' ان کی درجہ بندی کے ساتھ۔ ﴿ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ﴾ ''اسے اللہ باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے'' پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے اور منہیات سے بچتا ہے وہ ضرور جنت میں داخل ہو گا اور اسے جہنم سے نجات ملے گی۔ ﴿ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ ''یہی وہ بڑی کامیابی ہے'' جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب سے نجات کے حصول کی ضمانت ہے اور اسی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رضا' اس کے ثواب اور اس کی دائمی نعمتوں سے بہرہ ور ہوا جا سکتا ہے' جن کا وصف کوئی بیان نہیں کر سکتا۔

﴿ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ ''اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا'' اور نافرمانی میں کفر اور اس سے کم تر گناہ سب شامل ہیں۔ یہاں خوارج کے لئے کوئی شبہ کی گنجائش نہیں جو گناہ گاروں کے کفر کے قائل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت پر دخول جنت کو مترتب کیا ہے اور اپنی نافرمانی اور اپنے رسول ﷺ کی نافرمانی پر دخول جہنم کو مترتب کیا ہے۔ پس جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت کرتا ہے وہ بلا عذاب جنت میں داخل ہو گا' اسی طرح جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مکمل نافرمانی کرتا ہے' جس میں شرک اور دیگر گناہ بھی شامل ہیں وہ جہنم میں داخل ہو گا اور ہمیشہ وہاں رہے گا اور جس میں اطاعت اور نافرمانی دونوں مجتمع ہیں تو گویا اس میں اس کی اطاعت اور نافرمانی کی مقدار کے مطابق ثواب اور عذاب کی موجبات موجود ہیں اور نصوص متواترہ دلالت کرتی ہیں کہ موحدین جن کے ساتھ اطاعت توحید ہے' جہنم میں

[1] جامع الترمذی' الوصایا' باب ماجاء لا وصیة لوارث' ح: ۲۱۲۰' ۲۱۲۱

ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ پس جن کے ساتھ توحید ہے وہ توحید ان کے جہنم میں ہمیشہ رہنے سے مانع ہے (یعنی ایسے لوگ اپنی نافرمانیوں کی سزا بھگت کر بالآخر جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیے جائیں گے)

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ

اور وہ جو کریں بے حیائی کا کام تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ ٹھہرا لو تم ان پر چار مرد اپنے میں سے۔

فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ

پس اگر وہ گواہی دیں، تو بند رکھو ان کو گھروں میں یہاں تک کہ ختم کر دے ان کو موت، یا بنا دے اللہ

لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا

ان کیلئے کوئی راستہ ○ اور وہ دو مرد جو کریں یہی بے حیائی کا کام تم میں سے، تو ایذا دو انکو، پس اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں،

فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾

تو درگزر کرو ان سے، بلاشبہ اللہ ہے بہت توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ○

یعنی عورتیں ﴿وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ﴾ "جو زنا کا ارتکاب کرتی ہیں" اللہ تعالیٰ نے زنا کو اس کی قباحت اور برائی کی وجہ سے فاحشہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ﴿فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ "اپنے میں سے چار اہل ایمان عادل مردوں کو گواہ بنا لو" ﴿فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ﴾ "اگر وہ گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں محبوس کر دو" اور باہر جانے سے روک دو جو شک و شبہ کا موجب ہے۔ نیز گھر میں محبوس کر دینا ایک قسم کی سزا بھی ہے ﴿حَتّٰی یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ﴾ "یہاں تک کہ موت ان کا کام تمام کر دے" یعنی یہ محبوس رکھنے کی انتہا ہے ﴿اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں گھروں میں محبوس کرنے کے علاوہ کوئی اور طریقہ مقرر فرما دے۔

یہ آیت کریمہ منسوخ نہیں بلکہ یہ تو اس وقت تک کے لئے غایت مقرر ہے (جب تک اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی اور راستہ نہیں نکال دیتا) اسلام کی ابتدا میں یہی طریقہ رائج رہا جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا متبادل حکم نازل نہیں فرما دیا۔ اور وہ ہے شادی شدہ زانی اور زانیہ کو رجم کرنا اور غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کو کوڑے لگانا۔

اور اسی طرح ﴿وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ﴾ تمہارے مردوں اور عورتوں میں سے جو کوئی اس فحش کام کا ارتکاب کرتا ہے ﴿فَاٰذُوْهُمَا﴾ پس انہیں زبانی طور پر زجر و توبیخ اور ملامت کرو اور اس برے کام پر عار دلاؤ اور ان کو عبرت ناک مار پیٹ کی سزا دو، جس سے یہ اس فحش کام سے رک جائیں۔ تب اس صورت میں مردوں کو اس فحش کام کے ارتکاب پر مار پیٹ کی سزا دی جائے اور عورتوں کو گھروں میں محبوس رکھ کر سزا دی جائے۔

پس حبس (گھر میں بند کر دینا) کی انتہا، موت ہے اور مار پیٹ کی اذیت کی انتہا، توبہ اور اصلاح ہے بنا بریں فرمایا: ﴿فَاِنْ تَابَا﴾ یعنی اگر وہ اپنے اس گناہ سے رجوع کر لیں جس کا انہوں نے ارتکاب کیا اس فعل پر نادم ہوں

اور دوبارہ نہ کرنے کا عزم کریں ﴿وَاَصْلَحَا﴾ یعنی اپنے طرز عمل کی اصلاح کرلیں جوان کی سچی توبہ پر دلالت کرے ﴿فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا﴾ توان کو اذیت پہنچانے سے گریز کرو ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ یعنی وہ خطا کار گناہ گاروں کی توبہ کو بہت کثرت سے قبول کرتا ہے' وہ عظیم رحمت واحسان کا مالک ہے۔ یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے انہیں توبہ کی توفیق سے نوازا پھران کی توبہ کو قبول فرمایا اور ان سے صادر ہونے والے گناہوں کے بارے میں ان سے نرمی اختیار کی۔

ان دو آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ زنا کی شہادت میں چار مومن مردوں کی گواہی ضروری ہے اور ان کی عدالت کی شرط عائد کرنا بطریق اولیٰ ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس فحش کام کے بارے میں بہت سختی کی ہے تاکہ اس سے بندوں کی پردہ پوشی رہے۔ یہاں تک کہ اس بارے میں عورتوں کی شہادت' خواہ وہ اکیلی ہو یا مردوں کی معیت میں' ناقابل قبول ٹھہرایا ہے اور چار مردوں سے کم کی گواہی بھی قبول نہیں کی نیز اس میں صراحت کے ساتھ شہادت کو لازم قرار دیا ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے ﴿فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فرمایا: ﴿فَاِنْ شَهِدُوْا﴾ یعنی ایک ایسے معاملے میں اشارہ کنایہ کے بغیر صریح شہادت لازم ہے جسے آنکھوں سے مشاہدہ کیا گیا ہو۔ ان آیات کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قول و فعل سے اذیت پہنچانا اور قید کر دینا' اس کو اللہ نے معصیت کاری کے لئے تعزیر بنایا جس سے زجر و توبیخ کا مقصد حاصل ہوتا ہے۔

اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوْبُوْنَ

یقیناً توبہ (کا قبول کرنا) تو اللہ کے ذمے انہی لوگوں کے لیے ہے جو کرتے ہیں برا کام جہالت سے' پھر توبہ کر لیتے ہیں

مِنْ قَرِيْبٍ فَاُولٰٓئِكَ يَتُوْبُ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷﴾

جلدی ہی۔ پس یہی لوگ ہیں کہ متوجہ ہوتا ہے اللہ ان پر (یعنی توبہ قبول کر لیتا ہے) اور ہے اللہ بہت جاننے والا بڑا حکمت والا ○

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ

اور نہیں توبہ (قبول ہوتی) ان لوگوں کی جو کرتے (رہتے) ہیں برے کام' یہاں تک کہ جب آتی ہے ایک کو ان میں سے موت'

قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ

تو کہتا ہے' بے شک میں نے توبہ کی اب' اور نہ ان لوگوں کی جو مرتے ہیں اس حال میں کہ وہ کافر ہی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ'

اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۸﴾

تیار کیا ہے ہم نے ان کے لیے عذاب بہت دردناک ○

اللہ تعالیٰ کا بندوں کی طرف رجوع کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کا بندے کو توبہ کی توفیق عطا کرنا۔

(۲) بندے کے توبہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا اس کو قبول کر لینا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں آگاہ فرمایا ہے کہ توبہ اللہ تعالیٰ پر استحقاق ہے' قبولیت توبہ ایک ایسا حق ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے جود و کرم کی بنا پر اپنے آپ پر اس بندے کے لئے لازم فرمایا ہے جو برا کام کر بیٹھتا ہے ﴿بِجَهَالَةٍ﴾ یعنی وہ اس برائی کے انجام' اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب سے' جس کی یہ برائی موجب ہوتی ہے۔۔۔ لاعلمی کی وجہ سے برائی کا ارتکاب کرتا ہے۔ وہ برائی کرتے وقت اس بات سے بھی جاہل ہوتا ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے نیز وہ اس سے بھی لاعلم ہوتا ہے کہ برائی کا ارتکاب ایمان میں کمی یا اسے معدوم کرنے کا باعث بنتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا ہر نافرمان شخص اس اعتبار سے جاہل ہوتا ہے خواہ وہ اس برائی کی تحریم کا علم رکھتا ہو۔ بلکہ برائی کی تحریم کا علم' اس کے معصیت ہونے اور اس کے مرتکب کی سزا کے لئے شرط ہے۔

﴿ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ﴾ اس میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ وہ موت کو دیکھ لینے سے قبل توبہ کر لیتے ہیں۔ یہ بات قطعی ہے کہ جب بندہ موت کے معائنہ سے قبل توبہ کر لیتا ہے تو اللہ بندے کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ موت کو دیکھ لینے کے بعد گناہ گاروں کی توبہ قابل قبول نہیں ہوتی اور نہ کفار کے لئے رجوع کی کوئی گنجائش رہتی ہے۔ فرعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿حَتَّىٰٓ إِذَآ أَدۡرَكَهُ ٱلۡغَرَقُ قَالَ ءَامَنتُ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّا ٱلَّذِيٓ ءَامَنَتۡ بِهِۦ بَنُوٓاْ إِسۡرَٰٓءِيلَ﴾ (یونس: ۹۰/۱۰) ''یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں''۔ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَلَمَّا رَأَوۡاْ بَأۡسَنَا قَالُوٓاْ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَحۡدَهُۥ وَكَفَرۡنَا بِمَا كُنَّا بِهِۦ مُشۡرِكِينَ ۝ فَلَمۡ يَكُ يَنفَعُهُمۡ إِيمَٰنُهُمۡ لَمَّا رَأَوۡاْ بَأۡسَنَا سُنَّتَ ٱللَّهِ ٱلَّتِي قَدۡ خَلَتۡ فِي عِبَادِهِۦ﴾ (المومن: ۴۰/۸۴'۸۵) ''جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو انہوں نے کہا ہم ایک اللہ پر ایمان لائے اور ہم نے ان خداؤں کا انکار کیا جنہیں ہم اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ مگر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو ان کے ایمان نے ان کو کوئی فائدہ نہ دیا۔ یہ اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں کے بارے میں چلی آ رہی ہے۔''

یہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَيۡسَتِ ٱلتَّوۡبَةُ لِلَّذِينَ يَعۡمَلُونَ ٱلسَّيِّـَٔاتِ﴾ ''ان کی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں'' یہاں برائیوں سے مراد کفر سے کم تر گناہ ہیں ﴿حَتَّىٰٓ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ ٱلۡمَوۡتُ قَالَ إِنِّي تُبۡتُ ٱلۡـَٰٔنَ وَلَا ٱلَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمۡ كُفَّارٌۚ أُوْلَٰٓئِكَ أَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ ''یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جائے تو کہہ دے کہ میں نے اب توبہ کی' ان کی توبہ قبول نہیں جو کفر ہی پر مر جائیں' یہی لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے الم ناک عذاب تیار کر رکھے ہیں' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حالت میں توبہ اضطراری توبہ ہے جو توبہ کرنے والے کو کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ صرف اختیاری توبہ فائدہ دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿مِن قَرِیبٍ﴾ میں اس معنیٰ کا بھی احتمال ہے کہ توبہ کے موجب' گناہ کے ارتکاب کے ساتھ ہی توبہ کی جائے۔۔۔ تب آیت کا معنیٰ یہ ہوگا "جس کسی نے برائی کا ارتکاب کرتے ہی برائی کو چھوڑنے میں جلدی کی اور نادم ہو کر اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے"۔ اس کے برعکس وہ شخص جو اپنے گناہ پر قائم اور اپنے عیوب پر مصر رہتا ہے یہاں تک کہ یہ گناہ اس کی عادت راسخہ بن جاتا ہے تب اس کے لئے پوری طرح توبہ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ غالب طور پر اسے توبہ کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ اور اس کے لئے توبہ کے اسباب مہیا نہیں کئے جاتے۔ مثلاً وہ شخص جو جانتے بوجھتے اور اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اور استہزاء کے ساتھ برے اعمال کا ارتکاب کرتا ہے وہ اپنے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ بند کر لیتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہوئے عمداً گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور ان گناہوں پر مصر رہتا ہے مگر اللہ اسے توبہ نافعہ کی توفیق عطا کر دیتا ہے یہ توبہ اس کے گزشتہ گناہ اور جرائم کو دھو ڈالتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی توفیق پہلے شخص کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت اس طرح ختم فرمائی: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ "اور اللہ علم اور حکمت والا ہے" اور اللہ تعالیٰ کے جاننے میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ جانتا ہے کہ کون سچی توبہ کرتا ہے اور کون اپنی توبہ میں جھوٹا ہے' ان میں سے ہر ایک کو اپنی حکمت کے مطابق' جس کا وہ مستحق ہوگا' جزا دیتا ہے اور یہ بھی اس کی حکمت کا حصہ ہے کہ وہ اسے توبہ کی توفیق عطا کر دیتا ہے جس کے لئے اس کی حکمت' رحمت اور توفیق تقاضا کرتی ہے اور اسے اپنے حال پر چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتا ہے جس کو چھوڑنا اس کا عدل و حکمت اور عدم توفیق تقاضا کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہیں ہے حلال تمہارے لیے یہ کہ وارث ہو جاؤ تم عورتوں کے زبردستی۔ اور نہ روکو تم انہیں'

لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَ

تاکہ لے لو تم کچھ (حصہ) اس (حق مہر) کا جو دیا تم نے ان کو۔ مگر یہ کہ کریں وہ بے حیائی کھلی کا کام۔ اور

عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ

گزر بسر کرو تم ان کے ساتھ خوش اسلوبی سے۔ پس اگر ناپسند کرو تم ان کو' تو شاید کہ ناپسند کرو تم کسی چیز کو اور کر دے

اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ

اللہ اس میں بھلائی بہت ○ اور اگر چاہو تم بدلنا ایک بیوی کا ایک بیوی کی جگہ' اور دیا ہو تم نے

اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا

ایک کو ان میں سے بہت سا مال' پس نہ (واپس) لو تم اس میں سے کچھ بھی۔ کیا لو گے تم اسے بہتان باندھ کر اور گناہ

مُبِيۡنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيۡفَ تَاۡخُذُوۡنَهٗ وَقَدۡ اَفۡضٰى بَعۡضُكُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ

صریح ہے؟ ○ اور کیسے لو گے تم اسے' جب کہ ملاپ کر چکا ہے ایک تمہارا دوسرے سے

وَّاَخَذۡنَ مِنۡكُمۡ مِّيۡثَاقًا غَلِيۡظًا ﴿۲۱﴾

اور لیا ہے ان عورتوں نے تم سے عہد پختہ ○

زمانہ جاہلیت میں اگر کوئی شخص مرجاتا اور اپنے پیچھے بیوی چھوڑتا تو مرنے والے کا کوئی قریبی مثلاً بھائی یا چچا زاد بھائی وغیرہ سمجھتا تھا کہ وہ اس عورت کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ چنانچہ عورت خواہ پسند کرتی یا ناپسند کرتی وہ اس عورت پر قبضہ کر لیتا تھا اور اسے کسی اور کے ساتھ نکاح نہ کرنے دیتا۔ اگر وہ چاہتا تو وہ اس کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق حق مہر پر اس سے نکاح کر لیتا۔ اور اگر وہ اسے پسند نہ کرتا تو اسے نکاح کرنے سے روک دیتا اور صرف اسی کے ساتھ اس کا نکاح کرتا جسے وہ خود منتخب کرتا اور بسا اوقات وہ اس کا نکاح اس وقت تک نہ ہونے دیتا جب تک وہ مرنے والے شوہر کی میراث یا مہر میں سے اسے کچھ نہ دے دیتی۔ نیز وہ اپنی ناپسندیدہ بیوی کو بھی روک رکھتا اور دوسری جگہ نکاح نہ کرنے دیتا تا کہ وہ اپنا حق مہر اور وہ سامان ساتھ نہ لے جائے جو اس نے اسے عطا کیا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان تمام امور سے اہل ایمان کو منع کیا ہے۔ سوائے مندرجہ ذیل دو حالتوں کے۔

۱۔ جب عورت برضا ورغبت اپنے سابقہ شوہر کے کسی قریبی رشتہ دار کے ساتھ نکاح کر لے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ كَرۡهًا ﴾ کا مفہوم مخالف ہے۔

۲۔ جب واضح بدکاری مثلاً زنا وغیرہ کا ارتکاب کرے اور فحش گوئی کے ذریعے سے اپنے شوہر کو اذیت دے تو اس صورت میں خاوند کا اس کو اس کے کرتوتوں کی سزا کے طور پر' دوسری جگہ شادی کرنے سے روکنا جائز ہے' تا کہ وہ خاوند سے وصول کردہ مال واپس کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ (یہ گویا خلع کی صورت ہے جس میں خاوند حق مہر وغیرہ واپس لے سکتا ہے) لیکن شرط یہی ہے کہ یہ روکنا عدل وانصاف کے مطابق ہو۔

﴿ وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ﴾ "اور ان سے اچھے طریقے سے گزران کرو" یہ حکم قولی اور فعلی دونوں قسم کی معاشرت (گزران) کو شامل ہے' پس شوہر پر فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھے طریقے سے رہے' اسے کوئی اذیت نہ دے اس کے ساتھ بھلائی اور حسن معاملہ سے پیش آئے۔ اس میں نان ونفقہ اور لباس وغیرہ سب شامل ہیں۔ پس زمان ومکان کے احوال کے مطابق شوہر کا بیوی سے معروف طریقے سے پیش آنا فرض ہے اور اسی طرح بیوی پر بھی فرض ہے۔ یہ چیز احوال کے تفاوت کے مطابق متفاوت ہوتی ہے۔

﴿ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَن تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴾ ''اگر تم انہیں ناپسند کرو' لیکن بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا جانو اور اللہ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے'' یعنی اے شوہرو تم اپنی بیویوں کو ناپسند کرنے کے باوجود اپنے پاس رکھو کیونکہ ایسا کرنے میں خیر کثیر ہے۔ مثلاً' اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اس کی وصیت کو قبول کرنا ہے' جس کے اندر دنیا و آخرت کی سعادت ہے۔

۳۔ شوہر کا اپنی بیوی کے ساتھ عدم محبت کے باوجود اپنے آپ کو اس کے ساتھ رہنے پر مجبور کرنا' اس میں مجاہدۂ نفس بھی ہے اور خلق جمیل سے آراستہ ہونا بھی۔

۴۔ بسا اوقات ناپسندیدگی زائل ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ محبت لے لیتی ہے جیسا کہ فی الواقع ہوتا ہے۔

۵۔ اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں کو صالح اولاد عطا کر دیتا ہے جو دنیا و آخرت میں اپنے والدین کو نفع دیتی ہے۔ بیوی کو اپنے ساتھ رکھنے میں ان تمام امور کے امکانات موجود ہیں۔

البتہ جب بیوی سے مفارقت ناگزیر ہو جائے اور اس کو ساتھ رکھنے کی کوئی صورت بنتی نظر نہ آئے' تب اسے روک رکھنا لازم نہیں ﴿ وَإِنْ أَرَدتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ﴾ یعنی جب تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہو یعنی ایک بیوی کو طلاق دے کر دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہو تو اس میں کوئی گناہ اور حرج کی بات نہیں ﴿ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ ﴾ البتہ اگر تم نے جدا ہونے والی بیوی کو یا اس کو جس سے نکاح کیا ہے ﴿ قِنطَارًا ﴾ مال کثیر عطا کر رکھا ہو ﴿ فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ﴾ تو اس سے کوئی چیز واپس نہ لو بلکہ اس میں اور زیادتی کرو اور ان کے ساتھ ٹال مٹول نہ کرو۔

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کثرت مہر حرام نہیں۔ مگر بایں ہمہ تخفیف مہر میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا افضل اور زیادہ لائق اعتنا ہے اور استدلال کا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک معاملے کی خبر دی ہے جو ان سے واقع ہوا' مگر اس پر نکیر نہیں فرمائی' جس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل حرام نہیں ہے' مگر کبھی زیادہ حق مہر مقرر کرنے سے روکا بھی گیا ہے جبکہ اس میں دینی مفاسد ہوں اور اس کے مقابلے میں کوئی مصلحت نہ ہو۔

پھر فرمایا ﴿ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ﴾ ''کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے'' کیونکہ ایسا کرنا جائز نہیں خواہ تم بیوی کو عطا کی ہوئی چیز واپس لینے کے لیے کوئی بھی حیلہ کرلو بہر حال یہ واضح گناہ ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعے سے اس کی حکمت بیان فرمائی ہے ﴿ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴾ ''تم اسے کیسے لے لو گے؟ حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے'' اور اس کی توضیح یوں ہے کہ بیوی شوہر کے

لئے نکاح سے قبل حرام ہوتی ہے اس نے بیوی کے طور پر حلال ہونے کے لئے صرف حق مہر کے عوض رضامندی کا اظہار کیا تھا جو وہ بیوی کو ادا کرے گا۔ جب اس نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ میں صحبت اور مباشرت کی جو اس سے قبل حرام تھی اور وہ بیوی اس کے لئے اس عوض کے بغیر راضی نہ تھی' پس شوہر نے مہر کا معوض پوری طرح وصول کر لیا' تو اس پر عوض (مہر) کی ادائیگی واجب ہوگئی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شوہر معوض (یعنی صحبت و مباشرت) تو پورا پورا وصول کرے پھر اس کے بعد حق مہر ادا نہ کرے۔ یہ بہت بڑا ظلم اور جور ہے۔ (اس لئے ایسا نہ کرو) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عقد میں بیوی کے حقوق کے قیام کے لئے شوہروں سے پکا عہد لیا ہے۔ (اس کا بھی تقاضا عدل وکرم ہے نہ کہ ظلم وجبر)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ط اِنَّهٗ

اور نہ نکاح کرو تم ان سے کہ نکاح کیا تمہارے باپوں نے جن عورتوں سے' مگر جو پہلے گزر گیا، بلاشبہ یہ

كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ط وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾ ع

ہے بے حیائی کا کام اور ناراضی کی بات اور برا ہے طریقہ ○

یعنی ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ اور دادا نکاح کر چکے ہوں ﴿اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً﴾ ''یہ بہت قبیح کام ہے'' اور اس کی قباحت بہت بڑھی ہوئی ہے ﴿وَمَقْتًا﴾ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ اور مخلوق کی ناراضی کا باعث ہے۔ بلکہ اس کے سبب سے بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے ناراض ہو جاتا ہے' حالانکہ بیٹے کو باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم ہے ﴿وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ (اس راستے پر) چلنے والے کے لئے یہ برا راستہ ہے۔ کیونکہ یہ جاہلیت کی قبیح رسوم و عادات ہیں جن سے (معاشرے کو) پاک کرنے کے لئے اسلام آیا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ

حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور (بھتیجیاں) بیٹیاں بھائیوں کی

وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ

اور (بھانجیاں) بیٹیاں بہنوں کی اور تمہاری مائیں وہ جنہوں نے دودھ پلایا تمہیں' اور تمہاری بہنیں رضاعی اور (ساسیں) مائیں

نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ز فَاِنْ

تمہاری بیویوں کی اور تمہاری سوتیلی بیٹیاں وہ جو (پرورش پائیں) تمہاری گودوں میں ان عورتوں (کے بطن) سے کہ صحبت کی تم نے ان سے' پس اگر

لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ز وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ

نہیں صحبت کی تم نے ان سے' تو نہیں گناہ تم پر' اور (بہوئیں) بیویاں تمہارے بیٹوں کی' جو

مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ

تمہاری پشتوں سے ہیں۔ اور (حرام ہے تم پر) جمع کرنا تمہارا درمیان دو بہنوں کے' مگر جو پہلے گزر گیا'

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۙ﴿۲۳﴾

بلاشبہ اللہ ہے بہت بخشنے والا بڑا مہربان ○

یہ آیات کریمہ نسبی محرمات' رضاعی محرمات اور سسرالی قرابت کی بنا پر محرمات' جمع کرنے کی بنا پر محرمات اور حلال عورتوں کے احکام پر مشتمل ہیں۔

نسب کے اعتبار سے حرام عورتیں سات ہیں' جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

(۱) ماں: اس میں ہر وہ عورت داخل ہے جس سے آپ پیدا ہوئے ہیں خواہ وہ کتنی ہی دور اوپر چلی جائیں۔

(۲) بیٹی: بیٹی کے رشتے میں ہر وہ عورت داخل ہے جس کو آپ نے جنم دیا ہے۔ (خواہ وہ کس قدر نیچے تک چلی جائیں)

(۳) بہن: اس رشتے میں تمام حقیقی' اخیافی (ماں شریک) اور علاتی (باپ شریک) بہنیں شامل ہیں۔

(۴) پھوپھی: ہر وہ عورت جو آپ کے باپ یا دادا کی بہن ہے خواہ وہ کتنی ہی دور اوپر تک چلی جائیں۔

(۵) خالہ: ہر وہ عورت جو آپ کی ماں یا آپ کی نانی کی بہن ہے خواہ کتنی ہی دور اوپر تک چلی جائیں' خواہ وہ وارث ہے یا نہیں ہے۔

(۶' ۷) اسی طرح بھائی کی بیٹیاں (بھتیجیاں) اور بہن کی بیٹیاں (بھانجیاں) خواہ کتنی ہی دور تک نیچے چلی جائیں۔

یہ وہ سات محرمات ہیں جو نسب کے اعتبار سے حرام ہیں اور ان کی حرمت پر علماء کا اجماع ہے جیسا کہ آیت کریمہ کی نص سے ظاہر ہے۔ ان مذکورہ عورتوں کے علاوہ دیگر عورتیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں داخل ہیں ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ (النساء: ٤/ ٢٤) ''ان محرمات عورتوں کے سوا دیگر تمام عورتیں تمہارے لئے حلال کر دی گئیں' مثلاً پھوپھی کی بیٹی' چچا کی بیٹی' ماموں کی بیٹی اور خالہ کی بیٹی۔

جہاں تک رضاعت کے اعتبار سے محرمات کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں رضاعی ماں اور رضاعی بہن کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر اس تحریم میں رضاعی ماں کی ماں بھی شامل ہے حالانکہ حرمت کا باعث دودھ اس کا نہیں بلکہ وہ تو دودھ کے مالک یعنی رضاعی ماں کے شوہر کا ہے۔ یہ تنبیہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ رضاعی ماں کا شوہر (یعنی دودھ کا مالک) دودھ پینے والے کا (رضاعی) باپ ہے۔ جب رضاعی باپ ہونا اور ماں ہونا ثابت ہو گیا تو ان کی بہنوں وغیرہ اور ان کے اصول و فروع کی حرمت ثابت ہو گئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يحرم من الرضاع ما يحرم من النسب»[1] ''جو رشتہ نسب کے اعتبار سے حرام ہے وہ رشتہ رضاعت کے اعتبار سے

---

(1) صحیح مسلم' الرضاع' باب یحرم من الرضاعة.....' ح: ١٤٤٤ و سنن النسائي' النكاح' يحرم من الرضاع' ح: ٣٣٠٤

بھی حرام ہے"۔ پس یہ تحریم دودھ پلانے والی کی جہت سے اور اس کے خاوند کی جہت سے پھیلے گی۔ جیسا کہ وہ تحریم نسبی اقارب میں پھیلتی ہے اور یہ تحریم دودھ پینے والے بچے میں صرف اس کی اولاد تک پھیلے گی۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ بچے نے اپنے دو سال کی عمر میں کم از کم پانچ بار دودھ پیا ہو۔ جیسا کہ سنت نے واضح کیا ہے۔

سسرالی قرابت کے اعتبار سے حرام رشتے چار ہیں۔

باپ دادا کی بیویاں: خواہ وہ کتنی ہی دور اوپر تک چلے جائیں۔

بیٹوں کی بیویاں: خواہ کتنی ہی دور نیچے تک چلے جائیں' خواہ وہ وارث ہوں یا مجوب۔

بیوی کی ماں: خواہ کتنی ہی دور اوپر تک چلی جائیں۔

یہ تین رشتے مجرد نکاح سے حرام ہو جاتے ہیں۔

چوتھا رشتہ سوتیلی بیٹی کا ہے۔ سوتیلی بیٹی بیوی کے پچھلے شوہر سے بیوی کی بیٹی ہے۔ خواہ کتنی ہی دور نیچے چلی جائیں۔ یہ سوتیلی بیٹی اس وقت تک حرام نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی ماں سے خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ "اور تمہاری پرورش کردہ وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہیں' تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم دخول (خلوت صحیحہ) کر چکے ہو۔"

جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ﴾ "جو تمہاری پرورش میں ہیں" کی قید ہے جس میں غالب احوال کا اعتبار کیا گیا ہے اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں۔ بنا بریں سوتیلی بیٹی خواہ سوتیلے باپ کے گھر میں نہ ہو تب بھی حرام ہے۔ البتہ اس تقیید کے دو فائدے ہیں۔ (اول) اس میں سوتیلی بیٹی کی تحریم کی حکمت کی طرف اشارہ ہے گویا وہ بھی صلبی بیٹی کی طرح ہے۔ لہٰذا اس کی اباحت بہت ہی قبیح بات ہے۔ (ثانی) اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ سوتیلی بیٹی کے ساتھ تنہائی اور خلوت جائز ہے کیونکہ وہ صلبی اور نسبی بیٹیوں کی مانند ہے۔ واللہ اعلم۔

رہا ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنے سے ممنوع اور حرام رشتے تو اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو جمع کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے جمع کرنے کو حرام ٹھہرایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بیوی اور اس کی پھوپھی' بیوی اور اس کی خالہ کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے کو حرام ٹھہرایا ہے۔ پس ہر وہ دو عورتیں جن کے مابین رحم کا رشتہ ہے' اگر ان دونوں عورتوں میں سے ایک کو مرد اور دوسری کو عورت مان لیا جائے تو وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے حرام ہوں' تو ان دونوں کو جمع کرنا حرام ہو گا اور یہ اس لئے کہ اس صورت میں باہم قطع رحمی کے اسباب ہیں۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تيسير الكريم الرحمن
في تفسير كلام المنان

المعروف

تفسير السعدی (اردو)

فضیلۃ الشیخ عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارالسلام

کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض • جدہ • شارجہ • لاهور
لندن • هیوسٹن • نیو یارك

DARUSSALAM

ہیڈ آفس : پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب

فون : 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون وفیکس: 4614483

جدہ فون وفیکس : 6807752 الخبر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان : ① 50 لوئر مال نزد ایم ۔ اے ۔ او کالج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com

② اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 6255925 (001 718)

Website: http://www.dar-us-salam.com

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان

(اردو ترجمہ)

پارۃ نمبر پانچ 5

مفسر قرآن: فضیلۃ الشیخ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

تحقیق: عبدالرحمان بن معلا اللویحق حفظہ اللہ

ترجمۃ القرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ترجمۃ التفسیر: پروفیسر طیب شاہین لودھی حفظہ اللہ

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمانِ الٰہی

وَقَالَ الرَّسُولُ
يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَٰذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا

اور رسول (ﷺ روزِ قیامت) فرمائیں گے :
"الٰہی! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔"

(الفرقان: ۲۵/۳۰)

فرمانِ نبوی

إِنَّ اللهَ يَرْفَعُ
بِهَٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں
عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں دھکیل دیتا ہے

(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۷)

پارۃ نمبر پانچ 5

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۴	سورۃ النساء (جاری)	500	۴ - ۵ - ۶

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ

اور (حرام ہیں) شادی شدہ عورتیں (بھی) مگر جن کے مالک ہوں تمہارے دائیں ہاتھ (یہ) لکھ دیا ہے اللہ نے تم پر' اور حلال کردی گئی ہیں

لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ

تمہارے لیے جو علاوہ ہیں انکے (بشرطیکہ) تلاش کرو تم اپنے مالوں کے بدلے' نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ بدکاری کرنیوالے'

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

پس جو فائدہ اٹھایا تم نے اس کے بدلے ان سے' تو دو تم ان کو مہر ان کے مقرر شدہ' اور نہیں گناہ تم پر

فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

اس (کمی بیشی) میں کہ باہم راضی ہو جاؤ تم ساتھ اسکے' بعد مقرر کر لینے کے' بلاشبہ اللہ ہے خوب جاننے والا بڑا حکمت والا ○

نیز ان عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ ﴿وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ﴾ ''اور شوہر والی عورتیں بھی'' (تم پر حرام ہیں) یعنی جو پہلے سے شادی شدہ اور خاوند والی ہیں۔ جب تک یہ عورتیں پہلے شوہر کی زوجیت میں ہیں اور جب تک پہلا خاوند طلاق نہ دے دے اور یہ اپنی عدت پوری نہ کر لیں' اس وقت تک دوسرے خاوند کے لئے حرام ہیں۔ ﴿اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ البتہ تمہارے لئے تمہاری لونڈیاں حلال ہیں۔ اگر جنگ کے دوران خاوند والی عورت کو قیدی بنالیا جائے تو وہ استبرائے رحم (ایک حیض) کے بعد مسلمانوں کے لئے حلال ہے۔ اگر منکوحہ لونڈی کو فروخت کر دیا جائے یا کسی کو ہبہ میں دے دی جائے تو اس سے لونڈی کا نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ دوسرا مالک پہلے مالک کے مقام پر تصور کیا جائے گا اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے بریرہ رضی اللہ عنہا کو اپنے خاوند کے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا اختیار عطا فرمایا تھا۔[1]

﴿كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ ''(یہ حکم) اللہ نے تم پر فرض کر دیا ہے۔'' اس کا التزام کرو اور اس کو راہنما بناؤ۔ کیونکہ اس کے اندر تمہارے لئے شفا اور روشنی ہے اور اس کے اندر حلال و حرام کی تفصیلات ہیں۔

﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ﴾ ہر وہ عورت جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں نہیں ہے' وہ حلال ہے۔ حرام محدود ہے اور حلال لامحدود اور غیر محصور ہے یہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر لطف و کرم' اس کی رحمت اور ان کے لئے اس کی عطا کردہ آسانی ہے۔

﴿اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ﴾ ''اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو۔'' یعنی ان عورتوں میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مباح قرار دیا ہے' جن کو تمہاری نظر نے منتخب کیا (ان کو حق مہر کے عوض) اپنے نکاح میں لاؤ۔ ﴿مُّحْصِنِيْنَ﴾ ''نکاح کرنے والے ہو'' یعنی خود بھی زنا سے محفوظ رہتے ہوئے اور اپنی

[1] سنن أبي داود' الطلاق' باب في المملوكة تعتق وهي تحت حر أو عبد' حديث: ٢٢٣١

عورتوں کو بھی زنا سے بچاتے ہوئے۔ ﴿ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ﴾ ''نہ کہ بدکاری کرنے والے'' (اَلسَّفْحُ) سے مراد ہے حرام یا حلال جگہ پانی بہانا۔ (یعنی مباشرت کرنا) کیونکہ زنا کا ارتکاب کرنے والا اپنی بیوی کو محفوظ نہیں رکھ سکتا کیونکہ وہ اپنی شہوت حرام طریقے سے پوری کرتا رہا' پس اس میں حلال طریقے سے شہوت پوری کرنے کا داعیہ کمزور پڑ گیا' بنابریں اپنی بیوی کو پاکباز رکھنے کے لئے اس کے پاس کچھ بھی باقی نہ بچا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ صرف پاک دامنوں سے نکاح کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۡ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ﴾ (النور : ٢٤/٣)

''بدکار مرد بدکار عورت یا مشرک عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے اور بدکار عورت کے ساتھ بھی بدکار مرد یا مشرک ہی نکاح کرتا ہے''۔

﴿ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ ﴾ ''تو جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو۔'' یعنی جن کے ساتھ تم نے نکاح کیا ہے ﴿ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ ''تو ان کو ان کا مہر ادا کر دو۔'' یعنی تم ان کے جسم سے فائدہ اٹھانے کے بدلے میں ان کو ان کا اجر یعنی حق مہر ادا کرو۔ بنابریں جب شوہر اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کرے سب سے پہلے مہر مقرر کرے ﴿ فَرِيْضَةً ﴾ ''جو مقرر کیا ہو۔'' یعنی تمہاری اپنی بیویوں کو مہر عطا کرنا تم پر فرض ہے' جسے اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔ یہ کوئی عطیہ اور بخشش نہیں ہے کہ دل چاہا تو دے دیا اور دل چاہا تو واپس لے لیا۔ یا ''فَرِيْضَةً'' کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مہر ایک مقرر کردہ حق ہے' جسے تم نے خود مقرر کیا ہے' جس کی ادائیگی تم پر واجب ہے' پس تم اس میں سے کچھ کم نہ کرو۔

﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ﴾ ''اور تم پر گناہ نہیں اس میں جس پر تم مہر مقرر کرنے کے بعد باہم رضامند ہو جاؤ'' یعنی اگر شوہر مقرر کردہ مہر سے زیادہ ادا کر دیتا ہے یا بیوی برضا و رغبت مہر میں سے کچھ حصہ ساقط کر دیتی ہے۔ (تو ایسا کرنا جائز ہے۔) اکثر مفسرین کا قول یہی ہے۔ بعض دیگر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ آیت کریمہ متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں حلال اور جائز تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دے دیا۔ متعہ کی صورت یہ تھی کہ وقت اور معاوضہ مقرر کر دیا جاتا تھا' پھر جب ان دونوں کے درمیان معینہ مدت پوری ہو جاتی اور مہر مقرر کرنے کے بعد باہم رضامند ہو جاتے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوتا۔ واللہ اعلم

﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴾ ''بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ وسیع' کامل علم اور کامل حکمت والا ہے۔ یہ اس کا علم اور حکمت ہی ہے کہ اس نے تمہارے لئے یہ قوانین بنائے اور تمہارے لئے یہ حدود مقرر کیں جو حلال و حرام کے درمیان فاصلہ رکھتی ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا

اور جو شخص نہ رکھے تم میں سے طاقت یہ کہ نکاح کرے وہ آزاد مومن عورتوں سے' تو (نکاح کر لے) اس سے کہ

مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ

مالک ہوئے دائیں ہاتھ تمہارے' تمہاری مومن لونڈیوں سے' اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے ایمان کو۔ ایک تمہارا'

مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ

دوسرے سے ہے' پس نکاح کرلو تم ان سے' اجازت سے انکے مالکوں کی' اور دو تم انکو مہر انکے موافق دستور کے'

مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ

جبکہ وہ نکاح میں لائی گئی ہوں' نہ ہوں بدکاری کرنے والیں' اور نہ بنانے والیں چھپے یار۔ پس جب وہ نکاح میں لے آئی جائیں' پھر اگر کریں وہ

بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ

بے حیائی کا کام' تو ان پر آدھی ہے وہ جو کہ اوپر آزاد عورتوں کے ہے سزا سے۔ یہ (اجازت) اسکے لیے ہے جو

خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾ ع

ڈرے تکلیف میں پڑنے سے تم میں سے' اور یہ کہ صبر کرو تم (تو) بہتر ہے تمہارے لیے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

یعنی تم میں سے جو کوئی آزاد اور مومن عورتوں کو حق مہر ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا اور اس کے ساتھ ساتھ اسے اپنے آپ پر بدکاری اور مشقت کا خطرہ ہو' تو اس کے لئے مومن لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یہ تو ظاہری احوال کے مطابق ہے ورنہ اللہ تعالیٰ مومن صادق کو خوب جانتا ہے۔ دنیاوی امور ان کے ظاہر پر مبنی ہیں اور آخرت کے احکام کا تعلق انسان کے باطن میں چھپی نیتوں کے ساتھ ہے۔

﴿ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ ﴾ ''پس تم لونڈیوں کے ساتھ ان کے مالکوں کی اجازت لے کر نکاح کرلو'' خواہ مالک ایک ہو یا متعدد ہوں۔ ﴿ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ''اور دستور کے مطابق ان کا مہر بھی ادا کردو۔'' یعنی اگرچہ جن کے ساتھ نکاح کیا جا رہا ہے وہ لونڈیاں ہیں تاہم ان کو مہر ادا کرنا اسی طرح فرض ہے جس طرح آزاد کو ادا کرنا فرض ہے۔ مگر لونڈیوں سے نکاح کرنا صرف اسی صورت میں جائز ہے کہ وہ ﴿ اَلْمُحْصَنٰتِ ﴾ ہوں یعنی زنا سے پاک ہوں' ﴿ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ ﴾ علانیہ بدکاری سے بچی ہوئی ہوں' ﴿ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ﴾ نہ انہوں نے خفیہ یار دوست بنا رکھے ہوں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آزاد مسلمان کے لئے لونڈی کے ساتھ ان چار شرائط کے بغیر نکاح کرنا جائز نہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

(۱) لونڈیاں مومن ہوں۔ (۲) ظاہر اور باطن میں پاکباز ہوں۔ (۳) آزاد عورت کے ساتھ نکاح کی

استطاعت نہ ہو۔ (۴) عدم نکاح کی صورت میں بدکاری کا خوف ہو۔

جب یہ شرائط پوری ہوں تو لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ بایں ہمہ لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے باز رہنا افضل ہے، کیونکہ لونڈیوں سے نکاح کرنے والے کی اولاد کو غلامی کا طعنہ دیا جاتا ہے نیز یہ گھٹیا بات ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ انسان صبر کر سکتا ہو اگر وہ حرام میں پڑنے سے باز نہ رہ سکتا ہو تب اس پر لونڈی سے نکاح کرنا واجب ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''اور تمہارا صبر کرنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے''۔

﴿ فَاِذَآ اُحْصِنَّ ﴾ یعنی جب وہ نکاح کر لیں یا مسلمان ہو جائیں۔ ﴿ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ﴾ ''پھر اگر ان سے بے حیائی کا کام سرزد ہو تو انہیں آزاد عورتوں سے آدھی سزا دی جائے گی''، یعنی جو آزاد عورتوں کی سزا ہے اس سے نصف لونڈیوں کی سزا ہے۔ وہ سزا جس کا نصف ممکن ہے کوڑوں کی سزا ہے تب ان کے لئے پچاس کوڑوں کی سزا ہے۔ رہی رجم کی بات تو لونڈیوں کے لئے رجم نہیں ہے کیونکہ رجم کا نصف ممکن نہیں۔ لہٰذا اس میں پہلا قول یہ ہے کہ اگر انہوں نے نکاح نہ کیا ہو تو ان پر کوئی حد نہیں۔ البتہ ان کو تعزیری سزا دی جائے تا کہ وہ فواحش کے ارتکاب سے باز رہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر غیر مسلم لونڈیاں فواحش کا ارتکاب کریں تو ان کو بھی تعزیری جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کا اختتام اپنے دو اسمائے مبارک (اَلْغَفُوْر) ''بخشنے والا'' (اَلرَّحِیْم) ''نہایت رحم کرنے والا'' پر کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہ احکام بندوں پر رحمت' اور اس کا کرم و احسان ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو تنگی میں مبتلا نہیں کیا بلکہ ان کو کشادگی اور وسعت عطا کی۔ شاید حد کا ذکر کرنے کے بعد مغفرت کا ذکر کرنا' اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حد کفارہ ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہ بخشتا ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

مذکورہ بالا حد میں غلام کا بھی وہی حکم ہے جو لونڈی کا حکم ہے کیونکہ دونوں میں امتیاز اور فرق کرنے والا سبب معدوم ہے۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ؕ

ارادہ کرتا ہے اللہ کہ بیان کرے تمہارے لیے اور ہدایت کرے تمہیں طریقوں کی ان لوگوں کے جو تم سے پہلے ہوئے اور متوجہ ہو تم پر،

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۫ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ

اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ○ اور اللہ ارادہ کرتا ہے کہ متوجہ ہو وہ تم پر اور ارادہ کرتے ہیں وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں

الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾

خواہشات کی یہ کہ پھر جاؤ تم (حق سے) پھر جانا بہت زیادہ ○

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی عظیم نوازش، بہت بڑے فضل و کرم اور اپنے مومن بندوں کی حسن تربیت اور دین کی سہولت سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ ﴾ ”اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے بیان کرے“ یعنی حق و باطل اور حلال و حرام میں سے جس جس چیز کی توضیح کے تم محتاج ہو اللہ تعالیٰ اسے کھول کھول کر بیان کرتا ہے ﴿ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کا راستہ دکھاتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا یعنی انبیائے کرام اور ان کے متبعین کی سیرت حمیدہ، ان کے افعال صالحہ، ان کی عادات کاملہ اور ان کی توفیق تام کا راستہ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا اسے نافذ کیا، تمہارے سامنے اسے پوری طرح واضح کر دیا جیسے تم سے پہلے لوگوں پر اسے پوری طرح واضح کر دیا تھا اور تمہیں علم و عمل میں عظیم ہدایت سے نوازا ﴿ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ﴾ ”اور رجوع کرے تم پر“ یعنی اللہ تم پر تمہارے تمام احوال میں اور تمہارے لئے بنائی ہوئی شریعت میں اپنے لطف و کرم کا فیضان کرتا ہے۔ یہاں تک کہ تمہارے لئے ان حدود پر ٹھہرنا ممکن ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں اور تم اسی پر اکتفاء کرتے ہو جو اس نے تمہارے لئے حلال ٹھہرایا ہے۔ پس اس آسانی کے باعث جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پیدا کی ہے، تمہارے گناہ کم ہو جاتے ہیں، پس یہ اللہ کا اپنے بندے کی طرف توبہ کے ساتھ پلٹنا ہے۔ نیز اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنے بندوں کی طرف توبہ کے ساتھ پلٹنا یہ بھی ہے کہ جب ان سے گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے اور ان کے دلوں میں انابت اور تذلل الہام کر دیتا ہے، پھر وہ توبہ کو قبول کرتا ہے جس کی توفیق اس نے خود عطا کی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی حمد و ثنا ہے۔ ﴿ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴾ ”اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔“ یعنی وہ کامل حکمت والا ہے یہ اس کے علم ہی کا حصہ ہے کہ اس نے تمہیں اس چیز کی تعلیم دی جس کا تمہیں علم نہیں تھا۔ یہ اشیاء اور یہ حدود اسی زمرے میں آتی ہیں اور اس کی حکمت کے حصے سے یہ ہے کہ وہ اس بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جس کی توبہ قبول کرنے کا تقاضا اس کی حکمت اور رحمت کرتی ہے اور اس بندے کو چھوڑ کر اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے جس کو اپنے حال پر چھوڑ دینا اس کی حکمت اور عدل تقاضا کرتا ہے اور جو توبہ کی قبولیت کا اہل نہیں ہوتا۔

﴿ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ ﴾ ”اور اللہ تو چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی کرے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ ایسی توبہ (رجوع) کے ساتھ تمہاری طرف توجہ کرنا چاہتا ہے جو تمہاری پراگندگی کو درست کرے، تمہارے تفرقہ کو جمعیت قلبی میں اور تمہارے بعد کو قرب میں بدل دے۔ ﴿ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ ﴾ ”اور چاہتے ہیں وہ جو اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں۔“ یعنی وہ لوگ جو اپنی شہوات کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں وہ اپنے محبوب کی رضا پر ان شہوات کو ترجیح دیتے ہیں یہ لوگ اپنی خواہشات نفس کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ لوگ کفار اور نافرمانوں کی اصناف میں سے ہیں جو اپنی خواہشات کو اپنے رب کی اطاعت پر مقدم رکھتے ہیں پس یہ لوگ چاہتے ہیں ﴿ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا

﴿عَظِيمًا﴾ ''کہ تم (کجی کی طرف) بہت زیادہ جھک جاؤ'' یعنی تم صراط مستقیم سے انحراف کر کے ان لوگوں کی راہ پر چل نکلو جو مغضوب اور گمراہ ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں اللہ رحمان کی اطاعت سے ہٹا کر شیطان کی اطاعت کی طرف پھیر دیں اور ہر قسم کی سعادت کی حدود سے نکال کر جو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں پنہاں ہے' شقاوت اور بدبختی کے گڑھے میں دھکیل دیں جو کہ شیطان کی پیروی کا نتیجہ ہے۔

جب تم نے یہ پہچان لیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں صرف اسی چیز کا حکم دیتا ہے جس میں تمہاری اصلاح' تمہاری فلاح اور تمہاری سعادت ہے اور یہ کفار جو اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں تمہیں ان امور کا حکم دیتے ہیں جس میں تمہارے لئے انتہائی خسارہ اور بدبختی ہے۔ پس تم ان دونوں داعیوں میں سے صرف اسے منتخب کرو جو چنے جانے کا زیادہ مستحق ہے اور دونوں راستوں میں سے وہ راستہ اختیار کرو جو زیادہ بہتر ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْإِنْسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾

ارادہ کرتا ہے اللہ یہ کہ آسانی کرے تم سے اور پیدا کیا گیا ہے انسان بہت کمزور ○

﴿يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ﴾ ''اللہ چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اوامر و نواہی کی آسانی کے ذریعے سے تمہارے لئے تخفیف پیدا کرنا چاہتا ہے۔ پھر بعض شرعی احکام میں مشقت کے باوجود اگر حاجت تقاضا کرتی ہے تو اضطراری حالت میں مجبور شخص کے لئے انہیں مباح کر دیا ہے مثلاً مردار اور خون وغیرہ کا تناول کرنا مجبور شخص کے لئے مباح ہے۔ اسی طرح مذکورہ شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے لونڈی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ یہ اس کی رحمت کاملہ اور اس احسان کے سبب سے ہے جو سب کو شامل ہے اور یہ اس کی حکمت اور علم پر مبنی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ انسان ہر لحاظ سے کمزور ہے' اس کی بنیاد ہی کمزوری پر رکھی گئی ہے' اس کا عزم و ارادہ کمزور ہے اور ایمان و صبر کمزور ہے۔ پس ان احوال میں مناسب یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ ان احکام میں تخفیف کر دے جن کی بندہ اپنی کمزوری کی وجہ سے تعمیل سے قاصر ہے۔ اس کا ایمان' صبر اور قوت جن کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ کھاؤ تم اپنے مال آپس میں ناحق طریقے سے مگر یہ کہ ہو تجارت

عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٩﴾ وَمَنْ يَفْعَلْ

رضامندی سے آپس کی اور نہ قتل کرو تم اپنے نفسوں کو' بلاشبہ اللہ ہے تمہارے ساتھ بڑا مہربان ○ اور جو کرے گا

ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٣٠﴾

یہ (کام) زیادتی اور ظلم سے' تو عنقریب داخل کریں گے ہم اس کو آگ میں' اور ہے یہ اوپر اللہ کے آسان ○

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو باہم ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے کھانے سے منع کیا ہے اور اس میں غصب کر کے مال کھانا' چوری کے ذریعے سے مال کھانا' جوئے کے ذریعے سے مال ہتھیانا اور دیگر ناجائز اور گھٹیا طریقوں سے مال حاصل کرنا' سب شامل ہے۔ بلکہ شاید اس میں آپ کا اپنا وہ مال کھانا بھی آجاتا ہے جو آپ تکبر اور اسراف سے کھاتے ہیں کیونکہ یہ بھی باطل ہے' طریق حق نہیں ہے۔ پھر چونکہ اس نے باطل طریقے سے مال کھانے سے روک دیا ہے اس لئے اس نے تجارت اور ایسے پیشوں کے ذریعے سے' جس میں کوئی شرعی ممانعت نہ ہو' اور جو باہم رضامندی اور جائز شرائط پر مشتمل ہوں' مال کمانا مباح قرار دے دیا۔ ﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ ''اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔'' یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو اور نہ کوئی شخص اپنے آپ کو قتل کرے۔ اس میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا اور ایسے خطرات مول لینا شامل ہیں جن کا نتیجہ ہلاکت اور اتلاف کے سوا کچھ نہیں۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔'' یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے تمہاری جان اور مال کو محفوظ کیا' ان کو ضائع کرنے اور تلف کرنے سے منع کیا ہے اور اس کے لئے اسی طرح کی سزا تجویز کی جیسے دیگر جرائم پر حدود ہیں۔

ذرا اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ لَا تَاْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ ﴾ اور ﴿ وَلَا تَقْتُلُوٓا اَنْفُسَكُمْ ﴾ کے اختصار وایجاز اور اس کی جامعیت پر غور فرمائیے کہ یہ ارشاد دوسروں کے مال اور خود اپنے مال' دوسروں کی جان اور خود اپنی جان کو شامل ہے اور ایسی عبارت کے ذریعے بیان کیا ہے جو (لَا يَاْكُلُ بَعْضُكُمْ مَالَ بَعْضٍ) اور (لَا يَقْتُلُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا) سے زیادہ مختصر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ مؤخر الذکر عبارت دوسروں کے مال اور دوسروں کے نفس کو شامل کرنے سے قاصر ہے۔ نیز جان اور مال کی عمومیت کے ساتھ تمام اہل ایمان کی طرف اضافت کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ تمام اہل ایمان باہم محبت کرنے' باہم رحم کرنے' باہم شفقت و عاطفت سے پیش آنے میں اور اپنے مشترک مصالح میں جسد واحد کی مانند ہیں۔ کیونکہ ان کے ایمان نے ان کو دینی اور دنیاوی مصالح پر جمع کر دیا ہے۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے باطل طریقے سے مال کھانے سے روک دیا' کیونکہ دوسروں کا مال ہتھیانا اور کھانا ان کے لئے نقصان دہ تھا' تب مختلف قسم کے پیشوں کو' جن میں ان کی مصلحت تھی مثلاً تجارت' صنعت وحرفت اور اجارات وغیرہ کو' ان کے لئے مباح کر دیا' اس لئے فرمایا: ﴿ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ﴾ ''اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو جائے تو وہ جائز ہے۔'' یعنی تجارت تمہارے لئے مباح ہے۔ تجارت ہونے کے ساتھ ساتھ باہمی رضامندی کی شرط اس امر کی دلیل ہے کہ یہ تجارتی عقد سود پر مبنی نہ ہو۔ کیونکہ سود تجارت نہیں ہے بلکہ سود تجارت کے مقاصد کے خلاف ہے۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ اس تجارتی عقد کے

دونوں فریق برضا و رغبت اسے قبول کریں اور کامل رضا و رغبت یہ ہے کہ جس معاملے پر معاہدہ کیا گیا ہے وہ پوری طرح معلوم ہو کیونکہ اگر وہ چیز جس پر معاہدہ کیا گیا ہے پوری طرح معلوم نہ ہوگی۔ تو یہ معاہدہ تسلیم و رضامندی پر مبنی متصور نہ ہوگا کیونکہ جس چیز کا حصول انسان کی طاقت اور اختیار میں نہ ہو' جوا بازی ہے۔ اسی طرح دھوکے کی بیع اپنی تمام انواع سمیت باہمی رضامندی سے خالی ہوتی ہے اس لئے ایسا معاہدہ منعقد نہیں ہوتا۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ معاہدے قول و فعل کے ذریعے سے اظہار رضامندی سے منعقد ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عقد کے انعقاد کے لئے رضامندی کی شرط عائد کی ہے اور رضامندی کا اظہار جس طریقے سے بھی کیا جائے اس سے معاہدہ منعقد ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد کا اختتام اس جملے پر کیا ہے ﴿ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔'' یہ اس کی رحمت ہی ہے کہ اس نے تمہاری جان اور مال کو محفوظ و مامون کیا اور تمہیں جان و مال کو نقصان پہنچانے سے منع فرمایا۔

﴿ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ ﴾ ''اور جو ایسا کرے گا'' یعنی باطل طریقے سے لوگوں کے مال کھانا اور انسان کو ناحق قتل کرنا ﴿ عُدْوَانًا وَظُلْمًا ﴾ ''تعدی اور ظلم سے'' یعنی لاعلمی اور بھول کر نہیں بلکہ ظلم اور تعدی سے ﴿ فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ﴾ ''تو ہم اسے آگ میں داخل کریں گے'' یہ بہت بڑی آگ ہوگی جیسا کہ یہ (نَارًا) کے نکرہ ہونے سے مستفاد ہو رہا ہے ﴿ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴾ ''اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے۔''

إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ

اگر بچو گے تم ان بڑے گناہوں سے کہ روکے جاتے ہو تم ان سے' تو دور کر دیں گے ہم تم سے تمہاری برائیاں

وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلًا كَرِيمًا ﴿٣١﴾

اور داخل کریں گے تمہیں جگہ میں عزت کی ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان سے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر وہ بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کریں گے تو وہ ان کے تمام گناہ اور برائیاں بخش دے گا اور انہیں اچھا ٹھکانا عطا کرے گا جہاں خیر کثیر ہوگا اور وہ ہے جنت جو ایسی نعمتوں پر مشتمل ہے جو کسی آنکھ نے کبھی دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں اور نہ کسی بشر کے حاشیہ خیال میں ان کا گزر ہوا ہے۔ بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب میں ان فرائض کا بجالانا بھی شامل ہے جن کو ترک کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ نماز پنجگانہ' نماز جمعہ اور رمضان کے روزے رکھنا وغیرہ۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ''نماز پنجگانہ' اور جمعہ سے جمعہ اور رمضان سے رمضان کے مابین جو گناہ سرزد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو مٹا دیتا ہے بشرطیکہ کبائر سے بچتے رہیں''۔ ①

① صحیح مسلم: الصلوٰۃ' باب الصلوات الخمس...... الخ' حدیث: ۵۵۲

گناہ کبیرہ کی بہترین تعریف یہ ہے: گناہ کبیرہ وہ گناہ ہے جو دنیا میں حد کا موجب ہو یا آخرت میں اس پر سخت وعید آئی ہو یا اس کے مرتکب کے ایمان کی نفی یا اس پر لعنت کی گئی ہو یا اس گناہ پر سخت غصے کا اظہار کیا گیا ہو۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا
اور نہ تمنا کرو تم اس چیز کی کہ فضیلت دی اللہ نے اسکے ساتھ بعض تمہارے کو بعض پر' مردوں کیلئے حصہ ہے اس سے
اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ
جو کمایا انہوں نے اور عورتوں کیلئے حصہ ہے اس سے جو کمایا انہوں نے' اور سوال کرو تم اللہ سے اسکے فضل کا
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾
بلاشبہ اللہ ہے ساتھ ہر چیز کے خوب جاننے والا ○

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان سے فرمایا ہے کہ وہ اس چیز کی تمنا نہ کریں جو اس نے اپنے فضل وکرم سے دوسروں کو عطا کی ہے' خواہ یہ ممکن امور ہوں یا غیر ممکن۔ چنانچہ عورتیں مردوں کے خصائص کی تمنا نہ کریں جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت عطا کی ہے۔ نہ صاحب فقر اور صاحب نقص' مالداری اور کاملیت کی مجرد تمنا کریں کیونکہ ایسی مجرد تمنا حسد کے زمرے میں شمار ہوتی ہے یعنی دوسروں پر اللہ تعالیٰ کی نعمت دیکھ کر اس سے اس کے سلب ہونے اور خود کو حاصل ہونے کی تمنا کرنا نیز یہ تمنا اس امر کی مقتضی ہے کہ تمنا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر پر ناراض ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ کاہلی اور جھوٹی تمناؤں میں گرفتار ہے جو عمل اور محنت سے عاری ہوتی ہیں' البتہ صرف دو امور محمود ہیں۔

(۱) بندہ اپنی استطاعت اور مقدرت بھر اپنے دینی اور دنیاوی مصالح کے حصول کے لئے کوشش اور جدوجہد کرے۔

(۲) اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل وکرم کا سوال کرے' اپنے نفس پر بھروسہ کرے نہ اپنے رب کے سوا کسی اور پر۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ﴾ ''مردوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کیے۔'' یعنی مردوں کے نتیجہ خیز اعمال میں ان کا حصہ ہے ﴿ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ﴾ ''اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو وہ کمائیں'' پس ان میں سے تمام لوگ وہی کچھ حاصل کرتے ہیں جو انہوں نے کمایا اور جس میں انہوں نے محنت کی ﴿ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ ''اور اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو۔'' یعنی اپنے دین ودنیا کے تمام مصالح میں صرف اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔

یہ بندۂ مومن کا کمال اور اس کی سعادت کا عنوان ہے۔ وہ شخص اس سے محروم ہے جو عمل کو چھوڑ دیتا ہے' اپنے نفس پر بھروسہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو اپنے رب کا محتاج نہیں سمجھتا۔ یا اس میں دونوں چیزیں جمع ہیں۔ (عمل کرتا

ہے نہ رب کی طرف رجوع اور اس پر اعتماد) یہ شخص خائب و خاسر اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِکُلِّ شَیۡءٍ عَلِیۡمًا ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔'' پس وہ صرف اسے عطا کرتا ہے جو اس کے علم میں اس کا اہل ہوتا ہے اور اسے محروم کر دیتا ہے جو اس کے علم میں غیر مستحق ہوتا ہے۔

وَلِکُلٍّ جَعَلۡنَا مَوَالِیَ مِمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ ؕ وَ الَّذِیۡنَ

اور ہر ایک کیلئے بنائے ہم نے وارث اس (مال) کے جو چھوڑا ماں باپ نے اور قریب تر رشتے داروں نے اور وہ لوگ کہ (جن سے)

عَقَدَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ فَاٰتُوۡہُمۡ نَصِیۡبَہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدًا ﴿۳۳﴾ ع

گرہ باندھی (عہد کیا) تمہارے دائیں ہاتھوں نے تو دو تم ان کو حصہ ان کا۔ بلا شبہ اللہ ہے اوپر ہر چیز کے گواہ○

﴿ وَلِکُلٍّ ﴾ ''اور واسطے ہر ایک کے'' یعنی تمام لوگوں میں سے ﴿ جَعَلۡنَا مَوَالِیَ ﴾ ''ہم نے وارث بنائے'' وہ اس کی سرپرستی کرتے ہیں اور وہ بھی نصرت و حمایت اور دیگر معاملات میں معاونت کے ذریعے سے ان کی سرپرستی کرتا ہے ﴿ مِمَّا تَرَکَ الۡوَالِدٰنِ وَ الۡاَقۡرَبُوۡنَ ﴾ ''اس مال کے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت دار'' اس میں اصول و فروع اور حواشی کے تعلق سے تمام رشتہ دار شامل ہیں۔ یہ تمام لوگ قرابت کے اعتبار سے وارث (موالی) ہیں۔ پھر سرپرستوں (موالی) کی ایک اور قسم کا ذکر کیا۔ ﴿ وَ الَّذِیۡنَ عَقَدَتۡ اَیۡمَانُکُمۡ ﴾ ''اور جن سے تمہارا معاہدہ ہوا'' یعنی وہ لوگ جن کے ساتھ تم باہم نصرت و حمایت کرنے اور مال میں اشتراک کا معاہدہ کر کے ایک دوسرے کے حلیف بنے ہو۔

یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر انعام ہے۔ سرپرست ایک دوسرے کی وہاں مدد کرتے ہیں جہاں ان میں سے تنہا آدمی کسی چیز پر قادر نہیں ہوتا۔ ﴿ فَاٰتُوۡہُمۡ نَصِیۡبَہُمۡ ﴾ ''پس ان کو ان کا حصہ دو'' یعنی غیر معصیت کے امور میں اپنے سرپرستوں اور رشتہ داروں کو نصرت و معاونت اور اپنی مدد سے حصہ دو۔ مگر میراث ان لوگوں کا حق ہے جو رشتہ داروں میں سب سے زیادہ قریب ہیں۔ ﴿ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَہِیۡدًا ﴾ ''بے شک ہر چیز اللہ کے روبرو ہے'' یعنی وہ ہر چیز کی اطلاع رکھتا ہے۔ اپنے علم کے ذریعے سے تمام امور کی، اپنی بصر کے ذریعے سے اپنے بندوں کی تمام حرکات کی اور اپنی سمع کے ذریعے سے ان کی تمام آوازوں کی خبر رکھتا ہے۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰہُ بَعۡضَہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ وَّ بِمَاۤ

مرد حاکم ہیں اوپر عورتوں کے بہ سبب اسکے جو فضیلت دی اللہ نے ان میں سے بعض کو اوپر بعض کے اور بہ سبب اسکے

اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلۡغَیۡبِ بِمَا حَفِظَ

جو خرچ کرتے ہیں وہ اپنے مالوں سے۔ پس نیک عورتیں فرماں بردار ہوتی ہیں، حفاظت کرنے والیاں پیٹھ پیچھے ساتھ حفاظت کرنے

اللّٰهُ ؕ وَ الّٰتِیۡ تَخَافُوۡنَ نُشُوۡزَهُنَّ فَعِظُوۡهُنَّ وَ اهۡجُرُوۡهُنَّ فِی الۡمَضَاجِعِ

اللہ کے۔ اور وہ عورتیں کہ ڈرتے ہو تم انکی سرکشی سے 'تو نصیحت کرو تم انکو اور الگ کر دو ان کو خواب گاہوں میں

وَ اضۡرِبُوۡهُنَّ ۚ فَاِنۡ اَطَعۡنَكُمۡ فَلَا تَبۡغُوۡا عَلَیۡهِنَّ سَبِیۡلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور مارو انہیں۔ پھر اگر اطاعت کریں وہ تمہاری' تو نہ تلاش کرو ان پر کوئی راہ (ستانے کی)۔ بلاشبہ اللہ

كَانَ عَلِیًّا كَبِیۡرًا ﴿۳۴﴾

ہے بہت بلند نہایت بڑا O

اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے ﴿ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوۡنَ عَلَی النِّسَآءِ ﴾ ''مرد عورتوں کے نگران اور محافظ ہیں'' یعنی مرد عورتوں سے اللہ تعالیٰ کے حقوق کا التزام کروانے والے' ان سے ان کے فرائض کی حفاظت کروانے والے اور ان کو مفاسد سے روکنے والے ہیں' اور اس اعتبار سے وہ عورتوں پر قوام ہیں اور مردوں پر فرض ہے کہ وہ عورتوں سے ان امور کا التزام کروائیں۔ وہ عورتوں پر اس اعتبار سے بھی قوام ہیں کہ وہ ان پر خرچ کرتے ہیں اور انہیں لباس اور مسکن مہیا کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سبب کا ذکر کیا ہے جو عورتوں پر مردوں کے قوام ہونے کا موجب ہے' فرمایا: ﴿ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعۡضَهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ وَّ بِمَاۤ اَنۡفَقُوۡا مِنۡ اَمۡوَالِهِمۡ ﴾ ''اس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔'' یعنی اس سبب سے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت حاصل ہے نیز اس سبب سے کہ وہ ان پر خرچ کرتے ہیں۔ پس مردوں کی عورتوں پر فضیلت کی متعدد وجوہات ہیں۔

(۱) تمام بڑے بڑے منصب مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں' نبوت' رسالت' اور بہت سی عبادات مثلاً جہاد' عیدین اور جمعات وغیرہ میں مردوں کو اختصاص حاصل ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے مردوں کو وافر عقل' وقار' صبر اور وہ جفاکشی عطا کی ہے جو عورتوں میں نہیں پائی جاتی۔

(۳) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مردوں کو اپنی بیویوں پر خرچ کرنے کی ذمہ داری عطا کی ہے بلکہ بہت سے اخراجات ایسے ہیں جو صرف مردوں سے مختص ہیں اور اس اعتبار سے عورتوں سے ممتاز ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ وَّ بِمَاۤ اَنۡفَقُوۡا ﴾ ''اور اس لیے بھی کہ وہ (مرد) خرچ کرتے ہیں۔'' کا یہی سر نہاں ہے یہاں جملے میں مفعول کو حذف کرنا' عمومی نان و نفقہ اور اخراجات کی دلیل ہے۔

ان تمام توضیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد عورت کے آقا اور والی کی حیثیت رکھتا ہے اور عورت اپنے شوہر کے پاس ایک اسیر کی مانند ہے۔ پس مرد کی ذمہ داری اور اس کا کام یہ ہے کہ وہ ان امور کا انتظام کرے جن کی رعایت رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور عورت کی ذمہ داری اور اس کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے رب اور اپنے شوہر

کی اطاعت کرے، بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ ﴾ ''تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ مطیع ہوتی ہیں۔'' یعنی وہ اللہ کی اطاعت کرنے والی ہیں ﴿ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ ﴾ یعنی وہ اپنے شوہروں کی اطاعت کرنے والی ہیں حتیٰ کہ وہ ان کی عدم موجودگی میں بھی ان کی اطاعت کرتی ہیں۔ اپنی عفت کی حفاظت کے ذریعے سے اپنے شوہر کی اور اس کے مال کی حفاظت کرتی ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور اس کی توفیق سے ہے ان کی طرف سے کچھ بھی نہیں، کیونکہ نفس تو ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے مگر جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو رنج میں ڈالنے والے دینی اور دنیاوی امور میں اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا: ﴿ وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ ﴾ ''اور وہ عورتیں، جن کی نافرمانی سے تم ڈرتے ہو'' یعنی ان کا اطاعت سے باہر نکلنا، قول و فعل کے ذریعے سے اپنے شوہر کی نافرمانی کرنا۔ اس صورت میں شوہر آسان سے آسان طریقے سے اس کی تادیب کرے۔ ﴿ فَعِظُوْهُنَّ ﴾ ''ان کو نصیحت کرو۔'' یعنی شوہر کی اطاعت اور اس کی نافرمانی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام بیان کر کے ان کو نصیحت کرو۔ شوہر کی اطاعت کی ترغیب دو اور اس کی نافرمانی سے ڈراؤ۔ اگر وہ نافرمانی سے باز آ جائیں تو یہی چیز مطلوب ہے اور اگر وہ اپنا رویہ نہ بدلیں تو شوہر اسے اس کے بستر پر تنہا چھوڑ دے، اس کے بستر پر سوئے نہ اس کے ساتھ مجامعت کرے۔ یہ سزا بس اسی قدر ہو جس سے مقصد حاصل ہو جائے۔ اگر پھر بھی نافرمانی ترک نہ کرے تو شوہر اس کو ایسی مار مارے جو نقصان دہ نہ ہو۔ اگر ان مذکورہ طریقوں میں سے کسی طریقے سے مقصد حاصل ہو جائے اور وہ تمہاری اطاعت کرنے لگ جائیں ﴿ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ﴾ ''تو نہ ڈھونڈو ان پر کوئی راہ'' پس جو مقصد تم حاصل کرنا چاہتے تھے تمہیں حاصل ہو گیا، اس لئے اب تم گزشتہ معاملات میں ان پر عتاب کرنا اور ان کو کریدنا چھوڑ دو جن کے ذکر سے نقصان پہنچتا ہے اور اس کی وجہ سے شر پیدا ہوتا ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ﴾ ''بے شک اللہ سب سے اعلیٰ، جلیل القدر ہے۔'' ہر پہلو اور ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ علو مطلق (مطلق بلندی) کا مالک ہے۔ اس کی ذات بلند ہے، وہ قدرت کے اعتبار سے بلند ہے اور وہ قہر اور غلبہ کے اعتبار سے بھی بلند ہے۔ وہ بڑا ہے جس سے کوئی بڑا نہیں اس سے زیادہ جلیل اور اس سے زیادہ عظیم کوئی ہستی نہیں۔ وہ اپنی ذات میں اور صفات میں بڑا ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ

اور اگر ڈرو تم اختلاف سے درمیان ان دونوں کے، تو مقرر کر دو ایک منصف مرد کے کنبے سے اور ایک منصف عورت کے کنبے سے۔

اِنْ یُّرِیْدَاۤ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا خَبِیْرًا ﴿۳۵﴾

اگر چاہیں گے یہ دونوں (منصف) صلح کروانا، تو موافقت پیدا کر دے گا اللہ ان دونوں کے درمیان، بیشک اللہ ہے جاننے والا خبردار ○

یعنی اگر تمہیں میاں بیوی کے مابین مخالفت، دوری اور ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہنے کا خوف ہو، حتیٰ کہ

ان میں سے ہر ایک' ایک کنارے پر ہو (یعنی اختلاف و نفرت کی انتہاء پر ہو) ﴿ فَابۡعَثُوۡا حَکَمًا مِّنۡ اَهۡلِهٖ وَحَکَمًا مِّنۡ اَهۡلِهَا ﴾ ''تو ایک منصف مرد کے گھر والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو'' یعنی دو مکلف' مسلمان' عادل اور عاقل مردوں کو ثالث بنالو جو میاں بیوی کے مابین تمام معاملات کو جانتے ہوں اور وہ جمع اور تفرقہ کو بھی جانتے ہوں۔ مذکورہ تمام صفات لفظ ''حَکَم'' سے مستفاد ہیں کیونکہ کوئی شخص اس وقت تک حَکَم (منصف) بننے کی صلاحیت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ان صفات کا حامل نہ ہو۔ وہ دونوں حَکَم (منصف) ان شکایات پر غور کریں جو وہ ایک دوسرے کے خلاف رکھتے ہوں' پھر دونوں حکم' میاں بیوی کی جو ذمہ داری بنتی ہے دونوں سے اس کا التزام کروائیں۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک اپنی ذمہ داری پوری کرنے سے قاصر رہے تو دونوں حکم دوسرے فریق کو رزق اور خلق میں جو کچھ میسر ہے' اس پر راضی رہنے پر آمادہ کریں۔ میاں بیوی کے درمیان معاملات کی اصلاح کرنے اور ان کو اکٹھا رکھنے کے لئے جو طریقہ بھی ممکن ہو' ثالث اس کے استعمال سے گریز نہ کریں۔

اگر صورتحال یہاں تک پہنچ جائے کہ ان دونوں کے درمیان اصلاح اور ان کا اکٹھا رہنا ممکن نہ ہو بلکہ اس سے دشمنی' قطع تعلق اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اضافہ ہوتا ہو اور دونوں حکم یہ رائے رکھتے ہوں کہ ان میں علیحدگی دونوں کے لئے بہتر ہے' تو دونوں میں تفریق کروا دیں۔ دونوں کے درمیان علیحدگی کا فیصلہ شوہر کی رضامندی سے مشروط نہیں ہے جیسا کہ یہ معنی دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں ثالثوں کو ''حکم'' کے نام سے موسوم کیا ہے اور حکم وہ ہوتا ہے جو فیصلہ کرے خواہ اس کے فیصلے پر محکوم علیہ راضی نہ ہو۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنۡ یُّرِیۡدَاۤ اِصۡلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیۡنَهُمَا ﴾ ''اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرا دیں تو اللہ ان کے درمیان موافقت کر دے گا'' یعنی اللہ تعالیٰ مبارک رائے اور فریقین کے درمیان محبت اور الفت پیدا کرنے والے دلکش کلام کے ذریعے سے ان میں موافقت پیدا کر دے گا۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلِیۡمًا خَبِیۡرًا ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ سب کچھ جانتا اور سب باتوں سے باخبر ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ تمام ظاہر و باطن کو جاننے والا اور تمام خفیہ امور اور تمام بھیدوں کی اطلاع رکھنے والا ہے۔ یہ اس کا علم اور اس کی خبر ہی ہے کہ اس نے تمہارے لئے یہ جلیل القدر احکام اور خوبصورت قوانین مشروع فرمائے۔

وَاعۡبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشۡرِکُوۡا بِهٖ شَیۡـًٔا وَّبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا وَّبِذِی الۡقُرۡبٰی

اور عبادت کرو تم اللہ کی اور نہ شریک ٹھہراؤ اسکے ساتھ کسی چیز کو اور (کرو) ماں باپ کیساتھ احسان اور رشتے داروں کیساتھ

وَالۡیَتٰمٰی وَالۡمَسٰکِیۡنِ وَالۡجَارِ ذِی الۡقُرۡبٰی وَالۡجَارِ الۡجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالۡجَنۡۢبِ

اور یتیموں (کیساتھ) اور مسکینوں (کیساتھ) اور پڑوسی قرابت دار اور پڑوسی اجنبی (کیساتھ) اور ہم نشیں (کیساتھ)

وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا
اور مسافر کیساتھ'اور (ان کیساتھ) جن کے مالک ہوئے تمہارے دائیں ہاتھ'بلا شبہ اللہ نہیں پسند کرتا اس شخص کو جو ہے اترانے والا
فَخُوْرَا ۝٣٦ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ
فخر کرنے والا ○ وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بخل کرنے کا اور چھپاتے ہیں وہ جو
اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝٣٧ۚ وَالَّذِيْنَ
دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور تیار کیا ہم نے کافروں کے لیے عذاب رسوا کرنے والا ○ اور وہ لوگ جو
يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ
خرچ کرتے ہیں مال اپنے دکھلاوے کیلئے لوگوں کو اور نہیں ایمان لاتے وہ ساتھ اللہ کے اور نہ ساتھ یوم آخرت کے
وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ۝٣٨
اور جو شخص کہ ہو شیطان اس کا ہم نشیں' تو برا ہے وہ ہم نشیں ○

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں۔ وہ واحد اور لاشریک ہے۔ یہ درحقیقت اس کی عبودیت کے دائرے میں داخل ہونے' محبت' تذلل اور ظاہری اور باطنی تمام عبادات میں اخلاص کے ساتھ اس کے تمام اوامر ونواہی کی تعمیل کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک اصغر اور شرک اکبر ہر قسم کے شرک سے روکتا ہے۔ کسی فرشتہ' کسی نبی' ولی یا دیگر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے سے منع کرتا ہے جو خود اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع و نقصان' موت وحیات اور دوبارہ اٹھانے پر قدرت نہیں رکھتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اخلاص واجب ہے۔ جو ہر لحاظ سے کمال مطلق کا مالک ہے۔ وہ کائنات کی پوری تدبیر کر رہا ہے جس میں اس کا کوئی شریک ہے نہ معاون اور مددگار۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور اپنے حقوق کے قیام کا حکم دینے کے بعد حقوق العباد کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔ (حقوق العباد کے مراتب میں اصول یہ قائم فرمایا ہے۔) جو سب سے زیادہ قریب ہے اس کے سب سے زیادہ حقوق ہیں۔ فرمایا: ﴿ وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ﴾ ''ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو'' یعنی ان کے ساتھ احسان کرو ان سے اچھی گفتگو' ان کے ساتھ تخاطب میں نرمی اور فعل جمیل کر کے ان کے حکم کی اطاعت' ان کے ممنوعہ امور سے اجتناب اور ان کی ضروریات پر خرچ کر کے' ان کے دوستوں اور دیگر متعلقین کے ساتھ عزت وتکریم کا معاملہ کر کے اور ان رشتے داریوں کو قائم اور ان کے حقوق ادا کر کے' جن سے صرف والدین کی وجہ سے رشتے داری ہے۔

احسان (یعنی حسن سلوک) کی دو اضداد ہیں' برا سلوک اور عدم احسان (حسن سلوک نہ کرنا) اور ان دونوں

سے روکا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿ وَبِذِی الْقُرْبٰی ﴾ ''اور قرابت والوں کے ساتھ۔'' یعنی دیگر اقرباء کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آؤ۔ یہ آیت کریمہ تمام اقارب کو شامل ہے۔ خواہ وہ زیادہ قریبی ہوں یا قدرے دور کے رشتہ دار ہوں۔ ان کے ساتھ قول و فعل کے ذریعے سے حسن سلوک سے پیش آئے اور اپنے قول و فعل سے ان کے ساتھ قطع رحمی نہ کرے۔ ﴿ وَالْیَتٰمٰی ﴾ ''اور یتیموں کے ساتھ'' یعنی وہ چھوٹے بچے جو اپنے باپ سے محروم ہو گئے ہوں تمام مسلمانوں پر ان کا حق ہے۔ خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں۔ کہ وہ ان کی کفالت کریں ان کے ساتھ نیک سلوک کریں، ان کی دلجوئی کریں، ان کو ادب سکھائیں اور ان کے دینی اور دنیاوی مصالح میں ان کی بہترین تربیت کریں۔ ﴿ وَالْمَسٰكِیْنِ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کو فقر و حاجت نے بے حرکت اور عاجز کر دیا ہو جنہیں اتنی ضروریات زندگی حاصل نہ ہوں جو ان کو کفایت کر سکیں اور نہ ان کو جن کے یہ کفیل ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کو ضروریات زندگی مہیا کی جائیں، ان کا فقر و فاقہ دور کیا جائے اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دی جائے اور حتی الامکان ان امور کا انتظام کیا جائے۔ ﴿ وَالْجَارِ ذِی الْقُرْبٰی ﴾ ''اور رشتہ دار ہمسایوں کے ساتھ'' یعنی رشتہ دار پڑوسی، اس کے دو حقوق ہیں۔ پڑوس کا حق اور قرابت کا حق۔ پس وہ اپنے پڑوسی پر حق رکھتا ہے اور اس کے حسن سلوک کا مستحق ہے۔ یہ سب عرف کی طرف راجع ہے۔

اسی طرح ﴿ وَالْجَارِ الْجُنُبِ ﴾ ''اور اجنبی ہمسایوں کے ساتھ۔'' یعنی وہ پڑوسی جو قریبی نہ ہو۔ پڑوسی کا دروازہ جتنا زیادہ قریب ہوگا اس کا حق اتنا ہی زیادہ مؤکد ہوگا۔ پڑوسی کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ ہدیہ اور صدقہ دیتا رہے، اس کو دعوت پر بلاتا رہے اقوال و افعال میں نرمی اور ملاطفت سے پیش آیا کرے اور قول و فعل سے اس کو اذیت دینے سے باز رہے۔

﴿ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ ﴾ ''اور پہلو کے ساتھی سے حسن سلوک کرو'' بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد شریک سفر ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ اس سے مراد بیوی ہے اور بعض اہل علم اس کا اطلاق مطلق ساتھی پر کرتے ہیں اور یہی زیادہ قرین صحت ہے۔ کیونکہ یہ لفظ اس کو شامل ہے جو سفر و حضر میں ساتھ رہے اور یہ لفظ بیوی کو بھی شامل ہے۔ ساتھی پر ساتھی کا حق عام مسلمان بھائی سے بڑھ کر ہے یعنی دینی اور دنیاوی امور میں اس کی مدد کرنا، اس کی خیر خواہی کرنا، آسانی اور تنگی، خوشی اور غمی میں اس کے ساتھ وفا کرنا جو اپنے لئے پسند کرنا اس کے لئے بھی وہی پسند کرنا اور جو اپنے لئے ناپسند کرنا وہ اس کے لئے بھی ناپسند کرنا، صحبت جتنی زیادہ ہوگی، یہ حق اتنا ہی زیادہ اور مؤکد ہوگا۔

﴿ وَابْنِ السَّبِیْلِ ﴾ وہ غریب الوطن شخص جو دور اجنبی شہر میں ہو وہ خواہ محتاج ہو یا نہ ہو اس کی شدت احتیاج اور وطن سے دور ہونے کی وجہ سے مسلمانوں پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے نہایت انس و اکرام کے ساتھ اس کے

مقصد تک پہنچائیں۔ ﴿ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ﴾ ’’اور جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہوئے‘‘ یعنی آپ کی ملکیت میں آدمی ہوں یا بہائم ان کی ضروریات کا انتظام رکھنا‘ ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا‘ بوجھ اٹھانے میں ان کی مدد کرنا‘ ان کی مصلحت اور بھلائی کی خاطر ان کی تادیب کرنا ان کا آپ پر حق ہے۔ پس جو ان احکامات کی تعمیل کرتا ہے وہ اپنے رب کے سامنے جھکنے والا اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ انکساری سے پیش آنے والا ہے‘ وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر اور اس کی شریعت کی پیروی کرتا ہے۔ یہی شخص ثواب جزیل (بہت زیادہ ثواب) اور ثنائے جمیل کا مستحق ہے اور جو ان احکامات پر عمل نہیں کرتا وہ اپنے رب سے روگردان‘ اس کے اوامر کا نافرمان اور مخلوق کے لئے غیر متواضع ہے‘ بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ تکبر سے پیش آنے والا‘ خود پسند اور بے حد فخر کرنے والا ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا ﴾ ’’یقیناً اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا‘‘ یعنی وہ خود پسند ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ تکبر سے پیش آتا ہے ﴿ فَخُوْرًا ﴾ ’’اپنی بڑائی بیان کرنے والا ہے‘‘ وہ لوگوں کے سامنے فخر اور گھمنڈ کے ساتھ اپنی تعریفیں کرتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا فخر اور تکبر ان حقوق کو ادا کرنے سے مانع رہتا ہے‘ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِلَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ ﴾ ’’جو لوگ بخل کرتے ہیں‘‘ یعنی جو حقوق واجب ہیں ان کو ادا نہیں کرتے ﴿ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ ﴾ ’’اور وہ لوگوں کو بخیلی کا حکم دیتے ہیں۔‘‘ یعنی وہ اپنے قول و فعل سے لوگوں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں ﴿ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ ’’اور جو (مال یا علم) اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اسے چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو علم عطا کیا جس کے ذریعے سے گمراہ راہ پاتے ہیں اور جاہل رشد و ہدایت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اس علم کو ان لوگوں سے چھپاتے ہیں اور ان کے سامنے باطل کا اظہار کرتے ہیں‘ اس طرح وہ مخلوق اور حق کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔ پس انہوں نے مالی بخل اور علمی بخل کو یکجا کر دیا اور اپنے خسارے کے لئے بھاگ دوڑ اور دوسروں کے خسارے کے لئے بھاگ دوڑ کو جمع کر دیا۔ یہ کفار کی صفات ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾ ’’اور ہم نے کفار کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے‘‘ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ تکبر کے ساتھ پیش آئے‘ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنے سے انکار کیا اور اپنے بخل اور بے راہ روی کی وجہ سے دوسروں کو محروم کرنے کا باعث بنے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو دردناک عذاب اور دائمی ذلت کے ذریعے سے رسوا کیا۔ اے اللہ! ہر برائی سے ہم تیری پناہ کے طلبگار ہیں۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مال کے بارے میں خبر دی ہے جو محض دکھاوے‘ شہرت کی خاطر اور اللہ تعالیٰ پر عدم ایمان کی بنا پر خرچ کیا جاتا ہے‘ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَآءَ النَّاسِ ﴾ ’’اور جو لوگوں کو

دکھانے کے لئے اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔'' تاکہ لوگ انہیں دیکھیں' ان کی مدح وثنا کریں اور ان کی تعظیم کریں ﴿ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ ''اور وہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے'' یعنی ان کا مال اخلاص' اللہ تعالیٰ پر ایمان اور ثواب کی امید پر خرچ نہیں ہوتا۔ یعنی یہ سب کچھ درحقیقت شیطان کا نقش قدم اور اس کے اعمال ہیں جن کی طرف وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ جہنمیوں میں شامل ہو جائیں۔ یہ اعمال شیطان کی دوستی اور شیطان کی انگیخت پر ان سے سرزد ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴾ ''اور جس کا ہم نشیں اور ساتھی شیطان ہو وہ بدترین ساتھی ہے'' بدترین ہے وہ مصاحب اور ساتھی جو اپنے ساتھی کی ہلاکت چاہتا ہے اور اسے ہلاک کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔

جس طرح کوئی شخص اس نعمت میں بخل کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسان کو چھپاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر کیا ہے وہ نافرمان' گناہ گار اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت کا مرتکب ہے' اسی طرح وہ شخص بھی گناہ گار' اپنے رب کا نافرمان اور سزا کا مستحق ہے جو غیر اللہ کی عبادت کے لئے خرچ کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو حکم دیا ہے کہ نہایت اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کے حکم پر عمل کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ﴾ (البینۃ ۹۸/۵) ''اور ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ دین کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کر کے اس کی عبادت کریں''۔ یہی وہ عمل ہے جو اللہ کے ہاں قابل قبول ہے اور اس عمل کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے والا مدح و ثواب کا مستحق ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے ایسے عمل کی ترغیب دینے کے لئے فرمایا:

وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ

اور کیا ہوتا (نقصان) ان کا' اگر ایمان لے آتے وہ ساتھ اللہ اور یوم آخرت کے اور خرچ کرتے وہ اس (مال) سے جو دیا انکو اللہ نے؟

وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾

اور ہے اللہ ساتھ ان کے خوب جاننے والا ○

یعنی ان کے لئے کون سا حرج اور ان پر کون سی مشقت ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں' جو کہ سراسر اخلاص ہے' پھر اللہ تعالیٰ کے راستے میں وہ مال خرچ کریں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیا ہے اور جس مال سے ان کو نوازا ہے۔ تب اس صورت میں وہ اخلاص اور انفاق کو جمع کریں گے۔ چونکہ اخلاص ایک ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک سرنہاں ہے جس کی اطلاع صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہوتی ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ بندے کے تمام احوال کو جانتا ہے' چنانچہ فرمایا: ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴾ ''اللہ ان سب کو خوب جانتا ہے''

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ

بلاشبہ اللہ نہیں ظلم کرتا برابر ایک ذرے کے' اور اگر ہو کوئی نیکی' تو دگنا کر دے گا اس کو اور دے گا

مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ

اپنی طرف سے اجر بہت بڑا ○ پس کیا حال ہو گا جب لائیں گے ہم ہر امت سے ایک گواہ

وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَىِٕذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا

اور لائیں گے ہم آپ کو (اے رسول!) ان پر گواہ ○ اس دن چاہیں گے وہ لوگ' جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی انہوں نے

الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿۴۲﴾

رسول کی کاش کہ برابر کر دی جائے ساتھ ان کے زمین' اور نہ چھپا سکیں گے وہ اللہ سے کوئی بات ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے کامل عدل و فضل کے بارے میں خبر دیتا اور آگاہ فرماتا ہے کہ وہ عدل کے متضاد صفات' یعنی ظلم سے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر پاک ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ﴾ ''اللہ کسی کی ذرہ بھر بھی حق تلفی نہیں کرتا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی نیکیوں میں ذرہ بھر کمی کرے گا نہ اس کی برائیوں میں ذرہ بھر اضافہ کرے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ﴾ (الزلزال: ۹۹/ ۷۔۸) ''جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا''۔

﴿ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا ﴾ ''اور اگر نیکی ہو تو اسے دوگنا کر دیتا ہے'' یعنی وہ اس نیکی کو دس گنا یا اس کے حسب حال' اس کے نفع کے مطابق اور نیکی کرنے والے کے اخلاص' محبت اور کمال کے مطابق اس سے بھی کئی گنا زیادہ کر دے گا ﴿ وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ ''اور خاص اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب دیتا ہے'' یعنی وہ عمل کے ثواب سے زیادہ عطا کرے گا۔ مثلاً وہ اسے دیگر اعمال کی توفیق سے نوازے گا' بہت سی نیکی اور خیر کثیر عطا کرے گا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴾ ''پس کیا حال ہوگا جس وقت کہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے'' وہ کیسے حالات ہوں گے اور وہ عظیم فیصلہ کیسا ہوگا جو اس حقیقت پر مشتمل ہوگا کہ فیصلہ کرنے والا کامل علم' کامل عدل اور کامل حکمت کا مالک ہے اور وہ مخلوق میں سب سے زیادہ سچی شہادت کی بنیاد پر فیصلہ کرے گا۔ یہ شہادت انبیاء و مرسلین کی شہادت ہے جو وہ اپنی امتوں کے خلاف دیں گے اور جن کے خلاف فیصلہ ہوگا وہ بھی اس کا اقرار کریں گے۔ اللہ کی قسم! یہ وہ فیصلہ ہے جو تمام فیصلوں میں سب سے زیادہ عام' سب سے زیادہ عادل اور سب سے عظیم ہے۔

یہ وہ مقام ہے جہاں جن کے خلاف فیصلہ ہوگا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے کمال فضل' عدل و انصاف اور حمد و ثناء کا اقرار کرتے رہ جائیں گے۔ وہاں کچھ لوگ فوز و فلاح' عزت اور کامیابی کی سعادت سے بہرہ ور ہوں گے اور کچھ فضیحت و رسوائی اور عذاب مہین کی بدبختی میں گرفتار ہوں گے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ ﴾ ''جس روز کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے'' یعنی ان میں اللہ اور اس کے رسول کا انکار اور رسول کی نافرمانی اکٹھے ہوگئے ہیں ﴿ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ ﴾ ''کہ کاش انہیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا'' یعنی وہ خواہش کریں گے کہ کاش زمین انہیں نگل لے اور وہ مٹی ہو کر معدوم ہو جائیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَيَقُولُ الْكَافِرُ يَا لَيْتَنِي كُنتُ تُرَابًا ﴾ (النبا : ٧٨/٤٠) ''اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا''۔

﴿ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴾ ''اور وہ نہیں چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات'' بلکہ وہ اپنی بداعمالیوں کا اعتراف کریں گے۔ ان کی زبانیں' ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔ اس روز اللہ تعالیٰ انہیں پوری پوری جزا دے گا۔ یعنی ان کی جزائے حق۔ اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی حق اور کھلا کھلا بیان کر دینے والا ہے اور کفار کے بارے میں یہ جو وارد ہوا ہے کہ وہ اپنے کفر و انکار کو چھپائیں گے تو قیامت کے بعض مواقع پر ایسا کریں گے جبکہ وہ یہ سمجھیں گے کہ ان کا کفر سے انکار اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مقابلے میں کسی کام آسکے گا۔ لیکن جب وہ حقائق کو پہچان لیں گے اور خود ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے تب تمام معاملہ روشن ہو کر سامنے آجائے گا۔ پھر ان کے لئے چھپانے کی کوئی گنجائش باقی رہے گی نہ چھپانے کا کوئی فائدہ ہی ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ قریب جاؤ تم نماز کے جب کہ تم نشے میں ہو' یہاں تک کہ تمہیں علم ہو جو تم کہتے ہو'
وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۚ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ
اور نہ حالت جنابت میں' مگر عبور کرنے والے ہو راستے کو' یہاں تک کہ غسل کر لو۔ اور اگر ہو تم بیمار یا سفر پر
أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا
یا آئے کوئی تم میں سے قضائے حاجت سے یا صحبت کی ہو تم نے عورتوں سے' پس نہ پاؤ تم پانی' تو تیمم کر لو
صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٤٣﴾
پاک مٹی سے' پس مسح کرو تم اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا' بلاشبہ اللہ ہے بہت معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے جب تک کہ

انہیں معلوم نہ ہو جائے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس ممانعت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ نشے کی حالت میں نماز کی جگہوں یعنی مساجد وغیرہ کے بھی قریب نہ جائیں کیونکہ نشے کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا ممکن نہیں۔ اس ممانعت میں نفس نماز بھی شامل ہے نشے والے شخص کی عقل کے مختل ہونے اور یہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اس کی نماز اور دیگر عبادات جائز نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کے لئے اس چیز کو شرط بنایا کہ نشے والا شخص جو کچھ کہہ رہا ہو اسے اس کا علم ہو۔ یہ آیت کریمہ تحریم خمر والی آیت کے ذریعے سے منسوخ ہو گئی۔ اسلام کے ابتدائی ایام میں شراب حرام نہ تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں شراب کی حرمت کی طرف اشارہ فرمایا: ﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ﴾ (البقرہ : ۲/۲۱۹) ''تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دو کہ ان میں بہت بڑا گناہ ہے اور ان میں لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں البتہ ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے''۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نماز کے اوقات میں شراب پینے سے منع کر دیا۔ جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔ اس کے بعد (تیسرے مرحلے میں) اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام اوقات میں شراب کو علی الاطلاق حرام قرار دیا فرمایا: ﴿ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (المائدہ : ۵/۹۰) ''بے شک شراب، جوا، بت اور پانسے سب شیطان کے ناپاک کام ہیں اس لئے ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ''۔

نماز کے اوقات میں تو شراب کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے کیونکہ ان اوقات میں نماز کے مقصد کے حصول کے بعد، جو کہ نماز کی روح اور لب لباب ہے اور وہ ہے خشوع اور حضور قلب۔ شراب بڑے مفاسد کو متضمن ہے۔ شراب قلب کو بھی مدہوش کر دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے۔ آیت کریمہ کے معنیٰ سے یہ بات بھی اخذ کی جاتی ہے کہ سخت اونگھ کی حالت میں جب انسان کو یہ عقل و شعور نہ رہے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ بلکہ اس آیت کریمہ میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب کوئی شخص نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ ہر اس شغل کو منقطع کر دے جو نماز کے اندر اس کی توجہ کو مشغول رکھتا ہو مثلاً بول و براز کی سخت حاجت، اور کھانے کی سخت خواہش وغیرہ۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔

﴿ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ ﴾ ''اور جنابت کی حالت میں بھی (نماز کے قریب نہ جاؤ) ہاں اگر عبور کرنے والے ہو راستے کو۔'' یعنی اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ سوائے اس حالت میں کہ تم مسجد میں سے گزر رہے ہو اور تم بغیر رکے گزر جاؤ ﴿ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ﴾ ''حتیٰ کہ تم غسل کر لو۔'' یہ جنبی کے لئے نماز کے قریب جانے سے ممانعت کی حد اور انتہا ہے۔ پس جنبی کے لئے مسجد میں سے صرف گزرنا جائز ہے۔

﴿ وَإِن كُنتُم مَّرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَائِطِ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا ﴾ ''اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تیمّم کر لو'' پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے مریض کے لئے تیمّم کو پانی کی موجودگی اور عدم موجودگی' دونوں حالتوں میں علی الاطلاق جائز قرار دیا ہے اور اس اباحت کی علت ایسا مرض ہے جس میں پانی کا استعمال سخت تکلیف دہ ہو۔ اسی طرح سفر میں بھی تیمّم کو مباح قرار دیا کیونکہ سفر میں پانی کے عدم وجود کا امکان ہو سکتا ہے' اس لئے جب مسافر کے پاس پینے اور دیگر ضروریات سے زائد پانی نہ ہو تو اس کے لئے تیمّم جائز ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص بول و براز یا عورتوں کے لمس کی وجہ سے وضو توڑ بیٹھے خواہ وہ سفر میں ہو یا حضر میں' اگر پانی موجود نہ ہو تو اس کے لئے تیمّم جائز ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ کا عموم دلالت کرتا ہے۔ حاصل بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو حالتوں میں تیمّم مباح فرمایا ہے۔

(۱) سفر و حضر میں علی الاطلاق پانی کی عدم موجودگی کی صورت میں۔

(۲) کسی مرض میں پانی کے استعمال میں مشقت کی صورت میں۔

مفسرین میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ أَوْ لَامَسْتُمُ النِّسَاءَ ﴾ کا معنی بیان کرنے میں اختلاف ہے کہ آیا لمس سے مراد جماع ہے۔ تب یہ آیت کریمہ جنبی کے لئے تیمّم کے جواز میں نص ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں یا اس سے مراد صرف ہاتھوں سے چھونا ہے' البتہ یہ چھونا اس قید سے مقید ہے کہ جب چھونے سے مذی کے خارج ہونے کا امکان ہو۔ یہ چھونا شہوت کے ساتھ ہو گا اور تب یہ آیت لمس سے وضو کے ٹوٹنے پر نص ہے۔

فقہاء ﴿ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً ﴾ سے استدلال کرتے ہیں کہ نماز کا وقت داخل ہونے پر پانی کی تلاش فرض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس شخص کے لئے ﴿ لَمْ يَجِدْ ﴾ ''اس نے نہ پایا'' کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا جس نے تلاش نہ کیا ہو۔ بلکہ یہ لفظ استعمال ہی تلاش کے بعد کیا جاتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے فقہاء نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ اگر پانی کسی پاک چیز کے اختلاط سے متغیر ہو جائے تو اس سے وضو وغیرہ جائز ہے بلکہ اس کے ذریعہ سے طہارت حاصل کرنا متعین ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً ﴾ میں داخل ہے اور متغیر پانی بھی تو پانی ہی ہے' اور اس میں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ غیر مطلق پانی ہے اور یہ محل نظر ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس عظیم حکم کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو نوازا ہے۔ اور وہ ہے تیمّم کی مشروعیت۔ تیمّم کی مشروعیت پر تمام اہل علم کا اجماع ہے۔ وللہ الحمد

تیمّم پاک مٹی سے کیا جاتا ہے ﴿ صَعِيدًا ﴾ سطح زمین کی پاک مٹی کو کہتے ہیں خواہ اس میں غبار ہو یا نہ ہو۔ اس

میں اس معنیٰ کا احتمال بھی ہے کہ ''صعید'' ہر غبار والی چیز کو کہا جائے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں وضو والی آیت میں فرمایا ہے ﴿ فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ ﴾ (المائدہ : ۵/ ۶) ''پس اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرلو''۔ اور جس کا غبار نہ ہو تو اس سے مسح نہیں کیا جاتا۔ فرمایا ﴿ فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ﴾ ''اس (مٹی) سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرلو''۔ جیسا کہ سورۂ مائدہ میں زیادہ واضح ہے۔

آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ تیمّم کے اندر مسح کا محل یہ ہے' تمام چہرہ اور دونوں ہاتھ کلائی تک جیسا کہ اس پر احادیث صحیحہ دلالت کرتی ہیں اور اس میں مستحب یہ ہے کہ صرف ایک ہی ضرب سے تیمّم کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ جنبی کے تیمّم میں بھی صرف چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا جائے گا' جیسے کسی دیگر شخص کے تیمّم میں ہے۔

فائدہ: معلوم ہونا چاہئے کہ طب کا دارومدار تین قواعد پر ہے۔ (۱) ضرر رساں اشیاء سے حفظان صحت۔ (۲) موذی امرض سے نجات حاصل کرنا۔ (۳) ان امراض سے بچاؤ۔

رہا مرض سے بچاؤ اور حفظان صحت تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں کھانے پینے اور عدم اسراف کا حکم دیا ہے۔

مسافر اور مریض کی صحت کی حفاظت کی خاطر رمضان میں روزہ چھوڑنا اور اس مقصد کے لئے ایسی چیزیں اعتدال کے ساتھ استعمال کرنا مباح ہے جو بدن کی صحت کے لئے درست اور مریض کو ضرر سے بچانے کے لئے ضروری ہیں۔ رہا بیماری کی تکلیف سے نجات حاصل کرنا تو اللہ تعالیٰ نے سر میں تکلیف محسوس کرنے والے مُحرِم شخص کے لئے سر منڈوانا مباح قرار دیا ہے تاکہ وہ سر میں جمع شدہ میل کچیل اور گندگی سے نجات حاصل کر سکے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان چیزوں مثلاً بول و براز' قے' منی اور خون وغیرہ سے فارغ ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔ ان مذکورہ امور کی طرف علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے توجہ دلائی ہے۔

آیت کریمہ چہرے اور ہاتھوں کے مسح کے وجوب کے عموم پر دلالت کرتی ہے نیز یہ آیت اس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ خواہ وقت تنگ نہ ہو تیمّم کرنا جائز ہے نیز یہ آیت کریمہ اس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ وجوب کے سبب کے موجود ہونے کے بعد ہی پانی کی تلاش کے لئے کہا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد پر آیت کریمہ کا اختتام کیا ہے۔ ﴿ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا نہایت بخشنے والا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے احکامات میں انتہائی آسانیاں پیدا فرما کر اپنے مومن بندوں کے ساتھ بہت زیادہ عفو اور مغفرت کا معاملہ کرتا ہے۔ تاکہ بندے پر اس کے احکام کی تعمیل شاق نہ گزرے اور اسے ان کی تعمیل میں کوئی حرج محسوس نہ ہو۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا عفو اور اس کی مغفرت ہے کہ اس نے پانی کے عدم استعمال کے عذر کے موقع پر' مٹی کے ذریعے سے طہارت کو مشروع فرما کر اس امت پر رحم

فرمایا اور یہ بھی اس کا عفو اور اس کی مغفرت ہے کہ اس نے گناہ گاروں کے لئے توبہ اور انابت کا دروازہ کھولا اور انہیں اس دروازے کی طرف بلایا اور ان کے گناہ بخش دینے کا وعدہ فرمایا' نیز یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کا عفو ہے کہ اگر بندۂ مومن زمین بھر گناہوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو اور اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو' تو اللہ تعالیٰ بھی اسے زمین بھر مغفرت سے نوازے گا۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ

کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کی جو دیے گئے کچھ حصہ کتاب سے؟ خریدتے ہیں وہ گمراہی کو اور چاہتے ہیں

اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۡ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ

یہ کہ گمراہ ہو جاؤ تم راستے سے ○ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور کافی ہے اللہ دوست اور کافی ہے اللہ

نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ

مددگار ○ کچھ ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے' بدل ڈالتے ہیں باتوں کو ان کی جگہوں سے اور کہتے ہیں'

سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ۭ

سنا ہم نے اور نافرمانی کی ہم نے اور سُن! نہ سنایا جائے تو' اور (کہتے ہیں) رَاعِنَا' موڑتے ہوئے اپنی زبانیں اور طعن کرتے ہوئے دین میں'

وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

اور اگر بلاشبہ وہ کہتے' سنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے اور سنیے! اور دیکھیے ہمیں' تو یقیناً ہوتا بہت بہتر انکے لیے

وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۴۶﴾

اور درست تر' اور لیکن لعنت کی ان پر اللہ نے بہ سبب انکے کفر کے' پس نہیں ایمان لاتے وہ مگر تھوڑے ہی ○

اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کی مذمت ہے جنہیں کتاب عطا کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ڈرایا ہے کہ وہ ان کی وجہ سے دھوکے میں نہ پڑیں اور ان کا ساتھی بننے سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت آگاہ فرمایا کہ وہ اپنے بارے میں ﴿يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ﴾ گمراہی خریدتے ہیں یعنی گمراہی سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں اور اسے ترجیح دیتے ہیں جیسے کوئی شخص اپنی محبوب چیز کی طلب میں مال کثیر خرچ کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ پس یہ لوگ ہدایت پر گمراہی کو' ایمان پر کفر کو اور سعادت پر شقاوت کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ﴿وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ﴾ ''اور وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی راستہ گم کر لو'' ۔پس وہ تمہیں گمراہ کرنے کے بے حد خواہش مند ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے بھرپور کوشش کر رہے ہیں اور چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کا ولی اور مددگار ہے اس لئے ان کے سامنے ان کفار کی گمراہی اور ان کی دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش کو کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ اس لئے فرمایا: ﴿وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا﴾ ''اللہ ہی کافی کارساز ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ تمام

امور میں اپنے لطف و کرم کی وجہ سے اپنے بندوں کے تمام احوال میں ان کی سرپرستی فرماتا ہے اور ان کے لئے سعادت اور فلاح کی راہوں کو آسان کرتا ہے۔ ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴾ ''اور اللہ ہی کافی مددگار ہے۔'' اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ان کے دشمنوں کے خلاف مدد عطا کرتا ہے اور ان کے سامنے واضح کرتا ہے کہ انہیں کن لوگوں سے بچنا چاہئے وہ ان کے خلاف ان کی مدد کرتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی ولایت اور سرپرستی میں خیر کا حصول اور اس کی نصرت میں شر کا زوال ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی گمراہی، عناد اور ان کے حق پر باطل کو ترجیح دینے کی کیفیت بیان فرمائی ہے۔

﴿ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ﴾ ''اور جو یہودی ہوئے'' اس جگہ ان سے مراد یہودیوں کے گمراہ علماء ہیں۔ ﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ﴾ ''ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ وہ کلمات کو ان کے مقامات سے بدل دیتے ہیں۔'' یعنی وہ کلمات الٰہی میں تحریف کے مرتکب ہوتے تھے۔ یہ تحریف یا تو لفظ میں ہوتی تھی یا معنی میں یا دونوں میں۔ یہ ان کی تحریف تھی کہ آنے والے نبی کی وہ صفات جو ان کی کتابوں میں بیان کی گئی تھیں وہ محمد رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی پر منطبق اور صادق نہ آتی تھیں۔ (یہودی کہتے تھے) کہ یہ صفات رسول اللہ ﷺ کی نہیں کسی اور کی بیان ہوئی ہیں ان صفات سے مراد رسول اللہ ﷺ نہیں ہیں وہ ان صفات کو چھپاتے تھے۔ پس علم کے بارے میں یہ ان کا بدترین حال ہے۔ انہوں نے حقائق کو بدل ڈالا حق کو باطل بنا دیا اور پھر انہوں نے اس کی وجہ سے اس حق کا انکار کر دیا۔

رہا عمل اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان کا حال تو کہا کرتے تھے: ﴿ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ﴾ ''ہم نے سن لیا اور نہیں مانا۔'' یعنی ہم نے تیری بات سنی اور تیرے حکم کی نافرمانی کی۔ یہ کفر و عناد اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل بھاگنے کی انتہا ہے۔ اسی طرح وہ رسول اللہ ﷺ کو انتہائی سوء ادبی اور بدترین خطابات کے ساتھ مخاطب کیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے: ﴿ وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ ﴾ ''سنیے نہ سنوائے جاؤ'' اور ان الفاظ سے ان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہماری بات سن، تجھے وہ بات نہ سنوائی جائے جو تجھے پسند ہے بلکہ وہ بات سنوائی جائے جو تجھے ناپسند ہے ﴿ وَرَاعِنَا ﴾ اس رعونت سے ان کی مراد تھی قبیح عیب۔ وہ سمجھتے تھے کہ چونکہ لفظ میں ان معنوں کا احتمال ہے جو ان کے معنی مراد کے علاوہ ہیں، اس لئے یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں رائج ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ اس لفظ کو، جس کا وہ اپنی زبانوں کو مروڑ کر تلفظ کرتے تھے، دین میں طعن اور رسول اللہ ﷺ کی عیب چینی کا ذریعہ بناتے تھے۔ اور باہم ایک دوسرے کو نہایت صراحت سے بتاتے تھے، اسی لئے فرمایا: ﴿ لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ﴾ ''زبانوں کو مروڑ کر اور دین میں عیب لگانے کو'' اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس سے بہتر چیز کی طرف ان کی راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

﴿ وَاَقْوَمَ ﴾ ''اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرماں برداری کی اور آپ سنئے اور ہمیں دیکھئے تو یہ ان کے لئے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب تھا'' چونکہ یہ کلام رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہونے کے بارے میں حسن خطاب' لائق ادب' اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے اوامر کی تعمیل کو متضمن ہے نیز یہ کلام ان کے طلب علم' ان کے سوال کو سننے اور ان کے معاملے کو درخور اعتنا سمجھنے کے بارے میں حسن ملاطفت کا حامل ہے۔ اس لئے یہ وہ راستہ ہے جس پر انہیں گامزن ہونا چاہیے' مگر چونکہ ان کی طبائع پاکیزگی سے محروم ہیں اس لئے انہوں نے اس سے اعراض کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر و عناد کے باعث انہیں دھتکار دیا' اس لئے فرمایا: ﴿ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ ''مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب سے ان پر لعنت کی' پس اب وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر بہت تھوڑے۔''

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ

اے وہ لوگو جو دیئے گئے کتاب! ایمان لاؤ ساتھ اسکے جو اُتارا ہم نے' وہ تصدیق کرنیوالا ہے اسکی جو تمہارے ساتھ ہے'

مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ

پہلے اس کے کہ مٹا دیں ہم چہروں کو' پھر لوٹا دیں ان کو اوپر ان کی پیٹھوں کے' یا لعنت کریں ہم ان پر'

كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

جس طرح لعنت کی ہم نے سبت والوں پر' اور ہے حکم اللہ کا کیا ہوا (یعنی اٹل)○

اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو حکم دیتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور اس قرآن عظیم پر ایمان لائیں جو آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے جو دوسری کتابوں کا نگہبان ہے۔ جن کی یہ تصدیق کرتا ہے ان کتابوں نے اس رسول کی خبر دی ہے۔ جب وہ امر واقع ہو گیا جس کے بارے میں خبر دی گئی تھی تو یہ چیز اس خبر کی تصدیق ہے' نیز اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو گویا ان کا اپنی کتابوں پر بھی ایمان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں ایک دوسری کی تصدیق اور ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں' اس لئے بعض کتابوں پر ایمان کا دعویٰ اور بعض پر ایمان نہ رکھنا' محض باطل دعویٰ ہے جس کی صداقت کا ہرگز امکان نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ﴾ ''ہماری نازل کی ہوئی کتاب پر جو تمہاری کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے ایمان لے آؤ۔'' میں اہل کتاب کو ایمان لانے کی ترغیب دی گئی ہے' نیز ان کے لئے مناسب یہ تھا' چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم اور کتاب عطا کی اس لئے وہ اس سبب سے دوسرے لوگوں سے آگے بڑھ کر اس کی طرف سبقت کرتے یہ علم اور کتاب دوسروں کی نسبت ان کے لئے زیادہ اس بات کے موجب ہیں کہ وہ آگے بڑھ کر ایمان لاتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے عدم ایمان کی وجہ سے ان کو وعید سنائی ہے۔ ﴿ مِّنْ

﴿ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ ﴾ ''اس پر اس سے پہلے (ایمان لے آؤ) کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انہیں لوٹا کر پیٹھ کی طرف کر دیں'' یہ جزا ان کے عمل ہی کی جنس میں سے ہے۔ چونکہ انہوں نے حق کو چھوڑ دیا' باطل کو ترجیح دی اور حقائق کو بدل ڈالا' باطل کو حق اور حق کو باطل بنا دیا' اس لئے ان کو ان کے اعمال ہی کی جنس سے سزا کی وعید سنائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں کو بگاڑ کر ان کی پیٹھ کی طرف پھیر دے۔ جس طرح انہوں نے حق کو بگاڑا' اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں کو ان کی گدی کی طرف کر دیا اور یہ بدترین حال ہے۔

﴿ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ﴾ ''یا ان پر لعنت بھیجیں جیسے ہم نے ہفتے والوں پر لعنت کی'' بایں طور کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور انہیں سزا کے طور پر بندر بنا دے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے ان بھائی بندلوگوں کو سزا دی تھی جنہوں نے ظلم و تعدی کے ساتھ سبت کے اصولوں سے تجاوز کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴾ (البقرۃ: ٢/٦٥) ''پس ہم نے ان سے کہا بندر بن جاؤ دھتکارے ہوئے''۔

﴿ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴾ ''اور ہے اللہ تعالیٰ کا کام کیا ہوا'' یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مانند ہے ﴿ اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴾ (یٰسٓ: ٣٦/٨٢) ''اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے ہو جا' پس وہ ہو جاتی ہے''۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۚ

بلا شبہ اللہ نہیں بخشے گا یہ کہ شرک کیا جائے اسکے ساتھ اور بخش دے گا جو علاوہ ہے اسکے جس کیلئے چاہے گا

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿٤٨﴾

اور جو شریک کرتا ہے اللہ کے ساتھ' تو تحقیق گھڑا اس نے گناہ بہت بڑا ۝

اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ وہ اس شخص کو کبھی نہیں بخشے گا جس نے مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا۔ اس کے علاوہ اگر اس نے چاہا اور اس کی حکمت مقتضی ہوئی تو وہ تمام چھوٹے بڑے گناہ بخش دے گا۔ شرک سے کمتر گناہوں کی مغفرت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سے اسباب مقرر فرمائے ہیں مثلاً برائیوں کو مٹانے والی نیکیاں' دنیا اور برزخ میں نیز قیامت کے روز گناہوں کا کفارہ بننے والے مصائب' اہل ایمان کی ایک دوسرے کے لئے مغفرت کی دعائیں' شفاعت اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت جس کے سب سے زیادہ مستحق اہل ایمان و توحید ہیں۔ جب کہ شرک کا معاملہ اس کے برعکس ہے مشرک نے خود اپنے لئے مغفرت کا دروازہ بند کر لیا اس نے خود اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی راہیں مسدود کر لیں۔ توحید کے بغیر نیکیاں اسے کوئی نفع نہ دیں گی اور توحید کے بغیر مصائب اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ فَمَا لَنَا مِنْ

شَافِعِيْنَ ○ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ ﴾ (الشعراء : ٢٦/١٠٠،١٠١) ’’کافر قیامت کے دن کہیں گے پس آج نہ کوئی ہمارا اسفارشی ہے اور نہ کوئی جگری دوست‘‘۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴾ ’’اور جو اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا‘‘ یعنی اس نے بہت بڑے جرم کا بہتان باندھا۔ اس سے بڑا کون سا ظلم ہو سکتا ہے کہ کوئی اس مخلوق کو جو مٹی سے تخلیق کی گئی‘ جو ہر پہلو سے ناقص ہے اور ہر لحاظ سے بذاتہ محتاج ہے۔ جس کا بندے کو کوئی نفع و نقصان پہنچانا‘ اس کو زندہ کرنا‘ مارنا اور پھر اسے دوبارہ زندہ کرنا تو کجا وہ تو اپنے آپ کی بھی مالک نہیں‘ اس ہستی کے برابر ٹھہرائے جو ہر چیز کی خالق ہے‘ جو ہر لحاظ سے کامل ہے‘ جو بذاتہ اپنی تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے۔ جس کے قبضہ قدرت میں نفع و نقصان‘ عطا کرنا اور محروم کرنا سب کچھ ہے۔ مخلوق کے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اسی کی عطا و بخشش ہے۔

تب کیا اس ظلم سے بڑی کوئی اور چیز ہے؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حتمی طور پر مشرک کو دائمی عذاب اور ثواب سے محرومی کی وعید سنائی۔ ﴿ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ﴾ (المائدہ : ٥/٧٢) ’’بے شک جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے‘‘۔ یہ آیت کریمہ غیر تائب کے بارے میں ہے۔ رہا تائب تو اللہ تعالیٰ توبہ کرنے پر شرک اور دیگر تمام گناہ بخش دیتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ﴾ (الزمر : ٣٩/٥٣) ’’کہہ دو اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بے شک اللہ تمام گناہ بخش دیتا ہے‘‘۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کے گناہ بخش دیتا ہے جو توبہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ

کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کی جو پاک کہتے ہیں اپنے آپکو؟ بلکہ اللہ ہی پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور نہیں ظلم کیے جائیں گے وہ

فَتِيْلًا ﴿٤٩﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٥٠﴾ ع

تاگے برابر (بھی)○ دیکھیے! کیسے گھڑتے ہیں وہ اوپر اللہ کے جھوٹ؟ اور کافی ہے یہ (افترا باندھنا) گناہ ظاہر○

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر تعجب کا اظہار اور ان یہود و نصاریٰ وغیرہ کے لئے زجر و توبیخ ہے جو اپنے آپ کو پاک گردانتے ہیں۔ یہ زجر و توبیخ ہر اس شخص کے لئے ہے جو کسی ایسے امر کا دعویٰ کر کے اپنے آپ کو پاک گردانتا ہے جو اس میں نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ یہ دعویٰ کیا کرتے تھے ﴿ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ﴾ (المائدۃ : ٥/١٨) ’’ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں‘‘۔ وہ کہا کرتے تھے ﴿ لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا

﴿ مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ﴾ (البقرة : ۲/ ۱۱۱) ’’جنت میں صرف وہی داخل ہوگا جو یہودی یا نصرانی ہوگا‘‘۔ یہ ان کا مجرد دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

دلیل تو وہ ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمائی ہے : ﴿ بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ (البقرہ : ۲/ ۱۱۲) ’’کیوں نہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کردے اور نیکوکار بھی ہو۔ تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔ ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم‘‘۔

یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا ہے‘ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّىْ مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ’’بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاک کرتا ہے‘‘ یعنی ایمان و عمل صالح کے ساتھ‘ اخلاق رذیلہ ترک کرنے اور اخلاق حسنہ کو اختیار کرنے کی بنا پر اللہ تعالیٰ ان کو پاک کرتا ہے۔

رہے یہ لوگ تو اگرچہ بزعم خود انہوں نے اپنے آپ کو پاک کیا ہوا ہے اور سمجھتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں اور صرف وہی ثواب کے مستحق ہیں مگر وہ جھوٹے ہیں اور وہ اپنے ظلم اور کفر کے سبب سے پاک لوگوں کی خصوصیات اور خصائل سے بے بہرہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان خصوصیات سے محروم کرکے ظلم نہیں کیا‘ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴾ ’’ان پر ذرہ بھر ظلم نہیں کیا جائے گا‘‘۔ یہ عموم کے تحقق کے لئے ہے یعنی ان کے ساتھ اس باریک دھاگے جتنا بھی ظلم نہیں ہوگا جو کھجور کی گٹھلی کے ساتھ لگا ہوتا ہے یا ہاتھ رگڑنے سے جو میل کی باریک بتی سی بنتی ہے اس مقدار میں بھی ان پر ظلم نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ﴾ ’’دیکھو یہ لوگ کس طرح اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں‘‘ یعنی انہوں نے اپنے نفوس کی پاکیزگی کا دعویٰ کرکے اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کی ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر سب سے بڑا بہتان ہے اور ان کے تزکیہ نفوس کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا موقف حق اور مسلمانوں کا موقف باطل ہے۔ اور یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ حق کو باطل اور باطل کو حق بنانا حقائق کو بدلنے کے مترادف ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴾ ’’اور یہ (حرکت) صریح گناہ ہونے کے لئے کافی ہے‘‘ یعنی یہ ظاہر اور کھلا گناہ ہے جو سخت عقوبت اور دردناک عذاب کا موجب ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ

کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کی جو دیئے گئے کچھ حصہ کتاب سے؟ ایمان لاتے ہیں وہ ساتھ بتوں اور شیطان کے

وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾

اور کہتے ہیں واسطے ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا‘ یہ لوگ زیادہ ہدایت والے ہیں‘ ان لوگوں سے جو ایمان لائے‘ راستے کے لحاظ سے ○

أُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿۵۲﴾
یہ لوگ وہ ہیں کہ لعنت کی ان پر اللہ نے' اور جس پر لعنت کرے اللہ' تو ہرگز نہیں پائیں گے آپ اس کیلئے کوئی مددگار○
اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ
کیا ان کے لیے کچھ حصہ ہے بادشاہی سے؟ تب تو نہیں دیں گے وہ لوگوں کو تل برابر (بھی)○ کیا
يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ
حسد کرتے ہیں وہ لوگوں سے اوپر اسکے جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے؟ پس تحقیق دی ہم نے آل ابراہیم کو
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ
کتاب اور حکمت اور دی ہم نے انکو بادشاہی بہت بڑی○ پس بعض ان میں سے وہ ہیں جو ایمان لائے ساتھ اسکے
وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ؕ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا
اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو رکے رہے اس سے' اور کافی ہے جہنم دہکتی ہوئی○ بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ساتھ ہماری آیتوں کے
سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا
عنقریب داخل کریں گے ہم انکو آگ میں۔ جب جل جائیں گی کھالیں انکی' تو بدل دیں گے ہم انکو کھالیں علاوہ انکے
لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۵۶﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
تاکہ چکھیں وہ عذاب' یقیناً اللہ ہے بہت زبردست بڑا حکمت والا○ اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے انہوں نے
الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ
نیک' عنقریب داخل کریں گے ہم انکو ایسے باغات میں کہ بہتی ہیں انکے نیچے نہریں' ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں
اَبَدًا ؕ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾
ابد تک' ان کیلئے ان میں بیویاں ہیں پاک صاف' اور داخل کریں گے ہم انکو چھاؤں میں (جو) بہت گھنی ہوگی○

یہ یہودیوں کی برائیوں اور رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کے ساتھ ان کے حسد کا ذکر ہے۔ ان کے رذیل اخلاق اور خبیث طبیعتوں نے انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان ترک کرنے پر آمادہ کیا اور اس کے عوض ان کو بتوں اور طاغوت پر ایمان لانے کی ترغیب دی۔ طاغوت پر ایمان لانے سے مراد ہر غیر اللہ کی عبادت یا شریعت کے بغیر کسی اور قانون کی بنیاد پر فیصلہ کرنا ہے۔ اس میں جادو' ٹونہ' کہانت' غیر اللہ کی عبادت اور شیطان کی اطاعت وغیرہ سب شامل ہیں اور یہ سب بت اور طاغوت ہیں۔ اسی طرح ان کے کفر اور حسد نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ کفار اور بت پرستوں کے طریقہ کو اہل ایمان کے طریقہ پر ترجیح دیں۔ ﴿ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''اور کفار کے بارے میں کہتے ہیں۔'' یعنی کفار کی خوشامد اور مداہنت کی خاطر اور ایمان سے بغض کی وجہ

سے کہتے تھے: ﴿هٰۤؤُلَآءِ اَهۡدٰى مِنَ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِيۡلًا﴾ ''طریقے کے اعتبار سے یہ کفار اہل ایمان سے زیادہ راہ ہدایت پر ہیں۔'' وہ کتنے قبیح ہیں'ان کا عناد کتنا شدید'اوران کی عقل کتنی کم ہے؟ وہ مذمت کی وادی میں' ہلاکت کے راستے پر کیسے گامزن ہیں؟ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات کسی عقلمند کو قائل کر لے گی یا کسی جاہل کی عقل میں آ جائے گی؟

کیا اس دین کو جو بتوں اور پتھروں کی عبادت کی بنیاد پر قائم ہے' جو طیبات کو حرام ٹھہرانے' خبائث کو حلال ٹھہرانے' بہت سی محرمات کو جائز قرار دینے' اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر ظلم کے ضابطوں کو قائم کرنے' خالق کو مخلوق کے برابر قرار دینے' اللہ' اس کے رسول اور اس کی کتابوں کے ساتھ کفر کرنے کو درست گردانتا ہے۔۔۔ اس دین پر فضیلت دی جا سکتی ہے جو اللہ رحمٰن کی عبادت' کھلے چھپے اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص' بتوں اور جھوٹے خداؤں کے انکار' صلہ رحمی' تمام مخلوق حتیٰ کہ جانوروں کے ساتھ حسن سلوک' لوگوں کے درمیان عدل کے قیام' ہر خبیث چیز اور ظلم کی تحریم اور تمام اقوال واعمال میں صدق پر مبنی ہے؟۔۔۔ کیا یہ تفضیل محض ہذیان نہیں؟

ایسا کہنے والا شخص یا تو سب سے زیادہ جاہل یا سب سے کم عقل یا حق کے ساتھ سب سے زیادہ عناد رکھنے والا اور تکبر کا اظہار کرنے والا ہے۔ یہ فی الواقع ایسے ہی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا اور انہیں اپنی سزا کا مستحق ٹھہرایا۔ ﴿وَمَنۡ يَّلۡعَنِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ نَصِيۡرًا﴾ ''اور جس پر اللہ لعنت کر دے تو تم اس کا کسی کو مددگار نہیں پاؤ گے۔'' جسے اللہ تعالیٰ دھتکار دے تو اس کے لئے کوئی مددگار نہیں پائے گا جو اس کی سرپرستی کرے' اس کے مصالح کی نگرانی کرے اور ناپسندیدہ امور میں اس کی حفاظت کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو اپنے حال پر چھوڑ دینے کی انتہا ہے۔ ﴿اَمۡ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّنَ الۡمُلۡكِ﴾ ''کیا ان کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ ہے؟'' کہ وہ محض اپنی خواہشات نفس کی بنا پر جس کو چاہیں اور جس پر چاہیں فضیلت دیں اور تدبیر مملکت میں اللہ تعالیٰ کے شریک بن جائیں؟ اگر وہ ایسے ہوتے تو وہ بہت زیادہ بخل سے کام لیتے۔ اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاِذًا﴾ یعنی اگر اقتدار میں ان کا کوئی حصہ ہوتا' تب ﴿لَّا يُؤۡتُوۡنَ النَّاسَ نَقِيۡرًا﴾ ''وہ لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیتے۔'' یعنی وہ لوگوں کو تھوڑی سی چیز بھی نہ دیتے۔ یہ فرض کرتے ہوئے کہ (کائنات کی) بادشاہی اور اقتدار میں ان کا حصہ ہے۔ انتہائی شدید بخل ان کا وصف بیان کیا ہے۔

یہ ہر ایک کے نزدیک تسلیم شدہ اور متحقق استفہام انکاری ہے۔

﴿اَمۡ يَحۡسُدُوۡنَ النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ﴾ ''یا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے'' یعنی یہ کہنے پر ان کو بزعم خود ان کے اللہ تعالیٰ کے شریک ہونے نے آمادہ کیا

ہے کہ جس کو چاہیں فضیلت دیں یا رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کے ساتھ حسد اس کا باعث تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور اہل ایمان کو اپنے فضل سے نوازا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل کے لئے یہ کوئی انوکھی اور نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ ﴿ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴾ ''پس ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب وحکمت اور بڑی سلطنت عطا فرمائی ہے'' یہ ان نعمتوں کی طرف اشارہ ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور انکی اولاد کو نوازا' یعنی نبوت' کتاب اور حکومت جو اس نے اپنے بعض انبیاء کو عطا کی جیسے داود اور سلیمان علیہما السلام۔

اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں پر یہ نعمتیں ہمیشہ سے چلی آ رہی ہیں۔ پس وہ محمد ﷺ کی نبوت' آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کی فتح ونصرت اور آپ کے اقتدار کا کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ حالانکہ آپ مخلوق میں سب سے افضل' سب سے زیادہ جلیل القدر' سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔ ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ ﴾ ''پھر ان میں سے بعض اس پر ایمان لائے۔'' یعنی ان میں سے بعض لوگ محمد ﷺ پر ایمان لائے' اس لئے وہ دنیاوی خوش بختی اور اخروی فلاح سے بہرہ ور ہوئے ﴿ وَ مِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ﴾ اور ان میں سے بعض نے محض عناد' بغاوت اور اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے کے لئے اس سے اعراض کیا اس لئے وہ دنیا میں بدبختی اور مصائب کا شکار ہو گئے۔ جو ان کے گناہوں کے اثرات ہیں۔ ﴿ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴾ ''اور (ان کے لئے) دہکتی ہوئی آگ ہی کافی ہے'' یہ آگ یہود ونصاریٰ اور دیگر اقسام کے کفار پر بھڑکائی جائے گی' جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے انبیاء علیہم السلام کا انکار کیا۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ﴾ ''جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے'' یعنی ہم ان کو ایسی آگ میں جھونکیں گے جو ایندھن کے لحاظ سے بہت بڑی اور اور حرارت کے لحاظ سے بہت شدید ہو گی۔ ﴿ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ ﴾ ''جب ان کی کھالیں گل جائیں گی۔'' ﴿ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ﴾ ''ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تا کہ وہ عذاب چکھتے رہیں'' تا کہ عذاب ان کے جسم کے ہر مقام تک پہنچ جائے۔

چونکہ وہ کفر اور عناد کا بار بار مظاہرہ کرتے ہیں اور یہ کفر اور عناد ان کا وصف اور عادت بن گیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو بار بار عذاب کا مزا چکھائے گا تا کہ ان کو پورا پورا بدلہ مل جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ عظیم غلبے کا مالک ہے' اس کی تخلیق' اس کے امر اور اس کے ثواب وعقاب میں اس کی حکمت جاری وساری ہے۔ ﴿ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے۔'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر اور ان امور پر ایمان لائے جن پر ایمان لانا واجب ہے ﴿ وَعَمِلُوا

﴿ الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''اور عمل نیک کرتے رہے۔'' یعنی وہ واجبات اور مستحبات پر عمل کرتے ہیں۔ ﴿ سَنُدۡخِلُهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ خٰلِدِیۡنَ فِیۡهَاۤ اَبَدًا ؕ لَهُمۡ فِیۡهَاۤ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۫ ﴾ ''ہم عنقریب انہیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ان کے لئے وہاں صاف ستھری بیویاں ہوں گی'' یعنی یہ بیویاں ان رذیل عادات اور گندے اخلاق اور ہر میل اور عیب سے پاک ہوں گی جن میں دنیا کی عورتیں ملوث ہوتی ہیں ﴿ وَّ نُدۡخِلُهُمۡ ظِلًّا ظَلِیۡلًا ﴾ ''اور ہم انہیں گھنے سائے میں داخل کریں گے۔'' یعنی ہم انہیں ہمیشہ رہنے والے سائے میں داخل کریں گے۔

اِنَّ اللّٰهَ یَاۡمُرُکُمۡ اَنۡ تُؤَدُّوا الۡاَمٰنٰتِ اِلٰۤی اَهۡلِهَا ۙ وَ اِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ
بلاشبہ اللہ حکم دیتا ہے تمہیں یہ کہ ادا کرو تم امانتیں ان کے اہل کو' اور جب فیصلہ کرو تم درمیان
النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا یَعِظُکُمۡ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ
لوگوں کے تو فیصلہ کرو ساتھ انصاف کے۔ بلاشبہ اللہ' بہت ہی اچھی بات ہے وہ کہ نصیحت کرتا ہے تمہیں ساتھ اسکے۔ بیشک اللہ ہے
سَمِیۡعًۢا بَصِیۡرًا ﴿۵۸﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی
سننے والا دیکھنے والا ○ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اطاعت کرو تم اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور اصحاب
الۡاَمۡرِ مِنۡکُمۡ ۚ فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ اِنۡ
امر کی اپنے میں سے۔ پھر اگر تم باہم اختلاف کرو کسی چیز میں' تو لوٹا دو اس کو اللہ اور رسول کی طرف' اگر ہو
کُنۡتُمۡ تُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَ الۡیَوۡمِ الۡاٰخِرِ ؕ ذٰلِکَ خَیۡرٌ وَّ اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا ﴿۵۹﴾ ع
تم ایمان رکھتے ساتھ اللہ اور دن آخرت کے۔ یہ بہتر اور بہت اچھا ہے انجام میں ○

ہر وہ چیز جس پر انسان کو امین بنایا جائے اور اس کے انتظام کی ذمہ داری اس کے سپرد کی جائے' امانت کہلاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ امانتیں بغیر کسی کمی اور بغیر کسی ٹال مٹول کے پوری کی پوری ادا کر دیں۔ اس میں عہدوں کی امانت' اموال کی امانت' بھید اور رازوں کی امانت اور ان ماموارت کی امانت جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا' سب شامل ہیں۔ فقہاء کہتے ہیں کہ جس کسی کے پاس کوئی امانت رکھی جائے اس پر اس کی حفاظت کرنا واجب ہے۔ چونکہ امانت کی حفاظت کئے بغیر اس کو واپس ادا کرنا ممکن نہیں' اس لئے حفاظت واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ اِلٰۤی اَهۡلِهَا ﴾ ''اس کے مالک کی طرف'' میں اس بات کی دلیل ہے کہ امانت صرف اسی شخص کو لوٹائی جائے اور ادا کی جائے جو اس کا مالک ہے اور وکیل مالک ہی کے قائم مقام ہے۔ اگر وہ امانت مالک کے سوا کسی اور شخص کے حوالے کر دے تو اس نے امانت ادا نہیں کی۔

﴿ وَ اِذَا حَکَمۡتُمۡ بَیۡنَ النَّاسِ اَنۡ تَحۡکُمُوۡا بِالۡعَدۡلِ ﴾ ''اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو

انصاف کے مطابق کرو‘‘ یہ حکم ان کے درمیان قتل کے مقدمات‘ مالی مقدمات اور عزت و آبرو کے مقدمات‘ خواہ یہ چھوٹے ہوں یا بڑے‘ سب کو شامل ہے اور اس کا اطلاق قریب‘ بعید‘ صالح‘ فاجر‘ دوست اور دشمن سب پر ہوتا ہے۔

وہ عدل جس کا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حکم دیا ہے اس سے مراد حدود و احکام میں عدل کے وہ ضابطے ہیں جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبان پر مشروع فرمایا ہے۔ یہ حکم معرفت عدل کو مستلزم ہے تاکہ اس کے مطابق فیصلہ کیا جا سکے۔

چونکہ یہ احکام بہت اچھے اور عدل و انصاف پر مبنی ہیں اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًۢا بَصِيْرًا﴾ ’’اللہ تم کو اچھی نصیحت کرتا ہے‘ بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے‘‘ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے اوامر و نواہی کی مدح و تعریف ہے کیونکہ یہ اوامر و نواہی دنیا و آخرت کے مصالح کے حصول اور دنیا و آخرت کی مضرتوں کو دور کرنے پر مشتمل ہیں کیونکہ ان اوامر و نواہی کو مشروع کرنے والی ہستی سمیع و بصیر ہے۔ جس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے وہ اپنے بندوں کے ان مصالح کو جانتا ہے جو وہ خود نہیں جانتے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور یہ اطاعت اللہ اور اس کے رسول کے مشروع کردہ واجبات و مستحبات پر عمل اور ان کی منہیات سے اجتناب ہی کے ذریعے سے ہو سکتی ہے‘ نیز اللہ تعالیٰ نے اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اولوالامر سے مراد لوگوں پر مقرر کردہ حکام‘ امراء اور اصحاب فتویٰ ہیں کیونکہ لوگوں کے دینی اور دنیاوی معاملات اس وقت تک درست نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اولوالامر کی اطاعت نہیں کرتے مگر اس شرط کے ساتھ کہ اولوالامر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں تو خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی فرمانبرداری ہرگز جائز نہیں۔ شاید یہی سر نہاں ہے کہ اولوالامر کی اطاعت کے حکم کے وقت فعل کو حذف کر دیا گیا ہے اور اولوالامر کی اطاعت کو رسول کی اطاعت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں لہٰذا جو کوئی رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ رہے اولوالامر تو ان کی اطاعت کے لئے یہ شرط عائد کی ہے کہ ان کا حکم معصیت نہ ہو۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ لوگ اپنے تمام تنازعات کو‘ خواہ یہ اصول دین میں ہوں یا فروع دین میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹائیں‘ یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف کیونکہ تمام اختلافی مسائل کا حل قرآن و سنت میں موجود ہے یا تو ان اختلافات کا حل صراحت کے ساتھ قرآن اور سنت میں موجود ہوتا ہے یا ان کے عموم‘ ایماء‘ تنبیہ‘ مفہوم مخالف اور عموم معنی میں ان اختلافات کا حل موجود ہوتا ہے اور عموم معنی میں اس کے مشابہ مسائل میں قیاس کیا جا سکتا ہے۔

کیونکہ کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر دین کی بنیاد قائم ہے ان دونوں کو حجت تسلیم کئے بغیر ایمان

درست نہیں۔ اپنے تنازعات کو قرآن وسنت کی طرف لوٹانا شرط ایمان ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ ''اگر تم اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔'' یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ جو کوئی نزاعی مسائل کو قرآن وسنت پر پیش نہیں کرتا وہ حقیقی مومن نہیں بلکہ وہ طاغوت پر ایمان رکھتا ہے، جیسا کہ بعد والی آیت میں ذکر فرمایا ہے۔

﴿ذٰلِكَ﴾ ''یہ'' یعنی تنازعات کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا ﴿خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا﴾ ''یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے'' کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ سب سے بہتر، سب سے زیادہ عدل وانصاف کا حامل اور لوگوں کے دین ودنیا اور ان کی عاقبت کی بھلائی کے لئے سب سے اچھا فیصلہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ

کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کی جو دعویٰ کرتے ہیں اس بات کا کہ وہ ایمان لائے ہیں ساتھ اسکے جو اُتارا گیا طرف آپکی اور جو نازل کیا گیا

مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ

پہلے آپ سے، وہ ارادہ کرتے ہیں یہ کہ فیصلہ لے جائیں طرف طاغوت کی، حالانکہ حکم دیئے گئے تھے وہ یہ کہ

يَّكْفُرُوْا بِهٖ ط وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿٦٠﴾ وَاِذَا قِيْلَ

کفر کریں ساتھ اس کے۔ اور ارادہ کرتا ہے شیطان یہ کہ گمراہ کر دے ان کو گمراہ کرنا دور کا○ اور جب کہا جاتا ہے

لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ

ان سے آؤ تم طرف اسکی جو نازل کیا اللہ نے اور (آؤ) طرف رسول کی، تو دیکھیں گے آپ منافقوں کو، رکتے ہیں وہ

عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ

آپ سے اعراض کرتے ہوئے○ پس کیا حال ہوتا ہے جب پہنچتی ہے انکو مصیبت، بوجہ اسکے جو آگے بھیجا انکے ہاتھوں نے، پھر

جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ﷺ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿٦٢﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

آتے ہیں وہ آپکے پاس، قسمیں کھاتے ہیں وہ اللہ کی، نہیں ارادہ کیا تھا ہم نے مگر بھلائی اور موافقت کا○ یہ وہ لوگ ہیں کہ

يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ق فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ

جانتا ہے اللہ جو ان کے دلوں میں ہے، پس اعراض کریں آپ ان سے اور نصیحت کریں انہیں اور کہیں ان سے

فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿٦٣﴾

ان کے دلوں میں بات اثر کرنے والی○

اللہ تعالیٰ منافقین کی حالت کے بارے میں اپنے بندوں پر تعجب کا اظہار کرتا ہے۔ ﴿الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ

اٰمَنُوْا﴾ ''جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ ایمان رکھتے ہیں۔'' یعنی وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس چیز پر ایمان لائے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے اور جو کچھ آپ ﷺ سے پہلے تھا۔ بایں ہمہ ﴿ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ ﴾ ''وہ چاہتے ہیں کہ وہ فیصلے طاغوت کی طرف لے جائیں۔'' ہر وہ شخص جو شریعت الٰہی کے بغیر فیصلے کرتا ہے طاغوت ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ ﴿ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ﴾ ''انہیں اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں۔'' ان کا یہ رویہ اور ایمان کیسے اکٹھے ہو سکتے ہیں کیونکہ ایمان اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی پیروی کی جائے اور اس کی تحکیم کو قبول کیا جائے۔ پس جو کوئی مومن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو چھوڑ کر طاغوت کے فیصلے کو قبول کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ شیطان نے ان کو گمراہ کر دیا ہے ﴿ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴾ ''اور شیطان تو چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر راستے سے دور کر دے۔'' یعنی شیطان چاہتا ہے کہ وہ انہیں حق سے دور کر دے۔

فرمایا: ﴿ فَكَيْفَ ﴾ یعنی ان گمراہوں کا کیا حال ہوتا ہے ﴿ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ﴾ ''جب ان پر ان کے کرتوتوں کے باعث کوئی مصیبت آ پڑتی ہے'' یعنی گناہ، معاصی اور طاغوت کی تحکیم بھی اس میں شامل ہے ﴿ ثُمَّ جَآءُوْكَ ﴾ ''پھر آپ کے پاس آتے ہیں۔'' یعنی جو کچھ ان سے صادر ہوا اس پر معذرت کرتے ہوئے آپ ﷺ کے پاس آتے ہیں۔ ﴿ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴾ ''اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ ہی کا تھا'' یعنی ہمارا مقصد تو صرف جھگڑے کے فریقین کے ساتھ بھلائی کرنا اور ان کے درمیان صلح کروانا ہے۔ حالانکہ وہ اس بارے میں سخت جھوٹے ہیں۔ بھلائی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تحکیم میں ہے۔ ﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴾ (المائدہ: ۵/۵۰) ''جو لوگ یقین رکھتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اچھا فیصلہ کس کا ہے؟'' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ ﴾ ''یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں کا بھید اللہ تعالیٰ پر بخوبی روشن ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کے نفاق اور برے مقاصد کو جانتا ہے۔ ﴿ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ ﴾ ''آپ ان کا کچھ خیال نہ کریں۔'' یعنی ان کی پروانہ کیجئے اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس پر دھیان نہ دیجئے ﴿ وَعِظْهُمْ ﴾ ''اور انہیں نصیحت کریں۔'' یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب دیتے ہوئے اور ترک اطاعت پر انہیں ڈراتے ہوئے ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا حکم بیان کیجئے۔ ﴿ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًۢا بَلِيْغًا ﴾ ''اور ان سے وہ بات کیجئے جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو'' یعنی اپنے درمیان اور ان کے درمیان معاملے کو راز رکھتے ہوئے انہیں نصیحت کیجئے۔ حصول مقصد کے لئے یہ طریقہ زیادہ مفید ہے اور ان کو برائیوں سے روکنے اور زجر و توبیخ میں پوری کوشش سے کام لیجئے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ گناہ گار کے ساتھ اگر اعراض کیا جائے تو

پوشیدہ طور پر اس کے لئے خیر خواہی کا اہتمام ضرور کیا جائے اور اس کو نصیحت کرنے میں پوری کوشش سے کام لیا جائے جس سے وہ اپنا مقصد حاصل کر سکے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا
اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول، مگر یہ کہ اطاعت کیا جائے وہ اللہ کے حکم سے۔ اور اگر وہ لوگ، جب ظلم کیا انہوں نے
اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا
اپنی جانوں پر آتے وہ آپکے پاس، پھر معافی مانگتے وہ اللہ سے اور معافی مانگتا ان کیلئے رسول، تو یقیناً پاتے وہ اللہ کو توبہ قبول کرنیوالا
رَّحِيْمًا ﴿٦٤﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ
مہربان ○ قسم ہے آپکے رب کی، نہیں مومن ہو سکتے وہ یہاں تک کہ حاکم مانیں آپکو اس چیز میں کہ اختلاف ہو جائے درمیان انکے، پھر
لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾
نہ پائیں وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی اس سے جو آپ فیصلہ کر دیں اور تسلیم کر لیں وہ اسے (دل و جان سے) تسلیم کرنا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اوامر کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی ترغیب دیتے ہوئے آگاہ فرماتا ہے کہ انبیاء و رسل کو مبعوث کرنے کی غرض و غایت صرف یہی ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے اور جن کی طرف رسول بھیجا گیا ہے وہ اس کے تمام احکام کی تعمیل کریں، اس کے نواہی سے اجتناب کریں اور وہ اس کی ویسے ہی تعظیم کریں جیسے اطاعت کرنے والا مطاع کی تعظیم کرتا ہے۔ اس آیت میں عصمت انبیاء کا اثبات ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے، حکم دینے اور منع کرنے میں ہر لغزش سے پاک ہیں کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کو انبیاء کرام کی مطلق اطاعت کا حکم دیا ہے اگر وہ منصب تشریع میں خطا سے پاک نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی مطلق اطاعت کا حکم نہ دیتا۔

﴿بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ ''اللہ کے فرمان کے مطابق۔'' یعنی اطاعت کرنے والے کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے صادر ہوتی ہے۔ پس اس آیت میں قضا و قدر کا اثبات ہے نیز اس میں اس امر کی ترغیب ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنی چاہئے نیز اس میں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ انسان اس وقت تک رسول کی اطاعت نہیں کر سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم جود و کرم کا ذکر فرمایا ہے اور ان لوگوں کو دعوت دی ہے جن سے گناہ سرزد ہوئے کہ وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں، توبہ کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ﴾ ''اور اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا آپ کے پاس آجاتے'' یعنی اپنے گناہوں کا اعتراف اور اقرار کرتے ہوئے آپ ﷺ کے پاس آتے۔ ﴿فَاسْتَغْفَرُوا

اللہ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا﴾ ''اور اللہ سے استغفار کرتے اور رسول ان کے لئے استغفار کرتا تو یقیناً یہ لوگ اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔''یعنی اللہ تعالیٰ ان کا ظلم بخش کر ان کی طرف پلٹ آتا۔ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر کے' توبہ کی توفیق اور اس پر ثواب عطا کر کے ان پر رحم فرماتا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس حاضری کا تعلق آپ کی زندگی کے ساتھ مختص تھا کیونکہ سیاق دلالت کرتا ہے کہ رسول کی طرف سے استغفار آپ کی زندگی ہی میں ہو سکتا ہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ سے کچھ نہ مانگا جائے' بلکہ یہ شرک ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے جھگڑوں میں اس کے رسول کو حکم تسلیم نہ کریں۔ یعنی ہر اس معاملے میں رسول اللہ ﷺ کو حکم اور فیصل تسلیم کریں جس میں اجماعی مسائل کے برعکس ان کے درمیان کسی قسم کا کوئی اختلاف واقع ہو۔ کیونکہ اجماعی مسائل کتاب و سنت کی دلیل پر مبنی ہوتے ہیں۔ پھر اس تحکیم کو تسلیم کرنا ہی کافی قرار نہیں دیا بلکہ یہ شرط بھی عائد کی کہ آپ کو حکم تسلیم کرنا محض اغماض کے پہلو سے نہ ہو بلکہ ان کے دلوں میں کسی قسم کی تنگی اور حرج نہ ہو اور اس تحکیم کو ہی کافی قرار نہیں دیا جب تک کہ وہ شرح صدر' اطمینان نفس' ظاہری اور باطنی اطاعت کے ساتھ آپ کے فیصلے کو تسلیم نہ کر لیں۔ پس آپ کو حکم تسلیم کرنا اسلام کے مقام میں ہے۔ اس تحکیم میں تنگی محسوس نہ کرنا' ایمان کے مقام میں ہے۔ اور آپ کے فیصلے پر تسلیم و رضا احسان کے مقام میں ہے۔

جس کسی نے ان مراتب کو مکمل کر لیا اس نے دین کے تمام مراتب کی تکمیل کر لی اور جس نے اس کا التزام کیے بغیر اس تحکیم کو ترک کر دیا وہ کافر ہے اور جس نے التزام کرنے کے باوجود اس تحکیم کو ترک کر دیا وہ دیگر گناہ گاروں کی مانند ہے۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ

اور اگر بیشک فرض کر دیتے ہم ان پر یہ کہ قتل کرو تم اپنی جانوں کو یا نکلو تم اپنے گھروں سے' تو نہ کرتے وہ یہ کام'

اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

مگر تھوڑے ان میں سے' اور اگر بلاشبہ کر لیتے وہ (وہ کام) کہ نصیحت کیے جاتے ہیں وہ اسکی' تو ہوتا بہت بہتر ان کیلئے

وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿۶۶﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۶۷﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ

اور زیادہ ثابت قدم رکھنے والا (دین میں) ○ اور تب البتہ دیتے ہم انہیں اپنی طرف سے اجر بہت بڑا ○ اور ضرور چلاتے ہم انہیں

صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿۶۸﴾

راستے سیدھے پر ○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اس نے اپنے بندوں پر شاق گزرنے والے احکام فرض کیے ہوتے مثلاً اپنے آپ کو قتل کرنا اور گھروں سے نکلنا وغیرہ تو اس پر بہت کم لوگ عمل کر سکتے' پس انہیں اپنے رب کی حمد و ثنا اور اس کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسے آسان احکام نافذ کیے ہیں جن پر عمل کرنا ہر ایک کے لئے آسان ہے اور ان میں کسی کے لئے مشقت نہیں۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندۂ مومن کو چاہئے کہ اسے جو امور گراں گزرتے ہیں' وہ ان کی ضد کو ملاحظہ کرے تاکہ اس پر عبادات آسان ہو جائیں' تاکہ اپنے رب کے لئے اس کی حمد و ثنا اور شکر میں اضافہ ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر انہوں نے اس چیز پر عمل کیا ہوتا جس کی انہیں نصیحت کی گئی ہے' یعنی تمام اوقات کے مطابق ان کے لئے جو اعمال مقرر کیے گئے ہیں' ان کے لئے اپنی ہمتیں صرف کرتے ان کے انتظام اور ان کی تکمیل کے لئے ان کے نفوس پوری کوشش کرتے اور جو چیز انہیں حاصل نہ ہو سکتی اس کے لئے کوشش نہ کرتے اور اس کے درپے نہ ہوتے اور بندے کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنے حال پر غور کرے جس کو قائم کرنا لازم ہے اس کی تکمیل میں جدوجہد کرے۔ پھر بتدریج تھوڑا تھوڑا آگے بڑھتا رہے یہاں تک کہ جو دینی اور دنیاوی علم و عمل اس کے لئے مقدر کیا گیا ہے اسے حاصل کر لے۔ یہ اس شخص کے برعکس ہے جو اس معاملے پر ہی نظریں جمائے رکھتا ہے جہاں تک وہ نہ پہنچ سکا اور نہ اس کو اس کا حکم دیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ تفریق ہمت' سستی اور عدم نشاط کی بنا پر اس منزل تک نہیں پہنچ سکا۔

پھر ان کو جو نصیحت کی گئی ہے اس پر عمل کرنے سے جو نتائج حاصل ہوتے ہیں ان کے چار مراتب ہیں۔

اول: بھلائی کا حصول۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ذکر کیا گیا ہے ﴿لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ ''البتہ ان کے لئے بہتر ہوتا'' یعنی ان کا شمار نیک لوگوں میں ہوتا جو ان افعال خیر سے متصف ہیں جن کا ان کو حکم دیا گیا تھا اور ان سے شریر لوگوں کی صفات زائل ہو جاتیں کیونکہ کسی چیز کے ثابت ہونے سے اس کی ضد کی نفی لازم آتی ہے۔

ثانی: ثابت قدمی اور اس میں اضافے کا حصول۔ کیونکہ اہل ایمان کے ایمان کو قائم رکھنے کے سبب سے' جسے قائم رکھنے کی انہیں نصیحت کی گئی تھی' اللہ تعالیٰ انہیں ثابت قدمی عطا کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ دنیا کی زندگی میں' اوامر و نواہی میں فتنوں کے وارد ہونے اور مصائب کے نازل ہونے کے وقت انہیں ثابت قدمی عطا کرتا ہے' تب انہیں ثبات حاصل ہوتا ہے اوامر پر عمل کرنے اور ان نواہی سے اجتناب کی توفیق عطا ہوتی ہے نفس جن کے فعل کا تقاضا کرتا ہے اور ان مصائب کے نازل ہونے پر ثابت قدمی اور استقامت عطا ہوتی ہے جن کو بندہ ناپسند کرتا ہے۔ بندے کو صبر و رضا اور شکر کی توفیق کے ذریعے

سے ثابت قدمی عطا ہوتی ہے۔ پس بندے پر اس کی ثابت قدمی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نازل ہوتی ہے اور اسے نزع کے وقت اور قبر میں ثابت قدمی سے نواز دیا جاتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے اوامر کو قائم رکھنے والا بندۂ مومن شرعی احکام کا عادی بن جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ان احکام سے مانوس ہو جاتا ہے اور ان احکام کا مشتاق بن جاتا ہے اور یہ الفت اور اشتیاق نیکیوں پر ثبات کے لئے اس کے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

ثالث: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَّاِذًا لَّاٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّاۤ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴾ ''اور تب تو انہیں ہم اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتے۔'' یعنی دنیا و آخرت میں ہم اسے اجر عظیم سے نوازتے جو قلب و روح اور بدن کے لئے ہے اور ایسی ہمیشہ رہنے والی نعمت ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے طائر خیال کا وہاں سے گزر ہوا ہے۔

رابع: صراط مستقیم کی طرف راہنمائی۔ یہ خصوص کے بعد عموم کا ذکر ہے کیونکہ صراط مستقیم کی طرف راہنمائی شرف کی حامل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہدایت حق کے علم کو، حق کے ساتھ محبت اور حق کو ترجیح دینے اور اس پر عمل کرنے کو اور اس پر فلاح و سعادت کے موقوف ہونے کو متضمن ہوتی ہے۔ پس جس کسی کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کر دی گئی اسے گویا ہر بھلائی کی توفیق عطا کر دی گئی اور اس سے ہر برائی اور ہر ضرر کو دور کر دیا گیا۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ
اور جو کوئی اطاعت کرے اللہ اور رسول کی، تو یہ لوگ ساتھ ہوں گے ان لوگوں کے کہ انعام کیا اللہ نے ان پر، یعنی
النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ
نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں اور صالحین (کیساتھ) اور اچھے ہیں یہ لوگ رفیق (ساتھی) کے طور پر ○ یہ
الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِیْمًا ﴿۷۰﴾
فضل ہے اللہ کی طرف سے، اور کافی ہے اللہ جاننے والا ○

یعنی ہر وہ شخص جو اپنے حسب حال، قدر واجب کے مطابق، خواہ مرد ہو یا عورت اور بچہ ہو یا بوڑھا، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ ﴿ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ﴾ ''پس یہی وہ لوگ ہیں جو ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے فضل کیا'' یعنی ان کو عظیم نعمت سے نوازا، جو کمال، فلاح اور سعادت کی مقتضی ہے۔

﴿ مِّنَ النَّبِیّٖنَ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے وحی عطا کر کے فضیلت بخشی اور انہیں خصوصی فضیلت عطا کی کہ ان کو لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور انہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی

﴿ وَالصِّدِّيْقِيْنَ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس وحی کی کامل تصدیق کی جو رسول لے کر آئے تھے۔ انہوں نے حق کو جان لیا اور یقین کامل کے ساتھ اس کی تصدیق کی اور پھر اپنے قول و فعل، حال اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے کر اس حق کو قائم کیا۔ ﴿ وَالشُّهَدَآءِ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا تاکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو اور قتل کر دیے گئے۔ ﴿ وَالصّٰلِحِيْنَ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ظاہر و باطن درست ہے اور اس کے نتیجے میں ان کے اعمال درست ہیں۔ پس ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ ان لوگوں کی صحبت سے بہرہ ور ہو گا۔ ﴿ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴾ ان مذکورہ اصحاب فضیلت کے ساتھ نعمت والے باغوں میں اکٹھے ہونا اور اللہ رب العالمین کے جوار میں ان اصحاب کی قربت کا انس، ایک اچھی رفاقت ہے۔

﴿ ذٰلِكَ الْفَضْلُ ﴾ یہ فضیلت جو انہوں نے حاصل کی ہے ﴿ مِنَ اللّٰهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے انہیں اس کی توفیق سے نوازا، اس کے حصول میں ان کی مدد کی اور انہیں اتنا زیادہ ثواب عطا کیا کہ ان کے اعمال وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ﴿ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال کا علم رکھتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ ان میں سے کون ان اعمال صالحہ کے ذریعے سے، جن پر ان کا دل اور اعضاء متفق ہوں، ثواب جزیل (زیادہ اجر) کا مستحق ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿۷۱﴾ وَاِنَّ

اے ایمان والو! لے لو تم اپنے بچاؤ کا سامان، پس نکلو تم گروہ گروہ یا نکلو تم اکٹھے ○ اور بلاشبہ

مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ

بعض تم میں سے وہ ہیں جو یقیناً دیر کرتے ہیں (نکلنے میں) پس اگر پہنچے تمہیں کوئی مصیبت، تو کہتا ہے تحقیق انعام کیا اللہ نے مجھ پر کہ

لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ

نہیں تھا میں ان کے ساتھ حاضر ○ اور البتہ اگر پہنچے تمہیں فضل اللہ کا تو وہ ضرور کہے گا، گویا کہ نہ

تَكُنْۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾

تھی تمہارے درمیان اور اسکے درمیان کوئی دوستی کاش کہ ہوتا میں ساتھ انکے، تو حاصل کرتا میں کامیابی بہت بڑی ○

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ

پس چاہیے کہ لڑیں راستے میں اللہ کے، وہ لوگ جو بیچتے ہیں زندگی دنیا کی بدلے آخرت کے اور جو

يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

لڑے راستے میں اللہ کے، پھر وہ قتل کر دیا جائے یا غالب آ جائے، تو عنقریب دیں گے ہم اس کو اجر بہت بڑا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنے کفار دشمنوں سے چوکنے رہو۔ یہ حکم ان تمام اسباب

کو شامل ہے جو دشمن کے خلاف جنگ میں مدد دیتے ہیں۔ جن کے ذریعے سے دشمن کی چالوں اور سازشوں کو ناکام بنایا جاتا اور اس کی قوت کو توڑا جاتا ہے۔ مثلاً قلعہ بندیوں اور خندقوں کا استعمال' تیر اندازی اور گھوڑ سواری سیکھنا اور ان تمام صنعتوں کا علم حاصل کرنا جو دشمن کے خلاف جنگ میں مدد دیتا ہے' وہ علوم سیکھنا جن کے ذریعے سے دشمن کے داخلی اور خارجی حالات اور ان کی سازشوں سے باخبر رہا جا سکے۔ اور اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلنا۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ ﴾ ''جماعت جماعت ہو کر نکلا کرو۔'' یعنی متفرق ہو کر جہاد کے لئے نکلو اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک جماعت یا لشکر جہاد کے لئے نکلے اور دیگر لوگ مقیم رہیں ﴿ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴾ ''یا تمام کے تمام جہاد کے لئے نکلو۔'' یہ سب کچھ مصلحت' دشمن پر غلبہ حاصل کرنے اور دین میں مسلمانوں کی راحت کے تابع ہے۔ اس آیت کریمہ کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ ﴾ (الانفال: ٨/ ٦٠) ''جہاں تک ہو سکے دشمن کے مقابلہ کے لئے فوجی قوت تیار کرو''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کمزور ایمان مسلمانوں کے بارے میں آگاہ فرمایا جو کاہلی کی بنا پر جہاد سے جی چراتے ہیں۔ ﴿ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ﴾ ''اور تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ عمداً دیر لگاتا ہے۔'' یعنی اے اہل ایمان! تم میں سے بعض لوگ کمزوری' سستی اور بزدلی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے نہیں نکلتے۔ یہی تفسیر صحیح ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس کے معنی ہیں' کہ وہ دوسروں کو جہاد کے لئے نکلنے سے روکتے ہیں۔ ایسا کرنے والے منافق تھے لیکن پہلے معنی دو لحاظ سے زیادہ صحیح ہیں۔

اول: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ مِنْكُمْ ﴾ ''تم میں سے'' اس پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ یہ خطاب اہل ایمان سے ہے۔

ثانی: آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ ﴾ ''گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی نہ تھی'' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار' مشرکین' منافقین اور اہل ایمان کے مابین محبت اور مودت کو منقطع کر دیا' نیز یہ فی الواقع ایسے ہی ہے' اس لئے کہ اہل ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ (١) وہ لوگ جو اپنے ایمان میں سچے ہیں' یہ صدق ایمان ان کے لئے کامل تصدیق اور جہاد کا موجب ہوتا ہے۔ (٢) وہ کمزور لوگ جو اسلام میں داخل ہوتے ہیں مگر وہ کمزور ایمان کے مالک ہوتے ہیں جہاد پر نکلنے کے لئے قوت سے محروم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ۭ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا ...... ﴾ (الحجرات: ٤٩/ ١٤) ''عرب دیہاتی کہتے ہیں: ہم ایمان لائے۔ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جہاد میں نہ نکلنے والوں کی غرض و غایت اور ان کے مقاصد کے بارے میں آگاہ فرمایا کہ ان

کا سب سے بڑا مقصد دنیا اور اس کے چند ٹکڑے ہیں۔ ﴿ فَإِنْ أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ ﴾ ''پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے'' یعنی اگر تمہیں ہزیمت اٹھانا پڑتی ہے' اہل ایمان قتل ہوتے ہیں اور بعض حالات میں دشمن ظفریاب ہوتا ہے کیونکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کچھ حکمت ہوتی ہے ﴿ قَالَ ﴾ یعنی جہاد سے جی چرا کر بیٹھ رہنے والا کہتا ہے: ﴿ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُن مَّعَهُمْ شَهِيدًا ﴾ ''اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہیں تھا'' وہ اپنی ضعف عقل اور ضعف ایمان کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ جہاد سے جی چرا کر پیچھے بیٹھ رہنا نعمت ہے حالانکہ یہی تو مصیبت ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ حقیقی نعمت تو اس بڑی نیکی کی توفیق ہے جس کے ذریعے سے ایمان قوی ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے بندہ عذاب اور خسران سے محفوظ ہوتا ہے اور اس جہاد میں ثواب اور رب کریم و وہاب کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

رہا جہاد چھوڑ کر بیٹھ رہنا تو اگرچہ پیچھے بیٹھ رہنے والا تھوڑا سا آرام تو کر لیتا ہے مگر اس آرام کے بعد طویل دکھ اور بہت بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ اس عظیم اجر و ثواب سے بھی محروم ہو جاتا ہے جو مجاہدین کو حاصل ہوتا ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللَّهِ ﴾ ''اور اگر تمہیں اللہ کا کوئی فضل مل جائے'' یعنی فتح و نصرت اور مال غنیمت ﴿ لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُن بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَا لَيْتَنِي كُنتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴾ ''تو اس طرح ہے کہ گویا تم میں' اس میں دوستی تھی ہی نہیں' (افسوس کرتا اور) کہتا ہے کہ کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو مقصد عظیم حاصل کر لیتا۔'' یعنی وہ تمنا کرتا ہے کہ وہ بھی جہاد میں شریک ہوتا تاکہ وہ بھی مال غنیمت حاصل کر سکتا۔ مال غنیمت کے سوا اس کا کوئی مقصد ہے' نہ اس کے سوا کسی اور چیز میں رغبت ہے۔ اے مسلمانوں کے گروہ! وہ گویا تم میں سے نہیں ہیں اور نہ ان کے درمیان اور تمہارے درمیان رشتہ ایمان کی مودت و محبت ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مومنین اپنے مفادات و مصالح اور دفع ضرر میں مشترک ہیں۔ وہ اس کے حصول پر خوش ہوتے ہیں خواہ یہ مفاد و مصلحت مومن بھائیوں میں سے کسی کے ذریعے سے حاصل ہوئے ہوں۔ اس سے محرومی پر دکھ محسوس کرتے ہیں اور جس میں ان کے دین اور دنیا کی اصلاح ہو' اس کے حصول کے لئے سب مل کر کوشش کرتے ہیں۔ اور یہ فقط دنیا کی تمنا کرتا ہے اور مذکورہ روح ایمانی سے تہی دست ہوتا ہے۔ یہ بندوں پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا لطف و کرم ہے کہ ان پر اپنی رحمت کا سلسلہ منقطع کرتا ہے' نہ اپنی رحمت کے دروازے ان پر بند کرتا ہے بلکہ اگر کوئی ایسا کام کر بیٹھتا ہے جو اس کے حکم کے مطابق نہیں ہوتا تو وہ اسے اپنے نقصان کی تلافی کرنے اور اپنے نفس کی تکمیل کی دعوت دیتا ہے' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اخلاص اور اللہ کی راہ میں نکلنے کا حکم دیا ہے۔

فرمایا: ﴿ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ﴾ ''پس چاہئے کہ وہ لوگ اللہ کے راستے میں لڑیں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچتے ہیں'' یہ اس آیت کی تفسیر کے بارے میں چند

اقوال میں سے ایک قول ہے اور سب سے زیادہ صحیح ہے۔ ایک اور قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ ان مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا چاہیے جو اپنے ایمان میں کامل اور صدق کے حامل ہیں۔

﴿ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ﴾ یعنی آخرت میں رغبت رکھتے ہیں دنیا کو آخرت کے بدلے بیچ دیتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ کے خطاب کا رخ ہے کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے تیار کر کے عادی بنا لیا ہے' اس لئے کہ یہ لوگ ایمان کامل کے حامل ہیں جو جہاد کا تقاضا کرتا ہے۔ رہے وہ لوگ جو جہاد کے لئے نہیں اٹھتے تو یہ لوگ جہاد کے لئے نکلیں یا گھر بیٹھے رہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی پروا نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی نظیر ہے ﴿ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۰۷/۱۷) ''کہہ دیجئے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب وہ ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں''۔ آیات کے آخر تک۔ نیز اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ ﴿ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰۤؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴾ (الانعام: ۸۹/۶) ''اگر یہ کفار اس کا انکار کرتے ہیں تو ہم نے اس پر ایمان لانے کے لئے کچھ ایسے لوگوں کو مقرر کر دیا ہے جو اس کا انکار کرنے والے نہیں''۔

بعض کہتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ لڑائی کرنے والے مجاہد کو کفار کے خلاف لڑنا چاہئے جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خرید لی ہے۔ تب اس صورت میں آیت کریمہ میں موجود لفظ (الَّذِيْنَ) مفعول ہونے کی بنا پر نصب کے مقام پر ہے۔

فرمایا: ﴿ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''اور جو لڑتا ہے اللہ کے راستے میں'' یعنی یہ جہاد ہو جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے اور بندہ اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص اور اس کی رضا کا قصد رکھتا ہو ﴿ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ ''پس وہ قتل کر دیا جائے یا غالب آ جائے' ہم اسے اجر عظیم عطا کریں گے'' یعنی یہ اجر ان کے دین و ایمان میں اضافہ' مال غنیمت اور ثنائے حسن کی صورت میں عطا ہو گا۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں وہ ثواب تیار کر رکھا ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل میں اس کا کبھی گزر ہوا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ

اور کیا ہے تمہیں کہ نہیں لڑتے تم راستے میں اللہ کے اور ان لوگوں کی خاطر جو کمزور ہیں مردوں اور عورتوں

وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ

اور بچوں میں سے؟ وہ جو کہتے ہیں' اے ہمارے رب! نکال ہمیں اس بستی سے کہ ظالم ہیں اس کے باشندے

وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

اور کر دے ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حمایتی اور کر دے ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار○

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لئے اس کی راہ میں جہاد کی ترغیب ہے نیز یہ کہ جہاد ان پر فرض کر دیا گیا ہے اور ترک جہاد ان کے لئے بہت بڑی ملامت کا باعث ہوگا۔ ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں لڑتے نہیں؟'' اور حال یہ ہے کہ مستضعفین مرد، عورتیں اور بچے جن کے پاس کوئی چارہ ہے نہ ان کے پاس آزادی حاصل کرنے کا کوئی راستہ اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں دشمنوں کے ظلم و ستم کا سامنا ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں کہ وہ ان کو اس بستی سے نکالے جس کے باشندے کفر و شرک کے ارتکاب کے ذریعے سے اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ اہل ایمان کو اذیتیں دے کر، ان کو اللہ کے راستے سے روک کر اور انہیں دعوت دین اور ہجرت سے منع کر کے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کا کوئی ولی اور مددگار مقرر فرما دے جو انہیں اس ظالم بستی سے نکال لے جائے۔ تب اس صورت میں جہاد تمہارے بچوں، عورتوں اور تمہاری عزت و ناموس کے دفاع کے زمرے میں شمار ہوگا۔ کیونکہ جہاد تو وہ ہے جس میں کفار کے مقابلے کی خواہش ہو۔ جہاد کی اگرچہ بہت بڑی فضیلت ہے اور جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کے لئے اس سے بڑھ کر ملامت ہے۔ تاہم وہ جہاد جس کے ذریعے سے اہل ایمان مستضعفین کو کفار سے نجات دلائی جاتی ہے اجر و ثواب کے اعتبار سے سب سے عظیم اور فائدے کے لحاظ سے سب سے بڑا جہاد ہے کیونکہ یہ دشمنوں سے دفاع کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ

وہ لوگ جو ایمان لائے، وہ لڑتے ہیں راستے میں اللہ کے، اور وہ جنہوں نے کفر کیا، وہ لڑتے ہیں راستے میں

الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع

شیطان کے، پس لڑو تم دوستوں سے شیطان کے، بلا شبہ مکر شیطان کا ہے نہایت کمزور○

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے کہ اہل ایمان اس کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ﴾ ''اور کافر طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں'' یہاں طاغوت سے مراد شیطان ہے۔ اس آیت سے متعدد فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) بندۂ مومن کے ایمان، اس کے اخلاص اور اس کی اتباع رسول ﷺ کے مطابق، اس کا جہاد اللہ کے راستے میں جہاد شمار ہوتا ہے۔ پس جہاد فی سبیل اللہ ایمان کے آثار، اس کے مقتضیات اور اس کے لوازم میں سے ہے۔ جیسے طاغوت کی راہ میں لڑنا کفر اور اس کے مقتضیات میں سے ہے۔

(۲) جو کوئی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے اس کے لئے مناسب اور بہتر یہ ہے کہ وہ ایسے صبر و استقلال سے کام لے جس کا مظاہرہ دیگر لوگ نہیں کر سکتے جب اولیائے شیطان لڑائی کرتے ہیں اور لڑائی میں صبر سے کام لیتے ہیں حالانکہ وہ اہل باطل ہیں۔ تب اہل حق کو تو صبر و استقلال سے زیادہ کام لینا چاہئے جیسا کہ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ﴾ (النساء: ٤/ ١٠٤) ''اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو جس طرح تمہیں تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح ان کفار کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ البتہ تم اللہ تعالیٰ سے ایسی امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے''۔

(۳) وہ بندۂ مومن جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے اس کے پاس ایک مضبوط سہارا ہوتا ہے اور وہ ہے حق اور اللہ تعالیٰ پر توکل۔ اس مضبوط اور صاحب قوت ہستی سے صبر و ثبات اور نشاط طلب کئے جاتے ہیں۔ جبکہ باطل کے راستے میں لڑنے والے' جس کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ اس کا کوئی قابل تعریف انجام ہے یہ صبر و ثبات کہیں سے طلب نہیں کر سکتے۔ بنابریں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴾ ''تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو یقیناً شیطان کا داؤ کمزور ہوتا ہے۔'' (کید) سے مراد وہ خفیہ چال ہے جس کے ذریعے سے دشمن کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ شیطان کی چال خواہ کتنی ہی خطرناک کیوں نہ ہو' بہر حال وہ انتہائی کمزور ہوتی ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ حق کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ نہ وہ اس چال کے سامنے کھڑی رہ سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے لئے چلتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ
کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کی کہ کہا گیا ان سے 'روکے رکھو تم اپنے ہاتھ اور قائم کرو نماز اور دو تم زکوۃ'

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ
پھر جب لکھ دیا (فرض کر دیا) گیا ان پر لڑنا' تب ایک فریق ان میں سے ڈرتا تھا وہ لوگوں سے 'مانند ڈرنے کے اللہ سے'

اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ
یا اس سے بھی زیادہ سخت ڈرنا' اور کہا انہوں نے 'اے ہمارے رب! کیوں لکھا (فرض کیا) تو نے ہم پر لڑنا؟ کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں

اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا
ایک مدت قریب تک؟ کہہ دیجیے! فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے اس کیلئے جس نے تقویٰ اختیار کیا اور نہ

تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ
ظلم کیے جاؤ گے تم تاگے برابر ○ جہاں کہیں بھی ہو گے تم! پالے گی تمہیں موت خواہ ہو تم قلعہ ہائے مضبوط میں

جب مسلمان مکہ مکرمہ میں تھے تو انہیں نماز اور زکوۃ کا حکم دیا گیا تھا' یعنی محتاجوں کی غمگساری کرنا اور اس سے مراد وہ معروف زکوۃ نہیں جو ایک مخصوص نصاب کے مطابق اور مخصوص شرائط کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ یہ زکوۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی تھی اسی طرح اس وقت تک متعدد فوائد کی بنا پر جہاد کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ مثلاً۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے بندوں پر شریعت کے احکام اس طرح فرض کرے کہ وہ ان پر شاق نہ گزریں۔ سب سے پہلے اہم ترین امر کا حکم دے' پھر آسان امور سے ابتدا کر کے بتدریج مشکل امور کا حکم دے۔

(۲) اگر اہل ایمان پر ان کی قلت تعداد و قلت سامان اور کثرت اعداء کے باوجود قتال فرض کر دیا جاتا تو یہ چیز اسلام کو مضمحل کر دیتی۔ اس لئے چھوٹی مصلحت کو نظر انداز کر کے بڑی مصلحت کی رعایت رکھی گئی اور اس میں اس قسم کی دیگر حکمتیں تھیں۔

بعض اہل ایمان چاہتے تھے کہ اس حال میں بھی ان پر قتال فرض کر دیا جاتا مگر ان حالات میں ان پر جہاد فرض کیا جانا مناسب نہ تھا۔ اس وقت ان لوگوں کے لئے مناسب یہی تھا کہ وہ توحید' نماز' زکوۃ اور اس نوع کے دیگر احکام پر عمل کرتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴾ (النساء : ٤/ ٦٦) ''اگر یہ اس نصیحت پر عمل کرتے جو ان کو کی جاتی ہے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور دین میں زیادہ ثابت قدمی اور استقامت کا باعث ہوتا''۔

جب مسلمانوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور اسلام قوی ہو گیا تو مناسب وقت پر ان پر قتال فرض کر دیا گیا۔ وہ لوگ جو اس سے قبل قتال فرض ہونے کے لئے جلدی مچاتے تھے ان میں سے ایک گروہ نے لوگوں کے خوف' کمزوری اور بزدلی کی وجہ سے کہا۔ ﴿ رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ﴾ ''اے ہمارے رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟'' ان الفاظ سے ان کی تنگ دلی اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کا اظہار ہوتا ہے حالانکہ ان کے لئے مناسب حال یہ تھا کہ وہ اس سے متضاد رویہ کا اظہار کرتے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور اس کے اوامر پر صبر کرنا' مگر جو کچھ ان سے مطلوب تھا انہوں نے اس کے برعکس کیا۔ پس انہوں نے کہا ﴿ لَوْلَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ﴾ ''تھوڑی مدت اور ہمیں کیوں مہلت نہ دی۔'' یعنی تو نے قتال کی فرضیت کچھ عرصہ اور مؤخر کیوں نہ کر دی۔ غالب طور پر اس قسم کی صورت ان لوگوں کو پیش آتی ہے جو غیر سنجیدہ ہوتے ہیں اور تمام امور میں عجلت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا غالب رویہ یہ ہوتا ہے کہ ان امور کے نازل ہونے پر یہ لوگ صبر نہیں کر سکتے۔ یہ امور ان کے لئے بوجھل تو نہیں مگر یہ لوگ بہت ہی کم صبر سے بہرہ ور ہیں۔

جن حالات میں وہ جہاد سے جی چرا کر بیٹھ رہے ان سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو نصیحت کی چنانچہ

فرمایا: ﴿ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ ﴾ ''آپ کہہ دیجئے دنیا کا فائدہ تو بہت ہی کم ہے اور آخرت اس شخص کے لئے بہتر ہے جو متقی ہے'' یعنی دنیا کی لذت اور راحت سے فائدہ اٹھانا بہت ہی کم عرصہ کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں تھوڑی سی مدت کے لئے بھاری بوجھ اٹھانا نفوس انسانی کے لئے آسان اور ہلکا ہوتا ہے کیونکہ جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشقت جو وہ برداشت کر رہا ہے طویل عرصے کے لئے نہیں ہے تو اس کے لئے اس کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ تب کیا کیفیت ہوگی جب تو دنیا اور آخرت کا موازنہ کرے اور معلوم ہو کہ آخرت اپنی ذات اور لذات میں اور زمان کے اعتبار سے دنیا سے کہیں بہتر ہے۔ جنت کی ذات کے بارے میں ایک صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ دنیا اور اس کی موجودات سے کہیں بہتر ہے''۔[1]

جنت کی لذتیں ہر قسم کی کدورتوں سے پاک ہیں بلکہ لذت کا جو تصور بھی فکر و خیال کی گرفت میں آ سکتا ہے۔ جنت کی لذتیں اس پر فوقیت رکھتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ ﴾ (السجدہ: ۳۲/۱۷) ''کوئی انسان نہیں جانتا کہ ان کے لئے (جنت میں) کیا آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے''۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان پر فرمایا: ''میں نے (جنت میں) اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی کے خیال میں ان کا کبھی گزر ہوا ہے''۔[2]

رہی دنیا کی لذتیں تو یہ مختلف قسم کی کدورتوں کے شائبے سے پاک نہیں ہوتیں۔ اگر ان لذات کا ان آلام و مصائب اور غم و ہموم سے مقابلہ کیا جائے جو ان لذات کے ساتھ ملے ہوتے ہیں تو جنت کی لذتوں کے ساتھ کسی بھی لحاظ سے ان کی کوئی نسبت ہی نہیں۔ رہا ان لذتوں کا زمانہ' تو دنیا آخر کار ختم ہو جائے گی اور انسان کی عمر' دنیا کی نسبت سے نہایت ہی معمولی سا عرصہ ہے۔ آخرت کی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی ہیں اور وہاں کے رہنے والوں کے لئے ہمیشہ کی زندگی ہے۔ جب عقلمند شخص ان دو گھروں کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے اور ان کی حقیقت کا تصور کرتا ہے جیسا کہ تصور کرنے کا حق ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون سا گھر ترجیح کا مستحق ہے؟ کس کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور کس کی طلب میں اسے جدوجہد کرنی چاہئے؟ ﴿ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ ﴾ ''اور پرہیز گار کے لیے آخرت تو بہت اچھی چیز ہے۔'' یعنی جو کوئی شرک اور دیگر تمام محرمات سے بچتا ہے اس کے لیے آخرت بہتر ہے۔ ﴿ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴾ ''اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا'' تم آخرت

---

[1] جامع ترمذی' تفسیر' باب و من سورۃ آل عمران' حدیث: ۳۰۱۳

[2] مسند احمد ۴۳۸/۲

کے گھر کے لئے جو دوڑ دھوپ کرو گے تو اس کا کامل اور وافر اجر پاؤ گے جس میں کچھ بھی کمی نہ ہو گی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ بچاؤ کی تدبیر تقدیر کے مقابلے میں کوئی کام نہیں آسکتی اور گھر میں بیٹھ رہنے والے کا بیٹھنا' اللہ کی تقدیر کو ہٹا نہیں سکتا۔ ﴿ اَیْنَ مَا تَکُوْنُوْا یُدْرِکْکُّمُ الْمَوْتُ ﴾ ''تم جہاں کہیں بھی رہو موت تمہیں آ پکڑے گی''، یعنی تم کسی زمانے میں اور کسی بھی جگہ پر ہو ﴿ وَلَوْ کُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍ ﴾ ''خواہ تم مضبوط قلعوں اور اونچے محلوں میں ہی پناہ کیوں نہ لے لو (موت تمہیں پالے گی)۔''

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کی ترغیب کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کبھی تو جہاد کی فضیلت اور اس کا ثواب بیان کرکے اس کی ترغیب دیتا ہے اور کبھی جہاد کو ترک کرنے کی سزا سے ڈرا کر جہاد پر آمادہ کرتا ہے۔ کبھی اس بارے میں آگاہ کرکے جہاد کے لئے ابھارتا ہے کہ جہاد سے جی چرا کر گھروں میں بیٹھ رہنے والوں کا بیٹھنا کسی کام نہیں آتا اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ جہاد کے راستے کو ان کے لئے آسان کر دیتا ہے۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ

اور اگر پہنچے ان کو کوئی بھلائی تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر پہنچے ان کو کوئی برائی (تکلیف)

یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا

تو کہتے ہیں یہ تیری طرف سے ہے' کہہ دیجئے! سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے' پس کیا حال ہے ان لوگوں کا؟ نہیں

یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا ۝۷۸ مَاۤ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَاۤ اَصَابَكَ

قریب کہ سمجھیں بات کو○ جو پہنچے (اے انسان!) تجھ کو کوئی بھلائی تو (وہ) اللہ کی طرف سے ہے اور جو پہنچے تجھ کو

مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَ اَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ۝۷۹

برائی (تکلیف) تو (وہ) تیری اپنی طرف سے ہے' اور بھیجا ہم نے آپکو لوگوں کیلئے رسول بنا کر' اور کافی ہے اللہ گواہ○

﴿ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ ﴾ ''اور اگر انہیں کوئی بھلائی ملتی ہے'' اللہ تبارک وتعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے جو علم نہیں رکھتے' انبیاء ورسل علیہم السلام کی تعلیمات سے روگردانی اور ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ جب انہیں کوئی بھلائی مثلاً شادابی' کثرت مال' کثرت اولاد اور صحت وغیرہ حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں ﴿ هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ ''یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔'' جب انہیں کسی تکلیف مثلاً قحط' فقر وفاقہ' احباب واولاد کی موت اور مرض وغیرہ کا سامنا ہوتا ہے تو پکار اٹھتے ہیں ﴿ هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ﴾ ''یہ (تکلیف) آپ کی وجہ سے (ہمیں پہنچی) ہے۔'' یعنی اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم یہ تمام مصیبت اس کے سبب سے آن پڑی ہے جو آپ لے کر آئے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے بدشگونی لی' جیسا کہ ان سے پہلے کفار اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے براشگون لیتے رہے ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی قوم کے بارے میں خبر دی ہے: ﴿ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ

﴿الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ﴾ (الاعراف : ۱۳۱/۷) ’’جب ان کو کوئی بھلائی حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ہماری وجہ سے ہے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی بدشگونی قرار دیتے ہیں‘‘۔ اور جیسا کہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے کہا: ﴿اطَّيَّرْنَا بِكَ وَبِمَنْ مَّعَكَ﴾ (النمل : ۴۷/۲۷) ’’تم اور تمہارے ساتھی ہمارے لئے بدشگونی کا باعث ہیں‘‘۔ اور جیسے سورۃ یٰس میں مذکور قوم نے اپنے رسولوں سے کہا: ﴿اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَىِٕنْ لَّمْ تَنْتَهُوْا لَنَرْجُمَنَّكُمْ﴾ (یٰس : ۱۸/۳۶) ’’ہم تمہیں بدشگون سمجھتے ہیں اگر تم باز نہیں آ ؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے‘‘۔

چونکہ کفر کی وجہ سے ان کے دل باہم مشابہ ہیں اس لئے ان کے اقوال و افعال میں بھی مشابہت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو برائی کے حصول اور بھلائی کے زوال کو انبیائے کرام کی تعلیمات یا بعض تعلیمات سے منسوب کرتے ہیں وہ اس مذمت میں داخل ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے: ﴿قُلْ كُلٌّ﴾ ’’کہہ دیجیے کہ سب‘‘ یعنی نیکی اور برائی‘ خیر اور شر ﴿مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ’’اللہ ہی کی طرف سے ہے۔‘‘ یعنی سب اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے اور اسی کی تخلیق ہے۔ ﴿فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ﴾ ’’انہیں کیا ہو گیا ہے؟‘‘ یعنی جن لوگوں سے یہ باطل قول صادر ہوا ہے۔ ﴿لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا﴾ ’’کہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔‘‘ یعنی یہ لوگ بات کو بالکل ہی نہیں سمجھ پاتے اور نہ یہ لوگ سمجھنے کے قریب جاتے ہیں یا یہ لوگ بات کو بہت ہی کم سمجھتے ہیں۔ مذکورہ تمام معنی کے مطابق یہ آیت کریمہ ان کے عدم فہم اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام میں عدم تفقہ پر زجر و توبیخ ہے۔ اور اس کا سبب ان کا کفر اور روگردانی ہے۔

اس آیت کریمہ میں ضمناً ان لوگوں کی مدح کا پہلو نکلتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا فہم رکھتے ہیں‘ نیز اس میں فہم اور اس کے اسباب کے حصول کی ترغیب ہے۔ یہ فہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کلام میں تدبر و تفکر اور اس منزل تک پہنچانے والے راستوں پر گامزن ہونے ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو سمجھا ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ نیکی اور برائی اور خیر و شر سب اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے کوئی چیز باہر نہیں‘ نیز انبیاء و رسل اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات کبھی بھی شر کا باعث نہیں ہوتیں کیونکہ وہ تو دین و دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لئے مبعوث کیے جاتے ہیں۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ﴾ ’’تجھ کو جو فائدہ پہنچے۔‘‘ یعنی دنیا و آخرت میں تجھے جو بھلائی حاصل ہوتی ہے ﴿فَمِنَ اللّٰهِ﴾ ’’وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔‘‘ وہی ہے جس نے اس بھلائی سے نوازا اور اس کے اسباب پیدا کر کے اس کے حصول کو آسان بنایا ﴿وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ﴾ ’’اور تجھے جو نقصان پہنچے۔‘‘ یعنی دنیا و آخرت میں تجھے جو برائی پہنچتی ہے ﴿فَمِنْ نَّفْسِكَ﴾ ’’وہ تیری طرف سے ہے۔‘‘

یعنی تیرے اپنے گناہوں کی وجہ سے اور تیری اپنی کمائی ہے اور جو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے فضل و احسان کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ اس نے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کے فضل و کرم سے بہرہ مند ہونے کے لئے ان دروازوں میں داخل ہوں اور انہیں آگاہ فرمایا ہے کہ گناہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے حصول سے مانع ہیں۔ اس لئے جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اسے صرف اپنے نفس کو ملامت کرنی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے حصول سے تو وہ خود مانع ہوا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جناب محمد ﷺ کی رسالت کی عمومیت کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴾ ''اور اے محمد! ﷺ ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور (اس بات کا) اللہ ہی گواہ کافی ہے۔'' اللہ تعالیٰ کی شہادت اس بات پر کافی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی فتح و نصرت' بڑے بڑے معجزات اور روشن براہین و دلائل کے ساتھ آپ کی تائید فرمائی۔ اور یہ علی الاطلاق سب سے بڑی شہادت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ﴾ (الانعام: ١٩/٦) ''ان سے پوچھو کہ سب سے بڑی شہادت کس چیز کی ہے۔ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ ہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے''۔

جب اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا علم کامل' اس کی قدرت تام اور اس کی حکمت عظیم ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اپنی تائید سے نوازا اور نصرت عظیم کے ذریعے سے اس کی مدد فرمائی تو اسے یقین ہو جائے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ورنہ اگر آپ نے جھوٹ گھڑا ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ کو دائیں ہاتھ سے پکڑتا اور آپ ﷺ کی رگ جاں کاٹ دیتا۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾

جس نے اطاعت کی رسول کی پس تحقیق اطاعت کی اس نے اللہ کی' اور جس نے روگردانی کی' تو نہیں بھیجا ہم نے آپکو ان پر نگہبان ○

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ

اور (منافق) کہتے ہیں (ہمارا کام تو) فرمانبرداری ہے' پھر جب نکلتے ہیں وہ آپکے پاس سے تو رات کو مشورہ کرتا ہے ایک گروہ ان میں سے

غَيْرَ الَّذِیْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ

خلاف اس (بات) کے جو کہتے ہیں آپ' اور اللہ لکھتا ہے جو وہ رات کو مشورہ کرتے ہیں' پس اعراض کریں آپ ان سے اور توکل کریں

عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٨١﴾

اللہ پر اور کافی ہے اللہ کارساز ○

یعنی ہر وہ شخص جس نے اوامر و نواہی میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی ﴿ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾ ''اس نے

اللہ کی اطاعت کی۔‘‘ کیونکہ اگر آپ کسی چیز کا حکم دیتے ہیں یا کسی چیز سے روکتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت‘ اس کی وحی اور تنزیل ہے۔ یہ آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کی عصمت کی دلیل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مطلق اطاعت کا حکم دیا ہے‘ لہٰذا اگر آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچانے کے بارے میں معصوم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مطلق اطاعت کا حکم نہ دیتا اور اطاعت کرنے والوں کی مدح نہ فرماتا۔

اور اس کا شمار مشترکہ حقوق میں ہوتا ہے۔ یہ حقوق تین اقسام میں منقسم ہوتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا حق۔ یہ حق مخلوق میں سے کسی کے لئے نہیں ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی طرف رغبت ہے اور ان کے توابع ہیں۔

(۲) رسول اللہ ﷺ کا حق‘ جو صرف آپ کے ساتھ مختص ہے وہ ہے آپ کی توقیر‘ آپ کا احترام اور آپ کی مدد کرنا۔

(۳) حقوق کی تیسری قسم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان مشترکہ ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا‘ ان سے محبت کرنا اور ان کی اطاعت کرنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان حقوق کو اس آیت کریمہ میں جمع کر دیا ہے: ﴿لِّتُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ ۚ وَتُسَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا﴾ (الفتح: ۹/۴۸) ’’تاکہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ‘ اس کی مدد اور اس کی توقیر کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرتے رہو‘‘۔

پس جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی‘ اس نے اللہ کی اطاعت کی‘ اس کے لئے وہی ثواب ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مترتب ہوتا ہے ﴿وَمَنْ تَوَلّٰى﴾ ’’اور جس نے (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے) منہ موڑا‘‘ وہ صرف اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتا۔ ﴿فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا﴾ ’’ہم نے آپ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔‘‘ یعنی ہم نے آپ کو اس لئے مبعوث نہیں کیا کہ آپ ان کے اعمال و احوال کی نگہبانی کریں‘ بلکہ ہم نے تو آپ کو مبلغ‘ کھول کھول کر بیان کرنے والا اور ناصح بنا کر بھیجا ہے اور آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے آپ کے لئے آپ کا اجر واجب ہو گیا۔ خواہ وہ راہ راست اختیار کریں یا نہ کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَذَكِّرْ ۗ اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَكِّرٌ ۝ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ﴾ (الغاشیہ: ۲۱/۸۸-۲۲) ’’تم ان کو نصیحت کرتے رہو اور تم صرف نصیحت کرنے والے ہی ہو۔ تم ان پر نگہبان نہیں‘‘۔

نیز یہ بھی لازم ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ظاہر و باطن اور جلوت و خلوت میں ہو۔ رہا وہ شخص جو لوگوں کے سامنے اطاعت اور التزام کا اظہار کرتا ہے اور جب تنہا ہوتا ہے یا اپنے ہم مشرب ٹولے کے ساتھ ہوتا ہے تو اطاعت ترک کر دیتا ہے اور ایسے کام کرتا ہے جو اطاعت کی ضد ہوتے ہیں تو ایسی اطاعت جس کا اس نے

اظہار کیا ہے اس کے لئے نفع مند اور مفید نہیں ہے۔ اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ ﴾ ''وہ کہتے ہیں مان لیا۔''یعنی جب وہ آپ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں تو اطاعت کا اظہار کرتے ہیں ﴿ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِندِكَ ﴾ ''جب وہ آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں''یعنی تنہا ہوتے ہیں اور ایسی حالت میں ہوتے ہیں کہ کوئی ان کی اس حالت سے مطلع نہیں ہوتا۔ ﴿ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ﴾ ''مشورہ کرتے ہیں رات کو کچھ لوگ ان میں سے اس کے خلاف جو آپ کہتے ہیں۔''تورات کے وقت آپ ﷺ کی اطاعت کے خلاف تدبیریں کرتے ہیں اور وہاں ان کے پاس نافرمانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد ﴿ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ﴾ میں اس امر کی دلیل ہے کہ وہ معاملہ جس کو انہوں نے دائمی وتیرہ بنایا ہوا تھا وہ عدم اطاعت کا رویہ تھا۔ کیونکہ (تَبْيِيت) سے مراد رات کے وقت اس طرح معاملات کی تدبیر کرنا ہے کہ اس پر رائے کا استقرار ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل پر وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ ﴾''اور اللہ لکھتا ہے جو وہ رات کو مشورہ کرتے ہیں''یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ان کارستانیوں کو محفوظ کر رہا ہے وہ عنقریب ان کو ان کارستانیوں کی پوری پوری جزا دے گا یہ ان کے لئے وعید ہے۔

ان کی ان کارستانیوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اعراض اور سختی کا حکم دیا ہے۔ اگر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا' اس کے دین کی نصرت اور اس کی شریعت کے نفاذ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی تو وہ آپ ﷺ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ﴿ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴾ ''پس آپ ان سے منہ پھیر لیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے''۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ

کیا پس نہیں تدبر (غور و فکر) کرتے وہ قرآن میں؟ اور اگر ہوتا یہ غیر اللہ کی طرف سے تو پاتے وہ اس میں

اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾

اختلاف بہت ○

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی کتاب میں تدبر کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہاں تدبر سے مراد ہے کتاب اللہ کے معانی میں غور وفکر اس کے مبادی' نتائج وعواقب اور اس کے لوازم میں گہری نظر سے سوچنا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تدبر تمام علوم ومعارف کی کنجی ہے۔ ہر بھلائی اسی کے ذریعے سے حاصل کی جاتی ہے اور تمام علوم کا استخراج اسی سے کیا جاتا ہے۔ کتاب اللہ ہی سے قلب میں ایمان کا اضافہ ہوتا ہے اور شجرۂ ایمان جڑ پکڑتا ہے۔ کتاب اللہ ہی رب معبود کی معرفت عطا کرتی ہے' اس معرفت سے نوازتی ہے کہ رب معبود کی صفات کمال کیا ہیں اور وہ کون سی صفات نقص سے منزہ ہے۔ کتاب اللہ اس راستے کی معرفت عطا کرتی ہے جو رب معبود تک پہنچاتا ہے نیز اس

راستے پر چلنے والے لوگوں کی معرفت سے نوازتی ہے اور ان نعمتوں کا ذکر کرتی ہے جو رب رحیم کی خدمت میں حاضر ہونے پر عطا ہوں گی۔

کتاب اللہ بندے کو اس کے دشمن کی معرفت عطا کرتی ہے' ایسا دشمن جو حقیقی دشمن ہے۔ ان راہوں کی نشاندہی کرتی ہے جو انسان کو عذاب کی منزل تک پہنچاتی ہیں۔ ان راہوں پر چلنے والے لوگوں کی معرفت عطا کرتی ہے نیز آگاہ کرتی ہے کہ اسباب عقاب کے وجود پر ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ بندۂ مومن کتاب اللہ میں جتنا زیادہ غور و فکر کرے گا اتنا ہی زیادہ اس کے علم و عمل اور بصیرت میں اضافہ ہوگا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ میں تدبر و تفکر کا حکم اور اس کی ترغیب دی ہے اور آگاہ فرمایا کہ قرآن عظیم کو نازل کرنے کا مقصد بھی یہی ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴾ (ص:۲۹/۳۸) ''یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی جو بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں تدبر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت پکڑیں''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴾ (محمد: ۲۴/۴۷) ''کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟''

کتاب اللہ میں تدبر کا فائدہ یہ ہے کہ بندۂ مومن اس کے ذریعے سے درجۂ یقین تک پہنچ جاتا ہے اور اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے کیونکہ اسے صاف نظر آتا ہے کہ یہ کلام ایک دوسرے کی تصدیق اور موافقت کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر' احکام' اور اخبار کا اعادہ کیا جاتا ہے' مگر ہر مقام پر وہ ایک دوسرے کی تصدیق اور موافقت کرتے ہیں ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کامل ہے اور ایک ایسی ہستی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس کے علم نے تمام امور کا احاطہ کر رکھا ہے' اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴾ ''اگر یہ (قرآن) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً وہ اس میں بہت اختلاف پاتے'' چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ

اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی بات امن کی یا خوف کی تو مشہور کر دیتے ہیں اسکو' اور اگر لوٹاتے وہ اسکو طرف رسول کی

وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ وَلَوْ لَا

یا طرف اصحاب امر کی ان میں سے' تو جان لیتے اس (کی حقیقت) کو وہ لوگ جو تحقیق کرتے ہیں اسکی ان میں سے' اور اگر نہ ہوتا

فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

فضل اللہ کا تم پر اور اس کی رحمت تو ضرور پیچھے لگ جاتے تم شیطان کے' مگر تھوڑے ہی ۝

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے ایک غیر مناسب فعل پر تادیب ہے۔ اہل ایمان کے لئے مناسب یہ ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی اہم معاملہ آئے جس کا تعلق مصالح عامہ' امن اور اہل ایمان کی خوشی کے ساتھ ہو یا اس کا تعلق کسی خوف سے ہو جس کے اندر کوئی مصیبت پوشیدہ ہو تو اس کو اچھی طرح جانچ پڑتال کر لیں اور اس خبر کی اشاعت میں عجلت سے کام نہ لیں۔ بلکہ وہ اس خبر کو رسول اللہ ﷺ' اصحاب امر' اہل رائے' اہل علم' خیر خواہی کرنے والوں' عقلمندوں' سنجیدہ اور باوقار لوگوں کی طرف لوٹائیں جو ان تمام امور کی معرفت رکھتے ہیں' جو مسلمانوں کے مصالح اور ان کے اضداد کی پہچان رکھتے ہیں۔ اگر وہ اس خبر کی اشاعت میں کوئی مصلحت' اہل ایمان کے لئے سرور و نشاط کا کوئی پہلو اور ان کے دشمنوں سے بچاؤ کی کوئی بات دیکھیں تو وہ ضرور ایسا کریں۔ اگر وہ یہ دیکھیں کہ اس میں مسلمانوں کی کوئی مصلحت نہیں ہے یا اس میں مصلحت تو ہے مگر اس کی مضرت اس مصلحت پر حاوی ہے تو وہ اس خبر کو نہ پھیلائیں۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ﴾ ''تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے۔'' یعنی وہ اپنے غور و فکر' درست آراء اور صحیح راہنمائی کرنے والے علوم کے ذریعے سے درست نتائج کا استخراج کر لیں گے۔ اس آیت کریمہ میں ادب واحترام کے ایک قاعدہ پر دلیل ہے کہ جب کسی معاملے میں بحث اور تحقیق مطلوب ہو تو مناسب یہ ہے کہ معاملہ اس شخص کے سپرد کر دیا جائے جو ذمے دار ہے اور وہ اس معاملے کو تحقیق کے لئے ایسے شخص کے حوالے کر دے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے اور ان ذمہ دار اصحاب کی تحقیق سے پہلے کسی رائے کا اظہار نہ کریں۔ یہ طریق کار زیادہ قرین صواب اور خطا سے زیادہ محفوظ ہے۔ اس میں کسی معاملے کو سنتے ہی اس کو پھیلانے میں عجلت اور جلدی کرنے کی ممانعت کی بھی دلیل ہے' نیز حکم ہے کہ بولنے سے پہلے اس معاملے میں خوب غور و فکر کر لیا جائے کہ آیا اس میں کوئی مصلحت ہے کہ انسان آگے بڑھ کر کوئی اقدام کرے یا کوئی مصلحت نہیں ہے کہ انسان پیچھے ہٹ جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ ﴾ ''اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔'' یعنی تمہیں توفیق عطا کرنے' ادب سکھانے اور ان امور کی تعلیم دینے میں جو تم نہ جانتے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی ﴿ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ ''تو چند لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے'' کیونکہ انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے ظالم اور جاہل ہے' پس اس کا نفس اسے شر کے سوا کوئی حکم نہیں دیتا۔ بندہ جب اپنے رب کے پاس پناہ لیتا ہے اور اس کی پناہ میں آ کر گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنے لطف و کرم کے دروازے کھول دیتا ہے' اسے ہر بھلائی کی توفیق عطا کرتا ہے اور اسے شیطان مردود سے بچاتا ہے۔

فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ
پس لڑیں آپ راستے میں اللہ کے، نہیں ذمے دار بنائے گئے آپ مگر اپنی ہی ذات کے اور رغبت دلائیں مومنوں کو، امید ہے کہ اللہ
اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّ اَشَدُّ تَنْكِیْلًا ﴿۸۴﴾
روک دے لڑائی ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا، اور اللہ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے سزا (دینے) میں ○

بندۂ مومن کے احوال میں سے بہترین حال یہ ہے کہ جہاد وغیرہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں خود بھی کوشش کرے اور دوسروں کو بھی ترغیب دے۔ کبھی کبھی بندے میں کوئی ایک امر یا دونوں امور معدوم ہوتے ہیں' اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا: ﴿ فَقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ ﴾ ''آپ اللہ کی راہ میں لڑیں۔ آپ اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں۔'' یعنی چونکہ آپ کو اپنی ذات کے سوا کسی دوسرے پر قدرت حاصل نہیں اس لئے آپ کو کسی دوسرے کے فعل کا مکلف نہیں ٹھہرایا گیا۔ ﴿ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ ''اور مومنوں کو بھی ترغیب دیں۔'' یعنی اہل ایمان کو قتال کی ترغیب دیں اور یہ ترغیب ان تمام امور کو بھی شامل ہے جس سے اہل ایمان کو نشاط' ان کے دلوں کو قوت اور ان کو طاقت حاصل ہوتی ہو۔ نیز یہ ترغیب اس بات کو بھی شامل ہے کہ دشمنوں کے ضعف اور کمزوری سے مومنوں کو آگاہ کیا جائے اور یہ ترغیب اس بات کو شامل ہے کہ مومنوں کو اس امر سے آگاہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کے لئے کیا ثواب تیار کر رکھا ہے اور جہاد چھوڑ کر گھر بیٹھ رہنے والوں کے لئے کیا عذاب ہے۔

مذکورہ بالا اور اس قسم کے تمام امور جہاد اور قتال کی ترغیب کے زمرے میں آتے ہیں۔

﴿ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''قریب ہے کہ اللہ کافروں کی لڑائی کو بند کر دے۔'' یعنی ہو سکتا ہے کہ اللہ کے راستے میں تمہارے جہاد اور جہاد کے لئے ایک دوسرے کو ترغیب دینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کفار کو روک دے۔ ﴿ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا ﴾ ''اور اللہ لڑائی کے اعتبار سے بہت سخت ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ زیادہ قوت اور غلبہ والا ہے ﴿ وَّ اَشَدُّ تَنْكِیْلًا ﴾ ''اور سزا کے لحاظ سے بھی بہت سخت ہے۔'' گناہ گار کو فی نفسہ سخت سزا دیتا ہے۔ جس سے دوسرے کو بھی عبرت ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنی قوت کے ذریعے سے ہی کفار پر غالب آ جائے اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑے' مگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے آزمائے تاکہ جہاد کا بازار گرم رہے اور نفع مند ایمان حاصل ہو' یعنی اختیاری ایمان نہ کہ جبری اضطراری ایمان' جو کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا۔

مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً یَّكُنْ لَّهٗ نَصِیْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَةً
جو کوئی سفارش کرے سفارش اچھی، ہو گا اس کے لیے حصہ اس میں سے اور جو کوئی سفارش کرے سفارش

سَيِّئَةً يَكُنْ لَهُ كِفْلٌ مِنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُقِيْتًا ﴿٨٥﴾

بری، ہوگا اس کے لیے حصہ اس میں سے اور ہے اللہ اوپر ہر چیز کے نگہبان ○

یہاں شفاعت سے مراد کسی معاملے میں معاونت ہے۔ جو کوئی کسی دوسرے کی بھلائی کے کسی کام میں سفارش کرتا ہے اور اس کام میں اس کی مدد کرتا ہے، مثلاً مظلوموں کے بارے میں ظالم کے پاس سفارش کرنا اسے اس کی کوشش اور عمل کے مطابق اس نیک سفارش سے حصہ نصیب ہوگا اور اصل کام کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی اور جو کوئی برائی کے کسی کام میں کسی کی مدد کرتا ہے تو اس کے تعاون اور مدد کے مطابق عذاب میں سے اس کو حصہ ملے گا۔ اس آیت کریمہ میں نیکی اور تقویٰ میں تعاون کے لئے بہت بڑی ترغیب ہے۔ اسی طرح گناہ اور زیادتی کے کاموں میں معاونت پر زجر و توبیخ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس ارشاد کے ذریعے سے محقق کیا ہے ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُقِيْتًا﴾ ”اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا گواہ اور حفاظت کرنے والا ہے۔“ یعنی وہ ان اعمال کا حساب لے گا اور ہر شخص کو اس کے استحقاق کے مطابق جزا دے گا۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اور جب دعا دیے جاؤ تم ساتھ دعا کے تو دعا دو تم ساتھ زیادہ بہتر کے اس سے یا لوٹا دو اسی (دعا) ہی کو تحقیق اللہ ہے

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾

ہر چیز کا حساب لینے والا ○

النصف

﴿ بِتَحِيَّةٍ ﴾ کا لفظ دو ملاقاتیوں میں سے کسی ایک سے عزت و احترام نیز دعا اور بشاشت وغیرہ کے طور پر صادر ہوتا ہے۔ سلام و دعا کا بہترین طریقہ وہ ہے جو سلام کرنے اور اس کا جواب دینے کے بارے میں شریعت میں وارد ہوا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ جب انہیں کسی بھی طریقے سے سلام کیا جائے تو وہ الفاظ اور بشاشت کے اعتبار سے اس سے بہتر یا اسی طریقے سے سلام کا جواب دیں۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سلام کا بالکل جواب نہ دینے یا کمتر طریقے سے جواب دینے سے روکا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی ترغیب ہے کہ سلام کرنے میں پہل کرنی چاہئے۔ اس کے دو پہلو ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے سلام کا بہتر طریقے سے یا ویسا ہی جواب دینے کا حکم دیا ہے اور اس سے یہ امر لازم آتا ہے کہ سلام درحقیقت شرعاً مطلوب ہے۔

(۲) لفظ (اَحْسَنَ) سے جو کہ ”اَفْعَلُ التَّفْضِيْل“ ہے، جو چیز مستفاد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ سلام اور اس کا جواب دونوں ”حسن“ میں شریک ہیں جیسا کہ اس بارے میں یہ چیز اصل ہے۔

آیت کریمہ کے عموم سے وہ شخص مستثنیٰ ہے جو کسی کو ایسے حال میں سلام کرتا ہے جس میں اسے سلام کرنے کا حکم نہ تھا۔ مثلاً کسی ایسے شخص کو سلام کرنا جو قراءت قرآن میں مشغول ہو' خطبہ سن رہا ہو یا نماز پڑھ رہا ہو۔ ① کیونکہ وہ اپنے سلام کے جواب کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ شخص بھی آیت کریمہ کے عموم سے مستثنیٰ ہے جس سے قطع کلامی اور سلام نہ کرنے کا حکم شارع نے دیا ہو۔ یہ وہ نافرمان شخص ہے جس نے توبہ نہ کی ہو جو بول چال اور سلام کی بندش کی وجہ سے نافرمانیوں سے باز آ جاتا ہے۔ پس ایسے شخص سے بول چال بند کر دی جائے اسے سلام کیا جائے نہ سلام کا جواب دیا جائے۔ یہ سب کچھ بڑی مصلحت کے قیام کی خاطر ہے۔ سلام کا جواب دینے میں ہر قسم کے سلام کا جواب دینا شامل ہے جس کے لوگ عام طور پر عادی ہیں۔ ایسا کرنا شرعاً ممنوع نہیں' کیونکہ بندہ سلام کا جواب دینے اور اس سے بہتر جواب دینے پر مامور ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نیکی کے کاموں پر ثواب کا وعدہ اور برائی کے کاموں پر وعید سنائی ہے۔ فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَسِیْبًا﴾ پس وہ اپنے بندوں کے اچھے برے اور چھوٹے بڑے تمام اعمال کا حساب رکھتا ہے پھر وہ اپنے فضل و عدل اور قابل تعریف فیصلے کے تقاضے کے مطابق ان کو جزا و سزا دے گا۔

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَیَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ ؕ وَمَنْ

اللہ' نہیں کوئی معبود (برحق) مگر وہی' البتہ ضرور جمع کرے گا وہ تم کو دن قیامت کے نہیں ہے شک اس میں' اور کون

اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِیْثًا ﴿۸۷﴾ ع

زیادہ سچا ہے اللہ سے' بات میں؟○

اللہ تعالیٰ وحدانیت میں اپنی انفرادیت کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے نیز یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود اور الٰہ نہیں کیونکہ وہ اپنی ذات اور اوصاف میں کامل ہے' نیز اس لئے کہ وہ تخلیق و تدبیر کائنات میں اور ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کرنے میں متفرد ہے اور یہ امر اس کی عبادت اور عبودیت کی تمام انواع کے ذریعے سے اس کے تقرب کو مستلزم ہے' اس لئے اس نے محل جزا کے وقوع یعنی روز قیامت پر قسم کھائی ہے۔ فرمایا: ﴿لَیَجْمَعَنَّكُمْ﴾ "وہ تم سب کو ضرور جمع کرے گا۔" یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اولین و آخرین کو ایک ہی جگہ پر جمع کرے گا ﴿اِلٰى یَوْمِ الْقِیٰمَةِ لَا رَیْبَ فِیْهِ﴾ "قیامت کے دن" یعنی عقلی اور سمعی دلیل کے اعتبار سے کسی بھی پہلو سے قیامت میں کوئی شک نہیں۔ رہی عقلی دلیل تو ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ زمین کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے زندگی عطا کرتا ہے۔

---

① لیکن شریعت نے ان حالتوں میں سلام کرنے سے کہاں منع کیا ہے؟ اس لئے فاضل مفسر کا ان مقامات کو مستثنیٰ کرنا بلا دلیل ہے۔ بلکہ یہ مقامات بھی سلام کرنے کے عموم میں داخل ہیں اور نماز کی حالت میں سلام کرنے کی اور اشارے کے ساتھ جواب دینے کی صراحت ترمذی کی حدیث میں موجود ہے۔ (ص۔ی)

امکان کے اعتبار سے پہلی دفعہ پیدا کرنے سے دوسری دفعہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہے۔

حکمت الٰہی انسان پر واجب ٹھہراتی ہے کہ وہ قطعی طور پر جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو عبث پیدا نہیں کیا کہ وہ زندگی حاصل کریں گے اور بس مر جائیں گے۔ (اور اس کے بعد کچھ نہیں ہوگا' ایسا نہیں ہوگا' بلکہ روز قیامت حساب ہوگا) رہی سمعی اور نقلی دلیل تو سب سے زیادہ سچی ہستی نے اس کے وقوع کے بارے میں خبر دی ہے بلکہ اس پر قسم کھائی ہے۔ ﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴾ "اللہ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہوگا" اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر رسول اللہ ﷺ کو اس حقیقت پر قسم کھانے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ زَعَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ لَّنْ يُّبْعَثُوْا قُلْ بَلٰى وَرَبِّيْ لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ ﴾ (التغابن: ٦٤/٧) "وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا' سمجھتے ہیں کہ انہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا نہیں جائے گا کہہ دو! ہاں میرے رب کی قسم! تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا اور جو اعمال تم نے کیے ہیں ان کے بارے میں تمہیں ضرور بتایا جائے گا اور ایسا کرنا اللہ کے لیے بہت آسان ہے"۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴾ اور ﴿ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴾ میں اس بات کی خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بات' اس کی خبریں اور اس کے اقوال صداقت کے اعلیٰ مراتب بلکہ اعلیٰ ترین مراتب پر ہیں' لہٰذا ہر وہ بات جو عقائد' علوم اور اعمال کے بارے میں کہی گئی ہو اگر وہ اللہ تعالیٰ کی خبر کے خلاف ہے تو وہ باطل ہے کیونکہ یہ امور یقینی طور پر سچی خبر کے متناقض ہیں ان کا حق ہونا ممکن ہی نہیں۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ

پس کیا ہے تمہیں کہ منافقوں (کے بارے) میں دو گروہ ہو گئے؟ اور اللہ نے الٹ دیا انکو بہ سبب ان (اعمال) کے جو انہوں نے کمائے' کیا چاہتے ہو تم

اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ۝٨٨

کہ ہدایت دو ان کو جنہیں گمراہ کیا اللہ نے؟ اور جسے گمراہ کرے اللہ پس ہر گز نہیں پائیں گے آپ اس کیلئے کوئی راہ ○

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ

چاہتے ہیں یہ لوگ کاش کہ کفر کرو تم جس طرح کفر کیا انہوں نے' پس ہو جاؤ تم (اور وہ) برابر' پس نہ بناؤ تم ان میں سے (کسی کو) دوست

حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں راستے میں اللہ کے پھر اگر پھر جائیں وہ تو پکڑو انکو اور قتل کرو ان کو جہاں کہیں

وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۝٨٩ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ

پاؤ تم ان کو اور نہ بناؤ تم ان میں سے (کسی کو) دوست اور نہ مددگار ○ سوائے ان لوگوں کے جو جا ملتے ہیں

اِلٰی قَوۡمٍۭ بَیۡنَکُمۡ وَ بَیۡنَہُمۡ مِّیۡثَاقٌ اَوۡ جَآءُوۡکُمۡ حَصِرَتۡ صُدُوۡرُہُمۡ اَنۡ

اس قوم سے کہ تمہارے درمیان اور انکے درمیان عہد ہے یا آتے ہیں تمہارے پاس (اس حال میں) کہ تنگ ہیں انکے سینے اس بات سے کہ

یُّقَاتِلُوۡکُمۡ اَوۡ یُقَاتِلُوۡا قَوۡمَہُمۡ ؕ وَ لَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَسَلَّطَہُمۡ عَلَیۡکُمۡ فَلَقٰتَلُوۡکُمۡ ۚ

لڑیں وہ تم سے یا لڑیں وہ اپنی قوم سے 'اور اگر چاہتا اللہ تو مسلط کر دیتا ان کو تم پر پس لڑتے وہ تم سے

فَاِنِ اعۡتَزَلُوۡکُمۡ فَلَمۡ یُقَاتِلُوۡکُمۡ وَ اَلۡقَوۡا اِلَیۡکُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰہُ

پھر اگر کنارہ کش رہیں وہ تم سے 'اور نہ لڑیں تم سے اور پیش کریں تمہاری طرف صلح' تو نہیں بنائی اللہ نے

لَکُمۡ عَلَیۡہِمۡ سَبِیۡلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوۡنَ اٰخَرِیۡنَ یُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ یَّاۡمَنُوۡکُمۡ وَ

تمہارے لیے ان پر کوئی راہ (ان سے لڑنے کی) ○ عنقریب تم پاؤ گے کچھ اور لوگوں کو جو چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں وہ تم سے اور

یَاۡمَنُوۡا قَوۡمَہُمۡ ؕ کُلَّمَا رُدُّوۡۤا اِلَی الۡفِتۡنَۃِ اُرۡکِسُوۡا فِیۡہَا ۚ فَاِنۡ لَّمۡ

امن میں رہیں اپنی قوم سے (بھی) جب بھی لوٹائے جاتے ہیں وہ طرف فتنے کی' تو الٹا دیئے جاتے ہیں اس میں' پس اگر وہ نہ

یَعۡتَزِلُوۡکُمۡ وَ یُلۡقُوۡۤا اِلَیۡکُمُ السَّلَمَ وَ یَکُفُّوۡۤا اَیۡدِیَہُمۡ فَخُذُوۡہُمۡ وَ اقۡتُلُوۡہُمۡ

کنارہ کش رہیں تم سے اور نہ پیش کریں تمہاری طرف صلح اور نہ روکیں تم سے اپنے ہاتھ' تو پکڑو تم انکو اور قتل کرو تم انکو

حَیۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡہُمۡ ؕ وَ اُولٰٓئِکُمۡ جَعَلۡنَا لَکُمۡ عَلَیۡہِمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِیۡنًا ﴿۹۱﴾ ع ۱۲

جہاں کہیں پاؤ تم ان کو' اور یہی لوگ ہیں کہ کیا ہم نے تمہارے لیے ان پر غلبہ ظاہر ○

ان آیات کریمہ[1] میں مذکور منافقین سے مراد وہ منافقین ہیں جو اپنے اسلام کا اظہار کرتے تھے اور اپنے کفر کے ساتھ ساتھ انہوں نے ہجرت بھی نہیں کی۔ان کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اشتباہ واقع ہو گیا چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ان منافقین کے اظہار اسلام کے باعث ان کے ساتھ قتال اور قطع موالات میں حرج سمجھتے تھے۔اور

---

① حاشیہ الف (یعنی ایک دوسرے نسخے کے حاشیے میں) میں یہ عبارت مذکور ہے کہ ''صحیحین میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جنگ احد کے لیے نکلے تو آپ کے ساتھ جانے والوں میں سے کچھ لوگ واپس ہو گئے۔ان کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو گروہ بن گئے۔ایک گروہ کہتا تھا کہ ہم ان کو قتل کریں گے جبکہ دوسرا گروہ کہتا تھا کہ نہیں۔پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿فما لکم فی المنافقین فئتین﴾ ''پس تمہیں کیا ہوا کہ منافقین کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو'' (اس موقع پر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''بے شک مدینہ پاک ہے اور بلاشبہ مدینہ بدطینت افراد کو اس طرح نکال باہر کرتا ہے جس طرح آگ لوہے کی میل کو دور کر دیتی ہے۔'' اس اضافے کی جگہ پر دلالت کرنے والی کوئی علامت یہاں موجود نہیں۔محقق۔

پتہ نہیں اس سے فاضل محقق کا مطلب کیا ہے؟ ورنہ اس حدیث کی مناسبت تو آیت ﴿فما لکم فی المنافقین......﴾ کے ساتھ بالکل واضح ہے' کیونکہ اس سے شان نزول کی وضاحت ہو رہی ہے۔(ص۔ی)

بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کو چونکہ ان کے افعال کے قرینے سے ان کے احوال کا علم تھا اس لئے انہوں نے ان پر کفر کا حکم لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کے بارے میں آگاہ فرمایا کہ تمہارے لئے مناسب نہیں کہ تم ان کے بارے میں کسی شک وشبہ میں مبتلا ہو' بلکہ ان کا معاملہ بالکل واضح ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں کہ وہ منافق ہیں۔ وہ اپنے کفر کا بار بار اظہار کر چکے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر بن کر انہی کی مانند ہو جاؤ۔ پس جب تمہارے سامنے یہ حقیقت واضح ہو گئی ﴿ فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ ﴾ ''تو تم ان کو دوست نہ بناؤ۔'' یہ ممانعت ان کے ساتھ عدم محبت کو لازم ٹھہراتی ہے' کیونکہ موالات اور دوستی محبت ہی کی ایک شاخ ہے' نیز یہ ممانعت ان کے ساتھ بغض اور عداوت کو لازم ٹھہراتی ہے کیونکہ کسی چیز سے ممانعت درحقیقت اس کی ضد کا حکم ہے اور اس حکم کی مدت ان کی ہجرت تک ہے۔ اگر وہ ہجرت کر کے آ جاتے ہیں تو ان پر وہی احکام جاری ہوں گے جو دیگر مسلمانوں پر جاری ہوتے ہیں' جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس شخص پر اسلام کے احکام جاری فرماتے تھے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اور ہجرت کر کے آپ کی خدمت میں پہنچ گیا تھا۔ خواہ وہ حقیقی مومن تھا یا محض ایمان کا اظہار کرتا تھا۔

اگر وہ ہجرت نہیں کرتے اور اس سے روگردانی کرتے ہیں ﴿ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ ''تو ان کو پکڑ لو اور جہاں پاؤ ان کو قتل کر دو۔'' یعنی جب بھی اور جس جگہ تم ان کو پاؤ ان کو قتل کر دو۔ یہ آیت کریمہ ان جملہ دلائل میں شامل ہے جو حرام مہینوں میں قتال کی حرمت کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتے ہیں' جیسا کہ یہ جمہور اہل علم کا قول ہے۔ دیگر اہل علم کہتے ہیں کہ یہ تمام نصوص مطلق ہیں' حرام مہینوں میں قتال کی تحریم کی تخصیص پر محمول ہوں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان منافقین میں سے تین گروہوں کو قتال سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ان میں سے دو گروہوں کو ترک کرنے کا حتمی حکم دیا ہے۔ ان میں پہلا گروہ وہ ہے جو کسی ایسی قوم کے ساتھ مل جاتا ہے جن کے ساتھ مسلمانوں کا جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہے۔ پس ان منافقین کو اس قوم میں شامل قرار دیا جائے گا اور جان و مال کے بارے میں ان کا بھی وہی حکم ہو گا جو اس قوم کا ہو گا۔ دوسرے گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ﴾ ''ان کے دل تمہارے ساتھ یا اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے رک گئے۔'' یعنی وہ تمہارے ساتھ لڑنا چاہتے ہیں نہ اپنی قوم کے ساتھ۔ وہ دونوں فریقوں کے ساتھ قتال ترک کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کے ساتھ قتال نہ کیا جائے اور اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ﴾ ''اگر اللہ چاہتا تو وہ ان کو تم پر مسلط کر دیتا' پس وہ تم سے لڑتے'' اس معاملے میں تین صورتیں ممکن ہو سکتی ہیں:

وہ یا تو تمہارے ساتھ ہوتے اور تمہارے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرتے' ان سے ایسا ہونا مشکل ہے۔

اب معاملہ صرف اس بات پر مبنی ہے کہ جنگ تمہارے اور ان کی قوم کے درمیان ہو یا دونوں فریقوں کے درمیان جنگ نہ ہو اور یہ صورت تمہارے لئے زیادہ آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو تم پر مسلط کرنے پر قادر ہے۔

پس تم عافیت کو قبول کرو اور اپنے رب کی حمد و ثنا بیان کرو جس نے ان کو تمہارے خلاف لڑنے سے روکا حالانکہ وہ تمہارے خلاف لڑنے کی طاقت رکھتے تھے۔ ﴿فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ وَ اَلْقَوْا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَیْهِمْ سَبِیْلًا﴾ ''اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے کنارہ کشی کر لیں اور تمہاری طرف صلح اور سلامتی کا پیغام بھیجیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان پر زیادتی کرنے کی کوئی راہ نہیں رکھی۔''

تیسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو تمہارے احترام سے قطع نظر صرف اپنی بھلائی چاہتے ہیں۔ اور یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِیْنَ﴾ ''تم کچھ اور لوگوں کو ایسا بھی پاؤ گے'' یعنی ان منافقین میں سے ﴿یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّاْمَنُوْكُمْ﴾ ''وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں۔'' یعنی وہ تم سے ڈرتے ہوئے تمہارے ساتھ پر امن رہنا چاہتے ہیں۔ ﴿وَ یَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِیْهَا﴾ ''اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں (لیکن) جب کبھی فتنہ انگیزی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اوندھے منہ اس میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔'' یعنی وہ اپنے کفر اور نفاق پر قائم ہیں اور جب کبھی وہ کسی فتنہ سے دوچار ہوتے ہیں' یہ فتنہ انہیں اندھا کر دیتا ہے اور وہ پہلی حالت پر لوٹ جاتے ہیں اور ان کا کفر و نفاق بڑھ جاتا ہے' یہ لوگ بھی اس صورت میں دوسرے گروہ کی مانند ہیں حالانکہ درحقیقت یہ اس گروہ کے مخالف ہیں' کیونکہ دوسرے گروہ نے مسلمانوں کے خلاف اپنے نفس پر خوف کی وجہ سے قتال ترک نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے احترام کی بنا پر ترک کیا ہے۔ جب کہ اس گروہ نے تمہارے خلاف قتال' احترام کی وجہ سے نہیں بلکہ خوف کی وجہ سے ترک کیا ہے بلکہ اگر وہ اہل ایمان کے خلاف لڑنے کا کوئی موقع پائیں تو اس کو غنیمت سمجھتے ہوئے تمہارے خلاف لڑیں' لہٰذا اگر یہ لوگ واضح طور پر اہل ایمان کے ساتھ لڑنے سے کنارہ کشی نہ کریں تو وہ گویا تمہارے خلاف جنگ کرتے ہیں۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاِنْ لَّمْ یَعْتَزِلُوْكُمْ وَ یُلْقُوْۤا اِلَیْكُمُ السَّلَمَ﴾ ''اگر وہ تم سے کنارہ کشی کریں نہ تمہاری طرف پیغام صلح بھیجیں۔'' یعنی اگر وہ تمہارے ساتھ امن اور صلح نہیں چاہتے ﴿وَ یَكُفُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اُولٰٓىِٕكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا﴾ ''اور اپنے ہاتھ نہ روک لیں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ۔ یہی ہیں جن پر ہم نے تمہیں ظاہر حجت عنایت فرمائی ہے'' تب ہم نے تمہیں ان کے خلاف ایک واضح حجت عطا کر دی ہے کیونکہ وہ تمہارے خلاف ظلم اور تعدی کا ارتکاب کرتے ہیں' صلح اور امن کے رویے کو ترک کر رہے ہیں۔ پس انہیں چاہئے کہ وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کریں۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا

اور نہیں لائق کسی مومن کے یہ (بات) کہ قتل کرے وہ کسی مومن کو مگر غلطی سے، اور جو کوئی قتل کرے کسی مومن کو غلطی سے

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ

تو آزاد کرنا ہے ایک مسلمان گردن کا اور دیت سونپی جائے گی اس کے وارثوں کی طرف مگر یہ کہ معاف کر دیں وہ

فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ

پس اگر ہو وہ (مقتول) ایسی قوم میں سے جو دشمن ہے تمہاری جب کہ وہ (خود) مسلمان تھا، تو آزاد کرنا ہے ایک مسلمان گردن کا

وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ

اور اگر ہو وہ ایسی قوم سے کہ تمہارے اور انکے درمیان عہد ہے تو دیت سونپی جائے گی اسکے وارثوں کی طرف

وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً

اور آزاد کرنا ہے ایک مسلمان گردن کا، پھر جو شخص نہ پائے (غلام) تو روزے رکھنے ہیں دو مہینے لگاتار۔ (یہ کفارہ) توبہ (کا قبول کرنا) ہے

مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٩٢﴾

اللہ کی طرف سے، اور ہے اللہ خوب جاننے والا خوب حکمت والا ○

آیت کریمہ کا یہ اسلوب، امتناع یعنی ناممکن ہونے کے اظہار کے اسالیب میں سے ہے یعنی یہ ممتنع اور محال ہے کہ ایک مومن سے دوسرے مومن کا جان بوجھ کر قتل صادر ہو۔ اس آیت کریمہ میں قتل مومن کی تحریم کو نہایت شدت سے بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ مومن کا قتل ایمان کے سخت منافی ہے۔ مومن کا قتل یا تو کافر سے صادر ہوتا ہے یا ایسے فاسق و فاجر سے صادر ہوتا ہے جس کے ایمان میں بہت زیادہ کمی ہو۔ ایسے فاسق و فاجر سے اس سے بھی بڑے اقدام کا ڈر ہے۔ اس لئے کہ ایمان صحیح مومن کو اپنے مومن بھائی کے قتل سے باز رکھتا ہے، جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اخوت ایمانی کا رشتہ جوڑا ہے جس کا تقاضا محبت و موالات اور اپنے بھائی سے اذیتوں کو دور کرنا ہے اور قتل سے بڑھ کر کون سی اذیت ہے؟ یہ چیز رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی مصداق ہے «لا ترجعوا بعدی کفاراً یضرب بعضکم رقاب بعض» ”میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔“[1] پس معلوم ہوا کہ قتل مومن عملی کفر ہے اور شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا﴾ ”اور کسی مومن کے شایاں نہیں کہ مومن کو مار ڈالے۔“ تمام احوال کے لئے عام ہے اور مومن کسی بھی اعتبار سے اپنے مومن بھائی کے قتل کا ارتکاب نہیں کر سکتا، اس لئے اللہ تعالیٰ قتل خطا کو مستثنیٰ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿اِلَّا خَطَـًٔا﴾ ”مگر غلطی سے“ اس لئے کہ قتل خطا کا مرتکب شخص قتل

① صحيح البخاري، الديات، باب ﴿ومن أحيا.......﴾، حديث: ٦٨٦٨

اور گناہ کا قصد نہیں رکھتا' نہ وہ اللہ تعالیٰ کے محارم کا ارتکاب کرتا ہے۔ مگر چونکہ اس نے ایک بہت ہی قبیح فعل کا ارتکاب کیا ہے اور اس کی ظاہری شکل اس کی قباحت کے لئے کافی ہے' اگرچہ اس کا مقصد اس کو قتل کرنا ہرگز نہیں تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے کفارہ اور دیت ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: ﴿ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا ﴾ ''جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد مار ڈالے'' قاتل خواہ مرد ہو یا عورت' آزاد ہو یا غلام' چھوٹا ہو یا بڑا' عاقل ہو یا پاگل اور مسلمان ہو یا کافر جیسا کہ لفظ (مَـنْ) عموم کا فائدہ دے رہا ہے۔ یہاں لفظ (مَـنْ) کو لانے کا یہی سر نہاں ہے کیونکہ سیاق کلام تو تقاضا کرتا ہے کہ یہاں لفظ (فَـإِنْ قَتَلَهُ) استعمال ہوتا مگر یہ لفظ وہ معنی ادا نہیں کرتا جو (مَنْ) ادا کرتا ہے۔ اسی طرح مقتول خواہ مرد ہو یا عورت' چھوٹا ہو یا بڑا (آیت کریمہ تمام صورتوں کو شامل ہے) جیسا کہ سیاق شرط میں نکرہ عموم کا فائدہ دے رہا ہے۔

﴿ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ﴾ قاتل پر کفارہ کے طور پر مومن غلام کا آزاد کرنا واجب ہے۔ یہ غلام قاتل کے مال سے آزاد کیا جائے گا۔ بعض علماء کے نزدیک یہ آیت کریمہ چھوٹے بڑے' مرد عورت' بے عیب اور عیب دار' ہر قسم کے غلام کو شامل ہے' مگر حکمت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ عیب زدہ غلام کو کفارہ میں آزاد نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ آزادی عطا کرنے کا مقصد آزاد کیے جانے والے کو نفع پہنچانا ہے اور اس کو ملکیت میں رکھنا خود اپنے آپ کو نفع پہنچانا ہے۔ پس جب آزادی عطا کرنے سے یہ نفع ضائع ہو جاتا ہے اور غلامی میں اسے باقی رکھنا اس کے لئے زیادہ نفع مند ہے تو اس کو آزاد کرنا کافی نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے ارشاد (تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ) کا معنی اس پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ یہاں آزادی عطا کرنے سے مراد کسی ایسے شخص کے منافع کا استحقاق خود اس کے لئے خالص کرنا ہے جس کے منافع کا استحقاق کسی دوسرے کے پاس ہو۔ پس اگر اس میں (عیب زدہ ہونے کی وجہ سے) کوئی منفعت نہیں تو آزادی کے وجود کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ اس میں غور کیجئے یہ بالکل واضح ہے۔

رہی دیت' تو یہ قاتل کی برادری اور اس کے رشتہ داروں پر واجب ہے۔ دیت قتل خطا اور قتل شبہ عمد میں واجب ہوتی ہے۔ ﴿ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ ﴾ ''مقتول کے وارثوں کو ادا کرے۔'' یعنی مقتول کے وارثوں کی دل جوئی کی خاطر ان کے حوالے کرے۔ یہاں (اَهْـلِـهٖ) سے مراد مقتول کے ورثاء ہیں کیونکہ یہی لوگ میت کے ترکہ کے وارث ہوتے ہیں' نیز دیت بھی ترکہ میں داخل ہے۔ اور دیت میں بہت سی تفاصیل ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔

﴿ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ﴾ ''ہاں اگر وہ معاف کر دیں۔'' یعنی مقتول کے ورثاء قاتل کو معاف کر کے دیت اس کو بخش دیں۔ تب یہ دیت بھی ساقط ہو جائے گی۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی ترغیب دی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس معافی کو صدقہ کے نام سے موسوم کیا ہے اور صدقہ ہر وقت مطلوب ہے۔ ﴿ فَاِنْ كَانَ ﴾ ''پس اگر وہ ہو'' یعنی مقتول ﴿ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ ﴾ ''ایسی قوم سے جو تمہاری دشمن ہے'' یعنی اگر مقتول حربی کفار میں

سے ہو﴿ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ﴾ ''اور وہ مومن ہو تو صرف ایک مومن غلام کی گردن آزاد کرنی لازمی ہے'' یعنی تب اس صورت میں تم پر مقتول کے (کافر) ورثاء کو دیت ادا کرنا واجب نہیں' کیونکہ ان کی جان اور مال کا احترام واجب نہیں۔

﴿ وَإِن كَانَ مِن قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ﴾ ''اور اگر وہ (مقتول) اس قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہو تو خون بہا لازمی ہے جو اس کے کنبے والے کو پہنچایا جائے اور ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا بھی ضروری ہے'' یہ ان کے ساتھ عہد و میثاق کی بنا پر مقتول کے ورثاء کے احترام کی وجہ سے ہے۔﴿ فَمَن لَّمْ يَجِدْ ﴾ ''اور جس کو یہ میسر نہ ہو'' یعنی جس کے پاس تنگ دستی کی وجہ سے آزاد کرنے کے لئے غلام یا اس کی قیمت نہیں ہے اور بنیادی ضروریات وحوائج کے اخراجات کے بعد اتنی رقم نہیں بچتی جس سے غلام کو آزاد کیا جا سکے﴿ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ﴾ ''تب دو مہینے مسلسل روزے رکھے'' اور ان کے دوران بغیر کسی عذر کے روزہ نہ چھوڑے۔ اگر کسی عذر کی بنا پر روزہ چھوٹ جائے مثلاً مرض اور حیض وغیرہ تو اس سے تسلسل نہیں ٹوٹتا اگر اس نے بغیر کسی عذر کے روزہ چھوڑ دیا ہے تو اس سے تسلسل منقطع ہو جائے گا اور اسے نئے سرے سے روزے شروع کرنے پڑیں گے۔﴿ تَوْبَةً مِّنَ اللَّهِ ﴾ ''یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبول) توبہ کے لئے ہے۔'' یعنی یہ کفارات جو اللہ تعالیٰ نے قاتل پر واجب کئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت توبہ' ان پر رحمت اور ان کے گناہوں کی تکفیر ہے جو ممکن ہے کسی کوتاہی اور عدم احتیاط کی وجہ سے ان سے سرزد ہوئے ہوں' جیسا کہ قتل خطا کے مرتکب سے اکثر واقع ہوتے ہیں۔﴿ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴾ ''اور اللہ سب کچھ جانتا اور بڑی حکمت والا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کامل علم اور کامل حکمت والا ہے۔ زمین و آسمان میں' کسی جگہ اور کسی وقت چھوٹی یا بڑی ذرہ بھر چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔

تمام مخلوقات اور تمام شرائع اس کی حکمت سے خالی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تخلیق اور جو کچھ مشروع کیا ہے وہ حکمت پر مبنی ہے۔ یہ اس کی علم و حکمت ہے کہ اس نے قاتل پر کفارہ واجب کیا جو اس سے صادر ہونے والے گناہ سے مناسبت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک قابل احترام جان کو معدوم کرنے کا سبب بنا اور اسے وجود سے نکال کر عدم میں لے گیا۔ اس جرم سے یہ چیز مناسبت رکھتی ہے کہ وہ غلام آزاد کرے' اس کو مخلوق کی غلامی سے نکال کر مکمل آزادی عطا کرے۔ اگر وہ غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دو مہینوں کے مسلسل روزے رکھے۔ یوں وہ اپنے آپ کو شہوات' اور ان لذات حسیہ کی غلامی سے آزاد کر کے جو بندے کو ابدی سعادت سے محروم کرتی ہیں' اللہ تعالیٰ کے تقرب کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف لائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے روزے رکھنے کے لئے شاق گزرنے والی طویل مدت مقرر کی ہے اور اس میں روزوں کے تسلسل کو واجب قرار دیا ہے اور ان تمام

مقامات پر عدم مناسبت کی بنا پر روزے رکھنے کی بجائے مسکینوں کو کھانا کھلانا مشروع قرار نہیں دیا۔ اس کے برعکس ظہار میں روزوں کی بجائے مسکینوں کو کھانا کھلانا مشروع ہے۔ اس کا ذکر ان شاءاللہ آئے گا۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی حکمت ہے کہ قتل خواہ خطا ہی سے کیوں نہ ہو اس نے اس میں دیت واجب ٹھہرائی ہے تاکہ دیت اور دیگر اسباب کے ذریعے سے قتل کے جرائم کا سدباب ہو سکے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس نے قتل خطا میں دیت قاتل کے پدری (باپ کی طرف سے) رشتہ داروں (یعنی عاقلہ) پر فرض کی ہے۔ اس پر فقہاء کا اجماع ہے۔ کیونکہ گناہ کی نیت سے قاتل نے قتل کا ارتکاب نہیں کیا تھا کہ اس دیت کا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا جائے جو اس کے لئے سخت مشقت کا باعث ہو۔ اس لئے یہ امر مناسبت رکھتا ہے کہ حصول مصالح اور سد مفاسد کی خاطر اس کے اور اس کے رشتہ داروں کے درمیان تعاون' اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کا جذبہ ہو۔ شاید یہ چیز اس شخص کو قتل سے روکنے کا سبب بن جائے جس کی طرف سے وہ دیت ادا کرتے ہیں تاکہ انہیں دیت کا بوجھ نہ اٹھانا پڑے' نیز ان کی طاقت اور ان کے احوال کے مطابق ان پر دیت کو تقسیم کرنے سے دیت کے بوجھ میں تخفیف ہو جائے گی' نیز دیت کی ادائیگی کی مدت تین سال مقرر کر کے اس میں مزید تخفیف پیدا کر دی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کا علم ہے کہ اس نے اس دیت کے ذریعے سے جو اس نے قاتل کے اولیاء پر واجب کی ہے' مقتول کے ورثاء کی مصیبت میں ان کے نقصان کی تلافی کی ہے۔

وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ

اور جو کوئی قتل کرے کسی مومن کو جان بوجھ کر' تو اس کی سزا جہنم ہے' ہمیشہ رہے گا وہ اس میں اور غضب ناک ہوا اللہ

عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

اس پر اور لعنت کی اس پر اور تیار کیا ہے اس کے لیے عذاب بہت بڑا ○

گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ مومن سے مومن کا قتل صادر نہیں ہو سکتا نیز یہ کہ قتل کفر عملی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے جان بوجھ کر قتل کرنے والے کے لئے وعید کا ذکر فرمایا ہے جس سے دل کانپ جاتے ہیں' کلیجے پھٹ جاتے ہیں اور عقلمند لوگ گھبرا جاتے ہیں۔ کبیرہ گناہوں میں سے کسی اور گناہ کے لئے اس سے بڑی بلکہ اس جیسی وعید بھی وارد نہیں ہوئی۔ آگاہ رہو! کہ یہ اس امر کی خبر دینا ہے کہ مومن کے قتل کے مرتکب کے لئے جہنم ہے۔ یعنی یہ گناہ عظیم اکیلا ہی کافی ہے کہ اپنے مرتکب کو جہنم' عذاب عظیم' رسوائی' اللہ جبار کی ناراضی' فوز وفلاح سے محرومی و ناکامی اور خسارے جیسی سزا کا مستحق بنائے۔ ہم ہر اس سبب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرے۔ اس وعید کا حکم' کبیرہ گناہوں کے بارے میں وارد اس جیسی دیگر نصوص وعید کی مانند ہے جن میں جہنم میں خلود اور جنت سے محرومی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ائمہ کرام' خوارج اور معتزلہ کے اس قول کے بطلان پر متفق

ہونے کے باوجود' کہ موحد گناہ گار ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اس آیت کریمہ کی تاویل میں اختلاف رکھتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تاویل و تفسیر میں حق و صواب وہ ہے جو امام محقق شمس الدین ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب ''مدارج السالکین'' میں ذکر فرمایا ہے۔ انہوں نے ائمہ کی تاویلات ذکر کرنے کے بعد نقد کرتے ہوئے فرمایا:

''کچھ دیگر لوگوں کی رائے ہے کہ یہ نصوص اور اس قسم کی دیگر نصوص' جن میں سزا کی اقتضا کا ذکر آتا ہے مقتضائے حکم کے وجود سے اس کا وجود لازم نہیں آتا کیونکہ حکم اپنے مقتضی کے وجود اور انتفائے مانع سے پورا ہوتا ہے اور ان نصوص کی غرض و غایت محض اس امر کی اطلاع دینا ہے کہ اس قسم کے جرائم عقوبت کا سبب ہیں اور اس کا تقاضا کرتے ہیں اور موانع کے ذکر پر دلیل قائم ہو چکی ہے کچھ تو اجماع کی بنا پر اور کچھ نصوص کی بنا پر' چنانچہ توبہ بالاجماع عقوبت اور سزا کو مانع ہے اور نصوص متواترہ دلالت کرتی ہیں کہ توحید بھی مانع عقوبت ہے اسی طرح برائیوں کو مٹانے والی نیکیاں بھی مانع عقاب ہیں۔ بڑے بڑے مصائب جو گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں مانع عقاب ہیں۔ دنیا میں ان جرائم پر حد قائم ہونا بھی مانع عقوبت ہے ان امور پر نصوص دلالت کرتی ہیں اور ان نصوص کو معطل کرنے کی کوئی وجہ نہیں لہذا جانبین کی طرف سے نصوص کے عمل کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یہ ہے وہ مقام جہاں اقتضائے عقاب اور اس کے مانع کے لئے' نیکیوں اور برائیوں کے درمیان موازنہ کیا جاتا ہے تاکہ دونوں میں سے جو راجح ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے (اقتضائے عذاب راجح ہو تو عذاب کا اور مانع راجح ہو تو عدم عذاب کا فیصلہ ہو گا)

وہ کہتے ہیں کہ اسی اصول پر دنیا و آخرت کے مصالح اور مفاسد کی بنا ہے اور یہی اصول احکام شرعیہ اور احکام قدریہ کی بنیاد ہیں اور یہی اس حکمت کا تقاضا ہے جو وجود کائنات میں جاری و ساری ہے۔ خلق و امر کے لحاظ سے اسی اصول کے ذریعے سے اسباب اور مسببات ایک دوسرے سے مرتب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی ضد پیدا کی ہے تاکہ یہ ضد اس شے کو دفع کرے اور ضدین میں سے اغلب کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔ قوت صحت و عافیت کا تقاضا کرتی ہے اور اخلاط فاسدہ کا غلبہ' عمل طبعی اور فعل قوت کو مانع ہے' ان دونوں میں سے اغلب کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔ یہی اصول ادویہ اور امراض کے قویٰ میں عمل کرتا ہے انسان کے اندر ایسی چیزیں بھی ہیں جو اس کی صحت کی متقاضی ہیں اور کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو اس کی ہلاکت کا تقاضا کرتی ہیں۔ (ان کے درمیان کشمکش رہتی ہے) اور ایک چیز دوسری چیز کے کمال تاثیر کو روکتی اور اس کا مقابلہ کرتی ہے پس اگر وہ اس پر غالب آ جاتی ہے تو اس کی تاثیر اس میں کارفرما ہوتی ہے۔

یہاں پہنچ کر انسانوں کی تقسیم کا علم ہوتا ہے۔ کوئی سیدھا جنت میں جائے گا کسی کو جہنم میں جھونک دیا جائے

گا۔ کچھ لوگوں کو جہنم میں داخل کر کے پھر نکال لیا جائے گا اور وہ لوگ جہنم میں بس اسی قدر ٹھہریں گے جس قدر ان کے اعمال ان کے ٹھہرنے کا تقاضا کریں گے۔ جس شخص کی چشم بصیرت روشن ہے اس اصول کے مطابق اسے معاد کے متعلق وہ تمام امور جن کی قرآن خبر دیتا ہے یوں نظر آتے ہیں گویا کہ وہ انہیں اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت' ربوبیت اور عزت و حکمت کا تقاضا ہے اور اس کی خلاف ورزی اللہ تعالیٰ سے محال ہے۔ اس کی خلاف ورزی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ایک ایسے امر کی نسبت ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ ان امور کو وہ اپنی چشم بصیرت سے یوں دیکھتا ہے جیسے وہ اپنی آنکھ سے سورج اور ستاروں کو دیکھتا ہے اور یہ ایمان کا یقین ہے اور یہ وہ یقین ہے جو برائیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے جیسے خشک ایندھن کو آگ جلا دیتی ہے۔ وہ شخص جو ایمان کے اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے اس کے لئے برائیوں پر مصر رہنا محال ہے۔ برائیاں اگرچہ اس سے بکثرت واقع ہو جاتی ہیں مگر اس کا نور ایمان اسے ہر وقت تجدید توبہ کا حکم دیتا رہتا ہے اور ہر سانس کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے ایسا شخص اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے"۔۔۔۔ ابن القیم قدس اللہ روحہ کا کلام ختم ہوا' اللہ تعالیٰ انہیں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا کرے۔ (اس موضوع پر مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے مدارج السالکین ۱/۳۹۶۔ مترجم)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب سفر کرو تم راستے میں اللہ کے' تو تحقیق کر لیا کرو' اور نہ کہو تم اس شخص کو جو

اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ

عرض کرے تمہیں سلام' نہیں ہے تو مسلمان' طلب کرتے ہو تم سامان زندگانی' دنیا کا؟

فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ

پس اللہ کے ہاں غنیمتیں ہیں بہت' اسی طرح تھے تم پہلے (اس سے)' پس احسان کیا اللہ نے تم پر

فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

پس تحقیق کر لیا کرو' یقیناً اللہ ہے' ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو' خوب خبردار ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے جہاد پر نکلیں تو تمام مشتبہ امور میں اچھی طرح تحقیق کر لیا کریں اور جلدی نہ کیا کریں۔ کیونکہ تمام معاملات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ واضح اور غیر واضح۔ جو امور واضح ہوتے ہیں ان میں تحقیق اور جانچ پڑتال کی کچھ زیادہ ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ چیز تحصیل حاصل کے زمرے میں آتی ہے۔ رہے مشکل اور غیر واضح امور تو انسان ان میں جانچ پڑتال اور تحقیق کا محتاج ہوتا ہے کہ آیا وہ اس میں اقدام کرے یا نہ کرے؟ کیونکہ ان امور میں تحقیق اور جانچ پڑتال سے

بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ بڑی بڑی برائیوں کا سد باب ہو جاتا ہے۔ اس کے ذریعے سے بندے کے دین‘ عقل اور وقار کے بارے میں معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے برعکس وہ شخص جو معاملات کی ابتداہی میں ان کی جانچ پڑتال سے پہلے فیصلہ کرنے میں عجلت سے کام لیتا ہے۔ اسے اس عجلت سے ایسے نتائج کا سامنا ہو سکتا ہے جو نہایت غیر مناسب ہوں‘ جیسا کہ ان مسلمانوں کے ساتھ ہوا جن کا اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ جنہوں نے بغیر کسی تحقیق اور جانچ پڑتال کے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے ان کو سلام کیا تھا۔ اس کے پاس کچھ بکریاں یا کوئی اور مال تھا اس کا خیال تھا کہ اس طرح (سلام کرنے سے) قتل ہونے سے بچ جائے گا اور ان کا یہ فعل (قتل) درحقیقت خطا تھا‘ بنابریں اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا۔

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ﴾ ’’جو تمہیں سلام کرے تم اسے یہ نہ کہو کہ تو مومن نہیں تم دنیاوی زندگی کے اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں‘‘ یعنی فانی دنیا کا یہ قلیل اور فانی مال و متاع تمہیں کسی ایسے کام کے ارتکاب پر آمادہ نہ کرے جو مناسب نہ ہو اور اس کے نتیجے میں تم اس بے پایاں ثواب سے محروم ہو جاؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ پس جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندے کو چاہئے کہ جب وہ دیکھے کہ اس کے نفس کے داعیے کسی ایسے حال کی طرف مائل ہیں جس میں خواہشات نفس کا شائبہ ہے اور یہ اس کے لئے ضرر رساں ہیں تو وہ اس ثواب اور نعمتوں کو یاد کرے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھی ہیں جنہوں نے خواہشات نفس کو روکا ہوا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنے نفس کی خواہش پر مقدم رکھا کیونکہ اس میں نفس کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی ترغیب ہے خواہ اس میں اس کے لئے مشقت ہی کیوں نہ ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ ان کو اسلام سے قبل ان کی حالت یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ﴾ ’’پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہیں تمہاری گمراہی کے بعد ہدایت سے نوازا ہے۔ اسی طرح وہ دوسروں کو بھی راہ ہدایت دکھاتا ہے اور جس طرح تمہیں بتدریج آہستہ آہستہ ہدایت حاصل ہوئی ہے اسی طرح تمہارے علاوہ بھی آہستہ آہستہ راہ ہدایت پر گامزن ہو جائیں گے۔ پس کامل شخص کا اپنے پہلے اور ناقص حال پر نظر رکھنا‘ اور اس ناقص شخص کے ساتھ‘ جس کی مانند کبھی وہ بھی ناقص تھا‘ اس کے مقتضائے حال کے مطابق معاملہ کرنا اور اس کو حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بھلائی کی طرف دعوت دینا اس کے لئے فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے تحقیق حال کے حکم کا ان الفاظ میں اعادہ کیا ﴿ فَتَبَيَّنُوا ﴾ ’’تحقیق کر لیا کرو‘‘ یعنی خوب

تحقیق کرلیا کرو۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرتا ہے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے مختلف قسم کی تیاری کرتا ہے' تو وہ اس بات پر مامور ہے کہ جو کوئی اس کو سلام کرے' اس کی تحقیق کرلے حالانکہ بہت ہی قوی قرینہ موجود تھا کہ اس نے جان کے خوف سے اور جان بچانے کے لئے سلام کیا ہو۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ان تمام احوال کے بارے میں' جن میں کسی قسم کا اشتباہ واقع ہو گیا ہو تحقیق اور جانچ پڑتال کی جائے۔ پس بندہ حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کرے حتیٰ کہ اس کے سامنے معاملہ واضح ہو جائے اور رشد و صواب متحقق ہو کر سامنے آ جائے۔ فرمایا: ﴿ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴾ ''اور جو عمل تم کرتے ہو' اللہ کو سب کی خبر ہے۔'' اللہ اپنے بندوں کے احوال اور ان کی نیتوں کو جانتا ہے اس لئے وہ ہر ایک کو اس کے عمل اور نیت کے مطابق جزا دے گا۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ

نہیں برابر ہو سکتے (وہ جو ہیں) بیٹھ رہنے والے مومنوں میں سے' نہیں ہیں وہ تکلیف (عذر رکھنے) والے' اور جو جہاد کرنیوالے ہیں

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِأَمْوَالِهِمْ

راستے میں اللہ کے' ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے' فضیلت دی ہے اللہ نے جہاد کرنیوالوں کو' ساتھ اپنے مالوں

وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ

اور اپنی جانوں کے' بیٹھ رہنے والوں پر مرتبے میں' اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے بھلائی کا' اور فضیلت دی ہے اللہ نے

الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ أَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً

مجاہدین کو اوپر بیٹھ رہنے والوں کے بہ لحاظ اجر عظیم کے ○ (یعنی) درجے ہیں اس کی طرف سے اور بخشش

وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾ ع

اور رحمت' اور ہے اللہ بہت بخشنے والا' نہایت مہربان ○

یعنی اہل ایمان میں سے وہ شخص جو اپنی جان اور مال کے ذریعے سے جہاد کرتا ہے اور وہ شخص جو جہاد کے لئے نہیں نکلتا اور اللہ کے دشمنوں کے ساتھ قتال نہیں کرتا' دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلنے کی ترغیب ہے اور سستی اور کسی عذر کے بغیر جہاد چھوڑ کر گھر بیٹھ رہنے سے ڈرایا گیا ہے۔ رہے وہ لوگ جو کسی تکلیف میں مبتلا ہیں مثلاً مریض' اندھا اور لنگڑا وغیرہ اور وہ شخص جس کے پاس جہاد پر جانے کے لئے سامان وغیرہ نہیں' تو یہ لوگ بغیر عذر گھر بیٹھ رہنے والوں میں شمار نہیں ہوں گے۔ ہاں! وہ شخص جو کسی تکلیف میں مبتلا ہے اور وہ اپنے گھر بیٹھ رہنے پر خوش اور راضی ہے اور وہ یہ نیت بھی نہیں رکھتا کہ اگر یہ مانع موجود نہ ہوتا تو وہ جہاد میں ضرور شریک ہوتا اور اس کے دل میں کبھی جہاد کی خواہش بھی نہیں ہوئی تو ایسا شخص بغیر عذر گھر

بیٹھ رہنے والوں میں شمار ہوگا۔

جو کوئی یہ عزم رکھتا ہے کہ اگر یہ مانع موجود نہ ہوتا تو وہ اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلتا' وہ جہاد کی تمنا اور آرزو کرتا ہے اور اس کے دل میں جہاد کی خواہش پیدا ہوئی ہے تو ایسا شخص جہاد کرنے والوں میں شمار ہوگا' کیونکہ نیت جازم کے ساتھ جب وہ عمل مقرون ہوتا ہے جو قولاً یا فعلاً نیت کرنے والے کے اختیار میں ہے تو وہ اس صاحب نیت کو فاعل کے مقام پر فائز کر دیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نہایت صراحت کے ساتھ مجاہدین کو گھر بیٹھ رہنے والوں پر بلندئ درجات کی فضیلت سے نوازا ہے۔ یہ فضیلت اجمالاً بیان فرمائی ہے۔ اس کے بعد صراحت کے ساتھ اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور رحمت کا وعدہ فرمایا جو ہر بھلائی کے حصول اور ہر برائی کے سد باب پر مشتمل ہے۔

صحیحین میں مروی ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ان درجات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا ''جنت کے اندر سو درجے ہیں اور ان ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان کے درمیان۔ اس جنت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کر رکھا ہے''[1]

یہ ثواب جو اللہ تعالیٰ نے جہاد پر مرتب کیا ہے اس کی نظیر سورہ صف کی یہ آیات ہیں: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾

(الصف :٦١/١٠-١٢)

''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے' تم اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کرو۔ اگر تم علم رکھتے ہو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں جنت میں داخل کرے گا۔ جن میں نہریں بہہ رہی ہیں اور جنت جاوداں میں پاکیزہ آرام گاہوں میں داخل کرے گا۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔''

ذرا حسن انتقال پر غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حالت سے دوسری بلند تر حالت کی طرف منتقل ہونے کا کیسے ذکر فرمایا ہے۔ سب سے پہلے مجاہد اور غیر مجاہد کے درمیان مساوات (برابر ہونے) کی نفی فرمائی' پھر تصریح فرمائی کہ مجاہد کو گھر بیٹھ رہنے والے پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے' پھر مغفرت' رحمت اور بلند درجات کے ذریعے سے مجاہد کو فضیلت عطا کرنے کی طرف انتقال فرمایا۔ فضیلت اور مدح کے موقع پر فروتر سے بلند تر حالت کی طرف

---

[1] صحیح بخاری' الجهاد والسير' باب درجات المجاهدين في سبيل الله' حديث: ٢٧٩٠

اور مذمت اور برائی کے موقع پر بلند تر حالت سے فروتر حالت کی طرف یہ انتقال لفظوں کے اعتبار سے حسین تر اور نفوس انسانی میں کارگر ہونے کے اعتبار سے مؤثر تر ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دیتا ہے جب کہ دونوں ہی کو فضیلت حاصل ہو تو وہ ایسے لفظ کے ساتھ فضیلت بیان کرنے سے احتراز کرتا ہے جو دونوں کا جامع ہو۔ تا کہ کسی کو یہ وہم لاحق نہ ہو کہ کم تر فضیلت کی حامل چیز کی مذمت بیان کی ہے۔ جیسا کہ یہاں بیان فرمایا: ﴿ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾ ''اللہ نے سب کے ساتھ اچھا وعدہ کیا ہے۔'' اور جیسا کہ محولہ بالا سورۂ صف کی آیات میں فرمایا: ﴿ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''مومنوں کو خوش خبری دے دیجئے'' فرمایا: ﴿ لَا يَسْتَوِيْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقٰتَلَ ﴾ (الحدید: ۵۷/۱۰) ''تم میں سے جس شخص نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا (اور جس نے فتح مکہ کے بعد یہ کام کئے) برابر نہیں''۔ پھر فرمایا: ﴿ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ﴾ (الحدید: ۵۷/۱۰) ''اور اللہ نے سب کے ساتھ اچھا وعدہ کیا ہے''۔ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ﴾ (الانبیاء: ۲۱/۷۹) ''پس فیصلہ کرنے کا طریقہ ہم نے سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو علم و حکمت عطا کی تھی۔''

پس جو کوئی شخصیات کے درمیان، گروہوں کے درمیان اور اعمال کے درمیان فضیلت کی تحقیق کرتا ہے تو اس کے لئے مناسب ہے کہ وہ اس نکتہ کو خوب سمجھ لے۔ اسی طرح اگر وہ بعض شخصیات اور مقالات کی مذمت بیان کرتا ہے تو ان کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے کے لئے ایسا اسلوب استعمال کرے جو دونوں کو جامع ہو، تا کہ جس کو فضیلت دی گئی ہے وہ اس وہم میں مبتلا نہ ہو کہ اسے کمال حاصل ہے۔ مثلاً جب یہ کہا جائے کہ نصاریٰ مجوسیوں سے بہتر ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہنا چاہئے کہ دونوں ہی کافر ہیں۔ جب یہ کہا جائے قتل زنا سے زیادہ بڑا جرم ہے تو ساتھ یہ بھی بتانا چاہئے کہ دونوں گناہ کبیرہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اور ان گناہوں پر زجر و توبیخ کی ہے۔

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجاہدین کے ساتھ مغفرت اور رحمت کا وعدہ کیا ہے جو اس کے اسمائے کریمہ (اَلْغَفُوْرُ) اور (اَلرَّحِيْمُ) سے صادر ہوتی ہیں اس لئے اس آیت کریمہ کے اختتام پر فرمایا: ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ ''اللہ بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ؕ قَالُوْا

تحقیق جو لوگ کہ فوت کرتے ہیں ان کو فرشتے دراں حالیکہ وہ ظلم کرنے والے ہیں اپنی جانوں پر، تو کہتے ہیں

كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا

کس حال میں تھے تم؟ کہتے ہیں وہ، تھے ہم کمزور زمین میں، کہتے ہیں وہ (فرشتے) کیا نہ تھی زمین اللہ کی فراخ؟ پس ہجرت کرتے تم

فِيْهَا ۭ فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿97﴾ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ

اس میں، پس یہ لوگ ان کا ٹھکانا جہنم ہے، اور بہت بری جگہ ہے وہ پھرنے کی ○ مگر وہ جو کمزور ہیں

مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ

مردوں اور عورتوں اور بچوں سے، نہیں (اختیار) کر سکتے وہ کوئی تدبیر اور نہ پاتے ہیں

سَبِيْلًا ﴿98﴾ فَاُولٰۗىِٕكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْھُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿99﴾

کوئی راہ ○ پس یہ لوگ، امید ہے کہ اللہ معاف فرمادے انہیں، اور ہے اللہ نہایت معاف کرنیوالا بہت بخشنے والا ○

اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لئے سخت وعید آئی ہے جو ہجرت کی قدرت رکھنے کے باوجود ہجرت نہیں کرتا اور دارالکفر ہی میں مر جاتا ہے۔ کیونکہ جب فرشتے اس کی روح قبض کریں گے تو اس کو سخت زجر و توبیخ کرتے ہوئے کہیں گے ﴿فِيْمَ كُنْتُمْ﴾ "تم کس حال میں تھے" اور کیسے تم نے اپنے تشخص کو مشرکین کے درمیان ممیز رکھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم ان کی تعداد میں اضافے کا باعث بنے اور بسا اوقات اہل ایمان کے خلاف تم نے کفار کی مدد کی، تم خیر کثیر، اللہ کے رسول کی معیت میں جہاد، مسلمانوں کی رفاقت اور ان کے دشمنوں کے خلاف ان کی معاونت کی سعادت سے محروم رہے۔

﴿قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ وہ کہیں گے کہ ہم کمزور، مجبور اور مظلوم تھے اور ہجرت کی قدرت نہ رکھتے تھے۔ حالانکہ وہ اپنے اس قول میں سچے نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زجر و توبیخ کی ہے اور ان کو وعید سنائی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ اس نے حقیقی مستضعفین کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اس لئے فرشتے ان سے کہیں گے: ﴿اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا﴾ "کیا اللہ کی زمین وسیع و فراخ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر کے چلے جاتے" یہ استفہام تقریری ہے یعنی ہر ایک کے ہاں یہ چیز متحقق ہے کہ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ بندۂ مومن جہاں کہیں بھی ہو اگر وہاں اپنے دین کا اظہار نہیں کر سکتا تو زمین اس کے لئے بہت وسیع ہے جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِيْ وَاسِعَةٌ فَاِيَّايَ فَاعْبُدُوْنِ﴾ (العنکبوت : ٢٩/٥٦) "اے میرے بندو جو ایمان لائے ہو بے شک میری زمین بہت وسیع ہے پس میری ہی عبادت کرو"۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں جن کے پاس کوئی عذر نہیں، فرمایا: ﴿فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا﴾ "یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے" جیسا کہ پیچھے گزر چکا ہے کہ اس میں سبب موجب کا بیان ہے، جس پر اس کی شرائط کے جمع ہونے اور موانع کے نہ ہونے کے ساتھ، مقتضا مرتب ہوتا ہے۔ کبھی کبھی کوئی مانع اس مقتضا کو روک دیتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ ہجرت سب سے بڑا فرض ہے اور اس کو ترک کرنا حرام بلکہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ جس شخص نے وفات پائی اس نے اپنا وہ رزق' عمر اور عمل پورا کر لیا جو اس کے لئے مقدر کیا گیا تھا۔ یہ دلیل لفظ ''توفی'' سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ اگر اس نے وہ سب کچھ پورا نہیں کیا جو اس کے لئے مقدر کیا گیا تھا تو لفظ ''توفی'' کا اطلاق صحیح نہیں۔ اس آیت میں فرشتوں پر ایمان لانے اور ان کی مدح کی دلیل بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اثبات' ان کی تحسین اور اپنی موافقت کے انداز میں فرشتوں سے خطاب کیا ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حقیقی مستضعفین کو مستثنیٰ قرار دیا جو کسی وجہ سے ہجرت کرنے پر قادر نہیں۔ فرمایا: ﴿ وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴾ ''نہ وہ کوئی راستہ جانتے ہیں۔'' یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴾ ''امید ہے کہ ان لوگوں کو اللہ بخش دے اور اللہ بہت درگزر کرنے والا اور نہایت بخشنے والا ہے'' (عَسَى) اور اس کا ہم معنی کلمہ' اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور احسان کے تقاضے کے مطابق اس کو لازم کرتا ہے۔

جو کوئی کچھ نیک اعمال بجالاتا ہے اس کو ثواب کی امید دلانے میں فائدہ ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص ہے جو پوری طرح عمل نہیں کرتا اور نہ وہ اس عمل کو اس طریقے سے بجالاتا ہے جو اس کے لئے مناسب ہے بلکہ وہ کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے لہٰذا وہ اس ثواب کا مستحق قرار نہیں پاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو کوئی کسی امر واجب کی تعمیل کرنے سے عاجز ہو وہ معذور ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد سے عاجز رہنے والوں کے بارے میں فرمایا: ﴿ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَىٰ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ ﴾ (الفتح : ۴۸/۱۷) ''نہ تو اندھے کے لئے کوئی گناہ ہے نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر''۔ اور تمام احکام کی عمومی اطاعت کے بارے میں فرمایا: ﴿ فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ﴾ (التغابن : ۶۴/۱۶) ''اپنی استطاعت بھر اللہ تعالیٰ سے ڈرو''۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: «إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ» ''جس چیز کا میں تمہیں حکم دوں مقدور بھر اس پر عمل کرو''[1] جب انسان پوری کوشش کرتا ہے مگر اس پر ہر قسم کے حیلے کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں تب اس صورت میں وہ گناہ گار نہیں ہوتا کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً ﴾ ''وہ کوئی تدبیر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے'' یعنی وہ لاچار ہیں۔ آیت میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ حج وعمرہ اور اس قسم کی دیگر عبادات میں جن میں سفر کی ضرورت پیش آتی ہے' رہنمائی کرنے والے کا ہونا بھی ''استطاعت'' کی شرطوں میں سے ہے۔

وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ

اور جو شخص ہجرت کرے راستے میں اللہ کے' پائے گا وہ زمین میں جگہ بہت اور فراوانی

[1] صحیح مسلم' الحج' باب فرض الحج مرة فی العمر' حدیث: ۱۳۳۷

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ

اور جو شخص نکلے اپنے گھر سے ہجرت کرتے ہوئے طرف اللہ اور اس کے رسول کی' پھر آ پکڑے اس کو موت

فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۰﴾

پس تحقیق ثابت ہو گیا اس کا اجر اللہ پر' اور ہے اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ○

اس آیت کریمہ میں ہجرت کی ترغیب دی گئی ہے اور ان مصالح اور فوائد کا بیان ہے جو ہجرت میں پنہاں ہیں۔ اس سچی ہستی نے وعدہ کیا ہے کہ جو کوئی اس کی رضا کی خاطر اس کی راہ میں ہجرت کرتا ہے وہ زمین میں بہت سے راستے اور کشادگی پائے گا۔ پس یہ راستے دینی مصالح' زمین کی وسعت اور دنیاوی مصالح پر مشتمل ہیں۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہجرت' وصال کے بعد فراق' غنا کے بعد فقر' عزت کے بعد ذلت اور فراخی کے بعد تنگدستی میں پڑنے کا نام ہے۔ معاملہ دراصل یہ نہیں کیونکہ بندۂ مومن جب تک کفار کے درمیان رہ رہا ہے اس کا دین انتہائی ناقص ہے' اس کی وہ عبادات بھی ناقص ہیں جن کا تعلق صرف اسی کی ذات سے ہے جیسے نماز' وغیرہ اور اس کی وہ عبادات بھی ناقص ہیں جن کا تعلق دوسروں سے ہے' مثلاً قولی وفعلی جہاد اور اس کے دیگر توابع' کیونکہ یہ اس کے بس کی بات نہیں۔ اور وہ اپنے دین کے بارے میں ہمیشہ فتنے اور آزمائش میں مبتلا رہے گا۔ خاص طور پر جبکہ وہ مستضعفین (کمزوروں) میں شمار ہوتا ہو۔ پس جب وہ دارالکفر سے ہجرت کر جاتا ہے تو اقامت دین کی کوشش اور اللہ کے دشمنوں کے خلاف جہاد کر سکتا ہے۔ کیونکہ (اَلْمُرَاغَمَةُ) ایک جامع نام ہے اور اس سے مراد ہر وہ قول وفعل ہے جس سے اللہ کے دشمنوں کے خلاف غیظ وغضب پیدا ہو۔ اسی طرح (مُرَاغَمٌ) سے مراد رزق وغیرہ کی فراخی ہے اور یہ چیز اسی طرح واقع ہوئی جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی۔

چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی' اللہ کی رضا کے لئے اپنا گھر بار' اپنا مال اور اپنی اولاد کو چھوڑ دیا اس لئے ہجرت کے ذریعے سے ان کے ایمان کی تکمیل ہوئی' انہیں ایمان کامل' جہاد عظیم اور اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت حاصل ہوئی۔ بنابریں وہ بعد میں آنے والوں کے لئے امام بن گئے۔ اس ایمان کی تکمیل پر انہیں فتوحات اور غنائم حاصل ہوئیں اور وہ سب سے زیادہ بے نیاز ہو گئے۔ اسی طرح' قیامت تک ہر وہ شخص جو ان کی سیرت کو اختیار کرے گا اس کو بھی انہی انعامات سے نوازا جائے گا جن انعامات سے ان کو نوازا گیا تھا۔

پھر فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ ''اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کر کے گھر سے نکل جائے۔'' یعنی جو شخص صرف اپنے رب کی رضا' اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اللہ کے دین کی نصرت کی خاطر ہجرت کے لئے اپنے گھر سے نکلتا ہے اور اس کے سوا اس کا کوئی اور مقصد نہیں ﴿ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ﴾ ''پھر اس کو موت آ پکڑے۔'' یعنی پھر قتل یا کسی اور سبب سے اسے موت آ جاتی ہے

﴿ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ﴾ ''تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہو چکا۔'' یعنی اسے اس مہاجر کا اجر حاصل ہو گیا جسے اللہ تعالیٰ کی ضمانت سے اپنی منزل مقصود مل گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے عزم جازم کے ساتھ ہجرت کی نیت کی تھی اور اس پر عملدرآمد کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس پر اور اس جیسے دوسرے لوگوں پر یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اگرچہ انہوں نے اپنے عمل کو مکمل نہیں کیا' مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو کامل عمل عطا کر دیا اور ہجرت وغیرہ کے معاملے میں ان سے جو کوتاہی ہوئی اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا' اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو ان دو اسمائے حسنیٰ پر ختم کیا ہے ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ ''اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ان تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے جس کا وہ ارتکاب کرتے ہیں خاص طور پر' وہ اہل ایمان جو توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ﴿ رَّحِيْمًا ﴾ یعنی وہ تمام مخلوق پر رحم کرنے والا ہے' اس کی رحمت ہی انہیں وجود میں لائی' اس کی رحمت ہی نے انہیں عافیت عطا کی اور اس کی رحمت ہی نے انہیں مال' بیٹوں اور قوت وغیرہ سے نوازا۔ وہ اہل ایمان پر رحم کرنے والا ہے' کیونکہ اسی نے اہل ایمان کو ایمان کی توفیق عطا کی' انہیں ایسے علم سے نوازا جس سے ایقان حاصل ہوتا ہے۔ ان کے لئے سعادت اور فلاح کی راہیں آسان کر دیں' جن کے ذریعے سے وہ بے انتہا فائدہ اٹھاتے ہیں وہ عنقریب اس کی رحمت اور فضل و کرم کے وہ نظارے دیکھیں گے جو کسی آنکھ نے دیکھے ہوں گے نہ کسی کان نے سنے ہوں گے اور نہ کسی بشر کے قلب سے ان کا گزر ہوا ہو گا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہماری برائیوں کی وجہ سے اپنی بھلائیوں سے محروم نہ کرے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ
اور جب سفر کرو تم زمین میں' پس نہیں تم پر گناہ یہ کہ قصر کرو تم نماز

اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا
اگر ڈرو تم اس بات سے کہ فتنے میں ڈال دیں گے تمہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا' یقیناً کافر' ہیں تمہارے دشمن

مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَاۗىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ
ظاہر ○ اور جب ہوں آپ ان میں' پھر قائم کریں ان کیلئے نماز تو چاہیے کہ کھڑی ہو ایک جماعت ان میں سے

مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَاۗىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ
آپکے ساتھ' اور چاہیے کہ (ساتھ) لے لے وہ اپنے ہتھیار' پھر جب سجدہ کر لے وہ' تو ہو جائے تمہارے پیچھے اور چاہیے کہ آئے

طَاۗىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ
جماعت دوسری کہ نہیں نماز پڑھی اس نے' کہ نماز پڑھے وہ آپکے ساتھ' اور چاہیے کہ لے لے وہ اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار'

وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ
چاہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا' کاش کہ غافل ہو تم اپنے اسلحے اور اپنے سامان سے' پس ٹوٹ پڑیں وہ

عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ
تم پر ٹوٹ پڑنا' یک بارگی، اور نہیں گناہ تم پر اگر ہو تمھیں تکلیف بارش سے
اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ
یا ہو تم بیمار یہ کہ رکھ دو تم اپنے ہتھیار' اور (ساتھ) لے لو تم اپنا بچاؤ' تحقیق اللہ نے تیار کر رکھا ہے
لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾
کافروں کے لیے عذاب رسوا کن ○

یہ دو آیات کریمہ سفر کے دوران نماز میں قصر کی رخصت اور نماز خوف کے لئے اصل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ ﴾ ''جب چلو تم زمین میں'' یعنی سفر کے دوران۔ آیت کریمہ کا ظاہر سفر کے دوران نماز میں قصر کی رخصت کا تقاضا کرتا ہے سفر خواہ کیسا ہی ہو' خواہ معصیت کا سفر ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ جمہور فقہاء یعنی ائمہ ثلاثہ اور دیگر اہل علم آیت کے معنی اور مناسبت کے اعتبار سے آیت کے عموم کی تخصیص کرتے ہوئے معصیت کے سفر کے دوران نماز میں قصر کی رخصت کو جائز قرار نہیں دیتے۔ کیونکہ رخصت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے سہولت ہے کہ جب وہ سفر کریں تو نماز میں قصر کر لیا کریں اور روزہ چھوڑ دیا کریں۔ یہ تخفیف گناہ کا سفر کرنے والے شخص کے حال سے مناسبت نہیں رکھتی۔ ﴿ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ﴾ ''تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں'' یعنی تم پر کوئی حرج اور گناہ نہیں۔ یہ چیز قصر کے افضل ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ آیت کریمہ میں مذکورہ نفئ حرج اس وہم کا ازالہ کرتی ہے جو بہت سے نفوس میں واقع ہوتا ہے۔ بلکہ یہ تو نماز قصر کے واجب ہونے کے بھی منافی نہیں جیسا کہ اس کی نظیر سورۂ بقرہ کی اس آیت میں گزر چکی ہے ﴿ اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ﴾ (البقرہ : ۲/۱۵۸) ''صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں...... آیت کے آخر تک''

اس مقام پر وہم کا ازالہ ظاہر ہے کیونکہ مسلمانوں کے ہاں نماز کا وجوب اس کی اس کامل صفت کے ساتھ متحقق ہے۔ اور یہ وہم اکثر نفوس سے اس وقت تک زائل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس امر کا ذکر نہ کیا جائے جو اس کے منافی ہے۔ اتمام پر قصر کی افضلیت کو دو امور ثابت کرتے ہیں۔

اول: رسول اللہ ﷺ کا اپنے تمام سفروں کے دوران میں قصر کا التزام کرنا۔

ثانی: قصر' بندوں کے لئے وسعت' رخصت اور رحمت کا دروازہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی رخصتوں سے استفادہ کیا جائے۔ جس طرح وہ یہ بات ناپسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کا کوئی کام کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوۃِ ﴾ ''نماز میں سے کچھ کم کر دو'' اور یہ نہیں فرمایا (اَنۡ تَقۡصُرُوا الصَّلٰوۃَ) ''نماز کو کم کر دو'' اس میں دو فائدے ہیں۔

اول: اگر یہ کہا ہوتا کہ ''نماز کو کم کر دو'' تو قصر غیر منضبط اور غیر محدود ہوتی۔ اور بسا اوقات یہ بھی سمجھا جا سکتا تھا کہ اگر نماز کا بڑا حصہ کم کر دیا جائے اور صرف ایک رکعت پڑھ لی جائے' تو کافی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے (مِنَ الصَّلٰوۃِ) کا لفظ استعمال فرمایا تا کہ وہ اس امر پر دلالت کرے کہ قصر محدود اور منضبط ہے اور اس بارے میں اصل مرجع وہ نماز قصر ہے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے فعل سے ثابت ہے۔

ثانی: حرف جار (مِنۡ) تبعیض کا فائدہ دیتا ہے تا کہ معلوم ہو سکے کہ صرف بعض فرض نمازوں میں قصر ہے تمام نمازوں میں جائز نہیں۔ کیونکہ فجر اور مغرب کی نماز میں قصر نہیں۔ صرف ان نمازوں میں قصر کر کے دو رکعت پڑھی جاتی ہیں جن میں چار رکعتیں فرض کی گئی ہیں۔

جب یہ بات متحقق ہو گئی کہ سفر میں نماز قصر ایک رخصت ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ مفسرین میں اس قید کے تعین کے بارے میں اختلاف ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں وارد ہوئی ہے۔ ﴿ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنَكُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ﴾ ''اگر تم اس بات سے ڈرو کہ کافر تمہیں فتنے میں ڈال دیں گے'' جس کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ نماز قصر اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ یہ دو امور ایک ساتھ موجود نہ ہوں سفر اور خوف۔ ان کے اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ (اَنۡ تَقۡصُرُوۡا) سے مراد صرف عدد رکعات میں کمی ہے؟ یا عدد رکعات اور صفت نماز دونوں میں کمی ہے؟

اشکال صرف پہلی صورت میں ہے اور یہ اشکال امیر المومنین جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو لاحق ہوا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ''یا رسول اللہ! ہم نماز میں قصر کیوں کرتے ہیں حالانکہ ہم مامون ہوتے ہیں' جب کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے: ﴿ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنَكُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ﴾ ''اگر تمہیں کافروں کا خوف ہو کہ وہ تمہیں فتنے میں ڈال دیں گے'' رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ''یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر صدقہ ہے پس تم اللہ تعالیٰ کے صدقہ کو قبول کرو'' [1] (او كما قال عليه السلام)

اس صورت میں یہ قید ان غالب حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے عائد کی گئی تھی جن سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام دوچار تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے اکثر سفر جہاد کے لئے ہوتے تھے۔

اس میں دوسرا فائدہ یہ ہے کہ قصر کی رخصت کی مشروعیت میں حکمت اور مصلحت بیان کی گئی ہے۔ اس آیت کریمہ میں وہ انتہائی مشقت بیان کی گئی ہے' جس کا قصر کی رخصت کے بارے میں تصور کیا جا سکتا ہے اور وہ ہے سفر اور خوف کا اجتماع اور اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اکیلے سفر میں قصر نہ کی جائے جو کہ مشقت کا باعث

[1] صحیح مسلم' صلاة المسافرين' باب صلاة المسافرين و قصرها' حديث: ۱۵۷۳

ہے۔ رہی قصر کی دوسری صورت یعنی عدد رکعات اور نماز کی صفت میں قصر تو یہ قید اپنے اپنے باب کے مطابق ہو گی۔ یعنی انسان کو اگر سفر اور خوف دونوں کا سامنا ہو تو عدد اور صفت دونوں میں قصر کی رخصت ہے۔ اگر وہ بلا خوف کسی سفر پر ہے تو صرف عدد رکعات میں قصر ہے اور اگر صرف دشمن کا خوف لاحق ہے تو صرف وصف نماز میں قصر ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد آنے والی آیت کریمہ میں نماز خوف کی صفت بیان فرمائی ہے۔

﴿ وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ ﴾ ”اور (اے پیغمبر!) جب آپ ان (مجاہدین کے لشکر میں ہوں) اور ان کو نماز پڑھانے لگو۔“ یعنی جب آپ ان کے ساتھ نماز پڑھیں اور اس کے ان واجبات کو پورا کریں جن کا پورا کرنا آپ پر اور آپ کے اصحاب پر لازم ہے۔

پھر اس ارشاد کے ذریعے سے اس کی تفسیر بیان فرمائی: ﴿ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ ﴾ ”تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ نماز کے لئے کھڑا ہو“ اور دوسری جماعت دشمن کے مقابلے میں کھڑی ہو جیسا کہ آیت کا ٹکڑا ﴿ فَاِذَا سَجَدُوْا ﴾ ”جب وہ سجدہ کر چکیں۔“ اس پر دلالت کرتا ہے، یعنی وہ لوگ جو آپ ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہیں اپنی نماز مکمل کر لیں۔ یہاں نماز کو سجدے سے تعبیر کیا ہے تاکہ سجدے کی فضیلت ظاہر ہو، نیز یہ کہ سجدہ نماز کا رکن بلکہ سب سے بڑا رکن ہے۔

﴿ فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا ﴾ ”تو یہ تمہارے پیچھے آ جائیں اور وہ دوسری جماعت آ جائے جس نے نماز نہیں پڑھی“ اور یہ وہ گروہ ہے جو دشمن کے مقابلے میں کھڑا تھا۔ ﴿ فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ ﴾ ”اب یہ گروہ آپ کے ساتھ نماز پڑھے۔“ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے گروہ کے نماز سے چلے جانے کے بعد امام نماز میں باقی رہے اور دوسرے گروہ کا انتظار کرے جب دوسرا گروہ آ جائے تو ان کے ساتھ اپنی باقی نماز پڑھے پھر بیٹھ جائے اور ان کا انتظار کرے جب وہ اپنی نماز مکمل کر لیں تو ان کے ساتھ سلام پھیرے۔ یہ نماز خوف ادا کرنے کے متعدد طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے نماز خوف کے متعدد طریقے مروی ہیں۔ ان تمام طریقوں سے نماز پڑھنا جائز ہے۔

یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نماز با جماعت دو وجوہ سے فرض عین ہے۔

اول: اللہ تعالیٰ نے خوف کی اس شدید حالت میں یعنی دشمن کے حملہ کے خوف کی حالت میں بھی جماعت کے ساتھ نماز کا حکم دیا ہے۔ جب اس شدید حالت میں بھی جماعت کو واجب قرار دیا ہے تو امن و اطمینان کی حالت میں اس کا واجب ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔

ثانی: نماز خوف ادا کرنے والے نمازی نماز کی بہت سی شرائط اور لوازم کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس نماز میں نماز کو باطل کرنے والے بہت سے افعال کو نظر انداز کر کے ان کو معاف کر دیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ صرف جماعت کے وجوب کی تاکید کی بنا پر ہے، کیونکہ فرض اور مستحب میں کوئی تعارض نہیں۔ اگر جماعت

کے ساتھ نماز کا پڑھنا فرض نہ ہوتا' تو اس کی خاطر نماز کے ان واجبات کو ترک کرنے کی کبھی اجازت نہ دی جاتی۔

آیت کریمہ یہ بھی دلالت کرتی ہے کہ افضل یہ ہے کہ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔ اگر ایسا کرنا کسی خلل کا باعث ہو تو متعدد ائمہ کے پیچھے نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ یہ سب کچھ مسلمانوں کے اجتماع و اتفاق اور ان کے عدم افتراق کی خاطر ہے' تاکہ یہ اتفاق ان کے دشمنوں کے دلوں میں رعب اور ہیبت ڈال دے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے نماز خوف کے اندر مسلح اور ہوشیار رہنے کا حکم دیا ہے۔ نماز خوف میں اگرچہ کچھ زائد حرکات ہوتی ہیں اور نماز کے بعض احوال چھوٹ جاتے ہیں تاہم اس میں ایک راجح مصلحت ہے اور وہ ہے نماز اور جہاد کا اجتماع اور ان دشمنوں سے ہوشیار رہنا جو مسلمانوں پر حملہ کرنے اور ان کے مال و متاع لوٹنے کے سخت حریص ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً ﴾ ''کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں''

پھر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے عذر کو قبول فرمایا جو کسی مرض یا بارش کی وجہ سے اپنا اسلحہ اتار دیتا ہے مگر بایں ہمہ وہ دشمن سے چوکنا ہے۔ ﴿ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضَىٰ أَن تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴾ ''ہاں! اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں اس وقت تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تمہیں تکلیف ہو بوجہ بارش کے یا تم بیمار ہو اور بچاؤ کی چیزیں ساتھ رکھو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے''۔ اور اس کا رسوا کن عذاب یہ ہے کہ اس نے اہل ایمان اور اپنے دین کے موحدین انصار کو حکم دیا ہے کہ وہ ان کو جہاں کہیں پائیں ان کو پکڑیں اور ان کو قتل کریں' ان کے ساتھ جنگ کریں' ان کا محاصرہ کریں' ہر جگہ ان کے لئے گھات لگائیں اور ہر حال میں ان سے چوکنا رہیں۔ ان کی طرف سے کبھی غافل نہ ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ کفار اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ حمد و ثنا ہے کہ اس نے اہل ایمان پر احسان فرمایا اور اس نے اپنی مدد اور تعلیم کے ذریعے سے ان کی تائید فرمائی اگر وہ اس تعلیم پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہوں تو ان کا پرچم کبھی سرنگوں نہیں ہو سکتا اور کسی زمانے میں بھی دشمن ان پر غالب نہیں آ سکتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد: ﴿ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَائِكُمْ ﴾ ''جب وہ سجدہ کر چکیں تو پرے ہو جائیں۔'' دلالت کرتا ہے کہ اس گروہ نے دشمن کے مقابلے میں جانے سے پہلے اپنی نماز مکمل کر لی تھی' اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ سلام پھیرنے سے پہلے دوسرے گروہ کے منتظر تھے' کیونکہ پہلے ذکر فرمایا کہ وہ گروہ نماز میں آپ ﷺ کے ساتھ کھڑا ہو۔ پس آپ ﷺ سے ان کی مصاحبت کی

خبر دی۔ پھر رسول ﷺ کو چھوڑ کر فعل کو ان کی طرف مضاف کیا یہ چیز ہمارے اس موقف پر دلالت کرتی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ ﴾ ''پھر دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی (ان کی جگہ) آئے'' اس امر پر دلیل ہے کہ پہلا گروہ نماز پڑھ چکا تھا۔ اور دوسرے گروہ کی تمام نماز امام کی معیت میں پڑھی گئی۔ ان کی پہلی رکعت حقیقی طور پر امام کے ساتھ تھی اور دوسری حکمی طور پر۔ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ امام ان کا انتظار کرے یہاں تک کہ وہ اپنی نماز مکمل کر لیں پھر ان کے ساتھ سلام پھیرے۔ یہ چیز غور کرنے والے پر صاف واضح ہے۔

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ

پھر جب پوری کر لو تم نماز تو ذکر کرو اللہ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنی کروٹوں پر، پس جب بے خوف ہو جاؤ تم

فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

تو پھر قائم کرو نماز کو (باقاعدہ)، تحقیق نماز ہے مسلمانوں پر فرض مقررہ وقتوں میں ○

جب تم اپنی نماز سے فارغ ہو جاؤ، یعنی نماز خوف وغیرہ سے تو اپنے تمام احوال اور تمام ہیئات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ یہاں یہ حکم خاص طور پر نماز خوف کے بارے میں دیا گیا ہے، جس کے چند فائدے ہیں۔

(۱) قلب کی صلاح و فلاح اور اس کی سعادت، اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی انابت اور اس کے ساتھ محبت میں پنہاں ہے نیز اس بات میں ہے کہ قلب اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی حمد و ثنا سے لبریز رہے۔ سب سے بڑا ذریعہ جس سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے نماز ہے جو درحقیقت بندے اور اس کے رب کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہے۔

(۲) نماز حقائق ایمان اور معارف ایقان پر مشتمل ہے جو اس امر کے موجب ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر دن اور رات کے اوقات میں نماز فرض قرار دے اور معلوم ہے کہ نماز خوف کے ذریعے سے یہ مقاصد حمیدہ حاصل نہیں ہو سکتے، کیونکہ قلب و بدن خوف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی تلافی کے لئے نماز خوف کے بعد ذکر کا حکم دیا ہے۔

(۳) خوف قلب میں قلق کا موجب بنتا ہے جو کہ کمزوری کا باعث ہے۔ جب دل کمزور ہو جاتا ہے تو بدن بھی دشمن کے مقابلے میں کمزور پڑ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی کثرت سب سے بڑی مقویات قلب سے ہے۔

(۴) صبر و استقامت کی معیت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر فوز و فلاح اور دشمنوں کے خلاف فتح و ظفر کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ

﴿ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ (الانفال: ۸/۴۵) ”اے مومنو! اگر تمہارا کفار کی کسی جماعت کے ساتھ مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو شاید کہ تم فلاح پاؤ“۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس حال میں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اللہ تعالیٰ کی دیگر حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

﴿ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ ”پھر جب خوف جاتا رہے تو نماز قائم کرو“ یعنی جب تم خوف سے مامون ہو جاؤ‘ تمہارے دلوں اور تمہارے ابدان کو اطمینان میسر آ جائے تو نماز کو ظاہری اور باطنی طور پر اس کے تمام ارکان وشرائط اور نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ کامل طریقے سے ادا کرو۔ ﴿ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴾ ”نماز مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے“ یعنی اپنے وقت میں فرض کی گئی ہے۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ نماز فرض ہے اور اس کو ادا کرنے کا ایک وقت مقرر کیا گیا ہے اور نماز مقررہ وقت پر پڑھے بغیر قبول نہیں ہوتی۔ نماز کے اوقات وہی ہیں جو تمام مسلمانوں کے ہاں معروف اور متحقق ہیں نماز کے اوقات کو چھوٹے بڑے‘ عالم اور جاہل سب جانتے ہیں انہوں نے یہ اوقات اپنے نبی ﷺ سے اخذ کیے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: (صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ اُصَلِّيْ) ”ویسے ہی نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے“[1]

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ﴿ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ”مومنوں پر“ دلالت کرتا ہے کہ نماز ایمان کی میزان ہے اور بندۂ مومن کے ایمان کی مقدار کے مطابق نماز کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ کفار‘ جو اگرچہ اہل ذمہ کی طرح مسلمانوں کے احکام وقوانین پر عمل کرنے کے پابند ہیں‘ تاہم وہ فروع دین میں مخاطب نہیں مثلاً نماز وغیرہ اس لئے ان کو نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا جا سکتا۔ بلکہ جب تک وہ اپنے کفر پر قائم ہیں ان کی نماز صحیح نہیں البتہ ان کو نماز اور دیگر تمام احکام کو ترک کرنے پر آخرت میں سزا دی جائے گی۔

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ

اور نہ ہمت ہارو تم تلاش میں (دشمن) قوم کی‘ اگر ہو تم دکھ اٹھاتے تو بلاشبہ وہ بھی دکھ اٹھاتے ہیں‘ جیسے تم دکھ اٹھاتے ہو۔

وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع

اور تم امید رکھتے ہو اللہ سے جس کی وہ نہیں امید رکھتے اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا ○

یعنی اپنے دشمن کفار کو طلب کرنے ان کے خلاف جہاد اور ان کے مقابلے میں تیار رہنے میں کمزوری اور سستی کا مظاہرہ نہ کرو‘ کیونکہ دل کی کمزوری بدن کی کمزوری کو دعوت دیتی ہے اور یہ کمزوری دشمن کے مقابلے میں کمزوری کا باعث بنتی ہے بلکہ دشمن کے خلاف جنگ میں چست وچالاک اور طاقتور بنو‘ پھر اللہ تعالیٰ نے ان امور

[1] صحيح البخاري‘ الأذان‘ باب الأذان..... الخ‘ حديث: ٦٣١

کا ذکر فرمایا ہے جو اہل ایمان کے دل کو قوت بخشتے ہیں اور وہ دو چیزیں ہیں۔

اول: جس درد و الم' مشقت' تھکاوٹ اور زخموں وغیرہ کا تمہیں سامنا کرنا پڑتا ہے انہی چیزوں کا سامنا تمہارے دشمن کو بھی کرنا پڑتا ہے' اس لئے انسانی مروت اور اسلامی شجاعت و شہامت کے شایاں نہیں کہ تم ان کے مقابلے میں زیادہ کمزوری کا مظاہرہ کرو جبکہ تمہیں اور ان کو برابر کی تکالیف کا سامنا ہے۔ عادت جاریہ یہ ہے کہ صرف وہی شخص کمزور ہوتا ہے جو نہایت تسلسل کے ساتھ رنج و آلام کا شکار رہا ہو اور دشمن دائمی طور پر اس پر غالب ہو نہ کہ وہ شخص جو کبھی غالب رہا ہو اور کبھی مغلوب۔

ثانی: اللہ تعالیٰ پر جو امید تم رکھتے ہو وہ امید کفار نہیں رکھتے۔ تم اللہ تعالیٰ کے ثواب کے حصول اور اس کے عذاب سے نجات کی امید رکھتے ہو بلکہ خواص اہل ایمان تو اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت' اس کی شریعت کے نفاذ' گمراہوں کی راہ نمائی اور دین کے دشمنوں کے قلع قمع جیسے بلند مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

پس یہ تمام امور صاحب تصدیق مومن کی قوت میں اضافے کا سبب بنتے ہیں' ان سے ان کی چستی اور بہادری کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ جو دنیاوی عزت و جاہ کے حصول کی خاطر جنگ کرتا ہے اور اس میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ وہ اس شخص کی مانند تو نہیں ہو سکتا جو دنیاوی اور اخروی سعادت' اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے حصول کی خاطر لڑتا ہے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں کے درمیان تفاوت رکھا ہے اور اپنے علم اور حکمت کے ذریعے سے ان کے مابین تفریق کی ہے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا﴾ ''اور اللہ سب کچھ جاننا' بڑی حکمت والا ہے۔'' یعنی وہ علم کامل اور حکمت کامل کا مالک ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَلَا

تحقیق ہم نے نازل کی طرف آپ کی کتاب ساتھ حق کے تاکہ فیصلہ کریں درمیان لوگوں کے، ساتھ اس کے جو سکھلایا آپ کو اللہ نے اور نہ

تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾

ہوں آپ خیانت کرنیوالوں کی خاطر، جھگڑنے والے ○ اور بخشش مانگیں اللہ سے 'بیشک ہے اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ○

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ

اور نہ جھگڑا کریں آپ ان لوگوں کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے' تحقیق اللہ نہیں پسند کرتا اس شخص کو جو ہو

خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ

خائن گناہ گار ○ چھپتے ہیں وہ لوگوں سے اور نہیں چھپ سکتے وہ اللہ سے' اور وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے

اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ

جبکہ وہ رات کو مشورہ کرتے ہیں ایسی چیز کا کہ نہیں راضی ہوتا وہ اس بات سے' اور ہے اللہ اسکو جو وہ کرتے ہیں' گھیرنے والا ○ ہاں! تم

هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ
وہی لوگ ہو کہ جھگڑا کیا تم نے انکی طرف سے زندگانی دنیا میں' پس کون جھگڑا کرے گا اللہ سے انکی طرف سے دن
الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ
قیامت کے' یا کون ہوگا ان کی طرف سے وکیل ؟○ اور جو کوئی عمل کرے برا یا ظلم کرے اپنی جان پر پھر
يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ
وہ بخشش مانگے اللہ سے' تو پائے گا اللہ کو بہت بخشنے والا نہایت مہربان○ اور جو شخص کماتا ہے کوئی گناہ' تو بلاشبہ کماتا ہے وہ اسکو
عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ
اپنے ہی خلاف' اور ہے اللہ خوب جاننے والا خوب حکمت والا○ اور جو شخص کرتا ہے کوئی خطا یا کوئی گناہ' پھر
يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ
الزام لگاتا ہے اسکا (کسی) بے گناہ پر' تو تحقیق اپنے ذمے لیا اس نے بہتان اور گناہ ظاہر○ اور اگر نہ ہوتا فضل
اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ
اللہ کا آپ پر اور اسکی رحمت' تو یقیناً ارادہ کر لیا تھا ایک گروہ نے ان میں سے یہ کہ بہکا دے وہ آپکو اور نہیں بہکاتے وہ
اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ؕ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ
مگر اپنے آپ ہی کو اور نہیں نقصان پہنچا سکتے وہ آپ کو کچھ بھی' اور نازل کی اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت
وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ؕ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾
اور سکھایا آپ کو وہ کچھ کہ نہیں تھے آپ جانتے اور ہے فضل اللہ کا آپ پر بہت بڑا○

اللہ تبارک وتعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور رسول پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی یعنی بوقت نزول اس کتاب کو شیاطین کے باطل وسوسوں سے محفوظ و مامون رکھا' بلکہ یہ کتاب عظیم حق کے ساتھ نازل ہوئی اور حق پر ہی مشتمل ہے۔ اس کی خبریں سچی اور اس کے اوامر ونواہی عدل پر مبنی ہیں۔ ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ (الانعام : ۶/ ۱۱۵) ''اور تیرے رب کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہوئیں''۔

اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے اس کتاب کو اس لئے نازل فرمایا تاکہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ کرے۔ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ﴾ (النحل : ۱۶/ ۴۴) ''ہم نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف قرآن نازل کیا تاکہ جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا ہے آپ لوگوں پر واضح کر دیں''۔ اس امر کا بھی احتمال ہے کہ یہ آیت کریمہ لوگوں کے آپس کے اختلافات اور نزاعی مسائل کے فیصلے کے بارے میں نازل ہوئی ہو۔ اور سورۃ النحل کی آیت کریمہ تمام دین' اس کے اصول وفروع کی

تبیین کے بارے میں نازل ہوئی ہو۔ نیز یہ احتمال بھی ہے کہ دونوں آیات کے معنی ایک ہی ہوں۔ تب اس صورت میں لوگوں کے درمیان یہ فیصلہ کرنا' ان کے خون' اموال' عزت و آبرو' حقوق' عقائد اور تمام مسائل و احکام کے فیصلوں کو شامل ہے۔

فرمایا: ﴿ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ﴾ ''اللہ کی ہدایات کے مطابق'' یعنی آپ اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ نہ کریں بلکہ اس الہام اور علم کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ﴾ (النجم: ۵۳/ ۳-۴) ''ہمارا رسول اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ یہ تو وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے''۔

یہ آیت کریمہ اس امر کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان تمام احکام میں معصوم اور محفوظ ہیں جو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو پہنچائے' نیز اس امر کی دلیل ہے کہ فیصلہ کرنے کے لئے علم اور عدل شرط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ﴾ ''اللہ کی ہدایات کے مطابق'' اور یہ نہیں فرمایا: (بِمَا رَأَیْتَ) ''جو آپ نے دیکھا یا جو آپ کی اپنی رائے ہے'' اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کو کتاب اللہ کی معرفت پر مترتب فرمایا ہے۔ چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کے مابین ایسے فیصلے کا حکم دیا ہے جو عدل و انصاف پر مبنی ہو اس لئے ظلم و جور سے منع کیا ہے جو عدل و انصاف کی عین ضد ہے۔ پس فرمایا: ﴿ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا ﴾ ''اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو'' یعنی جس کی خیانت کے بارے میں آپ ﷺ کو علم ہے کہ اس کا دعویٰ ناحق ہے یا وہ کسی کے حق کا انکار کر رہا ہے' اس کی حمایت میں جھگڑا نہ کریں۔ خواہ وہ علم رکھتے ہوئے اس خیانت کا ارتکاب کر رہا ہو یا محض ظن و گمان کی بنا پر۔

آیت کریمہ کے اس حصے میں کسی باطل معاملے میں جھگڑنے اور دینی خصومات اور دنیاوی حقوق میں کسی باطل پسند کی نیابت کی تحریم کی دلیل ہے۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم مخالف دلالت کرتا ہے کہ کسی ایسے شخص کے جھگڑے کی نیابت کرنا جائز ہے جو کسی ظلم میں معروف نہ ہو۔

﴿ وَّ اسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ﴾ ''اور اللہ سے مغفرت طلب کریں۔'' اگر آپ سے کوئی کوتاہی صادر ہوئی ہے تو اس کی بخشش طلب کیجئے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴾ ''بے شک اللہ بہت بخشنے والا' نہایت مہربان ہے'' جو کوئی اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہے اور توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑے بڑے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور اس کے بعد اس کو عمل صالح کی توفیق سے نوازتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ثواب کے حصول اور اس کے عقاب کے زوال کا موجب بنتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ﴾ ''اور آپ ان لوگوں کی

طرف سے مت جھگڑیں جو اپنے نفسوں سے خیانت کرتے ہیں'' (اَلْاِخْتِیَانُ) اور (اَلْخِیَانَةُ) جرم ظلم اور گناہ کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور اس میں اس شخص کی طرف سے جھگڑنا بھی شامل ہے جو کسی ایسے گناہ کا مرتکب ہے جس میں کوئی حد یا تعزیر لازم آتی ہو۔ اس شخص سے جو خیانت وغیرہ صادر ہوئی ہے اس کی مدافعت میں یا اس کو شرعی عقوبت سے بچانے کے لئے اس کی حمایت میں جھگڑا نہ کیا جائے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِیْمًا ﴾ ''کیونکہ اللہ خائن اور مرتکب جرائم کو دوست نہیں رکھتا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے محبت نہیں کرتا جو نہایت کثرت سے خیانت اور گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ جب محبت کی نفی ہو جائے تو اس کی ضد کا اثبات ہوتا ہے اور محبت کی ضد بغض ہے۔ آیت کریمہ کی ابتدا میں مذکور ممانعت کے لئے یہ چیز تعلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔

پھر ان خائن لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا: ﴿ یَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ یُبَیِّتُوْنَ مَا لَا یَرْضٰی مِنَ الْقَوْلِ ﴾ ''وہ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں (لیکن) اللہ سے نہیں چھپ سکتے اور وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب کہ راتوں کے وقت وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں'' یہ ایمان کی کمزوری اور یقین کی کمی ہے کہ ان کے نزدیک مخلوق کا خوف اللہ تعالیٰ کے خوف سے بڑھ کر ہے۔ وہ مباح اور حرام ہر طریقے سے چاہتے ہیں کہ لوگوں کے سامنے ان کی فضیحت نہ ہو۔۔ بایں ہمہ۔۔۔ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس بات کی ذرہ بھر پروا نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دیکھ رہا ہے' حالانکہ وہ اپنے علم کے ذریعے سے ان کے تمام احوال میں ان کے ساتھ ہے خاص طور پر جب وہ رات کے وقت مجرم کی براءت اور بے گناہ پر جرم کے الزام کے بارے میں باتیں اور سازشیں کرتے ہیں' پھر رسول اللہ ﷺ سے اپنی ان سازشوں پر عمل درآمد کروانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہوں نے متعدد جرائم کا ارتکاب کیا مگر انہیں اللہ کا خوف نہ آیا جو زمین و آسمان کا رب ہے' جو ان کے بھیدوں اور سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطًا ﴾ ''اور اللہ ان کے تمام کاموں پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ذریعے سے ان کا احاطہ کر رکھا ہے۔ بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دینے میں جلدی نہیں کی بلکہ ان کو مہلت دی ان کو توبہ کا موقع دیا اور ان کو ان گناہوں پر اصرار کرنے پر ڈرایا جو بہت بڑی سزا کے موجب ہیں۔

﴿ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا فَمَنْ یُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَمْ مَّنْ یَّكُوْنُ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ﴾ ''ہاں تو یہ ہو تم لوگ کہ دنیا میں تم نے ان کی حمایت کی لیکن اللہ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا اور کون ہے جو ان کا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا'' یعنی فرض کیا اس دنیا کی زندگی میں تم نے ان کی طرف سے جھگڑ لیا' تمہاری اس حمایت نے مخلوق کے سامنے ان کو عار اور فضیحت سے بچا لیا۔ تب

قیامت کے روز کون سی چیز انہیں بچائے گی اور وہ اسے کیا فائدہ دے گی؟ اور قیامت کے روز جب حجت ان کے خلاف ہوگی، ان کی زبانیں، ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے کرتوتوں پر گواہی دیں گے، کون ان کی حمایت میں بولے گا؟ ﴿ يَوْمَىِٕذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴾ (النور: ۲۵/۲۴) ''اس روز اللہ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی برحق اور حق کو ظاہر کرنے والا ہے''۔ پس ان کی حمایت میں اس ہستی سے کون جھگڑے گا جو مخفی رازوں کو جانتی ہے جو ان کے خلاف ایسے گواہوں کو کھڑا کرے گی جن کے ہوتے ہوئے کسی کو انکار کی مجال نہ ہوگی؟

اس آیت کریمہ میں اس امر کے مقابلہ کی طرف راہنمائی فرمائی ہے جو ان موہوم دنیاوی مصالح کے مابین، جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کو ترک کرنے اور اس کی منہیات کے ارتکاب پر مترتب ہوتے ہیں اور اس اخروی ثواب کے مابین ہوتا ہے جس سے انسان محروم یا وہاں کے عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ پس جس شخص کو اس کے نفس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے وہ اپنے آپ سے پوچھے ''تو نے سستی اور کوتاہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترک کر دیا تو اس کے عوض تو نے کون سا منافع کمایا؟ اور کتنا اخروی ثواب ہے جو تجھے حاصل ہونے سے رہ گیا؟ اور اللہ کے حکم کو ترک کرنے کے نتیجے میں کتنی بدبختی، محرومی، ناکامی اور خسارے کا سامنا کرنا پڑا؟'' اسی طرح جب اس کا نفس شہوات محرمہ کی طرف بلائے تو وہ اس سے مخاطب ہو کر کہے ''فرض کیا جس چیز کی تو نے خواہش کی میں نے پوری کر دی، اس کی لذت تو ختم ہو جائے گی مگر یہ لذت اپنے پیچھے اتنے غم و ہموم، حسرتیں، ثواب سے محرومیاں اور عذاب چھوڑ جائے گی کہ ان کا کچھ حصہ بھی عقلمند شخص کو ان لذتوں کی طرف بڑھنے سے روکنے کے لیے کافی ہوتا ہے''۔

یہی وہ سب سے بڑی چیز ہے جس میں تدبر بندے کے لئے فائدہ مند ہے۔ یہی حقیقی عقل مندی کی خصوصیت ہے، اس شخص کے برعکس جو عقل مندی کا دعویٰ کرتا ہے مگر وہ عقلمند ہوتا نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے ظلم و جہالت کی وجہ سے دنیا کی لذت و راحت کو ترجیح دیتا ہے خواہ اس پر کیسے ہی نتائج مرتب کیوں نہ ہوں۔۔۔ واللہ المستعان

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾ ''اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کر لے، پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' یعنی جو کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جرأت کرتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے ایسی مغفرت طلب کرتا ہے جو گناہ کے اقرار، اس پر پشیمانی، اس گناہ سے رک جانے اور اس گناہ کو دوبارہ نہ کرنے کے عزم کو مستلزم ہے تو ایسے ہی شخص کے ساتھ اس ہستی نے مغفرت اور رحمت کا وعدہ کیا ہے جو وعدہ خلافی نہیں کرتی۔

پس اس سے جو گناہ صادر ہو چکا ہوتا ہے وہ اس کو معاف کر دیتا ہے نیز اس عیب اور نقص کو اس سے زائل کر

دیتا ہے جو اس گناہ پر مترتب ہوتا ہے اور اس کے سابقہ اعمال صالحہ اس کو لوٹا دیتا ہے اور مستقبل میں اسے مزید اعمال صالحہ کی توفیق عطا کرتا ہے۔ اس کے اور اپنی توفیق کے درمیان اس کے گزشتہ گناہ کو حائل نہیں ہونے دیتا۔ کیونکہ اس نے اس گناہ کو بخش دیا ہے اور جب وہ گناہ کو بخش دیتا ہے تو وہ ہر اس چیز کو بخش دیتا ہے جو اس گناہ کے نتیجے میں مرتب ہوتی ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ''برا عمل'' علی الاطلاق تمام گناہوں کو' خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں' شامل ہے اور (سوء) ''برائی'' اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ برے عمل کے مرتکب کو اس پر مترتب ہونے والا عذاب برا لگتا ہے۔ نیز برا عمل فی نفسہ برا ہے' اچھا نہیں ہے۔ اسی طرح نفس کا ظلم علی الاطلاق شرک اور اس سے کم تر ظلم وغیرہ سب کو شامل ہے' مگر ان میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ مقرون کیا جائے تو ہر ایک کی اس کے مناسب حال تفسیر کی جائے گی۔

یہاں برے عمل کی تفسیر ''ظلم'' کی جائے گی جو لوگوں کو برا لگتا ہے اور وہ ہے خون' مال اور عزت و ناموس میں ان کا ایک دوسرے پر ظلم۔ اور نفس کے ظلم کی تفسیر ''ظلم اور گناہ'' بیان کی جائے گی جس کا تعلق اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہے۔ نفس کے ظلم کو ظلم اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ انسان اپنے نفس کا مالک نہیں کہ وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے۔ انسان کے نفس کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے' اس نے یہ نفس اپنے بندے کو امانت کے طور پر عطا کر کے اسے حکم دیا ہے کہ وہ اسے انصاف وعدل کی راہ پر گامزن کرے اور علم وعمل کے اعتبار سے اس سے صراط مستقیم کا التزام کروائے۔ جس چیز کا اسے حکم دیا گیا ہے وہ اسے سکھائے اور جو اس پر واجب ہے اس سے اس پر عمل کروائے۔ اس کے علاوہ کسی اور راستے میں اس کی سعی اور کوشش اپنے نفس پر ظلم' خیانت اس عدل کے راستے سے انحراف ہے جس کی ضد ظلم و جور ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ ﴾ ''اور جو شخص گناہ کرتا ہے اس کا بوجھ اسی پر ہے'' اس میں ہر قسم کا چھوٹا بڑا گناہ شامل ہے۔ جو کوئی کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی دنیاوی اور اخروی سزا صرف اسی کے لئے ہے یہ سزا کسی اور کی طرف منتقل نہ ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى ﴾ (الانعام: ٦/ ١٦٤) ''کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''۔ مگر جب برائیاں غالب آ جائیں اور ان پر نکیر نہ کی جائے تو ان کا عذاب عام ہو جاتا ہے اور ان کے گناہ میں سب شامل ہو جاتے ہیں اور کوئی شخص اس آیت کے حکم سے خارج نہیں کیونکہ جو کوئی برائیوں پر نکیر نہیں کرتا جبکہ ایسا کرنا واجب ہے' تو وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے عدل و حکمت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کسی دوسرے کے گناہ کی سزا نہیں دیتا اور نہ کسی کو اس کے جرم سے بڑھ کر سزا دیتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴾

''اور اللہ بخوبی جاننے والا بہت حکمت والا ہے''یعنی وہ علم کامل اور حکمت تامہ کا مالک ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا علم و حکمت ہے کہ اسے گناہ کا علم ہے اسے یہ بھی علم ہے کہ گناہ کس سے صادر ہوا۔ اس گناہ کا داعیہ کیا تھا اور اس گناہ پر کیا سزا مترتب ہوگی۔ وہ گناہ کے مرتکب کے احوال کو بھی خوب جانتا ہے کہ اگر اس سے یہ گناہ نفس امارہ کے داعیہ کے غلبہ سے صادر ہوا اور وہ اپنے اکثر اوقات میں توبہ و انابت کے ذریعے سے اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ اسے بخش دے گا اور اسے توبہ کی توفیق عطا کرے گا اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی نظر کا استخفاف اور اس کے عذاب کی تحقیر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے محارم کے ارتکاب کی جرأت کی ہے تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور توبہ کی توفیق سے بہت دور ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً ﴾ ''جو شخص کبیرہ یا صغیرہ گناہ تو خود کرے'' ﴿ ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ ﴾ ''پھر اس سے کسی (بے گناہ) کو متہم کرے۔''یعنی اپنے گناہ کو کسی اور کے سر تھوپ دے ﴿ بَرِيْٓـًٔا ﴾ ''جو اس گناہ سے بری ہے''۔ خواہ اس نے کسی اور گناہ کا ارتکاب کیوں نہ کیا ہو ﴿ فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴾ ''تو اس نے بہت بڑا بہتان باندھا اور کھلا گناہ کیا''یعنی اس نے بے گناہ پر لگائے گئے بہتان کے گناہ کا بوجھ بھی اٹھا لیا اور اس ظاہری گناہ کا بوجھ بھی جس کا اس نے ارتکاب کیا۔ یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ بہتان ہلاک کرنے والے کبائر میں شمار ہوتا ہے' کیونکہ اس میں متعدد مفاسد جمع ہیں:

(۱) گناہ کبیرہ کا ارتکاب۔ (۲) پھر اس گناہ کا بہتان اس شخص پر لگا دینا جو بے گناہ ہے۔ (۳) پھر اپنے آپ کو بے گناہ اور بے گناہ کو گناہ گار ثابت کرنے کے لئے جھوٹ بولنا۔ (۴) پھر اس گناہ پر جو دنیاوی عقوبت مترتب ہوتی ہے وہ عقوبت ایک بے گناہ پر نافذ کرا دینا اور خود کو سزا سے بچا لینا حالانکہ وہ حقیقی مجرم ہے۔ (۵) پھر بے گناہ شخص کے بارے میں لوگوں کی باتیں اور دیگر مفاسد۔

ان تمام مفاسد اور ہر ایک شر سے ہم اللہ تعالیٰ کی عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول پر اس احسان کا ذکر فرمایا کہ اس نے آپ کو ان لوگوں کے ارادوں سے محفوظ رکھا جو آپ کو گمراہ کرنا چاہتے تھے۔ ﴿ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ﴾ ''اگر اللہ کا فضل و رحم آپ پر نہ ہوتا تو ان کی ایک جماعت نے آپ کو بہکانے کا قصد کر ہی لیا تھا''

ان آیات کریمہ کے بارے میں اصحاب تفسیر ذکر کرتے ہیں کہ ان کا سبب نزول یہ ہے کہ ایک گھرانے نے مدینہ میں چوری کا ارتکاب کیا۔ جب چوری کی اطلاع لوگوں کو ہوئی تو انہوں نے فضیحت اور رسوائی سے ڈرتے ہوئے چوری کا سامان کسی بے گناہ شخص کے گھر پھینک دیا۔ پھر چور نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے مدد طلب کی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر لوگوں کے سامنے اسے بری کروائیں۔ اس کے قبیلہ والوں نے رسول

اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ان کے آدمی نے چوری نہیں کی۔ چوری تو اس شخص نے کی ہے جس کے گھر سے مسروقہ سامان برآمد ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے آدمی کو بری قرار دینے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے حقیقت حال بیان کرنے اور رسول اللہ ﷺ کو خیانت کاروں کی حمایت کرنے سے بچانے کے لئے یہ آیات نازل فرمائیں کیونکہ باطل پسندوں کی حمایت کرنا گمراہی ہے۔ گمراہی کی دو اقسام ہیں۔

(۱) علم میں گمراہی' یہ حق سے لاعلمی اور جہالت کا نام ہے۔

(۲) عمل میں گمراہی' عمل واجب کے خلاف عمل کرنا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس نوع کی گمراہی سے اسی طرح محفوظ رکھا جس طرح اس نے آپ ﷺ کو عمل کی گمراہی سے محفوظ و مصون رکھا ہے' نیز اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ ان کا مکر و فریب انہی کی طرف لوٹے گا جیسا کہ ہر فریبی کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَمَا يُضِلُّونَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ ﴾ ''وہ اپنے آپ کو ہی گمراہ کرتے ہیں'' کیونکہ اس فریب اور حیلہ سازی سے انہیں اپنا مقصد حاصل نہ ہو سکا اور انہیں سوائے ناکامی' محرومی' گناہ اور خسارے کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ پر بہت بڑی نعمت ہے جو نعمت عمل کو متضمن ہے اور یہ اس فعل کی توفیق ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور ہر قسم کے محرمات سے آپ ﷺ کی حفاظت ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر اپنی نعمت علم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ ''اور اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت نازل فرمائی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر قرآن عظیم اور ذکر حکیم نازل فرمایا جس میں ہر چیز کا بیان اور اولین و آخرین کا علم ہے۔

حکمت سے مراد یا تو سنت ہے جس کے بارے میں سلف میں سے کسی کا قول ہے کہ سنت بھی رسول اللہ ﷺ پر وحی کے ذریعے سے نازل ہوتی ہے جیسے قرآن نازل ہوتا ہے یا اس سے مراد اسرار شریعت کی معرفت ہے جو احکام شریعت کی معرفت سے زائد چیز ہے' نیز اس سے مراد تمام اشیاء کو ان کے اپنے اپنے مقام پر رکھنا اور ہر شے کو اس کے مطابق ترتیب دینا ہے۔ فرمایا: ﴿ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ﴾ ''اور آپ کو وہ (کچھ) سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے'' یہ ان تمام امور کو شامل ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا۔ ورنہ نبوت سے قبل آپ ﷺ کے جو احوال تھے ان کا وصف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ ﴾ (الشوری: ۵۲/۴۲) ''آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟'' اور فرمایا: ﴿ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ﴾ (الضحی: ۷/۹۳) ''اور اس نے آپ کو رستے سے ناواقف پایا تو سیدھا راستہ دکھایا''۔ پھر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی طرف وحی بھیجتا رہا' آپ کو علم سکھاتا رہا اور آپ کے علم کی تکمیل کرتا رہا یہاں

تک کہ آپ ﷺ علم کے ایسے مقام پر فائز ہو گئے کہ اولین و آخرین وہاں تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ علی الاطلاق مخلوق میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے' صفات کمال کے سب سے زیادہ جامع اور ان صفات میں سب سے زیادہ کامل تھے بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴾ ''اللہ کا آپ پر بڑا بھاری فضل ہے'' اللہ تعالیٰ کا فضل مخلوق میں سب سے زیادہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کی ہر جنس سے آپ ﷺ کو نوازا ہے جن کی تہہ تک پہنچنا ناممکن اور ان کو شمار کرنا آسان نہیں۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ

نہیں ہے کوئی بھلائی اکثر میں ان کی سرگوشیوں سے' مگر جو شخص حکم دے صدقے کا یا نیکی کا یا صلح کرانے کا

بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ

درمیان لوگوں کے' اور جو شخص کرے یہ تلاش کرنے کے لیے رضامندی اللہ کی' تو عنقریب ہم دیں گے اسکو

اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾

اجر بہت بڑا۔

یعنی بہت سی ایسی سرگوشیاں جو لوگ آپس میں کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہیں ان میں کوئی بھلائی نہیں اور جس کلام میں کوئی بھلائی نہ ہو تو وہ یا تو بے فائدہ کلام ہوتا ہے مثلاً فضول مگر مباح بات چیت' یا وہ محض شر ہوتا ہے مثلاً محرم کلام کی تمام اقسام' پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے استثناء بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ ﴾ ''ہاں وہ شخص جو صدقہ کا حکم دے۔'' یعنی اس میں سے وہ شخص مستثنیٰ ہے جو مال' علم یا کسی اور منفعت میں صدقہ کا حکم دیتا ہے۔ بلکہ شاید بعض چھوٹی عبادات بھی اس زمرے میں شمار ہوتی ہیں' مثلاً تسبیح و تحمید وغیرہ۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ''ہر تسبیح صدقہ ہے' ہر تکبیر صدقہ ہے' ہر تہلیل صدقہ ہے' نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے' برائی سے روکنا صدقہ ہے اور تم میں سے کسی کا اپنی بیوی کے پاس جانا بھی صدقہ ہے''۔ الحدیث۔ ①

﴿ اَوْ مَعْرُوْفٍ ﴾ ''یا نیک بات'' معروف سے مراد بھلائی اور نیکی ہے اور ہر وہ کام' جسے شریعت نے نیکی قرار دیا اور عقل نے اس کی تحسین کی' معروف کے زمرے میں آتا ہے جب ''امر بالمعروف'' کا لفظ ''نہی عن المنکر'' کے ساتھ ملائے بغیر استعمال کیا جائے تو برائی سے روکنا اس میں شامل ہوتا ہے کیونکہ منہیات کو ترک کرنا بھی نیکی ہے' نیز بھلائی اس وقت تک تکمیل نہیں پاتی جب تک کہ برائی کو ترک نہ کر دیا جائے اور جب ''امر بالمعروف'' اور ''نہی عن المنکر'' کا ایک ساتھ ذکر ہو تو ''معروف'' سے مراد ہر وہ کام ہے جس کا شریعت میں حکم دیا

① صحیح مسلم' الزکاۃ' حدیث: ۱۰۰۶

گیا ہو "منکر" سے مراد ہر وہ کام ہے جس سے شریعت میں روکا گیا ہو۔

﴿ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ﴾ "یا لوگوں کے مابین صلح کرانے کا حکم کرے" اور اصلاح صرف دو جھگڑنے والوں کے درمیان ہی ہوتی ہے۔ نزاع، جھگڑا، مخاصمت اور آپس میں ناراضی اس قدر شر اور تفرقہ کا باعث بنتے ہیں جس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پس اسی لئے شارع نے لوگوں کو ان کے قتل، مال، اور عزت ناموس کے جھگڑوں میں اصلاح کی ترغیب دی ہے بلکہ تمام ادیان میں اس کی ترغیب دی گئی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ (آل عمران: ۱۰۳/۳) "سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔" فرمایا: ﴿ وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا فَاِنْۢ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ﴾ (الحجرات: ۹/۴۹) "اگر مومنوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرا دو اگر ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے" اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ (النساء: ۱۲۸/۴) "اور صلح اچھی چیز ہے"۔

لوگوں کے درمیان صلح کروانے والا اس شخص سے بہتر ہے جو کثرت سے (نفلی) نماز، روزے اور صدقہ کا اہتمام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والے کے عمل اور کوشش کی اصلاح کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فساد ڈالنے والے کے عمل اور کوشش کی اصلاح نہیں کرتا اور نہ اس کا مقصد پورا کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ (یونس: ۸۱/۱۰) "اللہ فساد کرنے والوں کے کام کی اصلاح نہیں کرتا"۔

یہ تمام افعال جہاں کہیں بھی بجا لائے جائیں گے بھلائی کے زمرے میں آئیں گے، جیسا کہ یہ استثناء دلالت کرتا ہے۔ مگر پورا اور کامل اجر بندے کی نیت پر منحصر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ "اور جو شخص اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادہ سے یہ کام کرے اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے" بنا بریں بندے کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو مدنظر رکھے اور ہر وقت چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرے تاکہ اسے اجر عظیم حاصل ہو، تاکہ اس میں اخلاص کی عادت راسخ ہو اور وہ اہل اخلاص کے زمرے میں شمار ہو اور اس کے اجر کی تکمیل ہو خواہ اس کے مقصد کی تکمیل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو کیونکہ اس نے اس نیک مقصد کی نیت کی تھی اور امکان بھر اس پر عمل بھی کیا تھا۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ

اور جو شخص مخالفت کرے رسول کی 'بعد اسکے کہ واضح ہو گئی اس کیلئے ہدایت اور پیروی کرے سوائے راستے کے

الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ

مسلمانوں کے تو پھیر دیں گے ہم اسے جدھر پھرتا ہے اور داخل کریں گے اسکو جہنم میں 'اور بری جگہ ہے وہ پھرنے کی ○ یقیناً اللہ

لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَنْ يُّشْرِكْ

نہیں بخشے گا یہ کہ شرک کیا جائے اسکے ساتھ اور بخش دے گا جو علاوہ ہے اسکے 'جس کیلئے چاہے گا اور جو شخص شریک ٹھہرائے

بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۱۱۶﴾

اللہ کیساتھ پس تحقیق گمراہ ہو گیا وہ گمراہ ہونا دور کا ○

یعنی جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا ہے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت میں آپ سے عناد رکھتا ہے ﴿مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى﴾ ''سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد'' یعنی دلائل قرآنی اور براہین نبوی کے ذریعے سے ہدایت کا راستہ واضح ہو جانے کے بعد ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور مومنوں کے راستے کے خلاف چلے'' اہل ایمان کے راستے سے مراد ان کے عقائد و اعمال ہیں ﴿نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى﴾ ''ہم اس کو پھیر دیتے ہیں اسی طرف جس طرف وہ پھرتا ہے'' یعنی ہم اسے اور اس چیز کو جو اس نے اپنے لئے اختیار کی ہے چھوڑ کر اس سے الگ ہو جاتے ہیں اور ہم اسے بھلائی کی توفیق سے محروم کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اس نے حق کو جان بوجھ کر ترک کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی جزا عدل و انصاف پر مبنی ہے کہ وہ اسے اس کی گمراہی میں حیران و پریشان چھوڑ دیتا ہے اور وہ اپنی گمراہی میں بڑھتا ہی چلا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ﴾ (الصف : ٦١/٥) ''جب انہوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا''۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (الانعام : ٦/١١٠) ''اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پلٹ دیں گے جیسے وہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہ لائے تھے (اب بھی ایمان نہ لائیں گے)''۔

اس آیت کریمہ کا مفہوم مخالف دلالت کرتا ہے کہ جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت نہیں کرتا اور مومنین کے راستے کی اتباع کرتا ہے۔ اس کا مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا' رسول اللہ ﷺ کی اتباع' اور مسلمانوں کی جماعت کی معیت کا التزام کرنا ہے' تب اگر اس سے کوئی گناہ صادر ہوتا ہے یا نفس کے تقاضے اور طبیعت کے غلبے کی بنا پر گناہ کا ارادہ کر بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے نفس کے حوالے نہیں کرتا بلکہ اپنے لطف و کرم سے اس کا تدارک کر دیتا ہے اور اسے برائی سے بچا کر اس پر احسان کرتا ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جناب یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ﴾ (یوسف : ١٢/٢٤) ''تاکہ ہم اس طرح اس سے برائی اور بے حیائی کو روک دیں بلاشبہ وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں

میں سے تھا‘‘۔ یعنی یوسف علیہ السلام کے اخلاص کے سبب سے ان سے برائی کو دور کر دیا اور اللہ تعالیٰ اپنے ہر چنے ہوئے بندے کے ساتھ یونہی کرتا ہے‘ جیسا کہ علت کی عمومیت اس پر دلالت کرتی ہے۔

﴿ وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ﴾ ’’اور ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے۔‘‘ یعنی ہم جہنم میں اسے بہت بڑے عذاب سے دوچار کریں گے ﴿ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴾ ’’اور وہ بری جگہ ہے۔‘‘ یعنی انجام کار یہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ یہ وعید‘ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کی مخالفت پر مرتب ہوتی ہے گناہ کے چھوٹا بڑا ہونے کے اعتبار سے اس کے بہت سے مراتب ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ ان میں سے بعض مراتب ایسے ہیں جو جہنم میں خلود کا باعث ہوں گے۔ باقی تمام اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور دوری کا موجب ہیں۔

بعض گناہوں کا مرتبہ کمتر ہے۔ شاید دوسری آیت اس آیت کریمہ کے اطلاق کی تفصیل کی طرح ہے۔ یعنی شرک کو اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بخشے گا کیونکہ شرک اللہ رب العالمین‘ اور اس کی توحید میں نقص اور مخلوق کو‘ جو خود اپنے نفع و نقصان کی مالک نہیں‘ اس اللہ کے برابر قرار دینا ہے جو نفع و نقصان کا مالک ہے‘ ہر قسم کی نعمت صرف اسی کی طرف سے ہے‘ تمام تکلیفوں کو صرف وہی دور کرنے والا ہے ہر اعتبار سے کمال مطلق اور تمام وجوہ سے غنائے تام کا وہی مالک ہے۔ سب سے بڑا ظلم اور سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ جس ہستی کی یہ عظمت و شان ہو‘ اس کی عبادت کے لئے اخلاص نہ ہو اور جو صفات کمال اور صفات غنا میں سے کسی چیز کی بھی مالک نہ ہو‘ بلکہ وہ عدم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کا وجود نیست ہے‘ کمال نیست ہے‘ بے نیازی نیست ہے اور ہر لحاظ سے محتاج ہی محتاج ہے۔

وہ گناہ جو شرک سے کمتر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اپنی رحمت اور حکمت سے ان گناہوں کو بخش دے گا اور اگر چاہے گا تو اپنے عدل و حکمت سے ان کو عذاب دے گا۔

اس آیت کریمہ سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ اجماع امت حجت ہے نیز یہ کہ وہ خطا سے محفوظ ہے۔ اس استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے راستے کی مخالفت کرنے پر جہنم اور خذلان کی وعید سنائی ہے اور مومنین کا راستہ مفرد اور مضاف ہے جو ان عقائد و اعمال پر مشتمل ہے جن پر تمام اہل ایمان عمل پیرا ہیں۔ جب تمام اہل ایمان کسی چیز کے وجوب‘ استحباب‘ تحریم‘ کراہت یا جواز پر متفق ہیں تو یہی ان کا راستہ ہے۔ اور جو کوئی اہل ایمان کے کسی چیز پر انعقاد اجماع کے بعد ان کی مخالفت کرتا ہے تو وہ اہل ایمان کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے پر گامزن ہے۔ اجماع امت کے حجت ہونے پر یہ آیت کریمہ بھی دلالت کرتی ہے ﴿ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ (آل عمران : ۳/ ۱۱۰) ’’تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی ہدایت کے لئے پیدا کی گئی ہو تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو‘‘۔ اس آیت کریمہ میں استدلال کا پہلو یہ ہے کہ اس امت کے اہل ایمان صرف نیکی ہی کا حکم دیتے ہیں‘ لہٰذا جب وہ کسی

چیز کے وجوب یا استحباب پر متفق ہو جاتے ہیں تو یہ گویا وہ چیز ہے جس کا انہیں حکم دیا گیا۔ پس آیت کریمہ کی نص سے متعین ہو گیا کہ وہ معاملہ معروف ہی ہو گا اور معروف کے علاوہ جو کچھ ہے وہ منکر ہے۔ اسی طرح جب وہ کسی چیز سے منع کرنے پر متفق ہو جاتے ہیں تو وہ انہی باتوں میں سے ہے جن سے انہیں روکا گیا ہے' پس وہ یقیناً منکر ہے۔ اسی کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (البقرة: ۱۴۳/۲) ''اور اسی طرح ہم نے تمہیں ''امت وسط'' بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو''۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ اس نے اس امت کو معتدل اور بہترین امت بنایا ہے تاکہ وہ ہر چیز کے بارے میں لوگوں پر گواہ بنیں۔ جب وہ کسی حکم کے بارے میں یہ گواہی دیں کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے یا اس نے اس کو مباح قرار دیا ہے' تو ان کی شہادت معتبر اور معصوم ہے کیونکہ وہ جس چیز کی شہادت دے رہے تھے اس کا علم رکھتے ہیں اور اپنی شہادت میں عادل ہیں۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو وہ اپنی شہادت میں عادل اور اس کا علم رکھنے والے نہ ہوتے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی اس کی نظیر ہے ﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ﴾ (النساء: ۵۹/۴) ''اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو جائے تو معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو''۔

اس آیت کریمہ سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جس معاملہ میں انکے درمیان کوئی اختلاف نہیں بلکہ اتفاق ہے' اسے وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانے پر مامور نہیں ہیں۔ ایسا معاملہ قرآن اور سنت کے موافق ہی ہو گا' مخالف نہیں ہو سکتا۔ ان دلائل سے قطعی طور پر یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اس امت کا اجماع حجت ہے۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی گمراہی کی برائی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿۱۱۷﴾ ۙ

نہیں پکارتے وہ اس (اللہ) کے سوا' مگر عورتوں کو اور نہیں پکارتے وہ مگر شیطان سرکش کو ○

لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ ۙ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ

لعنت کی اس پر اللہ نے' اور کہا اس (شیطان) نے البتہ ضرور لوں گا میں تیرے بندوں میں سے ایک حصہ مقرر ○ اور ضرور گمراہ کروں گا میں انکو

وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ

اور امیدیں دلاؤں گا انکو اور ضرور حکم دوں گا میں انکو پس چیریں گے وہ کان چوپایوں کے اور یقیناً حکم دوں گا میں انکو پس ضرور تبدیل کریں گے وہ

خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا

بناوٹ اللہ کی' اور جو بناتا ہے شیطان کو دوست سوائے اللہ کے' پس تحقیق خسارہ اٹھایا اس نے خسارہ

مُّبِيْنًا ﴿۱۱۹﴾ ۭ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓئِكَ

ظاہر ○ وعدہ دیتا ہے وہ (شیطان) انکو اور امیدیں دلاتا ہے انہیں اور نہیں وعدہ دیتا انہیں شیطان مگر دھوکے کا ○ یہ لوگ ہیں

وقف لازم

مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿۱۲۱﴾

ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور نہیں پائیں گے وہ اس (جہنم) سے کوئی بھاگنے کی جگہ ○

یعنی یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کو پکارتے ہیں سب مؤنث ہیں یعنی لوگ جن بتوں کو پوجتے ہیں وہ عورتوں جیسے ناموں سے موسوم ہیں مثلاً ''عزیٰ'' اور ''مناۃ'' وغیرہ۔ یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ اسم اپنے مسمی پر دلالت کرتا ہے اور جب ان بتوں کے نام مؤنث اور ناقص ہیں تو یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ ان اسماء کے مسمیات بھی ناقص اور صفات کمال سے محروم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر فرمایا ہے کہ یہ بت کوئی چیز تخلیق کر سکتے ہیں نہ رزق عطا کر سکتے ہیں نہ وہ اپنے عبادت گزاروں کی کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں بلکہ وہ تو اپنی ذات تک کے نفع و نقصان کے مالک نہیں اور اگر کوئی ان کو نقصان پہنچانا چاہے تو یہ اپنی مدد کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ ان میں سماعت ہے نہ بصارت اور نہ سوچنے سمجھنے کی قوت۔ جس کے یہ اوصاف ہوں وہ کیسے عبادت کا مستحق ہوسکتا ہے اور اس ہستی کے لئے اخلاص کو کیسے ترک کیا جا سکتا ہے جو اسمائے حسنیٰ، صفات علیا، حمد و کمال، مجد و جلال، غلبہ و جمال، رحمت و احسان، تخلیق و تدبیر میں منفرد اور امر و تقدیر میں عظیم حکمت کی مالک ہے۔

کیا یہ بدترین قباحت نہیں ہے جو ان ہستیوں کے نقص پر دلالت کرتی ہے اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ان کی پرستش خساست و دناءت کے اس انتہائی نچلے درجے پر پہنچی ہوئی ہے جس کا کوئی تصور کر سکتا ہے نہ کوئی بیان کرنے والا بیان کر سکتا ہے؟ بایں ہمہ یہ لوگ جو ان ناقص بتوں کی عبادت کرتے ہیں محض ان کی شکل و صورت کی عبادت کرتے ہیں ورنہ درحقیقت وہ شیطان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کا دشمن ہے اور وہ ان کو ہلاک کرنا چاہتا ہے اور اس مقصد کے لئے وہ بھرپور کوشش کر رہا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ملعون قرار دے کر اپنی رحمت سے بہت دور کر دیا ہے۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی رحمت سے دور کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ ﴾ (فاطر: ۶/۳۵) ''وہ تو اپنے پیروکاروں کے گروہ کو محض اس لئے بلاتا ہے تاکہ وہ جہنم والے بن جائیں''۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو گمراہ کرنے، شر اور فساد کو ان کے لئے مزین کرنے کی شیطانی کوششوں کے بارے میں خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ شیطان نے قسم کھا کر اپنے رب سے کہا ہے: ﴿ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴾ ''میں ضرور لوں گا تیرے بندوں سے حصہ مقررہ'' یعنی مقدر کیا ہوا حصہ۔ شیطان لعین کو علم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں پر اس کا کوئی زور نہیں چلتا۔ اس کا بس تو صرف اسی پر چلتا ہے جو اسے اپنا سرپرست بناتا ہے اور اس کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ترجیح دیتا ہے۔

ایک اور مقام پر وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ وہ ضرور ان کو گمراہ کرے گا ﴿ لَاُغۡوِيَنَّهُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ۝ اِلَّا عِبَادَكَ مِنۡهُمُ الۡمُخۡلَصِيۡنَ ﴾ (صٓ : ۳۸/۸۲-۸۳) ''میں ضرور ان سب کو بہکاتا رہوں گا سوائے ان کے جو تیرے چنے ہوئے بندے ہیں''۔

یہ شیطان خبیث کا خیال تھا جس کو اس نے نہایت جزم کے ساتھ ظاہر کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اس کے وقوع کی خبر دی ہے۔ ﴿ وَلَقَدۡ صَدَّقَ عَلَيۡهِمۡ اِبۡلِيۡسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوۡهُ اِلَّا فَرِيۡقًا مِّنَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴾ (سبا : ۳۴/۲۰) ''اور ابلیس نے ان کے بارے میں اپنا قول سچ کر دکھایا کہ اہل ایمان کے ایک گروہ کے سوا سب نے اس کی پیروی کی''۔ یہی وہ مقررہ حصہ ہے جس کے بارے میں شیطان نے قسم کھا رکھی ہے کہ وہ ان سے ضرور حاصل کر کے رہے گا۔ اس نے بتا دیا ہے کہ وہ ان سے کیا چاہتا ہے اور ان کے بارے میں اس کے کیا مقاصد ہیں۔ ﴿ وَّلَاُضِلَّنَّهُمۡ ﴾ ''اور میں انہیں گمراہ کرتا رہوں گا'' یعنی میں انہیں صراط مستقیم سے بھٹکاؤں گا اور علم و عمل میں انہیں گمراہ کر کے رہوں گا۔ ﴿ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمۡ ﴾ ''اور انہیں امیدیں دلاتا رہوں گا'' یعنی میں ان کو گمراہ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ امیدیں بھی دلاتا رہوں گا کہ انہیں وہ سب کچھ حاصل ہوگا جو ہدایت یافتہ لوگوں کو حاصل ہوتا ہے اور یہ عین فریب ہے۔ پس اس نے ان کو مجرد گمراہ کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے اس گمراہی کو ان کے سامنے آراستہ کیا جس میں وہ مبتلا ہوئے اور یہ ان کی برائی میں مزید اضافہ ہے کہ انہوں نے اہل جہنم کے اعمال کیے جو عذاب کے موجب ہیں اور سمجھتے رہے کہ یہ اعمال انہیں جنت میں لے جائیں گے۔

ذرا یہود و نصاریٰ وغیرہ کا حال دیکھو ان کا وہی رویہ ہے جس کی بابت اللہ نے خبر دی، انہوں نے کہا: ﴿ لَنۡ يَّدۡخُلَ الۡجَنَّةَ اِلَّا مَنۡ كَانَ هُوۡدًا اَوۡ نَصٰرٰى ؕ تِلۡكَ اَمَانِيُّهُمۡ ﴾ (البقرہ : ۲/۱۱۱) ''یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی شخص جنت میں نہیں جائے گا یہ ان کی محض باطل آرزوئیں ہیں''۔ فرمایا: ﴿ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمۡ ﴾ (الانعام : ۶/۱۰۸) ''اسی طرح ہم نے ہر گروہ کے عمل کو ان کے سامنے آراستہ کر دیا ہے''۔ اور فرمایا: ﴿ قُلۡ هَلۡ نُنَبِّئُكُمۡ بِالۡاَخۡسَرِيۡنَ اَعۡمَالًا ۝ اَلَّذِيۡنَ ضَلَّ سَعۡيُهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَهُمۡ يَحۡسَبُوۡنَ اَنَّهُمۡ يُحۡسِنُوۡنَ صُنۡعًا ﴾ (الکھف : ۱۸/۱۰۳-۱۰۴) ''کہہ دو کہ کیا ہم تمہیں بتائیں کہ اعمال کے لحاظ سے خسارے میں کون ہیں؟ وہ لوگ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں''۔ اللہ تعالیٰ منافقین کے بارے میں فرماتا ہے کہ قیامت کے روز وہ اہل ایمان سے کہیں گے: ﴿ اَلَمۡ نَكُنۡ مَّعَكُمۡ ؕ قَالُوۡا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمۡ فَتَنۡتُمۡ اَنۡفُسَكُمۡ وَتَرَبَّصۡتُمۡ وَارۡتَبۡتُمۡ وَغَرَّتۡكُمُ الۡاَمَانِىُّ حَتّٰى جَآءَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمۡ بِاللّٰهِ الۡغَرُوۡرُ ﴾ (الحدید : ۵۷/۱۴) ''کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اہل ایمان جواب دیں گے کیوں نہیں مگر تم نے اپنے تئیں فتنے میں ڈال لیا تھا اور ہمارے بارے میں حوادث زمانہ کے

منتظر تھے اور تم شک میں مبتلا ہوئے۔ تمہیں آرزوؤں نے فریب میں مبتلا کیے رکھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آگیا اور دھوکے باز (شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں فریب دیتا رہا۔‘‘

﴿ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ ﴾ ’’اور یہ حکم دیتا رہوں گا کہ جانوروں کے کان چیرتے رہیں۔‘‘ یعنی میں ان کو مویشیوں کے کان کاٹنے کا حکم دوں گا (تاکہ علامت بن جائے کہ یہ غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا جانور ہے) مثلاً ’’بحیرہ‘‘ ’’سائبہ‘‘ ’’وصیلہ‘‘ اور ’’حام‘‘ وغیرہ پس ایک کی طرف اشارہ کر کے تمام مراد لیے ہیں۔ گمراہی کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام ٹھہرانے اور حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہرانے کی مقتضی ہے اور اسی میں فاسد اعتقادات اور ظلم وجور پر مبنی احکام بھی شامل ہیں جو بڑی گمراہیوں میں سے ہیں۔

﴿ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ﴾ ’’اور میں انہیں حکم دوں گا پس وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتیں بدلیں گے‘‘ اس کا اطلاق ظاہری تخلیق پر ہوتا ہے یعنی گودنا‘ دانتوں کو باریک کرنا‘ چہرے سے بال اکھیڑنا اور دانتوں کے درمیان فاصلہ بنانا ان تمام چیزوں کے ذریعے سے شیطان نے لوگوں کو گمراہ کیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدل ڈالا۔ لوگوں کی یہ حرکتیں اس بات کو متضمن ہیں کہ یہ لوگ اللہ کی پیدائش پر ناراض اور اس کی حکمت پر نکتہ چین ہیں‘ نیز ان کا اعتقاد ہے کہ وہ کام جو وہ اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتے ہیں وہ اللہ کی تخلیق سے بہتر ہے‘ نیز یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور تدبیر پر بھی راضی نہیں ہیں۔ شیطان کا یہ کام باطنی تخلیق کی تبدیلی کو بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حنیف بنا کر اچھی فطرت پر پیدا کیا ہے‘ ان میں قبول حق اور حق کو ترجیح دینے والوں کی فطرت تخلیق کی۔ شیاطین آئے اور انہوں نے ان کو اس خوبصورت تخلیق سے ہٹا دیا اور شر‘ شرک‘ کفر‘ فسق اور معصیت کو ان کے سامنے آراستہ کر دیا‘ اس لیے کہ پیدا ہونے والا ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے‘ مگر اس کے والدین اسے یہودی نصرانی یا مجوسی وغیرہ بنا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید‘ اس کی محبت اور اس کی معرفت‘ وہ اس فطرت کو بدل ڈالتے ہیں۔ اس مقام پر شیاطین بندوں کا اسی طرح شکار کرتے ہیں جس طرح درندے اور بھیڑیے ریوڑ سے الگ ہونے والی بھیڑ بکریوں کو پھاڑ کھاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا اپنے مخلص بندوں پر فضل و کرم نہ ہوتا تو ان کا بھی وہی حشر ہوتا جو ان فتنہ زدہ لوگوں کا ہوا ہے۔ پس وہ بھی دنیا و آخرت کے خسارے میں پڑ جاتے اور انہیں ناکامی اور گھاٹے کا منہ دیکھنا پڑتا۔

ان فتنہ زدہ لوگوں کا یہ حشر اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اپنے رب اور اپنے پیدا کرنے والے سے منہ موڑ کر ایسے دشمن کو اپنا سرپرست بنالیا جو ہر لحاظ سے ان سے برائی کا ارادہ رکھتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴾ ’’جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ صریح نقصان میں ڈوبے گا۔‘‘ جو دین و دنیا کے خسارے میں پڑ جائے اور جسے اس کے گناہ اور

نافرمانیاں ہلاک کر ڈالیں اس سے زیادہ واضح اور بڑا خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ وہ ہمیشہ رہنے والی نعمت سے محروم ہو کر ابدی بدبختی میں مبتلا ہو گئے۔

اسی طرح جو کوئی اپنے آقا اور مولا ہی کو اپنا سرپرست بناتا ہے اور اس کی رضا کو ترجیح دیتا ہے' وہ ہر لحاظ سے فائدے میں رہتا ہے' ہر طرح سے فلاح پاتا ہے دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کرتا ہے اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ اے اللہ! جو چیز تو عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس چیز سے تو محروم کر دے اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا۔ اے اللہ! جن لوگوں کی تو نے سرپرستی فرمائی ان لوگوں کی معیت میں ہماری بھی سرپرستی فرما' اور جن لوگوں کو تو نے عافیت سے نوازا ان کے ساتھ ہمیں بھی عافیت سے نواز۔

﴿يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ﴾ ''وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے۔'' یعنی شیطان ان لوگوں سے وعدہ کرتا ہے اور ان کو امیدیں دلاتا ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے بھاگ دوڑ کرتے ہیں۔ یہاں وعدہ میں وعید بھی شامل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ﴾ (البقرہ : ۲۶۸/۲) ''شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے''۔ وہ بندوں کو یہ وعید سناتا ہے کہ اگر وہ اللہ کے راستے میں خرچ کریں گے تو محتاج اور تنگ دست ہو جائیں گے۔ وہ انہیں خوف دلاتا ہے کہ انہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد میں حصہ لیا تو وہ قتل ہو جائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَآءَهُ﴾ (آل عمران : ۱۷۵/۳) ''یہ (خوف دلانے والا) تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے خوف دلاتا ہے''۔

جب بندے اللہ تعالیٰ کی مرضی کو ترجیح دیتے ہیں تو وہ انہیں ہر ممکن طریقے سے جو اس کی عقل میں آسکے' ڈراتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بھلائی کا کام کرنے میں سست پڑ جاتے ہیں۔۔۔ اسی طرح شیطان انہیں جھوٹی اور باطل تمناؤں میں مبتلا کرتا ہے اور تحقیق کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ یہ تمنائیں تو محض سراب تھیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ﴾ ''ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔'' یعنی جس نے شیطان کی اطاعت کی اور اپنے رب سے روگردانی کی وہ شیطان کے پیروکاروں اور اس کے گروہ میں شامل ہو گیا' ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ﴿وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا﴾ ''اور وہاں سے بھاگنے اور گلوخلاصی کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔'' بلکہ وہ جہنم میں ابد الآباد تک رہیں گے۔ بدبخت لوگوں یعنی اولیائے شیطان کا انجام کار بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے خوش بخت لوگوں یعنی اولیائے رحمان کے انجام کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

وَالَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کیے انہوں نے نیک عنقریب ہم داخل کریں گے انکو ایسے باغات میں کہ بہتی ہیں انکے نیچے

الْأَنْهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۖ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۚ وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيلًا ﴿۱۲۲﴾

نہریں' ہمیشہ رہیں گے ان میں ابد تک' وعدہ ہے اللہ کا سچا' اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے قول (و قرار) میں؟ ○

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اس کے رسولوں روز آخرت اور اچھی بری تقدیر پر علم تصدیق اور اقرار کے ساتھ اس طرح ایمان لائیں جس طرح ان کو حکم دیا گیا ہے۔ ﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''اور نیک کام کرتے رہے۔'' یعنی وہ اعمال جو ایمان سے جنم لیتے ہیں اور یہ تمام مامورات کو شامل ہے چاہے وہ فرض ہوں یا مستحب ان کا تعلق اعمال قلب سے ہو اعمال لسان سے ہو اور بقیہ اعمال جوارح سے۔ ہر شخص کے لئے اس کے حال و مقام اس کے ایمان اور عمل صالح کی تکمیل کے مطابق ثواب مرتب ہوتا ہے۔ ایمان و عمل میں جو کوتاہی واقع ہوتی ہے اس پر مترتب ہونے والا ثواب اس کی تلافی کر دیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت کے مطابق ہوتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے تتبع سے معلوم کیا جاتا ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے اس پر مترتب ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ﴾ ''ہم انہیں ان باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں'' جنت میں ایسی ایسی نعمتیں ہوں گی جن کو اس سے پہلے کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کے تصور کا گزر ہوا ہے۔ جنت میں مختلف انواع کے ماکولات لذیذ قسم کے مشروبات دلکش نظارے حسین و جمیل بیویاں خوبصورت محل آراستہ کئے ہوئے بالا خانے پھل سے لدے ہوئے درخت عجیب و غریب میوے مسحور کن آوازیں وافر نعمتیں دوستوں کی مجلسیں اور جنت کے باغات میں اپنی یادوں کے تذکرے اور سب کچھ ہوگا۔

ان سب سے اعلیٰ اور جلیل ترین نعمت جو جنت میں عطا ہوگی وہ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا روح کا اس کے قرب سے فیض یاب ہونا آنکھوں سے اس کا دیدار کرنا اور کانوں سے اس کے خطاب کو سننا۔ یہ نعمت بندے کو ہر نعمت و مسرت فراموش کرادے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثبات و استقامت عطا نہ کی گئی ہو تو بندے خوشی سے اڑ جائیں اور فرحت و مسرت سے مر جائیں۔

اللہ اللہ! کتنی شیریں ہوگی یہ نعمت اور کتنے بلند مرتبہ ہوں گے وہ انعامات جو رب کریم ان کو عطا کرے گا اور وہ بھلائی اور مسرت جو انہیں حاصل ہوگی۔ کوئی شخص ان کا وصف بیان نہیں کر سکتا اور ان تمام نعمتوں کا اتمام اور ان کی تکمیل یہ ہے کہ وہ ان عالی شان منازل میں ہمیشہ رہیں گے۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴾ ''اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے بڑھ کر سچا ہے'' اللہ عظیم نے سچ فرمایا ہے اس کا قول اور اس کی بات سچائی کے بلند ترین مرتبے پر پہنچی ہوئی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام سچا ہے اور اس کی خبر سچی ہے اس لئے اس کا کلام جس چیز پر دلالت کرتا ہے وہ بھی اس کے مطابق اور سچائی کو متضمن ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے کلام سے مراد ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا کلام سچا ہے اور سچائی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ صرف اللہ تعالیٰ

کے حکم سے خبر دیتے ہیں اور آپ صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعے سے ہی کلام کرتے ہیں۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا

نہیں ہے (مدار) تمہاری خواہشات پر اور نہ خواہشات پر اہل کتاب کی (بلکہ) جو کوئی عمل کرے گا برا 'بدلہ دیا جائے گا ساتھ اسکے اور نہیں

يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ

پائے گا وہ سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار ○ اور جو کوئی عمل کرے گا نیک

ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

مرد ہو یا عورت جب کہ وہ مومن ہو' پس یہ لوگ داخل ہونگے جنت میں اور نہ ظلم کیے جائینگے وہ تل برابر (بھی)○

یعنی معاملہ' نجات اور تزکیہ تمہاری اور اہل کتاب کی خواہشات پر مبنی نہیں۔ (اَلْاَمَـانِـيُّ) سے مراد ایسی خواہشات اور تمنائیں ہیں جو عمل سے عاری اور محض دعویٰ ہوں۔ اگر ان تمناؤں کا مقابلہ ان جیسی دیگر تمناؤں سے کیا جائے تو یہ ان کی جنس میں شمار ہوں گی۔ ہر امر میں تمنا اور آرزو کا یہی معاملہ ہے۔ تب ایمان اور ابدی سعادت محض خواہشات اور آرزوؤں سے کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ اہل کتاب کی جھوٹی خواہشات اور تمناؤں کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ کر چکا ہے' وہ کہا کرتے تھے: ﴿ لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ﴾ (البقرہ: ۲/۱۱۱) ''یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی شخص جنت میں نہیں جائے گا یہ ان کی محض باطل آرزوئیں ہیں''۔ یہ تو تھے اہل کتاب' اور دیگر لوگ جو کسی کتاب اور کسی رسول کی طرف منسوب نہیں۔ ان کی آرزوئیں تو بدرجہ اولیٰ باطل ہیں۔

اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کامل عدل و انصاف کی بنا پر ان لوگوں کو بھی اس دائرے میں شامل کیا ہے جو اپنے آپ کو اسلام سے منسوب کرتے ہیں۔ اگر انسان اپنے دعویٰ کی صحت پر دلیل و برہان فراہم نہ کرے تو کسی بھی دین کی طرف مجرد انتساب کسی کام نہیں آتا۔ اعمال دعوے کی تصدیق یا تکذیب کرتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ﴾ ''جو برائی کرے گا اس کی سزا پائے گا'' اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ اصول تمام عالمین کو شامل ہے کیونکہ (سوء) ''برائی'' کا اطلاق چھوٹے یا بڑے ہر قسم کے گناہ پر ہوتا ہے اسی طرح ''جزا'' میں تھوڑی یا زیادہ' دنیاوی یا اخروی ہر قسم کی جزا شامل ہے۔

اس مقام پر لوگ بے شمار درجات میں منقسم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کے نیک (یا برے) اعمال بہت کم ہوں گے اور کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کے نیک (یا برے) اعمال بہت زیادہ ہوں گے۔ پس جن کے اعمال سارے کے سارے برائی پر مشتمل ہوں گے اور ایسے لوگ صرف کافر ہی ہوں گے جب ان میں سے کوئی توبہ کیے بغیر مر جائے تو اس کی جزا یہ ہوگی کہ وہ دردناک عذاب میں ہمیشہ رہے گا

اور جس کے اعمال نیک ہوں گے اور وہ اپنے غالب احوال میں درست طرز عمل اپنانے والا ہوگا' البتہ کبھی کبھار اس سے چھوٹے موٹے گناہ صادر ہو جاتے رہے ہوں گے تو اس کو اپنے بدن' قلب' اپنے محبوب شخص یا مال و منال میں جو رنج و غم اور اذیت و الم پہنچتے ہیں تو یہ تکالیف بھی اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ ان دو حالتوں کے درمیان بہت سے مراتب ہیں۔

عام برے عمل کی یہ جزا صرف ان لوگوں سے مخصوص ہے جو توبہ نہیں کرتے' کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔ جیسا کہ نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں۔ ﴿وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا﴾ ''اور نہیں پائے گا وہ اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار'' یہ اس وہم کے ازالہ کے لئے ہے کہ شاید وہ شخص جو اپنے (برے) عمل پر بدلے کا مستحق ہے' یہ زعم رکھتا ہو کہ کبھی اس کا کوئی حمایتی یا مددگار یا کوئی سفارشی اس سے عذاب کو دور کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کی نفی کی ہے' اس کا کوئی حمایتی نہیں ہوگا جو اس کے لئے اس کا مطلوب حاصل کر سکے اور نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا جو اس کا ڈر دور کر سکے سوائے اس کے رب اور مالک کے۔

﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور جو نیک اعمال کرے'' اس میں تمام اعمال قلب اور اعمال بدن شامل ہیں اور عمل کرنے والوں میں جن و انس' چھوٹا بڑا اور مرد و عورت سب داخل ہیں۔ اس لئے فرمایا: ﴿مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ''مرد ہو یا عورت جب کہ وہ مومن ہو'' ایمان تمام اعمال کی قبولیت کے لئے اولین شرط ہے۔ کوئی عمل اس وقت تک نیک ہو سکتا ہے نہ قبول اور نہ اس پر ثواب مترتب اور نہ وہ کسی عذاب سے بچا سکتا ہے جب تک کہ عمل کرنے والا مومن نہ ہو۔ ایمان کے بغیر اعمال اس درخت کی شاخوں کی مانند ہیں جس کی جڑ کاٹ دی گئی ہو اور اس عمارت کی مانند ہیں جسے پانی کی موج پر تعمیر کیا گیا ہو۔ ایمان درحقیقت وہ اصل' اساس اور قاعدہ ہے جس پر ہر چیز کی بنیاد ہے اس قید کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے ہر عمل جو مطلقا بیان کیا گیا ہو وہ ایمان کی قید سے مقید ہے۔ ﴿فَاُولٰٓئِكَ﴾ ''تو ایسے لوگ'' یعنی وہ لوگ جو ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں ﴿يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ﴾ ''جنت میں داخل ہوں گے۔'' ایسی جنت میں داخل ہوں گے جو ان نعمتوں پر مشتمل ہوگی جنہیں نفس چاہتے ہیں اور آنکھیں جن سے لذت حاصل کرتی ہیں ﴿وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا﴾ ''اور ان کی تل برابر بھی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔'' ان کے اعمال خیر میں ذرہ بھر بھی حق تلفی نہ ہوگی۔ بلکہ وہ ان اعمال کا پورا پورا' وافر اور کئی گنا اجر پائیں گے۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ

اور کون زیادہ اچھا ہے دین میں اس شخص سے جس نے جھکا دیا' اپنا چہرہ اللہ کیلئے' اور وہ نیکی کرنیوالا (بھی) ہو اور پیروی کرے وہ

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾

ملت ابراہیم کی جو صرف حق کا پرستار تھا۔ اور بنا لیا اللہ نے ابراہیم کو خاص دوست ○

یعنی اس شخص کے دین سے بہتر کسی کا دین نہیں جس نے اخلاص اور اللہ کی طرف تمام اعضاء کی توجہ کو جمع کر لیا ہے۔ یہاں اخلاص سے مراد ہے چہرے کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جانا جو قلب کے خشوع' اس کی توجہ' اس کی انابت اور اس کے اخلاص پر دلالت کرتا ہے۔ اس اخلاص اور فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ ﴿ وَهُوَ مُحْسِنٌ ﴾ ''اور وہ نیکوکار بھی ہے۔'' وہ اس شریعت کا متبع ہو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا' اپنی کتابیں نازل کیں اور اسے اپنے خاص بندوں اور ان کے متبعین کے لئے لائحہ عمل قرار دیا۔ ﴿ وَاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ ﴾ ''اور ابراہیم علیہ السلام کے دین کا پیرو ہے۔'' یعنی اس نے حضرت ابراہیم کے دین اور شریعت کی اتباع کی ﴿ حَنِيْفًا ﴾ ''یکسو ہو کر'' یعنی شرک کو چھوڑ کر توحید کو اپنایا' مخلوق سے توجہ ہٹا کر خالق کی طرف توجہ کی ﴿ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴾ ''اور اللہ نے ابراہیم کو خلیل بنایا'' (خُلَّةٌ) محبت کی بلند ترین نوع ہے اور محبت کا یہ اعلیٰ ترین مرتبہ اللہ تعالیٰ کے دو خلیلوں کو حاصل ہوا ہے' یعنی جناب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کو۔ اور رہی اللہ تعالیٰ کی محبت عامہ تو یہ عام اہل ایمان کے لئے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اس لئے بنایا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو پورا کیا اور ہر آزمائش میں پورے اترے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام لوگوں کا امام ٹھہرایا اور اپنا خلیل بنا لیا اور تمام جہانوں میں ان کے ذکر کو بلند کیا۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۸/۱۵

اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور ہے اللہ ہر چیز کو گھیرنے والا○

اس آیت کریمہ میں اس حقیقت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس نے خبر دی ہے کہ ﴿ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ﴾ ''جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے (سب اسی کا ہے)''۔ یعنی ہر چیز اس کی ملکیت اور تمام لوگ اس کے غلام ہیں۔ پس تمام لوگ غلام اور وہ اکیلا ان کا مالک اور ان کے تمام معاملات کی تدبیر کرنے والا ہے۔ اس کے علم نے تمام معلومات' اس کی بصر نے تمام مبصرات اور اس کی سماعت نے تمام مسموعات کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اس کی مشیت اور قدرت تمام موجودات پر نافذ اور اس کی رحمت زمین و آسمان کی تمام مخلوق پر سایہ کناں ہے۔ وہ اپنے قہر اور غلبہ کی بنا پر تمام مخلوق پر غالب ہے اور تمام موجودات اس کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ

اور فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے عورتوں کے بارے میں کہہ دیجئے! اللہ فتویٰ دیتا ہے تمہیں انکی بابت اور (وہ بھی) جو پڑھا جاتا ہے تم پر

فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ

کتاب میں '(ان) یتیم عورتوں کے متعلق کہ نہیں دیتے تم انکو جو مقرر کیا گیا ہے ان کیلئے' اور رغبت کرتے ہو تم

اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ

یہ کہ نکاح کرو ان سے' اور کمزور بچوں (کے بارے) میں اور یہ کہ قائم رہو تم یتیموں کے لیے انصاف پر

وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

اور جو کرو تم کوئی اچھائی' پس تحقیق اللہ ہے اس کو خوب جاننے والا ○

(اِسْتِفْتَاء) سے مراد ہے سائل کا مسئول (مفتی یا عالم) سے اپنے مسئلہ کے بارے میں شرعی حکم کا بیان طلب کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے بارے میں خبر دی ہے کہ انہوں نے عورتوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے استفتاء کیا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے خود اس استفتاء کا جواب دیا: ﴿ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ خود اللہ ان کے بارے میں تمہیں حکم دے رہا ہے'' پس عورتوں کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ نے جو فتویٰ دیا ہے اس پر عمل کرو۔ عام طور پر اور خاص طور پر ان کے حقوق کو ادا کرو اور ان پر ظلم کرنا چھوڑ دو۔

یہ حکم عام ہے اور عورتوں کے حقوق کے بارے میں خواہ وہ بیویاں ہوں یا کوئی اور' چھوٹی ہوں یا بڑی ہوں' امر و نہی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مشروع کیا ہے' سب کو شامل ہے۔

اس عموم کے بیان کرنے کے بعد' اللہ تعالیٰ نے کمزور بچوں اور یتیموں کے معاملے میں اہتمام اور ان کے حقوق میں کوتاہی پر زجر و توبیخ کے طور پر' خصوصی وصیت فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ فِىْ يَتٰمَى النِّسَآءِ ﴾ یتیم عورتوں کے معاملے میں کتاب اللہ کے اندر جو کچھ تم پر تلاوت کیا جاتا ہے (اللہ تعالیٰ تمہیں اسی کا فتویٰ دیتا ہے۔)''

﴿ الّٰتِىْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ ﴾ ''وہ جن کو تم نہیں دیتے' جو ان کے لیے مقرر کیا گیا ہے'' یہ اس وقت کی موجودہ حالت کے بارے میں خبر ہے۔ کیونکہ یتیم لڑکی جب کسی کی سرپرستی میں ہوتی تھی تو وہ اس کی حق تلفی کرتا اور اس پر ظلم کا ارتکاب کرتا تھا یا تو اس کا تمام مال یا اس کا کچھ حصہ کھا جاتا' یا اس کو نکاح کرنے سے روکتا تا کہ اس کے مال سے فائدہ اٹھاتا رہے اور اس خوف سے کہ اگر اس نے اس کا نکاح کر دیا تو مال ہاتھ سے نکل جائے گا اور اگر وہ اس عورت میں رغبت نہ رکھتا تو جس شخص سے یہ نکاح کرتی' اس پر شرائط وغیرہ عائد کرتا' یا اگر وہ اس کے حسن و جمال کی وجہ سے' اس کے ساتھ خود نکاح کرنے کی خواہش رکھتا تو اس کے مہر کو ساقط تو نہ کرتا مگر وہ اسے اتنا حق مہر بھی ادا نہ کرتا جتنے مہر کی وہ مستحق ہوتی۔ یہ تمام صورتیں ظلم کی تھیں' جو اس نص کے تحت آتی ہیں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ ﴾ ''تم ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو۔'' یعنی تم ان کے ساتھ نکاح کرنے سے گریز کرتے ہو یا نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہو' جیسا کہ ہم نے اس کی مثال بیان کی ہے۔ ﴿ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ﴾ ''اور بے کس بچوں کے بارے میں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ

کمزور اور چھوٹے بچوں کے بارے میں تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم وراثت میں ان کا حق ادا کرو اور ظلم واستبداد سے ان کے مال پر قبضہ نہ جما لو۔ ﴿وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ﴾ ''اور یہ (بھی حکم دیتا ہے) کہ یتیموں کے بارے میں پورے عدل وانصاف سے کام لو'' اس حکم میں ان کے معاملات کی دیکھ بھال' ان سے ان احکام کا التزام کروانا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب قرار دیئے ہیں سب شامل ہیں اس بارے میں یتیموں کے سرپرست مکلف ٹھہرائے گئے کہ وہ ان سے اللہ تعالیٰ کے واجبات کا التزام کروائیں۔ اس حکم میں ان کے دنیاوی مصالح کی دیکھ بھال' ان کے مال میں اضافہ کرنا اور ان کے لئے بہتری طلب کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ نیز یہ کہ اس کے سرپرست احسن طریقے سے ان کے مال کے قریب جائیں۔ اسی طرح ان کے نکاح وغیرہ میں ان کی حق تلفی کرتے ہوئے کسی دوست وغیرہ کی محبت کو ترجیح نہ دیں۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت اور انتہائی درجے کی ترغیب ہے کہ ان لوگوں کے مصالح کی دیکھ بھال کی جائے جو اپنی کمزوری اور اپنے باپ سے محروم ہونے کی بنا پر خود اپنے مفادات کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے۔ پھر علی العموم بھلائی کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ﴾ ''اور تم جو بھلائی کرو گے۔'' یعنی تم یتیموں یا دوسروں کے ساتھ جو بھلائی کرو گے خواہ یہ بھلائی متعدی ہو یا صرف تمہیں تک محدود ہو ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا﴾ ''اللہ اس کو جانتا ہے۔'' یعنی نیک عمل کرنے والوں کے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے علم نے احاطہ کر رکھا ہے۔ اعمال خواہ کم ہوں یا زیادہ' اچھے ہوں یا برے' اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ
اور اگر کوئی عورت اندیشہ کرے اپنے خاوند سے ظلم وزیادتی کا یا اعراض کا تو نہیں گناہ ان دونوں پر کہ
يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ
صلح کرلیں وہ آپس میں (کسی طرح) صلح کرنا' اور صلح بہت بہتر ہے اور حاضر کیے گئے ہیں نفس بخل کو' اور اگر
تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾
تم نیکی کرو اور تقویٰ اختیار کرو' تو بلاشبہ ہے اللہ' ساتھ اس کے جو تم کرتے ہو' خبردار O

یعنی جب عورت اپنے شوہر کے سخت رویے اور ظلم سے ڈرے یعنی خاوند اپنے آپ کو اس سے برتر سمجھے اور اس میں عدم رغبت کی وجہ سے اعراض کرے تو اس حالت میں بہتر صورت یہ ہے کہ وہ دونوں آپس میں مصالحت کرلیں اور وہ اس طرح کہ بیوی اپنے بعض ان حقوق کو' جو شوہر پر لازم ہیں اس طرح نظر انداز کردے کہ وہ شوہر کے ساتھ رہ سکے' یا تو وہ نان ونفقہ لباس' مکان وغیرہ میں سے قلیل ترین واجب پر راضی ہو جائے۔ یا اپنی باری میں سے اپنا حق ساقط کردے' یا اپنی باری کے شب وروز اپنی سوکن کو ہبہ کردے اگر میاں بیوی اس صورت حال پر راضی ہو جائیں تو اس میں دونوں کے لئے کوئی حرج نہیں' اس میں میاں بیوی دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ تب اس

صورت حال میں اپنی بیوی کے ساتھ باقی رہنا جائز ہے اور یہ علیحدگی سے بہتر ہے بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالصُّلۡحُ خَيۡرٌ﴾ ''اور صلح بہتر ہے۔'' اس لفظ اور معنی کے عموم سے یہ بات اخذ کی جاتی ہے کہ فریقین کے درمیان کسی حق یا تمام اشیاء میں نزاع ہو تو صلح اس سے بہتر ہے کہ وہ تمام اشیاء میں پورا پورا حق وصول کرنے کا مطالبہ کریں۔ کیونکہ اس صلح میں اصلاح' دونوں کے مابین الفت کی بقا اور سماحت (درگزر کرنے) کی صفت سے متصف ہونا ہے۔ یہ صلح تمام اشیاء میں جائز ہے سوائے اس صورت کے جس میں کسی حرام کو حلال یا کسی حلال کو حرام ٹھہرایا گیا ہو۔ تب یہ صلح نہیں بلکہ ظلم و جور ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی حکم اس کے مقتضی کے وجود اور موانع کی نفی کے بغیر مکمل اور پورا نہیں ہوتا اس کی مثال یہی بڑا حکم ہے یعنی فریقین کے درمیان صلح' اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا تقاضا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بھلائی ہے اور عمل کرنے والا ہر شخص بھلائی کا طالب اور بھلائی میں رغبت رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر اللہ تعالیٰ نے اس بھلائی کا حکم دیا ہو اور اس کی طرف رغبت دلائی ہو تو اس میں مومن کی طلب اور رغبت اور بڑھ جاتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مانع کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَأُحۡضِرَتِ الۡأَنفُسُ الشُّحَّ﴾ ''طمع ہر نفس میں شامل کر دی گئی ہے'' یعنی بخل انسان کی جبلت ہے یہاں (الشح) ''بخل'' سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ انسان پر خرچ کرنا واجب ہے اسے خرچ کرنے میں راغب نہ ہو اور اپنا حق حاصل کرنے کا بڑا حریص ہو۔ تمام نفوس طبعی طور پر اسی جبلت پر پیدا کئے گئے ہیں۔ یعنی تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ تم اپنے نفس سے اس گھٹیا خلق کا قلع قمع کرنے اور اس کی جگہ اس کی ضد یعنی سماحت کو اختیار کرنے کی کوشش کرو۔ سماحت سے مراد یہ ہے کہ تم اس حق کو ادا کرو جو تمہارے ذمہ ہے اور اپنے حق کے بارے میں اس کے کچھ حصے پر قناعت کرو۔ جب کبھی انسان کو اس خلق حسن کو اپنانے کی توفیق مل جاتی ہے تو اس کے لئے اپنے اور اپنے مخالف کے درمیان صلح آسان ہو جاتی ہے اور منزل مقصود تک پہنچنے کا راستہ سہل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اپنی طبیعت سے بخل کو دور کرنے کی کوشش نہیں کرتا تو اس کے لئے صلح اور موافقت بہت مشکل کام ہے کیونکہ وہ اپنا پورا حق لئے بغیر راضی نہیں ہوتا اور اس پر جو حق واجب ہے اسے ادا کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ اگر دوسرے فریق کا رویہ بھی ایسا ہی ہو تو معاملہ اور زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا: ﴿وَإِن تُحۡسِنُواْ وَتَتَّقُواْ﴾ ''اور اگر تم اچھا سلوک کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو'' یعنی اگر تم خالق کی عبادت میں احسان سے کام لو یعنی بندہ اپنے رب کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے اگر ایسی کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی تو یہ تصور پیدا کرے کہ وہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور تم احسان کے تمام طریقوں سے یعنی مال اور جاہ وغیرہ کے ذریعے سے لوگوں سے بھلائی کرو ﴿وَتَتَّقُواْ﴾ ''اور پرہیزگاری اختیار کرو'' یعنی تمام مامورات پر عمل کرتے ہوئے اور تمام محظورات سے اجتناب کرتے ہوئے اللہ سے ڈرو' یا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم

مامورات پر عمل کرنے میں احسان سے کام لو اور محظورات کو ترک کر کے اللہ سے ڈرو۔ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ ''اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔'' اللہ تعالیٰ بندے کے ظاہر و باطن کا اپنے علم و خبر کے ذریعے سے احاطہ کئے ہوئے ہے پس وہ تمہارے اعمال کو محفوظ کر رہا ہے وہ تمہیں ان اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوٓا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ

اور ہرگز نہیں طاقت رکھو گے تم یہ کہ عدل کر سکو درمیان عورتوں کے اگرچہ حرص کرو تم' پس نہ جھک جاؤ تم مکمل جھک جانا (ایک طرف)

فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ط وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿۱۲۹﴾

کہ چھوڑ دو تم اس (دوسری) کو مانند (درمیان میں) لٹکی ہوئی کے' اور اگر صلح کرو تم اور تقویٰ اختیار کرو تو یقیناً ہے اللہ بخشنے والا مہربان ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ شوہر اپنی بیویوں کے درمیان انصاف نہیں کر سکتے اور پورا پورا عدل و انصاف کرنا ان کے بس میں بھی نہیں' کیونکہ عدل اس بات کو مستلزم ہے کہ تمام بیویوں کے ساتھ یکساں محبت ہو' محبت کا داعیہ سب کے لئے برابر ہو اور دل کا میلان ان سب کے لئے مساوی ہو۔ پھر اس کے تقاضے کے مطابق عمل ہو۔ چونکہ یہ ناقابل عمل اور ناممکن ہے اس لئے جو چیز انسان کے بس میں نہیں اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا ہے اور اس چیز سے منع کر دیا جو انسان کے بس میں ہے' چنانچہ فرمایا: ﴿فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوهَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ ''ایک ہی کی طرف مائل نہ ہو جانا کہ دوسروں کو ایسی حالت میں چھوڑ دو کہ گویا وہ لٹک رہی ہے۔'' یعنی تم ایک طرف بہت زیادہ نہ جھک جاؤ کہ تم ان کے وہ حقوق بھی ادا نہ کر سکو جو واجب ہیں' بلکہ اپنی استطاعت بھر عدل و انصاف سے کام لو۔ پس نان و نفقہ' لباس اور شب باشی کی تقسیم وغیرہ ایسے امور ہیں جن میں عدل کرنا تم پر فرض ہے' اس کے برعکس محبت اور مجامعت وغیرہ میں عدل و انصاف ممکن نہیں۔ پس جب شوہر بیوی کے وہ حقوق ترک کر دیتا ہے جنہیں ادا کرنا واجب ہے تو بیوی اس معلق عورت کی مانند ہو جاتی ہے جس کا خاوند نہیں ہوتا کہ جس سے وہ راحت حاصل کرے اور حقوق زوجیت ادا کرنے کی تیاری کرے اور نہ وہ خاوند والی ہوتی ہے جو اس کے حقوق کی دیکھ بھال کرے۔ ﴿وَإِنْ تُصْلِحُوا﴾ ''اور اگر آپس میں موافقت کر لو'' یعنی اگر تم اپنے اور اپنی بیویوں کے درمیان معاملات کی اصلاح کر لو' یعنی بیوی کے حقوق ادا کرتے ہوئے احتساب کے ساتھ اپنے نفس کو اس فعل پر مجبور کرو جس کو بجا لانے پر وہ آمادہ نہیں اور ان معاملات کی بھی اصلاح کر لو جو تمہارے اور لوگوں کے درمیان ہیں اور لوگوں کے تنازعات میں ان کے مابین صلح کرواؤ۔ یہ چیز اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ صلح کے لئے علی الاطلاق ہر طریقہ بروئے کار لایا جائے۔ ﴿وَتَتَّقُوا﴾ ''اور پرہیز گاری کرو'' مامورات پر عمل اور محظورات کو ترک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مقدور بھر صبر کرو۔ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا﴾ ''اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' تو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہوں کو معاف کر دے گا جو تم سے صادر ہوتے ہیں اور ان کوتاہیوں کو نظر

انداز کر دے گا اور جیسے تم اپنی بیویوں کے ساتھ شفقت و مودت کا رویہ رکھتے ہو اللہ تعالیٰ بھی تم پر رحم کرے گا۔

وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

اور اگر وہ دونوں الگ ہو جائیں تو بے نیاز کر دے گا اللہ ہر ایک کو اپنے فضل سے' اور ہے اللہ وسعت والا حکمت والا○

میاں بیوی کے درمیان تیسری حالت یہ ہے کہ جب اتفاق کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو دونوں کے درمیان علیحدگی میں کوئی حرج نہیں۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا ﴾ ''اور اگر وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں۔'' یعنی اگر دونوں طلاق' فسخ یا خلع کے ذریعے سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں ﴿ يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ﴾ ''اللہ تعالیٰ دونوں میاں بیوی کو اپنے فضل و کرم اور لامحدود احسان کے ذریعے سے ایک دوسرے سے بے نیاز کر دے گا'' شوہر کو کسی دوسری بیوی کے ذریعے سے پہلی بیوی سے اور بیوی کو اپنے فضل و کرم سے مستغنی کر دے گا۔ اگر بیوی کا اپنے شوہر کے رزق میں سے حصہ ختم ہو گیا ہے تو اس کا رزق اس ہستی کے ذمے ہے جو تمام مخلوق کو رزق عطا کرتی ہے اور ان کے مصالح کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر شوہر عطا کر دے۔ ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا ﴾ ''اور اللہ بڑی کشائش والا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ بہت زیادہ فضل و کرم اور بے پایاں رحمت کا مالک ہے۔ جہاں جہاں اس کے علم نے احاطہ کیا ہوا ہے' وہاں تک اس کی رحمت سایہ کناں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ﴿ حَكِيْمًا ﴾ ''وہ حکمت والا ہے'' اگر کسی کو عطا کرتا ہے تو حکمت کی بنیاد پر اور محروم کرتا ہے تو حکمت ہی کی بنیاد پر۔ جب اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے کہ کسی بندے کو کسی سبب کی بنا پر اپنے فضل و احسان سے محروم کرے جس کا وہ مستحق نہیں' تو اپنے عدل و حکمت سے اسے محروم کر دیتا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے' اور البتہ تحقیق وصیت کی ہم نے ان لوگوں کو جو دیے گئے کتاب

مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

تم سے پہلے اور خود تمہیں بھی یہ کہ ڈرو تم اللہ سے' اور اگر کفر کرو گے تم' تو تحقیق اللہ ہی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

اور جو کچھ زمین میں ہے' اور ہے اللہ بے پروا قابل تعریف○ اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ

فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾

زمین میں ہے' اور کافی ہے اللہ کارساز○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے وسیع اور عظیم اقتدار کے عموم کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے جو اس امر کو مستلزم ہے کہ

وہ شرعاً اور قدراً مختلف طریقوں سے کائنات کی تدبیر کرے اور گوناگوں تصرفات کے ذریعے سے اس کا بندوبست کرے۔ اس کا تصرف شرعی یہ ہے کہ اس نے اولین و آخرین' اور کتب سابقہ اور بعد میں نازل ہونے والی کتابوں کے ماننے والوں کو تقویٰ کی وصیت کی ہے جو امر و نہی' تشریع احکام اور اس شخص کے لئے ثواب کو متضمن ہے جو اس وصیت پر عمل کرتا ہے اور اس شخص کے لئے دردناک عذاب کی وعید کو متضمن ہے جو اس وصیت کو ضائع کرتا ہے۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِنْ تَكْفُرُوْا﴾ "اور اگر کفر کرو گے۔" یعنی اگر تم تقویٰ ترک کر دو اور کفر اختیار کر لو اور ایسی چیزوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا لو جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی تو اس طرح تم صرف اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاؤ گے' اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ کے اقتدار میں ذرہ بھر کمی نہیں کر سکتے۔ اس کے اور بھی بندے ہیں جو تم سے بہتر اور تم سے زیادہ اطاعت گزار اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا: ﴿وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا﴾ اللہ تبارک و تعالیٰ کامل جود و کرم اور احسان کا مالک ہے جو کچھ اس کی رحمت کے خزانوں سے صادر ہوتا ہے وہ خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا۔ یہ خزانے اگر دن رات خرچ ہوتے رہیں تب بھی ختم نہیں ہوں گے۔ اگر زمین و آسمان کے رہنے والے اول سے لے کر آخر تک تمام لوگ اپنی اپنی آرزوؤں کے مطابق اللہ تعالیٰ سے سوال کریں تو اس کی ملکیت میں ذرہ بھر کمی نہ ہو گی' کیونکہ وہ جواد ہے' ہر چیز کو وجود بخشنے والا اور بزرگی کا مالک ہے۔ وہ اپنے کلام سے عطا کرتا ہے اور اپنے کلام سے عذاب دیتا ہے۔ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے۔

اس کی تمام تر بے نیازی یہ ہے کہ وہ کامل اوصاف کا مالک ہے کیونکہ اگر کسی بھی لحاظ سے اس میں کوئی نقص ہوتا تو وہ اس کمال کے لئے محتاج ہوتا' بلکہ اس کے لئے کمال کی ہر صفت ہے اور انہی میں سے ایک صفت کمال ہے اور یہ اس کی بے نیازی ہی ہے کہ اس کی کوئی بیوی اور کوئی اولاد نہیں' اقتدار میں اس کا کوئی شریک ہے نہ کوئی مددگار اور اس کے اپنے اقتدار کی تدبیر میں اس کا کسی قسم کا کوئی معاون نہیں۔

یہ اس کا کامل غنا اور اس کی بے نیازی ہے کہ عالم علوی اور عالم سفلی اپنے تمام احوال اور تمام معاملات میں اسی کے محتاج ہیں اور اپنی چھوٹی بڑی حاجتوں میں اسی سے سوال کرتے ہیں۔۔۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے مطلوب اور سوال کو پورا کرتا ہے' ان کو غنی اور مال دار کر دیتا ہے ان کو اپنے لطف و کرم سے نوازتا ہے اور انہیں راہ ہدایت دکھاتا ہے۔

رہا اسم گرامی (حمید) تو یہ نام اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں شمار ہوتا ہے اور اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ہر قسم کی حمد و ثنا' محبت اور اکرام کا مستحق ہے۔ اس لئے وہ صفات حمد سے متصف ہے جو کہ جمال و جلال کی صفات ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے اس لئے وہ ہر حال میں "محمود" ہے۔ ان دو

اسمائے گرامی یعنی (اَلْغَنِیُّ ، اَلْحَمِیْدُ) کا یک جا ہونا کتنا خوبصورت ہے۔ یقیناً وہ بے نیاز اور قابل تعریف ہے، اسے کمال بے نیازی بھی حاصل ہے اور کمال حمد بھی اور ان دونوں کے حسن امتزاج کا کمال بھی۔

پھر اس نے مکرر فرمایا ہے کہ زمین اور آسمانوں میں اقتدار اسی کا ہے اور ہر چیز کو کفایت کرنے والا وہی ہے، یعنی وہ علم رکھنے والا اور اپنی حکمت کے مطابق تمام اشیاء کی تدبیر کرتا ہے اور یہی کامل کفایت اور وکالت ہے کیونکہ وکالت اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ جس چیز کا وکیل ہے اسے اس کا پورا پورا علم ہو۔ پھر اس کو نافذ کرنے اور تدبیر کرنے میں پوری قوت اور قدرت رکھتا ہو اور یہ تدبیر حکمت اور مصلحت پر مبنی ہو۔ اگر ان امور میں کوئی کمی ہوگی تو وہ وکیل میں نقص کی وجہ سے ہوگی اور اللہ تعالیٰ ہر نقص سے منزہ ہے۔

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ

اگر چاہے وہ تو لے جائے تمہیں اے لوگو! اور لے آئے دوسروں کو، اور ہے اللہ اوپر اس کے

قَدِیْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ

خوب قدرت رکھنے والا ○ جو کوئی ارادہ کرتا ہے ثواب (صلے) کا دنیا میں، تو اللہ کے ہاں ثواب ہے دنیا کا اور آخرت کا

وَكَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۱۹ ۱۶

اور ہے اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ○

یعنی وہ (غَنِیٌّ حَمِیْدٌ) ہے اور وہ قدرت کاملہ اور مشیت نافذہ کا مالک ہے۔ ﴿اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ﴾ ''اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور (تمہاری جگہ) اور لوگوں کو پیدا کر دے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے علاوہ اور لوگوں کو لے آئے گا وہ تم سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کی زیادہ اطاعت کرنے والے ہوں گے۔ یہ آیت کریمہ لوگوں کے لئے ان کے اپنے کفر پر قائم رہنے اور اپنے رب سے روگردانی کرنے پر تہدید ہے۔ اگر وہ اطاعت نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کو ان کی ذرہ بھر بھی پروا نہیں۔ مگر وہ ان کو مہلت اور ڈھیل دیتا ہے تاہم ان کو مہمل نہیں چھوڑے گا۔ (یعنی حساب ضرور لے گا)

پھر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ جس کسی کی ہمت اور ارادہ گھٹیا ہے اور دنیا کے ثواب سے آگے نہیں بڑھتا۔ اور وہ آخرت کا کوئی ارادہ ہی نہیں رکھتا، پس اس کی نظر اور اس کی کوشش کوتاہ ہے۔ بایں ہمہ اسے دنیا کا ثواب بھی صرف اتنا ہی ملے گا جتنا اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے لکھ دیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی ہر چیز کا مالک ہے دنیا و آخرت کا ثواب اسی کے پاس ہے، پس دنیا و آخرت اسی سے طلب کی جائے اور ان کے حصول کے لئے اسی سے مدد مانگی جائے۔ کیونکہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ صرف اس کی اطاعت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اور تمام دینی اور دنیاوی امور کا حصول اسی سے مدد طلب کرنے اور ہمیشہ صرف اسی کا محتاج ہونے سے ممکن ہے وہ جس کسی

کو اپنی توفیق سے نوازتا ہے یا اسے توفیق سے محروم کر کے اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے اس میں اس کی حکمت پنہاں ہے۔ اس کا کسی کو عطا کرنا اور محروم کرنا اس کی حکمت ہی پر مبنی ہے۔ اسی لئے فرمایا: ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴾ ''اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے''۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ہو جاؤ تم قائم رہنے والے انصاف پر گواہی دینے والے اللہ کیلئے اگرچہ ہو وہ خلاف تمہاری اپنی جانوں کے

اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا

یا والدین کے یا قرابت داروں کے۔ اگر ہو (وہ شخص) مال دار یا فقیر، پس اللہ زیادہ حق دار ہے، بہ نسبت ان دونوں کے، پس نہ پیروی کرو تم

الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

خواہش کی (کہ گریز کرو تم) انصاف کرنے سے اور اگر موڑو تم زبان کو یا اعراض کرو تم، پس تحقیق اللہ ہے، ساتھ اسکے جو تم کرتے ہو، خبر دار ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دیتا ہے کہ وہ انصاف پر قائم رہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے گواہی دینے والے بن جائیں۔ (اَلْقَوَّام) مبالغے کا صیغہ ہے، یعنی اپنے تمام احوال میں عدل پر قائم رہو (قِسْطٌ) سے مراد حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بارے میں عدل و انصاف ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے حقوق میں انصاف یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں استعمال نہ کیا جائے، بلکہ ان کو اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں صرف کیا جائے اور حقوق العباد میں عدل و انصاف یہ ہے کہ بندوں کے وہ تمام حقوق ادا کئے جائیں جو تجھ پر اسی طرح واجب ہیں جس طرح تیرے حقوق ان پر واجب ہیں اور تو اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے پس تو نفقات واجبہ اور قرض وغیرہ ادا کر اور تو لوگوں سے اسی اخلاق و حسن صلہ کے ساتھ معاملہ کر، جو تو اپنے بارے میں ان سے چاہتا ہے۔

سب سے بڑا انصاف، باتوں اور بات کہنے والوں کے بارے میں ہے۔ دو باتوں میں سے کسی ایک بات کے حق میں یا کسی تنازع کے فریقین میں کسی فریق کے حق میں محض اس وجہ سے فیصلہ نہ کرے کہ اسے اس بات سے یا فریق سے کوئی نسبت ہے یا اس کی طرف میلان ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان عدل کو مقدم رکھے۔

عدل و انصاف کی ایک قسم یہ ہے کہ تو اس شہادت کو ادا کر جو تیرے ذمہ عائد ہے خواہ وہ کسی ہی کے خلاف کیوں نہ ہو خواہ یہ شہادت تیرے محبوب لوگوں کے خلاف، بلکہ خود تیری اپنی ذات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ﴾ ''اللہ کے لئے سچی گواہی دینے والے اگرچہ وہ تمہارے اپنے خلاف ہو یا والدین کے یا رشتہ داروں کے وہ شخص اگر امیر ہو یا فقیر، پس اللہ زیادہ حق دار ہے بہ نسبت ان دونوں کے۔'' یعنی کسی دولت مند

کی اس کی دولت کی وجہ سے رعایت کرو نہ کسی محتاج پر بزعم خویش ترس کھاتے ہوئے اس کی رعایت کرو بلکہ صحیح شہادت دو خواہ کسی ہی کے خلاف کیوں نہ ہو۔

عدل وانصاف قائم کرنا عظیم ترین امور میں شمار ہوتا ہے' نیز یہ چیز عدل قائم کرنے والے کے دین' ورع اور اسلام میں اس کے مقام پر دلالت کرتی ہے۔ پس یہ بات متعین ہے کہ جو کوئی اپنے نفس کا خیر خواہ ہے اور وہ اس کی نجات چاہتا ہے' تو وہ عدل کا پورا پورا اہتمام کرے' اس کو مدنظر رکھے اور اپنے ارادے کا مرکز بنائے رکھے اور نفس سے ہر اس داعیے کو دور کر دے جو عدل کے ارادے سے مانع اور اس پر عمل کرنے کی راہ میں رکاوٹ ہو اور انصاف کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ خواہشات نفس کی پیروی ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے اس رکاوٹ کو دور کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ﴾ ''تم خواہش نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا۔'' یعنی تم حق کی مخالفت میں اپنے نفس کی اتباع نہ کرو۔ اگر تم نے اپنے نفس کی پیروی کی تو راہ صواب سے ہٹ جاؤ گے اور تم عدل وانصاف کی توفیق سے محروم ہو جاؤ گے' کیونکہ خواہش نفس یا تو انسان کی بصیرت کو اندھا کر دیتی ہے اور اسے حق باطل اور باطل حق دکھائی دیتا ہے۔ یا وہ حق کو پہچان لیتا ہے مگر اپنی خواہش نفس کی خاطر اسے چھوڑ دیتا ہے۔ پس جو شخص خواہش نفس سے محفوظ رہا اسے حق کی توفیق عطا ہوتی ہے اور وہ صراط مستقیم کی طرف راہنمائی سے نوازا جاتا ہے۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح کر دیا کہ عدل وانصاف کو قائم کرنا واجب ہے' تو اس نے ہر اس چیز سے بھی روک دیا جو عدل کی ضد ہے۔ یعنی شہادت وغیرہ میں زبان کو حق سے ہٹا دینا اور ہر لحاظ سے یا کسی ایک پہلو سے نطق زبان کو صواب مقصود سے پھیر دینا اور اسی میں' شہادت میں تحریف کرنا' اس کی عدم تکمیل اور شاہد کا شہادت کی تاویل کرتے ہوئے اس کا رخ کسی اور طرف پھیر دینا' بھی شامل ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی (لَیّ) زبان کی کجی میں سے ہے' کیونکہ یہ حق سے انحراف ہے۔

﴿ أَوْ تُعْرِضُوا ﴾ ''یا تم اعراض کرو۔'' یعنی اگر تم اس عدل وانصاف کو ترک کر دو جس کا دارومدار تم پر ہے جیسے شاہد کا شہادت کو ترک کر دینا یا حاکم کا اپنے فیصلے کو ترک کر دینا جو کہ اس پر واجب تھا ﴿ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴾ ''تو (جان رکھو) اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔'' یعنی وہ تمہارے افعال کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور تمہارے ظاہر و باطن تمام اعمال کا علم رکھتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لئے سخت تہدید ہے جو زبان سے کجی اختیار کرتا یا حق سے اعراض کرتا ہے اور وہ شخص اس تہدید کا بدرجہ اولیٰ مستحق ہے جو باطل فیصلہ کرتا یا جھوٹی گواہی دیتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا جرم سب سے بڑا ہے' کیونکہ پہلے دو اشخاص نے حق کو ترک کیا اور اس نے باطل کو قائم کیا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ ءَامِنُوا۟ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَٱلْكِتَٰبِ ٱلَّذِى نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ایمان لاؤ ساتھ اللہ اور اسکے رسول کے اور (ساتھ) اس کتاب کے جو نازل کی اس نے اپنے رسول پر

وَالْكِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ

اور (ساتھ) اس کتاب کے جو نازل کی اس نے پہلے' اور جو کوئی کفر کرے ساتھ اللہ کے اور اسکے فرشتوں اور اسکی کتابوں

وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۳۶﴾

اور اسکے رسولوں اور دن آخرت کے' پس تحقیق گمراہ ہو گیا وہ گمراہ ہونا دور کا O

معلوم ہونا چاہئے کہ امر یعنی حکم کا رخ یا تو اس شخص کی طرف ہوتا ہے جو اس شے میں داخل نہیں اور اس سے کچھ بھی متصف نہیں' تب اس کے لئے یہ حکم اس چیز میں داخل ہونے کا ہے۔ مثلاً اس شخص کے لئے ایمان لانے کا حکم جو مومن نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ ﴾ (النساء: ٤/٤٧) "اے وہ لوگو جن کو کتاب عطا کی گئی ہے اس کتاب پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کی ہے اور اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے ساتھ ہے"۔ یا اس حکم کا رخ اس شخص کی طرف ہوتا ہے جو اس چیز میں داخل ہو چکا ہے' تب یہ حکم اس لئے ہوتا ہے تاکہ اس چیز کی تصحیح کر لے جسے وہ پا چکا ہے اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے جو اس نے ابھی تک نہیں پائی' اور اس کی مثال یہی آیت کریمہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے' کیونکہ یہ ان سے اس چیز کے حکم کا تقاضا کرتی ہے جو ان کے ایمان یعنی صدق و اخلاص کی تصحیح کرتی ہے اور مفسدات سے اجتناب اور نقص میں ڈالنے والی ہر چیز سے توبہ کا تقاضا کرتی ہے' نیز یہ اس چیز کے حکم کا بھی تقاضا کرتی ہے جو ابھی مومن میں موجود نہیں یعنی علوم ایمان و عمل وغیرہ' کیونکہ جب کبھی اس کے پاس کوئی نص پہنچے گی' تو وہ اس کا معنی سمجھے گا اور اسے اپنے اعتقاد کا حصہ بنائے گا اور اسی چیز کا اسے حکم دیا گیا ہے اور تمام ظاہری اور باطنی اعمال کا یہی معاملہ ہے تمام اعمال ایمان ہی کے دائرے میں آتے ہیں جیسا کہ بہت سی نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں اور امت کا اس پر اجماع ہے۔ پھر اس پر استمرار اور موت تک اس پر ثابت قدمی ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴾ (آل عمران: ٣/١٠٢) "اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا"۔

یہاں ہمیں اللہ تعالیٰ پر' اس کے رسولوں پر' قرآن کریم پر اور سابقہ کتب پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ تمام تر' ایمان واجب میں سے ہیں جس کے بغیر کوئی بندہ مومن نہیں ہو سکتا۔ جس چیز کے بارے میں تفصیل نہیں پہنچی اس پر اجمالاً ایمان لانا فرض ہے اور جہاں تفصیل معلوم ہے وہاں تفصیلاً ایمان لانا فرض ہے۔ جو کوئی اس مامور طریقے پر ایمان لاتا ہے وہی ہدایت پا کر فوز یاب ہوتا ہے۔

﴿ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴾ "جو شخص

اللہ تعالیٰ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے' تو وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا'' یعنی ان لوگوں سے بھی کوئی بڑھ کر گمراہ ہو سکتا ہے جو ہدایت کی راہ راست کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس راستے پر چل نکلتے ہیں جو دردناک عذاب میں لے جاتا ہے؟

یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ان تمام امور میں سے کسی ایک کے ساتھ کفر گویا ان تمام امور کے ساتھ کفر ہے' کیونکہ یہ تمام امور ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں اور ان میں سے بعض کو چھوڑ کر بعض پر ایمان لانا بھی ایمان کے وجود کے لئے مانع ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا

بیشک جو لوگ ایمان لائے' پھر انہوں نے کفر کیا' پھر وہ ایمان لائے' پھر انہوں نے کفر کیا' پھر زیادہ ہو گئے وہ کفر میں

لَّمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ﴿١٣٧﴾

نہیں ہے اللہ کہ بخشے ان کو اور نہیں ہے کہ ہدایت دے ان کو راستے کی ○

یعنی جو کوئی ایمان لانے کے بعد بتکرار کفر کرتا رہا' ہدایت کا راستہ اختیار کیا' پھر گمراہ ہو گیا پھر ایمان لایا' پھر اندھا ہو گیا' پھر ایمان لے آیا پھر کفر کیا اور اپنے کفر پر قائم رہا بلکہ اپنے کفر میں بڑھتا رہا' تو وہ توفیق اور راہ راست سے بہت دور اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے بہت بعید ہے کیونکہ وہ ایسی چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا جو مغفرت کے لئے سب سے بڑا مانع ہے۔ اس لئے کہ اس کا کفر اس کے لئے سزا اور اس کی طبیعت بن جاتا ہے جو کبھی زائل نہیں ہوتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ (الصف: ٦١/٥) ''جب وہ کج رو ہو گئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا'' ۔ اور فرمایا: ﴿وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (الانعام: ٦/ ١١٠) ''ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پلٹ دیں گے اور جس طرح وہ اس پر پہلی مرتبہ ایمان نہ لائے تھے (ویسے پھر ایمان نہ لائیں گے)۔''

آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ اگر وہ اپنے کفر میں بڑھتے نہ چلے جائیں بلکہ وہ ایمان کی طرف لوٹ آئیں اور کفر کے رویے کو ترک کر دیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا خواہ بار بار ان سے ارتداد کا ارتکاب ہوا ہو اور جب کفر کے مقابلے میں یہ حکم ہے تو دیگر گناہ جو کفر سے کم تر ہیں وہ بدرجہ اولیٰ اس بات کے مستحق ہیں کہ اگر بندے سے ان گناہوں کا تکرار ہو اور وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے یہ گناہ بخش دے۔

بَشِّرِ الْمُنَافِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣٨﴾ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ

بشارت دے دیجئے منافقین کو اس بات کی کہ تحقیق ان کیلئے عذاب ہے بہت دردناک ○ جو لوگ بناتے ہیں کافروں کو دوست

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ؕ
سوائے مومنوں کے کیا تلاش کرتے ہیں وہ انکے پاس عزت؟ پس بے شک عزت تو اللہ ہی کیلئے ہے ساری ○

''بشارت'' کا لفظ خیر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور شر کے معنوں میں اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کسی قید سے مقید ہو جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے۔ ﴿بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ ''منافقوں کو بشارت سنا دو۔'' یعنی وہ لوگ جو اسلام ظاہر کرتے ہیں اور اپنے دلوں میں کفر کو چھپائے ہوئے ہیں انہیں بدترین بشارت سنا دیجئے اور وہ ہے دردناک عذاب کی بشارت۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ کفار سے محبت کرتے ہیں' ان سے موالات رکھتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اہل ایمان سے ترک موالات کرتے ہیں۔ کس چیز نے انہیں اس رویے پر آمادہ کیا؟ کیا یہ ان کے پاس عزت کے متلاشی ہیں؟

یہ منافقین کے احوال تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی کا شکار تھے۔ ان کا یقین اس بارے میں بہت کمزور تھا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی مدد فرمائے گا وہ بعض ان اسباب کو دیکھ رہے تھے جو کفار کو میسر تھے اور اس سے آگے دیکھنے سے ان کی نظر قاصر تھی۔ پس انہوں نے کفار کو اپنا دوست اور ولی و مددگار بنا لیا جن سے یہ مدد طلب کرتے ہیں اور جن کے پاس یہ عزت ڈھونڈتے ہیں۔ حالانکہ تمام تر عزت کا مالک اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ بندوں کی پیشانیاں اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں اور ان میں اسی کی مشیت نافذ ہے۔ وہ اپنے دین اور اپنے مومن بندوں کی مدد کا ضامن ہے۔ اگرچہ وہ کبھی کبھی اہل ایمان کا امتحان لینے کے لئے یہ مدد چھوڑ دیتا ہے اور دشمن کو ان پر غلبہ دے دیتا ہے۔ مگر دشمن کی فتح اور کامیابی دائمی اور مستقل نہیں ہوتی۔ انجام کار فتح اور کامیابی اہل ایمان ہی کی ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں کفار کے ساتھ موالات رکھنے اور اہل ایمان کے ساتھ موالات ترک کرنے پر زبردست ترہیب ہے' نیز بتایا گیا ہے کہ یہ منافقین کی صفات ہیں۔ ایمان تو اہل ایمان کے ساتھ محبت' موالات اور کفار کے ساتھ عداوت رکھنے کا تقاضا کرتا ہے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ
اور تحقیق نازل کیا ہے اس نے تم پر کتاب میں یہ کہ جب سنو تم آیتیں اللہ کی' کہ کفر کیا جا رہا ہو ساتھ انکے اور استہزاء کیا جا رہا ہو
بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ
ساتھ انکے' تو نہ بیٹھو تم انکے ساتھ' یہاں تک کہ مشغول ہو جائیں وہ کسی اور بات میں اسکے علاوہ۔ بلاشبہ تم اس وقت ان جیسے ہی ہو گے
اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴿۱۴۰﴾ لا الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ
تحقیق اللہ جمع کرنے والا ہے منافقوں اور کافروں کو جہنم میں سب کو ○ جو (منافق) انتظار کرتے ہیں

بِكُمْ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ

تمہاری بابت' پھر اگر ہو تمہارے لیے فتح اللہ کی طرف سے' تو کہتے ہیں کیا نہ تھے ہم تمہارے ساتھ؟ اور اگر ہو واسطے کافروں کے

نَصِيْبٌ ۙ قَالُوٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ

حصہ (غلبہ) تو کہتے ہیں کیا نہ غالب آنے لگے تھے ہم تم پر اور (کیا نہ) بچایا تھا ہم نے تمہیں مسلمانوں سے؟ پس اللہ فیصلہ کرے گا

بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (۱۴۱) ع

تمہارے درمیان دن قیامت کے' اور ہرگز نہیں کرے گا اللہ کافروں کیلئے اوپر مومنوں کے کوئی راہ (غلبے کی) ○

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی نازل کردہ کتاب میں کفر اور معاصی کی مجالس میں موجود ہونے کی صورت میں اپنا شرعی حکم واضح کر دیا ہے۔ ﴿ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا ﴾ ''کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کی اہانت کی جا رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کے بارے میں ہر مکلف شخص پر فرض ہے کہ وہ ان پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم و تکریم کرے۔ ان کو نازل کرنے کا یہی مقصد ہے اور اسی کی خاطر اللہ تبارک وتعالیٰ نے تمام کائنات تخلیق کی ہے۔ پس ان پر ایمان لانے کی ضد ان کے ساتھ کفر کرنا' اور ان کی تعظیم و تکریم کی ضد ان کے ساتھ استہزاء اور ان کی تحقیر کرنا ہے' نیز اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی آیات کے ابطال کے لئے کفار و منافقین کا مجادلہ اور ان کی اپنے کفر کی تائید کرنا بھی شامل ہے۔ اسی طرح ہر قسم کے بدعتی بھی داخل ہیں کیونکہ ان کا اپنے باطل نظریات کے لئے استدلال کرنا اللہ تعالیٰ کی آیات کی اہانت کو متضمن ہے' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات حق کے سوا کسی چیز پر دلالت نہیں کرتیں اور صدق کے سوا کسی چیز کو مستلزم نہیں۔

اسی طرح اس حکم میں ان مجالس کی حاضری بھی شامل ہے جن میں فسق و فجور اور معصیت کے کام ہوتے ہیں' جن میں اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی اہانت ہوتی ہے اور اس کی حدود توڑی جاتی ہیں جو اس نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کی ہیں۔ ان کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت کا منتہیٰ ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ﴾ ''حتیٰ کہ وہ اور باتیں کرنے لگیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر اور استہزاء کے سوا کوئی اور بات کرنے لگیں۔ ﴿ اِنَّكُمْ اِذًا ﴾ ''ورنہ تم بھی (ان ہی جیسے) ہو جاؤ گے۔'' یعنی اگر تم آیت کریمہ میں مذکور حالت میں ان کے ساتھ بیٹھو گے ﴿ مِّثْلُهُمْ ﴾ ''تو ان جیسے شمار ہو گے'' کیونکہ تم ان کے کفر و استہزاء پر راضی تھے۔ کسی معصیت کے فعل پر راضی ہونا اس فعل کے ارتکاب کی مانند ہے۔ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ جو کوئی کسی ایسی مجلس میں موجود ہو جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جا رہی ہو تو قدرت رکھتے ہوئے اس نافرمانی پر نکیر کرنا اور اس سے روکنا واجب ہے۔ اگر روکنے کی قدرت نہ ہو تو اس مجلس سے اٹھ کر چلا جانا ضروری ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ

﴿ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ﴾ ''یقیناً اللہ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے'' جیسے وہ اس دنیا میں کفر و موالات پر مجتمع ہیں۔

منافقین کو ان کا ظاہری طور پر اہل ایمان کے ساتھ ہونا' کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ يَوْمَ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ ۚ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا ؕ فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ ؕ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ○ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ اَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيُّ حَتّٰى جَآءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ ○ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَّلَا مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ مَاْوٰىكُمُ النَّارُ ؕ هِيَ مَوْلٰىكُمْ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ (الحدید: ۱۳/۵۷-۱۵) ''اس روز منافق مرد اور منافق عورتیں اہل ایمان سے کہیں گے' ٹھہرو! ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کر لیں! ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے لوٹ جاؤ اور وہاں روشنی تلاش کرو پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جس کے اندرونی جانب رحمت ہوگی اور بیرونی جانب عذاب' منافق پکار پکار کر اہل ایمان سے کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ مومن جواب دیں گے ہاں تم ہمارے ساتھ تو تھے مگر تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالا اور تم حوادث زمانہ کے منتظر رہے' تم نے اسلام کے بارے میں شک کیا' جھوٹی آرزوؤں نے تمہیں دھوکے میں مبتلا کئے رکھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ گیا اور تمہیں شیطان دھوکے باز دھوکہ دیتا رہا۔ آج تم سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا۔ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور وہی تمہارا دوست ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے''۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ منافقین کی کفار کے ساتھ موالات اور اہل ایمان کے ساتھ عداوت متحقق ہے۔ ﴿ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ﴾ ''جو تم کو دیکھتے رہتے ہیں۔'' یعنی مستقبل میں تمہارے اچھے یا برے حالات کے منتظر ہیں۔ انہوں نے اپنے نفاق کے مطابق ہر حالت کے بارے میں جواب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ﴾ ''پھر اگر اللہ تمہیں فتح دے تو یہ کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟'' وہ ظاہر کریں گے کہ وہ ظاہری اور باطنی طور پر اہل ایمان کے ساتھ تھے تاکہ طعن و تشنیع سے بچ سکیں' نیز فے اور مال غنیمت میں سے حصہ وصول کر سکیں اور ان کے ساتھ مل کر وہ محفوظ رہیں۔

﴿ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ﴾ ''اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل جائے'' اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر کافروں کی فتح ہو کیونکہ ان کو ایسی فتح حاصل نہیں ہوتی جو ان کی دائمی نصرت کی ابتدا ہو۔ اگر ان کے لئے کوئی حصہ ہوتا ہے تو اس کی انتہا یہ ہے کہ وہ عارضی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے' چنانچہ جب یہ صورت حال ہوتی ہے

﴿ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ ﴾ ''تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ تھے'' ﴿ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور تم کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچایا نہیں؟'' یعنی وہ کفار کے پاس بناوٹ اور تصنع سے کام لے کر ان سے کہتے تھے کہ قدرت اور طاقت کے باوجود انہوں نے ان سے لڑائی نہیں کی اور ان کو مسلمانوں سے بچائے رکھا اور وہ ہر لحاظ سے جنگ کے لئے گھر سے نکلنے سے رکے رہے' لڑائی سے گریز کرتے رہے اور مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کرتے رہے۔ اور ان کے بارے میں یہ تمام امور معروف ہیں۔

﴿ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ﴾ ''پس اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کے درمیان فیصلہ کرے گا'' اور اہل ایمان کو' ظاہری اور باطنی طور پر' بدلے میں جنت عطا کرے گا اور منافق مردوں اور منافق عورتوں' مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جہنم کے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ ﴿ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴾ ''اور اللہ کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہیں دے گا۔'' یعنی اللہ کفار کو اہل ایمان پر کبھی تسلط اور غلبہ عطا نہیں کرے گا' بلکہ اہل ایمان کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی۔ اللہ اس جماعت کی مدد کرے گا' جو ان سے علیحدہ ہوگا اور ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کا کوئی نقصان نہیں کر سکے گا۔ اہل ایمان کی فتح و نصرت کے اسباب پیدا ہوتے چلے جائیں گے اور کفار کا تسلط ختم ہوتا چلا جائے گا اور اس کا واضح طور پر مشاہدہ ہو چکا ہے۔ حتیٰ کہ بعض مسلمان' جن پر کفار حکومت کرتے ہیں وہ ان کے ہاں قابل احترام ہیں وہ ان کے دین سے کوئی تعرض نہیں کرتے وہ ان کے ہاں کمزور اور ماتحت بن کر نہیں رہتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو پوری عزت عطا کی گئی ہے۔ اول و آخر اور ظاہر و باطن میں ہر قسم کی تعریف اللہ کے لئے ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ

بلاشبہ منافق فریب دیتے ہیں اللہ کو اور وہ (بھی) فریب دینے والا ہے ان کو' اور جب کھڑے ہوتے ہیں طرف نماز کی

قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾

تو کھڑے ہوتے ہیں کاہلی سے' دکھلاتے ہیں لوگوں کو اور نہیں یاد کرتے اللہ کو مگر بہت تھوڑا ○

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَمَنْ

متردد ہیں درمیان اس (کفر و ایمان) کے' نہ ان کی طرف اور نہ ان کی طرف' اور جس کو

يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

گمراہ کرے اللہ' پس ہرگز نہیں پائیں گے آپ اس کے لیے کوئی راہ ○

اللہ تبارک و تعالیٰ منافقین کی قبیح صفات اور مکروہ علامات کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے نیز یہ کہ ان کا طریق اللہ کو فریب دینا ہے یعنی بظاہر وہ مومن ہیں مگر باطن میں کافر ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے دیں

گے اور اللہ تعالیٰ کو ان کے کرتوتوں کا علم نہیں اور وہ ان کا دھوکا اپنے بندوں پر ظاہر نہیں کرے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ خود ان کو دھوکے میں مبتلا کر رہا ہے۔ ان کا مجرد یہ حال ہونا اور اس راستے پر گامزن رہنا ان کا اپنے آپ کو دھوکے میں مبتلا کرنا ہے بھلا اس سے بڑا دھوکہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص پوری دوڑ دھوپ کرے مگر اس کا ماحصل رسوائی' ذلت اور محرومی کے سوا کچھ نہ ہو۔ یہ چیز اس شخص کی کم عقلی پر دلالت کرتی ہے کہ وہ معصیت کا ارتکاب کرتا ہے اور اسے نیکی خیال کرتا ہے اور اسے بڑی عقل مندی اور چال بازی سمجھتا ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ جہالت اور خذلان اسے کس انجام پر پہنچائیں گے۔

قیامت کے روز ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دھوکہ یہ ہوگا۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے: ﴿ يَوْمَ يَقُولُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا انْظُرُوْنَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُّوْرِكُمْ قِيْلَ ارْجِعُوْا وَرَآءَكُمْ فَالْتَمِسُوْا نُوْرًا فَضُرِبَ بَيْنَهُمْ بِسُوْرٍ لَّهٗ بَابٌ بَاطِنُهٗ فِيْهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهٗ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ يُنَادُوْنَهُمْ اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ...... ﴾ (الحدید:۵۷/۱۳-۱۴)''اس روز منافق مرد اور منافق عورتیں اہل ایمان سے کہیں گے ٹھہرو! ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کر لیں! ان سے کہا جائے گا پیچھے لوٹ جاؤ اور وہاں روشنی تلاش کرو' پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جس کے اندرونی جانب رحمت ہوگی اور بیرونی جانب عذاب۔ منافق پکار پکار کر اہل ایمان سے کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟''

ان منافقین کی صفات یہ ہیں۔ ﴿ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ ﴾ ''جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔'' نماز جو کہ سب سے بڑی عملی نیکی ہے۔ اگر وہ نماز کے لئے کھڑے ہو ہی جاتے ہیں ﴿ قَامُوْا كُسَالٰى ﴾ ''تو سست ہو کر۔'' یعنی بوجھل پن کے ساتھ تنگ دل اور زچ ہو کر اٹھتے ہیں۔

''کاہلی'' کا اطلاق ان پر تب ہوتا ہے جب ان کے دلوں میں رغبت کا فقدان ہو' اگر انکے دل اللہ تعالیٰ اور اس کے ثواب کی طرف رغبت سے خالی نہ ہوتے اور ان میں ایمان معدوم نہ ہوتا تو ان سے سستی اور کسل مندی کبھی صادر نہ ہوتی۔ ﴿ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ ﴾ ''لوگوں کے دکھانے کو۔'' یعنی یہ ان کی فطرت ہے اور یہی ان کے اعمال کا مصدر ہے۔ ان کے اعمال لوگوں کے دکھاوے کے لئے ہیں انکا مقصد محض ریاکاری اور لوگوں سے تعظیم اور احترام حاصل کرنا ہے۔ اپنے اعمال کو اللہ کے لئے خالص نہیں کرتے۔ لہٰذا فرمایا: ﴿ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴾ ''اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر بہت کم۔'' کیونکہ ان کے دل ریا سے لبریز ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کا التزام صرف مومن ہی کر سکتا ہے' کیونکہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت سے لبریز ہے۔

﴿ مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ﴾ ''بیچ میں پڑے لٹک رہے ہیں۔ نہ ان کی طرف (ہوتے ہیں) نہ ان کی طرف۔'' یعنی وہ اہل ایمان اور کفار کے گروہوں کے درمیان متذبذب اور متردد ہیں۔ ظاہری اور باطنی طور پر اہل ایمان کے ساتھ ہیں نہ کفار کے ساتھ۔ انہوں نے اپنا باطن کفار کو عطا کر رکھا ہے

اور ظاہر مسلمانوں کے ساتھ ہے اور یہ سب سے بڑی گمراہی ہے' اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنۡ يُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَنۡ تَجِدَ لَهٗ سَبِيۡلًا ﴾ ''اور جس کو اللہ بھٹکائے تو آپ اس کے لیے کبھی بھی راستہ نہیں پائیں گے۔'' یعنی آپ اس کی ہدایت کا کوئی راستہ اور اس کو گمراہی سے بچانے کے لئے کوئی وسیلہ نہیں پائیں گے کیونکہ اس پر رحمت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور اس کی رحمت کی بجائے اللہ تعالیٰ کا غضب وانتقام اس کا نصیب بن چکا ہے۔

یہ تمام مذموم اوصاف اشارتاً دلالت کرتے ہیں کہ اہل ایمان ان کی متضاد صفات سے متصف ہیں اور وہ ہیں ظاہر و باطن میں صدق اور اخلاص۔ انہیں اپنی نمازوں' عبادات اور کثرت ذکر الٰہی میں جو نشاط حاصل ہوتا ہے وہ سب معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت عطا کی اور صراط مستقیم پر گامزن کیا۔ پس ایک عقل مند شخص کو چاہئے کہ وہ ان دو امور پر غور کرے اور جو اس کے لئے بہتر ہے اسے اختیار کر لے۔ واللہ المستعان۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡكٰفِرِيۡنَ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ ؕ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ بناؤ تم کافروں کو دوست سوائے مومنوں کے

اَتُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ عَلَيۡكُمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴿۱۴۴﴾

کیا چاہتے ہو تم یہ کہ (ثابت) کرو اللہ کے لیے اپنے خلاف حجت ظاہر؟ ○

چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے منافقین کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ اہل ایمان کو چھوڑ کر کفار کو دوست بناتے ہیں' اس لئے اس نے اپنے مومن بندوں کو اس قبیح حالت سے متصف ہونے سے روکا ہے' نیز انہیں منافقین کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ تمہارا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو حجت فراہم کرے گا۔ فرمایا: ﴿ اَنۡ تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ عَلَيۡكُمۡ سُلۡطٰنًا مُّبِيۡنًا ﴾ ''یہ کہ تم اپنے اوپر اللہ کا صریح الزام لو۔'' یعنی تمہیں عذاب دینے کے لئے یہ واضح دلیل ہوگی۔ کیونکہ ہم تمہیں اس رویے سے ڈرا چکے ہیں اور تمہیں اس سے بچنے کی تلقین کر چکے ہیں اور اس میں جو مفاسد پنہاں ہیں ان سے آگاہ کر چکے ہیں۔ اس کے بعد بھی اسی راہ پر چلنا عذاب کا موجب ہوگا۔ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے کامل عدل پر دلالت کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قانون پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حجت قائم کرنے سے پہلے کسی کو سزا نہیں دے گا اور اس میں گناہوں سے بچنے کی تلقین ہے کیونکہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والا اپنے خلاف اللہ تعالیٰ کو واضح دلیل فراہم کرتا ہے۔

اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ فِى الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ نَصِيۡرًا ۙ﴿۱۴۵﴾

بلا شبہ منافقین سب سے نچلے درجے میں ہوں گے آگ کے اور ہرگز نہیں پائیں گے آپ ان کیلئے کوئی مددگار ○

اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا وَاَصۡلَحُوۡا وَاعۡتَصَمُوۡا بِاللّٰهِ وَاَخۡلَصُوۡا دِيۡنَهُمۡ لِلّٰهِ فَاُولٰۤٮِٕكَ

سوائے انکے جنھوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور مضبوط پکڑا اللہ (کے دین) کو اور خالص کر لیا اپنا دین اللہ کیلئے' پس یہ لوگ

مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَ سَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ

ساتھ ہوں گے مومنوں کے' اور عنقریب دے گا اللہ مومنوں کو اجر بہت بڑا○ کیا کرے گا اللہ

بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَ اٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾

تمہیں عذاب دے کر اگر شکر کرو تم اور ایمان لے آؤ تم ؟ اور ہے اللہ قدر دان خوب جاننے والا○

اللہ تبارک وتعالیٰ منافقین کے انجام کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے بیان فرماتا ہے کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں بدترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ وہ تمام کفار کے نیچے ہوں گے' کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے کفر کرنے اور رسول اللہ ﷺ کی عداوت میں کفار کے ساتھ شریک تھے مزید برآں وہ مکروفریب اور اہل ایمان کے ساتھ مختلف اقسام کی عداوت رکھتے تھے اور یہ عداوت اس طرح رکھتے تھے کہ وہ محسوس نہیں ہوتی تھی بنابریں ان پر اسلام کے احکام جاری ہوتے تھے اور اس بنیاد پر وہ اپنا استحقاق ظاہر کرتے تھے حالانکہ وہ اس کے مستحق نہ تھے۔ پس اس قسم کے مکروفریب اور ہتھکنڈوں کی بنا پر سخت عذاب کے مستحق ہیں۔ کوئی ہستی ان کو اس عذاب سے بچا سکے گی نہ کوئی مددگار اس عذاب کو ان سے دور کر سکے گا۔ یہ عذاب ہر منافق کے لئے عام ہے سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ گناہوں سے توبہ کی توفیق سے نوازدے ﴿ وَ اَصْلَحُوْا ﴾ ''اور وہ (اپنے ظاہر و باطن کی) اصلاح کر لیں۔'' ﴿ وَ اعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ ﴾ ''اور اللہ (کی رسی) کو مضبوط پکڑ لیں۔'' اپنے منافع کے حصول اور ضرر کے دفعیہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں ﴿ وَ اَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ ﴾ ''اور اپنے دین کو خالص کر لیں'' یہاں دین سے مراد اسلام' ایمان اور احسان ہے ﴿ لِلّٰهِ ﴾ ''اللہ کے لئے'' یعنی ظاہری اور باطنی اعمال میں ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہو' نیز ریا اور نفاق سے بچے ہوئے ہوں۔ جو لوگ ان صفات سے متصف ہوں گے ﴿ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ وہی دنیا' برزخ اور آخرت میں اہل ایمان کے ساتھ ہوں گے ﴿ وَ سَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ ''اور اللہ عنقریب مومنوں کو بڑا ثواب دے گا۔'' اللہ تعالیٰ عنقریب اہل ایمان کو ایسے اجر سے نوازے گا جس کی حقیقت و ماہیت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ جسے کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل میں اس کے تصور کا گزر ہوا ہے۔

غور کیجیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ''اعتصام باللہ'' اور ''اخلاص'' کا خاص طور پر ذکر کیا ہے حالانکہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ارشاد (وَاَصْلَحُوْا) میں داخل ہیں کیونکہ ''اعتصام باللہ'' اور ''اخلاص'' اصلاح کے زمرے میں آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصلاح میں ان دو امور کی سخت ضرورت ہے۔ خاص طور پر یہ مقام حرج جہاں دلوں میں نفاق جڑ پکڑ لیتا ہے۔۔۔ اور نفاق کو صرف اعتصام باللہ' اللہ کے پاس پناہ لینے' اور اس کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجت پیش کر کے ہی زائل کیا جا سکتا ہے۔ اخلاص ہر لحاظ سے پوری طرح نفاق کے منافی

ہے۔ اخلاص اور اعتصام کی فضیلت کی بنا پر ان کا تذکرہ کیا ہے' تمام ظاہری اور باطنی اعمال کا دارومدار انہی دو امور پر ہے کیونکہ اس مقام پر ان دونوں امور کی سخت حاجت ہوتی ہے۔ اس امر پر بھی غور کیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے ساتھ ان کا ذکر کیا تو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے اس نے یہ نہیں فرمایا (وَسَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا) بلکہ فرمایا: ﴿وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدۂ شریف ہے جس کا وہ ہمیشہ اعادہ کرتا رہا ہے کہ جب کلام کا سیاق بعض جزئیات کے بارے میں ہو اور اللہ تعالیٰ ان جزئیات پر ثواب یا عقاب مرتب کرنا چاہتا ہو اور جس جنس میں یہ جزئیات داخل ہیں ثواب یا عقاب ان میں مشترک ہو۔ تو وہ عام حکم کے مقابلہ میں' جس کے تحت یہ قضیہ مندرج ہے ثواب مرتب کرتا ہے تاکہ اس جزوی امر کے ساتھ حکم کا اختصاص متوہم نہ ہو یہ قرآن کریم کے اسرار و بدائع ہیں۔ پس منافقین میں سے اپنے نفاق سے توبہ کرنے والا شخص اہل ایمان کے ساتھ ہوگا اور اسے بھی اہل ایمان والا ثواب ملے گا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کمال غنا' وسعت حلم ورحمت اور احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے۔﴿مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ﴾ ''اگر تم (اللہ کے) شکر گزار رہو اور (اس پر) ایمان لے آؤ تو اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا'' اور حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قدر شناس اور علم رکھنے والا ہے۔ وہ اپنے راستے میں بوجھ اٹھانے والوں اور اعمال میں مشقت برداشت کرنے والوں کو بہت زیادہ ثواب اور بے پایاں احسان سے نوازے گا۔

جو کوئی اللہ تعالیٰ کی خاطر کوئی چیز ترک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر چیز عطا کرتا ہے۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ وہ ظاہر و باطن اور تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔ وہ ان اعمال کا بھی علم رکھتا ہے جو صدق و اخلاص سے صادر ہوتے ہیں اور ان اعمال کا بھی علم رکھتا ہے جو ان کی ضد ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ تم توبہ اور انابت کے ذریعے سے اس کی طرف رجوع کرو۔ اور جب تم اس کی طرف رجوع کرو گے تو وہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ وہ تشفی حاصل کرنے کے لئے تمہیں عذاب اور کسی فائدے کے حصول کی خاطر تمہیں عقاب میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ معاصی کا ارتکاب کرنے والا اپنے آپ ہی کو نقصان دیتا ہے جیسے اطاعت کرنے والے کا عمل صرف اس کی ذات کے لئے ہے۔

شکر دل کے خضوع' اس کے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اعتراف کرنے اور زبان سے مشکور کی مدح وثنا بیان کرنے کا نام ہے' نیز شکر یہ ہے کہ جوارح مشکور کی اطاعت کے اعمال میں مصروف ہوں اور وہ منعم و مشکور کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں استعمال نہ کرے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان

المعروف

تفسير السعدی (اردو)

فضیلۃ الشیخ عبد الرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

دار السلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارُالسّلام
کتاب و سُنّت کی اشاعت کا عالمی اِدارہ
ریاض * جدہ * شارجہ * لاهور
لندن * هیوسٹن * نیو یارك
DARUSSALAM

ہیڈ آفس : پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب
فون : 4033962-4043432 (00966 1) فیکس:4021659
ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون وفیکس:4614483

جدہ فون وفیکس : 6807752 الخبر فون: 8692900 فیکس: 8691551
شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان : ① 50 لوئر مال نزد ایم ۔ اے ۔ او کالج لاہور فون:7232400 - 7240024 (0092 42)
فیکس:7354072 ای میل:darussalampk@hotmail.com
② اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون:7120054 فیکس:7320703

لندن فون:5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)
ہیوسٹن فون :7220419 فیکس :7220431 (001 713) نیویارک فون: 6255925 (001 718)
Website: http://www.dar-us-salam.com

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تیسیر الکریم الرحمن

فی تفسیر کلام المنان

(اردو ترجمہ)

پارۃ نمبر چھ 6

مفسر قرآن: فضیلۃ الشیخ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

تحقیق: عبدالرحمان بن معلا اللویحق حفظہ اللہ

ترجمۃ القرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ترجمۃ التفسیر: پروفیسر طیب شاہین لودھی حفظہ اللہ

دار السلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

بسم الله الرحمن الرحيم

فرمانِ الٰہی

وَقَالَ الرَّسُوْلُ

يَارَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

اور رسول (ﷺ روزِ قیامت) فرمائیں گے:

"الٰہی! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔"

(الفرقان: ۲۵/۳۰)

فرمانِ نبوی

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ

بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں

عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں دھکیل دیتا ہے

(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۷)

پا رۃ نمبر چھ 6

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
نہیں پسند کرتا اللہ اونچی آواز سے برائی کی بات کرنے کو' مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو اور ہے اللہ خوب
سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ
سننے والا خوب جاننے والا○ اگر تم علانیہ کرو کوئی بھلائی یا خفیہ کرو اسے' یا معاف کردو برائی کو'
فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾
تو اللہ (بھی) ہے بہت معاف کرنے والا بڑی قدرت والا○

اللہ تبارک وتعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی علانیہ بری بات کہے' یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص سے سخت ناراض ہوتا ہے اور اس پر سزا دیتا ہے۔ اس میں وہ تمام برے اقوال شامل ہیں جو تکلیف دہ اور صدمہ پہنچانے والے مثلاً گالی گلوچ' قذف اور سب وشتم کرنا۔ اس لئے کہ ایسے تمام اقوال سے منع کیا گیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھی بات کو پسند کرتا ہے مثلاً ذکر الٰہی' اچھا اور نرم پاکیزہ کلام' وغیرہ۔ ﴿اِلَّا مَنْ ظُلِمَ﴾ ''مگر وہ جو مظلوم ہو۔'' یعنی جس شخص پر ظلم کیا گیا ہو وہ ظلم کرنے والے کے لئے بددعا کر سکتا ہے' شکایت کر سکتا ہے اور اس شخص کو علانیہ بری بات کہہ سکتا ہے جس نے اعلانیہ بری بات کہی ہے' البتہ اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس پر بہتان لگائے یا اس کے ظلم سے بڑھ کر زیادتی کرے یا ظالم کے علاوہ کسی اور کو گالی وغیرہ دے۔ بایں ہمہ معاف کر دینا اور ظلم وزیادتی میں مقابلہ نہ کرنا اولیٰ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ﴾ (الشوری: ٤٢/ ٤٠) ''پس جس کسی نے معاف کر دیا اور اصلاح کی اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے''۔

﴿وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا﴾ ''اور اللہ (سب کچھ) سنتا' جانتا ہے۔'' چونکہ آیت کریمہ برے' اچھے اور مباح کلام کے احکام پر مشتمل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمادیا کہ وہ سننے والا ہے' تمہارے اقوال سنتا ہے اس لئے ایسی بات کہنے سے بچو جو تمہارے رب کی ناراضی کا باعث بنے اور وہ تمہیں سزا دے۔ اس آیت کریمہ میں اچھی بات کہنے کی بھی ترغیب ہے۔ ﴿عَلِيْمًا﴾ وہ تمہاری نیتوں اور تمہارے اقوال کے مصدر کو جانتا ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ﴾ ''اگر تم بھلائی کھلم کھلا کرو گے یا چھپا کر۔'' یہ قولی وفعلی' ظاہری وباطنی' واجب ومستحب ہر بھلائی کو شامل ہے۔ ﴿اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ﴾ ''یا برائی سے درگزر کرو گے۔'' یعنی وہ شخص جو تمہارے بدن' تمہارے اموال اور تمہاری عزت وناموس کے معاملے میں تمہارے ساتھ برا سلوک کرے تم اسے معاف کر دو کیونکہ عمل کی جزا عمل کی جنس ہی سے ہوتی ہے۔ پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی کو معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے جو کسی کے ساتھ بھلائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا﴾ ”تو اللہ بھی معاف کرنے والا صاحب قدرت ہے۔“ یعنی وہ اپنے بندوں کی لغزشوں اور ان کے بڑے بڑے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے اور کامل عفوو درگزر سے کام لیتے ہوئے ان سے معاملہ کرتا ہے۔ جو اس کی قدرت کاملہ سے صادر ہوتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کے معانی میں تدبر و تفکر کی طرف راہنمائی کی گئی ہے، نیز یہ کہ خلق وامر ان اسماء وصفات سے صادر ہوتے ہیں اور یہ اسماء وصفات خلق وامر کا تقاضا کرتے ہیں۔ بنابریں اسمائے حسنیٰ کو احکام کی علت بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ اس آیت کریمہ میں بیان ہوا ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے بھلائی کے عمل اور برا سلوک کرنے والے کو معاف کر دینے کا ذکر کیا ہے اس لئے اس نے اس پر یہ امر مرتب فرمایا کہ اس نے اپنے اسماء کی معرفت کو ہمارا مدار بنا دیا اور یہ چیز ہمیں ان اسماء حسنیٰ کے ثواب خاص کے ذکر سے مستغنی کرتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهِ

بیشک جو کفر کرتے ہیں ساتھ اللہ اور اس کے رسولوں کے اور چاہتے ہیں وہ کہ تفریق کریں درمیان اللہ اور اس کے رسولوں کے

وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَيُرِيدُونَ أَنْ يَتَّخِذُوا بَيْنَ ذٰلِكَ

اور کہتے ہیں ہم ایمان لاتے ہیں ساتھ بعض کے اور کفر کرتے ہیں ساتھ بعض کے اور وہ چاہتے ہیں کہ اختیار کریں درمیان اس کے

سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ حَقًّا وَأَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٥١﴾

کوئی راہ ○ یہ لوگ، وہی ہیں کافر اصل اور ہم نے تیار کیا ہے واسطے کافروں کے عذاب رسوا کن ○

وَالَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولٰٓئِكَ

اور جو لوگ ایمان لائے ساتھ اللہ اور اسکے رسولوں کے اور نہیں تفریق کی انہوں نے درمیان کسی ایک کے ان میں سے یہ لوگ ہیں

سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أُجُورَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٥٢﴾ ع٢١

جلد دے گا ان کو (اللہ) اجر ان کے اور ہے اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ○

یہاں تک لوگوں کی دو اقسام ہیں، جن کو ہر ایک کے لئے واضح کر دیا گیا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لانے والے لوگ

(۲) اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں کا انکار کرنے والے لوگ۔

رہ گئی تیسری قسم، تو یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ وہ بعض رسولوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور یہی وہ راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دے گا مگر یہ ان کی مجرد آرزوئیں ہیں۔

پس یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ جو کوئی حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ

کو اپنا ولی اور دوست بناتا ہے وہ تمام انبیاء و رسل کو دوست بناتا ہے کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کی دوستی کی تکمیل ہے اور جو کوئی انبیاء و رسل میں سے کسی ایک کے ساتھ عداوت رکھتا ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ اور تمام رسولوں سے عداوت رکھتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴾ (البقرۃ: ۲/۹۸) ''جو کوئی اللہ اس کے فرشتوں اس کے رسولوں جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو تو اللہ ان کافروں کا دشمن ہے''۔

اسی طرح جو کوئی کسی رسول کا انکار کرتا ہے وہ تمام رسولوں کا انکار کرتا ہے بلکہ وہ اس رسول کا بھی انکار کرتا ہے جس کے بارے میں اس کا دعویٰ ہے کہ وہ اس پر ایمان لایا ہے۔ بنابریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ﴾ ''وہ بلا شبہ کافر ہیں پکے۔'' اور (حقا) کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے تاکہ کوئی اس وہم میں مبتلا نہ ہو کہ ان کا مرتبہ ایمان اور کفر کے درمیان ہے۔ اور ان کے کافر ہونے کی...... یہاں تک کہ اس رسول کے ساتھ بھی کفر کرنے کی جس پر وہ ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں...... وجہ یہ ہے کہ ہر وہ دلیل جو اس نبی پر ایمان لانے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے وہی دلیل یا اس جیسی یا اس سے بڑھ کر دلیل موجود ہے جو اس نبی کی نبوت پر دلالت کرتی ہے جس کا وہ انکار کر رہے ہیں۔ اسی طرح ہر وہ شبہ جس کی بنیاد پر وہ اس نبی پر اعتراض کرتے ہیں جس کے ساتھ انہوں نے کفر کیا ہے وہی شبہ یا اس جیسا یا اس سے بھی بڑا شبہ اس نبی کی نبوت میں بھی موجود ہے جس پر وہ ایمان لائے ہیں۔۔۔۔ تب اس کے بعد سوائے خواہشات نفس اور مجرد دعویٰ کے کچھ باقی نہیں۔ جس کے مقابلہ میں اس جیسا دعویٰ کرنا ہر ایک کے لئے ممکن ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ یہی لوگ حقیقی (پکے) کافر ہیں تو اس عذاب کا ذکر بھی فرما دیا جو ان کو اور دیگر کفار کو دیا جائے گا۔ ﴿ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴾ ''اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔'' جس طرح انہوں نے تکبر کی بنا پر ایمان لانے سے انکار کر دیا اسی طرح اللہ تعالیٰ رسوا کن اور دردناک عذاب کے ذریعے سے ان کو رسوا کرے گا۔

﴿ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ﴾ ''اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔'' یہ آیت کریمہ ہر اس خبر پر ایمان لانے کو متضمن ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بارے میں دی ہے اور ان تمام اخبار و احکام پر ایمان لانے کو بھی جنہیں لے کر انبیاء و رسل مبعوث ہوئے۔ ﴿ وَ لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ﴾ ''اور انہوں نے ان میں سے کسی میں فرق نہ کیا'' بلکہ وہ تمام انبیاء و رسل پر ایمان لائے اور یہی وہ حقیقی اور یقینی ایمان ہے جو دلیل اور برہان پر مبنی ہے۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ﴾ ''ایسے لوگوں کو وہ عنقریب ان (کی نیکیوں) کے صلے عطا فرمائے گا۔'' یعنی ان کے ایمان اور ایمان پر مبنی عمل صالح، قول حسن اور خلق جمیل کی جزا دی جائے گی اور یہ جزا ہر ایک کو اس کے حسب حال عطا ہو گی۔ شاید ان کے اجر میں اضافے کا یہی سر نہاں ہے۔ ﴿ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴾

''اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔'' یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ گناہوں کو بخش دیتا ہے اور نیکیوں کو قبول فرماتا ہے۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى
سوال کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ اتار لائیں آپ ان پر ایک کتاب (یک بار) آسمان سے 'سو سوال کیا انہوں نے موسیٰ سے
اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ
بڑی چیز کا اس سے بھی اور کہا' دکھا ہم کو اللہ بالکل سامنے تو پکڑ لیا ان کو بجلی نے ان کے ظلم کی وجہ سے' پھر
اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۚ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى
بنا لیا انہوں نے بچھڑے کو (معبود) بعد اسکے کہ آ چکی تھیں انکے پاس واضح دلیلیں' پھر معاف کر دیا ہم نے یہ بھی اور دیا ہم نے موسیٰ کو
سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ
غلبہ واضح ○ اور بلند کیا ہم نے اوپر انکے طور پہاڑ ان سے اقرار لینے کیلئے اور ہم نے کہا ان سے داخل ہو جاؤ دروازے میں
سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِى السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۱۵۴﴾
سجدہ کرتے ہوئے اور ہم نے کہا ان سے نہ زیادتی کرو ہفتے کے دن میں اور لیا ہم نے ان سے عہد مضبوط ○
فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ
پس (لعنت کی ہم نے ان پر) بہ سبب انکے توڑنے کے اپنے عہد کو اور انکے کفر کرنے کیساتھ آیتوں کے اللہ کی اور انکے قتل کرنے کے انبیاء کو ناحق
وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا
اور (بہ سبب) انکے کہنے کے کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں' بلکہ مہر لگا دی اللہ نے انکے دلوں پر بہ سبب انکے کفر کے' سو وہ نہیں ایمان لاتے مگر
قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا
تھوڑے ہی ○ اور بہ سبب انکے کفر کے اور ان کے باندھنے کے مریم پر بہتان بہت بڑا ○ اور بہ سبب ان کے کہنے کے کہ یقیناً
قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ
ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو حالانکہ انہوں نے نہ قتل کیا انکو اور نہ سولی پر چڑھایا انکو' لیکن
شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ
شبہے میں ڈال دیا گیا انکو اور بیشک جنہوں نے اختلاف کیا عیسیٰ کے بارے میں' شک میں ہیں انکی بابت۔ نہیں ہے انکے پاس انکی بابت کوئی علم
اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًۢا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا
سوائے پیروی کے ظن کی اور نہیں قتل کیا انہوں نے انکو یقینی طور پر ○ بلکہ اٹھا لیا انکو اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ بڑا زبردست
حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ
حکمت والا ○ اور نہیں کوئی اہل کتاب میں سے' مگر وہ ضرور ایمان لائے گا عیسیٰ پر انکی موت سے پہلے اور دن قیامت کے وہ ہوں گے

عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿١٥٩﴾ فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ

ان پر گواہ○ پس بہ سبب ظلم کرنے ان لوگوں کے جو یہودی ہوئے' ہم نے حرام کر دیں ان پر کچھ پاک چیزیں جو حلال تھیں

لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ

ان کیلئے اور بہ سبب انکے روکنے کے اللہ کی راہ سے بہتوں کو○ اور بہ سبب انکے لینے کے سود' حالانکہ روکے گئے تھے وہ اس سے

وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾

اور انکے کھانے کے سبب مال لوگوں کے ناحق اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کیلئے ان میں سے عذاب بہت دردناک○

اہل کتاب نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال مطالبہ اور عناد کی بنا پر کیا تھا۔ اور اسی پر انہوں نے اپنی تصدیق و تکذیب کو موقوف قرار دیا تھا اور ان کا سوال یہ تھا کہ ان پر تمام قرآن ایک ہی بار نازل ہو جائے جیسے تورات اور انجیل ایک ہی بار نازل ہوئی تھیں۔ یہ ان کی طرف سے انتہائی ظالمانہ مطالبہ تھا کیونکہ رسول ﷺ تو ایک بشر اور بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے تحت ہیں' رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں تو کوئی اختیار نہیں۔ تمام اختیار اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ وہی ہے جو اپنے بندوں پر جو چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی طرف سے اس وقت فرمایا جب مشرکین نے اسی قسم کے مطالبے کیے تھے۔ ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۹۳/۱۷) ''کہہ دیجیے پاک ہے میرا رب میں تو ایک بشر ہوں اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول''۔

اسی طرح مجرد کتاب کے ایک مرتبہ یا متفرق طور پر نازل کرنے کو' ان کی طرف سے حق و باطل کے درمیان فارق (فرق کرنے والا) بنانا بھی' مجرد دعویٰ ہے' جس کی کوئی دلیل اور کوئی مناسبت نہیں اور نہ کوئی شبہ ہے۔ انبیاء میں سے کسی بھی نبی کی نبوت میں کہاں آیا ہے کہ وہ رسول جو تمہارے پاس کتاب لے کر آئے اور اگر یہ کتاب ٹکڑوں میں نازل کی گئی ہو تو تم اس پر ایمان لانا نہ اس کی تصدیق کرنا؟ بلکہ قرآن مجید کا حسب احوال تھوڑا تھوڑا کر کے نازل ہونا اس کی عظمت اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس پیغمبر پر' جس پر وہ نازل ہوا' اللہ کی خاص عنایت اور توجہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ○ وَلَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاَحْسَنَ تَفْسِيْرًا﴾ (الفرقان: ۳۲/۲۵۔۳۳) ''اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر قرآن ایک ہی بار کیوں نازل نہیں کیا گیا' اسی طرح آہستہ آہستہ اس لئے نازل کیا گیا ہے تاکہ تمہارے دل کو قائم رکھیں اور ہم نے اسے ترتیل کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ لوگ تمہارے پاس جو اعتراض بھی لے کر آئیں ہم تمہارے پاس حق اور اس کی بہترین تفسیر لے کر آتے ہیں''۔

جب اللہ نے ان کے اس فاسد اعتراض کا ذکر کیا' تو یہ بھی بتلایا کہ ان کے معاملے میں یہ کوئی انوکھی بات نہیں

ہے‘ بلکہ اس سے پہلے ان کی اس سے بھی بری باتیں گزر چکی ہیں جو انہوں نے اس نبی کے ساتھ اختیار کیں‘ جس کی بابت ان کا گمان ہے کہ وہ اس پر ایمان لائے تھے۔

مثلاً ظاہری آنکھوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کرنا۔

عبادت کے لئے بچھڑے کو معبود بنانا وغیرہ‘ حالانکہ وہ اپنی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھ چکے تھے جو کسی اور نے نہیں دیکھا۔

اپنی کتاب تورات کے احکام کو قبول کرنے سے انکار کرنا‘ یہاں تک کہ کوہ طور کو اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کر دیا گیا اور ان کو دھمکایا گیا کہ اگر وہ ایمان نہیں لائیں گے تو پہاڑ کو ان پر گرا دیا جائے گا تو اغماض برتتے ہوئے اور اس ایمان کے ساتھ اسے قبول کر لیا جو ایمان ضروری کے مشابہ تھا۔

بستی کے دروازوں سے اس طریقے سے داخل ہونے سے انکار کرنا جس طریقے سے انہیں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا‘ یعنی سجدہ کرتے ہوئے اور استغفار کرتے ہوئے۔ (اس موقع پر) انہوں نے قول و فعل دونوں طرح سے مخالفت کی۔

ہفتے کے روز ان کا حد سے تجاوز کرنا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کی پاداش میں ان کو سخت سزا دی۔ ان سے پکا عہد لیا۔ مگر انہوں نے اس میثاق کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا‘ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا اور اس کے رسولوں کو ناحق قتل کیا۔

ان کا یہ کہنا کہ ہم نے مسیح (علیہ الصلوۃ والسلام) کو صلیب پر چڑھا کر قتل کر دیا۔ حالانکہ انہوں نے انہیں قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا‘ بلکہ ان کو کسی اور کے ساتھ اشتباہ میں ڈال دیا گیا تھا‘ جسے انہوں نے قتل کیا اور صلیب پر چڑھایا۔

ان کا یہ دعویٰ کرنا کہ ان کے دلوں پر غلاف ہیں آپ ﷺ جو کچھ ان سے کہتے ہیں وہ اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

ان کا لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا اور جس ضلالت اور گمراہی میں خود مبتلا ہیں لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینا۔ اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان کو حق سے روک دیا۔

ان کا سود اور حرام کھانا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سود خوری سے نہایت سختی سے روکا تھا۔

پس جن لوگوں کے یہ کرتوت ہوں تو ان کے بارے میں یہ کوئی ان ہونی بات نہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا ہو کہ وہ آسمان سے ان پر کتاب اتار دیں۔

باطل پرست مخالف فریق کے ساتھ مباحثہ و مجادلہ میں دلیل دینے کا یہ بہترین طریقہ ہے کہ جب فریق مخالف

کی طرف سے کوئی باطل اعتراض وارد ہو جس نے حق ٹھکرانے میں اس کو یا کسی اور کو شبہ میں مبتلا کر رکھا ہو..... تو وہ اس مخالف کے ان خبیث احوال اور قبیح افعال کو بیان کرے جو اس سے صادر ہوئے اور وہ بدترین اعمال ہیں۔ تاکہ ہر شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اعتراضات بھی اسی خسیس نوع کے ہیں اور اس کے کچھ مقدمات بد ہیں اور یہ اعتراض بھی اسی قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔

اسی طرح ہر وہ اعتراض جو وہ نبوت محمدی (ﷺ) پر عائد کرتے ہیں اس کا مقابلہ بھی اسی قسم کے یا اس سے بھی قوی اعتراض سے اس نبوت کی بابت کر کے کیا جا سکتا ہے جس پر وہ ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں' اس طرح ان کے شر کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے اور ان کے باطل کا قلع قمع ہو سکتا ہے۔ اور ہر وہ دلیل جس کو وہ اس نبی کی نبوت کے ثبوت اور تحقق کے لئے پیش کرتے ہیں جس پر یہ ایمان لائے ہوئے ہیں' تو یہی دلیل اور اس جیسے دیگر دلائل اور ان سے بھی زیادہ قوی دلائل محمد ﷺ کی نبوت کو ثابت اور متحقق کرتے ہیں۔ چونکہ ان کے اعتراض کے مقابلہ میں ان کی برائیوں اور قباحتوں کو صرف شمار کرنا مقصود ہے اس لئے اس مقام پر تفصیل بیان نہیں کی بلکہ ان کی طرف اشارہ کر کے ان کے مقامات کا حوالہ دے دیا ہے اور اس مقام کے علاوہ دیگر مناسب مقام پر ان کو مبسوط طور پر بیان کیا ہے۔

﴿وَإِنْ مِّنْ أَهْلِ الْكِتٰبِ إِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهِ قَبْلَ مَوْتِهِ﴾ ''اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا۔'' (قَبْلَ مَوْتِهِ) میں اس بات کا احتمال ہے کہ ضمیر کا مرجع اہل کتاب ہو۔ تب اس احتمال کی صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اہل کتاب کا ہر شخص اپنی موت کے وقت اس امر کی حقیقت کا معائنہ کر لے گا۔ پس وہ اس وقت جناب عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے گا مگر یہ وہ ایمان ہے جو کوئی فائدہ نہیں دیتا کیونکہ یہ اضطراری ایمان ہے۔ پس یہ مضمون ان کے لئے تہدید و وعید کی حیثیت رکھتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے اس حال پر قائم نہ رہیں جس پر انہیں موت سے قبل نادم ہونا پڑتا ہے۔ جب وہ یہاں نادم ہوتے ہیں تو حشر کے روز جب وہ اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے ان کا کیا حال ہوگا؟

اور آیت میں اس بات کا احتمال بھی ہے کہ (قَبْلَ مَوْتِهِ) میں ضمیر کا مرجع جناب عیسیٰ علیہ السلام ہوں۔ تب معنی یہ ہوں گے کہ اہل کتاب کا ہر شخص جناب مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کی موت سے قبل ان پر ایمان لے آئے گا۔ جناب مسیح علیہ السلام قیامت کے قریب ظاہر ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ آمد ظہور قیامت کی بڑی بڑی نشانیوں میں شمار ہوتی ہے۔ بکثرت احادیث میں وارد ہے کہ اس امت کے آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا' وہ دجال کو قتل کریں گے' جزیہ ساقط کر دیں گے اور اہل ایمان کے ساتھ اہل کتاب بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے۔ قیامت کے روز حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان کے اعمال پر گواہی دیں گے کہ آیا یہ اعمال شریعت

کے مطابق تھے یا نہیں؟ اس روز وہ ان کے ہر اس عمل کے بطلان کی گواہی دیں گے جو شریعت قرآن کے مخالف ہوگا۔ چونکہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اہل کتاب کو اس کی طرف دعوت دی ہے اس لئے ہمیں اس بات کا علم ہے اور اس وجہ سے بھی کہ ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کامل طور پر عادل اور صاحب صدق ہونے کا علم ہے اور ہمیں یہ بھی علم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف حق کی گواہی دیں گے اور اس بات کی گواہی دیں گے کہ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ جو لے کر آئے' وہ حق ہے' اس کے علاوہ جو کچھ ہے' باطل اور گمراہی ہے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ اس نے اہل کتاب پر بہت سی پاک چیزیں حرام ٹھہرادی تھیں جو ان پر حلال تھیں۔ یہ تحریم ان کے ظلم وتعدی' اللہ تعالیٰ کے راستے سے لوگوں کو روکنے' لوگوں کو ہدایت کی راہ سے باز رکھنے اور منع کرنے کے باوجود ان کے سود کھانے کی وجہ سے سزا کے طور پر نافذ کی گئی تھی۔ وہ محتاج لوگوں کو اپنی خرید وفروخت میں سود کے ذریعے سے انصاف کی راہ سے ہٹاتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خود ان کے فعل کی جنس ہی سے ان کو سزا دی اور بہت سی طیبات کو ان پر حرام کردیا' جن کو حلال کرنے کے وہ خواہش مند تھے' کیونکہ فی نفسہ وہ حلال تھیں۔ رہی اس امت پر بعض چیزوں کی تحریم' تو یہ تحریم ان کو ان خبائث سے بچانے کی خاطر ہے جو ان کے دین ودنیا میں نقصان دہ ہیں۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ

لیکن جو پکے ہیں علم میں ان میں سے' اور مومن' وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو نازل کیا گیا آپ کی طرف

وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ

اور جو نازل کیا گیا آپ سے پہلے اور قائم کرنیوالے ہیں نماز اور ادا کرنیوالے ہیں زکوٰۃ اور ایمان رکھنے والے ہیں

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ ع ۲۲

ساتھ اللہ اور یوم آخرت کے' یہ لوگ ہیں' عنقریب دیں گے ہم ان کو اجر بہت بڑا ○

جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے معایب بیان کئے' تو اب ان لوگوں کا ذکر کر رہا ہے جو ان میں سے قابل تعریف ہیں۔ ﴿لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ ''مگر جو لوگ ان میں سے علم میں پکے ہیں اور مومن ہیں'' یعنی وہ لوگ جن کے دلوں میں علم مضبوط اور ایقان راسخ ہے اور اس کے ثمرہ میں انہیں ایمان کامل حاصل ہوتا ہے ﴿بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ''وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو آپ ﷺ پر اتاری گئی اور ان کتابوں پر جو آپ سے پہلے اتاری گئیں۔'' یہ ایمان انہیں اعمال صالحہ کا پھل عطا کرتا ہے' مثلاً نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا' یہ دونوں سب سے افضل اعمال ہیں' کیونکہ یہ دونوں معبود کے لئے اخلاص اور اس کے بندوں کے لئے احسان پر مشتمل ہیں۔ وہ لوگ روز قیامت پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ بنابریں وہ اللہ تعالیٰ کی

وعید سے ڈرتے ہیں اور اس کے وعدے پر امید رکھتے ہیں۔ ﴿ أُولَٰئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴾ ''ہم عنقریب انہیں اجر عظیم سے نوازیں گے'' کیونکہ انہوں نے علم' ایمان' عمل صالح' گزشتہ اور آئندہ آنے والے انبیاء و مرسلین اور تمام کتب الٰہیہ پر ایمان کو جمع کر دیا۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعْدِهِ ۚ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ

بلاشبہ وحی کی ہم نے آپ کی طرف جیسے وحی کی ہم نے نوح اور (دوسرے) نبیوں کی طرف اس کے بعد اور وحی کی ہم نے طرف

إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ

ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد اور عیسٰی اور ایوب اور یونس

وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ ۚ وَآتَيْنَا دَاوُودَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ

اور ہارون اور سلیمان کی اور دی ہم نے داود کو زبور ○ اور (بھیجے ہم نے) کئی رسول' تحقیق بیان کیا ہم نے ان کا حال آپ پر

مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ رُّسُلًا

اس سے پہلے اور کئی رسول ایسے کہ نہیں بیان کیا ان کا حال آپ پر اور کلام کیا اللہ نے موسیٰ سے (خاص طور پر) کلام ○ (بھیجے) رسول

مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ۚ

خوشخبری دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ (باقی) نہ رہے لوگوں کیلئے اللہ پر کوئی الزام بعد رسولوں کے

وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾

اور ہے اللہ بڑا زبردست حکمت والا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور رسول محمد مصطفیٰ ﷺ پر اسی طرح عظیم شریعت اور سچی خبریں وحی کی ہیں جس طرح اس نے ان انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام پر وحی کی تھیں۔ اس میں متعدد فوائد ہیں:

(۱) نبی اکرم ﷺ کوئی نئے اور انوکھے رسول نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے پہلے بھی بے شمار رسول بھیجے ہیں اس لئے آپ ﷺ کی رسالت کو انوکھا اور نادر سمجھنا جہالت اور عناد کے سوا کچھ نہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف اصول اور عدل کے ضابطے وحی کئے ہیں جس طرح انبیائے سابقین کی طرف وحی فرمائے تھے جن پر عمل کر کے وہ تقویٰ اختیار کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی تصدیق اور ایک دوسرے کی موافقت کرتے تھے۔

(۳) محمد مصطفیٰ ﷺ انہی انبیاء و رسل کی جنس سے تعلق رکھتے ہیں' لہٰذا آپ کو دیگر انبیاء و رسل کے زمرے میں رکھ کر آپ کا اعتبار کرنا چاہئے۔ آپ کی دعوت وہی ہے جو ان رسولوں کی دعوت تھی' آپ کے اخلاق ان کے اخلاق سے متفق' آپ کی اور ان کی تعلیمات کا مصدر ایک اور آپ کے اور ان سب کے

مقاصد یکساں ہیں........پس اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا مجہول اور کذاب لوگوں اور ظالم بادشاہوں کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔

(۴) (قرآن مجید میں) ان انبیاء و رسل کے تذکرے اور ان کی تعداد بیان کرنے میں ان کی ایسی مدح وثنا اور تعریف و تعظیم ہے اور ان کے احوال کی اس طرح تشریح ہے جس سے ان کے بارے میں مومن کے ایمان اور محبت میں اضافہ ہوتا ہے' ان کے طریقے اور سنت کو اپنانے کا جذبہ بڑھتا ہے اور ان کے حقوق کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کا مصداق ہے۔ ﴿ سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ (الصافات:۷۹/۳۷) سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ (الصافات: ۱۰۹/۳۷) سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ (الصافات: ۱۲۰/۳۷) سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ (الصافات: ۱۳۰/۳۷) اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ (الصافات: ۱۳۱/۳۷) ﴾ پس بھلائی اور احسان کرنے والے ہر شخص کو اس کے احسان کے مطابق مخلوق کے اندر ثنائے حسن نصیب ہوتی ہے۔ تمام انبیاء و رسل خصوصاً وہ انبیائے کرام جن کے اسمائے گرامی گزشتہ سطور میں ذکر کیے گئے ہیں احسان کے بلند ترین مرتبہ پر فائز ہیں۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے وحی میں ان کے اشتراک کا ذکر فرمایا' وہاں اس نے بعض انبیاء کے اختصاص کا بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ اس نے جناب داود علیہ السلام کو زبور عطا کی اور یہ وہ معروف اور لکھی ہوئی کتاب ہے جو داود علیہ الصلوۃ والسلام کے فضل و شرف کی بنا پر ان کے لئے مخصوص کی گئی۔

اللہ تعالیٰ نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام فرمایا۔ یعنی بغیر کسی واسطہ کے بالمشافہ کلام فرمایا۔ حتیٰ کہ یہ بات تمام دنیا میں مشہور ہوگئی اور جناب موسیٰ علیہ السلام کو "کلیم الرحمٰن" کہا جانے لگا۔

نیز یہ بھی ذکر فرمایا کہ ان انبیاء و رسل میں سے بعض کا قصہ رسول اللہ ﷺ پر بیان فرمایا اور بعض انبیاء کا قصہ بیان نہیں فرمایا اور یہ امر انبیائے کرام کی کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان لوگوں کے لئے دنیاوی اور اخروی سعادت کی خوشخبری سنانے والے بنا کر مبعوث فرمایا جو ان کی اطاعت کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے دونوں جہانوں کی بدبختی سے ڈرانے والے بنا کر بھیجا جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور ان رسولوں کی مخالفت کرتے ہیں۔۔ تاکہ انبیاء و رسل مبعوث کرنے کے بعد لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت باقی نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں کہ ﴿ مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّ نَذِیْرٌ ﴾ (المائدہ: ۱۹/۵) "ہمارے پاس کوئی خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔ پس تحقیق تمہارے پاس خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے"۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے مسلسل رسول بھیجنے کے بعد لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت باقی نہ رہی۔ یہ رسول

لوگوں کے سامنے ان کا دین بیان کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضی کے اسباب اور جنت وجہنم کے راستے واضح کرتے ہیں۔۔۔۔تب جو کوئی ان انبیاء ورسل کا انکار کرتا ہے' تو وہ اپنے نفس کے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔

اور یہ اللہ تعالیٰ کے کامل غلبہ اور کامل حکمت کی دلیل ہے کہ اس نے لوگوں کی طرف رسول مبعوث فرمائے اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان بھی ہے' کیونکہ لوگ انبیاء ورسل کی بعثت کے سخت ضرورت مند تھے تب اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اضطرار کا ازالہ فرمایا۔ پس وہی حمد وثنا اور شکر کا مستحق ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ اس نے جس طرح اپنے رسول بھیج کر ہم پر اپنی نعمت کی ابتدا کی' اسی طرح وہ ہمیں ان کے راستے پر گامزن ہونے کی توفیق سے نواز کر اس نعمت کا اتمام کرے' بے شک وہ جواد اور کریم ہے۔

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ؕ

لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اسکی جو نازل کیا اس نے طرف آپکی کہ نازل کیا ہے اس کو اپنے علم کے ساتھ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں

وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ؕ﴿۱۶۶﴾

اور کافی ہے اللہ گواہ ○

اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ ذکر فرمایا کہ اس نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جس طرح دیگر انبیاء کی طرف' وہاں یہ خبر بھی دی ہے کہ اس نے آپ ﷺ کی رسالت کی اور جو تعلیمات لے کر آپ مبعوث ہوئے' ان کی صحت کی گواہی دی ہے۔ فرمایا: ﴿اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ﴾ ''اس نے اپنے علم سے اسے نازل کیا ہے۔'' اس میں اس معنی کا احتمال ہے کہ اس نے قرآن کو اس طرح نازل فرمایا کہ وہ اس (اللہ) کے علم پر مشتمل ہے' یعنی اس کے اندر تمام علوم الہیہ' احکام شرعیہ اور اخبار غیبیہ موجود ہیں۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ کا وہ علم ہے جو اس نے اپنے بندوں کو سکھایا۔ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد ہو کہ اس نے اس قرآن کو اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ تب اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی شہادت کے پہلو کی طرف اشارہ اور تنبیہ ہے اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے اس طرح نازل فرمایا ہے کہ وہ اوامر ونواہی پر مشتمل ہے اور یہ سب کچھ جانتا ہے اور وہ اس کے احوال کو بھی جانتا ہے جس پر یہ نازل کیا گیا اور اللہ تعالیٰ یہ بھی جانتا ہے کہ اس نے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی ہے۔ پس جس کسی نے اس کی دعوت پر لبیک کہی اور اس کی تصدیق کی وہ اللہ تعالیٰ کا دوست ہے اور جس کسی نے اس کو جھٹلایا اور اس کے ساتھ عداوت رکھی وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا مال اور خون مباح کر دیا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے دوست کو قدرت عطا کرتا ہے اور پے در پے اس کی مدد کرتا ہے' اس کی دعائیں قبول کرتا ہے' اس کے دشمنوں سے الگ ہو جاتا ہے اور اس کے دوستوں کی مدد کرتا ہے۔

کیا کوئی ایسی شہادت ہے جو اس شہادت سے بڑی ہو؟ اللہ تعالیٰ کے علم' اس کی قدرت اور اس کی حکمت میں

عیب لگائے بغیر نیز فرشتوں کے ایمان کامل اور مشہود علیہ کی جلالت شان کی بنا پر اس چیز پر ان کی شہادت کے بارے میں جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے عیب چینی کیے بغیر اس شہادت میں جرح وقدح ممکن نہیں۔ اس قسم کے عظیم الشان امور پر خواص ہی سے شہادت طلب کی جاتی ہے جیسا کہ توحید پر شہادت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓىِٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآىِٕمًۢا بِالْقِسْطِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ﴾ (آل عمران: ۱۸/۳) ”اس نے شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی الہ نہیں، فرشتوں اور اہل علم نے بھی شہادت دی ہے کہ وہ انصاف کے ساتھ حکومت کر رہا ہے، اس کے سوا کوئی الہ نہیں، وہی زبردست ہے اور حکمت والا ہے۔“

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور روکا (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے' یقیناً وہ گمراہ ہو گئے گمراہ بہت دور کے ○ بے شک

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ طَرِیْقًا ﴿۱۶۸﴾

وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کیا' نہیں ہے اللہ کہ بخش دے ان کو اور نہ ایسا کہ دکھلائے ان کو راہ ○

اِلَّا طَرِیْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿۱۶۹﴾

مگر راہ جہنم کی' ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں ابد تک' اور ہے یہ اللہ پر بہت آسان ○

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیاء ورسل صلوات اللہ وسلامہ علیہم کی رسالت اور خاتم الانبیاء محمد مصطفی ﷺ کی رسالت کے بارے میں خبر دی ہے۔ اس رسالت پر خود بھی گواہی دی اور اس کے فرشتوں نے بھی گواہی دی اور اس سے مشہود بہ اور امر متحقق کا ثابت ہونا لازم آتا ہے۔ پس اس طرح انبیاء کی تصدیق' ان پر ایمان لانا اور ان کی اتباع کرنا واجب ہے' پھر جن لوگوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کا انکار کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ﴾ ”جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکا۔“ یعنی انہوں نے خود اپنے کفر کرنے کو اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کو جمع کر دیا۔ یہ لوگ ائمہ کفر اور گمراہی کے داعی ہیں۔ ﴿قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا﴾ ”وہ راستے سے بھٹک کر دور جا پڑے۔“ جو شخص خود بھی گمراہ ہوا اور اس نے دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا ہو اس سے بڑی گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس نے دو گناہ سمیٹے اور وہ دو خسارے لے کر لوٹا اور دو ہدایتوں سے محروم ہو گیا۔ بنابریں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا﴾ ”جو لوگ کافر ہوئے اور ظلم کرتے رہے۔“ اور یہ ظلم ان کے کفر پر اضافہ ہے ورنہ جب ظلم کا اطلاق کیا جاتا ہے تو کفر اس کے اندر شامل ہوتا ہے۔ یہاں ظلم سے مراد اعمال کفر اور اس کے اندر استغراق ہے۔ پس یہ لوگ مغفرت اور صراط مستقیم کی طرف راہنمائی سے بہت دور ہیں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَمْ یَكُنِ اللّٰهُ لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِیَهْدِیَهُمْ طَرِیْقًا اِلَّا طَرِیْقَ جَهَنَّمَ﴾ ”اللہ ان کو بخشنے والا نہیں اور نہ انہیں راستہ ہی دکھائے گا' ہاں دوزخ کا راستہ۔“ ان کے لئے مغفرت اور ہدایت کی نفی محض

اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنی سرکشی پر قائم اور اپنے کفر میں بڑھتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر ہدایت کی راہ مسدود ہو گئی۔ ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ (حم السجدة: ٤٦/٤١) ''تیرا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا''۔

﴿وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيرًا﴾ ''اور یہ بات اللہ کو آسان ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پروا نہیں کیونکہ وہ بھلائی کی صلاحیت نہیں رکھتے اور وہ اسی حال کے لائق ہیں جس کو انہوں نے اپنے لئے منتخب کیا۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ

اے لوگو! تحقیق آ گیا تمہارے پاس یہ رسول حق لے کر تمہارے رب کی طرف سے پس ایمان لاؤ تم (ہوگا یہ) بہتر تمہارے لیے

وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾

اور اگر تم کفر کرو گے تو اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور ہے اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ تمام لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کے بندے اور رسول محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائیں۔ اس نے اس سبب کا بھی ذکر فرمایا ہے جو ایمان کا موجب ہے اور ایمان کے اندر جو فوائد اور عدم ایمان کے اندر جو نقصانات ہیں ان سب کا ذکر کیا ہے۔ پس ایمان کا موجب' سبب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دینا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حق کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری فی نفسہ حق اور جو شریعت آپ لائے ہیں وہ بھی حق ہے۔

عقلمند شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ مخلوق کا اپنی جہالت میں سرگرداں رہنا اور اپنے کفر میں ادھر ادھر مارے مارے پھرنا جبکہ رسالت منقطع ہو چکی ہو۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی رحمت کے لائق نہیں۔ پس یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت اور بے پایاں رحمت ہے کہ اس نے ان کی طرف رسول کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ ان کو گمراہی اور ضلالت میں سے رشد و ہدایت کی پہچان کروائیں۔ آپ ﷺ کی رسالت میں مجرد غور و فکر ہی آپ کی نبوت کی صداقت کی قطعی دلیل ہے۔ اسی طرح اس عظیم شریعت اور صراط مستقیم میں غور و فکر' جس کے ساتھ آپ تشریف لائے ہیں آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ اس میں گزشتہ زمانوں اور آئندہ آنے والے زمانوں کے امور غیبیہ' نیز اللہ تعالیٰ اور روز آخرت کے بارے میں ایسی ایسی خبریں دی گئی ہیں کہ کوئی شخص وحی اور رسالت کے بغیر ان کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا اور اس میں ہر قسم کی خیر و صلاح' رشد و ہدایت' عدل و احسان' صدق' نیکی' صلہ رحمی' اور حسن اخلاق کا حکم دیا گیا ہے اور ہر قسم کے شر' فساد' بغاوت' ظلم' بد خلقی' جھوٹ اور والدین کی نافرمانی سے روکا گیا ہے جن کے بارے میں قطعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

بندے کی بصیرت میں جب بھی اضافہ ہوتا ہے اس کے ایمان و ایقان میں اضافہ ہوتا ہے۔ پس یہ ہے وہ سبب

جو بندے کو ایمان کی دعوت دیتا ہے۔ رہی ایمان میں فائدے کی بات تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ ﴿خَیْرًا لَّکُمْ﴾ ''تمہارے لئے بہتر ہے۔'' خیر' شر کی ضد ہے۔ پس ایمان اہل ایمان کے ابدان' ان کے دلوں' ان کی ارواح اور ان کی دنیا و آخرت میں ان کے لئے بہتر ہے۔ کیونکہ ایمان پر مصالح اور فوائد مترتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہر قسم کا ثواب' خواہ وہ اسی دنیا میں حاصل ہو یا آخرت میں' ایمان ہی کا ثمرہ ہے اور فتح و نصرت' ہدایت' علم' عمل صالح' مسرتیں' فرحتیں' جنت اور جنت کی تمام نعمتیں' ان سب کا سبب ایمان ہے۔ جیسے دنیاوی اور اخروی بدبختی عدم ایمان یا نقص ایمان کے باعث ہے۔

رہا رسول اللہ ﷺ پر عدم ایمان کا ضرر تو اسے ان فوائد کی ضد سے معلوم کیا جا سکتا ہے جو ایمان کے باعث حاصل ہوتے ہیں اور بندہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے۔ تمام گناہ گاروں کا گناہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ ''اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔'' یعنی زمین و آسمان میں ہر چیز اس کی مخلوق' اس کی ملکیت اور اس کی تدبیر اور تصرف کے تحت ہے ﴿وَ کَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا﴾ ''اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔'' ﴿حَکِیْمًا﴾ ''حکمت والا ہے۔'' وہ اپنے خلق و امر میں حکمت کا مالک ہے۔ پس وہ جانتا ہے کہ کون ہدایت اور کون گمراہی کا مستحق ہے۔ ہدایت اور گمراہی کو ان کے اپنے اپنے مقام پر رکھنے میں وہ حکمت سے کام لیتا ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ

اے اہل کتاب! نہ غلو (زیادتی) کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ کے بارے میں مگر حق بات' بس مسیح

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَ رُوْحٌ

عیسیٰ ابن مریم تو اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہی ہے جس کو اس نے ڈالا مریم کی طرف اور ایک روح ہے

مِّنْهُ ؗ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ۫ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا

اسکی طرف سے' پس ایمان لاؤ تم اللہ اور اسکے رسولوں پر اور نہ کہو کہ (الٰہ) تین ہیں۔ باز آجاؤ (اس سے' ہوگا)

خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ

بہتر تمہارے لیے' بس اللہ ہی معبود ہے اکیلا' وہ پاک ہے اس سے کہ ہو اس کی کوئی اولاد'

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۠ ﴿۱۷۱﴾

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز ○

وقف لازم

اللہ تبارک و تعالیٰ اہل کتاب کو دین میں غلو کرنے سے منع کرتا ہے اور غلو سے مراد ہے حد سے تجاوز کرنا اور حدود مشروع سے نکل کر غیر مشروع کی طرف جانا۔ جیسے نصاریٰ جناب عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں غلو

سے کام لیتے ہیں اور انہیں نبوت اور رسالت کے مقام سے اٹھا کر ربوبیت کے مقام پر بٹھا دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لائق نہیں۔ پس جس طرح تقصیر اور تفریط (کمی) منہیات میں سے ہے' غلو بھی اسی طرح ممنوع ہے۔ اسی لئے فرمایا: ﴿وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ ''اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔'' یہ کلام اقدس تین امور کو متضمن ہے۔ ان میں سے پہلے دو امور ممنوع ہیں۔

اول: اللہ تبارک وتعالیٰ پر جھوٹ باندھنا۔

ثانی: اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات اس کے افعال' اس کی شریعت اور اس کے رسولوں کے بارے میں بلاعلم بات کرنا۔

ثالث: اور تیسری چیز وہ ہے جس کا حکم دیا گیا ہے اور وہ ہے ان تمام امور میں قول حق۔

چونکہ یہ ایک عام قاعدہ کلیہ ہے اور سیاق کلام جناب عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں نص اور قول حق ہے اور یہودیت اور نصرانیت کے طریقے کے خلاف ہے اس لئے فرمایا۔ ﴿اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ﴾ ''مسیح یعنی مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول ہیں۔'' یعنی جناب مسیح علیہ السلام کی غایت اور مراتب کمال کی انتہاء وہ اعلیٰ ترین حالت ہے جو کسی مخلوق کے لئے ہو سکتی ہے اور وہ مرتبۂ رسالت ہے' جو بلند ترین درجہ اور جلیل ترین مقام ہے۔

﴿وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ﴾ ''اور اس کا کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا'' اور وہ ایک کلمہ ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور اس کلمہ کے ذریعے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تخلیق پائی۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ کلمہ نہ تھے بلکہ وہ اس کلمہ کے ذریعے سے وجود میں آئے اور یہ شرف و تکریم کی اضافت ہے۔ اسی طرح فرمایا: ﴿وَرُوْحٌ مِّنْهُ﴾ ''اور اس کی طرف سے ایک روح تھے۔'' یعنی ان ارواح میں سے ایک روح ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا اور صفات فاضلہ اور اخلاق کاملہ کے ساتھ اس کی تکمیل کی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے وہ روح جبریل علیہ الصلوۃ والسلام کو دے کر جناب مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا اور انہوں نے جناب مریم علیہا السلام کی فرج میں روح کو پھونک دیا' پس اللہ کے حکم سے ان کو حمل ٹھہر گیا جس سے حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت واضح کر دی تو اس نے اہل کتاب کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کا حکم دیا اور ان کو تین خدا بنانے سے منع کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ' حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہما السلام ان کا برا ہو یہ نصاریٰ کا قول باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ اس تثلیث سے باز آ جائیں اور انہیں آگاہ فرمایا کہ یہ ان کے لئے بہتر ہے کیونکہ یہ امر متعین ہے کہ یہی نجات کی راہ ہے اور اس کے سوا ہر راستہ

ہلاکت کی طرف لے جاتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو شریک اور اولاد سے منزہ قرار دیا ہے۔

فرمایا: ﴿ إِنَّمَا اللّٰهُ إِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ ''اللہ ہی معبود واحد ہے۔'' یعنی وہ الوہیت میں منفرد (یکتا) ہے جس کے سوا عبادت کا کوئی مستحق نہیں ﴿ سُبْحٰنَهٗٓ ﴾ وہ اس سے منزہ اور پاک ہے ﴿ أَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ﴾ ''کہ اس کا کوئی بیٹا ہو'' کیونکہ ﴿ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ﴾ ''اسی کے لئے ہے جو آسمانوں میں اور جو زمین میں ہے'' پس تمام اس کے مملوک اور اس کے محتاج ہیں۔ اس لئے یہ محال ہے کہ ان میں سے اس کا کوئی شریک یا اس کا کوئی بیٹا ہو۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ تمام عالم علوی اور سفلی کا مالک ہے تو وہ یہ بھی بتلاتا ہے کہ وہی تمام دنیوی اور اخروی مصالح کا بھی انتظام فرماتا ہے' ان مصالح کی حفاظت کرتا ہے اور ان کی جزا دیتا ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ أَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ

ہرگز نہیں عار کریں گے مسیح اس سے کہ ہوں وہ بندے اللہ کے اور نہ فرشتے مقرب اور جو کوئی

يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَأَمَّا الَّذِيْنَ

عار کرے اللہ کی عبادت سے اور تکبر کرے تو یقیناً وہ جمع کرے گا ان کو اپنی طرف سب کو ○ پس لیکن وہ لوگ جو

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ أُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَأَمَّا

ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے نیک' تو پورا دے گا وہ ان کو اجر ان کا اور زیادہ دے گا ان کو اپنے فضل سے اور لیکن

الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ

وہ لوگ جنہوں نے عار کیا اور تکبر کیا تو عذاب دے گا وہ ان کو عذاب بہت دردناک' اور نہیں پائیں گے وہ اپنے لیے

مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کے بارے میں نصاریٰ کے غلو کا ذکر فرمایا اور بیان فرمایا کہ جناب عیسیٰ اللہ کے بندے اور رسول ہیں' تو اب یہاں یہ بھی واضح کر دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے رب کی عبادت میں عار نہیں سمجھتے تھے' یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے روگردانی نہیں کرتے تھے۔ ﴿ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ﴾ ''اور نہ اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے'' اس کی عبادت سے منہ موڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو اس چیز سے پاک رکھا ہے کہ وہ اس کی عبادت کو عار سمجھیں اور تکبر و استکبار سے پاک ہونا تو بدرجہ اولیٰ ان کی صفت ہے۔ کسی چیز کی نفی سے اس کی ضد کا اثبات ہوتا ہے..... یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے تو اپنے رب کی عبادت میں رغبت رکھتے ہیں' اس کی عبادت کو پسند کرتے ہیں اور اپنے اپنے حسب احوال اس کی عبادت میں سعی کرتے ہیں۔ ان کی یہ عبادت ان کے لئے بہت بڑے شرف اور فوز عظیم کی

موجب ہے۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور الوہیت میں اپنے آپ کو بندے سمجھنے میں عار محسوس نہیں کی بلکہ وہ ہر طرح سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کا محتاج سمجھتے ہیں۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام یا کسی اور کو اس مرتبے سے بڑھانا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیا ہے' ان کے لئے کوئی کمال ہے بلکہ یہ تو عین نقص اور مذمت و عذاب کا محل و مقام ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا﴾ ''اور جو شخص اللہ کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے اور سرکشی کرے تو اللہ سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کو عار سمجھنے والوں' متکبروں اور اپنے مومن بندوں' سب کو عنقریب جمع کرے گا اور ان کے درمیان عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔ اور اپنی جزا سے نوازے گا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے مذکورہ افراد کی بابت اپنے الگ الگ فیصلے کی بابت فرمایا: ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ''پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے'' یعنی انہوں نے ایمان مامور کے ساتھ اعمال صالحہ یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ضمن میں واجبات و مستحبات کو جمع کیا ﴿فَيُوَفِّيهِمْ أُجُورَهُمْ﴾ ''وہ ان کو ان کا پورا بدلہ دے گا۔'' یعنی وہ اجر' جس کو اللہ تعالیٰ نے اعمال پر مترتب فرمایا ہے۔ ہر شخص کو اس کے ایمان اور عمل کے مطابق ملے گا ﴿وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ''اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی عنایت کرے گا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ثواب میں اتنا اضافہ کرے گا کہ ان کے اعمال یہ ثواب حاصل نہیں کر سکتے' ان کے افعال اس ثواب تک نہیں پہنچ سکتے اور اس ثواب کا تصور بھی ان کے دل میں نہیں آ سکتا۔ اس ثواب میں ہر وہ چیز شامل ہے جو جنت میں موجود ہے' مثلاً ماکولات' مشروبات' بیویاں' خوبصورت مناظر' فرحت و سرور' قلب وروح اور بدن کی نعمتیں' بلکہ اس میں ہر دینی اور دنیاوی بھلائی شامل ہے جو ایمان اور عمل صالح پر مترتب ہوتی ہے۔

﴿وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنْكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا﴾ ''لیکن وہ لوگ جنہوں نے عار کی اور تکبر کیا'' یعنی وہ لوگ جو تکبر کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کو عار سمجھتے ہیں ﴿فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ ''ان کو وہ تکلیف دینے والا عذاب دے گا۔'' یہ عذاب الیم' اللہ تعالیٰ کی ناراضی' اس کے غضب اور بھڑکتی ہوئی آگ پر مشتمل ہے جو دلوں کے ساتھ لپٹ جائے گی۔ ﴿وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾ ''اور یہ لوگ اللہ کے سوا اپنا حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔'' یعنی وہ مخلوق میں کوئی ایسا شخص نہیں پائیں گے جو ان کا ولی و مددگار بن سکے اور وہ اپنا مطلوب و مقصود حاصل کر سکیں۔ اور نہ ان کا کوئی حامی و ناصر ہو گا جو ان سے اس چیز کو دور کر سکے جس سے یہ ڈرتے ہیں' بلکہ صورت حال یہ ہو گی کہ اللہ تعالیٰ جو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے وہ بھی ان سے الگ ہو جائے گا اور ان کو دائمی عذاب میں چھوڑ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جو فیصلہ کرتا ہے اس کے فیصلے کو کوئی رد نہیں کر سکتا اور نہ اس کی قضا کو کوئی بدل سکتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾

اے لوگو! تحقیق آ گئی تمہارے پاس ایک دلیل تمہارے رب کی طرف سے اور نازل کیا ہم نے تمہاری طرف ایک نور واضح ○

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ

پس لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور مضبوط پکڑا اس کو تو وہ ضرور داخل کرے گا ان کو اپنی رحمت اور فضل میں

وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾

اور بتلا دے گا ان کو اپنے تک (پہنچنے کے لیے) راہ سیدھی ○

اللہ تبارک و تعالیٰ تمام لوگوں پر احسان جتلاتا ہے کہ اس نے ان تک براہین قاطعہ اور واضح روشنی پہنچائی' ان پر حجت قائم کرتا ہے اور ان کے سامنے ہدایت کی راہ واضح کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آ چکی ہے۔'' یعنی تمہارے پاس حق کی تائید میں قطعی دلائل آ چکے ہیں جو حق کو واضح کرتے ہیں اور اس کی ضد کو بیان کرتے ہیں۔ یہ براہین' دلائل عقلیہ' دلائل نقلیہ' آیات افقی اور آیات نفسی پر مشتمل ہیں' فرمایا: ﴿ سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ﴾ (حٰمٓ السجدۃ: ۵۳/۴۱) ''ہم عنقریب ان کو آفاق میں اور خود ان کی ذات میں نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ حق ان پر واضح ہو جائے گا۔''

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''تمہارے رب کی طرف سے۔'' اس برہان و دلیل کی عظمت و شرف پر دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ تمہارے رب کی طرف سے ہے جس نے تمہاری دینی اور دنیوی تربیت کی ہے۔ یہ اس کی تربیت ہی ہے جس پر اس کی حمد و ثنا بیان کی جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے کہ اس نے تمہیں دلائل عطا کیے تاکہ وہ صراط مستقیم کی طرف تمہاری راہنمائی کرے اور تمہیں نعمتوں سے بھری ہوئی جنتوں تک پہنچائے۔

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴾ ''اور اتارا ہم نے تمہاری طرف واضح نور'' وہ یہی قرآن عظیم ہے جو اولین و آخرین کے علوم' سچی خبروں' عدل و احسان اور بھلائی کے احکام اور ہر قسم کے ظلم اور شر سے ممانعت پر مشتمل ہے۔ لوگ اگر قرآن سے روشنی حاصل کر کے اپنی راہوں کو روشن نہیں کریں گے تو اندھیروں میں بھٹکتے رہیں گے۔ اگر انہوں نے قرآن سے بھلائی کو حاصل نہ کیا تو بہت بڑی بدبختی میں پڑے رہیں گے۔ تاہم قرآن عظیم پر ایمان لانے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے لوگ دو اقسام میں منقسم ہیں:

(۱) ﴿ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ ﴾ ''پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے۔'' یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود کا اعتراف کیا اور یہ تسلیم کیا کہ وہ تمام اوصاف کاملہ سے متصف اور ہر نقص اور ہر عیب سے منزہ ہے۔

﴿ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ ﴾ ''اور اس (کے دین کی رسی) کو مضبوط پکڑے رہے۔'' یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر

بھروسہ کرتے ہوئے اس کے ہاں پناہ لی اور اپنی قوت اور طاقت سے بری ہو کر اپنے رب سے مدد کے طلب گار ہوئے۔ ﴿فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ﴾ ''ان کو وہ اپنی رحمت اور فضل (کی بہشتوں) میں داخل کرے گا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اپنی خاص رحمت سے ڈھانپ لے گا' انہیں نیکیوں کی توفیق عنایت کرے گا' انہیں بے پایاں ثواب عطا کرے گا اور ان سے بلائیں دور کرے گا ﴿وَيَهْدِيهِمْ إِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيمًا﴾ ''اور اپنی طرف (پہنچنے کا) سیدھا راستہ دکھائے گا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ انہیں علم و عمل کی توفیق اور انہیں حق اور اس پر عمل کی معرفت عطا کرے گا۔

(۲) یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے' اللہ کے پاس پناہ نہ لی اور اس کی کتاب کو مضبوطی سے نہ پکڑا تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل اور رحمت سے محروم کر دے گا ان کو ان کے نفس کے حوالے کر دے گا۔ انہوں نے ہدایت کی راہ کو اختیار نہ کیا بلکہ وہ واضح طور پر گمراہی میں جا پڑے۔ ایمان ترک کرنے پر یہ ان کی سزا ہے' پس ناکامی اور محرومی ان کا نصیب بن گئی۔ ہم اللہ تبارک و تعالیٰ سے عفو عافیت اور معافی کا سوال کرتے ہیں۔

يَسْتَفْتُونَكَ ۖ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ ۚ إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَّلَهُ

فتویٰ پوچھتے ہیں وہ آپ سے' کہہ دیجیے! اللہ فتویٰ دیتا ہے تمہیں کلالہ کے بارے میں کہ اگر کوئی مرد مر جائے نہ ہو اسکی کوئی اولاد اور اسکی

أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَا إِن لَّمْ يَكُن لَّهَا وَلَدٌ ۚ فَإِن كَانَتَا

ایک بہن ہو تو اس کیلئے آدھا ہے اس (مال) کا جو وہ چھوڑ گیا اور وہ وارث ہوگا اس بہن کا اگر نہ ہو اس بہن کی اولاد پھر اگر ہوں وہ

اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ ۚ وَإِن كَانُوا إِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ

دو بہنیں تو ان کیلئے ہے دو تہائی اس میں سے جو وہ چھوڑ گیا اور اگر (وارث) ہوں کئی بھائی (بہن)' مرد اور عورتیں تو واسطے مرد کے ہے مثل

حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۗ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَن تَضِلُّوا ۗ وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٧٦﴾

حصے دو عورتوں کے۔ وضاحت کرتا ہے اللہ تمہارے لیے تاکہ نہ گمراہ ہو تم' اور اللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کلالہ کے بارے میں فتویٰ طلب کیا تھا اور اس کی دلیل یہ ہے ﴿قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ﴾ ''کہہ دیجیے! اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے'' (کَلَالَہ) سے مراد وہ میت ہے جس کی صلب سے کوئی اولاد ہو نہ کوئی پوتا پوتی' نہ باپ ہو نہ دادا۔ اس لئے فرمایا: ﴿إِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ﴾ ''اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کے اولاد نہ ہو'' یعنی اس کا کوئی بیٹا یا بیٹی ہو نہ صلبی بیٹا ہو اور نہ بیٹے کا بیٹا ہو...... اور اسی طرح نہ اس کا باپ ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بھائی اور بہنیں اس کے وارث بنیں گے کیونکہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ بہن بھائی باپ کی معیت میں وارث نہیں بنیں

گے۔ پس جب ایسا شخص فوت ہو جائے گا جس کی اولاد ہے نہ باپ ﴿ وَلَهٗۤ اُخۡتٌ ﴾ البتہ اس کی حقیقی یا باپ شریک بہن ہے، نہ کہ ماں شریک، کیونکہ اس کا حکم پہلے گزر چکا ہے۔ ﴿ فَلَهَا نِصۡفُ مَا تَرَكَ ﴾ ''اس (بہن) کے لیے ترکے میں سے آدھا حصہ ہے۔'' یعنی بہن کو کلالہ بھائی کے ترکہ یعنی نقدی، جائداد اور دیگر اثاثوں میں سے نصف ملے گا۔ یہ حصہ میت کی وصیت پوری کرنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد دیا جائے گا۔ جیسا کہ اس کے بارے میں احکام گزشتہ اوراق میں گزر چکے ہیں۔

﴿ وَهُوَ ﴾ ''اور وہ'' یعنی میت کا حقیقی بھائی یا باپ کی طرف سے بھائی ﴿ يَرِثُهَاۤ اِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهَا وَلَدٌ ﴾ ''اس بہن کا وارث ہوگا، اگر اس کی اولاد نہیں ہوگی'' اور اس کے لئے حصہ میراث مقرر نہ ہو کیونکہ وہ تو عصبہ ہے اگر اصحاب فروض یا عصبہ میں شریک کوئی فرد نہ ہو تو وہ تمام ترکہ لے گا یا اصحاب فروض کو ان کے حصے دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے گا وہ اس کو ملے گا۔ ﴿ فَاِنۡ كَانَتَا اثۡنَتَيۡنِ ﴾ ''اور اگر دو بہنیں ہوں۔'' یعنی دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں ﴿ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ﴾ ''تو ان کو ترکے میں سے دو تہائی ملے گا'' ﴿ وَاِنۡ كَانُوۡۤا اِخۡوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً ﴾ ''اور اگر بھائی اور بہن یعنی مرد اور عورتیں ملے جلے وارث ہوں۔'' یعنی اگر باپ کی طرف سے بھائی اور بہنیں وارث ہوں ﴿ فَلِلذَّكَرِ مِثۡلُ حَظِّ الۡاُنۡثَيَيۡنِ ﴾ ''تو مرد کے لئے، دو عورتوں کے برابر حصہ ہے'' پس عورتوں کا مقررہ حصہ (دو تہائی) ساقط ہو جائے گا اور ان عورتوں کو ان کے بھائی عصبہ بنا دیں گے۔ (گویا اس میں عصبات کا حکم بیان کیا گیا ہے) عورتوں کا حصہ ساقط ہو جائے گا اور ان کے بھائی ان کے عصبہ بنیں گے۔

﴿ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اَنۡ تَضِلُّوۡا ﴾ ''اللہ تم سے اس لیے بیان فرماتا ہے کہ بھٹکتے نہ پھرو۔'' اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ان احکام کو واضح کرتا ہے اور ان کی تشریح کرتا ہے جن کے تم محتاج ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر فضل و احسان ہے تاکہ تم راہ ہدایت پالو اور تم اس کے احکام پر عمل کرو اور تاکہ تم اپنی جہالت اور عدم علم کی وجہ سے راہ راست سے بھٹک نہ جاؤ۔ ﴿ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴾ ''اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ غائب اور موجود، ماضی اور مستقبل کے تمام امور کو جانتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم اس کی وضاحت اور تعلیم کے محتاج ہو، وہ اپنے علم میں سے تمہیں علم سکھاتا ہے جو تمہیں ہر زمان و مکان میں ہمیشہ فائدہ دے گا۔

تفسیر سورۃ المائدۃ

سورۃ المائدۃ ٥ (مدنیۃ) ١١٢ — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰیاتھا ١٢٠ رکوعاتھا ١٦

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ڛ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى

اے ایمان والو! پورا کرو تم عہدوں کو حلال کر دیے گئے ہیں تمہارے لیے چار پائے مویشی سوائے ان کے جن کی تلاوت کی جائے گی (ابھی)

عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

تم پر اس حال میں کہ نہ حلال جاننے والے ہو تم شکار کو جب کہ تم حالت احرام میں ہو بیشک اللہ فیصلہ کرتا ہے جو چاہتا ہے ○

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کو اس بات کا حکم ہے جس کا ایمان تقاضا کرتا ہے اور وہ یہ کہ معاہدوں کو پورا کیا جائے۔ ان میں کمی کی جائے نہ ان کو توڑا جائے۔ یہ آیت کریمہ ان تمام معاہدوں کو شامل ہے جو بندے اور اس کے رب کے درمیان ہیں جیسے اس کی عبودیت کا التزام' اسے پوری طرح قائم رکھنا اور اس کے حقوق میں سے کچھ کمی نہ کرنا۔ اور یہ ان معاہدوں کو بھی شامل ہے جو بندے اور رسول اللہ ﷺ کے مابین آپ کی اتباع اور اطاعت کے بارے میں ہیں اور اسی طرح اس میں وہ معاہدے بھی شامل ہیں جو بندے اور اس کے والدین اور اس کے عزیز و اقارب کے درمیان ان کے ساتھ حسن سلوک' صلہ رحمی اور عدم قطع رحمی کے بارے میں ہیں' نیز اس آیت کریمہ کے حکم میں وہ معاہدے بھی شامل ہیں جو فراخی اور تنگ دستی' آسانی اور تنگی میں صحبت اور دوستی کے حقوق کے بارے میں ہیں۔ اس کے تحت وہ معاہدے بھی آتے ہیں جو معاملات' مثلاً خرید و فروخت اور اجارہ وغیرہ کے ضمن میں بندے اور لوگوں کے درمیان ہیں۔ اس میں صدقات اور ہبہ وغیرہ کے معاہدے کی پابندی' مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی وغیرہ بھی شامل ہے جن کی پابندی کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں عائد کیا ہے۔ ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ ﴾ (الحجرات: ٤٩/ ١٠) ''تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں''۔ بلکہ حق کے بارے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور ایک دوسرے کی مدد کرنا' مسلمانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ پیار اور محبت سے مل جل کر رہنا اور قطع تعلقات سے اجتناب وغیرہ تک شامل ہے۔

پس اس حکم میں دین کے تمام اصول و فروع شامل ہیں اور دین کے تمام اصول و فروع ان معاہدوں میں داخل ہیں جن کی پابندی کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ اُحِلَّتْ لَكُمْ ﴾ ''تمہارے لیے حلال کر دیے گئے'' یعنی تمہاری خاطر اور تم پر رحمت کی بنا پر حلال کر دیے گئے ہیں ﴿ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ ﴾ ''چوپائے مویشی'' یعنی اونٹ' گائے اور بھیڑ بکری وغیرہ بلکہ بسا اوقات اس میں جنگلی جانور' مثلاً ہرن' گورخر اور اس قسم کے دیگر شکار کیے جانے والے جانور بھی شامل ہیں۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اس آیت کریمہ سے اس بچے کی حلت پر بھی استدلال کرتے ہیں جو ذبح کرتے وقت مذبوحہ کے پیٹ میں ہوتا ہے اور ذبح کرنے کے بعد وہ مذبوحہ کے پیٹ میں مر جاتا ہے۔①

﴿ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ﴾ ''سوائے ان چیزوں (کی تحریم) کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔'' جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ...... الْاٰيَةَ ﴾ (المائدہ: ۵/۳) ''تم پر حرام کر دیا گیا مردار، خون، سور کا گوشت، جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو، وہ جانور جو گلا گھٹ کر مر جائے، جو چوٹ لگ کر مر جائے، جو گر کر مر جائے، جو سینگ لگ کر مر جائے اور وہ جانور جسے درندے پھاڑ کھائیں سوائے اس کے جس کو تم ذبح کر لو اور وہ جانور جو آستانوں پر ذبح کیے جائیں......''

مذکورہ بالا تمام جانور اگرچہ (بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ) مویشیوں میں شامل ہیں تاہم یہ مردار ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔

یہ چوپائے مویشی عام طور پر تمام احوال و اوقات میں مباح ہیں البتہ احرام کی حالت میں ان کے شکار کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، اس لیے فرمایا: ﴿ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ﴾ ''مگر حلال نہ جانو شکار کو احرام کی حالت میں'' یعنی یہ جانور تمہارے لئے تمام احوال میں حلال ہیں سوائے اس حالت میں جبکہ تم احرام کی حالت میں ہو تب اس حالت میں شکار نہ کرو، یعنی احرام میں ان کو مارنے کی جرأت نہ کرو، کیونکہ حالت احرام میں ان کا شکار کرنا مثلاً ہرن وغیرہ کو مارنا تمہارے لئے جائز نہیں۔ شکار سے مراد وہ جنگلی جانور ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ﴾ ''بے شک اللہ جو چاہے، فیصلہ کرتا ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ جو بھی ارادہ کرتا ہے اس امر کے مطابق فیصلہ کرتا ہے جو اس کی حکمت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ جس طرح اس نے تمہارے مصالح کے حصول اور مضرت کو دور کرنے کے لئے تمہیں معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیا اور تم پر رحمت کی بنا پر اس نے تمہارے لئے مویشیوں کو حلال قرار دیا اور بعض موانع کی وجہ سے جو جانور ان میں سے مستثنیٰ ہیں ان کو حرام قرار دیا مثلاً مردار وغیرہ اس کا مقصد تمہاری حفاظت اور احترام ہے۔ احرام کی حالت میں شکار کو حرام قرار دیا اور اس کا مقصد احرام کا احترام اور تعظیم ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ بے حرمتی کرو اللہ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینے کی اور نہ حرم والی قربانی کی

وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ط

اور نہ پٹوں (والے جانوروں) کی اور نہ قصد کرنے والوں کی بیت الحرام کی طرف، وہ تلاش کرتے ہیں فضل اپنے رب کا اور رضامندی

---

① حدیث میں بھی ایسے بچے کو یہ کہہ کر حلال قرار دیا گیا ہے ذَكٰوةُ الْجَنِيْنِ ذَكَاةُ اُمِّهٖ (ابوداود، ترمذی، بحوالہ صحیح الجامع) ''بچے کا ذبح کرنا یہی ہے کہ اس کی ماں کو ذبح کر لیا جائے'' یعنی ماں کا ذبح کر لینا، بچے کی حلت کیلئے کافی ہے۔ (ص۔ی)

وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ

اور جب تم احرام کھول دو تو (اب) تم شکار کر سکتے ہو اور نہ آمادہ کرے تمہیں دشمنی کسی قوم کی اس وجہ سے کہ اس نے روک دیا تھا تم کو مسجد

الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ

حرام سے یہ کہ تم زیادتی کرو اور تم ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں اور نہ ایک دوسرے کی مدد کرو گناہ

وَالْعُدْوَانِ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ②

اور زیادتی پر اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ○

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ ﴾ ''اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کو حلال نہ سمجھو'' یعنی اللہ تعالیٰ کی ان محرمات کو حلال نہ ٹھہرالو جن کی تعظیم کا اور ان کے عدم فعل کا اس نے تمہیں حکم دیا ہے۔ پس یہ ممانعت' ان کے فعل کی ممانعت اور ان کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھنے کی ممانعت پر مشتمل ہے۔ یعنی یہ ممانعت فعل قبیح اور اس کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھنے کو شامل ہے اس ممانعت میں محرمات احرام اور محرمات حرم بھی داخل ہیں۔ اس میں وہ امور بھی داخل ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں آتا ہے ﴿ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ ﴾ ''اور نہ ادب کے مہینے کی'' یعنی حرمت کے مہینے میں لڑائی اور دیگر مظالم کا ارتکاب کر کے اس کی ہتک حرمت نہ کرو' جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ ﴾ (التوبہ: ۹/۳۶) ''بے شک اللہ کے نزدیک اس کی کتاب میں مہینے گنتی میں بارہ ہیں' اس روز سے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ان میں سے چار مہینے حرمت کے ہیں۔ یہی مضبوط دین ہے۔ تم ان مہینوں میں (ناحق لڑائی کر کے) اپنے آپ پر ظلم نہ کرو''۔

جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ حرام مہینوں میں لڑائی کی تحریم منسوخ ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ (التوبہ: ۹/۵) ''جب حرمت کے مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ ان کو قتل کرو''۔ اور اس کے علاوہ دیگر آیات جو عموم پر دلالت کرتی ہیں جن میں کفار کے ساتھ مطلق قتال کا حکم دیا گیا ہے اور اس قتال سے پیچھے رہ جانے پر وعید سنائی ہے' نیز نبی اکرم ﷺ نے ذیقعد کے مہینے میں اہل طائف کے خلاف جنگ کی اور ذیقعد حرام مہینوں میں سے ہے۔

دیگر اہل علم کہتے ہیں کہ حرمت کے مہینوں میں لڑائی کی ممانعت منسوخ نہیں ہے اس کی دلیل یہی مذکورہ آیت کریمہ ہے۔ جس میں خاص طور پر لڑائی کی ممانعت کی گئی ہے اور انہوں نے اس بارے میں وارد مطلق نصوص کو مقید پر محمول کیا ہے۔

اور بعض علماء نے اس میں یہ تفصیل بیان کی ہے کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ابتدا کرنا جائز نہیں' البتہ

اگر جنگ پہلے سے جاری ہو جبکہ اس کی ابتدا حلال مہینوں میں ہوئی ہو تو حرمت کے مہینوں میں اس کی تکمیل جائز ہے اور انہوں نے اہل طائف کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی جنگ کو اسی پر محمول کیا ہے کیونکہ ان کے ساتھ جنگ کی ابتدا حنین میں ہوئی جو شوال کے مہینے میں ہوئی تھی۔ یہ سب اس جنگ کے بارے میں ہے جس میں مدافعت مقصود نہ ہو۔ جہاں تک دفاعی جنگ کا معاملہ ہے جبکہ وہ کفار کی طرف سے شروع کی گئی ہو تو مسلمانوں کو اپنے دفاع میں حرمت والے مہینوں میں بھی جنگ لڑنا جائز ہے۔ اور اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے۔

﴿وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ﴾ ''اور نہ قربانی کے جانوروں کی۔'' یعنی تم اس ﴿الْهَدْيَ﴾ ''قربانی'' کو جو حج یا عمرہ یا دیگر ایام میں بیت اللہ کو بھیجی جا رہی ہو' حلال نہ ٹھہرا لو۔ اس کو قربان گاہ تک پہنچنے سے مت روکو' نہ اسے چوری وغیرہ کے ذریعے سے حاصل کرنے کی کوشش کرو' نہ اس کے بارے میں کوتاہی کرو اور نہ اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ لادو۔ مبادا کہ وہ قربان گاہ تک پہنچنے سے پہلے ہی تلف ہو جائے بلکہ اس ہدی کی اور اس کو لانے والے کی تعظیم کرو۔

﴿وَلَا الْقَلَآئِدَ﴾ ''اور نہ ان جانوروں کی (جو اللہ کی راہ میں نذر کر دیے گئے ہوں اور) جن کے گلوں میں پٹے بندھے ہوں۔'' یہ ہدی کی ایک خاص قسم ہے یہ ہدی کا وہ جانور ہے جس کے لئے قلادے وغیرہ تیار کر کے صرف اس لئے اس کی گردن میں ڈالے گئے ہوں تاکہ اس سے ظاہر ہو کہ یہ اللہ کے شعائر ہیں نیز اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ لوگ اس کی پیروی کریں اور اس سے سنت کی تعلیم بھی مقصود ہے۔ تاکہ لوگ پہچان لیں کہ یہ ہدی کا جانور ہے لہٰذا حرمت کا حامل ہے۔ بنا بریں ہدی کو علامت کے طور پر قلادے وغیرہ پہنانا سنت ہے اور شعائر مسنونہ میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

﴿وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ ''اور نہ ان لوگوں کی جو عزت کے گھر (یعنی بیت اللہ) کو جا رہے ہوں۔'' یعنی جو بیت اللہ کا قصد رکھتے ہیں ﴿يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا﴾ ''اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار ہوں۔'' یعنی جو بیت اللہ پہنچنے کا قصد رکھتا ہے اور وہ تجارت اور جائز ذرائع اکتساب کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے فضل کو حاصل کرنے کا ارادہ لئے ہوئے ہے یا وہ حج' عمرہ' طواف بیت اللہ' نماز اور مختلف انواع کی دیگر عبادات کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ارادہ رکھتا ہے' اس کے ساتھ برائی سے پیش آؤ نہ اس کی اہانت کرو' بلکہ اس کی تکریم کرو اور تمہارے رب کے گھر کی زیارت کے لئے جانے والوں کی تعظیم کرو۔ اس حکم میں یہ چیز بھی داخل ہے کہ بیت اللہ کی طرف جانے والے تمام راستوں کو پرامن بنایا جائے تاکہ بیت اللہ کو جانے والے بڑے اطمینان سے اللہ کے گھر کو جا سکیں' انہیں راستے میں قتل و غارت اور اپنے اموال کے بارے میں کسی چوری ڈاکے اور کسی ظلم کا خوف نہ ہو۔

اس آیت کریمہ کے عموم کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد خاص کرتا ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ

﴿ ...نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ﴾ (التوبہ: ۹/ ۲۸) ''اے ایمان لانے والے لوگو! مشرک تو ناپاک ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ جائیں''۔ لہٰذا مشرک حرم میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس آیت کریمہ میں بیت اللہ کی طرف جانے والے اور اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی رضا کا قصد رکھنے والے سے تعرض کرنے کی ممانعت کی تخصیص اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص اس نیت سے بیت اللہ کا قصد کرتا ہے کہ گناہوں کے ذریعے سے اس کی ہتک حرمت کا ارتکاب کرے' اس کو اللہ تعالیٰ کے گھر میں فساد پھیلانے سے روکا جائے کیونکہ اسے اس فعل سے روکنا حرم کے احترام کی تکمیل ہے' جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍۢ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ (الحج: ۲۲/ ۲۵) ''اور جو کوئی اس میں ظلم سے کج روی کرنا چاہے ہم اسے دردناک عذاب کا مزا چکھائیں گے''۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے حالت احرام میں شکار کرنے سے منع کیا ہے' اس لئے فرمایا: ﴿ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ﴾ ''اور جب احرام اتار دو تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو''۔ یعنی جب تم حج اور عمرہ کا احرام کھول دو تو تمہارے لئے شکار کرنا جائز ہے اور اب اس کی تحریم ختم ہوگئی ہے۔ تحریم کے بعد کا حکم محرمہ اشیاء کو ان کی اس حالت کی طرف لوٹا دیتا ہے جو تحریم کے حکم سے پہلے تھی۔

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ﴾ ''اور لوگوں کی دشمنی' اس وجہ سے کہ انہوں نے تم کو عزت والی مسجد سے روکا تھا' تمہیں زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے''۔ یعنی کسی قوم کا بغض' عداوت اور تم پر ان کا ظلم وتعدی کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام تک جانے سے روکا تھا تمہیں ان پر ظلم وتعدی کرنے پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان سے بدلہ لے کر اپنے غصے کو ٹھنڈا کرو' کیونکہ بندے پر ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا التزام کرنا اور عدل وانصاف کا راستہ اختیار کرنا فرض ہے۔ خواہ اس کے خلاف جرم' ظلم یا زیادتی کا ارتکاب ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔ جس نے اس پر جھوٹا الزام لگایا' اس پر جھوٹا الزام لگانا اور جس نے اس کے ساتھ خیانت کی' اس کے ساتھ خیانت کرنا کسی حالت میں جائز نہیں۔

﴿ وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ﴾ ''نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو''۔ یعنی تم نیکیوں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ یہاں ﴿ الْبِرِّ ﴾ ''نیکی'' حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ضمن میں ان تمام ظاہری اور باطنی اعمال کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور وہ ان پر راضی ہے۔ اس مقام پر تقویٰ ان تمام ظاہری اور باطنی اعمال کو ترک کرنے کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ناپسند ہیں۔ بھلائی کی ہر خصلت جس کے فعل کا حکم یا برائی کی ہر خصلت جسے ترک کرنے کا حکم ہے بندہ خود بھی اس کے فعل پر مامور ہے اور اسے اپنے مومن بھائیوں کے ساتھ' اپنے قول وفعل کے ذریعے سے جو ان کو اس بھلائی پر آمادہ کرے یا اس میں نشاط پیدا کرے' تعاون کرنے کا حکم ہے۔

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ ﴾ ''اور گناہ پر ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو'' اور یہ ان گناہوں پر جسارت ہے جن کے ارتکاب سے انسان گناہ گار اور نا قابل اعتبار ہو جاتا ہے ﴿ وَالْعُدْوَانِ ﴾ ''اور نہ زیادتی پر'' یہ مخلوق کے ساتھ ان کی جان و مال اور ان کی عزت و ناموس کے بارے میں ظلم اور زیادتی ہے۔ پس بندے پر واجب ہے کہ وہ ہر گناہ اور ظلم و تعدی سے اپنے آپ کو بھی روکے اور دوسروں کے ساتھ بھی اس ظلم و تعدی کو ترک کرنے پر تعاون کرے۔ ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو' کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔'' اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو سزا دے گا جو اس کی نافرمانی کرے گا اور محارم کے ارتکاب کی جسارت کرے گا۔ پس ہتک محارم سے بچو مبادا (ایسا نہ ہو) کہ تم اس کی دنیاوی یا اخروی سزا کے مستحق بن جاؤ۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ

حرام کیا گیا تم پر مردہ جانور اور خون اور گوشت سور کا اور وہ جانور کہ پکارا جائے نام غیر اللہ کا اس پر

وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا

اور گلا گھٹنے سے مرجانیوالا اور جو مرجائے چوٹ لگنے سے اور گر کر مرنیوالا اور جو کسی کے سینگ سے مرجائے اور جس کو کھا جائیں درندے مگر جسکو

ذَكَّيْتُمْ ۣ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ؕ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ؕ

تم ذبح کرلو اور جو جانور ذبح کیا جائے تھانوں پر' اور یہ کہ قسمت معلوم کرو فال کے تیروں کیساتھ' یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔

یہ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کا وہ ارشاد جس کا اس نے اس آیت کریمہ ﴿ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ ﴾ (المائدہ: ١/٥) میں حوالہ دیا ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز حرام ٹھہرائی ہے وہ اپنے بندوں کی حفاظت اور ان کو اس ضرر سے بچانے کے لئے حرام قرار دی ہے جو ان محرمات میں ہوتا ہے۔ کبھی تو اللہ تعالیٰ یہ ضرر اپنے بندوں کے سامنے بیان کر دیتا ہے اور کبھی (اپنی حکمت کے تحت) اس ضرر کو بیان نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اس نے ''مردار'' کو حرام قرار دیا ہے۔ مردار سے مراد وہ مرا ہوا جانور ہے جو شرعی طریقے سے ذبح ہوئے بغیر زندگی سے محروم ہو گیا ہو' پس اس جانور کا گوشت ضرر رساں ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور وہ ضرر ہے اس کے اندر گوشت میں خون کا رک جانا' جس کے کھانے سے نقصان پہنچتا ہے اور اکثر جانور' جو کسی بیماری کی وجہ سے جو ان کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے' مر جاتے ہیں' وہ کھانے والے کے لئے نقصان کا باعث ہیں۔ البتہ مری ہوئی ٹڈی اور مچھلی اس حکم سے مستثنیٰ ہے' کیونکہ ان کا کھانا حلال ہے[1] ﴿ وَالدَّمُ ﴾ ''اور خون'' یعنی بہتا ہوا خون۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں اس کو اس صفت سے مقید بیان کیا گیا ہے ﴿ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ ﴾

---

[1] یہ استثناء حدیث سے ثابت ہے' (سنن ابن ماجہ حدیث: ٣٢١٨) اسی لئے صحیح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کے بغیر قرآن کو نہیں سمجھا جا سکتا۔ حدیث کے ساتھ ہی قرآن کی تفہیم اور اس کے احکامات کی تعمیل کی تکمیل ہوتی ہے۔ (ص۔ی)

''اور سور کا گوشت'' اس حرمت میں اس کے تمام اجزا شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام ناپاک درندوں میں سے خنزیر کو خاص طور پر منصوص کیا ہے کیونکہ اہل کتاب میں سے نصاریٰ دعویٰ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو حلال قرار دیا ہے۔۔۔۔ یعنی نصاریٰ سے دھوکہ نہ کھانا' کیونکہ یہ خنزیر بھی حرام اور من جملہ خبائث کے ہے۔

﴿ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ ''اور وہ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے'' یعنی اس پر بتوں' اولیاء' کواکب اور دیگر مخلوق کا نام لیا گیا ہو۔ جس طرح ذبیحہ پر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا' اسے پاک کر دیتا ہے اسی طرح غیر اللہ کا نام' ذبیحہ کو معنوی طور پر ناپاک کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ شرک ہے ﴿ وَالْمُنْخَنِقَةُ ﴾ ''اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے۔'' یہ وہ مرا ہوا جانور ہے' جس کو ہاتھ سے' رسی سے یا کسی تنگ چیز میں اس کا سر داخل کر کے جہاں سے نکلنا ممکن نہ ہو اس کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا گیا ہو ﴿ وَالْمَوْقُوْذَةُ ﴾ ''اور جو چوٹ لگ کر مر جائے۔'' اس مرے ہوئے جانور کو کہا جاتا ہے جو لاٹھی' پتھر یا لکڑی وغیرہ کی ضرب سے مرا ہو یا اس پر قصداً یا بغیر قصد کے دیوار وغیرہ گر گئی ہو ﴿ وَالْمُتَرَدِّيَةُ ﴾ ''اور جو گر کر مر جائے۔'' یعنی جو بلند جگہ مثلاً پہاڑ' دیوار یا چھت وغیرہ سے گر کر مر گیا ہو ﴿ وَالنَّطِيْحَةُ ﴾ اس مرے ہوئے جانور کو کہتے ہیں جسے کسی دوسرے جانور نے سینگ مار کر ہلاک کر دیا ہو ﴿ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ ﴾ جسے بھیڑیئے' شیر' چیتے یا کسی شکاری پرندے وغیرہ نے پھاڑ کھایا ہو۔ اگر درندے کے پھاڑ کھانے سے جانور مر جائے تو یہ حلال نہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ﴿ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ﴾ ''مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو۔'' گلا گھٹ کر مرنے والے' چوٹ لگ کر مرنے والے' بلندی سے گر کر مرنے والے اور درندے کے پھاڑ کھانے سے مرنے والے جانور کی طرف راجع ہے۔ اگر اس جانور میں پوری طرح زندگی موجود ہو اور اسے ذبح کر لیا جائے تو یہ جانور شرعی طور پر مذبوح ہے۔ بنابریں فقہاء کہتے ہیں ''اگر کسی درندے وغیرہ نے کسی جانور کو چیر پھاڑ کر اس کی آنتیں اور دیگر اندرونی اعضا کو باہر نکال کر علیحدہ علیحدہ کر دیا ہو یا اس کا حلقوم کاٹ دیا ہو تو اس میں زندگی کا وجود اور عدم وجود مساوی ہیں' کیونکہ اب اس کو ذبح کرنے کا کوئی فائدہ نہیں''۔ بعض فقہاء اس میں صرف زندگی کے وجود کا اعتبار کرتے ہیں۔ اگر اس جانور میں بھی زندگی کا وجود ہو اور اس حالت میں اس کو ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہے خواہ اس کا اندرونی حصہ بکھیر ہی کیوں نہ دیا گیا ہو۔ آیت کریمہ کا ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے۔

﴿ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ﴾ ''اور یہ کہ پانسوں کے ذریعے سے قسمت معلوم کرو۔'' یعنی تمہیں تیروں کے ذریعے سے قسمت کا حال معلوم کرنے سے منع کر دیا گیا۔ (استقسام) کے معنی یہ ہیں کہ جو تمہارے مقسوم اور مقدر میں ہے اسے طلب کرنا۔ جاہلیت کے زمانے میں تین تیر ہوتے تھے جن کو اس کام کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جن میں سے ایک پر لکھا ہوتا تھا کہ ''یہ کام کر'' دوسرے پر لکھا ہوتا تھا ''یہ کام نہ کر'' اور تیسرا تیر خالی ہوتا تھا۔

جب کوئی شخص کسی سفر پر روانہ ہونے لگتا یا شادی وغیرہ کرتا تو تینوں تیر کسی ڈونگی وغیرہ میں رکھ کر گھماتے پھر ان میں سے ایک تیر نکال لیتے اگر اس پر لکھا ہوتا ''یہ کام کر'' تو وہ یہ کام کر لیتا اور اگر لکھا ہوتا ''یہ کام نہ کر'' تو وہ اس کام میں ہاتھ نہ ڈالتا۔ اگر وہ تیر نکل آتا جس پر کچھ بھی نہ لکھا ہوتا تو وہ اس عمل کا اعادہ کرتا یہاں تک کہ لکھا ہوا تیر نکل آتا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر اس عمل کو اس صورت میں یا اس سے مشابہ صورت میں حرام قرار دے دیا اور اس کے عوض ان کو تمام امور میں اپنے رب سے استخارہ کرنے کا حکم دیا (جیسا کہ حدیث نبوی سے استخارے کی تاکید ہے۔ جامع الترمذی' حدیث: ۴۸۰)

﴿ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ﴾ ''یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔'' یہ ان تمام محرمات کی طرف اشارہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی حفاظت کے لئے حرام قرار دیا ہے۔ یہ تمام محرمات فسق ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل کر شیطان کی اطاعت میں داخل ہونا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں پر احسان جتلاتے ہوئے فرماتا ہے:

اَلْيَوْمَ يَىِٕسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ

آج ناامید ہوگئے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تمہارے دین سے پس نہ ڈرو تم ان سے اور ڈرو مجھ ہی سے۔ آج مکمل کر دیا میں نے

لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ

تمہارے لیے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور پسند کر لیا تمہارے لیے اسلام کو بطور دین کے۔ پس جو لاچار ہو جائے

فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

بھوک میں نہ مائل ہونے والا ہو گناہ پر' تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

وہ دن جس کی طرف آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے وہ عرفہ کا دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل فرمایا' اپنے بندے اور رسول ﷺ کی مدد کی اور اہل شرک پوری طرح بے یارو مددگار ہو گئے حالانکہ وہ اس سے پہلے اہل ایمان کو ان کے دین سے پھیرنے کی بہت خواہش رکھتے تھے۔ جب انہوں نے اسلام کا غلبہ' اس کی فتح اور بالادستی دیکھی تو اہل ایمان کو دین سے پھیرنے سے پوری طرح مایوس ہو گئے اور اب ان کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ وہ اہل ایمان سے خوف کھانے لگے۔ بنابریں' اس سال یعنی ۱۰ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے آخری حج کیا تو اس حج میں کسی مشرک نے حج نہیں کیا اور نہ کسی نے عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ اس لئے فرمایا:

﴿ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ﴾ ''تو ان سے مت ڈرو اور مجھی سے ڈرتے رہو۔'' یعنی مشرکین سے نہ ڈرو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس نے مشرکین کے مقابلے میں تمہاری مدد فرمائی اور ان کو تنہا چھوڑ دیا اور ان کے مکرو فریب اور ان کی سازشیں ان کے سینوں ہی میں لوٹا دیں۔

﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ ﴾ ''آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا'' یعنی اپنی نصرت کا

اتمام کر کے اور ظاہری و باطنی طور پر اور اصول و فروع میں شریعت کی تکمیل فرما کر۔ اسی لئے احکام دین یعنی اس کے تمام اصول و فروع میں کتاب و سنت کافی ہیں۔ اگر تکلف کا شکار کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ لوگ عقائد اور احکام دین کی معرفت کے لئے کتاب و سنت کے علم کے علاوہ دیگر علوم مثلاً علم کلام وغیرہ کے محتاج ہیں' تو وہ جاہل اور اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے گویا وہ اس زعم میں مبتلا ہے کہ دین کی تکمیل اس کے اقوال اور ان نظریات کے ذریعے سے ہوئی ہے جس کی طرف وہ دعوت دیتا ہے اور یہ سب سے بڑا ظلم اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو جاہل قرار دینا ہے۔

﴿ وَاَتۡمَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ نِعۡمَتِىۡ ﴾ "اور میں نے تم پر اپنی (ظاہری اور باطنی) نعمت پوری کر دی" ﴿ وَرَضِيۡتُ لَـكُمُ الۡاِسۡلَامَ دِيۡنًا ﴾ "اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔" یعنی میں نے اسلام کو تمہارے لئے دین کے طور پر اور تمہیں اسلام کے لئے چن لیا ہے۔ اب اپنے رب کی شکر گزاری کے لئے اس دین کو قائم کرو اور اس ہستی کی حمد و ستائش کرو جس نے تمہیں بہترین' عالی شان اور کامل ترین دین سے نواز کر تم پر احسان فرمایا۔

﴿ فَمَنِ اضۡطُرَّ ﴾ "پس جو شخص ناچار ہو جائے۔" یعنی جسے ضرورت ان محرمات میں سے کچھ کھانے پر مجبور کر دے جن کا ذکر ﴿ حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمُ الۡمَيۡتَةُ ﴾ کے تحت گزر چکا ہے ﴿ فِىۡ مَخۡمَصَةٍ ﴾ "بھوک کی وجہ سے" یعنی اگر وہ سخت بھوکا ہو ﴿ غَيۡرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثۡمٍ ﴾ "گناہ کی طرف مائل نہ ہو" بایں طور کہ وہ ان محرمات کو اس وقت تک نہ کھائے جب تک کہ وہ اضطراری حالت میں نہ ہو اور ضرورت سے بڑھ کر نہ کھائے ﴿ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بے پایاں رحمت کا مالک ہے کہ اس نے بندے کے لئے اس اضطراری حال میں محرمات کو کھانا جائز قرار دے دیا اور اس کی نیت کے مطابق اور دین میں کوئی نقص لاحق کئے بغیر اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرمایا۔

يَسۡـئَلُوۡنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ لَهُمۡ‌ؕ قُلۡ اُحِلَّ لَـكُمُ الطَّيِّبٰتُ‌ۙ وَمَا عَلَّمۡتُمۡ

پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا کیا چیزیں حلال کی گئی ہیں ان کیلئے؟ کہہ دیجئے حلال کر دی گئی ہیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں اور (شکار انکا) جو سدھائے تم نے

مِّنَ الۡجَوَارِحِ مُكَلِّبِيۡنَ تُعَلِّمُوۡنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ‌ فَكُلُوۡا مِمَّاۤ اَمۡسَكۡنَ

شکاری جانور جب سدھانیوالے ہو سکھاتے ہو تم انکو ان میں سے جو سکھلائیں تمہیں اللہ نے پس کھاؤ تم ان میں سے جو وہ روک رکھیں

عَلَيۡكُمۡ وَاذۡكُرُوا اسۡمَ اللّٰهِ عَلَيۡهِ‌ وَاتَّقُوا اللّٰهَ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ④

تمہاری خاطر اور ذکر کرو نام اللہ کا اس پر اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿ يَسۡـئَلُوۡنَكَ مَاذَاۤ اُحِلَّ ﴾ "آپ سے پوچھتے ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کے لیے حلال ہیں۔" یعنی ان کے لئے کون کون سے کھانے حلال ہیں۔ ﴿ قُلۡ اُحِلَّ

﴿لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ﴾ ''کہہ دیجئے! تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں'' (طیبات) سے مراد ہر وہ چیز ہے جس میں کوئی فائدہ ہے اور بدن اور عقل میں نقصان پہنچے بغیر ان سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ پس طیبات میں وہ تمام غلہ جات اور پھل وغیرہ شامل ہیں جو بستیوں اور صحراؤں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس آیت کریمہ کے مضمون میں وہ تمام حیوانات بھی شامل ہیں جو خشک زمین پر پائے جاتے ہیں سوائے ان حیوانات کے جن کو شارع نے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ مثلاً درندے' ناپاک جانور اور ناپاک اشیاء وغیرہ۔ اسی لئے یہ آیت کریمہ اپنے مفہوم میں ناپاک چیزوں کی تحریم پر دلالت کرتی ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں صراحت کے ساتھ اس تحریم کو بیان کیا گیا ہے ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ﴾ (الاعراف: ۱۵۷/۷) ''وہ پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان کے لئے حرام ٹھہراتا ہے''۔

﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ﴾ ''اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سدھایا ہو'' یعنی جو تم شکاری جانوروں کو شکار کرنا سکھاتے ہو وہ شکار بھی تمہارے لئے حلال ہے۔ یہ آیت کریمہ شکار کے متعلق متعدد امور پر دلالت کرتی ہے۔

(۱) یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف و کرم اور اس کی رحمت ہے کہ اس نے ان کے لئے رزق حلال کی راہیں کشادہ کر دی ہیں اور ان کے لئے شکاری جانوروں کے شکار کئے ہوئے اس شکار کو حلال کر دیا جس کو ذبح نہیں کر سکتے...... شکاری جانور سے مراد کتے' چیتے اور باز وغیرہ ہیں' جو اپنے دانتوں سے یا پنجے سے شکار کو پکڑتے ہیں۔

(۲) شکاری جانور کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کو شکار کے لئے سکھایا گیا ہو۔ ایسا سکھانا جس کو عرف عام میں سکھانا کہتے ہیں' یعنی اگر اسے شکار پر چھوڑا جائے تو وہ شکار پر جھپٹے اور اگر اس کو روک دیا جائے تو فوراً رک جائے اور جب شکار کو پکڑ لے تو اس کو نہ کھائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ ''اور جس (طریق) سے اللہ نے تمہیں (شکار کرنا) سکھایا ہے (اس طریق سے) تم نے ان کو سکھایا ہو تو جو شکار وہ تمہارے لیے پکڑ رکھیں اس کو کھا لیا کرو۔'' یعنی وہ شکار کو تمہارے لئے روک رکھیں اور جس شکار میں سے شکاری جانور نے کچھ کھا لیا ہو تو اس کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ آیا اس نے شکار کو اپنے مالک کے لئے پکڑا ہے اور شاید یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے شکار خود اپنے لئے پکڑا ہو۔

(۳) شکاری جانور کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ کتا ہو یا باز وغیرہ' شکار کو زخمی کرتا ہو (اس کا گلا نہ گھونٹتا ہو) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿مِّنَ الْجَوَارِحِ﴾ سے واضح ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ گلا گھٹ کر مر جانے

والے جانور کی حرمت گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ اگر کتے وغیرہ نے شکار کا گلا گھونٹ دیا ہو یا اسے اپنے بوجھ تلے دبا کر اسے ہلاک کر دیا ہو تو اس کا کھانا جائز نہیں۔ یہ اس اصول پر مبنی ہے کہ شکاری جانور وہ ہیں جو شکار کو اپنے دانتوں یا پنجوں سے زخمی کرتے ہیں۔

(جوارح) ''شکاری جانور'' کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ اس سے مراد شکار کو حاصل کر لینے اور اس کو پا لینے والا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس معنی پر دلالت نہیں کرتی۔ واللہ اعلم۔ (اس لئے ''جوارح'' کا وہی مفہوم صحیح ہے جس کی وضاحت اس سے پہلے کی جا چکی ہے)

(۴) شکار کے لئے کتا پالنا جائز ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے [1] اس کے ساتھ ساتھ عام کتا پالنا حرام ہے۔۔۔ کیونکہ کتے کے شکار اور اس کو شکار کے لئے سکھانے کے جواز سے لازم آتا ہے کہ اس کو پالنا بھی جائز ہے۔

(۵) شکار کو اگر کتے کے منہ سے نکلا ہوا لعاب وغیرہ لگ جائے تو وہ پاک ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتے کے مارے ہوئے شکار کو مباح قرار دیا ہے اور شکار کو دھونے کا حکم نہیں ہے۔ یہ چیز شکار کو لگے ہوئے کتے کے لعاب کی طہارت پر دلالت کرتی ہے۔

(۶) اس میں علم کی فضیلت کی دلیل ہے' کیونکہ سدھائے ہوئے شکاری جانور کا مارا یا پکڑا ہوا شکار علم ہی کی وجہ سے' مباح ہوتا ہے۔ اگر اسے تعلیم نہ دی گئی ہو تو اس کا مارا ہوا شکار جائز نہیں ہوتا۔

(۷) شکاری کتے اور شکاری پرندے وغیرہ کو سکھانے میں مشغول ہونا مذموم' عبث اور باطل نہیں ہے' بلکہ یہ تو امر مقصود ہے' کیونکہ شکاری جانور کو سکھانا اس کے مارے ہوئے شکار کی حلت اور اس سے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ ہے۔

(۸) اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لئے دلیل ہے جو کتے کی فروخت کو جائز قرار دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ خریدے بغیر کتے کا حصول ممکن نہیں۔

(۹) شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت تکبیر پڑھنا شرط ہے۔ اگر شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت عمداً تکبیر نہ پڑھی گئی ہو تو اس کا مارا ہوا شکار جائز نہیں۔

(۱۰) شکاری جانور کے مارے ہوئے شکار کو کھانا جائز ہے خواہ شکار مر گیا ہو یا زندہ ہو۔ اگر مالک شکار کو اس حالت میں پا لے کہ ابھی وہ زندہ ہو تو ذبح کئے بغیر اس کا کھانا جائز نہیں۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے اور قیامت کے روز حساب سے

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الحرث والمزارعة' باب اقتناء الکلب للحرث' حدیث: ۲۳۲۲

ڈرایا ہے اور یہ ایسا معاملہ ہے کہ بہت قریب آن لگا ہے۔اس لئے فرمایا: ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴾ ''اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک وہ جلد حساب لینے والا ہے''۔

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ
آج حلال کردی گئیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں اور کھانا ان لوگوں کا، جن کو دی گئی کتاب، حلال ہے تمہارے لیے۔اور کھانا تمہارا

حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ
حلال ہے ان کیلئے۔اور (حلال ہیں تمہارے لیے) پاک دامن مسلمان عورتیں اور پاک دامن عورتیں ان کی جن کو دی گئی کتاب

مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ
تم سے پہلے، جب دو تم ان کو مہر ان کے (نیز) قید نکاح میں لانے والے ہو نہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ بنانے والے

اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ ع ٥
خفیہ آشنا۔اور جو انکار کرے گا ایمان سے، تو یقیناً برباد ہو گئے اسکے عمل اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ۝

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بندوں پر اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے طیبات کی حلت کو مکرر بیان فرمایا۔اس میں بندوں کو اس کا شکر ادا کرنے اور کثرت سے ذکر کرنے کی ترغیب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ان چیزوں کو مباح فرمایا جن کے وہ سخت محتاج تھے اور وہ ان طیبات سے فائدے حاصل کرتے ہیں۔

﴿ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ﴾ ''اور اہل کتاب کا کھانا بھی تم کو حلال ہے۔'' یعنی اے مسلمانو! تمہارے لئے یہودیوں اور عیسائیوں کے ذبیحے حلال ہیں اور باقی کفار کے ذبیحے حلال نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام اہل کتاب انبیائے کرام اور کتابوں سے منسوب ہیں اور تمام انبیائے کرام غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کی تحریم پر متفق ہیں، کیونکہ یہ شرک ہے۔پس یہود و نصاریٰ بھی غیر اللہ کے نام پر ذبیحے کی حرمت کے قائل ہیں، اس لئے دیگر کفار کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ حلال قرار دیا گیا ہے اور یہاں ان کے طعام سے مراد ان کا ذبیحہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ طعام جو ذبیحہ کے زمرے میں نہیں آتا مثلاً غلہ اور پھل وغیرہ تو اس میں اہل کتاب کی کوئی خصوصیت نہیں۔غلہ اور پھل تو حلال ہیں، اگرچہ وہ اہل کتاب کے علاوہ کسی اور کا طعام ہوں۔نیز طعام کو ان کی طرف مضاف کیا گیا ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ وہ ان کا ذبیحہ ہونے کے سبب سے ''ان کا کھانا'' ہے۔یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ اضافت تملیک کے لئے ہے اور یہ کہ اس سے مراد وہ کھانا ہے، جس کے وہ مالک ہیں، کیونکہ غصب کے پہلو سے یہ بھی حلال نہیں خواہ مسلمانوں ہی کا ہو۔

﴿ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ﴾ ''اور تمہارا کھانا ان کو حلال ہے۔'' اے مسلمانو! اگر تم اپنا کھانا اہل کتاب کو کھلاؤ تو یہ ان کے لئے حلال ہے۔﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ ''اور آزاد اور عفت مآب مومن عورتیں (تمہارے لئے حلال

ہیں)'' ﴿ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ ﴾ ''اور آزاد پاک دامن اہل کتاب کی عورتیں۔''یعنی یہود و نصاریٰ کی آزاد عفت مآب عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں۔ اور یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تخصیص کرتی ہے ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾ (البقرہ: ٢/ ٢٢١)''اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں''۔

آیت کریمہ کا مفہوم مخالف دلالت کرتا ہے کہ مومن لونڈیوں کا آزاد مردوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ لیکن اہل کتاب لونڈیوں کا نکاح' آزاد مومن مردوں کے ساتھ مطلقاً حرام ہے۔ اور اس کی دلیل اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ﴾ (النساء: ٤/ ٢٥)''یعنی ان لونڈیوں سے نکاح کرلو جو مومن ہیں''۔

اگر مسلمان عورتیں لونڈیاں ہوں' تو آزاد مردوں کے ساتھ ان کے نکاح کے لئے دو شرائط ہیں۔

(١) مرد آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔

(٢) عدم نکاح کی صورت میں اسے حرام میں پڑنے کا خدشہ ہو۔

رہی فاجر عورتیں' جو زنا سے نہیں بچتیں' ان کے ساتھ نکاح جائز نہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا اہل کتاب سے تعلق رکھتی ہوں جب تک کہ وہ حرام کاری سے تائب نہ ہو جائیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ﴾ (النور: ٢٤/ ٣)''زانی مرد نکاح نہیں کرتا مگر زانی عورت یا مشرک عورت کے ساتھ ہی''۔

﴿ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ﴾ ''جب کہ ان کا مہر دے دو''یعنی جب تم ان کے مہر ادا کر دو تو ہم نے ان کے ساتھ تمہارا نکاح جائز قرار دے دیا ہے اور جس کا یہ ارادہ ہو کہ وہ مہر ادا نہیں کرے گا تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہے۔ اگر عورت سمجھ دار ہے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ خود اسے مہر ادا کیا جائے ورنہ شوہر اس کے سرپرست کو مہر ادا کرے۔ حق مہر کی عورتوں کی طرف اضافت دلالت کرتی ہے کہ عورت اپنے تمام حق مہر کی خود مالک ہوتی ہے اس میں کسی کا کوئی حصہ نہیں۔ سوائے اس کے کہ عورت خود اپنے شوہر کو یا اپنے ولی (سرپرست) وغیرہ کو یہ مہر عطا کر دے۔ ﴿ مُحْصِنِيْنَ ﴾ ''اور عفت قائم رکھنی مقصود ہو''یعنی اے شوہرو! اس حال میں کہ تم اپنی بیویوں کی عفت کی حفاظت کرکے ان کو پاک باز رکھو ﴿ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ﴾''نہ کہ اس حال میں کہ تم ہر ایک کے ساتھ زنا کرتے پھرو'' ﴿ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ﴾ اور نہ اس حالت میں کہ تم اپنی معشوقاؤں کے ساتھ بدکاری کرو (اخدان) سے مراد ہے معشوقاؤں کے ساتھ زنا کرنا۔ زمانہ جاہلیت میں زناکاروں کی دو اقسام تھیں۔

(١) کسی بھی عورت کے ساتھ زنا کرنے والے کو (مُسٰفِحِيْن) کہا جاتا ہے۔

(٢) صرف اپنی محبوبہ کے ساتھ زنا کرنے والے (اَخْدَان) ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ دونوں صورتیں پاک دامنی کے منافی ہیں اور یہ کہ نکاح کی شرط ہے کہ مرد زنا کاری سے دامن بچانے والا ہو۔

﴿ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ﴾ ''اور جو منکر ہوا ایمان سے' تو ضائع ہو گئے عمل اس کے'' جو کوئی اللہ تعالیٰ اور ان چیزوں کے ساتھ کفر کرتا ہے جن پر ایمان لانا فرض ہے' مثلاً اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور اس کے انبیاء ورسل علیہم السلام اور شریعت کے بعض امور۔۔۔ اور وہ اسی کفر کی حالت میں مر جاتا ہے تو اس کے تمام اعمال اکارت چلے جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾(البقرہ: ٢/٢١٧) ''اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر کر کافر ہو جائے اور وہ کفر کی حالت میں مر جائے تو دنیا اور آخرت میں اس کے تمام اعمال اکارت جائیں گے''۔﴿ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ ''اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔'' یعنی ان کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جو قیامت کے روز' اپنی جان' مال اور اپنے اہل وعیال کے بارے میں سخت خسارے میں ہوں گے اور ابدی بدبختی ان کا نصیب بنے گی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب اٹھو تم نماز کے لیے تو دھوؤ اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ

اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا

کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں کا اور (دھوؤ) اپنے پاؤں ٹخنوں تک اور اگر ہو تم جنبی

فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ

تو غسل کرو اور اگر ہو تم (شدید) بیمار یا سفر میں یا آئے کوئی تم میں سے قضائے حاجت سے

اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا

یا ہم بستری کی ہو تم نے عورتوں سے' پھر نہ پاؤ تم پانی' تو تیمم کر لو مٹی پاک سے پس مسح کرو

بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ

اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا اس (مٹی) سے' نہیں ارادہ کرتا اللہ کہ کرے تم پر کوئی تنگی' لیکن

يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

ارادہ کرتا ہے وہ کہ پاک کردے تم کو اور تاکہ پوری کرے اپنی نعمت تم پر تاکہ تم شکر کرو○

یہ آیت عظیمہ بہت سے احکام پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے ان کو بیان کرنے کی جتنی آسانی عطا فرمائی ہم ان کو بیان کریں گے۔

(۱) جو کچھ اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے ان پر عمل کرنا لوازم ایمان میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم اس طرح صادر ہوتا ہے ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا ......﴾ یعنی اے ایمان والے لوگو! اپنے ایمان کے تقاضوں کے مطابق ان امور پر عمل کرو جو ہم نے تمہارے لئے مشروع کئے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ﴾ ''جب تم نماز پڑھنے کا قصد کرو۔'' سے نماز کو قائم کرنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

(۳) اس میں نماز کے لئے نیت کے حکم کا اثبات ہے فرمایا: ﴿اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ﴾ یعنی جب تم نماز کی نیت اور ارادے سے اٹھو۔

(۴) نماز کی صحت کے لئے طہارت شرط ہے' کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نماز کے لئے اٹھتے وقت طہارت کا حکم دیا ہے اور اصولی طور پر حکم (امر) وجوب کے لئے ہوتا ہے۔

(۵) طہارت نماز کا وقت داخل ہونے پر واجب نہیں ہوتی' بلکہ یہ تو صرف اس وقت واجب ہوتی ہے جب نماز پڑھنے کا ارادہ کیا جائے۔

(۶) ہر وہ نماز جس پر (الصلوۃ) کا اطلاق کیا جائے' مثلاً فرض' نفل' فرض کفایہ اور نماز جنازہ وغیرہ ہر قسم کی نماز کے لئے طہارت فرض ہے حتیٰ کہ بہت سے اہل علم کے نزدیک مجرد سجدہ' مثلاً سجدۂ تلاوت اور سجدہ شکر کے لئے بھی طہارت ضروری ہے۔

(۷) اس میں چہرے کے دھونے کا حکم ہے اور چہرے میں چہرے کا صرف سامنے کا حصہ شامل ہے یعنی سر کے بالوں کی حدود سے لے کر طول میں جبڑوں کے نیچے اور ٹھوڑی تک اور عرض میں ایک کان سے دوسرے کان تک' نیز کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا چہرے کے دھونے میں شامل ہے اور یہ سنت ہے۔ چہرے پہ اگے ہوئے بال بھی چہرے میں داخل ہیں۔ اگر یہ زیادہ گھنے نہیں تو تمام جلد تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔ اگر داڑھی گھنی ہو تو اوپر سے دھونا کافی ہے۔ [1]

(۸) اس میں ہاتھوں کو دھونے کا حکم ہے اور ہاتھوں کی حد کہنیوں تک ہے۔ جمہور مفسرین کے مطابق (الی) (مع) کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے' جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ﴾ (النساء: ٤/ ٢) ''ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ (ملا کر) نہ کھاؤ''' نیز ہاتھ دھونے کا

---

[1] داڑھی کے بالوں میں خلال کرنا نبی ﷺ کے عمل سے ثابت ہے' (ترمذی' الطهارة' باب ماجاء في تخليل اللحية' حديث: ٣١) اس لیے گھنی داڑھی میں بالخصوص خلال بھی کیا جائے (ص۔ ي)

وجوب اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ کہنیوں کو پوری طرح نہ دھویا جائے۔

(۹) سر پر مسح کرنے کا حکم ہے۔

(۱۰) پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ کیونکہ (با) تبعیض کے لئے نہیں' بلکہ الصاق کے لئے ہے اور یہ تمام تر سر کے مسح کو شامل ہے۔

(۱۱) سر کا مسح دونوں ہاتھوں سے کیا جائے یا ایک ہاتھ سے' کسی کپڑے سے کیا جائے یا لکڑی وغیرہ سے' جیسے بھی کیا جائے کفایت کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسح کا علی الاطلاق حکم دیا ہے کسی وصف سے مقید نہیں کیا۔ پس یہ چیز مسح کے اطلاق پر دلالت کرتی ہے۔

(۱۲) وضو میں سر پر مسح کرنا فرض ہے۔ اگر ہاتھوں کے ساتھ سر پر مسح کرنے کی بجائے سر کو دھو لیا جائے' تو یہ کفایت نہیں کرے گا کیونکہ اس نے وہ کام نہیں کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

(۱۳) (وضو میں) دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے کا حکم دیا گیا ہے' اس کا حکم بھی وہی ہے جو ہاتھوں کے بارے میں ہے۔

(۱۴) اس میں' نَصب (زبر) کے ساتھ جمہور کی قراءت کے مطابق' روافض کا رد ہے۔ اور جب تک پاؤں ننگے ہیں' ان پر مسح کرنا جائز نہیں۔

(۱۵) ''وَاَرْجُلِکُمْ'' میں جر (زیر) کے ساتھ قراءت کے مطابق موزوں پر مسح کی طرف اشارہ ہے۔ دونوں قراءتوں کو اپنے اپنے معنی پر محمول کیا جائے گا۔ اگر پاؤں میں موزے نہ پہنے ہوں تو نَصب کے ساتھ قراءت کے مطابق پاؤں دھوئے جائیں' اور اگر پاؤں میں موزے پہنے ہوئے ہیں تو جر کے ساتھ قراءت کے مطابق پاؤں پر مسح کیا جائے گا۔

(۱۶) وضو کے اندر اعضا کو ترتیب کے ساتھ دھونے کا حکم ہے' کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو ترتیب کے ساتھ ذکر فرمایا ہے نیز جب دو دھوئے جانے والے اعضا کے درمیان مسح والے عضو کا ذکر کیا جائے تو اس کا ترتیب کے سوا کوئی اور فائدہ نہیں۔

(۱۷) ترتیب صرف ان چار اعضا کے ساتھ مخصوص ہے جن کا اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ رہا کلی کرنے' ناک میں پانی ڈالنے' منہ دھونے' دایاں بازو اور بایاں بازو' دایاں پاؤں اور بایاں پاؤں دھونے میں ترتیب کا اعتبار تو یہ واجب نہیں۔ البتہ منہ دھونے سے پہلے کلی کرنا' ناک میں پانی ڈالنا مستحب ہے۔ دایاں ہاتھ پہلے دھونا مستحب ہے۔ اسی طرح دایاں پاؤں پہلے دھونا مستحب ہے۔ کانوں کے مسح سے پہلے سر کا مسح کرنا مستحب ہے۔

(۱۸) ہر نماز کے وقت تجدید وضو کا حکم ہے تاکہ مامور بہ پر عمل کیا جاسکے۔ ①

(۱۹) جنابت کی حالت میں غسل کا حکم دیا گیا ہے۔

(۲۰) غسل جنابت میں تمام بدن کا دھونا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے طہارت حاصل کرنے کو بدن کے کسی ایک حصے کے ساتھ مخصوص کرنے کی بجائے تمام بدن کی طرف مضاف کیا ہے۔

(۲۱) جنابت کی حالت میں بالوں کو اندر اور باہر سے دھونے کا حکم ہے۔

(۲۲) طہارت کے حصول کے وقت حدث اصغر حدث اکبر کے اندر شامل ہوتا ہے۔ حدث اکبر سے طہارت کے حصول کے لئے غسل کرنے سے حدث اصغر سے بھی طہارت حاصل ہو جاتی ہے اس کے لئے اس کی نیت کر لینا کافی ہے۔ پھر وہ تمام بدن پر پانی بہائے' کیونکہ اللہ نے صرف پاکیزگی حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے اور وضو لوٹانے کا ذکر نہیں فرمایا۔ ②

(۲۳) جنبی کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جس سے جاگتے یا سوتے منی خارج ہوئی ہو یا اس نے مجامعت کی ہو خواہ منی کا انزال نہ ہوا ہو۔

(۲۴) جسے یاد آجائے کہ اسے احتلام ہوا ہے مگر کپڑوں پر منی کے نشانات موجود نہ ہوں تو اس پر غسل واجب نہیں کیونکہ جنابت متحقق نہیں ہوئی۔

(۲۵) اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس احسان کا ذکر ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لئے تیمم مشروع فرمایا۔

(۲۶) تیمم کے جواز کے اسباب میں سے ایک سبب ایسا مرض ہے جس میں پانی کے استعمال سے ضرر پہنچتا ہو۔ اس صورت میں تیمّم جائز ہے' نیز تیمّم کے جواز کے جملہ اسباب میں سفر' وضو کا ٹوٹنا اور پانی کا موجود نہ ہونا شامل ہیں۔ پس پانی موجود ہونے کے باوجود مرض بھی تیمّم کو جائز کر دیتا ہے کیونکہ وضو

---

① یہ بہتر صورت ہے' ورنہ ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھنا جائز ہے' بشرطیکہ وضو برقرار ہو۔ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی وضو سے کئی نمازیں پڑھیں اور فرمایا کہ یہ میں نے عمداً کیا ہے (تاکہ لوگوں کو اس کا جواز معلوم ہو جائے) (صحیح مسلم' الطھارۃ' باب جواز الصلوات کلھا بوضوء واحد' حدیث: ۲۷۷) (ص۔ ی)

② لیکن یہ بات اس وقت صحیح ہوگی جب سنت کے مطابق غسل جنابت کیا جائے اور وہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ہاتھ دھوئے جائیں' پھر شرم گاہ کو بائیں ہاتھ سے دھو کر اس ہاتھ کو مٹی یا صابن وغیرہ سے دھویا جائے' پھر وضو کیا جائے اور سر پر مسح کرنے کے بجائے تین بار سر پر پانی ڈالا جائے' پھر سارے بدن پر پانی ڈال کر غسل کیا جائے' پھر آخر میں جگہ بدل کر پیر دھوئے۔ اس طرح غسل جنابت کے بعد دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں' بشرطیکہ دوران غسل شرم گاہ کو ہاتھ نہ لگے۔ (ص۔ ی)

سے ضرر کا اندیشہ ہے۔۔۔اور باقی صورتوں میں پانی کا معدوم ہونا تیمّم کا جواز فراہم کرتا ہے۔ خواہ انسان اپنے گھر میں ہی ہو۔

(۲۷) پیشاب اور پاخانہ کے راستوں میں سے کوئی چیز باہر نکلے تو اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔

(۲۸) وہ اہل علم جو اس بات کے قائل ہیں کہ ان دو امور کے سوا کسی چیز سے وضو نہیں ٹوٹتا' وہ یہیں سے استدلال کرتے ہیں ان کے نزدیک فرج وغیرہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

(۲۹) جس فعل کے لئے صریح لفظ برا اور نامناسب لگتا ہو اس کے لئے کنایہ استعمال کرنا مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿أَوْ جَآءَ أَحَدٌ مِّنكُم مِّنَ الْغَآئِطِ﴾ ''یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو۔''

(۳۰) لذت اور شہوت سے عورت کے بدن کو چھونے سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔ ①

(۳۱) تیمّم کی صحت پانی کے عدم وجود سے مشروط ہے۔

(۳۲) پانی کے وجود کے ساتھ ہی' خواہ انسان نماز کے اندر ہی کیوں نہ ہو' تیمم باطل ہو جاتا ہے' کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے پانی کی عدم موجودگی میں تیمّم کو مباح فرمایا ہے۔ ②

(۳۳) جب نماز کا وقت داخل ہو جائے اور انسان کے پاس پانی موجود نہ ہو تو اس پر اپنے پڑاؤ اور ارد گرد نزدیک کے علاقہ میں پانی تلاش کرنا لازم ہے' کیونکہ جس کسی نے پانی کو تلاش ہی نہ کیا ہو تو اس کے لئے (لَمْ يَجِدْ) ''اس نے پانی نہ پایا'' کا لفظ نہیں بولا جاتا۔

(۳۴) اگر تلاش کے بعد اسے اتنا پانی ملے جو پورے وضو کے لئے کافی نہ ہو تو اس پر اس پانی کا استعمال لازم ہے۔اس کے بعد تیمّم کر لے۔

(۳۵) پاک اشیا کی وجہ سے متغیر پانی' تیمّم پر مقدم ہے۔یعنی یہ پانی طاہر پانی شمار ہوگا کیونکہ متغیر پانی بھی پانی

---

① فاضل مفسر رحمہ اللہ نے غالباً لمس کو لغوی معنی ہاتھ سے چھونے کے مفہوم میں لے کر یہ بات کہی ہے' جیسا کہ لمس کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے اور دوسری تفسیر لمس کی ۔ جماع ۔ کی گئی ہے۔اس تفسیر کی رو سے محض عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا' ہاں اگر چھونے سے مذی یا منی کا اخراج ہو گیا تو مذی کی صورت میں ذکر (آلہ تناسل) کو دھو کر وضو کرنا اور منی کی صورت میں غسل کرنا ضروری ہوگا۔ بصورت دیگر چاہے لذت وشہوت سے چھوئے' حتیٰ کہ بوسہ بھی لے لے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔(دیکھیے' سلسلة الاحاديث الضعيفه' للالباني' رقم ۱۰۰۰)(ص ۔ ي)

② یہ بھی بعض ائمہ کی رائے ہے۔ایک دوسری رائے یہ ہے کہ نماز شروع کر دینے کے بعد نماز کے توڑنے کی ضرورت نہیں ہے' وہ نماز پوری پڑھ لے۔اس لیے کہ جس وقت اس نے نماز شروع کی تھی تو وہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کر کے شروع کی تھی اور اس کا ایسا کرنا شریعت کے مطابق تھا' اس لیے اس کی نماز صحیح ہوگی' کیونکہ یہ تیمّم نماز کے ختم ہونے تک باطل نہیں ہوگا۔ (ص ۔ ي)

ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً ﴾ کے حکم میں آئے گا۔

(۳۶) تیمّم میں نیت بہت ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَتَيَمَّمُوْا ﴾ یعنی قصد کرو۔

(۳۷) تیمّم کے لئے سطح زمین پر پڑی ہوئی گرد وغیرہ کافی ہوتی ہے تب اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ﴾ یا تو تغلیب کے باب سے ہے اور غالب طور پر اس کے لئے غبار کا ہونا ضروری ہے جس سے مسح کیا جائے اور جو چہرے اور ہاتھوں کے ساتھ لگ جائے' یا یہ افضل کی طرف راہنمائی ہے یعنی جب ایسی مٹی کا حصول ممکن ہو جس میں غبار شامل ہو تو وہ افضل ہے۔

(۳۸) نجس مٹی سے تیمّم نہیں ہوتا' کیونکہ یہ پاک نہیں' بلکہ ناپاک ہے۔

(۳۹) تیمّم میں تمام اعضا کی بجائے صرف چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرنا کافی ہے۔

(۴۰) اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ﴿ بِوُجُوْهِكُمْ ﴾ تمام چہرے کو شامل ہے اور تمام چہرے کا مسح واجب ہے۔ البتہ اس سے منہ اور ناک کے اندر مٹی داخل کرنا اور بالوں کی جڑوں تک مسح کرنا مستثنیٰ ہے۔

(۴۱) ہاتھوں کا مسح صرف ہاتھ اور کلائی کے جوڑ تک ہے' کیونکہ ہاتھ کا اطلاق صرف گٹے تک ہے۔ اگر کہنیوں تک ہاتھوں پر مسح تیمّم کے لئے شرط ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس شرط سے مقید فرما دیتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وضو میں مقید فرمایا ہے۔

(۴۲) حدث (ناپاکی) خواہ اکبر ہو یا اصغر' ہر قسم کی ناپاکی میں تیمّم جائز ہے بلکہ اگر جسم پر نجاست بھی لگی ہو' تب بھی تیمّم جائز ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیمّم کے ذریعے سے طہارت کو پانی کے ذریعے سے طہارت کا بدل بنایا ہے اور آیت کریمہ کے اطلاق کو کسی چیز سے مقید نہیں فرمایا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ بدن کی نجاست' تیمّم کے حکم میں داخل نہیں۔ کیونکہ آیت کریمہ کا سیاق حدث اکبر اور حدث اصغر کے بارے میں ہے اور یہ جمہور علماء کا مذہب ہے۔

(۴۳) حدث اکبر اور حدث اصغر دونوں میں تیمّم کا محل ایک ہی ہے یعنی چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرنا۔

(۴۴) وہ شخص جسے حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں لاحق ہیں اگر تیمّم کرتے وقت دونوں سے طہارت کی نیت کر لے تو تیمّم ہو جائے گا۔ آیت کریمہ کا عموم اور اطلاق اس پر دلالت کرتا ہے۔

(۴۵) تیمّم میں مسح ہاتھ سے یا کسی اور چیز سے جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد (فَامْسَحُوا) میں صرف مسح کا حکم دیا ہے اور یہ ذکر نہیں فرمایا کہ کس چیز کے ساتھ مسح کیا جائے۔ اس لئے ہر چیز کے ساتھ مسح جائز ہے۔

(۴۶) تیمّم میں بھی ترتیب اسی طرح شرط ہے جس طرح وضو میں شرط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھوں کے مسح

سے قبل چہرے کا مسح کرنے سے ابتدا کی ہے۔

(۴۷) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمارے لئے جو احکام مشروع فرمائے ہیں ان میں ہمارے لئے کوئی حرج' کوئی مشقت اور کوئی تنگی نہیں رکھی۔ یہ اس کی اپنے بندوں پر بے پایاں رحمت ہے تاکہ وہ ان کو پاک کرے اور ان پر اپنی نعمت کا اتمام کرے۔

(۴۸) پانی اور مٹی کے ذریعے سے ظاہری بدن کی طہارت' توحید اور خالص توبہ کے ذریعے سے حاصل ہونے والی باطنی طہارت کی تکمیل ہے۔

(۴۹) تیمم کی طہارت میں اگرچہ وہ نظافت اور طہارت نہیں ہوتی جس کا حس اور مشاہدہ کے ذریعے سے ادراک ہو سکتا ہو' تاہم اس میں معنوی طہارت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے پیدا ہوتی ہے۔

(۵۰) بندے کے لئے مناسب ہے کہ وہ طہارت اور دیگر شرعی احکام میں پوشیدہ اسرار و حکمت میں تدبر کرے تاکہ اس کے علم و معرفت میں اضافہ ہو اور اس کی شکر گزاری اور محبت زیادہ ہو ان احکام پر جو اللہ تعالیٰ نے مشروع کیے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر بندہ بلند مقامات تک پہنچ سکتا ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا

اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو (جو ہوئی) تم پر اور اس عہد کو جو معاہدہ کیا اس نے تم سے ساتھ اس کے' جب کہا تم نے سنا ہم نے

وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ⑦

اور اطاعت کی ہم نے' اور ڈرو اللہ سے' بے شک اللہ خوب جانتا ہے راز سینوں کے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اس کی عطا کردہ دینی اور دنیاوی نعمتوں کا قلب اور زبان سے ذکر کیا جائے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے دائمی ذکر میں اس کے لئے شکر اور محبت کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور بندے کا دل اس کے احسان کی معرفت سے لبریز ہو جاتا ہے' دینی نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کے بارے میں نفس کی خود پسندی زائل ہوتی ہے۔

﴿وَمِيْثَاقَهُ﴾ ''(اور یاد کرو) اس عہد کو بھی۔'' یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے میثاق کو یاد کرو ﴿الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ﴾ ''جس کا تم سے قول لیا تھا۔'' یعنی وہ عہد جو اس نے تم سے لیا۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ بندوں نے اپنے نطق زبان سے اس عہد و میثاق کا اقرار کیا تھا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لا کر اللہ اور رسول کی اطاعت کا التزام کیا ہے' بنابریں فرمایا: ﴿اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا﴾ ''جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے (اللہ کا حکم) سن لیا اور قبول کر لیا۔'' یعنی تو نے اپنی آیات قرآنیہ اور کونیہ کے ذریعے سے ہمیں جو دعوت دی' ہم

نے اسے فہم' اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ سنا۔ تو نے جن امور پر عمل پیرا ہونے' اور جن سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہم نے اس کی اطاعت کی۔ یہ ظاہری اور باطنی تمام شرعی احکام کو شامل ہے۔

اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے اس عہد کو یاد رکھتے ہیں اور یہ عہد ہر وقت انہیں ذہن نشین رہتا ہے اور جس چیز کا انہیں حکم دیا گیا ہے اسے کامل طریقے سے ادا کرنے کے حریص ہیں۔ ﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ دلوں کی باتوں (تک) سے واقف ہے۔'' یعنی دل میں جو افکار' اسرار اور خیالات چھپے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی جانتا ہے' لہٰذا اس بات سے ڈرو کہ تمہارے دلوں میں موجود کسی ایسی بات کی اسے اطلاع ہو جس سے وہ راضی نہیں' یا تم سے کوئی ایسا فعل صادر ہو جسے وہ ناپسند کرتا ہے اور اپنے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت' اس کی محبت اور اللہ کے بندوں کی خیر خواہی سے آباد کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہاری نیکیوں کو کئی گنا زیادہ کر دے گا' کیونکہ اسے علم ہے کہ تمہارے دل درست ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۫ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ہو جاؤ تم قائم رہنے والے (حق پر) اللہ کیلئے' گواہی دینے والے ساتھ انصاف کے اور نہ آمادہ کرے تمہیں

شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ

دشمنی کسی قوم کی اس بات پر کہ نہ عدل کرو تم' عدل کرو یہی بات زیادہ قریب ہے تقویٰ کے' اور ڈرو اللہ سے

اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۸

بیشک اللہ خبردار ہے ساتھ اس کے جو تم کرتے ہو ○

﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''اے ایمان والو!'' یعنی اے وہ لوگو جو ان امور پر ایمان لائے ہو جن پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اپنے ایمان کے لوازم کو قائم کرو! ﴿ كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ﴾ ''اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔'' یعنی انصاف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے گواہی دینے کے لئے کھڑے ہونے والے بن جاؤ۔ تمہاری ظاہری اور باطنی حرکات قیام انصاف میں نشاط محسوس کریں اور یہ قیام عدل دنیاوی اغراض کی خاطر نہ ہو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو اور صرف (قسط) یعنی عدل تمہارا مقصد ہو۔ تمہارے اقوال و افعال میں کسی قسم کی افراط و تفریط نہ ہو اور تم قریب اور بعید' دوست اور دشمن سب کے ساتھ عدل و انصاف کرو۔

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ ﴾ ''تمہیں ہرگز آمادہ نہ کرے'' ﴿ شَنَاٰنُ قَوْمٍ ﴾ ''لوگوں کی دشمنی۔'' یعنی کسی قوم کے ساتھ کینہ و بغض ﴿ عَلٰۤى اَلَّا تَعْدِلُوْا ﴾ ''اس بات پر کہ تم عدل نہ کرو'' جیسا کہ وہ لوگ کرتے ہیں جن کے پاس

عدل وانصاف کا کوئی تصور نہیں۔ بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ جیسے تم اپنے دوست کے حق میں گواہی دیتے ہو اس کے خلاف بھی گواہی دو اور جیسے تم اپنے دشمن کے خلاف گواہی دیتے ہو تو اس کے حق میں بھی گواہی دو۔ خواہ تمہارا دشمن کافر یا بدعتی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بارے میں عدل کرنا اور اگر وہ حق بات کہتا ہے تو اسے قبول کرنا فرض ہے اور محض اس وجہ سے اس کا قول قبول نہ کیا جائے کہ وہ دوست کا قول ہے اور نہ دشمن کے قول کو محض اس وجہ سے رد کیا جائے کہ وہ دشمن کا قول ہے کیونکہ یہ حق پر ظلم ہے۔ ﴿ اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى ﴾ ''انصاف کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے'' یعنی جب بھی تم عدل کرنے کی خواہش کرو گے اور اس خواہش پر عمل کرنے کی کوشش کرو گے تو یہ چیز تمہارے دلوں کے تقویٰ کے بہت قریب ہے۔ اگر عدل کی تکمیل ہوگئی تو تقویٰ بھی مکمل ہو گیا ﴿ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴾ ''یقیناً اللہ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو'' اس لئے وہ تمہارے اچھے اور برے، چھوٹے اور بڑے تمام اعمال کی دنیا اور آخرت میں جزا دے گا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ‌ۙ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّاَجۡرٌ عَظِيۡمٌ ۝۹

وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور عمل کیے انہوں نے نیک ان کے لیے مغفرت ہے اور اجر بہت بڑا ○

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓٮِٕكَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ۝۱۰

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو یہی لوگ ہیں دوزخی ○

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ ﴾ ''اللہ نے وعدہ کیا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ جو وعدہ خلافی نہیں کرتا ان لوگوں کے ساتھ وعدہ فرماتا ہے جو اس پر، اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں ﴿ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ ''اور جنہوں نے نیک عمل کئے'' جو واجبات و مستحبات پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ان کو بخش دینے، ان کے گناہوں کی سزا کو معاف کر دینے اور ان کو اجر عظیم کے عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے جس کی بڑائی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِىَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡيُنٍ‌ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ﴾ (السجدۃ: ۱۷/۳۲) ''کوئی متنفس نہیں جانتا کہ ان کے لئے ان کے اعمال کے صلہ کے طور پر آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی گئی''۔ ﴿ وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِاٰيٰتِنَاۤ ﴾ ''اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔'' یعنی انہوں نے ان آیات کی تکذیب کی جو حق مبین پر دلالت کرتی ہیں حالانکہ ان آیات نے حقائق کو بیان کر دیا تھا ﴿ اُولٰٓٮِٕكَ اَصۡحٰبُ الۡجَحِيۡمِ ﴾ ''وہ جہنمی ہیں۔'' وہ جہنم کے ساتھ اس طرح لازم رہیں گے جس طرح دوست دوست کے ساتھ لازم رہتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یاد کرو نعمت اللہ کی (جو ہوئی) تم پر جب ارادہ کیا تھا ایک قوم نے کہ دراز کریں تمہاری طرف

اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ؀ (١١) ع

اپنے ہاتھ تو روک دیے اس نے انکے ہاتھ تم سے اور ڈرو اللہ سے اور اوپر اللہ ہی کے پس چاہیے کہ توکل کریں ایمان والے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں سے اپنی عظیم نعمتوں کا ذکر کرتا ہے اور انہیں ترغیب دیتا ہے کہ وہ بھی دل وزبان سے ان نعمتوں کا ذکر کیا کریں۔ جس طرح وہ اپنے دشمنوں کے قتل' ان کے مال کو مال غنیمت بنانے' ان کے شہروں کو فتح کرنے اور ان کے غلام بنانے کو اللہ تعالیٰ کی نعمت قرار دیتے ہیں اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا بھی اعتراف کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے ساتھ لڑنے سے روکا اور ان کی سازشوں اور چالوں کو جو ان کے سینوں میں تھیں' انہی پر لوٹا دیا۔ اس لئے کہ دشمنوں نے ایک سازش تیار کی اور ان کا گمان تھا کہ وہ اسے بروئے کار لانے میں کامیاب ہوں گے۔ لیکن جب وہ مومنوں کی خلاف اس سازش میں کامیاب نہیں ہوئے' تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کی مدد ہے' اس لئے ان کو چاہئے کہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں' اس کی عبادت اور اس کا ذکر کریں۔ کافروں' منافقوں اور باغیوں میں سے جن لوگوں نے بھی اہل ایمان کے ساتھ کسی برائی کا ارادہ کیا' یہ آیت کریمہ ان سب کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کرنے کیلئے اور دیگر تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگیں' اس لیے فرمایا: ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴾ ''اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔'' یعنی وہ اپنے دینی اور دنیاوی مصالح کے حصول میں اللہ تعالیٰ ہی پر توکل اور اعتماد کریں' اپنی قوت اور طاقت پر بھروسہ نہ کریں اور اپنے محبوب امور کے حصول میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور بندے کے ایمان کے مطابق ہی' اس کا اللہ پر توکل ہوتا ہے اور یہ دل کے ان واجبات میں سے ہے جن پر اتفاق ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ

اور البتہ تحقیق لیا اللہ نے عہد بنی اسرائیل سے اور مقرر کیے ہم نے ان میں سے بارہ سردار

وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ

اور کہا اللہ نے بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں' البتہ اگر قائم رکھو گے تم نماز اور ادا کرو گے زکوۃ اور ایمان لاؤ گے ساتھ میرے رسولوں کے

وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ

اور تقویت پہنچاؤ گے ان کو اور قرض دو گے تم اللہ کو قرض حسن' تو ضرور دور کر دوں گا میں تم سے تمہاری برائیاں

وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ

اور ضرور داخل کروں گا تمہیں ایسے باغوں میں کہ چلتی ہیں ان کے نیچے نہریں، پس جس نے کفر کیا بعد اس کے تم میں سے

فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ

تو تحقیق بھٹک گیا وہ سیدھی راہ سے ○ پس بسبب انکے توڑنے کے اپنے عہد کو لعنت کی ہم نے ان پر اور کر دیا ہم نے انکے دلوں کو

قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ

سخت، بدل ڈالتے ہیں وہ باتوں کو ان کی جگہوں سے اور بھول گئے وہ ایک حصہ اس چیز سے کہ نصیحت کیے گئے تھے وہ ساتھ اس کے

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ

اور ہمیشہ مطلع ہوتے رہتے ہیں آپ خیانت پر انکی، مگر تھوڑے لوگ ان میں سے، پس معاف کر دیں آپ ان کو

وَاصْفَحْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

اور درگزر کریں، بیشک اللہ پسند کرتا ہے احسان کرنے والوں کو ○

اللہ تبارک وتعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل سے بہت موکد اور بھاری عہد لیا پھر اس میثاق اور عہد کا وصف بیان فرمایا اور بتایا کہ اگر وہ اس عہد کو پورا کریں گے تو ان کو کیا اجر ملے گا اور اگر وہ اس عہد کو پورا نہیں کریں گے تو ان کو کیا سزا ملے گی، پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ انہوں نے اس عہد کو پورا نہیں کیا اور یہ بھی بتایا کہ ان کو اس کی پاداش میں کیا سزا ملی۔ ﴿ وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ ''اور اللہ نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا۔'' یعنی اللہ نے بنی اسرائیل سے مضبوط اور موکد عہد لیا ﴿ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ﴾ ہم نے ان کے بارہ سردار مقرر کر دیے جو ان کے معاملات کی دیکھ بھال کرتے تھے اور جن باتوں کا انہیں حکم دیا جاتا تھا اس کی تعمیل کرنے پر انہیں آمادہ کرتے تھے۔ ﴿ وَقَالَ اللّٰهُ ﴾ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان نقیبوں (سرداروں) سے فرمایا جنہوں نے ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھایا تھا ﴿ اِنِّيْ مَعَكُمْ ﴾ ''میں تمہارے ساتھ ہوں'' یعنی میری اعانت ونصرت تمہارے ساتھ ہے، کیونکہ مدد ہمیشہ ذمہ داری کے بوجھ کے مطابق ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان امور کا ذکر فرمایا جن پر عہد لیا تھا۔ ﴿ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ ﴾ ''اگر تم نماز پڑھتے رہو گے۔'' یعنی اگر تم نماز کو اس کے ظاہری اور باطنی لوازم کے ساتھ قائم کرو اور پھر اس پر دوام اختیار کرو گے ﴿ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ ﴾ ''اور زکوۃ دیتے رہو گے۔'' یعنی مستحق لوگوں کو زکوۃ دو گے ﴿ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ ﴾ ''اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے۔'' تمام انبیاء ورسل پر ایمان لاؤ گے، جن میں سب سے افضل اور سب سے اکمل جناب محمد مصطفی ﷺ ہیں ﴿ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ ﴾ ''اور ان کی مدد کرو گے۔'' یعنی اگر تم انبیاء کی تعظیم اور ان کی اطاعت اور ان کا احترام کرو گے جو تم پر واجب ہے ﴿ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا ﴾ ''اور تم اللہ کو قرض حسن دو گے'' یعنی صدقہ دو گے اور بھلائی کرو گے جس کا

مصدر صدق واخلاص اور کسب حلال ہو۔

جب تم مذکورہ بالا تمام امور قائم کر لو گے ﴿ لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَأُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ ﴾ ''تو میں تم سے تمہاری برائیاں دور کر دوں گا اور تمہیں ان باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی'' اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت میں اپنی نعمتوں اور محبوب امور کے حصول اور گناہوں کی تکفیر اور اس پر مرتب ہونے والی سزا کو دور کر کے ناپسندیدہ امور کے دور ہٹنے کو یکجا بیان فرمایا۔

﴿ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ ﴾ ''پھر جس نے اس کے بعد کفر کیا۔'' یعنی جو کوئی اس عہد و میثاق کے بعد جسے ایمان اور ثواب کی ترغیب کے ذریعے سے موکد کیا گیا ہے' کفر کا رویہ اختیار کرتا ہے ﴿ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴾ ''تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔'' یعنی وہ جان بوجھ کر سیدھے راستے سے بھٹکتا ہے تو وہ اسی سزا کا مستحق ہوگا' جس کے مستحق گمراہ لوگ ہوں گے' جیسے ثواب سے محرومی اور عذاب سے دوچار ہونا۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ ''کاش ہمیں بھی معلوم ہوتا کہ انہوں نے کیا کیا؟ کیا انہوں نے اس عہد کو پورا کیا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تھا یا اس عہد کو توڑ دیا؟'' پس اللہ نے واضح کر دیا کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ کئے گئے اس عہد کو توڑ دیا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ ﴾ ''تو ان لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب۔'' یعنی ان کے نقض عہد کے سبب سے ہم نے ان کو متعدد سزائیں دیں۔

(۱) ﴿ لَعَنّٰهُمْ ﴾ ''ہم نے ان پر لعنت کی۔'' یعنی ہم نے ان کو دھتکار کر اپنی رحمت سے دور کر دیا' کیونکہ انہوں نے اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے بند کر لئے اور انہوں نے اس عہد کو پورا نہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونے کا سب سے بڑا سبب ہے۔

(۲) ﴿ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ﴾ ''اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا'' یعنی ہم نے ان کو پتھر دل بنا دیا۔ پس وعظ و نصیحت ان کے کسی کام آ سکتے ہیں نہ آیات اور نہ ہی برے انجام سے ڈرانے والے انہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ کوئی شوق انہیں ترغیب دے سکتا ہے نہ کوئی خوف ان کو یہ عہد پورا کرنے کے لئے بے قرار کر سکتا ہے۔ بندے کے لئے یہ سب سے بڑی سزا ہے کہ اس کے دل کی یہ کیفیت ہو جائے کہ ہدایت اور بھلائی بھی اس پر برا اثر کریں۔

(۳) ﴿ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ﴾ ''یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں۔'' یعنی وہ کلام اللہ میں تغیر و تبدل کے بھی مرتکب ہوئے' چنانچہ انہوں نے کلام الٰہی کے اس معنی کو جو اللہ تعالیٰ کی مراد تھا' بدل کر وہ معنی بنا دیا جو اللہ اور اس کے رسول کی مراد نہ تھا۔

(۴) ﴿ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ﴾ ''اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک بڑا حصہ وہ بھلا

بیٹھے۔''انہیں تورات اور ان تعلیمات کے ذریعے سے نصیحت کی گئی جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تھیں' مگر انہوں نے ان کو فراموش کر دیا۔ یہ اس بات کو بھی شامل ہے کہ انہوں نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے علم کو فراموش کر دیا بنابریں علم ان سے ضائع ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ بہت سا علم ناپید ہو گیا۔ یہ آیت کریمہ نسیان عمل کو بھی شامل ہے جو ترک عمل کا نتیجہ ہے' پس جس چیز کا انہیں حکم دیا گیا تھا اس پر عمل کرنے کی ان کو توفیق نہ ہوئی۔

اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ انہوں نے بعض ان امور کا جو انکار کیا جن کا ذکر ان کی کتابوں میں ہے' یا ان کے زمانے میں واقع ہوئے' یہ بھی ان باتوں میں سے ہے جن کو انہوں نے فراموش کیا۔

(۵) دائمی خیانت' جس کے بارے میں فرمایا: ﴿ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ ﴾ ''اور آپ ہمیشہ مطلع ہوتے رہتے ہیں ان کی خیانت پر'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے بندوں کے ساتھ خیانت۔ اور ان کی سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ انہوں نے ان لوگوں سے حق کو چھپایا جو ان کو نصیحت کرتے تھے اور ان کے بارے میں حسن ظن رکھتے تھے۔ اور ان کو ان کے کفر پر باقی رکھنا۔ پس یہ بہت بڑی خیانت ہے اور جو کوئی ان صفات سے متصف ہوتا ہے اس میں یہ مذموم خصائل پائے جاتے ہیں۔

پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور ان کا التزام نہیں کرتا تو اس لعنت' قساوت قلبی اور کلام الٰہی کی تحریف میں وہ بھی حصہ دار ہوتا ہے۔ اس کو بھی حق اور صواب کی توفیق نہیں ملتی' وہ بھی ان امور کو فراموش کرنے کا مرتکب ہوتا ہے جن کی اسے یاددہانی کروائی گئی تھی اور ایسے شخص کا خیانت میں مبتلا ہونا بھی یقینی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کے طلب گار ہیں۔

جس امر کی انہیں یاددہانی کروائی گئی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو (حَظًّا) ''حصہ' نصیبہ'' کے نام سے اس لئے موسوم کیا ہے کیونکہ یہ سب سے بڑا حظ ہے اس کے علاوہ دیگر تمام حظوظ دنیاوی حظوظ ہیں۔ جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ ۙ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴾ (القصص: ۷۹/۲۸) ''قارون بڑی سج دھج کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے نکلا وہ لوگ جو دنیا کی زندگی کے طالب تھے' کہنے لگے کاش ہمیں بھی وہی کچھ دیا گیا ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ وہ تو بہت بڑے نصیبے والا ہے۔'' اور حظ نافع کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا ۚ وَمَا يُلَقّٰىهَآ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ﴾ (حم السجدۃ: ۳۵/۴۱) ''یہ بات صرف ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور اس سے وہی لوگ بہرہ ور ہوتے ہیں جو بہت بڑے نصیبے والے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ﴾ ''تھوڑے آدمیوں کے سوا'' یعنی وہ لوگ بہت کم تھے جنہوں نے

اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اسے پورا کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق سے نوازا اور سیدھے راستے کی طرف ان کی راہنمائی کی ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ﴾ ''پس آپ ان کی خطائیں معاف کر دیں اور ان سے درگزر فرمائیں۔'' ان کی طرف سے آپ کو جو بھی کوئی ایسی تکلیف پہنچتی ہے جو معاف کر دینے کے قابل ہو اسے معاف کر دیا کریں۔ اور ان سے درگزر کیجیے کیونکہ یہ بھلائی ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ ''بیشک اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔'' اور احسان یہ ہے کہ تو اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اپنے آپ میں یہ کیفیت پیدا نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ تو تجھے دیکھ رہا ہے اور مخلوق کے حق میں احسان یہ ہے کہ تو انہیں دینی اور دنیاوی فائدے سے نوازے۔

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّا نَصٰرٰىٓ أَخَذْنَا مِيثٰقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا

اور ان لوگوں سے جنہوں نے کہا' بیشک ہم نصاریٰ ہیں' لیا ہم نے عہد ان سے' پس بھول گئے وہ ایک حصہ اس چیز سے کہ

ذُكِّرُوا بِهٖ ۖ فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ

نصیحت کیے گئے تھے وہ ساتھ اس کے' تو ڈال دی ہم نے ان کے درمیان دشمنی اور بغض روز قیامت تک

وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١٤﴾

اور عنقریب خبر دے گا ان کو اللہ ساتھ اس چیز کے جو تھے وہ کرتے ○

یعنی جس طرح ہم نے یہود سے عہد لیا اسی طرح ہم نے نصاریٰ سے بھی عہد لیا ﴿وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوٓا إِنَّا نَصٰرٰىٓ﴾ ''اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصاری ہیں۔'' یعنی جو کہتے ہیں کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ' اس کے انبیاء و رسل اور ان پر نازل شدہ کتابوں پر ایمان لا کر اپنے آپ کو پاک کیا اور پھر عہد کو توڑ دیا ﴿فَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهٖ﴾ ''پھر بھول گئے وہ نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو ان کو کی گئی تھی'' یعنی وہ نسیان علمی اور نسیان عملی کا شکار ہو گئے ﴿فَأَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ ''پس ہم نے لگا دی آپس میں ان کی دشمنی اور کینہ' قیامت کے دن تک'' یعنی ہم نے انہیں ایک دوسرے پر مسلط کر دیا' ان کے درمیان شر و فساد اور کینہ نے جنم لیا جو قیامت تک کے لئے ایک دوسرے کے خلاف بغض اور عداوت کا باعث ہے اور یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے' کیونکہ نصاریٰ ہمیشہ سے ایک دوسرے کے ساتھ بغض' مخالفت اور عداوت رکھتے چلے آ رہے ہیں ﴿وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ ''اور عنقریب اللہ ان کو خبر دے گا' جو کچھ وہ کرتے تھے'' اور انہیں ان کی کارستانیوں پر عذاب دے گا۔

يٰٓأَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ

اے اہل کتاب! تحقیق آیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول' وہ بیان کرتا ہے تمہارے لیے بہ کثرت ان چیزوں سے کہ تھے تم چھپاتے

مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝١٥

کتاب میں سے اور درگزر کرتا ہے بہت سی باتوں سے۔ تحقیق آگئی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب واضح ○

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ

دکھاتا ہے ساتھ اس کے اللہ اس شخص کو کہ پیروی کرتا ہے وہ اس کی رضامندی کی راہیں سلامتی کی اور نکالتا ہے ان کو

مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝١٦

اندھیروں سے طرف روشنی کی اپنے حکم سے اور راہنمائی کرتا ہے ان کی طرف سیدھی راہ کی ○

جب اللہ تعالیٰ نے اس عہد اور میثاق کا ذکر کیا جو اس نے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے لیا تھا مگر تھوڑے سے لوگوں کے سوا سب نے اس عہد کو توڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو حکم دیا کہ وہ محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ کی نبوت پر ایک قطعی دلیل کے ذریعے سے استدلال کیا۔ اور وہ یہ کہ آپ ﷺ ان کے سامنے وہ چیزیں بیان کرتے ہیں جو وہ عام لوگوں سے چھپاتے ہیں حتیٰ کہ خود اپنے عوام سے بھی چھپاتے ہیں' پس جب یہی لوگ علم کے بارے میں عوام کا مرجع تھے اور علم کے خواہش مند کے لئے ان کے بغیر علم حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا' تو ان حالات میں رسول اللہ ﷺ کا قرآن کریم کے ساتھ مبعوث ہونا اور ان تمام امور کو کھول کھول کر بیان کر دینا جو وہ چھپاتے تھے' دراں حالیکہ آپ ان پڑھ تھے اور لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے' آپ ﷺ کی رسالت کی سب سے بڑی دلیل ہے' مثلاً ان کی کتابوں میں جناب محمد ﷺ کی صفات اور بشارتیں موجود تھیں۔ اسی طرح آیت رجم کو' (جسے وہ چھپاتے تھے) رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا۔

﴿ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ﴾ "اور درگزر کرتا ہے وہ بہت سی چیزوں سے" یعنی آپ ﷺ نے بہت سی ایسی باتوں کو بیان نہیں فرمایا جن کو بیان کرنا حکمت کا تقاضا نہیں تھا ﴿ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ ﴾ "تحقیق آ گیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور" اس نور سے مراد قرآن کریم ہے جس سے جہالت کی تاریکیوں اور گمراہی کے اندھیاروں میں روشنی حاصل کی جاتی ہے ﴿ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴾ "اور روشن کتاب۔" مخلوق اپنے دین و دنیا کے جن امور کی محتاج ہے اس کتاب نے ان کو واضح کر دیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ' اس کے اسماء و صفات اور افعال کا علم' احکام شرعی اور احکام جزائی کا علم' پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ کون ہے جو اس قرآن سے رہنمائی حاصل کرتا ہے اور وہ کون سا سبب ہے جو بندہ اس راہنمائی کے حصول کے لئے اختیار کرتا ہے۔ ﴿ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ ﴾ "اللہ اس کے ذریعے سے ہدایت دیتا ہے' اس کو جو اس کی رضامندی کی پیروی کرتا ہے' سلامتی کے راستوں کی" یعنی جو کوئی اللہ تعالیٰ کی رضا کا حریص ہوتا ہے اور پھر اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے اور اس کا قصد و ارادہ بھی صحیح ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سلامتی کے راستوں کی طرف اس کی راہنمائی کرتا ہے۔ جو اسے

عذاب سے بچا کر سلامتی کے گھر پہنچا دیتا ہے۔ یہاں سلامتی کے گھر سے مراد حق کا اجمالی اور تفصیلی علم اور اس پر عمل کرنا ہے۔

﴿ وَ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ ﴾ ''اور ان کو تاریکیوں سے نکالتا ہے'' یعنی کفر' بدعت' معصیت' جہالت اور غفلت کی تاریکیوں سے ﴿ اِلَى النُّوْرِ ﴾ ''روشنی کی طرف'' ایمان' سنت' اطاعت' علم اور ذکر الٰہی کی روشنی۔ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے راہ ہدایت ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا ﴿ وَ يَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ ''اور سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے''

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ

البتہ تحقیق کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا' بے شک اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے۔ کہہ دیجئے! پس کون اختیار رکھتا ہے

مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ

اللہ کے آگے کچھ بھی' اگر وہ ارادہ کر لے ہلاک کرنے کا مسیح ابن مریم اور ان کی ماں کو اور ان کو جو زمین میں ہیں

جَمِيْعًا ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ

سارے؟ اور اللہ ہی کیلئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ

عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ وَ النَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ

اوپر ہر چیز کے خوب قادر ہے ○ اور کہا یہود نے اور نصاریٰ نے ہم بیٹے ہیں اللہ کے

وَ اَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ

اور اسکے پیارے کہہ دیجئے! پس کیوں عذاب کرتا ہے وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے؟ بلکہ تم بھی انسان ہی ہو ان میں سے جن کو اس نے پیدا کیا

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ

وہ بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے اور عذاب کرتا ہے جس کو چاہتا ہے' اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی

وَ مَا بَيْنَهُمَا ۫ وَ اِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف ہے پھر کر جانا ○

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے عہد لینے اور ان کے نقض عہد کا ذکر کرنے کے بعد ان کے اقوال قبیحہ کا ذکر فرمایا' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے قول کا ذکر فرمایا اور یہ بات نصاریٰ سے پہلے کسی نے نہیں کہی۔ وہ کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے اور ان کے شبہ کا سبب یہ ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے بنابریں یہ اعتقاد باطل ان میں در آیا۔ حالانکہ جناب حوا علیہا السلام کی تخلیق اس کی نظیر ہے جن کو بغیر ماں کے پیدا کیا گیا اور اس لحاظ سے جناب آدم تو الوہیت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں جو باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا ہوئے۔ کیا انہوں نے

آدم علیہ السلام اور جناب حوا علیہا السلام کے بارے میں اسی طرح الوہیت کا دعویٰ کیا ہے جس طرح انہوں نے مسیح علیہ السلام کے بارے میں کیا؟۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ان کا حضرت مسیح کی الوہیت کا دعوی بغیر کسی برہان کے خواہش نفس کی پیروی ہے۔

پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح عقلی دلائل سے ان کے اس قول باطل کا رد کیا ہے' چنانچہ فرمایا: ﴿ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ﴾ ''فرما دیجئے' پس کس کا بس چل سکتا ہے اللہ کے آگے کچھ بھی' اگر وہ چاہے کہ ہلاک کر دے مسیح ابن مریم کو' اس کی ماں کو اور تمام اہل زمین کو'' چونکہ اگر اللہ تعالیٰ ان مذکور لوگوں کو ہلاک کرنا چاہے تو ان کے پاس اپنے آپ کو بچانے کی قدرت اور طاقت نہیں۔ اس لئے یہ اس ہستی کی الوہیت کے بطلان کی دلیل ہے جو اپنے آپ کو ہلاکت سے نہیں بچا سکتی اور نہ چھڑا سکتی ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے ﴿ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ﴾ ''اور زمین وآسمان کی بادشاہت اسی کی ہے'' پس وہ ان میں تکوینی' شرعی اور جزائی احکام کے ذریعے سے تصرف کرتا ہے وہ سب مملوک ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی تدبیر کرتا ہے۔ کیا مملوک اور بندۂ محتاج کو لائق ہے کہ وہ الٰہ بن جائے جو ہر لحاظ سے بے نیاز ہو؟۔۔۔۔ یہ سب سے بڑا محال ہے۔

عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام کا بغیر باپ کے متولد ہونا کوئی انہونی اور تعجب خیز بات نہیں ﴿ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ﴾ ''وہ (اللہ) جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔'' چاہے تو عورت اور مرد کے ذریعے سے پیدا کرے' جیسا کہ تمام بنی آدم کی تخلیق ہوئی ہے۔ چاہے تو بغیر عورت کے' صرف مرد سے پیدا کرے جیسے حضرت حوا علیہا السلام کا معاملہ ہے۔ چاہے تو کسی کو بغیر مرد کے عورت سے پیدا کرے' جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور چاہے تو مرد اور عورت دونوں کے بغیر پیدا کرے' جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت نافذہ سے اپنی مخلوق کو الگ الگ انداز سے پیدا فرمایا جس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں' بنابریں فرمایا ﴿ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔''

یہود و نصاریٰ کے دعاوی میں سے' جبکہ ان کے تمام دعوے باطل ہیں' ایک دعویٰ یہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہوئے اپنے آپ کو پاک گردانتے ہیں ﴿ نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ﴾ ''ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں'' ان کی لغت میں بیٹے سے مراد محبوب ہے وہ اس سے حقیقی ابنیت (بیٹا ہونا) مراد نہیں لیتے' کیونکہ یہ ان کا مذہب نہیں ہے سوائے حضرت مسیح کے بارے میں کہ عیسائی ان کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ چونکہ ان کا دعویٰ دلیل و برہان سے محروم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ﴾ ''کہہ دیجئے' پھر وہ کیوں تمہیں تمہارے گناہوں کی پاداش میں عذاب دے گا؟'' یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے تو وہ تمہیں کبھی عذاب نہ دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف اسی کو محبوب بناتا ہے جو اس کی مرضی کو پورا کرتا ہے۔

﴿بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ ''بلکہ تم بھی ایک آدمی ہو اس کی مخلوق میں سے'' تم پر بھی اللہ تعالیٰ کے عدل وفضل کے تمام احکام جاری ہوتے ہیں ﴿یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَ یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ ''وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے۔'' یعنی جب وہ مغفرت یا عذاب کے اسباب لے کر اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو اللہ ان اسباب کے مطابق ان کو بخش دیتا ہے یا عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ ﴿وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَاِلَیْهِ الْمَصِیْرُ﴾ ''اور اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔'' یعنی کس چیز نے تمہارے لئے اس فضیلت کو مختص کیا ہے جب کہ تم بھی اللہ تعالیٰ کے جملہ مملوکات میں شامل ہو اور تم بھی ان لوگوں میں شامل ہو جنہیں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ وہاں وہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا یُبَیِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ

اے اہل کتاب! تحقیق آیا تمہارے پاس ہمارا رسول' بیان کرتا ہے وہ تمہارے لئے' پیچھے موقوف ہو جانے رسولوں کے

اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ

کہیں تم نہ کہو کہ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ ڈرانے والا' پس تحقیق آ گیا تمہارے پاس خوشخبری دینے والا

وَّ نَذِیْرٌ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۹﴾

اور ڈرانے والا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

ربع ۱۵

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو کتاب عطا کر کے ان پر احسان فرمایا اور اس سبب سے انہیں دعوت دی کہ وہ اس کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ان کی طرف رسول بھیجا ﴿عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ﴾ ''رسولوں کے مبعوث ہونے کا سلسلہ منقطع رہنے کے بعد'' اور ان کی شدید احتیاج کی بنا پر۔ یہ چیز اس بات کی داعی ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لایا جائے اور ان کے سامنے تمام مطالب الٰہیہ اور احکام شرعیہ بیان کئے جائیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس طرح ان پر حجت پوری کر دی تاکہ وہ یہ نہ کہیں ﴿مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِیْرٍ وَّ لَا نَذِیْرٍ﴾ ''کہ ہمارے پاس کوئی خوش خبری دینے والا آیا نہ کوئی ڈرانے والا'' ﴿فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِیْرٌ وَّ نَذِیْرٌ﴾ ''پس تحقیق تمہارے پاس خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا'' جو دنیوی اور اخروی ثواب کی خوشخبری دیتا ہے اور ان اعمال سے آگاہ کرتا ہے جو اس ثواب کے حصول کے موجب ہیں نیز ان اعمال کو بجا لانے والوں کی صفات بیان کرتا ہے اور دنیوی اور اخروی عذاب اور ان اعمال سے ڈراتا ہے جو اس عذاب کا باعث بنتے ہیں اور ان اعمال کا ارتکاب کرنے والوں کی صفات سے آگاہ کرتا ہے۔

﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' تمام اشیاء نے اس کی قدرت کاملہ کے

سامنے اطاعت سے سر تسلیم خم کر رکھا ہے کسی کو اس کی نافرمانی کی مجال نہیں۔ یہ اس کی قدرت کاملہ ہی ہے کہ اس نے رسول مبعوث فرمائے' کتابیں نازل کیں جو ان رسولوں کی اطاعت کرتا ہے' اسے ثواب عطا کرتا ہے اور جو ان کی نافرمانی کرتا ہے انہیں عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے' اے میری قوم! یاد کرو نعمت اللہ کی (جو ہوئی) تم پر' جب اس نے بنائے تمہارے اندر

اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٠﴾ يٰقَوْمِ

نبی اور بنایا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو وہ جو نہیں دیا اس نے کسی کو جہانوں میں سے ○ اے میری قوم!

ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا

داخل ہو تم! زمین مقدس میں' جو لکھ دی ہے اللہ نے تمہارے لیے اور نہ پھرو تم اپنی پیٹھوں پر' تب پلٹو گے تم

خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖۗ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى

نقصان اٹھانیوالے بن کر ○ انہوں نے کہا' اے موسیٰ! بیشک اس میں ایک قوم ہے بڑی زور آور اور ہم ہرگز نہ جائیں گے اس میں یہاں تک کہ

يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ

نکل جائیں وہ اس میں سے' پس اگر نکل جائیں وہ اس میں سے تو ہم ضرور داخل ہو جائیں گے ○ کہا دو آدمیوں نے ان میں سے جو کہ

يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬

ڈرتے تھے (اللہ سے) انعام کیا تھا اللہ نے ان پر' داخل ہو جاؤ تم ان پر دروازے میں سے' پس جب داخل ہو گے تم اس میں سے تو تم ہی غالب ہو گے

وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ

اور اوپر اللہ ہی کے' پس بھروسہ کرو تم' اگر ہو تم مومن ○ انہوں نے کہا' اے موسیٰ! بے شک ہم تو ہرگز نہ جائیں گے اس میں

اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ

کبھی بھی جب تک وہ موجود ہیں اس میں' پس جا تو اور تیرا رب اور لڑو تم دونوں' تحقیق ہم تو یہیں بیٹھے ہیں (موسیٰ) نے کہا'

رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾

اے رب! بیشک میں نہیں اختیار رکھتا مگر اپنی جان کا اور اپنے بھائی کا' پس تو تفریق کر دے ہمارے درمیان اور درمیان نافرمان قوم کے ○

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ فَلَا

فرمایا (اللہ نے) پس وہ زمین حرام کر دی گئی ہے ان پر چالیس برس تک' سرگرداں پھریں گے وہ زمین میں' پس نہ

تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾ ع

غم کھا تو اوپر نافرمان قوم کے ○

اللہ تعالیٰ نے جناب موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام اور ان کی قوم کو فرعون اور اس کی قوم کی غلامی سے نجات دلا کر

ان پر احسان فرمایا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم نے اپنے وطن بیت المقدس واپس جانے کا قصد کیا اور وہ بیت المقدس کے قریب پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر دشمن کے خلاف جہاد فرض کر دیا تاکہ وہ ان سے اپنے علاقے خالی کروائیں۔ موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کو وعظ و تذکیر کی تاکہ وہ جہاد کے عزم پر قائم رہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اُذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ﴾ ''تم پر اللہ نے جو احسان کیے ہیں انہیں یاد کرو'' یعنی اپنے دل اور زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو' کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر اس کی محبت کا باعث بنتا ہے اور عبادت کے لئے نشاط پیدا کرتا ہے ﴿اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ﴾ ''جب پیدا کئے اس نے تمہارے اندر نبی'' جو تمہیں ہدایت کی طرف بلاتے ہیں اور تمہیں ہلاکت سے ڈراتے ہیں اور تمہیں ابدی سعادت کے حصول پر آمادہ کرتے ہیں اور تمہیں وہ کچھ سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے ﴿وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا﴾ ''اور تم کو بادشاہ بنایا'' تم اپنے معاملات کے خود مالک تھے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دشمن کی غلامی سے نجات دلائی اور تم اپنے معاملات کے خود مالک بن گئے اور تمہارے لئے اپنے دین کو قائم کرنا ممکن ہو گیا۔

﴿وَّاٰتٰىكُمْ﴾ ''اور تم کو عنایت کیا'' یعنی تمہیں دینی اور دنیاوی نعمتیں عطا کیں ﴿مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''جو اس نے جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیں'' کیونکہ وہ اس زمانے میں منتخب قوم تھی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ باعزت تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو وہ نعمتیں عطا کیں جو کسی اور کو عطا نہیں کیں' اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ نعمتیں یاد دلائیں جو ایمان' اس کے ثبات' جہاد پر ان کی ثابت قدمی اور جہاد کے لئے آگے بڑھنے کی موجب ہیں۔ بنا بریں فرمایا: ﴿يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ﴾ ''اے میری قوم! ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ'' یعنی سرزمین پاک میں ﴿الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ ''جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے'' اللہ تعالیٰ نے ایسی خبر سے آگاہ فرمایا کہ اگر وہ مومن اور اللہ تعالیٰ کی خبر کی تصدیق کرنے والے ہوتے تو یقیناً ان کے دل اس خبر سے مطمئن ہو جاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ارض مقدس میں ان کا داخل ہونا اور اپنے دشمن پر فتح حاصل کرنا لکھ دیا ہے ﴿وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓي اَدْبَارِكُمْ﴾ ''اور نہ لوٹو اپنی پیٹھوں کی طرف'' یعنی واپس نہ لوٹو ﴿فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ﴾ ''پھر جا پڑو گے نقصان میں'' یعنی اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل نہ کر سکنے اور اپنے شہروں کو فتح نہ کر سکنے کی وجہ سے تم دنیا میں بھی گھاٹے میں رہو گے اور آخرت میں بھی اپنی نافرمانی کی وجہ سے ثواب سے محروم اور عذاب کے مستحق ہو کر خسارے میں رہو گے۔

انہوں نے (اس کے جواب میں) موسیٰ علیہ السلام کو ایک ایسا جواب دیا جو ان کے ضعف قلب' ضعف جسم اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے بارے میں عدم اہتمام پر دلالت کرتا ہے ﴿يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ﴾ ''اے موسیٰ! اس میں ایک زبردست قوم ہے'' یعنی بہت طاقتور اور بہادر لوگ ہیں یعنی اس لئے وہ اس ملک میں

ہمارے داخل ہونے سے موانع میں سے ہیں ﴿ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴾ ''اور ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ اس میں سے نکل جائیں۔ پس اگر وہ اس میں سے نکل جائیں' تو ہم اس میں داخل ہو جائیں گے'' اور ان کا یہ قول ان کی بزدلی اور قلت یقین پر دلالت کرتا ہے۔ ورنہ اگر وہ عقلمند ہوتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ وہ بھی سب کے سب آدم کی اولاد ہیں اور طاقتور وہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی اعانت سے نواز دے' کیونکہ اللہ کی اعانت و توفیق کے بغیر کسی کے پاس کوئی قوت و اختیار نہیں' نیز انہیں یہ بھی معلوم ہوتا کہ ان کو ضرور فتح و نصرت سے نوازا جائے گا' کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے ساتھ فتح و نصرت کا خاص وعدہ کر رکھا ہے۔

﴿ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ ﴾ ''دو آدمیوں نے کہا' جو ڈرنے والوں میں سے تھے'' یعنی جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے انہوں نے اپنی قوم کا دل بڑھاتے ہوئے ان کو دشمن کے خلاف جنگ کرنے اور ان کے علاقوں میں اترنے پر آمادہ کرنے کے لئے کہا ﴿ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ﴾ ''جن پر اللہ نے انعام کیا تھا'' جنہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق اور اس قسم کے مواقع پر کلمہ حق کہنے کی جرأت سے نوازا تھا اور انہیں صبر و یقین کی نعمت عطا کی تھی۔ ﴿ اُدْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ﴾ ''تم دروازے میں داخل ہو جاؤ' جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو تم غالب ہو گے'' یعنی تمہارے اور تمہاری فتح کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں' سوائے اس کے کہ تم ان پر حملے کا پختہ عزم کر لو اور شہر کے دروازے میں گھس جاؤ' پس جب تم اس میں گھس جاؤ گے تو وہ ہزیمت اٹھا کر بھاگ جائیں گے' پھر ان کو اس تیاری کا حکم دیا جو سب سے بڑی تیاری ہے' چنانچہ فرمایا: ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور اللہ ہی پر تم بھروسہ کرو' اگر تم مومن ہو'' کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر توکل میں' خصوصاً ایسے مواقع پر' معاملے میں آسانی اور دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے اور یہ آیت کریمہ توکل کے وجوب پر دلالت کرتی ہے' نیز یہ کہ توکل بندۂ مومن کے ایمان کی مقدار کے مطابق ہوتا ہے۔

مگر ان کو کسی کلام نے فائدہ دیا نہ کسی ملامت نے اور انہوں نے ذلیل ترین لوگوں کی سی بات کہی:
﴿ يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴾
''اے موسیٰ! جب تک وہ اس میں ہیں' ہم کبھی اس میں داخل نہ ہوں گے' پس تو جا اور تیرا رب اور تم دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں'' اس مشکل صورت حال میں اپنے نبی کے سامنے ان کا یہ قول کتنا قبیح ہے جبکہ ضرورت اور حاجت تو اس بات کی متقاضی تھی کہ وہ عزت نفس کا خیال کرتے ہوئے اپنے نبی کی مدد کرتے۔ ان کے اس قول سے اور اس جیسے دیگر اقوال سے محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت اور دوسری امتوں کے درمیان تفاوت واضح ہو جاتا ہے۔ بدر کے موقع پر جب رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا جبکہ آپ ﷺ نے ابھی ان کو کوئی حتمی حکم نہیں دیا تھا' تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی ''یا رسول اللہ! اگر آپ ہمیں لے کر سمندر میں بھی کود جائیں تو

ہم آپ کے ساتھ ہیں اگر آپ ہمیں لے کر زمین کے آخری سرے تک پہنچ جائیں تو بھی کوئی پیچھے نہیں رہے گا اور ہم وہ بات بھی نہیں کہیں گے جو جناب موسیٰ کی قوم نے ان سے کہی تھی: ﴿ فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴾ ''جائیے آپ اور آپ کا رب دونوں لڑائی کریں ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں ---. بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ اور آپ کا رب جائیں لڑائی کریں ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر (آپ کے دشمنوں کے خلاف) جنگ کریں گے ہم آپ کے آگے' آپ کے پیچھے' آپ کے دائیں اور آپ کے بائیں طرف سے آپ کے دفاع میں جنگ لڑیں گے۔'' ①

جب موسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کی سرکشی دیکھی تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: ﴿ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ اَخِیْ ﴾ ''اے میرے رب! میرے اختیار میں تو میری جان اور میرا بھائی ہے'' یعنی لڑائی کے بارے میں ہمیں ان پر کوئی اختیار نہیں۔ اور میں ان پر کوئی جبر نہیں کر سکتا ﴿ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ ﴾ ''پس جدائی کر دے ہم میں اور اس نافرمان قوم میں'' یعنی ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے بایں طور اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق ان پر عذاب نازل فرما۔ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ ان کا قول وفعل کبیرہ گناہوں میں سے تھا جو فسق کے موجب ہوتے ہیں۔ ﴿قَالَ﴾ اللہ تبارک وتعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ ﴾ ''وہ ملک ان پر چالیس برس تک کے لیے حرام کر دیا گیا ہے' اور وہ زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے۔'' یعنی ان کی سزا یہ ہے کہ اس بستی میں' جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے لکھ دی ہے' داخل ہونا چالیس برس تک ان پر حرام کر دیا گیا' نیز وہ اس مدت کے دوران زمین میں مارے مارے اور سرگرداں پھرتے رہیں گے۔ وہ کسی طرف جانے کی راہ پائیں گے نہ کسی جگہ اطمینان سے ٹھہر سکیں گے۔ یہ دنیوی سزا تھی۔ شاید اس سزا کو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کا کفارہ بنا دیا اور ان سے وہ سزا دور کر دی جو اس سے بڑی سزا تھی۔ اس آیت کریمہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ گناہ کی سزا کبھی کبھی یہ بھی ہوتی ہے کہ موجودہ نعمت زائل ہو جاتی ہے یا کسی عذاب کو ٹال دیا جاتا ہے جس کے وجود کا سبب مہیا ہو' یا اس کو کسی دوسرے وقت کے لئے مؤخر کر دیا جاتا ہے۔

چالیس سال کی مدت مقرر کرنے میں شاید حکمت یہ ہے کہ اس مدت کے دوران میں یہ بات کہنے والے اکثر لوگ مر چکے ہوں گے جو صبر وثبات سے محروم تھے' بلکہ ان کے دل دشمن کی غلامی سے مالوف ہو گئے تھے بلکہ وہ ان بلند ارادوں ہی سے محروم تھے جو انہیں بلندیوں پر فائز کرتے تا کہ اس دوران نئی نسل کی عقل اور شعور تربیت پا

① سیرت ابن هشام' (٢٢٧/٢)

لے پھر وہ دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے' غلامی سے آزاد ہونے اور اس ذلت سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں جو سعادت سے مانع ہوتی ہے۔ اور اللہ تبارک وتعالیٰ کو معلوم تھا کہ اس کا بندہ موسیٰ مخلوق پر بے حد رحیم ہے خاص طور پر اپنی قوم پر۔ بسا اوقات ان کے لئے ان کا دل بہت نرم پڑ جاتا تھا' ان کی یہ شفقت اس سزا پر ان کو مغموم کر دیتی یا اس مصیبت کے زائل ہونے کی دعا کرنے پر آمادہ کر دیتی۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حتمی طور پر فرمایا: ﴿ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ ''پس تو ان نافرمان لوگوں کے حال پر افسوس نہ کر۔'' یعنی ان پر افسوس کر نہ ان کے بارے غمزدہ ہو۔ یقیناً انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا ہے اور ان کی نافرمانی اسی سزا کا تقاضا کرتی تھی جو انہیں ملی ہے۔ یہ سزا ہماری طرف سے ظلم نہیں ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ

اور تلاوت کریں آپ ان پر خبر آدم کے دو بیٹوں کی ساتھ حق کے جب دونوں نے قربانی کی (ایک) ایک قربانی' تو مقبول ہوئی ان میں سے ایک کی اور نہ

يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿27﴾

مقبول ہوئی دوسرے کی' اس نے کہا' میں ضرور تجھے قتل کر دوں گا' (پہلے نے) کہا' بس قبول کرتا ہے اللہ پرہیزگاروں ہی سے ○

لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ

البتہ اگر دراز کرے گا تو میری طرف اپنا ہاتھ تاکہ قتل کرے تو مجھے' تو میں نہیں دراز کروں گا اپنا ہاتھ تیری طرف کہ قتل کروں میں تجھے'

اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿28﴾ اِنِّيْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۗاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ

بیشک میں ڈرتا ہوں اللہ رب العالمین سے ○ بیشک میں ارادہ کرتا ہوں کہ لوٹے تو ساتھ میرے گناہ اور اپنے گناہ کے' پس ہو جائے تو

مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿29﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ

دوزخیوں سے' اور یہی بدلہ ہے ظالموں کا ○ پس آسان کر دیا اس کے لیے اس کے نفس نے قتل کرنے کو

اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿30﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ

اپنے بھائی کے' تو اس نے قتل کر دیا اسے اور ہو گیا وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ○ پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا' وہ کھودتا تھا

فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ

زمین کو' تاکہ دکھلائے وہ اسے کہ کیسے چھپائے وہ لاش اپنے بھائی کی' اس نے کہا' ہائے افسوس! کیا میں عاجز ہوں اس سے بھی کہ

اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿31﴾

ہوں مثل اس کوے کی کہ چھپا دیتا لاش اپنے بھائی کی' پس ہو گیا وہ پچھتانے والوں میں سے ○

وقف لازم

النصف

یعنی لوگوں کے سامنے قصہ بیان کر اور ان کو اس جھگڑے کے بارے میں بتا جو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کے درمیان ہوا تھا۔ یہ اس طرح تلاوت کرے کہ اصحاب اعتبار اسے جھوٹا نہیں بلکہ سچا اور اسے کھیل تماشہ نہیں بلکہ

ایک انتہائی سنجیدہ واقعہ گردانیں۔ اور ظاہر بات یہ ہے کہ آدم کے ''دو بیٹوں'' سے مراد صلبی بیٹے ہیں' جیسا کہ آیت کریمہ کا ظاہر اور اس کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے اور یہی جمہور مفسرین کا قول ہے۔

یعنی ان دونوں بیٹوں کا قصہ بیان کر جبکہ انہوں نے تقرب کے لئے قربانی کی جس نے انہیں ذکر کردہ حالت تک پہنچایا۔ ﴿ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا ﴾ ''جب ان دونوں نے قربانی پیش کی۔'' یعنی دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے مال میں سے اللہ تعالیٰ کے تقرب کی خاطر کچھ قربانی پیش کی ﴿ فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ﴾ ''پس ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہوگئی اور دوسرے کی نامقبول'' ان میں سے جس کی قربانی قبول نہ ہوئی اسے آسمان سے کسی خبر کے ذریعے سے معلوم ہوا یا سابقہ امتوں میں عادت الٰہی کے مطابق قربانی کے قبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر قربانی کو جلا ڈالتی تھی۔

﴿ قَالَ ﴾ وہ بیٹا جس کی قربانی قبول نہ ہوئی تھی حسد اور تعدی کی بنا پر دوسرے بیٹے سے بولا: ﴿ لَاَقْتُلَنَّكَ ﴾ ''میں تجھے قتل کر کے رہوں گا۔'' دوسرے بیٹے نے نہایت نرمی سے اس سے کہا: ﴿ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''اللہ صرف متقیوں کی قربانی قبول فرماتا ہے'' اس میں میرا کون سا گناہ اور کون سا جرم ہے جو تجھ پر میرے قتل کو واجب کرتا ہے۔ سوائے اس کے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جس سے ڈرنا مجھ پر' تجھ پر اور ہر ایک پر فرض ہے۔ اس آیت کریمہ میں ''متقین'' کی تفسیر میں صحیح ترین قول یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد ہے عمل میں اللہ تعالیٰ کی خاطر تقویٰ اختیار کرنے والے یعنی ان کا عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لئے اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ہو۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے خبر دیتے ہوئے بیان فرمایا کہ دوسرا بیٹا اسے قتل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا نہ ابتدا میں اور نہ اپنی مدافعت میں' اس لئے اس نے کہا: ﴿ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَاۤ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ﴾ ''اگر تو ہاتھ چلائے گا مجھ پر' تاکہ تو مجھے مارے' تو میں اپنا ہاتھ تیری طرف نہیں چلاؤں گا کہ تجھے ماروں'' اور میرا یہ رویہ میری بزدلی یا میرے عجز کی وجہ سے نہیں یہ تو صرف اس وجہ سے ہے کہ ﴿ اِنِّيْۤ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں'' اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا گناہ کا اقدام نہیں کر سکتا' خاص طور پر کبیرہ گناہ کا۔

اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لئے سخت تخویف ہے جو قتل کا ارادہ کرتا ہے اور تیرے لئے مناسب یہی ہے کہ تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرے اور اس سے ڈرے ﴿ اِنِّيْۤ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ ﴾ ''میں چاہتا ہوں کہ تو لوٹے۔'' ﴿ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ ﴾ ''میرے اور اپنے گناہ کے ساتھ'' یعنی جب معاملے کا دارومدار دو امور پر ہے' ایک یہ کہ میں قاتل بنوں (دوسرا یہ کہ) تو مجھے قتل کرے۔ تو میں اس بات کو ترجیح دوں گا کہ تو مجھے قتل کرے تاکہ تو دونوں کے گناہوں کا بوجھ اٹھا کر واپس لوٹے ﴿ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''پھر ہو جائے تو

دوزخیوں میں سے اور یہی سزا ہے ظالموں کی''۔

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ قتل کا ارتکاب کبیرہ گناہ ہے اور یہ جہنم میں داخل ہونے کا موجب ہے۔

وہ مجرم اس جرم سے پیچھے ہٹا نہ گھبرایا اور قتل کے عزم جازم پر قائم رہا حتیٰ کہ اس کے نفس نے اس کے بھائی کے قتل کی ترغیب دی جس کے احترام کا تقاضا شریعت اور فطرت دونوں کرتے ہیں ﴿فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ''پس اس نے اسے قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا'' یعنی وہ دنیا و آخرت میں خسارہ پانے والوں میں شامل ہو گیا اور اس نے ہر قاتل کے لئے ایک سنت رائج کر دی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس کسی نے کوئی بری سنت رائج کی تو اس پر اس برائی کے گناہ کا بوجھ اور ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی پڑے گا جو قیامت تک اس بری سنت پر عمل کریں گے''[1] بنابریں ایک صحیح حدیث میں وارد ہے ''دنیا میں جو بھی قتل کرتا ہے تو اس خون کے گناہ کا کچھ حصہ آدم کے پہلے بیٹے کے حصہ میں بھی جاتا ہے کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کے جرم کی ابتدا کی''[2]

جب اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے' کیونکہ آدم کے بیٹوں میں وہ پہلا شخص تھا جو مرا تھا ﴿فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ فِي الْأَرْضِ﴾ ''تو اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کریدتا تھا'' یعنی وہ زمین کھودتا تھا' تاکہ دوسرے مردہ کوے کو دفن کرے ﴿لِيُرِيَهُ﴾ ''تاکہ اسے دکھائے'' یعنی وہ اس کے ذریعے سے آدم کے قاتل بیٹے کو دکھائے ﴿كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ﴾ ''کہ وہ اپنے بھائی کے بدن کو کیسے چھپائے۔'' کیونکہ میت کا بدن بھی ستر ہوتا ہے ﴿فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ﴾ ''پس وہ نادم ہونے والوں میں سے ہو گیا'' اسی طرح تمام گناہوں کا انجام ندامت اور خسارہ ہے۔

مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ

اسی وجہ سے لکھا (فرض کر دیا) ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے کسی جان کو بغیر عوض

نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَمَنْ أَحْيَاهَا

جان کے یا بغیر فساد کے زمین میں' تو گویا اس نے قتل کر دیا لوگوں کو سب کو اور جو بچائے کسی ایک جان کو

فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا ۚ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا

تو گویا اس نے بچایا لوگوں کو سب کو اور البتہ تحقیق آئے ان کے پاس ہمارے رسول ساتھ واضح دلائل کے' پھر بیشک بہت سے لوگ

مِّنْهُم بَعْدَ ذَٰلِكَ فِي الْأَرْضِ لَمُسْرِفُونَ ﴿٣٢﴾

ان میں سے' بعد اس کے زمین میں حد سے نکل جانے والے ہیں ○

---

① صحیح مسلم' الزکاۃ' باب الحث علی الصدقۃ...... الخ' حدیث: ١٠١٧

② جامع الترمذی' العلم' باب ماجاء أن الدال علی الخیر کفاعلہ' حدیث: ٢٦٧٣

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ﴾ ''اسی سبب سے'' یعنی آدم کے بیٹوں کے اس واقعہ کے بعد جس کا ہم نے ذکر کیا ہے جس میں ان میں سے ایک نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا اور اپنے مابعد قتل کا طریقہ جاری کر دیا اور یہ کہ قتل کا انجام دنیا و آخرت میں انتہائی مضر اور خسارے والا ہے ﴿ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ ''ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا'' یعنی ان لوگوں پر جنہیں کتب سماویہ سے نوازا گیا ﴿ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''جس نے کسی جان کو بغیر جان کے یا بغیر فساد کرنے کے قتل کر دیا'' یعنی ناحق ﴿ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ﴾ ''گویا کہ اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔'' کیونکہ اس کے پاس کوئی داعیہ نہیں جو اسے تبیین پر آمادہ کرتا اور قتل ناحق کے اقدام سے روکتا۔ پس جب اس نے اس جان کو قتل کرنے کی جسارت کی جو قتل ہونے کی مستحق نہ تھی' تب معلوم ہوا کہ اس مقتول ناحق اور دیگر مقتولین کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ یہ تو نفس امارہ کے داعیے کے مطابق ہے۔ پس اس کا اس نفس کو قتل کرنے کی جسارت کرنا تمام نفوس انسانی کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح جس نے کسی نفس انسانی کو زندگی بخشی' یعنی نفس امارہ کے داعیے کے باوجود کسی نفس کو باقی رکھا اور اسے قتل نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے خوف نے اسے قتل ناحق سے روک دیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔ کیونکہ اس کے ہمراہ جو خوف الٰہی ہے' وہ اسے ایسے نفس کے قتل سے روکتا ہے جو قتل کا مستحق نہیں۔

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ دو امور کی بنا پر قتل جائز ہے۔

(۱) اگر کسی نے جان بوجھ کر ناحق قتل کیا ہو اگر قاتل مکلف اور بدلہ لئے جانے کے قابل ہو' وہ مقتول کا باپ نہ ہو' تو اسے (قصاص میں) قتل کرنا جائز ہے۔

(۲) وہ لوگ جو لوگوں کے دین' جان اور اموال کو ہلاک کر کے زمین میں فساد برپا کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں' مثلاً مرتدین' اہل کفر' محاربین اور بدعات کی طرف دعوت دینے والے وہ لوگ جن کو قتل کئے بغیر ان کے شر و فساد کا سدباب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح وہ راہزن وغیرہ ہیں جو لوگوں کا مال لوٹنے یا ان کو قتل کرنے کے لئے شاہراہوں میں لوگوں پر حملہ کر دیتے ہیں۔

فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ﴾ ''ان کے پاس ہمارے رسول دلائل لے کر آئے'' ان دلائل نے کسی کے پاس کوئی حجت باقی نہیں رہنے دی ﴿ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ ﴾ ''پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ۔'' یعنی لوگوں میں سے ﴿ بَعْدَ ذٰلِكَ ﴾ ''اس کے بعد'' یعنی حجت کی کاٹ کرنے والے اس بیان کے بعد' جو کہ زمین میں راست روی اور استقامت کا موجب ہوتا ہے ﴿ لَمُسْرِفُوْنَ ﴾ ''حد اعتدال سے نکل جاتے ہیں۔'' گناہوں کے اعمال اور انبیاء و رسل کی مخالفت میں' جو کہ واضح دلائل اور براہین کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں' حد سے بڑھنے والے ہیں۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا
یقیناً بدلہ ان لوگوں کا' جولڑتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد کرنے کی' (یہی ہے)
اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا
کہ قتل کردیے جائیں یا سولی دیے جائیں یا کاٹ دیے جائیں انکے ہاتھ اور انکے پاؤں مخالف جانب سے یا نکال دیے جائیں
مِنَ الْاَرْضِ ۭ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ
اس علاقے سے' یہ ان کے لیے ذلت ہے دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں عذاب ہے
عَظِيْمٌ ﴿٣٣﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا
بہت بڑا ○ مگر وہ لوگ کہ توبہ کر لی انہوں نے پہلے اس کے کہ قابو پاؤ تم ان پر' تو جان لو
اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٤﴾ ع
بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ○

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ محاربت کے مرتکب وہ لوگ ہیں جو اس کے ساتھ عداوت ظاہر کرتے ہیں اور قتل و غارت' کفر' لوٹ مار اور شاہراہوں کو غیر محفوظ بنانے کا ارتکاب کرتے ہیں۔

مشہور یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ ان راہزنوں اور ڈاکوؤں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بستیوں اور دیہات میں لوگوں پر حملے کر کے ان کا مال لوٹتے ہیں' ان کو قتل کرتے ہیں اور دہشت پھیلاتے ہیں۔ بنابریں لوگ ان شاہراہوں پر سفر کرنا بند کر دیتے ہیں پس اس وجہ سے راستے منقطع ہو جاتے ہیں' تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ حد نافذ کرتے وقت ان لوگوں کی سزا' ان سزاؤں میں سے ایک ہے جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہیں۔

اصحاب تفسیر میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ان سزاؤں میں اختیار ہے اور امام یا اس کا نائب ہر راہزن کو اپنی صواب دید اور مصلحت کے مطابق ان مذکورہ سزاؤں میں سے کوئی سزا دے سکتا ہے۔ آیت کریمہ کے الفاظ سے یہی ظاہر ہوتا ہے' یا ان کی سزا ان کے جرم کے مطابق دی جائے گی اور ہر جرم کے مقابلے میں ایک سزا ہے جیسا کہ آیت کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے اور اس آیت کریمہ کا حکم اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہے' یعنی اگر وہ قتل اور لوٹ مار کا ارتکاب کریں تو ان کو قتل کرنے اور سولی دینے کی سزا حتمی ہے۔ یہاں تک کہ ان کا سولی دیا جانا مشہور ہو جائے اور دوسرے لوگ لوٹ مار اور راہزنی سے باز آ جائیں۔ اگر وہ لوگوں کو قتل کریں اور مال نہ لوٹیں تو ان کو صرف قتل کیا جائے۔ اگر وہ صرف مال لوٹیں اور لوگوں کو قتل کرنے سے باز رہیں تو مخالف سمت سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیے جائیں یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔ اگر صرف لوگوں کو خوفزدہ کرنے اور دہشت پھیلانے کے مرتکب ہوئے ہوں اور انہوں نے کسی کا مال لوٹا ہو نہ کسی کو قتل کیا ہو تو ان کو جلا وطن کیا جائے گا

اور ان کو کسی شہر میں پناہ نہیں لینے دی جائے گی یہاں تک کہ وہ توبہ کرلیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور بعض تفاصیل میں اختلاف کے باوجود بہت سے ائمہ نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔

﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ سزا ﴿ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا ﴾ ''ان کے لئے دنیا میں فضیحت اور عار ہے'' ﴿ وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔'' یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ راہزنی بڑے گناہوں میں شمار ہوتی ہے جو دنیا و آخرت کی رسوائی اور فضیحت کی موجب ہے اور راہزنی کا مرتکب اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرتا ہے۔ جب یہ جرم اتنا بڑا ہے تو معلوم ہوا کہ مفسدین سے روئے زمین کی تطہیر کرنا' شاہراہوں کو قتل و غارت' لوٹ مار اور خوف و وحشت سے محفوظ کرنا' سب سے بڑی بھلائی اور سب سے بڑی نیکی ہے' نیز یہ زمین کے اندر اصلاح ہے جیسا کہ اس کی ضد فساد فی الارض ہے۔

﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ﴾ ''ہاں جن لوگوں نے' اس سے پیشتر کہ تمہارے قابو آجائیں' توبہ کرلی۔'' یعنی ان محاربین میں سے جو لوگ توبہ کرلیں پہلے اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ۔ ﴿ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا' نہایت مہربان ہے'' یعنی اس سے جرم اور گناہ ساقط ہو جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ضمن میں تھا' یعنی قتل' سولی' ہاتھ پاؤں کاٹنا اور جلاوطنی وغیرہ سزائیں معاف ہو جائیں گی۔ اگر محارب کافر تھا اور اس نے گرفتار ہونے سے پہلے اسلام قبول کرلیا تو آدمی کا حق بھی ساقط ہو جائے گا۔ اگر محارب مسلمان ہے تو لوٹ مار اور قتل و غارت وغیرہ انسانی حقوق ساقط نہیں ہوں گے۔ آیت کریمہ کا مفہوم دلالت کرتا ہے کہ محارب پر قابو پالینے کے بعد اس کی توبہ معتبر نہیں' اس سے کوئی سزا ساقط نہیں ہوگی۔ اس میں جو حکمت ہے وہ واضح ہے۔ اور جب قابو پانے سے پہلے کی ہوئی توبہ محاربت کی حد کے نفاذ سے مانع ہے تو قابو پانے سے پہلے دیگر جرائم سے توبہ کا ان جرائم کی حدود کے نفاذ سے مانع ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! ڈرو اللہ سے اور تلاش کرو اس کی طرف ذریعۂ قرب اور جہاد کرو

فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾

اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ ○

اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ایمان کے تقاضے کے مطابق تقویٰ اختیار کریں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے غضب سے بچیں اور وہ اس طرح کہ بندۂ مومن مقدور بھر ان امور سے اجتناب کرے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث بنتے ہیں قلب' زبان اور جوارح کے ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچے اور ان گناہوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے' تاکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب سے نجات حاصل کر سکے۔

﴿وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ﴾ ''اور ڈھونڈو اس کی طرف وسیلہ'' یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب' اس کے پاس مرتبہ اور اس کی محبت طلب کرو۔ یہ چیز فرائض قلبی مثلاً محبت الٰہی' اس کے خوف' اس پر امید' اس کی طرف انابت اور اس پر توکل' فرائض بدنی مثلاً زکوٰۃ اور حج وغیرہ اور قلب و بدن سے مرکب فرائض مثلاً نماز' ذکر اور تلاوت اور لوگوں سے اپنے اخلاق' مال' علم' جاہ اور بدن کے ذریعے سے بھلائی سے پیش آنے اور ان کی خیر خواہی کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ پس یہ تمام اعمال تقرب الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ بندہ اعمال کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتا ہے تو اللہ اس کے کان بن جاتا ہے جن کے ذریعے سے وہ سنتا ہے' اس کی آنکھ بن جاتا ہے جس کے ذریعے سے وہ دیکھتا ہے' اس کا ہاتھ بن جاتا ہے جس کے ذریعے سے وہ پکڑتا ہے' اس کے پاؤں بن جاتا ہے جس کے ذریعے سے وہ چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی دعائیں قبول کرتا ہے۔ [1]

پھر اللہ کے قریب کرنے والی عبادات میں سے جہاد فی سبیل اللہ کا خصوصی طور پر بیان کیا اور یہ جہاد نام ہے کافروں کے ساتھ لڑائی میں اپنی پوری طاقت صرف کرنے کا' مال' جان' رائے' زبان کے ذریعے سے اور اللہ کے دین کی مدد میں اپنی مقدور بھر سعی و کوشش کرنے کا۔ اس لئے کہ عبادت کی یہ قسم تمام طاعات میں سب سے زیادہ جلیل القدر اور قربات میں سب سے افضل ہے' نیز یہ کہ جو اس کی ادائیگی کا اہتمام کر لیتا ہے' وہ دیگر فرائض و عبادات بہ طریق اولیٰ بجا لاتا ہے۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ ''تاکہ تم فلاح پاؤ۔'' اگر تم نے گناہوں کو ترک کر کے تقویٰ اختیار کیا' نیکیوں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے تقرب کا وسیلہ تلاش کر لیا اور اس کی رضا کی خاطر اس کے راستے میں جہاد کیا' تو امید کی جا سکتی ہے کہ تم فلاح پا لو گے۔ فلاح اپنے ہر مطلوب و مرغوب کے حصول میں کامیابی اور مرہوب سے نجات کا نام ہے۔ پس اس کی حقیقت ابدی سعادت اور دائمی نعمت ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا

بیشک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اگر ہو ان کیلئے جو کچھ زمین میں ہے سارا اور اتنا ہی اور اسکے ساتھ' تاکہ معاوضے میں دے دیں وہ

بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٣٦﴾ يُرِيْدُوْنَ

اس کو عذاب کے روز قیامت کے' تو نہیں قبول کیا جائے گا ان سے' اور ان کیلئے عذاب ہے بہت دردناک ○ وہ ارادہ کریں گے

اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۫ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٣٧﴾

کہ نکل جائیں آگ سے اور نہیں ہوں گے نکلنے والے اس سے اور ان کے لیے عذاب ہے ہمیشہ رہنے والا ○

[1] مطلب یہ ہے کہ اللہ کا محبوب انسان اپنے تمام اعضاء کو اس طرح استعمال کرتا ہے جس طرح اللہ پسند کرتا ہے' یہ مطلب نہیں کہ وہ اللہ کا جزء بن جاتا یا اللہ اس میں حلول کر جاتا ہے' جیسا کہ بعض مشرکین میں اس قسم کے عقیدے پائے جاتے ہیں۔ (ص۔ی)

قیامت کے روز کفار کا جو بدترین حال ہوگا اور وہ جس قبیح ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے' اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس روز اگر وہ زمین بھر سونا' اور اتنا ہی اور' اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لئے فدیہ کے طور پر ادا کریں تو ان سے یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ یہ فدیہ کوئی فائدہ ہی دے گا۔ کیونکہ فدیہ دینے کا موقع تو وہ گنوا بیٹھے' اب تو دردناک دائمی عذاب کے سوا کچھ باقی نہیں بچا۔ اس عذاب سے وہ کبھی نہ نکل سکیں گے بلکہ وہ اس عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا أَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ؕ

چور مرد اور چور عورت پس کاٹ دو ہاتھ ان دونوں کے بدلے میں اسکے جو انہوں نے کمایا' عبرت ناک سزا ہے اللہ کی طرف سے

وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللّٰهَ يَتُوبُ

اور اللہ غالب حکمت والا ہے ○ پھر جس نے توبہ کر لی بعد اپنے ظلم کے اور اصلاح کر لی تو اللہ توجہ فرماتا ہے

عَلَيْهِ ؕ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ

اس پر بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ○ کیا نہیں علم ہوا آپ کو کہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں

وَالْأَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤٠﴾

اور زمین کی' وہ عذاب کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور مغفرت کرتا ہے جس کی چاہتا ہے' اور اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے ○

چور اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی دوسرے کا قابل احترام مال' اس کی رضامندی کے بغیر خفیہ طور پر ہتھیاتا ہے۔ چوری کا شمار کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے جو بدترین سزا کا موجب ہے یعنی دایاں ہاتھ کاٹنا' جیسا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی قراءت میں آتا ہے۔ ہاتھ کا اطلاق کلائی کے جوڑ تک ہتھیلی پر ہوتا ہے۔ اگر کوئی چوری کرتا ہے تو ہاتھ کلائی سے کاٹ دیا جائے اور اس کے بعد اسے تیل میں داغ دیا جائے تاکہ رگیں مسدود ہو جائیں اور خون رک جائے۔

سنت نبوی نے اس آیت کریمہ کے عموم کو متعدد پہلوؤں سے مقید کیا ہے۔

(۱) حفاظت: چوری کے اطلاق کے لئے ضروری ہے کہ مال محفوظ جگہ سے اٹھایا گیا ہو' یہاں مال کی حفاظت سے مراد وہ حفاظت ہے جو عادتاً کی جاتی ہے۔ چور نے اگر کسی ایسے مال کی چوری کی ہو جو حفاظت میں نہ ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(۲) نصاب: چور کا ہاتھ کاٹنے کے لئے مال مسروقہ کا نصاب ضروری ہے۔ یہ نصاب کم از کم ایک چوتھائی دینار یا تین درہم یا ان میں سے کسی ایک کے برابر ہو۔ مال مسروقہ اگر اس نصاب سے کم ہو تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ شاید یہ لفظ سرقہ اور اس کے معنی سے ماخوذ ہے کیونکہ لفظ ''سرقہ'' سے مراد ہے کوئی

چیز اس طریقے سے لینا جس سے احتراز ممکن نہ ہو اور یہ اسی وقت ہی ہوگا کہ مال کو حفاظت کے ساتھ رکھا گیا ہو۔ اگر مال کو حفاظت کے ساتھ نہ رکھا گیا تو اس مال کا لینا شرعی سرقہ کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

یہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت ہے کہ تھوڑی اور حقیری سی شے کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ چونکہ قطع ید کے لئے کم ترین نصاب مقرر کرنا ضروری ہے' اس لئے نصاب شرعی ہی کتاب اللہ کی تخصیص کرنے والا ہوگا۔ چوری میں ہاتھ کاٹنے میں حکمت یہ ہے کہ اس سے مال محفوظ ہو جاتے ہیں اور اس عضو کو بھی کٹ جانا چاہئے جس سے جرم صادر ہوا ہے۔ دایاں ہاتھ کاٹ دیئے جانے کے بعد اگر چور دوبارہ چوری کا ارتکاب کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔ اگر پھر چوری کرے تو بعض کہتے ہیں کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا اور اگر پھر بھی باز نہ آئے تو دایاں پاؤں کاٹ دیا جائے اور بعض فقہا کہتے ہیں کہ اس کو قید کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ قید ہی میں مر جائے۔ ﴿ جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا ﴾ ''یہ بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے کمایا'' یعنی یہ قطع ید چور کو اس بات کی سزا دی گئی ہے کہ اس نے لوگوں کا مال چرایا ہے ﴿ نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ﴾ ''یہ تنبیہ ہے اللہ کی طرف سے'' یعنی یہ سزا چور اور دیگر لوگوں کو ڈرانے کے لئے ہے' کیونکہ چوروں کو جب معلوم ہوگا کہ چوری کے ارتکاب پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا' تو وہ چوری سے باز آ جائیں گے ﴿ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ زبردست' صاحب حکمت ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے اس لئے اس نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔

﴿ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''پس جس نے توبہ کی اپنے ظلم کے بعد اور اصلاح کی' تو اللہ قبول کرتا ہے توبہ اس کی' بے شک اللہ بہت بخشنے والا' نہایت مہربان ہے'' پس جو کوئی توبہ کرتا ہے' گناہوں کو ترک کر کے اپنے اعمال اور اپنے عیوب کی اصلاح کر لیتا ہے' تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے اور یہ اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے اقتدار کا مالک ہے وہ جیسے چاہتا ہے زمین اور آسمان میں تکوینی اور شرعی تصرف کرتا ہے اور اپنی حکمت' بے پایاں رحمت اور مغفرت کے تقاضے کے مطابق وہ بخشتا ہے یا سزا دیتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا

اے رسول! نہ غمگین کریں آپ کو وہ لوگ جو جلدی کرتے ہیں کفر میں' ان لوگوں میں سے جو کہتے ہیں

اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۚ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ

ہم ایمان لائے ساتھ اپنے مونہوں کے اور نہیں ایمان لائے دل انکے اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے وہ بہت سننے والے ہیں جھوٹ کے'

سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهٖ ۚ

بہت سننے والے ہیں واسطے دوسری قوم کے کہ نہیں آئی وہ (ابھی) آپکے پاس' بدل ڈالتے ہیں وہ باتوں کو بعد (ثابت ہونے انکے) انکی جگہوں سے

يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا ؕ وَمَنْ
وہ کہتے ہیں' اگر دیئے جاؤ تم یہ (حکم) تو اسے لے لو اور اگر نہ دیئے جاؤ تم یہ' تو بچو' اور جو شخص کہ
يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ
ارادہ کرے اللہ اسے گمراہ کرنے کا' تو ہرگز نہیں اختیار رکھتے آپ اس کیلئے اللہ کے ہاں کچھ بھی۔ یہی لوگ ہیں کہ نہیں ارادہ کیا
اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۚۖ وَّلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ
اللہ نے یہ کہ پاک کر دے ان کے دلوں کو' ان کے لیے ہے دنیا میں رسوائی اور ان کے لیے آخرت میں ہے عذاب
عَظِيْمٌ ﴿٤١﴾ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ ؕ فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ
عظیم ○ بہت سننے والے ہیں جھوٹ کے' بہت کھانے والے ہیں حرام کے' پس اگر آئیں وہ آپکے پاس' تو آپ فیصلہ کردیں انکے درمیان
اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا ؕ وَاِنْ
یا منہ پھیر لیں ان سے' اور اگر منہ پھیریں گے آپ ان سے' تو ہرگز نہ بگاڑ سکیں گے آپ کا کچھ بھی اور اگر
حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَكَيْفَ
فیصلہ کریں آپ' تو فیصلہ کریں انکے درمیان ساتھ انصاف کے' بیشک اللہ پسند فرماتا ہے انصاف کرنے والوں کو ○ اور کیوں کر
يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ
منصف بنائیں وہ آپ کو جب کہ ان کے پاس تورات ہے' اس میں حکم ہے اللہ کا' پھر پھر جاتے ہیں وہ بعد
ذٰلِكَ ؕ وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٤٣﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ
اس کے' اور نہیں ہیں وہ ایمان لانے والے ○ بے شک نازل کیا ہم نے تورات کو' اس میں ہدایت اور روشنی ہے
يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ
فیصلہ کرتے تھے ساتھ اسکے پیغمبر' جو مطیع تھے (اللہ کے) واسطے ان لوگوں کے جو یہودی ہوئے اور (فیصلہ کرتے تھے) اللہ والے اور علماء
بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا
اسلئے کہ وہ نگران بنائے گئے تھے کتاب اللہ کے' اور تھے وہ اوپر اس کے گواہ پس نہ ڈرو تم
النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ
لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے اور نہ بیچو تم میری آیتوں کو مول پر تھوڑے سے' اور جو نہ فیصلہ کرے ساتھ اس کے جو
اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾
نازل کیا اللہ نے' تو یہی لوگ ہیں کافر ○

رسول اللہ ﷺ مخلوق پر بے حد شفقت فرماتے تھے اس لئے اگر کوئی شخص ایمان لانے کے بعد پھر کفر کی

طرف لوٹ جاتا تو آپ ﷺ کو بہت دکھ پہنچتا اور آپ بہت زیادہ مغموم ہو جاتے۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو ہدایت فرمائی کہ وہ اس قسم کے لوگوں کی کارستانیوں پر غمزدہ نہ ہوا کریں کیونکہ وہ کسی شمار میں نہیں۔ اگر وہ موجود ہوں تو ان کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو ان کے بارے میں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ بنا بریں ان کے بارے میں عدم حزن وغم کے موجب سبب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿مِنَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا بِاَفۡوَاهِهِمۡ وَلَمۡ تُؤۡمِنۡ قُلُوۡبُهُمۡ﴾ ”ان لوگوں میں سے جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اپنے مونہوں سے اور ان کے دل مسلمان نہیں“ کیونکہ صرف ان لوگوں کے بارے میں افسوس کیا جاتا ہے اور صرف ان کے بارے میں غم کھایا جاتا ہے جو ظاہر اور باطن میں مومن شمار ہوتے ہیں۔ حاشا اللہ اہل ایمان کبھی اپنے دین سے نہیں پھرتے' کیونکہ جب بشاشت ایمان دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے' تو صاحب ایمان کسی چیز کو ایمان کے برابر نہیں سمجھتا اور ایمان کے بدلے کوئی چیز قبول نہیں کرتا۔

﴿وَمِنَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا﴾ ”اور ان میں سے جو یہودی ہیں۔“ ﴿سَمّٰعُوۡنَ لِلۡكَذِبِ سَمّٰعُوۡنَ لِقَوۡمٍ اٰخَرِیۡنَ لَمۡ یَاۡتُوۡكَ﴾ ”جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کے لئے' وہ جاسوس ہیں دوسرے لوگوں کے جو آپ تک نہیں آئے“ یعنی اپنے سرداروں کی آواز پر لبیک کہنے والے' ان کے مقلد' جن کا تمام تر معاملہ جھوٹ اور گمراہی پر مبنی ہے۔ اور یہ سردار جن کی پیروی کی جاتی ہے ﴿لَمۡ یَاۡتُوۡكَ﴾ ”آپ کے پاس کبھی نہیں آئے“ بلکہ وہ آپ سے روگردانی کرتے ہیں اور اسی باطل پر خوش ہیں جو ان کے پاس ہے ﴿یُحَرِّفُوۡنَ الۡكَلِمَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَوَاضِعِهٖ﴾ ”وہ بدل ڈالتے ہیں بات کو' اس کا ٹھکانا چھوڑ کر“ یعنی وہ اللہ کی مخلوق کو گمراہ کرنے اور حق کو روکنے کے لئے الفاظ کو ایسے معانی پہناتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے پس لوگ گمراہی کی طرف دعوت دینے والوں کے پیچھے چلتے ہیں اور محال کی پیروی کرتے ہیں جو تمام تر جھوٹ ہی لے کر آتے ہیں جو عقل سے محروم اور عزم وہمت سے تہی دست ہیں۔ اگر وہ آپ کی اتباع نہیں کرتے تو پروا نہ کیجئے' کیونکہ وہ انتہائی ناقص ہیں اور ناقص کی پروا نہیں کی جاتی ﴿یَقُوۡلُوۡنَ اِنۡ اُوۡتِیۡتُمۡ هٰذَا فَخُذُوۡهُ وَاِنۡ لَّمۡ تُؤۡتَوۡهُ فَاحۡذَرُوۡا﴾ ”کہتے ہیں اگر تم کو یہ حکم ملے تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ ملے تو بچتے رہنا“ یعنی یہ بات وہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ فیصلہ کروانے کے لئے آپ کے پاس آتے ہیں۔ خواہشات نفس کی پیروی کے سوا ان کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں ”اگر محمد (ﷺ) تمہاری خواہش کے مطابق فیصلہ کرے تو اسے قبول کر لو اور اگر وہ تمہاری خواہش کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو اس فیصلے میں اس کی پیروی سے بچو۔“ یہ نقطہ نظر فتنہ اور خواہشات نفس کی پیروی ہے۔

﴿وَمَنۡ یُّرِدِ اللّٰهُ فِتۡنَتَهٗ فَلَنۡ تَمۡلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَیۡـًٔا﴾ ”اور جس کو اللہ گمراہ کرنے کا ارادہ کر لے' آپ اس کے لئے اللہ کے ہاں کچھ نہیں کر سکتے“ اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد اس قول کی مانند ہے ﴿اِنَّكَ لَا تَهۡدِیۡ

﴿مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ﴾ (القصص: ۲۸/۵۶)"آپ جسے پسند کریں اسے ہدایت نہیں دے سکتے' بلکہ اللہ ہی جس کو چاہے ہدایت دے سکتا ہے"۔ ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ﴾ "یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہیں چاہا کہ ان کے دل پاک کرے" یعنی پس ان سے جو کچھ صادر ہو رہا ہے وہ اسی وجہ سے صادر ہو رہا ہے۔ ان کا یہ رویہ اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ جو کوئی خواہش نفس کی اتباع کی خاطر شریعت کے مطابق فیصلہ کرواتا ہے اگر فیصلہ اس کے حق میں ہو تو راضی ہو جاتا ہے اور اگر فیصلہ اس کے خلاف ہو تو ناراض ہو جاتا ہے' تو یہ چیز اس کے قلب کی عدم طہارت میں سے ہے۔ جیسے وہ شخص جو اپنا فیصلہ شریعت کی طرف لے جاتا ہے اور اس پر راضی ہوتا ہے' چاہے وہ فیصلہ اس کی خواہش کے مطابق ہو یا مخالف' تو یہ اس کی طہارت قلب میں سے ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ طہارت قلب ہر بھلائی کا سبب ہے اور طہارت قلب رشد و ہدایت اور عمل سدید کا سب سے بڑا داعی ہے۔

﴿لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ﴾ "ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے۔" یعنی دنیا میں ان کے لئے فضیحت اور عار ہے ﴿وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ "اور آخرت میں عذاب عظیم ہے" عذاب عظیم سے مراد جہنم اور اللہ جبار کی ناراضی ہے ﴿سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ﴾ "جاسوسی کرنے والے ہیں جھوٹ بولنے کے لئے" یہاں سننے سے مراد اطاعت کے لئے سننا ہے یعنی وہ قلت دین اور قلت عقل کی بنا پر ہر اس شخص کی بات پر لبیک کہتے ہیں جو انہیں جھوٹ کی طرف دعوت دیتا ہے ﴿اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ﴾ "کھانے والے ہیں حرام کے" یعنی اپنے عوام اور گھٹیا لوگوں سے ناحق وظائف لے کر حرام مال کھاتے ہیں۔ پس انہوں نے اپنے اندر جھوٹ کی پیروی اور اکل حرام کو یکجا کر لیا ﴿فَاِنْ جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ "اگر یہ آپ کے پاس (کوئی فیصلہ کرانے کو) آئیں تو آپ ان میں فیصلہ کر دیں یا اعراض کریں۔" یعنی آپ کو اس بارے میں اختیار ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے اعراض فرمالیں۔

یہ آیت کریمہ منسوخ نہیں ہے بلکہ اس قسم کے لوگوں کے بارے میں' جو فیصلہ کروانے کے لئے آپ ﷺ کے پاس آئیں آپ کو اختیار دیا گیا ہے کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا فیصلہ کرنے سے گریز کریں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ صرف اسی وقت شریعت کے مطابق فیصلہ کروانے کا قصد کرتے ہیں جب فیصلہ ان کی خواہشات نفس کے مطابق ہو۔ بنا بریں فتویٰ طلب کرنے والے اور کسی عالم کے پاس فیصلہ کروانے کے لئے جانے والے کے احوال کی تحقیق کی جائے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے خلاف فیصلے پر راضی نہ ہو گا تو اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا واجب ہے نہ فتویٰ دینا۔ تاہم اگر وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا واجب ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْـًٔا وَاِنْ حَكَمْتَ

﴿ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴾ ''اگر آپ ان سے منہ پھیر لیں تو وہ آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں' بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے'' حتی کہ۔۔۔خواہ لوگ ظالم اور دشمن ہی کیوں نہ ہوں تب بھی ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے سے کوئی چیز مانع نہ ہو۔

یہ آیت کریمہ لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے۔ پھر ان پر تعجب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ ...... بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور وہ کس طرح آپ کو منصف بنائیں گے' جب کہ ان کے پاس تورات ہے' جس میں اللہ کا حکم ہے' پھر اس کے بعد وہ پھر جاتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں'' اس لئے کہ اگر وہ مومن ہوتے اور ایمان کے تقاضے اور اس کے موجبات پر عمل کرتے' تو اللہ کے اس حکم سے اعراض نہ کرتے جو تورات میں موجود ہے اور جو ان کے سامنے ہے۔ (لیکن اس سے اعراض کر کے جو آپ کے پاس آئے ہیں تو اس امید پر کہ) شاید جو کچھ آپ کے پاس ہے ان کی خواہشات کے مطابق ہو۔ اور جب آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق فیصلہ کر دیا جو ان کے پاس ہے' تو وہ نہ صرف اس بات پر راضی نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اس سے روگردانی کی اور اس کو ناپسند کیا۔ ﴿ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔'' یعنی وہ لوگ جن کے یہ اعمال ہیں وہ مومن نہیں' یعنی یہ اہل ایمان کا رویہ نہیں اور نہ یہ لوگ مومن کہلانے کے مستحق ہیں' کیونکہ انہوں نے اپنی خواہشات نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے اور احکام ایمان کو اپنی خواہشات کے تابع کر رکھا ہے۔

﴿ اِنَّاۤ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ ﴾ ''بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی۔'' یعنی ہم نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر تورات نازل کی ﴿ فِيْهَا هُدًى ﴾ ''جس میں ہدایت ہے۔'' یعنی تورات ایمان اور حق کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور گمراہی سے بچاتی ہے ﴿ وَّنُوْرٌ ﴾ ''اور روشنی ہے۔'' یعنی ظلم و جہالت' شک و حیرت اور شبہات و شہوات کی تاریکیوں میں اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّ ذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ (الانبیاء: ٤٨/٢١) ''اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو حق و باطل میں فرق کرنے والی' روشنی عطا کرنے والی اور اہل تقویٰ کو نصیحت کرنے والی کتاب عطا کی''۔ ﴿ يَحْكُمُ بِهَا ﴾ ''فیصلہ کرتے تھے اس کے ساتھ'' یعنی یہودیوں کے جھگڑوں اور ان کے فتاویٰ میں ﴿ النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا ﴾ ''پیغمبر جو فرماں بردار تھے'' یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کیا' اس کے احکامات کی اطاعت کی اور ان کا اسلام دیگر لوگوں کے اسلام سے زیادہ عظیم تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے تھے۔

جب یہ انبیائے کرام جو مخلوق کے سردار ہیں' تورات کو اپنا امام بناتے ہیں' اس کی پیروی کرتے ہیں اور اس کے پیچھے چلتے ہیں تو یہودیوں کے ان رذیل لوگوں کو اس کی پیروی کرنے سے کس چیز نے روکا ہے؟ اور ان پر کس چیز نے واجب کیا ہے کہ وہ تورات کے بہترین حصے کو نظر انداز کر دیں جس میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم ہے اور اس عقیدے کو قبول کیے بغیر کوئی ظاہری اور باطنی عمل قابل قبول نہیں۔

کیا اس بارے میں ان کے پاس کوئی راہنمائی ہے؟ ہاں! ان کی راہنمائی کرنے والے راہنما موجود ہیں جو تحریف کرنے' لوگوں کے درمیان اپنی سرداری اور مناصب قائم رکھنے' کتمان حق کے ذریعے سے حرام مال کھانے اور اظہار باطل کے عادی ہیں۔ یہ لوگ ائمہ ضلالت ہیں جو جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

﴿وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ﴾ ''درویش اور عالم'' یعنی اسی طرح یہودیوں کے ائمہ دین میں ربانی تورات کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ (رَبَّانِيُّوْن) سے مراد باعمل علماء ہیں جو لوگوں کی بہترین تربیت کرتے تھے اور لوگوں کے ساتھ ان کا وہی مشفقانہ رویہ تھا جو انبیائے کرام کا ہوتا ہے (اَحْبَار) سے مراد وہ علمائے کبار ہیں جن کے قول کی اتباع کی جاتی ہے اور جن کے آثار کو مدنظر رکھا جاتا ہے اور وہ اپنی قوم میں اچھی شہرت رکھتے ہیں۔

ان کی طرف سے صادر ہونے والا یہ فیصلہ حق کے مطابق ہے ﴿بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ﴾ ''اس واسطے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر اور وہ اس کی خبر گیری پر مقرر تھے'' یعنی اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری ڈالی تھی' ان کو اپنی کتاب کا امین بنایا تھا اور یہ کتاب ان کے پاس امانت تھی اور اس میں کمی بیشی اور کتمان سے اس کی حفاظت کو اور بے علم لوگوں کو اس کی تعلیم دینے کو ان پر واجب قرار دیا تھا۔۔۔ وہ اس کتاب پر گواہ ہیں کیونکہ وہی اس کتاب میں مندرج احکام کے بارے میں اور اس کی بابت لوگوں کے درمیان مشتبہ امور میں ان کے لئے مرجع ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل علم پر وہ ذمہ داری ڈالی ہے جو جہلا پر نہیں ڈالی اس لئے جس ذمہ داری کا بوجھ ان پر ڈالا گیا ہے' احسن طریقے سے اس کو نبھانا ان پر واجب ہے اور یہ کہ بیکاری اور کسل مندی کو عادت بناتے ہوئے جہال کی پیروی نہ کریں' نیز وہ مختلف انواع کے اذکار' نماز' زکوٰۃ' حج' روزہ وغیرہ مجرد عبادات ہی پر اقتصار نہ کریں جن کو قائم کر کے غیر اہل علم نجات پاتے ہیں۔ اہل علم سے تو مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو تعلیم دیں اور انہیں ان دینی امور سے آگاہ کریں جن کے وہ محتاج ہیں۔ خاص طور پر اصولی امور اور ایسے معاملات جو کثرت سے واقع ہوتے ہیں نیز یہ کہ وہ لوگوں سے نہ ڈریں بلکہ صرف اپنے رب سے ڈریں۔ بنابریں فرمایا ﴿فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا﴾ ''پس تم لوگوں سے نہ ڈرو تم مجھی سے ڈرو! اور میری آیات کے بدلے تھوڑا سا فائدہ حاصل نہ کرو'' یعنی دنیا کی متاع قلیل کی خاطر حق کو چھپا کر باطل کا اظہار نہ کرو۔

اگر صاحب علم ان آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے۔ اس کی سعادت اس امر میں ہے کہ علم و تعلیم میں جدوجہد اس کا مقصد رہے۔ یہ چیز ہمیشہ اس کے علم میں رہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کی امانت اس کے سپرد کر کے اس کی حفاظت اس کے ذمہ عائد کی ہے اور اس کو اس علم پر گواہ بنایا ہے۔ وہ صرف اپنے رب سے ڈرے' لوگوں کا ڈر اور خوف اسے لوازم علم کو قائم کرنے سے مانع نہ ہو۔ دین پر دنیا کو ترجیح نہ دے۔ اسی طرح کسی عالم کی بدبختی یہ ہے کہ وہ بے کاری کو اپنی عادت بنا لے اور جن چیزوں کا اسے حکم دیا گیا ہے ان کو قائم نہ کرے اور جس چیز کی حفاظت کی ذمہ داری اسے سونپی گئی ہے اسے پورا نہ کرے۔ ایسے شخص نے علم کو بے کار اور ضائع کر دیا' دنیا کے بدلے دین کو فروخت کر ڈالا' اس کے فیصلوں میں رشوت لی اس کے فتووں میں مال سمیٹا اور اللہ کے بندوں کو اجرت لے کر علم سکھایا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس پر بہت بڑا احسان کیا تھا جس کی اس نے ناشکری کی' اللہ تعالیٰ نے اسے ایک عظیم نعمت عطا کی تھی' اس نے اس نعمت سے دوسروں کو محروم کر دیا۔ اے اللہ! ہم تجھ سے علم نافع اور عمل مقبول کا سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ کریم ہمیں ہر مصیبت سے عفو اور عافیت عطا کر۔

﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ ''اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے۔'' یعنی جو کوئی واضح حق کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا' بلکہ اپنی فاسد اغراض کی خاطر جان بوجھ کر باطل کے مطابق فیصلہ کرتا ہے ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ ''تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔'' اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کو چھوڑ کر کسی اور قانون کے مطابق فیصلے کرنا اہل کفر کا شیوہ ہے۔ اور بسا اوقات یہ ایسا کفر بن جاتا ہے جو اپنے مرتکب کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ کتاب اللہ کو چھوڑ کر کسی اور قانون کے مطابق فیصلے کرنا جائز اور صحیح سمجھتا ہے۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ

اور لکھا ہم نے اوپر ان کے اس (تورات) میں کہ جان بدلے جان کے ہے اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے

وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ؕ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ

اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور زخموں کا قصاص ہے پس جو شخص معاف کر دے اس زخم کو

فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۵﴾

تو وہ کفارہ ہو گا اس کے لیے اور جو نہ فیصلہ کرے ساتھ اس کے جو نازل کیا اللہ نے' تو یہی لوگ ہیں ظالم ○

یہ احکام' تورات کے اندر موجود ان جملہ احکام میں شمار ہوتے ہیں جن کے مطابق انبیائے کرام' ربانیون اور علمائے یہود' یہودیوں کے درمیان فیصلے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض قرار دیا کہ اگر کوئی جان بوجھ کر کسی کو قتل کرے تو اس کو قصاص میں قتل کر دیا جائے۔

آنکھ کے بدلے آنکھ پھوڑ دی جائے' کان کے بدلے کان کاٹ دیا جائے اور دانت کے بدلے دانت نکال دیا جائے۔ اسی طرح بغیر کسی ظلم کے جن اعضا کا قصاص لیا جا سکتا ہے ان کا قصاص لیا جائے۔ ﴿ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ﴾ ''اور زخموں کا بدلہ' ان کے برابر ہے'' اور قصاص سے مراد ہے کہ فاعل کے ساتھ وہی کچھ کیا جائے جو اس نے کیا تھا جو کوئی کسی کو جان بوجھ کر زخمی کرتا ہے' تو جارح سے زخموں کا قصاص لیا جائے گا اور اسے حد' مقام' زخم کی لمبائی چوڑائی اور گہرائی کے مطابق اتنا ہی زخم لگایا جائے گا۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ہم سے پہلے کی شریعت کی پیروی ہمارے لئے بھی اس وقت تک لازم ہے جب تک کہ ہماری شریعت میں کوئی ایسی چیز وارد نہ ہو جو اس شریعت کے خلاف ہو۔ ﴿ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ ﴾ ''پھر جس نے معاف کر دیا'' یعنی جو کوئی جان' اعضاء اور زخموں کے قصاص میں مجرم کو معاف کر دیتا ہے۔ دراں حالیکہ قصاص کا حق ثابت تھا ﴿ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ﴾ ''تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے'' یعنی مجرم کے لئے کفارہ ہے' کیونکہ آدمی نے تو اس کو اپنا حق معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ تو اپنے حق کو زیادہ معاف کر دینے والا ہے۔ نیز یہ معاف کر دینے والے کے حق میں بھی کفارہ ہے' کیونکہ جس طرح اس نے اپنے حق میں جرم کا ارتکاب کرنے والے کو یا اس کو معاف کر دیا جو اس سے متعلق ہے اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی لغزشوں اور ان کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ''اور جو کوئی اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا' تو یہی لوگ ظالم ہیں'' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''کفر سے کم تر کفر' ظلم سے کم تر ظلم اور فسق سے کم تر فسق ہوتا ہے''۔۔۔ پس اگر اس فعل کو حلال سمجھتے ہوئے اس کو کیا جائے تو یہ سب سے بڑا ظلم ہے اور اگر اس کو حلال نہ سمجھتے ہوئے کیا جائے تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ
اور پیچھے بھیجا ہم نے ان کے قدم بہ قدم عیسیٰ ابن مریم کو' تصدیق کرنے والا اس کی جو اس سے پہلے تھی
التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
تورات' اور دی ہم نے اس کو انجیل' اس میں ہدایت اور روشنی تھی اور تصدیق کرنے والی اس کی جو اس سے پہلے
مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ ط ﴿٤٦﴾ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ
تھی تورات' اور ہدایت اور نصیحت متقیوں کے لیے ○ اور چاہیے کہ فیصلہ کریں اہل انجیل ساتھ اس کے
اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾
جو نازل کیا اللہ نے اس میں اور جو نہ فیصلہ کرے ساتھ اس کے جو نازل کیا اللہ نے' تو یہی لوگ ہیں فاسق ○

یعنی ان انبیا و مرسلین کے پیچھے جو تورات کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے' ہم نے اپنے بندے اور رسول عیسیٰ

ابن مریم روح اللہ اور اللہ کے کلمہ کو جو اس نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا مبعوث کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان سے پہلے گزری ہوئی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا نبی بنا کر بھیجا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام اور تورات کی حق و صداقت کے ساتھ گواہی دینے والے ان کی دعوت کی تائید کرنے والے اور ان کی شریعت کے مطابق فیصلے کرنے والے تھے اور اکثر امور شرعیہ میں موسیٰ علیہ السلام کی موافقت کرتے تھے۔

بسا اوقات عیسیٰ علیہ السلام بعض احکام میں تخفیف فرما دیتے تھے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کا قول نقل فرمایا کہ انہوں نے بنی اسرائیل سے فرمایا: ﴿ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ ﴾ (آل عمران: ۳/ ۵۰) ”اور تاکہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو حلال ٹھہراؤں“۔ ﴿ وَ اٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ﴾ ”اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی۔“ یعنی ہم نے انہیں کتاب عظیم عطا کی جو تورات کی تکمیل کرتی ہے ﴿ فِيْهِ هُدًى وَّ نُوْرٌ ﴾ ”اس میں ہدایت اور روشنی ہے“ یہ کتاب صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور باطل سے حق کو واضح کرتی ہے ﴿ وَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ﴾ اور تورات کی جو اس سے پہلے (نازل شدہ کتاب) ہے تصدیق کرتی ہے۔“ یعنی تورات کی صداقت کو ثابت کر کے اس کی شہادت دے کر اور اس کی موافقت کر کے اس کی تصدیق کرتی ہے ﴿ وَهُدًى وَّ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ”اور متقین کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے“ کیونکہ اہل تقویٰ ہی ہیں جو ہدایت سے فائدہ اٹھاتے ہیں مواعظ سے نصیحت پکڑتے ہیں اور غیر مناسب امور سے باز رہتے ہیں۔

﴿ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ﴾ ”اور چاہیے کہ اہل انجیل اس کے موافق فیصلہ کریں جو اللہ نے اتارا“ یعنی ان پر اپنی کتاب کا التزام کرنا لازم ہے اس کتاب سے روگردانی کرنا ان کے لئے جائز نہیں ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ ”اور جو اللہ کی نازل کردہ ہدایت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے پس یہی لوگ فاسق ہیں“۔

وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا

اور نازل کی ہم نے طرف آپ کی کتاب ساتھ حق کے، تصدیق کرنے والی اس کی جو اس سے پہلے تھی کتاب اور نگہبان

عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ

اوپر اسکے پس آپ فیصلہ کریں انکے درمیان ساتھ اسکے جو نازل کیا اللہ نے اور نہ اتباع کریں انکی خواہشات کی نظر انداز کر کے اسکو جو آیا آپکے پاس

مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ

حق، ہر ایک کے لیے کیا ہم نے تم میں سے ایک دستور اور طریقہ اور اگر چاہتا اللہ تو البتہ کر دیتا تم کو

اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ

امت ایک، لیکن تاکہ آزمائے تمہیں اس (کتاب) میں جو دی اس نے تمہیں، پس سبقت کرو تم نیکیوں میں، طرف اللہ ہی کی

مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٤٨﴾ وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ

لوٹنا ہے تم سب کا' پھر وہ خبر دیگا تمہیں اسکی بابت کہ تھے تم اس میں اختلاف کرتے ○ اور یہ کہ فیصلہ کریں آپ ان کے درمیان

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ

ساتھ اس چیز کے جو نازل کی اللہ نے' اور نہ اتباع کریں انکی خواہشات کی اور ڈریں ان سے کہ وہ بہکا نہ دیں آپکو کسی ایسی بات سے

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ

جو نازل کی اللہ نے آپکی طرف۔ پس اگر وہ روگردانی کریں' تو جان لیں کہ بیشک اللہ یہی ارادہ کرتا ہے کہ پہنچائے انکو سزا بہ سبب انکے بعض

ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴿٤٩﴾ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ

گناہوں کے اور بے شک اکثر لوگوں میں سے البتہ نافرمان ہیں ○ کیا پس جاہلیت کا فیصلہ وہ چاہتے ہیں؟

وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿٥٠﴾ ع

اور کون زیادہ اچھا ہے اللہ سے فیصلہ کرنے میں' اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے ○

﴿ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ ﴾ ''اور اتاری ہم نے آپ کی طرف کتاب'' یعنی قرآن عظیم جو سب سے افضل اور جلیل ترین کتاب ہے ﴿ بِالْحَقِّ ﴾ ''حق کے ساتھ'' یعنی ہم نے اسے حق کے ساتھ نازل کیا ہے یہ کتاب اپنی اخبار اور اوامر ونواہی میں حق پر مشتمل ہے ﴿ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ ﴾ ''اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے'' کیونکہ یہ کتب سابقہ کی صداقت کی گواہی دیتی ہے' ان کی موافقت کرتی ہے' اس کی خبریں ان کی خبروں کے مطابق اور اس کے بڑے بڑے قوانین ان کے بڑے بڑے قوانین کے مطابق ہیں۔ ان کتابوں نے اس کتاب کے بارے میں خبر دی ہے۔ پس اس کا وجود ان کتب سابقہ کی خبر کا مصداق ہے ﴿ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ ﴾ ''اور ان کے مضامین پر نگہبان ہے'' یعنی یہ کتاب ان امور پر مشتمل ہے جن امور پر سابقہ کتب مشتمل تھیں' نیز مطالب الٰہیہ اور اخلاق نفسیہ میں بعض اضافے ہیں۔

یہ کتاب ہر اس حق بات کی پیروی کرتی ہے جو ان کتابوں میں آ چکی ہے اور اس کی پیروی کا حکم اور اس کی ترغیب دیتی ہے اور حق تک پہنچانے کے بہت سے راستوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں حکمت' دانائی اور احکام ہیں' جس پر کتب سابقہ کو پیش کیا جاتا ہے' لہٰذا جس کی صداقت کی یہ گواہی دے وہ مقبول ہے جس کو یہ رد کر دے وہ مردود ہے' کیونکہ وہ تحریف اور تبدیلی کا شکار ہو چکی ہے۔ ورنہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی تو یہ اس کی مخالفت نہ کرتی۔ ﴿ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ ''پس ان کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو اللہ نے اتارا'' یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ پر جو حکم شرعی نازل فرمایا ہے اس کے مطابق فیصلہ کیجیے ﴿ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ ﴾ ''اور آپ کے پاس جو حق آیا' اسے چھوڑ کر ان کی

خواہشات کی پیروی نہ کریں''یعنی ان کی حق کے خلاف خواہشات فاسدہ کی اتباع کو اس حق کا بدل نہ بنائیں جو آپ ﷺ کے پاس آچکا ہے ورنہ آپ اعلیٰ کے بدلے ادنیٰ کو لیں گے۔ ﴿ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ ﴾ ''تم میں سے ہر ایک کو دیا ہم نے''یعنی اے قومو! ﴿ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا ﴾ ''ایک دستور اور راہ''یعنی تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک راستہ اور طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ یہ شریعتیں جو امتوں کے اختلاف کے ساتھ بدل جاتی رہی ہیں' زمان ومکان اور احوال کے تغیر وتبدل کے مطابق ان شرائع میں تغیر وتبدل واقع ہوتا رہا ہے اور ہر شریعت اپنے نفاذ کے وقت عدل کی طرف راجع رہی ہے۔ مگر بڑے بڑے اصول جو ہر زماں ومکاں میں مصلحت اور حکمت پر مبنی ہوتے ہیں کبھی نہیں بدلتے' وہ تمام شرائع میں مشروع ہوتے ہیں۔

﴿ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بنا دیتا''یعنی ایک شریعت کی پیروی میں ایک امت بنا دیتا کسی متقدم اور متاخر امت میں کوئی اختلاف نہ ہوتا ﴿ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ﴾ ''لیکن وہ تمہیں آزمانا چاہتا ہے اپنے دیئے ہوئے حکموں میں''پس وہ تمہیں آزمائے اور دیکھے کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہر قوم کو آزماتا ہے اور ہر قوم کو اس کے احوال اور شان کے لائق عطا کرتا ہے' تاکہ قوموں کے درمیان مقابلہ رہے۔ پس ہر قوم دوسری قوم سے آگے بڑھنے کی خواہش مند ہوتی ہے اس لئے فرمایا: ﴿ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ﴾ ''نیک کاموں میں جلدی کرو''یعنی نیکیوں کے حصول کے لئے جلدی سے آگے بڑھو اور ان کی تکمیل کرو' کیونکہ وہ نیکیاں جو فرائض ومستحبات' حقوق اللہ اور حقوق العباد پر مشتمل ہوتی ہیں' ان کا فاعل ان دو امور کو مدنظر رکھے بغیر کسی سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

(۱) جب نیکی کرنے کا وقت آجائے اور اس کا سبب ظاہر ہو جائے تو فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے جلدی سے اس کی طرف بڑھنا۔

(۲) اور حکم کے مطابق اسے کامل طور پر ادا کرنے کی کوشش کرنا۔

اس آیت کریمہ سے اس امر پر استدلال کیا جاتا ہے کہ نماز کو اول وقت پڑھنے کی کوشش کی جائے' نیز یہ آیت کریمہ اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ بندے کو صرف نماز وغیرہ اور دیگر امور واجبہ کی ادائیگی پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ مقدور بھر مستحبات پر بھی عمل کرے' تاکہ واجبات کی تکمیل ہو اور ان کے ذریعے سے سبقت حاصل ہو۔

﴿ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا ﴾ ''تم سب کا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے'' تمام امم سابقہ ولاحقہ کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو ایک ایسے روز اکٹھا کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک وشبہ نہیں ﴿ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴾ ''پس وہ تمہیں ان امور کی بابت خبر دے گا جن میں تم آپس میں

اختلاف کرتے تھے'' یعنی جن شرائع اور اعمال کے بارے میں تمہارے درمیان اختلاف تھا۔ چنانچہ وہ اہل حق اور نیک عمل کرنے والوں کو ثواب سے نوازے گا اور اہل باطل اور بدکاروں کو سزا دے گا۔

﴿ وَاَنِ احۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ ﴾ ''اور ان کے درمیان اس کے موافق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے اتارا'' کہا جاتا ہے کہ یہی وہ آیت کریمہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ اَوۡ اَعۡرِضۡ عَنۡهُمۡ ﴾ ''ان کے درمیان فیصلہ کریں یا اس سے روگردانی کریں'' کو منسوخ کرتی ہے۔ صحیح رائے یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ اس مذکورہ آیت کو منسوخ نہیں کرتی، پہلی آیت دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے درمیان فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ حق کی خاطر فیصلہ کروانے کا قصد نہیں رکھتے تھے اور یہ (دوسری) آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جب آپ ﷺ ان کے درمیان فیصلہ کریں، تو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت، یعنی قرآن اور سنت کے مطابق فیصلہ کریں۔ یہی وہ انصاف ہے جس کے بارے میں گزشتہ صفحات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاِنۡ حَكَمۡتَ فَاحۡكُمۡ بَيۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ ﴾ ''اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں''

یہ آیت کریمہ عدل کی توضیح وتبیین پر دلالت کرتی ہے، نیز یہ کہ عدل کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے احکام ہیں جو انتہائی عدل وانصاف پر مبنی اصولوں پر مشتمل ہیں اور جو کچھ ان احکام کے خلاف ہے، وہ سراسر ظلم و جور ہے۔ ﴿ وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ ﴾ ''اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں'' شدت تحذیر کی خاطر اللہ تعالیٰ نے بتکرار آپ ﷺ کو ان کی خواہشات کی پیروی کرنے سے روکا ہے۔ نیز وہ آیت حکم اور فتویٰ کے مقام پر ہے اور اس میں زیادہ وسعت ہے اور یہ صرف حکم کے مقام پر ہے۔ دونوں آیات کا مفاد یہ ہے کہ ضروری ہے کہ ان کی خلاف حق خواہشات کی پیروی نہ کی جائے۔ بنابریں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ ﴾ ''اور بچتے رہیں ان سے اس بات سے کہ وہ کہیں آپ کو بہکا نہ دیں کسی ایسے حکم سے جو اللہ نے آپ کی طرف اتارا'' یعنی ان کی فریب کاریوں سے بچئے نیز ان سے بچئے کہ وہ آپ کو فتنے میں ڈال کر آپ ﷺ کو کسی ایسی چیز سے نہ روک دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف نازل فرمائی ہے۔ پس ان کی خواہشات کی پیروی، حق واجب کو ترک کرنے کا باعث بنتی ہے جبکہ اتباع حق فرض ہے۔

﴿ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا ﴾ ''پس اگر وہ نہ مانیں'' یعنی اگر وہ آپ کی اتباع اور حق کی پیروی سے روگردانی کریں ﴿ فَاعۡلَمۡ ﴾ ''تو جان لیجئے'' کہ یہ روگردانی ان کے لئے سزا ہے ﴿ اَنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ ﴾ ''اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان کو ان کے گناہوں کے سبب کوئی سزا پہنچائے'' کیونکہ گناہوں کے لئے دنیا وآخرت میں سزائیں مقرر ہیں اور سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو آزمائش میں مبتلا کر دے اور اتباع رسول کے

ترک کو اس کے لئے مزین کر دے اور اس کا باعث اس کا فسق ہوتا ہے ﴿ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوْنَ ﴾ ''اور اکثر لوگ نافرمان ہیں'' یعنی ان کی فطرت اور طبیعت میں فسق' نیز اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت و اتباع سے خروج ہے۔

﴿ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ﴾ ''اب کیا وہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں''؟ یعنی کیا وہ کفار کی دوستی طلب کر کے اور آپ سے اعراض کر کے جاہلیت کے فیصلے چاہتے ہیں؟ ہر وہ فیصلہ جو اس چیز کے خلاف ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا وہ جاہلیت کا فیصلہ ہے۔ تب اس طرح صرف دو قسم کے فیصلے ہیں۔ (۱) اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ۔ (۲) جاہلیت کا فیصلہ۔ پس جو کوئی اللہ اور رسول ﷺ کے فیصلوں سے منہ موڑتا ہے تو وہ دوسری قسم کے فیصلوں میں مبتلا ہو جاتا ہے جو جہالت' ظلم اور گمراہی پر مبنی ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان فیصلوں کو جاہلیت کی طرف مضاف کیا ہے۔ رہے اللہ تعالیٰ کے فیصلے تو وہ علم' عدل و انصاف' نور اور ہدایت پر مبنی ہوتے ہیں۔

﴿ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴾ ''اور اللہ سے بہتر کون ہے فیصلہ کرنے والا' اس قوم کے لئے جو یقین رکھتی ہے'' صاحب ایقان وہ ہے جو اپنے یقین کی بنیاد پر دونوں قسم کے فیصلوں کے درمیان فرق کو پہچانتا ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کے فیصلوں میں موجود حسن اور خوبصورتی میں امتیاز کر سکتا ہو اور عقلاً اور شرعاً ان کی اتباع کو لازم قرار دیتا ہو اور یقین سے مراد وہ علم کامل و تام ہے جو عمل کا موجب ہوتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ بناؤ یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست' بعض ان کے

اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى
دوست ہیں بعض کے اور جو کوئی دوستی رکھے گا ان سے تم میں سے' تو بے شک وہ انہی میں سے ہے' بے شک اللہ نہیں ہدایت دیتا

الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۞ ٥١ فَتَرَى الَّذِيْنَ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ
ظالم لوگوں کو ○ پس آپ دیکھیں گے ان لوگوں کو جن کے دلوں میں روگ ہے' دوڑ کر جاتے ہیں ان میں' کہتے ہیں وہ

نَخْشٰۤى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِىَ بِالْفَتْحِ اَوْ اَمْرٍ
ہم ڈرتے ہیں اس سے کہ پہنچے ہمیں کوئی مصیبت' سو قریب ہے اللہ یہ کہ (جلد ہی) لے آئے فتح یا کوئی اور حکم

مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَاۤ اَسَرُّوْا فِىْۤ اَنْفُسِهِمْ نٰدِمِيْنَ ؕ ۞ ٥٢ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ
اپنی طرف سے' پس ہو جائیں وہ اس پر' جو چھپاتے تھے وہ اپنے نفسوں میں' پچھتانے والے ○ اور کہیں گے وہ لوگ

اٰمَنُوْۤا اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ؕ حَبِطَتْ
جو ایمان لائے' کیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے قسمیں کھائی تھیں اللہ کی بڑی تاکید سے کہ بیشک وہ تمہارے ساتھ ہیں' برباد ہو گئے

وقف لازم

أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَسِرِينَ ﴿٥٣﴾

عمل ان کے اور ہو گئے وہ خسارہ اٹھانے والے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ یہود و نصاریٰ کے احوال اور غیر مستحسن صفات بیان کرتے ہوئے اپنے مومن بندوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ انہیں اپنا دوست نہ بنائیں ﴿ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ﴾ ''کیونکہ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں'' وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور وہ دوسروں کے مقابلے میں ایک ہیں۔ پس تم ان کو دوست نہ بناؤ کیونکہ وہ درحقیقت تمہارے دشمن ہیں۔ انہیں تمہارے نقصان کی کوئی پروا نہیں' بلکہ وہ تمہیں گمراہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ انہیں وہی شخص دوست بنائے گا جو ان جیسا ہو۔ بنابریں فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ﴾ ''اور جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی کرے گا' وہ انہی میں سے ہے'' کیونکہ کامل دوستی ان کے دین میں منتقل ہونے کی موجب بنتی ہے۔ تھوڑی دوستی زیادہ دوستی کی طرف دعوت دیتی ہے پھر وہ آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ بندہ انہی میں سے ہو جاتا ہے۔ ﴿ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّلِمِينَ ﴾ ''اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا'' یعنی وہ لوگ جن کا وصف ظلم ہے۔ ظلم ان کا مرجع اور ظلم ہی پر ان کا اعتماد ہے۔ اس لئے آپ ان کے پاس کوئی بھی آیت اور معجزہ لے کر آئیں' وہ کبھی آپ کی اطاعت نہیں کریں گے۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان کو اہل کتاب سے دوستی رکھنے سے منع کیا' تو آگاہ فرمایا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں میں سے ایک گروہ ان کے ساتھ دوستی رکھتا ہے۔ ﴿ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ ﴾ ''پس آپ ان لوگوں کو دیکھیں گے جن کے دلوں میں روگ ہے'' یعنی ان کے دلوں میں شک' نفاق اور ضعف ایمان ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم نے ضرورت کے تحت ان کو دوست بنایا ہے اس لئے کہ ﴿ نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَآئِرَةٌ ﴾ ''ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر زمانے کی گردش نہ آ جائے'' یعنی ہمیں ڈر ہے کہ کہیں گردش ایام یہود و نصاریٰ کے حق میں نہ ہو جائے اور اگر زمانے کی گردش ان کے حق میں ہو تو ہمارا ان پر یہ احسان انہیں اس بدلے میں ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر آمادہ کرے گا۔ یہ اسلام کے بارے میں ان کی انتہائی بدظنی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی بدظنی کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ ﴾ ''ہو سکتا ہے اللہ فتح عطا کرے'' جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ پر غالب کر دے ﴿ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ ﴾ ''یا کوئی حکم اپنے پاس سے'' جس سے منافقین' یہود وغیرہ کفار کے کامیاب ہونے سے مایوس ہو جائیں۔ ﴿ فَيُصْبِحُوا عَلَى مَا أَسَرُّوا ﴾ ''پس ہو جائیں وہ اس پر جو کچھ وہ چھپاتے ہیں'' ﴿ فِي أَنْفُسِهِمْ نَدِمِينَ ﴾ ''اپنے نفسوں میں نادم'' یعنی اس رویے پر جس کا اظہار ان کی طرف سے ہوا اور جس نے انہیں نقصان پہنچایا اور کوئی نفع انہیں حاصل نہ ہوا۔ پس مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اسلام اور

مسلمانوں کو نصرت سے نوازا اور کفر اور کفار کو ذلیل کیا۔ پس ان کو ندامت اٹھانی پڑی اور انہیں ایسے غم کا سامنا کرنا پڑا جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

﴿ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا ﴾ ''اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے'' یعنی جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے ان کے حال پر اہل ایمان تعجب کرتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿ أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ﴾ ''کیا یہ وہی لوگ ہیں جو بڑی تاکید سے اللہ کی قسمیں کھاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں'' یعنی انہوں نے نہایت تاکید کے ساتھ حلف اٹھایا اور مختلف انواع کی تاکیدات کے ذریعے سے پکا کر کے کہا کہ وہ ایمان لانے میں، نیز ایمان کے لوازم یعنی نصرت، محبت اور موالات میں ان کے ساتھ ہیں۔

مگر جو کچھ وہ چھپاتے رہے ہیں وہ ظاہر ہو گیا، ان کے تمام بھید عیاں ہو گئے۔ ان کی سازشوں کے وہ تمام تانے بانے جو وہ بنا کرتے تھے اور ان کے وہ تمام ظن و گمان، جو وہ اسلام کے بارے میں رکھا کرتے تھے، باطل ہو گئے اور ان کی سب چالیں ناکام ہو گئیں ﴿ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ﴾ ''پس (دنیا میں) ان کے تمام اعمال اکارت گئے'' ﴿ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴾ ''اور وہ خائب و خاسر ہو کر رہ گئے'' کیونکہ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہے اور بدبختی اور عذاب نے انہیں گھیر لیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جو پھر جائے تم میں سے اپنے دین سے، تو عنقریب لائے گا اللہ
بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ
ایسے لوگ کہ محبت کرتا ہو گا وہ ان سے اور وہ محبت کرتے ہوں گے اس سے، نرم ہوں گے مومنوں پر، سختی کرنے والے کافروں پر
يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ۚ ذَٰلِكَ فَضْلُ اللَّهِ
وہ جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے وہ کسی ملامت گر کی ملامت سے، یہ فضل ہے اللہ کا
يُؤْتِيهِ مَن يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٤﴾
دیتا ہے وہ یہ جسے چاہتا ہے اور اللہ کشائش والا خوب جاننے والا ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ وہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے جو کوئی اس کے دین سے پھر جاتا ہے وہ اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر سکتا بلکہ وہ اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ مخلص اور سچے بندے ہیں اللہ رحمان و رحیم ان کی ہدایت کا ضامن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو لانے کا وعدہ کیا ہے۔ وہ اپنے اوصاف میں سب سے کامل، اپنے جسم میں سب سے طاقتور اور اپنے اخلاق میں سب سے اچھے ہیں۔

ان کی سب سے بڑی صفت یہ ہے ﴿ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ ﴾ ''اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت

کرتے ہیں۔'' بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت جلیل ترین نعمت ہے جس کے ساتھ اس نے اپنے بندے کو نوازا ہے اور سب سے بڑی فضیلت ہے جس سے اللہ نے اپنے بندے کو مشرف فرمایا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے محبت کرتا ہے تو وہ اس کے لئے تمام اسباب مہیا کر دیتا ہے' ہر قسم کی مشکل اس پر آسان کر دیتا ہے' نیک کام کرنے اور برائیوں کو ترک کرنے کی توفیق عطا کرتا ہے اور بندوں کے دلوں کو محبت اور مودت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

اپنے رب کے ساتھ بندے کی محبت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے اقوال و افعال اور تمام احوال میں ظاہری اور باطنی طور پر رسول اللہ ﷺ کی متابعت کی صفت سے متصف ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ﴾ (آل عمران: ۳/ ۳۱) ''کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا''۔ جیسے بندے کے ساتھ رب کی محبت کے لوازم میں سے یہ ہے کہ بندہ کثرت سے فرائض اور نوافل کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک صحیح حدیث میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے نقل فرمایا ہے ''میرا بندہ جس چیز کے ذریعے سے میرا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے' ان میں فرائض سے بڑھ کر کوئی چیز مجھے محبوب نہیں۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن کے ذریعے سے وہ سنتا ہے' میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن کے ذریعے سے وہ دیکھتا ہے' میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن کے ذریعے سے پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن کے ذریعے سے وہ چلتا ہے' اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں''[1]

اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے لوازم میں سے' اس کی معرفت اور کثرت کے ساتھ اس کا ذکر کرنا بھی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بغیر اس کے ساتھ محبت ناقص ہے' بلکہ اس محبت کا وجود ہی نہیں اگرچہ اس کا دعویٰ کیا جائے۔

جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ کثرت سے اس کا ذکر کرتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کے تھوڑے سے عمل کو قبول فرما لیتا ہے اور اس کی بہت سی لغزشوں کو معاف کر دیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے محبوب لوگوں کی صفات میں سے یہ ہے ﴿اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ﴾ ''نرم ہیں مومنوں پر' سخت ہیں کافروں پر'' پس وہ اہل ایمان کے ساتھ محبت' ان کے لئے خیر خواہی' ان کے لئے نرمی اور مہربانی' ان کے لئے رحمت و رافت اور ان کے ساتھ شفقت بھرے رویئے کی بنا پر ان کے لئے نرم خو

---

[1] صحیح بخاری' کتاب الرقاق' باب التواضع' حدیث: ٦٥٠٢

ہوتے ہیں' نیز کسی ایسی چیز کے قرب کی بنا پر جو اس سے مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں' اس کی آیت سے عناد رکھنے والوں اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کے لئے بہت سخت ہوتے ہیں۔ ان کی عداوت پر ان کی ہمت اور عزائم مجتمع ہوتے ہیں اور وہ ان پر فتح حاصل کرنے کے لئے ہر سبب میں پوری کوشش کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴾ (الانفال: ۸/ ۶۰) "جہاں تک ہو سکے قوت و طاقت کے ساتھ اور گھوڑوں کو تیار رکھ کر ان کے مقابلے کے لئے مستعد رہو اس کے ذریعے سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈرائے رکھو"۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ ﴾ (الفتح: ۴۸/ ۲۹) "وہ کافروں کے لئے نہایت سخت اور آپس میں بہت مہربان ہیں"۔ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے بارے میں سخت رویہ رکھنا' ان ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے جس سے بندہ اپنے رب کا قرب حاصل کرتا ہے اور ان کے ساتھ سختی اور ناراضی میں بندہ اپنے رب کی موافقت کرتا ہے اور ان کے بارے میں سخت رویہ ان کو دین اسلام کی طرف ایسے طریقے سے دعوت دینے سے مانع نہیں جو بہتر ہو۔ ان کے بارے میں سخت رویہ اور دعوت دین میں نرمی دونوں یکجا ہوں۔ دونوں امور میں ان کے لئے مصلحت ہے جس کا فائدہ انہی کی طرف لوٹتا ہے۔

﴿ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ "وہ (اپنی جان' مال' اقوال اور افعال کے ذریعے سے) اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں" ﴿ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ﴾ "وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے" بلکہ وہ اپنے رب کی رضا کو مقدم رکھتے ہیں اور مخلوق کی ملامت کی بجائے اپنے رب کی ملامت سے ڈرتے ہیں۔ اور یہ رویہ ان کے ارادوں اور عزائم کی پختگی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ کمزور دل والا' ارادے کا بھی کمزور ہوتا ہے۔ ملامت گروں کی ملامت پر اس کی عزیمت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے اور نکتہ چینوں کی نکتہ چینی پر اس کی قوت کمزور ہو جاتی ہے۔ مخلوق کی رعایت' ان کی رضا اور ناراضی کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر ترجیح کے مطابق بندوں کے دلوں میں غیر اللہ کا تعبد جنم لیتا ہے۔ قلب' غیر اللہ کی عبادت سے اس وقت تک محفوظ نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے ڈرنا چھوڑ نہ دے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان صفات جمیلہ اور مناقب عالیہ سے نواز کر ان کی مدح کی ہے جو ایسے افعال خیر کو مستلزم ہیں جن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ یہ ان پر محض اس کا فضل و احسان ہے' تاکہ وہ خود پسندی کا شکار نہ ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں جس نے ان پر احسان کیا تاکہ وہ ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ نوازے اور دوسرے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم محجوب نہیں۔ بنا بریں فرمایا ﴿ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴾ "یہ اللہ کا فضل ہے' وہ جسے چاہتا ہے اس سے

نوازتا ہے اور اللہ کشائش والا جاننے والا ہے'' یعنی وہ وسیع فضل و کرم اور بے پایاں احسان کا مالک ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز پر سایہ کناں ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کو وسیع فضل و کرم سے نوازتا ہے جس سے وہ اوروں کو نہیں نوازتا۔ مگر وہ علم رکھتا ہے کہ کون اس کے فضل کا مستحق ہے پس وہ اسی کو عطا کرتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ زیادہ جانتا ہے کہ اصولی اور فروعی طور پر رسالت سے کسے نوازنا ہے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَ

تمہارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے' جو قائم کرتے ہیں نماز اور

يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ

دیتے ہیں زکوۃ اور وہ رکوع کرنے والے ہیں ○ اور جو کوئی دوستی رکھے گا اللہ اور اس کے رسول سے اور ان لوگوں سے

آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ﴿۵۶﴾ ع

جو ایمان لائے' تو یقیناً گروہ اللہ کا' وہی ہے غالب آنے والا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب یہود و نصاریٰ وغیرہ کفار کی دوستی سے روکا اور ذکر فرمایا کہ ان کی دوستی کا انجام واضح خسارہ ہے۔ جس کی دوستی متعین اور واجب ہے' اب اس کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے اس کے فائدے اور مصلحت کا ذکر کیا ہے ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾ ''تمہارا دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول ہی ہے'' اللہ تعالیٰ کی ولایت (دوستی) ایمان اور تقویٰ کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔ جو کوئی صاحب ایمان اور متقی ہے وہ اللہ کا ولی یعنی دوست ہے اور جو اللہ کا دوست ہے وہ اس کے رسول ﷺ کا دوست ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو دوست بناتا ہے تو اس دوستی کی تکمیل یہ ہے کہ اللہ جن کو دوست بناتا ہے یہ بھی انہی کو دوست بنائے اور وہ ہیں اہل ایمان جو ایمان کے ظاہری اور باطنی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں اور معبود کے لئے دین کو خالص کرتے ہیں' یعنی نماز کو اس کی تمام شرائط و فرائض اور اس کو مکمل کرنے والے امور کے ساتھ قائم کرتے ہیں' مخلوق کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے ہیں اور اپنے اموال میں سے اپنے میں سے مستحق لوگوں کو زکوۃ دیتے ہیں۔ ﴿وَهُمْ رَاكِعُونَ﴾ ''اور (اللہ کے آگے) جھکتے ہیں۔'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے خضوع اور تذلل اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشاد ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ میں حصر کا اسلوب دلالت کرتا ہے کہ ان مذکور لوگوں کی دوستی پر اقتصار کرنا اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں سے براءت کا اظہار کرنا ضروری ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس دوستی کا فائدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ﴾ ''اور جو اللہ سے' اس کے رسول سے اور ایمان والوں سے دوستی رکھتا ہے' تو بے

شک اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے'' یعنی وہ اس گروہ میں شمار ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عبودیت اور ولایت کی اضافت رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا حزب غالب ان لوگوں پر مشتمل ہے جن کا انجام دنیا و آخرت میں اچھا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ (الصافات: ١٧٣/٣٧) ''بے شک ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا''۔ یہ اس شخص کے لئے بہت بڑی بشارت ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کر کے اس کے گروہ اور لشکر میں شامل ہو جاتا ہے کہ غلبہ اسی کے لئے ہے۔ اگرچہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت وہ مغلوب بھی ہو جاتا ہے مگر انجام کار فتح و غلبہ سے وہی بہرہ ور ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچی بات کہنے والا کون ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّ لَعِبًا

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ بناؤ تم ان لوگوں کو' جنہوں نے بنا لیا تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل'

مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ

ان لوگوں میں سے کہ دیئے گئے وہ کتاب پہلے تم سے' اور نہ کافروں کو (اپنا) دوست۔ اور ڈرو اللہ سے اگر

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا

ہو تم مومن ○ اور جب تم پکارتے ہو طرف نماز کی' تو بنا لیتے ہیں وہ اسے ہنسی

وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾

اور کھیل یہ اس سبب سے کہ ہیں وہ لوگ نہیں عقل رکھتے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو یہود و نصاریٰ اور دیگر تمام کفار کے ساتھ موالات رکھنے سے منع کرتا ہے۔ وہ ان سے محبت نہ کریں ان کو دوست نہ بنائیں' ان پر اہل ایمان کے بھید نہ کھولیں اور بعض ایسے امور پر ان کی معاونت نہ کریں جن سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو۔ ان کا ایمان کفار کے ساتھ ترک موالات کا موجب ہے اور ان کو کفار کے ساتھ عداوت رکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسی طرح ان کا تقویٰ کا التزام۔۔۔ جو کہ نام ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور اس کی نواہی سے اجتناب کا۔۔۔ کفار کے ساتھ عداوت کی دعوت دیتا ہے۔ اسی طرح مشرکین' کفار اور مسلمانوں کے دیگر مخالفین کا رویہ بھی اسی بات کا متقاضی ہے کہ مسلمان ان سے دوستی کی بجائے دشمنی رکھیں۔ یہ لوگ دین اسلام میں نکتہ چینیاں کرتے ہیں' اسلام کے ساتھ استہزا کرتے اور تمسخر اڑاتے ہیں اور دین کی تحقیر کرتے ہیں خصوصاً نماز کے بارے میں جو کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا شعار اور سب سے بڑی عبادت ہے۔ جب مسلمان نماز کے لئے اذان دیتے ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس کا سبب ان کی کم عقلی اور جہالت ہے۔ ورنہ اگر ان میں عقل ہوتی تو وہ نماز کی افادیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے اور

انہیں معلوم ہو جاتا کہ نماز ہی ان فضائل میں سب سے بڑی فضیلت ہے جس سے نفوس انسانی متصف ہوتے ہیں۔

پس اے مومنو! جب تمہیں کفار کا حال معلوم ہے اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ تمہارے اور تمہارے دین کے ساتھ کتنی شدید عداوت رکھتے ہیں جو کوئی اس صورتحال کے بعد بھی انہیں اپنا دشمن نہیں سمجھتا' تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اسلام اس کے نزدیک بہت سستی چیز ہے اور اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ کوئی اس میں طعن و تشنیع کرتا ہے یا اسے کفر اور ضلالت قرار دیتا ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس شخص کے اندر مروت اور انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں۔ آپ اپنے لئے دین قیم کا کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں اور کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام دین حق ہے اور اس کے سوا تمام ادیان باطل ہیں جب کہ حال یہ ہے کہ آپ ان جاہل اور احمق لوگوں کی موالات پر راضی ہیں جو آپ کے دین کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کا تمسخر اڑاتے ہیں؟ اس آیت کریمہ میں کفار کے ساتھ عداوت رکھنے کی ترغیب ہے اور یہ بات ہر اس شخص کو معلوم ہے جو ادنیٰ سا بھی فہم رکھتا ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ
کہہ دیجئے! اے اہل کتاب! انہیں کد (ضد) رکھتے تم ہم سے مگر اس وجہ سے کہ ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور (ساتھ) اس چیز کے جو نازل کی گئی
اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ
ہماری طرف اور جو نازل کی گئی اس سے پہلے' اور یہ کہ اکثر تم میں فاسق ہیں ○ کہہ دیجئے! کیا خبر دوں میں تم کو
بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ
بدتر کی اس سے' جزا کے اعتبار سے' نزدیک اللہ کے؟ وہ شخص کہ لعنت کی اس پر اللہ نے اور غصے ہوا اور پر اس کے اور کئے
مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا
ان میں سے بندر اور سور اور پوجا کی اس نے شیطان کی' وہی لوگ ہیں بدتر درجے میں
وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾ وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا
اور زیادہ گمراہ ہیں سیدھی راہ سے ○ اور جب آتے ہیں وہ تمہارے پاس' تو کہتے ہیں' ہم ایمان لائے اور حال یہ ہے کہ وہ داخل ہوئے تھے
بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَتَرٰى
ساتھ کفر کے اور نکل گئے ساتھ اسی کے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے اس چیز کو کہ تھے وہ چھپاتے ○ اور آپ دیکھیں گے
كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا
بہتوں کو ان میں سے' جلدی کرتے ہیں گناہ میں اور زیادتی میں اور اپنے حرام کھانے میں' البتہ بہت برا ہے وہ' جو کچھ کہ تھے
يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ
وہ کرتے ○ کیوں نہیں روکتے ان کو رب والے اور علماء ان کے گناہ کی بات کہنے سے

وَ اَكْلِهِمُ السُّحْتَ ؕ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۶۳﴾

اور ان کے حرام کھانے سے' البتہ برا ہے وہ' جو کچھ کہ تھے وہ کرتے ○

﴿ قُلْ ﴾ یعنی اے رسول کہہ دیجئے! ﴿ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ ﴾ ''اے اہل کتاب!'' یعنی ان پر حجت لازم کرتے ہوئے۔ بلاشبہ دین اسلام دین حق ہے اور اس میں طعن و تشنیع ایک ایسے معاملے میں طعن و تشنیع ہے جو درحقیقت مدح کے لائق ہے۔ ﴿ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ ''تم ہم میں برائی ہی کیا دیکھتے ہو سوائے اس کے کہ ہم اللہ پر اور جو (کتاب) ہم پر نازل ہوئی اس پر اور جو (کتابیں) پہلے نازل ہوئیں ان پر ایمان لائے ہیں اور تم میں اکثر فاسق ہیں۔'' یعنی اس کے سوا ہم میں اور کیا عیب ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں' اس کی گزشتہ کتابوں اور انبیائے متقدمین و متاخرین پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور ہم نہایت جزم کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کوئی اس ایمان جیسا ایمان نہیں رکھتا وہ کافر اور فاسق ہے۔ کیا تم صرف اس امر کی بنا پر ہمیں طعن و تشنیع کرتے ہو جو تمام مکلفین پر سب سے زیادہ فرض ہے اور بایں ہمہ کہ ان میں سے اکثر فاسق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باہر اور اس کی نافرمانی کی جسارت کرنے والے ہیں تو اے فاسقو! تمہارے لئے خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ پس اگر تم میں یہی عیب ہوتا جب کہ تم فسق سے پاک ہوتے' حالانکہ یہ بہت بعید ہے۔۔۔ تو یہ برائی تمہارے فسق کی معیت میں تمہارے ہماری بابت طعن و تشنیع سے خفیف تر ہوتی۔

اہل ایمان پر ان کا طعن و تشنیع کرنا اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اہل ایمان میں برائی ہے اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قُلْ ﴾ یعنی انکی برائی اور قباحت کے بارے میں ان کو آگاہ کرتے ہوئے کہہ دیجئے ﴿ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ ﴾ ''کیا میں تمہیں خبر دوں اس سے بھی بری بات کی؟'' جس کے بارے میں تم ہمیں طعن و تشنیع کرتے ہو اس کو صحیح فرض کرتے ہوئے ﴿ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ﴾ ''جس پر اللہ نے لعنت کی۔'' یعنی اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ﴿ وَ غَضِبَ عَلَيْهِ ﴾ ''اس پر غضب نازل کیا'' یعنی اسے دنیا و آخرت کے عذاب میں مبتلا کیا ﴿ وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِيْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ﴾ ''اور ان میں سے بعضوں کو بندر اور سور بنا دیا اور جنہوں نے طاغوت کی بندگی کی'' یہاں طاغوت سے مراد شیطان ہے اور ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے' وہ طاغوت ہے۔

﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ یعنی وہ لوگ جن کا ان قبیح خصائل کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے ﴿ شَرٌّ مَّكَانًا ﴾ ''ان کا ٹھکانا (اہل ایمان سے) برا ہے۔'' اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ان کی نسبت زیادہ قریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اس نے ان کو دنیا و آخرت میں ثواب سے نواز دیا ہے' کیونکہ انہوں نے اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے

خالص کر لیا۔

یہ ''اَفْعَلُ التَّفْضِیْل'' کو ایک دوسرے اسلوب میں استعمال کرنے کی نوع ہے اور اسی طرح یہ قول ہے۔ ﴿ وَ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴾ ''اور بہت بھٹکے ہوئے ہیں سیدھی راہ سے'' یعنی وہ اعتدال کی راہ سے بہت دور ہیں۔ ﴿ وَ اِذَا جَآءُوْکُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ﴾ ''اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے'' یعنی وہ مکروفریب اور نفاق کی بنا پر کہتے ہیں ﴿ وَ قَدْ دَّخَلُوْا بِالْکُفْرِ وَ هُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ﴾ ''حالانکہ وہ کفر لے کر آتے ہیں اور اسی کو لے کر جاتے ہیں۔'' یعنی وہ اس حال میں داخل ہوئے کہ وہ کفر میں گھرے ہوئے تھے اور اسی کے ساتھ وہ نکلے۔ پس ان کا داخل ہونا اور ان کا نکلنا کفر کے ساتھ ہے۔ بایں ہمہ وہ اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں۔ ان سے زیادہ برا اور ان سے زیادہ بدحال کوئی اور ہو سکتا ہے؟ ﴿ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا کَانُوْا یَکْتُمُوْنَ ﴾ ''اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں'' پس اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اچھے برے اعمال کا بدلہ دے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی مدد اور تائید کی خاطر بتکرار ان یہود و کفار کے معایب بیان کرتا ہے۔ ﴿ وَ تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْهُمْ ﴾ ''اور تو ان میں سے اکثر کو دیکھے گا'' یعنی یہودیوں میں سے ﴿ یُسَارِعُوْنَ فِی الْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ﴾ ''وہ گناہ اور زیادتی میں دوڑ کر حصہ لیتے ہیں'' یعنی وہ ان گناہوں کی طرف سبقت کرتے ہیں جو خالق کے حقوق سے متعلق ہیں اور مخلوق پر ظلم اور تعدی کے زمرے میں آتے ہیں ﴿ وَ اَکْلِهِمُ السُّحْتَ ﴾ ''اور ان کے حرام کھانے پر'' جو کہ حرام ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے صرف یہ خبر دینے پر اکتفا نہیں کیا کہ وہ ان افعال کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ یہ بھی خبر دی کہ وہ ان افعال بد میں سبقت کرتے ہیں اور یہ چیز ان کی خباثت اور برائی پر دلالت کرتی ہے۔ گناہ اور ظلم ان کے نفس کی فطرت کا حصہ بن گئے۔ یہ ہے ان کا حال اور وہ ہیں کہ اپنے لئے مقامات بلند کا دعویٰ کرتے ہیں ﴿ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ ''بہت برے کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں'' یہ ان کی مذمت اور ان کی تشنیع کی انتہا ہے۔

﴿ لَوْ لَا یَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَ الْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَ اَکْلِهِمُ السُّحْتَ ﴾ ''کیوں نہیں روکتے ان کو درویش اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے'' یعنی علماء جو عوام الناس کے نفع کے درپے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم و دانش سے نوازا ہے' انہوں نے لوگوں کو ان گناہوں سے کیوں نہ روکا جو ان سے صادر ہوتے ہیں تاکہ ان سے جہالت دور ہو جاتی اور ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جاتی۔ کیونکہ یہ علماء ہی کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے منع کریں اور ان کے سامنے دین کا راستہ واضح کریں' انہیں بھلائیوں کی ترغیب دیں اور برائیوں کے انجام سے ڈرائیں ﴿ لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ﴾ ''بلاشبہ وہ بہت برا کرتے ہیں۔''

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ۭ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ۘ بَلْ يَدٰهُ

اور کہا یہود نے ہاتھ اللہ کے بندھے ہوئے ہیں۔ بند ہو جائیں ہاتھ انہی کے اور لعنت کیے جائیں بسبب انکے قول کے بلکہ اسکے تو دونوں ہاتھ

مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ

کھلے ہیں، وہ خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور یقیناً زیادہ کریگا بہتوں کو ان میں سے (وہ قرآن) جو اتارا گیا آپکی جانب، طرف سے

رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۭ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ

آپ کے رب کی، سرکشی اور کفر میں۔ اور ڈال دی ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض قیامت کے دن تک

كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا ۭ

جب کبھی جلاتے ہیں وہ آگ لڑائی کے لیے، تو بجھا دیتا ہے اسے اللہ، اور دوڑتے پھرتے ہیں وہ زمین میں فساد کرنے کو

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ

اور اللہ نہیں پسند کرتا فسادیوں کو ○ اور اگر بیشک اہل کتاب ایمان لے آئیں اور تقویٰ اختیار کر لیں، تو یقیناً دور کر دیں گے ہم ان سے

سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ

ان کی برائیاں اور ضرور داخل کریں گے ان کو نعمت والے باغوں میں ○ اور اگر بیشک وہ قائم رکھتے تورات اور انجیل کو

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ ۭ

اور جو کچھ نازل کیا گیا ہے انکی طرف ان کے رب کی طرف سے، تو یقیناً کھاتے وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں کے نیچے سے

مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ۝

ان میں سے ایک گروہ ہے درمیانی راہ چلنے والا، اور زیادہ لوگ ان میں سے، برا ہے جو وہ کر رہے ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ یہود کے انتہائی خبیث قول اور ان کے قبیح ترین عقیدے کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُوْلَةٌ ﴾ ''یہود نے کہا' اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے'' یعنی بھلائی احسان اور نیکی سے ﴿ غُلَّتْ اَيْدِيْهِمْ وَلُعِنُوْا بِمَا قَالُوْا ﴾ ''انہی کے ہاتھ بند ہو جائیں اور لعنت ہے ان کے اس کہنے پر'' یہ انہی کی گفتگو کی جنس کے ساتھ ان کے لئے بد دعا ہے چونکہ ان کی یہ بد گوئی اللہ کریم کو بخل' اور عدم احسان کی صفات سے متصف کرنے کو متضمن ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر اسی وصف کو منطبق کر کے ان کو اس بد گوئی کا بدلہ دیا ہے۔ پس یہود بخیل ترین' نیکی کے اعتبار سے قلیل ترین' اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوءِ ظنی میں بدترین اور اللہ تعالیٰ کی اس رحمت سے بعید ترین لوگ ہیں جو ہر چیز پر سایہ کناں ہے اور جس سے تمام عالم علوی اور سفلی لبریز ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ بَلْ يَدٰهُ مَبْسُوْطَتٰنِ ۙ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاۗءُ ﴾ ''بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں' وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے'' اس پر کوئی پابندی عائد نہیں اور کوئی روکنے والا نہیں جو اسے اپنے

ارادے سے روک سکے۔ اس کا فضل و کرم اور دینی اور دنیاوی احسان بہت وسیع ہے' اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جود و کرم کے جھونکوں سے مستفید ہوں۔ وہ اپنی نافرمانیوں کے ذریعے سے اپنے آپ پر اس کے فضل و احسان کے دروازے بند نہ کریں۔ اس کی داد و دہش دن رات جاری ہے' اس کی عطا و بخشش ہر وقت موسلا دھار بارش کی مانند ہے۔

وہ دکھوں کو دور کرتا ہے' غموں کا ازالہ کرتا ہے' محتاج کو بے نیاز کرتا ہے' قیدی کو آزاد کرتا ہے' ٹوٹے ہوئے کو جوڑتا ہے' مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہے' محتاج کو عطا کرتا ہے' مجبوروں کو ان کی پکار کا جواب دیتا ہے' سوال کرنے والوں کے سوال کو پورا کرتا ہے۔ جو اس سے سوال نہیں کرتا اسے بھی نعمتیں عطا کرتا ہے' جو اس سے عافیت طلب کرتا ہے اسے عافیت عطا کرتا ہے' وہ کسی نافرمان کو اپنی بھلائی سے محروم نہیں کرتا بلکہ نیک اور بد سب اس کی بھلائی سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ وہ اپنے اولیا کو نیک اعمال کی توفیق سے نوازتا ہے جو اس کا جود و کرم ہے' پھر وہ ان اعمال پر ان کی تعریف کرتا اور ان کی اضافت ان کی طرف کرتا ہے اور یہ بھی اس کے جود و کرم کا نتیجہ ہے اور ان کو دنیا و آخرت میں ایسا ثواب عطا کرتا ہے کہ زبان اس کے بیان سے قاصر ہے اور بندے کے طائر خیال کی اس تک رسائی ممکن نہیں۔ وہ تمام امور میں ان کو لطف و کرم سے نوازتا ہے۔ وہ اپنا احسان ان تک پہنچاتا رہتا ہے۔ وہ اپنے طور پر ہی ان سے بہت سی مصیبتیں دور کر دیتا ہے کہ ان کو اس کا شعور تک نہیں ہوتا۔

پاک ہے وہ ذات کہ بندوں کے پاس جو نعمت ہے وہ اسی کی طرف سے ہے اور تکالیف کو دور کرنے کے لئے اسی کے سامنے گڑگڑاتے ہیں اور برکت والی ہے وہ ذات جس کی مدح و ثنا کو کوئی شمار نہیں کر سکتا' بس وہ ایسے ہے جیسے اس نے خود اپنی مدح و ثنا بیان کی۔ بالا و بلند ہے وہ ہستی کہ بندے ایک لمحے کے لئے بھی اس کے فضل و کرم سے علیحدہ نہیں ہوتے بلکہ ان کا وجود اور ان کی بقا اسی کے جود و کرم کی مرہون ہے۔

اللہ تعالیٰ برا کرے ان لوگوں کا جو اپنی جہالت کی بنا پر اپنے آپ کو اپنے رب سے بے نیاز سمجھتے ہیں اور اس کی طرف ایسے امور منسوب کرتے ہیں جو اس کی جلالت کے لائق نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان یہود کے ساتھ' جنہوں نے یہ بدگوئی کی ہے اور ان جیسے دیگر لوگوں کے ساتھ ان کے کسی قول پر معاملہ کرتا' تو وہ ہلاک ہو جاتے اور دنیا میں بدبختی کا شکار ہو جاتے۔ مگر وہ اس قسم کی گستاخانہ باتیں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے بردباری سے پیش آتا ہے اور ان سے درگزر فرماتا ہے' ان کو ڈھیل دیتا ہے مگر ان کو مہمل نہیں چھوڑتا۔

﴿ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّآ أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴾ ''اور یقیناً ان میں سے بہتوں کو وہ کلام جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے' سرکشی اور کفر میں ہی بڑھائے گا'' یہ بندے کے لئے سب سے بڑی سزا ہے کہ وہ ذکر' جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا ہے جس میں قلب و روح

کی زندگی، دنیا و آخرت کی سعادت اور فلاح ہے جو اللہ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سعادت کے ذریعے سے اپنے بندوں پر احسان فرمایا ہے جو ان پر واجب ٹھہراتی ہے کہ وہ اسے قبول کرنے کے لئے آگے بڑھیں، اس کے سبب سے اللہ کے سامنے سر جھکا دیں، اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔۔۔ وہی ذکر اس کی گمراہی، سرکشی اور کفر میں اضافے کا باعث بن جائے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس نے اس سے روگردانی کی اور اسے ٹھکرا دیا اس سے عناد رکھا اور شبہات باطلہ کی بنا پر اس کی مخالفت کی۔

﴿ وَاَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ﴾ ''اور ہم نے ڈال دی ہے ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک'' پس وہ ایک دوسرے سے محبت نہیں کریں گے، ایک دوسرے کی مدد نہیں کریں گے اور وہ کسی ایسی بات پر متفق نہیں ہوں گے جس میں ان کی کوئی مصلحت ہو، بلکہ وہ ہمیشہ اپنے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف کینہ اور بغض رکھیں گے اور قیامت تک ایک دوسرے پر ظلم اور تعدی کا ارتکاب کرتے رہیں گے۔ ﴿ كُلَّمَآ اَوْقَدُوْا نَارًا لِّلْحَرْبِ ﴾ ''جب کبھی آگ سلگاتے ہیں لڑائی کے لئے'' تاکہ اس طرح وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں، ان کے خلاف چالیں چلیں اور ان پر سوار اور پیادے چڑھا لائیں ﴿ اَطْفَاَهَا اللّٰهُ ﴾ ''اللہ اس کو بجھا دیتا ہے'' اللہ تعالیٰ ان کو بے یار و مددگار چھوڑ کر، ان کے لشکروں کو منتشر کر کے، ان کے خلاف مسلمانوں کی نصرت فرما کر اس آگ کو بجھا دیتا ہے۔ ﴿ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا ﴾ ''اور یہ ملک میں فساد کے لیے دوڑے پھرتے ہیں۔'' یعنی زمین میں فساد پھیلانے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں، اپنے باطل دین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں ﴿ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ ''اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا'' بلکہ ان کے ساتھ سخت ناراض ہوتا ہے وہ عنقریب انہیں اس کی سزا دے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْخَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴾ ''اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے، تو ہم ان سے ان کی برائیاں دور کر دیتے اور ان کو نعمت والے باغوں میں داخل کرتے'' یہ اللہ تعالیٰ کا جود و کرم ہے کہ جہاں اس نے اہل کتاب کی برائیوں اور ان کے معایب اور ان کے اقوال باطلہ کا ذکر فرمایا ہے، وہاں ان کو توبہ کی طرف بھی بلایا ہے اور یہ کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں، اس کی تمام کتابوں اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لے آئیں اور گناہوں سے پرہیز کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی تمام برائیاں، خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہوں، مٹا دے گا اور ان کو نعمتوں سے بھری ہوئی جنت میں داخل کرے گا جس میں وہ کچھ ہے کہ نفس اس کی چاہت رکھتے ہیں اور آنکھیں اس سے لذت اٹھاتی ہیں۔ ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ ﴾ ''اور اگر وہ قائم کرتے تورات، انجیل اور اس کو جو

نازل کیا گیا ان پر ان کے رب کی طرف سے" یعنی اگر وہ تورات وانجیل کے احکام کو قائم کرتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو توجہ دلائی اور ان کو ترغیب دی ہے۔ تورات وانجیل کو قائم کرنے سے مراد ان امور پر ایمان لانا ہے جن کی طرف یہ دونوں کتابیں دعوت دیتی ہیں۔ یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ اور قرآن پر ایمان لانا۔

اگر وہ اس عظیم نعمت کو قائم کرتے جس کو ان کے رب نے ان کی طرف نازل فرمایا ہے یعنی ان کی خاطر اور ان کے ساتھ اعتنا کی بنا پر اس نعمت کو ان کی طرف نازل کیا ہے ﴿لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ﴾ "تو وہ کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے" یعنی اللہ تعالیٰ ان پر رزق کے دروازے کھول دیتا' آسمان سے ان پر بارش برساتا اور زمین ان کے لئے فصلیں اگاتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ﴾ (الاعراف: ۹۶/۷) "اگر بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین اور آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے"۔

﴿مِنْهُمْ﴾ "ان میں سے" یعنی اہل کتاب میں سے ﴿اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ﴾ "ایک گروہ ہے سیدھی راہ پر" یعنی ایک گروہ ایسا بھی ہے جو تورات وانجیل پر عامل ہے مگر اس کا عمل قوی اور نشاط انگیز نہیں ہے ﴿وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَآءَ مَا يَعْمَلُوْنَ﴾ "اور بہت سے ایسے ہیں جن کے اعمال برے ہیں" یعنی ان میں برائیوں کا ارتکاب کرنے والے بہت زیادہ ہیں اور نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے بہت کم ہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ

اے رسول! پہنچا دیجئے جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے

رِسَالَتَهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۶۷﴾

اس کا پیغام اور اللہ حفاظت کرے گا آپ کی لوگوں سے۔ بے شک اللہ نہیں ہدایت کرتا کافر لوگوں کو ○

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو حکم ہے اور یہ سب سے بڑا اور جلیل ترین حکم ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے اسے اس کے بندوں تک پہنچایا جائے۔۔۔ اس میں وہ تمام امور شامل ہیں جو امت نے آپ سے حاصل کیے مثلاً عقائد' اعمال' اقوال' احکام شرعیہ اور مطالب الٰہیہ وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کو پوری طرح پہنچا دیا' آپ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی' ان کو برے انجام سے ڈرایا' ان کو ایمان لانے پر اچھے انجام کی خوشخبری سنائی' ان کے لئے آسانیاں پیدا کیں' ان پڑھ جاہلوں کو علم سکھایا حتیٰ کہ وہ علمائے ربانی بن گئے۔ آپ ﷺ نے اپنے قول و فعل' اپنے مراسلات اور ایلچیوں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے دین کو پہنچا دیا۔ کوئی ایسی بھلائی نہیں جس کی طرف آپ نے امت کی راہنمائی نہ کی ہو اور کوئی ایسی برائی نہیں جس سے آپ نے امت کو ڈرایا نہ ہو۔ آپ کی اس تبلیغ کی گواہی افاضل امت یعنی صحابہ

کرام رضوان اللہ علیہم نے دی اور ان کے بعد ائمہ دین اور مسلمانوں نے دی۔

﴿ وَإِنْ لَّمْ تَفْعَلْ ﴾ ''اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا۔'' یعنی جو چیز آپ ﷺ کے رب کی طرف سے آپ پر اتاری گئی ہے اگر آپ نے اسے لوگوں تک نہ پہنچایا ﴿ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ﴾ ''تو نہیں پہنچایا آپ نے اس کا پیغام'' یعنی آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری نہیں کی ﴿ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ﴾ ''اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ کی حمایت اور لوگوں سے آپ کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ آپ کے لئے مناسب یہی ہے کہ آپ تعلیم و تبلیغ پر توجہ مرکوز رکھیں، مخلوق کا خوف آپ کو اس مقصد سے نہ ہٹا دے۔ کیونکہ مخلوق کی پیشانیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، اس نے آپ کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے اور آپ کی ذمہ داری پہنچا دینا ہے جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو وہ اپنے لئے ہے۔

رہے کفار جن کا خواہشات نفس کی پیروی کے سوا کوئی مقصد نہیں تو ان کے کفر کے سبب سے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے گا، نہ انہیں بھلائی کی توفیق عطا کرے گا۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ

کہہ دیجئے! اے اہل کتاب! نہیں ہو تم اوپر کسی چیز کے، یہاں تک کہ قائم کرو تم تورات اور انجیل کو اور جو کچھ نازل کیا گیا

إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ ۗ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ

تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے، اور یقیناً زیادہ کرے گا بہتوں کو ان میں سے (وہ قرآن) جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف

مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۖ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿٦٨﴾

آپ کے رب کی طرف سے، سرکشی اور کفر میں۔ پس نہ غم کھائیں آپ کافر لوگوں پر ○

یعنی اہل کتاب کی گمراہی کی منادی اور ان کے باطل کا اعلان کرتے ہوئے کہہ دیجئے! ﴿ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ ﴾ ''تم کسی چیز پر نہیں ہو'' یعنی تم کسی بھی دینی اصول پر قائم نہیں ہو۔ تم قرآن اور محمد ﷺ پر ایمان لائے ہو نہ تم نے اپنے نبی اور اپنی کتاب کی تصدیق کی ہے، تم نے حق کو تھاما ہے نہ کسی اصول پر تمہارا اعتماد ہے ﴿ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ ﴾ ''جب تک تم تورات اور انجیل کو قائم نہ رکھو گے۔'' یعنی جب تک کہ تم تورات اور انجیل پر ایمان لا کر ان کو قائم نہ کرو، ان کی اتباع نہ کرو اور جن امور کی طرف یہ دعوت دیتی ہیں ان میں سے ہر چیز کو مضبوطی سے تھام نہ لو۔ اور جب تک کہ تم اس چیز کو قائم نہ کرو ﴿ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ ﴾ ''جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے'' جس نے تمہاری تربیت کی اور تمہیں نعمتوں سے نوازا۔ تم پر اس کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ تمہاری طرف کتابیں نازل فرمائیں۔ پس تم پر فرض ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو، اس کے احکام کا التزام کرو اور اللہ تعالیٰ کی امانت اور اس کے عہد کی جو ذمہ داری تم پر ڈالی گئی ہے اسے پورا کرو۔

﴿ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُم مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴾ ''اور جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے' اس سے ان میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں اضافہ ہو گا اس لئے آپ کافروں کے گروہ پر متاسف نہ ہوں''۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِئُونَ وَالنَّصَارَىٰ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ

بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور صابئی اور نصاریٰ (ان میں سے) جو بھی ایمان لائے ساتھ اللہ کے

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٩﴾

اور دن آخرت کے' اور عمل کرے نیک' تو نہیں خوف ہو گا اوپر ان کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اہل قرآن' اہل تورات اور اہل انجیل کے بارے میں بیان فرماتا ہے کہ ان سب کی سعادت اور نجات ایک ہی طریقے اور ایک ہی اصول میں ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانا اور نیک عمل کرنا۔۔۔ لہذا ان میں سے جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اسی کے لئے نجات ہے۔ ان کو کوئی خوف نہ ہو گا' انہیں خوف زدہ کرنے والے امور کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور وہ امور جو وہ پیچھے چھوڑ چکے ہیں ان کے بارے میں غمگین نہ ہوں گے۔۔۔ یہ حکم مذکور تمام زمانوں کو شامل ہے۔

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا ۖ كُلَّمَا جَاءَهُمْ

البتہ تحقیق لیا تھا ہم نے عہد بنی اسرائیل سے اور بھیجے ہم نے ان کی طرف کئی رسول' جب آیا ان کے پاس

رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ﴿٧٠﴾ وَحَسِبُوا

رسول' ساتھ ایسی چیز کے کہ نہیں چاہتے تھے انکے نفس' تو کچھ کو انہوں نے جھٹلایا اور کچھ کو وہ قتل ہی کر ڈالتے ○ اور گمان کیا انہوں نے

أَلَّا تَكُونَ فِتْنَةٌ فَعَمُوا وَصَمُّوا ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوا وَصَمُّوا

کہ نہ ہو گی کوئی آزمائش' پس وہ اندھے ہو گئے اور بہرے ہو گئے' پھر متوجہ ہوا اللہ اوپر انکے' پھر اندھے ہو گئے اور بہرے ہو گئے

كَثِيرٌ مِّنْهُمْ ۚ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٧١﴾

زیادہ لوگ ان میں سے' اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ○

﴿ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴾ ''ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا'' یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے واجبات کو قائم کرنے کے بارے میں ان سے بھاری عہد لیا جن کے بارے میں گزشتہ صفحات میں ﴿ وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا ...... الآية ﴾ (المائدہ: ۵/ ۱۲) کی تفسیر کے ضمن میں بحث گزر چکی ہے۔ ﴿ وَأَرْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رُسُلًا ﴾ ''اور ان کی طرف رسول بھیجے'' جو پے در پے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے تھے اور ان کو رشد و ہدایت کی طرف بلاتے رہتے تھے مگر یہ چیز ان کے کسی

کام آئی نہ اس نے کوئی فائدہ دیا ﴿ كُلَّمَا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ﴾ ''جب لایا کوئی رسول وہ حکم جس کو ان کے نفس نہیں چاہتے تھے'' یعنی حق کو ان کے نفس پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے حق کو جھٹلایا' اس سے عناد رکھا اور اس کے ساتھ بدترین معاملہ کیا ﴿ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَ فَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ﴾ ''انہوں نے رسولوں کے ایک گروہ کی تکذیب کی اور ایک گروہ کو قتل کیا۔''

﴿ وَ حَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ ﴾ ''اور یہ خیال کرتے تھے کہ کوئی آفت نہیں آنے کی۔'' یعنی وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی نافرمانی اور ان کی تکذیب کی وجہ سے ان پر عذاب نہیں آئے گا نہ ان کو سزا دی جائے گی اور وہ اپنے باطل پر ہمیشہ قائم رہیں گے ﴿ فَعَمُوْا وَ صَمُّوْا ﴾ ''پس وہ (حق دیکھنے سے) اندھے اور (حق بولنے سے) گونگے ہو گئے'' ﴿ ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ﴾ ''پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی'' یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے ان لغزشوں کو نظر انداز کر دیا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پاس توبہ کی اور اس کی طرف رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی ﴿ ثُمَّ ﴾ پھر انہوں نے اس توبہ پر دوام نہ کیا یہاں تک کہ ان کے اکثر لوگ بدترین احوال کی طرف پلٹ گئے ﴿ عَمُوْا وَ صَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ﴾ ''ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے۔'' یعنی انہی اوصاف کے ساتھ وہ پھر اندھے اور گونگے ہو گئے۔ ان میں سے بہت کم لوگ اپنی توبہ اور ایمان پر قائم رہے ﴿ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور اللہ وہ جو کچھ کرتے ہیں' اس کو دیکھتا ہے'' پس اللہ تعالیٰ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کی جزا دے گا۔ اگر اچھا عمل ہوا تو اچھی جزا ہو گی اور اگر برا عمل ہوا تو بری جزا ہو گی۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَ قَالَ الْمَسِيْحُ

البتہ تحقیق کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا' بے شک اللہ وہی مسیح ابن مریم ہے۔ اور کہا مسیح نے

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ

اے بنی اسرائیل! عبادت کرو تم اللہ کی' میرے رب اور اپنے رب کی۔ تحقیق جو شریک ٹھہراتا ہے ساتھ اللہ کے' تو یقیناً حرام کر دی

اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾ لَقَدْ كَفَرَ

اللہ نے اوپر اس کے جنت اور اس کا ٹھکانا آگ ہے' اور نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار ○ البتہ تحقیق کافر ہوئے

الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَ مَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَ اِنْ

وہ لوگ جنہوں نے کہا' بے شک اللہ تیسرا ہے تین میں سے اور نہیں کوئی معبود مگر معبود ایک۔ اور اگر وہ

وقف لازم

لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾

باز نہ آئے اس سے جو کہتے ہیں' تو ضرور پہنچے گا' ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب دردناک ○

اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۷۴﴾ مَا الْمَسِيْحُ

کیا پس نہیں توبہ کرتے طرف اللہ کی اور بخشش مانگتے اس سے' اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ○ نہیں ہیں مسیح

ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا
ابن مریم' مگر ایک رسول ہی' گزر چکے ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول' اور ان کی ماں صدیقہ تھی' تھے وہ
يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿۷۵﴾
دونوں کھاتے کھانا۔ دیکھئے! کیسے ہم بیان کرتے ہیں ان کے لیے نشانیاں' پھر دیکھئے! کہاں پھیرے جاتے ہیں وہ؟ ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نصاریٰ کے کفر کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے ان کے اس قول کو نقل فرماتا ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ ''بے شک اللہ وہی مسیح ابن مریم ہے'' اس شبہ کی وجہ سے کہ ان کو ان کی ماں نے بغیر باپ کے جنم دیا اور وہ تخلیق میں عادت الٰہی کے خلاف متولد ہوئے .... دراں حالیکہ عیسیٰ علیہ السلام نے خود ان کے اس دعوے کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ﴾ ''اے بنی اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے'' مسیح علیہ السلام نے اپنے لئے کامل عبودیت اور اپنے رب کے لئے کامل ربوبیت کا اثبات کیا ہے جو تمام مخلوق کو شامل ہے۔ ﴿اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ﴾ ''جو کوئی مخلوق میں سے کسی کو بھی' (خواہ وہ عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا کوئی اور) اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے''۔ ﴿فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ﴾ ''تحقیق اللہ نے اس پر جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے'' کیونکہ اس نے مخلوق کو خالق کے برابر ٹھہرادیا اور اس چیز کو جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے تخلیق فرمایا۔ یعنی خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت .... اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھیر کر غیر اللہ کی طرف کردیا .... اس لئے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ ہمیشہ جہنم میں رہے ﴿وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ﴾ ''اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوگا'' جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکیں یا ان سے اس مصیبت کو دور کرسکیں جو ان پر نازل ہوئی ہے۔ ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ ''یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے'' یہ نصاریٰ کا قول ہے جو ان کے ہاں متفق علیہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے یعنی اللہ تعالیٰ' عیسیٰ اور مریم .... اللہ ان کے قول باطل سے بالا و بلند تر ہے .... یہ نصاریٰ کی کم عقلی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ انہوں نے اس بدترین قول اور قبیح ترین عقیدے کو کیسے قبول کرلیا؟ ان پر خالق اور مخلوق کیسے مشتبہ ہوگئے؟ جہانوں کا رب ان پر کیسے مخفی رہ گیا؟

اللہ تعالیٰ نے ان کا اور ان جیسے دیگر لوگوں کا رد کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ ''اور نہیں ہے کوئی معبود' مگر ایک ہی معبود'' جو ہر صفت کمال سے متصف اور ہر نقص سے پاک ہے' وہ تخلیق و تدبیر کائنات میں متفرد ہے۔ مخلوق کے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اسی کی طرف سے ہے۔ پس اس کے ساتھ غیر اللہ کو کیسے معبود بنایا جاسکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہے جو یہ ظالم کہتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ”اگر وہ اپنے اس عقیدے سے باز نہ آئے تو ان میں سے جو لوگ کافر ہیں انہیں ضرور دردناک عذاب پہنچے گا“ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس گناہ سے توبہ کرنے کی دعوت دی جو ان سے صادر ہوا اور بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ فرمایا: ﴿ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ ﴾ ”کیا پس وہ اللہ کی طرف توبہ نہیں کرتے؟“ یعنی وہ اپنی بات کو چھوڑ کر اس چیز کی طرف کیوں نہیں لوٹتے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار اور اس حقیقت کا اعتراف کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

﴿ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ﴾ اور ان گناہوں کی بخشش کیوں نہیں مانگتے جو ان سے صادر ہوئے ہیں؟ ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ”اور اللہ تو بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کے گناہ بخش دیتا ہے خواہ وہ آسمان کی بلندیوں تک کیوں نہ پہنچے ہوئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر کے اور ان کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر کے ان پر رحم فرماتا ہے۔ ان کو توبہ کی دعوت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے صادر ہوتی ہے جو لطف و کرم اور مہربانی کی انتہا ہے ﴿ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ ﴾ ”کیا پس وہ اللہ کی طرف توبہ نہیں کرتے؟“

پھر اللہ تعالیٰ نے جناب مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کی حقیقت بیان فرمائی جو کہ حق ہے۔ فرمایا: ﴿ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ﴾ ”نہیں ہیں مسیح ابن مریم مگر ایک رسول ہی ان سے پہلے بھی کئی رسول گزر ے“ یعنی جناب مسیح کے معاملے کی غایت و انتہا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں اور رسولوں میں سے ایک ہیں جن کو کسی معاملے میں کوئی اختیار نہیں اور نہ وہ تشریع کا کوئی اختیار رکھتے ہیں سوائے اس چیز کے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو مبعوث فرمایا ہے۔ جناب مسیح بھی ان رسولوں کی جنس سے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان کو دوسرے رسولوں پر کوئی ایسی فضیلت حاصل نہیں جو انہیں بشریت سے نکال کر ربوبیت کے مرتبے پر فائز کر دے ﴿ وَاُمُّهٗ ﴾ ”اور ان کی ماں“ یعنی مریم علیہا السلام ﴿ صِدِّيْقَةٌ ﴾ ”صدیقہ ہیں۔“ یعنی جناب مریم علیہا السلام کی بھی غایت و انتہا یہ ہے کہ صدیقین میں ان کا شمار ہوتا ہے جو انبیاء و مرسلین کے بعد مخلوق میں سب سے بلند مرتبے پر فائز ہوتے ہیں۔

صدیقیت وہ علم نافع ہے جس کا ثمرہ یقین اور عمل صالح ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جناب مریم نبی نہ تھیں۔ ان کا بلند ترین حال صدیقیت ہے اور فضیلت اور شرف کے لئے یہی کافی ہے۔

اسی طرح عورتوں میں سے کوئی عورت نبی مبعوث نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کامل تر صنف یعنی مردوں ہی میں رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْۤ اِلَيْهِمْ ﴾

(یوسف:۱۲/ ۱۰۹) ''اور ہم نے تم سے پہلے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے''۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام انبیاء و مرسلین کی جنس میں سے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان کی والدہ ماجدہ صدیقہ تھیں تو نصاریٰ نے کس بنا پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان دونوں کو بھی الٰہ قرار دے دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ كَانَا يَأْكُلَانِ الطَّعَامَ ﴾ ''وہ دونوں کھانا کھاتے تھے'' اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے فقیر اور محتاج بندے تھے جیسا کہ انسان کھانے پینے کے محتاج ہوتے ہیں۔ پس اگر جناب عیسیٰ اور مریم علیہما السلام الٰہ ہوتے تو وہ کھانے پینے سے بے نیاز ہوتے اور کسی چیز کے بھی محتاج نہ ہوتے۔ کیونکہ معبود بے نیاز اور قابل تعریف ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ دلیل اور برہان واضح کر دی تو فرمایا: ﴿ انْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْآيَاتِ ﴾ ''دیکھو ہم کیسے ان کے لئے آیات بیان کرتے ہیں'' جو حق کو واضح کرتی ہیں اور یقین کو منکشف کرتی ہیں۔ بایں ہمہ انہیں کوئی چیز فائدہ نہیں دیتی بلکہ وہ اپنی بہتان طرازیوں' جھوٹ اور افترا پردازی پر بضد ہیں اور یہ ان کا ظلم اور عناد ہے۔

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ۚ وَاللَّهُ

کہہ دیجئے! کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر' ایسی چیز کی جو نہیں اختیار رکھتی تمہارے لیے نقصان کا اور نہ نفع کا' اور اللہ

هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٧٦﴾

وہی ہے خوب سننے والا خوب جاننے والا ○

﴿ قُلْ ﴾ یعنی اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان سے کہہ دیجئے! ﴿ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ ﴾ کیا تم اللہ کے سوا مخلوق کی عبادت کرتے ہو جو محتاج اور فقیر ہیں؟ ﴿ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا ﴾ ''جو تمہارے لئے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتے'' اور تم اس ہستی کو چھوڑ دیتے ہو جس اکیلی کے قبضہ قدرت میں نفع و نقصان ہے اور صرف وہی ہستی ہے جو عطا کرتی اور محروم کرتی ہے۔ ﴿ وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ ﴾ ''اور اللہ' وہی سننے والا ہے۔'' اللہ تعالیٰ مخلوق کے اختلافات زبان اور تنوع حاجات کے باوجود سب آوازیں سنتا ہے ﴿ الْعَلِيمُ ﴾ ''جاننے والا ہے۔'' وہ ظاہر و باطن' غیب و شہادت اور ماضی اور مستقبل کے امور کو جانتا ہے۔ پس صاحب کمال ہستی جو ان اوصاف کی مالک ہے' وہی عبادت کی تمام انواع اور خالص اطاعت کی مستحق ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ

کہہ دیجئے! اے اہل کتاب! نہ غلو کرو تم اپنے دین میں ناحق اور نہ پیروی کرو ان لوگوں کی خواہشات کی

ع ۱۴ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿٧٧﴾

جو گمراہ ہو چکے اس سے پہلے اور گمراہ کیا انہوں نے بہت سوں کو اور بہک گئے وہ سیدھی راہ سے ○

لُعِنَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ؕ

لعنت کیے گئے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں سے' بہ زبان داود اور عیسیٰ بن مریم کے

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوۡا وَّكَانُوۡا یَعۡتَدُوۡنَ ﴿۷۸﴾ كَانُوۡا لَا یَتَنَاهَوۡنَ عَنۡ مُّنۡكَرٍ فَعَلُوۡهُ ؕ

یہ بہ سبب اسکے جونافرمانی کی انہوں نے اور تھے وہ حد سے گزر جاتے ○ نہیں تھے وہ ایک دوسرے کو منع کرتے برے کام سے کہ کیا ہوتا انہوں نے وہ

لَبِئۡسَ مَا كَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۷۹﴾ تَرٰی كَثِیۡرًا مِّنۡهُمۡ یَتَوَلَّوۡنَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا ؕ لَبِئۡسَ

البتہ برا تھا جو تھے وہ کرتے ○ آپ دیکھیں گے بہتوں کو ان میں سے وہ دوستی کرتے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا۔ البتہ برا ہے

مَا قَدَّمَتۡ لَهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ اَنۡ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ وَفِی الۡعَذَابِ هُمۡ خٰلِدُوۡنَ ﴿۸۰﴾

جو آگے بھیجا ان کے لیے ان کے نفسوں نے' یہ کہ ناراض ہوا اللہ اوپر ان کے اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں ○

وَلَوۡ كَانُوۡا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِیِّ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِ مَا اتَّخَذُوۡهُمۡ

اور اگر ہوتے وہ ایمان لاتے اللہ پر اور نبی پر اور (اس پر) جو نازل کیا گیا اس کی طرف' تو نہ بناتے ان (کافروں) کو

اَوۡلِیَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِیۡرًا مِّنۡهُمۡ فٰسِقُوۡنَ ﴿۸۱﴾

دوست' لیکن زیادہ لوگ ان میں سے فاسق ہیں ○

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿ قُلۡ یٰۤاَهۡلَ الۡكِتٰبِ لَا تَغۡلُوۡا فِیۡ دِیۡنِكُمۡ غَیۡرَ الۡحَقِّ ﴾ ''اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو' یعنی حق سے تجاوز کر کے باطل میں نہ پڑو۔ ان کا یہ قول حضرت مسیح کے بارے میں ان کے اس قول کی مانند ہے جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ یہ غلو بعض مشائخ کے بارے میں ان کے غلو کی مانند ہے۔ ایسا انہوں نے ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے کیا' جن کی بابت کہا گیا تھا ﴿ وَلَا تَتَّبِعُوۡۤا اَهۡوَآءَ قَوۡمٍ قَدۡ ضَلُّوۡا مِنۡ قَبۡلُ ﴾ ''اور ایسے لوگوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلو جو (خود بھی) گمراہ ہوئے اس سے پہلے۔'' یعنی ان کی گمراہی سامنے آچکی ہے۔ ﴿ وَاَضَلُّوۡا كَثِیۡرًا ﴾ ''اور (دوسرے) بہت سوں کو گمراہ کیا۔'' یعنی جس دین پر یہ کاربند ہیں اس کی طرف دعوت دے کر بہت سے لوگوں کو گمراہ کر چکے ہیں ﴿ وَّضَلُّوۡا عَنۡ سَوَآءِ السَّبِیۡلِ ﴾ ''اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔'' یعنی راہ اعتدال سے بھٹک گئے پس گمراہ ہونے اور دوسروں کو گمراہ کرنے' دونوں برائیوں کو انہوں نے جمع کر لیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو ائمہ ضلالت ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ڈرایا ہے اور ان کی مہلک خواہشات اور گمراہ کن آراء سے بچنے کا حکم دیا ہے۔

﴿ لُعِنَ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡۢ بَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ ﴾ ''بنی اسرائیل کے کافروں پر لعنت کی گئی'' یعنی ان کو دھتکار دیا گیا اور اللہ کی رحمت سے دور کر دیا گیا ﴿ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ ﴾ ''داود اور عیسیٰ ابن مریم کی

زبان پر'' یعنی ان دونوں کی گواہی اور ان کے اقرار پر‘ بایں طور پر کہ ان پر حجت قائم ہوگئی اور انہوں نے اس حجت و دلیل سے عناد رکھا ﴿ ذٰلِكَ ﴾ یعنی یہ کفر اور لعنت ﴿ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴾ ''اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔'' یعنی اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ظلم کرتے تھے۔ یہ چیز ان کے کفر اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کا سبب بن گئی‘ کیونکہ گناہوں اور ظلم کی سزا ملتی ہے۔

ان کے وہ گناہ جن کی وجہ سے ان پر سزا ضروری ٹھہری اور جن کی بنا پر ان پر عقوبات واقع ہوئیں‘ یہ تھے کہ وہ ﴿ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ﴾ ''برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے۔'' یعنی وہ برائیوں کا ارتکاب کرتے تھے اور برائیوں سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ پس وہ لوگ جو برائی کرتے تھے اور وہ جو برائی نہیں کرتے تھے مگر قدرت رکھنے کے باوجود برائی سے روکتے نہیں تھے۔ دونوں قسم کے لوگ اسی مشترک سزا کے مستحق قرار پائے۔

یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو حقیر سمجھتے تھے اور گناہ کا ارتکاب ان کے لئے بہت معمولی بات تھی۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے تو اس کے محارم کی ہتک پر انہیں غیرت آتی اور اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے پر وہ بھی ناراض ہوتے اور قدرت ہونے کے باوجود برائی پر خاموش رہنا اور اس پر نکیر نہ کرنا‘ سزا کا موجب ہے کیونکہ اس میں بہت بڑے مفاسد پنہاں ہیں‘ مثلاً

(۱) برائی پر سکوت اختیار کرنا بذات خود برائی ہے خواہ سکوت اختیار کرنے والا خود برائی میں ملوث نہ ہو۔ اس لئے کہ جس طرح معصیت سے اجتناب فرض ہے اسی طرح برائی کے مرتکب پر نکیر کرنا ضروری ہے۔

(۲) جیسا کہ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ یہ چیز گناہوں کو معمولی سمجھنے اور ان کو زیادہ اہمیت نہ دینے پر دلالت کرتی ہے۔

(۳) اس طرح فساق و فجار میں کثرت سے گناہ کرنے کی جرأت بڑھ جاتی ہے۔ جب ان کو گناہوں سے روکا نہ جائے تو شر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ دینی اور دنیاوی مصائب بڑھ جاتے ہیں اور شوکت و غلبہ شریر لوگوں کے ہاتھ میں آجاتا ہے۔ اہل خیر کمزور پڑ جاتے ہیں اور وہ اہل شر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ انہیں اتنی سی قدرت بھی حاصل نہیں رہتی جتنی ابتدا میں تھی۔

(۴) منکر پر نکیر ترک کرنے سے علم مٹ جاتا ہے اور جہالت بڑھ جاتی ہے‘ کیونکہ جب معصیت بہت سے لوگوں سے بتکرار صادر ہوتی ہے اور اس پر اہل علم اور اہل دین لوگوں کی طرف سے نکیر نہیں ہوتی تو اس کے بارے میں گمان گزرتا ہے کہ یہ معصیت نہیں‘ بسا اوقات جاہل لوگ اسے مستحسن عبادت سمجھ لیتے

ہیں۔

اس سے بڑی کونسی برائی ہو سکتی ہے کہ کسی ایسی چیز کو حلال قرار دے دیا جائے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔نفوس پر حقائق بدل جائیں اور انہیں باطل حق نظر آنے لگے۔

(۵) نافرمان لوگوں کی معصیت پر سکوت سے بسا اوقات معصیت لوگوں کے دلوں میں مزین ہو جاتی ہے اور برائی میں لوگ ایک دوسرے کی پیروی کرنے لگ جاتے ہیں۔اس لئے کہ انسان اپنے گروہ اور ابنائے جنس کی پیروی کا شیفتہ ہوتا ہے۔

چونکہ یہ برائیوں پر سکوت کی جزا ہے اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے منصوص فرمایا کہ کفار بنی اسرائیل انہی لوگوں میں سے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانی اور تعدی کی بنا پر ان پر لعنت کی اور ان برائیوں میں سے اس برائی کو مخصوص کیا ﴿ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴾ ''البتہ برا ہے جو وہ کرتے تھے''

﴿ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر کافروں کو دوست رکھتے ہیں''یعنی ان کے ساتھ محبت اور موالات رکھتے ہیں اور انکی مدد کرتے ہیں ﴿ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ ﴾ ''برا ہے وہ جو ان کے نفسوں نے ان کے لئے آگے بھیجا''یعنی انہوں نے گھٹیا مال پیش کیا اور خسارے کا سودا کیا........اور یہ ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ناراضی جس کے ناراض ہونے سے کائنات کی ہر چیز ناراض ہو جاتی ہے اور جس کی ناراضی کا نتیجہ عذاب عظیم میں خلود اور دوام ہے۔پس ان کے نفسوں نے ان پر ظلم کیا کہ انہوں نے یہ بری مہمانی آگے بھیجی اور انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا کہ انہوں نے انہیں ہمیشہ رہنے والی نعمت سے محروم کر دیا۔

﴿ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ ﴾ ''اگر وہ اللہ پر' پیغمبر پر اور اس کتاب پر جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے' ایمان رکھتے تو ان کو دوست نہ بناتے۔'' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ' نبی ﷺ اور کتاب اللہ پر ایمان بندے پر واجب ٹھہراتا ہے کہ وہ اپنے رب اور اس کے اولیا کے ساتھ موالات رکھے اور ان لوگوں سے عداوت رکھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور اس سے عداوت رکھی اور اس کی نافرمانیوں میں پڑ گئے۔پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت' موالات اور اس پر ایمان کی شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو دوست نہ بنایا جائے۔

چونکہ ان میں مطلوبہ شرط موجود نہیں اس لئے یہ چیز مشروط کی نفی پر دلالت کرتی ہے۔فرمایا ﴿ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ ''لیکن ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں''یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اس پر اور اس کے نبی ﷺ پر ایمان کے دائرے سے خارج ہیں اور ان کے فسق میں سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے موالات رکھتے ہیں۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ

یقیناً پائیں گے آپ سخت ترین سب لوگوں سے عداوت میں واسطے ان لوگوں کے جو ایمان لائے یہود کو اور انکو جنہوں نے شرک کیا

وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۗ ذٰلِكَ

اور یقیناً پائیں گے آپ قریب ترین ان (سب) سے دوستی میں واسطے انکے جو ایمان لائے انکو جنہوں نے کہا بیشک ہم نصاریٰ ہیں یہ

بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

اس سبب سے کہ بے شک ان میں کچھ پڑھے ہوئے ہیں اور کچھ زاہد اور یہ کہ وہ نہیں تکبر کرتے ○

اللہ تعالیٰ اس گروہ کے بارے میں بیان فرماتا ہے جو محبت اور موالات میں مسلمانوں کے زیادہ قریب ہے اور دوسرا محبت اور موالات میں ان سے زیادہ دور ہے ﴿ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ﴾ ''آپ پائیں گے سب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا یہودیوں کو اور مشرکوں کو'' یہ دو گروہ علی الاطلاق اسلام اور مسلمانوں سے سب سے زیادہ عداوت اور ان کو نقصان پہنچانے کے لئے سب سے زیادہ بھاگ دوڑ کرنے والے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف شدید بغض وحسد اور سخت کفر و عناد رکھتے ہیں۔ ﴿ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ﴾ ''اور آپ پائیں گے سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کے ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں'' اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس مودت ومحبت کے متعدد اسباب ذکر فرمائے ہیں:

(۱) ﴿ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا ﴾ ''یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی۔'' یعنی ان کے اندر علماء، زہاد اور گرجاؤں میں عبادت کرنے والے عباد ہیں' کیونکہ زہد کے ساتھ علم' اور اسی طرح عبادت کے ساتھ علم یہ ایسی چیز ہے جو قلب کو لطیف اور رقیق بنا دیتی ہے' اور اس کے اندر موجود سختی اور جفا کو زائل کر دیتی ہے۔ بنابریں ان کے اندر یہود کی سی سختی اور مشرکین کی سی شدت نہیں پائی جاتی۔

(۲) ﴿ وَاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ ''اور وہ تکبر نہیں کرتے۔'' یعنی ان کے اندر اتباع حق کے بارے میں تکبر اور سرکشی نہیں پائی جاتی۔ اور یہ چیز مسلمانوں سے ان کی قربت اور محبت کا باعث ہے کیونکہ متواضع اور منکسر المزاج شخص' متکبر کی نسبت بھلائی کے زیادہ قریب ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ

تيسير الكريم الرحمن
في تفسير كلام المنان

المعروف

تفسير السعدی (اردو)

فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

دارالسلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارُالسّلام
کتاب وسُنّت کی اشاعت کا عالمی اِدارہ
ریاض * جدہ * شارجہ * لاھور
لندن * ھیوسٹن * نیو یارك
DARUSSALAM

ہیڈ آفس : پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب
فون : 4033962-4043432 (00966 1) فیکس: 4021659
ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون وفیکس: 4614483

جدہ فون وفیکس : 6807752 الخبر فون: 8692900 فیکس: 8691551
شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان : ① 50 لوئر مال نزد ایم ۔ اے ۔ او کالج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)
فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com
② اقراء سنٹر، غزنی سٹریٹ' اردو بازار' لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس : 5217645 (0044 208)
ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 6255925 (001 718)
Website: http://www.dar-us-salam.com

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

تیسیر الکریم الرحمٰن فی تفسیر کلام المنّان

(اردو ترجمہ)

پا رۃ نمبر سات 7

مفسر قرآن: فضیلۃ الشیخ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

تحقیق: عبدالرحمان بن معلا اللویحق حفظہ اللہ

ترجمۃ القرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ترجمۃ التفسیر: پروفیسر طیب شاہین لودھی حفظہ اللہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمانِ الٰہی

وَقَالَ الرَّسُوْلُ

یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْاٰنَ مَھْجُوْرًا

اور رسول (ﷺ روزِ قیامت) فرمائیں گے:

"الٰہی! یقیناً میری قوم نے اِس قرآن کو پسِ پُشت ڈال دیا تھا۔"

(الفرقان: ۳۰/۲۵)

فرمانِ نبوی

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ

بِھٰذَا الْکِتٰبِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ

اللہ تعالیٰ اِس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں

عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں دھکیل دیتا ہے

(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۷)

پارۃ نمبر سات 7

وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا
اور جب سنا انہوں نے جو نازل کیا گیا رسول کی طرف تو دیکھتے ہیں آپ انکی آنکھوں کو بہتی ہیں آنسوؤں سے اس وجہ سے کہ پہچان لیا
مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ
انہوں نے حق کو کہتے ہیں وہ اے ہمارے رب! ایمان لائے ہم پس لکھ لے تو ہمیں ساتھ شہادت دینے والوں کے ○ اور کیا ہے ہمیں کہ نہ ایمان لائیں ہم
بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۴﴾
اللہ پر اور (اس پر) جو آیا ہمارے پاس حق؟ اور ہم توقع رکھتے ہیں یہ کہ داخل کرے گا ہمیں ہمارا رب ساتھ قوم صالحین کے ○
فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ
پس بدلے میں دے گا انکو اللہ بوجہ اسکے جو انہوں نے کہا ایسے باغات کہ بہتی ہیں انکے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور یہ
جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۸۶﴾ ع ۹
جزا ہے نیکی کرنے والوں کی ○ اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو یہ لوگ ہیں دوزخ والے ○

اس کا ایک سبب یہ بھی ہے ﴿وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ﴾ "جب وہ اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل کی گئی" تو یہ کتاب ان کے دلوں پر اثر کرتی ہے اور وہ اس کے سامنے جھک جاتے ہیں اور ان کی آنکھوں سے اس حق کے سننے کے مطابق جس پر وہ یقین لائے ہیں، آنسو جاری ہو جاتے ہیں، پس اسی لئے وہ ایمان لے آئے اور اس کا اقرار کیا اور کہا: ﴿رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ "اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے، پس تو ہمیں گواہوں کے ساتھ لکھ لے"۔ اور یہ محمد ﷺ کی امت کے لوگ ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کے رسولوں کی رسالت اور جو کچھ یہ رسول لے کر آئے ہیں، اس کی صحت کی گواہی دیتے ہیں۔ نیز تصدیق و تکذیب کے ذریعے سے گزشتہ امتوں کی گواہی دیتے ہیں۔ وہ عادل ہیں اور ان کی گواہی مقبول ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا﴾ (البقرۃ: ۲/ ۱۴۳) "اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے"۔

گویا انہیں جب ان کے ایمان لانے اور ایمان میں ان کی سبقت پر ملامت کی گئی تو انہوں نے اس کے جواب میں کہا: ﴿وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ﴾ "اور ہمیں کیا ہے کہ اللہ پر اور حق بات پر جو ہمارے پاس آئی ہے ایمان نہ لائیں اور ہم امید رکھتے ہیں کہ پروردگار ہم کو نیک بندوں کے ساتھ (بہشت میں) داخل کرے گا۔" یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے ہمیں کون سی چیز مانع ہے۔ درآں حالیکہ ہمارے پاس ہمارے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ جب ہم ایمان لے آئیں گے اور حق کی اتباع کریں گے تب ہمارا رب ہمیں صالح لوگوں کے زمرے میں شامل کرے گا۔ تب کونسی چیز ہمیں ایمان لانے

سے روک سکتی ہے۔ کیا یہ چیز ایمان لانے میں جلدی کرنے اور ایمان لانے سے پیچھے نہ رہنے کی موجب نہیں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا﴾ ''پس اللہ نے ان کو ان کے کہنے پر بدلہ دیا'' یعنی انہوں نے ایمان لانے کی بات کی' نطق زبان سے ایمان کا اقرار کیا اور حق کی تصدیق کی ﴿جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ''باغات کا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بدلہ ہے نیکو کاروں کا''۔ یہ آیات کریمہ ان عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لے آئے تھے' مثلاً نجاشی اور دیگر ایمان لانے والے عیسائی۔ اسی طرح ان کے اندر ایسے لوگ پائے جاتے رہیں گے جو دین اسلام کو اختیار کریں گے اور ان پر اپنے دین کا بطلان واضح ہوتا رہے گا۔ یہ لوگ یہودیوں اور مشرکین سے اسلام کے زیادہ قریب ہیں۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے نیکی کرنے والوں کے لئے ثواب کا ذکر فرمایا تو برائی کرنے والوں کے لئے عذاب کا ذکر کیا۔ ﴿وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا' یہی لوگ جہنمی ہیں'' کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور حق کو واضح کرنے والی آیات کی تکذیب کی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مت حرام ٹھہراؤ وہ پاکیزہ چیزیں جن کو حلال کیا اللہ نے تمہارے لیے' اور نہ حد سے گزرو

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّاتَّقُوا

یقیناً اللہ نہیں پسند کرتا حد سے گزرنے والوں کو ○ اور کھاؤ اس میں سے جو رزق دیا تمہیں اللہ نے حلال پاکیزہ' اور ڈرو

اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اللہ سے' جس پر تم ایمان رکھتے ہو ○

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ ''اے ایمان والو! جن پاکیزہ چیزوں کو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے' تم انہیں حرام مت کرو'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ماکولات و مشروبات میں جو چیزیں حلال ٹھہرا رکھی ہیں' انہیں حرام نہ ٹھہراؤ۔ کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جو اس نے تمہیں عطا کی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرو کیونکہ اس نے تمہارے لئے ان نعمتوں کو حلال ٹھہرایا اور اس کا شکر ادا کرو۔ کفران نعمت' عدم قبول اور ان کی تحریم کا اعتقاد رکھتے ہوئے ان نعمتوں کو نہ ٹھکراؤ۔ ورنہ تم کفران نعمت اور اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کے ساتھ حلال کو حرام اور ناپاک قرار دینے کے مرتکب بھی ٹھہرو گے..... اور یہ حد سے تجاوز ہے اور اللہ تعالیٰ نے حد سے بڑھنے سے منع فرمایا ہے ﴿وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ﴾ ''اور حد سے نہ بڑھو اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا'' بلکہ ان سے ناراض ہوتا ہے اور اس پر ان کو سزا دے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اہل شرک کے طریقے کے برعکس جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام ٹھہرایا'

حکم دیا ﴿ وَ كُلُوۡا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا ﴾ ''اور جو حلال طیب روزی اللہ نے تمہیں دی ہے اسے کھاؤ۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے اس رزق میں سے کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کے ذریعے سے تمہاری طرف بھیجا ہے جو تمہیں میسر ہیں۔ بشرطیکہ یہ رزق حلال ہو اور چوری یا غصب شدہ وغیرہ مال میں سے نہ ہو جو ناحق حاصل کیا گیا ہوتا ہے' نیز وہ پاک بھی ہو یعنی اس میں کوئی ناپاکی نہ ہو۔ اس طرح درندے اور دیگر ناپاک چیزیں اس دائرے سے نکل جاتی ہیں۔

﴿ وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو۔'' اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور اس کی منہیات کے اجتناب میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿ الَّذِيۡۤ اَنۡتُمۡ بِهٖ مُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ ''وہ اللہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو'' کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان تم پر تقویٰ اور حقوق اللہ کی رعایت وحفاظت واجب کرتا ہے کیونکہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حلال چیز مثلاً ماکولات' مشروبات یا لونڈی وغیرہ کو حرام ٹھہرا لیتا ہے تو یہ چیز اس کے حرام ٹھہرا لینے سے حرام نہیں ہو جاتی۔ البتہ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو قسم کا کفارہ واجب ہو جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ﴾ (التحریم: ٦٦/١) ''اے نبی! آپ اس چیز کو کیوں حرام ٹھہراتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لئے حلال قرار دی ہے؟'' مگر بیوی کو اپنے آپ پر حرام ٹھہرانے سے ظہار کا کفارہ لازم آئے گا۔ ①

اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ پاک چیزوں سے اجتناب کرے اور انہیں اپنے آپ پر حرام ٹھہرا لے بلکہ وہ انہیں استعمال کرے اور اس طرح اطاعت الٰہی پر ان سے مدد لے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغۡوِ فِيۤ اَيۡمَانِكُمۡ وَلٰكِنۡ يُّؤَاخِذُكُمۡ بِمَا عَقَّدۡتُّمُ

نہیں مؤاخذہ کرے گا تمہارا اللہ تمہاری لغو قسموں پر لیکن وہ مؤاخذہ کرے گا تمہارا ان پر جو مضبوط باندھیں تم نے

الۡاَيۡمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطۡعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيۡنَ مِنۡ اَوۡسَطِ مَا تُطۡعِمُوۡنَ

قسمیں' پس کفارہ اس کا' کھانا کھلانا ہے دس مسکینوں کو اوسط درجے کا' جو کھلاتے ہو تم

اَهۡلِيۡكُمۡ اَوۡ كِسۡوَتُهُمۡ اَوۡ تَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ ؕ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ؕ

اپنے اہل وعیال کو' یا کپڑے پہنانا ہے انہیں' یا آزاد کرنا ایک گردن کا' پس جو نہ پائے تو روزے رکھنے ہیں تین دن کے۔

---

① اس مسئلے میں کافی اختلاف ہے' ایک رائے یہ بھی ہے' جس کا اظہار فاضل مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے' دوسری رائے یہ ہے کہ اس میں کفارۂ یمین ہے (اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے' واللہ اعلم) اور تیسری رائے ہے کہ اس میں سرے سے کوئی کفارہ ہی نہیں ہے۔ امام ابن قیم اور امام ابن کثیر کا رجحان دوسری رائے کی طرف اور امام شوکانی کا تیسری رائے کی طرف ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر فتح القدیر' آیت زیر بحث۔ زاد المعاد' ج: ٥/ ٣٠٢-٣١٢' فتح الباری' کتاب الطلاق' والروضۃ الندیہ' ج: ٢' کتاب الطلاق وغیرها من الکتب (ص-ی)

ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ؕ وَ احْفَظُوْۤا اَيْمَانَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ

یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا' جب قسم کھا بیٹھو تم' اور حفاظت کرو تم اپنی قسموں کی۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم شکر کرو ○

یعنی تمہاری ان قسموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمہارا مؤاخذہ نہیں کرے گا جو تم سے لغواً صادر ہوتی ہیں۔ اس سے مراد وہ قسمیں ہیں جو انسان بغیر کسی نیت اور ارادے کے کھالیتا ہے یا یہ سمجھتے ہوئے کھاتا ہے کہ وہ سچا ہے مگر معاملہ اس کے برعکس نکلتا ہے: ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾ ''لیکن پکڑتا ہے ان قسموں پر جن کو تم نے مضبوط باندھا'' یعنی جس کا تم عزم کر لیتے ہو اور جس پر تمہارے دل جم جاتے ہیں۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ (البقرۃ:۲/۲۲۵) ''مگر وہ قسمیں جو تم دلی ارادے سے کھاتے ہو ان پر تمہارا مؤاخذہ کرے گا''۔

﴿فَكَفَّارَتُهٗۤ﴾ ''تو اس کا کفارہ'' یعنی ان قسموں کا کفارہ جو تم قصد اور ارادے سے کھاتے ہو ﴿اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ﴾ ''دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے'' اور یہ کھانا ﴿مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ﴾ ''اوسط درجے کا کھانا جو تم کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو'' ﴿اَوْ كِسْوَتُهُمْ﴾ ''یا ان دس مسکینوں کو لباس پہنانا ہے'' اور یہاں لباس سے مراد کم از کم اتنا لباس ہے جس سے نماز ہو جاتی ہے ﴿اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ﴾ ''یا ایک گردن آزاد کرنی ہے'' یعنی مومن غلام جیسا کہ بعض دیگر مقام پر اسے ایمان کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔

جب ان مذکورہ تینوں صورتوں میں سے کسی ایک پر عمل کرلے تو اس کی قسم کا کفارہ ادا ہو جائے گا ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ ''اور جس کو یہ میسر نہ ہو'' یعنی جب کوئی ان تینوں صورتوں میں سے کسی پر بھی عمل کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو ﴿فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ﴾ ''تو تین دن کے روزے رکھنے ہیں'' ﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی یہ مذکورہ صورت ﴿كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ﴾ ''تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھالو'' یہ ان کو مٹا دیتا ہے اور گناہ کو ختم کر دیتا ہے۔

﴿وَاحْفَظُوْۤا اَيْمَانَكُمْ﴾ ''اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو'' اللہ تعالیٰ کے نام پر جھوٹے اور کثرت سے حلف اٹھانے سے اپنی قسموں کی حفاظت کرو اور جب تم حلف اٹھا ہی لو پھر ٹوٹنے سے اس کو بچاؤ۔ سوائے اس کے کہ قسم توڑنے میں کوئی بھلائی ہو۔ پس قسم کی کامل حفاظت یہ ہے کہ انسان بھلائی پر عمل کرے اور اس کی قسم بھلائی کے راستے میں رکاوٹ نہ بنے۔ ﴿كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ﴾ ''اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنی آیات'' جو حلال و حرام کو بیان کرنے والی اور احکام کو واضح کرنے والی ہیں ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ ''شاید تم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بنو'' کہ اس نے تمہیں وہ کچھ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے۔ پس بندۂ مومن پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے کہ اس نے احکام شریعت کی معرفت اور ان کی توضیحات سے نوازا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یقیناً شراب اور جوا اور بت اور فال نکالنے کے تیر ناپاک ہیں

مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٩٠﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ

عمل سے ہیں شیطان کے' پس بچو تم اس سے تاکہ تم فلاح پاؤ ○ یقیناً چاہتا ہے شیطان کہ

يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِى الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب اور جوئے کے ذریعے سے' اور روک دے تمہیں اللہ کے ذکر سے

وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿٩١﴾

اور نماز سے' پس کیا تم باز آتے ہو (ان شیطانی کاموں سے)؟ ○

اللہ تبارک وتعالیٰ ان مذکورہ قبیح اشیا کی مذمت کرتے ہوئے آگاہ فرماتا ہے کہ یہ شیطانی اور گندے کام ہیں۔ ﴿فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ "پس بچو ان سے" یعنی ان گندے کاموں کو چھوڑ دو ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ "تاکہ تم فلاح پاؤ" کیونکہ فلاح اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان چیزوں سے اجتناب نہ کیا جائے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ خاص طور پر مذکورہ فواحش:

(الف) خمر: ہر وہ چیز خمر ہے جو عقل کو ڈھانپ لے یعنی عقل پر نشے کا پردہ ڈال دے۔

(ب) جوا: وہ تمام مقابلے جن میں جانبین کی طرف سے جیتنے والے کے لئے عوض مقرر کیا گیا ہو' مثلاً گھوڑ دوڑ وغیرہ کی شرط۔

(ج) انصاب: اس سے مراد وہ بت وغیرہ ہیں جن کو نصب کر دیا جاتا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کی جاتی ہے۔

(د) پانسے: جن کے ذریعے سے لوگ اپنی قسمت کا حال معلوم کرتے ہیں۔

یہ وہ چار چیزیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اور ان کے ارتکاب پر زجر و توبیخ کی ہے اور ان کے ان مفاسد سے آگاہ فرمایا جو ان کو ترک کرنے اور ان سے اجتناب کے داعی ہیں۔

(۱) یہ تمام امور (رجس) یعنی ناپاک ہیں۔ اگرچہ حسی طور پر یہ ناپاک نہیں مگر معنوی طور پر ناپاک ہیں اور ناپاک امور سے بچنا اور ان کی گندگی میں ملوث ہونے سے اجتناب کرنا ہی مناسب ہے۔

(۲) یہ تمام امور شیطانی اعمال ہیں اور شیطان انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ دشمن سے ہمیشہ دور رہا جاتا ہے اور اس کی گھاتوں اور سازشوں سے بچا جاتا ہے خاص طور پر ان اعمال سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے جن میں دشمن ملوث کر کے ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور سب

سے بڑی احتیاط یہ ہے کہ اپنے کھلے دشمن کے اعمال سے دور رہ کر اس سے بچنا چاہئے اور ان اعمال میں پڑنے سے ڈرنا چاہئے۔

(۳) مذکورہ امور سے اجتناب کئے بغیر بندے کی فلاح ممکن نہیں۔ فلاح، امر مطلوب کے حصول میں کامیابی اور امر مرہوب سے نجات کا نام ہے اور یہ تمام امور فلاح سے مانع اور اس کے لئے رکاوٹ ہیں۔

(۴) مذکورہ اعمال لوگوں کے درمیان بغض اور عداوت کے موجب ہیں۔ شیطان ان اعمال کو لوگوں کے درمیان پھیلانے کا بڑا حریص ہے' خاص طور پر شراب اور جوا۔ تا کہ وہ اہل ایمان کے درمیان بغض اور عداوت کا بیج بو سکے۔ کیونکہ شراب پینا' عقل میں فتور آنے کا' ہوش و حواس کے چلے جانے کا اور مومن بھائیوں کے درمیان بغض اور عداوت پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے خاص طور پر جبکہ اس کے ساتھ وہ اسباب بھی موجود ہوں جو شراب پینے والے کے لوازم میں شمار ہوتے ہیں۔ تب یہ شراب نوشی بسا اوقات قتل کے اقدام تک پہنچا دیتی ہے۔ جوئے میں ایک شخص کو دوسرے شخص پر جو جیت حاصل ہوتی ہے اور وہ بغیر کسی مقابلہ کے بہت سا مال حاصل کر لیتا ہے تو یہ چیز بغض و عداوت کا سب سے بڑا سبب ہے۔

(۵) مذکورہ اعمال قلب کو ذکر الٰہی سے روکتے ہیں اور بدن کو ذکر اور نماز سے دور کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہی وہ دو چیزیں ہیں جن کے لئے بندے کو تخلیق کیا گیا ہے اور انہی دو امور میں بندے کی سعادت ہے۔

شراب اور جوا تو ذکر الٰہی اور نماز کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ قلب مشغول ہو جاتا ہے اور ذہن شراب اور جوئے میں مشغول ہو کر غافل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ طویل مدت اس پر گزر جاتی ہے اور انسان کو ہوش تک نہیں رہتا کہ وہ کہاں ہے۔ پس کون سا گناہ اس گناہ سے بڑھ کر قبیح ہے جو انسان کو ناپاک کر کے ناپاک لوگوں میں شامل کر دے اور وہ اسے شیطان کے اعمال اور اس کے مکر و فریب کے جال میں پھنسا دے اور وہ شیطان کا اس طرح مطیع ہو جائے جس طرح مویشی چرواہے کے مطیع ہوتے ہیں۔ شیطان بندے اور اس کی فلاح کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اہل ایمان کے درمیان بغض اور عداوت کا بیج بوتا ہے اور انہیں ذکر الٰہی اور نماز سے روکتا ہے۔ (کیا یہ مفاسد جو مذکور ہوئے' کم ہیں؟) اور کیا ان مفاسد سے بڑھ کر بھی کوئی چیز ہے جو ان سے بڑی ہو؟

بنا بریں اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم کو ان چیزوں سے روکتے ہوئے فرمایا ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ ''کیا تم باز آتے ہو؟'' کیونکہ ایک عقل مند شخص جب ان مفاسد میں سے کسی ایک پر نظر ڈالتا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور اپنے آپ کو ان برائیوں کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے۔ اسے کسی لمبے چوڑے وعظ اور بہت زیادہ زجر و توبیخ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا

اور اطاعت کرو تم اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی' اور ڈرو تم' پس اگر پھر جاؤ تم' تو جان لو کہ

اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۹۲﴾

ہمارے رسول پر تو صرف پہنچا دینا ہے کھول کر ○

اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ایک ہی چیز کا نام ہے جو کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے اور جو کوئی رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ اطاعت اس بات کو متضمن ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ یعنی ظاہری و باطنی اعمال و اقوال' حقوق اللہ اور حقوق مخلوق سے متعلق واجب اور مستحب اعمال بجالائے جائیں۔ اور اس امر کو متضمن ہے کہ ان امور سے اجتناب کیا جائے جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم ایک عام حکم ہے جو تمام احکام کو شامل ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اس میں تمام اوامر و نواہی اور ظاہر و باطن شامل ہیں۔ فرمایا: ﴿وَاحْذَرُوْا﴾ ''اور ڈرتے رہو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے بچو' کیونکہ یہ نافرمانی شر اور واضح خسارے کی موجب ہے ﴿فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ﴾ ''پس اگر تم اعراض کرو'' یعنی جس چیز کا تمہیں حکم دیا گیا اور جس چیز سے تمہیں روکا گیا ہے اگر تم اس کی تعمیل کرنے سے گریز کرو ﴿فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ﴾ ''تو جان لو کہ ہمارے رسول (ﷺ) کے ذمہ تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے'' اور اس نے یہ فریضہ ادا کر دیا ہے۔ اگر تم راہ راست اختیار کرتے ہو تو اس کا فائدہ تمہارے لئے ہے اور اگر تم برائیوں کا ارتکاب کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہارا محاسبہ کرے گا۔ ہمارے رسول ﷺ کے ذمہ جو کچھ تھا وہ انہوں نے پہنچا دیا۔

لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا

نہیں ہے اوپر ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور عمل کیے نیک' کوئی گناہ اس چیز میں جو کھا چکے وہ' جب ڈر جائیں وہ

وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰہُ

اور ایمان لے آئیں اور عمل کریں نیک پھر تقویٰ اختیار کریں وہ اور ایمان لائیں' پھر تقویٰ اختیار کریں وہ اور نیکی کریں' اور اللہ

یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۳﴾ ع

محبت کرتا ہے نیکی کرنے والوں سے ○

جب شراب کی تحریم' ممانعت کی تاکید اور اس کی بابت سخت حکم نازل ہوا' تو بہت سے اہل ایمان کی خواہش تھی کہ انہیں اپنے ان مومن بھائیوں کے بارے میں معلوم ہو جو حالت اسلام میں فوت ہوئے اور شراب کی تحریم سے

قبل وہ شراب پیا کرتے تھے' چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ﴾ ''جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں۔'' یعنی ان پر گناہ اور حرج نہیں ہے ﴿فِيْمَا طَعِمُوْٓا﴾ ''اس میں جو کچھ پہلے کھا چکے'' یعنی شراب اور جوئے کی تحریم سے قبل وہ شراب پیا کرتے تھے۔ چونکہ نفی حرج مذکورہ اشیا وغیرہ کو شامل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کے ذریعے سے اس کو مقید فرمایا ﴿اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''جب کہ وہ آئندہ کو ڈر گئے اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے'' یعنی اس شرط کے ساتھ کہ وہ گناہوں کو ترک کریں اللہ تعالیٰ پر ایسا صحیح ایمان رکھیں جو عمل صالح کا موجب ہوتا ہے۔ پھر اس پر ہمیشہ قائم رہیں۔۔۔۔ ورنہ بندہ کبھی اس صفت سے متصف ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ یہ ایمان اس وقت تک کافی نہیں جب تک کہ اس پر دوام نہ ہو اور اسی حالت میں اس کو موت نہ آئے۔ نیز نیک اعمال پر اس کا دوام ہو' کیونکہ اللہ تعالیٰ اچھے طریقے سے اپنے خالق کی عبادت کرنے والے نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے اور وہ بندوں کو نفع پہنچانے کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں وہ شخص بھی شامل ہے جو تحریم کے نازل ہونے کے بعد کوئی حرام کردہ چیز کھاتا ہے یا کسی حرام فعل کا ارتکاب کرتا ہے' پھر اپنے گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے توبہ کر لیتا' تقویٰ اختیار کر لیتا ہے اور نیک کام کرتا ہے' تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اور اس بارے میں اس کے گناہ کا بوجھ ہٹا دے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗٓ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو البتہ ضرور آزمائے گا تمہیں اللہ کچھ شکار سے کہ پہنچ سکتے ہیں اس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے

لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾

تاکہ معلوم کرلے اللہ کہ کون ڈرتا ہے اس سے بن دیکھے؟ پس جو حد سے گزرے بعد اسکے' سو اس کیلئے عذاب ہے بہت دردناک ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۭ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو نہ مارو تم شکار کو جب کہ تم احرام میں ہو اور جو کوئی مارے گا تم میں سے اس کو جان بوجھ کر

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًاۢ بٰلِغَ

تو بدلہ ہے (اس پر) مثل اسکے جو مارا اس نے' چوپاؤں سے' فیصلہ کریں گے اسکا دو انصاف والے تم میں سے' بطور قربانی کے پہنچنے والی

الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۭ

کعبہ میں' یا کفارہ ہے کھانا کھلانا کچھ مسکینوں کو' یا برابر اس کے روزے رکھنے ہیں تاکہ چکھے وہ سزا اپنے کام کی۔

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۭ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

معاف کیا اللہ نے اس سے جو گزر چکا' اور جو کوئی پھر کرے' تو انتقام لے گا اللہ اس سے' اور اللہ غالب ہے انتقام لینے والا ○

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۚ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ

حلال کیا گیا ہے تمہارے لیے شکار سمندر کا اور کھانا اس کا فائدے کے لیے تمہارے اور مسافروں کے اور حرام کیا گیا ہے تم پر

صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٩٦﴾

شکار خشکی کا جب تک ہو تم احرام میں اور ڈرو تم اللہ سے وہ جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ○

اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ فضل و احسان ہے کہ اس نے ان کو خبر دی ہے کہ وہ قضا و قدر کے اعتبار سے یہ فعل سرانجام دے گا' تاکہ وہ اس کی اطاعت کریں اور بصیرت کے ساتھ آگے آئیں اور جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ فرمایا: ﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ﴾ ''اے ایمان والو!'' ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کا امتحان لے ﴿ لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ ﴾ ''البتہ ضرور آزمائے گا تم کو اللہ ایک بات سے ایک شکار میں'' یعنی کسی زیادہ بڑی چیز کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں آزمائے گا بلکہ اپنے لطف و کرم کی بنا پر تخفیف کرتے ہوئے بہت معمولی سی چیز کے ذریعے سے تمہارا امتحان لے گا۔ یہ شکار ہے جس کے ذریعے سے اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں آزمائے گا ﴿ تَنَالُهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ ﴾ ''جس پر پہنچتے ہیں تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے'' یعنی تم اس کے شکار پر متمکن ہوتے ہو تاکہ اس طرح آزمائش مکمل ہو جائے۔ اگر ہاتھ یا نیزے کے ذریعے سے شکار قدرت و اختیار میں نہ ہو تو آزمائش کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آزمائش کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لِيَعْلَمَ اللَّهُ ﴾ ''تاکہ جان لے اللہ'' یعنی ایسا جاننا جو مخلوق پر ظاہر ہو اور اس پر ثواب و عذاب مترتب ہوتا ہو ﴿ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ ﴾ ''کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے'' پس جس چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے روکا ہے' اس پر قدرت و اختیار ہونے کے باوجود وہ اس سے رک جاتا ہے' تو وہ اسے بہت زیادہ اجر عطا فرماتا ہے' اس کے برعکس وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے غائبانہ طور پر ڈرتا ہے نہ اس کی نافرمانی سے باز آتا ہے' اس کے سامنے شکار آجاتا ہے' اگر اس پر قابو پا سکتا ہے تو اس کو شکار کر لیتا ہے۔۔۔

﴿ فَمَنِ اعْتَدَىٰ ﴾ ''تو جو زیادتی کرے'' یعنی تم میں سے جو کوئی حد سے تجاوز کرے گا ﴿ بَعْدَ ذَٰلِكَ ﴾ ''اس کے بعد'' یعنی اس بیان کے بعد جس نے ہر قسم کی حجت کو باطل کر کے راستے کو واضح کر دیا ہے ﴿ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ ''پس اس کے لئے انتہائی دردناک عذاب ہے'' جس کا وصف اللہ کے سوا کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حد سے تجاوز کرنے والے اس شخص کے لئے کوئی عذر نہیں۔ اعتبار اس شخص کا ہے جو لوگوں کی عدم موجودگی میں غائبانہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ رہا لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے خوف کا اظہار کرنا تو یہ کبھی کبھی لوگوں کے خوف کی وجہ سے بھی ہوتا ہے تب اس پر کوئی ثواب نہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حالت احرام میں شکار کرنے سے منع کر کے شکار کرنے کو حرام قرار دے دیا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ﴾ ''اے ایمان والو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا۔'' یعنی جب تم نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا ہوا ہو۔ شکار مارنے کی ممانعت' شکار مارنے کے مقدمات کی ممانعت کو بھی شامل ہے۔ جیسے شکار مارنے میں اشتراک' شکار کی نشاندہی کرنا اور شکار کرنے میں اعانت کرنا' احرام کی حالت میں سب ممنوع ہے۔ حتیٰ کہ محرم کو وہ شکار کھانا بھی ممنوع ہے جو اس کی خاطر شکار کیا گیا ہو۔ یہ سب کچھ اس عظیم عبادت کی تعظیم کے لئے ہے۔ جس کی خاطر محرم کے لئے اس شکار کو مارنا حرام کیا گیا ہے جو احرام باندھنے سے پہلے تک اس کے لئے حلال تھا۔ ﴿ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا ﴾ ''اور جو تم میں سے جان بوجھ کر اسے مارے۔'' یعنی اس نے جان بوجھ کر شکار مارا ﴿ فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ ﴾ ''تو اس پر بدلہ ہے اس مارے ہوئے کے برابر مویشی میں سے'' یعنی اس پر لازم ہے کہ اونٹ' گائے اور بکری کا فدیہ دے۔ شکار کے بارے میں دیکھا جائے گا کہ وہ کس سے مشابہت رکھتا ہے تو اس جیسا مویشی ذبح کر کے صدقہ کیا جائے گا اور مماثلت کی تعیین میں کس کا فیصلہ معتبر ہو گا؟ ﴿ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ ﴾ ''تم میں سے دو عادل شخص اس کا فیصلہ کریں گے'' یعنی دو عادل اشخاص جو فیصلہ کرنا جانتے ہوں اور وجہ مشابہت کی بھی معرفت رکھتے ہوں جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا۔ انہوں نے کبوتر کا شکار کرنے پر بکری' شتر مرغ کا شکار کرنے پر اونٹنی اور نیل گائے کی تمام اقسام پر گائے ذبح کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اسی طرح تمام جنگلی جانور جو مویشیوں میں کسی کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں' تو فدیہ کے لئے وہی اس کے مماثل ہیں۔ اگر کوئی مشابہت نہ ہو تو اس میں قیمت ہے۔ جیسا کہ تلف شدہ چیزوں میں قاعدہ ہے۔

یہ بھی لازم ہے کہ یہ ہدی بیت اللہ پہنچے ﴿ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ ﴾ ''وہ جانور بطور قربانی پہنچایا جائے کعبے تک'' یعنی اس کو حرم کے اندر ذبح کیا جائے ﴿ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ ﴾ ''یا اس جزا کا کفارہ چند مساکین کو کھانا کھلانا ہے'' یعنی مویشیوں میں سے مماثل کے مقابلے میں مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ بہت سے علماء کہتے ہیں کہ جزا یوں پوری ہو گی کہ مماثل مویشی کی قیمت کے برابر غلہ وغیرہ خریدا جائے اور ہر مسکین کو ایک مد گیہوں' یا گیہوں کے علاوہ کسی دوسری جنس میں سے نصف صاع دیا جائے ﴿ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ ﴾ ''یا اس کھانے کے بدل میں'' ﴿ صِيَامًا ﴾ ''روزے رکھے۔'' یعنی ایک مسکین کو کھانا کھلانے کے بدلے میں ایک روزہ رکھے ﴿ لِّيَذُوْقَ ﴾ ''تاکہ چکھے وہ'' اس مذکورہ جزا کے وجوب کے ذریعے سے ﴿ وَبَالَ اَمْرِهٖ ﴾ ''سزا اپنے کام کی'' ﴿ وَمَنْ عَادَ ﴾ ''اور پھر جو کرے گا'' یعنی اس کے بعد ﴿ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴾ ''تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا اور اللہ تعالیٰ غالب اور انتقام لینے والا ہے۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے جان بوجھ کر شکار مارنے پر اس کی سزا کی صراحت کی ہے باوجود اس بات کے کہ بدلہ تو ہر غلطی کا ضروری ہوتا ہے' چاہے اس کا مرتکب جان بوجھ کر کرے یا غلطی سے' جیسا کہ شرعی قاعدہ ہے کہ جان اور مال کو تلف کرنے والے پر ضمان لازم ہے خواہ کسی بھی حال میں اس سے یہ اتلاف صادر ہوا ہو۔ جبکہ یہ اتلاف ناحق ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر بدلہ اور انتقام مرتب کیا ہے اور یہ سب جان بوجھ کر کرنے والے کے لئے ہے' لیکن غلطی سے کرنے والے کے لئے سزا نہیں ہے' صرف بدلہ ہے۔ یہی جمہور علماء کی رائے ہے' مگر صحیح وہی ہے جس کی آیت کریمہ نے تصریح کی ہے کہ جس طرح بغیر جانے بوجھے اور بغیر ارادے کے شکار مارنے والے پر کوئی گناہ نہیں اسی طرح اس پر جزا بھی لازم نہیں ہے۔

چونکہ شکار کا اطلاق بری اور بحری دونوں قسم کے شکار پر ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے سمندری شکار کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ ﴾ ''احرام کی حالت میں تمہارے لئے سمندر کا شکار کرنا اور اس کا کھانا حلال ہے'' اور ''سمندر کے شکار'' سے مراد سمندر کے زندہ جانور ہیں اور (طعام) ''اس کے کھانے'' سے مراد سمندر میں مرنے والے سمندری جانور ہیں۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ مرے ہوئے بحری جانور بھی حلال ہیں۔ ﴿ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ﴾ ''تمہارے فائدے کے لئے اور مسافروں کے لئے'' یعنی اس کی اباحت میں تمہارے لئے فائدہ ہے تاکہ تم اور تمہارے وہ ساتھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں جو تمہارے ساتھ سفر کرتے ہیں ﴿ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ﴾ ''اور جب تک تم احرام کی حالت میں ہو' تم پر خشکی (جنگل) کا شکار حرام ہے''۔ یہاں لفظ ''شکار'' سے یہ مسئلہ اخذ کیا جاتا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ شکار کیا ہوا جانور جنگلی ہو' کیونکہ پالتو اور گھریلو جانور پر شکار کا اطلاق نہیں ہوتا۔ نیز یہ ایسا جانور ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہو کیونکہ جس جانور کا گوشت کھایا نہ جاتا ہو اس کو شکار نہیں کیا جاتا اور نہ اس پر ''شکار'' کا اطلاق ہی کیا جاتا ہے۔

﴿ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴾ ''اور اس اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے اس پر عمل کر کے اور جس چیز سے روکا ہے اس کو ترک کر کے تقویٰ اختیار کرو اور اپنے اس علم سے حصول تقویٰ میں مدد لو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے پاس اکٹھا کیا جائے گا اور وہ تمہیں اس بات کی جزا دے گا کہ آیا تم نے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کیا تھا۔ تب وہ تمہیں بہت زیادہ ثواب سے نوازے گا یا اگر تقویٰ کو اختیار نہیں کیا تب اس صورت میں وہ تمہیں سخت سزا دے گا۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ

بنایا ہے اللہ نے کعبے کو' جو گھر ہے حرمت والا' قیام کا سبب لوگوں کے لیے اور حرمت والے مہینوں کو' اور حرم والی قربانی کو

وَ الْقَلَآىِٕدَ ؕ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ

اور پٹوں (والے جانوروں) کو یہ اس لیے تاکہ تم جان لو کہ یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ

اور بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○ جان لو! بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا

رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾

نہایت مہربان ہے ○ نہیں ہے رسول پر مگر پہنچا دینا' اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو ○

اللہ تبارک وتعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ ﴿جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ﴾ "اس نے کعبہ یعنی محترم گھر کو لوگوں کے لئے قیام کا باعث بنایا" یعنی اس کی تعظیم کے قیام کے ساتھ ان کا دین اور دنیا قائم ہیں۔ کعبہ کے ساتھ ان کے اسلام کی تکمیل ہوتی ہے۔ ان کے بوجھ ہلکے ہوتے ہیں۔ اس گھر کا قصد کرنے سے بہت زیادہ نوازشیں اور بہت زیادہ احسانات حاصل ہوتے ہیں۔ اسی کعبہ کے سبب سے اموال خرچ کئے جاتے ہیں اور اسی کی خاطر بڑے بڑے اہوال میں گھسا جاتا ہے۔ اس محترم گھر میں دور دور سے مختلف رنگ ونسل کے مسلمان اکٹھے ہوتے ہیں' ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے مدد لیتے ہیں' مصالح عامہ میں ایک دوسرے سے مشورہ کرتے ہیں' ان کے درمیان ان کے دینی اور دنیاوی مفادات کے ضمن میں روابط استوار ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْۤ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ﴾ (الحج: ٢٨/٢٢) "تاکہ وہ اپنے فائدے کے کاموں میں حاضر ہوں اور قربانی کے چند معلوم دنوں میں ان مویشیوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ تعالیٰ نے عطا کئے ہیں"۔

اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس محترم گھر کو لوگوں کے لئے اجتماعی زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ ہر سال بیت اللہ کا حج کرنا فرض کفایہ ہے۔ اگر تمام لوگ حج چھوڑ دیں تو تمام وہ لوگ گناہ گار ٹھہریں گے جو حج کرنے کی قدرت رکھتے ہیں بلکہ اگر تمام لوگ حج چھوڑ دیں تو ان کی اجتماعی زندگی کا سہارا ختم ہو جائے گا اور قیامت قائم ہو جائے گی۔

﴿وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآىِٕدَ﴾ "اور قربانی کو اور ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے بندھے ہوں" یعنی اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قربانی کے جانوروں اور پٹے والے جانوروں کو جو کہ قربانی کی بہترین قسم ہے' لوگوں کے گزارے کا ذریعہ بنایا۔ لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ثواب حاصل کرتے ہیں۔ ﴿ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ﴾ "یہ اس لئے تاکہ تم جان لو کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ کہ آسمان وزمین میں ہے اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے" پس یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم ہی ہے کہ

اس نے تمہارے لئے یہ محترم گھر بنایا کیونکہ وہ تمہارے دینی اور دنیاوی مصالح کا علم رکھتا ہے۔

﴿ اِعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے'' یعنی ان دونوں امور کے بارے میں جزم ویقین کے ساتھ تمہارے دلوں میں علم موجود ہے۔ یہ حقیقت ہمیشہ تمہیں معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والوں کو دنیا میں اور آخرت میں سخت عذاب دینے والا ہے اور وہ ان لوگوں کو بخش دینے والا اور ان پر بہت رحم کرنے والا ہے جو توبہ کر کے اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ پس اس کے عذاب کا خوف اور اس کی بخشش اور ثواب کی امید اس علم کے ثمرات ہیں اور تم خوف اور امید کے تقاضوں کے مطابق عمل کرتے ہو' پھر اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ ﴾ ''رسول کے ذمے صرف پہنچا دینا ہے'' اور آپ ﷺ کو جیسے حکم دیا گیا' آپ نے پہنچا دیا۔ آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی اور اس کے سوا دیگر معاملات میں آپ کو کوئی اختیار نہیں ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴾ ''اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے اور جو تم چھپاتے ہو'' اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اپنے علم کے مطابق جزا دے گا۔

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

کہہ دیجئے! نہیں برابر ہو سکتے ناپاک اور پاک اگرچہ تعجب میں ڈالے آپ کو کثرت ناپاک کی' پس ڈرو تم اللہ سے

يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾ ع

اے عقل والو! تاکہ تم فلاح پاؤ 〇

﴿ قُلْ ﴾ ''کہہ دیجئے'' یعنی لوگوں کو شر سے ڈراتے ہوئے اور ان کو بھلائی کی ترغیب دیتے ہوئے کہہ دیجئے ﴿ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ ﴾ ''ناپاک چیزیں اور پاک چیزیں برابر نہیں ہوتیں۔'' یعنی ہر چیز میں اچھے اور برے برابر نہیں ہو سکتے۔ ایمان اور کفر' اطاعت اور معصیت' اہل جنت اور اہل جہنم' اعمال خبیثہ اور اعمال صالحہ برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح حرام مال اور حلال مال کے درمیان کوئی مساوات نہیں۔ ﴿ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ﴾ ''اگرچہ ناپاک کی کثرت آپ کو بھلی لگے'' کیونکہ ناپاک چیز کی کثرت اپنے مالک کو کوئی فائدہ نہیں دیتی بلکہ دین و دنیا میں اسے نقصان دیتی ہے ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ ''پس اے عقل مندو! اللہ سے ڈرو' تاکہ تم فلاح پاؤ'' پس اللہ تعالیٰ نے عقل مندوں' یعنی پوری عقل اور کامل رائے کے حامل لوگوں کو حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خطاب کا رخ انہی لوگوں کی طرف ہے۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی پروا کی جاتی ہے اور انہی میں خیر کی امید ہوتی ہے اور ان کو آگاہ فرمایا ہے کہ فلاح تقویٰ پر موقوف ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی میں اس کی موافقت کا نام ہے۔ پس جس نے تقویٰ اختیار کیا اس نے پوری فلاح پالی۔ جس نے تقویٰ کو ترک کر دیا' اس کے نصیب میں خسارہ آیا اور نفع سے محروم رہ گیا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ سوال کرو ایسی چیزوں کی بابت کہ اگر ظاہر کر دی جائیں وہ تمہارے لیے تو ناگوار گزریں تمہیں اور اگر پوچھو گے تم

عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ؕ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

انکی بابت جب کہ اتارا جا رہا ہے قرآن تو ظاہر کر دی جائیں گی وہ تم پر، درگزر کیا اللہ نے ان سے اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت بردبار ہے ○

قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

تحقیق پوچھا تھا ان کی بابت ایک قوم نے تم سے پہلے، پھر ہو گئے وہ ان کے ساتھ کفر کرنے والے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے منع کرتا ہے جن کو اگر ان کے سامنے بیان کر دیا جائے تو ان کو بری لگیں گی اور ان کو غمزدہ کر دیں گی مثلاً بعض مسلمانوں نے اپنے آباء و اجداد کے بارے میں سوال کیا تھا کہ آیا وہ جنت میں ہیں یا جہنم میں۔ اگر اس قسم کے سوال پر سائل کو واضح جواب دیا جائے تو بسا اوقات اس میں بھلائی نہیں ہوتی مثلاً غیر واقع امور کے بارے میں ان کا سوال کرنا، یا ایسا سوال کرنا جس کی بنا پر کوئی شرعی شدت مترتب ہو اور بسا اوقات اس سوال کی وجہ سے امت حرج میں مبتلا ہو جاتی ہے یا کوئی اور لایعنی سوال کرنا۔ یہ سوالات اور اس قسم کے دیگر سوالات ممنوع ہیں۔ رہا وہ سوال جس کے ساتھ مذکورہ بالا چیزوں کا تعلق نہ ہو، تو وہ مامور بہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل: ١٦/٤٣) ''اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے''۔

﴿وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ﴾ ''اور اگر پوچھو گے یہ باتیں، ایسے وقت میں کہ قرآن نازل ہو رہا ہے، تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی'' یعنی جب تمہارا سوال اس کے محل نزول سے موافقت کرے اور تم اس وقت سوال کرو جب تم پر قرآن نازل کیا جا رہا ہو اور تم کسی آیت میں اشکال کے بارے میں سوال کرو یا کسی ایسے حکم کے بارے میں سوال کرو جو تم پر مخفی رہ گیا ہو اور یہ سوال کسی ایسے وقت پر ہو جب آسمان سے وحی کے نزول کا امکان ہو تو تم پر ظاہر کر دیا جائے گا۔ یعنی اس کو تمہارے سامنے واضح کر دیا جائے گا ورنہ جس چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ خاموش ہے تم بھی خاموش رہو۔ ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا﴾ ''اللہ نے ایسی باتوں (کے پوچھنے) سے درگزر فرمایا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو معاف کرتے ہوئے سکوت سے کام لیا۔ پس ہر وہ معاملہ جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سکوت اختیار کیا ہو وہ معاف ہے اور مباحات کے زمرے میں آتا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ﴾ ''اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔'' یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیشہ سے مغفرت کی صفت سے موصوف، حلم اور احسان میں معروف ہے۔ پس اس سے اس کی مغفرت اور احسان کا سوال کرو اور اس سے اس کی رحمت اور رضا طلب کرو۔

یہ سوالات جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے ﴿قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ﴾ ''تحقیق پوچھ چکی ہے یہ باتیں ایک

جماعت تم سے پہلے'' یعنی اس جنس کے اور اسی قسم کے سوالات تھے۔ ان کا سوال طلب رشد کے لئے نہ تھا بلکہ تلبیس کی خاطر تھا۔ جب ان کے سوال کا جواب واضح ہو کر ان کے سامنے آ گیا ﴿ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴾ ''تو وہ ان کے ساتھ کفر کرنے والے ہو گئے'' جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحیح حدیث میں فرمایا ''جب میں تمہیں کسی چیز سے روک دوں تو اس سے اجتناب کرو اور جب کسی کام کے کرنے کا حکم دوں تو اپنی استطاعت کے مطابق اس حکم کی تعمیل کرو کیونکہ تم سے پہلے قومیں کثرت سوال اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی بنا پر ہلاک ہوئیں'' ①

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ

نہیں مقرر کیا اللہ نے کوئی بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام، لیکن وہ لوگ

كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ

جنہوں نے کفر کیا، باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور اکثر ان کے نہیں عقل رکھتے ○ اور جب کہا جاتا ہے

لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

ان سے آؤ تم اس چیز کی طرف، جو نازل کی اللہ نے اور (آؤ) رسول کی طرف تو کہتے ہیں کافی ہے ہمیں وہ کہ پایا ہم نے اس پر

اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اپنے آباؤاجداد کو، کیا اگرچہ ہوں آباؤاجداد ان کے نہ جانتے ہوں کچھ، اور نہ ہوں وہ ہدایت یافتہ ○

یہ مشرکین کی مذمت ہے جنہوں نے دین میں ایسی چیزیں گھڑ لی تھیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا تھا اور وہ چیزیں حرام قرار دے لی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی فاسد آراء کی بنا پر اپنی ان اصطلاحات کے مطابق کچھ مویشی حرام قرار دے دیئے جو کتاب اللہ کے مخالف تھیں۔ بنابریں فرمایا: ﴿ مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ ﴾ ''نہیں مقرر کیا اللہ نے بحیرہ'' (بَحِيْرَةٌ) اس اونٹنی کو کہا جاتا تھا جس کے کان پھاڑ دیا کرتے، اس پر سواری کرنے کو حرام کر لیتے اور اس کو مقدس خیال کرتے تھے۔ ﴿ وَّلَا سَآئِبَةٍ ﴾ ''اور نہ سائبہ'' اونٹنی گائے یا بکری جب سن رسیدہ ہو جاتی تو اسے سائبہ کہا جاتا تھا اور اسے آزاد چھوڑ دیتے تھے، اس پر سواری کی جاتی تھی نہ اس پر بوجھ لادا جاتا تھا۔ اور نہ اس کا گوشت کھایا جاتا تھا۔ بعض لوگ اپنے مال میں سے کچھ نذر مان کر اس کو ''سائبہ'' بنا کر چھوڑ دیتے تھے۔ ﴿ وَّلَا حَامٍ ﴾ ''اور نہ حام'' یعنی اونٹ جب ایک خاص حالت کو پہنچ جاتا جو ان کے ہاں معروف تھی تو اس اونٹ پر سواری کی جاتی تھی نہ اس پر سامان لادا جاتا تھا۔ ان تمام چیزوں کو مشرکین نے بغیر کسی دلیل اور برہان کے حرام قرار دے رکھا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ پر افترا اور بہتان تھا جو ان کی جہالت اور بے عقلی سے صادر ہوا تھا۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴾

① صحیح مسلم، الحج، حدیث: ۱۳۳۷

”لیکن کافر اللہ پر افترا باندھتے تھے اور ان کے اکثر عقل نہیں رکھتے تھے۔“ ان مذکورہ امور میں کوئی نقلی دلیل تھی نہ عقلی، بایں ہمہ انہیں اپنی آراء بہت پسند تھیں جو ظلم اور جہالت پر مبنی تھیں۔

جب انہیں دعوت دی جاتی ﴿اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ﴾ ”اس کی طرف جو اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف“ تو اس سے روگردانی کرتے اور اسے قبول نہ کرتے ﴿قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ ”اور کہتے کہ جس دین پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے وہ ہمارے لئے کافی ہے“ اگرچہ یہ دین نادرست ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ دین اللہ کے عذاب سے نجات نہ دلا سکتا ہو۔ پھر اگر ان کے آباؤ اجداد کافی ہوتے' ان میں معرفت اور درایت ہوتی تو معاملہ آسان ہوتا۔ مگر ان کے آباؤ اجداد میں تو کچھ بھی عقل نہ تھی۔ ان کے پاس کوئی معقول شے تھی' نہ علم و ہدایت کا کوئی حصہ۔ ہلاکت ہے اس کے لئے جو کسی ایسے شخص کی تقلید کرتا ہے جس کے پاس علم صحیح ہے نہ عقل راجح اور وہ اللہ کی نازل کردہ کتاب اور اس کے انبیاء و مرسلین کی اتباع کو چھوڑ دیتا ہے جو قلب کو علم و ایمان اور ہدایت و ایقان سے لبریز کرتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۚ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ ؕ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! لازم ہے تم پر فکر اپنی جانوں کی' نہیں نقصان پہنچا سکے گا تمہیں جو گمراہ ہو گا جب کہ تم خود ہدایت پر ہو

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اللہ ہی کی طرف واپسی ہے تمہاری سب کی' پھر وہ خبر دے گا تمہیں جو تھے تم عمل کرتے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ ”اے ایمان والو! تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا“ یعنی اپنے نفوس کی اصلاح' ان کو منزل کمال تک پہنچانے اور ان کو صراط مستقیم پر گامزن کرنے کی کوشش کرو' کیونکہ اگر تم نے اپنی اصلاح کر لی تو وہ شخص تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا جو راہ راست سے بھٹک گیا ہے اور دین قیم کے راستے کو اختیار نہیں کرتا۔ وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ چھوڑ دینے سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ کیونکہ خود بندے کی ہدایت بھی اس وقت تک تکمیل نہیں پاتی جب تک کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے اسے ادا نہیں کرتا۔ ہاں! اگر وہ اپنے ہاتھ اور زبان سے برائی کا انکار کرنے پر قادر نہیں تو اپنے دل میں اس برائی کو برا سمجھے۔ تب کسی دوسرے کی گمراہی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا﴾ ”تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“ یعنی قیامت کے دن تم سب اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹو گے اور اس کے سامنے اکٹھے ہو گے ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ ”وہ تم کو تمہارے سب کاموں سے آگاہ کرے گا۔“ یعنی اچھے اور برے جو عمل بھی کرتے رہے ہو' اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بارے میں آگاہ کرے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شہادت ہونی چاہیے تمہارے درمیان جب آ پہنچے کسی کو تم میں سے موت' وقت وصیت کے

اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ

دو عادل شخصوں کی تم میں سے' یا دو اور ہوں تم مسلمانوں کے سوا' اگر تم سفر کر رہے ہو زمین میں

فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ

پھر پہنچے تمہیں مصیبت موت کی' روک لو ان دونوں کو بعد نماز کے' پس قسمیں کھائیں وہ اللہ کی اگر

ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا

تم شک کرو (وہ کہیں) ہم نہیں لیتے اس (قسم) کے بدلے کوئی قیمت' اگرچہ ہو وہ رشتے دار اور نہیں چھپاتے ہم گواہی اللہ کی یقیناً ہم اس وقت

لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓى اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا

گناہ گاروں میں سے ہوں گے ○ پھر اگر اطلاع ہو جائے اس پر کہ وہ دونوں مرتکب ہوئے ہیں گناہ کے تو دو اور گواہ کھڑے ہوں انکی جگہ

مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا

ان لوگوں میں سے جن کی حق تلفی ہوئی ہے قریب تر (میت کے) پھر قسمیں کھائیں دونوں اللہ کی کہ ہماری شہادت زیادہ سچی ہے انکی شہادت سے

وَمَا اعْتَدَيْنَآ ڮ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ

اور نہیں زیادتی کی ہم نے بیشک ہم اس وقت ظالموں میں سے ہوں گے ○ یہ (طریقہ) قریب تر ہے اس کے کہ دیں وہ شہادت

عَلٰي وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

ٹھیک طریقے پر یا ڈریں اس سے کہ رد کر دی جائیں گی قسمیں (ان کی) بعد ان (ورثاء) کی قسموں کے اور ڈرو تم اللہ سے

وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

اور سنو اور اللہ نہیں ہدایت دیتا فاسق لوگوں کو ○

اللہ تبارک و تعالیٰ خبر دیتا ہے جو کہ اس حکم کو متضمن ہے کہ جب انسان کی موت کی علامات اور اس کے مقدمات سامنے آ جائیں تو اپنی وصیت پر دو گواہ بنا لے۔ اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنی وصیت کو تحریر کروائے اور اس پر دو عادل اور معتبر گواہوں کی گواہی ثبت کروائے۔ ﴿ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ ﴾ ''یا دوسرے دو گواہ تمہارے سوا'' یعنی مسلمانوں کے سوا کوئی اور یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ۔ یہ سخت ضرورت اور حاجت کے وقت ہے جب یہود و نصاریٰ کے سوا مسلمانوں میں سے گواہ موجود نہ ہوں ﴿ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''جب تم زمین میں سفر کر رہے ہو'' ﴿ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ﴾ ''اور پہنچے تمہیں مصیبت موت کی'' یعنی تم ان دونوں کو گواہ بنا لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو گواہ بنانے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ اس صورتحال میں ان کی گواہی مقبول ہے اور ان کے بارے

میں مزید تاکید فرمائی کہ ان کو روک لیا جائے ﴿ مِنۡۢ بَعۡدِ الصَّلٰوةِ ﴾ "نماز کے بعد" جس نماز کی یہ تعظیم کرتے ہیں ﴿ فَيُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ ﴾ "پس وہ اللہ کی قسم کھائیں" کہ انہوں نے سچ کہا ہے اور انہوں نے کوئی تغیر و تبدل نہیں کیا ﴿ اِنِ ارۡتَبۡتُمۡ ﴾ "اگر تمہیں (ان کی گواہی میں) شک ہو" اور اگر تم انہیں سچا سمجھتے ہو تو پھر ان سے قسم لینے کی ضرورت نہیں اور وہ قسم کھاتے وقت یہ الفاظ ادا کریں ﴿ لَا نَشۡتَرِيۡ بِهٖ ﴾ "نہیں حاصل کرتے ہم اس کے بدلے" یعنی اپنی قسموں کے بدلے ﴿ ثَمَنًا ﴾ "کوئی مال" یعنی دنیاوی فائدے کی خاطر ہم جھوٹی قسم نہیں کھائیں گے ﴿ وَّلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى ﴾ "اگرچہ ہم کو کسی سے قرابت بھی ہو" یعنی اس کے ساتھ اپنی قرابت داری کی وجہ سے اس سے کوئی رعایت نہیں کریں گے ﴿ وَلَا نَكۡتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ ﴾ "اور نہ ہم اللہ کی گواہی کو چھپائیں گے" بلکہ ہم اسی طرح شہادت کو ادا کریں گے جس طرح ہم نے سنی ہے ﴿ اِنَّاۤ اِذًا ﴾ "بے شک تب ہم" یعنی اگر ہم گواہی کو چھپائیں ﴿ لَّمِنَ الۡاٰثِمِيۡنَ ﴾ "تو یقیناً گناہ گاروں میں سے ہوں گے"۔

﴿ فَاِنۡ عُثِرَ عَلٰۤى اَنَّهُمَا ﴾ "پھر اگر خبر ہو جائے کہ یہ دونوں" یعنی دونوں گواہ ﴿ اسۡتَحَقَّاۤ اِثۡمًا ﴾ "حق بات دبا گئے ہیں" یعنی اگر ایسے قرائن پائے جائیں جو ان کے جھوٹ پر دلالت کرتے ہوں اور جن سے ظاہر ہوتا ہو کہ انہوں نے خیانت کی ہے تو جن لوگوں کا انہوں نے حق مارنا چاہا تھا ان میں سے ان کی جگہ دو اور گواہ کھڑے ہوں جو میت کے زیادہ قریبی ہوں۔ یعنی میت کے اولیاء میں سے دو آدمی کھڑے ہوں اور وہ دونوں میت کے سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار ہوں۔ ﴿ فَيُقۡسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَاۤ اَحَقُّ مِنۡ شَهَادَتِهِمَا ﴾ "پس وہ دونوں قسم کھائیں اللہ کی کہ ہماری گواہی زیادہ صحیح ہے پہلوں کی گواہی سے" یعنی انہوں نے جھوٹ بولا ہے اور وہ وصیت میں تغیر و تبدل کر کے خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں ﴿ وَمَا اعۡتَدَيۡنَاۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴾ "اور ہم نے زیادتی نہیں کی، نہیں تو بے شک ہم ظالموں میں سے ہوں گے" یعنی اگر ہم نے ظلم اور زیادتی کی اور ناحق گواہی دی۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس گواہی، اس کی تاکید اور دونوں گواہوں سے خیانت ظاہر ہونے پر گواہی کو میت کے اولیاء کی طرف لوٹانے کی حکمت بیان کی ہے۔ ﴿ ذٰلِكَ اَدۡنٰۤى ﴾ "اس طریق سے بہت قریب ہے۔" یعنی یہ اس بات کے زیادہ قریب ہے ﴿ اَنۡ يَّاۡتُوۡا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجۡهِهَاۤ ﴾ "کہ وہ ادا کریں گواہی کو ٹھیک طریقے پر" یعنی جب ان گواہوں کو مذکورہ تاکیدات کے ذریعے سے تاکید کی جائے گی ﴿ اَوۡ يَخَافُوۡۤا اَنۡ تُرَدَّ اَيۡمَانٌۢ بَعۡدَ اَيۡمَانِهِمۡ ﴾ "اس بات سے خوف کریں کہ ہماری قسمیں ان کی قسموں کے بعد رد کر دی جائیں گی۔" یعنی ان کو خوف ہو گا کہ ان کی قسمیں قبول نہیں کی جائیں گی اور ان قسموں کو میت کے اولیاء کی طرف لوٹا دیا جائے گا ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴾ "اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا" یعنی وہ لوگ جن کا وصف فسق ہے جو ہدایت چاہتے ہیں نہ راہ راست پر چلنے کا کوئی ارادہ رکھتے ہیں۔

ان آیات کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ سفر وغیرہ میں جب میت کی موت کا وقت آجائے اور وہ ایسی جگہ پر ہو جہاں گمان یہ ہو کہ معتبر گواہ بہت کم ہوں گے' تو میت کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ دو مسلمان عادل گواہوں کے سامنے وصیت کرے اور اگر صرف دو کافر گواہ مہیا ہو سکیں تو ان کے پاس بھی وصیت کرنا جائز ہے۔

اگر ان گواہوں کے کفر کی وجہ سے میت کے اولیاء ان کے بارے میں شک کریں تو نماز کے بعد ان سے حلف لیں کہ انہوں نے خیانت کا ارتکاب کیا ہے نہ جھوٹ بولا ہے اور نہ انہوں نے وصیت میں کوئی تغیر و تبدل کیا ہے۔ اس طرح وہ اس حق کی ذمہ داری سے بری ہو جائیں گے جو ان پر ڈال دی گئی تھی۔ اگر میت کے اولیا ان کی گواہی کو تسلیم نہ کریں اور وہ کوئی ایسا قرینہ پائیں جو گواہوں کے جھوٹ پر دلالت کرتا ہو۔ پس اگر میت کے اولیاء میں سے دو گواہ کھڑے ہو کر قسم کھائیں کہ ان کی گواہی پہلے گواہوں کی گواہی سے صحیح ہے اور یہ کہ پہلے گواہ خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں اور انہوں نے جھوٹ بولا ہے تو وہ ان پہلے گواہوں کے مقابلے میں اپنے دعوے میں مستحق قرار پائیں گے۔

یہ آیات کریمہ تمیم داری رضی اللہ عنہ اور عدی بن بداء کے قصہ میں نازل ہوئی ہیں جو بہت مشہور ہے اور قصہ یوں ہے کہ عدوی ① نے ان دونوں حضرات کے پاس وصیت کی تھی۔ واللہ اعلم ②۔ ان آیات کریمہ سے متعدد احکام پر استدلال کیا جاتا ہے۔

(۱) وصیت کرنا مشروع ہے جس کی موت کا وقت قریب آجائے تو اسے چاہئے کہ وصیت کرے۔

(۲) جب موت کے مقدمات و آثار نمودار ہو جائیں تو مرنے والے کی وصیت اس وقت تک معتبر ہے جب تک اس کے ہوش و حواس قائم ہیں۔

(۳) وصیت میں دو عادل گواہوں کی گواہی ضروری ہے۔

(۴) وصیت اور اس قسم کے دیگر مواقع پر' بوقت ضرورت کفار کی گواہی مقبول ہے۔ یہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ بہت سے اہل علم دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ مگر نسخ کے اس دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں۔

---

① مفسر موصوف کو سہو ہوا ہے۔ صحیح بخاری' ترمذی' ابن کثیر اور دیگر مفسرین کے نزدیک عدوی کی جگہ سہمی وارد ہوا ہے یعنی بنو سہم کا ایک آدمی۔

② یہ قصہ اصل میں اس طرح ہے کہ حضرت تمیم داری (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور عدی بن بداء' یہ دونوں نصرانی تھے اور تجارت کے لیے شام گئے ہوئے تھے۔ ایک مسلمان بدیل بن ابی مریم بھی وہاں گئے ہوئے تھے' وہاں بدیل سخت بیمار ہو گئے حتیٰ کہ زندگی سے مایوس ہو گئے۔ انہوں نے ان دونوں کو وصیت کی اور اپنا سامان بھی ان کے سپرد کر دیا کہ وہ اسے ان کے گھر پہنچا دیں۔ ان دونوں نے اس سامان میں سے چاندی کا ایک پیالہ نکال کر بیچ دیا اور اس کی رقم آپس میں بانٹ لی۔ بعد میں ورثاء کو اس کا علم ہوا' تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے حلف لیا۔ (صحیح بخاری' الوصایا' حدیث: ۲۷۸۰۔ ترمذی' التفسیر' حدیث: ۳۰۵۹) (ص-ی)

(۵) اس حکم کے اشارہ اور اس کے معنی سے مستفاد ہوتا ہے کہ مسلمان گواہوں کی عدم موجودگی میں وصیت کے علاوہ دیگر مسائل میں بھی کفار کی گواہی قابل قبول ہے۔ جیسا کہ یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

(۶) اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر خوف کی بات نہ ہو تو کفار کی معیت میں سفر جائز ہے۔

(۷) تجارت کے لئے سفر کرنا جائز ہے۔

(۸) اگر دونوں گواہوں کی گواہی کے بارے میں شک ہو مگر ایسا کوئی قرینہ موجود نہ ہو جو ان کی خیانت پر دلالت کرتا ہو اور وصیت کرنے والے کے اولیاء ان گواہوں سے قسم لینا چاہتے ہوں تو وہ انہیں نماز کے بعد روک لیں اور ان سے اس طریقے سے قسم لیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

(۹) اگر ان دونوں کی گواہی میں کوئی شک اور تہمت نہ ہو تو ان کو روکنے اور ان سے قسم لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔

(۱۰) یہ آیت کریمہ شہادت کے معاملے کی تعظیم پر دلالت کرتی ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شہادت کو اپنی طرف مضاف کیا ہے' نیز یہ کہ اس کو درخور اعتنا سمجھنا اور انصاف کے مطابق اس کو قائم کرنا واجب ہے۔

(۱۱) گواہوں کے بارے میں اگر شک ہو تو گواہوں کا امتحان اور ان کو علیحدہ علیحدہ کر کے گواہی لینا جائز ہے' تاکہ سچ اور جھوٹ کے اعتبار سے گواہی کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جا سکے۔

(۱۲) جب ایسے قرائن پائے جائیں جو اس مسئلہ میں دونوں وصیّوں (گواہوں) کے جھوٹ پر دلالت کرتے ہوں تو میت کے اولیاء میں سے دو آدمی کھڑے ہوں اور اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری قسم ان کی قسم سے زیادہ سچی ہے۔ انہوں نے خیانت کی ہے اور جھوٹ کہا ہے پھر جس چیز کا وہ دعویٰ کرتے ہیں ان کے حوالے کر دی جائے گی۔ ان کی قسموں کے ساتھ' قرینہ' ثبوت کے قائم مقام ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ

جس دن جمع کرے گا اللہ رسولوں کو' پس کہے گا کیا جواب دیئے گئے تھے تم؟ وہ کہیں گے نہیں علم ہمیں' بے شک تو ہی

عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَ

خوب جاننے والا ہے غیبوں کاO جس وقت کہے گا اللہ' اے عیسیٰ ابن مریم! یاد کر تو میری نعمت (جو ہوئی) تجھ پر اور

عَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ

تیری والدہ پر' جب قوت دی میں نے تجھے ساتھ روح القدس کے' کلام کرتا تھا تو لوگوں سے گود میں اور پختہ عمر میں اور جب

عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ

تعلیم دی میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کی' اور جب بناتا تھا تو گارے سے مانند شکل

الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ

پرندے کی میرے حکم سے پھر پھونک مارتا اس میں تو ہو جاتا وہ پرندہ میرے حکم سے اور تندرست کرتا تھا تو پیدائشی نابینے کو اور برص والے کو

بِاِذْنِيْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ

میرے حکم سے اور جب (زندہ) نکالتا تھا تو مُردوں کو میرے حکم سے اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب

جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿١١٠﴾

لایا تھا تو ان کے پاس واضح دلیلیں، تو کہا تھا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا ان میں سے، نہیں ہے یہ مگر جادو ظاہر ○

اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن اور اس کی ہولناکیوں کے بارے میں خبر دیتا ہے نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کر کے ان سے پوچھے گا ﴿مَاذَآ اُجِبْتُمْ﴾ ''تمہیں کیا جواب ملا تھا؟'' یعنی اس بارے میں تمہاری امتوں نے کیا جواب دیا؟ ﴿قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا﴾ ''وہ جواب دیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں۔'' تجھے ہی علم ہے۔ اے ہمارے رب! تو ہم سے زیادہ جانتا ہے ﴿اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ﴾ ''تو ہی غیب کی باتوں سے واقف ہے۔'' یعنی تو حاضر و غائب تمام امور کو جانتا ہے۔ ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ﴾ ''جب کہا اللہ نے، اے عیسیٰ ابن مریم! یاد کر میری نعمت جو تجھ پر اور تیری ماں پر ہوئی'' یعنی اپنے دل اور زبان سے یاد کیجیے اور اس کے واجبات کو ادا کر کے اپنے رب کا شکر کیجیے۔ کیونکہ اس نے آپ کو اتنی نعمتیں عطا کی ہیں جو کسی دوسرے کو عطا نہیں کیں۔ ﴿اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ﴾ ''جب میں نے روح القدس سے تیری مدد کی۔'' یعنی جب ہم نے تجھ کو روح اور وحی کے ذریعے سے تقویت دی، جس نے تجھ کو پاک کیا اور تجھ کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور اس کی طرف دعوت دینے کی قوت حاصل ہوئی اور بعض نے کہا کہ روح القدس سے مراد جبریل ہیں۔ بڑے بڑے سخت مقامات پر اللہ تعالیٰ نے جبریل کی ملازمت (ساتھ رہنے) اور ان کے ذریعے سے ثبات عطا کر کے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی مدد فرمائی۔

﴿تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا﴾ ''تو کلام کرتا تھا لوگوں سے گود میں اور بڑی عمر میں'' یہاں کلام کرنے سے مراد مجرد کلام کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ کلام ہے جس سے متکلم اور مخاطب دونوں مستفید ہوں اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا۔ جناب عیسیٰ کو اس عمر میں رسالت، بھلائیوں کی طرف دعوت اور برائیوں سے روکنے کی ذمہ داری عطا کر دی گئی اور دیگر اولوالعزم انبیا و مرسلین کو بڑی عمر میں یہ ذمہ داری عطا کی گئی تھی۔ حضرت عیسیٰ تمام انبیائے کرام میں اس بنا پر ممتاز ہیں کہ انہوں نے پنگوڑے میں کلام فرمایا ﴿اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ (مریم: ۱۹/ ۳۰، ۳۱) ''میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا کی اور مجھے نبی بنایا اور میں جہاں کہیں بھی ہوں مجھے بابرکت بنایا۔

جب تک میں زندہ رہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت فرمائی"۔

﴿ وَ اِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ﴾ "اور جب سکھلائی میں نے تجھ کو کتاب اور حکمت" یہ کتاب تمام کتب سابقہ خصوصاً تورات کو شامل ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناب موسیٰ کے بعد تورات کے سب سے بڑے عالم تھے۔۔۔اور انجیل کو بھی شامل ہے جو ان پر نازل کی گئی۔۔۔۔ حکمت سے اسرار شریعت' اس کے فوائد اور اس کی حکمتوں کی معرفت' دعوت و تعلیم کی خوبی اور تمام امور کا ان کی اہمیت اور مناسبت کے مطابق خیال رکھنا مراد ہے۔

﴿ وَ اِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ ﴾ "اور جب تو بناتا تھا گارے سے جانور کی سی صورت" یعنی پرندوں کی تصویر جس میں روح نہیں ہوتی ﴿ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَ تُبْرِئُ الْاَكْمَهَ ﴾ "پھر تو اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے والا ہو جاتا اور اچھا کرتا تھا تو مادر زاد اندھے کو" (اَلْاَكْمَهَ) اس شخص کو کہتے ہیں جس کی بینائی ہو نہ آنکھ۔ ﴿ وَ الْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَ اِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ ﴾ "اور کوڑھی کو' میرے حکم سے اور جب نکال کھڑا کرتا تھا تو مردوں کو میرے حکم سے" یہ واضح نشانیاں اور نمایاں معجزات ہیں جن سے بڑے بڑے اطباء وغیرہ بھی عاجز ہیں۔ ان معجزات کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی مدد فرمائی اور اس کے ذریعے سے ان کی دعوت کو تقویت بخشی۔

﴿ وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ ﴾ "اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو لے کر آیا ان کے پاس نشانیاں تو کہا ان لوگوں نے جو ان میں سے کافر تھے" یعنی جب ان کے پاس حق آ گیا جس کی ایسے دلائل کے ساتھ تائید کی گئی تھی جن پر ایمان لانا واجب ہے تو انہوں نے کہا: ﴿ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ "یہ تو کھلا جادو ہے" اور انہوں نے جناب عیسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی پوری کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ روک دیئے اور حضرت عیسیٰ کی ان سے حفاظت کی اور ان کو ان کے شر سے بچا لیا۔ پس یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے احسانات جن سے اس نے اپنے بندے اور رسول عیسیٰ ابن مریم کو نوازا اور ان کو ان احسانات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے اور ان کو قائم کرنے کا حکم دیا۔۔۔ حضرت عیسیٰ نے ان احسانات کے تقاضوں کو پوری طرح ادا کیا اور اس راہ کی سختیوں پر اسی طرح صبر کیا جس طرح دیگر اولو العزم انبیاء و رسل نے صبر کیا تھا۔

وَ اِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِيْ وَ بِرَسُوْلِيْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَ اشْهَدْ بِاَنَّنَا

اور جب الہام کیا میں نے حواریوں کو یہ کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر تو کہا انہوں نے: ایمان لائے ہم اور گواہ رہ تو کہ بیشک ہم

مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ

فرماں بردار ہیں ○ جب کہا حواریوں نے' اے عیسیٰ ابن مریم! کیا طاقت رکھتا ہے تیرا رب یہ کہ نازل کرے

عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ

ہم پر دسترخوان آسمان سے؟ کہا اس (عیسیٰ) نے ڈرو تم اللہ سے اگر ہو تم مومن ○ کہا انہوں نے چاہتے ہیں ہم

اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا

یہ کہ کھائیں ہم اس میں سے اور مطمئن ہو جائیں ہمارے دل' اور جان لیں ہم یہ کہ سچ کہا تو نے ہم سے' اور ہو جائیں ہم اس پر

مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً ربع

شہادت دینے والوں میں سے ○ کہا عیسیٰ ابن مریم نے' اے اللہ! اے ہمارے رب! نازل فرما ہم پر دسترخوان

مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَ اَنْتَ

آسمان سے' کہ بن جائے وہ عید ہمارے پہلوں اور ہمارے بعد والوں کیلئے' اور نشانی تیری طرف سے' اور رزق دے ہمیں' اور تو

خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ

بہترین رزق دینے والا ہے ○ فرمایا اللہ نے: بیشک میں نازل کروں گا وہ تم پر' پھر جو شخص کفر کرے گا بعد اسکے تم میں سے' تو بالضرور میں

اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ع ١٥ ٥

عذاب دوں گا اس کو ایسا کہ نہیں عذاب دوں گا میں ویسا کسی اور کو' جہانوں میں سے ○ اور جب کہے گا اللہ' اے عیسیٰ

ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالَ

ابن مریم! کیا کہا تھا تو نے لوگوں کو' کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو دو معبود سوائے اللہ کے؟ تو کہے گا وہ (عیسیٰ)

سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ ۗ بِحَقٍّ ؕ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ

پاک ہے تو نہیں لائق تھا میرے کہ کہوں میں وہ بات جسکا نہیں مجھے حق۔ اگر ہوں میں کہ کہی ہے میں نے یہ بات' تو یقیناً جانتا ہے تو اسکو

تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾ مَا قُلْتُ

تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور نہیں جانتا میں جو تیرے دل میں ہے۔ بلاشبہ تو ہی خوب جاننے والا ہے غیبوں کا ○ نہیں کہا تھا میں نے

لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبَّكُمْ ۚ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا

ان سے' مگر وہی کہ حکم دیا تھا تو نے مجھے اس کا' یہ کہ عبادت کرو تم اللہ کی' میرے رب اور اپنے رب کی' اور تھا میں ان پر نگران

مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ۚ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ؕ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

جب تک رہا میں ان میں' پھر جب اٹھا لیا تو نے مجھے' تو تھا تو ہی نگہبان ان پر' اور تو ہر ایک چیز پر

شَهِيْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۚ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۱۸﴾

مطلع ہے ○ اگر عذاب دے تو ان کو تو بیشک وہ بندے ہیں تیرے' اور اگر بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی ہے غالب حکمت والا ○

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

فرمائے گا اللہ! یہ دن ہے کہ نفع دے گا سچوں کو ان کا سچ' ان کے لیے ایسے باغات ہیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے

الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾

نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں ابد تک راضی ہوا اللہ ان سے اور راضی ہوئے وہ اس سے یہی ہے کامیابی بڑی ○

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾

اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ○

یعنی میری اس نعمت کو یاد رکھیے جس سے میں نے تجھ کو نوازا اور تجھ کو انصار و اعوان اور متبعین مہیا کیے۔ پس میں نے حواریوں کی طرف وحی کی یعنی ان کو الہام کیا اور میں نے ان کے دلوں میں القا کیا کہ وہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لائیں یا تیری زبان پر میں نے ان کی طرف وحی کی یعنی میں نے ان کو اس وحی کے ذریعے سے حکم دیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے پاس آئی۔ انہوں نے اس وحی پر لبیک کہا اس کی اطاعت کی اور کہا ”ہم ایمان لائے گواہ رہیے کہ ہم مسلمان ہیں“ پس انہوں نے ظاہری اسلام اعمال صالحہ اور باطنی ایمان کو جو مومن کو نفاق اور ضعف ایمان کے دائرے سے خارج کرتا ہے جمع کیا۔ حواریوں سے مراد انصار ہیں جیسا کہ جناب مسیح نے حواریوں سے فرمایا تھا: ﴿مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ (آل عمران: ۳/۵۲) ”اللہ کی راہ میں میرا مددگار کون ہے“ حواریوں نے عرض کیا ”ہم اللہ کے مددگار ہیں“۔

﴿اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ﴾ ”جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا رب طاقت رکھتا ہے کہ وہ ہم پر آسمان سے بھرا ہوا خوان اتارے؟“ یعنی ایسا دستر خوان جس پر کھانا لگا ہوا ہو۔۔۔ یہ مطالبہ اس بنا پر نہیں تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت میں کوئی شک تھا بلکہ یہ درخواست تھی جو عرض اور ادب کے پیرائے میں تھی۔ چونکہ من مانے معجزات کا مطالبہ اطاعت حق کے منافی ہوتا ہے اور یہ کلام حواریوں سے صادر ہوا تھا اور یہ چیز ان کو وہم میں ڈال سکتی تھی اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ﴾ ”اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو“ کیونکہ مومن کا سرمایہ ایمان اسے تقویٰ کے التزام اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت پر آمادہ کرتا رہتا ہے اور وہ بغیر جانے بوجھے معجزات کا مطالبہ نہیں کرتا کیونکہ اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ حواریوں نے عرض کیا کہ ان کا مطالبہ اس معنی میں نہیں ہے بلکہ وہ تو نیک مقاصد رکھتے ہیں ان کا یہ مطالبہ ضرورت کے تحت ہے ﴿قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا﴾ ”ہم اس سے کھانا چاہتے ہیں“ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کھانے کے محتاج تھے ﴿وَتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا﴾ ”اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں“ جب ہم عیاں طور پر معجزات کا مشاہدہ کریں گے تو دل ایمان پر مطمئن ہوں گے حتیٰ کہ ایمان عین الیقین کے درجہ پر پہنچ جائے گا جیسا کہ جناب خلیل علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کیا کہ وہ انہیں اس امر کا مشاہدہ کروائے کہ وہ مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے ﴿قَالَ اَوَلَمْ

تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ﴾ (البقرة: ۲۶۰/۲) ''فرمایا: کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ عرض کیا کیوں نہیں۔ یہ عرض تو محض اس لیے ہے کہ میرا دل مطمئن ہو جائے''۔ پس بندہ ہمیشہ اپنے علم' ایمان اور یقین میں اضافے کا محتاج اور متمنی رہتا ہے ﴿وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا﴾ ''اور ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا ہے۔'' یعنی جو چیز آپ لے کر مبعوث ہوئے ہیں ہم اس کی صداقت کو جان لیں کہ یہ حق اور سچ ہے ﴿وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾ ''اور ہم اس پر گواہوں میں سے ہو جائیں'' اور یہ چیز ہمارے بعد آنے والوں کے لیے مصلحت کی حامل ہو گی۔ ہم آپ کے حق میں گواہی دیں گے' تب حجت قائم ہو جائے گی اور دلیل و برہان کی قوت میں اضافہ ہو گا۔

جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی یہ بات سنی اور ان کا مقصود انہیں معلوم ہو گیا تو انہوں نے ان کی درخواست قبول فرما کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی ﴿اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ﴾ ''اے اللہ! ہم پر آسمان سے بھرا ہوا خوان اتار' یہ ہمارے پہلے اور پچھلے لوگوں کے لیے خوشی کا باعث اور تیری طرف سے نشانی ہو'' یعنی اس کھانے کے نازل ہونے کا وقت ہمارے لیے عید اور یادگار بن جائے تاکہ اس عظیم معجزے کو یاد رکھا جائے اور مرور ایام کے ساتھ اس کی حفاظت کی جائے اور ہم اس کو بھول نہ جائیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی عیدیں اور عبادت کے دن مقرر فرمائے ہیں جو اس کی آیات کی یاد دلاتے ہیں اور انبیا و مرسلین کی سنن اور ان کی سیدھی راہ اور ان پر اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں ﴿وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ﴾ ''اور ہمیں روزی دے اور تو ہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے'' یعنی اسے ہمارے لیے رزق بنا۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان دو مصلحتوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے دسترخوان کے اترنے کی دعا کی تھی۔ دینی مصلحت' یعنی یہ نشانی کے طور پر باقی رہے اور دنیاوی مصلحت' یعنی یہ رزق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اِنِّيْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّيْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''بے شک میں اسے تم پر اتاروں گا' پس اس کے بعد تم میں سے جو کفر کرے گا تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دوں گا'' کیونکہ اس نے واضح معجزے کا مشاہدہ کر کے ظلم اور عناد کی بنا پر اس کا انکار کر دیا اور یوں وہ دردناک عذاب اور سخت سزا کا مستحق ٹھہرا۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ دسترخوان نازل کرے گا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کو ان کے کفر کی صورت میں مذکورہ بالا وعید بھی سنائی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے نازل کرنے کا ذکر نہیں فرمایا۔ احتمال یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے اسے نازل نہیں فرمایا ہو گا کہ انہوں نے اس کو اختیار نہیں کیا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس کا ذکر انجیل کے اس نسخے میں نہیں ہے جو اس وقت عیسائیوں کے پاس ہے۔

اس میں اس امر کا بھی احتمال ہے کہ دستر خوان نازل ہوا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ اور انجیل میں اس کا ذکر نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ اسے بھلا بیٹھے ہوں گے جس کو یاد رکھنے کے لئے ان کو کہا گیا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ سرے سے انجیل میں موجود ہی نہ ہو بلکہ نسل در نسل زبانی منتقل ہوا ہو اور اللہ تعالیٰ نے انجیل میں اس کا ذکر کئے بغیر اس کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴾ ''اور ہم اس پر گواہ رہیں۔'' بھی اس معنی پر دلالت کرتا ہے۔ حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔

﴿ وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ﴾ ''اور جب اللہ کہے گا' اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود بنالینا' اللہ کے سوا''۔ یہ نصاریٰ کے لئے زجر و توبیخ ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں سے ایک ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ خطاب حضرت عیسیٰ کے لئے ہے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام اس سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے فرمائیں گے: ﴿ سُبْحٰنَكَ ﴾ ''پاک ہے تو'' یعنی میں اس قبیح کلام اور جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہ ہو' اس سے اللہ کی پاکی اور تنزیہہ بیان کرتا ہوں ﴿ مَا يَكُوْنُ لِيْۤ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ ﴾ ''مجھے کب شایاں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں۔'' یعنی میرے لئے مناسب نہیں ہے اور نہ میری شان کے لائق ہے کہ میں ایسی کوئی بات کہوں جو میرے اوصاف میں شامل ہے نہ میرے حقوق میں' کیونکہ مخلوق میں سے کسی کو بھی یہ حق نہیں۔ اللہ کے مقرب فرشتوں' انبیاء و مرسلین اور دیگر مخلوق میں سے کوئی بھی مقام الوہیت کا حق اور استحقاق نہیں رکھتا۔ یہ تمام ہستیاں اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کی تدبیر کے تحت ہیں' اللہ تعالیٰ کی مسخر کی ہوئی عاجز اور محتاج مخلوق ہیں۔

﴿ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ ؕ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ ﴾ ''اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو تجھ کو ضرور معلوم ہوگا' تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔'' یعنی جو کچھ مجھ سے صادر ہو چکا ہے تو اسے زیادہ جانتا ہے ﴿ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ ''بے شک تو علام الغیوب ہے۔'' یہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اپنے رب سے مخاطب ہوتے وقت کمال ادب کا مظاہرہ ہے۔ چنانچہ آپ نے یہ نہیں کہا (لم اقل شیئاً من ذلک) ''میں نے تو اس میں سے کچھ بھی نہیں کہا'' بلکہ آپ نے ایک ایسی بات کی خبر دی ہے جو آپ کی طرف سے ہر ایسی بات کہی جانے کی نفی کرتی ہے جو آپ کے منصب شریف کے منافی ہو نیز یہ کہ ایسا کہنا امر محال ہے۔ آپ نے اپنے رب کی تنزیہہ بیان فرمائی اور علم کو غائب اور موجود کے جاننے والے اللہ کی طرف لوٹا دیا۔

پھر مسیح علیہ السلام نے تصریح فرمائی کہ انہوں نے بنی اسرائیل کے سامنے صرف وہی چیز بیان کی تھی کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا ﴿ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَاۤ اَمَرْتَنِيْ بِهٖۤ ﴾ ''میں نے ان سے کچھ نہیں کہا بجز اس کے جس کا

تو نے مجھے حکم دیا۔'' پس میں تو تیرا تابع بندہ ہوں مجھے تیری عظمت کے سامنے دم مارنے کی جرائت نہیں ﴿ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَ رَبَّكُمْ ﴾ ''یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔'' میں نے تو صرف الہ واحد کی عبادت اور اخلاص دین کا حکم دیا تھا جو کہ اس بات کا متضمن ہے کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بنانے سے باز رہیں اور اس بیان کا متضمن ہے کہ میں تو اپنے رب کی ربوبیت کا محتاج ہوں۔ وہ جیسے تمہارا رب ہے ویسے ہی میرا بھی رب ہے۔﴿ وَ كُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ ﴾ ''اور میں ان پر گواہ رہا جب تک میں ان میں موجود رہا'' یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ کون اس بات پر قائم رہا اور کون اس پر قائم نہ رہ سکا ﴿ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ ﴾ ''پس جب تو نے مجھ کو (آسمان پر) اٹھا لیا تو تو ہی ان کی خبر رکھنے والا تھا۔'' یعنی ان کے بھیدوں اور ضمائر کو جاننے والا ﴿ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴾ ''اور تو ہر چیز سے خبردار ہے'' یعنی تو چونکہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے' تو سننے والا' ہر چیز کو دیکھنے والا ہے اس لئے تو ہر چیز پر شاہد ہے۔ تیرا علم تمام معلومات کا احاطہ کئے ہوئے ہے تیری سماعت مسموعات کو سن رہی ہے اور تیری بصر تمام مرئیات کو دیکھ رہی ہے۔ پس تو ہی اپنے بندوں کو اپنے علم کے مطابق خیر وشر کی جزا دے گا۔

﴿ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ﴾ ''اگر تو ان کو عذاب دے' تو وہ تیرے بندے ہیں'' یعنی تو اس سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہے جس قدر وہ اپنے آپ پر رحم کر سکتے ہیں۔ تو ان کے احوال زیادہ جانتا ہے اگر وہ متکبر اور سرکش بندے نہ ہوتے تو تو انہیں کبھی عذاب نہ دیتا ﴿ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾ ''اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو غالب حکمت والا ہے۔'' تیری مغفرت تیری کامل قدرت اور غلبہ سے صادر ہوتی ہے۔ تیری مغفرت اور تیرا معاف کر دینا اس شخص کی مانند نہیں جو عاجزی اور عدم قدرت کی بنا پر معاف کر دیتا ہے' تو حکمت والا ہے جہاں کہیں تیری حکمت تقاضا کرتی ہے تو اس شخص کو بخش دیتا ہے جو تیری مغفرت کے اسباب لے کر تیری خدمت میں آتا ہے۔﴿ قَالَ اللّٰهُ ﴾ قیامت کے روز بندوں کا جو حال ہو گا اللہ تعالیٰ اسے بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ قیامت کے روز کون کامیابی سے بہرہ ور ہو گا اور کون ہلاک ہو گا' کسے سعادت نصیب ہو گی اور کس کے حصے میں بدبختی آئے گی ﴿ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ﴾ ''یہ دن ہے کہ کام آئے گا سچوں کے ان کا سچ'' اصحاب صدق سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے اعمال' اقوال اور نیات درست' صراط مستقیم پر قائم اور صحیح نہج پر ہیں۔ قیامت کے روز وہ اپنے صدق کا پھل پائیں گے جب اللہ تبارک وتعالیٰ انہیں پاک مقام میں ہر طرح کی کامل قدرت رکھنے والے بادشاہ کے پاس ٹھہرائے گا۔

بنا بریں فرمایا: ﴿ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ ''ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے' اللہ

ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہوئے' یہ ہے کامیابی بڑی''۔ جھوٹوں کے ساتھ اس کے برعکس معاملہ ہوگا۔ ان کو ان کے جھوٹ اور بہتان سے ضرر پہنچے گا اور وہ اپنے فاسد اعمال کا پھل چکھیں گے۔

﴿ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ﴾ ''اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے'' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا ہے اور وہی اپنے حکم کونی وقدری، حکم شرعی اور حکم جزائی کے ذریعے سے ان کی تدبیر کر رہا ہے اس لئے فرمایا: ﴿ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴾ ''اور وہ ہر چیز پر قادر ہے''۔ پس کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی بلکہ تمام اشیا اس کی مشیت کی مطیع اور اس کے حکم کے سامنے مسخر ہیں۔

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ

سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ (٦) مَكِّيَّةٌ (٥٥) — اٰيَاتُهَا ١٦٥ — رُكُوْعَاتُهَا ٢٠

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ؕ ثُمَّ الَّذِیْنَ

تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے پیدا کیے آسمان و زمین اور بنائے اندھیرے اور روشنی' پھر وہ لوگ

كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ؕ

جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کیساتھ (اوروں کو) برابر ٹھہراتے ہیں ○ اسی نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر مقرر کیا اس نے ایک وقت

وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ②

اور ایک وقت معین ہے اس کے ہاں (قیامت کا)' پھر (بھی) تم شک کرتے ہو ○

یہ صفات کمال اور نعوت عظمت وجلال کے ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ کی عمومی حمد وثنا اور ان صفات کے ذریعے سے اس کی خصوصی حمد وثنا ہے' چنانچہ اس نے اس امر پر اپنی حمد وثنا بیان کی ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو تخلیق فرمایا۔ جو اس کی قدرت کاملہ' وسیع علم ورحمت' حکمت عامہ اور خلق وتدبیر میں اس کی انفرادیت پر دلالت کرتی ہے نیز اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ اس نے تاریکیوں اور روشنی کو پیدا کیا۔ اور اس میں حسی اندھیرے اور اجالے بھی شامل ہیں جیسے رات' دن' سورج اور چاند وغیرہ اور معنوی اندھیرے اجالے بھی' مثلاً جہالت' شک' شرک' معصیت اور غفلت کے اندھیرے اور علم' ایمان' یقین اور اطاعت کے اجالے۔ یہ تمام امور قطعی طور پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی عبادت اور اخلاص کا مستحق ہے مگر اس روشن دلیل اور واضح برہان کے باوجود ﴿ ثُمَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ﴾ ''پھر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا' اپنے رب کے ساتھ اوروں کو برابر کیے دیتے ہیں'' غیروں کو اللہ کے برابر قرار دیتے ہیں۔ وہ انہیں عبادت اور تعظیم میں اللہ تعالیٰ کے مساوی قرار دیتے ہیں اگرچہ وہ کمالات

میں ان کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر نہیں سمجھتے اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ہستیاں ہر لحاظ سے محتاج، فقیر اور ناقص ہیں۔

﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِیْنٍ ﴾ ''وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا'' یعنی تمہارا اور تمہارے باپ کا مادہ مٹی سے تخلیق کیا گیا ہے ﴿ ثُمَّ قَضٰۤی اَجَلًا ﴾ ''پھر ایک مدت مقرر کر دی'' یعنی اس دنیا میں رہنے کے لئے تمہارے لئے ایک مدت مقرر کر دی اس مدت میں تم اس دنیا سے فائدہ اٹھاتے ہو اور رسول بھیج کر تمہارا امتحان لیا جاتا ہے اور تمہاری آزمائش کی جاتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ (الملک: ۲/۶۷) ''تاکہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے''۔ ﴿ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ﴾ ''اور ایک مدت مقرر ہے اللہ کے نزدیک'' اس مدت مقررہ سے مراد آخرت ہے، بندے اس دنیا سے آخرت میں منتقل ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اچھے برے اعمال کی جزا دے گا ﴿ ثُمَّ ﴾ پھر اس کامل بیان اور دلیل قاطع کے باوجود ﴿ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ﴾ ''تم شک کرتے ہو'' یعنی تم اللہ تعالیٰ کے وعدو وعید اور قیامت کے دن جزا و سزا کے وقوع کا انکار کرتے ہو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اندھیروں ﴿ الظُّلُمٰتِ ﴾ کو ان کے کثرت مواد اور ان کے تنوع کی بنا پر جمع کے صیغے میں بیان فرمایا ہے اور اجالے ﴿ وَالنُّوْرَ ﴾ کو واحد استعمال کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا راستہ ایک ہی ہوتا ہے، اس میں تعدد نہیں ہوتا اور یہ وہ راستہ ہے جو حق، علم اور اس پر عمل کو متضمن ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ ﴾ (الانعام: ۶/۱۵۳) ''اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے اور تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو ورنہ تم اللہ کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے''۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ ؕ یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَیَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝۳

اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، وہ جانتا ہے تمہارا پوشیدہ اور تمہارا ظاہر، اور جانتا ہے جو کچھ تم کماتے ہو ○

یعنی آسمانوں میں اور زمین میں وہی معبود ہے۔ آسمان اور زمین کے رہنے والے اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، تمام مقرب فرشتے، انبیاء و مرسلین، صدیقین، شہداء اور صالحین سب اس کی عظمت کے سامنے جھکے ہوئے اور اس کے غلبہ و جلال کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے اور تمہارے اعمال بھی جانتا ہے اس لئے تم اس کی نافرمانی سے بچو اور ایسے اعمال میں رغبت کرو جو تمہیں اس کے قریب کر دیں اور اس کی رحمت کا مستحق بنا دیں اور ہر ایسے عمل سے بچو جو تمہیں اس سے اور اس کی رحمت سے دور کر دے۔

وَمَا تَاْتِیْهِمْ مِّنْ اٰیَةٍ مِّنْ اٰیٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِیْنَ ۝۴ فَقَدْ

اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی آیت ان کے رب کی آیات سے، مگر ہوتے ہیں وہ اس سے اعراض کرنے والے ○ پس تحقیق

كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ؕ فَسَوْفَ یَاْتِیْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵

جھٹلایا انہوں نے حق کو جب آیا ان کے پاس، سو عنقریب آئیں گی ان کے پاس خبریں اس چیز کی کہ تھے وہ اس کے ساتھ استہزا کرتے ○

اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ
کیا نہیں دیکھا انہوں نے کتنی ہی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے ایسی امتیں کہ طاقت دی تھی ہم نے انکو زمین میں وہ جو نہیں طاقت دی ہم نے
لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ
تمہیں اور بھیجی ہم نے بارش اوپر ان کے موسلا دھار اور بنائیں ہم نے نہریں کہ وہ بہتی تھیں ان کے (گھروں کے) نیچے سے
فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝۶
پھر ہلاک کر دیا ہم نے انہیں بوجہ ان کے گناہوں کے' اور پیدا کیں ہم نے ان کے بعد امتیں اور ○

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشرکین کے اعراض' ان کی شدت تکذیب اور ان کی عداوت کے بارے میں خبر ہے' نیز یہ کہ آیات و معجزات انہیں کوئی فائدہ نہیں دیں گے جب تک کہ ان پر عبرتناک عذاب نازل نہ ہو جائے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ﴾ ''اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیوں میں سے'' جو حق پر دلیل قطعی ہیں جو حق کے قبول کرنے اور اس کی اتباع کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ ﴿اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ﴾ ''مگر وہ اس سے اعراض کرتے ہیں۔'' یعنی وہ ان آیات کو غور سے سنتے نہیں اور ان میں تدبر نہیں کرتے۔ ان کے دل دوسرے امور میں مصروف ہیں اور انہوں نے پیٹھ پھیر لی ہے۔

﴿فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ﴾ ''انہوں نے حق کو جھٹلایا جب ان کے پاس آیا'' حالانکہ حق اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے کہ اس نے ان کے لئے حق کو آسان کر دیا اور وہ ان کے پاس حق لے کر آیا' مگر انہوں نے اس حق کا سامنا اس رویہ کے برعکس رویئے کے ساتھ کیا جس رویئے کے ساتھ انہیں اس کا سامنا کرنا چاہئے تھا۔ اس لئے وہ سخت عذاب کے مستحق ٹھہرے۔

﴿فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ ''سو اب آیا چاہتی ہے ان کے پاس حقیقت اس بات کی جس پر وہ ہنستے تھے'' یعنی وہ چیز جس کا تمسخر اڑایا کرتے تھے اس کے بارے میں عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ حق اور سچ ہے' اللہ تعالیٰ جھٹلانے والوں کے جھوٹ اور بہتان کو کھول دے گا۔ یہ لوگ دوبارہ اٹھائے جانے' جنت اور جہنم کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ قیامت کے روز ان جھٹلانے والوں سے کہا جائے گا ﴿هٰذِهِ النَّارُ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ﴾ (الطور: ۱۴/۵۲) ''یہ ہے وہ آگ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے''۔ ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ﴾ (النحل: ۱۶/۳۸' ۳۹) ''اور اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ اسے دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا۔ کیوں نہیں یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ تاکہ جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے ان پر ظاہر کر دے اور اس لئے

بھی کہ کافروں کو معلوم ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے''۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ امم سابقہ کے انجام سے عبرت پکڑیں، چنانچہ فرمایا: ﴿ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ ﴾ ''کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے جھٹلانے والی کتنی ہی قوموں کو پے در پے ہلاک کر دیا؟'' اور اس ہلاکت سے پہلے ہم نے انہیں مہلت دی ﴿ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ ﴾ ''ہم نے ان کو زمین میں وہ قوت وطاقت دی جو تمہیں ہم نے نہیں دی'' یعنی ہم نے انہیں مال، اولاد اور خوشحالی سے نوازا ﴿ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۪ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمْ ﴾ ''اور چھوڑ دیا ہم نے ان پر آسمان کو لگاتار برستا ہوا اور بنا دیں ہم نے نہریں بہتی ہوئی ان کے نیچے'' پھر اللہ تعالیٰ جو چاہتا اس پانی سے کھیتیاں اور پھل اگتے تھے جن سے وہ لوگ فائدہ اٹھاتے تھے اور جو دل چاہتا تھا تناول کرتے تھے۔ مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا' شہوات نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا اور لذات نے ان کو غافل کر دیا۔ پس ان کے رسول واضح دلائل کے ساتھ ان کے پاس آئے مگر انہوں نے ان کی تصدیق نہ کی بلکہ ان کو ٹھکرا دیا اور ان کو جھٹلا دیا ﴿ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴾ ''تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا اور پیدا کیا ہم نے ان کے بعد دوسری امتوں کو'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر ڈالا پھر ان کے بعد اس نے اور قومیں پیدا کر دیں۔ گزری ہوئی اور آنے والی قوموں کے بارے میں یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے ان کا جو قصہ بیان کیا ہے اس سے عبرت پکڑو۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اور اگر اتارتے ہم آپ پر کوئی نوشتہ (لکھا ہوا) کاغذ میں پھر چھوتے وہ اسکو اپنے ہاتھوں سے تو بھی کہتے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝۷ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ؕ وَلَوْ اَنْزَلْنَا

نہیں ہے یہ مگر جادو ظاہر ○ اور کہا انہوں نے کیوں نہیں نازل کیا گیا اس پر فرشتہ؟ اور اگر نازل کرتے ہم

مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝۸ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا

کوئی فرشتہ تو فیصلہ کر دیا جاتا معاملے کا' پھر نہ مہلت دیے جاتے ○ اور اگر بناتے ہم اس کو فرشتہ تو بھی بناتے ہم اس کو آدمی ہی

وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝۹

اور البتہ شبہ ڈالتے ہم ان پر (وہی) جو شبہ وہ (اب) کر رہے ہیں ○

اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (ﷺ) کو کفار کی شدت عناد سے آگاہ فرمایا ہے اور یہ کہ ان کا یہ جھٹلانا آپ کی لائی ہوئی کتاب میں کسی نقص کی وجہ سے نہ تھا اور نہ اس کا سبب ان کی جہالت تھا' یہ تو محض ظلم اور زیادتی کی بنا پر تھا جس میں تمہارے لیے کوئی چارہ نہیں۔ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ

﴿قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ﴾ ''اگر اتاریں ہم آپ پر لکھا ہوا کاغذ میں' پھر چھولیں اس کو اپنے ہاتھوں سے'' یعنی انہیں یقین آ جائے ﴿لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ''تو جو کافر ہیں وہ کہیں گے۔'' یعنی ظلم اور تعدی کی بنا پر کفار کہیں گے ﴿إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ﴾ ''یہ تو کھلا جادو ہے۔'' اس سے بڑھ کر اور کون سی دلیل ہو سکتی ہے؟ اور یہ ہے اس بارے میں ان کا انتہائی قبیح قول۔ انہوں نے ایسی محسوس چیز کا انکار کر دیا جس کا انکار کوئی ایسا شخص نہیں کر سکتا جس میں معمولی سی بھی عقل ہے۔

﴿وَقَالُوا﴾ یعنی وہ تلبیس کے طور پر کہتے ہیں جو معقول سے لاعلمی اور جہالت پر مبنی ہے ﴿لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ﴾ ''ان پر فرشتہ کیوں نازل نہ ہوا؟'' یعنی محمد (ﷺ) کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ اترا جو اس کی مدد کرتا اور اس کام میں اس کی معاونت کرتا' کیونکہ وہ اس زعم باطل میں مبتلا تھے کہ رسول اللہ ﷺ تو بشر ہیں اور رسالت تو فرشتوں میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اس کی رحمت اور اپنے بندوں کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ ہے کہ اس نے انہی میں سے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا تا کہ جو کچھ وہ لے کر مبعوث ہوتا ہے اس پر ایمان' علم و بصیرت کی بنا پر اور بالغیب ہو۔ ﴿وَلَوْ أَنْزَلْنَا مَلَكًا﴾ ''اگر ہم فرشتہ نازل کرتے۔'' اگر ہم نے اپنی رسالت کے ساتھ کسی فرشتے کو بھیجا ہوتا تو یہ ایمان معرفت حق کی بنا پر نہ ہوتا بلکہ ایک ایسا ایمان ہوتا جو مشاہدہ سے صادر ہوتا ہے اور ایسا ایمان اکیلا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ اگر وہ ایمان لے آئیں مگر غالب یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ اگر وہ ایمان نہ لائے ﴿لَقُضِيَ الْأَمْرُ﴾ ''تو طے ہو جائے قصہ'' تو ان کی فوری ہلاکت اور عدم مہلت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ یہ اس شخص کے بارے میں سنت الٰہی ہے جو حسب خواہش معجزات کا مطالبہ کرتا ہے اور ان پر ایمان نہیں لاتا۔ اس لئے ان کی طرف رسول بشری کو آیات بینات کے ساتھ مبعوث کرنا' جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ یہ بندوں کے لئے بہتر اور نرم ہیں' نیز کفار اور جھٹلانے والوں کو مہلت دینا' ان کے لئے زیادہ فائدہ مند ہے۔ پس ان کا فرشتے اتارنے کا مطالبہ اگر وہ جانیں تو ان کے لئے بہت برا ہے۔

بایں ہمہ اگر فرشتہ نازل کر کے ان کی طرف رسول بنا کر بھیج دیا جائے تو وہ اس سے کچھ سیکھنے کی طاقت رکھتے نہ اس کے متحمل ہو سکتے ہیں اور نہ ان کے قوائے فانی اس کا بوجھ اٹھانے کی طاقت رکھتے ہیں ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا﴾ ''اور اگر ہم رسول بنا کر بھیجتے کسی فرشتے کو تو وہ بھی آدمی ہی کی صورت میں ہوتا'' کیونکہ حکمت الٰہیہ اسی کا تقاضا کرتی ہے ﴿وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ﴾ ''اور ان کو اسی شبہے میں ڈال دیتے جس میں اب پڑ رہے ہیں'' یعنی ان پر معاملہ مختلط ہو جاتا اور اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو شبہ میں مبتلا کر لیا کیونکہ انہوں نے اپنے معاملے کی بنیاد اسی قاعدے پر رکھی جو مشتبہ تھا اور اس میں حق واضح نہیں تھا۔ پس جب صحیح طریقوں سے حق ان کے پاس آ گیا اور اس کے وہ قواعد بھی آ گئے جو اس کے حقیقی قواعد ہیں تو یہ حق ان کے لئے

ہدایت کا باعث نہ بن سکا جبکہ دوسروں نے اس کے ذریعے سے ہدایت پائی۔ گناہ ان کا اپنا ہے کیونکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر ہدایت کے دروازے بند کر کے گمراہی کے دروازے کھول لئے۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ

اور تحقیق استہزا کیا گیا رسولوں کیساتھ آپ سے پہلے پھر گھیر لیا انکو جنہوں نے تمسخر کیا تھا ان میں سے اس (عذاب) نے کہ تھے وہ اس کیساتھ

يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝١٠ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝١١ ع

تمسخر کرتے ○ کہہ دیجئے! سیر کرو تم زمین میں، پھر دیکھو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا؟ ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتا ہے اور اسے صبر کی تلقین کرتا ہے اور اس کے دشمنوں کو تہدید و وعید سناتے ہوئے کہتا ہے: ﴿وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ ''اور تحقیق استہزا کیا گیا رسولوں سے آپ سے پہلے''۔ جب وہ واضح دلائل کے ساتھ اپنی امتوں کے پاس آئے تو انہوں نے ان کو جھٹلایا انہوں نے ان کے ساتھ اور ان کی تعلیمات کے ساتھ استہزا کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کفر اور تکذیب کے باعث ہلاک کر دیا اور عذاب میں سے ان کو پورا پورا حصہ دیا۔ ﴿فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ ''پس گھیر لیا ان کو جو ان میں سے استہزا کرنے والے تھے' اس چیز نے جس کے ساتھ وہ استہزا کرتے تھے''۔ پس اے جھٹلانے والو! جھٹلانے کی روش پر قائم رہنے سے باز آ جاؤ' ورنہ تمہیں بھی وہی عذاب آ لے گا جو ان قوموں پر آیا تھا۔ ﴿قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ﴾ ''کہو کہ ملک میں چلو پھرو اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔'' یعنی اگر تمہیں اس بارے میں کوئی شک و شبہ ہے تو زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ تم دیکھو گے کہ ایسی قوم ہلاک کر دی گئی اور ایسی امتیں عذاب میں مبتلا کر دی گئیں۔ ان کے گھر ویران ہو گئے اور ان عیش کدوں میں رہ کر مسرتوں کے مزے لوٹنے والے نیست و نابود ہو گئے۔۔۔ اللہ جبار نے ان کو ہلاک کر دیا اور اہل بصیرت کے لئے ان کو نشان عبرت بنا دیا۔ یہ (سَیر) جس کا حکم دیا گیا ہے بدنی اور قلبی سیر کو شامل ہے جس سے عبرت جنم لیتی ہے۔ رہا عبرت حاصل کئے بغیر چل پھر کر دیکھنا تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ

کہہ دیجئے! کس کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے؟ فرما دیجئے! اللہ ہی کا ہے لازم کر لیا ہے اس نے اپنے نفس پر مہربانی کرنا یقیناً وہ جمع کرے گا تمہیں

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝١٢

روز قیامت کے' نہیں ہے کوئی شک اس میں' جن لوگوں نے خسارے میں ڈالا اپنے آپ کو پس وہ نہیں ایمان لاتے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے ﴿قُلْ﴾ ''کہہ دیجئے'' یعنی ان مشرکین سے توحید کا اقرار

کرواتے اور ان پر اس کی حجت ثابت کرتے ہوئے کہیے! ﴿ لِّمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ’’کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے؟‘‘ یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے کس نے پیدا کیا؟ کون ان کا مالک اور ان میں تصرف کرنے والا ہے؟ ﴿ قُلْ ﴾ ان سے کہہ دیجیے! ﴿ لِّلّٰهِ ﴾ ’’اللہ کا ہے‘‘ وہ اس کا اقرار کرتے ہیں انکار نہیں کرتے‘ کیا جب وہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ وہ اکیلا ہی کائنات کا مالک اور اس کی تدبیر کرنے والا ہے‘ تو اس کے لئے توحید اور اخلاص کا اعتراف کیوں نہیں کرتے؟ ﴿ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ﴾ ’’اس نے لکھا ہے اپنے نفس پر رحم کرنا‘‘ یعنی تمام عالم علوی اور عالم سفلی‘ اس کے اقتدار اور تدبیر کے تحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی رحمت اور احسان کی چادر پھیلا رکھی ہے اور اس کی بے پایاں رحمت نے ان سب کو ڈھانپ رکھا ہے۔ اس نے اپنے لئے لکھ رکھا ہے کہ ’’اس کی رحمت اس کے غصے پر غالب ہے‘‘۔ عطا کرنا اس کے نزدیک محروم کرنے سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیے ہیں اگر بندے اپنے گناہوں کے سبب خود ان کو اپنے آپ پر بند نہ کرلیں‘ پھر اس نے انہیں ان دروازوں میں داخل ہونے کی دعوت دی ہے اگر ان کے گناہ اور عیب ان کو ان دروازوں کی طلب سے روک نہ دیں۔ ﴿ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ﴾ ’’البتہ اکٹھا کرے گا تم کو قیامت کے دن جس میں کوئی شک نہیں‘‘ اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے قسم ہے اور وہ سب سے زیادہ سچی خبر دینے والا ہے اور اس پر اس نے ایسے براہین و دلائل قائم کیے ہیں جو اسے حق الیقین قرار دیتے ہیں مگر ان ظالموں نے دلائل و براہین کو ٹھکرا دیا اور اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا انکار کر دیا کہ وہ مخلوق کو دوبارہ زندہ کرے گا اور گناہ کرنے میں جلدی کی اور اس کے ساتھ کفر کرنے کی جسارت کی‘ پس وہ دنیا و آخرت میں خسارے میں پڑ گئے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ’’جن لوگوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال لیا‘ تو وہ ایمان نہیں لاتے۔‘‘

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا

اور اسی کا ہے جو سکون کرتا ہے رات اور دن میں (اور جو حرکت کرتا ہے) اور وہ سننے جاننے والا ہے ○ کہہ دیجیے! کیا سوائے اللہ کے بنالوں میں معبود؟

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّيْۤ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ

پیدا کرنیوالا آسمانوں اور زمین کا اور وہ (سب کو) کھلاتا ہے اور (اسے) نہیں کھلایا جاتا‘ کہہ دیجیے! بیشک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ہو جاؤں میں

اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ

پہلا وہ جو اسلام لایا‘ اور نہ ہوں آپ مشرکین میں سے ○ کہہ دیجیے! بیشک میں خوف کرتا ہوں‘ اگر نافرمانی کی میں نے

رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ

اپنے رب کی عذاب سے ایک بہت بڑے دن کے ○ جو شخص کہ ہٹا لیا گیا (عذاب) اس سے اس دن تو یقیناً رحم کر دیا اس پر اس (اللہ) نے اور یہی ہے

الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿١٦﴾ وَ اِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ؕ وَ اِنْ

کامیابی ظاہر ○اور اگر پہنچائے آپ کو اللہ کوئی تکلیف' تو نہیں کوئی دور کرنے والا اسے مگر وہی' اور اگر

يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ

پہنچائے وہ آپ کو کوئی بھلائی تو وہ اوپر ہر چیز کے خوب قادر ہے ○اور وہ غالب ہے اوپر اپنے بندوں کے'اور وہی ہے

الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿١٨﴾ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ

خوب حکمت والا خبردار ○ کہیے! کون سی چیز زیادہ بڑی ہے شہادت کے اعتبار سے؟ کہہ دیجیے! اللہ ہی' گواہ ہے میرے

وَبَيْنَكُمْ ۚ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ

اور تمہارے درمیان'اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن تاکہ ڈراؤں میں تمہیں اسکے ذریعے سے'اور جسکو یہ پہنچے' کیا تم شہادت دیتے ہو

اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ

کہ یقیناً اللہ کے ساتھ معبود ہیں دوسرے (بھی)؟ کہہ دیجیے انہیں شہادت دیتا میں' کہہ دیجیے! بس وہ تو ایک ہی معبود ہے'اور یقیناً میں

بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿١٩﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ وقف لازم

بری ہوں اس سے جو تم شریک ٹھہراتے ہو○ وہ لوگ کہ دی ہم نے انہیں کتاب' پہچانتے ہیں وہ اسے' جس طرح پہچانتے ہیں وہ

اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٠﴾ ع وقف لازم وقف منزل

اپنے بیٹوں کو' وہ لوگ جنہوں نے خسارے میں ڈالا اپنے آپ کو تو وہ نہیں ایمان لاتے ○

معلوم ہونا چاہیے کہ یہ سورۂ مبارکہ توحید کو متحقق کرنے کے لئے ہر عقلی اور نقلی دلیل پر مشتمل ہے' بلکہ تقریباً تمام سورت ہی توحید کی شان' مشرکین اور انبیا و رسل کی تکذیب کرنے والوں کے ساتھ مجادلات کے مضامین پر مشتمل ہے۔ ان آیات کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان دلائل کا ذکر فرمایا ہے جن سے ہدایت واضح ہوتی ہے اور شرک کا قلع قمع ہوتا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ ''اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آرام پکڑتا ہے رات میں اور دن میں'' یہ جن وانس' فرشتے' حیوانات اور جمادات سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ یہ سب اللہ کی تدبیر کے تحت ہیں۔ یہ سب اللہ کے غلام ہیں جو اپنے رب عظیم اور مالک قاہر کے سامنے مسخر ہیں۔۔۔ کیا عقل ونقل کے اعتبار سے یہ بات صحیح ہے کہ ان غلام اور مملوک ہستیوں کی عبادت کی جائے جو کسی نفع ونقصان پر قادر نہیں اور خالق کائنات کے لئے اخلاص کو ترک کر دیا جائے جو کائنات کی تدبیر کرتا' اس کا مالک اور نفع ونقصان کا اختیار رکھتا ہے؟ یا عقل سلیم اور فطرت مستقیم اس بات کی داعی ہے کہ اللہ رب العالمین کے لئے ہر قسم کی عبادت کو خالص کیا جائے' محبت' خوف اور امید صرف اسی سے ہو؟ ﴿السَّمِيْعُ﴾ ''وہ سنتا ہے۔'' اختلاف لغات اور تنوع حاجات کے باوجود وہ تمام آوازوں کو سنتا ہے ﴿الْعَلِيْمُ﴾ ''وہ جانتا ہے۔'' وہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جو تھیں اور جو مستقبل میں

ہوں گی اور ان کو بھی جانتا ہے جو نہ تھیں کہ اگر وہ ہوتیں تو کیسی ہوتیں، اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن ہر چیز کی اطلاع رکھتا ہے۔

﴿قُلْ﴾ "کہہ دیجیے!" یعنی آپ اللہ تعالیٰ سے شرک کرنے والوں سے کہہ دیجیے! ﴿اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا﴾ "کیا اللہ کے سوا کسی اور کو میں مددگار بناؤں؟" ان عاجز مخلوقات میں سے کون میرا سرپرست و مددگار بنے گا؟ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا والی اور مددگار نہیں بناتا کیونکہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے یعنی ان کا خالق اور ان کی تدبیر کرنے والا ہے ﴿وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ﴾ "اور وہ سب کو کھلاتا ہے، اور اسے کوئی نہیں کھلاتا" یعنی وہ تمام مخلوقات کو رزق عطا کرتا ہے بغیر اس کے کہ اس کو ان میں سے کسی کے پاس کوئی حاجت ہو۔ تب یہ کیسے مناسب ہے کہ میں کسی ایسی ہستی کو اپنا والی بنالوں جو پیدا کرنے والی ہے نہ رزق عطا کرنے والی، جو بے نیاز ہے نہ قابل تعریف۔ ﴿قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ﴾ "کہہ دیجیے! مجھے حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے حکم مانوں" یعنی میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی اطاعت کے ساتھ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دوں، کیونکہ میں ہی سب سے زیادہ اس بات کا مستحق ہوں کہ اپنے رب کے احکام کی اطاعت کروں ﴿وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ "اور آپ ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں" یعنی مجھے اس بات سے بھی روک دیا گیا ہے کہ میں مشرکوں میں شامل ہوں یعنی ان کے اعتقادات میں، نہ ان کے ساتھ مجالست میں اور نہ ان کے ساتھ اجتماع میں۔ اور یہ حکم میرے لئے سب سے بڑا فرض اور سب سے بڑا واجب ہے۔

﴿قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ "کہہ دیجیے! میں ڈرتا ہوں، اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی، بڑے دن کے عذاب سے" کیونکہ شرک ہمیشہ جہنم میں رہنے اور اللہ جبار کی ناراضی کا موجب ہے اور یوم عظیم سے مراد وہ دن ہے جس کے عذاب سے خوف کھایا جاتا ہے اور اس کی سزا سے بچا جاتا ہے، کیونکہ جو اس روز عذاب سے بچا لیا گیا وہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں ہوگا اور جس نے اس عذاب سے نجات پالی وہی درحقیقت کامیاب ہے جیسے جس کو اس دن کے عذاب سے نجات نہ ملی تو وہ بدبخت ہلاک ہونے والا ہے۔

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی توحید کے دلائل ہیں کہ صرف وہی ایک ہستی ہے جو تکلیفوں کو دور کرتی ہے اور صرف وہی ہے جو بھلائی اور خوشحالی عطا کرتی ہے۔ ﴿وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ﴾ "اور اگر اللہ تم کو کوئی سختی پہنچائے" یعنی اگر اللہ تعالیٰ تجھے کسی فقر، مرض، عسرت یا غم و ہموم وغیرہ میں مبتلا کر دے ﴿فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ "تو اسے کوئی دور کرنے والا نہیں سوائے اس کے اور اگر پہنچائے وہ تجھ کو کوئی بھلائی، تو وہ ہر چیز پر قادر ہے" پس جب وہی اکیلا نفع و نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے تو وہی اکیلا عبودیت و الوہیت کا بھی مستحق ہے۔ ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾ "اور وہ غالب ہے اپنے بندوں پر" پس اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر

کوئی تصرف کر سکتا ہے نہ کوئی حرکت کرنے والا حرکت کر سکتا ہے اور نہ اس کی مشیت کے بغیر کوئی ساکن ہو سکتا ہے۔ مملوک کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس کی ملکیت اور تسلط سے نکل سکے' وہ اللہ کے سامنے مغلوب و مقہور اور اس کے دائرۂ تدبیر میں ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ غالب و قاہر ہے اور دوسرے مغلوب و مقہور' تو ظاہر ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے ﴿ وَهُوَ الْحَكِيمُ ﴾ ''اور وہ دانا ہے۔'' وہ اپنے اوامر و نواہی' ثواب و عقاب اور خلق و قدر میں حکمت سے کام لیتا ہے ﴿ الْخَبِيرُ ﴾ ''خبردار ہے۔'' وہ اسرار و ضمائر اور تمام مخفی امور کی اطلاع رکھتا ہے اور یہ سب توحید الٰہی کے دلائل ہیں۔

﴿ قُلْ ﴾ ''کہہ دیجیے!'' چونکہ ہم نے ان کے سامنے ہدایت کو بیان کر دیا اور سیدھی راہوں کو واضح کر دیا ہے اس لئے ان سے کہہ دیجئے ﴿ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ﴾ ''سب سے بڑھ کر کس کی شہادت ہے۔'' یعنی اس اصول عظیم کے بارے میں کس کی شہادت سب سے بڑی شہادت ہے ﴿ قُلِ اللّٰهُ ﴾ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ کی شہادت سب سے بڑی شہادت ہے ﴿ شَهِيدٌۢ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ﴾ ''وہ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان'' پس اس سے بڑا کوئی شاہد نہیں' وہ اپنے اقرار و فعل کے ذریعے سے میری گواہی دیتا ہے' میں جو کچھ کہتا ہوں' اللہ تعالیٰ اس کو متحقق کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ ﴾ (الحاقه: ۶۹/ ۴۴-۴۶) ''اگر یہ ہمارے بارے میں کوئی جھوٹ گھڑتا تو ہم اس کو داہنے ہاتھ سے پکڑ لیتے اور پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے''۔

پس اللہ تبارک و تعالیٰ قادر اور حکمت والا ہے۔ اس کی حکمت اور قدرت کے لائق نہیں کہ ایسے جھوٹے شخص کو برقرار رکھے جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ اللہ کا رسول ہے حالانکہ وہ اللہ کا رسول نہ ہو اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ان لوگوں کو دعوت دینے پر مامور کیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم نہ دیا ہو اور یہ کہ جو اس کی مخالفت کریں گے' اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ان کا خون' ان کا مال اور ان کی عورتیں مباح کر دی ہیں۔ اس فریب کاری کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے اقرار و فعل کے ذریعے سے اس کی تصدیق کرے' وہ جو کچھ کرے معجزات باہرہ اور آیات ظاہرہ کے ذریعے سے اس کی تائید کرے اور اسے فتح و نصرت سے نوازے جو اس کی مخالفت کرے اور اس سے عداوت رکھے' اسے اپنی نصرت سے محروم کر دے۔ پس اس گواہی سے بڑی کون سی گواہی ہے؟

﴿ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ﴾ ''اور اتارا گیا میری طرف قرآن' تاکہ ڈراؤں میں تم کو اس کے ساتھ اور جس کو یہ پہنچے'' یعنی تمہارے فائدے اور تمہارے مصالح کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن میری طرف وحی کیا ہے' تاکہ میں تمہیں دردناک عذاب سے ڈراؤں۔ (اُنْذَار) یہ ہے کہ جس چیز سے ڈرانا مقصود ہو' اسے بیان کیا جائے۔ جیسے ترغیب و ترہیب' اعمال اور اقوال ظاہرہ و باطنہ۔ جو کوئی ان کو قائم کرتا ہے وہ گویا

انذار کو قبول کرتا ہے۔ پس اے مخاطبین! یہ قرآن تمہیں اور ان تمام لوگوں کو جن کے پاس' قیامت تک یہ پہنچے گا' برے انجام سے ڈراتا ہے۔ کیونکہ قرآن میں ان تمام مطالب الٰہیہ کا بیان موجود ہے جن کا انسان محتاج ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر اپنی گواہی کا ذکر فرمایا جو سب سے بڑی گواہی ہے' تو اپنے رسول ﷺ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی خبر کی مخالفت کرنے والوں اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والوں سے کہہ دیجئے! ﴿ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ﴾ ''کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں؟ کہہ دیجئے! میں تو گواہی نہیں دیتا'' یعنی اگر وہ گواہی دیں تو ان کے ساتھ گواہی مت دیجئے۔

پس اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے لاشریک ہونے پر ایک طرف اللہ کی گواہی ہے جو سب سے زیادہ سچا اور تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور اسی طرح مخلوق میں سے پاکیزہ ترین ہستی (آخری رسول) کی گواہی ہے جس کی تائید میں قطعی دلائل اور روشن براہین ہیں اور دوسری طرف مشرکین کی شہادت ہے جن کی عقل اور دین خلط ملط ہو گئے ہیں جن کی آراء اور اخلاق خرابی کا شکار ہو گئے ہیں اور جنہوں نے عقل مندوں کو اپنے آپ پر ہنسنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ ان دونوں شہادتوں کے درمیان موازنہ کیا جائے۔

بلکہ ان مشرکین کی گواہی تو خود ان کی اپنی فطرت کے خلاف ہے اور ان کے اقوال اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خداؤں کے اثبات کے بارے میں متناقض ہیں۔ بایں ہمہ جس چیز کی وہ مخالفت کرتے ہیں اس کے خلاف دلائل تو کجا ایک ادنیٰ سا شبہ بھی وارد نہیں ہو سکتا۔ اگر تو سمجھ بوجھ رکھتا ہے تو اپنے لئے ان دونوں میں سے کوئی سی گواہی چن لے۔ ہم تو اپنے لئے وہی چیز اختیار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لئے اختیار کی ہے اور اس کی پیروی کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ﴾ ''کہہ دیجیے کہ صرف وہی ایک معبود ہے۔'' یعنی وہ اکیلا معبود ہے اور اس کے سوا کوئی عبودیت اور الوہیت کا مستحق نہیں' جیسے وہ تخلیق و تدبیر میں منفرد ہے ﴿ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴾ ''اور میں بیزار ہوں تمہارے شرک سے'' یعنی تم جن بتوں اور دیگر خداؤں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو اور وہ تمام چیزیں جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا جاتا ہے میں ان سے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ یہ ہے توحید کی حقیقت' یعنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اثبات اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے اس کی نفی۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر اپنی اور اپنے رسول کی شہادت کا ذکر فرمایا اور اس کے برعکس مشرکین کی شہادت کا بھی ذکر کیا جن کے پاس کوئی علم نہیں' تو اہل کتاب میں سے یہود و نصاریٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ يَعْرِفُوْنَهٗ ﴾ ''وہ پہچانتے ہیں اسے'' یعنی وہ توحید کی صحت کو جانتے ہیں ﴿ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ﴾ ''جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں'' یعنی اس کی صحت میں ان کے ہاں کسی بھی پہلو سے کوئی شک نہیں جیسے انہیں اپنی اولاد

کے بارے میں کوئی اشتباہ واقع نہیں ہوتا' خاص طور پر وہ بیٹے جو غالب طور پر اپنے باپ کے ساتھ ہوتے ہیں۔
اس آیت کریمہ میں یہ احتمال بھی ہے کہ ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹتی ہو۔ تب اس کے معنی ہوں گے کہ آپ ﷺ کی رسالت کے حق ہونے میں اہل کتاب کو کوئی اشتباہ تھا نہ کوئی شک' کیونکہ ان کے پاس آپ کی بعثت کے بارے میں بشارتیں موجود تھیں اور وہ تمام صفات (جو ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی تھیں) آپ ﷺ کے سوا کسی پر منطبق ہوتی تھیں نہ آپ ﷺ کے سوا کسی کے شایان شان تھیں۔ دونوں معنی ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہیں۔ ﴿اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ﴾ ''وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفسوں کو نقصان میں ڈالا'' یعنی جس ایمان اور توحید کے لئے ان کے نفوس کو تخلیق کیا گیا تھا انہوں نے اپنے نفوس کو ان سے بے بہرہ کر دیا اور بزرگی کے مالک' بادشاہ حقیقی کے فضل سے ان کو محروم کر دیا ﴿فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ﴾ ''پس وہ ایمان نہیں لائیں گے''۔ پس جب ان کے اندر ایمان ہی موجود نہیں تو اس خسارے اور شر کے بارے میں مت پوچھ جو ان کو حاصل ہو گا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے' جو باندھے اوپر اللہ کے جھوٹ' یا جھٹلائے اس کی آیات کو' یقیناً نہیں فلاح پائیں گے ظالم ○

یعنی ظلم اور عناد میں اس شخص سے بڑھ کر کوئی نہیں جس میں ان دونوں اوصاف میں سے کوئی ایک وصف ہو' چہ جائیکہ جس میں دونوں ہی جمع ہوں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ گھڑنا۔ (۲) اور اس کی آیات کو جھٹلانا جنہیں رسول لے کر آئے ہیں۔
یہ شخص سب سے بڑا ظالم ہے اور ظالم کبھی فلاح نہیں پاتا۔

اس آیت کریمہ کی وعید میں وہ تمام لوگ داخل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں افترا پردازی کرتے ہوئے اس کے شریک اور معاون ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنا جائز ہے یا اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے کوئی بیوی یا بیٹا بنایا ہے۔ اور اس وعید میں وہ تمام لوگ بھی شامل ہیں جنہوں نے حق کو جھٹلایا جسے لے کر انبیا و مرسلین مبعوث ہوئے اور جس کے علم بردار' ان کے جانشین (داعیان حق) ہوئے۔

وَیَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ اَشْرَکُوْٓا اَیْنَ شُرَکَآؤُکُمُ الَّذِیْنَ کُنْتُمْ

اور جس دن ہم اکٹھا کریں گے ان سب کو' پھر ہم کہیں گے ان لوگوں کو جو شریک ٹھہراتے تھے' کہاں ہیں تمہارے وہ شریک کہ جنہیں تھے تم

تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَکُنْ فِتْنَتُهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ ﴿۲۳﴾

(شریک) گمان کرتے؟ ○ پھر نہ ہو گی معذرت ان کی مگر یہ کہ وہ کہیں گے قسم ہے اللہ' ہمارے رب کی! نہیں تھے ہم مشرک ○

اُنْظُرْ کَیْفَ کَذَبُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

دیکھیں! کیسا جھوٹ بولیں گے وہ اپنے آپ پر اور گم ہو جائے گا ان سے جو تھے وہ افتراء باندھتے۔ ○

اللہ تبارک وتعالیٰ قیامت کے روز اہل شرک کے انجام کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے‘ ان سے اس شرک کے بارے میں پوچھا جائے گا اور ان کو زجر وتوبیخ کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا ﴿ اَیْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴾ ”تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کو تم شریک گمان کرتے تھے؟“ یعنی اللہ تعالیٰ کا تو کوئی شریک نہیں‘ یہ محض زعم باطل اور تمہاری افترا پردازی ہے جو تم نے اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرا دیئے۔ ﴿ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ ﴾ ”پھر نہ رہے گا ان کے پاس کوئی فریب“ یعنی جب ان کو آزمایا جائے گا اور مذکورہ سوال کیا جائے گا تو ان کا جواب اس کے سوا کوئی نہیں ہوگا کہ وہ اپنے شرک کا ہی انکار کر دیں گے اور قسم اٹھا کر کہیں گے کہ وہ مشرک نہیں ہیں ﴿ اُنْظُرْ ﴾ ”دیکھیے“ یعنی ان پر اور ان کے احوال پر تعجب کرتے ہوئے دیکھیے ﴿ كَیْفَ كَذَبُوْا عَلٰۤی اَنْفُسِهِمْ ﴾ ”کیسے جھوٹ بولا انہوں نے اپنے پر“ یعنی انہوں نے ایسا جھوٹ باندھا کہ...... اللہ کی قسم!...... اس کا خسارہ اور انتہائی نقصان انہی کو پہنچے گا ﴿ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ﴾ ”اور کھو گئیں ان سے وہ باتیں جو وہ بنایا کرتے تھے“ یعنی وہ شریک جو وہ گھڑا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک ہیں‘ اللہ تعالیٰ ان کی اس افترا پردازی سے بالا و بلند تر ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُ اِلَیْكَ ۚ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ

اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو کان لگاتے ہیں آپ کی طرف‘ اور کر دیے ہم نے انکے دلوں پر پردے کہ وہ اسے سمجھ ہی (نہ) سکیں

وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ؕ حَتّٰۤی اِذَا جَآءُوْكَ

اور انکے کانوں میں ڈاٹ ہے اور اگر دیکھ لیں وہ ساری نشانیاں‘ نہیں ایمان لائیں گے وہ ان پر حتیٰ کہ جب آتے ہیں وہ آپکے پاس

یُجَادِلُوْنَكَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۵﴾

جھگڑتے ہوئے آپ سے‘ تو کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا‘ نہیں ہیں یہ مگر داستانیں پہلوں کی ○

یعنی ان مشرکین میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کو ان کے بعض داعیے بسا اوقات سننے پر آمادہ کر دیتے ہیں مگر یہ سننا قصد حق اور اس کی اتباع سے عاری ہوتا ہے بنا بریں وہ اس سننے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے‘ کیونکہ ان کا ارادہ بھلائی کا نہیں ہوتا ﴿ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً ﴾ ”اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیے ہیں“ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو نہ سمجھیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس قسم کے لوگوں سے محفوظ رہے ﴿ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ﴾ ”اور ان کے کانوں میں ثقل پیدا کر دیا ہے۔“ یعنی ان کے کانوں میں بہرا پن اور گرانی ہے‘ وہ اس طرح نہیں سن سکتے جس سے ان کو کوئی فائدہ پہنچے۔ ﴿ وَاِنْ یَّرَوْا كُلَّ اٰیَةٍ لَّا یُؤْمِنُوْا بِهَا ﴾ ”اور اگر وہ دیکھ لیں تمام نشانیاں‘ تب بھی ایمان نہیں لائیں گے“ اور یہ ظلم و عناد کی انتہا ہے کہ وہ حق کو ثابت کرنے والے واضح دلائل کو مانتے ہیں نہ ان کی تصدیق کرتے ہیں‘ بلکہ حق کو نیچا دکھانے کے لئے باطل کی مدد سے جھگڑتے ہیں‘ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ ”یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں جھگڑنے کو تو کافر کہتے ہیں' یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں“ یعنی یہ سب کچھ پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی کتابوں سے ماخوذ ہے جو اللہ کی طرف سے ہیں نہ اس کے رسولوں کی طرف سے۔ یہ ان کا کفر محض ہے ورنہ اس کتاب کو پہلے لوگوں کی کہانیاں کیسے کہا جا سکتا ہے جو گزرے ہوئے اور آنے والے لوگوں' انبیاء و مرسلین کے لائے ہوئے حقائق' حق اور ہر پہلو سے کامل عدل و انصاف پر مشتمل ہے؟

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ ۚ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۲۶﴾

اور وہ روکتے ہیں اس سے (دوسروں کو) اور دور رہتے ہیں (خود بھی) اس سے اور نہیں ہلاک کرتے وہ مگر اپنے آپکو اور وہ نہیں شعور رکھتے ○

﴿وَهُمْ﴾ ”اور وہ“ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کرنے والے لوگ گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کی صفات کے جامع ہیں۔ وہ لوگوں کو بھی اتباع حق سے روکتے ہیں' انہیں حق سے ڈراتے ہیں اور خود اپنے آپ کو بھی حق سے دور رکھتے ہیں۔ وہ اپنے ان کرتوتوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے مومن بندوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ﴿وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ”وہ اپنے آپ ہی کو ہلاک کرتے ہیں اور سمجھتے نہیں ہیں“ یعنی ان کو اس کا شعور نہیں۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا

اور اگر آپ دیکھیں جب کہ کھڑے کیے جائیں گے وہ اوپر آگ کے تو کہیں گے اے کاش ہم لوٹا دیے جائیں تو نہ جھٹلائیں گے ہم آیات اپنے رب کی

وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا

اور ہوں گے ہم مومنوں سے ○ بلکہ ظاہر ہو جائے گا ان کے لیے جو تھے وہ چھپاتے پہلے' اور اگر وہ لوٹا دیے جائیں

لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

تب بھی کریں گے وہ پھر وہی کام کہ روکے گئے تھے وہ ان سے اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں ○ اور کہتے ہیں وہ کہ نہیں ہے یہ (زندگی) مگر زندگی ہماری دنیا کی

وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾

اور نہیں ہم اٹھائے جائیں گے ○

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مشرکین کے حال اور جہنم کے سامنے ان کو کھڑے کیے جانے کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ﴾ ”اگر آپ دیکھیں جس وقت کھڑے کیے جائیں گے وہ دوزخ پر“ تاکہ ان کو زجر و توبیخ کی جائے۔۔۔ تو آپ بہت ہولناک معاملہ اور ان کا بہت برا حال دیکھتے نیز آپ یہ دیکھتے کہ یہ لوگ اپنے کفر و فسق کا اقرار کرتے ہیں اور تمنا کرتے ہیں کہ کاش ان کو دنیا میں پھر واپس بھیجا جائے ﴿فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ”پس وہ کہیں گے اے کاش!

ہم پھر بھیج دیے جائیں اور ہم نہ جھٹلائیں اپنے رب کی آیتوں کو اور ہو جائیں ہم ایمان والوں میں سے۔''

﴿بَلْ بَدَا لَهُم مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِن قَبْلُ﴾ ''بلکہ ظاہر ہو گیا ان کے لئے جو وہ چھپاتے تھے پہلے'' اس لئے کہ وہ اپنے دل میں اس حقیقت کو چھپاتے تھے کہ وہ جھوٹے ہیں اور ان کے دلوں کا جھوٹ بسا اوقات ظاہر ہو جاتا تھا۔ مگر ان کی فاسد اغراض ان کو حق سے روک دیتی تھیں اور ان کے دلوں کو بھلائی سے پھیر دیتی تھیں' وہ اپنی ان تمناؤں میں جھوٹے ہیں' ان کا مقصد محض اپنے آپ کو عذاب سے ہٹانا ہے۔ ﴿وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾ ''اور اگر ان کو واپس لوٹا بھی دیا گیا تو یہ دوبارہ وہی کچھ کریں گے جس سے ان کو روکا گیا ہے اور بے شک یہ سخت جھوٹے ہیں۔'' ﴿وَقَالُوا﴾ ''اور وہ کہتے ہیں۔'' یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرنے والے کہتے ہیں ﴿إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا﴾ ''ہماری جو دنیا کی زندگی ہے بس یہی (زندگی) ہے۔'' یعنی حقیقت حال یہ ہے کہ ہمیں وجود میں لانے کا اس دنیا کی زندگی کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ﴾ ''ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔''

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ ۚ قَالَ أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ ۚ قَالُوا بَلَىٰ

اور کاش کہ دیکھیں آپ جب کھڑے کیے جائیں گے وہ سامنے اپنے رب کے' کہے گا وہ' کیا نہیں ہے یہ حق؟ وہ کہیں گے' کیوں نہیں'

وَرَبِّنَا ۚ قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿٣٠﴾

قسم ہے ہمارے رب کی! تو فرمائے گا وہ' پس چکھو تم عذاب بوجہ اس کے جو تھے تم کفر کرتے ○

﴿وَلَوْ تَرَىٰ﴾ ''اور اگر آپ دیکھیں'' یعنی اگر آپ کافروں کو دیکھیں ﴿إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ﴾ ''جبکہ انہیں ان کے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا'' تو آپ بہت بڑا معاملہ اور بہت ہولناک منظر دیکھیں گے۔ ﴿قَالَ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمائے گا: ﴿أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ﴾ ''کیا یہ برحق نہیں؟'' یعنی وہ عذاب جو تم دیکھ رہے ہو' کیا یہ سچ نہیں؟ ﴿قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا﴾ ''وہ کہیں گے کیوں نہیں' قسم ہے ہمارے رب کی!'' پس وہ اقرار اور اعتراف کریں گے جبکہ یہ اعتراف انہیں کوئی فائدہ نہ دے گا ﴿قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ ''اللہ فرمائے گا: پس چکھو اس عذاب کا مزا جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔''

قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوا

یقیناً خسارے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی ملاقات کو' یہاں تک کہ جب آئے گی انکے پاس قیامت اچانک' تو کہیں گے وہ

يَا حَسْرَتَنَا عَلَىٰ مَا فَرَّطْنَا فِيهَا وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ ۚ

ہائے افسوس! اس پر جو کوتاہی کی ہم نے اس کی بابت' اور وہ اٹھائے ہونگے اپنے بوجھ اوپر اپنی پیٹھوں کے

اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوۡنَ ﴿۳۱﴾

خبردار! برا ہے جو (بوجھ) وہ اٹھائیں گے ○

جس کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کو جھٹلایا' وہ خائب و خاسر ہوا اور ہر قسم کی بھلائی سے محروم کر دیا گیا۔ پس یہ تکذیب محرمات کے انکار کی جسارت اور ہلاکت میں ڈالنے والے اعمال کے اکتساب کی جرأت کی موجب ہوتی ہے ﴿حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتۡهُمُ السَّاعَةُ بَغۡتَةً﴾ "یہاں تک کہ جب آ پہنچے گی ان پر قیامت اچانک" اور وہ اس وقت بدترین اور قبیح ترین حال میں ہوں گے تب وہ انتہائی ندامت کا اظہار کریں گے ﴿قَالُوۡا يٰحَسۡرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطۡنَا فِيۡهَا﴾ "کہیں گے' ہائے افسوس! کیسی کوتاہی ہم نے کی اس میں" مگر حسرت اور ندامت کے اظہار کا وقت جا چکا ہوگا ﴿وَهُمۡ يَحۡمِلُوۡنَ اَوۡزَارَهُمۡ عَلٰى ظُهُوۡرِهِمۡ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوۡنَ﴾ "اور وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر' سن لو! کہ برا ہے وہ بوجھ جس کو وہ اٹھائیں گے۔ کیونکہ ان کا بوجھ ایسا بوجھ ہوگا جو ان کے لیے سخت بھاری ہوگا اور وہ اس سے گلوخلاصی پر قادر نہ ہوں گے۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور اللہ جبار کی ابدی ناراضی کے مستحق ہوں گے۔

وَمَا الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهۡوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الۡاٰخِرَةُ خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ ؕ

اور نہیں ہے زندگی دنیا کی مگر کھیل اور تماشہ' اور گھر آخرت کا بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں

اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۳۲﴾

کیا پس نہیں عقل رکھتے تم؟ ○

یہی دنیا اور آخرت کی حقیقت ہے۔ رہی دنیا کی حقیقت تو یہ محض لہو ولعب ہے۔ بدن کا کھیل تماشہ۔ اور قلب کا کھیل تماشہ' پس دل لہو ولعب پر فریفتہ' نفوس اس پر عاشق اور ارادے اس سے پیوست رہتے ہیں اور لہو ولعب میں مشغولیت اس میں ایسے ہوتی ہے جیسے بچے کھیل میں مگن ہوتے ہیں۔ رہی آخرت تو وہ ﴿خَيۡرٌ لِّلَّذِيۡنَ يَتَّقُوۡنَ﴾ اپنی ذات وصفات اور بقا و دوام کے اعتبار سے اہل تقویٰ کے لئے بہتر ہے۔ اس میں ہر وہ چیز موجود ہوگی جس کی نفس خواہش کریں گے' جس سے آنکھیں لذت حاصل کریں گی' یعنی قلب و روح کی نعمت اور مسرت و فرحت کی کثرت۔ مگر یہ نعمتیں اور مسرتیں ہر ایک کے لئے نہیں ہوں گی بلکہ صرف متقی لوگوں کے لئے ہوں گی جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کی منہیات کو ترک کرتے ہیں ﴿اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ﴾ "کیا تم عقل نہیں رکھتے؟" کیا تمہارے پاس عقل نہیں جس کے ذریعے سے تم یہ ادراک کر سکو کہ دنیا اور آخرت میں سے کون سا گھر ترجیح دیے جانے کا مستحق ہے؟

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ

تحقیق جانتے ہیں ہم بلاشبہ غمگین کرتی ہے آپ کو وہ بات جو وہ کہتے ہیں' پس بے شک وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو' لیکن وہ ظالم تو

بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٣٣﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا

اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں ○ اور بلاشبہ جھٹلائے گئے کئی رسول آپ سے پہلے' تو صبر کیا انہوں نے اوپر اسکے جو وہ جھٹلائے گئے

وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن نَّبَإِ

اور ایذاء دیے گئے' حتی کہ آگئی انکے پاس ہماری مدد اور نہیں کوئی تبدیل کرنیوالا اللہ کے کلمات کو اور یقیناً آچکی ہیں آپکے پاس کچھ خبریں

الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٤﴾ وَإِن كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَن تَبْتَغِيَ نَفَقًا

رسولوں کی ○ اور اگر ہو گراں آپ پر اعراض کرنا ان کا' تو اگر استطاعت رکھتے ہیں آپ یہ کہ تلاش کریں کوئی سرنگ

فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُم بِآيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ

زمین میں یا سیڑھی آسمان میں' پھر لے آئیں آپ ان کے پاس کوئی نشانی' (تو کر دیکھیں) اور اگر چاہتا اللہ تو جمع کر دیتا انہیں

عَلَى الْهُدَىٰ ۚ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٥﴾

ہدایت پر' پس نہ ہوں آپ نادانوں سے ○

یعنی ہمیں علم ہے کہ آپ کی تکذیب کرنے والے آپ کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں اس سے آپ کو تکلیف پہنچتی ہے اور آپ غم زدہ ہوتے ہیں۔ ہم نے آپ کو صبر کرنے کا حکم محض اس لئے دیا ہے تا کہ آپ کو مقامات بلند اور گراں قیمت احوال حاصل ہوں۔ پس آپ یہ نہ سمجھیں کہ ان کا یہ قول اس سبب سے صادر ہوا ہے کہ ان کو آپ کے بارے میں کوئی اشتباہ یا شک لاحق ہوا ہے ﴿فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ﴾ ''بے شک وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے'' کیونکہ وہ آپ کی صداقت' آپ کے اندر' باہر اور آپ کے تمام احوال کو خوب جانتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کو ''امین'' کہا کرتے تھے ﴿وَلَٰكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾ ''لیکن ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔'' یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی ان آیات کو جھٹلاتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر ظاہر کیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا﴾ ''آپ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا' پس انہوں نے اپنی تکذیب اور ایذا دیے جانے پر صبر کیا' یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ گئی'' پس جس طرح انہوں نے صبر کیا اسی طرح آپ بھی صبر کیجئے۔ جس طرح وہ ظفریاب ہوئے آپ بھی ظفریاب ہوں گے۔ ﴿وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن نَّبَإِ الْمُرْسَلِينَ﴾ ''اور آپ کے پاس گزشتہ انبیاء و مرسلین کی خبر پہنچ گئی ہے'' جس سے آپ کے دل کو تقویت اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ ﴿وَإِن كَانَ

كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ﴾ ''اور اگر ان کی روگردانی آپ پر شاق گزرتی ہے۔'' یعنی اگر ان کا اعراض آپ پر شاق گزرتا ہے' کیونکہ آپ ان کے ایمان کی بہت خواہش رکھتے ہیں تو آپ اس بارے میں اپنی پوری کوشش کر دیکھئے۔ پس اس شخص کو ہدایت دینا آپ کے بس میں نہیں جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا نہ چاہتا ہو۔ ﴿فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ﴾ ''پس اگر آپ سے ہو سکے کہ ڈھونڈ نکالیں کوئی سرنگ زمین میں' یا کوئی سیڑھی آسمان میں پھر لائیں آپ ان کے پاس کوئی نشانی'' یعنی یہ سب کچھ کر دیکھئے ان میں سے کوئی چیز بھی ان کو فائدہ نہیں دے گی۔ یہ آیت کریمہ اس قسم کے معاندین حق کی ہدایت کی تمنا اور امید کو منقطع کرتی ہے۔ ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى﴾ ''اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا'' مگر حکمت الٰہی متقاضی ہوئی کہ وہ اپنی گمراہی پر باقی رہیں ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ﴾ ''پس آپ جاہلوں میں شامل نہ ہوں'' جو حقائق امور کی معرفت نہیں رکھتے اور ان امور کو ان کے مقام پر نہیں رکھتے۔

اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾ وَقَالُوْا

بلاشبہ قبول تو وہی لوگ کرتے ہیں جو سنتے ہیں۔ اور مردے اٹھائے گا انکو اللہ' پھر اسی کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے ○ اور کہا انہوں نے

لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً

کیوں نہیں اتاری گئی اس (نبی) پر کوئی بڑی نشانی اسکے رب کی طرف سے؟ کہہ دیجئے! یقیناً اللہ قادر ہے اس پر کہ اتارے بڑی نشانی

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾

لیکن اکثر ان کے نہیں علم رکھتے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے ﴿اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ﴾ ''بلاشبہ قبول کریں گے۔'' آپ کی دعوت اور آپ کی رسالت پر صرف وہی لوگ لبیک کہیں گے اور آپ کے امر و نہی کے سامنے صرف وہی لوگ سر تسلیم خم کریں گے ﴿الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ﴾ ''جو سنتے ہیں۔'' یعنی جو اپنے دل کے کانوں سے سنتے ہیں جو ان کو فائدہ دیتا ہے اور یہ عقل اور کان رکھنے والے لوگ ہیں۔ یہاں سننے سے مراد دل سے سننا اور اس پر لبیک کہنا ہے ورنہ مجرد کانوں سے سننے میں نیک اور بد سب شامل ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی آیات کو سن کر تمام مکلفین پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو گئی اور حق کو قبول نہ کرنے کا ان کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہا۔ ﴿وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ ''اور مردوں کو زندہ کرے گا اللہ' پھر اس کی طرف وہ لائے جائیں گے'' اس میں اس امر کا احتمال ہے کہ یہ معنی' مذکور بالا معنی کے بالمقابل ہوں۔ یعنی آپ کی دعوت کا جواب صرف وہی لوگ دیں گے جن کے دل زندہ ہیں' رہے وہ لوگ جن کے دل مر چکے ہیں' جنہیں اپنی سعادت کا شعور تک نہیں اور جنہیں یہ بھی احساس نہیں کہ وہ کون سی چیز ہے جو انہیں نجات دلائے گی تو ایسے لوگ آپ کی دعوت پر لبیک نہیں کہیں گے۔ اور نہ وہ آپ کی

اطاعت کریں گے۔ ان کے لئے وعدے کا دن تو قیامت کا دن ہے اس روز اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا' پھر وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اس آیت کریمہ میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس کے ظاہری معنی مراد لئے جائیں۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ معاد کو متحقق کر رہا ہے کہ وہ قیامت کے روز تمام مردوں کو زندہ کرے گا' پھر ان کو ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا۔

یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہنے کی ترغیب اور اس کا جواب نہ دینے پر ترہیب کو متضمن ہے۔ ﴿وَقَالُوْا﴾ ''اور کہتے ہیں۔'' یعنی عناد کی وجہ سے رسول کی تکذیب کرنے والے کہتے ہیں: ﴿لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ ''کیوں نہیں اتاری گئی اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے؟'' یعنی ان کی خواہش کے مطابق نشانیاں نازل کی جائیں جن کا انتخاب وہ اپنی فاسد عقل اور گھٹیا آراء کے ذریعے سے کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قول نقل فرمایا ہے: ﴿وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ○ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ○ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/۹۰-۹۲) ''اور وہ کہتے ہیں کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تم زمین سے ہمارے لئے چشمہ جاری نہ کر دو' یا تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اور اس باغ کے بیچوں بیچ نہریں جاری کر دو' یا جیسا کہ تم دعویٰ کیا کرتے ہو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دو یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ۔''

﴿قُلْ﴾ ان کا جواب دیتے ہوئے کہہ دیجئے! ﴿اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً﴾ ''یقیناً اللہ اس بات پر قادر ہے کہ کوئی نشانی اتار دے'' اس کی قدرت ایسا کرنے سے قاصر نہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ ہر چیز اس کے غلبہ کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے اور اس کی قدرت و تسلط کی اطاعت کئے ہوئے ہے ﴿وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے'' پس وہ اپنی جہالت اور عدم علم کی بنا پر ایسی نشانیوں کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ اگر وہ نشانیاں ان کے پاس آ جائیں تو بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے اور پھر ان پر جلدی سے عذاب نازل کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ یہ سنت الٰہی ہے جو کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔ بایں ہمہ اگر ان کا مقصود وہ نشانیاں ہیں جو حق کو واضح کر کے راہ حق کو روشن کر دیں تو جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ہر قسم کی قطعی دلیل اور روشن برہان پیش کرتے ہیں جو اس حق پر دلالت کرتی ہیں جس کے ساتھ آپ ﷺ مبعوث ہوئے' کیونکہ بندہ دین کے ہر مسئلہ میں متعدد عقلی اور نقلی دلائل پاتا ہے کہ اس کے دل میں ادنیٰ سا شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ پس نہایت بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور واضح دلائل کے ساتھ اس کی تائید کی' تاکہ جو کوئی ہلاک ہو دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو کوئی زندہ رہے' دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور

جاننے والا ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا

اور نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے ساتھ اپنے دونوں پروں کے مگر امتیں ہیں وہ تمہاری ہی طرح نہیں چھوڑی ہم نے

فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

کتاب میں کوئی چیز' پھر اپنے رب کی طرف وہ اکٹھے کیے جائیں گے ○

زمین میں رہنے والے' ہوا میں اڑنے والے' بہائم' جنگلوں میں رہنے والے وحشی جانور اور پرندے سب تمہاری طرح گروہ ہیں۔ ان کو بھی ہم نے اسی طرح پیدا کیا ہے جس طرح تمہیں پیدا کیا ہے' اسی طرح ہم ان کو بھی رزق عطا کرتے ہیں جس طرح تمہیں عطا کرتے ہیں۔ ہماری قدرت اور مشیت ان پر بھی اسی طرح نافذ ہے جس طرح تم پر نافذ ہے۔ ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ''ہم نے کتاب میں کسی چیز میں کوتاہی نہیں کی ۔'' یعنی ہم نے کسی چیز کو لوح محفوظ میں لکھنے میں کوتاہی اور غفلت نہیں کی بلکہ تمام چھوٹی بڑی چیزیں جیسی بھی وہ ہیں لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔ پس تمام حوادث اس کے مطابق واقع ہوتے ہیں جو قلم سے لکھے جا چکے ہیں۔

یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ سب سے پہلے لوح محفوظ میں تمام کائنات کی تقدیر لکھ دی گئی۔ یہ قضاوقدر کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے۔ قضاوقدر کے چار مراتب ہیں۔

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ کا علم تمام اشیا کو شامل ہے۔

(۲) اس کی کتاب (یعنی لوح محفوظ) تمام موجودات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

(۳) اس کی مشیت اور قدرت عامہ ہر چیز پر نافذ ہے۔

(۴) تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے' حتی کہ بندوں کے افعال کا خالق بھی وہی ہے۔

اس آیت مبارکہ میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ ''کتاب'' سے مراد قرآن ہو۔ تب اس کے معنی قرآن کریم کی اس آیت کی مانند ہوں گے ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل: ١٦/ ٨٩) ''اور ہم نے تم پر کتاب نازل کی جس میں ہر چیز بیان کر دی گئی ہے''۔

﴿ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ﴾ ''پھر سب اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے۔'' یعنی تمام امتوں کو قیامت کے میدان میں اللہ تعالیٰ کے حضور جمع کیا جائے گا۔ یہ انتہائی ہولناک مقام ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے عدل و احسان سے سب کو جزا دے گا اور ان پر اپنا فیصلہ نافذ کرے گا' جس کی تعریف اولین و آخرین' آسمانوں والے اور زمین والے سب کریں گے۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ

اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو وہ بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں، جسے چاہے اللہ گمراہ کرتا ہے اسکو اور جسے چاہے

يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٣٩﴾

کر دیتا ہے اسے اوپر صراط مستقیم کے ○

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کا حال بیان ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ پر ہدایت کے دروازے بند کر کے ہلاکت کے دروازے کھول لئے۔ اور وہ ﴿صُمٌّ﴾ ''بہرے'' یعنی حق سننے سے بہرے ہیں ﴿وَّبُكْمٌ﴾ ''اور گونگے'' یعنی حق بولنے سے گونگے ہیں، پس باطل کے سوا کچھ نہیں بولتے۔ ﴿فِي الظُّلُمٰتِ﴾ ''اندھیروں میں'' یعنی جہالت، کفر، ظلم، عناد اور نافرمانی کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا ان کو گمراہ کر دینا ہے، کیونکہ ﴿مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ ''وہ جس کو چاہتا ہے، گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے، اسے صراط مستقیم پر ڈال دیتا ہے'' کیونکہ وہی اکیلا اپنی حکمت اور فضل و کرم کے تقاضوں کے مطابق ہدایت دیتا یا گمراہ کرتا ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ

کہہ دیجئے! مجھے بتلاؤ! اگر آئے تم پر عذاب اللہ کا یا آ جائے تم پر قیامت، تو کیا غیر اللہ کو پکارو گے تم ؟

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٠﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ

اگر ہو تم سچے ○ بلکہ صرف اسی کو پکارو گے تم، پھر دور کر دے گا (اللہ) وہ تکلیف کہ پکارو گے تم اس کے لیے، اگر چاہے گا وہ

وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿٤١﴾ ع

اور فراموش کر دو گے تم جنہیں شریک ٹھہراتے تھے ○

﴿قُلْ﴾ اللہ تعالیٰ کے ہمسر ٹھہرانے والے مشرکین سے کہہ دیجئے ﴿اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ''بھلا بتلاؤ، اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آ جائے یا قیامت آ جائے، تو کیا تم اللہ کے سوا اوروں کو پکارو گے، اگر تم سچے ہو؟'' یعنی جب تم ان تکالیف اور کرب و غم میں مبتلا ہوتے ہو اور تم ان کو ہٹانے پر مجبور ہوتے ہو، تب اس وقت تم اپنے خداؤں اور بتوں کو پکارتے ہو یا تم اپنے رب بادشاہ حقیقی کو پکارتے ہو؟ ﴿بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ﴾ ''بلکہ تم صرف اسی کو پکارتے ہو، پھر وہ دور کر دیتا ہے اس مصیبت کو جس کے لئے اس کو پکارتے ہو، اگر وہ چاہے، اور ان کو بھول جاتے ہو جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔'' جب سختیوں کے وقت تمہارا اپنے معبودوں کے بارے میں یہ حال ہے کہ تم ان کو بھول جاتے ہو کیونکہ تمہیں علم ہے کہ وہ نفع و نقصان کے مالک ہیں نہ موت و حیات کے اور نہ وہ

قیامت کے روز دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہیں اور تم (اس وقت) نہایت اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہو کیونکہ تم جانتے ہو کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی نفع ونقصان کا مالک ہے وہی ہے جو مجبور کی دعا قبول کرتا ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ فراخی اور خوشحالی کے وقت تم شرک کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے ہو؟ کیا عقل یا نقل نے تمہیں اس راہ پر لگایا ہے یا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے یا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ گھڑ رہے ہو؟

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

اور تحقیق بھیجے ہم نے امتوں کی طرف (رسول) آپ سے پہلے، پھر پکڑا ہم نے ان کو ساتھ سختی اور تکلیف کے تاکہ وہ

يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ

عاجزی کریں ○ پھر کیوں نہ جب آیا ان پر ہمارا عذاب، عاجزی کی انہوں نے؟ لیکن سخت ہو گئے ان کے دل، اور مزین کر دیا

لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ

ان کیلئے شیطان نے جو تھے وہ عمل کرتے ○ پس جب بھلا دیا انہوں نے اسکو کہ نصیحت کیے گئے تھے وہ اسکی تو کھول دیے ہم نے ان پر دروازے

كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾

ہر چیز کے یہاں تک کہ جب وہ اترا گئے ساتھ ان چیزوں کے جو وہ دیے گئے تو پکڑ لیا ہم نے انہیں ناگہاں، تب وہ ناامید ہو گئے ○

فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

پس قطع کر دی گئی جڑ اس قوم کی جنہوں نے ظلم کیا تھا، اور ہر قسم کی حمد اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے ○

﴿ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ ﴾ ''اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے۔'' یعنی ہم نے سابقہ اور گزرے ہوئے زمانوں میں رسول بھیجے۔ انہوں نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا اور ہماری آیات کا انکار کیا ﴿ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ ﴾ ''ہم انہیں سختیوں اور تکلیفوں میں پکڑتے رہے۔'' یعنی ان پر رحم کرتے ہوئے فقر و مرض اور آفات و مصائب کے ذریعے سے ان کی گرفت کی ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴾ ''تاکہ وہ عاجزی کریں۔'' شاید کہ وہ اللہ کے پاس عاجزی سے گڑگڑائیں اور سختی کے وقت اس کے پاس پناہ طلب کریں۔

﴿ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ ﴾ ''پس کیوں نہ گڑگڑائے جب آیا ان پر عذاب ہمارا، لیکن سخت ہو گئے دل ان کے'' یعنی ان کے دل پتھر ہو گئے ہیں جو حق کے سامنے نرم نہیں پڑتے ﴿ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور بھلے کر دکھلائے ان کو شیطان نے جو کام وہ کر رہے تھے'' اس لئے وہ سمجھتے رہے کہ جس راستے پر وہ گامزن ہیں یہی دین حق ہے۔ پس وہ اپنے باطل میں غلطاں کچھ عرصہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور شیطان ان کی عقلوں کے ساتھ کھیلتا ہے۔

﴿ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾ ''پھر جب وہ بھول گئے اس نصیحت کو

جوان کو کی گئی تھی تو کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے'' یعنی ان پر دنیا' اس کی لذتوں اور اس کی غفلتوں کے دروازے کھول دیئے ﴿حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ﴾ ''یہاں تک کہ جب وہ خوش ہوئے ان چیزوں پر جو ان کو دی گئیں تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا' پس اس وقت وہ ناامید ہو کر رہ گئے'' یعنی وہ ہر بھلائی سے مایوس ہو گئے۔ یہ عذاب کی سخت ترین نوعیت ہے کہ انہیں اچانک غفلت اور اطمینان کی حالت میں پکڑ لیا جائے تاکہ ان کی سزا سخت اور مصیبت بہت بڑی ہو۔ ﴿فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ ''پھر کٹ گئی جڑ ظالموں کی'' یعنی عذاب سے وہ برباد ہو گئے اور ان کے تمام اسباب منقطع ہو گئے ﴿وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ''اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے'' اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر نے جھٹلانے والوں کی جو ہلاکت مقدر کی ہے اس پر پروردگار عالم کی تعریف ہے' کیونکہ اسی سے اللہ تعالیٰ کی آیات' اس کے اولیا کی عزت و تکریم' اس کے دشمنوں کی ذلت و رسوائی اور رسولوں کی تعلیمات کی سچائی ظاہر ہوتی ہے۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ

کہہ دیجیے' مجھے بتلاؤ! اگر چھین لے اللہ' تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور مہر لگا دے تمہارے دلوں پر' تو کون معبود ہے سوائے

اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ

اللہ کے جو لا دے تمہیں یہ (چیزیں)؟ دیکھیے! کس طرح پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں ہم آیتیں' پھر بھی وہ اعراض کرتے ہیں ○ کہہ دیجیے' مجھے بتلاؤ!

اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾

اگر آ جائے تم پر عذاب اللہ کا یکایک یا علانیہ' تو نہیں ہلاک کیے جائیں گے مگر ظالم لوگ ہی ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ جس طرح وہ تمام کائنات کی تخلیق و تدبیر میں متفرد ہے اسی طرح وہ وحدانیت اور الوہیت میں بھی متفرد ہے۔ فرمایا: ﴿قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ﴾ ''کہہ دیجیے' بتلاؤ! اگر اللہ تعالیٰ چھین لے تمہارے کان اور آنکھیں اور مہر لگا دے تمہارے دلوں پر'' یعنی تم اس حالت میں باقی رہ جاؤ کہ تمہاری سماعت ہو نہ بصارت اور نہ سوچنے سمجھنے کی قوت ﴿مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ﴾ ''تو کون ایسا معبود ہے اللہ کے سوا جو تم کو یہ چیزیں لا دے؟'' جب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں جو یہ چیز عطا کر سکے تو پھر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہستیوں کی عبادت کیوں کرتے ہو جن کے پاس کچھ بھی قدرت و اختیار نہیں مگر جب اللہ چاہے۔

یہ آیت کریمہ توحید کے اثبات اور شرک کے بطلان کی دلیل ہے اس لئے فرمایا: ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ﴾ ''دیکھو! ہم کیوں کر طرح طرح سے بیان کرتے ہیں باتیں'' یعنی ہم اپنی آیات کو کس طرح متنوع بناتے ہیں' ہم ہر اسلوب میں اپنی نشانی لاتے ہیں' تاکہ حق روشن اور مجرموں کی راہ واضح ہو جائے ﴿ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ﴾ ''پھر

بھی وہ اعراض کرتے ہیں۔'' یعنی اس کامل تبیین و توضیح کے باوجود بھی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے روگردانی اور اعراض کرتے ہیں۔ ﴿ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ ﴾ یعنی مجھے خبر دو ﴿ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً ﴾ ''اگر تم پر اللہ کا عذاب بے خبری میں یا خبر آنے کے بعد آئے'' یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک آ جائے یا اس عذاب کے مقدمات ظاہر ہو جائیں جن سے تمہیں اس عذاب کے وقوع کا علم ہو جائے ﴿ هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ''تو کیا ظالموں کے سوا کوئی اور بھی ہلاک ہوگا۔'' یعنی وہی ظالم لوگ ہلاک ہوں گے جو اپنے ظلم و عناد کی وجہ سے اس عذاب کے وقوع کا سبب بنے۔ اس لئے ظلم پر قائم رہنے سے بچو' کیونکہ ظلم ابدی ہلاکت اور دائمی بدبختی ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ

اور نہیں بھیجتے ہم رسولوں کو مگر بشارت دینے اور ڈرانے والے بنا کر' پھر جو شخص ایمان لے آئے اور اصلاح کرلے تو نہیں کوئی خوف ہوگا

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ

ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو' پہنچے گا انہیں عذاب

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۴۹﴾

بوجہ اس کے جو تھے وہ نافرمانی کرتے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اس چیز کا خلاصہ بیان فرماتا ہے جس کے ساتھ اس نے رسولوں کو بھیجا اور وہ ہے تبشیر اور انذار۔ یہ چیز مُبَشَّر' مُبَشَّرٌ بِه اور ان اعمال کے بیان کو مستلزم ہے کہ جب بندہ ان کو بجالاتا ہے تو اسے بشارت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ مُنذِر' مُنْذَرٌ بِه اور ایسے اعمال کے بیان کو لازم قرار دیتی ہے کہ بندہ جب ان اعمال کا ارتکاب کرتا ہے تو انذار کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ لوگ انبیا و مرسلین کی دعوت پر لبیک کہنے یا ان کی دعوت کا جواب نہ دینے کے اعتبار سے دو اقسام میں منقسم ہیں ﴿ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ ﴾ ''پھر جو شخص ایمان لائے اور اصلاح کرے'' یعنی جو اللہ تعالیٰ' اس کے فرشتوں' اس کی کتابوں' اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے ایمان' اعمال اور نیت کی اصلاح کرتے ہیں ﴿ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ﴾ ''تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا'' آنے والے امور سے انہیں کوئی خوف نہ ہوگا ﴿ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴾ ''اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔'' اور گزرے ہوئے امور پر وہ غمزدہ نہ ہوں گے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ ﴾ ''اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا' ان کو عذاب پہنچے گا'' اور وہ اس کا مزا چکھیں گے ﴿ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴾ ''اس پاداش میں کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔''

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ

کہہ دیجیے! نہیں کہتا میں تم سے کہ میرے پاس خزانے ہیں اللہ کے' اور نہ میں جانتا ہوں غیب' اور نہیں کہتا میں تم سے کہ یقیناً میں

مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ

فرشتہ ہوں' نہیں پیروی کرتا میں مگر اسی چیز کی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف۔ کہہ دیجئے! کیا برابر ہو سکتا ہے نابینا اور بینا؟

اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ۟ؑ

کیا پس نہیں غور کرتے تم؟ ○

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ وہ معجزات کا مطالبہ کرنے والوں سے کہہ دیں یا جو آپ سے یہ کہتے ہیں کہ "تو صرف اس لئے ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم تجھے بھی اللہ کے ساتھ الہ مان لیں" ﴿ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ ﴾ "میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں" یعنی اللہ تعالیٰ کے رزق اور رحمت کی کنجیاں ﴿ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ ﴾ "اور نہ میں غیب جانتا ہوں" غیب کا علم تو تمام تر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جس کی صفت ہے: ﴿ مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا ۚ وَمَا يُمْسِكْ ۙ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ﴾ (فاطر: ٢/٣٥) "اللہ تعالیٰ لوگوں پر رحمت کا جو دروازہ کھول دے اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جو دروازہ وہ بند کر دے تو اس کے بعد کوئی کھول نہیں سکتا۔" یعنی وہ اکیلا ہی ہے جو غائب اور موجود کا علم رکھتا ہے ﴿ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ﴾ (الجن: ٢٦/٧٢-٢٧) "وہ کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا سوائے اس رسول کے جسے وہ پسند کرے"۔

﴿ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ ﴾ "اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں" کہ میں اللہ تعالیٰ کے تصرفات کو نافذ کرنے والا ہوں' میں اپنے اس مرتبہ ومقام سے بڑھ کر کوئی دعویٰ نہیں کرتا جس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے فائز کیا ہے۔ ﴿ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ ﴾ "میں تو صرف اس حکم پر چلتا ہوں جو مجھے آتا ہے۔" یعنی یہ میرے معاملے کی غایت وانتہا ہے' میں وحی کے سوا کسی چیز کی پیروی نہیں کرتا' میں خود بھی اس پر عمل کرتا ہوں اور تمام مخلوق کو بھی اسی پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ جب میں نے اپنا مرتبہ اور مقام پہچان لیا ہے تو تلاش کرنے والا میرے پاس کیا چیز تلاش کرتا ہے یا مجھ سے ایسی کس چیز کا مطالبہ کرتا ہے جس کا میں نے کبھی دعویٰ ہی نہیں کیا۔ کیا انسان پر اس کے سوا کوئی چیز لازم ہے جس کے وہ درپے ہے؟ جب میں تمہیں اس چیز کی طرف بلاتا ہوں جو میری طرف وحی کی گئی ہے' تو تم کس بنا پر مجھ پر یہ لازم کرتے ہو کہ میں کسی ایسی چیز کا دعویٰ کروں جو میرے مرتبہ کے شایان نہیں' کیا یہ محض تمہارا ظلم' عناد اور سرکشی نہیں؟

جو آپ کی دعوت قبول کرتے ہیں اور آپ کی طرف بھیجی گئی وحی کی اتباع کرتے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے' ان کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے کہہ دیجئے! ﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۭ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ "کہہ دیجئے! کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟" کیا تم غور و فکر نہیں کرتے کہ تمام اشیا کو ان

کے اپنے اپنے مرتبے اور مقام پر رکھو اور اسی چیز کو اختیار کرو جو اختیار کیے جانے اور ترجیح دیے جانے کی مستحق ہے۔

وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُحْشَرُوا إِلَى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ

اور ڈرائیں آپ اسکے ذریعے انکو جو ڈرتے ہیں اس سے کہ وہ اکٹھے کیے جائیں گے اپنے رب کی طرف نہیں ہوگا انکا اس کے سوا

وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿٥١﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ

کوئی دوست اور نہ کوئی سفارشی تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں ○ اور مت دور کریں ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح

وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ

اور شام چاہتے ہیں وہ چہرہ اس کا نہیں ہے آپ کے ذمے ان کے حساب میں سے کچھ اور نہیں ہے آپ کے حساب میں سے

عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ

انکے ذمے کچھ کہ دور کریں آپ انکو (ایسا کیا) تو ہو جائیں گے آپ ظالموں سے (۵۲) اور اسی طرح فتنے میں ڈالا ہم نے انکے ایک کو

بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ

دوسرے کے ذریعے سے تاکہ کہیں وہ کیا یہی لوگ ہیں کہ احسان کیا اللہ نے ان پر ہمارے درمیان میں سے؟ کیا نہیں ہے اللہ خوب جانتا

بِالشَّاكِرِينَ ﴿٥٣﴾ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ

شکر کرنیوالوں کو؟ ○ اور جب آئیں آپکے پاس وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیات پر تو کہہ دیجیے سلام ہو تم پر لازم کر لیا ہے

رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ أَنَّهُ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ

تمہارے رب نے اوپر اپنے نفس کے مہربانی کرنا بے شک جو شخص عمل کرے تم میں سے برا جہالت سے پھر وہ توبہ کرے

مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَأَنَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٥٤﴾ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلِتَسْتَبِينَ

اسکے بعد اور اصلاح کر لے تو یقیناً وہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ○ اور اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیات کو اور تاکہ واضح ہو جائے

سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ ﴿٥٥﴾

راستہ مجرموں کا ○

یہ قرآن تمام مخلوق کے لئے انذار ہے مگر اس سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں ﴿الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُحْشَرُوا إِلَى رَبِّهِمْ﴾ ''جو اس حقیقت کا خوف رکھتے ہیں کہ انہیں ان کے رب کے پاس اکٹھے کیے جانا ہے۔'' پس انہیں پورا پورا یقین ہے کہ وہ اس گھر سے منتقل ہو کر آخرت کے ہمیشہ رہنے والے گھر میں داخل ہوں گے۔ وہ اپنے ساتھ وہی کچھ رکھتے ہیں جو ان کو فائدہ دیتا ہے اور اسے چھوڑ دیتے ہیں جو انہیں نقصان دیتا ہے۔

﴿لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ﴾ ''نہیں ہوگا ان کے لئے اس کے بغیر'' یعنی اللہ کے بغیر ﴿وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ﴾ ''کوئی دوست اور نہ سفارشی'' یعنی کوئی ایسی ہستی نہیں ہوگی جو ان کے معاملے کی سرپرستی کر سکے جس سے ان کا

مطلوب حاصل ہو جائے اور ان سے تکلیف دور ہو جائے' نہ ان کا کوئی سفارشی ہو گا' کیونکہ تمام مخلوق کے پاس کوئی اختیار نہیں ﴿ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴾ "تاکہ وہ پرہیزگار بنیں۔" شاید وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب کے ذریعے سے تقویٰ اختیار کریں۔ کیونکہ انذار' تقویٰ کا موجب اور اس کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ ﴿ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ﴾ "اور مت دور کیجئے ان لوگوں کو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں' چاہتے ہیں اسی کا چہرہ" یعنی دوسروں کی مجالست کی امید میں اہل اخلاص اور اہل عبادت کو اپنی مجلس سے دور نہ کیجئے جو ہمیشہ اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں' ذکر اور نماز کے ذریعے سے اس کی عبادت کرتے ہیں' صبح و شام اس سے سوال کرتے ہیں اور اس سے ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے۔ اس مقصد جلیل کے سوا ان کا کوئی اور مقصد نہیں۔ بنا بریں یہ لوگ اس چیز کے مستحق نہیں کہ انہیں اپنے سے دور کیا جائے یا ان سے روگردانی کی جائے بلکہ یہ لوگ تو آپ ﷺ کی موالات' محبت اور قربت کے زیادہ مستحق ہیں' کیونکہ یہ مخلوق میں سے چنے ہوئے لوگ ہیں اگرچہ یہ فقرا اور نادار ہیں اور یہی درحقیقت اللہ کے ہاں باعزت لوگ ہیں اگرچہ یہ لوگوں کے نزدیک گھٹیا اور کم مرتبہ ہیں۔

﴿ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ ﴾ "نہیں ہے آپ پر ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ آپ کے حساب میں سے ان پر ہے کچھ" یعنی ہر شخص کے ذمہ اس کا اپنا حساب ہے' اس کا نیک عمل اسی کے لئے ہے اور برے عمل کی شامت بھی اسی پر ہے ﴿ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ "پس اگر ان کو دور کرو گے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔" رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی پوری طرح پیروی کی' چنانچہ جب آپ ﷺ فقرائے مومنین کی مجلس میں بیٹھتے تو دلجمعی سے ان کے ساتھ بیٹھتے' ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے' ان کے ساتھ حسن خلق اور نرمی کا معاملہ کرتے اور انہیں اپنے قریب کرتے' بلکہ آپ ﷺ کی مجلس میں زیادہ تر یہی لوگ ہوتے تھے۔

ان آیات کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ قریش میں سے یا اعراب میں سے چند اجڈ لوگوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تم پر ایمان لائیں اور تمہاری پیروی کریں تو فلاں فلاں شخص جو کہ فقرائے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے' اپنے پاس سے اٹھا دو' کیونکہ ہمیں شرم آتی ہے کہ عرب ہمیں ان گھٹیا لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھیں۔ ان معترضین کے اسلام لانے اور ان کے اتباع کرنے کی خواہش کی بنا پر آپ ﷺ کے دل میں بھی یہ خیال آیا' مگر اللہ تعالیٰ نے اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات کے ذریعے سے آپ کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

﴿ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ﴾ "اور اسی طرح ہم نے آزمایا ہے بعض لوگوں کو بعضوں سے' تاکہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر ہمارے درمیان میں سے' اللہ نے فضل

کیا؟'' یعنی یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کی آزمائش ہے کہ اس نے بعض کو خوشحال بنایا اور بعض کو محتاج اور تنگ دست پیدا کیا۔ بعض کو صاحب شرف پیدا کیا' بعض کو گھٹیا اور کم تر۔ جب اللہ تبارک وتعالیٰ کسی نادار اور کم تر شخص کو ایمان عطا کر کے اس پر احسان کرتا ہے تو یہ چیز خوشحال اور بلند مرتبہ شخص کے لئے امتحان کا باعث ہوتی ہے۔ اگر اس کا مقصد اتباع حق ہے تو وہ ایمان لا کر مسلمان ہو جاتا ہے اور اسے ایمان لانے سے اس شخص کی مشارکت نہیں روک سکتی جس کو وہ مال و دولت اور جاہ و مرتبہ میں اپنے سے کم تر خیال کرتا ہے۔ اگر وہ طلب حق میں سچا نہیں تو یہ وہ گھاٹی ہے جو اسے اتباع حق سے روک دیتی ہے۔ جن کو وہ اپنے آپ سے کم تر خیال کرتے ہیں ان کو حقیر گردانتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿ اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ﴾ ''کیا یہی لوگ ہیں جن پر ہمارے درمیان میں سے' اللہ نے فضل کیا؟'' اسی چیز نے ان کی عدم طہارت کے باعث ان کو اتباع حق سے روک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس کلام کا جو اللہ تعالیٰ پر اعتراض کو متضمن ہے کہ اس نے ان کو ہدایت سے نواز دیا اور ان کو محروم کر دیا۔۔۔ جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴾ ''کیا نہیں ہے اللہ خوب جاننے والا شکر کرنے والوں کو؟'' جو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانتے ہیں اور اس کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل صالح کرتے ہیں پس اللہ تعالیٰ ایسے ہی کو اپنے فضل و احسان سے نوازتا ہے نہ کہ ان کو جو اس کے شکر گزار نہیں ہوتے' کیونکہ اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے وہ اپنے فضل و کرم سے کسی ایسے شخص کو نہیں نوازتا جو اس کا اہل نہ ہو اور یہ معترضین اسی وصف کے مالک ہیں۔ اس کے برعکس جن فقرا کو اللہ تعالیٰ نے ایمان سے نوازا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار لوگ ہیں۔

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اپنے مطیع مومن بندوں کو دور کرنے سے روک دیا تو ان کفار کے مقابلے میں انہیں اکرام' تعظیم' عزت اور احترام سے پیش آنے کا حکم دیا چنانچہ فرمایا: ﴿ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ﴾ ''جب آپ کے پاس ایسے لوگ آیا کریں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو انہیں السلام علیکم کہیں۔'' یعنی جب اہل ایمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو آپ ان کو سلام کہیں' ان کو خوش آمدید کہیں۔ سلام و تحیات سے ان کا استقبال کریں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے جود و احسان کی بشارت دیں جو ان کے عزائم اور ارادوں میں نشاط پیدا کرے اور انہیں منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے ہر راستہ اور ہر سبب اختیار کرنے کی ترغیب دیں۔ ان کو گناہوں پر قائم رہنے سے ڈرائیں اور انہیں گناہوں سے توبہ کرنے کا حکم دیں تاکہ وہ اپنے رب کی مغفرت اور اس کے جود و کرم کو پا سکیں۔ ﴿ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ ﴾ ''لکھ لیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو جو کوئی کرے تم میں سے برائی' ناواقفیت سے' پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور نیک ہو جائے'' یعنی (قبولیت توبہ کے

لئے) گناہوں کو ترک کرنا، ان کا قلع قمع کرنا، ان پر نادم ہونا اور اعمال کی اصلاح کرنا ضروری ہے، نیز ان امور کی ادائیگی جن کو اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے اور جو ظاہری اور باطنی اعمال فاسد ہو چکے ہیں، ان کی اصلاح کرنا ضروری ہے۔ جب یہ تمام امور موجود ہوں ﴿فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ''تو بات یہ ہے کہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو جن امور کا حکم دیا ہے اس کی بجا آوری کے مطابق ان پر اپنی مغفرت اور رحمت کا فیضان کرتا ہے۔ ﴿وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ﴾ ''اور اسی طرح ہم اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔'' یعنی اسی طرح ہم اپنی آیات کو واضح کرتے ہیں، گمراہی میں سے ہدایت کے راستے کو ممیز کرتے ہیں، رشد و ہدایت اور ضلالت میں فرق کرتے ہیں تاکہ راہ ہدایت پر چلنے والے ہدایت پالیں، تاکہ حق کا راستہ عیاں ہو جائے جس پر گامزن ہونا چاہئے۔

﴿وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ﴾ ''اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے'' جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب تک پہنچاتا ہے، کیونکہ جب مجرموں کا راستہ ظاہر اور صاف واضح ہو جاتا ہے تو اس سے اجتناب کرنا اور اس سے دور رہنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور اس کے برعکس اگر راستہ مشتبہ اور غیر واضح ہو تو یہ مقصد جلیل حاصل نہیں ہو سکتا۔

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ

کہہ دیجئے! یقیناً میں روک دیا گیا ہوں اس سے کہ عبادت کروں ان کی جنہیں تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے، کہہ دیجئے! نہیں پیچھے چلتا میں

اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ۝۵۶ قُلْ اِنِّيْ عَلٰى بَيِّنَةٍ

تمہاری خواہشات کے، تحقیق گمراہ ہو جاؤں گا میں اس وقت، اور نہ ہوں گا میں ہدایت پانیوالوں سے ○ کہہ دیجئے! یقیناً میں دلیل پر ہوں

مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ

اپنے رب کی طرف سے اور جھٹلایا تم نے اسے، نہیں ہے میرے پاس وہ چیز کہ جلدی طلب کر رہے ہو تم اسکو، نہیں ہے حکم مگر اللہ ہی کا

يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ۝۵۷ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ

بیان فرماتا ہے وہ حق بات اور وہ بہترین فیصلہ کرنیوالا ہے ○ کہہ دیجئے! اگر میرے پاس ہوتی وہ چیز کہ جلدی طلب کر رہے ہو تم

بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۵۸

اس کو، تو فیصلہ کر دیا جاتا معاملے کا میرے درمیان اور تمہارے درمیان، اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿قُلْ﴾ ان مشرکین سے کہہ دیجئے جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو بھی پکارتے ہیں ﴿اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے ان کی عبادت سے منع کیا گیا ہے۔'' یعنی مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں اللہ کی بجائے اللہ کے بناوٹی ہمسروں اور بتوں کی عبادت کروں جو کسی نفع و نقصان کے مالک ہیں نہ موت و حیات اور دوبارہ اٹھانے کا کوئی اختیار رکھتے ہیں۔ یہ سب باطل ہے۔ اس میں تمہارے لئے کوئی دلیل ہے نہ اس کے باطل ہونے میں کوئی شبہ

ہے۔ سوائے خواہشات نفس کی پیروی کے جو سب سے بڑی گمراہی ہے۔

بنا بریں فرمایا: ﴿قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا﴾ ''کہہ دیجیے میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا' بیشک تب میں بہک جاؤں گا'' یعنی اگر میں تمہاری خواہشات کی پیروی کروں تو گمراہ ہو جاؤں گا ﴿وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ﴾ ''اور کسی پہلو سے بھی راہ راست پر نہیں رہوں گا۔'' رہی وہ توحید اور اخلاص عمل جن پر میں عمل پیرا ہوں تو یہی حق ہے جس کی تائید واضح براہین اور قطعی دلائل کرتے ہیں۔

﴿عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ﴾ ''میں تو اپنے رب کی دلیل روشن پر ہوں۔'' آپ کہہ دیجیے کہ میں تو اس قرآن کی صحت اور اس کے ماسوا کے بطلان کا واضح یقین رکھتا ہوں۔ یہ رسول کی طرف سے قطعی شہادت ہے جو ہر قسم کے تردد سے پاک ہے۔ رسول علی الاطلاق سب سے عادل گواہ ہوتا ہے۔ اہل ایمان نے رسول کی گواہی کی تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جس ایمان سے نوازا ہے اس ایمان کے مطابق ان کے ہاں اس شہادت کی صحت اور صداقت متحقق ہے۔

﴿وَ﴾ مگر اے مشرکو! ﴿كَذَّبْتُمْ بِهٖ﴾ ''تم نے اس کی تکذیب کی'' اور یہ تمہاری طرف سے اس سلوک کا مستحق نہ تھا' تصدیق کے سوا کوئی اور سلوک اس کے شایان شان نہ تھا۔ جب تم تکذیب پر مصر ہو تو جان رکھو کہ لامحالہ عذاب تم پر واقع ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ عذاب مقرر ہے وہ جب چاہے گا اور جیسے چاہے گا تم پر نازل کرے گا۔

اگر تم جلدی مچاتے ہو تو معاملہ میرے اختیار میں نہیں ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ ''حکم صرف اللہ کا ہے'' جس طرح اس نے اوامر ونواہی میں اپنا حکم شرعی نافذ کیا ہے اسی طرح وہ حکم جزائی نافذ کرے گا اور اپنی حکمت کے تقاضوں کے مطابق ثواب وعقاب دے گا۔ پس اس کے فیصلے پر اعتراض درخور اعتنا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے راہ حق کو واضح کر دیا ہے اور اپنے بندوں کے سامنے حق بیان کر کے ان کا عذر ختم کر دیا اور یوں ان کی حجت منقطع ہو گئی' تاکہ جو ہلاک ہو تو وہ دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ ﴿وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ﴾ ''وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔'' وہ دنیا وآخرت میں اپنے بندوں کے درمیان بہترین فیصلہ کرنے والا ہے' وہ ان کے درمیان ایسا فیصلہ کرتا ہے جس پر اس کی تعریف کی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ بھی تعریف کیے بغیر نہیں رہتا جس کے خلاف فیصلہ ہوتا ہے اور وہ حق کو واضح اور متعین کر دیتا ہے۔

﴿قُلْ﴾ ان لوگوں سے کہہ دیجیے جو جہالت' عناد اور ظلم کی بنا پر عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں: ﴿لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ﴾ ''اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کی تم جلدی کر رہے ہو' تو طے ہو چکا ہوتا جھگڑا' میرے اور تمہارے درمیان'' پس میں تم پر عذاب واقع کر دیتا۔ اس جلدی مچانے میں

تمہارے لئے بھلائی نہیں۔ لیکن تمام تر معاملہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ اختیار میں ہے جو نہایت بردبار اور صبر کرنے والا ہے۔ نافرمان اس کی نافرمانی کرتے ہیں اور گناہوں کا ارتکاب کرنے والے اس کے سامنے بڑی جرأت سے گناہ کرتے ہیں مگر وہ ان سے درگزر کرتا ہے' ان کو رزق عطا کرتا ہے اور ان کو ظاہری اور باطنی نعمتوں سے بھی نوازتا ہے ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ﴾ ''اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے'' ان کے احوال میں سے کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے' پس وہ ان کو مہلت دیتا ہے مگر مہمل نہیں چھوڑتا۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ وَمَا

اور اسی کے پاس ہیں چابیاں غیب کی' نہیں جانتا انہیں کوئی بھی مگر وہی اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے' اور نہیں

تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ

گرتا کوئی پتا بھی مگر وہ جانتا ہے اس کو' اور نہیں کوئی دانہ اندھیروں میں زمین کے' اور نہ کوئی تر چیز

وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

اور نہ خشک چیز مگر (سب) کتاب واضح میں ہے O

یہ آیت کریمہ قرآن مجید کی عظیم ترین آیات میں شمار ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم محیط کی تفصیل بیان کرتی ہے جو تمام غیوب کو شامل ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اسے ان غیوب میں سے کسی پر مطلع کر دیتا ہے۔ اس نے اپنا بہت سا علم' عام جہان والے تو کجا ملائکہ مقربین اور انبیا و مرسلین سے بھی پوشیدہ رکھا ہے۔ صحراؤں اور بیابانوں میں حیوانات' درخت' ریت کے ذرات' کنکر اور مٹی سب اس کے علم میں ہیں۔ سمندروں کے جانوروں' ان کی معدنیات' ان کے شکار وغیرہ اور ان تمام اشیا کو وہ جانتا ہے جو ان کے کناروں کے اندر اور ان کے پانیوں میں شامل ہیں۔ ﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ﴾ ''اور نہیں گرتا کوئی پتا'' بحر و بر' آبادیوں' بیابانوں اور دنیا و آخرت کے درختوں پر سے اگر کوئی پتا گرتا ہے تو اسے بھی وہ جانتا ہے ﴿وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ﴾ ''اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں'' یعنی پھل اور کھیتیوں کے دانے' وہ بیج جو لوگ زمین میں بوتے ہیں اور جنگلی نباتات کے بیج جن سے مختلف اصناف کی نباتات پیدا ہوتی ہے ﴿وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ﴾ ''اور نہ کوئی ہری چیز اور نہ کوئی سوکھی چیز'' یہ خصوص کے بعد عموم کا ذکر ہے ﴿اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''مگر وہ سب کتاب مبین میں ہے'' یعنی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور لوح محفوظ ان تمام امور کو شامل ہے۔ ان میں سے بعض امور تو بڑے بڑے عقل مندوں کو حیران اور مبہوت کر دیتے ہیں اور یہ چیز رب عظیم کی عظمت اور اس کے تمام اوصاف میں اس کی وسعت پر دلالت کرتی ہے۔ اگر تمام مخلوق کے اولین و آخرین جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا احاطہ کرنا چاہیں تو وہ اس پر قادر نہیں اور نہ ان میں اس کی طاقت ہی ہے۔ نہایت بابرکت ہے رب عظیم کی ذات جو وسعت والی' علم رکھنے والی'

قابل تعریف، بزرگی والی، دیکھنے والی اور ہر چیز کا احاطہ کرنے والی ہے۔ وہ الہ جلیل ہے، کوئی اس کی حمد و ثنا کا شمار نہیں کر سکتا بلکہ وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے خود اپنی حمد و ثنا بیان کی ہے۔ اس کی جو حمد و ثنا اس کے بندے بیان کرتے ہیں وہ اس سے بہت بڑھ کر ہے۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ اس کا علم تمام اشیا کا احاطہ کیے ہوئے اور اس کی کتاب تمام حوادث پر محیط ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّىٰكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ

اور وہی ہے جو فوت کرتا ہے تمہیں رات کو، اور جانتا ہے جو کچھ کرتے ہو تم دن میں، پھر اٹھاتا ہے تمہیں اس (دن) میں

لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ۖ ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾

تاکہ پورا کیا جائے وقت معین، پھر اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تمہارا، پھر خبر دے گا وہ تمہیں اس کی جو تھے تم کرتے ○

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ۖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ

اور وہ غالب ہے اوپر اپنے بندوں کے، اور بھیجتا ہے تم پر محافظ (فرشتے) حتی کہ جب آتی ہے کسی ایک کو تم میں سے

الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۚ

موت، تو فوت کرتے ہیں اسے ہمارے رسول (فرشتے) اور وہ نہیں کوتاہی کرتے ○ پھر لوٹائے جاتے ہیں وہ اللہ کی طرف جو مالک ہے ان کا سچا

أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ﴿٦٢﴾

خبردار! اسی کے لیے ہے فیصلہ کرنا، اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے ○

یہ آیت کریمہ تمام تر توحید الوہیت کے تحقق، مشرکین کے خلاف دلائل اور اس بیان پر مشتمل ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی محبت، تعظیم، اجلال اور اکرام کا مستحق ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ اکیلا ہی ہے جو بندوں کی، ان کے سوتے جاگتے میں تدبیر کرتا ہے، وہ رات کو انہیں وفات یعنی نیند کی وفات دیتا ہے، ان کی حرکات پر سکون طاری ہو جاتا ہے اور ان کے بدن آرام کرتے ہیں، نیند سے بیداری کے بعد وہ ان کو دوبارہ زندہ کرتا ہے تاکہ وہ اپنے دینی اور دنیاوی مصالح میں تصرف کریں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں اور وہ جن اعمال کا اکتساب کرتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان میں اسی طرح تصرف کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی مقررہ مدت پوری کر لیتے ہیں۔ وہ اپنی اس تدبیر کے ذریعے سے ان کی مدت مقررہ کا فیصلہ کرتا ہے، یعنی مدت حیات اور اس کے بعد ایک اور مدت ہے اور وہ ہے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ﴾ ''پھر اس کی طرف ہی تمہارا لوٹنا ہے'' اس کے سوا اور کسی کی طرف لوٹنا نہیں ہے ﴿ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ''پھر وہ تم کو تمہارے عمل جو تم کرتے ہو، بتائے گا۔'' نیک اور بد جو کام بھی تم کرتے رہے ہو، اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے آگاہ فرمائے گا۔

﴿ وَهُوَ ﴾ ''اور وہ'' یعنی اللہ تعالیٰ ﴿ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ﴾ ''غالب ہے اپنے بندوں پر'' وہ ان پر اپنا ارادہ اور اپنی مشیت عامہ نافذ کرتا ہے۔ بندے کسی چیز کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر حرکت و سکون کے بھی مالک نہیں۔ بایں ہمہ اس نے اپنے بندوں پر فرشتوں کو محافظ مقرر کر رکھا ہے اور بندے جو عمل کرتے ہیں یہ فرشتے اس کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ كِرَامًا كَاتِبِيْنَ يَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴾ (الانفطار: ۸۲/ ۱۰۔۱۲) ''اور تم پر نگہبان مقرر ہیں باعزت تمہاری باتوں کو لکھنے والے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں۔'' ارشاد فرماتا ہے ﴿ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ۝ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ﴾ (ق: ۵۰/ ۱۷، ۱۸) ''اس کے دائیں اور بائیں جانب بیٹھے ہوتے ہیں۔ وہ جب کوئی بات کہتا ہے تو ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔'' یہ ان کی زندگی کے احوال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی حفاظت ہے۔

﴿ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا ﴾ ''یہاں تک کہ جب آ پہنچے تم میں سے کسی کو موت تو قبضے میں لے لیتے ہیں اس کو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے'' یعنی وہ فرشتے جو روح قبض کرنے پر مقرر ہیں ﴿ وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴾ ''اور وہ کوتاہی نہیں کرتے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قضا و قدر سے جو مدت مقرر کر دی ہے وہ اس میں ایک گھڑی کا اضافہ کر سکتے ہیں نہ ایک گھڑی کی کمی' وہ صرف مکتوب الٰہی اور تقدیر ربانی کو نافذ کرتے ہیں۔

﴿ ثُمَّ ﴾ ''پھر'' موت اور حیات برزخ کے بعد اور جو کچھ اس میں خیر و شر ہے ﴿ رُدُّوْۤا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ﴾ ''پہنچائے جائیں گے وہ اللہ کی طرف جو ان کا سچا مالک ہے'' یعنی وہ مولائے حق اپنے حکم قدری کے مطابق ان کا والی ہے اور ان کے اندر اپنی مختلف انواع کی تدابیر کو نافذ کرتا ہے۔ پھر وہ امر و نہی اور حکم شرعی کے ذریعے سے ان کا والی ہے' اس نے ان کی طرف رسول بھیجے اور ان پر کتابیں نازل کیں پھر ان کو اسی کی طرف لوٹایا جائے گا' وہ ان میں اپنا حکم جزائی نافذ کرے گا اور ان کو ان کے اچھے اعمال کا ثواب عطا کرے گا اور ان کی بدیوں اور برائیوں کی پاداش میں انہیں عذاب دے گا۔ ﴿ اَلَا لَهُ الْحُكْمُ ﴾ ''سن رکھو! حکم اسی کا ہے'' وہ اکیلا جس کا کوئی شریک نہیں' فیصلے کا مالک ہے ﴿ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴾ ''اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے'' کیونکہ اس کا علم بھی کامل ہے اور اس نے ان کے اعمال کو بھی محفوظ کیا ہوا ہے' پہلے اس نے ان کو لوح محفوظ میں ثبت کیا' پھر فرشتوں نے اپنی اس کتاب میں ثبت کیا جو ان کے ہاتھوں میں ہے۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی تخلیق و تدبیر میں متفرد ہے اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے' وہ اپنے بندوں کو ان کے تمام احوال میں درخور اعتنا سمجھتا ہے' وہی حکم قدری' حکم شرعی اور حکم جزائی کا مالک ہے پھر مشرکین کیوں کر اس ہستی سے روگردانی کر کے جو ان صفات کی مالک ہے ایسی ہستیوں کی بندگی اختیار کرتے ہیں جن کے اختیار میں

کچھ بھی نہیں، جو ذرہ بھر نفع کی مالک نہیں اور ان میں کوئی قدرت اور ارادہ نہیں؟

ان کی حالت یہ ہے کہ وہ کھلے عام کفر و شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت پر بہتان کی جرأت کرتے ہیں اور وہ ان کو معاف کر دیتا ہے اور ان کو رزق عطا کرتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کتنا حلیم ہے اور اس کا عفو اور اس کی رحمت ان پر سایہ کناں ہے تو ان کے داعیے اس کی معرفت کی طرف خود بخود کھنچے چلے آئیں اور ان کی عقل اس کی محبت میں (دیگر ہر شے سے) غافل ہو جائے اور وہ خود اپنے آپ پر سخت ناراض ہوں کیونکہ انہوں نے شیطان کے داعی کی اطاعت کی جو رسوائی اور خسارے کا موجب ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو عقل سے عاری ہیں۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّ خُفْيَةً ۚ لَئِنْ

کہہ دیجیے! کون نجات دیتا ہے تمہیں خشکی اور تری کے اندھیروں سے؟ پکارتے ہو تم اسے عاجزی سے اور چپکے چپکے (کہتے ہو) اگر

اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا

وہ نجات دے دے ہمیں اس سے تو ضرور ہو جائیں گے ہم شکر گزاروں سے ○ کہہ دیجیے! اللہ ہی نجات دیتا ہے تمہیں اس سے

وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿٦٤﴾

اور ہر غم سے، پھر تم شریک ٹھہراتے ہو ○

﴿قُلْ﴾ ''کہہ دیجیے'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والوں اور اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو پکارنے والوں سے، ان کے توحید ربوبیت کے اثبات کو ان کے توحید الوہیت کے انکار پر الزامی دلیل اور حجت بناتے ہوئے کہیے! ﴿مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ ''کون تمہیں نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے؟'' یعنی جب بحر و بر کی سختیوں اور مشقتوں سے نجات کا کوئی بھی حیلہ تمہیں مشکل نظر آتا ہے تو تم اپنے رب کو گڑگڑا کر دل کے خشوع و خضوع کے ساتھ اپنی دعا میں اپنی حاجت کے لئے پکارتے ہو اور اپنی اس مصیبت کی حالت میں کہتے ہو: ﴿لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ﴾ ''اگر اس نے ہمیں بچا لیا اس سے'' یعنی اس مصیبت سے جس میں ہم گرفتار ہیں ﴿لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ ''تو ہم ضرور (اللہ تعالیٰ) کے شکر گزار ہوں گے'' اس کی نعمت کا اعتراف کریں گے اور اس نعمت کو اپنے رب کی اطاعت میں استعمال کریں گے اور اس نعمت کو اس کی نافرمانی میں صرف کرنے سے بچیں گے۔ ﴿قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ﴾ ''کہہ دیجیے! اللہ ہی تمہیں اس (خاص مصیبت) اور دیگر تمام مصائب سے نجات دلاتا ہے'' ﴿ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ﴾ ''پھر بھی تم شرک کرتے ہو'' تم اللہ کے بارے میں جو کہتے ہو اسے پورا نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو فراموش کر دیتے ہو۔ پس شرک کے بطلان اور توحید کی صحت پر اس سے واضح اور کون سی دلیل ہو سکتی ہے؟

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ
آپ کہہ دیجئے! وہی قادر ہے اوپر اس کے کہ وہ بھیجے تم پر عذاب تمہارے اوپر سے' یا نیچے سے
اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ
تمہارے پاؤں کے' یا خلط ملط کر دے تمہیں مختلف گروہوں میں اور چکھائے تم میں سے بعض کو (مزہ) لڑائی کا بعض سے' دیکھیں کیسے
نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ۭ
پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں ہم آیات کو تاکہ وہ سمجھیں ○ اور جھٹلایا اس (قرآن) کو آپ کی قوم نے' حالانکہ وہ حق ہے'
قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ ۭ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ۡ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾
کہہ دیجئے! نہیں ہوں میں تم پر نگہبان ○ ہر ایک خبر کا وقت مقرر ہے' اور عنقریب تم جان لو گے ○

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ ہر سمت سے تم پر عذاب بھیجنے پر قدرت رکھتا ہے فرمایا: ﴿مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ﴾ ''تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے'' ﴿اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا﴾ ''یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے'' یعنی تمہیں مختلف فرقوں میں بانٹ دے ﴿وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ﴾ ''اور چکھادے لڑائی ایک کو ایک کی'' یعنی تمہیں فتنہ میں مبتلا کر دے اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔ پس اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں پر قادر ہے' اس لئے اس کی نافرمانی پر قائم رہنے سے بچو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں عذاب آ لے اور وہ تمہیں تلف کر کے تمہارا نام ونشان مٹا ڈالے۔ اس کے باوجود کہ اس نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے مگر یہ اس کی بے پایاں رحمت کا فیضان ہے کہ اس نے اس امت پر سے اوپر سے پتھر برسنے اور نیچے زمین میں دھنس جانے کے عذاب کو اٹھا لیا ہے۔ اس نے اس امت میں سے جس کسی کو بھی عذاب کا مزا چکھایا ہے تو وہ یہ ہے کہ اس نے ایک دوسرے کو ایک دوسرے کی طاقت کا مزا چکھایا ہے اور ان کو ان سزاؤں کے ساتھ ایک دوسرے پر مسلط کر دیا۔ یہ ایک ایسی فوری سزا ہے جسے عبرت پکڑنے والے دیکھ سکتے ہیں اور عمل کرنے والے اسے سمجھ سکتے ہیں۔

﴿اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ﴾ ''دیکھو ہم آیتوں کو کس کس طرح بیان کرتے ہیں'' یعنی ہم ان آیات کو مختلف انواع میں لاتے ہیں اور بہت سے پہلوؤں سے ان کو بیان کرتے ہیں۔ یہ تمام آیات حق پر دلالت کرتی ہیں ﴿لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ﴾ ''تاکہ یہ لوگ سمجھیں'' یعنی شاید وہ اس بات کو سمجھ جائیں کہ انہیں کس چیز کی خاطر پیدا کیا گیا ہے۔ نیز حقائق شرعیہ اور مطالب الہیہ ان کی سمجھ میں آ جائیں۔ ﴿وَكَذَّبَ بِهٖ﴾ ''اور اس کو جھٹلایا۔'' یعنی قرآن کو جھٹلایا ﴿قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ﴾ ''آپ کی قوم نے' حالانکہ وہ حق ہے'' اور اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ﴿قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ﴾ ''کہہ دیجئے! میں تم پر داروغہ نہیں ہوں'' کہ تمہارے اعمال کی نگرانی کروں اور اس پر تمہیں بدلہ دوں میں تو صرف پہنچانے والا اور ڈرانے والا ہوں۔

﴿ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ﴾ ’’ہر خبر کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔‘‘ یعنی ہر خبر کے استقرار کا ایک وقت اور ایک زمانہ ہے جس سے وہ آگے پیچھے نہیں ہو سکتی ﴿ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴾ ’’اور تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا۔‘‘ یعنی جس جس عذاب کی تمہیں وعید سنائی گئی ہے تم اسے عنقریب جان لو گے۔

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ

اور جب دیکھیں آپ انکو جو مشغول ہوتے ہیں ہماری آیات میں تو اعراض کریں ان سے حتی کہ مشغول ہو جائیں وہ کسی اور بات میں

غَيْرِهٖ ۭ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا

اس کے علاوہ اور اگر بھلا دے آپ کو شیطان (یہ بات) تو مت بیٹھیں بعد یاد آنے کے ساتھ ظالم قوم کے ○ اور نہیں ہے

عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾

ان لوگوں کے ذمے، جو ڈرتے ہیں، ان کے حساب میں سے کچھ، لیکن صرف نصیحت کرنا، تا کہ وہ ڈریں ○

اللہ تبارک وتعالیٰ کی آیات میں جھگڑنے اور مشغول ہونے سے مراد ہے ان کے بارے میں ناحق باتیں کرنا، اقوال باطلہ کی تحسین کرنا، ان کی طرف دعوت دینا، اقوال باطلہ کے قائلین کی مدح کرنا، حق سے روگردانی کرنا اور حق اور اہل حق کی عیب چینی کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اصولی طور پر اپنے رسول ﷺ کو اور تبعاً تمام اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی آیات کی مذکورہ عیب چینی میں مشغول دیکھیں تو اس سے اعراض کریں۔ باطل میں مشغول لوگوں کی مجالس میں نہ جائیں جب تک کہ وہ کسی اور بحث میں مشغول نہ ہو جائیں۔ اگر وہ آیات الٰہی کی بجائے کسی اور بحث میں مشغول ہوں تو ان میں بیٹھنا اس ممانعت کے زمرے میں نہیں آئے گا۔ اگر ان میں بیٹھنے میں کوئی راجح مصلحت ہو تو وہ ان میں بیٹھنے پر مامور ہے، اگر ایسا نہ ہو تو یہ بیٹھنا مفید ہے نہ وہ اس پر مامور ہے۔ باطل میں مشغولیت کی مذمت درحقیقت حق میں غور و فکر اور بحث و تحقیق کی ترغیب ہے۔

﴿ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ ﴾ ’’اگر شیطان آپ کو بھلا دے۔‘‘ یعنی اگر آپ کو شیطان بھلا دے اور آپ غفلت و نسیان کی وجہ سے ان کی مجلس میں بیٹھ جائیں ﴿ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ’’تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھیں‘‘۔ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو باطل میں مشغول ہوتے ہیں۔ جو ایسی باتیں کہتے یا کرتے ہیں جن کو حرام ٹھہرایا گیا ہے تو ان لوگوں میں بیٹھنا حرام ہے۔ منکرات کی موجودگی میں جبکہ وہ ان کے ازالے کی قدرت نہ رکھتا ہو، اس مجلس میں حاضر ہونا بھی ممنوع ہے۔

یہ نہی اور ممانعت اس شخص کے لئے ہے جو ایسے لوگوں کی مجلس میں شریک ہوتا ہے اور تقویٰ کا دامن چھوڑ کر ان کے قول اور عمل محرم میں خود بھی شریک ہو جاتا ہے یا ان کے غیر شرعی افعال و اقوال پر خاموشی اختیار کرتا ہے اور ان پر نکیر نہیں کرتا، لیکن اگر وہ تقویٰ کا التزام کرتے ہوئے مجلس میں شریک ہو، شرکائے مجلس کو نیکی کا حکم دے، اس

برائی اور بری گفتگو سے روکے جو اس مجلس میں صادر ہو جس سے یہ برائی زائل ہو جائے یا اس میں تخفیف ہو جائے تو ایسی مجلس میں شریک ہونے میں کوئی حرج ہے نہ کوئی گناہ۔ بنابریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِم مِّن شَيْءٍ وَلَٰكِن ذِكْرَىٰ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ ''اور پرہیز گاروں پر نہیں ہے، جھگڑنے والوں کے حساب میں سے کوئی چیز لیکن ان کے ذمے نصیحت کرنی ہے' تاکہ وہ ڈریں۔'' یعنی صرف اس لئے وہ ان کو وعظ و نصیحت کرے کہ شاید وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جائیں۔

اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ وعظ و نصیحت کرنے والا ایسا اسلوب کلام استعمال کرے جو مقصود تقویٰ کے حصول میں زیادہ ممد اور کارگر ہو۔ اور اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر وعظ و نصیحت سے برائی میں اضافہ ہونے کا اندیشہ ہو تو وعظ و نصیحت ترک کرنا واجب ہے' کیونکہ جو وعظ و نصیحت مطلوب و مقصود کے مخالف ہو' تو اس کو ترک کرنا بھی مقصود ہے۔

وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ

اور چھوڑ دیجیے ان لوگوں کو جنہوں نے بنالیا ہے اپنے دین کو کھیل اور تماشہ اور دھوکے میں ڈالا انکو حیات دنیا نے' اور نصیحت کیجیے آپ

بِهِ أَن تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا

ساتھ اس قرآن کے تاکہ (نہ) ہلاک کی جائے کوئی جان بدلے اس کے جو کمایا اس نے' نہیں ہوگا اس کیلیے سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ کوئی

شَفِيعٌ وَإِن تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا أُولَٰئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا

سفارشی' اور اگر بدلے میں دے ہر طرح کا فدیہ تو بھی نہ لیا جائے گا اس سے' یہی ہیں وہ لوگ جو ہلاک کیے گئے بوجہ اس کے جو

كَسَبُوا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيمٍ وَعَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ﴿٧٠﴾ ع

کمایا انہوں نے' ان کے لیے پینا ہوگا گرم پانی سے اور عذاب ہوگا دردناک بوجہ اس کے جو تھے وہ کفر کرتے ○

بندوں سے جو چیز مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ وہ دین کو اللہ کے لئے خالص کریں' یعنی اللہ وحدہ لاشریک کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں' اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے محبوب امور کے حصول میں مقدور بھر کوشش صرف کریں اور یہ چیز اس بات کو متضمن ہے کہ قلب اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر اور اس کی طرف متوجہ رہے' بندے کی کوشش انتہائی سنجیدہ اور نفع مند ہو نہ کہ غیر سنجیدہ اور یہ کوشش اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو' اس میں ریا اور شہرت کی خواہش کا شائبہ نہ ہو۔ یہی وہ حقیقی دین ہے جس کو دین کہا ہے۔ رہا وہ شخص جو اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ حق پر ہے اور وہ صاحب دین اور صاحب تقویٰ ہے اور حالت یہ ہے کہ اس نے دین کو لہو و لعب بنا رکھا ہے اور اس کا قلب اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت سے خالی ہو کر لہو و لعب میں مستغرق ہو گیا اور ہر اس چیز میں مصروف ہو گیا جو اس کے لئے ضرر رساں ہے وہ اپنے بدن کے ساتھ لہو اور باطل میں مشغول ہے' کیونکہ عمل اور بھاگ دوڑ اگر غیر اللہ کے لئے ہو تو وہ لہو و لعب

ہے۔۔۔۔تو اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے' اس سے بچا جائے' اس سے دھوکہ نہ کھایا جائے اور اس کے احوال پر غور کیا جائے' اس کی کارستانیوں سے ہشیار رہے اور وہ تقرب الٰہی والے اعمال سے روکے تو اس کے دھوکہ میں نہ آئے۔

﴿ وَذَكِّرْ بِهٖٓ ﴾ ''اور اس کے ذریعے سے نصیحت کرتے رہیں۔'' یعنی قرآن کے ذریعے سے ان کو نصیحت کیجئے جو بندوں کے لئے نفع مند ہے۔ قرآن کے احکامات سنا کر' اس کی تفصیلات بیان کر کے' قرآن میں جو اچھے اوصاف مذکور ہیں ان کی تحسین کر کے' اور وہ اوصاف جو بندوں کے لئے ضرر رساں ہیں ان سے ان کو منع کر کے' اس کی انواع کی تفصیل بیان کیجئے اور جو قبیح اوصاف بیان ہوئے ہیں' جن کا ترک کرنا ضروری ہے (ان سب کے ساتھ) ان کو نصیحت کیجئے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ کہیں نفس اپنے کسب کی وجہ سے ہلاکت میں نہ ڈال دیا جائے' یعنی بندے کے گناہوں میں گھس جانے' اللہ علام الغیوب کے سامنے جرأت کرنے اور گناہوں پر قائم رہنے سے پہلے اسے نصیحت کیجئے' تاکہ وہ باز آجائے اور اپنے فعل سے رک جائے۔

﴿ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ﴾ ''نہیں ہوگا واسطے اس کے' اللہ کے سوا' کوئی دوست اور نہ کوئی سفارشی''، یعنی نفس کو اس کے گناہوں کا احاطہ کر لینے سے پہلے نصیحت کرو کیونکہ اس کے بعد مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے کام نہ آئے گا۔ نہ کوئی قریبی رشتہ دار اور نہ کوئی دوست' اللہ کے سوا اس کا کوئی ولی اور مددگار نہ ہوگا اور نہ اس کی کوئی سفارش کرنے والا ہوگا ﴿ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ ﴾ ''اگرچہ وہ ہر چیز معاوضے میں دینا چاہے۔'' یعنی اگر یہ نفس ہر قسم کا فدیہ دے خواہ وہ زمین بھر سونا کیوں نہ ہو ﴿ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ﴾ ''وہ اس سے قبول نہ ہوگا۔'' یعنی اس سے یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ یہ فدیہ کوئی فائدہ دے گا ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ وہ لوگ جو مذکورہ اوصاف سے موصوف ہیں ﴿ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا ﴾ یعنی ان کو ہلاک کر دیا گیا اور وہ ہر قسم کی بھلائی سے مایوس ہو گئے اور یہ ان کے اعمال کے سبب سے ہے ﴿ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ﴾ ''ان کا مشروب ابلتا ہوا گرم پانی ہوگا'' جو ان کے چہروں کو بھون دے گا اور ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا ﴿ وَعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴾ ''اور ان کے کفر کی پاداش میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔''

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا

کہہ دیجئے! کیا پکاریں ہم سوائے اللہ کے ان کو جو نہ نفع دے سکیں ہمیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں ہمیں اور پھیر دیے جائیں ہم اپنی ایڑیوں پر (الٹے پاؤں)

بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۠ لَهٗٓ

بعد اس کے کہ ہدایت دی ہمیں اللہ نے' مانند اس شخص کے جسے بہکا دیا شیطانوں نے زمین میں' حیران (پھرتا) ہے' اس کے

اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ

کچھ ساتھی ہیں جو بلاتے ہیں اسے سیدھی راہ کی طرف کہ آ جا ہمارے پاس' کہہ دیجئے! یقیناً ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے اور

اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧١﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْۤ

حکم دیئے گئے ہیں ہم کہ مطیع ہو جائیں ہم رب العالمین کے ○ اور یہ کہ قائم کرو نماز اور ڈرو اس (اللہ) سے' اور وہی ہے کہ

اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٧٢﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ

اس کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے تم ○ اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو ساتھ حق کے' اور جس دن وہ کہے گا

كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ

ہو جا' تو (حشر برپا) ہو جائے گا۔ اسی کا قول حق ہے' اور اسی کی بادشاہی ہو گی جس دن پھونکا جائے گا صور میں' جاننے والا ہے غیب

وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿٧٣﴾

اور حاضر کا' اور وہی ہے خوب حکمت والا خبردار ○

﴿قُلْ﴾ اے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والوں اور اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو پکارنے والوں سے کہہ دو جو تمہیں اپنے دین کی دعوت دیتے ہیں وہ دین جو ان کے معبودوں کے وصف کی تشریح کر کے واضح کرتا ہے۔ ایک عقل مند شخص کو ان معبودوں کو چھوڑنے کے لئے ان کے اوصاف کا ذکر ہی کافی ہے' کیونکہ ہر عاقل شخص جب مشرکین کے مذہب میں غور و فکر کرتا ہے تو اس کے بطلان پر دلائل و براہین کے قائم ہونے سے پہلے ہی اس کے بطلان کا اسے قطعی یقین ہو جاتا ہے۔ اور وہ پکار اٹھتا ہے ﴿اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا﴾ ''کیا ہم اللہ کے سوا' ان ہستیوں کو پکاریں جو ہمیں نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان۔'' اس وصف میں ہر وہ معبود داخل ہے جس کی بھی اللہ کے سوا بندگی کی جاتی ہے کیونکہ وہ نفع دے سکتی ہے نہ نقصان۔ اسے کسی معاملے کا کوئی اختیار نہیں' تمام معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔

﴿وَنُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾ ''اور کیا پھر جائیں ہم الٹے پاؤں' اس کے بعد کہ اللہ سیدھی راہ دکھا چکا ہم کو'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت سے نوازے جانے کے بعد کیا ضلالت کی طرف پلٹ جائیں' رشد کو چھوڑ کر گمراہی کی طرف لوٹ جائیں' نعمتوں بھری جنت کے راستے کو چھوڑ کر ان راستوں پر چل نکلیں جو اپنے سالک کو عذاب الیم کی منزل پر پہنچا دیتے ہیں؟ رشد و ہدایت رکھنے والا شخص اس حال پر کبھی راضی نہیں رہ سکتا۔ ایسی حالت والے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے ﴿كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِي الْاَرْضِ﴾ جسے شیاطین نے بیابان میں اس کے راستے سے بھٹکا دیا ہو جو اس کی منزل کو جاتا تھا ﴿حَيْرَانَ لَهٗۤ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى﴾ ''وہ حیران ہے' اس کے ساتھی اسے راستے کی طرف

بلاتے ہیں'' اور شیاطین اسے ہلاکت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ وہ دونوں پکارنے والوں کے درمیان حیران و سرگرداں ہے۔

تمام لوگوں کا یہی حال ہے سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا ہے۔ اس لیے کہ لوگ اپنے اندر کشش رکھنے والے امور اور متعارض داعیے رکھتے ہیں۔ رسالت، عقل صحیح اور فطرت سلیم کے دواعی ﴿ يَّدۡعُوۡنَهٗۤ اِلَى الۡهُدَى ﴾ ''اس کو صحیح راستے کی طرف بلاتے ہیں۔'' اور اعلیٰ علیین کی بلندیوں کی طرف دعوت دیتے ہیں اور شیطان کے داعیے اور وہ لوگ جو اس کی راہ پر گامزن ہیں اور نفس امارہ اسے گمراہی اور اسفل سافلین کی پستیوں میں گر جانے کی دعوت دیتے ہیں۔ لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنے تمام امور میں یا اکثر امور میں ہدایت کے دواعی کے ساتھ چلتے ہیں اور کچھ ایسے لوگ ہیں جن کا رویہ اس کے برعکس ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جن میں دونوں قسم کے داعیے مساوی ہوتے ہیں، اس وقت دو جاذب امور باہم متعارض ہوتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اہل سعادت اور اہل شقاوت کی پہچان ہوتی ہے۔

﴿ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى ﴾ ''اللہ نے جو راہ بتلائی ہے، وہی سیدھی راہ ہے'' یعنی اس راستے کے سوا کوئی راستہ ہدایت کا راستہ نہیں، جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبان پر مشروع کیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر راستے گمراہی، موت اور ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ﴿ وَاُمِرۡنَا لِنُسۡلِمَ لِرَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ﴾ ''اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے تابع رہیں۔'' یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانیں، اس کے اوامر و نواہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور اس کی عبودیت کے تحت داخل ہو جائیں، کیونکہ یہ بندوں پر سب سے بڑی نعمت اور اس کی سب سے کامل ربوبیت ہے جو اس نے اپنے بندوں تک پہنچائی ہے۔ ﴿ وَاَنۡ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ ﴾ ''اور یہ کہ نماز پڑھتے رہو۔'' یعنی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم نماز کو اس کے تمام ارکان، شرائط، سنن اور اس کی تکمیل کرنے والے تمام امور کے ساتھ قائم کریں ﴿ وَاتَّقُوۡهُ ﴾ ''اور اس سے ڈرتے رہو۔'' جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اسے بجا لا کر اور جس چیز سے روکا ہے اس سے اجتناب کر کے تقویٰ کا التزام کرو ﴿ وَهُوَ الَّذِيۡۤ اِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴾ ''اور وہی تو ہے جس کے پاس تم جمع کیے جاؤ گے۔'' یعنی قیامت کے روز تم اس کے پاس جمع ہو جاؤ گے اور وہ تمہیں تمہارے اچھے اور برے اعمال کی جزا دے گا۔

﴿ وَهُوَ الَّذِيۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضَ بِالۡحَقِّ ﴾ ''وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ'' تاکہ وہ بندوں کو حکم دے اور بعض چیزوں سے روکے پھر اس پر انہیں ثواب و عقاب دے ﴿ وَيَوۡمَ يَقُوۡلُ كُنۡ فَيَكُوۡنُ قَوۡلُهُ الۡحَقُّ ﴾ ''اور جس دن کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا، اس کا ارشاد برحق ہے۔'' جس میں کوئی شک ہے نہ کوئی اینچ پیچ اور نہ اللہ تعالیٰ کوئی عبث بات کہتا ہے ﴿ وَلَهُ الۡمُلۡكُ يَوۡمَ يُنۡفَخُ

﴿فِي الصُّورِ﴾ ''اور اسی کی بادشاہی ہے جس دن پھونکا جائے گا صور'' یعنی قیامت کے روز۔ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر قیامت کے دن کا ذکر اس لئے کیا ہے' حالانکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے' کیونکہ قیامت کے دن تمام ملکیتیں ختم ہو جائیں گی اور اللہ واحد وقہار کی ملکیت باقی رہ جائے گی۔ ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ﴾ ''وہ جاننے والا ہے چھپی اور کھلی باتوں کا اور وہی حکمت والا' خبردار ہے'' جو حکمت تام' نعمت کامل اور احسان عظیم کا مالک ہے' اس کا علم اسرار نہاں' باطنی راز اور چھپے ہوئے امور کا احاطہ کئے ہوئے ہے جس کے سوا کوئی معبود اور کوئی رب نہیں۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ

اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے! کیا' ٹھہراتے ہو تم بتوں کو معبود؟ بلاشبہ میں دیکھتا ہوں تم کو اور تمہاری قوم کو

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٤﴾ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

گمراہی ظاہر میں ○ اور اسی طرح دکھاتے تھے ہم ابراہیم کو بادشاہی آسمانوں اور زمین کی

وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا

اور تا کہ ہو جائے وہ یقین کرنے والوں سے ○ پس جب چھا گئی اس پر رات تو دیکھا اس نے ایک تارا' ابراہیم نے کہا' یہ

رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿٧٦﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا

میرا رب ہے' پس جب غروب ہو گیا وہ تو کہا نہیں محبت کرتا میں غروب ہونیوالوں سے ○ پس جب دیکھا اس نے چاند چمکتا ہوا تو کہا یہی

رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ﴿٧٧﴾

میرا رب ہے' پھر جب غروب ہو گیا وہ تو کہا' اگر نہ ہدایت دی مجھے میرے رب نے' تو ہو جاؤں گا میں گمراہ قوم میں سے ○

فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ

پھر جب (ابراہیم نے) دیکھا سورج جگمگاتا ہوا تو کہا' یہ میرا رب ہے' یہ سب سے بڑا ہے' پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہا اے میری قوم!

اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿٧٨﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ

یقیناً میں بیزار ہوں ان سے' جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو ○ تحقیق میں نے متوجہ کیا اپنا چہرہ اس کیلئے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور

الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٧٩﴾ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ

زمین کو اللہ ہی کا پرستار ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکین سے ○ اور جھگڑا کیا اس سے اس کی قوم نے تو کہا ابراہیم نے' کیا جھگڑتے ہو تم مجھ سے

فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ؕ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ

اللہ کے بارے میں حالانکہ اسی نے ہدایت دی مجھے؟ اور نہیں ڈرتا میں ان سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو اس کا' مگر یہ کہ چاہے میرا رب کچھ

وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ

گھیر لیا ہے میرے رب نے ہر چیز کو (اپنے) علم سے' کیا پس نہیں نصیحت حاصل کرتے تم؟ ○ اور کیونکر ڈروں میں ان سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو

وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ؕ فَاَيُّ

جبکہ تم نہیں ڈرتے اس بات سے کہ تم شریک ٹھہراتے ہو اللہ کا ان کو جن کی نہیں نازل کی اس نے تم پر کوئی دلیل؟ پس کونسا

الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا

دونوں فریقوں میں سے زیادہ حق دار ہے امن کا (بتاؤ) اگر ہو تم جانتے؟ ○ جو لوگ ایمان لائے اور نہیں خلط ملط کیا انہوں نے

اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ

اپنے ایمان کو ساتھ ظلم (شرک) کے یہی لوگ ہیں کہ ان کیلئے ہی امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں ○ اور یہ ہے ہماری دلیل

اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾

کہ دی تھی ہم نے یہ ابراہیم کو مقابلے میں اسکی قوم کے بلند کرتے ہیں ہم درجے جسکے چاہتے ہیں یقیناً آپکا رب ہے حکمت والا جاننے والے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کو یاد کیجیے' ان کی دعوت توحید اور شرک سے ممانعت کے احوال میں ان کی تعریف وثنا اور تعظیم کیجیے ﴿وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً﴾ ''جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا' کیا تو بتوں کو معبود مانتا ہے؟'' جو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان' جو کسی اختیار کے مالک نہیں ﴿اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ''میں تجھ کو اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں'' کیونکہ تم ایسی ہستیوں کی عبادت کرتے ہو جو عبادت کی مستحق نہیں اور اپنے خالق' رازق اور تدبیر کرنے والے کی عبادت کو چھوڑ دیتے ہو۔

﴿وَكَذٰلِكَ﴾ ''اور اسی طرح'' جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو توحید اور اس کی طرف دعوت کی توفیق عطا کی ﴿نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''ہم دکھانے لگے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات'' تاکہ وہ چشم بصیرت سے ان قطعی دلائل اور روشن براہین کو ملاحظہ کر لے جن پر زمین اور آسمان کی بادشاہی مشتمل ہے ﴿وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ﴾ ''اور تاکہ وہ صاحب ایقان ہو'' کیونکہ تمام مطالب میں دلائل کے قیام کے مطابق ایقان اور علم کامل حاصل ہوتا ہے۔ ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ﴾ ''جب رات نے ان کو ڈھانپ لیا'' یعنی جب رات تاریک ہوگئی ﴿رَاٰ كَوْكَبًا﴾ ''اس نے ایک ستارہ دیکھا'' شاید یہ ستارہ زیادہ روشن ستارہ ہو گا' کیونکہ اس کے تذکرے کی تخصیص دلالت کرتی ہے کہ اس کی روشنی دوسروں سے زیادہ تھی۔ بنابریں بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اس سے مراد زہرہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿قَالَ هٰذَا رَبِّيْ﴾ ''کہنے لگے یہ میرا رب ہے۔'' یعنی انہوں نے دلیل کی خاطر مد مقابل کے مقام پر اترتے ہوئے کہا کہ ''یہ میرا رب ہے'' آؤ ہم دیکھیں کہ کیا یہ ربوبیت کا مستحق ہے؟ کیا ہمارے سامنے کوئی ایسی دلیل قائم ہوتی ہے جو اس کے رب ہونے کو ثابت کرتی ہو؟ کیونکہ کسی عقل مند کے لئے یہ مناسب نہیں کہ

وہ بغیر کسی حجت و برہان کے اپنی خواہشات نفس کو اپنا معبود بنا لے۔ ﴿فَلَمَّآ اَفَلَ﴾ یعنی جب یہ ستارہ غائب ہو گیا ﴿قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ﴾ ''تو کہا' میں غائب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا' یعنی جو ظاہر ہونے کے بعد غائب ہو کر عبادت کرنے والے سے اوجھل ہو جائے۔ کیونکہ معبود کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس شخص کے مصالح کا انتظام اور اس کے تمام معاملات کی تدبیر کرے جو اس کی عبادت کرتا ہے۔ رہی وہ ہستی جو اکثر اوقات غیر موجود اور غائب ہوتی ہے تو عبادت کی کیوں کر مستحق ہو سکتی ہے؟ کیا ایسی ہستی کو معبود بنانا سب سے بڑی بے وقوفی اور سب سے بڑا باطل نہیں؟

﴿فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا﴾ ''پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے۔'' یعنی جب انہوں نے چاند کو طلوع ہوتے دیکھا اور یہ مشاہدہ بھی کیا کہ اس کی روشنی ستاروں کی روشنی سے زیادہ ہے اور یہ ان کے مخالف بھی ہے ﴿قَالَ هٰذَا رَبِّيْ﴾ ''کہا' یہ میرا رب ہے'' یعنی دلیل کی خاطر مخالفین کے مقام پر اتر کر کہا ﴿فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ﴾ ''جب وہ غائب ہو گیا' بولے' اگر نہ ہدایت کرے گا مجھ کو میرا رب' تو بے شک رہوں گا میں گمراہ لوگوں میں'' ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کی راہنمائی کے بے حد محتاج تھے اور انہیں علم تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو راہ راست نہ دکھائے تو کوئی راہ دکھانے والا نہیں ہے۔ اگر اپنی اطاعت پر وہ ان کی اعانت نہ کرے تو کوئی مدد کرنے والا نہیں ہے۔ ﴿فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ﴾ ''پس جب سورج کو چمکتے ہوئے دیکھا تو کہا' یہ ہے میرا رب' یہ سب سے بڑا ہے''۔ یہ تمام (ستاروں اور چاند) سے بڑا ہے' ﴿فَلَمَّآ اَفَلَتْ﴾ ''جب وہ غروب ہو گیا'' یعنی جب سورج بھی غروب ہو گیا تو ہدایت متحقق ہو گئی اور ہلاکت مضمحل ہو گئی ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ﴾ ''(تو) کہا' اے میری قوم! بے شک میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو'' کیونکہ اس کے بطلان پر سچی اور واضح دلیل قائم ہو چکی ہے۔

﴿اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا﴾ ''میں نے متوجہ کر لیا اپنے چہرے کو اسی کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین سب سے یکسو ہو کر'' یعنی صرف اللہ واحد کی طرف یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہو کر اور ہر ماسوا سے منہ موڑ کر ﴿وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ''اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والا۔'' پس یوں ابراہیم علیہ السلام نے شرک سے براءت کا اظہار کیا اور توحید کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور توحید پر دلیل قائم کی۔۔۔ یہ ہے ان آیات کریمہ کی تفسیر جو ہم نے بیان کی ہے اور یہی صواب ہے' نیز یہ کہ یہ مقام جناب ابراہیم کی طرف سے اپنی قوم کے ساتھ مناظرے کا مقام تھا اور مقصد ان اجرام فلکی وغیرہ کی الوہیت کا بطلان تھا۔ رہا ان لوگوں کا موقف کہ یہ جناب ابراہیم کے ایام طفولیت میں غور و فکر کا مقام تھا تو اس پر کوئی دلیل نہیں۔

﴿وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ﴾ ''اور اس سے جھگڑا کیا اس کی قوم نے' ابراہیم نے

کہا' کیا تم مجھ سے اللہ کے ایک ہونے میں جھگڑتے ہو اور وہ مجھ کو سمجھا چکا' یعنی بھلا اس شخص کے لئے جھگڑنے میں کون سا فائدہ ہے جس کے سامنے ہدایت واضح نہیں ہوئی۔ جبکہ وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نواز دیا ہے اور وہ یقین کے بلند ترین مقام پر فائز ہے تو وہ خود لوگوں کو اس راستے کی طرف بلاتا ہے جس پر وہ خود گامزن ہے۔

﴿ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشۡرِكُوۡنَ بِهٖۤ ﴾ ''اور میں نہیں ڈرتا ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو اس کے ساتھ'' کیونکہ یہ جھوٹے خدا مجھے کوئی نقصان نہیں دے سکتے' نہ مجھے کسی نفع سے محروم کر سکتے ہیں ﴿ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ رَبِّىۡ شَيۡــًٔا‌ ؕ وَسِعَ رَبِّىۡ كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا‌ ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوۡنَ ﴾ ''مگر یہ کہ چاہے اللہ' میرا رب۔ احاطہ کر لیا ہے میرے رب کے علم نے سب چیزوں کا' کیا تم نہیں نصیحت پکڑتے؟'' پس تم جان لیتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا معبود ہے جو کہ عبودیت کا مستحق ہے۔ ﴿ وَكَيۡفَ اَخَافُ مَاۤ اَشۡرَكۡتُمۡ ﴾ ''اور میں کیوں کر ڈروں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو'' درانحالیکہ یہ معبودان باطل عاجز محض اور کسی قسم کا فائدہ پہنچانے سے محروم ہیں ﴿ وَلَا تَخَافُوۡنَ اَنَّكُمۡ اَشۡرَكۡتُمۡ بِاللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ عَلَيۡكُمۡ سُلۡطٰنًا‌ ﴾ ''اور تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم اللہ کا ایسی چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہو جس پر اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری'' یعنی سوائے خواہش نفس کی پیروی کے اس پر کوئی دلیل نہیں ﴿ فَاَىُّ الۡفَرِيۡقَيۡنِ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ‌ ۚ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴾ ''پس کون سا گروہ امن کا زیادہ مستحق ہے اگر تم جانتے ہو؟''

اللہ تبارک وتعالیٰ فریقین کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ يَلۡبِسُوۡۤا اِيۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ ﴾ ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور نہیں ملایا انہوں نے اپنے ایمان میں ظلم'' یعنی ایمان کو شرک کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا۔ ﴿ اُولٰۤـئِكَ لَهُمُ الۡاَمۡنُ وَهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن کے لئے امن ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں'' وہ ہر قسم کے خوف سے مامون ہوں گے' عذاب اور شقاوت وغیرہ میں سے کسی قسم کا خوف نہ ہوگا اور سیدھے راستے کی طرف راہنمائی سے نوازے جائیں گے۔ اگر انہوں نے اپنے ایمان کو کسی قسم کے ظلم سے ملوث نہ کیا ہوگا یعنی انہوں نے شرک کیا ہوگا نہ گناہ' تو انہیں امن کامل اور ہدایت تام نصیب ہوگی اور اگر انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے تو پاک رکھا مگر وہ برے اعمال کا ارتکاب کرتے رہے تو انہیں اگرچہ کامل امن اور کامل ہدایت تو حاصل نہ ہوگی تاہم انہیں اصل ہدایت اور امن حاصل ہوں گے۔ آیت کریمہ کا مخالف مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ جنہیں یہ دو امور حاصل نہیں وہ ہدایت اور امن سے محروم رہیں گے بلکہ ان کے نصیب میں بدبختی اور گمراہی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے قطعی دلائل و براہین بیان کر کے ابراہیم علیہ السلام کے حق میں فیصلہ کر دیا تو فرمایا ﴿ وَتِلۡكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيۡنٰهَاۤ اِبۡرٰهِيۡمَ عَلٰى قَوۡمِهٖ‌ ﴾ ''اور یہ ہے ہماری دلیل' کہ دی تھی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم کے مقابلے میں'' یعنی ان دلائل و براہین کی مدد سے ابراہیم علیہ السلام نے ان کو نیچا دکھایا اور ان پر غالب آئے۔

﴿ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاءُ ﴾ ''ہم جس کے چاہتے ہیں' درجے بلند کرتے ہیں'' جس طرح ہم نے حضرت ابراہیم کے دنیا و آخرت میں درجات بلند فرمائے' کیونکہ اللہ تعالیٰ علم کے ذریعے سے صاحب علم کو دوسرے بندوں پر فوقیت عطا کرتا ہے۔۔۔۔۔۔۔ خاص طور پر وہ عالم جو صاحب عمل بھی ہے اور معلم بھی۔ پس اللہ تعالیٰ اس کے حسب حال اسے لوگوں کا امام بنا دیتا ہے۔ اس کے افعال کو دیکھا جاتا ہے' اس کے آثار کی پیروی کی جاتی ہے' اس کے نور سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اس کے علم کی مدد سے تیرہ و تار تاریکیوں میں رواں دواں رہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ﴾ (المجادلۃ: ۵۸/۱۱) ''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جن کو علم عطا کیا گیا' اللہ ان کے درجات بلند کرتا ہے''۔ ﴿ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴾ ''بے شک تمہارا رب دانا' علم والا ہے۔'' اس لئے وہ علم و حکمت کو ان کے شایان شان مقام پر رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس مقام کو اور جو کچھ اس کے لئے مناسب ہے خوب جانتا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ

اور عطا کیے ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب' سب کو ہدایت دی ہم نے' اور نوح کو ہدایت دی ہم نے پہلے اس سے' اور اسکی اولاد میں سے

دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَ

داود اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو' اور اسی طرح جزاء دیتے ہیں ہم احسان کرنے والوں کو ○ اور

زَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ

(ہدایت دی) زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو' سب صالحین میں سے تھے ○ اور اسماعیل اور یسع اور یونس

وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآىِٕهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ

اور لوط کو (بھی) اور (ان) سب کو فضیلت دی ہم نے اوپر جہانوں کے ○ اور کچھ کو انکے آباؤ اجداد اور انکی اولاد اور انکے بھائیوں میں سے

وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ

اور چن لیا ہم نے انہیں' اور ہدایت دی ہم نے انہیں طرف صراط مستقیم کی ○ یہ ہے ہدایت اللہ کی' ہدایت دیتا ہے اس کی جسے

يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ

چاہتا ہے وہ اپنے بندوں میں سے' اور اگر شرک کرتے وہ لوگ' تو برباد ہو جاتے ان سے جو کچھ کہ تھے وہ کرتے ○ یہ وہ لوگ ہیں

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا

کہ دی ہم نے انہیں کتاب اور حکم اور نبوت' پس اگر کفر کریں ساتھ ان (باتوں) کے یہ لوگ تو تحقیق مقرر کر دی ہم نے ان باتوں کیلئے

قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ؕ

ایسی قوم کہ نہیں ہے وہ ان کا انکار کرنے والی ○ یہ لوگ ہیں جنہیں ہدایت دی اللہ نے' سو ان کے طریقے کی اقتداء کریں آپ

قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًاؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾

کہہ دیجیے! انہیں مانگتا میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں ہے یہ مگر نصیحت جہانوں کے لیے ○

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندے اور خلیل ابراہیم علیہ السلام کا اور اپنے اس احسان کا ذکر کیا کہ اللہ نے ان کو علم، دعوت اور صبر سے نوازا تو اب ذکر فرما رہا ہے کہ صالح اور پاک نسل کے ذریعے سے بھی اللہ نے ان کو بڑی تکریم بخشی۔ اللہ نے مخلوق میں سے منتخب اور چنے ہوئے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے بنائے اور یہ اتنی بڑی منقبت اور اتنی زیادہ عزت افزائی ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ﴾ "اور ہم نے عطا کئے اسے اسحاق اور یعقوب" یعقوب یعنی اسحاق علیہ السلام کے فرزند جن کو اسرائیل کہا جاتا ہے۔ ایک بڑے گروہ کے باپ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں پر فضیلت بخشی۔ ﴿كُلًّا﴾ "سب کو" یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کو ﴿هَدَيْنَا﴾ "ہم نے ہدایت دی۔" یعنی علم و عمل میں راہ راست دکھائی ﴿وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ﴾ "اور اس سے قبل ہم نے نوح کو ہدایت سے نوازا" یہ ہدایت اعلیٰ ترین انواع میں سے تھی جو دنیا کے صرف معدودے چند افراد کو حاصل ہوئی ہے اور وہ اولوالعزم رسول تھے۔ نوح علیہ السلام ان میں سے ایک تھے۔

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ﴾ "اور ان کی نسل میں سے" اس میں احتمال ہے کہ ضمیر نوح علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے، کیونکہ یہ قریب ترین مرجع ہے، کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی زمرہ میں حضرت لوط کا ذکر کیا جو کہ نوح کی ذریت سے ہیں، حضرت ابراہیم کی ذریت سے نہیں، کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔۔۔ نیز اس بات کا احتمال بھی ہے کہ ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہو کیونکہ سیاق کلام ابراہیم علیہ السلام کی مدح وثنا میں ہے اور لوط علیہ السلام اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے نہیں ہیں تاہم یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو جناب خلیل علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانا مجرد ان کا بیٹا ہونے سے زیادہ ان کے لئے منقبت اور فضیلت کا حامل ہے۔

﴿دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ﴾ "داود اور سلیمان" یعنی سلیمان بن داود علیہ السلام ﴿وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ﴾ "ایوب اور یوسف" یعنی ایوب اور یوسف بن یعقوب علیہ السلام ﴿وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ "موسیٰ اور ہارون" یعنی عمران کے بیٹے ﴿وَكَذٰلِكَ﴾ "اور اسی طرح" یعنی جس طرح ہم نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ذریت کو صالح بنایا، کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کی بندگی کو بہترین طریقے سے ادا کیا اور اللہ کی مخلوق کو بہترین طریقے سے فائدہ پہنچایا ﴿نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ﴾ "ہم بدلہ دیتے ہیں احسان کرنے والوں کو" نیکوکار لوگوں کی جزا یہ ہے کہ ہم انہیں ان کی نیکیوں کے مطابق سچی مدح وثنا اور صالح اولاد سے نوازتے ہیں۔

﴿ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى ﴾ ''زکریا اور یحیٰ'' یعنی یحیٰ زکریا علیہ السلام کے فرزند ﴿ وَعِيْسٰى ﴾ یعنی عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام ﴿ وَاِلْيَاسَ كُلٌّ ﴾ ''اور الیاس کو بھی یہ سب'' یعنی یہ تمام لوگ ﴿ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴾ ''نیکوکار تھے۔'' یعنی اپنے اخلاق اعمال اور علوم میں صالح لوگ تھے بلکہ صلحا کے سردار' قائد اور ان کے امام تھے۔ ﴿ وَاِسْمٰعِيْلَ ﴾ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے جو نسل انسانی کے ایک بڑے گروہ کے جد امجد تھے' یعنی گروہ عرب کے باپ اور اولاد آدم کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وسلم کے جد امجد۔ ﴿ وَيُوْنُسَ ﴾ یعنی یونس بن متی علیہ السلام ﴿ وَلُوْطًا ﴾ یعنی ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران کے بیٹے ﴿ وَكُلًّا ﴾ یعنی ان تمام انبیا و مرسلین کو ﴿ فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ''ہم نے جہانوں پر فضیلت دی'' کیونکہ فضیلت کے چار درجے ہیں جن کا ذکر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کیا ہے ﴿ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ﴾ (النساء: ٤/ ٦٩) ''جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی انبیا' صدیقین' شہداء اور صلحا۔'' اور یہ مذکور انبیائے کرام علیہم السلام بہت بلند درجے پر فائز ہیں بلکہ علی الاطلاق تمام رسولوں سے افضل ہیں۔ پس وہ تمام انبیا و مرسلین جن کا قصہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے' بلاشبہ ان نبیوں میں سے افضل ہیں جن کا ذکر نہیں فرمایا۔

﴿ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ ﴾ یعنی ان انبیائے مذکورین کے آباؤ اجداد میں سے ﴿ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ﴾ ''اور ان کی اولاد اور بھائیوں میں سے'' یعنی ہم نے ان کے آباؤ اجداد' ان کی ذریت اور ان کے بھائی بندلوگوں کو ہدایت سے نوازا ﴿ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ ﴾ ''ہم نے ان کو چن لیا'' ﴿ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴾ ''اور ان کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کی۔'' ﴿ ذٰلِكَ ﴾ ''یہ'' یعنی یہ ہدایت مذکورہ ﴿ هُدَى اللّٰهِ ﴾ ''اللہ کی ہدایت ہے'' جس کی ہدایت کے سوا کوئی ہدایت نہیں ﴿ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ﴾ ''وہ ہدایت دیتا ہے اس کی جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے'' پس اسی سے ہدایت طلب کرو' اگر وہ راہنمائی نہ کرے تو اس کے سوا تمہیں راہ دکھانے والا کوئی نہیں اور جن کی ہدایت اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے' ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کا ذکر گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔

﴿ وَلَوْ اَشْرَكُوْا ﴾ ''اگر یہ لوگ شرک کرتے'' یعنی بفرض محال ﴿ لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''تو ان کے عمل برباد ہو جاتے'' کیونکہ شرک تمام اعمال کو ساقط اور اکارت کر دیتا ہے اور جہنم میں خلود اور دوام کا موجب بنتا ہے۔ اگر یہ چنے ہوئے بہترین لوگ بھی شرک کرتے حالانکہ وہ اس سے پاک ہیں' تو ان کے اعمال بھی اکارت ہو جاتے۔ دیگر لوگ تو اس جزا کے زیادہ مستحق ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ یعنی یہ مذکورہ بالا لوگ ﴿ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ﴾

"وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی، پس آپ ان کی ہدایت کی پیروی کریں" یعنی اے رسول کریم ﷺ! ان انبیائے اخیار کی پیروی اور ان کی ملت کی اتباع کیجیے اور واقعی رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پہلے انبیاومرسلین کی پیروی کی اور ان کے ہر کمال کو اپنے اندر جمع کر لیا۔ آپ ﷺ کے اندر ایسے فضائل اور خصائص جمع تھے جن کی بنا پر آپ کو تمام جہانوں پر فوقیت حاصل ہوئی۔ آپ تمام انبیاومرسلین کے سردار اور متقین کے امام تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیھم اجمعین۔ یہ ہے (آپ ﷺ کی سیرت کا) وہ پہلو جس سے بعض صحابہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام انبیاومرسلین سے افضل ہیں۔

﴿قُلْ﴾ یعنی ان لوگوں سے کہہ دیجیے جنھوں نے آپ ﷺ کی دعوت سے اعراض کیا ﴿لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا﴾ "میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا۔" یعنی میں تم سے اپنی تبلیغ اور تمھیں اسلام کی دعوت دینے کے عوض کسی مال اور تاوان کا مطالبہ نہیں کرتا جو تمہارے اسلام نہ لانے کا سبب بنے، میرا اجر صرف اللہ کے ذمے ہے ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ﴾ "یہ تو محض نصیحت ہے جہان کے لوگوں کے لیے" جو چیز ان کے لیے مفید ہے، اس سے وہ نصیحت پکڑتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اور جو چیز ان کے لیے ضرر رساں ہے، اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ اس کے ذریعے سے اپنے رب اور اس کے اسماوصفات کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور اس کے ذریعے سے اخلاق حمیدہ، ان کے حصول کے مناہج اور اخلاق رذیلہ اور ان میں مبتلا کرنے والے امور کا علم حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ یہ تمام جہانوں کے لیے نصیحت ہے اس لیے یہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نوازا ہے اور ان پر واجب ہے کہ وہ اس نعمت کو قبول کریں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ

اور نہیں قدر کی انہوں نے اللہ کی جیسے حق ہے اس کی قدر کرنے کا، جس وقت کہا انہوں نے نہیں نازل کی اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز، کہہ دیجیے! کس نے

اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ

نازل کی کتاب، وہ جو لائے اسے موسیٰ؟ وہ نور اور ہدایت (تھی) لوگوں کیلئے، (نقل) کرتے ہو تم اس (کتاب) کو اوراق میں

تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ

ظاہر کرتے ہو اس سے (کچھ) اور چھپاتے ہو بہت اور تم سکھلائے گئے ہو وہ کچھ کہ نہیں جانتے تھے تم اور نہ باپ دادا تمہارے، کہہ دیجیے! (نازل کی) اللہ نے

ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾

پھر چھوڑ دیجیے انہیں، وہ اپنی مشغولیت میں کھیلتے رہیں ○

اللہ تعالیٰ نے یہود ومشرکین کے نفی رسالت کے قول کو سخت قبیح قرار دیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسان پر کوئی چیز نازل نہیں فرمائی۔ جو اس بات کا قائل ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی وہ قدر اور تعظیم نہیں کی جو کرنی

چاہیے تھی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں عیب جوئی ہے' وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مہمل چھوڑ دے گا ان کو کوئی حکم دے گا نہ ان کو کسی چیز سے روکے گا اور اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت کی نفی کی ہے جس سے اس نے اپنے بندوں کو نوازا ہے۔ اور وہ یہ رسالت ہے۔ اس رسالت کے سوا بندوں کے لئے سعادت' کرامت اور فلاح حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں' تب اس نفیٔ رسالت سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات میں اور کون سی طعن و تشنیع ہے؟

﴿ قُلْ ﴾ ان کے فساد قول کو متحقق کرتے ہوئے اور جس چیز کا وہ خود اقرار کرتے ہیں اس کو منواتے ہوئے ان سے کہہ دیجئے! ﴿ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى ﴾ ''کون ہے جس نے وہ کتاب اتاری جسے موسیٰ لے کر آئے'' ؟ اور وہ ہے تورات عظیم ﴿ نُوْرًا ﴾ جو جہالت کی تاریکیوں میں روشنی ہے ﴿ وَّهُدًى ﴾ اور گمراہی میں ہدایت ہے اور علم و عمل میں راہ راست کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو شائع ہو کر پھیل چکی ہے اور جس کے تذکروں نے کانوں اور دلوں کو لبریز کر دیا ہے حتیٰ کہ انہوں نے اسے کتابوں میں لکھنا شروع کیا اور پھر جیسے جی چاہا اس میں تصرف کیا۔ جو ان کی خواہشات کے موافق تھا اسے ظاہر کیا اور جو ان کے خلاف تھا اسے چھپا کر کتمان حق کے مرتکب ہوئے اور ایسا حصہ بہت زیادہ ہے۔

﴿ وَعُلِّمْتُمْ ﴾ ''اور تمہیں وہ علوم سکھائے گئے'' جو اس کتاب جلیل کے سبب سے تھے ﴿ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ﴾ ''جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا'' جب آپ نے اس ہستی کے بارے میں ان سے پوچھ لیا جس نے یہ کتاب نازل کی' جو ان صفات سے موصوف ہے تو انہیں اس کا جواب دیجئے ﴿ قُلِ اللّٰهُ ﴾ ''کہہ دیجیے! اللہ۔'' یعنی انہیں بتلا دیں کہ کتاب نازل کرنے والا اللہ ہے۔ ﴿ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ ﴾ ''پھر ان کو چھوڑ دو کہ اپنی بے ہودہ باتوں میں کھیلتے رہیں۔'' یعنی پھر ان کو ان کے اپنے حال پر باطل میں مشغول چھوڑ دیجئے' تاکہ یہ ان چیزوں کے ساتھ کھیلتے رہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں' یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن سے جا ملیں جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ

اور یہ کتاب' ہم نے اتارا اسے' مبارک ہے' تصدیق کرنے والی ہے اس (کتاب) کی جو اس سے پہلے ہے اور تاکہ آپ ڈرائیں مکہ اور

حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

اسکے آس پاس والوں کو اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں آخرت پر وہ ایمان لاتے ہیں اس (قرآن) پر اور وہ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں ○

﴿ وَهٰذَا ﴾ ''اور یہ'' یعنی قرآن مجید ﴿ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ ﴾ ''کتاب ہے' اس کو اتارا ہم نے آپ کی طرف' برکت والا'' یعنی برکت اس کا وصف ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہ بھلائیوں اور نیکیوں پر مشتمل ہے

﴿ مُصَدِّقُ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ ﴾ ''جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔'' یعنی یہ کتاب' گزشتہ کتابوں کی موافقت کرتی ہے اور ان کی صداقت پر گواہ ہے۔ ﴿ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا ﴾ نیز ہم نے یہ کتاب اس لئے نازل کی ہے تاکہ آپ بستیوں کی ماں' یعنی مکہ مکرمہ کے لوگوں اور اس کے اردگرد دیار عرب بلکہ تمام شہروں کے لوگوں کو ڈرائیں' تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے بچیں اور ان امور سے بچیں جو اس کے عذاب کے موجب ہیں۔ ﴿ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ﴾ ''اور جن کو یقین ہے آخرت کا' وہ اس پر ایمان لاتے ہیں'' کیونکہ جب خوف دل میں جاگزیں ہوتا ہے تو اس کے تمام ارکان آباد ہو جاتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی پیروی کرنے لگ جاتا ہے ﴿ وَهُمْ عَلٰی صَلَاتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴾ ''اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔'' یعنی وہ نمازوں پر دوام کرتے ہیں' اس کے ارکان و حدود' اس کے آداب و شرائط اور اس کی تکمیل کرنے والے دیگر تمام امور کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شامل کرے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ

اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو باندھے اوپر اللہ کے جھوٹ؟ یا کہے وحی کی گئی ہے میری طرف جبکہ نہیں وحی کی گئی اسکی طرف کوئی چیز

وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ تَرٰۤی اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِیْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ

اور جس نے کہا ابھی اتاروں گا میں بھی مثل اسکے جو اتارا اللہ نے' اور کاش کہ آپ دیکھیں جبکہ ظالم لوگ موت کی سختیوں میں ہوتے ہیں

وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْۤا اَیْدِیْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ اَلْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا

اور فرشتے پھیلاتے ہیں اپنے ہاتھ (یہ کہتے ہوئے کہ) نکالو اپنی جانیں آج بدلہ دیے جاؤ گے تم عذاب ذلت کا بوجہ اس کے کہ

كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ غَیْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰیٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا

تھے تم کہتے اللہ پر ناحق (باتیں)' اور تھے تم اس کی آیات سے تکبر کرتے ○ اور یقیناً تم آئے ہو ہمارے پاس

فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰی مَعَكُمْ

اکیلے' جسطرح کہ پیدا کیا تھا ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ اور چھوڑ آئے تم جو کچھ دیا تھا ہم نے تمہیں اپنی پیٹھوں کے پیچھے' اور نہیں دیکھتے ہم تمہارے ساتھ

شُفَعَآءَكُمُ الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِیْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ؕ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَیْنَكُمْ

تمہارے وہ سفارشی جن کی بابت دعویٰ کرتے تھے تم کہ بے شک وہ تمہارے (معاملات) میں شریک ہیں۔ تحقیق ٹوٹ گیا (تعلق) تمہارے درمیان

وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۹۴﴾ ع

اور گم ہو گئے تم سے وہ (معبود) کہ تھے تم (جن کو) گمان کرتے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس شخص سے بڑا ظالم اور مجرم کوئی اور نہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات یا حکم منسوب کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ بری ہے۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کو سب سے بڑا ظلم اس لئے کہا گیا ہے' کیونکہ یہ بہتان پر مبنی ہے۔ اس میں ادیان' ان کے اصول و فروع میں تغیر و تبدل کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جو سب سے بڑی برائی ہے۔ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنا اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی بھیجی ہے' اسی افترا میں شامل ہے۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے اور اس کی عظمت و غلبہ کے سامنے جسارت کا ارتکاب کرنے کے ساتھ اس بات کو بھی واجب ٹھہراتا ہے کہ وہ اس (جھوٹے نبی) کی پیروی کریں اور اس بات پر لوگوں سے لڑائی کریں اور اپنے مخالفین کے جان و مال کو وہ حلال قرار دیتا ہے۔ اس آیت کریمہ کی وعید میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا جیسے مسیلمہ کذاب' اسود عنسی' مختار ثقفی اور دیگر مدعیان نبوت جو اس وصف سے متصف ہیں۔

﴿ وَمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ﴾ ''اور جو کہے کہ میں بھی اتارتا ہوں مثل اس کے جو اتارا اللہ نے'' یعنی اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو یہ زعم رکھتا ہے کہ وہ اس چیز پر قادر ہے جس پر اللہ تعالیٰ قادر ہے' وہ احکام میں اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کر سکتا ہے' وہ بھی اسی طرح شریعت بنا سکتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے۔ اس وعید میں وہ شخص بھی شامل ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ قرآن کا مقابلہ کر سکتا ہے اور قرآن جیسی کتاب وہ بھی بنا سکتا ہے۔ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک بالذات محتاج اور عاجز بندہ جو ہر لحاظ سے ناقص ہے' یہ دعویٰ کرے کہ وہ ایک طاقتور اور بے نیاز ہستی کے ساتھ خدائی میں شریک ہے جو ہر پہلو سے اپنی ذات' اسما اور صفات میں کمال مطلق کی مالک ہے۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان ظالموں کی مذمت کی تو ساتھ ہی اس عذاب کا بھی ذکر فرما دیا جو ان کے لئے تیار کیا گیا ہے اور حالت نزع میں ان کو دیا جائے گا۔ ﴿ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ ﴾ ''اور اگر آپ دیکھیں جس وقت کہ ظالم ہوں موت کی سختیوں میں'' یعنی جب یہ ظالم موت کی شدت' اس کے ہول اور اس کے کرب میں مبتلا ہوں تو آپ ایک نہایت ہولناک حالت اور معاملہ دیکھیں گے کہ کوئی اس کا وصف بیان نہیں کر سکتا ﴿ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ﴾ ''اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہیں'' جب نزع کی حالت میں فرشتے ان ظالموں کو ماریں گے اور عذاب کے ساتھ ان کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے ان کی روحوں کو قبض کرتے اور حرکت دیتے وقت۔ جبکہ روحیں جسموں سے نکلنے سے انکار کریں گی' کہیں گے: ﴿ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ ﴾ ''کہ نکالو تم اپنی جانیں' آج تمہیں رسوائی کا عذاب دیا جائے گا'' یعنی ایسا سخت عذاب جو تمہیں ذلیل و رسوا کر دے گا اور جزا ہمیشہ عمل کی جنس سے ہوتی ہے۔ یہ عذاب اس پاداش میں ہے کہ ﴿ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ﴾ ''اس لیے کہ تم اللہ کے ذمے ناحق باتیں لگاتے تھے۔'' تم جھوٹ بولتے تھے اور حق کو ٹھکراتے تھے جو انبیا لے کر تمہارے پاس آئے تھے ﴿ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴾ ''اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے۔'' اور تم

اللہ تعالیٰ کی آیات کی اطاعت اور ان کے احکام کو ماننے سے اپنے آپ کو بالاتر سمجھتے تھے۔

یہ آیت کریمہ برزخ کے عذاب اور برزخ کی نعمت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس خطاب اور عذاب کا رخ ان کی طرف عین نزع کے وقت اور موت سے تھوڑا سا پہلے اور پھر موت کے بعد ہے' نیز یہ آیت کریمہ اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ روح جسم رکھتی ہے جو داخل ہوتی ہے اور خارج ہوتی ہے جس کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ وہ جسد کے ساتھ مل کر رہتی ہے اور اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ یہ ان کا برزخی حال ہے۔

قیامت کے روز جب یہ وارد ہوں گے تو نہایت افلاس کی حالت میں اکیلے اکیلے آئیں گے۔ ان کے ساتھ گھر والے ہوں گے نہ مال ہو گا نہ اولاد ہو گی' ان کے ساتھ لشکر ہوں گے نہ اعوان و انصار۔ وہ قیامت کے روز اسی طرح ہر چیز سے عاری اور عریاں حالت میں آئیں گے جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا' کیونکہ اشیا تو اس کے بعد ان اسباب کے ذریعے سے حاصل کی جاتی ہیں جو ان کے لئے مقرر ہیں۔ اس روز وہ تمام امور منقطع ہو جائیں گے جو دنیا میں بندے کے ساتھ تھے۔ سوائے نیک اعمال یا بداعمال کے' اور یہ اعمال ہی آخرت کا مادہ ہیں جن سے آخرت ظہور پذیر ہو گی' آخرت کا حسن و قبح' اس کا سرور و غم اور اس کا عذاب و نعمت اعمال کے مطابق حاصل ہو گا۔ یہ اعمال ہی ہیں جو نفع دیں گے یا نقصان دیں گے' جو اچھے لگیں گے یا برے لگیں گے اور ان اعمال کے علاوہ اہل و اولاد' مال و متاع اور اعوان و انصار' تو یہ سب دنیا میں رہ جانے والے اسباب' زائل ہو جانے والے اوصاف اور بدل جانے والے احوال ہیں۔ بنابریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُم مَّا خَوَّلْنَاكُمْ ﴾ ''البتہ تم ہمارے پاس آ گئے ایک ایک ہو کر جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تم کو پہلی مرتبہ اور چھوڑ آئے تم جو کچھ اسباب ہم نے دیئے تھے تمہیں'' یعنی جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا اور جن نعمتوں سے ہم نے تمہیں نوازا تھا ﴿ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ ﴾ ''اپنے پیچھے'' انہیں پیچھے چھوڑ آئے ہو اور وہ تمہارے کسی کام نہ آئیں گی ﴿ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ ﴾ ''اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ سفارشیوں کو جن کو تم گمان کرتے تھے کہ ان کا تم میں ساجھا ہے'' مشرکین اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا کرتے تھے' وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملائکہ' انبیا اور صالحین وغیرہم کی عبادت بھی کیا کرتے تھے' حالانکہ یہ سب اللہ کی ملکیت ہیں مگر وہ لوگ ان مخلوق ہستیوں کے لئے ایک حصہ ٹھہراتے تھے اور اپنی عبادت میں ان کو شریک کرتے تھے اور یہ ان کا زعم باطل اور ظلم ہے کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کا مالک اور ان کی عبادت کا مستحق ہے' لہٰذا ان کے شرک فی العبادۃ' بعض بندوں کو عبادت کا مستحق ٹھہرانے اور ان کو خالق و مالک کا مقام دینے کی بنا پر قیامت کے روز ان کو زجر و توبیخ کی جائے گی اور ان سے مذکورہ بات کہی جائے گی ﴿ لَقَد تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ ﴾ ''تمہارے آپس کے سب تعلقات منقطع ہو گئے۔'' یعنی آج تمہارے اور تمہارے شرکاء کے مابین سفارش وغیرہ کے تمام روابط اور تعلقات منقطع ہو گئے اور ان تعلقات نے کوئی فائدہ نہ

دیا۔ ﴿وَضَلَّ عَنۡكُمۡ مَّا كُنۡتُمۡ تَزۡعُمُوۡنَ﴾ ”اور جاتے رہے وہ دعوے جو تم کیا کرتے تھے“۔ وہ نفع ٗ امن ٗ سعادت اور نجات جن کے وہ بڑے بڑے دعوے کیا کرتے تھے ٗ گم ہو گئے جن کو شیطان تمہارے سامنے مزین کیا کرتا تھا ٗ تمہارے دلوں میں انہیں خوبصورت بنایا کرتا تھا اور تمہاری زبانوں پر ان کا ذکر رہا کرتا تھا اور تم اپنے اس زعم باطل کے فریب میں مبتلا رہے جس کی کوئی حقیقت نہیں یہاں تک کہ ان تمام دعووں کا بطلان واضح ہو گیا اور ظاہر ہو گیا کہ تم خود اپنی ذات ٗ اپنے اہل وعیال اور اپنے مال ومتاع کے بارے میں خسارے میں پڑے رہے۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰى ؕ يُخۡرِجُ الۡحَىَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَمُخۡرِجُ الۡمَيِّتِ مِنَ الۡحَىِّ ؕ

بلاشبہ اللہ پھاڑنے والا ہے دانے اور گٹھلی کو ٗ وہ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَاَنّٰى تُؤۡفَكُوۡنَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الۡاِصۡبَاحِ ۚ وَجَعَلَ الَّيۡلَ سَكَنًا وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ

یہ ہے اللہ ٗ پس کہاں پھیرے جاتے ہو تم؟ ○ نمودار کرنیوالا ہے سپیدۂ صبح کا ٗ اور بنایا اس نے رات کو سکون کا باعث اور سورج اور چاند کو

حُسۡبَانًا ؕ ذٰلِكَ تَقۡدِيۡرُ الۡعَزِيۡزِ الۡعَلِيۡمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوۡمَ لِتَهۡتَدُوۡا بِهَا

حساب کا ذریعہ ٗ یہ (سب) اندازہ ہے بہت زبردست جاننے والے کا ○ اور وہی ہے جس نے بنائے تمہارے لیے تارے تاکہ راہ پاؤ تم ان کے ذریعے

فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِىۡۤ اَنۡشَاَكُمۡ

اندھیروں میں خشکی اور تری کے ٗ تحقیق کھول کر بیان کر دی ہیں ہم نے (اپنی) آیتیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں ○ اور وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہیں

مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسۡتَقَرٌّ وَّمُسۡتَوۡدَعٌ ؕ قَدۡ فَصَّلۡنَا الۡاٰيٰتِ لِقَوۡمٍ يَّفۡقَهُوۡنَ ﴿۹۸﴾

ایک جان سے ٗ پس (تمہارے لیے) ایک قرارگاہ ہے اور ایک جائے امانت ٗ تحقیق مفصل بیان کر دی ہیں ہم نے (اپنی) آیتیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھتے ہیں ○

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے کمال ٗ عظمت سلطان ٗ قوت اقتدار ٗ وسعت رحمت ٗ بے پایاں فضل وکرم اور اپنی مخلوق کے ساتھ انتہائی عنایت کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الۡحَبِّ وَالنَّوٰى﴾ ”بے شک اللہ پھاڑ نکالتا ہے دانہ اور گٹھلی“ یہاں دانہ ہر قسم کے اناج کے دانوں کو شامل ہے جن کو عام طور پر لوگ کاشت کرتے ہیں اور وہ بھی جن کو کاشت نہیں کیا جاتا مثلاً وہ دانے جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے صحراؤں اور بیابانوں میں بکھیر دیئے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کھیتیوں اور مختلف انواع واشکال ومنفعت والی نباتات کے بیجوں کو پھاڑتا ہے اور درختوں کی نوع میں کھجور اور دیگر پھلوں کی گٹھلی کو جس سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق ٗ انسان ٗ مویشی اور دیگر جانور فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ بیج اور گٹھلی سے جو کچھ اگاتا ہے یہ اسے کھاتے ہیں اور اس سے اپنی خوراک اور ہر قسم کی منفعت حاصل کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اس میں مقرر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل واحسان کی جھلک دکھاتا ہے جس سے عقل ششدر اور بڑے بڑے اصحاب فضیلت حیران رہ جاتے ہیں۔ وہ ان کو اپنی انوکھی صنعت گری اور اپنی حکمت کا کمال دکھاتا ہے جس کے ذریعے سے وہ اسے پہچانتے ہیں اور اسے ایک مانتے ہیں

اور جانتے ہیں کہ وہ حق ہے اور اس کے سوا ہر ہستی کی عبادت باطل ہے۔

﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ ''وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے'' مثلاً وہ منی سے حیوان اور انڈے سے چوزہ پیدا کرتا ہے' دانے اور گٹھلی سے اناج اور درخت پیدا کرتا ہے ﴿وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ﴾ ''اور مردہ کو نکالتا ہے'' میت سے مراد وہ تمام اشیا ہیں جو نشوونما کی صلاحیت سے محروم ہوں یا ان کے اندر روح نہ ہو ﴿مِنَ الْحَيِّ﴾ ''زندہ سے'' مثلاً درختوں اور کھیتیوں سے گٹھلیاں اور دانے پیدا کرتا اور پرندے سے انڈہ نکالتا ہے۔

﴿ذٰلِكُمُ﴾ ''وہ ہستی' جو یہ تمام افعال سرانجام دیتی ہے اور ان اشیاء کی تخلیق اور تدبیر میں منفرد ہے وہ ﴿اللّٰهُ رَبُّكُمْ﴾ ''اللہ ہے' رب تمہارا'' تمام مخلوق پر فرض ہے کہ وہ اس کی الوہیت وعبودیت کو تسلیم کرے جس نے اپنی نعمتوں کے ذریعے سے تمام جہانوں کی ربوبیت فرمائی اور اپنے فضل وکرم سے ان کو غذا مہیا کی ﴿فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ﴾ ''پھر تم کہاں بہکے پھرتے ہو؟'' یعنی تم کہاں پھرے جاتے ہو اور جو اس شان کا مالک ہے اس کی عبادت کو چھوڑ کر ایسی ہستیوں کی عبادت کرتے ہو جو خود اپنے لئے کسی نفع ونقصان' موت وحیات اور دوبارہ اٹھانے پر قادر نہیں۔

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے غذاؤں کی تخلیق کے مادے کا ذکر فرمایا تو اب اس احسان کا ذکر کیا جو اس نے مساکن مہیا کر کے مخلوق پر کیا ہے اور ہر وہ چیز تخلیق کر کے جس کے بندے محتاج ہوتے ہیں' مثلاً روشنی' تاریکی اور وہ تمام منافع اور مصالح جو اس پر مترتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿فَالِقُ الْاِصْبَاحِ﴾ ''پھاڑ نکالنے والا ہے صبح کی روشنی کا'' یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ دانے اور گٹھلی کو پھاڑتا ہے اسی طرح اندھیری رات کے اندھیروں کو جو تمام روئے زمین کو ڈھانپ لیتے ہیں' صبح کے اجالے کے ذریعے سے پھاڑتا ہے جو دھیرے دھیرے تاریکی کے پردے کو چاک کئے چلا جاتا ہے حتیٰ کہ تمام تاریکی ختم ہو جاتی ہے اور مخلوق اپنے مصالح' معاش اور اپنے دین ودنیا کے فوائد کے حصول میں مصروف ہو جاتی ہے۔

چونکہ مخلوق سکون' آرام اور ٹھہرنے کی محتاج ہوتی ہے اور یہ امور دن اور رات کے وجود کے بغیر مکمل نہیں ہوتے ﴿وَجَعَلَ﴾ اللہ تعالیٰ نے بنایا ﴿الَّيْلَ سَكَنًا﴾ ''رات کو آرام کے لئے'' جس میں آدمی اپنے گھروں اور خواب گاہوں میں' جانور اور مویشی اپنے ٹھکانوں میں اور پرندے اپنے گھونسلوں میں آرام کرتے ہیں اور سب راحت اور آرام میں سے اپنا اپنا حصہ وصول کرتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ اسے روشنی کے ذریعے سے زائل کر دیتا ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ قیامت تک چلتا رہے گا۔ ﴿وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا﴾ ''اور سورج اور چاند حساب کے لئے'' اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند بنائے جن کے ذریعے سے زمان واوقات کی پہچان کی جاتی ہے' ان کے ذریعے سے عبادات کے اوقات منضبط ہوتے ہیں' معاملات کی مدت مقرر ہوتی ہے اور سورج اور چاند کے وجود ہی سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ کتنا وقت گزر گیا ہے۔ اگر سورج اور چاند کا وجود اور ان کا باری باری ایک دوسرے کے پیچھے آنا

نہ ہوتا تو عامۃ الناس ان تمام امور کو معلوم کر کے علم میں اشتراک نہ کر سکتے بلکہ چند افراد کے سوا کوئی بھی ان امور کی معرفت حاصل نہ کر پاتا اور وہ بھی نہایت کوشش اور اجتہاد کے بعد اور اس طرح تمام ضروری مصالح فوت ہو جاتے۔

﴿ ذٰلِكَ ﴾ یہ مذکورہ اندازہ ﴿ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴾ ''اندازہ ہے غالب جاننے والے کا'' یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا غلبہ ہے کہ یہ بڑی بڑی مخلوق اس کی تدبیر کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہے اور اس کے حکم سے مطیع اور مسخر ہو کر اپنے راستے پر جاری وساری ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جو حدود مقرر کر دی ہیں وہ اس سے سر مو انحراف نہیں کر سکتی' آگے ہو سکتی ہے نہ پیچھے۔ ﴿ الْعَلِيْمِ ﴾ وہی ہستی ہے جس کے علم نے تمام ظاہر و باطن اور اوائل و اواخر کا احاطہ کر رکھا ہے اور اس کے علم محیط کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس نے بڑی بڑی مخلوقات کو ایک اندازے پر ایک انوکھے نظام کے ذریعے سے مسخر کر رکھا ہے کہ جس کے حسن وکمال اور مصالح اور حکمتوں کے ساتھ اس کی مطابقت کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ﴾ ''وہی ہے جس نے بنائے تمہارے لیے ستارے' تا کہ ان کے ذریعے سے تم راستے معلوم کرو' خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں'' جب راستے تم پر مشتبہ ہو جاتے ہیں اور مسافر کا سفر تحیر کا شکار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو راستے دکھانے کے لیے ستاروں کو تخلیق فرمایا۔ لوگ اپنے مصالح' سفر تجارت اور دیگر سفروں میں ان راستوں کی پہچان کے محتاج ہوتے ہیں۔ کچھ ستارے ایسے ہیں جو ہمیشہ دکھائی دیتے ہیں اور اپنی جگہ نہیں چھوڑتے۔ کچھ ستارے ہمیشہ رواں دواں رہتے ہیں۔ ستاروں کی معرفت رکھنے والے ستاروں کی رفتار کو پہچانتے ہیں' بنا بریں وہ سمتیں اور اوقات معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ اور اس قسم کی دیگر آیات دلالت کرتی ہیں کہ ستاروں کی رفتار اور ان کے محل ومقام کا علم حاصل کرنا مشروع ہے جسے ستاروں کی رفتار کے علم سے موسوم کیا جاتا ہے' کیونکہ اس کے بغیر راستوں کے علم سے بہرہ ور ہونا ممکن نہیں۔

﴿ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ ﴾ ''ہم نے آیات کھول کھول کر بیان کر دیں۔'' یعنی ہم نے نشانیوں کو بیان کر کے واضح کر دیا ہے اور ہر جنس اور نوع کو ایک دوسری سے ممیز کر دیا' حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی آیات صاف ظاہر اور عیاں ہو گئیں ﴿ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴾ ''جاننے والوں کے لیے۔'' یعنی ہم نے ان آیات کو ان لوگوں کے سامنے واضح کر دیا جو علم اور معرفت سے بہرہ ور ہیں' کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کی طرف خطاب کا رخ ہے اور جن سے جواب مطلوب ہے۔ بخلاف جہلاء اور اہل جفا کے جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس علم سے منہ موڑتے ہیں جسے لے کر انبیاء ومرسلین مبعوث ہوئے۔ کیونکہ ان کے سامنے بیان کرنا ان کو کوئی فائدہ نہیں دیتا اور ان کے سامنے اس کی تفصیل بیان کرنے سے ان کا التباس رفع نہیں ہو سکتا اور اس کی توضیح سے ان کا اشکال دور نہیں ہوتا۔

﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ ''اور وہی ذات ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا'' اور وہ آدم ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے تمام نسل انسانی کو پیدا کیا جس نے روئے زمین کو بھر دیا ہے اور یہ اضافہ بڑھتا جا رہا ہے۔ نسل انسانی کے افراد کی خلقت' ان کے اخلاق اور اوصاف میں اس قدر تفاوت ہے کہ ان کو ضبط میں لانا اور ان کے تمام اوصاف کا ادراک ممکن ہی نہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا مُسْتَقَر یعنی ان کی غایت و انتہا مقرر فرما دی ہے جس کی طرف ان کو لے جایا جا رہا ہے اور وہ ہے آخرت کی جائے قرار' اس سے آگے کوئی غایت و منتہا نہیں۔ دنیا وہ گھر ہے جہاں رہنے کے لئے مخلوق کو پیدا کیا گیا اور ان کو اس لئے وجود میں لایا گیا تاکہ وہ ان اسباب کے لئے بھاگ دوڑ کریں جو زمین میں پیدا ہوتے ہیں اور زمین ان سے آباد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے آباء کی پشتوں میں اور ماؤں کے رحموں میں امانت رکھ دیا' وہاں سے یہ امانت اس دنیا میں آجاتی ہے' پھر برزخ میں منتقل ہو جاتی ہے۔ ہر جگہ اس کی حیثیت امانت کی ہوتی ہے جس کو ٹھہراؤ اور ثبات نہیں بلکہ منتقل ہوتی رہتی ہے' یہاں تک کہ دار آخرت میں اسے پہنچا دیا جائے جو اس کا مستقر و مقام ہے۔ رہا دنیا کا یہ گھر تو یہ صرف گزرگاہ ہے ﴿قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ﴾ ''تحقیق ہم نے کھول کر بیان کر دیں نشانیاں' ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں'' تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی آیات کو سمجھیں اور اس کے دلائل و براہین کا فہم حاصل کریں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا

اور وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی' پس نکالیں ہم نے اسکے ذریعے سے نباتات ہر چیز کی' پھر نکالا ہم نے اس سے سبزہ

نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ

نکالتے ہیں ہم اس سے دانے باہم جڑے ہوئے اور کھجوروں کے شگوفے سے گچھے جھکے ہوئے اور (نکالے) باغات

مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ

انگوروں اور زیتون اور انار کے' ملتے جلتے ہیں (پتے انکے) اور مختلف ہیں (پھل انکے)' دیکھو اس کے پھل کو جبکہ وہ پھل لائے

وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿٩٩﴾

اور اس کا پکنا' بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان کے لیے جو ایمان لاتے ہیں ○

اس آیت کریمہ میں مذکور نعمت اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے' انسان اور دیگر مخلوق جس کے سخت محتاج ہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ضرورت اور حاجت کے وقت پے در پے پانی برسایا' اس پانی کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات اگائی جسے انسان اور حیوانات کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مخلوق اس نباتات کو کھاتی ہے' اس کے عطا کردہ رزق سے انبساط محسوس کرتی ہے' لوگ اس کے احسان پر خوش ہوتے ہیں اور

ان سے قحط اور خشک سالی دور ہو جاتی ہے۔ پس دل خوش ہو جاتے ہیں اور چہرے نکھر جاتے ہیں' بندوں کو اللہ رحمان ورحیم کی بے پایاں رحمت نصیب ہوتی ہے جس سے وہ متمتع ہوتے ہیں' اس سے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ یہ چیز ان پر واجب ٹھہراتی ہے کہ وہ اس ہستی کا شکر ادا کریں جس نے انہیں یہ نعمتیں عطا کی ہیں اور اس کی عبادت' اس کی طرف انابت اور اس کی محبت میں اپنی کوشش صرف کریں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس پانی سے اگنے والے درختوں اور نباتات کا عمومی ذکر کیا تو اب (خصوصی طور پر) کھیتیوں اور کھجوروں کا ذکر فرمایا ہے' کیونکہ ان کی منفعت بہت زیادہ ہے اور اکثر لوگوں کی خوراک بھی انہی سے حاصل ہوتی ہے۔

﴿ فَاَخۡرَجۡنَا مِنۡهُ خَضِرًا نُّخۡرِجُ مِنۡهُ ﴾ ''پھر نکالی ہم نے اس سے سبز کھیتی' ہم نکالتے ہیں اس سے'' یعنی اس سرسبز نباتات میں سے ﴿ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ﴾ ''دانے' ایک پر ایک چڑھا ہوا'' یعنی گندم' جو' مکئی اور چاول جیسی زرعی اجناس میں دانے اپنی بالیوں میں ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کے وصف میں ''ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے'' کا لفظ اشارہ کرتا ہے کہ ایک بالی میں متعدد دانے ہوتے ہیں' سب ایک ہی مادے سے خوراک حاصل کرتے ہیں' وہ ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں ہوتے' تمام دانے متفرق ہوتے ہیں' ان کی جڑ ایک ہی ہوتی ہے'' یہ دانوں کی کثرت' ان کے بڑ ۰۰ اور غلے کے عام ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے تاکہ کچھ تو بیج کیلئے باقی رہے اور دوسرا غلہ کھایا اور ذخیرہ کیا جا سکے۔ ﴿ وَمِنَ النَّخۡلِ ﴾ ''اور کھجور سے'' اللہ تعالیٰ نے نکالا ﴿ مِنۡ طَلۡعِهَا ﴾ ''اس کے گابھے سے'' اور وہ کھجور کا خوشہ نکلنے سے قبل اس پر چڑھا ہوا غلاف ہے۔ پس اس غلاف میں سے کھجور کا خوشہ نکلتا ہے ﴿ قِنۡوَانٌ دَانِيَةٌ ﴾ ''پھل کے گچھے' جھکے ہوئے'' یعنی قریب قریب لگے ہوئے خوشے' جن کا حصول بہت آسان ہوتا ہے جو کوئی خوشوں کو توڑنا چاہے وہ ان کے بہت قریب ہوتا ہے۔ انہیں کھجور سے حاصل کرنا مشکل نہیں ہوتا' خواہ کھجور کا درخت کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو' کیونکہ کھجور کے تنے سے کٹی ہوئی شاخوں کی جگہ سیڑھیاں سی بن جاتی ہیں ان کی مدد سے کھجور پر چڑھنا آسان ہو جاتا ہے ﴿ وَّجَنّٰتٍ مِّنۡ اَعۡنَابٍ وَّالزَّيۡتُوۡنَ وَالرُّمَّانَ ﴾ ''اور (اس پانی سے) انگور' زیتون اور انار کے باغات اگائے۔'' چونکہ یہ درخت کثیر الفوائد اور عظیم وقعت کے حامل ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے درختوں اور نباتات کا عمومی ذکر کرنے کے بعد ان کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

﴿ مُشۡتَبِهًا وَّغَيۡرَ مُتَشَابِهٍ ﴾ ''آپس میں ملتے جلتے بھی اور جدا جدا بھی'' اس میں اس امر کا احتمال ہے کہ اس سے مراد انار اور زیتون ہو' کیونکہ ان کے درخت اور پتے ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں اور ان کے پھل غیر مشابہ (جدا جدا) ہوتے ہیں اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد تمام درخت اور میوے وغیرہ ہوں جن میں سے بعض ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں اور بعض ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں اور بعض اوصاف میں ایک دوسرے سے کوئی مشابہت نہیں رکھتے (بلکہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں)۔

ان تمام درختوں سے بندے فائدہ اٹھاتے ہیں' ان سے پھل اور غذا حاصل کرتے ہیں اور عبرت پکڑتے ہیں۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے ان سے عبرت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے ﴿ اُنْظُرُوْٓا ﴾ "دیکھو" یعنی غور و فکر اور عبرت کی نظر سے دیکھو ﴿ اِلٰى ثَمَرِهٖٓ ﴾ تمام درختوں کے پھل کی طرف عام طور پر اور کھجور کے پھل کی طرف خاص طور پر ﴿ اِذَآ اَثْمَرَ ﴾ "جب وہ پھل لائے" ﴿ وَيَنْعِهٖ ﴾ "اور اس کے پکنے پر" یعنی اس کے شگوفے نکلنے' پھل پکنے اور اس کے پک کر سرخ ہونے کی طرف دیکھو' کیونکہ اس میں عبرت اور نشانیاں ہیں جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت' اس کے جود و احسان کی وسعت' اس کے کامل اقتدار اور بندوں پر اس کی بے پایاں عنایات پر استدلال کیا جاتا ہے۔

مگر ہر ایک تفکر و تدبر کے ذریعے سے عبرت حاصل نہیں کرتا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کوئی غور و فکر کرے وہ معنی مقصود کو پا لے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آیات الٰہی سے فائدہ اٹھانے کو مومنین کے ساتھ خاص کیا ہے' چنانچہ فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴾ "اس میں ایمان رکھنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں" کیونکہ مومنین کا ایمان ان کو اپنے ایمان کے تقاضوں اور لوازم پر عمل کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور ان لوازم میں آیات الٰہی میں غور و فکر' ان سے نتائج کا استخراج' ان کا معنی مراد اور یہ آیات عقلاً' شرعاً اور فطرتاً جس چیز پر دلالت کرتی ہیں' سب شامل ہیں۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۭ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ

اور ٹھہرا لیا انہوں نے اللہ کا شریک جنوں کو حالانکہ اس نے تو انہیں پیدا کیا ہے اور گھڑ لیے انہوں نے اس (اللہ) کے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علم کے پاک ہے وہ

وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝١٠٠ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ ع ١٢/٦ ١٨

اور بلند ان باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں ○ وہی موجد ہے آسمانوں اور زمین کا' کس طرح ہو سکتی ہے اس کی اولاد جب کہ نہیں ہے کوئی اس کی

صَاحِبَةٌ ۭ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝١٠١ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

بیوی؟ اور اسی نے پیدا کیا ہر چیز کو' اور وہی ہر چیز کو جاننے والا ہے ○ یہ اللہ رب ہے تمہارا' نہیں کوئی معبود سوائے

هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝١٠٢ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ

اس کے' خالق ہے ہر چیز کا' پس تم اسی کی عبادت کرو' اور وہ اوپر ہر چیز کے نگران ہے ○ نہیں پا سکتیں اس کو آنکھیں

وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝١٠٣ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ

اور وہ پا لیتا ہے آنکھوں کو' اور وہ باریک بین ہے خبردار ○ تحقیق آ چکیں تمہارے پاس دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے

فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝١٠٤

پس جس نے بصیرت سے کام لیا تو اپنے ہی لیے اور جو اندھا رہا تو اسی پر ہے (وبال)' اور نہیں ہوں میں تم پر محافظ ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اپنے بندوں پر اس کے احسان اور واضح نشانیوں کے ذریعے سے ان کو

اپنی معرفت عطا کرنے کے باوجود مشرکین قریش وغیرہم جنوں اور فرشتوں کو اس کے شریک ٹھہراتے ہیں' ان کو پکارتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور ان میں ربوبیت اور الوہیت کی کوئی بھی صفت نہیں۔ وہ ان کو اس ہستی کا شریک ٹھہراتے ہیں جو خلق وامر کی مالک ہے اور وہ ہر قسم کی نعمت عطا کرنے والی اور تمام دکھوں اور تکالیف کو دور کرنے والی ہے۔ اور اسی طرح مشرکین نے اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ پر بہتان گھڑتے اور جھوٹ باندھتے ہوئے بغیر کسی علم کے اللہ تعالیٰ کے بیٹے بیٹیاں بنا ڈالے۔ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو علم کے بغیر کوئی بات اللہ تعالیٰ کے ذمے لگاتا ہے اور اس پر ایسے بدترین نقص کا بہتان باندھتا ہے جس سے اس کی تنزیہہ واجب ہے' بنابریں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو مشرکین کی افترا پردازیوں سے منزہ قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴾ ''وہ ان باتوں سے جو اس کی نسبت بیان کرتے ہیں پاک ہے۔'' پس اللہ تعالیٰ ہر صفت کمال سے متصف اور ہر نقص' آفت اور عیب سے منزہ ہے۔

﴿ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''نئی طرح پر بنانے والا آسمانوں اور زمین کا'' اللہ تعالیٰ ان کو تخلیق کرنے والا بغیر کسی سابقہ نمونے کے' ان کو مہارت کے ساتھ بہترین شکل میں' بہترین نظام اور خوبصورتی کے ساتھ بنانے والا ہے۔ بڑے بڑے عقل مندوں کی عقل اس جیسی کوئی چیز وجود میں لانے سے قاصر ہے۔ اسی طرح زمین اور آسمان کی تخلیق میں کوئی اس کا شریک بھی نہیں۔ ﴿ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ﴾ ''کیوں کر ہو سکتی ہے اس کی اولاد جب کہ اس کی بیوی ہی نہیں ہے؟'' یعنی اللہ تعالیٰ کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے حالانکہ وہ بے نیاز' سردار اور الٰہ حق ہے جس کی کوئی ساتھی' یعنی بیوی نہیں ہے وہ اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز ہے۔ تمام مخلوق اس کی محتاج اور اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کے سامنے مجبور ہے اور اولاد لازمی طور پر اپنے باپ کی جنس سے ہوتی ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ اس کی مخلوقات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو کسی بھی پہلو سے اس کی مشابہ ہو۔ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس امر کا عمومی ذکر فرمایا ہے کہ اس نے تمام اشیا کو پیدا کیا ہے' اس لئے اس نے یہ بھی ذکر فرمایا کہ اس کا علم ان تمام اشیا کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ﴿ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴾ ''اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔'' تخلیق کے بعد علم کا ذکر کرنا اس دلیل عقلی کی طرف اشارہ ہے کہ اسے اپنی مخلوق کا علم بھی ہے اور مخلوق میں اس کی پیدا کردہ تمام چیزیں اور وہ پورا نظام ہے جس پر کائنات قائم ہے۔ اس لئے کہ اس میں خالق کے علم کی وسعت اور اس کی کامل حکمت پر دلیل ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴾ (الملك: ٦٧/ ١٤) ''بھلا جس نے پیدا کیا وہ نہیں جانتا؟ وہ تو پوشیدہ اور باریک امور سے آگاہ اور ان کی خبر رکھنے والا ہے''۔ اور فرمایا: ﴿ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ﴾ (یس: ٣٦/ ٨١) ''وہ بڑا پیدا کرنے والا اور علم رکھنے والا ہے''۔ ﴿ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ﴾ ''یہی اللہ تمہارا رب ہے۔'' یعنی یہ معبود' جو انتہائی تذلل اور انتہائی محبت کا مستحق ہے وہی تمہارا رب ہے

جس نے اپنی نعمتوں کے ذریعے سے تمام مخلوق کی ربوبیت کا انتظام فرمایا اور ان سے مختلف اصناف کی تکالیف کو دور ہٹایا۔ ﴿ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ﴾ ''اس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ ہر چیز کا خالق ہے' پس تم اسی کی عبادت کرو۔'' یعنی جب یہ بات ثابت ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' تو اپنی ہر قسم کی عبادت کا رخ اسی کی طرف پھیر دو' اپنی تمام عبادات کو اسی کے لئے خالص کرو اور ان عبادات میں صرف اسی کی رضا کو مقصد بناؤ۔ تخلیق کائنات کا مقصد بھی یہی ہے اور اسی کی خاطر ان کو پیدا کیا گیا ہے۔ ﴿ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ﴾ (الذاریات: ٥٦/٥١) ''میں نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں''۔ ﴿ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴾ ''اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔'' یعنی تمام اشیا تخلیق وتدبیر اور تصرف کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی وکالت اور بندوبست کے تحت ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ وہ امر جو کسی کے تصرف میں دیا گیا ہے' اس کی استقامت' اس کا اتمام اور اس کا کمال انتظام وکیل کے حسب حال ہوتا ہے۔ تمام اشیا پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی وکالت' مخلوق کی وکالت کی مانند نہیں ہے کیونکہ مخلوق کی وکالت تو درحقیقت نیابت ہے اور اس میں وکیل اپنے مؤکل کے تابع ہوتا ہے۔ جہاں تک باری تعالیٰ کی ذات ہے' تو اس کی وکالت اپنی طرف سے اپنے لئے ہوتی ہے جو کمال علم' حسن تدبیر اور عدل واحسان کو متضمن ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر استدراک (کسی کوتاہی کا ازالہ) کرے' نہ اسے اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی خلل نظر آئے گا اور نہ اس کی تدبیر میں کوئی نقص اور عیب۔ اللہ تعالیٰ کی وکالت کا ایک حصہ یہ ہے کہ اس نے اپنے دین کی توضیح وتبیین کا کام اپنے ذمہ لیا اور دین کو خراب کرنے اور بدلنے والے تمام امور سے اس کی حفاظت کی اور وہ اہل ایمان کی حفاظت اور ایسے امور سے ان کو بچانے کا ضامن بنا جو ان کے دین وایمان کو خراب کرتے ہیں۔

﴿ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ﴾ ''اسے آنکھیں نہیں پا سکتیں'' اس کی عظمت اور اس کے جلال وکمال کی بنا پر نگاہیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ یعنی نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ اگرچہ آخرت میں اس کو دیکھ سکیں گی اور اس کے چہرۂ مکرم کے نظارے سے خوش ہوں گی۔ پس ادراک کی نفی سے رؤیت کی نفی لازم نہیں آتی بلکہ مفہوم مخالف کی بنا پر رؤیت کا اثبات ہوتا ہے کیونکہ ادراک' جو کہ رؤیت کا ایک خاص وصف ہے' کی نفی رؤیت کے اثبات پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے کہ اگر اس آیت کریمہ سے رؤیت باری تعالیٰ کی نفی مراد ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہوتا (لا تراہ الابصار) یا اس قسم کا کوئی اور فقرہ۔ پس معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں معطلہ کے مذہب پر کوئی دلیل نہیں جو آخرت میں رب تعالیٰ کے دیدار کا انکار کرتے ہیں' بلکہ اس سے ان کے مذہب کے نقیض (برعکس) کا اثبات ہوتا ہے۔

﴿ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ﴾ ''اور وہ آنکھوں کو پا سکتا ہے'' یعنی وہی ہے جس کے علم نے ظاہر وباطن کا احاطہ

کر رکھا ہے' اس کی سماعت تمام جہری اور خفیہ آوازوں کو سنتی ہے اور بصارت تمام چھوٹی بڑی مرئیات کو دیکھتی ہے۔ بنابریں فرمایا: ﴿وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ ''اور وہ نہایت باریک بین' خبردار ہے''۔ یعنی جس کا علم اور خبر بہت باریک اور دقیق ہے حتیٰ کہ اسرار نہاں' چھپی ہوئی چیزوں اور باطن کا بھی ادراک کر لیتا ہے۔ یہ اس کا لطف و کرم ہے کہ وہ اپنے بندے کی اس کے دینی مصالح کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور ان مصالح کو اس کے پاس اس طریقے سے پہنچاتا ہے کہ بندے کو اس کا شعور تک نہیں ہوتا اور اسے ان مصالح کے حصول کے لئے تگ و دو نہیں کرنی پڑتی۔ وہ اپنے بندے کو ابدی سعادت اور دائمی فلاح کی منزل پر اس طرح پہنچاتا ہے جس کا وہ اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ وہ بندے کے لئے ایسے امور مقدر کر دیتا ہے جنہیں بندہ ناپسند کرتا ہے اور ان کی وجہ سے دکھ اٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان کو دور کرنے کی دعا کرتا ہے' مگر اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کا دین اس کے لئے زیادہ درست ہے اور اس کا کمال انہی امور پر موقوف ہے۔ پاک ہے وہ لطف و کرم والی باریک بین ذات جو مومنوں کے ساتھ بہت رحیم ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات اور واضح دلائل کو بیان کر دیا جو تمام مطالب و مقاصد میں حق پر دلالت کرتی ہیں تو ان کو آگاہ کر کے خبردار کر دیا کہ ان کی ہدایت اور گمراہی خود ان کی ذات کے لئے ہے۔ پس فرمایا: ﴿قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ ''تحقیق آ چکیں تمہارے پاس نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے'' یعنی تمہارے پاس ایسی آیات آ گئی ہیں جو حق کو واضح کرتی ہیں۔ وہ قلب کے لئے حق کو ایسے واضح اور نمایاں کر دیتی ہیں جیسے آنکھوں کے سامنے سورج' کیونکہ یہ آیات فصاحت لفظ' بیان و وضوح' معانی جلیلہ کے ساتھ مطابقت اور حقائق جمیلہ پر مشتمل ہیں۔ اس لئے کہ یہ اس رب کی طرف سے صادر ہوئی ہیں جو اپنی مختلف ظاہری اور باطنی نعمتوں کے ذریعے سے اپنی مخلوق کی تربیت کرتا ہے اور ان میں جلیل ترین نعمت تبیین آیات اور توضیح مشکلات ہے۔

﴿فَمَنْ أَبْصَرَ﴾ ''پس جس نے دیکھ لیا'' جو کوئی ان آیات کے ذریعے سے عبرت کے مواقع دیکھ لیتا ہے اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرتا ہے ﴿فَلِنَفْسِهِ﴾ ''تو یہ خود اس کی ذات کے لئے ہے'' کیونکہ اللہ تعالیٰ تو بے نیاز اور قابل تعریف ہے ﴿وَمَنْ عَمِيَ﴾ ''اور جو اندھا رہا'' یعنی وہ دیکھتا تو ہے مگر بصیرت کے ساتھ غور و فکر نہیں کرتا' اسے زجر و توبیخ کی جاتی ہے مگر وہ اسے قبول نہیں کرتا' اس کے سامنے حق واضح کیا جاتا ہے مگر وہ اس کی اطاعت کرتا ہے نہ اس کے سامنے جھکتا ہے' پس اس کے اندھے پن کا نقصان اسی کے لئے ہے۔ ﴿وَمَا أَنَا﴾ یعنی اے رسول ﷺ! کہہ دیجئے ''اور نہیں ہوں میں'' ﴿عَلَيْكُمْ بِحَفِيظٍ﴾ ''تم پر نگہبان'' کہ میں تمہارے اعمال پر نظر رکھوں اور دائمی طور پر ان کی نگرانی کروں' میری ذمہ داری تو صرف پہنچا دینا ہے اور میں نے یہ ذمہ داری ادا کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ پر نازل کیا تھا میں نے پہنچا دیا اور یہی میرا فرض ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ

میرے فرائض میں شامل نہیں۔ ①

وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١٠٥﴾

اور اسی طرح پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں ہم آیات کو اور تا کہ کہیں وہ پڑھا ہے تو نے (کسی سے) اور تا کہ ہم بیان کریں وہ ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں ○

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ

پیروی کریں اس چیز کی جو وحی کی جاتی ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے نہیں کوئی معبود مگر وہی اور اعراض کیجیے مشرکین سے ○ اور اگر

شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۗ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾

چاہتا اللہ تو نہ شرک کرتے وہ' اور نہیں بنایا ہم نے آپ کو ان پر محافظ اور نہیں ہیں آپ ان کے ذمے دار ○

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذٰلِكَ

اور مت گالی دو ان کو جنہیں پکارتے ہیں وہ اللہ کے سوا پس گالی دیں گے وہ (بھی) اللہ کو حد سے گزرتے ہوئے بغیر علم کے اسی طرح

زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ۠ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٠٨﴾

مزین کر دیا ہم نے ہر امت کیلئے انکا عمل' پھر طرف اپنے رب کی انکی واپسی ہے' پس وہ خبر دے گا انہیں انکی جو تھے وہ عمل کرتے ○

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایک ایسے کام سے روکا ہے جو بنیادی طور پر جائز بلکہ مشروع ہے اور وہ ہے مشرکین کے معبودوں کو سب وشتم کرنا۔ جن کے بت بنائے گئے اور جن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبود بنا لیا گیا ہے' ان کی اہانت اور سب وشتم سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے' لیکن چونکہ یہ سب وشتم مشرکین کے لئے اللہ رب العالمین کو سب وشتم کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے جس عظیم ذات کی' ہر عیب و آفت اور سب وشتم سے تنزیہہ واجب ہے' اس لئے مشرکین کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے روک دیا گیا ہے' کیونکہ وہ اپنے دین میں متعصب ہیں اور اپنے دین کے لئے جوش میں آجاتے ہیں' اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے اعمال کو ان کے لئے مزین کر دیا ہے۔ وہ اعمال انہیں اچھے دکھائی دیتے ہیں لہذا وہ ہر طریقے سے ان کی مدافعت کرتے ہیں' حتیٰ کہ اگر مسلمان ان کے معبودوں کو گالی دیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بھی گالی دیئے بغیر نہیں رہتے جس کی عظمت ابرار و فجار کے دلوں میں راسخ ہے۔

مگر تمام مخلوق کو انجام کار قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے' پھر انہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور ان کے اعمال پیش کئے جائیں گے اور جو وہ اچھا برا کام کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کو آگاہ کرے گا۔

اس آیت کریمہ میں اس شرعی قاعدہ پر دلیل ہے کہ وسائل کا اعتبار ان امور کے ذریعے سے کیا جاتا ہے جن تک یہ پہنچاتے ہیں چنانچہ امور محرمہ کی طرف لے جانے والے وسائل و ذرائع حرام ہیں' خواہ وہ فی نفسہ حلال ہی کیوں نہ ہوں۔

① مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے آیت نمبر ۱۰۴ کے بعد آیت نمبر ۱۰۵ تا ۱۰۷ کی تفسیر نہیں کی۔ از محقق

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا

اور قسمیں کھائیں انہوں نے اللہ کی پختہ قسمیں کہ اگر آجائے انکے پاس (مخصوص) نشانی تو ضرور ایمان لائیں گے وہ اس پر کہہ دیجئے! یقیناً

الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٩﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ

نشانیاں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور تمہیں کون سمجھائے یہ کہ جب وہ نشانی آجائے گی تو وہ ایمان نہیں لائیں گے ○ اور پھیر دیں گے ہم ان کے دل

وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١٠﴾ ع

اور انکی آنکھیں جیسے نہیں ایمان لائے تھے وہ اس پر پہلی مرتبہ اور چھوڑ دیں گے ہم انکو انکی سرکشی میں، سرگرداں پھرتے ہوئے ○

یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والے مشرکین قسمیں اٹھاتے ہیں ﴿ بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ﴾ یعنی زوردار اور موکد قسمیں ﴿ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ ﴾ ”اگر ان کے پاس کوئی نشانی آگئی“ جو محمد مصطفیٰ ﷺ کی صداقت پر دلالت کرتی ہو ﴿ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ﴾ ”تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے“۔ یہ کلام جو ان سے صادر ہوا اس سے ان کا مقصد طلب ہدایت نہ تھا بلکہ ان کا مقصد تو محض دفع اعتراض اور اس چیز کو قطعی طور پر ٹھکرانا تھا جو انبیاء و رسل لے کر آئے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی آیات بینات اور واضح دلائل کے ساتھ تائید فرمائی۔ ان دلائل کی طرف التفات کرنے سے اس بات میں ادنیٰ سا شبہ اور اشکال باقی نہیں رہتا کہ جو کچھ آپ ﷺ لے کر مبعوث ہوئے ہیں وہ صحیح ہے۔ اس کے بعد ان آیات و معجزات کا مطالبہ کرنا محض تعنت ہے۔ جس کا جواب دینا لازم نہیں، بلکہ کبھی کبھی ان کو جواب نہ دینا ان کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس کی سنت یہ ہے کہ اس کے انبیاء و رسل سے معجزات کا مطالبہ کرنے والوں کے پاس جب معجزات آجاتے ہیں اور وہ ان پر ایمان نہیں لاتے تو ان پر عذاب بھیج دیا جاتا ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ”کہہ دیجئے! کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں“۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جو جب چاہتا ہے معجزات نازل کرتا ہے اور وہ جب چاہتا ہے روک دیتا ہے۔ میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ لہٰذا مجھ سے تمہارا مطالبہ کرنا ظلم اور ایسی چیز کا مطالبہ ہے جس پر مجھے کوئی اختیار نہیں، تاہم تمہارا مقصود اس سے صرف اس چیز کی توضیح و تصدیق ہے جو میں لایا ہوں جب کہ وہ ثابت شدہ امر ہے۔ بایں ہمہ یہ بھی معلوم نہیں کہ جب ان کے پاس یہ نشانیاں آجائیں گی تو یہ ان پر ایمان لے آئیں گے اور ان کی تصدیق کریں گے۔ بلکہ ان کے احوال یہ ہیں کہ وہ غالب طور پر صراط مستقیم پر گامزن ہونے کی توفیق سے محروم ہونے کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔ بنابریں فرمایا: ﴿ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ”اور تمہیں کیا معلوم کہ جب ان کے پاس نشانیاں آبھی جائیں، تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔“

﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ ”اور ہم الٹ دیں گے ان کے دل اور ان کی آنکھیں جیسے کہ ایمان نہیں لائے نشانیوں پر پہلی بار اور ہم چھوڑے رکھیں

گے ان کو ان کی سرکشی میں بھٹکتے ہوئے"۔ یعنی جب ان کے پاس حق کی دعوت دینے والا آیا اور ان پر حجت قائم ہو گئی مگر وہ ایمان نہیں لائے۔ اس پہلی مرتبہ کے انکار کے نتیجے میں ہم ان کو عذاب دیں گے ان کے دلوں کو حق سے پھیر کر' ان کے اور ایمان کے درمیان حائل ہو کر اور صراط مستقیم پر گامزن ہونے کی توفیق سے محروم کر کے۔ یہ بندوں کے ساتھ اس کا عدل اور اس کی حکمت ہے۔ انہوں نے اپنے آپ پر جرم کا ارتکاب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دروازہ کھولا مگر وہ اس میں داخل نہیں ہوئے' اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہدایت کا راستہ واضح کر دیا' لیکن وہ اس پر گامزن نہ ہوئے۔ اگر اس کے بعد ان کو توفیق سے محروم کر دیا گیا تو یہ ان کے احوال کے عین مطابق ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تيسير الكريم الرحمن
في تفسير كلام المنان

المعروف

تفسير السعدی (اردو)

فضیلۃ الشیخ عبد الرحمن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

دار السلام
کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

❀❀❀ توجہ فرمائیں! ❀❀❀

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب...........

- عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد آپ لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔
- متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹو کاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی نشرواشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

❀❀❀ تنبیہ ❀❀❀

- کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔
- ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی وشرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر
تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشرواشاعت، کتب کی خرید وفروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

دارُالسّلام
کتاب وسنّت کی اشاعت کا عالمی اِدارہ
ریاض * جدہ * شارجہ * لاهور
لندن * هيوسٹن * نیو یارك
DARUSSALAM

ہیڈ آفس : پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب
فون : 4033962-4043432 (00966 1) فیکس :4021659
ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون وفیکس:4614483

جدہ فون وفیکس : 6807752 الخبر فون: 8692900 فیکس :8691551
شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان : ① 50 لوئر مال نزد ایم ۔ اے ۔ او کالج لاہور فون:7232400 - 7240024 (0092 42)
فیکس:7354072 ای میل:darussalampk@hotmail.com
② اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون:7120054 فیکس :7320703

لندن فون :5202666 فیکس : 5217645 (0044 208)
ہیوسٹن فون :7220419 فیکس :7220431 (001 713) نیویارک فون: 6255925 (001 718)
Website: http://www.dar-us-salam.com

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان

(اردو ترجمہ)

پارۃ نمبر آٹھ 8

مفسر قرآن: فضیلۃ الشیخ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

تحقیق: عبدالرحمان بن معلا اللویحق حفظہ اللہ

ترجمۃ القرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ترجمۃ التفسیر: پروفیسر طیب شاہین لودھی حفظہ اللہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمانِ الٰہی

وَقَالَ الرَّسُولُ

يَارَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا

اور رسول (ﷺ روزِ قیامت) فرمائیں گے :

"الٰہی ! یقیناً میری قوم نے اِس قرآن کو پس پُشت ڈال دیا تھا۔"

(الفرقان، ۲۵/۳۰)

فرمانِ نبوی

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ

بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ

اللہ تعالیٰ اِس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں

عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں دھکیل دیتا ہے

(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۷)

پارۃ نمبر آٹھ 8

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ

اور اگر بلاشبہ ہم نازل کرتے ان کی طرف فرشتے اور کلام کرتے ان سے مُردے' اور اکٹھا کر دیتے ہم ان پر ہر چیز کو

قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

سامنے' تب بھی نہ تھے وہ کہ ایمان لے آتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ' لیکن اکثر ان کے جہالت سے کام لیتے ہیں ○

اسی طرح ان کا اپنے ایمان کو اپنے ارادے اور خود اپنی مشیت سے معلق کرنا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کرنا' سب سے بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ اگر ان کے پاس بڑی بڑی نشانیاں اور معجزات بھی آ جائیں' فرشتے نازل ہو کر رسول کی رسالت کی شہادت دے دیں' ان کے ساتھ مردے باتیں کرنے لگیں اور خود ان کو مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دیا جائے ﴿ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ ﴾ "اور زندہ کر دیں ہر چیز کو ان کے سامنے" حتیٰ کہ وہ ان کے ساتھ باتیں کریں ﴿ قُبُلًا ﴾ "سامنے" یعنی ان کے سامنے نظر آتے ہوئے اس چیز کی تصدیق کریں جسے لے کر رسول آیا ہے' تب بھی ان کے حصے میں ایمان نہیں آ سکتا' اگر اللہ کی مشیت ان کے ایمان لانے کی نہ ہو۔ مگر ان میں سے اکثر جاہل ہیں اسی لیے انہوں نے اپنے ایمان کو مجرد آیات و معجزات کے ساتھ مشروط کیا ہے۔

عقل اور علم کا تقاضا تو یہ ہے کہ بندے کا مطلوب و مقصود اتباع حق ہو اور وہ اسے ان طریقوں سے تلاش کرے جنہیں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے' حق پر عمل کرے اور اس کی اتباع میں اپنے رب کی مدد طلب کرے۔ اپنے نفس اور اپنی قوت و اختیار پر بھروسہ نہ کرے اور ان آیات و معجزات کا مطالبہ نہ کرے جن کا کوئی فائدہ نہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَ الْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ

اور اسی طرح بنائے ہم نے ہر نبی کے دشمن' شیطان انسانوں اور جنوں (دونوں) میں سے' ڈالتا ہے ایک ان کا

اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ

دوسرے کی طرف ملمع کی ہوئی بات' دھوکہ دینے کیلئے' اور اگر چاہتا آپ کا رب تو نہ کرتے وہ یہ (کام)' پس چھوڑ دیجئے آپ ان کو

وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

اور جو وہ افترا باندھتے ہیں ○ اور تاکہ مائل ہو جائیں اس (جھوٹ) کی طرف دل ان کے جو نہیں ایمان لاتے

بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

آخرت پر' اور تاکہ راضی ہوں وہ اس (جھوٹ) سے' اور تاکہ کرتے رہیں (برے کام) جو وہ کر رہے ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے جس طرح ہم نے آپ کے دشمن بنا دیئے جو آپ کی دعوت کو ٹھکراتے ہیں اور آپ سے حسد کرتے ہیں' تو یہ ہماری سنت ہے' ہم ہر نبی کے' جس کو ہم مخلوق کی طرف مبعوث کرتے ہیں' جنوں اور انسانوں میں سے دشمن مقرر کر دیتے ہیں وہ ان تمام امور کی مخالفت کرتے ہیں

جنہیں رسول لے کر آئے ہیں۔ ﴿ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ﴾ ”سکھلاتے ہیں وہ ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی باتیں' فریب دینے کے لیے“ یعنی وہ ایک دوسرے کو ان باطل امور کو سجا کر اور مزین کر کے پیش کرتے ہیں جن کی طرف وہ دعوت دیتے ہیں اور وہ اس کی تعبیرات کو آراستہ کر کے بہترین اسلوب میں پیش کرتے ہیں تاکہ بیوقوف اس سے دھوکہ کھا جائیں اور سیدھے سادے لوگ ان کے سامنے سر اطاعت خم کر دیں جو حقائق کا فہم رکھتے ہیں نہ معانی کو سمجھتے ہیں' بلکہ خوبصورت الفاظ اور ملمع سازی ان کو اچھی لگتی ہے' پس وہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتے ہیں۔ بنابریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلِتَصْغٰۤى اِلَيْهِ ﴾ ”تاکہ اس کی طرف مائل ہوں۔“ یعنی اس مزین کلام کو سننے کی طرف مائل ہوں ﴿ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ﴾ ”ان لوگوں کے دل جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے“ کیونکہ یوم آخرت پر ان کا ایمان نہ رکھنا اور عقل نافع سے ان کا محروم ہونا' ان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے ﴿ وَلِيَرْضَوْهُ ﴾ ”اور تاکہ وہ اس کو پسند بھی کر لیں“ یعنی اس کی طرف مائل ہونے کے بعد۔ پس ان کے دل پہلے اس کی طرف مائل ہوتے ہیں پھر ان خوبصورت اور مزین عبارت کو جب دیکھتے ہیں تو ان کو پسند کرنے لگتے ہیں یہ عبارات ان کے دل میں سج جاتی ہیں اور ایک راسخ عقیدہ اور لازم وصف بن جاتی ہیں۔ پھر اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان سے اس قسم کے اعمال سرزد ہوتے ہیں یعنی وہ اپنے قول و فعل میں جھوٹ کا ارتکاب کرتے ہیں جو ان عقائد قبیحہ کا لازمہ ہیں پس یہ حال ان شیاطین جن و انس کا ہے جو ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ رہے آخرت پر ایمان رکھنے والے عقل مند اور سنجیدہ لوگ تو وہ ان عبارات سے دھوکہ کھاتے ہیں نہ ان ملمع سازیوں کا شکار ہوتے ہیں' بلکہ ان کی ہمت اور ان کے ارادے حقائق کی معرفت حاصل کرنے میں مصروف رہتے ہیں وہ ان معانی پر نظر رکھتے ہیں جن کی طرف دعوت دینے والے دعوت دیتے ہیں۔ اگر یہ معانی حق ہیں تو انہیں قبول کر لیتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں خواہ ان کو کم تر عبارات اور غیر وافی الفاظ میں کیوں نہ بیان کیا گیا ہو اور اگر یہ معانی باطل ہیں تو انہیں ان کے قائل کی طرف لوٹا دیتے ہیں خواہ ان کا قائل کوئی بھی ہو اور خواہ ان الفاظ کو ریشم سے بھی زیادہ خوشنما لبادہ اوڑھا دیا گیا ہو۔

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت بالغہ ہے کہ اس نے انبیائے کرام علیہم السلام کے دشمن بنا دیے اور باطل کے انصار و اعوان مقرر کر دیے جو باطل کی طرف دعوت دیتے ہیں تاکہ اس کے بندوں کی آزمائش اور امتحان ہو سکے اور سچے' جھوٹے' عقل مند اور جاہل' صاحب بصیرت اور اندھے کے درمیان امتیاز ہو سکے اور یہ بھی اس کی حکمت کا حصہ ہے کہ حق و باطل کی اس کشمکش کے اندر حق کی تبیین اور توضیح ہے کیونکہ جب باطل حق کا مقابلہ کرتا ہے تو حق روشن ہو کر اور نکھر کر سامنے آ جاتا ہے۔ تب اس وقت حق کے وہ دلائل اور شواہد واضح ہو جاتے ہیں جو حق کی صداقت اور حقیقت اور باطل کے فساد اور اس کے بطلان پر دلالت کرتے ہیں جو سب سے بڑا مقصد ہے جس کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ

کیا پس اللہ کے سوا تلاش کروں میں کوئی حاکم؟ حالانکہ وہی ہے جس نے نازل کی ہے تمہاری طرف یہ کتاب مفصل' اور وہ لوگ

اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ

کہ دی ہم نے انہیں کتاب' جانتے ہیں وہ اس بات کو کہ بلاشبہ وہ نازل شدہ ہے آپکے رب کی طرف سے ساتھ حق کے' پس نہ ہوں آپ

مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ

شک کرنیوالوں سے ○ اور مکمل ہے بات آپ کے رب کی صدق اور عدل میں' نہیں ہے کوئی تبدیل کرنے والا اس کی باتوں کو

وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾

اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ○

یعنی اے رسول ﷺ! ان سے کہہ دیجیے ﴿اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا﴾ ''کیا میں اللہ کے سوا کوئی منصف تلاش کروں'' اور اس کے پاس اپنے فیصلے لے کر جاؤں اور اس کے اوامر ونواہی کی پابندی کروں؟ کیونکہ غیر اللہ حاکم نہیں محکوم ہوتا ہے اور مخلوق کے لیے ہر تدبیر اور ہر فیصلہ' نقص' عیب اور ظلم و جور پر مشتمل ہوتا ہے اور جسے حاکم بنانا واجب ہے' وہ صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ کی ذات ہے جو خلق وامر کی مالک ہے۔ ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا﴾ ''حالانکہ اسی نے اتاری ہے تم پر کتاب واضح'' یعنی جس میں حلال وحرام' احکام شریعت اور دین کے اصول وفروع واضح کیے گئے ہیں' اس کی توضیح سے بڑھ کر کوئی توضیح نہیں' اس کی دلیل سے روشن کوئی دلیل نہیں' اس کے فیصلے سے اچھا کوئی فیصلہ نہیں اور اس کی بات سے زیادہ درست کسی کی بات نہیں کیونکہ اس کے احکام حکمت ورحمت پر مشتمل ہیں۔

کتب سابقہ کے حاملین یہود ونصاریٰ اس حقیقت کو پہچانتے ہیں ﴿يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ ''(اور) جانتے ہیں کہ وہ آپ کے رب کی طرف سے ٹھیک نازل ہوئی ہے'' اسی لیے اخبار سابقہ اس کی موافقت کرتی ہیں ﴿فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ پس آپ اس بارے میں شک وشبہ میں مبتلا نہ ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ ''اور آپ کے رب کی بات پوری سچی ہے اور انصاف کی'' یعنی خبر میں صداقت اور اوامر ونواہی میں عدل ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب عزیز میں جو خبریں بیان کی ہیں اس سے سچی کوئی خبر نہیں اور اللہ تعالیٰ کے اوامر ونواہی سے بڑھ کر کسی حکم میں عدل وانصاف نہیں۔ ﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ﴾ ''اس کی بات کو کوئی بدلنے والا نہیں'' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی ہے اور صدق کی مختلف انواع اور حق کے ذریعے سے ان کو محکم کیا ہے۔ اس لیے ان میں تغیر و تبدل کرنا ممکن نہیں اور نہ اس سے زیادہ خوبصورت کلام وجود میں لایا جا سکتا ہے ﴿وَهُوَ السَّمِيْعُ﴾ ''اور وہ سنتا ہے''

وہ مختلف زبانوں اور متفرق حاجتوں پر مبنی تمام آوازوں کو سن سکتا ہے ﴿الْعَلِيْمُ﴾ ''جانتا ہے۔'' جس کا علم ظاہرو باطن اور ماضی و مستقبل ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ

اور اگر اطاعت کریں آپ اکثر کی ان میں سے جو زمین میں ہیں، تو وہ بہکا دیں گے آپکو اللہ کے راستے سے، نہیں پیروی کرتے وہ

اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ

مگر اپنے گمان کی، اور نہیں ہیں وہ مگر اٹکل پچو کرتے ○ یقیناً آپ کا رب، وہ خوب جانتا ہے اس کو جو بھٹکتا ہے

عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

اس کی راہ سے، اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کو لوگوں کی اکثریت کی اطاعت سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا ہے ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ''اگر آپ کہنا مانیں گے اکثر ان لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تو آپ کو اللہ کے راستے سے بہکا دیں گے'' کیونکہ ان میں سے اکثر لوگ اپنے دین، اعمال اور علوم سے منحرف ہو چکے ہیں۔ پس ان کے دین فاسد اور ان کے اعمال ان کی خواہشات نفس کے تابع ہیں اور ان کے علوم میں تحقیق ہے نہ سیدھے راستے کی طرف راہنمائی۔ ان کا تمام تر مقصد ظن و گمان کی پیروی ہے اور ظن و گمان حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں محض اندازوں سے ایسی بات کہتے ہیں جس کا انہیں علم نہیں۔ جس کے یہ احوال ہوں تو اس سے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ڈرانا اور ان کے احوال کو بیان کرنا مناسب ہے، کیونکہ اس آیت کریمہ کا خطاب اگرچہ نبی اکرم ﷺ کی طرف ہے تاہم آپ کی امت ان تمام احکام میں آپ کی تابع ہے جو خصوصی طور پر صرف آپ کے لیے نازل نہیں فرمائے گئے اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچی بات کہنے والا ہے ﴿هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ ''وہ خوب جانتا ہے اس کو جو اس کے راستے سے بھٹکے'' اور وہ اسے بھی جانتا ہے جو راہ راست پر چلے اور جو راہ راست کی طرف راہنمائی کرے۔ پس اے مومنو! تم پر فرض ہے کہ تم اس کی نصیحتوں پر عمل کرو اور اس کے اوامر و نواہی کی پیروی کرو۔ کیونکہ وہ تم سے زیادہ تمہارے مصالح کا علم رکھتا ہے اور تم سے زیادہ تم پر رحم کرنے والا ہے۔

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ کسی گروہ کی کثرت سے اس کے حق ہونے پر استدلال نہیں کیا جا سکتا اور اسی طرح اگر کسی معاملے میں، اس کو اختیار کرنے والے تھوڑے ہوں تو یہ قلت ان کے ناحق ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی، بلکہ اسکے برعکس فی الواقع حقیقت یہ ہے کہ اہل حق تعداد میں بہت کم اور اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر اور اجر میں بہت عظیم ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ حق و باطل کی پہچان کے لیے ان ذرائع کو اختیار کیا جائے جو اس کے

لیے معروف ہیں۔

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا

پس کھاؤ تم! اس (جانور) میں سے کہ ذکر کیا گیا ہے نام اللہ کا اس پر، اگر ہو تم اس کی آیتوں پر ایمان لانیوالے ○ اور کیا ہے تمہیں کہ نہ

تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا

کھاؤ تم اس (جانور) میں سے کہ ذکر کیا گیا ہے نام اللہ کا اس پر؟ جبکہ واضح کر دیا ہے اس نے تمہارے لیے جو حرام کیا ہے اس نے تم پر، مگر وہ کہ

اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

مجبور کر دیے جاؤ تم اس (کے کھانے) پر، اور بلاشبہ اکثر لوگ بہکاتے ہیں (لوگوں کو) اپنی خواہشات سے بغیر علم کے، بیشک آپ کا رب

هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿١١٩﴾

وہ خوب جانتا ہے حد سے گزرنے والوں کو ○

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ایمان کے تقاضے پورے کرنے کا حکم دیتا ہے نیز وہ یہ بھی حکم دیتا ہے کہ اگر وہ مومن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو وہ ان حلال مویشیوں کا گوشت کھائیں جن پر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اور ان جانوروں کی حلت کا اعتقاد بھی رکھیں اور اس طرح نہ کریں جس طرح اہل جاہلیت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے شیاطین کے گمراہ کرنے کے باعث اپنی طرف سے گھڑ کے بہت سی حلال چیزوں کو حرام قرار دے رکھا تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ اس مذموم عادت میں، جو اللہ تعالیٰ کی شریعت میں تغیر وتبدل کو متضمن ہے، اہل جاہلیت کی مخالفت کریں نیز یہ کہ کون سی چیز ہے جو انہیں اس جانور کو کھانے سے روکتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مفصل طور پر بیان کر کے واضح کر دیا ہے کہ کون سی چیز ان پر حرام ٹھہرائی گئی ہے؟ تب کوئی اشکال اور کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ حرام میں پڑنے کے خوف کی وجہ سے بعض حلال چیزیں بھی کھانی چھوڑ دی جائیں۔ اور آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ تمام اشیا میں اصل اباحت ہے۔ اگر شریعت کسی چیز کو حرام قرار نہیں دیتی تو وہ اپنی اباحت پر باقی ہے۔ پس جس چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ خاموش ہے وہ حلال ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام ٹھہرایا ہے اس کی تفصیل بیان کر دی ہے اور جس کے بارے میں کوئی تفصیل بیان نہیں کی وہ حرام نہیں ہے۔ بایں ہمہ وہ حرام چیزیں جن کو اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ کھول کھول کر بیان کر دیا ہے، ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے سخت بھوک اور اضطراری حالت میں مباح کر دیا ہے ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ﴾ ''تم پر مرا ہوا جانور، بہتا خون اور خنزیر کا گوشت حرام کر دیا گیا ہے۔'' اس کے بعد فرمایا ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (المائدۃ: ٥/٣) ''اگر کوئی بھوک کی شدت میں مجبور ہو جائے اور وہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو اللہ بخشنے

والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔''

پھر اللہ تعالیٰ نے بہت سے لوگوں سے ڈراتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ ﴾ ''اور بہت سے لوگ بہکاتے ہیں اپنی خواہشات سے'' یعنی مجرد خواہشات نفس کے ذریعے سے ﴿ بِغَيْرِ عِلْمٍ ﴾ بغیر کسی علم اور بغیر کسی دلیل کے۔۔۔ پس بندے کو اس قسم کے لوگوں سے بچنا چاہئے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے سامنے ان کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ ان کی علامت یہ ہے کہ ان کی دعوت کسی دلیل اور برہان پر مبنی نہیں ہے اور نہ ان کے پاس کوئی شرعی حجت ہے۔ پس ان کی فاسد خواہشات اور گھٹیا آراء کے مطابق ان کو شبہ لاحق ہوتا ہے۔ پس یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے بندوں پر ظلم و تعدی کا ارتکاب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے برعکس راہ راست کی طرف راہنمائی کرنے والے ہدایت یافتہ لوگ حق اور ہدایت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اپنی دعوت کو دلائل عقلیہ و نقلیہ کی تائید فراہم کرتے ہیں اور وہ اپنی دعوت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے تقرب کے سوا اور کوئی مقصد پیش نظر نہیں رکھتے۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ

اور چھوڑ دو ظاہر گناہ اور پوشیدہ گناہ، بلاشبہ جو لوگ کرتے ہیں گناہ، عنقریب جزاء دیے جائیں گے وہ

بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

ساتھ اس کے جو تھے وہ کرتے ○

یہاں (اثم) سے مراد تمام معاصی ہیں جو بندے کو گناہ گار کرتے ہیں یعنی اسے ان امور کے بارے میں گناہ اور حرج میں مبتلا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق سے متعلق ہوتے ہیں۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ظاہری اور باطنی گناہوں کے ارتکاب سے منع کیا ہے یعنی چھپ کر یا علانیہ ان تمام گناہوں سے روکا ہے جو بدن، جوارح اور قلب سے متعلق ہیں۔ بندہ ظاہری اور باطنی گناہوں کو اس وقت تک کامل طور پر ترک نہیں کرسکتا جب تک کہ وہ بحث و تحقیق کے بعد ان کی معرفت حاصل نہیں کر لیتا۔ بنابریں گناہوں کے بارے میں بحث و تحقیق کرنا، قلب و جوارح کے گناہوں کی معرفت اور ان کے بارے میں علم حاصل کرنا مکلف پر حتمی طور پر فرض ہے اور بہت سے لوگوں پر ان کے گناہ مخفی رہتے ہیں خاص طور پر قلب کے گناہ چھپے رہتے ہیں مثلاً تکبر، خود پسندی اور ریا وغیرہ۔ یہاں تک کہ بندہ ان میں سے بہت سے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے مگر اسے اس کا احساس اور شعور تک نہیں ہوتا اور یہ علم سے اعراض اور عدم بصیرت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ جو لوگ ظاہری اور باطنی گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں ان کے اکتساب کے مطابق اور ان کے گناہوں کی قلت و کثرت کے اعتبار سے ان کو سزا دی جائے گی اور یہ سزا آخرت میں ملے گی۔

کبھی کبھی بندے کو دنیا میں سزا دے دی جاتی ہے اس طرح اس کی برائیوں اور گناہوں میں تخفیف ہو جاتی ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ

اور مت کھاؤ تم اس (جانور) میں سے کہ نہیں ذکر کیا گیا نام اللہ کا اس پر، اور یقیناً یہ (کھانا) البتہ فسق ہے، اور بلاشبہ شیطان

لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢١﴾ ع

البتہ (شبہات) ڈالتے ہیں طرف اپنے دوستوں کی تاکہ جھگڑا کریں وہ تم سے اور اگر اطاعت کی تم نے انکی تو یقیناً تم بھی البتہ مشرک ہو گے ○

اس ممانعت میں وہ اشیا بھی داخل ہیں جن پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو مثلاً بتوں اور مشرکین کے معبودوں کے لیے ذبح کرنا۔ اور یہ ممانعت ﴿أُهِلَّ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ (المائدہ: ۵/۳) ''جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے۔'' کی نص کے ذریعے سے خصوصی طور پر حرام ہے۔ اس تحریم میں وہ جانور بھی شامل ہیں جو اللہ کے لیے ذبح کیے گئے ہوں مگر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو مثلاً قربانی اور ہدی کے جانور کا ذبیحہ یا گوشت کھانے کے لیے جانور ذبح کرنا۔ بہت سے علماء کے نزدیک یہ جانور اس وقت حرام ہو گا جب جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اور اس عموم سے دوسری نصوص کی بنا پر دفع حرج کی خاطر بھول کر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام چھوڑنے والا مستثنیٰ ہے۔ اس تحریم میں وہ جانور بھی شامل ہے جو بغیر ذبح کیے مر جاتا ہے' کیونکہ اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا ہوتا۔ اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یہ نص بیان فرمائی ہے ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ (المائدہ: ۵/۳) ''تم پر مردہ جانور حرام کر دیا گیا ہے'' اور شاید اس فرمان کے نازل ہونے کی وجہ بھی یہی ہے ﴿وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ﴾ ''اور شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے' تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں'' یعنی وہ تمہارے ساتھ بغیر کسی علم کے جھگڑا کریں گے' کیونکہ مشرکین نے جب یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مردار کو حرام قرار دے دیا ہے اور جس کو ذبح کیا گیا ہو اس کو حلال قرار دیا ہے اور ان کا مسلک یہ تھا کہ وہ مردار کے کھانے کو حلال سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عناد کی بنا پر بغیر کسی دلیل اور برہان کے کہا ''تم اس جانور کو تو کھا لیتے ہو جسے تم نے خود قتل کیا اور وہ جانور نہیں کھاتے جسے اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے'' اور اس سے مراد وہ مردار لیتے۔

یہ انتہائی فاسد رائے ہے جو کسی دلیل اور حجت کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان کی کج بحثی کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے۔ اگر حق ان کی آراء کا تابع ہوتا تو زمین و آسمان اور ان کے رہنے والے سب فساد کا شکار ہو جاتے۔ اس لیے ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے احکام پر' جو کہ مصالح عامہ اور منافع خاصہ کے موافق ہیں' اس عقل کو مقدم رکھتا ہے۔ اور یہ ان سے کچھ بعید بھی نہیں کیونکہ یہ آراء ان سے اس بنا پر صادر ہوئی ہیں کہ ان کے سرپرست شیاطین انکو باطل آراء الہام کرتے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ مخلوق بھٹک کر اپنے دین سے دور

ہو جائے اور وہ ان کو دعوت دیتے رہتے ہیں تاکہ وہ جہنمی بن جائیں ﴿ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ ﴾ ''اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی۔'' یعنی اگر تم نے ان کے شرک' ان کے حرام کو حلال ٹھہرانے اور حلال کو حرام قرار دینے میں ان کی بات مانی ﴿ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴾ ''تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے'' کیونکہ تم نے اللہ کو چھوڑ کر ان کو اپنا سرپرست اور والی بنالیا ہے اور وہ جس بنیاد پر مسلمانوں سے علیحدہ ہوئے تم نے بھی اس کی موافقت کی اس لیے تمہارا راستہ اور ان کا راستہ ایک ہے۔

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ وہ کشف والہامات جو دل میں القاء ہوتے ہیں اور یہ کشف والہام خاص طور پر صوفیہ کے ہاں بہت کثرت سے واقع ہوتے ہیں۔۔۔ اپنے مجرد الہام ہونے کی بنا پر اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ حق ہیں۔ اور ان کی اس وقت تک تصدیق نہیں کی جا سکتی جب تک کہ ان کو قرآن وسنت پر پیش نہ کیا جائے۔ اگر قرآن وسنت ان کو قبول کرنے کی شہادت دیں تو ان کو قبول کر لیا جائے۔ اگر یہ کشف والہام قرآن وسنت کے منافی ہوں تو ان کو رد کر دیا جائے۔ اگر ان کا حق یا باطل ہونا واضح نہ ہو تو اس میں توقف کیا جائے' اس کی تصدیق کی جائے نہ تکذیب۔ کیونکہ وحی اور الہام شیطان کی طرف سے بھی ہوتا ہے اس لیے الہام رحمانی اور الہام شیطانی کے مابین فرق اور امتیاز کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ دونوں قسم کے الہامات کے درمیان عدم تفریق سے بندہ جن غلطیوں اور گمراہیوں کا شکار ہوتا ہے ان کو اللہ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ

کیا وہ شخص جو تھا مردہ' پھر زندہ کیا ہم نے اسکو اور بنادیا اس کیلئے نور وہ چلتا ہے اسکے ساتھ لوگوں میں' اس شخص جیسا (ہو سکتا) ہے

فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

جو کہ اندھیروں میں ہے' نہیں نکلتا ان سے' اسی طرح مزین کیے گئے کافروں کے لیے وہ (کام) جو تھے وہ کرتے ○

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ

اور اسی طرح بنا دیا ہم نے ہر بستی میں بڑے لوگوں کو جرائم پیشہ اس بستی کا تاکہ مکر کریں وہ اس میں' اور نہیں مکر کرتے وہ

اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى

مگر اپنے آپ ہی سے اور نہیں شعور رکھتے وہ ○ اور جب آتی ہے انکے پاس نشانی تو کہتے ہیں ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے ہم یہاں تک کہ دیے جائیں ہم

مِثْلَ مَاۤ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ

مثل اسکے جو دیے گئے اللہ کے رسول' اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ رکھتا ہے اپنی رسالت' عنقریب پہنچے گی ان لوگوں کو جنہوں نے

وقف لازم

اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

جرم کیے' ذلت اللہ کے ہاں' اور شدید عذاب بوجہ اس کے جو تھے وہ مکر کرتے ○

﴿ اَوَمَنْ كَانَ ﴾ ''بھلا ایک شخص جو کہ تھا'' یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہدایت عطا کرنے سے پہلے ﴿ مَيْتًا ﴾ ''مردہ'' یعنی کفر' جہالت اور گناہوں کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ﴿ فَاَحْيَيْنٰهُ ﴾ ''پھر ہم نے اس کو زندہ کیا۔'' پھر ہم نے اسے علم' ایمان اور اطاعت کی روشنی کے ذریعے سے زندہ کر دیا اور وہ اس روشنی میں لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہو' اپنے امور میں بصیرت سے بہرہ ور ہو' اپنے راستے کو جانتا ہو' بھلائی کی معرفت رکھتا ہو' اسے ترجیح دیتا ہو' اپنے آپ پر اور دوسروں پر اس کے نفاذ کی کوشش کرتا ہو' جو برائی کی معرفت رکھتا ہو' اسے ناپسند کرتا ہو اور اسے ترک کرنے کی کوشش کرتا ہو اور خود اپنی ذات سے اور دوسروں سے اس برائی کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہو۔۔۔ کیا یہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو جہالت' گمراہی' کفر اور گناہوں کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہو؟

﴿ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ﴾ ''وہاں سے نکلنے والا نہ ہو'' اس پر تمام راستے مشتبہ ہو گئے ہوں' وہ تاریکی کے راستوں میں بھٹک رہا ہو' پس اسے غم و ہموم' حزن اور بدبختی نے گھیر لیا ہو اور ان میں سے نکل نہ سکتا ہو۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے عقل کو ان امور کے ذریعے سے متنبہ کیا ہے جن کا وہ ادراک کر سکتی ہے اور ان کی معرفت رکھتی ہے کہ یہ دونوں قسم کے شخص مساوی نہیں ہو سکتے ہیں' جیسے رات اور دن' اندھیرا اور اجالا' زندہ اور مردہ برابر نہیں ہوتے۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ وہ شخص جو رتی بھر بھی عقل رکھتا ہے' اس حالت میں رہنے کو کیسے ترجیح دے سکتا ہے اور وہ گمراہی کے اندھیروں میں حیران و سرگرداں کیسے رہ سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''مزین کر دیے گئے کافروں کی نگاہ میں ان کے کام'' پس شیطان ان کے سامنے ان کے اعمال کو خوشنما بناتا رہتا ہے اور ان کو ان کے دل میں سجاتا رہتا ہے' یہاں تک کہ یہ اعمال ان کو اچھے لگنے لگ جاتے ہیں اور حق دکھائی دیتے ہیں۔ یہ چیزیں عقیدہ بن کر ان کے دل میں بیٹھ جاتی ہیں اور ان کا وصف راسخ بن کر ان کے کردار میں شامل ہو جاتی ہیں۔ بنا بریں وہ اپنی برائیوں اور قباحتوں پر راضی رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اندھیروں میں سرگرداں اور اپنے باطل میں لڑکھڑاتے رہتے ہیں۔ تاہم ان کی حیثیت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ کچھ ان میں سے قائدین اور متبوعین ہیں اور کچھ تابع اور پیروکار۔

پہلی قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو انتہائی بدبختی کے احوال سے بہرہ یاب ہوئے' بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا ﴾ ''اور اسی طرح کیے ہیں ہم نے ہر بستی میں گناہ گاروں کے سردار'' یعنی وہ قائدین اور رؤسا جن کا جرم بہت بڑا اور سرکشی بہت سخت ہوتی ہے ﴿ لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ﴾ ''کہ حیلے کیا کریں وہاں'' یعنی فریب کاری' شیطان کے راستے کی طرف دعوت دینے' انبیاء و مرسلین اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ قولی و فعلی جنگ و جدل کے ذریعے سے سازشیں کریں' مگر ان کی سازش اور فریب کاری انجام کار انہی کے خلاف

جاتی ہے۔ وہ بھی چالیں چلتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی چال چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہترین چال چلنے والا ہے۔

اسی طرح اللہ تبارک وتعالیٰ کبار ائمہ ہدیٰ اور بڑے بڑے فاضل لوگوں کو کھڑا کرتا ہے جو ان مجرموں کا مقابلہ کرتے ہیں' ان کے نظریات واقاویل کا جواب دیتے ہیں' اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اور اس طرح وہ ان راستوں پر گامزن ہوتے ہیں جو انہیں ان کے مقصد تک پہنچاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مدد سے نوازتا ہے' ان کی رائے کو درست کرتا ہے' ان کو ثابت قدمی عطا کرتا ہے اور کامیابی ان کے اور ان کے دشمنوں کے مابین ادلتی بدلتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ انجام کار فتح ونصرت اور غلبہ اہل ایمان کے حصہ میں آتا ہے۔

بڑے بڑے مجرم صرف حسد اور بغاوت کی بنا پر باطل پر قائم اور حق کو ٹھکرا رہے تھے اور کہتے تھے: ﴿لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ﴾ ''ہم ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ نہ دیا جائے ہم کو جیسا کچھ دیا گیا ہے اللہ کے رسولوں کو'' یعنی نبوت اور رسالت۔ یہ ان کی طرف سے محض اللہ تبارک وتعالیٰ پر اعتراض' ان کی خود پسندی اور اس حق کے مقابلے میں تکبر کا اظہار تھا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاورسل پر نازل فرمایا تھا' نیز اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان پر قدغن لگائی تھی۔ تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے فاسد اعتراض کو رد کرتے ہوئے آگاہ فرمایا کہ یہ لوگ بھلائی کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ نیز یہ کہ ان لوگوں کا انبیاومرسلین بننا تو کجا ان میں تو کوئی ایسی چیز بھی نہیں جو ان کو اللہ کے نیک بندوں میں شمار کرنے کی موجب ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ﴾ ''اللہ خوب جانتا ہے اس موقع کو جہاں رکھے وہ اپنی پیغمبری'' یعنی اللہ کے علم میں جو رسول بننے کا اہل ہے' جو رسالت کے بوجھ کو اٹھا سکتا ہے' جو ہر قسم کے خلق جمیل سے متصف اور ہر قسم کے گندے اخلاق سے مبرا ہو' اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق اسے رسالت کا منصب عطا کرتا ہے اور جو اس معیار پر پورا نہ اترتا ہو اور اس کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے بہترین مواہب سے ہرگز نہیں نوازتا اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پاک گردانا جاتا ہے۔

یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے کمال حکمت پر دلالت کرتی ہے۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ نہایت رحیم' وسیع جودوکرم اور بہت فضل واحسان کا مالک ہے تاہم وہ حکیم بھی ہے اس لیے وہ اپنی بخشش سے صرف اس کو نوازتا ہے جو اس کا اہل ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجرموں کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ''عنقریب پہنچے گی گناہ گاروں کو ذلت' اللہ کے ہاں'' یعنی اہانت اور ذلت۔ جیسے وہ حق کے ساتھ تکبر سے پیش آئے' اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل ورسوا کر دیا۔ ﴿وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ﴾ ''اور سخت عذاب' اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے'' یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ظلم نہیں' بلکہ ان کی چالبازیوں کے سبب سے اللہ تعالیٰ انہیں سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ

پس جسے چاہتا ہے اللہ کہ ہدایت دے اسے' تو کھول دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لیے' اور جسے وہ چاہتا ہے کہ گمراہ کرے اسے

يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ

تو کر دیتا ہے اس کا سینہ تنگ' انتہائی تنگ' گویا کہ وہ چڑھ رہا ہے آسمان میں' اسی طرح کرتا ہے اللہ

الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

پلیدی اوپر ان لوگوں کے جو نہیں ایمان لاتے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کے سامنے بندے کی سعادت و ہدایت اور اس کی شقاوت و ضلالت کی علامات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جس کو اسلام کے لیے انشراح صدر ہو جاتا ہے یعنی اس کا سینہ وسیع ہو جاتا ہے۔ تو دل نور ایمان سے منور اور یقین کے پرتو سے زندہ ہو جاتا ہے اور نفس ایمان پر مطمئن ہو جاتا ہے' نفس نیکی سے محبت کرنے لگتا ہے اور وہ نیکی میں لذت محسوس کرتے ہوئے نیکی کرتا ہے نیکی کو بوجھ نہیں سمجھتا۔ پس یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت عطا کر دی ہے اور اسے توفیق سے نواز کر سب سے درست راستے پر گامزن کر دیا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے یعنی اس کا سینہ ایمان' علم اور یقین کے لیے بہت تنگ ہو جاتا ہے' اس کا دل شبہات و شہوات کے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے' بھلائی اس تک راہ نہیں پا سکتی' نہ بھلائی اور نیکی کے لیے اس کو انشراح صدر حاصل ہوتا ہے۔ گویا وہ سخت تنگی اور شدت میں ہے' گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ یعنی اسے آسمان پر چڑھنے کا مکلف کیا جا رہا ہے جہاں چڑھنے کا اس کے اندر کوئی حیلہ نہیں۔

یہ ہے ان کے عدم ایمان کا سبب اور یہی وہ چیز ہے جو اس بات کی موجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب بھیجے کیونکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور احسان کے دروازے بند کر لیے۔ یہ ایسی میزان ہے جو کبھی خیانت نہیں کرتی اور ایسا راستہ ہے جو کبھی نہیں بدلتا۔ بیشک جو کوئی اللہ کے راستے میں مال عطا کرتا ہے' اللہ سے ڈرتا ہے' نیکی کی تصدیق کرتا ہے تو ہم اس کو آسان راستے (بھلائی) کی توفیق عطا کر دیتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے اور بے پروا بنا رہتا ہے اور نیکی کو جھٹلاتا ہے تو ہم اس کو مشکل راستے (گناہ) پر گامزن کر دیتے ہیں۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ

اور یہ ہے راستہ آپ کے رب کا سیدھا' تحقیق مفصل بیان کر دیں ہم نے آیات ان لوگوں کیلئے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں ○ ان کیلئے ہے

دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

گھر سلامتی کا' نزدیک ان کے رب کے' اور وہی دوست ہے ان کا بہ سبب اس کے جو تھے وہ عمل کرتے ○

یعنی آپ کے رب تک اور عزت و تکریم کے گھر تک پہنچانے والا راستہ معتدل راستہ ہے، جس کے احکام واضح کر دیئے گئے ہیں، جس کے قوانین کی تفصیل یہاں بیان کر دی گئی ہے اور خیر کو شر سے ممیز کر دیا گیا۔ یہ تفصیل و توضیح ہر شخص کے لیے نہیں ہے بلکہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو نصیحت پکڑتے ہیں۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو علم رکھتے ہیں، پھر اپنے علم سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کے لیے بہت بڑی جزا اور خوبصورت اجر تیار کیا گیا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ''ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے ہاں'' چونکہ جنت ہر عیب، آفت و تکدر اور غم و ہموم جیسی ناخوشگواریوں سے سلامت اور پاک ہے، اس لیے اس کو ''دار السلام'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جنت کی نعمتیں انتہائی کمال کو پہنچی ہوئی ہوں گی، کہ کوئی ان کا وصف بیان کرنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے۔ جنت کے اندر قلب و روح اور بدن کے لیے نعمتوں کے جو سامان ہیں تمنا کرنے والے اس سے بڑھ کر کسی نعمت کی تمنا نہیں کر سکتے۔ اس جنت میں ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو ان کے دل چاہیں گے اور جس سے ان کی آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی اور وہ اس جنت میں ابدالآباد تک رہیں گے۔

﴿وَهُوَ وَلِيُّهُمْ﴾ ''وہی ان کا ولی و مددگار ہے'' جو ان کی تدبیر اور تربیت کا مالک ہے، وہ ان کے تمام معاملات میں ان کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آتا ہے جو اپنی اطاعت پر ان کی مدد کرتا ہے اور ان کے لیے ہر وہ راستہ آسان کرتا ہے جو انہیں اس کی محبت کی منزل تک پہنچاتا ہے اور وہ ان کی سرپرستی اپنے ذمے صرف اس لیے لیتا ہے کہ وہ نیک اعمال بجا لاتے اور ایسے کام آگے بھیجتے ہیں جن سے ان کا مقصد اپنے آقا کی رضامندی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس وہ شخص ہے جس نے اپنے آقا سے روگردانی کی اور اپنی خواہشات نفس کے پیچھے لگا رہا تو اللہ تعالیٰ اس پر شیطان مسلط کر دیتا ہے جو اس کا سرپرست بن کر اس کے دین و دنیا کو تباہ کر دیتا ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْإِنْسِ ۚ وَقَالَ

اور جس دن وہ اکٹھا کرے گا ان سب کو (تو فرمائے گا) اے گروہ جنوں کے! تحقیق بہت زیادہ (گمراہ) کیے تھے تم نے انسانوں میں سے اور کہیں گے

اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ

ان کے دوست انسانوں میں سے اے ہمارے رب! فائدہ اٹھایا ہمارے ایک نے دوسرے سے اور پہنچے ہم اس میعاد کو جو مقرر فرمائی تھی تو نے

لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ

ہمارے لیے (اللہ) فرمائے گا! آگ ہی ٹھکانا ہے تمہارا، ہمیشہ رہو گے (تم) اس میں مگر جو چاہے اللہ، یقیناً آپ کا رب حکمت والا ہے

عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

خوب جاننے والا ○ اور اسی طرح مسلط کر دیتے ہیں ہم بعض ظالموں کو بعض پر، بہ سبب اس کے جو تھے وہ کماتے ○

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ

اے جماعت جنوں اور انسانوں کی! کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس رسول تم میں سے؟ وہ بیان کرتے تھے تم پر میری آیات

وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ

اور ڈراتے تھے تمہیں ملاقات سے تمہارے اس دن کی؟ تو وہ کہیں گے: گواہی دیتے ہیں ہم اپنے آپ پر، اور دھوکے میں ڈالے رکھا انہیں

الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿١٣٠﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ

زندگانی دنیا نے، اور گواہی دیں گے وہ اپنے آپ پر کہ بے شک وہ تھے کفر کرنے والے ○ یہ (رسول بھیجنا) اس لیے کہ نہیں

يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٣١﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا

ہے آپکا رب ہلاک کرنیوالا بستیوں کو ظلم سے جبکہ ان کے باشندے غافل ہوں ○ اور ہر ایک کے درجے ہیں بہ سبب اسکے جو

عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ

عمل کیے انہوں نے، اور نہیں آپکا رب غافل اس سے جو وہ عمل کرتے ہیں ○ اور آپکا رب بے نیاز ہے رحمت والا، اگر وہ چاہے

يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ

تو لے جائے تمہیں اور جانشین بنا دے بعد تمہارے جنہیں وہ چاہے، جس طرح کہ پیدا فرمایا اس نے تمہیں نسل سے

قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿١٣٤﴾ قُلْ يٰقَوْمِ

دوسرے لوگوں کی ○ بلاشبہ جس کا تم وعدہ دیے جاتے ہو، یقیناً وہ آنے والی ہے اور نہیں تم عاجز کرنے والے ○ کہہ دیجیے: اے میری قوم!

اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ

عمل کرو تم اپنے مقام پر، بیشک میں عمل کرنے والا ہوں (اپنی جگہ پر) پس عنقریب جان لو گے تم اس شخص کو کہ ہے اس کے لیے

عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١٣٥﴾

(اچھا) انجام آخرت کا، یقیناً نہیں فلاح پائیں گے ظالم ○

﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ﴾ ”اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو“ یعنی تمام جن وانس کو ان میں سے جو گمراہ ہوئے اور جنہوں نے دوسروں کو گمراہ کیا۔ اللہ تعالیٰ جنوں کو، جنہوں نے انسانوں کو گمراہ کیا، برائی کو ان کے سامنے مزین کیا اور ارتکاب معاصی میں ان کی مدد کی، زجر وتوبیخ کرتے ہوئے فرمائے گا: ﴿ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ﴾ ”اے گروہ جنات تم نے انسانوں سے بہت (فائدے) حاصل کیے۔“ یعنی اے جنوں کی جماعت! تم نے انسانوں کو خوب گمراہ کیا اور ان کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا۔ تم نے کیسے میرے محارم کی خلاف ورزی کی اور میرے رسولوں کے ساتھ عناد رکھنے کی جرأت کی اور تم اللہ تعالیٰ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے کھڑے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کے راستے سے روکنے اور جہنم کے راستے پر دھکیلنے کی کوشش کی؟ آج تم میری لعنت کے

حق دار ہو اور تم پر میری ناراضی واجب ہو گئی۔ آج ہم تمہیں، تمہارے کفر اور دوسروں کو گمراہ کرنے کے مطابق زیادہ عذاب دیں گے۔ آج تمہارے پاس کوئی عذر نہیں جو پیش کر سکو، کوئی ٹھکانا نہیں جہاں تم پناہ لے سکو، کوئی سفارشی نہیں جو تمہاری سفارش کر سکے اور نہ تمہاری پکار ہی سنی جائے گی۔

اس وقت مت پوچھیے کہ ان پر سزا کے کون سے پہاڑ ٹوٹیں گے اور انہیں کون سی رسوائی اور وبال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے کسی عذر کا ذکر نہیں فرمایا۔ رہے ان کے دوست انسان تو وہ عذر پیش کریں گے جسے قبول نہیں کیا جائے گا ﴿ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ ﴾ ’’اے رب ہمارے! فائدہ اٹھایا ہم میں سے ایک نے دوسرے سے‘‘ یعنی تمام جنوں اور انسانوں نے ایک دوسرے سے خوب فائدہ اٹھایا جنوں نے انسانوں سے اپنی اطاعت، اپنی عبادت اور اپنی تعظیم کروا کے اور ان کی پناہ کی طلب سے فائدہ اٹھایا۔ اور انسان جنوں کی خدمت کے مطابق اپنی اغراض اور شہوات کے حصول میں ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انسان جنوں کی عبادت کرتے ہیں، جن ان کی خدمت کرتے ہیں اور ان کی دنیاوی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم سے بہت ہی گناہ سرزد ہوئے اور اب ان کا لوٹانا ممکن نہیں ﴿ وَبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ﴾ ’’اور ہم پہنچے اپنے اس وعدے کو جو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا‘‘ یعنی اب ہم اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں ہمیں ہمارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اب تو جو چاہے ہمارے ساتھ سلوک کر اور جو تیرا ارادہ ہے ہمارے بارے میں، وہی فیصلہ کر۔ ہماری حجت تو منقطع ہو گئی، ہمارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ معاملہ وہی ہو گا جو تیرا حکم ہے۔ فیصلہ وہی ہے جو تیرا فیصلہ ہے۔ ان کے اس کلام میں ایک قسم کی گریہ زاری اور رقت ہے مگر یہ سب کچھ بے وقت اور بے موقع ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں عدل پر مبنی فیصلہ جو ظلم و جور سے پاک ہے، کرتے ہوئے فرمایا ﴿ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ ﴾ ’’تمہارا ٹھکانا جہنم ہے تم ہمیشہ اس کی آگ میں (جلتے) رہو۔‘‘ چونکہ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور علم کا تقاضا کرتا ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿ اِنَّ رَبَّكَ حَكِیْمٌ عَلِیْمٌ ﴾ ’’بے شک تمہارا رب دانا، خبردار ہے۔‘‘ جیسے اس کا علم تمام اشیا کا احاطہ کیے ہوئے ہے، ویسے ہی اس کی بے انتہا حکمت تمام اشیا پر عام اور تمام اشیا کو شامل ہے۔

﴿ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّیْ بَعْضَ الظّٰلِمِیْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ﴾ ’’اور اسی طرح ہم سرپرست بنا دیتے ہیں گناہ گاروں کو ایک دوسرے کا، ان کے اعمال کے سبب‘‘ یعنی جیسے ہم سرکش جنوں کو مسلط کر دیتے ہیں کہ وہ انسانوں میں سے اپنے دوستوں کو گمراہ کریں اور ہم ان کے کسب و کوشش کے سبب سے ان کے درمیان موالات اور موافقت پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ ہماری سنت ہے کہ ہم کسی ظالم کو اسی جیسے کسی ظالم پر مسلط کر دیتے ہیں جو اسے شر پر آمادہ کرتا ہے اور اس کو شر کی ترغیب دیتا ہے، خیر میں بے رغبتی پیدا کر کے اسے اس سے متنفر کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی سزا ہے جو بہت خطرناک ہے اور اس کا اثر بہت برا ہے۔ گناہ کرنے والا ظالم ہی ہے

پس یہ وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے اور جن بھی اس کو نقصان پہنچاتا ہے ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ (حم السجدة: ٤٦/٤١) ”اور تیرا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا“۔

ظالموں کو مسلط کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب بندوں کا فساد اور ظلم بہت بڑھ جاتا ہے اور وہ حقوقِ واجبہ ادا نہیں کرتے تو ان پر ظالم مسلط کردیئے جاتے ہیں جو انہیں بدترین عذاب میں مبتلا کردیتے ہیں اور وہ ان سے ظلم و جور کے ذریعے سے اس سے کئی گنا زیادہ چھین لیتے ہیں جو وہ اللہ اور اس کے بندوں کے حق کے طور پر ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں اور وہ ان سے اس طرح وصول کرتے ہیں کہ ان کو اس کا اجر و ثواب بھی نہیں ملتا۔ جیسے جب بندے درست اور راست رو ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے حکمرانوں کو درست کردیتا ہے اور انہیں ظالم اور گمراہ حاکم نہیں بلکہ انہیں عدل و انصاف کے امام بنادیتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ ان تمام جن و انس کو زجر و توبیخ کرتا ہے۔ جو حق سے روگردانی کرتے ہوئے اسے ٹھکرادیتے ہیں' وہ ان کی خطا واضح کرتا ہے اور وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِى﴾ ”اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا نہیں پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تمہی میں سے کہ سناتے تھے تمہیں میرے حکم“ یعنی واضح آیات جن کے اندر امر و نہی' خیر و شر اور وعد و وعید کی تفصیلات ہیں ﴿وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا﴾ ”اور اس دن کی ملاقات سے تمہیں ڈراتے تھے“ یعنی تمہیں آگاہ کرتے تھے کہ تمہاری نجات اسی میں ہے۔ فوز و فلاح صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب میں ہے۔ اور ان کو ضائع کرنے میں انسان کی بدبختی اور خسارہ ہے وہ اس کا اقرار اور اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے ﴿شَهِدْنَا عَلَىٰٓ أَنفُسِنَا ۖ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيَوٰةُ الدُّنْيَا﴾ ”ہم نے اقرار کیا اپنے گناہ کا اور ان کو دھوکہ دیا دنیا کی زندگی نے“ یعنی دنیا کی زندگی نے اپنی زینت' آرائش اور نعمتوں کے ذریعے سے ان کو دھوکے میں مبتلا کردیا' وہ دنیا پر مطمئن اور راضی ہو کر بیٹھ گئے۔ اور دنیا نے انہیں آخرت کے بارے میں غافل کردیا۔ ﴿وَشَهِدُوا۟ عَلَىٰٓ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا۟ كَٰفِرِينَ﴾ ”اور گواہی دی انہوں نے اپنے آپ پر کہ وہ کافر تھے“ ان کے خلاف اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہوگئی۔ تب اس وقت ہر ایک نے اور خود انہوں نے بھی جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ عدل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں دردناک عذاب کا فیصلہ کرتے ہوئے فرمائے گا ﴿ادْخُلُوا۟ فِىٓ أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ﴾ (الاعراف: ٣٨/٧) ”یعنی جنوں اور انسانوں کے تم سے پہلے جو گروہ گزر چکے ہیں ان میں داخل ہو جاؤ“۔ ان کے کرتوت بھی تمہارے کرتوتوں کی مانند تھے۔ انہوں نے بھی اپنے حصے سے خوب فائدہ اٹھایا جیسے تم نے فائدہ اٹھایا۔ وہ بھی باطل میں گھس گئے جیسے تم گھس گئے ہو۔ یہ سب خسارے میں رہنے والے لوگ تھے۔ یعنی پہلے لوگ بھی اور یہ لوگ بھی اور کون سا خسارہ جنت سے محرومی کے خسارے سے بڑا خسارہ ہو سکتا ہے؟

کون سا خسارہ سب سے مکرم ہستی کی ہمسائیگی سے محرومی کے خسارے سے بڑا خسارہ ہو سکتا ہے؟ البتہ یہ لوگ اگرچہ خسارے میں مشترک ہوں گے۔ مگر خسارے کی مقدار میں وہ ایک دوسرے سے بہت متفاوت ہوں گے۔

﴿ وَلِكُلٍّ ﴾ ''اور ہر ایک کے لیے۔''یعنی ان میں سے ہر ایک کے لیے ﴿ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ﴾ ''بلحاظ اعمال درجے (مقرر) ہیں۔''یعنی ان کے اعمال کے مطابق ان کے درجات ہیں جس نے تھوڑی سی برائی کا ارتکاب کیا ہے وہ اس شخص کی مانند نہیں ہو سکتا جس نے بہت برائیاں کمائی ہیں۔ تابع متبوع کے برابر ہو سکتا ہے نہ رعایا حکمران کے برابر ہو سکتی ہے۔ جیسے اہل ثواب اور اہل جنت منافع' فوز و فلاح اور جنت میں داخل ہونے میں مشترک ہیں' مگر ان کے درجات میں اس قدر تفاوت ہو گا کہ اللہ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا۔ اس کے باوجود وہ سب اس پر راضی ہوں گے جو ان کا آقا ان کو عطا کرے گا اور اس پر قناعت کریں گے۔

پس ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بھی جنت الفردوس کے بلند درجات عطا کرے جو اس نے اپنے مقرب' چنے ہوئے اور محبوب بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہے ﴿ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''اور آپ کا رب ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے'' وہ ہر ایک کو اس کے قصد اور عمل کے مطابق جزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نیک کام کرنے کا حکم دیا ہے اور ان پر رحم کرتے ہوئے اور ان کی بھلائی کی خاطر ان کو برے اعمال سے منع کیا ہے۔ ورنہ وہ بذاتہ تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے۔ اطاعت کرنے والوں کی اطاعت اسے کوئی فائدہ دیتی ہے نہ نافرمانی کرنے والوں کی نافرمانی اس کا کچھ بگاڑ سکتی ہے۔ ﴿ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ ﴾ ''اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے''یعنی تمہیں ہلاک کر کے ختم کر دے ﴿ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴾ ''اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہارا جانشین بنا دے جیسے تمہیں پیدا کیا اوروں کی اولاد سے'' جب تمہیں اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ دوسرے لوگوں کی طرح تمہارا اس دنیا سے منتقل ہونا لابدی ہے تم بھی اپنے بعد آنے والوں کے لیے اس دنیا کو خالی کر کے یہاں سے کوچ کر جاؤ گے جیسے تم سے پہلے لوگ یہاں سے کوچ کر گئے اور انہوں نے اس دنیا کو تمہارے لیے خالی کر دیا۔ پھر تم نے اس دنیا کو کیوں ٹھکانا اور وطن بنا لیا اور تم نے کیوں فراموش کر دیا کہ یہ دنیا ٹھکانا اور جائے قرار نہیں' بلکہ گزرگاہ ہے اور اصل منزل تمہارے سامنے ہے۔ یہی وہ گھر ہے جہاں ہر نعمت جمع کر دی گئی ہے اور جو ہر آفت اور نقص سے محفوظ ہے۔ یہی وہ منزل ہے جس کی طرف اولین و آخرین لپکتے ہیں اور جس کی طرف سابقین و لاحقین کوچ کرتے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں دائمی اور لازمی قیام ہے۔ یہ وہ منزل ہے جس کے آگے کوئی منزل نہیں' یہ وہ مطلوب و مقصود ہے جس کے سامنے ہر مطلوب ہیچ ہے اور یہ وہ مرغوب نعمت ہے جس کے مقابلے میں ہر مرغوب مضمحل ہے۔

اللہ کی قسم! وہاں وہ نعمتیں عنایت ہوں گی جن کو نفس چاہیں گے اور آنکھیں لذت حاصل کریں گی اور رغبت

کرنے والے رغبت کریں گے۔ جیسے روحوں کی لذت' بے پایاں فرحت' قلب و بدن کی نعمت اور اللہ علام الغیوب کا قرب۔ پس کتنی اعلیٰ فکر ہے جو ان مقامات پر مرتکز ہے اور کتنا بلند ارادہ ہے جو ان اعلیٰ درجات کی طرف مائل پرواز ہے اور وہ کتنا بدنصیب ہے جو اس سے کم تر پر راضی ہے اور وہ کتنا کم ہمت ہے جو گھاٹے کا سودا پسند کرتا ہے۔ غفلت کا شکار روگرداں شخص اس منزل پر جلدی سے پہنچنے کو بعید نہ سمجھے۔ ﴿اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ﴾ ''تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے' وہ آنے والی ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے'' یعنی تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اس کے عذاب سے کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتے کیونکہ تمہاری پیشانیاں اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور تم اس کی تدبیر اور تصرف کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہو۔

﴿قُلْ﴾ ''کہہ دیجیے'' اے رسول (ﷺ) جبکہ آپ نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے دی اور ان کے انجام اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بارے میں ان کو آگاہ کر دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے سے باز رہے' بلکہ اپنی خواہشات کے پیچھے لگے رہے اور اپنے شرک پر قائم رہے' تو آپ ان سے کہہ دیجیے! ﴿يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ﴾ ''اے میری قوم! تم کام کرتے رہو اپنی جگہ پر'' یعنی جس حال میں تم ہو اور جس حال کو تم نے اپنے لیے پسند کر لیا ہے اسی پر قائم رہو ﴿اِنِّيْ عَامِلٌ﴾ ''میں (اپنی جگہ) عمل کیے جاتا ہوں۔'' میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل اور اس کی مرضی کی اتباع کرتا ہوں ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ﴾ ''عنقریب تم جان لو گے کہ کس کو ملتا ہے عاقبت کا گھر'' یعنی آخرت کا گھر تمہارے لیے ہے یا میرے لیے۔ اور یہ انصاف کا عظیم مقام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعمال اور ان پر عمل کرنے والوں کے بارے میں بیان فرما دیا اور نہایت بصیرت کے ساتھ ان اعمال کی جزا بھی ساتھ بیان فرما دی جہاں تصریح سے گریز کرتے ہوئے تلویح سے کام لیا ہے۔ اور یہ حقیقت معلوم ہے کہ دنیا و آخرت میں اچھا انجام صرف اہل تقویٰ کے لیے ہے۔ آخرت کا گھر اہل ایمان کے لیے ہے اور انبیا و رسل کی لائی ہوئی شریعت سے روگردانی کرنے والوں کا انجام انتہائی برا ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ﴾ ''یقیناً ظالم فلاح یاب نہیں ہوں گے'' ظالم خواہ اس دنیا سے کتنا ہی فائدہ اٹھا لے' اس کی انتہا اضمحلال اور اتلاف ہے۔ حدیث میں ہے۔ ((اِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِي لِلظَّالِمِ' حَتّٰى اِذَا اَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ))[1] ''اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو اسے چھوڑتا نہیں''

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ

اور ٹھہرایا انہوں نے اللہ کیلئے اس میں سے جو پیدا کی اس نے کھیتی اور چوپائے ایک حصہ' پس کہا یہ اللہ کیلئے ہے انکے خیال کے مطابق

وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ

اور یہ (حصہ) ہے ہمارے دیوتاؤں کیلئے تو جو (حصہ) ہے انکے دیوتاؤں کا' پس وہ نہیں پہنچتا اللہ کی طرف' اور جو حصہ ہے اللہ کا

[1] صحیح بخاری' کتاب التفسیر' باب قولہ (وکذلک أخذ ربك...... الخ) حدیث: ٤٦٨٦

فَهُوَ يَصِلُ إِلَىٰ شُرَكَائِهِمْ ۗ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿١٣٦﴾ وَكَذَٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ

تو وہ پہنچ جاتا ہے طرف انکے دیوتاؤں کی' برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ○ اور اسی طرح مزین کر دیا بہت سے مشرکوں کے لیے

قَتْلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَاؤُهُمْ لِيُرْدُوهُمْ وَلِيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ ۖ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا

قتل کرنا اپنی اولاد کا ان کے دیوتاؤں نے' تاکہ وہ ہلاک کر دیں انہیں اور تاکہ خلط ملط کر دیں ان پر ان کا دین' اور اگر چاہتا اللہ تو نہ

فَعَلُوهُ ۖ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٧﴾ وَقَالُوا هَٰذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا

کرتے وہ یہ' پس چھوڑ دیجیے انہیں اور جو وہ افترا باندھتے ہیں ○ اور کہا انہوں نے' یہ چوپائے اور کھیتی ممنوع ہے' نہیں

يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ بِزَعْمِهِمْ وَأَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَّا

کھا سکتا اسے مگر وہی جسے ہم چاہیں (یہ کہا انہوں نے) اپنے خیال کے مطابق اور بعض چوپائے ہیں کہ حرام کر دی گئیں انکی پیٹھیں اور بعض چوپائے ہیں کہ نہیں

يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ ۚ سَيَجْزِيهِم بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٨﴾

ذکر کرتے وہ اللہ کا نام ان پر' افترا باندھتے ہوئے اس (اللہ) پر' عنقریب وہ سزا دے گا انہیں بوجہ اس کے جو تھے وہ افترا باندھتے

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا ۖ

اور کہا انہوں نے' جو (بچہ) ہے پیٹوں میں ان چوپایوں کے' وہ خالص ہے صرف ہمارے مردوں کیلئے اور حرام ہے ہماری بیویوں پر

وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ۚ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ۚ إِنَّهُ حَكِيمٌ

اور اگر ہو وہ مردہ' تو وہ سب (مرد و عورت) اس میں شریک ہیں' عنقریب وہ سزا دے گا انہیں انکے (اس) بیان کی' یقیناً وہ حکمت والا

عَلِيمٌ ﴿١٣٩﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا

جاننے والا ہے ○ تحقیق خسارے میں رہے وہ لوگ' جنہوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو بیوقوفی سے' بغیر علم کے اور حرام ٹھہرایا انہوں نے

مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ ۚ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٤٠﴾

جو رزق دیا انہیں اللہ نے' افترا باندھتے ہوئے اللہ پر' تحقیق گمراہ ہو گئے وہ' اور نہ ہوئے وہ ہدایت یافتہ ○

اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والے مشرکین کی بیوقوفی' کم عقلی اور انتہا کو پہنچی ہوئی جہالت کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے۔ چنانچہ ان کی متعدد خرافات کا ذکر کیا ہے تاکہ وہ ان کی گمراہی پر متنبہ کر کے اہل ایمان کو ان سے بچائے اور ان بیوقوفوں کا اس حق کی مخالفت کرنا' جسے انبیا و رسل لے کر مبعوث ہوئے ہیں' حق میں نقص کا باعث نہیں۔ کیونکہ وہ حق کا مقابلہ کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ﴿ وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا ﴾ ''اور (یہ لوگ) اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں یعنی کھیتی اور چوپایوں میں اللہ کا بھی ایک حصہ مقرر کرتے ہیں۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے جو مویشی اور کھیتی پیدا کی ہے وہ اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حصہ بھی مقرر کرتے ہیں اور ایک حصہ اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے مقرر کرتے

ہیں۔ دراں حالیکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو پیدا کر کے بندوں کے لیے رزق فراہم کیا ہے۔ انہوں نے دو محظور امور بلکہ تین کو یکجا کر دیا جن سے بچنے کے لیے ان کو کہا گیا تھا۔

(ا) اللہ تعالیٰ پر ان کا احسان دھرنا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حصہ مقرر کیا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر نوازش ہے۔

(ب) اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو مویشیوں اور کھیتیوں کی پیداوار میں شریک کرنا حالانکہ وہ ان میں سے کسی چیز کو بھی وجود میں نہیں لائے۔

(ج) اور ظلم و جور پر مبنی ان کا یہ فیصلہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حصے کی کوئی پروا نہیں کرتے' اگرچہ یہ حصہ اپنے شریکوں کے حصے کے ساتھ ملا دیں اور اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے حصے کو درخور اعتناء سمجھتے ہوئے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کے حصے کے ساتھ نہیں ملاتے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب مشرکین کو کھیتیوں اور پھلوں کی پیداوار اور مویشی حاصل ہوتے' جن کو اللہ تعالیٰ ان کے لیے وجود میں لایا' تو اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے

(۱) ایک حصے کے بارے میں بزعم خود کہتے ''یہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے''۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اسی چیز کو قبول فرماتا ہے جو خالص اسی کی رضا کے لیے ہو۔ اللہ تعالیٰ شرک کرنے والے کے عمل کو قبول نہیں فرماتا۔

(۲) دوسرا حصہ اپنے ٹھہرائے ہوئے معبودوں اور بتوں کی نذر کرتے تھے' اگر کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے حصے میں سے نکل کر اس حصے میں خلط ملط ہو جاتی جو غیر اللہ کے لیے مقرر کیا تھا تو اس کی پروا نہیں کرتے تھے۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ کے حصہ کی طرف نہیں لوٹاتے تھے اور کہتے تھے ''اللہ اس سے بے نیاز ہے'' اور اگر کوئی چیز' جو انہوں نے اپنے معبودوں اور بتوں کے لیے مقرر کی تھی اس حصے کے ساتھ خلط ملط ہو جاتی جو اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کیا تھا' تو اسے بتوں کے لیے مقرر حصے کی طرف لوٹا دیتے اور کہتے ''یہ بت تو محتاج ہیں اس لیے ان کے حصے کو ان کی طرف لوٹانا ضروری ہے''۔۔۔ کیا اس سے بڑھ کر ظلم پر مبنی' بدترین فیصلہ کوئی اور ہو سکتا ہے؟ کیونکہ انہوں نے جو حصہ مخلوق کے لیے مقرر کیا ہے اس کی اللہ تعالیٰ کے حق سے زیادہ خیر خواہی اور حفاظت کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اس معنی کا احتمال بھی ہو سکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''میں تمام شریکوں سے بڑھ کر شرک سے بے نیاز ہوں۔ جو کوئی میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں ... الحدیث''[1] آیت

[1] صحیح مسلم' کتاب الزھد' باب تحریم الریاء' حدیث: ۲۹۸۵

کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ مشرکین نے اپنے معبودوں اور بتوں کے تقرب کے حصول کے لیے جو حصے مقرر کر رکھے ہیں وہ خالص غیر اللہ کے لیے ہیں۔ ان میں سے کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں اور ان کے زعم باطل کے مطابق انہوں نے جو حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کیا ہے وہ ان کے شرک کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے حضور نہیں پہنچتا' بلکہ یہ بھی ان کے معبودوں اور بتوں کا حصہ ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے۔ وہ مخلوق میں سے اس شخص کا عمل کبھی قبول نہیں کرتا جو اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے۔

مشرکین کی حماقت اور گمراہی یہ ہے کہ اکثر مشرکین کے سامنے ان کے خداؤں یعنی ان کے سرداروں اور شیاطین نے ان کے اعمال' یعنی قتل اولاد کو مزین کر دیا ہے۔ یہاں قتل اولاد سے مراد ان لوگوں کا اپنے بچوں کو قتل کرنا ہے جو بھوک اور فقر کے ڈر سے اپنے بچوں کو اور عار کے ڈر سے اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ یہ سب شیاطین کی فریب کاری ہے جو انہیں ہلاکت کی وادیوں میں دھکیلنا چاہتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کا دین ان پر مشتبہ ہو جائے اس لیے وہ انتہائی برے کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ان کے یہ شرکاء ان کے ان اعمال کو آراستہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ یہ ان کے ہاں نیکی کے اعمال اور اچھے خصائل بن جاتے ہیں۔

اگر اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو ان اعمال سے روکنا اور ان کے اور ان افعال قبیحہ کے درمیان حائل ہونا چاہتا اور اگر وہ چاہتا کہ ماں باپ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں تو وہ کبھی قتل نہ کرتے۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ ان کو مہلت دینے کے لیے ان کے اور ان کے اعمال کے درمیان سے ہٹ جائے اور ان کے اعمال کی پروا نہ کرے۔ اس لیے فرمایا: ﴿فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ﴾ ''تو ان کو چھوڑ دو کہ وہ جانیں اور ان کا جھوٹ۔'' یعنی ان کو ان کے جھوٹ اور افترا کے ساتھ چھوڑ دیں اور ان کے بارے میں غم زدہ نہ ہوں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

ان کی حماقت و سفاہت کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ انہوں نے ان مویشیوں اور چوپایوں کے سلسلے میں' جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عام طور پر حلال ٹھہرایا اور ان کے لئے ان کو رزق اور رحمت کا ذریعہ بنایا' جن کو فائدہ اٹھاتے ہیں' اپنی طرف سے بدعات اور بدعی اقوال گھڑ لیے ہیں۔ بعض مویشیوں اور کھیتیوں کے بارے میں انہوں نے اصطلاح وضع کر رکھی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: ﴿هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ﴾ ''یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہے'' یعنی یہ حرام ہیں ﴿لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ﴾ ''اسے اس شخص کے سوا جسے ہم چاہیں کوئی نہ کھائے۔'' یعنی اس کا کھانا کسی کے لیے جائز نہیں اور اس کو صرف وہی کھا سکتا ہے جسے ہم چاہیں یا ہم بیان کریں کہ فلاں قسم کا شخص کھا سکتا ہے۔ یہ سب کچھ ان کا زعم باطل ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ ان کی خواہشات نفس اور باطل آراء ہیں۔ مویشی ان پر کسی لحاظ سے حرام نہیں تھے بلکہ انہوں نے ان کی پیٹھ کو حرام ٹھہرایا یعنی ان پر سواری کرنے اور بوجھ لادنے کو۔ اور ایسے جانور کو انہوں نے (حام) سے موسوم کر رکھا تھا۔ ''حام'' حَمٰی

یحمی سے ہے بمعنی "حفاظت کرنا۔" پیٹھ کی سواری اور بوجھ سے حفاظت کرنے کی وجہ سے یہ نام پڑا۔ کچھ جانور وہ تھے جن پر وہ اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ ان بتوں کا نام لیتے تھے جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کیا کرتے تھے اور وہ تمام افعال کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا کرتے تھے۔ حالانکہ وہ جھوٹے اور فاسق و فاجر تھے ﴿سَيَجْزِيهِم بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ "عنقریب وہ سزا دے گا ان کو اس جھوٹ کی"، یعنی شرک کو حلال ٹھہرانے اور کھانے پینے اور دیگر منفعت کی اشیا کو حرام ٹھہرانے میں وہ اللہ تعالیٰ پر جو جھوٹ گھڑتے تھے۔

ان کی کم عقلی پر مبنی آراء میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ بعض مویشیوں کو معین کر دیتے اور کہتے کہ ان کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ مردوں کے لیے حلال اور عورتوں کے لیے حرام ہے۔ چنانچہ وہ کہتے تھے: ﴿مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا﴾ "جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹوں میں ہے اس کو صرف ہمارے مرد ہی کھائیں گے" یعنی ان کے لیے حلال ہے اس کے کھانے میں عورتیں شریک نہیں ہوں گی ﴿وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا﴾ "اور ہماری عورتوں کو (اس کا کھانا) حرام ہے۔" یعنی یہ ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ مگر یہ اس صورت میں ہے کہ وہ زندہ پیدا ہو۔ اگر مویشی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ مردہ پیدا ہوا تو اس میں سب شریک ہوں گے یعنی وہ مردوں اور عورتوں سب کے لیے حلال ہے ﴿سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ﴾ "وہ عنقریب سزا دے گا ان کو ان کی غلط بیانیوں کی" اس لیے کہ انہوں نے اس چیز کو حرام ٹھہرایا جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا تھا اور حرام کو حلال سے موصوف کیا پس اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کی مخالفت کی اور پھر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر ڈالا ﴿إِنَّهُ حَكِيمٌ﴾ "بے شک وہ حکمت والا ہے۔" کیونکہ اس نے ان کو مہلت دی اور اس گمراہی کا ان کو اختیار دیا جس میں یہ سرگرداں ہیں ﴿عَلِيمٌ﴾ "جاننے والا ہے۔" یعنی اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے وہ ان کی باتوں اور افترا پردازیوں کا بھی خوب علم رکھتا ہے۔ بایں ہمہ وہ ان کو معاف کرتا اور ان کو رزق سے نوازتا ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے خسران اور ان کی کم عقلی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ "بے شک خسارے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے بغیر علم کے اپنی اولاد کو قتل کیا" یعنی وہ اپنے دین، اولاد اور عقل کے بارے میں خسارے میں رہے۔ پختہ رائے اور عقل کے بعد ہلاکت انگیز حماقت اور ضلالت ان کا وصف ٹھہری ﴿وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ﴾ "اور حرام ٹھہرایا اس رزق کو جو اللہ نے ان کو دیا" یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو ان کے لیے رحمت بنایا اور اسے ان کے لیے رزق قرار دیا تھا۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو ٹھکرا دیا، پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ انہوں نے اس نعمت کو حرام سے موصوف کیا۔ حالانکہ یہ نعمت ان کے لیے سب سے زیادہ حلال تھی۔ اور یہ سب کچھ ﴿افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ﴾ "جھوٹ باندھ کر اللہ

پر" یعنی یہ سب کچھ جھوٹ ہے اور ہر عناد پسند کافر جھوٹ گھڑتا ہے ﴿قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ﴾ "وہ بے شبہ گمراہ ہیں اور ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔" یعنی وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے اور وہ اپنے تمام امور میں سے کسی چیز میں بھی راہ راست پر نہیں ہیں۔

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ

اور وہی (اللہ) ہے جس نے پیدا فرمائے باغات چھتریوں پر چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے اور (پیدا فرمائی) کھجور اور کھیتی

مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ

مختلف ہیں (مزے میں) ان کے پھل، اور زیتون اور انار، ملتے جلتے بھی اور نہ ملتے جلتے بھی، تم کھاؤ اس کا پھل

اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤١﴾

جب وہ پھل لائے، اور دو اس کا حق دن اس کی کٹائی کے اور نہ اسراف کرو تم، بلاشبہ اللہ نہیں پسند کرتا فضول خرچوں کو ○

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کھیتیوں اور مویشیوں میں مشرکین کے تصرف کا ذکر فرمایا جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال ٹھہرایا تھا، تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمت کا تذکرہ فرمایا اور کھیتیوں اور مویشیوں کے بارے میں ان کے لازمی وظیفہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ﴾ "وہی ہے جس نے باغ پیدا کیے" جس میں مختلف انواع کے درخت اور نباتات ہیں۔ ﴿مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ﴾ "جو ٹٹیوں (چھتریوں) پر چڑھائے جاتے ہیں اور جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے" یعنی ان میں سے بعض باغات کے لیے چھتریاں بنائی جاتی ہیں اور ان کو ان چھتریوں پر چڑھایا جاتا ہے اور یہ چھتریاں انہیں اوپر اٹھنے میں مدد دیتی ہیں اور بعض درختوں کے لیے چھتریاں نہیں بنائی جاتیں، بلکہ وہ اپنے تنے پر کھڑے ہوتے ہیں یا زمین پر بچھ جاتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ان کے کثرت منفعت اور ان کے فوائد کی طرف اشارہ ہے، نیز اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو سکھایا کہ پودوں کو کیسے چھتریوں پر چڑھانا اور کیسے ان کی پرورش کرنا ہے۔

﴿وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ﴾ "(اور پیدا کیے) کھجور کے درخت اور کھیتی کہ مختلف ہیں ان کے پھل" یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جگہ پر کھجور اور کھیتیاں پیدا کیں جو ایک ہی پانی سے سیراب ہوتی ہیں مگر کھانے اور ذائقے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کھجور اور کھیتیوں کا ذکر کیا ہے، کیونکہ یہ مختلف انواع و اقسام کی بنا پر بہت سے فوائد کی حامل ہیں نیز یہ اکثر مخلوق کے لیے خوراک کا کام دیتی ہیں۔

﴿وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا﴾ "اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔" یعنی اللہ تعالیٰ نے زیتون اور انار کو پیدا کیا جس کے درخت ایک دوسرے سے مشابہ ہیں ﴿وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ﴾ "اور جدا جدا بھی" جو

اپنے پھل اور ذائقے میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ گویا کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان باغات کو کس مقصد کے لیے پیدا کیا اور کس پر یہ نوازش کی؟ اس کے جواب میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی منفعت کے لیے یہ باغات پیدا کیے۔ اس لیے فرمایا: ﴿ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ ﴾ ''ان کے پھل کھاؤ'' یعنی کھجور اور کھیتیوں کا پھل کھاؤ ﴿ اِذَآ اَثْمَرَ ﴾ ''جب وہ پھل لائیں'' ﴿ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ﴾ ''اور جس دن (پھل توڑو) اور کھیتی کاٹو تو اللہ کا حق اس میں سے ادا کرو۔'' یعنی فصل کی برداشت کے روز کھیتی کا حق ادا کرو۔ اس سے کھیتی کی زکوٰۃ (یعنی عشر) مراد ہے جس کا نصاب شریعت میں مقرر ہے۔

ان کو حکم دیا کہ زکوٰۃ فصل کی برداشت کے وقت ادا کریں کیونکہ برداشت کا دن، ایک سال گزرنے کے قائم مقام ہے۔ نیز یہ وہ وقت ہے جب فقراء کے دلوں میں زکوٰۃ کے حصول کی امید بندھ جاتی ہے اور اس وقت کاشت کاروں کے لیے اپنی زرعی جنس میں سے زکوٰۃ نکالنا آسان ہوتا ہے۔ اور جو زکوٰۃ نکالتا ہے اس کے لیے یہ معاملہ ظاہر ہو جاتا ہے اور زکوٰۃ نکالنے والے اور زکوٰۃ نہ نکالنے والے کے درمیان امتیاز واقع ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ وَلَا تُسْرِفُوْا ﴾ ''اور بے جا خرچ نہ کرو'' یہ ممانعت کھانے میں اسراف کے لیے عام ہے یعنی عادت اور حدود سے تجاوز کر کے کھانا۔ یہ اسراف اس بات کو بھی شامل ہے کہ کھیتی کا مالک اس طرح کھائے جس سے زکوٰۃ کو نقصان پہنچے اور کھیتی کا حق نکالنے میں اسراف یہ ہے کہ واجب سے بڑھ کر زکوٰۃ نکالے یا اپنے آپ کو یا اپنے خاندان یا اپنے قرض خواہوں کو نقصان پہنچائے۔ یہ تمام چیزیں اسراف کے زمرے میں آتی ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں بلکہ سخت ناپسند ہے اور وہ اسراف پر سخت ناراض ہوتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ پھلوں میں بھی زکوٰۃ فرض ہے اور ان میں زکوٰۃ کی ادائیگی ایک سال گزرنے کی شرط سے مشروط نہیں ہے۔ غلے کی زکوٰۃ فصل کٹنے اور کھجوروں کی زکوٰۃ پھل چنے جانے پر واجب ہو جاتی ہے۔ پھر زرعی اجناس زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد کئی سال تک بھی بندے کے پاس پڑی رہیں تو ان میں زکوٰۃ فرض نہیں بشرطیکہ وہ تجارت کی غرض سے نہ رکھی گئی ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف فصل کی برداشت کے وقت زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ نیز اگر فصل برداشت کرنے سے قبل، صاحب زراعت کی کوتاہی کے بغیر، باغ یا کھیتی پر کوئی آفت آ جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا اور زکوٰۃ نکالنے سے پہلے اگر کھیتی یا کھجور کے پھل میں سے کچھ کھا لیا جائے تو اسے زکوٰۃ کے حساب میں شامل نہیں کیا جائے گا' بلکہ جو باقی بچے گا اسی کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ پھل کا اندازہ لگانے کا ماہر روانہ فرمایا کرتے تھے جو زکوٰۃ ادا کرنے والے لوگوں کی کھیتیوں اور کھجوروں کے پھل کا اندازہ لگاتے تھے آپ ﷺ انہیں حکم دیتے کہ اندازہ لگانے کے بعد وہ ان کے اور دیگر لوگوں کے کھانے کے لیے ایک تہائی یا ایک چوتھائی چھوڑ دیا کریں۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ
اور (پیدا کیے) چوپایوں میں سے بوجھ اٹھانے والے اور زمین سے لگے ہوئے کھاؤ اس میں سے جو دیا تمہیں اللہ نے اور مت پیچھے لگو قدموں کے
الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۙ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ
شیطان کے یقیناً وہ تمہارا دشمن ہے ظاہر ○ (پیدا فرمائیں) آٹھ قسمیں، بھیڑ میں سے دو اور
الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ
بکری میں سے دو، کہہ دیجیے! کیا دونوں نر اللہ نے حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ، یا وہ (بچہ) کہ مشتمل ہیں اس پر رحم
الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـئُوْنِیْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۙ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ
دونوں ماداؤں کے؟ تم خبر دو مجھے ساتھ علم کے، اگر ہو تم سچے ○ اور (پیدا فرمائے) اونٹ میں سے دو اور
الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ
گائے میں سے دو، کہہ دیجیے! کیا دونوں نر حرام کیے اللہ نے یا دونوں مادہ، یا وہ (بچہ) کہ مشتمل ہیں اس پر رحم
الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى
دونوں ماداؤں کے؟ کیا تھے تم حاضر جب وصیت کی تھی تمہیں اللہ نے اس کی؟ پس کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے گھڑا
عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ع
اوپر اللہ کے جھوٹ، تاکہ گمراہ کرے وہ لوگوں کو بغیر علم کے، یقیناً اللہ نہیں ہدایت دیتا ظالم قوم کو ○

﴿وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا﴾ ''اور پیدا کیے مویشیوں میں سے بوجھ اٹھانے والے اور زمین سے لگے ہوئے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے چوپائے پیدا کیے جن میں سے بعض پر تم سواری کرتے ہو اور ان سے بار برداری کا کام لیتے ہو۔ اور ان میں سے بعض اپنی کم عمری کی وجہ سے سواری اور بار برداری کے قابل نہیں ہوتے مثلاً ان چوپایوں کے بچے جو ابھی بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ پس یہ مویشی سواری اور بار برداری کے پہلو سے ان دو اقسام میں منقسم ہوتے ہیں۔ رہا ان کو کھانے کا پہلو اور ان سے دیگر مختلف انواع کے فوائد حاصل کرنا، تو یہ تمام مویشی کھائے بھی جاتے ہیں اور ان سے دیگر فوائد بھی حاصل کیے جاتے ہیں۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ﴾ ''کھاؤ اللہ کے رزق میں سے اور مت چلو شیطان کے قدموں پر'' یعنی شیطان کے طریقوں اور اس کے اعمال کی پیروی نہ کرو۔ ان میں سے منجملہ یہ ہیں کہ تم ان چیزوں کو حرام ٹھہرا لیتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں رزق کے طور پر عطا کی ہیں ﴿اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ﴾ ''وہ تمہارا کھلا دشمن ہے'' پس وہ تمہیں صرف اسی بات کا حکم دے گا جس میں تمہارا نقصان اور تمہاری ابدی بدبختی اور بدنصیبی ہے۔

یہ چوپائے جن سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نوازا ہے اور ان سب کو حلال اور طیب قرار دیا ان کی

تفصیل یوں بیان کی ہے ﴿ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ ﴾ ''پیدا کیے آٹھ نر اور مادہ' بھیڑ میں سے دو' یعنی نر اور مادہ ﴿ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ﴾ 'اور دو (۲) بکریوں میں سے۔'' یعنی اسی طرح بکریوں میں سے دو' نر اور مادہ۔ یہ چار اصناف ان مویشیوں میں شامل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا۔ ان میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں۔ ان تکلف کرنے والوں سے کہہ دیجیے! جو ان میں سے کسی چیز کو حرام ٹھہراتے ہیں یا ان میں سے کچھ اصناف کو عورتوں پر حرام ٹھہراتے ہیں۔ جس کو انہوں نے مباح اور جس کو انہوں نے حرام ٹھہرایا' ان دونوں کے درمیان فرق کے عدم وجود کو ان پر لازم کرتے ہوئے ان سے کہیے ﴿ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ ﴾ ''کیا دونوں (کے) نروں کو۔'' یعنی بھیڑ اور بکری میں سے ان کے نر کو ﴿ حَرَّمَ ﴾ ''(اللہ تعالیٰ نے) حرام ٹھہرایا؟'' پس تم اس بات کے قائل نہیں ہو ﴿ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾ ''یا دونوں (کے) مادہ کو۔'' یعنی مادہ بھیڑ اور بکری کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے؟ تم اس بات کے بھی قائل نہیں ہو۔ تم دونوں اصناف میں سے خالص نر کی تحریم کے قائل ہو نہ خالص مادہ کی۔ باقی رہی یہ بات کہ اگر مادہ کا رحم نر اور مادہ بچے پر مشتمل ہو یا نر اور مادہ کے بارے میں علم نہ ہو۔ پس فرمایا ﴿ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ﴾ ''یا جو بچہ دونوں ماداؤں کے پیٹوں میں ہو۔'' یعنی کیا تم نر اور مادہ کے فرق کے بغیر اسے حرام ٹھہراتے ہو جو بھیڑ یا بکری کے رحم میں ہے؟ تم اس قول کے بھی قائل نہیں ہو۔ جب تم ان تین اقوال میں کسی ایک قول کے بھی قائل نہیں جو ممکنہ تمام صورتوں پر محیط ہیں۔ تو پھر تم کون سے مذہب پر عامل ہو ﴿ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴾ ''اگر سچے ہو تو مجھے سند سے بتاؤ۔'' یعنی اگر تم اپنے قول اور دعوے میں سچے ہو تو مجھے علمی دلیل سے آگاہ کرو اور یہ بدیہی طور پر معلوم ہے کہ وہ کوئی ایسا قول نہیں لا سکتے جسے عقل تسلیم کر لے' سوائے اس کے کہ مذکورہ تینوں باتوں میں سے کوئی ایک بات کہیں اور وہ ان میں سے کوئی بات نہیں کہتے۔ صرف یہ کہتے ہیں کہ بعض مویشی جن کے بارے میں انہوں نے اپنی طرف سے کچھ اصطلاحات گھڑ رکھی ہیں مردوں کی بجائے عورتوں پر حرام ہیں' یا وہ بعض اوقات واحوال میں حرام ہیں یا اس قسم کے دیگر اقوال' جن کے بارے میں بلاشک وشبہ ہمیں معلوم ہے کہ ان کا مصدر جہل مرکب' راہ راست سے منحرف عقل اور فاسد آراء ونظریات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول پر کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور نہ ان کے پاس کوئی اور حجت وبرہان ہے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسی طرح اونٹ اور گائے کا ذکر فرمایا۔ جب ان کے قول کا بطلان اور فساد واضح ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ایک ایسی بات کہی جس سے نکلنا ان کے بس میں نہ تھا۔ سوائے شریعت کی اتباع کے ﴿ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ﴾ ''کیا تم حاضر تھے جس وقت تم کو اللہ نے یہ حکم دیا تھا'' یعنی تمہارے پاس اپنے دعویٰ کے سوا باقی کچھ بھی نہیں' جس کی صداقت اور صحت کو پرکھنے کے لیے تمہارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ اور وہ ہے تمہارا یہ کہنا کہ ''اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی وصیت کی ہے اور اس نے ہماری طرف وحی کی ہے۔ جس

طرح اس نے اپنے انبیاو مرسلین کی طرف وحی کی، بلکہ اس نے ہماری طرف ایسی وحی بھیجی جو اس چیز کے مخالف ہے جس کی طرف انبیاو رسل نے دعوت دی اور جس کے ساتھ کتابیں نازل ہوئیں' اور یہ ایک ایسا بہتان ہے جس سے کوئی شخص ناواقف نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ''پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا' تاکہ بغیر تحقیق کے لوگوں کو گمراہ کرے'' یعنی اس کے جھوٹ اور اللہ تعالیٰ پر اس کے بہتان وافتراء باندھنے کے ساتھ وہ اس سے اللہ کے بندوں کو بغیر کسی دلیل و برہان اور بغیر کسی عقل و نقل کے' اللہ کے راستے سے گمراہ کرتا ہے۔ ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا'' جن کا ظلم و جور اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑنے کے سوا اور کوئی ارادہ نہیں۔

قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِيْ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً

کہہ دیجیے انہیں پاتا میں اس میں جو وحی کی گئی ہے میری طرف کوئی چیز حرام کسی کھانے والے پر جو کھائے اسے' مگر یہ کہ ہو وہ مردار

اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ

یا خون بہایا ہوا' یا گوشت سور کا پس یقیناً وہ ناپاک ہے' یا وہ فسق ہے کہ نام پکارا گیا ہے اللہ کے سوا کسی اور کا اس پر' پھر جو شخص

اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾ وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا

لاچار ہو جائے (بشرطیکہ) نہ ہو وہ سرکش اور نہ حد سے گزرنے والا تو آپ کا رب ہے بہت بخشنے والا رحم کرنے والا ○ اور اوپر ان کے جو یہودی ہوئے

حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ

حرام کیا تھا ہم نے ہر ناخن والا (جانور) اور گائے اور بکری میں سے حرام کیں ہم نے ان پر چربیاں ان دونوں کی

اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ اَوِ الْحَوَايَاۤ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ

مگر جس کو اٹھایا ہوا ہو ان کی پیٹھوں یا آنتوں نے' یا جو ملی ہو ساتھ ہڈی کے' یہ سزا دی ہم نے انہیں

بِبَغْيِهِمْ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾

بوجہ ان کی سرکشی کے' اور یقیناً ہم البتہ سچے ہیں ○

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس امر پر مشرکین کی مذمت کی کہ انہوں نے حلال کو حرام ٹھہرایا اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا اور ان کے اس قول کا ابطال کیا تو اس نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کے سامنے واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا چیز ان پر حرام ٹھہرائی ہے تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ حلال ہے اور جو کوئی اس کی تحریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے وہ جھوٹا اور باطل پرست ہے' کیونکہ تحریم صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول کے توسط سے ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ

سے فرمایا:﴿ قُلْ لَّاۤ اَجِدُ فِیْ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ ﴾ ''آپ کہہ دیجیے کہ میں نہیں پاتا اس وحی میں کہ مجھ کو پہنچی ہے کسی چیز کو حرام' کھانے والے پر جو اس کو کھائے'' یعنی اس کو کھانے کے علاوہ اس سے دیگر فوائد حاصل کرنے یا نہ کرنے سے قطع نظر' میں کوئی چیز نہیں پاتا جس کا کھانا حرام ہو۔﴿ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً ﴾ ''مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو'' مردار وہ جانور ہے جو شرعی طریقے سے ذبح کیے بغیر مر گیا ہو۔ یہ مرا ہوا جانور حلال نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے﴿ حُرِّمَتْ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِیْرِ ﴾ (المائدہ: ۵/۳)''حرام کر دیا گیا تم پر مردار' خون اور خنزیر کا گوشت''۔

﴿ اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا ﴾ ''یا بہتا ہوا خون'' یہ وہ خون ہے جو ذبیحہ کو ذبح کرتے وقت اس میں سے خارج ہوتا ہے کیونکہ اس خون کا ذبیحہ کے بدن میں رہنا ضرر رساں ہے۔ جب یہ خون بدن سے نکل جاتا ہے تو گوشت کا ضرر زائل ہو جاتا ہے۔ لفظ کے مفہوم مخالف سے مستفاد ہوتا ہے کہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد جو خون گوشت اور رگوں میں بچ جاتا ہے وہ حلال اور پاک ہے۔﴿ اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ ﴾ ''یا سور کا گوشت کہ وہ ناپاک ہے'' یعنی مذکورہ تینوں اشیا گندی ہیں یعنی ناپاک اور مضر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تم پر لطف و کرم کرتے ہوئے اور تمھیں خبائث کے قریب جانے سے بچانے کے لیے ان گندی اشیا کو حرام قرار دے دیا ہے۔﴿ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ ﴾ یا ذبیحہ کو اللہ کے سوا بتوں اور ان معبودوں کے لیے ذبح کیا گیا ہو جن کی مشرکین عبادت کرتے ہیں۔ یہ فسق ہے اور فسق سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل کر اس کی معصیت میں داخل ہو جانا۔﴿ فَمَنِ اضْطُرَّ ﴾ ''پس اگر کوئی مجبور ہو جائے'' یعنی بایں ہمہ اگر کوئی ان حرام اشیا کو استعمال کرنے پر مجبور ہے حاجت اور ضرورت نے اسے ان اشیا کو کھانے پر مجبور کر دیا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں اور بھوک کے باعث اس کو اپنی جان کا خوف ہے﴿ غَیْرَ بَاغٍ ﴾ ''نافرمانی کرنے والا نہ ہو'' یعنی بغیر کسی اضطراری حالت کے اس کو کھانے کا ارادہ نہ رکھتا ہو﴿ وَّلَا عَادٍ ﴾ ''اور نہ زیادتی کرنے والا ہو'' (عَادٍ) سے مراد ہے ''ضرورت سے زائد کھا کر حد سے تجاوز کرنے والا''﴿ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ ''تو بلاشبہ تمھارا رب بخشنے والا مہربان ہے۔'' یعنی جو شخص اس حالت کو پہنچ جائے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ نرمی کی ہے۔

اہل علم نے اس آیت کریمہ میں مذکورہ محرمات پر حصر کے بارے میں مختلف رائے کا اظہار کیا ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ بھی محرمات موجود ہیں جن کا یہاں ذکر نہیں کیا گیا مثلاً (کچلیوں والے) درندے اور پنجے سے شکار کرنے والے تمام پرندے' وغیرہ چنانچہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان زائد چیزوں کی تحریم سے قبل نازل ہوئی ہے۔ اس لیے یہ حصرِ مذکور ان اشیا میں تحریم متاخر کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں اس وقت اس زمرے میں نہیں آتی تھیں جس وقت مذکورہ حرمت کی وحی آپ کی طرف بھیجی گئی تھی۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ تمام محرمات کی تحریم پر مشتمل ہے۔ البتہ بعض کی تحریم کی تصریح کر دی گئی ہے اور بعض کی تحریم اس کے معنی اور حرمت کی عمومی علت سے اخذ کی گئی ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت کریمہ کے اواخر میں مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کی تحریم کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَإِنَّهُ رِجْسٌ ﴾ ''وہ ناپاک ہے'' اور یہ ایسا وصف ہے جو تمام محرمات کو شامل ہے۔ کیونکہ تمام محرمات (رجس) یعنی گندگی اور ناپاک ہیں اور یہ محرمات سب سے زیادہ ناپاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو گندگی اور ناپاکی سے بچانے کے لیے ان کو حرام قرار دیا ہے۔

ناپاک اور محرمات کی تفاصیل سنت نبوی سے اخذ کی جاتی ہیں کیونکہ سنت قرآن کی تفسیر کر کے اس کے مقاصد کو بیان کرتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کھانے والے کے لیے صرف اسی چیز کو حرام قرار دیا جس کا اس نے ذکر فرمایا اور تحریم کا مصدر صرف اللہ تعالیٰ کی شریعت ہے، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مشرکین اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کے رزق کو حرام قرار دے کر اللہ تعالیٰ پر بہتان طرازی اور اس کی طرف ایسی بات منسوب کرتے ہیں جو اس نے نہیں کہی۔ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں خنزیر کی حرمت کا ذکر نہ کیا ہوتا تو اس کا قوی احتمال تھا کہ آیت کریمہ کا سیاق مشرکین کے مذکورہ بالا ان اقوال کی تردید میں ہے جس میں انہوں نے ان چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا اور اپنے نفس کی فریب دہی کے مطابق اس میں مشغول ہو گئے۔ اور یہ خاص طور پر چوپایوں کے بارے میں ہے۔ اور ان چوپایوں میں کچھ بھی حرام نہیں سوائے ان اشیا کے جن کا ذکر آیت کریمہ میں کر دیا گیا ہے مردار اور غیر اللہ کے نام پر پکاری گئی چیز۔ اور ان کے سوا دیگر تمام اشیا حلال ہیں۔ اس احتمال کی بنا پر، خنزیر کا یہاں ذکر شاید اس مناسبت سے کیا گیا ہو کہ بعض جہال خنزیر کو (بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ) میں داخل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خنزیر بھیڑ بکری کی نوع میں سے ہے۔ اس قسم کا توہم نصاریٰ میں سے جہلاء اور ان جیسے بعض دیگر لوگوں کو لاحق ہوا ہے۔ وہ خنزیر کو اسی طرح پالتے ہیں جیسے مویشیوں کو پالا جاتا ہے اور اس کو حلال سمجھتے ہیں۔ اور وہ اس کے اور دیگر مویشیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔ پس یہ تمام محرمات جو اس امت پر حرام قرار دی گئی ہیں یہ حفاظت اور تنزیہہ کی خاطر ہے۔

اور وہ چیزیں جو اہل کتاب پر حرام قرار دی گئیں ان میں سے بعض پاک اور طیب تھیں مگر سزا کے طور پر ان چیزوں کو ان پر حرام کر دیا گیا۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ﴾ ''اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا'' مثلاً اونٹ اور اس قسم کے دیگر جانور ﴿ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ ﴾ ''اور گائے اور بکری میں سے حرام کیے تھے'' ان کے بعض اجزاء ﴿ شُحُومَهُمَا ﴾ اور وہ تھی ان کی چربی۔ اور ہر قسم کی چربی ان پر حرام نہ تھی بلکہ صرف دنبے کی چکتی اور اوجھڑی اور آنتوں کی باریک چربی حرام تھی۔ اس لیے اس

میں سے حلال چربی کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا﴾ ''مگر وہ چربی جو پشت پر اور انتڑیوں کے ساتھ لگی ہوتی ہے'' ﴿أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ﴾ ''یا وہ چربی جو ہڈی کے ساتھ پیوست ہوتی ہے۔''

﴿ذَٰلِكَ﴾ ''یہ'' یہودیوں پر نافذ کی گئی یہ تحریم ﴿جَزَيْنَاهُم بِبَغْيِهِمْ﴾ ''ایک سزا تھی جو ہم نے ان کو دی تھی ان کی شرارت پر'' یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق کے بارے میں ان کے ظلم و تعدی کی جزا تھی، پس اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان کے لیے یہ چیزیں حرام کر دی تھیں ﴿وَإِنَّا لَصَادِقُونَ﴾ ''اور ہم سچ کہتے ہیں'' یعنی ہم جو کچھ کہتے ہیں جو کرتے ہیں اور جو فیصلہ کرتے ہیں، سب صدق پر مبنی ہوتا ہے اور اہل ایقان کے نزدیک اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچی بات کہنے والا اور سب سے اچھے فیصلے کرنے والا کون ہے؟

فَإِن كَذَّبُوكَ فَقُل رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ

پھر اگر جھٹلائیں وہ آپ کو تو کہہ دیجیے تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے، اور نہیں پھیرا جاتا اس کا عذاب

عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ﴿١٤٧﴾

مجرم قوم سے ○

یعنی اگر یہ مشرکین آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ ترغیب و ترہیب کے ذریعے سے ان کو دعوت دیتے رہیے اور ان کو آگاہ کیجیے کہ اللہ تعالیٰ ﴿ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ﴾ ''بے پایاں رحمت کا مالک ہے'' جو تمام مخلوقات کو شامل ہے۔ لہٰذا اس کی رحمت کی طرف اس کے اسباب کے ذریعے سے سبقت کرو۔ جس کی اساس اور بنیاد محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان پر نازل ہونے والی وحی کی تصدیق ہے۔ ﴿وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ﴾ ''اور اس کا عذاب گناہ گاروں سے نہیں ٹالا جاتا'' یعنی جن کے جرائم اور گناہ بہت بڑھ گئے ہوں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے والے جرائم سے بچو' ان میں سب سے بڑا جرم محمد مصطفیٰ صلوات اللہ علیہ وسلامہ کی تکذیب ہے۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِن

عنقریب کہیں گے وہ لوگ جنھوں نے شرک کیا' اگر چاہتا اللہ تو نہ شرک کرتے ہم اور نہ باپ دادا ہمارے' اور نہ حرام کرتے ہم کوئی

شَيْءٍ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِندَكُم

چیز' اسی طرح جھٹلایا تھا ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ چکھا انھوں نے ہمارا عذاب' کہہ دیجیے! کیا ہے تمہارے پاس

مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۖ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿١٤٨﴾

کچھ علم؟ تو نکالو تم اس کو ہمارے لیے نہیں پیروی کرتے تم مگر گمان کی' اور نہیں ہو تم مگر اٹکل پچو کرتے ○

قُلْ فَلِلَّهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۖ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٤٩﴾

کہہ دیجیے! پس اللہ ہی کے لیے ہے دلیل محکم پھر اگر وہ چاہتا تو ہدایت دیتا تم سب کو ○

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے خبر ہے کہ مشرکین اپنے شرک اور اللہ تعالیٰ کی حلال ٹھہرائی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہرانے پر اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر سے دلیل پکڑتے ہیں اور اپنے آپ سے مذمت کو دور کرنے کے لیے' اللہ تعالیٰ کی مشیت کو جو خیر وشر ہر چیز کو شامل ہے' دلیل بناتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے وہی کچھ کہا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ قَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ﴾ (النحل: ۳۵/۱۶) ''وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا کہتے ہیں کہ اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے''۔ پس یہ وہ دلیل ہے جو انبیاء و رسل کو جھٹلانے والی قومیں انبیاء کی دعوت کو رد کرنے کے لیے پیش کرتی رہی ہیں مگر یہ ان کے کسی کام آئی نہ اس نے انہیں کوئی فائدہ ہی دیا اور یہی ان کی عادت رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر کے عذاب کا مزا چکھایا۔

اگر ان کی یہ دلیل صحیح ہوتی تو ان سے عذاب کو ہٹا لیا جاتا اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں مبتلا نہ کرتا' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب صرف اسی پر نازل ہوتا ہے جو اس کا مستحق ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ان کی فاسد دلیل اور انتہائی گھٹیا شبہ ہے اور اس کی متعدد وجوہات ہیں۔

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اگر ان کی دلیل صحیح ہوتی تو ان پر عذاب نازل نہ ہوتا۔

(۲) دلیل کے لیے ضروری ہے کہ اس کی بنیاد علم اور برہان ہو۔ اگر دلیل محض گمان اور اندازے پر مبنی ہو' جو حق کے مقابلے میں کوئی کام نہیں آ سکتی' تو یہ باطل ہے۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا﴾ ''کہہ دیجیے! اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے تو ہمارے سامنے پیش کرو'' پس اگر ان کے پاس علم ہوتا' حالانکہ وہ سخت جھگڑالو لوگ ہیں' تو وہ اسے ضرور پیش کرتے اگر انہوں نے کوئی علمی دلیل پیش نہیں کی تو معلوم ہوا کہ وہ علم سے بے بہرہ ہیں۔

﴿اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ﴾ ''تم تو نرے گمان پر چلتے ہو اور صرف تخمینے ہی کرتے ہو'' اور جو کوئی اپنے دلائل کی بنیاد گمان اور اندازوں پر رکھتا ہے وہ باطل پرست اور خسارے میں پڑنے والا ہے اور جب اس کی بنیاد سرکشی' دشمنی اور شر وفساد پر ہو' تو اس کی کیفیت کیا ہوگی؟

(۳) حجت بالغہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے' جو کسی کے لیے کوئی عذر نہیں رہنے دیتی' جس پر تمام انبیاو مرسلین' تمام کتب الٰہیہ' تمام آثار نبویہ' عقل صحیح' فطرت سلیم اور اخلاق مستقیم متفق ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جو کوئی اس آیت قاطعہ کی مخالفت کرتا ہے وہ باطل ہے' کیونکہ حق کی مخالفت کرنے والا باطل کے سوا کچھ بھی نہیں۔

(۴) اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر انسان کو قدرت اور ارادہ عطا کیا ہے جس کے ذریعے سے وہ ان تمام افعال کے ارتکاب پر قادر ہے جن کا اسے مکلف کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی ایسی چیز واجب

نہیں کی جس کے فعل پر وہ قدرت نہیں رکھتا اور نہ کسی ایسی چیز کو اس پر حرام ٹھہرایا ہے جس کو ترک کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔ پس اس کے بعد قضاء وقدر کو دلیل بنانا محض ظلم اور مجرد عناد ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے بندوں کے افعال میں جبر نہیں کیا' بلکہ ان کے افعال کو ان کے اختیار کے تابع بنایا ہے۔ پس اگر وہ چاہیں تو کسی فعل کا ارتکاب کریں اور اگر چاہیں تو اس فعل کے ارتکاب سے باز رہ سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کا انکار صرف وہی کر سکتا ہے جو حق کے ساتھ عناد رکھتا ہے اور محسوسات کا انکار کرتا ہے' کیونکہ ہر شخص حرکت اختیاری اور حرکت جبری میں امتیاز کر سکتا ہے اگرچہ تمام حرکات اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے تحت آتی ہیں۔

(۶) اپنے گناہوں پر قضا وقدر کو دلیل بنانے والے تناقض (تضاد) کا شکار ہیں' کیونکہ ان کے لیے اس کو درست ثابت کرنا ممکن نہیں۔ بلکہ اگر کوئی مار پیٹ یا مال وغیرہ چھین کر ان کے ساتھ برا سلوک کر کے تقدیر کا بہانہ پیش کرتا ہے تو وہ اس شخص کی دلیل کو کبھی قبول نہیں کریں گے اور اس شخص پر سخت ناراض ہوں گے۔ نہایت عجیب بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی ناراضی کے کاموں پر تو قضا وقدر کا عذر پیش کرتے ہیں اور اگر کوئی ان کے ساتھ برا سلوک کر کے ان کو یہی دلیل پیش کرتا ہے تو اسے قبول نہیں کرتے۔

(۷) قضا وقدر سے استدلال کرنا ان کا مقصد نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ قضا وقدر کا عذر دلیل نہیں۔ ان کا مقصد تو صرف حق کو ٹھکرانا اور اس کو روکنا ہے کیونکہ وہ حق کو یوں سمجھتے ہیں جیسے کوئی حملہ آور ہو۔ چنانچہ وہ ہر صحیح یا غلط خیال کے ذریعے سے' جو ان کے دل میں آتا ہے' حق کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا

کہہ دیجیے! لے آؤ تم اپنے گواہ' وہ جو گواہی دیں اس بات کی کہ بلاشبہ اللہ نے حرام کیا ہے ان کو' پھر اگر وہ گواہی دیں' تو نہ

تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ

گواہی دیں آپ انکے ساتھ اور نہ پیچھے چلیں آپ انکی خواہشات کے جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور (نہ) انکے جو نہیں ایمان لاتے

بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٥٠﴾ ع

آخرت پر اور وہ اپنے رب کے ساتھ برابر ٹھہراتے ہیں ○

یعنی آپ ان لوگوں سے کہہ دیجیے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی حلال ٹھہرائی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہرایا اور اس تحریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا' کہ وہ اپنے ان گواہوں کو لے آئیں جو یہ گواہی دیں کہ اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ جب ان سے یہ بات کہی جائے گی تو مندرجہ ذیل دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہو گی:

(۱) یا تو وہ اس پر کسی کو گواہ کے طور پر پیش ہی نہیں کر سکیں گے' تب اس صورت میں ان کا دعویٰ باطل اور دلیل اور گواہوں سے محروم ہو گا۔

(۲) یا وہ کسی ایسے گواہ کو پیش کر دیں گے جو ان کے لیے گواہی دے' مگر کسی جھوٹے اور بہتان طراز کے سوا کوئی شخص اس پر گواہی نہیں دے سکتا' اور ایسے جھوٹے اور بہتان طراز شخص کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔

یہ معاملہ ایسے امور میں شمار نہیں ہوتا جس پر کسی عادل گواہ کا گواہی دینا جائز ہو بنابریں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور آپ کے متبعین کو اس گواہی سے روکتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَإِنۡ شَهِدُوا۟ فَلَا تَشۡهَدۡ مَعَهُمۡ وَلَا تَتَّبِعۡ أَهۡوَاۤءَ ٱلَّذِینَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔایَـٰتِنَا وَٱلَّذِینَ لَا یُؤۡمِنُونَ بِٱلۡـَٔاخِرَةِ وَهُم بِرَبِّهِمۡ یَعۡدِلُونَ ﴾ ''اگر وہ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور وہ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور وہ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو برابر ٹھہراتے ہیں'' یعنی وہ بتوں اور اپنے گھڑے ہوئے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دیتے ہیں۔ چونکہ وہ یوم آخرت کا انکار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل نہیں اس لیے ان کی خواہشات ان کے اس عقیدے کے مطابق ہیں جو شرک اور تکذیب پر مبنی ہے۔ جن کا یہ معاملہ ہو تو مناسب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے بہترین ہستی کو ان کی اتباع کرنے اور ان کے ساتھ گواہی دینے سے روک دے۔ تب معلوم ہوا کہ ان کا اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام ٹھہرانا ان کی گمراہ کن خواہشات نفس کی پیداوار ہے۔

قُلۡ تَعَالَوۡا۟ أَتۡلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمۡ عَلَیۡكُمۡ أَلَّا تُشۡرِكُوا۟ بِهِۦ شَیۡـࣰٔاۖ وَبِٱلۡوَ ٰلِدَیۡنِ

کہہ دیجیے! آؤ پڑھتا ہوں میں جو کچھ کہ حرام کیا تمہارے رب نے اوپر تمہارے یہ کہ نہ شریک ٹھہراؤ تم ساتھ اس کے کسی چیز کو اور ساتھ والدین کے

إِحۡسَـٰنࣰاۖ وَلَا تَقۡتُلُوۤا۟ أَوۡلَـٰدَكُم مِّنۡ إِمۡلَـٰقࣲ نَّحۡنُ نَرۡزُقُكُمۡ وَإِیَّاهُمۡۖ وَلَا

احسان کرو' اور مت قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے' ہم ہی رزق دیتے ہیں تمہیں اور انہیں' اور مت

تَقۡرَبُوا۟ ٱلۡفَوَ ٰحِشَ مَا ظَهَرَ مِنۡهَا وَمَا بَطَنَۖ وَلَا تَقۡتُلُوا۟ ٱلنَّفۡسَ ٱلَّتِی حَرَّمَ

قریب جاؤ بے حیائی کے کاموں کے' جو ظاہر ہوں ان میں سے اور جو پوشیدہ' اور مت قتل کرو اس جان کو جس کو حرام کیا

ٱللَّهُ إِلَّا بِٱلۡحَقِّۚ ذَ ٰلِكُمۡ وَصَّىٰكُم بِهِۦ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُونَ ﴿١٥١﴾ وَلَا تَقۡرَبُوا۟ مَالَ ٱلۡیَتِیمِ

اللہ نے مگر ساتھ حق کے' یہ (سب باتیں) وصیت کی ہے اللہ نے تمہیں ان کی تاکہ تم سمجھو○ اور مت قریب جاؤ تم یتیم کے مال کے

إِلَّا بِٱلَّتِی هِیَ أَحۡسَنُ حَتَّىٰ یَبۡلُغَ أَشُدَّهُۥۚ وَأَوۡفُوا۟ ٱلۡكَیۡلَ وَٱلۡمِیزَانَ بِٱلۡقِسۡطِۖ

مگر ساتھ اس طریقے کے جو بہترین ہو یہاں تک کہ پہنچ جائے وہ اپنی پختگی کو' اور پورا کرو تم ماپ اور تول کو ساتھ انصاف کے

لَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا إِلَّا وُسۡعَهَاۖ وَإِذَا قُلۡتُمۡ فَٱعۡدِلُوا۟ وَلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبَىٰۖ

نہیں تکلیف دیتے ہم کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق ہی' اور جب کہو تم' تو انصاف سے کام لو' اگرچہ ہو وہ قریبی ہی

وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ؁ۙ وَاَنَّ هٰذَا

اور عہد اللہ کا پورا کرو تم یہ وصیت کی ہے (اللہ نے) تمہیں اس کی تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○ اور بلاشبہ یہ

صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ

میرا راستہ ہے سیدھا پس پیروی کرو تم اسی کی اور مت پیروی کرو تم (اور) راستوں کی پس الگ کر دیں گے وہ تمہیں اس (اللہ) کے راستے سے

ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ؁

یہ وصیت کی ہے (اللہ نے) تمہیں اس کی تاکہ تم ڈرو ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے ﴿قُلْ﴾ ''کہہ دیجیے'' ان لوگوں سے کہہ دیجیے جنہوں نے ان چیزوں کو حرام قرار دے ڈالا جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا ﴿تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ ''آؤ میں سنا دوں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے'' یعنی اللہ تعالیٰ نے عام طور پر کیا چیز حرام کی ہے۔ یہ تحریم سب کے لیے ہے اور ماکولات و مشروبات اور اقوال و افعال وغیرہ تمام محرمات پر مشتمل ہے۔ ﴿اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ﴾ ''یہ کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھوڑا یا زیادہ ہرگز شرک نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی حقیقت یہ ہے کہ مخلوق کی اسی طرح عبادت کی جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے، یا مخلوق کی تعظیم اسی طرح کی جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جاتی ہے، یا ربوبیت اور الوہیت کی صفات مخلوق میں ثابت کی جائیں۔ جب بندہ ہر قسم کا شرک چھوڑ دیتا ہے تو وہ اپنے تمام احوال میں موحد اور اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص بندہ بن جاتا ہے۔ پس بندوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حق کا تذکرہ کرنے کے بعد سب سے زیادہ موکد حق سے ابتدا کی اور فرمایا ﴿وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ ''اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا'' یعنی اقوال حسنہ اور افعال جمیلہ کے ذریعے سے اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ ہر وہ قول و فعل جس سے والدین کو کوئی منفعت حاصل ہو یا اس سے مسرت حاصل ہو تو یہ ان کے ساتھ حسن سلوک ہے اور حسن سلوک کا وجود نافرمانی کی نفی کرتا ہے۔ ﴿وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ﴾ ''اور نہ قتل کرو تم اپنی اولاد کو'' یعنی اپنے بچوں اور بچیوں کو ﴿مِّنْ اِمْلَاقٍ﴾ ''ناداری کے (اندیشے) سے'' یعنی فقر اور رزق کی تنگی کے سبب سے۔ جیسا کہ جاہلیت کے ظالمانہ دور میں ہوتا تھا۔ جب اس حال میں ان کو قتل کرنے سے روکا گیا ہے جب کہ وہ ان کی اپنی اولاد ہو، تو پھر ان کو بغیر کسی موجب کے قتل کرنا یا دوسروں کی اولاد کو قتل کرنا تو بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔

﴿نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ﴾ ''ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور ان کو'' یعنی ہم نے تمام مخلوق کے رزق کی ذمہ داری لی ہوئی ہے۔ یہ تم نہیں ہو جو اپنی اولاد کو رزق عطا کرتے ہو، بلکہ تم خود اپنے آپ کو بھی رزق عطا نہیں کر سکتے۔ پھر تم

ان کے بارے میں تنگی کیوں محسوس کرو۔ ﴿ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ ﴾ ''اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ'' یہاں فواحش سے مراد بڑے بڑے اور فحش گناہ ہیں ﴿ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ﴾ ''جو ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔'' یعنی کھلے گناہوں کے قریب جاؤ نہ چھپے ہوئے گناہوں کے۔ نہ کھلے گناہوں کے متعلقات کے قریب پھٹکو اور نہ قلب و باطن کے گناہوں کے متعلقات کے قریب جاؤ۔ فواحش کے قریب جانے کی ممانعت فواحش کے مجرد ارتکاب کی ممانعت سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ یہ فواحش کے مقدمات اور ان کے ذرائع اور وسائل سب کو شامل ہے۔

﴿ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ ﴾ ''اور نہ قتل کرو اس جان کو جس کو اللہ نے حرام کیا ہے'' اس سے مراد مسلمان جان ہے خواہ مرد ہو خواہ عورت' چھوٹا ہو یا بڑا' نیک ہو یا بد۔ اسی طرح اس کافر جان کو قتل کرنا بھی قتل ناحق ہے جو عہد و میثاق کی وجہ سے معصوم ہو ﴿ إِلَّا بِالْحَقِّ ﴾ ''مگر حق کے ساتھ'' مثلاً شادی شدہ زانی' قاتل' مرتد ہو کر مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والا۔

﴿ ذَٰلِكُمْ ﴾ ''یہ'' مذکورہ بالا تمام امور ﴿ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ ''اس کے ساتھ تم کو حکم کیا ہے تاکہ تم سمجھو'' یعنی شاید تم اللہ تعالیٰ کی وصیت کو سمجھو' پھر تم اس کی حفاظت کرو' اس کی رعایت کرو اور اس کو قائم کرو۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ بندہ اپنی عقل کے مطابق ان امور کو قائم کرتا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے۔

﴿ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ ﴾ ''اور نہ قریب جاؤ تم یتیم کے مال کے'' یعنی مال کھانے کے لیے' یا اپنے لیے معاوضہ بنانے یا بغیر کسی سبب کے مال لینے کے لیے۔ ﴿ إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ ﴾ ''مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو۔'' یعنی البتہ ایسے طریقے سے ان کے مال کے قریب جاؤ جس سے ان کے مال کی اصلاح ہو اور وہ اس مال سے فائدہ اٹھائیں۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ اس طریقے سے یتیموں کے مال کے قریب جانا اور اس میں تصرف کرنا جائز نہیں جس سے یتیموں کو نقصان پہنچتا ہو اور اس طریقے سے بھی ان کے مال کے قریب جانا جائز نہیں جس میں کوئی نقصان تو نہ ہو البتہ اس میں کوئی مصلحت بھی نہ ہو۔

﴿ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ﴾ ''حتیٰ کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔'' یعنی یہاں تک کہ یتیم بالغ اور سمجھ دار ہو جائے اور اسے مال میں تصرف کرنے کی معرفت حاصل ہو جائے اور جب وہ سمجھ دار اور بالغ ہو جائے تو اس وقت مال اس کے حوالے کیا جائے اور وہ خود اپنی صوابدید کے مطابق اس مال میں تصرف کرے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یتیم بالغ ہونے سے قبل اپنے مال میں تصرف نہیں کر سکتا۔ اس کے سرپرست کو مال میں احسن طریقے سے تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ مال کے تصرف پر یہ پابندی یتیم کے بالغ ہونے پر ختم ہو جائے گی۔

﴿ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ﴾ ''نہایت عدل و انصاف سے ناپ تول کو پورا کرو'' یعنی جب تم انصاف کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرنے کی ذمہ داری کو ادا کرنے میں جدوجہد کرو گے تو ﴿ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ﴾

''ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق۔'' یعنی ہم اس کی مقدرت کے مطابق اسے مکلف بناتے ہیں اور ایسی چیز کا مکلف نہیں بناتے جو اس کے بس سے باہر ہو پس جو کوئی ناپ تول کو پورا کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے اور اس میں ہرگز کوتاہی نہیں برتتا' اور لاعلمی میں کوئی تقصیر باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور نہایت رحم والا ہے۔

اس آیت کریمہ سے علمائے اصول یہ اصول اخذ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ پس اسے جو حکم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ممکن حد تک اس کی تعمیل کرتا ہے' تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

﴿ وَ اِذَا قُلْتُمْ ﴾ ''جب کوئی بات کہو۔'' یعنی جب تم کوئی بات کہو جو لوگوں کے درمیان کسی فیصلے' کسی خطاب کی تفصیل پر مبنی ہو یا تم احوال و مقالات پر کلام کر رہے ہو ﴿ فَاعْدِلُوْا ﴾ ''تو انصاف سے کہو۔'' یعنی صدق' انصاف اور عدم کتمان کو مدنظر رکھتے ہوئے ان لوگوں کے درمیان جن کو تم پسند کرتے ہو یا ناپسند کرتے ہو' عدل سے بات کرو کیونکہ جسے آپ ناپسند کرتے ہیں اس کے بارے میں یا اس کے مقالات کے بارے میں اس کے خلاف حد سے بڑھ کر بات کرنا ظلم ہے جو کہ حرام ہے' بلکہ اگر صاحب علم اہل بدعت کے مقالات و نظریات پر کلام کرتا ہے تو اس پر فرض ہے کہ وہ ہر حق دار کو اس کا حق عطا کرے اور ان مقالات میں جو کچھ حق اور باطل موجود ہے اس کو پوری طرح بیان کرے کہ ان مقالات میں کون سی چیز حق کے قریب اور کون سی چیز حق سے دور ہے۔ فقہاء نے یہاں تک ذکر کیا ہے کہ قاضی پر فرض ہے کہ وہ فریقین کے درمیان اپنے لہجے اور اپنی نظر میں بھی انصاف کرے۔

﴿ وَ بِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ﴾ ''اور اللہ کا عہد پورا کرو'' یہ آیت کریمہ اس عہد کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اپنے حقوق پورے کروانے کے بارے میں لیا ہے اور اس عہد کو بھی شامل ہے جو مخلوق کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ پس ان تمام معاہدوں کو پورا کرنا فرض اور ان کو توڑنا یا ان میں خلل اندازی کرنا حرام ہے ﴿ ذٰلِكُمْ ﴾ مذکورہ تمام احکام میں ﴿ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ ''تم کو حکم کر دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔'' یعنی وہ تمام احکام جو اس نے تمہارے لیے بیان کیے ہیں اور تم اللہ تعالیٰ کی اس وصیت کو پوری طرح قائم کرو جو اس نے تمہیں کی ہے اور تم ان تمام حکمتوں اور احکام کی معرفت حاصل کر لو جو ان کے اندر ہیں۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے بڑے بڑے احکام اور اہم شرائع کو واضح کر دیا' تو اب ان کی طرف اور ان سے زیادہ عمومیت کی حامل بات کی طرف اشارہ فرمایا: ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا ﴾ ''اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے۔'' یعنی یہ اور اس قسم کے دیگر احکام' جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر دیا ہے' اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ ہے جو معتدل' آسان اور نہایت مختصر ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے اکرام و تکریم کی منزل تک پہنچاتا

ہے ﴿ فَاتَّبِعُوْهُ ﴾ ''پس اس کی پیروی کرو'' تاکہ تم فوز و فلاح' تمناؤں اور فرحتوں کو حاصل کر سکو۔ ﴿ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ ﴾ ''اور راستوں پر نہ چلنا۔'' یعنی ان راستوں پر نہ چلو جو اللہ تعالیٰ کے راستے کی مخالفت کرتے ہیں ﴿ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ ''پس وہ تمہیں اس (اللہ) کے راستے سے جدا کر دیں گے۔'' یعنی یہ راستے تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے اور تمہیں دائیں بائیں دوسرے راستوں پر ڈال دیں گے اور جب تم صراط مستقیم سے بھٹک جاؤ گے تو تمہارے سامنے صرف وہ راستے رہ جائیں گے جو جہنم تک پہنچانے والے ہیں۔ ﴿ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾ ''یہ حکم کر دیا ہے تم کو تاکہ تم متقی بن جاؤ'' کیونکہ جب تم علم و عمل کے اعتبار سے ان احکام کی تعمیل کرو گے جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے بیان کیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ کے متقی اور فلاح یاب بندے بن جاؤ گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے صراط مستقیم کو واحد ذکر کر کے اپنی طرف مضاف کیا ہے کیونکہ صرف یہی ایک راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس راستے پر گامزن لوگوں کی مدد کرتا ہے۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

پھر دی ہم نے موسیٰ کو کتاب' واسطے پورا کرنے (نعمت کے) اس شخص پر جس نے نیکی کی' اور واسطے تفصیل بیان کرنے کے ہر چیز کی

وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ

اور (باعث) ہدایت اور (ذریعہ) رحمت' تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لے آئیں ○ اور یہ (قرآن) ایک عظیم کتاب ہے' اتارا ہم نے اسکو

مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ

مبارک ہے پس پیروی کرو تم اس کی اور ڈرو تاکہ تم رحم کئے جاؤ ○ تاکہ (نہ) کہو تم! بلاشبہ نازل کی گئی تھی کتاب

عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ

اوپر دو گروہوں کے پہلے ہم سے' اور بے شک تھے ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے غافل ○ یا کہو تم! اگر

اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

بلاشبہ نازل کی جاتی ہم پر کتاب تو البتہ ہوتے ہم زیادہ ہدایت یافتہ ان سے' پس تحقیق آگئی ہے تمہارے پاس واضح دلیل تمہارے رب کی طرف سے

وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ

اور ہدایت اور رحمت' پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے جھٹلایا اللہ کی آیات کو' اور اعراض کیا ان سے؟

سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ

عنقریب ہم سزا دیں گے ان لوگوں کو جو اعراض کرتے ہیں ہماری آیات سے' سخت عذاب کی'

بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

بوجہ اس کے جو تھے وہ اعراض کرتے ○

﴿ثُمَّ﴾ ''پھر'' اس مقام پر (ثُمَّ) سے مراد ترتیب زمانی نہیں ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ اس زمانے سے بہت متقدم ہے جب رسول اللہ ﷺ نے یہ تلاوت فرمائی تھی۔ یہاں دراصل ترتیب اخباری مراد ہے۔

﴿اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ﴾ ''موسیٰ کو کتاب عنایت کی'' پس اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اس نے حضرت موسیٰ کو کتاب عطا کی۔ اس سے مراد تورات ہے ﴿تَمَامًا﴾ اپنی نعمت اور احسان کو پورا اور مکمل کرنے کے لیے ﴿عَلَی الَّذِیْٓ اَحْسَنَ﴾ ''ان پر جو نیکوکار ہیں۔'' یعنی جناب موسیٰ کی امت میں سے ان لوگوں پر اپنی نعمت کو پورا کرنے کے لیے جنہوں نے نیک کام کئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے نیکوکاروں کو اتنی نعمتوں سے نوازا ہے جن کو شمار نہیں کیا جا سکتا۔ من جملہ ان کامل نعمتوں کے ان پر تورات کا نازل کرنا ہے پس ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمت مکمل ہو گئی اور ان پر ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا واجب ٹھہرا۔ ﴿وَتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ﴾ ''اور ہر چیز کی تفصیل کے لیے'' یعنی ہر اس چیز کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ جس کے وہ محتاج ہیں' اس کا تعلق حلال و حرام سے ہو' اوامر و نواہی سے ہو یا عقائد وغیرہ سے۔ ﴿وَّهُدًی﴾ ''اور ہدایت۔'' یعنی وہ بھلائی کی طرف ان کی راہنمائی کرتی ہے اور اصول وفروع میں ان کو برائی کی پہچان کرواتی ہے ﴿وَّرَحْمَةً﴾ ''اور رحمت'' یعنی اس رحمت کے ذریعے سے انہیں سعادت اور خیر کثیر سے نوازا جاتا ہے ﴿لَّعَلَّهُمْ﴾ ''تاکہ وہ لوگ'' یعنی ہمارے ان پر کتاب اور واضح دلائل نازل کرنے کے سبب سے ﴿بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ﴾ ''اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں'' کیونکہ یہ کتاب قیامت اور جزائے اعمال کے قطعی دلائل اور ایسے امور پر مشتمل ہے جو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر ایمان اور اس کے لیے تیاری کے موجب ہیں۔

﴿وَهٰذَا﴾ ''اور یہ'' یعنی یہ قرآن عظیم اور ذکر حکیم ﴿کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَکٌ﴾ ''کتاب ہم نے اتاری ہے برکت والی۔'' یعنی اس کتاب کے اندر خیر کثیر اور بے انتہا علم ہے جس سے تمام علوم مدد لیتے ہیں اور اس سے برکات حاصل کی جاتی ہیں۔ کوئی ایسی بھلائی نہیں جس کی طرف اس کتاب عظیم نے دعوت اور ترغیب نہ دی ہو اور اس بھلائی کی حکمتیں اور مصلحتیں بیان نہ کی ہوں جو اس پر آمادہ کرتی ہیں اور کوئی ایسی برائی نہیں جس سے اس کتاب نے روکا اور ڈرایا نہ ہو اور ان اسباب اور عواقب کا ذکر نہ کیا ہو جو اس برائی کے ارتکاب سے باز رکھتے ہوں۔ ﴿فَاتَّبِعُوْهُ﴾ ''پس اس کی پیروی کرو'' یعنی اس کے امر و نہی میں اس کی اتباع کرو اور اس پر اپنے اصول وفروع کی بنیاد رکھو ﴿وَاتَّقُوْا﴾ ''اور ڈرو'' یعنی کسی بھی امر میں اللہ کی مخالفت کرنے سے ڈرو ﴿لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ﴾ ''تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔'' یعنی اگر تم اس کی اتباع کرو گے تو شاید تم پر رحم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا سب سے بڑا سبب علم و عمل کے اعتبار سے اس کتاب کی پیروی ہے۔

﴿اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْکِتٰبُ عَلٰی طَآئِفَتَیْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾ ''اس واسطے کہ کہیں تم کہنے لگو' کہ کتاب جو اتری

تھی‘ سوان ہی دو فرقوں پر جو ہم سے پہلے تھے“ یعنی قطع حجت کے لیے ہم نے تم پر یہ مبارک کتاب نازل کی ہے اور تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے تو دو گروہوں پر کتاب نازل کردی گئی۔ یعنی یہود و نصاریٰ پر ﴿ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴾ ”اور ہم کو تو ان کے پڑھنے پڑھانے کی خبر ہی نہ تھی“۔ یعنی تم کہو کہ ہم پر کوئی کتاب نہیں اتاری گئی اور یہود و نصاریٰ پر جو کتابیں نازل کی گئیں ان کے بارے میں ہمیں کوئی علم ہے نہ معرفت۔ اس لیے ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل کی جس سے بڑھ کر جامع‘ واضح اور روشن کوئی اور کتاب آسمان سے نازل نہیں کی گئی۔ ﴿ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ ﴾ ”یا تم کہو کہ اگر اترتی ہم پر کتاب تو ہم ان سے بہتر راہ پر چلنے والے ہوتے“ یعنی یا تو تم یہ عذر پیش کرو گے کہ تمہارے پاس اصل ہدایت ہی نہیں پہنچی یا تمہارا عذر یہ ہوگا کہ یہ ہدایت کامل نہ تھی۔ پس تمہیں اپنی کتاب کیساتھ اصل اور کامل ہدایت حاصل ہوگئی۔ بنا بریں فرمایا: ﴿ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ”پس تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آگئی“۔ یہ اسم جنس ہے اور اس میں ہر وہ چیز داخل ہے جو حق کو بیان کرے ﴿ وَهُدًى ﴾ ”اور ہدایت“ گمراہی کے اندھیروں میں راہ ہدایت ہے ﴿ وَّرَحْمَةٌ ﴾ ”اور رحمت“ یعنی دین و دنیا میں تمہارے لیے سعادت ہے۔

پس یہ چیز تم پر واجب کرتی ہے کہ تم اس کے احکام کی تعمیل کرو اور اس کی خبروں پر ایمان لاؤ اور جس کسی نے اس کی پروا نہ کی اور اس کو جھٹلایا‘ وہ سب سے بڑا ظالم ہے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ﴾ ”اب اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور ان سے کترائے؟“ یعنی اس نے روگردانی کی اور پہلو بچا کر نکل گیا ﴿ سَنَجْزِي الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ ﴾ ”ہم سزا دیں گے ان کو جو ہماری آیتوں سے کتراتے ہیں‘ برے عذاب کی“ یعنی وہ ایسا عذاب ہوگا کہ وہ اس میں مبتلا شخص کو سخت تکلیف دے گا‘ اس پر بہت شاق گزرے گا ﴿ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴾ ”اس کترانے کے بدلے میں“ وہ خود اپنے آپ کو اور دوسروں کو ہماری آیتوں سے پھیرتے تھے‘ یہ انکے اعمال بد کا بدلہ ہے ﴿ وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴾ (حم السجدہ: ٤١/٤٦) ”اور آپ کا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا“۔

یہ آیات کریمہ دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کا علم‘ جلیل ترین‘ انتہائی بابرکت اور تمام علوم سے زیادہ وسیع علم ہے۔ اسی کے ذریعے سے صراط مستقیم کی طرف کامل راہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے انسان اولین و آخرین میں سے متکلمین کے قیاسات اور اندازوں اور فلسفیوں کے افکار و نظریات کا محتاج نہیں رہتا۔

عام طور پر معروف ہے کہ کتاب یہود و نصاریٰ کے سوا کسی پر نہیں اتری اور علی الاطلاق وہی اہل کتاب ہیں۔ دیگر تمام گروہ‘ مجوس وغیرہ اہل کتاب کے زمرے میں نہیں آتے۔ ان آیات مبارکہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نزول قرآن سے قبل جاہلی عرب‘ ان اہل کتاب کے علم سے بے بہرہ تھے جن کے پاس علم تھا اور ان کی کتب کے

پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ

نہیں انتظار کرتے وہ مگر اس بات کا کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا آئے آپ کا رب' یا آئیں بعض نشانیاں آپ کے رب کی

يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ

جس دن آجائیں گی بعض نشانیاں آپکے رب کی تو نہ نفع دے گا کسی نفس کو ایمان (لانا) اس کا' کہ جو نہیں تھا ایمان لایا اس سے پہلے

اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿١٥٨﴾

یا (نہیں) کمائی اس نے اپنے ایمان میں کوئی بھلائی' کہہ دیجیے! انتظار کرو تم! یقیناً ہم بھی منتظر ہیں ○

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا یہ لوگ جو اپنے ظلم وعناد پر جمے ہوئے ہیں' اس بات کا انتظار کر رہے ہیں ﴿ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ﴾ ''کہ ان کے پاس فرشتے آئیں۔'' یعنی آخرت اور عذاب کے مقدمات کی صورت میں ان کے سامنے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لیے آحاضر ہوں۔ کیونکہ جب وہ اس حالت کو پہنچ جائیں گے تو اس وقت ایمان اور اعمال صالحہ ان کو کوئی فائدہ نہ دیں گے۔ ﴿ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ ﴾ ''یا خود تمہارا رب آئے۔'' یعنی تمہارا رب بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے' نیکوکاروں اور بدکاروں کو ان کے اعمال کی جزا وسزا دینے کے لیے آجائے ﴿ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ﴾ ''یا تمہارے رب کی کچھ نشانیاں آجائیں'' جو قرب قیامت پر دلالت کرتی ہوں ﴿ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ﴾ ''جس دن تمہارے رب کی کچھ نشانیاں آجائیں گی'' یعنی خارق عادت معجزات جن سے یہ معلوم ہو کہ قیامت کی گھڑی قریب آن لگی ہے اور بہت قریب پہنچ گئی ہے ﴿ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ﴾ ''تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہو گا اس وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے۔'' یعنی جب اللہ تعالیٰ کی بعض نشانیاں آموجود ہوں گی' تو اس کے بعد کافر کا ایمان اسے کوئی فائدہ دے گا نہ کوتاہی کے شکار مومن کے اعمال میں اضافہ اس کے کسی کام آئے گا بلکہ صرف وہی ایمان کی پونجی اس کے کام آئے گی جو تھوڑی بہت اس کے دامن میں ہو گی اور صرف وہی نیک اعمال اس کو فائدہ دیں گے جو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں آجانے سے قبل اس نے کیے ہوں گے۔ اس میں ظاہری حکمت یہ ہے کہ ایمان صرف وہی فائدہ دیتا ہے جو بالغیب ہو اور بندہ اپنے اختیار اور ارادے سے ایمان لایا ہو۔ لیکن جب اللہ کی نشانیاں آجائیں اور معاملہ غیب سے شہادت میں منتقل ہو جائے' تو ایمان لانے میں کوئی فائدہ نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ جبری ایمان کے مشابہ ہے مثلاً ڈوبتے ہوئے یا جلتے ہوئے شخص وغیرہ کا ایمان لانا' یعنی وہ شخص جب موت کا چہرہ دیکھ لیتا ہے' تو اپنی بداعمالیوں کو ختم کر دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا

﴿بِهٖ مُشْرِكِيْنَ ○ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ فِيْ عِبَادِهٖ﴾ (المؤمن: ٤٠/٨٤، ٨٥) ''پس جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو پکار اٹھے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور ہم نے ان کا انکار کیا جن کو ہم اللہ کا شریک بنایا کرتے تھے۔ مگر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو ان کے ایمان نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔ یہ سنت الٰہی ہے جو اس کے بندوں کے بارے میں چلی آ رہی ہے۔''

بہت سی صحیح احادیث میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ یہاں ''اللہ تعالیٰ کی بعض نشانیوں'' سے مراد ہے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا' لوگ جب سورج کو مغرب سے طلوع ہوتا دیکھیں گے تو جھٹ ایمان لے آئیں گے مگر ان کا ایمان ان کو کوئی فائدہ نہ دے گا اور اس وقت توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ ①

چونکہ یہ آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کے جھٹلانے والوں کے لیے وعید ہے۔ آپ ﷺ ان نشانیوں کے ظہور کے منتظر ہیں اور کفار بھی منتظر ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴾ ''کہہ دیجیے' تم انتظار کرو' ہم بھی انتظار کر رہے ہیں'' پس عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون امن کا مستحق ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے افعال اختیاری کا اثبات ہے مثلاً استواء علی العرش' آسمان دنیا پر نازل ہونا' اور اس کا آنا' مخلوق کی صفات کے ساتھ کسی تشبیہ کے بغیر۔ اور اس اعتبار سے یہ اہل سنت والجماعت کے مذہب کی دلیل ہے اور اس موضوع پر کتاب وسنت میں بہت سا مواد موجود ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کی جملہ نشانیوں میں سے ایک نشانی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ حکمت والا ہے کائنات میں اس کی یہ سنت و عادت جاری و ساری ہے کہ ایمان صرف اسی وقت فائدہ دیتا ہے جبکہ وہ اختیاری ہو اضطراری نہ ہو۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔ نیز یہ کہ انسان کا اکتساب خیر ایمان ہی کے ساتھ فائدہ مند ہے نیکی' تقویٰ وغیرہ اسی وقت فائدہ دیتے ہیں اور نشوونما پاتے ہیں جب بندے کے دامن میں سرمایہ ایمان بھی ہو۔ جب قلب ایمان سے خالی ہو تو بندے کو کوئی چیز فائدہ نہیں دیتی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ؕ اِنَّمَآ
بے شک وہ لوگ جنہوں نے تفرقہ بازی کی اپنے دین میں اور ہو گئے وہ گروہ گروہ' نہیں ہیں آپ ان سے کسی چیز میں' یقیناً
اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿١٥٩﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ
ان کا معاملہ اللہ کی طرف ہے' پھر وہ خبر دے گا انہیں اس چیز کی جو تھے وہ کرتے ○ جو شخص لائے گا ایک نیکی
فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى
تو اس کے لیے دس گنا (ثواب) ہے اس کا' اور جو شخص لائے گا ایک برائی تو نہیں سزا دیا جائے گا وہ

① صحیح بخاری' کتاب الرقاق' باب' حدیث: ٦٥٠٦

إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦٠﴾

مگر مثل اسی کے اور وہ نہیں ظلم کیے جائیں گے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ ان لوگوں کو وعید سناتا ہے جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے فرقوں میں بٹ گئے اور ہر ایک نے اپنا ایک نام رکھ لیا جو انسان کے لیے اس کے دین میں کوئی کام نہیں آتا۔ جیسے یہودیت' نصرانیت اور مجوسیت وغیرہ۔ یا اس سے انسان کے ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی' جیسے وہ شریعت میں سے کسی ایک چیز کو اخذ کر کے اس کو دین بنالے اور اس جیسی یا اس سے کسی افضل چیز کو چھوڑ دے جیسا کہ اہل بدعت اور ان گمراہ فرقوں کا حال ہے جنہوں نے امت سے الگ راستہ اختیار کر لیا ہے۔

آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ دین اجتماعیت اور اکٹھے رہنے کا حکم دیتا ہے اور تفرقہ بازی اور اہل دین میں اور تمام اصولی و فروعی مسائل میں اختلاف پیدا کرنے سے روکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا آپ ان لوگوں سے براءت کا اظہار کریں جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا۔ ﴿لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾ ''ان سے آپ کو کچھ کام نہیں۔'' یعنی آپ ﷺ ان میں سے ہیں نہ وہ آپ میں سے۔ کیونکہ انہوں نے آپ کی مخالفت کی اور آپ سے عناد رکھا۔ ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ﴾ ''ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔'' یعنی ان کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا' وہ ان کو ان کے اعمال کی جزا دے گا ﴿ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ ''پھر وہ (اللہ) ان کو ان کے افعال سے آگاہ کرے گا۔'' پھر اللہ تعالیٰ نے جزا کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ﴾ ''جو کوئی نیکی لے کر آئے گا۔'' یعنی جو کوئی حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق قولی' فعلی' ظاہری اور باطنی نیکی لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوتا ہے ﴿فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا﴾ ''تو اس کے لیے اس کا دس گنا ہے'' نیکیوں کو کئی گنا کرنے کے ضمن میں یہ کم ترین جزا ہے ﴿وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَى إِلَّا مِثْلَهَا﴾ ''اور جو کوئی لاتا ہے ایک برائی سو سزا پائے گا اسی کے برابر'' یہ اللہ تعالیٰ کا کامل عدل و احسان ہے۔ اور وہ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ بنابریں فرمایا ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ ''ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔''

قُلْ إِنَّنِي هَدَانِي رَبِّي إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ دِينًا قِيَمًا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ

کہہ دیجیے! بلاشبہ میں' ہدایت دی مجھے میرے رب نے طرف صراط مستقیم کی (یعنی) دین صحیح کی' جو طریقہ ہے ابراہیم کا

حَنِيفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٦١﴾ قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ

اس حال میں کہ وہ رب کا پرستار تھا' اور نہیں تھا وہ مشرکوں میں سے ○ کہہ دیجیے! یقیناً میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی

وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ

اور میری موت (سب) اللہ رب العالمین کیلئے ہے○ نہیں کوئی شریک اسکا' اور اسی کا حکم دیا گیا ہوں میں' اور میں سب سے پہلا

الْمُسْلِمِيْنَ ﴿١٦٣﴾ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ

مسلمان ہوں ○ کہہ دیجیے! کیا سوائے اللہ کے تلاش کروں میں رب؟ جب کہ وہی ہے رب ہر چیز کا' اور نہیں کماتی

كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ

کوئی جان (گناہ) مگر اسی پر ہے (وبال) اور نہیں اٹھائے گی کوئی (جان) بوجھ اٹھانے والی بوجھ دوسری (جان) کا پھر طرف تمہارے رب کی واپسی ہے تمہاری

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٦٤﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ

پس وہ خبر دے گا تمہیں ساتھ اس چیز کے کہ تھے تم اس میں اختلاف کرتے ○ اور وہی ہے جس نے بنایا تمہیں جانشین زمین میں

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ۭ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ

اور بلند کیا تمہارے ایک کو دوسرے پر درجات میں تا کہ آزمائے وہ تمہیں ان (نعمتوں) میں جو اس نے تمہیں دیں بیشک آپ کا رب جلد

الْعِقَابِ ۡ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٥﴾ ع

سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ وہ البتہ بہت بخشنے والا مہربان ہے ○

نصف

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ وہ جس راہ ہدایت اور صراط مستقیم پر گامزن ہیں اس کے بارے میں اعلان کر دیں یعنی معتدل دین کا جو عقائد نافعہ' اعمال صالحہ' ہر اچھی بات کے حکم اور ہر بری بات سے ممانعت کو متضمن ہے۔ یہ وہ دین ہے جس پر تمام انبیا و مرسلین عمل پیرا رہے' جو خاص طور پر امام الحنفاء' بعد میں مبعوث ہونے والے تمام انبیا و مرسلین کے باپ اور اللہ رحمٰن کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا۔ یہی وہ دین حنیف ہے جو تمام اہل انحراف مثلاً یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے ادیان باطلہ سے روگردانی کو متضمن ہے۔

یہ عمومی ذکر ہے پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے افضل ترین عبادت کا خاص طور پر ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میری قربانی'' ۔ان دو عبادات کا ذکر ان کے فضل و شرف اور اس بنا پر کیا ہے کہ یہ دونوں عبادات اللہ تعالیٰ سے محبت' دین کو اس کے لیے خالص کرنے' قلب و لسان' جوارح اور قربانی کے ذریعے سے اس کے تقرب کے حصول پر دلالت کرتی ہیں' اور قربانی سے مراد ہے کہ مال وغیرہ کو جو نفس کو محبوب ہے' اس ہستی کے لیے خرچ کرنا جو اس کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ۔ جس نے اپنی نماز اور قربانی کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا تو یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ اس نے اپنے تمام اعمال و اقوال کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا۔

﴿وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ﴾ ''اور میرا جینا اور میرا مرنا۔'' یعنی میں جو کچھ اپنی زندگی میں کرتا ہوں' اللہ تعالیٰ جو کچھ میرے ساتھ کرتا ہے اور زمانہ موت میں اللہ تعالیٰ میرے لیے جو کچھ مقدر کرے گا ﴿لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ لَا شَرِيْكَ لَهٗ﴾ ''سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ عبادت میں اس کا کوئی شریک ہے نہ اقتدار اور تدبیر میں''، اللہ تبارک وتعالیٰ کے

لیے یہ اخلاص کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں جو میں نے خود گھڑ لی ہو بلکہ ﴿ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ ﴾ ''اور مجھے اسی (اخلاص) کا حکم دیا گیا ہے۔'' یعنی حتمی حکم۔ اور اس حکم کی تعمیل کیے بغیر میں اس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا ﴿ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴾ ''اور میں سب سے اول فرماں بردار ہوں'' یعنی اس امت میں' پہلا مسلمان ہوں۔ ﴿ قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ ﴾ ''کہہ دیجئے' کیا اب میں اللہ کے سوا'' یعنی مخلوق میں سے ﴿ اَبْغِيْ رَبًّا ﴾ ''تلاش کروں کوئی رب؟'' کیا یہ میرے لیے اچھا اور میرے لائق ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا رب اور مدبر بنا لوں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا رب ہے اور تمام مخلوق اس کی ربوبیت کے تحت داخل اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہے۔ پس مجھ پر اور دیگر لوگوں پر یہ بات واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کریں اور اس پر راضی رہیں۔ محتاج' عاجز اور مربوب مخلوق میں سے کسی کو رب نہ بنائیں۔

پھر اللہ تعالیٰ جزا و سزا کی ترغیب و ترہیب کے لیے فرماتا ہے ﴿ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ﴾ ''اور جو کوئی جو کماتا ہے'' یعنی ہر شخص خیر و شر کا جو ارتکاب کرتا ہے ﴿ اِلَّا عَلَيْهَا ﴾ ''اس کی جزا و سزا صرف اسی کے لیے ہے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَيْهَا ﴾ (حم السجدہ: ٤١/٤٦) ''جو کوئی نیک کام کرتا ہے اس کی جزا اسی کے لیے ہے اور جو برا کام کرتا ہے اس کا وبال اسی پر ہے''۔

﴿ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ﴾ ''کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا'' بلکہ ہر شخص اپنا بوجھ خود اٹھائے گا۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی گمراہی اور اس کے گناہ کا سبب بنا تو اسے سبب بننے کے گناہ کا بوجھ اٹھانا ہو گا اور گناہ کا ارتکاب کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہو گی۔ ﴿ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ ﴾ ''پھر تمہارے رب کے پاس ہی سب کو لوٹ کر جانا ہے'' یعنی قیامت کے روز ﴿ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴾ ''تو جن جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے وہ تم کو بتائے گا'' یعنی خیر و شر میں جو تم اختلاف کرتے ہو' اس کے بارے میں تمہیں آگاہ کرے گا اور تمہیں اس کی پوری پوری جزا دے گا۔

﴿ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ ﴾ ''اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا'' یعنی تم ایک دوسرے کے جانشین بنتے ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا اور زمین کی تمام موجودات کو تمہارے لیے مسخر کر کے تمہیں آزمایا تاکہ وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ ﴿ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ ﴾ ''اور بلند کیا اس نے تمہیں درجوں میں ایک کو ایک پر'' یعنی قوت' عافیت' رزق خلقت اور خلق میں ایک دوسرے پر فوقیت عطا کی ﴿ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ﴾ ''تاکہ تمہیں آزمائے وہ ان چیزوں میں جو اس نے تمہیں دیں۔'' پس تمہارے اعمال ایک دوسرے سے متفاوت ہیں ﴿ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ﴾ ''تمہارا رب ان لوگوں کو بہت جلد سزا دینے والا ہے'' ان کو جو اس کی نافرمانی اور اس کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں ﴿ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''اور بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' ان لوگوں کیلئے جو اس پر ایمان لاتے ہیں' نیک عمل کرتے ہیں اور مہلک گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔

تفسیر سورۃ الاعراف

سورۃ الاعراف (۷) مکیۃ (۳۹) — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — ایاتها ۲۰۶ رکوعاتها ۲۴

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

الٓمّٓصٓ ① كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى

الٓمّٓصٓ○ (یہ) کتاب، اتاری گئی ہے آپ کی طرف، پس نہ ہو آپکے سینے میں تنگی اس سے، تاکہ ڈرائیں آپ اسکے ذریعے اور نصیحت ہے

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ② اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ

مومنوں کیلیے○ تم پیروی کرو اس چیز کی جو اتاری گئی ہے تمہاری طرف، تمہارے رب کی طرف سے اور نہ پیروی کرو تم اسکے سوا (اور) دوستوں کی

قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ③ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ

بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو تم○ اور بہت سی بستیاں ہیں کہ ہلاک کر دیا ہم نے انکو، پس آیا انکے پاس ہمارا عذاب رات کو یا جب کہ وہ

قَآئِلُوْنَ ④ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا

دوپہر کو آرام کر رہے تھے○ پھر نہ تھی ان کی پکار جب آ گیا ان کے پاس ہمارا عذاب، مگر یہ کہ کہا انہوں نے! بلاشبہ ہم ہی تھے

ظٰلِمِيْنَ ⑤ فَلَنَسْــَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْــَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ⑥

ظالم○ پس ہم پوچھیں گے ان لوگوں سے کہ بھیجے گئے ان کی طرف (رسول) اور ضرور پوچھیں گے ہم بھیجے گئے (رسولوں) سے○

فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ⑦

پھر ہم بیان کریں گے (سب کچھ) ان پر ساتھ علم کے، اور نہ تھے ہم غائب○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول محمد مصطفی ﷺ سے قرآن کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ ﴾ ”یہ کتاب اتاری گئی ہے آپ پر“ یعنی یہ نہایت جلیل القدر کتاب جو ان امور پر مشتمل ہے جن کے بندے محتاج ہیں اور اس میں تمام مطالب الٰہیہ اور مقاصد شرعیہ محکم اور مفصل طور پر موجود ہیں ﴿ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ ﴾ ”پس آپ کا سینہ اس (کے پہنچانے) سے تنگ نہ ہو“ یعنی آپ کے دل میں کوئی تنگی اور شک و شبہ نہ ہو۔ تاکہ آپ جان لیں کہ یہ حکمت والی اور قابل تعریف ہستی کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے اور سب سے سچا کلام ہے۔ ﴿ لَّا يَاْتِيْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ ﴾ (حم السجدہ: ۴۱/۴۲) ”باطل اس کے آگے سے آ سکتا ہے نہ پیچھے سے“۔ اس لیے آپ کے سینے کو کشادہ اور آپ کے دل کو مطمئن ہونا چاہیے۔ پس آپ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو کھول کر بیان کیجیے اور کسی کی ملامت اور مخالفت سے نہ ڈریے۔ ﴿ لِتُنْذِرَ بِهٖ ﴾ ”تاکہ آپ اس کے ذریعے سے (لوگوں کو) ڈرائیں۔“ اس کتاب کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو

ڈرایئے اور ان کو وعظ و نصیحت کیجیے۔ پس اس طرح معاندین حق پر حجت قائم ہو جائے گی۔ ﴿ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور اہل ایمان کے لیے یاد دہانی ہوگی۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (الذاریات: ۵۵/۵۱) ''نصیحت کیجیے کیونکہ نصیحت مومنوں کو فائدہ دیتی ہے۔'' اہل ایمان کو اس کے ذریعے سے صراط مستقیم، ظاہری اور باطنی اعمال کی یاددہانی ہوگی اور ان امور کے بارے میں بھی یاددہانی ہوگی جو بندے اور اس کے سلوک کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندوں کو اپنی کتاب کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ ﴾ ''پیروی کرو اس چیز کی جو اتاری گئی تمہاری طرف'' یعنی اس کتاب کی جو میں تمہاری خاطر نازل کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں ﴿ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ ''تمہارے رب کی طرف سے'' جو تمہاری تربیت کی تکمیل چاہتا ہے اس مقصد کے لیے اس نے تم پر یہ کتاب نازل کی' اگر تم اس کتاب کی پیروی کرو گے تو تمہاری تربیت مکمل ہو جائے گی' تم پر اللہ تعالیٰ کی نعمت پوری ہو جائے گی اور تمہیں بہترین اور بلند ترین اعمال کی طرف راہنمائی نصیب ہوگی۔

﴿ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ﴾ ''اور اس کے سوا اور رفیقوں کی پیروی نہ کرو۔'' یعنی تم اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو دوست نہ بناؤ' جن کی خواہشات کی تم پیروی کرو اور ان کی خاطر تم حق کو چھوڑ دو ﴿ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴾ ''تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو'' اگر تم نصیحت حاصل کر لیتے اور مصلحت کو پہچان لیتے تو تم ضرر رساں چیز کو نفع بخش چیز پر اور دشمن کو دوست پر کبھی ترجیح نہ دیتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان سزاؤں سے ڈرایا ہے جو اس نے ان قوموں کو دیں جنہوں نے اپنے رسولوں اور ان کی دعوت کو جھٹلایا۔ پس وہ ان کی مشابہت اختیار نہ کریں۔

﴿ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا ﴾ ''اور کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں' پس آیا ان کے پاس ہمارا عذاب'' یعنی ہمارا سخت عذاب ان پر نازل ہوا ﴿ بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴾ ''راتوں رات یا دوپہر کو سوتے ہوئے'' یعنی ہمارا عذاب ان کی غفلت کی حالت میں نازل ہوا۔ جبکہ وہ خواب غفلت کے مزے لے رہے تھے اور ہلاکت کا ان کے دل میں کبھی خیال بھی نہ آیا ہوگا۔ جب ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تو وہ اپنے آپ کو عذاب سے نہ بچا سکے اور ان کے وہ معبود بھی ان کے کوئی کام نہ آ سکے جن سے انہیں بڑی امیدیں تھیں اور وہ جن گناہوں اور ظلم کا ارتکاب کیا کرتے تھے' انہوں نے ان پر نکیر بھی نہیں کی۔

﴿ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴾ ''جب ان کو ہمارے عذاب نے آ لیا تو ان کی پکار اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ بے شک ہم ظالم تھے'' ۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ○ فَلَمَّاۤ اَحَسُّوْا بَاْسَنَاۤ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ○ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْۤا اِلٰى مَاۤ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ ○ قَالُوْا يٰوَيْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ○

﴿ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴾ (الانبیاء: ۲۱/۱۱-۱۵) ''کتنی ہی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر ڈالا جو ظالم تھیں اور ان کے بعد دوسرے لوگوں کو پیدا کیا۔ پس جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھا تو لگے اس سے بھاگنے۔ اب نہ بھاگو۔ ان نعمتوں کی طرف لوٹو جن کے تم مزے لوٹا کرتے تھے اور اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ۔ شاید تم سے پوچھا جائے' کہنے لگے ہائے ہماری ہلاکت! بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ وہ اس طرح پکارتے رہے اور ہم نے انہیں کھیتی کی طرح کاٹ کر ڈھیر کر دیا''۔

﴿ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ ﴾ ''ہم ان قوموں سے ضرور پوچھیں گے جن کی طرف ہم نے انبیا و مرسلین کو مبعوث کیا تھا'' کہ انہوں نے اپنے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا۔ ﴿ وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ (القصص: ۲۸/ ۶۵) ''اور جس روز وہ (اللہ) انہیں پکار کر کہے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟'' ﴿ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ ''اور ہم رسولوں سے بھی پوچھیں گے۔'' یعنی ہم رسولوں سے ان کے رب کے پیغام کو پہنچانے کے بارے میں ضرور پوچھیں گے اور یہ بھی ضرور پوچھیں گے کہ ان کی امتوں نے کیا جواب دیا۔ ﴿ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ ﴾ ''پھر ہم ان کے حالات بیان کریں گے۔'' یعنی ہم تمام مخلوق کو بتائیں گے کہ وہ کیا عمل کرتے رہے تھے ﴿ بِعِلْمٍ ﴾ ''اپنے علم سے'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ان کو ان کے اعمال کے بارے میں بتائے گا ﴿ وَمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴾ ''ہم کسی بھی وقت غیر موجود نہ تھے۔'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَحْصٰىهُ اللّٰهُ وَنَسُوْهُ ﴾ (المجادلہ ۵۸/ ۶) ''اللہ نے ان کے تمام اعمال کو محفوظ رکھا ہے اور وہ بھول گئے ہیں''۔ اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴾ (المؤمنون: ۲۳/ ۱۷) ''ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان پیدا کئے اور ہم خلقت سے غافل نہیں ہیں''۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸ وَمَنْ

اور (اعمال کا) وزن اس دن حق ہے پھر جو شخص کہ بھاری ہوگئی میزان اس (کے نیک اعمال) کی تو وہی لوگ ہیں کامیاب ○ اور جو شخص کہ

خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝۹

ہلکی ہوگئی میزان اس کی تو یہی لوگ ہیں جنہوں نے خسارے میں ڈالا اپنی جانوں کو بوجہ اسکے کہ تھے وہ ہماری آیتوں کیساتھ بے انصافی کرتے ○

پھر اعمال کی جزا بیان فرمائی۔ یعنی قیامت کے روز اعمال کا وزن عدل و انصاف کے ساتھ کیا جائے گا۔ کسی بھی لحاظ سے کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا ﴿ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴾ ''تو جن لوگوں کے وزن بھاری ہوں گے۔'' یعنی جن کی نیکیوں کا پلڑا برائیوں کے پلڑے سے بھاری ہوگا ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ ''تو وہی نجات پانے والے ہوں گے۔'' یہی لوگ ہیں جو ناپسندیدہ امور سے نجات حاصل کریں گے اور اپنے محبوب امور کو پالیں گے جن کو بہت بڑا نفع اور دائمی سعادت حاصل ہوگی۔ ﴿ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ﴾ ''اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے۔'' یعنی جن کی برائیوں کا پلڑا بھاری ہوا' ان کا معاملہ اس کے مطابق ہوگا ﴿ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ﴾ ''پس یہی وہ لوگ

ہیں جنہوں نے اپنا نقصان کیا'' کیونکہ وہ ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے محروم ہو کر دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے ﴿ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴾ ''اس واسطے کہ ہماری آیتوں کے بارے میں بے انصافی کرتے تھے'' یعنی ان آیات کریمہ کی اطاعت جس طرح کرنا ان پر واجب تھی انہوں نے نہیں کی۔

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع

اور البتہ تحقیق قدرت دی ہم نے تمہیں زمین میں اور بنا دیے ہم نے تمہارے لیے اس میں اسباب گزران، بہت ہی کم تم شکر کرتے ہو ○

اللہ تبارک و تعالیٰ معاش و مسکن کا ذکر کرتے ہوئے اپنے بندوں پر احسان جتلاتا ہے ﴿ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ ﴾ ''اور ہم نے تمہیں زمین میں ٹھکانا مہیا کیا'' جس سے تم زمین میں گھر بناتے ہو، کھیتی باڑی کرتے ہو اور بعض دیگر وجوہ سے اس سے استفادہ کرتے ہو ﴿ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ﴾ ''اور مقرر کر دیں ہم نے اس میں تمہارے لیے روزیاں'' تمام معاش کا دارومدار ان چیزوں پر ہے جو درختوں، نباتات، معدنیات، مختلف قسم کی صنعتوں اور تجارت سے ہوتی ہیں۔ وہی ہے جس نے تمہیں یہ تمام چیزیں مہیا کیں اور مختلف اسباب کو تمہارے لیے مسخر کیا ﴿ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴾ ''(مگر) تم کم ہی شکر کرتے ہو'' یعنی تم اللہ تعالیٰ کا بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو، جس نے انواع واقسام کی نعمتوں سے تمہیں نوازا اور مختلف مصائب کو تم سے دور کیا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا

اور البتہ تحقیق پیدا کیا ہم نے تمہیں، پھر صورتیں بنائیں ہم نے تمہاری، پھر کہا ہم نے فرشتوں سے سجدہ کرو تم آدم کو پس سجدہ کیا انہوں نے

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ

سوائے ابلیس کے، نہ ہوا وہ سجدہ کرنے والوں میں سے ○ کہا (اللہ نے)! کس چیز نے منع کیا تجھے اس سے کہ تو سجدہ کرے، جب کہ

اَمَرْتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ

میں نے حکم دیا تھا تجھ کو؟ اس نے کہا، میں بہتر ہوں اس سے، پیدا کیا تو نے مجھے آگ سے اور پیدا کیا تو نے اس کو مٹی سے ○ فرمایا

فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

پس اتر تو اس (آسمان) سے، پس نہیں لائق تھا واسطے تیرے یہ کہ تکبر کرے تو اس میں، سو نکل جا تو، بلاشبہ تو ذلیلوں میں سے ہے ○

قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾

اس نے کہا! مہلت دے تو مجھے اس دن تک کہ وہ اٹھائے جائیں گے ○ کہا اللہ نے! تو مہلت دیے گئے (لوگوں) میں سے ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ بنی آدم سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ﴾ ''اور ہم نے تمہیں پیدا کیا'' یعنی تمہارے جدامجد آدم کی اصل اور اس کے مادے کی تخلیق کی، جس سے تم سب پیدا کیے گئے ﴿ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ﴾ ''پھر تمہاری صورت شکل بنائی۔'' پھر ہم نے تمہیں بہترین صورت اور بہترین قامت عطا کی۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے

آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھائے جس سے اس کی باطنی صورت کی تکمیل ہوئی' پھر باعزت فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کے اکرام و احترام اور اس کی فضیلت کے اعتراف کے طور پر اسے سجدہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی ﴿فَسَجَدُوْٓا﴾ ''پس انہوں نے سجدہ کیا۔'' یعنی تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ﴿اِلَّآ اِبْلِيْسَ﴾ مگر ابلیس نے تکبر اور خود پسندی کی بنا پر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ﴾ ''تجھ کو کیا مانع تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا'' جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا' میں نے اسے وہ شرف اور فضیلت عطا کی جو کسی اور کو عطا نہیں کی' تو نے میرے حکم کی نافرمانی کر کے میری اہانت اور تحقیر کا ارتکاب کیا ﴿قَالَ﴾ ابلیس نے اپنے رب کی مخالفت کرتے ہوئے کہا: ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ ''میں اس سے بہتر ہوں'' پھر اس نے اپنے اس باطل دعوے کی دلیل دیتے ہوئے کہا: ﴿خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ﴾ ''تو نے مجھے آگ سے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے'' اور یہ چیز اس بات کی موجب ہے کہ وہ مخلوق جو آگ سے پیدا کی گئی ہے اس مخلوق سے افضل ہو جس کی تخلیق مٹی سے ہے۔ کیونکہ آگ مٹی پر غالب ہے اور اوپر اٹھ سکتی ہے۔

شیطان کا یہ قیاس فاسد ترین قیاس ہے کیونکہ یہ متعدد وجوہ سے باطل ہے۔

(۱) یہ قیاس اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مقابلے میں ہے کہ آدم کو سجدہ کیا جائے اور جب قیاس نص سے معارض ہو تو وہ باطل ہے۔ کیونکہ قیاس کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ جس معاملے میں نص موجود نہ ہو اس کا حکم منصوص علیہ امور کے احکام کے بالکل قریب اور ان کے تابع ہو۔ رہا وہ قیاس جو منصوص علیہ احکام کے معارض ہو اور اس کو معتبر قرار دینے سے نصوص کا لغو ہونا لازم آتا ہو تو یہ قیاس بدترین قیاس ہے۔

(۲) ابلیس کا مجرد یہ کہنا (اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ) ''میں اس (آدم) سے بہتر ہوں'' ابلیس خبیث کے نقص کے لیے کافی ہے۔ اس نے اپنے نقص پر اپنی خود پسندی' تکبر اور بلا علم اللہ تعالیٰ کی طرف قول منسوب کرنے کو دلیل بنایا اس سے بڑا اور کون سا نقص ہو سکتا ہے؟

(۳) ابلیس نے آگ کو مٹی اور گارے کے مادہ پر فوقیت دے کر جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے' کیونکہ مٹی کے مادے میں خشوع' سکون اور سنجیدگی ہے۔ اس مٹی ہی سے زمین کی برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ مثلاً مختلف انواع و اجناس کے درخت اور نباتات وغیرہ۔ اس کے برعکس آگ میں خفت' طیش اور جلانے کی خاصیت ہے۔ اسی لیے شیطان نے اس قسم کے افعال کا ارتکاب کیا اور اسی لیے وہ بلند ترین درجات سے گر کر اسفل السافلین کی سطح پر جا پہنچا۔

پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَاهْبِطْ مِنْهَا﴾ ''تو اس سے اتر جا'' یعنی جنت سے اتر جا ﴿فَمَا يَكُوْنُ

﴿لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا﴾ ''تیرے یہ شایاں نہیں کہ تو یہاں (جنت میں) رہ کر تکبر کرے'' کیونکہ یہ طیب اور طاہر لوگوں کا گھر ہے' پس یہ جنت اللہ تعالیٰ کی بدترین اور خبیث ترین مخلوق کے لائق نہیں۔ ﴿فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ﴾ ''پس نکل جا تو ذلیل ہے۔'' یعنی تو حقیر ترین اور ذلیل ترین مخلوق ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے تکبر اور خود پسندی پر اہانت اور ذلت کی سزا دی۔ جب اللہ کے دشمن نے اللہ تعالیٰ کے سامنے' آدم اور اولاد آدم کے ساتھ عداوت کا اعلان کیا' تو اس نے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کے لیے مہلت مانگی تا کہ وہ مقدور بھر اولاد آدم کو گمراہ کر سکے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے بندوں کو آزمائش اور امتحان میں مبتلا کرے تا کہ سچے اور جھوٹے کے درمیان امتیاز ہو جائے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جائے کہ کون اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور کون اس کے دشمن کی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت دے دی اور فرمایا: ﴿اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ﴾ ''تجھ کو مہلت دی گئی''

قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ

اس نے کہا! پس بوجہ اسکے کہ گمراہ کیا تو نے مجھے اضرور بیٹھوں گا میں ان (کو گمراہ کرنے) کیلئے تیرے سیدھے راستے پرo پھر ضرور آؤں گا میں انکے پاس

مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآىِٕلِهِمْ ؕ

ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور نہیں پائے گا تو ان کی اکثریت کو شکر گزارo

جب ابلیس اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گیا تو کہنے لگا: ﴿قَالَ فَبِمَاۤ اَغْوَيْتَنِيْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ﴾ ''جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے' میں بھی ضرور بیٹھوں گا ان کے لیے'' یعنی مخلوق کے لیے ﴿صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ﴾ ''تیرے سیدھے راستے پر''۔ اور لوگوں کو اس راستے سے روکنے اور اس پر چلنے سے منع کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا۔ ﴿ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآىِٕلِهِمْ﴾ ''پھر میں ان پر آؤں گا ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے'' یعنی میں تمام جہات اور تمام اطراف سے ان پر حملہ آور ہوں گا اور ہر طریقے سے جہاں کہیں سے بھی مجھے ان سے اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیابی حاصل ہو گی۔

جب شیطان خبیث کو معلوم ہو گیا کہ اولاد آدم بہت کمزور ہے' ان میں سے بہت سے لوگوں پر بسا اوقات غفلت غالب آ جاتی ہے' تو اس نے ان کو گمراہ کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا اور اس کا گمان سچ نکلا' اس لیے کہنے لگا ﴿وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ﴾ ''اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا'' کیونکہ شکر گزاری بھی صراط مستقیم پر چلنے ہی کا حصہ ہے اور شیطان ان کو اس راستے پر گامزن ہونے سے روکتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ﴾ (فاطر: ۶/۳۵) ''وہ تو اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے تا کہ وہ جہنم والے بن

جائیں''۔ شیطان نے جو کچھ کہا اور اپنے فعل کے عزم کا اظہار کیا' اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پر محض اس لیے متنبہ فرمایا ہے' تاکہ ہم اپنے دشمن سے بچتے رہیں اور اس کے مقابلے کے لیے پوری طرح تیار رہیں اور ان راستوں اور داخل ہونے کے ان مقامات کی معرفت حاصل کر کے' جہاں سے وہ حملہ آور ہوتا ہے' اپنی حفاظت کر سکیں۔ پس یہ خبر دے کر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی نعمت کامل سے نوازا ہے۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ

کہا اللہ نے! نکل جا اس سے حقیر اور دھتکارا ہوا' البتہ جو پیروی کرے گا تیری ان میں سے' تو ضرور بھروں گا میں

جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۸﴾

جہنم کو تم سب سے ○

یعنی ابلیس نے جو کچھ کہا اس کے جواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اخْرُجْ مِنْهَا ﴾ ''نکل یہاں سے'' یعنی ذلت و خواری کے ساتھ نکلنا۔ اس سے عزت و اکرام کے ساتھ نکلنا مراد نہیں ﴿ مَذْءُوْمًا ﴾ بلکہ مذمت کے ساتھ نکلنا مراد ہے ﴿ مَّدْحُوْرًا ﴾ ''مردود ہو کر'' یعنی اللہ تعالیٰ' اس کی رحمت اور ہر بھلائی سے دور ﴿ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ ﴾ ''میں تم سے جہنم کو بھر دوں گا۔'' یعنی میں جہنم کو تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے بھر دوں گا ﴿ اَجْمَعِيْنَ ﴾ ''تم سب سے'' یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے قسم ہے کہ جہنم نافرمانوں کا ٹھکانا ہے' وہ لازمی طور جہنم کو ابلیس اور اس کے جن اور انسان پیروکاروں سے بھر دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم کو ابلیس کے شر اور فتنے سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

وَيٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ

اور اے آدم! رہ تو اور تیری بیوی جنت میں' اور کھاؤ جہاں سے چاہو تم دونوں' اور مت قریب جانا تم دونوں اس

الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا

درخت کے کہ ہو جاؤ گے تم ظالموں میں سے ○ پس وسوسہ ڈالا ان دونوں (کو بہکانے) کیلئے شیطان نے' تاکہ ظاہر کر دے وہ ان کیلئے

مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ

جو کہ چھپائی گئی تھیں ان سے' شرم گاہیں ان کی' اور کہا (شیطان نے) نہیں روکا تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت سے

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا

مگر (اس لیے) کہ کہیں ہو جاؤ تم فرشتے' یا ہو جاؤ تم ہمیشہ رہنے والوں میں سے ○ اور قسم کھائی اس نے انکے سامنے کہ میں تم دونوں کیلئے

لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا

خیر خواہوں میں سے ہوں ○ پس پھسلا دیا (شیطان نے) ان کو دھوکے سے' پھر جب چکھا انہوں نے اس درخت سے تو ظاہر ہو گئیں ان کیلئے شرم گاہیں انکی

وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا

اور لگے وہ چپکانے اوپر اپنے پتے جنت کے (ستر ڈھانکنے کے لیے) اور آواز دی انکو انکے رب نے کیا نہیں روکا تھا میں نے تمہیں

عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿٢٢﴾ قَالَا رَبَّنَا

اس درخت سے؟ اور (نہیں) کہا تھا میں نے تمہیں کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے کھلا؟ ○ کہا انہوں نے اے ہمارے رب!

ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٢٣﴾

ظلم کیا ہم نے اپنے آپ پر، اور اگر نہ بخشا تو نے ہمیں اور (نہ) رحم کیا تو نے ہم پر تو ہو جائیں گے ہم خسارہ پانے والوں میں سے ○

یعنی اللہ تعالیٰ نے جناب آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جو اللہ تعالیٰ نے ان کو سکون کے لیے عطا فرمائی تھی، حکم دیا کہ وہ جنت میں جہاں سے جو جی میں آئے کھائیں اور جنت سے متمتع ہوں البتہ اللہ تعالیٰ نے ایک معین درخت کا پھل کھانے سے روک دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کس چیز کا درخت تھا؟ اس درخت کے تعین میں ہمارے لیے کوئی فائدہ نہیں۔ اس درخت کا پھل کھانے کی تحریم پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے ﴿فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''تم دونوں گناہ گاروں میں سے ہو جاؤ گے'' آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی پابندی کی، یہاں تک کہ ان کا دشمن ابلیس اپنے مکر و فریب سے ان کے پاس گھس آیا اور اس نے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا، ان کو فریب میں مبتلا کر دیا اور ان کے سامنے بناوٹ سے کام لیتے ہوئے کہنے لگا: ﴿مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ﴾ ''تم کو نہیں روکا تمہارے رب نے اس درخت سے، مگر اس لیے کہ کہیں تم ہو جاؤ فرشتے'' یعنی فرشتوں کی جنس میں سے ﴿اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ﴾ ''یا ہو جاؤ ہمیشہ رہنے والوں میں سے'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت میں اس کا قول ذکر فرمایا: ﴿هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى﴾ (طٰہ: ۱۲۰/۲۰) ''کیا میں تجھے ایسا درخت بتاؤں جس کا پھل ہمیشہ کی زندگی عطا کرے اور ایسا اقتدار جو کبھی زائل نہ ہو''۔

یہ سب کچھ کہنے کے ساتھ ساتھ اس نے اللہ کی قسم کھاتے ہوئے کہا: ﴿اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ﴾ ''میں تو تمہارا خیر خواہ ہوں'' یعنی میں نے جو کچھ کہا ہے اس میں تمہاری خیر خواہی کرنے والا ہوں۔ پس آدم علیہ السلام شیطان کے دھوکے میں آ گئے اور اس حال میں عقل پر شہوت نفس غالب آ گئی۔ ﴿فَدَلّٰىهُمَا﴾ ''پس نیچے لے آیا ان دونوں کو'' یعنی شیطان نے آدم و حوا علیہما السلام کو ان کے بلند مرتبے سے، جو کہ گناہوں سے دوری پر مبنی تھا، اتار کر نافرمانی کی گندگی میں لتھیڑ دیا اور انہوں نے آگے بڑھ کر اس شجر ممنوعہ کے پھل کو کھا لیا ﴿فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا﴾ ''پس جب چکھا ان دونوں نے درخت کو، تو ان پر ان کی شرم گاہیں کھل گئیں'' یعنی دونوں کا ستر ظاہر ہو گیا اس سے پہلے ان کا ستر چھپا ہوا تھا۔ پس اس حالت میں تقویٰ سے باطنی عریانی نے ظاہری لباس میں اپنا اثر دکھایا۔ حتیٰ کہ وہ لباس اتر گیا اور ان کا ستر ظاہر ہو گیا اور جب ان پر ان کا ستر ظاہر ہوا تو وہ بہت شرمسار ہوئے اور جنت کے درختوں

کے پتوں سے اپنے ستر کو چھپانے لگے۔ ﴿ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ ﴾ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے آواز دی ﴿ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴾ ''کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور تمہیں کہا نہیں تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے'' پھر تم نے اپنے دشمن کی اطاعت کر کے ممنوعہ کام کا ارتکاب کیوں کیا؟ پس اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر کے ان پر احسان کیا اور انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت طلب کرتے ہوئے عرض کیا ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ ''اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔'' یعنی ہم سے وہ گناہ سرزد ہو گیا جس سے تو نے ہمیں روکا تھا۔ ہم نے گناہ کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو سخت نقصان پہنچایا اور اگر تو نے گناہ اور اس کی عقوبت کے آثار کو نہ مٹایا اور اس قسم کی خطاؤں سے توبہ قبول کر کے معافی کے ذریعے سے ہم پر رحم نہ کیا' تو ہم نے سخت خسارے کا کام کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی ﴿ وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ○ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴾ (طٰہٰ: ۲۰/۱۲۱'۱۲۲) ''اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہ سے بھٹک گیا۔ پھر اس کے رب نے اس پر نوازش کی اور اس پر توجہ فرمائی اور راہ نمائی کی''۔

یہ رویہ آدم علیہ السلام کا تھا۔ مگر اس کے برعکس ابلیس اپنی سرکشی پر جما رہا اور نافرمانی سے باز نہ آیا۔ پس جو کوئی آدم کی طرح اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے ندامت کے ساتھ مغفرت کا سوال کرتا ہے اور گناہ سے باز آ جاتا ہے تو اس کا رب اسے چن لیتا ہے اور سیدھی راہ پر ڈال دیتا ہے اور جو کوئی ابلیس کی طرح اپنے گناہ اور نافرمانی پر جم جاتا ہے اور اس کی نافرمانیاں بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ سے دوری کے سوا اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٢٤﴾

کہا (اللہ نے) اتر تم' ایک تمہارا دوسرے کا دشمن ہے اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے ایک وقت (معین) تک ○

یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوا علیہما السلام کو جمع کے صیغے کے ساتھ مخاطب کر کے نیچے اترنے کا حکم دیا' کیونکہ ابلیس تو اس سے قبل اتارا جا چکا تھا' پھر سب زمین کی طرف اتارے گئے۔ آدم و حوا علیہما السلام کے ساتھ ابلیس کو بھی بتکرار حکم دیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گے' کیونکہ ابلیس انسان سے کبھی جدا نہیں ہوتا بلکہ ہر وقت ساتھ رہتا ہے اور اولاد آدم کو گمراہ کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔

﴿ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ ﴾ کا جملہ (اهْبِطُوْا) کی ضمیر سے حال ہونے کی بنا پر نصب کے مقام پر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا علیہما السلام اور شیطان سے کہا کہ سب جنت سے نکل کر زمین پر اتر جاؤ درآں حالیکہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو' زمین پر تمہارا ٹھکانا ہے' اس وقت تک' جب تک تمہارا زمین میں رہنا مقدر ہے۔

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٢٥﴾ يَٰبَنِىٓ ءَادَمَ قَدْ

فرمایا اسی (زمین) میں زندہ رہو گے تم اور اسی میں مرو گے تم اور اسی سے (روز قیامت) نکالے جاؤ گے ○ اے بنی آدم! تحقیق

أَنزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُوَٰرِى سَوْءَٰتِكُمْ وَرِيشًا ۖ وَلِبَاسُ ٱلتَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ ۚ

اتارا ہم نے تم پر ایسا لباس جو چھپاتا ہے تمہاری شرم گاہیں اور (اتارا) لباس زینت' اور لباس تقویٰ کا' یہ بہت بہتر ہے۔

ذَٰلِكَ مِنْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿٢٦﴾

یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ (لوگ) نصیحت حاصل کریں ○

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے آدم علیہ السلام ان کی بیوی اور ان کی اولاد کو زمین پر اتار دیا تو ان کو زمین کے اندر ان کے قیام کے احوال کے بارے میں آگاہ فرمایا کہ زمین کے اندر ان کے لیے ایک ایسی زندگی مقرر کر دی ہے جس کے تعاقب میں موت ہے جو ابتلاء وامتحان سے لبریز ہے۔ وہ اسی دنیا میں رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کی طرف اپنے رسول بھیجے گا' ان پر کتاب نازل کرے گا۔ حتیٰ کہ ان پر موت آئے گی اور وہ اسی زمین میں دفن کر دیے جائیں گے۔ پھر جب وہ اپنی مدت پوری کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ زندہ کرے گا اور اس دنیا سے نکال کر حقیقی گھر میں' جو دائمی قیام کا گھر ہے' داخل کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا کہ اس نے ان کو ضروری لباس مہیا فرمایا۔ وہ لباس جس سے خوبصورتی مقصود ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام اشیا مثلاً کھانا پینا' سواری اور بیویاں وغیرہ عطا کیں۔ اس کی تکمیل کی خاطر اللہ تعالیٰ نے دیگر ضروریات مہیا کیں اور ان پر واضح کر دیا کہ یہ سب کچھ بالذات مقصود نہیں ہے' بلکہ یہ لباس اللہ تعالیٰ نے صرف اس لیے نازل کیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں ان کا مددگار ثابت ہو۔ بنا بریں فرمایا: ﴿وَلِبَاسُ ٱلتَّقْوَىٰ ذَٰلِكَ خَيْرٌ﴾ ''اور جو تقویٰ کا لباس ہے وہ سب سے اچھا ہے۔'' یعنی تقویٰ کا لباس' حسی لباس سے بہتر ہے۔ کیونکہ لباس تقویٰ بندے کے ساتھ ہمیشہ رہتا ہے کبھی پرانا اور بوسیدہ نہیں ہوتا اور لباس تقویٰ قلب وروح کا جمال ہے۔ رہا حسی اور ظاہری لباس تو اس کی انتہا یہ ہے کہ یہ ایک محدود وقت کے لیے ظاہری ستر کو ڈھانپتا ہے یا انسان کے لیے خوبصورتی کا باعث بنتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کا اور کوئی فائدہ نہیں۔ نیز فرض کیا یہ لباس موجود نہیں تب زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اس کا ظاہری ستر منکشف ہو جائے گا جس کا اضطراری حالت میں منکشف ہونا نقصان دہ نہیں اور اگر لباس تقویٰ معدوم ہو جائے تو باطنی ستر کھل جائے گا اور اسے رسوائی اور فضیحت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

﴿ذَٰلِكَ مِنْ ءَايَٰتِ ٱللَّهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُونَ﴾ ''یہ نشانیاں ہیں اللہ کی قدرت کی' تاکہ وہ غور کریں'' یعنی یہ مذکورہ لباس جس سے تم ایسی چیزوں کو یاد کرتے ہو جو تمہیں نفع ونقصان دیتی ہیں اور اس ظاہری لباس سے تم اپنے باطن کی ستر پوشی میں مدد لیتے ہو۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا

اے بنی آدم! نہ فتنے میں ڈال دے تمہیں شیطان جس طرح نکلوایا تھا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے جبکہ اترواتا تھا وہ ان دونوں سے

لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا

ان کا لباس تاکہ دکھا دے ان کو شرم گاہیں ان کی' یقیناً وہ دیکھتا ہے تمہیں' وہ اور اس کا قبیلہ جہاں سے نہیں

تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾

دیکھتے تم ان کو' یقیناً ہم نے بنا دیا شیطانوں کو دوست ان لوگوں کا جو نہیں ایمان لاتے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اولاد آدم کو ڈراتا ہے کہ شیطان کہیں تمہارے ساتھ بھی وہی کچھ نہ کرے جو اس نے تمہارے جد امجد آدم کے ساتھ کیا تھا' چنانچہ فرماتا ہے: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ﴾ ''اے آدم کی اولاد! نہ بہکائے تم کو شیطان'' یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سامنے گناہ اور معاصی کو آراستہ کر کے تمہیں ان کی طرف بلائے اور ترغیب دے اور تم اس کی اطاعت کر لو ﴿كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ﴾ ''جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا'' اور انہیں بلند ترین مقام سے اتار کر فروتر ین مقام پر پہنچا دیا۔ پس اس سے بچو وہ تمہارے ساتھ بھی وہی کچھ کرنا چاہتا ہے' وہ تمہیں گمراہ کرنے کی کوشش میں ذرہ بھر کوتاہی نہیں کرتا جب تک کہ تمہیں فتنے میں مبتلا نہ کر دے۔ اس لیے تم اس سے اپنا بچاؤ کرتے رہو اور اس کے مقابلے میں زرہ بکتر پہنے رکھو اور جن راستوں سے داخل ہو کر وہ تم پر شب خون مارتا ہے' ان راستوں سے غافل نہ رہو۔ ﴿اِنَّهٗ﴾ ''بے شک وہ'' دائمی طور پر تمہاری نگرانی کرتا ہے ﴿يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ﴾ ''وہ اور اس کے قبیلے کے شیاطین جن تمہیں اس مقام سے دیکھتے ہیں'' ﴿مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ''جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا جو ایمان نہیں لاتے۔'' پس عدم ایمان ہی انسان اور شیطان کے درمیان دوستی اور موالات کے عقد کا موجب ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰي رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ○ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَي الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ﴾ (النحل: ۱۶/ ۹۹۔ ۱۰۰) ''جو مومن ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں ان پر اس کا کوئی اختیار نہیں۔ اس کا اختیار تو ان لوگوں پر ہے جو اس کو اپنا دوست بناتے ہیں اور اس کے سبب سے اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں''۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ

اور جب کرتے ہیں وہ کوئی بے حیائی کا کام تو کہتے ہیں پایا ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو اور اللہ نے حکم دیا ہمیں اس کا' کہہ دیجیے!

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ قُلْ اَمَرَ

یقیناً اللہ نہیں حکم دیتا بے حیائی کا' کیا کہتے ہو تم اللہ پر وہ باتیں جو نہیں جانتے تم؟ ○ کہہ دیجیے! حکم دیا ہے

رَبِّيْ بِالْقِسْطِ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ

میرے رب نے انصاف کا اور (یہ کہ) سیدھے (قبلہ رخ) کرو اپنے چہرے ہر نماز کے وقت اور پکارو اسی کو خالص کرتے ہوئے

لَهُ الدِّيْنَ ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ

اس کیلئے اطاعت جیسے پہلے پیدا کیا اس نے تمہیں لوٹو گے تم (ویسے ہی)○ ایک فریق کو ہدایت دی اس نے اور ایک فریق ثابت ہو گئی اوپر انکے

الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

ضلالت۔ یقیناً انہوں نے بنا لیا شیطان کو دوست سوائے اللہ کے

وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٠﴾

اور وہ گمان کرتے ہیں کہ بلاشبہ وہ ہدایت یافتہ ہیں○

اللہ تبارک وتعالیٰ مشرکین کا حال بیان کرتا ہے جو گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ﴿وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً﴾ ''جب وہ کوئی فحش کام کرتے ہیں۔'' فحش سے مراد ہر وہ کام ہے جو برا اور انتہائی قبیح ہو۔ عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ ﴿قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا﴾ '' کہتے ہیں ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے'' اور وہ اس بارے میں سچے ہیں ﴿وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا﴾ ''اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے'' وہ اس فحش کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں جھوٹ بولتے ہیں۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ﴾ ''کہہ دیجیے اللہ بے حیائی کے کام کرنے کا ہرگز حکم نہیں دیتا۔'' یعنی یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت اور کمال کے لائق نہیں کہ وہ اپنے بندوں کو فحش کاموں کا حکم دے' اللہ نے اس فحش کام کا حکم دیا ہے جس کا ارتکاب یہ مشرک کرتے ہیں نہ کسی اور فحش کام کا۔ ﴿اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ''کیا تم اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاتے ہو جو تم کو معلوم نہیں؟'' اور اس سے بڑا اور کون سا بہتان ہو سکتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس چیز کا ذکر فرمایا جس کا وہ حکم دیتا ہے ﴿قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ﴾ ''کہہ دیجیے کہ میرے رب نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے عبادات و معاملات میں ظلم و جور کا حکم نہیں دیا بلکہ عدل و انصاف کا حکم دیا ہے ﴿وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ''اور سیدھے کرو اپنے منہ ہر نماز کے وقت'' یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رکھو' عبادات کی تکمیل کی کوشش کرو۔ خاص طور پر نماز کو ظاہر اور باطن میں کامل طور پر قائم کرو اور اسے تمام نقائص اور مفاسد سے پاک رکھو۔ ﴿وَادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ﴾ ''اور پکارو اس کو خالص اس کے فرماں بردار ہو کر'' یعنی صرف اسی کی رضا جوئی کا مقصد رکھو' وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ دعا' دعائے مسئلہ اور دعائے عبادت دونوں کو شامل ہے۔ یعنی تمہاری دعا کی تمام اغراض میں اللہ تعالیٰ کی عبودیت اور اس کی رضا کے سوا کوئی اور مقصد وارادہ نہیں ہونا چاہئے۔ ﴿كَمَا بَدَاَكُمْ﴾ ''جیسے پہلی مرتبہ تمہاری ابتدا کی'' ﴿تَعُوْدُوْنَ﴾ ''تم پھر

پیدا ہوگے۔'' یعنی اس طرح مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ وہ ہستی جو تمہاری تخلیق کی ابتدا پر قادر ہے وہ اس تخلیق کا اعادہ کرنے کی بھی قدرت رکھتی ہے' بلکہ اس کا اعادہ زیادہ آسان ہے۔ ﴿فَرِیْقًا﴾ ''ایک فریق کو'' یعنی تم میں سے ایک فریق کو ﴿هَدٰی﴾ ''اس نے ہدایت دی۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت کی توفیق سے نوازا' اس کے اسباب مہیا کیے اور اس کے موانع کو اس سے دور کیا ﴿وَفَرِیْقًا حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ﴾ ''اور ایک فریق' ثابت ہوگئی اس پر گمراہی'' چونکہ انہوں نے گمراہی کے اسباب اختیار کیے اور ہلاکت کے اسباب پر عمل پیرا ہوئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے گمراہی کو ان پر واجب کر دیا۔

﴿اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''انہوں نے شیطانوں کو رفیق بنایا' اللہ کو چھوڑ کر'' اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بناتا ہے وہ واضح خسارے میں مبتلا ہو جاتا ہے اور چونکہ وہ اللہ رحمٰن کی ولایت اور دوستی سے نکل گئے اور انہوں نے شیطان کی دوستی کو پسند کر لیا' اس لیے انہیں اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق سے محرومی میں سے وافر حصہ نصیب ہوا اور چونکہ انہوں نے اپنے آپ پر بھروسہ کیا اس لیے وہ بہت بڑے خسارے میں پڑ گئے۔ ﴿وَیَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ﴾ ''اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں'' یعنی ان کے ہاں حقائق بدل گئے اور انہوں نے باطل کو حق اور حق کو باطل سمجھ لیا۔ ان آیات کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ اوامر و نواہی اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کے تابع ہیں' کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے امر کا حکم دے جسے عقل فحش سمجھتی ہو اور اسے ناپسند کرتی ہو اور اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے سوا کسی چیز کا حکم نہیں دیتا۔

اس میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کا دارومدار اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر ہے اور گمراہی یہ ہے کہ جب بندہ اپنے ظلم و جہالت سے شیطان کو اپنا دوست اور اس کو اپنی گمراہی کا سبب بنا لے تو اللہ اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور جو کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ راہ ہدایت پر ہے درآں حالیکہ وہ بھٹک چکا ہو تو اس کے لیے کوئی عذر نہیں کیونکہ وہ ہدایت حاصل کر سکتا تھا' لیکن اس نے اپنے گمان ہی کو سب کچھ سمجھا اور ہدایت کی منزل کو پہنچانے والے راستے کو ترک کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا۔

یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ

اے بنی آدم! اختیار کرو تم اپنی زینت ہر نماز کے وقت ' اور کھاؤ اور پیو اور نہ اسراف کرو

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ﴿۳۱﴾ ع

یقیناً وہ نہیں پسند کرتا اسراف کرنے والوں کو ○

اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم پر لباس نازل کرنے کے بعد جس سے وہ اپنا ستر ڈھانپتے ہیں اور زینت اختیار کرتے

ہیں‘ فرمایا: ﴿يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ”اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے تئیں مزین کیا کرو۔“ یعنی ہر نماز کے وقت‘ خواہ نماز فرض ہو یا نفل‘ اپنے ستر کو ڈھانپو‘ کیونکہ ستر ڈھانپنا ہی بدن کی زینت ہے جیسے ستر کو کھولنا بدن کو قبیح اور بدنما بنا دیتا ہے۔

اس آیت میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس زینت سے مراد لباس کی نظافت ہو۔ پس اس صورت میں آیت کریمہ میں نماز کے اندر ستر ڈھانپنے‘ زینت اختیار کرنے اور لباس کو میل کچیل اور نجاست سے پاک رکھنے کا حکم ہے۔

پھر فرمایا: ﴿وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا﴾ ”اور کھاؤ اور پیو۔“ یعنی ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ پیو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی ہیں ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ ”اور (ان میں) اسراف نہ کرو۔“ اسراف سے یا تو یہ مراد ہے کہ ماکولات کو اس مقدار سے زیادہ استعمال کرنا جو انسان کو کفایت کرتی ہیں کیونکہ ماکولات کو زیادہ کھانے کی حرص جسم کو نقصان دیتی ہے۔ یا اس سے مراد ہے ماکولات‘ مشروبات اور ملبوسات میں حد سے زیادہ خرچ کرنا۔ یا مراد ہے حلال سے تجاوز کر کے حرام میں پڑنا۔ ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ ”بے شک وہ (اللہ) اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا“ کیونکہ حد سے تجاوز کرنے پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ اسراف انسان کے جسم اور اس کی معیشت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اسراف بسا اوقات انسان کو ایسی حالت تک پہنچا دیتا ہے کہ وہ ان نفقات سے بھی عاجز رہ جاتا ہے جو اس پر واجب ہیں۔

اس آیت کریمہ میں کھانے پینے کا حکم ہے اور کھانا پینا چھوڑنے اور اس میں اسراف کرنے کی ممانعت ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ

کہہ دیجیے! کس نے حرام کی زینت اللہ کی‘ وہ جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے لیے؟ اور پاکیزہ چیزیں رزق کی؟ کہہ دیجیے!

هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ

یہ ان لوگوں کیلیے (بھی) ہیں جو ایمان لائے‘ زندگی میں دنیا کی‘ جبکہ خاص ہوں گی (ان کیلیے) دن قیامت کے اسی طرح مفصل بیان کرتے ہیں ہم

الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا

آیات ان لوگوں کیلیے جو علم رکھتے ہیں ○ کہہ دیجیے! بیشک حرام ٹھہرایا ہے میرے رب نے بے حیائی کی باتوں کو جو ظاہر ہوں ان میں سے اور جو

بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ

پوشیدہ‘ اور گناہ کو اور ظلم کو بغیر حق کے‘ اور یہ کہ شریک ٹھہراؤ تم ساتھ اللہ کے اس چیز کو کہ نہیں اتاری اللہ نے

بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۳﴾

اس کی کوئی دلیل‘ اور یہ کہ کہو تم اوپر اللہ کے وہ جو نہیں تم جانتے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اس شخص پر نکیر کرتا ہے جو تکلف میں پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حلال ٹھہرائی ہوئی پاک چیزوں کو حرام قرار دیتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ﴾ ”کہہ دیجیے کہ زینت و آرائش

کی چیزیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں‘ ان کو کس نے حرام کیا ہے؟“ انواع واصناف کے لباس‘ طیبات رزق یعنی ماکولات ومشروبات کی تمام اقسام کو کس نے حرام قرار دیا ہے؟ یعنی وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو حرام کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطا کی ہیں؟ کون ان کو اس بارے میں تنگی میں مبتلا کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے وسعت رکھی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے طیبات کو اس لیے وسیع کیا تاکہ وہ ان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مدد لیں۔ اس نے ان چیزوں کو صرف اپنے مومن بندوں کے لیے مباح کیا ہے۔ بنابریں فرمایا: ﴿قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ کہہ دیجیے! یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے واسطے ہیں دنیا کی زندگی میں‘ خالص انہی کے واسطے ہوں گی قیامت کے دن“ یعنی ان نعمتوں کے بارے میں ان پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔

آیت کریمہ کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے بلکہ وہ ان نعمتوں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں تو یہ نعمتیں ان کے لیے خالص ہیں نہ ان کے لیے مباح‘ بلکہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر ان کو سزا دی جائے گی اور قیامت کے روز ان سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

﴿كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ﴾ ”ہم اسی طرح آیات کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔“ یعنی ہم ان آیات کی توضیح کرتے ہیں اور ہم ان کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ ﴿لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ ”ان کے لیے جو جانتے ہیں“ کیونکہ یہی لوگ ہیں جو ان آیات سے فائدہ اٹھاتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے کھول کھول کر بیان کیا ہے‘ وہ جانتے ہیں کہ یہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں چنانچہ وہ اس میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان کو سمجھتے ہیں۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان محرمات کا ذکر فرمایا جن کو اس نے تمام شریعتوں میں حرام قرار دیا ہے۔ فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ﴾ ”کہہ دیجیے! بے شک میرے رب نے حرام کیا ہے بے حیائی کی باتوں کو“ یعنی بڑے بڑے گناہ جن کی برائی اور قباحت کی وجہ سے ان کو فحش اور سخت قبیح سمجھا جاتا ہے مثلاً زنا‘ سدومیت (عمل قوم لوط) وغیرہ۔ ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ ”جو ان میں کھلی ہوئی ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں“ یعنی وہ فواحش جن کا تعلق بدن کی حرکات سے ہے اور وہ فواحش جن کا تعلق قلب کی حرکات سے ہے مثلاً تکبر‘ خود پسندی‘ ریاء اور نفاق وغیرہ۔

﴿وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ”اور گناہ کو اور ناحق کی زیادتی کو“ یعنی گناہ کے اعمال جو گناہ میں مبتلا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بارے میں سزا کے موجب ہیں اور (بَغْی) سے مراد ہے لوگوں کے جان و مال اور عزت و ناموس میں ان پر زیادتی وغیرہ۔ پس اس میں وہ تمام گناہ داخل ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق ہیں۔

﴿وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا﴾ ”اور اس بات کو کہ شریک کرو اللہ کا ایسی چیز کو کہ جس کی اس نے سند نہیں اتاری“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس شرک پر کوئی دلیل و برہان نازل نہیں فرمائی بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے توحید کی

تائید کے لیے دلائل و براہین نازل فرمائے ہیں اور شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس کے ساتھ مخلوق میں سے کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ بسا اوقات شرک اصغر بھی اسی زمرے میں آجاتا ہے۔ مثلاً ریاء اور غیر اللہ کی قسم وغیرہ۔ ﴿وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور اس بات کو کہ اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤ جو تم نہیں جانتے'' یعنی اس کے اسماء و صفات' افعال اور اس کی شریعت کے بارے میں لاعلمی پر مبنی بات کہنا۔ ان تمام امور کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور بندوں کو ان میں مشغول ہونے سے روکا ہے کیونکہ یہ امور مفاسد عامہ اور مفاسد خاصہ پر مشتمل ہیں اور یہ امور ظلم و تعدی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی جناب میں جسارت و جرأت کے موجب' اللہ تعالیٰ کے بندوں پر دست درازی اور اللہ تعالیٰ کے دین اور شریعت میں تغیر و تحریف کا باعث ہیں۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۴﴾

اور ہر امت کیلئے ایک وقت (معین) ہے سو جب آجائے گا انکا (معین) وقت تو نہ پیچھے ہوں گے وہ (اس سے) لمحہ بھر اور نہ آگے ہوں گے ○

یعنی اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو جنت سے نکال کر زمین پر آباد کر دیا اور ان کے لیے ایک مدت مقرر کر دی۔ قوموں میں سے کوئی قوم اپنی مدت مقررہ سے آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے' تمام قومیں اکٹھی ہو کر اس مدت مقررہ سے آگے ہو سکتی ہیں نہ ان کے افراد۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى

اے بنی آدم! اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے جو بیان کریں تم پر میری آیتیں' تو جس نے تقویٰ اختیار کیا

وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا

اور (اپنی) اصلاح کر لی تو نہ ہو گا کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○ اور وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو

وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

اور تکبر کیا ان سے' یہ لوگ ہیں دوزخی' وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

جب اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو جنت سے نکال دیا تو ان کو رسول بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے آزمایا۔ یہ رسول ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتے تھے اور اس کے احکام ان پر واضح کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی فضیلت بیان فرمائی جس نے رسولوں کی دعوت پر لبیک کہا اور اس شخص کا خسارہ بیان کیا جس نے رسولوں کی دعوت کا جواب نہ دیا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿فَمَنِ اتَّقٰى﴾ ''پس جس شخص نے تقویٰ اختیار کیا۔'' یعنی جو ان امور سے بچ گیا جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے مثلاً شرک اور دیگر کبیرہ اور صغیرہ گناہ ﴿وَاَصْلَحَ﴾ ''اور اس نے (ظاہری اور باطنی اعمال کی) اصلاح کر لی'' ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ ''تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہو گا۔'' یعنی وہ اس شر کے خوف سے مامون ہوں گے جس سے دیگر لوگ خوفزدہ ہوں گے۔ ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ''اور نہ وہ

(گزرے ہوئے واقعات پر) غمگین ہوں گے۔'' جب ان سے حزن وخوف کی نفی ہوگئی تو انہیں کامل امن اور ابدی فلاح وسعادت حاصل ہوگئی۔ ﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا'' یعنی ان آیات پر ان کے دل ایمان لائے نہ ان کے جوارح نے ان آیات کے احکام کی اطاعت کی۔ ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ﴾ ''وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' یعنی جس طرح انہوں نے ہماری آیات کی اہانت کی اور ان کی تکذیب پر جمے رہے، اسی طرح ان کو ہمیشہ رہنے والے عذاب کے ذریعے سے رسوا کیا جائے گا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ

پس کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے باندھا اللہ پر جھوٹ یا جھٹلایا اس کی آیات کو؟ یہ لوگ ہیں کہ پہنچے گا انہیں

نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ

ان کا حصہ لکھے ہوئے سے، یہاں تک کہ جب آئیں گے ان کے پاس ہمارے قاصد جو قبض کریں گے ان کی روحیں، تو وہ کہیں گے! کہاں ہیں

مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا

وہ کہ تھے تم پکارتے (ان کو) سوائے اللہ کے؟ وہ کہیں گے! وہ گم ہو گئے ہم سے، اور گواہی دیں گے اپنے

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

خلاف کہ بیشک وہ تھے کفر کرنے والے ○

یعنی اس شخص سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں جس نے بہتان طرازی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف شریک اور اس کی ذات وصفات کی طرف نقص کی نسبت کی اور اس کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب کیا جو اس نے نہیں کہی۔ ﴿اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ﴾ ''یا اس کی آیات کو جھٹلایا۔'' یعنی جس نے حق مبین کو بیان کرنے والی واضح آیات کو جھٹلایا، جو راہ راست کی طرف راہ نمائی کرتی ہیں پس یہ لوگ اگرچہ اس دنیا سے فائدہ اٹھا رہے ہیں تاہم انہیں وہ عذاب ضرور مل کر رہے گا جو لوح محفوظ میں ان کے لیے لکھ دیا گیا ہے۔ کوئی چیز ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔ وہ اس دنیا سے تھوڑی سی مدت کے لیے فائدہ اٹھائیں گے اور ابدالآباد تک عذاب بھگتیں گے۔ ﴿حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ﴾ ''یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) جان نکالنے آئیں گے۔'' یعنی جب ان کے پاس وہ فرشتے آجائیں گے جو ان کی مدت مقررہ پوری کرنے اور روح قبض کرنے پر مامور ہیں ﴿قَالُوْٓا﴾ یعنی اس حالت میں فرشتے ان کو زجر وتوبیخ کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''وہ (بت اور تمہارے خود ساختہ معبود) کہاں ہیں جن کو تم پکارا کرتے تھے؟'' اب ضرورت کا وقت آگیا ہے اگر وہ تمہیں کوئی فائدہ دے سکتے ہیں یا کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ (تو ان کو بلاؤ)

﴿قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا﴾ ''وہ کہیں گے وہ ہم سے گم ہو گئے'' یعنی وہ مضمحل اور باطل ہو گئے اور وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مقابلے میں ہمارے کسی کام کے نہیں۔ ﴿وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ﴾ ''اور وہ اپنے آپ پر گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے'' یعنی وہ دائمی طور پر رسوا کن عذاب کے مستحق ہیں۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ كُلَّمَا

کہے گا (اللہ) داخل ہو جاؤ تم ہمراہ ان امتوں کے جو گزر چکیں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے' آگ میں۔ جب بھی

دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ

داخل ہو گی ایک امت تو لعنت کرے گی اپنے جیسی دوسری امت کو' یہاں تک کہ جب اکٹھے ہوں گے وہ اس میں سب' تو کہے گی

اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ؕ

انکی پچھلی جماعت انکی پہلی جماعت کی بابت' اے ہمارے رب! انہوں نے گمراہ کیا تھا ہمیں' پس دے تو انکو عذاب دگنا آگ کا

قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

کہے گا (اللہ' تم میں سے) ہر ایک کے لیے دگنا (عذاب) ہے لیکن تم نہیں جانتے ○

فرشتے ان سے کہیں گے: ﴿قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ﴾ ''ان قوموں میں داخل ہو جاؤ'' یعنی ان جملہ امتوں میں داخل ہو جاؤ۔ ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ ''جو تم سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزر چکیں'' یعنی وہ بھی اسی راستے پر گامزن رہے تھے جس پر تم چلتے رہے ہو۔ یعنی کفر و استکبار کا راستہ۔۔۔ اس لیے سب رسوائی اور ہلاکت کے مستحق ٹھہرے ﴿فِي النَّارِ﴾ اور ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہو۔

سرکش اور نافرمان قوموں میں سے جب کوئی قوم جہنم میں داخل ہو گی ﴿لَّعَنَتْ اُخْتَهَا﴾ ''اپنی جیسی جماعت پر لعنت کرے گی۔'' یعنی اپنے جیسے مشرکانہ عقائد رکھنے والی قوم پر لعنت کرے گی' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ (العنکبوت: ۲۵/۲۹) ''قیامت کے روز تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے۔'' ﴿حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا﴾ ''یہاں تک کہ جب سب اس میں داخل ہو جائیں گے۔'' یعنی جب جہنم میں' اولین و آخرین' قائدین' رؤسا' ان کے پیروکار اور مقلدین سب جمع ہو جائیں گے ﴿قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ﴾ ''تو کہیں گے ان کے پچھلے'' یعنی رؤساء و قائدین کے پیروکار ﴿لِاُوْلٰىهُمْ﴾ ''پہلوں کو'' یعنی وہ اپنے سرداروں اور رؤساء کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتے ہوئے کہ انہوں نے گمراہ کیا تھا۔ کہیں گے: ﴿رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ﴾ ''اے ہمارے رب! ان ہی لوگوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا تو ان کو آتش جہنم کا دگنا عذاب دے۔'' یعنی اے ہمارے رب انہیں کئی گنا عذاب دے' کیونکہ انہوں نے ہمیں گمراہ کیا اور ناپاک اعمال کو ہمارے سامنے مزین کر کے پیش کیا۔

وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

اور کہے گی ان کی پہلی جماعت ان کی پچھلی جماعت کو پس نہیں ہے تمہارے لیے ہم پر کوئی فضیلت سو چکھو تم عذاب

بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿٣٩﴾

بوجہ اس کے جو تھے تم کماتے ○

﴿ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ ﴾ ''اور کہیں گے ان کے پہلے پچھلوں کو'' یعنی سردار اپنے پیروکاروں سے کہیں گے: ﴿ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ ﴾ ''پس کچھ نہ ہوئی تم کو ہم پر بڑائی'' یعنی ہم گمراہی' ضلالت اور عذاب کے اسباب اختیار کرنے میں مشترک ہیں۔ تمہیں ہم پر کون سی فضیلت ہے؟ ﴿ قَالَ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ﴿ لِكُلٍّ ضِعْفٌ ﴾ ''تم میں سے ہر ایک کے لیے دوگنا عذاب ہے'' ﴿ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴾ ''اب چکھو عذاب بسبب اپنی کمائی کے'' لیکن یہ معلوم ہے کہ سرداروں اور ائمہ ضلالت کو ان کے پیروکاروں کی نسبت زیادہ سخت اور برا عذاب دیا جائے گا۔ جیسے ائمہ ھدیٰ کو ان کے متبعین کے ثواب کے مقابلے میں زیادہ بڑی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴾ (النحل: ١٦/٨٨) ''وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا ہم انہیں عذاب پر عذاب دیں گے اس پاداش میں کہ وہ فساد برپا کرتے تھے''۔

یہ آیت کریمہ اور اس قسم کی دیگر آیات دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنے والوں کی تمام اقسام جہنم میں ہمیشہ رہیں گی' اس کی اتھاہ گہرائی میں سب اکٹھے ہوں گے اگرچہ عذاب کی مقدار میں ان کے اعمال' عناد' ظلم اور افترا پردازی کے مطابق تفاوت ہوگا اور ان کی وہ محبت و مودت جو دنیا میں ان کے مابین تھی' قیامت کے روز دشمنی اور ایک دوسرے پر لعنت میں بدل جائے گی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ

یقیناً وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور تکبر کیا ان سے' نہیں کھولے جائیں گے ان کے لیے دروازے آسمان کے

وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي

اور نہ داخل ہوں گے وہ جنت میں' یہاں تک کہ گھس جائے اونٹ ناکے میں سوئی کے' اور اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿٤٠﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ

مجرموں کو ○ ان کے لیے جہنم ہی کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا ہوگا'

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٤١﴾

اور اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم ظالموں کو ○

اللہ تبارک وتعالیٰ اس شخص کے عذاب کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے جس نے اس کی آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ان پر ایمان نہ لایا۔۔۔۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی آیات بالکل واضح تھیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کیا اور ان کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا بلکہ انہوں نے ان کو جھٹلایا اور پیٹھ پھیر کر چل دیے۔۔۔۔ یہ ہر بھلائی سے مایوس ہوں گے۔ ان کی روحیں اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے آسمان کی طرف بلند ہوں گی اور اجازت طلب کریں گی مگر ان کو اجازت نہیں ملے گی۔ وہ موت کے بعد آسمان کی طرف اسی طرح بلند نہ ہو سکیں گی جس طرح انہوں نے ایمان باللہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی محبت کی طرف التفات نہ کیا' کیونکہ جزا عمل کی جنس سے ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اہل ایمان کی روحیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی مطیع ہیں' اس کی آیات کی تصدیق کرنے والی ہیں' ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیے جائیں گے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلند ہوں گی اور عالم علوی میں وہاں پہنچ جائیں گی جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا اور اپنے رب کے قرب اور اس کی رضا کا لطف اٹھائیں گی۔

اہل جہنم کے بارے میں فرمایا: ﴿وَلَا يَدۡخُلُونَ الۡجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الۡجَمَلُ﴾ ''وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے یہاں تک کہ داخل ہو اونٹ'' یعنی معروف اونٹ۔ ﴿فِىۡ سَمِّ الۡخِيَاطِ﴾ ''سوئی کے ناکے میں'' یعنی جب تک کہ اونٹ جو کہ سب سے بڑا حیوان ہے' سوئی کے ناکے میں سے جو کہ سب سے تنگ گزرنے کی جگہ ہے' نہ گزر جائے۔ یہ کسی چیز کو محال کے ساتھ معلق کرنے کے باب میں سے ہے' یعنی جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزرنا محال ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنے والوں کا جنت میں داخل ہونا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّهٗ مَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ الۡجَنَّةَ وَمَاۡوٰىهُ النَّارُ﴾ (المائدہ:۵/۷۲) ''جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے گا اللہ تعالیٰ جنت کو اس پر حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہو گا'' ۔ اور یہاں فرمایا: ﴿وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الۡمُجۡرِمِيۡنَ﴾ ''اور ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں گناہ گاروں کو'' یعنی وہ لوگ جن کے جرائم بہت زیادہ اور جن کی سرکشی بے انتہا ہے۔

﴿لَهُمۡ مِّنۡ جَهَنَّمَ مِهَادٌ﴾ ''ان کے لیے جہنم کا بچھونا ہے'' یعنی ان کے نیچے آگ کے بچھونے ہوں گے ﴿وَّمِنۡ فَوۡقِهِمۡ غَوَاشٍ﴾ ''ان کے اوپر سے اوڑھنا'' یعنی عذاب کے بادل ہوں گے جو ان پر چھائے ہوئے ہوں گے ﴿وَكَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ﴾ ''اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو' اپنے آپ پر ظلم کرنے والوں کو ہم ان کے جرم کے مطابق جزا دیتے ہیں اور تیرا رب اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَاۤ ۡ اُولٰٓـئِكَ

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل کیے اچھے' نہیں تکلیف دیتے ہم کسی جان کو مگر اسکی طاقت کے مطابق ہی' یہ لوگ ہیں

اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٤٢﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ

جنتی، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ اور نکال دیں گے ہم جو ہو گا ان کے سینوں میں کینہ

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ۚ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا ۟ وَمَا

بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں، اور کہیں گے وہ، سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہدایت دی ہمیں اس کی، اور نہ

كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَاۤ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ ۚ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ؕ

تھے ہم کہ ہدایت پاتے اگر نہ ہوتی یہ بات کہ ہدایت دی ہم کو اللہ نے، البتہ تحقیق آئے تھے رسول ہمارے رب کے ساتھ حق کے

وَنُوْدُوْۤا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٤٣﴾

اور آواز دیے جائیں گے وہ کہ یہ جنت ہے، وارث بنائے گئے ہو تم اس کے بسبب اس کے جو تھے تم عمل کرتے ○

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے نافرمان ظالموں کو دیے جانے والے عذاب کا ذکر فرمایا، تب اس نے اہل اطاعت بندوں کے ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے۔'' یعنی جو دل سے ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ''اور عمل نیک کرتے رہے۔'' یعنی اپنے جوارح سے نیک عمل کرتے رہے۔ پس اس طرح وہ ایمان و عمل، اعمال ظاہرہ اور اعمال باطنہ کو جمع کرتے ہیں اور بیک وقت فعلِ واجب اور ترک محرمات پر عمل کرتے ہیں۔ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ﴿وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ﴾ ایک عام لفظ ہے جو واجب اور مستحب تمام نیکیوں کو شامل ہے، اور بسا اوقات بعض نیکیاں بندے کی مقدرت سے باہر ہوتی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَاۤ﴾ ''ہم ہر نفس کو اس کی طاقت کے مطابق مکلف کرتے ہیں'' اور اس کی مقدرت سے بڑھ کر اس پر بوجھ نہیں ڈالتے۔ لہٰذا اس حال میں اس پر فرض ہے کہ وہ استطاعت بھر اللہ تعالیٰ سے ڈرے اگر بعض فرائض و واجبات کی تعمیل سے عاجز ہو اور ان کو بجا لانے پر قادر نہ ہو تو یہ فرائض اس پر سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرۃ: ۲/۲۸۶) ''اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا'' یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص پر صرف وہی چیز فرض کرتا ہے جسے سرانجام دینے کی وہ طاقت رکھتا ہے۔ فرمایا: ﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا مَاۤ اٰتٰىهَا﴾ (الطلاق: ۶۵/۷) ''اللہ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر صرف اسی کے مطابق جو اس کو عطا کیا ہے''۔ فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج: ۲۲/۷۸) ''اور (اللہ تعالیٰ نے) تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی''۔ فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: ۶۴/۱۶) ''پس جہاں تک طاقت ہو اللہ سے ڈرتے رہو''۔ پس معلوم ہوا کہ عاجز ہونے کی صورت میں واجب کی ادائیگی لازم نہیں اور نہ اضطراری صورت حال میں محرمات سے اجتناب واجب رہتا ہے۔

﴿اُولٰٓئِكَ﴾ ''ایسے ہی لوگ'' یعنی ایمان اور عمل صالح سے متصف لوگ ﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ﴾

''اہل بہشت ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔'' یعنی انہیں جنت سے نکالا نہیں جائے گا اور نہ وہ خود جنت کے بدلے کوئی اور چیز چاہیں گے' کیونکہ انہیں جنت میں انواع واقسام کی لذتیں حاصل ہوں گی' تمام خواہشات پوری ہوں گی' انہیں کوئی روک ٹوک نہ ہوگی اور اس سے بلند تر کسی مقام کی طلب نہ ہوگی۔ ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ﴾ ''اور نکال لیں گے ہم جو کچھ ان کے دلوں میں خفگی ہوگی'' یہ اہل جنت پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور احسان ہوگا کہ دنیا میں ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف جو کینہ اور بغض اور ایک دوسرے سے مقابلے کی جو رغبت موجود تھی' اللہ تعالیٰ اس کو زائل اور ختم کر دے گا یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے والے بھائی اور باصفا دوست ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ﴾ (الحجر: ٤٧/١٥) ''اور ان کے دلوں میں جو کینہ اور کدورت ہوگی ہم اسے نکال دیں گے اور وہ بھائی بھائی بن کر تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھیں گے''۔ اللہ تعالیٰ ان کو اکرام و تکریم عطا کرے گا جس پر ہر ایک کو خوشی اور مسرت ہوگی اور ہر ایک یہی سمجھے گا کہ جو نعمتیں اسے عطا ہوئی ہیں ان سے بڑھ کر کوئی اور نعمت نہیں اس لیے وہ حسد اور بغض سے محفوظ و مامون رہیں گے' کیونکہ حسد اور بغض کے تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے۔ ﴿تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ﴾ ''بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں'' یعنی وہ جب چاہیں گے اور جہاں چاہیں گے نہریں نکال لیں گے۔ اگر وہ یہ نہریں اپنے محلات میں لے جانا چاہیں یا اپنے بلند و بالا خانوں میں یا پھولوں سے سجے ہوئے باغات کی روشوں میں لے جانا چاہیں تو لے جائیں گے۔ یہ ایسی نہریں ہوں گی جن میں گڑھے نہیں ہوں گے اور بھلائیاں ہوں گی جن کی کوئی حد نہ ہوگی۔

﴿وَ﴾ ''اور'' اس لیے جب وہ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کو دیکھیں گے ﴿قَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ هَدٰىنَا لِهٰذَا﴾ ''کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں کا راستہ دکھایا۔'' یعنی وہ پکار اٹھیں گے ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہم پر احسان فرمایا' ہمارے دلوں میں الہام فرمایا اور اس پر ایمان لے آئے اور ایسے اعمال کیے جو نعمتوں کے اس گھر تک پہنچاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ایمان و اعمال کی حفاظت کی حتیٰ کہ اس نے ہمیں اس جنت میں داخل کر دیا۔ بہت ہی اچھا ہے وہ رب کریم جس نے ہمیں نعمتیں عطا کیں' ظاہری اور باطنی اتنی نعمتوں سے نوازا کہ کوئی ان کو شمار نہیں کر سکتا۔ ﴿وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ﴾ ''اور اگر اللہ ہم کو راستہ نہ دکھاتا تو ہم راستہ نہ پا سکتے۔'' اگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں اپنی ہدایت اور اتباع رسل سے نہ نوازا ہوتا تو ہمارے نفوس میں ہدایت کو قبول کرنے کی قابلیت نہ تھی۔ ﴿لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ ''یقیناً لائے تھے ہمارے رب کے رسول سچی بات'' یعنی جب وہ ان نعمتوں سے متمتع ہو رہے ہوں گے جن کے بارے میں انبیا و مرسلین نے خبر دی تھی اور یہ خبر ان کے لیے علم الیقین کے بعد حق الیقین بن گئی۔ وہ کہیں گے کہ ہمارے سامنے یہ

بات متحقق ہوگئی اور ہم نے ہر وہ چیز دیکھ لی ہے جس کا انبیا و رسل نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا تھا اور یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ وہ سب کچھ حق الیقین ہے جو انبیا و مرسلین لے کر مبعوث ہوئے۔ جس میں کوئی شک و شبہ اور کوئی اشکال نہیں۔

﴿وَنُوْدُوْٓا﴾ "اور منادی کردی جائے گی۔" تہنیت و اکرام اور سلام و احترام کے طور پر انہیں پکارا جائے گا ﴿اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا﴾ "یہ جنت ہے' وارث ہوئے تم اس کے" یعنی تم اس کے وارث ہو اور یہ تمہاری جاگیر ہے' جب کہ جہنم کافروں کی جاگیر ہوگی۔ ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ﴾ "اپنے اعمال کے بدلے میں" سلف میں سے کسی نے فرمایا ہے کہ اہل جنت اللہ تعالیٰ کے عفو کی وجہ سے جہنم سے نجات پائیں گے' اس کی رحمت کی بنا پر جنت میں داخل ہوں گے اور اپنے اعمال کے بدلے اس کے وارث بنیں گے اور اس کی منازل کو باہم تقسیم کریں گے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہے' بلکہ اس کی رحمت کی بلند ترین نوع ہے۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا

اور پکار کر کہیں گے جنتی' دوزخیوں کو کہ تحقیق پایا ہم نے جو وعدہ کیا تھا ہم سے ہمارے رب نے

حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ

سچا' تو کیا پایا ہے تم نے بھی جو وعدہ کیا تھا تمہارے رب نے تم سے' سچا؟ کہیں گے وہ ہاں' پھر اعلان کرے گا ایک اعلان کرنیوالا

بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

درمیان ان کے کہ لعنت ہے اللہ کی اوپر ظالموں کے ○ وہ لوگ جو روکتے تھے اللہ کی راہ سے

وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۴۵﴾

اور تلاش کرتے تھے اس میں کجی' اور وہ ساتھ آخرت کے کفر کرنے والے تھے ○

وقف لازم

اللہ تعالیٰ' یہ ذکر کرنے کے بعد کہ اہل ایمان اور کفار جنت اور جہنم میں اپنے اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں سب کچھ ویسا ہی پائیں گے جیسا انبیا و رسل نے ان کو خبر دی تھی اور جیسا کہ ثواب و عقاب کے بارے میں انبیا کی لائی ہوئی کتابوں میں تحریر تھا' فرماتا ہے کہ اہل جنت جہنمیوں کو پکار کر کہیں گے: ﴿اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا﴾ "کہ جو وعدہ ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا ہم نے تو اسے سچا پا لیا۔" جب اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے اور نیک عمل کرنے پر جنت کا وعدہ کیا تو ہم نے اس کے وعدہ کو سچا پایا' اس نے ہمیں جنت میں داخل کر دیا ہم نے وہاں وہ سب کچھ دیکھا جو اس نے ہمارے لیے بیان کیا تھا ﴿فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا﴾ "بھلا جو وعدہ تمہارے رب نے تم سے کیا تھا' کیا تم نے بھی اسے سچا پایا؟" یعنی تمہارے کفر اور معاصی پر تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے اسے سچا پایا؟

﴿قَالُوْا نَعَمْ﴾ ''وہ کہیں گے ہاں!'' ہم نے اسے سچ پایا۔ پس تمام مخلوق کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بات سے زیادہ کس کی بات سچی ہو سکتی ہے؟ تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے اور معاملہ حق الیقین بن جائے گا۔ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے وعدے پر خوش ہوں گے' کفار بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے۔ وہ اپنے بارے میں خود اقرار کریں گے کہ وہ عذاب کے مستحق ہیں۔

﴿فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ بَيْنَهُمْ﴾ ''تو (اس وقت) ان میں ایک پکارنے والا پکارے گا۔'' پکارنے والا اہل جہنم اور اہل جنت کے درمیان پکار کر کہے گا: ﴿اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ﴾ ''کہ لعنت ہے اللہ کی'' یعنی ہر بھلائی سے بُعد اور محرومی ﴿عَلَى الظّٰلِمِيْنَ﴾ ''ظالموں پر'' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے اپنی رحمت کے دروازے کھولے مگر انہوں نے اپنے ظلم کی وجہ سے ان سے منہ موڑا' خود اپنے آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکے رکھا اور دوسروں کو بھی اس راستے پر نہ چلنے دیا۔ پس وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کا راستہ سیدھا ہے اور اس پر چلنے والے اعتدال کے ساتھ اس پر گامزن رہیں۔ ﴿وَ﴾ ''اور'' یہ کفار ﴿يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ ''ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی'' یعنی سیدھے راستے سے ہٹا ہوا ﴿وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ﴾ ''اور وہ آخرت کے منکر تھے'' یہی کفر ہے جو راہ راست سے ان کے انحراف کا باعث بنا اور یہی کفر ہے جو نفس کی شہوات محرمہ کو محور بنانے' آخرت پر عدم ایمان' عذاب سے عدم خوف اور ثواب سے ناامیدی کا موجب بنا۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اہل ایمان پر سایہ کناں' اس کا فضل ان کے شامل حال اور اس کا احسان ان پر متواتر ہے۔

وَ بَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا

اور انکے درمیان پردہ ہوگا' اور اوپر اعراف کے کچھ لوگ ہوں گے' جو پہچانتے ہوں گے ہر ایک کو انکی خاص علامات سے' اور وہ پکاریں گے

اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَاِذَا

جنت والوں کو کہ سلام ہو تم پر' نہ داخل ہوئے ہوں گے وہ جنت میں (ابھی تک) اور وہ امید رکھتے ہوں گے ○ اور جب

صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ۙ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ

پھیری جائیں گی ان کی آنکھیں طرف دوزخیوں کی' تو وہ کہیں گے! اے ہمارے رب! نہ کر تو ہمیں ساتھ

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ ع ۵ وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ

ظالم لوگوں کے ○ اور پکار کر کہیں گے اعراف والے کچھ ایسے لوگوں کو جنہیں وہ پہچانتے ہوں گے

بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا مَاۤ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾

ان کی خاص علامات سے' کہیں گے کہ نہیں فائدہ دیا تمہیں تمہارے جتھے نے اور (نہ اس نے) جو تھے تم تکبر کرتے ○

اَهٰۤؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ؕ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ

کیا یہی وہ لوگ ہیں جنکی بابت قسمیں کھاتے تھے تم کہ نہیں پہنچائے گا انکو اللہ رحمت' (ان سے تو کہہ دیا گیا) داخل ہو جاؤ تم جنت میں

لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿٤٩﴾

نہیں ہے کوئی خوف تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے ○

یعنی اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان ایک حجاب ہوگا جسے ''مقام اعراف'' کہا جائے گا۔ یہ مقام جنت میں شامل ہوگا نہ جہنم میں۔ اس مقام سے جنت اور جہنم دونوں میں جھانکا جا سکے گا اور جنتیوں اور جہنمیوں کے احوال کو دیکھا جا سکے گا۔ اس مقام اعراف میں کچھ لوگ ہوں گے جو اہل جنت اور اہل جہنم کو ان کی ان علامات کے ذریعے سے پہچانتے ہوں گے جو ان کی امتیازی علامات ہیں۔ جب وہ اہل جنت کی طرف دیکھیں گے تو پکار کر کہیں گے ﴿ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ﴾ ''سلامتی ہے تم پر'' یعنی وہ ان پر سلام کہیں گے۔ وہ ابھی تک جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے البتہ وہ جنت میں داخلے کے امیدوار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں امید تب ہی جاگزیں کرتا ہے جب وہ ان کو اپنی تکریم سے نوازنے کا ارادہ کرتا ہے۔ ﴿ وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ اَصْحٰبِ النَّارِ ﴾ ''اور جب ان کی نظر اہل جہنم کی طرف جائے گی'' تو ان کو بہت ہی ہولناک اور قبیح منظر دیکھنے کو ملے گا۔ تو وہ پکار اٹھیں گے ﴿ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''اے ہمارے رب ہم کو ظالموں کے ساتھ نہ کرنا'' اہل اعراف جب اہل جنت کو دیکھیں گے تو وہ بھی جنت میں ان کی معیت کی خواہش کریں گے اور وہ ان کو تحیہ وسلام پیش کریں گے اور جب غیر اختیاری طور پر ان کی نظریں اہل جہنم کی طرف اٹھیں گی تو وہ عمومی طور پر ان کی حالت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں گے۔

عمومی ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے خصوصی ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰىهُمْ ﴾ ''اور اعراف والے پکاریں گے ان لوگوں کو کہ ان کو پہچانتے ہوں گے ان کی نشانی سے''۔ اور وہ اہل جہنم ہوں گے، وہ دنیا میں شرف و آبرو اور مال و اولاد والے تھے۔۔۔ ان کو اکیلے عذاب میں مبتلا دیکھ کر کہ اب ان کا کوئی حامی و ناصر نہیں۔۔۔ کہیں گے: ﴿ مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ ﴾ ''آج تمہاری جماعت تمہارے کچھ کام نہ آئی۔'' یہاں تمہارے وہ جتھے کام نہ آئے جن کی مدد سے دنیا میں اپنی تکالیف دور کیا کرتے تھے۔ دنیاوی مطالب کے حصول کے لیے ان کو وسیلہ بنایا کرتے تھے۔ آج ہر چیز مضمحل ہوگئی اور کچھ بھی تمہارے کام نہ آیا اور اسی طرح حق، حق لانے والے اور حق کی اتباع کرنے والوں کے مقابلے میں تمہارے تکبر نے تمہیں کیا فائدہ دیا؟ پھر وہ اہل جنت کی طرف، جو دنیا میں کمزور و ناتواں اور محتاج ہوا کرتے تھے۔۔۔ اشارہ کرکے اہل جہنم سے کہیں گے ﴿ اَهٰٓؤُلَآءِ ﴾ ''اب یہ وہی ہیں'' یعنی جن کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل کیا ﴿ الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ﴾ ''جن کے بارے میں تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اللہ اپنی رحمت سے ان کی دستگیری نہیں کرے گا۔'' یعنی تم لوگ اہل ایمان کے ساتھ نفرت اور حقارت کا اظہار کرتے ہوئے نہایت خود پسندی کے ساتھ قسمیں اٹھا کر کہا کرتے

تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے نہیں نوازے گا۔ اب تم اپنی قسموں میں جھوٹے ہو گئے ہو۔ اس چیز کی حقیقت تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دی ہے جسے تم کسی شمار میں نہیں لایا کرتے تھے۔

﴿ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ ﴾ "تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔" یعنی اپنے اعمال کے صلہ میں جنت میں داخل ہو جاؤ یعنی کمزور اور ناتواں لوگوں کو اکرام و احترام کے ساتھ کہا جائے گا کہ اپنے نیک اعمال کی جزا کے طور پر جنت میں داخل ہو جاؤ ﴿ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ ﴾ مستقبل میں تمہیں کسی تکلیف کا خوف نہ ہو گا ﴿ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴾ اور جو کچھ گزر گیا ہے تم اس پر غمزدہ نہیں ہو گے۔ بلکہ تم محفوظ و مامون، مطمئن اور ہر بھلائی پر فرحاں و شاداں ہو گے۔ اس کی نظیر اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے! ﴿ اِنَّ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا كَانُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يَضْحَكُوْنَ ۝ وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ ۝ وَاِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمُ انْقَلَبُوْا فَكِهِيْنَ ۝ وَاِذَا رَاَوْهُمْ قَالُوْٓا اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَضَآلُّوْنَ ۝ وَمَآ اُرْسِلُوْا عَلَيْهِمْ حٰفِظِيْنَ ۝ فَالْيَوْمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُوْنَ ۝ عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَ ﴾ (المطففین: ۸۳/۲۹-۳۵) "وہ مجرم جو دنیا میں اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے جب ان کے پاس سے گزرتے تو حقارت سے اشارے کیا کرتے تھے اپنے گھر واپس لوٹتے تو اکڑفوں کے ساتھ اتراتے ہوئے لوٹتے اور جب اہل ایمان کو دیکھتے تو کہتے یہ تو گمراہ ہیں۔ حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ آج اہل ایمان کافروں پر ہنسیں گے اور اپنے تختوں پر بیٹھے کافروں کا حال دیکھ رہے ہوں گے"۔

اہل علم اور مفسرین میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ اصحاب اعراف سے کیا مراد ہے اور ان کے اعمال کیا ہیں۔ اس بارے میں صحیح مسلک یہ ہے کہ اصحاب اعراف وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ نہ تو ان کی برائیاں زیادہ ہوں گی جس کی بنا پر وہ جہنم میں داخل ہو جائیں اور نہ ان کی نیکیاں زیادہ ہوں گی کہ جنت میں داخل ہو جائیں۔ پس جب تک اللہ چاہے گا یہ لوگ مقام اعراف میں قیام کریں گے پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں جنت میں داخل کرے گا کیونکہ اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت کرتی اور غالب آتی ہے اور اس کی رحمت ہر چیز پر سایہ کناں ہے۔

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا

اور پکار کر کہیں گے دوزخی جنتیوں کو، یہ کہ ڈالو تم ہم پر کچھ پانی سے یا (پھینکو) کچھ اس میں سے جو

رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝۵۰ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا

رزق دیا ہے تمہیں اللہ نے، کہیں گے جنتی! بیشک اللہ نے حرام کر دی ہیں یہ دونوں چیزیں اوپر کافروں کے ○ وہ لوگ جنہوں نے بنالیا

دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا

اپنے دین کو تماشہ اور کھیل، اور دھوکے میں ڈالے رکھا انکو زندگانی دنیا نے، پس آج ہم بھلا دیں گے انہیں جیسے بھلا دیا تھا انہوں نے

لِقَآءَ يَوۡمِهِمۡ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدۡ جِئۡنٰهُمۡ بِكِتٰبٍ

ملاقات کو اپنے اس دن کی اور جو تھے وہ ہماری آیات کا انکار کرتے ○ اور البتہ تحقیق لائے ہم ان کے پاس ایسی کتاب کہ

فَصَّلۡنٰهُ عَلٰى عِلۡمٍ هُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۲﴾ هَلۡ يَنۡظُرُوۡنَ اِلَّا تَاۡوِيۡلَهٗ ؕ

مفصل بیان کیا ہم نے اسکو ساتھ علم کے وہ ہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں ○ نہیں انتظار کرتے وہ مگر اسکے انجام (قیامت) کا

يَوۡمَ يَاۡتِىۡ تَاۡوِيۡلُهٗ يَقُوۡلُ الَّذِيۡنَ نَسُوۡهُ مِنۡ قَبۡلُ قَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ رَبِّنَا

جس دن آئے گا انجام اس کا، تو کہیں گے وہ لوگ جو بھولے ہوئے تھے اس کو اس سے پہلے، تحقیق آئے تھے رسول ہمارے رب کے

بِالۡحَـقِّ ۚ فَهَلۡ لَّنَا مِنۡ شُفَعَآءَ فَيَشۡفَعُوۡا لَنَاۤ اَوۡ نُرَدُّ فَنَعۡمَلَ غَيۡرَ الَّذِىۡ كُنَّا

ساتھ حق کے، پس کیا ہمارے لیے کوئی سفارشی ہیں کہ وہ سفارش کریں ہمارے لیے یا لوٹا دیے جائیں ہم تو عمل کریں گے علاوہ انکے جو تھے

نَـعۡمَلُ ؕ قَدۡ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ ﴿۵۳﴾ ع

ہم (پہلے) عمل کرتے، تحقیق خسارے میں ڈالا انہوں نے اپنے آپ کو اور گم ہو گیا ان سے جو تھے وہ افتراء باندھتے ○

جب اہل جہنم کو عذاب پوری طرح گھیر لے گا' جب وہ بے انتہا بھوک اور انتہائی تکلیف دہ پیاس میں مبتلا ہوں گے تو وہ اہل جنت کو پکار کر مدد کے لیے بلائیں گے اور کہیں گے: ﴿اَفِيۡضُوۡا عَلَيۡنَا مِنَ الۡمَآءِ اَوۡ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ﴾ "بہاؤ ہم پر تھوڑا سا پانی یا کچھ اس میں سے جو روزی دی تم کو اللہ نے" یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کھانا تمہیں عطا کیا ہے۔ اہل جنت ان کو جواب میں کہیں گے: ﴿اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا﴾ "اللہ نے ان دونوں کو حرام کر دیا ہے" یعنی جنت کا پانی اور کھانا ﴿عَلَى الۡكٰفِرِيۡنَ﴾ "کافروں پر۔" یہ سب کچھ اس پاداش میں ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کیا اور انہوں نے اس دین کو۔۔۔ جس پر قائم رہنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور اس پر انہیں بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا تھا' کھیل تماشہ بنالیا ﴿لَهۡوًا وَّلَعِبًا﴾ "تماشا اور کھیل" یعنی ان کے دل غافل اور دین سے گریزاں تھے اور انہوں نے دین کا تمسخر اڑایا۔ یا اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے دین کے بدلے لہو ولعب کو اختیار کر لیا اور دین قیم کے عوض لہو ولعب کو چن لیا۔

﴿وَغَرَّتۡهُمُ الۡحَيٰوةُ الدُّنۡيَا﴾ "اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا" یعنی دنیا نے اپنی زیب و زینت سے اور دنیا کی طرف بلانے والوں کی کثرت نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا۔ پس وہ دنیا سے مطمئن ہو کر اس سے خوش اور راضی ہو گئے اور آخرت سے منہ موڑ کر اسے بھول گئے ﴿فَالۡيَوۡمَ نَنۡسٰٮهُمۡ﴾ "پس آج ہم ان کو بھلا دیں گے" یعنی انہیں عذاب میں چھوڑے دے رہے ہیں ﴿كَمَا نَسُوۡا لِقَآءَ يَوۡمِهِمۡ هٰذَا﴾ "جیسا انہوں نے بھلا دیا اس دن کے ملنے کو" گویا کہ وہ صرف دنیا ہی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں ان کے سامنے کوئی مقصد اور کوئی جزا نہیں ﴿وَمَا كَانُوۡا بِاٰيٰتِنَا يَجۡحَدُوۡنَ﴾ "اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں کے منکر تھے"۔

حال یہ ہے کہ ان کا یہ کفر وجحود اس بنا پر نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کی روشن دلیلوں کو سمجھنے سے قاصر تھے ﴿جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ﴾ ''ہم نے ان کے پاس کتاب پہنچا دی ہے جس کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔'' بلکہ ہم تو ان کے پاس ایک ایسی کتاب لے کر آئے جس میں ہم نے وہ تمام مطالب کھول کھول کر بیان کر دیے ہیں مخلوق جن کی محتاج ہوتی ہے ﴿عَلٰی عِلْمٍ﴾ ''خبرداری سے'' یعنی ہر زمان و مکان میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال کا علم رکھتا ہے کہ ان کے لیے کیا درست ہے اور کیا درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کھول کھول کر بیان کرنا اس ہستی کا سا نہیں جو معاملات کا علم نہیں رکھتی اور بعض احوال اس سے اوجھل رہ جاتے ہیں اور اس سے کوئی نامناسب فیصلہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا بیان کرنا اس ہستی کا سا ہے جس کا علم ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور جس کی رحمت ہر چیز پر سایہ کناں ہے۔ ﴿هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ﴾ ''اور وہ مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔'' یعنی اس کتاب کے ذریعے سے اہل ایمان کے لیے گمراہی میں سے ہدایت واضح ہو جاتی ہے۔ حق و باطل اور رشد و ضلالت کے درمیان فرق واضح اور نمایاں ہو جاتا ہے' نیز وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بن جاتے ہیں اور یہ دنیا و آخرت میں بھلائی اور سعادت کا نام ہے اور ان سے اس رحمت کے ذریعے سے گمراہی اور شقاوت دور ہو جاتی ہے۔

وہ لوگ جو عذاب کے مستحق ٹھہرے' وہ اس عظیم کتاب پر ایمان نہ لائے تھے اور انہوں نے اس کے اوامر و منہیات کے احکام کی تعمیل نہیں کی تھی اب ان کے لیے کوئی چارہ سوائے اس کے نہیں رہا کہ وہ اس عذاب کے مستحق ہوں اور وہ عذاب ان پر ٹوٹ پڑے جس کے بارے میں قرآن نے آگاہ فرمایا تھا۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ﴾ ''کیا اب وہ اسی کے منتظر ہیں کہ اس کا مضمون ظاہر ہو جائے'' یعنی کیا وہ اس امر کے واقع ہونے کا انتظار کر رہے ہیں جس کی خبر دی گئی ہے' جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے اس وقت فرمایا تھا جب ان کا خواب سچا ہو گیا ﴿هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ﴾ (یوسف: ۱۰۰/۱۲) ''یہ حقیقت ہے میرے خواب کی جو اس سے قبل میں نے دیکھا'' فرمایا: ﴿يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ﴾ ''جس دن ظاہر ہو جائے گا اس کا مضمون' کہنے لگیں گے وہ لوگ جو اس کو بھول رہے تھے پہلے سے'' یعنی جو کچھ بیت گیا ہے اس پر ندامت اور تاسف کا اظہار کرتے ہوئے' اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے سفارش تلاش کرتے ہوئے اور اس چیز کا اقرار کر کے جسے لے کر انبیاء و مرسلین مبعوث ہوئے' کہیں گے: ﴿قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ﴾ ''بے شک لائے تھے ہمارے رب کے رسول سچی بات' سو اب کوئی ہماری سفارش کرنے والے ہیں تو ہماری سفارش کریں یا ہم لوٹا دیے جائیں'' ﴿فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ﴾ ''تو ہم عمل کریں خلاف اس کے جو ہم کر رہے تھے'' حالانکہ دنیا کی طرف واپس لوٹنے کا وقت گزر چکا ہے ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشّٰفِعِيْنَ﴾ (المدثر: ۴۸/۷۴)

''پس سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے کسی کام نہیں آئے گی''۔ ان کی دنیا میں واپس لوٹنے کی التجا' تا کہ وہ نیک عمل کر سکیں' محض جھوٹ ہے ان کا مقصد تو محض اس عذاب کو دور کرنا ہے جو ان پر وارد ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ (الانعام: ٦/ ٢٨) ''اگر انہیں دنیا میں دوبارہ بھیج بھی دیا جائے تو یہ وہی کام کریں گے جن سے ان کو روکا گیا ہے۔ بے شک یہ جھوٹے ہیں''۔

﴿قَدْ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ﴾ ''بے شک نقصان میں ڈالا انہوں نے اپنے آپ کو'' جب کہ وہ منافع سے محروم ہو گئے اور ہلاکت کی راہوں پر جا نکلے۔ یہ خسارہ مال اور اثاثوں یا اولاد کا خسارہ نہیں بلکہ یہ تو ایسا خسارہ ہے کہ متاثرین کے لیے اس کی کوئی تلافی ہی نہیں۔ ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ﴾ ''اور گم ہو جائے گا ان سے جو وہ افتراء کیا کرتے تھے'' یعنی دنیا میں اپنی خواہشات نفس اور شیطان کے وعدوں کے مطابق بہتان طرازی کیا کرتے تھے اور اب ان کے سامنے وہ کچھ آ گیا جو ان کے کسی حساب ہی میں نہ تھا۔ ان کے سامنے ان کا باطل اور گمراہی اور انبیا و مرسلین علیہم السلام کی صداقت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى

یقیناً تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر وہ مستوی ہو گیا

عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ

اوپر عرش کے' وہ ڈھانپتا ہے رات سے دن کو' طلب کرتی ہے (رات) اس (دن) کو جلدی جلدی' اور (پیدا کیے) سورج اور چاند اور تارے

مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾

درآنحالیکہ وہ (سب) تابع ہیں اللہ کے حکم کے' آگاہ رہو! اسی کیلئے ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا' بہت بابرکت ہے اللہ' رب جہانوں کا O

اللہ تبارک و تعالیٰ واضح کرتا ہے کہ وہ اکیلا رب معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے: ﴿اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ ''بے شک تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو'' اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے' زمین و آسمان کی وسعت' ان کی عظمت' ان کے محکم ہونے' ان کے مہارت کے ساتھ بنے ہوئے اور ان کی انوکھی تخلیق کے باوصف ﴿فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ﴾ ''چھ دن میں'' سب کچھ اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں پیدا کیا ہے۔ پہلا دن اتوار تھا اور آخری دن جمعہ تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق پوری کر دی اور ان کے اندر اپنے تمام امور ودیعت کر دیئے۔ ﴿اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ﴾ ''وہ عرش پر جا ٹھہرا''، یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ عرش عظیم پر مستوی ہوا اور عرش عظیم تمام آسمانوں' زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے' سب پر محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ عرش عظیم پر اس طرح مستوی ہوا جس طرح اس کے جلال' اس کی عظمت اور اس کی سلطنت کے لائق ہے۔ پس وہ عرش پر مستوی ہوا' اس کا اقتدار تمام ممالک کو شامل ہے' اس نے اپنے تمام احکام تکوینی اور احکام

دینی جاری فرمائے۔ بنابریں فرمایا: ﴿یُغۡشِی الَّیۡلَ﴾ ''اڑھاتا ہے وہ رات کو'' ﴿النَّہَارَ﴾ ''دن پر'' یعنی اندھیری رات روشن دن کو ڈھانپ لیتی ہے اور زمین پر اندھیرا چھا جاتا ہے' انسان آرام کرتے ہیں اور مخلوقات اپنے اپنے مسکنوں میں دن بھر کے آنے جانے اور تھکاوٹ سے آرام پاتے ہیں۔ ﴿یَطۡلُبُہٗ حَثِیۡثًا﴾ ''کہ وہ اس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا'' جب رات آتی ہے تو دن چلا جاتا ہے اور جب دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے اور یہ گردش لیل و نہار ہمیشہ جاری رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کی بساط لپیٹ دے گا اور بندے اس جہان فانی سے دوسرے جہان میں منتقل ہو جائیں گے۔ ﴿وَّالشَّمۡسَ وَالۡقَمَرَ وَالنُّجُوۡمَ مُسَخَّرٰتٍۭ بِاَمۡرِہٖ﴾ ''اور پیدا کیے سورج' چاند اور تارے' تابع دار اپنے (اللہ) کے حکم کے'' یعنی سورج' چاند اور ستارے اس کی تسخیر و تدبیر سے مسخر ہیں' جو اس کے اوصاف کمال کی دلیل ہے۔ پس ان کی تخلیق اور ان کا اتنا بڑا ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر اور اس کائنات کا محکم' مضبوط اور منظم ہونا اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر دلالت کرتا ہے اور سورج' چاند اور ستاروں میں جو ضروری اور بعض دیگر فوائد اور مصالح رکھے گئے ہیں' وہ اس کے بے کراں علم اور بے پایاں رحمت پر دلیل ہیں۔ نیز اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ وہی معبود برحق ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

﴿اَلَا لَہُ الۡخَلۡقُ وَالۡاَمۡرُ﴾ ''اسی کے لیے ہے پیدا کرنا بھی اور حکم بھی۔'' یعنی وہی تخلیق کا مالک ہے جس سے تمام مخلوقات مخلوق علوی' مخلوق سفلی' ان کے اعیان' اوصاف اور افعال صادر ہوتے ہیں اور امر کا بھی مالک ہے جو شریعت و نبوت کو متضمن ہے۔ پس ''تخلیق'' اس کے احکام کونی و قدری کو اور ''امر'' احکام دینی و شرعی کو متضمن ہے اور احکام جزا کا اجراء دار بقا میں ہوگا ﴿تَبٰرَکَ اللّٰہُ﴾ یعنی وہ بلند اور عظمت والا ہے اس کی بھلائی اور احسان بہت زیادہ ہے' وہ اپنی ذات کے اعتبار سے بھی اپنی عظمت اوصاف اور کمال صفات کی بنا پر بہت بابرکت ہے اور مخلوق کو بے پایاں بھلائی اور بے شمار نیکی سے نواز کر دوسروں کو بھی برکت عطا کرتا ہے۔ پس اس کائنات میں جو برکات نظر آتی ہیں وہ اس کی رحمت کے آثار ہیں۔ بنابریں فرمایا: ﴿تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الۡعٰلَمِیۡنَ﴾ ''بڑا بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔'' جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی صفت عظمت و جلال کا ذکر فرمایا جو عقل مندوں کی اس حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتی ہے کہ تمام حوائج میں وہی اکیلا معبود مقصود ہے۔ تو اب اس چیز کا حکم دیا جو اس حقیقت پر مترتب ہوتی ہے۔

اُدۡعُوۡا رَبَّکُمۡ تَضَرُّعًا وَّخُفۡیَۃً ؕ اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ ﴿۵۵﴾ وَلَا

پکارو تم اپنے رب کو آہ و زاری کرتے ہوئے اور چپکے چپکے' تحقیق وہ نہیں پسند کرتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو ○ اور نہ

تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ بَعۡدَ اِصۡلَاحِہَا وَادۡعُوۡہُ خَوۡفًا وَّطَمَعًا ؕ اِنَّ رَحۡمَتَ اللّٰہِ

فساد کرو تم زمین میں بعد اس کی اصلاح کے' اور پکارو اللہ کو خوف اور طمع کرتے ہوئے' یقیناً اللہ کی رحمت

﴿قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾﴾

قریب ہے احسان کرنے والوں کے ○

''دعا'' میں دعائے مسئلہ اور دعائے عبادت دونوں شامل ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ اسے پکاریں ﴿تَضَرُّعًا﴾ ''عاجزی سے۔'' یعنی گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے مانگیں اور جم کر اس کی عبادت کریں۔ ﴿وَخُفْيَةً﴾ ''اور چپکے سے۔'' یعنی بآواز بلند اور علانیہ نہ گڑگڑائیں جس سے ریا کا خدشہ ہو بلکہ چھپ چھپ کر خالص اللہ تعالیٰ کے لیے آہ وزاری کریں ﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ ''وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔'' یعنی تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ بھی حد سے تجاوز ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے ایسی چیزوں کا سوال کرے جو بندے کے لیے درست نہیں' یا وہ سرے سے سوال کرنا ہی چھوڑ دے' یا وہ بہت زیادہ بلند آواز میں دعا مانگے۔ یہ تمام امور تجاوز حدود میں شامل ہیں جو ممنوع ہیں۔ ﴿وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ﴾ ''اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔'' یعنی اپنی نافرمانیوں کے ذریعے سے زمین میں فساد نہ پھیلاؤ ﴿بَعْدَ إِصْلَاحِهَا﴾ ''اس کی اصلاح کے بعد'' یعنی اطاعت اور نیکی کے ذریعے سے اس کی اصلاح کر لینے کے بعد' کیونکہ معاصی' اخلاق' اعمال اور رزق کو فاسد کر دیتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ (الروم: ۴۱/۳۰) ''لوگوں کی بد اعمالیوں کے سبب سے بحر و بر میں فساد پھیل گیا۔'' جیسے نیکیوں سے اخلاق' اعمال' رزق اور دنیا و آخرت کے احوال کی اصلاح ہوتی ہے۔

﴿وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا﴾ ''اور اس (اللہ) سے خوف کرتے ہوئے اور امید رکھ کر دعائیں مانگتے رہو'' اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اس کے ثواب کی امید رکھتے ہوئے اسے پکارو' نیز یہ امید بھی رکھو کہ اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرمائے گا اور اس بات سے بھی ڈرو کہ کہیں اللہ تعالیٰ دعا کو رد نہ کر دے۔ اس بندے کی طرح دعا نہ مانگو جو ناز و ادا کے ذریعے سے اپنے رب کے سامنے جرأت اور گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے۔ جو خود پسندی کا شکار ہے اور جس نے اپنے نفس کو اس کی اصل حیثیت سے بڑھ کر حیثیت دی ہے اور نہ اس شخص کی طرح دعا مانگو جو غافل دل کے ساتھ دعا مانگتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آداب دعا کے بارے میں جو کچھ ذکر فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دعا میں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہو اور دعائے خفی اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کو متضمن ہے۔ دعا کا چھپانا اور اس کا اخفاء یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ سے خائف ہو اور اس کے ساتھ ساتھ دعا کی قبولیت کی امید رکھتا ہو' غافل دل کے ساتھ دعا نہ کرے' اپنے آپ کو مامون نہ سمجھے اور نہ قبولیت دعا کے بارے میں بے پروائی کا اظہار کرے اور یہ چیز دعا میں احسان کا درجہ رکھتی ہے۔ کیونکہ ہر عبادت میں احسان یہ ہے کہ بندہ اس عبادت میں اپنی پوری جدوجہد صرف کر دے' اسے نہایت کامل طریقے سے ادا کرے اور کسی طور بھی اس میں نقص واقع نہ ہونے

دے۔ اسی لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مقام احسان پر پہنچنے والے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے والے لوگ۔ پس بندہ جتنا زیادہ احسان کے مقام پر فائز ہوگا اتنی ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے قریب ہوگی۔ اس آیت کریمہ میں احسان کی ترغیب ہے' جو مخفی نہیں۔

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ ۖ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ

اور وہی ہے جو بھیجتا ہے ہوائیں خوشخبری دینے والی پہلے اپنی رحمت سے' یہاں تک کہ جب وہ اٹھاتی ہیں

سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ

بھاری بادل کو' تو ہانکتے ہیں ہم انکو ایک شہر مردہ کی طرف' پھر اتارتے ہیں ہم اسکے ذریعے پانی' پھر نکالتے ہیں ہم اسکے ذریعے سے

مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ ۚ كَذَٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٥٧﴾ وَالْبَلَدُ

ہر طرح کے میوے' اسی طرح نکالیں گے ہم مُردوں کو (قبروں سے) تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○ اور شہر

الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۖ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا

پاکیزہ (عمدہ زمین) نکلتی ہے اس کی انگوری اپنے رب کے حکم سے' اور جو (زمین) خراب ہے' نہیں نکلتی (اس کی انگوری) مگر

نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾ ع ۱۴

ناقص' اسی طرح پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں ہم آیات کو ان لوگوں کے لیے جو شکر کرتے ہیں ○

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی قدرت اور رحمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ﴾ ”اور وہی ہے جو چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والی اس کی رحمت (بارش) سے پہلے“ یعنی وہ ہوائیں جو بارش کی خوشخبری دیتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے بادلوں کو زمین سے اٹھاتی ہیں اور مخلوق اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے اور اس کے برسنے سے قبل ان کے دلوں میں خوشی کے کنول کھل اٹھتے ہیں ﴿حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ﴾ ”یہاں تک کہ جب وہ اٹھا لاتی ہیں“ یعنی ہوائیں ﴿سَحَابًا ثِقَالًا﴾ ”بھاری بادلوں کو“ بعض ہوائیں ان بادلوں کو اٹھاتی ہیں' بعض دوسری ہوائیں ان کو اکٹھا کرتی ہیں اور کچھ ہوائیں ان کو باردار کرتی ہیں ﴿سُقْنَاهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ ”تو ہانک دیتے ہیں ہم اس (بادل) کو ایک مردہ شہر کی طرف“ اس علاقے کے حیوانات ہلاکت کے قریب اور وہاں کے باسی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو چلے تھے ﴿فَأَنزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ﴾ ”پھر اس (بادل) سے مینہ برساتے ہیں۔“ یعنی اس بادل کے ذریعے سے ہم نے اس مردہ زمین پر خوب پانی برسایا' اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا کو مسخر کیا جو بادلوں کو پانی سے لبریز کرتی ہے اور دوسری ہوا اللہ کے حکم سے ان بادلوں کو لخت لخت کر کے بکھیرتی ہے ﴿فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ﴾ ”پھر نکالتے ہیں ہم اس سے ہر طرح کے پھل“ پس وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر

خوش ہو جاتے ہیں اور اس کی بھلائی سے خوب خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ﴿ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾ ''اسی طرح ہم نکالیں گے مردوں کو تاکہ تم نصیحت پکڑو'' یعنی جس طرح ہم نے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو نباتات کے ذریعے سے زندہ کیا اسی طرح ہم مردوں کو جب وہ اپنی قبروں میں ریزہ ریزہ ہو کر مٹی بن چکے ہوں گے، زندہ کریں گے۔ یہ استدلال بہت واضح ہے دونوں امور میں کوئی فرق نہیں۔ زندگی بعد موت کو بعید سمجھتے ہوئے اس کا انکار کرنا۔۔۔۔۔۔ حالانکہ اس کا انکار کرنے والا اس کے نظائر کا مشاہدہ کرتا ہے۔۔۔۔۔۔ عناد اور محسوسات کے انکار کے زمرے میں آتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چشم غفلت سے دیکھنے کی بجائے چشم عبرت سے ان میں غور کرنے اور تدبر و تفکر کی ترغیب دی گئی ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان مختلف قطعات زمین میں تفاوت کا ذکر فرمایا ہے جس پر بارش برستی ہے۔ ﴿ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ ﴾ ''اور جو شہر پاکیزہ ہے'' یعنی جس کی مٹی اور اصل پاکیزہ ہے، جب اس پر بارش اترتی ہے ﴿يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ﴾ ''اس کا سبزہ نکلتا ہے'' جو اس کے لیے تیار ہوتی ہے ﴿بِاِذْنِ رَبِّهٖ﴾ ''اس کے رب کے حکم سے'' یہ نباتات اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے ظاہر ہوتی ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو تو اشیا کے وجود میں اسباب کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتے۔ ﴿وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا﴾ ''اور جو خراب زمین ہے اس میں سے خراب اور خسیس نباتات ہی نکلتی ہیں'' جس میں کوئی فائدہ اور کوئی برکت نہیں ہوتی۔ ﴿ كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُوْنَ ﴾ ''اسی طرح ہم آیتوں کو شکر گزار لوگوں کے لیے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں'' یعنی ہم آیات کی مختلف انواع اور مثالیں ان لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف اور اقرار کر کے اس کے شکر گزار ہوتے ہیں اور ان نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق تصرف کرتے ہیں۔ پس یہی لوگ ہیں جو ان احکام اور مطالب الٰہیہ سے مستفید ہوتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تفصیل بیان کی ہے کیونکہ وہ ان احکام الٰہیہ کو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت خیال کرتے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس پہنچی ہے اور وہ اپنے آپ کو اس نعمت کا محتاج سمجھتے ہوئے اسے خوشی خوشی قبول کرتے ہیں اور ان احکام میں غور و فکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی استعداد کے مطابق ان کے سامنے ان احکام کے معانی بیان کر دیتا ہے۔

یہ دلوں کے لیے ایک مثال ہے جب ان پر وحی الٰہی کا نزول ہوتا ہے یہ مادۂ حیات ہے اور بادل بارش کا مادہ ہے۔ قلوب طاہرہ کے پاس جب وحی آتی ہے تو اسے قبول کرتے ہیں اور اسے سیکھتے ہیں اور اپنی فطرت کی پاکیزگی اور اپنے عنصر کی اچھائی کے مطابق نشوونما پاتے ہیں۔ قلوب خبیثہ، جن میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی جب ان کے پاس وحی آتی ہے تو وہ قابل قبول مقام و محل نہیں پاتی بلکہ وہ انہیں غافل اور روگرداں یا مخالفت کرنے والے پاتی ہے۔ پس اس کی مثال اس بارش کی مانند ہے جو شور زدہ زمین، ریت کے ٹیلوں اور چٹانوں پر برستی ہے تو ان پر کوئی اثر

نہیں ہوتا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ﴾ (الرعد: ۱۳/۱۷) الخ "اللہ نے آسمان سے پانی برسایا پھر اپنے اپنے اندازے کے مطابق ندی نالے بہہ نکلے اور پانی نے پھولا ہوا جھاگ اٹھایا"۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ
البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح کو طرف اسکی قوم کے پس اس نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو تم اللہ کی، نہیں ہے تمہارے لیے کوئی

اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ
معبود سوائے اس کے، یقیناً میں اندیشہ کرتا ہوں تم پر عذاب کا بڑے دن کے ○ کہا سرداروں نے

مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ
اسکی قوم میں سے! بیشک ہم تو دیکھتے ہیں تجھے گمراہی ظاہر میں ○ کہا نوح نے اے میری قوم! نہیں ہے میرے ساتھ کوئی گمراہی

وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ
لیکن میں رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے ○ پہنچاتا ہوں تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور خیر خواہی کرتا ہوں تمہاری

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ
اور جانتا ہوں میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جو نہیں جانتے تم ○ کیا تعجب کرتے ہو تم اس بات سے کہ آئی تمہارے پاس نصیحت

مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾
تمہارے رب کی طرف سے اوپر ایک ایسے آدمی کے جو تم میں سے ہے؟ تاکہ وہ ڈرائے تمہیں اور تاکہ تم ڈر جاؤ اور تاکہ تم رحم کیے جاؤ ○

فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا
پس جھٹلایا انہوں نے نوح کو تو نجات دی ہم نے اسے اور انکو جو اسکے ساتھ تھے کشتی میں، اور غرق کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے جھٹلایا تھا

بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾ ع ۱۵
ہماری آیات کو، بلاشبہ وہ لوگ تھے (دل کے) اندھے ○

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کے دلائل میں سے ایک اچھا حصہ ذکر فرمایا، تو اب اس کی تائید میں انبیائے کرام کا، جو اس کی توحید کے داعی تھے اور اس رویے کا جو ان کی امتوں کے منکرین توحید کی طرف سے پیش آیا، اسے بیان فرما رہا ہے۔ نیز یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کیسے اہل توحید کی تائید فرمائی اور انبیا و مرسلین سے عناد رکھنے والوں اور ان کی اطاعت نہ کرنے والوں کو ہلاک کر دیا۔۔۔ اور کیسے انبیا و مرسلین کی دعوت ایک ہی دین اور ایک ہی عقیدہ پر متفق تھی۔ چنانچہ نوح علیہ السلام، جو اولین رسول ہیں، کے بارے میں فرمایا: ﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ ﴾ "ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔" حضرت نوح علیہ السلام کفار کو اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف دعوت دیتے

تھے جبکہ وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ﴿فَقَالَ﴾ نوح علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ ”اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔“ یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ ﴿مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ ”اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں“ کیونکہ وہی خالق و رازق اور تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے اور اس کے سوا ہر چیز مخلوق اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر و تصرف کے تحت ہے اور کسی معاملے میں اسے کوئی اختیار نہیں۔ پھر انہیں عدم اطاعت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ ”میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے“ یہ ان کے لیے نوح علیہ السلام کی خیر خواہی اور شفقت ہے کہ وہ ان کے بارے میں ابدی عذاب اور دائمی بدبختی سے خائف ہیں جیسے ان کے بھائی دیگر انبیا و مرسلین مخلوق پر ان کے ماں باپ سے زیادہ شفقت رکھتے تھے۔

جب نوح علیہ السلام نے ان سے یہ بات کہی تو انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کو بدترین جواب دیا: ﴿قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ﴾ ”ان کی قوم کے سرداروں نے کہا“ یعنی سرداروں اور دولت مند راہنماؤں نے کہا' حق کے سامنے تکبر کرنا اور انبیاء و مرسلین کی اطاعت نہ کرنا' ہمیشہ سے ان کی عادت رہی ہے ﴿اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ﴾ ”ہم دیکھتے ہیں تجھ کو صریح بہکا ہوا“ انہوں نے اسی پر بس نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ ان کا برا کرے۔ کہ انہوں نے انبیا و رسل کی اطاعت نہیں کی بلکہ وہ جناب نوح علیہ السلام سے تکبر کے ساتھ پیش آئے اور ان کی عیب چینی کی اور ان کو گمراہی سے منسوب کیا پھر انہوں نے آں جناب کو مجرد گمراہ کہنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ایسی گمراہی سے منسوب کیا جو ہر ایک پر واضح ہوتی ہے۔ یہ انکار حق اور عناد کی بدترین قسم ہے جو کمزور لوگوں میں عقل و فہم نہیں چھوڑتی یہ وصف تو قوم نوح پر منطبق ہوتا ہے جو بتوں کو خدا مانتے ہیں جن کو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے پتھروں کو تراش کر بنایا ہے۔ جو سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ان کے کسی کام آسکتے ہیں۔ انہوں نے ان خداؤں کو وہی مقام دے دیا جو اس کائنات کو پیدا کرنے والے کا مقام ہے اور ان کے تقرب کے حصول کی خاطر مختلف عبادات ان کے لیے مقرر کر دیں۔ اگر ان کا ذہن نہ ہوتا جس کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہوتی ہے تو ان کے بارے میں یہی فیصلہ ہوتا کہ فاتر العقل لوگ ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں بلکہ ان سے زیادہ عقل مند ہیں۔

نوح علیہ السلام نے نہایت لطیف پیرائے میں جواب دیا جو ان میں رقت پیدا کرے شاید کہ وہ اطاعت کرنے لگیں۔ ﴿يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ﴾ ”اے میری قوم! مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے۔“ یعنی میں کسی بھی مسئلہ میں کسی طرح بھی گمراہ نہیں ہوں بلکہ میں تو ہدایت یافتہ اور راہ ہدایت دکھانے والا ہوں' بلکہ آنجناب کی راہ نمائی' دیگر اولوالعزم رسولوں کی راہ نمائی کی جنس سے ہے اور راہنمائی کی نہایت اعلیٰ اور کامل ترین نوع ہے اور یہ ہے رسالت کاملہ و تامہ کی راہ نمائی۔ بنابریں فرمایا ﴿وَلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ”لیکن میں تو رسول ہوں رب

العالمین کی طرف سے''یعنی جو میرا' تمہارا اور تمام مخلوق کا رب ہے' جو مختلف انواع کی ربوبیت کے ذریعے سے مخلوق کو نوازتا ہے' اس کی سب سے بڑی ربوبیت یہ ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی طرف اپنے رسول بھیجے جو انہیں اعمال صالحہ' اخلاق حسنہ اور عقائد صحیحہ کا حکم دیتے ہیں اور ان کے منافی اور متضاد امور سے روکتے ہیں۔ ﴿ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ ﴾ ''پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور خیر خواہی کرتا ہوں تمہاری''یعنی میری ذمہ داری نہایت خیر خواہی اور شفقت کے ساتھ تمہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے اوامر و نواہی وضاحت کے ساتھ پہنچا دینا ہے۔ ﴿ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جو تم نہیں جانتے'' اس لیے جو چیز متعین ہے وہ یہ ہے کہ تم میری اطاعت کرو اور اگر تم علم رکھتے ہو تو میرے حکم کی تعمیل کرو۔

﴿ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ ﴾ ''کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی۔''یعنی تم اس حالت پر کیوں کر تعجب کرتے ہو جس پر تعجب نہیں ہونا چاہئے وہ یہ کہ تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک شخص کے ذریعے سے' جس کی حقیقت' صداقت اور حال سے تم واقف ہو' اللہ تعالیٰ کی طرف سے یاد دہانی' نصیحت اور خیر خواہی آئی؟ یہ صورت حال تم پر اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کا احسان ہے جس کو شکر گزاری کے ساتھ قبول کیا جانا چاہئے۔ ﴿ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴾ ''تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تاکہ تم پرہیز گار بنو اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔''یعنی تاکہ وہ تمہیں دردناک عذاب سے ڈرائے اور تاکہ تم ظاہری اور باطنی طور پر تقویٰ پر عمل کر کے اپنے لیے نجات کے اسباب مہیا کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت حاصل ہوتی ہے۔

مگر ان کی بابت نوح علیہ السلام کی کوششیں کامیاب نہ ہوئیں ﴿ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ ﴾ ''پس انہوں نے اس کو جھٹلایا' پھر ہم نے بچا لیا اس کو اور ان کو جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں''یعنی اس کشتی میں ان کو نجات دی جس کو بنانے کا اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور ان کی طرف وحی فرمائی کہ وہ تمام حیوانات میں سے ایک ایک جوڑا' اپنے گھر والوں اور اپنے ساتھی اہل ایمان کو اس کشتی میں سوار کر لیں۔ انہوں نے ان سب کو سوار کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کے ذریعے سے ان کو نجات دی۔ ﴿ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴾ ''اور غرق کر دیا ان کو جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو' بے شک وہ لوگ اندھے تھے'' یعنی وہ ہدایت سے اندھے تھے' انہوں نے حق کو دیکھ لیا تھا' اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے ہاتھ پر ان کو ایسی ایسی کھلی نشانیاں دکھائی تھیں کہ عقلمند لوگ ان پر ایمان لے آتے ہیں مگر انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کا تمسخر اڑایا' آنجناب کے ساتھ گستاخی سے پیش آئے اور ان کا انکار کیا۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ۭ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۭ
اور (بھیجا ہم نے) طرف عاد کی انکے بھائی ہود کو اس نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو تم اللہ کی نہیں ہے تمہارے لیے کوئی معبود سوائے اسکے
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ
کیا پس نہیں ڈرتے تم؟ ○ کہا ان چودھریوں نے جنھوں نے کفر کیا تھا اس کی قوم میں سے' بلاشبہ ہم البتہ دیکھتے ہیں تجھے
سَفَاهَةٍ وَّاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ
بیوقوفی میں' اور یقیناً ہم گمان کرتے ہیں تجھے جھوٹوں میں سے ○ کہا (ہود نے) اے میری قوم! نہیں ہے میرے ساتھ بیوقوفی
وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٦٧﴾ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ
لیکن میں تو رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے ○ پہنچاتا ہوں تمہیں پیغامات اپنے رب کے' اور میں تمہارے لیے
نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿٦٨﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَاۗءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰي رَجُلٍ
خیر خواہ ہوں' امین ہوں ○ کیا تعجب کرتے ہو تم اس بات سے کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اوپر ایسے آدمی کے
مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ ۭ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاۗءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ
جو تم ہی میں سے ہے تاکہ ڈرائے وہ تمہیں' اور یاد کرو جبکہ اس نے بنایا تمہیں ایک دوسرے کا جانشین بعد قوم نوح کے
وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَاۗءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾
اور زیادہ دیا تمہیں قدوقامت میں پھیلاؤ' پس یاد کرو تم نعمتیں اللہ کی تاکہ تم فلاح پاؤ ○
قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا ۚ
انہوں نے کہا! کیا آیا ہے تو ہمارے پاس اس لیے کہ عبادت کریں ہم اللہ اکیلے کی اور چھوڑ دیں انہیں جن کی تھے عبادت کرتے ہمارے باپ دادا؟
فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ
پس لے آ تو ہم پر وہ (عذاب) جس سے ڈراتا ہے تو ہمیں' اگر ہے تو سچوں میں سے ○ کہا (ہود نے) تحقیق ثابت ہو گیا تم پر
مِّنْ رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَاۗءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ
تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب' کیا جھگڑتے ہو تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں کہ رکھ لیے ہیں وہ
اَنْتُمْ وَاٰبَاۗؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ
تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے؟ نہیں نازل فرمائی اللہ نے ان کی کوئی دلیل' سو انتظار کرو تم' بے شک میں بھی تمہارے ساتھ
مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿٧١﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ
انتظار کرنیوالوں میں سے ہوں ○ پھر نجات دی ہم نے ہود کو اور انکو جو اس کیساتھ تھے ساتھ اپنی رحمت کے' اور کاٹ دی ہم نے جڑ
ع ٩ / ١٦ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٢﴾ ع
ان کی جنھوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور نہ تھے وہ ایمان لانے والے ○

﴿ وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ﴾ ''اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا'' یعنی ہم نے عاد اولیٰ کی طرف' جو سرزمین یمن میں آباد تھے ان کے نسبی بھائی ہود علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا جو ان کو توحید کی دعوت دیتے تھے اور ان کو شرک اور زمین میں سرکشی سے روکتے تھے ﴿ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴾ ''انہوں نے کہا' اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو' اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں' پس کیا تم ڈرتے نہیں۔'' اپنے اس رویئے پر قائم رہتے ہوئے تمہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب سے ڈر نہیں لگتا؟ مگر انہوں نے حضرت ہود کی بات مانی نہ ان کی اطاعت کی۔ ﴿ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ ﴾ ''ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے' کہنے لگے۔'' یعنی ان کی قوم کے سرداروں نے ان کی دعوت کو ٹھکراتے ہوئے اور ان کی رائے میں عیب چینی کرتے ہوئے کہا: ﴿ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴾ ''ہم تجھے بیوقوف اور بے راہ رو سمجھتے ہیں اور ہمارا ظن یہ ہے کہ تو جھوٹا ہے۔''

ان کے سامنے حقیقت بدل گئی اور ان کا اندھا پن مستحکم ہو گیا کیونکہ انہوں نے اپنے نبی (علیہ السلام) کی مذمت کی اور ایسے وصف کو ان کی طرف منسوب کیا جس سے خود متصف تھے' حالانکہ ہود علیہ السلام لوگوں میں سب سے زیادہ اس وصف سے دور تھے۔ درحقیقت وہ خود بیوقوف اور جھوٹے تھے۔

اس شخص سے بڑھ کر کون بیوقوف ہو سکتا ہے جو سب سے بڑے حق کو ٹھکراتا اور اس کا انکار کرتا ہے۔ جو تکبر سے راہ ہدایت دکھانے والوں اور خیر خواہوں کی اطاعت نہیں کرتا۔ جو اپنے دل و جاں سے ہر سرکش شیطان کی اطاعت کرتا ہے اور غیر مستحق ہستیوں کی عبادت کرتا ہے چنانچہ وہ پتھروں اور درختوں کی عبادت کرتا ہے جو اس کے کسی کام نہیں آ سکتے۔ اور اس شخص سے بڑھ کر کون جھوٹا ہو سکتا ہے جو ان مذکورہ امور کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے؟ ﴿ قَالَ يَٰقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ ﴾ ''انہوں نے کہا' اے میری قوم' میں بے عقل نہیں'' یعنی وہ کسی طرح بھی بیوقوف نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول' راہ ہدایت دکھانے والے اور ہدایت یافتہ ہیں ﴿ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ﴾ ''میں جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔'' ﴿ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ ﴾ ''میں پہنچاتا ہوں تم کو اپنے رب کے پیغام اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں' اعتماد کے لائق'' پس تم پر فرض ہے کہ تم میری رسالت کو مانتے ہوئے اور بندوں کے رب کی اطاعت کرتے ہوئے اسے قبول کرو۔

﴿ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ ﴾ ''کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی تاکہ وہ تمہیں ڈرائے۔'' یعنی تم ایسے معاملے میں کیوں کر تعجب کرتے ہو جس پر تعجب نہیں ہونا چاہئے اور وہ معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم ہی میں سے ایک شخص کو جس کو تم خوب جانتے ہو' تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے' وہ تمہیں ان باتوں کی یاد دہانی کراتا

ہے جن میں تمہارے مصالح پنہاں ہیں اور تمہیں ان امور کی ترغیب دیتا ہے جن میں تمہارے لیے فائدہ ہے اور تم اس پر اس طرح تعجب کرتے ہو جیسے منکرین تعجب کرتے ہیں۔ ﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ﴾ ’’اور یاد کرو جب کہ تم کو جانشین بنایا قوم نوح کے بعد‘‘ یعنی تم اپنے رب کی حمد و ثنا بیان کرو اور اس کا شکر ادا کرو کیونکہ اس نے تمہیں زمین میں اقتدار عطا کیا اور اس نے تمہیں ہلاک ہونے والی قوموں کا جانشین بنایا جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس پاداش میں ہلاک کر دیا اور تمہیں باقی رکھا تاکہ وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ تم رسولوں کی تکذیب پر جمے رہنے سے بچو، جیسے وہ جمے رہے ورنہ تمہارے ساتھ بھی وہی سلوک ہو گا جو ان کے ساتھ ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد رکھو جو اس نے تمہارے لیے مختص کی اور وہ نعمت یہ ہے ﴿وَّزَادَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصْۜطَةً﴾ ’’اس نے زیادہ کر دیا تمہارے بدن کا پھیلاؤ‘‘ یعنی اس نے تمہیں بہت زیادہ قوت، بڑے بڑے مضبوط جسم اور نہایت سخت پکڑ عطا کی۔ ﴿فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ﴾ ’’پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔‘‘ یعنی تم اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں اور اس کے مکرر احسانات کو یاد رکھو ﴿لَعَلَّكُمْ﴾ ’’تاکہ تم‘‘ یعنی اگر تم ان نعمتوں کو شکر گزاری کے ساتھ اور ان کا حق ادا کرتے ہوئے یاد رکھو گے ﴿تُفْلِحُوْنَ﴾ ’’کامیاب ہو جاؤ‘‘ یعنی اپنے مطلوب و مقصود کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے اور اس چیز سے نجات پا لو گے جس سے ڈرتے ہو۔ ہود علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی، ان کو توحید کا حکم دیا اور ان کے سامنے خود اپنے اوصاف بیان کئے اور فرمایا کہ وہ ان کے لیے نہایت امانت دار خیر خواہ ہیں۔ انہیں اس بات سے ڈرایا کہ کہیں اللہ تعالیٰ ان کا اسی طرح مواخذہ نہ کرے جس طرح اس نے ان سے پہلی قوموں کا مواخذہ کیا ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں اللہ تعالیٰ کا احسان یاد دلایا جو وافر رزق کی صورت میں ان پر کیا گیا۔ مگر انہوں نے جناب ہود علیہ السلام کی اطاعت کی نہ ان کی دعوت کو قبول کیا۔

﴿قَالُوْٓا﴾ انہوں نے ہود علیہ السلام کی دعوت پر تعجب کرتے اور ان کو خبردار کرتے ہوئے کہ یہ بہت محال ہے کہ وہ ان کی اطاعت کریں، کہا: ﴿اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا﴾ ’’کیا تو ہمارے پاس اس واسطے آیا کہ ہم صرف ایک اللہ کی بندگی کریں اور ان کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے‘‘ اللہ تعالیٰ ان کا برا کرے کہ انہوں نے اس امر کے مقابلے میں، جو سب سے زیادہ واجب اور سب سے زیادہ کامل ہے، اس مذہب کو پیش کیا جس پر انہوں نے اپنے آباء و اجداد کو گامزن پایا۔ اپنے گمراہ آباء و اجداد کے شرک اور عبادت اصنام کو انبیاء و مرسلین کی دعوت یعنی اللہ وحدہ لاشریک کی توحید پر ترجیح دی اور اپنے نبی کو جھٹلایا اور کہنے لگے: ﴿فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ ’’پس لے آ تو ہمارے پاس جس چیز سے تو ہم کو ڈراتا ہے، اگر تو سچا ہے‘‘ یہ مطالبہ خود ان کی طرف سے تھا۔ ﴿قَالَ﴾ ہود علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾

﴿رِجۡسٌ وَّغَضَبٌ﴾ ’’تم پر واقع ہو چکا ہے تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غصہ‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب کا واقع ہونا اٹل ہے کیونکہ اس کے اسباب وجود میں آ گئے اور ان کی ہلاکت کا وقت قریب آ گیا ﴿اَتُجَادِلُوۡنَنِیۡ فِیۡۤ اَسۡمَآءٍ سَمَّیۡتُمُوۡهَاۤ اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ﴾ ’’کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے خود رکھ لیے ہیں۔‘‘ یعنی تم ایسے امور میں میرے ساتھ کیوں کر جھگڑتے ہو جن کی کوئی حقیقت نہیں اور ان بتوں کے بارے میں میرے ساتھ کیسے بحث کرتے ہو جن کو تم نے معبودوں کے نام سے موسوم کر رکھا ہے حالانکہ ان کے اندر الوہیت کی ذرہ بھر بھی صفت نہیں ﴿مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ﴾ ’’اللہ نے ان پر کوئی دلیل نہیں اتاری‘‘ کیونکہ اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی تائید میں ضرور کوئی دلیل نازل فرماتا۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل کا عدم نزول' ان کے باطل ہونے کی دلیل ہے' کیونکہ کوئی ایسا مطلوب و مقصود نہیں۔۔۔ خاص طور پر بڑے بڑے امور۔۔۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے دلائل و براہین کو بیان نہ فرما دیا ہو اور ایسی حجت نازل نہ فرما دی ہو جس کے ہوتے مطلوب و مقصود مخفی نہیں رہ سکتا۔

﴿فَانۡتَظِرُوۡۤا﴾ ’’پس تم انتظار کرو۔‘‘ یعنی پس اس عذاب کا انتظار کرو جو تم پر ٹوٹ پڑنے والا ہے جس کا میں نے تمہارے ساتھ وعدہ کیا ہے ﴿اِنِّیۡ مَعَكُمۡ مِّنَ الۡمُنۡتَظِرِیۡنَ﴾ ’’میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں' اور انتظار کی دونوں اقسام میں فرق ہے ایک انتظار اس شخص کا انتظار ہے جو عذاب کے واقع ہونے سے ڈرتا ہے دوسرا انتظار اس شخص کا انتظار ہے جو اللہ تعالیٰ کی مدد اور ثواب کا امیدوار ہے۔ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ فرما دیا۔ ﴿فَاَنۡجَیۡنٰهُ﴾ پس ہم نے ہود علیہ السلام کو نجات دے دی ﴿وَالَّذِیۡنَ﴾ ’’اور ان کو جو ایمان لائے تھے‘‘ ﴿مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا﴾ ’’اس کے ساتھ' اپنی رحمت سے‘‘ کیونکہ وہی ہے جس نے ان کی ایمان کی طرف راہ نمائی کی اور ان کے ایمان کو ایسا سبب بنایا جس کے ذریعے سے وہ اس کی رحمت حاصل کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کو نجات عطا کر دی۔ ﴿وَقَطَعۡنَا دَابِرَ الَّذِیۡنَ كَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا﴾ ’’اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کی جڑ کاٹ دی۔‘‘ یعنی ہم نے سخت عذاب کے ذریعے سے ان کی جڑ کاٹ دی اور اس عذاب نے ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر نامبارک سخت ہوا مسلط کر دی۔ وہ جس چیز پر بھی چلتی اسے ریزہ ریزہ کرتی چلی جاتی۔ پس وہ ہلاک کر دیے گئے اور وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کہیں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ پس ان لوگوں کا انجام دیکھو جن کو اس انجام سے ڈرایا گیا تھا' ان پر حجت قائم کی گئی تھی مگر انہوں نے تسلیم نہ کیا' ان کو ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا مگر وہ ایمان نہ لائے۔ تب ان کا انجام ہلاکت' رسوائی اور فضیحت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ﴿وَاُتۡبِعُوۡا فِیۡ هٰذِهِ الدُّنۡیَا لَعۡنَةً وَّیَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوۡا رَبَّهُمۡ اَلَا بُعۡدًا لِّعَادٍ قَوۡمِ هُوۡدٍ﴾ (هود: ۱۱/ ۶۰) ’’اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کا پیچھا کرتی رہی اور قیامت کے روز بھی یہ

لعنت ان کے پیچھے لگی رہے گی۔ دیکھو عاد نے اپنے رب کا انکار کیا اور دیکھو ہود کی قوم عاد پر پھٹکار ہے''۔

یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور جڑ کاٹ دی ہم نے ان کی جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو اور نہیں مانتے تھے'' یعنی وہ کسی طرح بھی ایمان نہ لائے تھے' بلکہ تکذیب اور عناد ان کا وصف' تکبر اور فساد ان کی پہچان تھی۔

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

اور (بھیجا ہم نے) طرف ثمود کی انکے بھائی صالح کو' (صالح نے) کہا اے میری قوم اعبادت کرو تم اللہ کی نہیں تمہارے لیے کوئی معبود سوائے اسکے

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ

تحقیق آ گئی ہے تمہارے پاس واضح دلیل تمہارے رب کی طرف سے' یہ اونٹنی ہے اللہ کی تمہارے لیے خاص نشانی' پس چھوڑ دو تم اسے کہ چرتی پھرے

فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ وَاذْكُرُوْۤا اِذْ

اللہ کی زمین میں' اور مت ہاتھ لگانا اسے ساتھ برائی کے' ورنہ پکڑ لے گا تمہیں عذاب دردناک ○ اور یاد کرو جب کہ

جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ

اس نے بنایا تمہیں ایک دوسرے کا جانشین بعد عاد کے اور ٹھکانا دیا تمہیں زمین میں' بناتے ہو تم

مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا

اس کی نرم (مٹی) سے محلات اور (بناتے ہو تم) تراش کر پہاڑوں کو گھر' پس یاد کرو تم نعمتیں اللہ کی اور مت

تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ

پھرو زمین میں فسادی بن کر ○ کہا ان وڈیروں نے جنہوں نے تکبر کیا اس کی قوم میں سے

لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ

واسطے ان لوگوں کے جو کمزور سمجھے جاتے تھے' جو ایمان لے آئے تھے ان میں سے' کیا تم جانتے ہو کہ صالح فرستادہ ہے

مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا

اپنے رب کا؟ کہا انہوں نے یقیناً ہم اس چیز پر کہ بھیجا گیا ہے وہ ساتھ اسکے ایمان لاتے ہیں ○ کہا انہوں نے جنہوں نے تکبر کیا یقیناً ہم

بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا

ساتھ اس چیز کے کہ ایمان لائے ہو تم اس پر' کفر کرتے ہیں ○ پس کاٹ ڈالیں انہوں نے ٹانگیں اونٹنی کی اور سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے اور کہا

يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ

اے صالح! لے آ ہم پر وہ عذاب کہ ڈراتا ہے تو ہمیں (اس سے) اگر ہے تو بھیجے ہوئے (رسولوں) میں سے ○ تو پکڑ لیا انہیں زلزلے نے

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ

پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ○ پس پھر اوہ ان سے اور کہا اے میری قوم! بلاشبہ پہنچا دیا تھا میں نے تمہیں

وقف لازم

رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾

پیغام اپنے رب کا اور خیر خواہی کی تھی میں نے تمہاری' اور لیکن نہیں پسند کرتے تم خیر خواہوں کو○

﴿وَاِلٰى ثَمُوْدَ﴾ ''اور ثمود کی طرف'' ثمود قدیم عربوں کا معروف قبیلہ تھا جو جزیرۃ العرب اور ارض حجاز میں حجر اور اس کے ارد گرد کے علاقوں میں آباد تھا ﴿اَخَاهُمْ صٰلِحًا﴾ اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر ان کی طرف مبعوث کیا جو انہیں توحید اور ایمان کی دعوت دیتے تھے اور انہیں شرک اور اللہ تعالیٰ کے ہمسر گھڑنے سے روکتے تھے۔ ﴿قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ ''انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔'' صالح علیہ السلام کی دعوت بھی وہی تھی جو ان کے بھائی دیگر انبیا و مرسلین کی دعوت تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دینا اور یہ واضح کر دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بندوں کا کوئی الہ نہیں ﴿قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ''تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک معجزہ آ چکا ہے۔'' یعنی ایک خارق عادت دلیل تمہارے پاس آ گئی ہے جو آسمانی معجزہ ہے اور انسان اس قسم کی نشانی پیش کرنے پر قادر نہیں۔ پھر اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً﴾ ''یہی اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے معجزہ ہے۔'' یہ شرف و فضل کی حامل اونٹنی ہے کیونکہ اللہ کی طرف اس کی اضافت اس کے شرف کی باعث ہے اور اس میں تمہارے لیے ایک عظیم نشانی ہے۔ صالح علیہ السلام نے اس اونٹنی کے معجزہ ہونے کی وجہ بیان فرمائی: ﴿لَهَا شِرْبٌ وَّلَكُمْ شِرْبُ يَوْمٍ مَّعْلُوْمٍ﴾ (الشعراء: ۱۵۵/۲۶) ''ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقررہ دن تمہارے پانی پینے کی باری ہے''۔ ان کے ہاں ایک بہت بڑا کنواں تھا جو ''اونٹنی والا کنواں'' کے نام سے معروف تھا۔ اسی کنوئیں سے وہ اور اونٹنی اپنی اپنی باری کے مطابق پانی پیتے تھے۔ ایک دن اونٹنی کے پانی پینے کے لیے مقرر تھا۔ وہ اس اونٹنی کے تھنوں سے دودھ پیتے تھے۔ ایک دن لوگوں کے لیے مقرر تھا' اس دن وہ کنوئیں پر پانی لینے کی غرض سے آتے' تو اونٹنی وہاں سے چلی جاتی۔ ان کے نبی صالح علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ﴾ ''پس اس کو چھوڑ دو کہ کھائے اللہ کی زمین میں'' تم پر اس اونٹنی کا کچھ بھی بوجھ اور ذمہ داری نہیں ﴿وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ﴾ ''اور نہ ہاتھ لگاؤ اس کو بری طرح'' یعنی اس کی کونچیں وغیرہ کاٹنے کی نیت سے اسے مت چھونا۔ ﴿فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''ورنہ تمہیں ایک دردناک عذاب آ لے گا۔''

﴿وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ﴾ ''اور یاد کرو جب اس نے تمہیں جانشین بنایا'' یعنی یاد کرو اس وقت کو جب زمین میں تمہیں جانشین بنایا' تم اس زمین سے فائدہ اٹھاتے ہو اور اپنے مقاصد حاصل کرتے ہو: ﴿مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ﴾ ''عاد کے بعد'' جن کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد تمہیں ان کا جانشین مقرر کیا۔ ﴿وَبَوَّاَكُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ ''اور تمہیں زمین پر آباد کیا'' یعنی اس نے زمین میں تمہیں ٹھکانا عطا کیا اور اس نے تمہیں وہ اسباب مہیا کیے جن کے ذریعے

سے تم اپنے ارادوں اور مقاصد کو پورا کرتے ہو۔ ﴿ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا ﴾ ”اور بناتے ہو تم نرم زمین میں محل“ یعنی نرم اور ہموار زمین پر‘ جہاں پہاڑ نہیں ہوتے۔۔۔ تم قصر تعمیر کرتے ہو ﴿ وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُیُوْتًا ﴾ ”اور پہاڑوں کو تراش تراش کر بناتے ہو گھر“ جیسا کہ پہاڑوں میں ان کے آثار اور مساکن وغیرہ دیکھ کر اب تک مشاہدہ ہوا ہے اور جب تک یہ پہاڑ باقی ہیں یہ آثار بھی باقی رہیں گے۔

﴿ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ ﴾ ”پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔“ یعنی تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو کہ اس نے تمہیں اپنے فضل و کرم‘ رزق اور قوت سے نوازا۔ ﴿ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴾ ”اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔“ یعنی فساد اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے ذریعے سے زمین کو مت اجاڑو‘ کیونکہ گناہ آباد شہروں کو بیابان بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے شہر ان سے خالی ہو گئے اور ان کے مساکن بے آباد اجڑے ہوئے باقی رہ گئے۔

﴿ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ ﴾ اس کی قوم کے وہ رؤسا اور اشراف‘ جنہوں نے تکبر سے حق کو ٹھکرایا۔ انہوں نے کہا ﴿ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا ﴾ ”ان لوگوں سے جو کمزور تھے“ چونکہ تمام مستضعفین مومن نہ تھے ﴿ لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ﴾ ”کہ جو ان میں سے ایمان لا چکے تھے‘ کیا تم جانتے ہو کہ صالح کو اس کے رب نے بھیجا ہے؟“ یعنی انہوں نے ان مستضعفین سے کہا جو صالح علیہ السلام پر ایمان لے آئے تھے کہ آیا صالح (علیہ السلام) سچا ہے یا جھوٹا؟ مستضعفین نے جواب دیا ﴿ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴾ ”ہم کو تو جو وہ لے کر آیا‘ اس پر یقین ہے“ یعنی توحید الٰہی‘ اس کے بارے میں خبر اور اللہ کے اوامر و نواہی۔ ان سب پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ ﴿ قَالَ الَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِیْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴾ ”ان لوگوں نے کہا جنہوں نے تکبر کیا‘ جس پر تم کو یقین ہے‘ ہم اس کو نہیں مانتے“ تکبر نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ حق کی اطاعت نہ کریں جس کی اطاعت قوم صالح کے کمزور و ناتواں لوگ کر رہے ہیں۔

﴿ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ ﴾ ”پس انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا“ جس کے بارے میں جناب صالح علیہ السلام نے ان کو دھمکی دی تھی کہ اگر انہوں نے اس اونٹنی کو بری نیت سے ہاتھ لگایا تو ان پر دردناک عذاب نازل ہو گا ﴿ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ ﴾ ”اور سرکشی کی انہوں نے اپنے رب کے حکم سے“ یعنی انہوں نے سخت دلی کا مظاہرہ کیا اور اس کے حکم کو تکبر سے ٹھکرا دیا کہ جس کے خلاف اگر کوئی سرکشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب کا مزا چکھاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ عذاب نازل کیا جو دوسروں پر نازل نہیں کیا۔

﴿ وَقَالُوْا ﴾ ان افعال کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ انہوں نے جناب الٰہی میں جسارت کرتے ہوئے‘ اسے عاجز سمجھتے ہوئے اور اپنے کرتوتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے‘ بلکہ ان پر فخر کرتے ہوئے کہا: ﴿ یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ ﴾ ”اے صالح! لے آ ہم پر جس سے تو ہم کو ڈراتا ہے“ یعنی جس عذاب کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے ﴿ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴾ اگر

تو رسول ہے۔ ﴿فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ﴾ (ھود: ۱۱/ ۶۵) ''صالح نے کہا اپنے گھروں میں تین دن اور فائدہ اٹھا لو یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہوگا'' ﴿فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ﴾ ''پس آپکڑا ان کو زلزلے نے' پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے'' وہ اپنے گھٹنوں کے بل اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔ اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا اور ان کی جڑ کاٹ دی۔ ﴿فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ﴾ ''پس صالح ان سے منہ پھیر کر چل دیے'' جب اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمایا تو صالح علیہ السلام ان کو چھوڑ کر چل دیئے ﴿وَقَالَ﴾ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے ان کو ہلاک کر دینے کے بعد ان سے مخاطب ہو کر ان کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ﴾ ''اے میری قوم! میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی۔'' یعنی میں ان تمام احکامات کو تم تک پہنچا چکا ہوں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا تھا۔ میں تمہاری ہدایت کا بہت متمنی تھا اور میں نے تمہیں صراط مستقیم اور دین قیم پر گامزن کرنے کی بہت کوشش کی۔ ﴿وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ﴾ ''لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے'' بلکہ تم نے خیر خواہوں کی بات کو ٹھکرا دیا اور ہر دھتکارے ہوئے شیطان کی اطاعت کی۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اس قصہ کے ضمن میں بہت سے مفسرین ذکر کرتے ہیں کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی ایک نہایت سخت اور چکنی چٹان سے اس وقت برآمد ہوئی تھی جب کفار نے صالح علیہ السلام سے معجزے کا مطالبہ کیا تھا۔ اس پتھر نے اونٹنی کو اسی طرح جنم دیا تھا جس طرح کوئی حاملہ اپنے بچے کو جنم دیتی ہے۔ ان کے دیکھتے دیکھتے یہ اونٹنی پتھر میں سے برآمد ہوئی۔ جب انہوں نے اونٹنی کو ہلاک کیا تو اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا۔ یہ بچہ تین بار بلبلایا' اس کے سامنے پہاڑ پھٹ گیا اور اونٹنی کا یہ بچہ پہاڑ کے اس شگاف میں داخل ہو گیا۔ نیز ان مفسرین کے مطابق صالح علیہ السلام نے کفار سے فرمایا تھا کہ تم پر عذاب کے نازل ہونے کی نشانی یہ ہے کہ ان مذکورہ تین دنوں میں پہلے دن تمہارے چہرے زرد' دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن سیاہ پڑ جائیں گے اور جیسے حضرت صالح علیہ السلام نے کہا تھا ویسا ہی ہوا۔

ان مفسرین کا بیان کردہ یہ قصہ اسرائیلیات میں شمار ہوتا ہے جن کو اللہ کی کتاب کی تفسیر میں نقل کرنا مناسب نہیں۔ قرآن مجید میں کوئی ایسی چیز وارد نہیں ہوئی جو کسی بھی پہلو سے اس کی صداقت پر دلالت کرتی ہو' بلکہ اس کے برعکس اگر یہ قصہ صحیح ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا ضرور ذکر فرماتا' کیونکہ یہ واقعہ بہت تعجب انگیز' عبرت انگیز اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہوتا اللہ تعالیٰ کبھی اس کو مہمل نہ چھوڑتا اور اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیے بغیر نہ رہتا اور یوں یہ قصہ ناقابل اعتماد ذرائع سے نقل نہ ہوتا۔ بلکہ قرآن کریم اس قصہ کے بعض مشمولات کی تکذیب کرتا ہے۔ صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: ﴿تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ﴾ (ھود: ۱۱۔۶۵) ''اپنے گھروں میں تین دن اور فائدہ حاصل کر لو۔'' یعنی اس بہت ہی تھوڑے سے وقت میں نعمتوں اور لذتوں سے استفادہ کر لو' کیونکہ اس

کے بعد تمہارے حصے میں کوئی لذت نہ ہوگی اور ان لوگوں کے لیے کون سی لذت اور نعمتوں سے فائدہ اٹھانا ہوسکتا ہے، جن کو ان کے نبی نے عذاب کے وقوع کی وعید سنائی ہو اور اس عذاب کے مقدمات کا بھی ذکر کر دیا ہو اور یہ عذاب روز بروز بتدریج اسی طریقے سے واقع ہو رہا ہو، جو سب کو شامل ہو کیونکہ ان کے چہروں کا سرخ، زرد اور پھر سیاہ ہو جانا اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے؟ کیا یہ قصہ قرآن کے بیان کردہ واقعات کے خلاف اور متضاد نہیں؟

جو کچھ قرآن بیان کرتا ہے وہی کافی ہے اور وہی راہ ہدایت ہے۔ ہاں! جو چیز رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو جائے اور وہ کتاب اللہ کے خلاف نہ ہو تو سر آنکھوں پر اور یہی وہ چیز ہے جس کی اتباع کا قرآن نے حکم دیا ہے۔ ﴿وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا﴾ (الحشر: ۷/۵۹) ''جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رک جاؤ''۔

گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ اسرائیلی روایات سے کتاب اللہ کی تفسیر کرنا جائز نہیں، اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ایسے امور کو، جن کا جھوٹ ہونا قطعی نہ ہو، بنی اسرائیل سے روایت کرنا جائز ہے۔ تب بھی ان کے ذریعے سے کتاب اللہ کی تفسیر کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ کتاب اللہ کے معانی یقینی ہیں اور ان اسرائیلیات کی تصدیق کی جا سکتی ہے نہ تکذیب۔ پس دونوں میں اتفاق ناممکن ہے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ
اور (یاد کیجیے!) لوط کو، جب کہا اس نے اپنی قوم سے کیا کرتے ہو تم ایسی بے حیائی جو نہیں کی پہلے تم سے وہ (برائی) کسی نے بھی
مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۸۰ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ۭ بَلْ اَنْتُمْ
جہان والوں میں سے؟ ○ بلاشبہ تم آتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کے لیے چھوڑ کر عورتوں کو، بلکہ تم
قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۝۸۱ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَخْرِجُوْهُمْ
لوگ ہو حد سے بڑھ جانے والے ○ اور نہیں تھا جواب اس کی قوم کا مگر یہ کہ کہا انہوں نے! نکال دو انہیں
مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ۝۸۲ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ڮ
اپنی بستی سے، بیشک یہ لوگ ہیں بڑے پاک صاف بنتے ○ تو نجات دی ہم نے اسکو اور اسکے گھر والوں کو سوائے اسکی بیوی کے
كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۝۸۳ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۭ فَانْظُرْ
کہ تھی وہ باقی ماندہ (ہلاک ہونے والوں) میں سے ○ اور برسائی ہم نے ان پر بارش (پتھروں کی)، تو دیکھ لیجیے
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۸۴ ع
کیسا ہوا انجام مجرموں کا؟ ○

﴿وَلُوْطًا﴾ یعنی ہمارے بندے لوط (علیہ السلام) کا ذکر کیجیے جب ہم نے ان کو ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا کہ

وہ انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیں اور انہیں اس برائی سے روکیں جو پورے جہاں میں ان سے پہلے کسی نے نہیں کی۔ لوط علیہ السلام نے کہا: ﴿ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ﴾ "کیا تم کرتے ہو ایسی بے حیائی" یعنی تم ایک ایسے گناہ کا ارتکاب کرتے ہو جس کی قباحت اتنی زیادہ ہے کہ فواحش کی تمام اقسام کو اس نے اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ ﴿ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴾ "کہ تم سے پہلے نہیں کیا اس کو کسی نے جہان میں" اس کا فحش ہونا قبیح ترین چیز ہے اور یہ کہ اس قبیح فعل کو ان لوگوں نے شروع کر کے بعد میں آنے والوں کے لیے رواج دیا تھا' اس سے بھی قبیح تر ہے۔

پھر لوط علیہ السلام نے واضح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ﴾ "خواہش نفسانی پورا کرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر لونڈوں پر گرتے ہو۔" یعنی تم کیسے عورتوں کو چھوڑ کر' جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے پیدا کیا ہے' جن سے تمتع کرنا فطرت اور جبلی شہوت کے مطابق ہے' مردوں کے ساتھ بدفعلی کرتے ہو' جو کہ قباحت اور خباثت کی انتہا ہے۔ یہ جسم کا وہ حصہ ہے جہاں سے گندگی اور بدبودار مادے خارج ہوتے ہیں اس حصے کو چھونا اور اس کے قریب جانا تو کجا اس کا نام لینے سے بھی شرم آتی ہے۔ ﴿ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴾ "بلکہ تم لوگ ہو حد سے گزرنے والے" یعنی تم اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود کو پھلانگتے ہو اور اس کے محرمات کے ارتکاب کی جسارت کرتے ہو۔ ﴿ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴾ "اور نہیں تھا جواب اس قوم کا' مگر یہ کہ ان کو اپنی بستی سے نکال دو' یہ لوگ بہت ہی پاک رہنا چاہتے ہیں" یعنی اپنے آپ کو اس فحش کام سے دور رکھنا چاہتے ہیں ﴿ وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّاۤ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ﴾ (البروج: ۸/۸۵) "وہ ان پر صرف اسی بات پر ناراض ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے جو غالب اور قابل ستائش ہے"۔

﴿ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴾ "پس ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو نجات دی' مگر اس کی بیوی کہ رہ گئی وہ وہاں کے رہنے والوں میں" یعنی وہ پیچھے رہ جانے اور عذاب میں گرفتار ہونے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کو لے کر راتوں رات وہاں سے نکل جائیں کیونکہ صبح سویرے ان کی قوم پر عذاب ٹوٹنے والا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیوی کے سوا تمام گھر والوں کو لے کر وہاں سے نکل گئے۔ اس عورت کو بھی اس عذاب نے آ لیا جو ان بدکار لوگوں پر آیا تھا۔

﴿ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ﴾ "اور ہم نے ان پر (پتھروں کا) مینہ برسایا" یعنی ہم نے سخت گرم کھنگر کے پتھر ان پر برسائے اور اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو الٹ کر اوپر نیچے کر دیا۔ ﴿ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴾ "پس دیکھو کیا ہوا انجام گناہ گاروں کا" ہلاکت اور دائمی رسوائی۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

اور (بھیجا ہم نے) طرف مدین کی انکے بھائی شعیب کو اس نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو تم اللہ کی نہیں ہے تمہارے لیے کوئی معبود سوائے اسکے

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا

تحقیق آ گئی تمہارے پاس واضح دلیل تمہارے رب کی طرف سے' پس پورا کرو تم ماپ اور تول کو' اور مت کم کر کے دو

النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ

لوگوں کو ان کی چیزیں' اور مت فساد کرو تم زمین میں بعد اس کی اصلاح کے' یہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ

اگر ہو تم مومن ○ اور مت بیٹھو تم ہر ایک راستے پر' ڈراتے ہو تم اور روکتے ہو

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا

اللہ کے راستے سے اس شخص کو جو ایمان لائے ساتھ اسکے' اور تلاش کرتے ہو تم اس (راہ) میں کجی اور یاد کرو جب کہ تھے تم تھوڑے

فَكَثَّرَكُمْ ۠ وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ

پس اس نے زیادہ کیا تمہیں۔ اور دیکھو! کیسا ہوا تھا انجام فسادیوں کا ○ اور اگر ہے ایک گروہ

مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى

تم میں سے جو ایمان لایا اس پر کہ بھیجا گیا ہوں میں ساتھ اسکے' اور ایک گروہ ہے کہ نہیں ایمان لایا وہ' پس صبر کرو تم' یہاں تک کہ

يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا ۚ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۷﴾

فیصلہ کرے اللہ ہمارے درمیان' اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ○

﴿ وَاِلٰى مَدْيَنَ ﴾ ”مدین کی طرف“ یعنی ایک معروف قبیلہ کی طرف ﴿ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ﴾ ”ان کے بھائی شعیب کو“ مبعوث کیا جو نسب میں ان کے بھائی تھے۔ جو انہیں اللہ وحدہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتے تھے اور ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم دیتے تھے۔ وہ ان کو تلقین کرتے تھے کہ وہ لوگوں کو کم چیزیں نہ دیں اور کثرت معاصی کے ارتکاب سے زمین میں فساد نہ پھیلائیں۔ ﴿ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ”اور زمین میں خرابی مت ڈالو اس کی اصلاح کے بعد' یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم مومن ہو“ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اور اس کے تقرب کی خاطر گناہوں کو ترک کرنا' بندے کے لیے ان گناہوں کے ارتکاب سے۔۔۔ جو اللہ جبار کی ناراضی اور جہنم کے عذاب کا باعث ہے۔۔۔ بہتر اور فائدہ مند ہے۔ ﴿ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ ﴾ ”اور ہر راستے پر نہ بیٹھا کرو۔“ یعنی لوگوں کے لیے راستوں پر گھات لگا کر نہ بیٹھو جہاں کثرت سے لوگوں کا گزر رہتا ہے اور تم ان راستوں سے لوگوں کو ڈراتے ہو۔ ﴿ تُوْعِدُوْنَ ﴾ ”ڈراتے ہو“ اور ان پر چلنے سے ان

کو دھمکاتے ہو۔ ﴿وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ "اور اللہ کے راستے سے روکتے ہو۔" یعنی جو کوئی راہ راست پر چلنا چاہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہو۔ ﴿وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا﴾ "اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہو" یعنی تم اللہ کے راستے میں کجی چاہتے ہو اور اپنی خواہشات نفس کی پیروی میں اسے ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو۔

تم پر اور دوسرے لوگوں پر واجب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے راستے کی تعظیم اور احترام کرو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر کر دیا ہے' تاکہ وہ اس کی رضا کی منزل' اور عزت والے گھر تک پہنچنے کے لیے اس پر گامزن ہوں اور اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اپنے بندوں کو اپنی عظیم رحمت سے نوازے۔ تمہیں تو چاہئے کہ تم اس کی مدد کرو' اس کی طرف لوگوں کو دعوت دو اور اس کا دفاع کرو۔ نہ اس کے برعکس کہ تم اس راستے کے راہزن بن کر اس کو مسدود کر دو اور لوگوں کو اس راستے سے روکو' کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناسپاسی' اللہ تعالیٰ کے ساتھ عداوت اور سب سے درست اور معتدل راستے کو ٹیڑھا کرنا ہے اور تم ان لوگوں کو برا بھلا کہتے ہو جو اس راستے پر گامزن ہیں۔

﴿وَاذْكُرُوْٓا﴾ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو ﴿اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ﴾ "جب کہ تم تھوڑے تھے' پس اس نے تم کو زیادہ کر دیا" یعنی تمہیں بیویاں' نسل اور صحت عطا کر کے تمہاری تعداد کو بڑھایا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کسی وبا اور کسی ایسی بیماری میں مبتلا نہیں کیا جو تعداد کو کم کر دیتی ہے نہ تم پر کوئی ایسا دشمن مسلط کیا جو تمہیں ہلاک کر دیتا اور نہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین میں تتر بتر کیا۔۔۔۔ بلکہ یہ اللہ کا تم پر انعام ہے کہ اس نے تمہیں مجتمع رکھا' تمہیں بے حساب رزق اور کثرت نسل سے نوازا۔ ﴿وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ "اور دیکھو کیا ہوا انجام فساد کرنے والوں کا" کیونکہ تم ان کی جمعیت میں تشتت اور افتراق اور ان کے گھروں میں وحشت اور ہلاکت کے مناظر کے سوا کچھ نہیں پاؤ گے۔ انہوں نے اپنے بارے میں اپنے پیچھے کوئی اچھے تذکرے نہیں چھوڑے' بلکہ اس کے برعکس اس دنیا میں بھی لعنت ان کا پیچھا کر رہی ہے اور قیامت کے روز بھی ان کو رسوائی اور فضیحت کا سامنا کرنا ہوگا۔

﴿وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا﴾ "اور اگر تم میں سے ایک فرقہ ایمان لایا اس پر جو میرے ہاتھ بھیجا گیا اور ایک فرقہ ایمان نہیں لایا" اور ایمان نہ لانے والا گروہ ان میں سے اکثریت کا گروہ ہے ﴿فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ﴾ "تو صبر کرو' یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کرے ہمارے درمیان اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔" پس وہ حق کو ماننے والے کی مدد کرے گا اور حق کا ابطال کرنے والے پر عذاب واقع کرے گا۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تيسير الكريم الرحمن في تفسير كلام المنان

المعروف

تفسير السعدی (اردو)

فضیلۃ الشیخ عبد الرحمٰن بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

دار السلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارُالسّلام

کتاب وسُنّت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

ریاض * جدہ * شارجہ * لاھور
لندن * ھیوسٹن * نیو یارک

DARUSSALAM

ہیڈ آفس : پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب

فون : 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون وفیکس: 4614483

جدہ فون وفیکس : 6807752 الخبر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان : ① 50 لوئر مال نزد ایم ۔ اے ۔ او کالج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)
فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com
② اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 6255925 (001 718)

Website: http://www.dar-us-salam.com

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تیسیر الکریم الرحمٰن

فی تفسیر کلام المنّان

(اردو ترجمہ)

پا رۃ نمبر نو 9

مفسر قرآن: فضیلۃ الشیخ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

تحقیق: عبدالرحمان بن معلا اللویحق حفظہ اللہ

ترجمۃ القرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ترجمۃ التفسیر: پروفیسر طیبب شاہین لودھی حفظہ اللہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمانِ الٰہی

وَقَالَ الرَّسُولُ
يَارَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَهْجُورًا

اور رسول (ﷺ روزِ قیامت) فرمائیں گے:
"الٰہی! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔"

(الفرقان: ۳۰/۲۵)

فرمانِ نبوی

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ
بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں
عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں دھکیل دیتا ہے

(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۷)

پا رۃ نمبر نو 9

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۷	سورۃ الأعراف (جاری)	902	۸ - ۹
۸	سورۃ الأنفال	967	۹ - ۱۰

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
کہا ان وڈیروں نے جنہوں نے تکبر کیا اس کی قوم میں سے ہم ضرور نکال دیں گے تجھے اے شعیب! اور ان لوگوں کو بھی جو ایمان لائے
مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ
تیرے ساتھ اپنی بستی سے یا لوٹ آؤ گے تم ہمارے دین میں۔ (شعیب نے) کہا: کیا اگرچہ ہوں ہم کراہت کرنے والے بھی ○ تحقیق
افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا
(پھر تو) باندھا ہم نے اللہ پر جھوٹ! اگر لوٹ آئیں ہم تمہارے دین میں بعد اس کے کہ نجات دی ہمیں اللہ نے اس سے اور نہیں ہے
يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ
لائق ہمارے لیے کہ لوٹ آئیں ہم اس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ ہمارا رب، گھیر لیا ہے ہمارے رب نے ہر چیز کو
عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ
(اپنے) علم سے اوپر اللہ ہی کے بھروسہ کیا ہم نے اے ہمارے رب! تو فیصلہ فرما ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ساتھ حق کے اور تو بہترین
الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىِٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ
فیصلہ کرنے والا ہے ○ اور کہا ان سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا اس کی قوم میں سے کہ اگر اتباع کیا تم نے شعیب کا، تو یقیناً تم
اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۹۱﴾
اس وقت البتہ خسارہ اٹھانے والے ہو گے ○ پس پکڑ لیا انہیں زلزلے نے تو ہو گئے وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے ہوئے ○
الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۚ اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا
وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو (یوں ہو گئے) گویا کہ وہ کبھی نہیں بسے تھے ان میں وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو، تھے
هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۲﴾ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ
وہی خسارہ پانے والے ○ پھر منہ پھیرا (شعیب نے) ان سے اور کہا اے میری قوم! البتہ تحقیق پہنچا دیے میں نے تمہیں پیغامات اپنے رب کے
وَنَصَحْتُ لَكُمْ ۚ فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰي قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾
اور خیر خواہی کی میں نے تمہاری، پس کیوں غم کھاؤں میں اوپر کافر قوم کے؟ ○

﴿قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ﴾ ”کہا ان سرداروں نے جو متکبر تھے اس کی قوم میں سے“ اس سے مراد ان کے اشراف اور بڑے آدمی ہیں جنہوں نے اپنی لذات میں مستغرق ہو کر اپنی خواہشات نفس کی پیروی کی، جب ان کے پاس حق آیا اور انہوں نے دیکھ لیا کہ حق ان کی خواہشات نفس کے خلاف ہے تو انہوں نے نہایت تکبر سے حق کو ٹھکرا دیا اور اپنے نبی شعیب علیہ السلام اور ان مستضعفین سے کہنے لگے جو حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ تھے۔

﴿لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا﴾ ”ہم ضرور نکال دیں گے اے

شعیب تجھ کو اور ان کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے اپنے شہر سے یا یہ کہ تم لوٹ آؤ اپنے دین میں'' انہوں نے حق کے خلاف بہیمانہ قوت استعمال کی اور انہوں نے کسی اصول' کسی ذمہ اور کسی حق کی پاسداری نہ کی۔ انہوں نے تو صرف اپنی خواہشات نفس کی رعایت اور ان کی پیروی کی اور اپنی ناقص عقل کے پیچھے لگے جو ان کے قول فاسد پر دلالت کرتی ہے۔ پس شعیب علیہ السلام سے کہنے لگے ''یا تو تجھے اور تیرے ساتھیوں کو ہمارے دین میں واپس لوٹنا ہوگا یا ہم تجھے اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے''۔ شعیب علیہ السلام ان کے ایمان لانے کی امید میں ان کو ایمان کی دعوت دیتے رہے مگر وہ اب تک ایمان نہ لائے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انہوں نے آنجناب علیہ السلام کو دھمکی دی کہ اگر وہ ان کی پیروی نہیں کریں گے تو وہ ان کو ان کے اس وطن سے جلاوطن کر دیں گے جس میں رہنے کے شعیب علیہ السلام اور ان کے اصحاب زیادہ مستحق ہیں۔

﴿ قَالَ ﴾ شعیب علیہ السلام نے ان کی اس بات پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَوَ لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴾ ''خواہ ہم (تمہارے دین سے) بیزار ہی ہوں۔'' یعنی کیا ہم ناپسند کرتے ہوئے بھی تمہارے باطل دین اور ملت کی اتباع کریں؟ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ تمہارا دین باطل ہے۔ اس دین کی طرف تو صرف اسی کو دعوت دی جاتی ہے جو اس میں کوئی رغبت رکھتا ہو اور وہ شخص جو علی الاعلان لوگوں کو اس دین کی پیروی سے روکتا ہے اور جو کوئی اس دین کی اتباع کرتا ہے اس کو برا کہتا ہے' تو وہ کیوں کر اس دین کی دعوت دے سکتا ہے؟

﴿ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ﴾ ''اگر ہم اس کے بعد کہ اللہ ہمیں اس سے نجات بخش چکا ہے' تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بے شک ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھ دیا۔'' یعنی تم گواہ رہو کہ اگر ہم تمہاری ملت اور دین میں واپس لوٹ آئے اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دے دی ہے اور اس کے شر سے ہمیں بچا لیا ہے۔۔۔ تو ہم جھوٹے اور اللہ تعالیٰ پر بہتان طرازی کرنے والے ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اس شخص سے بڑھ کر کوئی افتراء پرداز نہیں جو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے حالانکہ وہ ایک' یکتا اور بے نیاز ہے' جس کی کوئی بیوی ہے نہ بیٹا اور نہ اقتدار میں کوئی شریک۔ ﴿ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ ﴾ ''اور ہمیں شایاں نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں۔'' یعنی ہم جیسے لوگوں کے لیے ممکن نہیں کہ ہم اس دین میں پھر لوٹ آئیں کیونکہ یہ بالکل محال ہے۔ جناب شعیب علیہ السلام نے متعدد وجوہ سے کفار کو اس بات سے مایوس کر دیا کہ وہ ان کی موافقت کریں گے۔

(۱) حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے اصحاب ان کے دین کو ناپسند کرتے تھے اور اس سے سخت بغض رکھتے تھے کیونکہ ان کا دین شرک پر مبنی تھا۔

(۲) شعیب علیہ السلام نے ان کے دین کو جھوٹ قرار دیا تھا اور ان کو اس بات پر گواہ بنایا تھا کہ اگر انہوں نے اور

ان کے اصحاب نے کفار کے دین کی اتباع کی تو وہ جھوٹے ہیں۔

(۳) انہوں نے علی الاعلان اعتراف کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کفار کے دین سے بچا کر ان پر احسان کیا ہے۔

(۴) ان کی استقامت پر مبنی حالت پر غور کریں، ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی جو تعظیم، اس کی عبودیت کا جو اعتراف، نیز اس بات کا اعتراف کہ وہی الٰہ واحد ہے صرف وہی اکیلا عبادت کے لائق ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کا اعلان کہ مشرکین کے گھڑے ہوئے معبود سب سے بڑا باطل اور اور سب سے بڑا فریب ہیں ۔۔۔۔ ان امور کو دیکھتے ہوئے یہ بات محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان کو ہدایت سے نوازنے کے بعد وہ ان کے دین میں واپس لوٹیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی عقل سے نوازا ہے جس کے ذریعے سے وہ حق اور باطل، ہدایت اور گمراہی کو پہچانتے ہیں۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تمام مخلوقات میں نافذ اس کے ارادے میں غور کیا جائے، جس سے باہر نکلنا کسی کے لیے ممکن نہیں خواہ پے در پے اسباب مہیا ہوں اور قوتیں باہم موافق ہوں ۔۔۔۔ تو وہ اپنے بارے میں یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ عنقریب فلاں فعل سر انجام دیں گے یا اس کو چھوڑ دیں گے۔ بنا بریں شعیب علیہ السلام نے استثناء کا اسلوب استعمال کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا﴾ ”اور ہمیں شایاں نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں، ہاں اللہ جو ہمارا رب ہے وہ چاہے تو۔“ یعنی ہمارے لئے یا کسی اور کیلئے اللہ تعالیٰ کی مشیت سے، جو اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت کے تابع ہے، باہر نکلنا ممکن نہیں۔ ﴿وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾ ”گھیرے ہوئے ہے ہمارا پروردگار سب چیزوں کو اپنے علم میں“ پس وہ جانتا ہے کہ بندوں کے لیے کیا درست ہے اور کس چیز کے ذریعے سے وہ بندوں کی تدبیر کرے ﴿عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا﴾ ”ہمارا اللہ ہی پر بھروسا ہے۔“ یعنی ہمیں اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہے کہ وہ ہمیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے گا اور جہنم کے تمام راستوں سے ہمیں بچائے گا، کیونکہ جو کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور وہ اس کے دین اور دنیا کے معاملے کو آسان کر دیتا ہے۔

﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ﴾ ”اے ہمارے رب فیصلہ کر ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ“ یعنی ظالم اور حق کے خلاف عناد رکھنے والے کے مقابلے میں مظلوم اور صاحب حق کی مدد فرما۔ ﴿وَأَنْتَ خَيْرُ الْفَاتِحِينَ﴾ ”اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے“ اپنے بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کی دو اقسام ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ باطل میں سے حق کو، گمراہی میں سے ہدایت کو بیان کر کے نیز یہ واضح کر کے کہ کون صراط مستقیم پر گامزن ہے اور کون اس سے منحرف ہے ۔۔۔۔ فیصلہ کرتا ہے یہ اس کا علمی فیصلہ ہے۔

(۲) ظالموں کو سزا دینے اور صالحین کو نجات اور اکرام عطا کرنے کے لیے جو فیصلہ کرتا ہے وہ اس کا جزائی فیصلہ ہے۔

پس اہل ایمان نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ حق اور انصاف کے ساتھ ان کے اور ان کی قوم کے درمیان فیصلہ فرما دے اور وہ انہیں ایسی آیات و علامات دکھا دے جو فریقین کے مابین فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہیں۔

﴿ وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ ﴾ ''اور ان کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے۔'' یعنی ان کی قوم کے سرداروں نے حضرت شعیب کی اتباع سے ڈراتے ہوئے کہا: ﴿ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴾ ''اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو تم نقصان اٹھاؤ گے۔'' ان کے نفس نے ان کے لیے مزین کر دیا تھا کہ رشد و ہدایت کی اتباع سراسر خسارہ اور شقاوت ہے انہیں یہ معلوم نہیں کہ خسارہ تو تمام تر خود گمراہی میں پڑے رہنے اور دوسروں کو گمراہ کرنے میں ہے اور جب ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تو اس وقت انہیں یہ حقیقت معلوم ہوئی۔

﴿ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ ﴾ ''پس ایک شدید زلزلے نے ان کو آ لیا۔'' ﴿ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴾ ''اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔'' یعنی وہ خشک کٹے ہوئے درخت کی مانند پچھاڑے ہوئے مردہ پڑے تھے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی حالت کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ﴾ ''جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا' گویا کبھی وہ وہاں بسے ہی نہ تھے'' یعنی گویا کہ وہ گھروں میں رہتے ہی نہ تھے اور گویا کہ انہوں نے گھروں کے صحنوں سے کبھی استفادہ کیا تھا نہ ان کی چھاؤں میں کبھی وقت گزارا تھا۔ اور وہ اس دیار کے دریاؤں کے کنارے چراگاہوں میں رہے تھے نہ انہوں نے اس کے درختوں کے پھل کھائے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو آ پکڑا اور ان کو لہو و لعب اور لذات کی دنیا سے نکال کر حزن و غم' عقوبت اور ہلاکت کے گڑھوں میں منتقل کر دیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شُعَيْبًا كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ﴾ ''جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا' وہی ہوئے خسارہ اٹھانے والے'' یعنی وہ پوری طرح خسارے میں گھرے ہوئے ہیں کیونکہ قیامت کے روز وہ خود اور ان کے گھر والے سخت خسارے میں ہوں گے اور یہی واضح خسارہ ہے نہ کہ وہ جن کو انہوں نے کہا تھا۔ ﴿ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴾ ''اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے''۔ پس جب وہ ہلاک ہو گئے تو ان کا نبی (علیہ السلام) ان سے منہ پھیر کر چل دیا۔ ﴿ وَقَالَ ﴾ اور ان کی موت کے بعد ان کو زجر و توبیخ کرتے ہوئے ان سے مخاطب ہوا: ﴿ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ ﴾ ''اے میری قوم! میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیے۔'' یعنی میں نے اپنے رب کا پیغام تم تک پہنچا دیا اور اسے کھول کھول کر بیان کر دیا حتیٰ کہ یہ پیغام تمہیں پوری طرح پہنچ گیا اور تمہارے دلوں نے اچھی طرح اسے سمجھ لیا۔

﴿ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ﴾ ''اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی'' مگر تم نے میری خیر خواہی کو قبول کیا نہ تم نے میری بات مانی

بلکہ اس کے برعکس تم نے نافرمانی کی اور سرکشی اختیار کی۔ ﴿فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ﴾ ''تو میں کافروں پر رنج وغم کیوں کروں۔'' یعنی میں ایسے لوگوں کے انجام پر کیوں کر غمزدہ ہوسکتا ہوں جن میں کوئی بھلائی نہ تھی' بھلائی ان کے پاس آئی مگر انہوں نے اسے ٹھکرا دیا' اسے قبول نہ کیا' یہ لوگ شر کے سوا کسی چیز کے لائق نہ تھے۔ پس یہ اس چیز کے مستحق نہیں ہیں کہ ان کی ہلاکت پر افسوس کیا جائے بلکہ ان کی ہلاکت اور استیصال پر تو خوش ہونا چاہئے۔

اے اللہ! فضیحت اور رسوائی سے تیری پناہ! اس سے بڑھ کر کون سی بدبختی اور سزا ہوسکتی ہے کہ وہ اس حالت کو پہنچ جائیں کہ مخلوق میں سب سے زیادہ خیر خواہ ہستی بھی ان سے براءت کا اظہار کرے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر پکڑا ہم نے اس کے رہنے والوں کو ساتھ سختی اور تکلیف کے تاکہ وہ

يَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتّٰى عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ

گڑگڑائیں ○ پھر بدل کر دے دی ہم نے (ان کو) برائی کی جگہ اچھائی' یہاں تک کہ جب زیادہ ہوگئے وہ' اور کہا پہنچی تھی

اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾

ہمارے آباؤ اجداد کو بھی سختی اور راحت' تو پکڑ لیا ہم نے انہیں یکا یک' اور وہ نہیں شعور رکھتے تھے ○

﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ﴾ ''اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی'' جو انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی طرف بلاتا اور جن برائیوں میں وہ مبتلا ہیں' ان برائیوں سے وہ ان کو روکتا۔ مگر وہ اس کی اطاعت نہ کرتے ﴿اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا﴾ ''مگر ہم مواخذہ کرتے وہاں کے لوگوں کا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمایا۔ ﴿بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ﴾ ''سختی اور تکلیف میں'' یعنی محتاجی' مرض اور دیگر مصائب کے ذریعے سے۔ ﴿لَعَلَّهُمْ﴾ ''شاید کہ وہ'' یعنی جب ان پر مصیبت نازل ہو تو شاید ان کے نفس جھک جائیں۔ ﴿يَضَّرَّعُوْنَ﴾ ''عاجزی اور زاری کریں۔'' اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی سے گڑگڑائیں اور حق کے سامنے فروتنی کا اظہار کریں۔ ﴿ثُمَّ﴾ پھر جب ان کو ابتلا نے کوئی فائدہ نہ دیا اور وہ اپنے تکبر پر جمے رہے اور اپنی سرکشی میں بڑھتے ہی چلے گئے ﴿بَدَّلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ﴾ ''بدل دی ہم نے برائی کی جگہ بھلائی'' پس اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں اضافہ کر دیا' ان کو جسمانی عافیت دی اور ان سے آزمائش اور تکالیف کو دور کر دیا۔ ﴿حَتّٰى عَفَوْا﴾ ''حتی کہ ان کی تعداد زیادہ ہوگئی'' ان کے رزق میں اضافہ ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے فضل و کرم میں مزے اڑانے لگے اور وہ اس بات کو بھول گئے کہ ان پر کیا مصیبتیں نازل ہوئی تھیں۔

﴿وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ﴾ ''اور انہوں نے کہا' کہ پہنچتی رہی ہے ہمارے باپ دادا کو بھی مصیبت اور خوشی'' یعنی رنج و راحت کا آنا تو ایک عادت جاریہ ہے' اولین و آخرین تمام لوگوں پر رنج و راحت کے

حالات آتے رہتے ہیں۔ کبھی وہ راحت میں ہوتے ہیں اور کبھی رنج و غم سے دوچار ہوتے ہیں' انقلابات زمانہ اور گردش ایام کے ساتھ ساتھ کبھی وہ خوش ہوتے ہیں اور کبھی غم زدہ۔ وہ ان مصائب اور راحتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت اور تنبیہ سمجھتے ہیں نہ استدراج اور نکیر۔ یہاں تک کہ جو کچھ ان کو عطا کیا گیا تھا اسی میں شاداں و فرحاں رہے اور دنیا ان کے لیے سب سے زیادہ خوش کن چیز تھی۔ ﴿فَأَخَذْنٰهُمْ﴾ ''کہ ہم نے (عذاب کے ذریعے سے) ان کو پکڑ لیا۔'' ﴿بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ﴾ 'اچانک اور ان کو خبر نہ تھی'' یعنی ہلاکت ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو کچھ عطا کیا ہے وہ اسے حاصل کرنے پر قادر تھے اور یہ سب کچھ ان سے زائل ہوگا نہ ان سے واپس لیا جائے گا۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ
اور اگر بیشک بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے' تو کھول دیتے ہم ان پر برکتیں آسمان اور زمین کی'
وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٦﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ
لیکن انہوں نے جھٹلایا تو پکڑ لیا ہم نے انہیں بوجہ ان (عملوں) کے جو تھے وہ کماتے ○ کیا پس بے خوف ہوگئے بستیوں والے اس سے کہ
يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ﴿٩٧﴾ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰٓى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ
آجائے ان کے پاس ہمارا عذاب رات کو اور وہ سوئے ہوئے ہوں؟ ○ اور کیا بے خوف ہوگئے بستیوں والے اس سے کہ آجائے ان کے پاس
بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿٩٨﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكْرَ اللّٰهِ ۚ فَلَا يَاْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ
ہمارا عذاب دن چڑھے اور وہ کھیل رہے ہوں؟ ○ کیا پس بے خوف ہوگئے وہ اللہ کی تدبیر سے پس نہیں بے خوف ہوتے اللہ کی تدبیر سے
اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٩٩﴾ ع ١٢
مگر خسارہ پانے والے لوگ ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں انبیاء و مرسلین کو جھٹلانے والے گروہ کے بارے میں ذکر فرمایا کہ ان کو نصیحت اور تنبیہ کے لیے مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے اور مکر و استدراج کے طور پر انہیں آسانی اور فراخی عطا کی جاتی ہے۔ وہاں یہ بھی فرمایا کہ اگر بستیوں والے صدق دل سے ایمان لے آتے' ان کے اعمال اس ایمان کی تصدیق کرتے اور ظاہر و باطن میں تقویٰ سے کام لے کر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ تمام چیزوں کو چھوڑ دیتے تو ان پر زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھول دیے جاتے۔ پس اللہ تعالیٰ آسمان سے ان پر لگاتار بارش برساتا اور زمین سے ان کے لیے وہ کچھ اگاتا جس پر ان کی اور ان کے جانوروں کی معیشت کا دار و مدار ہے اور انہیں بغیر کسی تنگی اور بغیر کسی محنت اور مشقت کے وافر رزق عطا کرتا' مگر وہ ایمان لائے نہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا ﴿فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ ''پس ہم نے ان کی بداعمالیوں کے سبب سے ان کو عذاب اور مصائب میں مبتلا کر دیا''۔ ان سے برکات

چھین لیں اور کثرت کے ساتھ ان پر آفتیں نازل کیں۔ یہ ان کے اعمال کی سزا کا کچھ حصہ ہے۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے برے اعمال کی پوری سزا دنیا ہی میں دے دے تو روئے زمین پر کوئی جاندار نہ بچے گا۔ ﴿ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴾ (الروم: ۴۱/۳۰) ''بحر و بر میں لوگوں کی بداعمالیوں کے سبب سے فساد پھیل گیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزا چکھائے شاید کہ وہ لوٹ آئیں''۔

﴿ أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ ﴾ ''کیا بستیوں والے (جنہوں نے انبیاء کی تکذیب کی) اپنے آپ کو مامون سمجھتے ہیں؟'' ﴿ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ﴾ ''اس بات سے کہ آئے ان کے پاس ہمارا عذاب'' یعنی ہمارا سخت عذاب ﴿ بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴾ ''راتوں رات، جب کہ وہ سوئے ہوئے ہوں'' یعنی ان کے آرام کی گھڑیوں میں اور ان کی غفلت کے اوقات میں۔ ﴿ أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴾ ''کیا بے خوف ہیں بستیوں والے اس بات سے کہ آ پہنچے ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے، جب کہ وہ کھیلتے ہوں'' یعنی کون سی چیز انہیں محفوظ و مامون رکھ سکتی ہے حالانکہ انہوں نے عذاب الٰہی کے تمام اسباب کو اکٹھا کر لیا ہے اور بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کیا جن میں سے بعض جرائم ہلاکت کے موجب ہیں؟ ﴿ أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ﴾ ''کیا وہ بے خوف ہو گئے ہیں اللہ کے داؤ سے'' کیونکہ اللہ تعالیٰ ڈھیل دے کر فریب میں مبتلا کر رہا ہے جسے وہ نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی چال بہت سخت ہے۔ ﴿ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴾ ''پس اللہ کے داؤ سے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں'' کیونکہ جو کوئی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ سمجھتا ہے وہ اعمال کی جزا و سزا کی تصدیق کرتا ہے، نہ وہ انبیاء و مرسلین پر حقیقی ایمان رکھتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ بندے کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ جتنا کچھ ایمان رکھتا ہے اس کے ضیاع سے بے خوف ہو جائے، وہ ہمیشہ اس بات سے ڈرتا رہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اسے ایسی آزمائش سے دوچار نہ کر دے کہ جس سے اس کا سرمایۂ ایمان سلب ہو جائے اور وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا رہے ((يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ))[1] ''اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ''۔ اور فتنوں کے وقوع کے وقت وہ ہر اس سبب کے حصول کے لیے کوشاں رہے جو اس کو شر سے نجات دے، کیونکہ بندہ۔۔۔ خواہ اس کا حال کیسا ہی کیوں نہ ہو۔۔۔ اس کی سلامتی یقینی نہیں۔

أَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصَبْنَاهُمْ

کیا نہیں واضح ہوئی ان لوگوں کے لیے جو وارث بنے زمین کے بعد (ہلاک ہونے) اس کے رہنے والوں کے، یہ بات کہ اگر ہم چاہیں تو سزا دیں انکو

[1] جامع الترمذي، كتاب الدعوات، باب دعاء: يامقلب القلوب......، حديث: ۳۵۲۲

بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾ تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ

بوجہ ان کے گناہوں کے' اور مہر لگا دیں اوپر ان کے دلوں کے' پس وہ (کچھ) نہ سنیں ○ یہ بستیاں ہیں' بیان کرتے ہیں ہم

عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا

آپ پر کچھ خبریں انکی' اور البتہ تحقیق آئے انکے پاس رسول انکے' ساتھ واضح دلیلوں کے' پس نہ ہوئے وہ (اس لائق) کہ ایمان لاتے'

بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿١٠١﴾ وَمَا وَجَدْنَا

اس پر جسے جھٹلا چکے تھے وہ پہلے' اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ دلوں پر کفر کرنے والوں کے ○ اور نہیں پایا ہم نے

لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿١٠٢﴾

ان کے اکثر کے لیے کوئی عہد (کا پاس) اور بلاشبہ پایا ہم نے ان کے اکثر کو نافرمان ہی ○

اللہ تبارک وتعالیٰ گزشتہ قوموں کی ہلاکت کے بعد باقی رہ جانے والی قوموں کو متنبہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿اَوَ لَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ﴾ "کیا ان لوگوں کو جو اہل زمین کے (مر جانے کے) بعد زمین کے مالک ہوتے ہیں یہ امر موجب ہدایت نہیں ہوا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے گناہوں کے سبب ان پر مصیبت ڈال دیں۔" کیا ان امتوں پر واضح نہیں ہوا جو ان قوموں کے اپنے گناہوں کے سبب سے ہلاکت کے بعد' جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں' زمین میں وارث بنی ہیں؟ پھر انہوں نے بھی ان ہلاک ہونے والے لوگوں جیسے اعمال کا ارتکاب شروع کر دیا۔ کیا انہیں اس حقیقت کا علم نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو انہیں بھی ان کے گناہوں کے سبب سے پکڑ لے؟ کیونکہ اولین و آخرین کے بارے میں یہی سنت الٰہی ہے۔

﴿وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ﴾ "اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیں' پس وہ نہ سنیں۔" یعنی جب اللہ تعالیٰ انہیں تنبیہ کرے تو وہ متنبہ نہ ہوں' انہیں نصیحت کرے' مگر وہ نصیحت نہ پکڑیں اور اللہ تعالیٰ آیات اور عبرتوں کے ذریعے سے ان کی راہ نمائی کرے' مگر وہ راہ نمائی حاصل نہ کریں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دیتا ہے اور ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے پس ان کے دلوں پر میل کچیل جم جاتا ہے اور وہ زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔۔۔ ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے حق ان میں داخل نہیں ہو سکتا' بھلائی ان تک پہنچ نہیں سکتی۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں سن سکتے جو انہیں فائدہ دے۔ وہ تو صرف وہی بات سن سکتے ہیں جو ان کے خلاف حجت بنے گی۔

﴿تِلْكَ الْقُرٰى﴾ "وہ بستیاں" یعنی وہ بستیاں جن کا ذکر گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے ﴿نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا﴾ "ہم بیان کرتے ہیں آپ پر ان کی کچھ خبریں" جس سے عبرت حاصل کرنے والوں کو عبرت حاصل ہوتی ہے' ظالموں کے لیے زجر و توبیخ ہے اور اہل تقویٰ کے لیے نصیحت ہے ﴿وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ﴾ "اور ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے۔" یعنی ان جھٹلانے والوں کے پاس ان کے رسول آئے جو ان کو ان

امور کی طرف دعوت دیتے تھے جن میں ان کی سعادت تھی' اللہ تعالیٰ نے ظاہر معجزات کے ذریعے سے ان رسولوں کی تائید کی اور حق کو کامل طور پر واضح کر دینے والے دلائل کے ذریعے سے ان کو تقویت بخشی۔ مگر اس چیز نے انہیں کوئی فائدہ دیا نہ ان کے کسی کام آئی۔

﴿ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ﴾ ''پھر ہرگز نہ ہوا کہ ایمان لائیں اس بات پر جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے'' یعنی ان کی تکذیب اور حق کو پہلی مرتبہ رد کر دینے کے سبب سے اللہ تعالیٰ ایمان کی طرف ان کی راہ نمائی نہیں کرے گا' یہ حق کو ٹھکرا دینے کی سزا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴾ (الانعام: ١١٠/٦) ''ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پلٹ دیں گے جیسے وہ اس پر پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے (ویسے ہی پھر ایمان نہیں لائیں گے) ہم انکو ان کی سرکشی میں سرگرداں چھوڑ دیں گے''۔ ﴿ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔'' یعنی سزا کے طور پر اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا انہوں نے خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا۔

﴿ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ﴾ ''ہم نے ان ہی سے اکثر میں عہد کا نباہ نہیں دیکھا'' یعنی ہم نے اکثر قوموں میں جن کی طرف رسول بھیجے گئے' عہد کی پاسداری نہیں دیکھی' یعنی اللہ تعالیٰ کی وصیت کا التزام اور اس پر ثابت قدمی' جو اس نے تمام جہانوں کو کر رکھی ہے اور نہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ان احکام کی تعمیل کی ہے جو اس نے اپنے انبیاء و مرسلین کے ذریعے سے ان تک پہنچائے ہیں ﴿ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴾ ''اور اکثر ان میں پائے نافرمان'' یعنی ہم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل بھاگنے اور بے راہ رو ہو کر خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے ہی پایا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول مبعوث فرما کر' کتابیں نازل کر کے اپنے بندوں کو آزمایا ہے اور ان کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کے عہد اور اس کی ہدایت کی اتباع کریں۔ مگر بہت کم لوگوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی' یعنی صرف ان لوگوں نے جن کے لیے پہلے ہی سعادت لکھ دی گئی تھی۔ اور رہے اکثر لوگ تو انہوں نے ہدایت سے روگردانی کی اور ان تعلیمات کو تکبر سے ٹھکرا دیا جو رسول لے کر آئے تھے۔ پس اس پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان پر مختلف قسم کے عذاب نازل فرمائے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۠ىِٕهٖ فَظَلَمُوْا بِهَا ۚ فَانْظُرْ

پھر بھیجا ہم نے بعد انکے موسیٰ کو ساتھ اپنی آیات کے' فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف پس ظلم کیا انہوں نے ساتھ انکے پس دیکھیے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَقَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ

کیسا ہوا انجام فساد کرنے والوں کا ○ اور کہا موسیٰ نے' اے فرعون! بلاشبہ میں رسول ہوں

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٤﴾ حَقِيْقٌ عَلٰٓى اَنْ لَّآ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ

رب العالمین کی طرف سے ۝ سزاوار ہے (میرے لیے) یہ بات کہ نہ کہوں میں اللہ پر مگر حق، تحقیق آیا ہوں میں تمہارے پاس

بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِىَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿١٠٥﴾ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ

ساتھ واضح دلیل کے تمہارے رب کی طرف سے پس بھیج دے تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو ۝ اس نے کہا اگر ہے تو آیا ساتھ کسی (بڑی) نشانی کے

فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿١٠٦﴾ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿١٠٧﴾

تو لے آ اسے، اگر ہے تو سچوں سے ۝ پس ڈال دیا موسیٰ نے اپنا عصا، تو دفعتہً وہ اژدھا تھا ظاہر ۝

وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿١٠٨﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ

اور (باہر) نکالا اس نے اپنا ہاتھ، تب وہ سفید چمکتا ہوا تھا دیکھنے والوں کے لیے ۝ کہا سرداروں نے فرعون کی قوم میں سے،

اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٩﴾ يُّرِيْدُ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ۚ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴿١١٠﴾

یقیناً یہ تو جادوگر ہے بڑا ماہر ۝ چاہتا ہے وہ یہ کہ نکال دے تمہیں، تمہاری زمین سے، تو کیا مشورہ دیتے ہو تم؟ ۝

قَالُوْٓا اَرْجِهْ وَاَخَاهُ وَاَرْسِلْ فِى الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴿١١١﴾ يَاْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿١١٢﴾

انہوں نے کہا مہلت دے اسے اور اسکے بھائی کو اور بھیج تو شہروں میں اکٹھے کرنے والے ۝ لے آئیں وہ تیرے پاس ہر جادوگر ماہر کو ۝

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٣﴾ قَالَ نَعَمْ

اور آئے جادوگر فرعون کے پاس (اور) کہا یقیناً ہمارے لیے انعام ہوگا اگر ہوئے ہم غالب ۝ فرعون نے کہا، ہاں،

وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿١١٤﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِىَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ

اور بلاشبہ تم البتہ مقرب لوگوں میں سے ہوگے ۝ انہوں نے کہا، اے موسیٰ! یا تو تو ڈالے اور یا یہ کہ ہم ہی ہوں (پہلے)

الْمُلْقِيْنَ ﴿١١٥﴾ قَالَ اَلْقُوْا ۚ فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ

ڈالنے والے ۝ (موسیٰ نے) کہا! تم ہی ڈالو پس جب انہوں نے ڈالیں (لاٹھیاں) تو جادو کر دیا آنکھوں پر لوگوں کی اور ڈرا دیا انہیں

وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴿١١٦﴾ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ

اور لائے وہ جادو بہت بڑا ۝ اور وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کی کہ ڈال تو (بھی) اپنا عصا، (جب اس نے ڈالا) تو یکایک وہ

تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿١١٧﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١١٨﴾ فَغُلِبُوْا

نگلنے لگا وہ (جھوٹ) جو وہ گھڑتے تھے ۝ پس ثابت ہو گیا حق اور باطل ہو گیا جو کچھ کہ تھے وہ کر رہے ۝ پس مغلوب ہو گئے وہ (جادوگر)

هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿١١٩﴾ وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿١٢٠﴾ قَالُوْٓا

وہاں اور لوٹے وہ ذلیل و خوار ۝ اور گرا دیے گئے جادوگر (چہروں کے بل) سجدہ کرتے ہوئے ۝ انہوں نے کہا!

اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٢١﴾ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١٢٢﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ

ایمان لائے ہم رب العالمین پر ۝ رب موسیٰ اور ہارون پر ۝ کہا فرعون نے! (کیا) ایمان لے آئے ہو تم اس پر

قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ
پہلے اس سے کہ اجازت دوں میں تمہیں؟ یقیناً یہ مکر ہے، مکر کیا ہے تم نے یہ اس شہر میں تاکہ نکال دو تم اس (شہر) سے
اَهْلَهَا ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿١٢٣﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ
اس کے رہنے والوں کو، پس عنقریب جان لوگے تم ○ البتہ ضرور کاٹوں گا میں تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف سمت سے، پھر
لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٢٤﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿١٢٥﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ
ضرور سولی پر لٹکاؤں گا میں تم سب کو ○ انہوں نے کہا! یقیناً ہم طرف اپنے رب ہی کی لوٹنے والے ہیں ○ اور نہیں سزا دے رہا تو ہمیں
اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا
مگر اس کی کہ ایمان لائے ہم آیات پر اپنے رب کی، جب آئیں وہ ہمارے پاس۔ اے ہمارے رب! ڈال دے اوپر ہمارے صبر اور فوت کر ہمیں
۱۴ ع ۴ مُسْلِمِيْنَ ﴿١٢٦﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا
جب کہ ہم مسلمان ہوں ○ اور کہا چودھریوں نے فرعون کی قوم میں سے کیا چھوڑتا ہے تو موسیٰ اور اس کی قوم کو تاکہ فساد کریں وہ
فِي الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ
زمین میں اور چھوڑ دے وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو؟ کہا (فرعون نے) عنقریب قتل کردیں گے ہم انکے بیٹے اور زندہ رہنے دیں گے
نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿١٢٧﴾ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ
ان کی عورتیں (بیٹیاں) اور بلاشبہ ہم اوپر ان کے غالب ہیں ○ کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے مدد طلب کرو تم اللہ سے
وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ
اور صبر کرو، یقیناً زمین تو اللہ ہی کی ہے، وہ وارث بناتا ہے اس کا جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے، اور (اچھا) انجام تو
لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿١٢٨﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ
متقیوں ہی کیلئے ہے ○ کہا انہوں نے ایذاء دیئے گئے ہم پہلے اس سے کہ آئے تو ہمارے پاس اور بعد اسکے کہ آ گیا تو ہمارے پاس
قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ
(موسیٰ نے) کہا امید ہے کہ تمہارا رب ہلاک کردے گا تمہارے دشمن کو اور جانشین بنادے گا تمہیں زمین میں پھر وہ دیکھے گا کہ کیسے
۱۵ ع ۵ تَعْمَلُوْنَ ﴿١٢٩﴾ وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ
عمل کرتے ہو تم؟ ○ اور البتہ تحقیق پکڑا ہم نے آل فرعون کو ساتھ قحط سالیوں کے اور ساتھ نقصان کرنے کے پھلوں میں
لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿١٣٠﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ
تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○ پھر جب آتی ان کے پاس بھلائی تو کہتے ہمارے لیے ہی ہے یہ، اور اگر
تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّطَّيَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَآ اِنَّمَا طٰٓئِرُهُمْ
پہنچتی انہیں کوئی برائی تو نحوست پکڑتے ساتھ موسیٰ کے اور ان لوگوں کے جو اس کے ساتھ تھے، خبردار! ان کی نحوست

عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿١٣١﴾ وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ

اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر ان کے نہیں جانتے ○ اور انہوں نے کہا' جو بھی لائے تو ہمارے پاس کوئی

اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا ۙ فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٢﴾ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ

نشانی تاکہ جادو کرے تو ہم پر ساتھ اس کے' تو بھی نہیں ہیں ہم تیرے لیے ایمان لانے والے ○ پس بھیجا ہم نے اوپر انکے طوفان

وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ۫ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا

اور ٹڈی دل اور جوئیں اور مینڈک اور خون' (تمام) نشانیاں الگ الگ' پھر بھی تکبر کیا انہوں نے اور تھے ہی وہ

قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿١٣٣﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا

لوگ مجرم ○ اور جب واقع ہوتا اوپر ان کے عذاب تو کہتے' اے موسیٰ! دعا کر تو ہمارے لیے

رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ

اپنے رب سے بہ سبب اسکے جو عہد کیا اس نے تجھ سے' اگر دور کر دے تو ہم سے یہ عذاب تو ضرور ایمان لے آئیں گے ہم تجھ پر' اور ضرور بھیج دیں گے ہم

مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ ﴿١٣٤﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ

تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو ○ پس جب ہٹا دیتے ہم ان پر سے عذاب' ایک وقت تک کہ وہ پہنچنے والے ہوتے اس کو

اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿١٣٥﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِى الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا

تب وہ عہد توڑ دیتے ○ پس انتقام لیا ہم نے ان سے پھر غرق کر دیا انہیں سمندر میں بوجہ اس کے کہ انہوں نے جھٹلایا

بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿١٣٦﴾ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ

ہماری آیتوں کو اور تھے وہ ان سے غفلت کرنے والے ○ اور وارث کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے

مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى

اس زمین کی مشرقی اور مغربی جہتوں کا وہ (زمین) کہ برکت رکھی تھی ہم نے اس میں' اور پورا ہوا وعدہ آپ کے رب کا اچھا'

عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ

اوپر بنی اسرائیل کے بوجہ اسکے جو صبر کیا انہوں نے' اور تباہ کر دیں ہم نے وہ (فیکٹریاں) کہ تھا بناتا (ان کو) فرعون اور اسکی قوم

وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿١٣٧﴾ وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ ربع

اور ان (محلات) کو جو تھے وہ بلند کرتے ○ اور پار اتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے' تو آئے وہ اوپر ایسے لوگوں کے

يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ

جو عبادت میں لگے ہوئے تھے اپنے بتوں کی' انہوں نے کہا' اے موسیٰ! بنا دے تو ہمارے لیے ایک معبود جس طرح کہ ہیں ان کے معبود

قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴿١٣٨﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ

(موسیٰ نے) کہا' بلاشبہ تم لوگ تو (یکسر) جاہل ہو ○ یقیناً یہ لوگ' تباہ ہونے والا ہے وہ (مذہب) کہ وہ اس میں (مشغول) ہیں۔ اور باطل ہے

مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٩﴾ قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ

جو کچھ کہ ہیں وہ عمل کرتے ○ (موسیٰ نے) کہا کیا سوائے اللہ کے تلاش کروں میں تمہارے لیے معبود جبکہ اسی نے فضیلت دی ہے

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٤٠﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ

تمہیں جہانوں پر ○ اور جب نجات دی ہم نے تمہیں آل فرعون سے وہ دیتے تھے تمہیں بدترین عذاب،

يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

قتل کر دیتے تھے وہ بیٹے تمہارے اور زندہ رہنے دیتے تھے عورتیں (بیٹیاں) تمہاری، اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے

١٦ ع ١٢ ٢ عَظِيْمٌ ﴿١٤١﴾ ۧ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ

بہت بڑی ○ اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا اور پورا کیا ہم نے ان کو ساتھ دس راتوں کے، تو پوری ہوگئی مدت مقررہ

رَبِّهٖٓ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ۚ وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ

اسکے رب کی چالیس راتیں اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے میری جانشینی کرنا میری قوم میں اور اصلاح کرنا (ان کی)

وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿١٤٢﴾ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ۙ

اور نہ پیروی کرنا راستے کی فساد کرنے والوں کے ○ اور جب آئے موسیٰ ہماری مقررہ مدت پر اور کلام کیا ان سے ان کے رب نے

قَالَ رَبِّ اَرِنِيْٓ اَنْظُرْ اِلَيْكَ ؕ قَالَ لَنْ تَرٰىنِيْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ

تو کہا موسیٰ نے اے میرے رب! دکھا مجھے (اپنی جھلک) کہ دیکھوں میں تجھے، کہا ہرگز نہیں دیکھ سکے گا تو مجھے، لیکن دیکھ تو طرف اس پہاڑ کی

فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِيْ ۚ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا

پس اگر ٹھہرا رہا وہ اپنی جگہ پر تو ضرور دیکھ سکے گا تو بھی مجھے، پھر جب جلوہ ڈالا اس کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اس کو ریزہ ریزہ،

وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّآ اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ

اور گر پڑے موسیٰ بے ہوش ہو کر، پھر جب ہوش میں آئے تو کہا پاک ہے تو، توبہ کی میں نے تیری طرف اور میں ہوں سب سے پہلا

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٤٣﴾ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلٰتِيْ وَبِكَلَامِيْ ۖ

مومن ○ کہا (اللہ نے) اے موسیٰ! بلاشبہ میں نے چن لیا ہے تجھے اوپر لوگوں کے اپنے پیغامات (پہنچانے) اور اپنی ہمکلامی کیلیے

فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿١٤٤﴾ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

پس لے لے تو جو دیا میں نے تجھے اور ہو جا تو شکر گزاروں میں سے ○ اور لکھ دی ہم نے اس (موسیٰ) کے لیے تختیوں میں ہر چیز کی

مَّوْعِظَةً وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۚ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَّاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ؕ

نصیحت اور تفصیل ہر ایک شے کی، سو پکڑ لے تو ان کو ساتھ قوت کے اور حکم دے اپنی قوم کو کہ پکڑیں وہ اچھی باتیں ان کی

سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿١٤٥﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ

عنقریب دکھاؤں گا میں تمہیں گھر فاسقوں کا ○ اور البتہ پھیر دوں گا میں اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں

بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ

ناحق، اور اگر دیکھ لیں وہ ہر نشانی تو بھی نہ ایمان لائیں گے وہ ساتھ ان کے، اور اگر دیکھ لیں وہ راہ ہدایت

لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۚ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

تو نہ پکڑیں اسے (اپنے لیے) راستہ، اور اگر دیکھ لیں وہ راستہ گمراہی کا، تو پکڑ لیں اسے (اپنے لیے) راستہ، یہ اس لیے کہ بلاشبہ انہوں نے

كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴿١٤٦﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَاۗءِ

جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تھے وہ ان سے غافل ○ اور وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں اور ملاقات کو

الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۭ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٤٧﴾ ع وَاتَّخَذَ ع

آخرت کی، برباد ہو گئے ان کے عمل، نہیں بدلہ دیے جائیں گے وہ مگر ان کاموں کا جو تھے وہ کرتے ○ اور بنا لیا

قَوْمُ مُوْسٰى مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ۭ اَلَمْ يَرَوْا

موسیٰ کی قوم نے بعد (جانے) اس (موسیٰ) کے، اپنے زیورات سے ایک بچھڑا، جو ایک جسم تھا اسکی آواز تھی گائے کی، کیا نہیں دیکھا انہوں نے

اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿١٤٨﴾ وَلَمَّا وقف لازم

کہ وہ نہیں کلام کرتا ان سے اور نہیں بتلاتا انہیں کوئی راستہ؟ بنا لیا انہوں نے اسے (معبود) اور تھے وہ ظالم ○ اور جب

سُقِطَ فِيْٓ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا

نادم ہوئے وہ اور دیکھا انہوں نے کہ بلاشبہ گمراہ ہو گئے ہیں وہ، تو کہا انہوں نے اگر نہ رحم کیا ہم پر ہمارے رب نے

وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿١٤٩﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ

اور نہ بخشا ہمیں، تو ضرور ہو جائیں گے ہم خسارہ پانے والوں میں سے ○ اور جب واپس آئے موسیٰ طرف اپنی قوم کی

غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِيْ مِنْۢ بَعْدِيْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ

غضب ناک، افسوس کرتے ہوئے، تو کہا بری ہے جو جانشینی کی تم نے میری میرے (جانے کے) بعد، کیا جلدی کی تم نے اپنے رب کے حکم سے؟

وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ۭ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ

اور ڈال دیں تختیاں اور پکڑ لیا سر اپنے بھائی کا، کھینچتے تھے اسکو اپنی طرف، کہا (ہارون) نے اے میرے ماں جائے! بیشک ان لوگوں نے

اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ڮ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَاۗءَ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ

کمزور سمجھا مجھے، اور قریب تھے کہ وہ قتل ہی کر دیتے مجھے، پس نہ ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ (شامل) کر تو مجھے ساتھ

الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٥٠﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ڮ

ان لوگوں کے جو ظالم ہیں ○ کہا (موسیٰ نے) اے میرے رب! تو بخش دے مجھے اور میرے بھائی کو اور داخل فرما ہمیں اپنی رحمت میں

وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿١٥١﴾ ع اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ ع

اور تو ہے سب سے زیادہ رحم کرنے والا ○ بے شک وہ لوگ جنہوں نے بنایا بچھڑے کو (معبود) عنقریب پہنچے گا انہیں غضب

مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَاؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ ﴿١٥٢﴾
ان کے رب کی طرف سے اور ذلت زندگانی دنیا میں اور اسی طرح سزا دیتے ہیں ہم بہتان باندھنے والوں کو ○
وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَاٰمَنُوْۤا ؗ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا
اور وہ لوگ جنہوں نے عمل کیے برے پھر توبہ کی بعد ان کے اور ایمان لے آئے تو یقیناً آپ کا رب اس کے بعد
لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٥٣﴾ وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚۖ وَفِيْ نُسْخَتِهَا
البتہ بہت بخشنے والا ہے نہایت مہربان ○ اور جب ٹھنڈا ہوا موسیٰ کا غصہ تو اٹھالیں اس نے تختیاں اور ان کے مضامین میں
هُدًى وَّ رَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ ﴿١٥٤﴾ وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ
ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے تھے ○ اور منتخب کیے موسیٰ نے اپنی قوم میں سے
سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّاۤ اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ
ستر آدمی ہمارے مقررہ وقت کے لیے۔ پس جب پکڑ لیا ان کو زلزلے نے تو کہا موسیٰ نے اے میرے رب! اگر چاہتا تو
اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ
تو ہلاک کر دیتا انہیں پہلے اس سے اور مجھے بھی کیا ہلاک کرتا ہے تو ہمیں بوجہ اسکے جو کیا بیوقوفوں نے ہم میں سے؟ نہیں ہے یہ
اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا
مگر آزمائش تیری گمراہ کرتا ہے تو ساتھ اس (آزمائش) کے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے تو ہی ہمارا کارساز ہے
فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ﴿١٥٥﴾ وَاكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا
پس بخش دے ہمیں اور رحم فرما ہم پر اور تو ہے بہترین بخشنے والا ○ اور لکھ دے تو ہمارے لیے اس دنیا میں
حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَيْكَ ؕ قَالَ عَذَابِيْۤ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ
بھلائی اور آخرت میں بھی یقیناً ہم نے رجوع کیا تیری طرف کہا (اللہ نے) میرا عذاب پہنچاتا ہوں میں وہ جسے
اَشَآءُ ۚ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ؕ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ
چاہتا ہوں اور میری رحمت اس نے گھیر رکھا ہے ہر ایک چیز کو پس عنقریب لکھ دوں گا میں یہ (رحمت) ان لوگوں کیلئے جو ڈرتے ہیں
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٦﴾ اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ
اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ لوگ کہ وہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ○ وہ لوگ جو اتباع کرتے ہیں
الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ
اس رسول کا جو نبی امی ہے وہ جو پاتے ہیں وہ اس کو لکھا ہوا اپنے ہاں تورات
وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ
اور انجیل میں وہ حکم دیتا ہے انہیں اچھے کاموں کا اور روکتا ہے انہیں برے کاموں سے اور وہ حلال کرتا ہے ان کیلئے پاکیزہ چیزیں

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ
اور حرام ٹھہراتا ہے ان پر ناپاک چیزیں' اور اتارتا ہے ان سے ان کے بوجھ اور وہ طوق جو تھے اوپر ان کے
فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ
پس وہ لوگ جو ایمان لائے ساتھ اس کے اور تعظیم کی اس کی اور مدد کی اس کی اور اتباع کیا اس نور کا جو نازل کیا گیا ساتھ اس کے
اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا ع ۱۹ / ۹
یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ○ کہہ دیجیے اے لوگو! یقیناً میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف'
الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ فَاٰمِنُوْا
وہ ذات کہ اسی کیلیے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی' نہیں ہے کوئی معبود (برحق) مگر وہی' وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے' پس ایمان لاؤ
بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ
تم ساتھ اللہ اور اسکے رسول کے جو نبی اُمی ہے وہ جو (خود بھی) ایمان لاتا ہے ساتھ اللہ اور اسکے کلمات کے' اور اتباع کرو اسکا تا کہ تم
تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰٓى اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾
ہدایت پاؤ ○ اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک جماعت ہے جو رہنمائی کرتی ہے ساتھ حق کے اور ساتھ اسی (حق) کے وہ عدل کرتی ہے ○
وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اِذِ اسْتَسْقٰىهُ
اور جدا جدا کر دیا ہم نے انہیں بارہ قبیلوں کے لحاظ سے (بارہ) جماعتوں میں' اور وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کی جب پانی مانگا اس سے
قَوْمُهٗٓ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ
اس کی قوم نے' یہ کہ مار تو لاٹھی اپنی (اس) پتھر پر' (اس نے ماری) تو پھوٹ پڑے اس (پتھر) سے بارہ چشمے' تحقیق
عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَظَلَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ
جان لیا ہر قبیلے نے اپنا گھاٹ' اور سایہ کیا ہم نے اوپر ان کے بادلوں کا' اور نازل کیا اوپر ان کے من
وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
اور سلویٰ (اور کہا) کھاؤ تم ان پاکیزہ چیزوں سے جو رزق دیا ہم نے تمہیں' اور نہیں ظلم کیا انہوں نے ہم پر لیکن تھے وہ اپنی ہی جانوں پر
يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ
ظلم کرتے ○ اور جب کہا گیا ان سے' ٹھہرو تم اس بستی میں اور کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو تم'
وَقُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓئٰتِكُمْ ؕ
اور کہو معاف کر دے ہمیں' اور داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے' تو بخش دیں گے ہم تمہارے لیے تمہاری خطائیں'
سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ
عنقریب زیادہ دیں گے ہم نیکی کرنے والوں کو ○ پس بدل دیا ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا تھا ان میں سے بات کو مخالف اس بات کے جو

قِيْلَ لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٦٢﴾ ع ع ٥

کہی گئی تھی ان سے' تو بھیجا ہم نے اوپر ان کے عذاب آسمان سے بوجہ اس کے جو تھے وہ ظلم کرتے ○

وَسْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ اِذْ يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ وقف لازم

اور پوچھیے ان (لوگوں) سے اس بستی کے بارے میں جو تھی ساحل سمندر پر' جب وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ہفتے کے (دن کے) بارے میں

اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَاْتِيْهِمْ ۛ

جب کہ آتی تھیں ان کے پاس مچھلیاں ان کی' ان کے ہفتے کے دن میں ظاہر (پانی کے اوپر) اور جو دن ہفتے کا نہ ہوتا تو نہ آتیں وہ ان کے پاس

كَذٰلِكَ ۛ نَبْلُوْهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٣﴾ وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ النصف

اسی طرح ہم آزماتے تھے انہیں بوجہ اس کے جو تھے وہ نافرمانی کرتے ○ اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے کیوں

تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ؕ قَالُوْا

وعظ کرتے ہو تم ایسی قوم کو کہ اللہ ہلاک کرنے والا ہے انہیں یا عذاب دینے والا ہے انہیں عذاب سخت' تو انہوں نے کہا'

مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿١٦٤﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ

معذرت پیش کرنے کیلئے تمہارے رب کی طرف اور شاید کہ وہ ڈر جائیں ○ پس جب بھلا دیا انہوں نے جو نصیحت کیے گئے تھے وہ ساتھ اسکے

اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَـِٔيْسٍۭ

تو نجات دی ہم نے ان لوگوں کو جو روکتے تھے برے کام سے' اور پکڑ لیا ہم نے ان کو جنہوں نے ظلم کیا' ساتھ بدترین عذاب کے'

بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿١٦٥﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا

بوجہ اس کے جو تھے وہ نافرمانی کرتے ○ پس جب سرکشی کی انہوں نے اس سے کہ روکے گئے تھے وہ اس سے' تو کہا ہم نے ان کو ہو جاؤ تم

قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿١٦٦﴾ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ

بندر ذلیل ○ اور (یاد کرو) جب جتلا دیا آپ کے رب نے کہ وہ ضرور بھیجتا رہے گا اوپر ان کے روز قیامت تک ایسے شخص کو جو

يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٦٧﴾

چکھاتا رہے گا انہیں برا عذاب' بلاشبہ آپ کا رب البتہ جلدی سزا دینے والا ہے اور یقیناً وہ البتہ بہت بخشنے والا رحم کرنے والا ہے ○

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ۫ وَبَلَوْنٰهُمْ

اور جدا جدا کر دیا ہم نے انہیں زمین میں کئی گروہ بنا کر' کچھ ان میں سے صالح تھے اور کچھ ان میں سے علاوہ اسکے' اور آزمایا ہم نے انہیں

بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿١٦٨﴾ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا

ساتھ نعمتوں اور تکلیفوں کے تاکہ وہ رجوع کریں (اللہ کی طرف) ○ پھر جانشین بنے بعد ان کے ناخلف جو وارث ہوئے

الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ وَاِنْ يَّاْتِهِمْ

کتاب (تورات) کے' وہ لے لیتے سامان اس ادنیٰ (دنیا) کا اور کہتے کہ عنقریب بخش دیا جائے گا ہمیں' اور اگر آئے ان کے پاس (پھر)

عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ ؕ اَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِّيْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا يَقُوْلُوْا

سامان اس جیسا ہی تو وہ لے لیں اسے (بھی)‘ کیا نہیں لیا گیا ان سے پختہ وعدہ کتاب میں یہ کہ وہ نہ کہیں

عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ وَدَرَسُوْا مَا فِيْهِ ؕ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ

اوپر اللہ کے سوائے حق کے؟ حالانکہ انہوں نے پڑھ لیا ہے جو کچھ اس میں ہے اور گھر آخرت کا بہت بہتر ہے ان لوگوں کے لیے

يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿169﴾ وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ

جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں‘ کیا پس نہیں عقل رکھتے تم؟ ○ اور وہ لوگ جو مضبوطی سے پکڑتے ہیں کتاب کو اور قائم کیا انہوں نے نماز کو‘

اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُصْلِحِيْنَ ﴿170﴾ وَاِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ

تو یقیناً ہم نہیں ضائع کرتے اجر اصلاح کرنے والوں کا ○ اور جب اٹھایا ہم نے پہاڑ کو اوپر ان کے‘ گویا کہ وہ ایک سائبان ہے

وَّظَنُّوْٓا اَنَّهٗ وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ

اور یقین کرلیا تھا انہوں نے کہ یقیناً وہ (پہاڑ) گرنے والا ہے ان پر‘ (کہا ہم نے) پکڑو اس (تورات) کو جو دی ہم نے تمہیں‘ ساتھ قوت کے

وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ع ﴿171﴾ ع ۲۱

اور یاد کرو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم بچ جاؤ ○

پھر ان رسولوں کے بعد ہم نے امام عظیم اور رسول کریم موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کو انتہائی سرکش اور جابر قوم یعنی فرعون اور اس کے سرداروں اور اشراف کی طرف مبعوث کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی بڑی آیات و معجزات کا مشاہدہ کروایا کہ ان جیسے معجزات کا مشاہدہ کبھی نہیں ہوا۔ ﴿فَظَلَمُوْا بِهَا﴾ ’’پس ظلم کیا انہوں نے ان کے مقابلے میں‘‘ بایں صورت کہ انہوں نے اس حق کی پیروی نہ کی کہ جس کی پیروی نہ کرنا ظلم ہے اس کے برعکس انہوں نے تکبر کے ساتھ حق کو ٹھکرا دیا ﴿فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ ’’پس دیکھو‘ کیا انجام ہوا مفسدوں کا‘‘ یعنی دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کیسے ہلاک کر دیا‘ دنیا میں کیسے ان کو ملعون اور مذموم ٹھہرایا اور قیامت کے روز بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہے گی۔ بہت برا ہے وہ انعام جو ان کو ملا ہے۔

یہ مجمل بیان تھا‘ اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَقَالَ مُوْسٰى﴾ ’’موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا‘‘ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے پاس آ کر اسے ایمان کی دعوت دی اور فرمایا: ﴿يٰفِرْعَوْنُ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ’’اے فرعون‘ میں رب العالمین کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں‘‘ یعنی میں ایک عظیم ہستی کی طرف سے بھیجا گیا رسول ہوں جو عالم علوی اور عالم سفلی تمام جہانوں کا رب ہے جو مختلف تدابیر الٰہیہ کے ذریعے سے تمام مخلوق کی تربیت کرتا ہے۔ ان جملہ تدابیر میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو مہمل نہیں چھوڑتا بلکہ وہ انبیاء و مرسلین کو خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر ان کی طرف مبعوث کرتا ہے۔ وہ ایسی ہستی ہے کہ کوئی شخص یہ دعویٰ کرنے کی

جرأت نہیں کر سکتا کہ اسے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے درآں حالیکہ اسے رسول نہ بنایا گیا ہو۔ جب اس عظیم ہستی کی یہ شان ہے اور اس نے مجھے اپنی رسالت کے لیے چن لیا ہے۔ تو مجھ پر فرض ہے کہ میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھوں اور اس کی طرف وہی بات منسوب کروں جو حق ہے اور اگر میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس کے علاوہ کچھ اور کہوں تو وہ مجھے بہت جلد عذاب میں مبتلا کر دے گا اور وہ مجھے ایسے پکڑے گا جیسے ایک غالب اور قادر ہستی پکڑتی ہے۔ پس یہ امر اس بات کا موجب ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کریں اور ان کے حکم کی تعمیل کریں' خاص طور پر جبکہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل آ گئی ہے جو اس حق پر دلالت کرتی ہے جو موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے۔ اس لئے ان پر واجب ہے کہ وہ آنجناب کی رسالت کے مقاصد پر عمل درآمد کریں۔ اس رسالت کے دو عظیم مقاصد ہیں۔

(۱) وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں اور ان کی اتباع کریں۔

(۲) بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں جو ایسی قوم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں پر فضیلت بخشی ہے۔ جو انبیاء علیہم السلام کی اولاد اور یعقوب علیہ السلام کا سلسلہ ہے اور موسیٰ علیہ السلام' اس سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ﴿ قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ ''اگر تم کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو لاؤ دکھاؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔'' ﴿ فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴾ ''پس موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا تو وہ واضح طور پر سانپ بن گیا'' جو بھاگ رہا تھا اور وہ سب کھلی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ ﴿ وَّنَزَعَ يَدَهٗ ﴾ ''حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ اپنے گریبان سے نکالا'' ﴿ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴾ ''پس وہ دیکھنے والوں کو (بغیر کسی عیب اور مرض کے) سفید نظر آتا تھا۔'' یہ دو بڑے معجزے جو موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور ان کی صداقت پر دلالت کرتے تھے کہ وہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہیں۔ مگر وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے اگر ان کے پاس تمام معجزات آ جائیں وہ تب بھی ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

بنا بریں ﴿ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ ﴾ ''قوم فرعون کے جو سردار تھے وہ کہنے لگے۔'' یعنی جب انہوں نے معجزات کو دیکھا اور ان معجزات نے ان کو مبہوت کر دیا تو وہ ایمان نہ لائے وہ معجزات کے لیے فاسد تاویلات تلاش کرنے لگے اور بولے ﴿ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴾ ''یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔'' یعنی یہ اپنے جادو میں بہت ماہر ہے۔ پھر وہ کمزور عقل اور کم فہم لوگوں کو ڈراتے ہوئے کہنے لگے ﴿ يُّرِيْدُ ﴾ یعنی اس فعل سے موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ ہے ﴿ اَنْ يُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ ﴾ ''کہ وہ تمہیں تمہارے وطن سے نکال باہر کرے۔'' ﴿ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ ﴾ ''اب تمہاری کیا صلاح ہے'' یعنی انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ کیسے نبٹا جائے اور ان کے زعم کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کے ضرر سے کیسے بچا جائے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام جو کچھ لے کر آئے ہیں اگر اس کا مقابلہ کسی ایسی چیز

سے نہ کیا جائے جو اسے باطل اور بے اثر کر دے' تو موسیٰ کے معجزات عوام میں سے اکثر لوگوں کے ذہنوں کو متاثر کریں گے۔

تب وہ ایک رائے پر متفق ہوئے اور انہوں نے فرعون سے کہا ﴿ اَرْجِهْ وَاَخَاهُ ﴾ "(فی الحال) موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کے معاملے کو معاف رکھیے۔" یعنی دونوں بھائیوں کو روک کر ان کو مہلت دو اور تمام شہروں میں ہر کارے دوڑا دو جو مملکت کے لوگوں کو اکٹھا کریں اور تمام ماہر جادوگروں کو لے آئیں تاکہ وہ موسیٰ (علیہ السلام) کے معجزات کا مقابلہ کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا "ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لو' نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے نہ تم اس کے خلاف کرو گے اور یہ مقابلہ ایک ہموار میدان میں ہوگا"۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب میں فرمایا: ﴿ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى ○ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴾ (طٰہٰ: ۲۰/ ۵۹۔۶۰) "تمہارے لئے مقابلے کا دن عید کا روز مقرر ہے اور یہ کہ تمام لوگ چاشت کے وقت اکٹھے ہو جائیں۔ فرعون لوٹ گیا۔ اس نے اپنی تمام چالیں جمع کیں پھر مقابلے کے لیے آ گیا"۔

﴿ وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ ﴾ "اور جادوگر فرعون کے پاس آ پہنچے۔" جادوگر غالب آنے کی صورت میں انعام کا مطالبہ کرتے ہوئے فرعون کے پاس آئے اور کہنے لگے: ﴿ اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ ﴾ "اگر ہم مقابلے میں کامیاب ہو گئے تو ہمیں انعام دیا جائے گا؟" ﴿ قَالَ ﴾ فرعون نے کہا ﴿ نَعَمْ ﴾ ہاں تمہیں انعام سے نوازا جائے گا ﴿ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴾ "(اور اس پر مستزاد یہ کہ) تم میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔" فرعون نے جادوگروں کو انعام و اکرام دیئے' ان کو اپنے مقربین میں شامل کرنے اور ان کی قدر و منزلت بڑھانے کا وعدہ کر لیا تاکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں اپنی پوری طاقت صرف کر دیں۔ جب لوگوں کے ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آئے۔ ﴿ قَالُوْا ﴾ تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے بارے میں بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: ﴿ يٰمُوْسٰى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ ﴾ "اے موسیٰ! یا تو تم ڈالو" یعنی تمہارے پاس جو کچھ ہے تم سامنے لاتے ہو۔ ﴿ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ ﴾ "یا ہم ڈالتے ہیں۔" یعنی ہم اپنا جادو دکھاتے ہیں۔

﴿ قَالَ ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ﴿ اَلْقُوْا ﴾ "ڈالو تم" تاکہ لوگ دیکھ لیں کہ ان جادوگروں کے پاس کیا ہے اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس کیا ہے: ﴿ فَلَمَّآ اَلْقَوْا ﴾ "پس جب انہوں نے ڈالیں۔" یعنی جب انہوں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں زمین پر ڈالیں تو ان کے جادو کے سبب سے یوں لگا جیسے لاٹھیاں اور رسیاں سانپ بن گئی ہیں جو بھاگتے پھر رہے ہیں۔ ﴿ سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ ﴾ "اس طرح انہوں نے جادو کر کے ان کی نظر بندی کر دی اور اپنے جادو سے ان کو ڈرا دیا اور بہت بڑا جادو دکھایا۔" جادو کی دنیا میں جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ﴿ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ﴾ "اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنی لاٹھی ڈال دے" پس موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا ﴿ فَاِذَا هِيَ ﴾ "وہ فوراً" یعنی عصا دوڑتا ہوا سانپ بن گیا ﴿ تَلْقَفُ

﴿مَا يَاْفِكُوْنَ﴾ اور انہوں نے جھوٹ اور شعبدہ بازی سے جو سانپ بنائے تھے' ان کو نگلتا گیا۔

﴿فَوَقَعَ الْحَقُّ﴾ "تو حق ثابت ہو گیا۔" یعنی اس بھرے مجمع میں حق واضح طور پر نمایاں اور ظاہر ہو گیا ﴿وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ "اور جو کچھ وہ کرتے تھے سب باطل ہو گیا۔" ﴿فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ﴾ "اس مقام پر وہ مغلوب ہو گئے۔" ﴿وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ﴾ "اور وہ حقیر بن کر رہ گئے" ان کا باطل مضمحل اور ان کا جادو نابود ہو گیا اور انہیں وہ مقصد حاصل نہ ہو سکا جس کے حصول کا وہ گمان رکھتے تھے' جادوگروں پر حق عظیم واضح ہو گیا جو جادو کی مختلف اقسام اور جزئیات کو پہچانتے تھے جو کہ دوسرے لوگ نہ پہچانتے تھے۔۔۔ وہ جناب موسیٰ کے معجزات کی عظمت کے قائل ہو گئے پس انہوں نے پہچان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ ہے جو کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔

﴿وَاُلْقِيَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ۝ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ﴾ "جادوگر سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم جہانوں کے پروردگار پر ایمان لائے (یعنی) موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر۔" یعنی موسیٰ علیہ السلام جن معجزات اور دلائل کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

﴿قَالَ فِرْعَوْنُ﴾ فرعون نے ان کے ایمان لانے پر ان کو دھمکی دیتے ہوئے کہا ﴿اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ "کیا تم اس پر میری اجازت سے پہلے ہی ایمان لے آئے؟" وہ خبیث شخص' جابر حکمران تھا وہ ادیان و مذاہب کے مقابلے میں اپنی رائے کو ترجیح دیتا تھا۔ ان لوگوں کے ہاں اور خود اس کے نزدیک بھی یہ بات تسلیم شدہ تھی کہ وہ اطاعت کا حق دار ہے اور ان کے اندر اس کا حکم نافذ ہے اور اس کے حکم سے سرتابی کرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔ ان حالات کا شکار ہو کر قومیں انحطاط پذیر ہوتی ہیں ان کی عقل کمزور اور اس کی قوت نفوذ کم ہو جاتی ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهٗ فَاَطَاعُوْهُ﴾ (الزخرف: ٥٤/٤٣) "پس اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انہوں نے اس کی بات مان لی"۔ یہاں فرعون نے کہا ﴿اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ﴾ "اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے۔" یعنی یہ تمہاری طرف سے سوء ادبی اور میرے حضور بہت بڑی جسارت ہے۔ پھر اس نے اپنی قوم کے سامنے فریب کاری سے کام لیتے ہوئے کہا ﴿اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِي الْمَدِيْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَآ اَهْلَهَا﴾ "بے شک یہ فریب ہے جو تم نے مل کر شہر میں کیا ہے تاکہ اہل شہر کو یہاں سے نکال دو۔" یعنی موسیٰ (علیہ السلام) تمہارا سردار ہے تم نے اس کے ساتھ مل کر سازش کی تاکہ تم اس کے غلبہ حاصل کرنے میں مدد کرو۔ پھر تم اس کی اطاعت کرو' پھر تمام لوگ یا اکثر لوگ تمہاری اطاعت کریں اور تم سب مل کر یہاں کے لوگوں کو نکال باہر کرو۔ یہ سب جھوٹ تھا' فرعون خود بھی جانتا تھا اصل صورت احوال یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کی ان میں سے کسی جادوگر سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی' فرعون اور اس کے ہرکاروں کے حکم پر ان جادوگروں کو جمع کیا گیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے وہاں جو کچھ کر دکھایا تھا وہ معجزہ تھا۔ تمام جادوگر ان کو نیچا دکھانے سے عاجز رہے اور حق ان کے سامنے واضح ہو گیا اور وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ فرعون نے جادوگروں کو دھمکی دیتے ہوئے کہا ﴿فَسَوْفَ

﴿تَعۡلَمُوۡنَ﴾ ''تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا'' کہ تم کس سزا سے دوچار ہونے والے ہو۔

﴿لَاُقَطِّعَنَّ اَیۡدِیَکُمۡ وَاَرۡجُلَکُمۡ مِّنۡ خِلَافٍ﴾ ''میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹوا دوں گا'' وہ خبیث شخص سمجھتا تھا کہ یہ جادوگر زمین میں فساد برپا کرنے والے ہیں لہذا وہ ان کے ساتھ وہی سلوک کرے گا جو فسادیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کٹوا دوں گا...... یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں ﴿ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّکُمۡ﴾ ''پھر تم کو سولی دوں گا'' یعنی کھجور کے تنوں پر تم سب کو سولی دے دوں گا۔ ﴿اَجۡمَعِیۡنَ﴾ ''سب کو'' یعنی یہ سزا تم میں سے کسی ایک کو نہیں دوں گا بلکہ تم سب اس سزا کا مزہ چکھو گے۔

ایمان لانے والے جادوگروں کو جب فرعون نے دھمکی دی تو انہوں نے کہا: ﴿اِنَّاۤ اِلٰی رَبِّنَا مُنۡقَلِبُوۡنَ﴾ ''ہم تو اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں'' یعنی ہمیں تمہاری سزا کی کوئی پروا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے بہتر ہے اور وہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اس لئے تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر لے۔ ﴿وَمَا تَنۡقِمُ مِنَّاۤ﴾ ''تجھ کو ہماری کون سی بات بری لگی ہے۔'' یعنی وہ کون سی بری بات ہے جس پر تو ہماری نکیر کرتا ہے اور ہمیں دھمکی دیتا ہے۔ ہمارا کوئی گناہ نہیں ﴿اِلَّاۤ اَنۡ اٰمَنَّا بِاٰیٰتِ رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتۡنَا﴾ ''سوائے اس کے کہ ہم ایمان لائے اپنے رب کی آیتوں پر جب وہ ہمارے پاس آئیں'' پس اگر یہ گناہ ہے جس کو معیوب کہا جائے اور اس کے مرتکب کو سزا کا مستحق سمجھا جائے تو ہم نے اس گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ پھر جادوگروں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ انہیں ثابت قدمی عطا کرے اور انہیں صبر سے نوازے۔ ﴿رَبَّنَاۤ اَفۡرِغۡ عَلَیۡنَا صَبۡرًا﴾ ''ہم پر صبر عظیم کا فیضان کر''۔۔۔ جیسا کہ (صَبۡرًا) میں نکرہ کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے۔۔۔ کیونکہ یہ بہت بڑا امتحان ہے جس میں جان کے جانے کا بھی خطرہ ہے۔ پس اس امتحان میں صبر کی سخت ضرورت ہوتی ہے تاکہ دل مضبوط ہو اور مومن اپنے ایمان پر مطمئن ہو اور قلب سے بے یقینی کی کیفیت دور ہو جائے۔ ﴿وَّتَوَفَّنَا مُسۡلِمِیۡنَ﴾ ''اور ہمیں مسلمان مارنا'' یعنی ہمیں اس حالت میں وفات دے کہ ہم تیرے تابع فرمان بندے اور تیرے رسول کی اطاعت کرنے والے ہوں۔

ظاہر ہے کہ فرعون نے جو دھمکی دی تھی اس پر عمل کیا ہوگا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو ایمان پر ثابت قدم رکھا ہوگا۔ یہ تو تھا ان جادوگروں کا حال' فرعون' اس کے سرداروں اور ان کے پیروکار عوام نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ تکبر کیا اور ظلم کے ساتھ ان کا انکار کر دیا۔ انہوں نے فرعون کو موسیٰ علیہ السلام پر ہاتھ ڈالنے پر اکساتے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ موسیٰ جو کچھ لائے ہیں سب باطل اور فاسد ہے...... کہا ﴿اَتَذَرُ مُوۡسٰی وَقَوۡمَهٗ لِیُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ﴾ ''کیا تم موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دو گے کہ ملک میں خرابی کریں۔'' یعنی کیا تم موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ رہے ہو' تاکہ وہ دعوت توحید' مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی تلقین کے ذریعے سے زمین میں فساد پھیلائے۔ حالانکہ ان اخلاق و اعمال میں زمین کی اصلاح ہے اور جس راستے پر فرعون اور اس کے سردار گامزن تھے' وہ درحقیقت فساد کا راستہ ہے مگر ان ظالموں کو کوئی پروا نہ تھی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

﴿ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ﴾ ’’وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے‘‘ اور لوگوں کو تیری اطاعت کرنے سے روک دے۔ ﴿ قَالَ ﴾ فرعون نے ان کو جواب دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ اس حالت میں رکھے گا جس سے ان کی آبادی اور تعداد میں اضافہ نہیں ہوگا۔ اس طرح فرعون اور اس کی قوم۔۔۔۔ بزعم خود۔۔۔۔ ان کے ضرر سے محفوظ ہو جائیں گے۔ چنانچہ کہنے لگا: ﴿ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْيٖ نِسَآءَهُمْ ﴾ ’’ہم ان کے بیٹوں کو قتل اور عورتوں کو زندہ رکھیں گے‘‘ یعنی ان کی عورتوں کو باقی رکھیں گے اور انہیں قتل نہیں کریں گے۔ جب تک یہ حکمت عملی اختیار کریں گے تو ہم ان کی کثرت تعداد سے محفوظ رہیں گے اور ہم باقی ماندہ لوگوں سے خدمت بھی لیتے رہیں گے اور ان سے جو کام چاہیں گے لیں گے۔ ﴿ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴾ ’’اور ہم ان پر غالب ہیں‘‘ یعنی وہ ہماری حکمرانی اور تغلب سے باہر نکلنے پر قادر نہ ہوں گے۔ یہ فرعون کا انتہا کو پہنچا ہوا ظلم و جبر، اس کی سرکشی اور بے رحمی تھی۔

﴿ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ ﴾ ’’موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔‘‘ ان حالات میں، جن میں وہ کچھ کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر وہ ان حالات کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو وصیت کرتے ہوئے کہا: ﴿ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ ﴾ ’’اللہ سے مدد طلب کرو‘‘ یعنی اس چیز کے حصول میں جو تمہارے لئے فائدہ مند ہے اور اس چیز کو دور ہٹانے میں جو تمہارے لئے ضرر رساں ہے، اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ اس پر اعتماد کرو، وہ تمہارے معاملے کو پورا کرے گا۔ ﴿ وَاصْبِرُوْا ﴾ ’’اور صبر کرو۔‘‘ یعنی مصائب و ابتلاء کے دور ہونے کی امید رکھتے ہوئے صبر کا التزام کرو۔ ﴿ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ﴾ ’’زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے‘‘ فرعون اور اس کی قوم کی ملکیت نہیں کہ وہ اس زمین میں حکم چلائیں ﴿ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ﴾ ’’وہ اس کا وارث اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے، بناتا ہے‘‘ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور حکمت کے مطابق زمین کی حکمرانی باری باری لوگوں کو عطا کرتا ہے۔ مگر اچھا انجام متقین کا ہوتا ہے کیونکہ اس حکمرانی کی مدت میں اگر ان کو امتحان میں ڈالا جائے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور اس کی حکمت کے تحت۔ تب بھی بالآخر کامیابی انہی کے لئے ہے۔

﴿ وَالْعَاقِبَةُ ﴾ ’’اور اچھا انجام‘‘ ﴿ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴾ ’’متقین کے لئے ہے‘‘ یعنی جو اپنی قوم کے بارے میں تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ یہ بندۂ مومن کا وظیفہ ہے کہ مقدور بھر ایسے اسباب مہیا کرتا رہے جن کے ذریعے سے وہ دوسروں کی طرف سے دی ہوئی اذیت سے اپنی ذات کو بچا سکے اور جب وہ ایسا کرنے سے عاجز آ جائے تو صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے اور اچھے وقت کا انتظار کرے۔

﴿ قَالُوْٓا ﴾ بنی اسرائیل نے، جو کہ طویل عرصے سے فرعون کی تعذیب اور عقوبت برداشت کرتے کرتے تنگ آ چکے تھے۔۔۔ موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿ اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا ﴾ ’’ہمیں تکلیفیں دی گئیں آپ کے آنے سے پہلے‘‘ کیونکہ انہوں نے ہمیں بدترین عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا وہ ہمارے بیٹوں کو قتل کر دیا کرتے تھے اور ہماری

عورتوں کو زندہ رکھتے تھے ﴿ وَمِنۢ بَعۡدِ مَا جِئۡتَنَا ﴾ ''اور آپ کے آنے کے بعد بھی'' ایسا ہی سلوک ہے ﴿ قَالَ ﴾ جناب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو آل فرعون کے شر سے نجات اور اچھے وقت کی امید دلاتے ہوئے فرمایا: ﴿ عَسَىٰ رَبُّكُمۡ أَن يُهۡلِكَ عَدُوَّكُمۡ وَيَسۡتَخۡلِفَكُمۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ ﴾ ''امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو زمین میں خلیفہ بنا دے'' یعنی زمین میں تمہیں حکومت عطا کر دے اور زمین کا اقتدار اور تدبیر تمہارے سپرد کر دے۔ ﴿ فَيَنظُرَ كَيۡفَ تَعۡمَلُونَ ﴾ ''پھر دیکھے تم کیسے کام کرتے ہو'' اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہو یا ناشکری کرتے ہو۔ یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا وعدہ تھا اور جب وہ وقت آ گیا جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا تو اس نے یہ وعدہ پورا کر دیا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس آخری مدت میں آل فرعون کے ساتھ جو معاملہ کیا اللہ تعالیٰ اس کا حال بیان فرماتا ہے کہ قوموں کے بارے میں اس کی سنت اور عادت یہ ہے کہ وہ سختیوں اور تکلیفوں کے ذریعے سے ان کو آزماتا ہے شاید کہ وہ اس کے سامنے فروتنی کا اظہار کریں ﴿ وَلَقَدۡ أَخَذۡنَآ ءَالَ فِرۡعَوۡنَ بِٱلسِّنِينَ ﴾ ''ہم نے ان پر خشک سالی اور قحط کو مسلط کر دیا'' ﴿ وَنَقۡصٖ مِّنَ ٱلثَّمَرَٰتِ لَعَلَّهُمۡ يَذَّكَّرُونَ ﴾ ''اور میووں کے نقصان میں پکڑا تا کہ نصیحت حاصل کریں'' یعنی ان پر جو قحط سالی مسلط کی گئی اور جو مصیبت نازل کی گئی شاید وہ اس سے نصیحت پکڑیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہے، شاید وہ اپنے کفر سے رجوع کریں۔ مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا اور وہ اپنے ظلم اور فساد پر بدستور جمے رہے۔ ﴿ فَإِذَا جَآءَتۡهُمُ ٱلۡحَسَنَةُ ﴾ ''پس جب پہنچتی ان کو بھلائی'' یعنی جب انہیں شادابی اور رزق میں کشادگی حاصل ہوتی۔ ﴿ قَالُواْ لَنَا هَٰذِهِۦ ﴾ تو کہتے ''ہم اس کے مستحق تھے'' اور اللہ تعالیٰ کے شکر گزار نہ ہوتے۔ ﴿ وَإِن تُصِبۡهُمۡ سَيِّئَةٞ ﴾ ''اور اگر پہنچتی ان کو کوئی برائی'' یعنی جب ان پر قحط اور خشک سالی وارد ہوتی ﴿ يَطَّيَّرُواْ بِمُوسَىٰ وَمَن مَّعَهُۥٓ ﴾ ''تو نحوست بتلاتے موسیٰ کی اور اس کے ساتھیوں کی'' یعنی وہ کہتے کہ اس تمام مصیبت کا سبب موسیٰ (علیہ السلام) کی آمد اور بنی اسرائیل کا ان کی اتباع کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ أَلَآ إِنَّمَا طَٰٓئِرُهُمۡ عِندَ ٱللَّهِ ﴾ ''ان کی بدشگونی تو (اللہ کی قضاوقدر سے) اس کے ہاں مقدر ہے'' اور یہ معاملہ ایسے نہیں جیسے وہ کہتے ہیں بلکہ ان کا کفر اور ان کے گناہ ہی بدشگونی کا اصل سبب ہیں ﴿ وَلَٰكِنَّ أَكۡثَرَهُمۡ لَا يَعۡلَمُونَ ﴾ ''لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے'' بنابریں وہ یہ سب کچھ کہتے ہیں۔

﴿ وَقَالُواْ ﴾ ''اور انہوں نے کہا'' یعنی انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر واضح کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے باطل پر قائم رہیں گے۔ ﴿ مَهۡمَا تَأۡتِنَا بِهِۦ مِنۡ ءَايَةٖ لِّتَسۡحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحۡنُ لَكَ بِمُؤۡمِنِينَ ﴾ یعنی ہمارے ہاں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ تو جادوگر ہے تو جو بھی کوئی معجزہ لے کر آئے ہمیں قطعی یقین ہے کہ وہ جادو ہے اس لئے ہم تجھ پر ایمان لاتے ہیں نہ تیری تصدیق کرتے ہیں۔ یہ عناد کی انتہا ہے جس نے کفار کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ ان پر کوئی معجزہ نازل ہو یا نہ ہو ان کے لیے حالات برابر ہیں۔ ﴿ فَأَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ ٱلطُّوفَانَ ﴾ ''ہم نے ان پر طوفان بھیجا'' یعنی ہم نے بہت

بڑا سیلاب بھیجا جس میں ان کی کھیتیاں اور باغات ڈوب گئے اور انہیں بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ ﴿ وَالْجَرَادَ ﴾ ''اور ٹڈیاں'' ہم نے ان پر ٹڈی دل بھیجا جو ان کے باغات' کھیتوں اور ہر قسم کی نباتات کو چٹ کر گیا۔ ﴿ وَالْقُمَّلَ ﴾ ''اور جوئیں۔'' بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد چھوٹی ٹڈی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس سے مراد معروف جوں ہے۔ ﴿ وَالضَّفَادِعَ ﴾ ''اور مینڈک'' پس مینڈکوں نے ان کے برتنوں وغیرہ کو بھر دیا' ان کے لیے سخت تکلیف اور قلق کا باعث بنے ﴿ وَالدَّمَ ﴾ ''اور خون'' یا تو اس سے مراد نکسیر ہے یا اس سے مراد یہ ہے جیسا کہ بہت سے مفسرین کی رائے ہے کہ ان کا پینے والا پانی خون میں بدل جاتا تھا' وہ خون کے سوا کچھ نہیں پی سکتے تھے اور کچھ نہیں پکا سکتے تھے۔

﴿ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ ﴾ ''نشانیاں جدا جدا'' یہ اس بات کے واضح دلائل تھے کہ وہ جھوٹے اور ظالم ہیں اور موسیٰ علیہ السلام حق اور صداقت پر ہیں۔ ﴿ فَاسْتَكْبَرُوْا ﴾ ''پس انہوں نے تکبر کیا۔'' جب انہوں نے ان معجزات الٰہی کو دیکھا تو تکبر کرنے لگے ﴿ وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴾ ''اور وہ لوگ تھے ہی گناہ گار۔'' یعنی پہلے ہی سے ان کا معاملہ یہ تھا کہ وہ مجرموں کی قوم تھی۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی اور ان کو گمراہی پر برقرار رکھا۔

﴿ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ ﴾ ''اور جب ان پر عذاب واقع ہوا'' اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد طاعون ہو' جیسا کہ بہت سے مفسرین کی رائے ہے اور اس سے مراد وہ عذاب بھی ہو سکتا ہے جس کا ذکر گزشتہ سطور میں آ چکا ہے یعنی طوفان' ٹڈی دل' جوئیں' مینڈک اور خون۔ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب تھیں...... یعنی جب ان پر ان میں سے کوئی عذاب نازل ہوتا۔ ﴿ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ ﴾ ''تو کہتے اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر' اس عہد کی وجہ سے جو اللہ نے تجھ سے کیا ہوا ہے'' یعنی وہ موسیٰ علیہ السلام کو سفارشی بناتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وحی اور شریعت کا عہد کر رکھا ہے اور کہتے: ﴿ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴾ ''اگر دور کر دیا تو نے ہم سے یہ عذاب' تو بے شک ہم ایمان لے آئیں گے تجھ پر اور جانے دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو''۔ وہ اس بارے میں سخت جھوٹے تھے اور اس بات سے ان کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہ تھا کہ ان سے وہ عذاب دور ہو جائے جو ان پر نازل ہو چکا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ جب عذاب ایک بار دور ہو گیا' دوبارہ کوئی عذاب واقع نہیں ہوگا۔

﴿ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰٓى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ ﴾ ''پھر جب ہم ایک مدت کے لیے جس تک ان کو پہنچنا تھا ان سے عذاب دور کر دیتے۔'' یعنی جب ایک مدت تک ان سے عذاب دور کر دیا جاتا جس مدت تک اللہ تعالیٰ نے ان کی بقا مقدر کی تھی۔ یہ عذاب ہمیشہ کے لیے ان سے دور نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ایک مقرر وقت تک کے لیے اس عذاب کو ہٹایا جاتا تھا۔ ﴿ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴾ ''تو اسی وقت عہد توڑ ڈالتے'' وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور بنی اسرائیل کو آزاد کر دینے کے عہد کو' جو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا' توڑ دیتے۔ وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے نہ انہوں نے بنی اسرائیل کو آزاد کیا' بلکہ وہ اپنے کفر پر جمے رہے اور اسی میں سرگرداں رہے اور بنی اسرائیل کو تعذیب دینا

انہوں نے اپنی عادت بنالیا تھا۔﴿ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ ﴾ ”پھر بدلہ لیا ہم نے ان سے“ یعنی جب ان کی ہلاکت کے لیے مقرر کیا ہوا وقت آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر وہاں سے نکل جائیں اور ان کو آگاہ فرما دیا کہ فرعون اپنی فوجوں کے ساتھ ضرور اس کا پیچھا کرے گا ﴿ فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ ﴾ (الشعراء: ٥٣/٢٦) ”پس فرعون نے تمام شہروں میں اپنے نقیب روانہ کر دیے۔“ تا کہ وہ لوگوں کو جمع کر کے بنی اسرائیل کا تعاقب کریں اور کہلا بھیجا۔﴿ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ ۝ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ ۝ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ ۝ فَاَخْرَجْنٰهُمْ مِّنْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ وَّكُنُوْزٍ وَّمَقَامٍ كَرِيْمٍ ۝ كَذٰلِكَ وَاَوْرَثْنٰهَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۝ فَاَتْبَعُوْهُمْ مُّشْرِقِيْنَ ۝ فَلَمَّا تَرَآءَ الْجَمْعٰنِ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰٓى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ ۝ قَالَ كَلَّا اِنَّ مَعِيَ رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ ۝ فَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ ۝ وَاَزْلَفْنَا ثَمَّ الْاٰخَرِيْنَ ۝ وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴾ (الشعراء: ٥٤/٢٦-٦٦) ”یہ لوگ ایک نہایت قلیل سی جماعت ہیں اور یہ ہمیں غصہ دلا رہے ہیں اور ہم سب تیار اور چوکنے ہیں۔ پس ہم نے ان کو باغات اور چشموں سے نکال باہر کیا اور اس طرح ان کو خزانوں اور اچھے مکانوں سے بے دخل کیا اور ان چیزوں کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا۔ پس سورج نکلتے ہی انہوں نے ان کا تعاقب کیا اور جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو موسیٰ کے اصحاب نے کہا ہم تو پکڑ لئے گئے۔ موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں' میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور مجھے راہ دکھائے گا۔ پس ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا سمندر پر مارو تو سمندر پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا یوں لگا جیسے بہت بڑا پہاڑ ہو اور ہم وہاں دوسروں کو بھی قریب لے آئے اور موسیٰ اور ان کے تمام ساتھیوں کو ہم نے نجات دی پھر دوسروں کو غرق کر دیا“۔

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِي الْيَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴾ ”پس ہم نے ان کو دریا میں ڈبو دیا اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور ان سے بے پروائی کرتے تھے۔“ یعنی ان کے آیات الٰہی کو جھٹلانے اور حق سے روگردانی کرنے کے سبب سے' جس پر یہ آیات دلالت کرتی ہیں' ہم نے ان کو غرق کر دیا۔﴿ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ ﴾ ”اور وارث کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے“ یعنی بنی اسرائیل جو زمین میں کمزور لوگ تھے جو آل فرعون کی خدمت پر مامور تھے اور آل فرعون ان کو بدترین عذاب دیا کرتے تھے۔﴿ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا ﴾ ”اس زمین کے مشرق و مغرب کا“ اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا۔ یہاں (ارض) سے مراد سرزمین مصر ہے[1] جہاں بنی اسرائیل کو مطیع اور غلام بنا

---

① بنو اسرائیل کا مصر سے نکلنے کے بعد تاریخی طور پر دوبارہ مصر جانا ثابت نہیں۔ اس لیے یہاں زمین سے مراد' جس کا وارث اور حکمران بنو اسرائیل کو بنایا گیا' شام و فلسطین کا علاقہ ہے۔ اس علاقے پر عمالقہ کی حکمرانی تھی۔ حضرت موسیٰ اور ←

کر رکھا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سر زمین کا مالک بنا دیا اور ان کو اس کی حکمرانی عطا کر دی۔ ﴿ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا ؕ وَ تَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ بِمَا صَبَرُوْا ؕ ﴾ ''جس میں برکت رکھی ہے ہم نے اور پورا ہو گیا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر بسبب ان کے صبر کرنے کے'' اور یہ اس وقت ہوا جب موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا ﴿ اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ۫ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِیْنَ ﴾ (الأعراف: ۱۲۸/۷) ''اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔ اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے زمین کا وارث بنا دیتا ہے۔ اچھا انجام تو پرہیزگاروں کے لیے ہے''۔

﴿ وَ دَمَّرْنَا مَا كَانَ یَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَ قَوْمُهٗ ﴾ ''اور تباہ کر دیا ہم نے جو کچھ بنایا تھا فرعون اور اس کی قوم نے'' یعنی ہم نے ان کی حیران کن عالی شان عمارتیں اور سجے سجائے گھر تباہ کر دیے ﴿ وَ مَا كَانُوْا یَعْرِشُوْنَ ﴾ ''اور (وہ انگور کے باغات تباہ کر دیے) جو وہ چھتریوں پر چڑھاتے تھے''۔ یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے ظلم کے باعث خالی پڑے ہیں۔ بے شک اس میں علم رکھنے والے لوگوں کے لیے نشانی ہے۔

﴿ وَ جٰوَزْنَا بِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ ﴾ ''اور پار اتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے'' اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن فرعون اور اس کی قوم سے نجات دے کر سمندر سے پار کیا اور فرعون اور اس کی قوم کو بنی اسرائیل کے سامنے ہلاک کر ڈالا۔ ﴿ فَاَتَوْا ﴾ ''پس وہ پہنچے'' یعنی ان کا گزر ہوا ﴿ عَلٰى قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ لَّهُمْ ۚ ﴾ ''ایک قوم پر جو اپنے بتوں کے پوجنے میں لگی ہوئی تھی'' یعنی وہ ان بتوں کے پاس ٹھہرتے تھے، ان سے برکت حاصل کرتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ ﴿ قَالُوْا ﴾ بنی اسرائیل نے اپنی جہالت اور بے وقوفی کی بنا پر، اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معجزات دکھائے تھے، اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے کہا ﴿ یٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَاۤ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ؕ ﴾ ''اے موسیٰ! جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں، ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دو۔'' یعنی تو ہمارے لئے بھی جائز کر دے کہ ہم بھی بتوں کو معبود بنائیں جیسے ان لوگوں نے بتوں کو معبود بنایا ہوا ہے۔

﴿ قَالَ ﴾ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا ﴿ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ ﴾ ''تم لوگ تو جہالت کا ارتکاب کرتے ہو'' اس شخص کی جہالت سے بڑھ کر کون سی جہالت ہو سکتی ہے جو اپنے رب اور خالق سے جاہل ہے اور چاہتا ہے کہ وہ غیر اللہ کو اس کا ہمسر بنائے، جو کسی نفع نقصان کا مالک نہیں اور نہ زندگی اور موت اور دوبارہ اٹھایا جانا اس کے اختیار میں ہے؟ بنا بریں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِیْهِ وَ بٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴾ ''یہ لوگ،

➤ ہارون علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے عمالقہ کو شکست دی اور بنو اسرائیل کے لیے یہاں آنے کا راستہ ہموار کیا۔ قرآن کے الفاظ ''ہم نے اس زمین میں برکت رکھی۔'' سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ قرآن نے دوسرے مقام (بنی اسرائیل: ۱/۱۷) پر ارض فلسطین ہی کو بابرکت کہا ہے۔ (ص-ی)

تباہ ہونے والی ہے وہ چیز جس میں وہ لگے ہوئے ہیں اور غلط ہے جو وہ کر رہے ہیں" کیونکہ ان کا ان معبودوں کو پکارنا باطل، یہ معبود خود باطل، وہ عمل جو وہ کرتے ہیں باطل اور اس کی غرض و غایت باطل ہے۔

فرمایا ﴿ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا ﴾ "کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں" یعنی کیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جو اپنی ذات' صفات اور افعال میں کامل معبود ہے' تمہارے لئے کوئی اور معبود تلاش کروں ﴿ وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴾ "حالانکہ اس نے تمہیں تمام دنیا پر فضیلت بخشی ہے" اور اس فضیلت کا تقاضا یہ ہے کہ تم اس پر اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بنو۔۔۔ اور شکر گزاری یہ ہے کہ تم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو عبادت کا مستحق جانو اور ہر اس ہستی کا انکار کرو جسے اللہ تعالیٰ کے سوا پکارا جاتا ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان پر اپنے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَ اِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ ﴾ "اور جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی۔" یعنی جب ہم نے تمہیں فرعون اور آل فرعون سے نجات دی ﴿ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ﴾ "دیتے تھے وہ تم کو برا عذاب" انہوں نے تم پر بدترین عذاب مسلط کر رکھا تھا۔ ﴿ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ ﴾ "کہ مار ڈالتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری عورتوں کو اور اس میں" یعنی ان کے عذاب سے نجات میں ﴿ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴾ "تمہارے رب کی طرف سے جلیل ترین نعمت اور بے پایاں احسان تھا۔" یا اس کا معنی یہ ہے کہ آل فرعون کی طرف سے تم پر جو عذاب مسلط تھا اس میں "تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لئے ایک بہت بڑی آزمائش تھی"۔ پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو وعظ و نصیحت کی تو وہ اس سے باز آگئے۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دلا کر اور زمین میں اقتدار عطا کر کے ان پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ شرعی احکام اور صحیح عقائد پر مشتمل کتاب نازل کر کے ان پر معنوی نعمت کی بھی تکمیل کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس راتیں اور شامل کر کے چالیس راتوں کی میعاد پوری کر دی تاکہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وعدے کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیں، تاکہ اس کے نزول کا موقع ان کے ہاں ایک عظیم موقع ہو اور اس کے نزول کا انہیں اشتیاق ہو۔ جب موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے مقرر کردہ وعدے پر جانے لگے تو انہوں نے ہارون علیہ السلام سے بنی اسرائیل کے بارے میں، جن پر وہ بہت شفقت فرماتے تھے' وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ ﴾ "میرے بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو۔" یعنی تم ان کے اندر میرے خلیفہ ہو' ان کے ساتھ وہی سلوک کرنا جو میں کیا کرتا تھا ﴿ وَاَصْلِحْ ﴾ "اصلاح کرتے رہنا" یعنی اصلاح کے راستے پر گامزن رہنا۔ ﴿ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ "اور مفسدوں کی راہ مت چلنا" یہاں مفسدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

﴿ وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰى لِمِيْقَاتِنَا ﴾ ''اور جب پہنچے موسیٰ اپنے وعدے پر'' یعنی وہ وعدہ جو ہم نے کتاب نازل کرنے کے لیے کر رکھا تھا ﴿ وَكَلَّمَهٗ رَبُّهٗ ﴾ ''اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے کلام کے ذریعے سے وحی نازل کی اور ان کو اوامر و نواہی سے نوازا' تو اپنے رب کی محبت اور اس کے اشتیاق میں ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کی چاہت پیدا ہوئی۔ ﴿ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْكَ ﴾ ''عرض کیا' اے میرے رب! مجھے اپنا جلوہ دکھا تاکہ میں تیرا دیدار کروں'' ﴿ قَالَ لَنْ تَرٰىنِیْ ﴾ ''فرمایا' تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔'' یعنی اس وقت تو میرے دیدار کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مخلوق کو اس کائنات میں اس طرح پیدا کیا ہے کہ وہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کر سکتے اور نہ وہ اس کے دیدار کی طاقت رکھتے ہیں اور یہ چیز اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ جنت میں بھی اس کا دیدار نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ قرآن اور احادیث نبوی کی نصوص دلالت کرتی ہیں کہ اہل جنت اپنے رب کا دیدار کریں گے اور اس کے چہرۂ انور کے جلوے سے متمتع ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو جنت میں ایسی کامل تخلیق سے نوازے گا جس کی بنا پر وہ اس کا دیدار کر سکیں گے۔ اسی لئے اس آیت کریمہ میں اللہ نے اپنے دیدار کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی عدم قبولیت پر تسلی کے لیے اپنی تجلی کے سامنے پہاڑ کے قائم رہ سکنے کی شرط عائد کی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ ﴾ ''لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو' اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا'' یعنی جب پہاڑ پر اللہ تعالیٰ اپنی تجلی فرمائے اور پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہ جائے۔ ﴿ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ﴾ ''تو تو مجھے دیکھ سکے گا''

﴿ فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ ﴾ ''جب موسیٰ کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی'' جو کہ نہایت سخت اور ٹھوس تھا۔ ﴿ جَعَلَهٗ دَكًّا ﴾ ''تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی تجلی کے سامنے خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے پہاڑ ریت کے ذروں کی مانند ہو گیا ﴿ وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ﴾ ''اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔'' یعنی پہاڑ کو ریزہ ریزہ ہوتے دیکھ کر بے ہوش ہو گئے اور گر پڑے۔ ﴿ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ ﴾ ''جب وہ ہوش میں آئے۔'' یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آیا تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ جب پہاڑ اللہ تعالیٰ کی تجلی کے سامنے کھڑا نہ رہ سکا تو موسیٰ علیہ السلام کا اس کو برداشت کرنا بدرجہ اولیٰ ناممکن تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس سوال پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی جو بے موقع اور بے محل ان سے صادر ہوا تھا۔ اس لئے انہوں نے عرض کیا ﴿ سُبْحٰنَكَ ﴾ ''تیری ذات پاک ہے۔'' یعنی تو بہت بڑا اور ہر اس چیز سے پاک اور منزہ ہے جو تیری شان کے لائق نہیں۔ ﴿ تُبْتُ اِلَیْكَ ﴾ ''اور میں تیرے حضور توبہ کرتا ہوں۔'' یعنی میں تمام گناہوں اور اس سوء ادبی سے جو میں تیری جناب میں کر بیٹھا ہوں تیرے پاس توبہ کرتا ہوں۔ ﴿ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴾ ''اور میں سب سے پہلے یقین لایا'' یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اس چیز کے ساتھ اپنے ایمان کی تجدید کی جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی تکمیل فرمائی اور اس چیز کو ترک کر دیا جس

کے بارے میں وہ اس سے قبل لاعلم تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دیدار سے محروم کر دیا حالانکہ موسیٰ علیہ السلام دیدار الٰہی کے بہت مشتاق تھے۔۔۔۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو خیر کثیر سے نواز دیا۔

﴿ قَالَ يٰمُوْسٰٓى اِنِّى اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ ﴾ ”اے موسیٰ! میں نے تجھ کو لوگوں میں سے ممتاز کیا ہے۔“ یعنی میں نے تجھے چن لیا‘ تجھے فضیلت عطا کی اور تجھے خاص طور پر عظیم فضائل اور جلیل القدر مناقب سے نوازا ﴿ بِرِسٰلٰتِىْ ﴾ ”اپنی رسالت کے لئے“ جو ایسا منصب ہے جو بطور خاص صرف مخلوق میں سے بہترین شخص کو عطا کرتا ہوں۔ ﴿ وَبِكَلَامِىْ ﴾ ”اور اپنے کلام کے لئے“ میں نے بلا واسطہ تجھ سے کلام کیا۔ یہ فضیلت بطور خاص موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی اور وہ تمام انبیاء و مرسلین میں اسی صفت سے معروف ہیں۔

﴿ فَخُذْ مَآ اٰتَيْتُكَ ﴾ ”تو جو میں نے تم کو عطا کیا ہے اسے پکڑ رکھو۔“ یعنی میں نے تمہیں جو نعمتیں عطا کی ہیں ان سے استفادہ کرو اور میں نے جو احکام امر و نہی نازل کئے ہیں انہیں شرح صدر اور اطاعت مندی کے ساتھ قبول کرو ﴿ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴾ ”اور (میرا) شکر بجالاؤ“ اللہ تعالیٰ نے تجھے فضیلت عطا کی ہے اور تجھے اپنا خاص بندہ بنایا‘ اس پر اس کا شکر ادا کرو۔ ﴿ وَكَتَبْنَا لَهٗ فِى الْاَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَىْءٍ ﴾ ”اور ہم نے (تورات کی) تختیوں میں ان کے لیے ہر چیز لکھ دی۔“ یعنی ہر وہ چیز جس کے بندے محتاج ہوتے ہیں۔ ﴿ مَّوْعِظَةً ﴾ ”اور نصیحت“ یعنی لوگوں کو بھلائی کے کاموں کی ترغیب دیتی اور برائی کے کاموں سے ڈراتی ہے۔ ﴿ وَّتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَىْءٍ ﴾ ”اور ہر چیز کی تفصیل“ یعنی احکام شریعت‘ عقائد‘ اخلاق اور آداب وغیرہ کی پوری تفصیل موجود ہے۔ ﴿ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ ﴾ ”پس پکڑلو ان کو زور سے“ یعنی ان احکام کو قائم کرنے کی بھرپور جدوجہد کیجئے۔ ﴿ وَاْمُرْ قَوْمَكَ يَاْخُذُوْا بِاَحْسَنِهَا ﴾ ”اور حکم کرو اپنی قوم کو کہ پکڑے رہیں اس کی بہتر باتیں“ اس سے مراد واجب اور مستحب احکامات ہیں کیونکہ یہی بہترین احکام ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ ہر شریعت میں اللہ تعالیٰ کے احکام نہایت کامل‘ عادل اور اچھائی پر مبنی ہوتے ہیں۔ ﴿ سَاُورِيْكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ ”عنقریب میں دکھلاؤں گا تم کو نافرمانوں کا گھر“ یعنی اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہلاک کرنے کے بعد ان کے گھروں کو باقی رکھتا ہے‘ ان سے توفیق یافتہ اور متواضع مومن نصیحت پکڑتے ہیں۔

رہے اہل ایمان کے علاوہ دیگر لوگ تو ان کے بارے میں فرمایا: ﴿ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِىَ ﴾ ”میں اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا“ یعنی آفاق اور انفس میں موجود نشانیوں سے عبرت پکڑنے اور کتاب اللہ کی آیات کے فہم سے میں ان کو روک دوں گا۔ ﴿ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ ”ان کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق“ یعنی جو بندوں کے ساتھ تکبر سے پیش آتے ہیں‘ حق کے ساتھ تکبر کا رویہ رکھتے ہیں اور ہر اس شخص کو تکبر سے ملتے ہیں جو ان کے پاس آتا ہے اور جس کا یہ رویہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت سی بھلائی سے محروم کر دیتا ہے اور اسے اپنے

حال پر چھوڑ دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سمجھ سکتا ہے نہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔۔۔۔۔ بلکہ بسا اوقات اس کے سامنے حقائق بدل جاتے ہیں اور وہ بدی کو نیکی سمجھنے لگ جاتا ہے۔ ﴿ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا ﴾ ''اگر وہ دیکھ لیں ساری نشانیاں' ایمان نہ لائیں ان پر'' کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے روگردانی کرتے ہیں اور ان پر اعتراضات کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرتے ہیں ﴿ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الرُّشْدِ ﴾ ''اور اگر دیکھیں وہ ہدایت کا راستہ'' یعنی ہدایت اور استقامت کی راہ۔۔۔۔ اور یہ وہ راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ تک اور عزت و اکرام کے گھر تک پہنچاتا ہے۔ ﴿ لَا يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ﴾ ''تو نہ ٹھہرائیں اس کو راہ'' یعنی وہ اس راستے پر گامزن ہوتے ہیں اور نہ اس پر گامزن ہونے کی رغبت رکھتے ہیں۔ ﴿ وَاِنْ يَّرَوْا سَبِيْلَ الْغَيِّ ﴾ ''اور اگر دیکھیں وہ گمراہی کا راستہ'' یعنی جو اپنے چلنے والے کو بدبختی کی منزل تک پہنچاتا ہے۔ ﴿ يَتَّخِذُوْهُ سَبِيْلًا ﴾ ''تو اس کو ٹھہرا لیں راہ'' یعنی اسی راستے پر رواں دواں رہتے ہیں۔ ان کے اس انحراف کا سبب یہ ہے ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ ﴾ ''یہ اس لئے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ان سے بے خبر رہے'' پس ان کا آیات الٰہی کو ٹھکرا دینا اور ان کے بارے میں غفلت اور حقارت کا رویہ اختیار کرنا یہی ان کو گمراہی کے راستوں پر لے جانے اور رشد و ہدایت کی راہ سے ہٹانے کے موجب بنے ہیں۔

﴿ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ ''اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری (ان عظیم) آیات کو جھٹلایا'' جو اس چیز کی صحت پر دلالت کرتی ہیں جس کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو مبعوث کیا ہے۔ ﴿ وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ﴾ ''اور آخرت کی ملاقات کو' برباد ہو گئے اعمال ان کے'' کیونکہ ان کی کوئی اساس نہ تھی اور ان کے صحیح ہونے کی شرط مفقود تھی۔ اعمال کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان رکھا جائے اور اس کی جزا و سزا کی تصدیق کی جائے ﴿ هَلْ يُجْزَوْنَ ﴾ ''وہی بدلہ پائیں گے'' ان کے اعمال کے اکارت جانے اور ان کے مقصود کے حصول کی بجائے اس کے متضاد امور کے حاصل ہونے میں ﴿ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''جو کچھ وہ عمل کرتے تھے'' کیونکہ اس شخص کے اعمال' جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتا' وہ ان اعمال پر کسی ثواب کی امید نہیں رکھتا اور نہ ان اعمال کی غرض و غایت ہی ہوتی ہے' پس بنابریں یہ اعمال باطل ہو گئے۔

﴿ وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا ﴾ ''اور بنا لیا موسیٰ کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیور سے بچھڑا' ایک بدن'' بچھڑے کے اس بت کو سامری نے بنایا تھا۔ اس نے فرشتے کے نشان قدم سے مٹھی بھر مٹی لے کر بچھڑے کے بت پر ڈال دی۔ ﴿ لَّهٗ خُوَارٌ ﴾ ''اس کی آواز تھی'' اس میں سے بچھڑے کی آواز آنے لگی۔ بنی اسرائیل نے اس کو معبود مان لیا اور اس کی عبادت کرنے لگے۔

سامری نے کہا ''یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے' موسیٰ اسے بھول گیا ہے اور اسے تلاش کرتا پھر رہا ہے''...... یہ

ان کی سفاہت اور قلت بصیرت کی علامت تھی ان پر زمین اور آسمانوں کے پروردگار اور ایک بچھڑے کے درمیان کیسے اشتباہ واقع ہو گیا۔ بچھڑا تو کمزور ترین مخلوق ہے؟ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اس بچھڑے کے اندر ایسی صفات ذاتی یا صفات فعلی موجود نہیں ہیں جو اس کے معبود ہونے کے استحقاق کو ثابت کرتی ہوں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ﴾ "کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ ان سے بات بھی نہیں کرتا" یعنی کلام کرنے سے محرومی ایک بہت بڑا نقص ہے، وہ خود اس حیوان سے زیادہ کامل حالت کے مالک ہیں جو بولنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ ﴿وَلَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا﴾ "اور نہیں بتلاتا ان کو راستہ" یعنی وہ کسی دینی طریقے کی طرف ان کی راہنمائی نہیں کر سکتا اور نہ انہیں کوئی دنیاوی فائدہ عطا کر سکتا ہے۔

انسانی عقل و فطرت میں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی ایسی ہستی کو خدا بنانا جو کلام نہیں کر سکتی جو کسی کو نفع و نقصان نہیں دے سکتی، سب سے بڑا باطل اور سب سے بڑی بے وقوفی ہے۔ بنابریں فرمایا: ﴿اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا ظٰلِمِیْنَ﴾ "انہوں نے اس کو معبود بنا لیا اور وہ ظالم تھے" کیونکہ انہوں نے ایسی ہستی کی عبادت کی جو عبادت کی مستحق نہ تھی، انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار کرتا ہے، تو وہ تمام خصائص الٰہیہ کا منکر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ کلام نہ کرنا اس ہستی کے الٰہ ہونے کی عدم صلاحیت پر دلیل ہے جو کلام نہیں کر سکتی۔

﴿وَلَمَّا﴾ "اور جب" یعنی جب موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم میں واپس آئے، ان کو اس حالت میں پایا اور ان کو ان کی گمراہی کے بارے میں آگاہ فرمایا تو انہیں بڑی ندامت ہوئی۔ ﴿سُقِطَ فِیْۤ اَیْدِیْهِمْ﴾ "پچھتائے" یعنی وہ اپنے فعل پر بہت غم زدہ اور بہت نادم ہوئے ﴿وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا﴾ "اور دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں" تو انہوں نے نہایت عاجزی کے ساتھ اس گناہ سے براءت کا اظہار کیا۔ ﴿قَالُوْا لَىِٕنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا﴾ "اور انہوں نے کہا اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہیں کرے گا" یعنی اگر وہ ہماری راہنمائی نہ کرے اور ہمیں اپنی عبادت اور نیک اعمال کی توفیق سے نہ نوازے۔ ﴿وَیَغْفِرْ لَنَا﴾ "اور ہم کو معاف نہیں کرے گا" یعنی بچھڑے کی عبادت کا گناہ جو ہم سے صادر ہوا ہے اسے بخش نہ دے۔ ﴿لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ﴾ تو ہم یقیناً ان لوگوں میں شامل ہو جائیں گے جنہیں (دنیا و آخرت) میں خسارہ ملا۔

﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا﴾ "اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم میں نہایت غصے اور افسوس کی حالت میں واپس آئے۔" یعنی موسیٰ علیہ السلام ان کے بارے میں غیظ و غضب سے لبریز واپس لوٹے۔ کیونکہ ان کی غیرت اور (اپنی قوم کے بارے میں) ان کی خیر خواہی اور شفقت کامل تھی۔ ﴿قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ مِنْۢ بَعْدِیْ﴾ "کہنے لگے تم نے میرے بعد بہت ہی بد اطواری کی۔" یعنی بہت ہی برے اطوار تھے جن کے ساتھ تم نے

میرے جانے کے بعد میری جانشینی کی۔ یہ ایسے احوال واطوار تھے جو ابدی ہلاکت اور دائمی شقاوت کے موجب بنتے ہیں۔ ﴿ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ﴾ ''کیا تم نے اپنے رب کے حکم کے بارے میں جلدی کی'' کیونکہ اس نے تمہارے ساتھ کتاب نازل کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ پس تم اپنی فاسد رائے کے ذریعے سے جلدی سے اس قبیح خصلت کی طرف آگے بڑھے۔ ﴿ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ ﴾ ''اور (تورات کی) تختیاں ڈال دیں'' یعنی نہایت غصے سے ان کو پھینک دیا۔ ﴿ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ ﴾ ''اور اپنے بھائی کے سر (اور داڑھی) کو پکڑ کر'' ﴿ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ﴾ ''اپنی طرف کھینچا'' اور ان سے کہا: ﴿ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ ﴾ (طٰہٰ: ۲۰/۹۲-۹۳) ''جب تم نے ان کو دیکھا کہ وہ بھٹک گئے ہیں تو تمہیں کس چیز نے میری پیروی کرنے سے روکا۔ کیا تم نے میری حکم عدولی کی؟'' یعنی میرے حکم ﴿ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾ (الأعراف: ۷/۱۴۲) کی نافرمانی کی۔ ہارون علیہ السلام نے عرض کیا ﴿ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ اِنِّيْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ ﴾ (طٰہٰ: ۲۰/۹۴) ''اے میرے ماں جائے بھائی! مجھے میری داڑھی اور سر کے بالوں سے نہ پکڑیے میں تو اس بات سے ڈرتا تھا کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کو ملحوظ نہ رکھا''۔

﴿ قَالَ ابْنَ اُمَّ ﴾ ''کہا اے ماں جائے'' یہاں صرف ماں کا ذکر بھائی کو نرم کرنے کے لیے کیا ہے ورنہ ہارون علیہ السلام ماں اور باپ دونوں کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے۔ ﴿ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ ﴾ ''لوگوں نے مجھ کو کمزور سمجھا'' یعنی جب میں نے ان سے کہا: ﴿ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ ﴾ (طٰہٰ: ۲۰/۹۰) ''اے میری قوم! اس سے تمہاری آزمائش کی گئی ہے، تمہارا پروردگار تو اللہ رحمٰن ہے۔ پس میری اتباع کرو اور میرے حکم کی تعمیل کرو''۔

﴿ وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ ﴾ ''اور قریب تھے کہ مجھ کو مار ڈالیں'' یعنی مجھے قصور وار نہ سمجھیں ﴿ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ ﴾ ''پس نہ ہنساؤ مجھ پر دشمنوں کو'' یعنی مجھے ڈانٹ ڈپٹ اور میرے ساتھ برا سلوک کر کے دشمنوں کو خوش ہونے کا موقع فراہم نہ کریں۔ کیونکہ دشمن تو چاہتے ہیں کہ وہ میری کوئی غلطی پکڑیں یا انہیں میری کوئی لغزش ہاتھ آئے۔ ﴿ وَلَا تَجْعَلْنِيْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''اور مجھے ظالم لوگوں میں مت ملائیے۔'' یعنی مجھے ظالم لوگوں کے ساتھ شامل کر کے میرے ساتھ ان جیسا معاملہ نہ کریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عجلت میں، اپنے بھائی کی براءت معلوم کرنے سے پہلے ہی اس کے ساتھ جو معاملہ کیا اس پر انہیں سخت ندامت ہوئی۔

﴿ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ ﴾ ''موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے۔'' ﴿ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِكَ ﴾ ''اور تو ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر۔'' تیری بے پایاں رحمت ہمیں ہر جانب

سے گھیر لے کیونکہ تیری رحمت تمام برائیوں کے مقابلے میں ایک مضبوط اور محفوظ قلعہ ہے اور ہر بھلائی اور مسرت کا سرچشمہ ہے۔ ﴿وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ﴾ ''اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے'' یعنی تو ہمارے ماں باپ اولاد ہر رحم کرنے والے بلکہ خود ہم سے زیادہ ہم پر رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے بچھڑے کی پوجا کرنے والوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ﴾ ''وہ لوگ جنہوں نے بچھڑے کو (معبود) بنالیا'' ﴿سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''ان کو پہنچے گا غضب ان کے رب کی طرف سے اور ذلت دنیا کی زندگی میں'' جیسا کہ انہوں نے اپنے رب کو ناراض کیا اور اس کے حکم کی تحقیر کی۔ ﴿وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِيْنَ﴾ ''اور اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم بہتان باندھنے والوں کو'' پس ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ پر بہتان طرازی کرتا ہے اس کی شریعت پر جھوٹ گھڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف وہ باتیں منسوب کرتا ہے جو اس نے نہیں کہیں تو اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سامنا کرنا ہوگا اور دنیا کی زندگی میں اسے ذلت اٹھانا پڑے گی چنانچہ انہیں اللہ تعالیٰ کے غضب کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے آپ کو قتل کریں اور اللہ تعالیٰ ان سے اس وقت تک خوش نہیں ہوگا جب تک کہ وہ یہ فعل سرانجام نہ دیں۔ پس انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا اور مقتولین کی کثرت سے میدان بھر گیا۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

بنا بریں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک عام حکم ذکر فرمایا جس میں یہ لوگ اور دیگر لوگ شامل ہیں فرمایا: ﴿وَالَّذِيْنَ عَمِلُوا السَّيِّاٰتِ﴾ ''اور جنہوں نے برے اعمال کیے۔'' یعنی جنہوں نے شرک کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا ﴿ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا﴾ ''پھر اس کے بعد توبہ کرلی۔'' یعنی گزشتہ گناہوں پر ندامت کے ساتھ ساتھ ان کے ارتکاب سے رک گئے اور عزم کرلیا کہ وہ ان گناہوں کا اعادہ نہیں کریں گے۔ ﴿وَاٰمَنُوْٓا﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ اور ان تمام امور پر ایمان لے آئے جن پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے اور ایمان اعمال قلوب اور اعمال جوارح جو ایمان کا نتیجہ ہیں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔

﴿اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا﴾ ''بے شک تمہارا رب اس کے بعد۔'' یعنی اس حالت کے بعد یعنی گناہوں سے توبہ اور نیکیوں کی طرف رجوع کے بعد ﴿لَغَفُوْرٌ﴾ ''بخشنے والا۔'' وہ گناہوں کو بخش کر انہیں مٹا دیتا ہے خواہ یہ زمین بھر کیوں نہ ہوں۔ ﴿رَّحِيْمٌ﴾ ''رحم کرنے والا ہے۔'' وہ توبہ قبول کر کے اور بھلائی کے کاموں کی توفیق عطا کر کے اپنی بے پایاں رحمت سے نوازتا ہے۔ ﴿وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ﴾ ''اور جب موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ فرو ہوا'' یعنی جب ان کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور وہ آپے میں آ کر پوری صورت حال کو سمجھ گئے تو وہ اہم تر امور میں مشغول ہو گئے۔ ﴿اَخَذَ الْاَلْوَاحَ﴾ ''انہوں نے ان تختیوں کو اٹھایا'' جن کو انہوں نے غصے میں آ کر پھینک دیا تھا۔ یہ

جلیل القدر تختیاں تھیں۔ ﴿وَفِيْ نُسْخَتِهَا﴾ ''اور ان میں جو لکھا ہوا تھا'' یعنی یہ تختیاں جس چیز پر مشتمل تھیں ﴿هُدًى وَّرَحْمَةٌ﴾ ''اس میں ہدایت اور رحمت تھی۔'' ان میں گمراہی اور ہدایت کو واضح کیا گیا تھا۔ حق اور باطل' اعمال خیر' اعمال شر' بہترین اعمال کی طرف راہ نمائی' اخلاق و آداب کو ان تختیوں میں کھول کھول کر بیان کیا گیا تھا اور ان تختیوں میں ان لوگوں کے لیے رحمت اور سعادت ہے جو ان پر عمل کرتے ہیں اور ان کے احکام اور معانی کی تعلیم دیتے ہیں۔ مگر ہر شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رحمت کو قبول نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ ﴿لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ﴾ ''جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔'' جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے روز اس کے حضور کھڑے ہونے سے نہیں ڈرتا تو اس سے اس کی سرکشی اور روگردانی میں اضافہ ہی ہوگا اور اس بارے میں اس پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جائے گی۔

جب بنی اسرائیل نے توبہ کر لی اور وہ رشد و ہدایت کی راہ پر لوٹ آئے۔ ﴿وَاخْتَارَ مُوْسٰى قَوْمَهٗ﴾ ''اور چن لئے موسیٰ نے اپنی قوم میں سے'' ﴿سَبْعِيْنَ رَجُلًا﴾ ''(بہترین) ستر آدمی'' تاکہ وہ اپنی قوم کی طرف سے رب کے حضور معذرت پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا تھا' تاکہ اس وقت وہ اللہ کے حضور حاضر ہوں اور جب وہ حاضر ہوئے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ (النساء: ۱۵۳/٤) ''ان ظاہری آنکھوں سے ہمیں اللہ کا دیدار کروا''۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں جسارت اور اس کے حضور بے ادبی کا مظاہرہ کیا۔ ﴿اَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ ''تو ان کو زلزلے نے پکڑ لیا'' پس وہ بے ہوش ہو کر ہلاک ہو گئے۔

پس موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور فروتنی اور تذلل سے گڑگڑاتے رہے۔ انہوں نے عرض کیا: ﴿رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ﴾ ''اے میرے رب! اگر تو ان کو ہلاک ہی کرنا چاہتا تو مجھے اور ان کو میقات کی طرف نکلنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا'' ﴿اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا﴾ ''کیا تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اس کام پر جو ہماری قوم کے بے وقوفوں نے کیا'' یعنی جو کچھ کم عقل اور بے وقوف لوگوں نے کیا ہے۔ پس موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑائے اور معذرت کی کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ جسارت کی ہے وہ کامل عقل کے مالک نہیں ہیں' ان کی بے وقوفی کے قول و فعل سے صرف نظر کر۔ وہ ایک ایسے فتنے میں مبتلا ہو گئے جس میں انسان خطا کا شکار ہو جاتا ہے اور دین کے چلے جانے کا خوف لاحق ہو جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ﴾ ''یہ سب تیری آزمائش ہے' گمراہ کرتا ہے اس کے ذریعے سے جس کو چاہتا ہے اور سیدھا رکھتا ہے جس کو چاہتا ہے' تو ہی ہمارا کارساز ہے' پس ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے'' یعنی تو بخش دینے والوں میں سے بہترین ہستی ہے۔ سب سے زیادہ رحم کرنے والا اور عطا کرنے والوں میں سب سے زیادہ فضل و

کرم کا مالک ہے۔ گویا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حضور یوں عرض کیا ''اے ہمارے رب ہم سب کا اولین مقصد تیری اطاعت کا التزام اور تجھ پر ایمان لانا ہے اور جس میں عقل اور سمجھ موجود ہے اور تیری توفیق جس کے ہم رکاب رہے گی وہ ہمیشہ راہ راست پر رواں دواں رہے گا۔

رہا وہ شخص جو ضعیف العقل ہے' جو کمزور رائے رکھتا ہے اور جس کو فتنے نے گمراہی کی طرف پھیر دیا' تو وہی شخص ہے جس نے ان دو اسباب کی بنا پر اس جسارت کا ارتکاب کیا۔ بایں ہمہ تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا اور سب سے زیادہ بخش دینے والا ہے پس تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما''۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول کر لی اور ان (ستر آدمیوں) کو موت دینے کے بعد دوبارہ زندہ کر دیا اور ان کے گناہ بخش دیئے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا کو مکمل کرتے ہوئے عرض کیا ﴿وَ اكْتُبْ لَنَا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ ''اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی'' یعنی اس دنیا میں علم نافع' رزق واسع اور عمل صالح عطا کر۔ ﴿وَّ فِي الْاٰخِرَةِ﴾ ''اور آخرت میں'' یہ وہ ثواب ہے جو اس نے اپنے اولیائے صالحین کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ ﴿اِنَّا هُدْنَاۤ اِلَيْكَ﴾ ''ہم تیری طرف رجوع کر چکے''۔ ہم اپنی کوتاہی کا اقرار کرتے اور اپنے تمام امور تیرے سپرد کرتے ہوئے تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ ﴿قَالَ﴾ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿عَذَابِيْۤ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ﴾ ''میرا عذاب' پہنچاتا ہوں میں اس کو جس کو چاہوں'' یعنی اس کو جو بد بخت ہے اور بد بختی کے اسباب اختیار کرتا ہے ﴿وَ رَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ ''اور میری رحمت' اس نے گھیر لیا ہے ہر چیز کو''۔ میری بے پایاں رحمت نے عالم علوی اور عالم سفلی' نیک اور بد' مومن اور کافر سب کو ڈھانپ رکھا ہے۔ کوئی مخلوق ایسی نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سایہ کناں نہ ہو اور اس کے فضل و کرم نے اس کو ڈھانپ نہ رکھا ہو' مگر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت جو دنیا و آخرت کی سعادت کی باعث ہوتی ہے وہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس رحمت کے بارے میں فرمایا: ﴿فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ﴾ ''سو اس کو لکھ دوں گا ان کے لئے جو ڈر رکھتے ہیں'' جو صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں ﴿وَ يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ ''اور جو (مستحق لوگوں کو) زکوۃ دیتے ہیں'' ﴿وَ الَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ''اور جو ہماری آیات پر یقین رکھتے ہیں'' اللہ تعالیٰ کی آیات پر کامل ایمان یہ ہے کہ ان کے معانی کی معرفت حاصل کی جائے اور ان کے تقاضوں کے مطابق عمل کیا جائے اور انہی میں سے دین کے اصول و فروع میں' ظاہری اور باطنی طور پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔

﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ﴾ ''وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبیٔ امی ہے'' یہاں تمام انبیائے کرام کے ذکر سے احتراز کیا ہے' کیونکہ یہاں صرف حضرت محمد مصطفیٰ بن عبد اللہ بن عبد المطلب صلی اللہ علیہ وسلم مقصود ہیں۔ یہ آیت بنی اسرائیل کے حالات کے سیاق میں ہے' ان کے لیے ایمان میں داخل ہونے کی لازمی

شرط یہ ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت مطلق جو اس نے اپنے بندوں کے لیے لکھ رکھی ہے صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو نبی اکرم ﷺ پر ایمان لا کر اس کی اتباع کرتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ﴿الْأُمِّيَّ﴾ کے وصف سے موصوف فرمایا ہے کیونکہ آپ عربوں میں سے ہیں اور عرب ایک ان پڑھ امت تھے جو لکھ سکتے تھے نہ پڑھ سکتے تھے اور قرآن مجید سے پہلے ان پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ ﴿الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِندَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ﴾ ''وہ آپ (ﷺ کا نام اور آپ ﷺ کی صفات) کو تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔'' اور ان میں سب سے بڑی اور جلیل ترین صفت وہ ہے جس کی طرف آپ ﷺ دعوت دیتے ہیں اور جس چیز سے آپ منع کرتے ہیں۔

﴿يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ﴾ ''وہ معروف کا حکم دیتے ہیں۔'' اور (معروف) سے مراد ''ہر وہ کام ہے جس کی اچھائی' بھلائی اور اس کا فائدہ مند ہونا معروف ہو۔'' ﴿وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ ''اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔'' (منکر) سے مراد ''ہر وہ برا کام ہے جس کی برائی اور قباحت کو عقل اور فطرت سلیم تسلیم کرتی ہو'' پس وہ نماز' زکوۃ' روزے' حج' صلہ رحمی' والدین کے ساتھ نیک سلوک' ہمسایوں اور غلاموں کے ساتھ نیکی' تمام مخلوق کو فائدہ پہنچانے' سچائی' پاکبازی' نیکی' خیر خواہی اور دیگر اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک' قتل ناحق' زنا' شراب اور نشہ دار مشروبات پینے' تمام مخلوق پر ظلم کرنے' جھوٹ' فسق و فجور اور دیگر برائیوں سے روکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے رسول ہونے کی سب سے بڑی دلیل وہ کام ہیں جن کا آپ حکم دیتے ہیں' جن سے آپ روکتے ہیں' جن کو آپ حلال قرار دیتے ہیں اور جن کو آپ حرام قرار دیتے ہیں۔ اس لئے ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ﴾ ''وہ حلال کرتا ہے ان کے لئے سب پاک چیزیں'' یعنی آپ ماکولات' مشروبات اور منکوحات میں سے طیبات اور پاک چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں۔ ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ ''اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔'' یعنی ماکولات اور مشروبات میں سے ناپاک چیزوں' ناپاک اقوال و افعال اور ناپاک عورتوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔ ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ ''اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان کے سر پر اور گلے میں تھے اتارتے ہیں۔'' یعنی آپ ﷺ کا ایک وصف یہ ہے کہ آپ کا لایا ہوا دین نہایت آسان' نرم اور کشادہ ہے۔ اس دین میں کوئی بوجھ' کوئی ناروا بندش' کوئی مشقت اور کوئی تکلیف نہیں ہے۔

﴿فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ﴾ ''پس وہ لوگ جو آپ پر ایمان لائے اور جنہوں نے آپ کی توقیر و تعظیم کی'' ﴿وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ﴾ ''اور آپ کی مدد کی اور تابع ہوئے اس نور کے جو آپ کے ساتھ اترا ہے'' نور سے مراد قرآن ہے جس سے شک و شبہات اور جہالت کے تیرہ و تار اندھیروں میں روشنی حاصل کی جاتی ہے اور مقالات و نظریات کے اختلاف میں اس کو راہ نما بنایا جاتا ہے ﴿أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ''وہی مراد پانے

والے ہیں۔'' یہی لوگ ہیں جو دنیا و آخرت کی بھلائی سے ظفریاب ہوں گے اور یہی لوگ دنیا و آخرت کے شر سے نجات پائیں گے' کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو فلاح کا سب سے بڑا سبب لے کر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوئے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو اس نبیٔ امی ﷺ پر ایمان نہ لائے' انہوں نے آپ کی تعظیم و توقیر کی نہ آپ کی مدد کی اور نہ اس نور کی اتباع کی جو آپ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

چونکہ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں سے اہل تورات کو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی دعوت دی ہے اور بسا اوقات کوئی شخص اس وہم میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ یہ حکم صرف بنی اسرائیل تک محدود ہے .... اس لئے وہ اسلوب اختیار کیا جو عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ ''کہہ دیجیے' اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔'' یعنی اہل عرب' اہل عجم' اہل کتاب اور دیگر تمام قوموں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ ﴿الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں'' وہ اپنے احکام تکوینی' تدابیر سلطانی اور احکام دینی کے ذریعے سے کائنات میں تصرف کرتا ہے۔ اس کے احکام دینی و شرعی میں سے ایک حکم یہ ہے کہ اس نے تمہاری طرف ایک عظیم رسول مبعوث کیا۔ جو تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے عزت و اکرام کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے اور تمہیں ہر اس چیز سے بچنے کی تلقین کرتا ہے جو تمہیں اس گھر سے دور کرتی ہے۔ ﴿لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ''اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں'' وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی عبادت کی معرفت صرف اس کے انبیاء و مرسلین کے توسط ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ﴿يُحْيٖ وَيُمِيْتُ﴾ ''وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔'' اس کی جملہ تدابیر و تصرفات میں سے زندہ کرنا اور مارنا ہے' جس میں کوئی ہستی شریک نہیں ہو سکتی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے موت کو ایک ایسا پل بنایا ہے جسے عبور کر کے انسان دار فانی سے دار البقا میں داخل ہوتا ہے۔ جو کوئی اس دار البقا پر ایمان لاتا ہے تو وہ اللہ کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کی یقیناً تصدیق کرتا ہے۔

﴿فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاُمِّيِّ﴾ ''پس اللہ پر اور اس کے رسول پیغمبر امی پر ایمان لاؤ۔'' یعنی اس نبی امی پر ایسا کامل ایمان لاؤ جو اعمال قلوب اور اعمال جوارح کو متضمن ہو۔ ﴿الَّذِيْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَكَلِمٰتِهٖ﴾ ''جو یقین رکھتا ہے اللہ پر اور اس کی باتوں پر'' یعنی اس رسول پر ایمان لاؤ جو اپنے عقائد و اعمال میں راست رو ہے ﴿وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ ''اور اس کی پیروی کرو تا کہ تم راہ پاؤ'' یعنی اگر تم اس کی اتباع کرو گے تو اپنے دینی اور دنیاوی مصالح میں ہدایت پاؤ گے' کیونکہ جب تم اس نبی کی اتباع نہیں کرو گے تو بہت دور کی گمراہی میں جا پڑو گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ﴾ ''موسیٰ کی قوم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں'' ﴿يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ ''جو راہ بتلاتے ہیں حق کی اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں'' یعنی لوگوں کو تعلیم دے

کہ ان کی راہ نمائی کرتے ہیں‘ ان کو فتویٰ دیتے ہیں اور ان کے آپس کے جھگڑوں کے فیصلوں میں حق کے ساتھ انصاف کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَ كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یُوْقِنُوْنَ ﴾ (السجدہ: ۳۲/۲۴) ”اور ان میں سے ہم نے راہ نما بنائے جو ہمارے حکم کے مطابق راہ نمائی کیا کرتے تھے جب تک وہ صبر کرتے رہے اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے رہے۔“

اس آیت کریمہ میں امت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت بیان ہوئی ہے‘ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر پیشوا مقرر کیے جو اس کے حکم سے پیشوائی کرتے تھے۔ اس آیت کریمہ کو یہاں بیان کرنا درحقیقت گزشتہ آیات کے مضامین سے احتراز کی ایک قسم ہے‘ کیونکہ گزشتہ آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایسے معایب بیان فرمائے ہیں جو کمال کے منافی اور ہدایت کی ضد ہیں۔ بسا اوقات کسی کو یہ وہم لاحق ہو سکتا ہے کہ مذکورہ معایب میں بنی اسرائیل کے تمام لوگ شامل ہیں‘ بنابریں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ بنی اسرائیل میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو راست رو ہدایت یافتہ تھے جو دوسرے لوگوں کو راہ ہدایت دکھاتے تھے۔

﴿ وَقَطَّعْنٰهُمُ ﴾ ”اور ہم نے ان کو تقسیم کر دیا۔“ ﴿ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ﴾ ”بارہ قبیلوں (کی شکل) میں‘ بڑی بڑی جماعتیں“ یعنی بارہ قبیلے بنا دیے جو ایک دوسرے کو پہچانتے تھے اور باہم الفت رکھتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہر بیٹے کی اولاد ایک قبیلہ بنی۔ ﴿ وَاَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ ﴾ ”اور وحی کی ہم نے موسیٰ کی طرف‘ جب مانگا اس کی قوم نے اس سے پانی“ یعنی جب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ انہیں پانی عطا کرے جسے وہ خود پئیں اور اپنے مویشیوں کو پلائیں اور اس مطالبے کی وجہ یہ تھی --- واللہ اعلم --- کہ وہ ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں پانی بہت کم دستیاب تھا۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی ﴿ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ﴾ ”اپنی لاٹھی اس پتھر پر مار“ اس میں یہ احتمال ہے کہ مذکورہ پتھر کوئی معین پتھر ہو اور اس میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ (اَلْحَجَرَ) اسم جنس کے لیے استعمال ہوا ہو جو ہر پتھر کو شامل ہے --- پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مارا ﴿ فَانْۢبَجَسَتْ ﴾ ”(اس پتھر سے) پھوٹ پڑے“ ﴿ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ﴾ ”بارہ چشمے“ آہستہ آہستہ بہتے ہوئے۔

﴿ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ﴾ ”سب لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا۔“ ان بارہ قبائل کے درمیان اس پانی کو تقسیم کر دیا گیا اور ہر قبیلے کے لیے ایک چشمہ مقرر کر دیا گیا اور انہوں نے اپنے اپنے چشمے کو پہچان لیا۔ پس انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور تھکاوٹ اور مشقت سے راحت پائی۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اتمام تھا۔

﴿ وَظَلَّلْنَا عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ ﴾ ”اور ہم نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا“ پس یہ بادل انہیں سورج کی گرمی سے بچاتا تھا۔ ﴿ وَاَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ ﴾ ”اور اتارا ہم نے اوپر ان کے من“ اس سے مراد میٹھا میوہ ہے ﴿ وَالسَّلْوٰی ﴾ اس

سے مراد پرندوں کا گوشت ہے، یہ بہترین اور لذیذ ترین قسم کے پرندوں کا گوشت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی راحت اور اطمینان کے لیے ان پر بیک وقت سایہ، پینے کے لیے پانی اور کھانے کے لیے میٹھے میوے اور گوشت عطا کیا۔ ان سے کہا گیا: ﴿ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ مَا ظَلَمُوْنَا ﴾ ''وہ ستھری چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں دیں اور انہوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر جو چیز واجب قرار دی تھی اسے پورا نہ کر کے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کر کے ہم پر ظلم نہیں کیا ﴿ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ ''بلکہ انہوں نے اپنے آپ پر ہی ظلم کیا'' کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو ہر بھلائی سے محروم کر لیا اور اپنے نفس کو شر اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں مبتلا کر لیا۔ یہ سب کچھ اس مدت کے دوران ہوا جب وہ بیابان میں سرگرداں تھے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ ﴾ ''جب ان سے کہا گیا کہ اس شہر میں سکونت اختیار کرو'' یعنی اس بستی میں داخل ہو جاؤ تاکہ یہ بستی تمہارا وطن اور مسکن بن جائے۔ یہ بستی ''ایلیاء'' یعنی ''قدس'' کی بستی تھی۔ ﴿ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ ﴾ ''اور اس میں سے جو چاہو کھاؤ'' یعنی اس بستی میں بہت زیادہ درخت، بے حساب پھل اور وافر سامان زندگی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا کہ جو جی چاہے کھاؤ۔ ﴿ وَقُوْلُوْا ﴾ یعنی جب تم بستی کے دروازے میں داخل ہو تو کہو۔ ﴿ حِطَّةٌ ﴾ یعنی ہم سے ہمارے گناہوں کو دور کر دے اور ہمیں معاف کر دے۔ ﴿ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا ﴾ ''اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو'' یعنی اپنے رب کے سامنے خشوع و خضوع، اس کے غلبہ کے سامنے انکساری اور اس کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے دروازے میں داخل ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو خضوع و خشوع اور بخشش طلب کرنے کا حکم دیا اور اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ ان کے گناہ بخش دینے اور دنیاوی اور اخروی ثواب کا وعدہ فرمایا ﴿ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓـٰٔتِكُمْ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴾ ''ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے، البتہ زیادہ دیں گے ہم نیکی کرنے والوں کو'' یعنی ہم دنیا اور آخرت کی بھلائی میں اضافہ کریں گے مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل نہ کی بلکہ اس کی خلاف ورزی کی۔

﴿ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ ﴾ ''پس بدل ڈالا ظالموں نے ان میں سے'' یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے حکم کی تحقیر کی ﴿ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ ﴾ ''دوسرا لفظ، اس کے سوا جو ان سے کہا گیا تھا'' پس انہوں نے طلب مغفرت اور (حِطَّةٌ) کو (حَبَّةٌ فِي شَعِيرَةٍ) سے بدل ڈالا۔ جب قول کے آسان اور سہل ہونے کے باوجود انہوں نے اس کو بدل ڈالا تو فعل کو بدلنے کی ان سے بدرجہ اولیٰ توقع کی جا سکتی ہے۔ اس لئے وہ اپنی سرینوں پر گھسٹتے ہوئے شہر کے دروازے میں داخل ہوئے۔ ﴿ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ ﴾ ''تو ہم نے ان پر بھیجا'' یعنی جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی اور اس کی نافرمانی کا ارتکاب کیا۔ ﴿ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ ﴾ ''آسمان سے سخت عذاب'' یہ عذاب یا تو طاعون کی شکل میں تھا یا کوئی اور آسمانی سزا تھی۔ یہ سزا دے کر اللہ تعالیٰ

نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ سزا تو ان کے اس ظلم کی پاداش میں تھی جو وہ کیا کرتے تھے۔

﴿ وَسْـَٔلْهُمْ ﴾ ''ان (بنی اسرائیل) سے پوچھیے'' ﴿ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ﴾ ''اس بستی کا حال جو دریا کے کنارے تھی'' یعنی جب انہوں نے ظلم وتعدی سے کام لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی اس حال میں کہ بستی سمندر کے کنارے پر تھی۔ ﴿ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ ﴾ ''جب وہ حد سے بڑھنے لگے ہفتے کے حکم میں'' حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ ہفتے کی تعظیم اور احترام کریں' ہفتے کے روز شکار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمایا اور ان کا امتحان لیا۔ ﴿ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا ﴾ ''جب آتیں ان کے پاس مچھلیاں ہفتے کے دن' پانی کے اوپر'' یعنی مچھلیاں سطح سمندر پر بہت کثیر تعداد میں تیرتی ہوئی آتیں۔ ﴿ وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ ﴾ ''اور جب سبت کا دن نہ ہوتا'' یعنی سبت کا دن گزر جاتا ﴿ لَا تَأْتِيهِمْ ﴾ ''ان کے پاس نہ آتیں۔'' یعنی مچھلیاں سمندر میں واپس چلی جاتیں اور ان میں سے کوئی مچھلی دکھائی نہ دیتی۔ ﴿ كَذَٰلِكَ نَبْلُوهُم بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴾ ''اسی طرح ہم نے ان کو آزمایا' اس لئے کہ وہ نافرمان تھے'' یعنی یہ ان کا فسق تھا جو اس بات کا موجب بنا کہ اللہ تعالیٰ ان کو آزمائے اور ان کا امتحان ہو۔ ورنہ اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دیتا اور ان کو مصیبت اور شر میں مبتلا نہ کرتا۔ پس انہوں نے شکار کے لیے حیلہ کیا' وہ سمندر کے کنارے گڑھے کھود لیتے اور ان گڑھوں میں جال لگا دیتے۔ جب سبت کا دن آتا تو مچھلیاں ان گڑھوں میں آکر جال میں پھنس جاتیں اور وہ اس روز ان مچھلیوں کو نہ پکڑتے۔ جب اتوار کا دن آتا تو وہ ان مچھلیوں کو پکڑ لیتے۔ یہ حیلہ ان میں بہت زیادہ ہو گیا اور اس بارے میں بنی اسرائیل تین گروہوں میں منقسم ہو گئے۔

(۱) ان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جنہوں نے علی الاعلان سبت کے قانون کو توڑنے کی جسارت کی۔

(۲) دوسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے علانیہ ان کو ایسا کرنے سے روکا اور ان پر نکیر کی۔

(۳) تیسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے انکار کرنے والوں کے انکار ہی کو کافی سمجھا (اور خود خاموش رہے) اور انہوں نے منع کرنے والوں سے کہا: ﴿ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ﴾ ''تم ایسے لوگوں کو نصیحت کیوں کرتے ہو جن کو اللہ نے ہلاک کرنا یا سخت عذاب دینا ہے'' گویا وہ کہتے تھے کہ ان لوگوں کو نصیحت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں جو اللہ تعالیٰ کے محارم کا ارتکاب کرتے ہیں اور خیر خواہوں کی بات پر کان نہیں دھرتے' بلکہ اس کے برعکس ظلم اور تعدی پر جمے ہوئے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ضرور ان کو سزا دے گا یا تو ان کو ہلاک کرے گا یا ان کو سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ نصیحت کرنے والے کہتے تھے کہ ہم تو ان کو نصیحت کرتے رہیں گے اور ان کو برائیوں سے روکتے رہیں گے۔ ﴿ مَعْذِرَةً إِلَىٰ رَبِّكُمْ ﴾ ''تاکہ تمہارے رب کے ہاں عذر پیش کر سکیں'' ﴿ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴾ ''اور

شاید کہ وہ پرہیز گار بن جائیں۔'' یعنی شاید وہ اس نافرمانی کو ترک کر دیں جس میں وہ پڑے ہوئے ہیں' ہم ان کی ہدایت سے مایوس نہیں ہیں' بسا اوقات ان میں نصیحت کارگر ہو جاتی ہے اور ملامت اثر کر جاتی ہے اور برائی پر نکیر کرنے کا سب سے بڑا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معذرت ہو' تا کہ اس شخص پر حجت قائم ہو سکے جسے روکا گیا یا اسے کسی کام کا حکم دیا گیا ہو۔۔۔۔ اور شاید اللہ تعالیٰ اسے ہدایت عطا کر دے اور وہ امر و نہی کے تقاضوں پر عمل کر سکے۔

﴿فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖٓ﴾ ''جب انہوں نے اس چیز کو بھلا دیا جس کی ان کو یاد دہانی کرائی گئی تھی'' اور وہ اپنی گمراہی اور نافرمانی پر جمے رہے۔ ﴿اَنْجَيْنَا الَّذِيْنَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ﴾ ''ہم نے ان کو بچا لیا جو برائی سے روکتے تھے'' اپنے بندوں کے بارے میں یہی سنت الٰہی ہے کہ جب عذاب نازل ہوتا ہے تو وہ لوگ اس عذاب سے نجات پاتے ہیں جو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے رہے ہیں۔ ﴿وَاَخَذْنَا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا﴾ ''اور پکڑ لیا ہم نے ظالموں کو'' یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سبت کا قانون توڑا تھا ﴿بِعَذَابٍۭ بَىِٕيْسٍ﴾ ''برے عذاب میں'' یعنی سخت عذاب میں۔ ﴿بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ﴾ ''اس پاداش میں کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔''

رہا وہ گروہ جو برائی سے روکنے والوں سے کہا کرتا تھا: ﴿لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَاۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ﴾ ''تم ان لوگوں کو نصیحت کیوں کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے''...... اہل تفسیر میں ان کی نجات اور ان کی ہلاکت کے بارے میں اختلاف ہے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ نجات پانے والوں میں شامل تھے' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہلاکت کو صرف ظالموں کے ساتھ مخصوص کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ظالموں میں ذکر نہیں کیا۔ پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سزا خاص طور پر صرف ان لوگوں کو ملی تھی جنہوں نے سبت کی پابندی کو توڑا تھا' نیز نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا فرض کفایہ ہے جب کچھ لوگ اس فرض کو ادا کر رہے ہوں تو دوسرے لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے اور ان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اس برائی کو برائی سمجھتے ہوئے اسے ناپسند کریں۔ علاوہ ازیں انہوں نے (ان بدکردار لوگوں پر) ان الفاظ میں نکیر کی ﴿لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَاۨ اللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا﴾ ''تم ان لوگوں کو نصیحت کیوں کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا یا انہیں سخت عذاب دینے والا ہے''۔ پس انہوں نے ان پر اپنی ناراضی کا اظہار کر دیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں ان کا یہ فعل سخت ناپسند تھا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو سخت سزا دے گا۔

﴿فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ﴾ ''پھر جب وہ بڑھ گئے اس کام میں جس سے وہ روکے گئے تھے'' یعنی وہ نہایت سنگ دل ہو گئے۔ ان میں نرمی آئی نہ انہوں نے نصیحت حاصل کی۔ ﴿قُلْنَا لَهُمْ﴾ ''تو ہم نے ان سے کہا'' یعنی قضا و قدر کی زبان میں۔ ﴿كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِىِٕيْنَ﴾ ''ہو جاؤ تم بندر ذلیل'' پس وہ اللہ کے حکم سے بندر بن گئے اور

اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا‘ پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ان میں سے جو لوگ باقی بچ گئے تھے ان پر ذلت اور محکومی مسلط کر دی گئی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ ﴾ ”جب تیرے رب نے آگاہ کر دیا تھا“ یعنی واضح طور پر بتا دیا۔ ﴿ لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَنْ يَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ﴾ ”کہ ضرور بھیجتا رہے گا یہود پر قیامت کے دن تک ایسے شخص کو جو ان کو برا عذاب دیا کرے گا“ جو ان کو ذلیل و رسوا کرتا رہے گا ﴿ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيْعُ الْعِقَابِ ﴾ ”بے شک تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے۔“ یعنی اس شخص کو بہت جلد سزا دیتا ہے جو اس کی نافرمانی کرتا ہے یہاں تک کہ اس دنیا میں بھی اس پر جلدی سے عذاب بھیج دیتا ہے۔ ﴿ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ”اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ اور اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے بہت غفور و رحیم ہے جو کوئی توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہ اس کے گناہ بخش دیتا ہے‘ اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے‘ اس پر رحم کرتے ہوئے اس کی نیکیوں کو قبول فرماتا ہے وہ اسے ان نیکیوں پر انواع و اقسام کے ثواب عطا کرتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اس نے ان کے ساتھ وعدہ کیا تھا‘ وہ ہمیشہ سے ذلیل و خوار اور دوسروں کے محکوم چلے آ رہے ہیں ان کی اپنی کوئی رائے نہیں اور نہ (دنیا کی انصاف پسند قوموں میں) ان کی کوئی مدد کرنے والا ہے۔

﴿ وَقَطَّعْنٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اُمَمًا ﴾ ”اور ہم نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین میں منتشر کر دیا“۔ جب کہ پہلے وہ مجتمع تھے۔ ﴿ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ ﴾ ”کچھ ان میں نیک ہیں“ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کو پورا کرتے ہیں۔ ﴿ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ ﴾ ”اور بعض اور طرح کے ہیں۔“ اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نیکی کے کم تر درجے پر فائز ہیں یا تو وہ نیکی میں متوسط قسم کے لوگ ہیں یا وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ﴿ وَبَلَوْنٰهُمْ ﴾ اور ہم نے اپنی عادت اور سنت کے مطابق ان کو آزمایا ﴿ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ ﴾ ”خوبیوں میں اور برائیوں میں“ یعنی آسانی اور تنگی کے ذریعے سے ﴿ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ ”شاید کہ وہ لوٹ آئیں۔“ شاید کہ وہ ہلاکت کی وادی سے واپس لوٹ آئیں جس میں وہ مقیم ہیں اور اس ہدایت کی طرف رجوع کریں جس کے لیے ان کو پیدا کیا گیا ہے۔ پس ان میں ہمیشہ سے نیک‘ بد اور متوسط لوگ موجود رہے ہیں۔ ﴿ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ﴾ ”پھر پیچھے آئے ان کے ناخلف“ ان کا شر بڑھ گیا ﴿ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ ﴾ ”وہ (ان کے بعد) کتاب کے وارث بن گئے“ اور کتاب کے بارے میں لوگوں کا مرجع بن گئے اور انہوں نے اپنی خواہشات کے مطابق کتاب میں تصرف شروع کر دیا۔ ان پر مال خرچ کیا جاتا تھا‘ تاکہ وہ ناحق فتوے دیں اور حق کے خلاف فیصلے کریں اور ان کے اندر رشوت پھیل گئی۔

﴿ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ ﴾ ”لیتے سامان ادنیٰ زندگی کا اور کہتے“ یعنی یہ اقرار کرتے ہوئے کہ یہ ظلم اور گناہ ہے‘ کہتے ﴿ سَيُغْفَرُ لَنَا ﴾ ”ہم کو معاف ہو جائے گا“ ان کا یہ قول حقیقت سے خالی ہے‘ کیونکہ درحقیقت

یہ استغفار ہے نہ مغفرت کی طلب ہے۔ اگر انہوں نے حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی ہوتی' تو اپنے کیے پر ان کو ندامت ہوتی اور اس کا اعادہ نہ کرنے کا عزم کرتے۔۔۔ مگر اس کے برعکس جب ان کو مال اور رشوت پیش کی جاتی تو اسے لے لیتے تھے۔ پس انہوں نے آیات الٰہی کو بہت تھوڑی قیمت پر فروخت کر دیا اور اچھی چیز کے بدلے گھٹیا چیز لے لی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر نکیر کرتے ہوئے اور ان کی جسارت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلَمْ یُؤْخَذْ عَلَیْهِمْ مِّیْثَاقُ الْكِتٰبِ اَنْ لَّا یَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ﴾ ''کیا ان سے کتاب میں عہد نہیں لیا گیا کہ نہ بولیں اللہ پر سوائے سچ کے'' پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ اپنی خواہشات نفس کے تحت اور طمع و حرص کی طرف میلان کے باعث اللہ تعالیٰ کی طرف باطل قول منسوب کرتے ہیں۔ ﴿ وَ ﴾ درآں حالیکہ ﴿ دَرَسُوْا مَا فِیْهِ ﴾ ''انہوں نے اس کتاب کے مشمولات کو پڑھ بھی لیا ہے۔'' پس انہیں اس بارے میں کوئی اشکال نہیں' بلکہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے جان بوجھ کر کیا ہے اور ان کو اس معاملے میں پوری بصیرت حاصل تھی اور ان کا یہ رویہ بہت بڑا گناہ' سخت ملامت کا موجب اور بدترین سزا کا باعث ہے اور یہ ان میں عقل کی کمی اور ان کی بے وقوفی پر مبنی رائے ہے کہ انہوں نے آخرت پر دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَالدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ ﴾ ''اور آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں'' یعنی جو ان امور سے بچتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام ٹھہرا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کے خلاف فیصلے کے عوض رشوت کھانے سے اور دیگر محرمات سے پرہیز کرتے ہیں۔ ﴿ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴾ ''کیا تم سمجھتے نہیں۔'' کیا تم میں وہ عقل نہیں جو یہ موازنہ کر سکے کہ کس چیز کو کس چیز پر ترجیح دی جانی چاہئے اور کون سی چیز اس بات کی مستحق ہے کہ اس کے لیے بھاگ دوڑ اور کوشش کی جائے اور اسے دیگر تمام چیزوں پر مقدم رکھا جائے۔۔۔ عقل کی خاصیت یہ ہے کہ وہ انجام پر نظر رکھتی ہے۔ رہا وہ شخص جو جلدی حاصل ہونے والی اور ختم ہو جانے والی نہایت حقیر اور خسیس چیز پر نظر رکھتا ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی بہت بڑی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے اس کے پاس عقل اور رائے کہاں ہے؟

حقیقی عقل مند وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں وصف بیان کیا ہے ﴿ وَالَّذِیْنَ یُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ ﴾ ''اور جو لوگ کتاب کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں'' یعنی علم و عمل کے لحاظ سے کتاب اللہ سے تمسک کرتے ہیں۔ کتاب اللہ کے احکام و اخبار کا علم رکھتے ہیں۔ کتاب اللہ کے احکام و اخبار کا علم' جلیل ترین علم ہے۔ وہ کتاب اللہ کے اوامر کا علم رکھتے ہیں جن میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک' دلوں کا سرور' روح کی فرحت اور ان کے دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ ان ماموارت میں سب سے بڑی چیز' جس کی پابندی واجب ہے' ظاہری اور باطنی طور پر نماز قائم کرنا ہے۔ بنابریں اس کی فضیلت و شرف' اس کے ایمان کا میزان و معیار ہونے اور اس کے قیام کا دوسری عبادات کے قیام کا سبب ہونے کے باعث اللہ تبارک وتعالیٰ نے خاص طور پر اس کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ ان کا عمل

تمام تر بھلائی پر مبنی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ﴾ ''ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔'' ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اپنے قول و اعمال اور نیتوں میں خود اپنی اور دوسروں کی اصلاح کرتے ہیں۔

یہ آیت کریمہ اور اس نوع کی دیگر آیات دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کو فساد اور ضرر رساں امور کے ساتھ مبعوث نہیں کیا' بلکہ اصلاح اور نفع رساں احکام کے ساتھ مبعوث کیا ہے اور دنیا و آخرت کی اصلاح کی خاطر ان کو بھیجا گیا ہے۔ پس جو کوئی جتنا زیادہ صالح ہے اتنا ہی زیادہ ان کی اتباع کے قریب ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ ﴾ ''اور جس وقت اٹھایا ہم نے پہاڑ ان کے اوپر'' یعنی جب انہوں نے تورات کے احکام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر عمل کو لازم کر دیا اور ان کے سروں پر پہاڑ کو معلق کر دیا۔ پہاڑ ان پر یوں تھا ﴿ كَأَنَّهُ ظُلَّةٌ وَظَنُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ ﴾ ''گویا کہ وہ سائبان ہو اور وہ سمجھے کہ پہاڑ ان پر گرنے کو ہے۔'' ان سے کہا گیا۔ ﴿ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ ﴾ ''پکڑو جو ہم نے دیا ہے تم کو زور سے'' یعنی پوری کوشش اور جہد سے پکڑے رہو۔ ﴿ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ ﴾ ''اور یاد رکھو جو اس میں ہے'' درس' مباحثے اور عمل کے ذریعے سے اس کے مضامین کو یاد رکھو ﴿ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴾ ''شاید کہ تم بچ جاؤ'' جب تم یہ سب کچھ کر لو گے تو امید ہے کہ تم پرہیزگار بن جاؤ گے۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ

اور جب پکڑا (نکالا) آپ کے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو' اور گواہ بنایا انہیں اوپر

أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۛ شَهِدْنَا ۛ أَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ان کی جانوں کے' (اور پوچھا) کیا نہیں ہوں میں تمہارا رب؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! گواہی دیتے ہیں ہم (تاکہ نہ) کہو تم دن قیامت کے

إِنَّا كُنَّا عَنْ هَٰذَا غَافِلِينَ ﴿١٧٢﴾ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ

کہ ہم تو تھے اس بات سے غافل ○ یا (نہ) کہو تم بے شک شرک کیا تھا ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے

وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِنْ بَعْدِهِمْ ۖ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿١٧٣﴾ وَكَذَٰلِكَ

اور تھے ہم اولاد (ان کی) بعد ان کے' کیا پس تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس (فعل) کے جو کیا تھا گمراہ لوگوں نے ○ اور اسی طرح

نُفَصِّلُ الْآيَاتِ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٧٤﴾

مفصل بیان کرتے ہیں ہم آیتیں اور تاکہ وہ رجوع کریں ○

یعنی انسانوں کی صلبوں میں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کے درمیان قرن بعد قرن سلسلہ تناسل و توالد جاری ہوا۔ ﴿ وَ ﴾ ''اور'' جب ان کو ان کی ماؤں کے بطنوں اور ان کے آباء کی صلبوں سے نکالا ﴿ أَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ

﴿ اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴾ ''اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر' کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟'' یعنی ان کی فطرت میں اپنے رب ہونے' ان کا خالق و مالک ہونے کا اقرار ودیعت کر کے اپنی ربوبیت کے اثبات کا اقرار کروایا۔

﴿ قَالُوْا بَلٰى ﴾ ''انہوں نے کہا ہاں! ہم نے اقرار کیا'' .... کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا ہے۔ پس ہر شخص کو دین حنیف پر تخلیق کیا گیا ہے۔ مگر عقل پر عقائد فاسدہ کے غلبہ کی وجہ سے کبھی کبھی فطرت میں تغیر و تبدل واقع ہو جاتا ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴾ ''وہ کہنے لگے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں' کہ قیامت کے دن کہیں یوں نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔'' یعنی ہم نے تمہارا امتحان لیا حتیٰ کہ تم نے اس بات کا اقرار کیا' جو تمہارے نزدیک ثابت ہے کہ اللہ تمہارا رب ہے اور ہم نے یہ امتحان اس لئے لیا کہ کہیں تم قیامت کے روز انکار نہ کر دو اور کسی بھی چیز کا اقرار نہ کرو اور یہ دعویٰ کرنے لگو کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم نہیں ہوئی اور اس بارے میں تمہارے پاس کوئی علم نہ تھا بلکہ اس بارے میں تم بالکل لاعلم اور غافل تھے۔ پس آج تمہاری حجت منقطع ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی حجت تم پر قائم ہو گئی۔ یا تم ایک اور حجت سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہو ﴿ اِنَّمَاۤ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ ﴾ ''یہ شرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا تھا اور ہم ان کے بعد ان کی اولاد ہوئے''۔ پس ہم ان کے نقش قدم پر چلے اور ان کے باطل میں ہم نے ان کی پیروی کی۔ ﴿ اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴾ ''کیا تو ہم کو ایسے فعل پر ہلاک کرتا ہے جو گمراہوں نے کیا'' پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہاری فطرت میں ایسی چیز ودیعت کر دی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو کچھ تمہارے آباء و اجداد کے پاس تھا وہ باطل تھا اور حق وہ ہے جو انبیاء و مرسلین لے کر آئے ہیں اور یہ حق اس چیز کے خلاف اور اس پر غالب ہے جس پر تم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا۔

ہاں! کبھی کبھی اپنے گمراہ آباء و اجداد کے بعض ایسے اقوال اور فاسد نظریات بندے کے سامنے آتے ہیں جنہیں وہ حق سمجھ بیٹھتا ہے اور ان کو حق سمجھنے کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے براہین' اس کے دلائل اور آفاق و انفس میں اس کی آیات سے گریز کرتا ہے۔ اس کا یہ گریز اور اہل باطل کے نظریات کی طرف اس کا متوجہ ہونا اس کو اس مقام پر پہنچا دیتا ہے جہاں وہ باطل کو حق پر ترجیح دینے لگتا ہے۔

ان آیات کریمہ کی تفسیر میں یہی قرین صواب ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے جناب آدم علیہ السلام کی ذریت کو ان کی پیٹھ سے نکال کر ان سے عہد لیا اور ان کو خود ان کی ذات پر گواہ بنایا اور انہوں نے یہ گواہی دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ان کو جو حکم دیا تھا اس کو دنیا و آخرت میں ان کے کفر و عناد میں ان کے ظلم کے خلاف ان پر حجت بنایا۔۔۔۔ مگر آیت کریمہ میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس قول کی تائید کرتی ہو یا اس سے مناسبت رکھتی ہو۔۔۔ نہ حکمت الٰہی اس کا تقاضا کرتی ہے۔ اور واقعہ اس کا شاہد ہے' اس لئے کہ وہ عہد اور میثاق

جس کا یہ لوگ ذکر کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کی ذریت کو ان کی پیٹھ سے نکالا اس وقت وہ چیونٹی کی مانند تھی' یہ عہد کسی کو یاد نہیں اور نہ کسی آدمی کے خیال میں اس میثاق کا گزر ہوا ہے۔۔۔ پس اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو بندوں کے خلاف کیسے دلیل بنا سکتا ہے' جس کی انہیں کوئی خبر ہی نہیں جس کی کوئی حقیقت ہے نہ اثر؟ ①

چونکہ یہ معاملہ نہایت واضح اور نمایاں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ﴾ ''ہم اس طرح آیات کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں'' ﴿ وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴾ ''شاید وہ (اس چیز کی طرف) رجوع کریں' جو اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں ودیعت کی ہے اور شاید وہ اس عہد کی طرف لوٹیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے اور اس طرح وہ برائیوں سے باز آجائیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ

اور پڑھیے ان پر خبر اس شخص کی کہ دی تھیں ہم نے اسے اپنی آیتیں' پس نکل گیا وہ ان سے' تو پیچھے لگا لیا اس کو شیطان نے

فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۝ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗٓ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ

پس ہو گیا وہ گمراہوں میں سے ۝ اور اگر چاہتے ہم تو البتہ بلند کرتے اس کو بسبب ان (آیات) کے لیکن وہ جھک پڑا طرف زمین کی

وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ۚ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ ۚ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ

اور پیچھے لگ گیا وہ اپنی خواہش کے' پس مثال اس کی مانند مثال کتے کی ہے کہ اگر بوجھ لادے تو اس پر تو بھی وہ ہانپتا ہے' یا

تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ۭ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ

چھوڑ دے تو اس کو تو بھی ہانپتا ہے' یہی مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو' پس بیان کریں آپ یہی واقعات

---

① آیت ﴿ وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ ...... ﴾ کی تفسیر میں مفسرین کی زیادہ تر دو رائے ہیں۔ ایک وہ جو ہمارے فاضل مفسر رحمہ اللہ نے اختیار کی ہے کہ ربوبیت الٰہی کا اقرار و اعتراف اور اس کی گواہی سے مراد توحید الٰہی پر انسان کی تخلیق ہے یعنی ہر انسان کی فطرت میں اللہ کی عظمت و محبت اور اس کی وحدانیت ودیعت کر دی گئی ہے' حافظ ابن کثیر کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ اس تفسیر کی رو سے عالم واقعات میں ایسا نہیں ہوا ہے' بلکہ یہ ایک تمثیل ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ تمثیل نہیں ہے۔ بلکہ ایک واقعہ ہے' اللہ تعالیٰ نے صلب آدم سے (براہ راست) پیدا ہونے والے انسانوں کو اور پھر بنی آدم کی صلبوں سے نسلاً بعد نسل پیدا ہونے والے انسانوں کو چیونٹی کی شکل میں نکالا اور ان سے اپنی ربوبیت کا عہد و اقرار لیا۔ اس کی تائید میں بعض صحیح احادیث بھی ہیں اور صحابہ کرام کے آثار و اقوال بھی۔ اس کی مختصر تفصیل تفسیر ''احسن البیان'' میں دیکھی جا سکتی ہے۔ اسی لیے امام شوکانی نے اسی تفسیر کو راجح اور صحیح قرار دیا ہے۔ بنا بریں فاضل مفسر کا اس دوسری رائے کو یکسر غیر صحیح قرار دینا صحیح نہیں ہے۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ یہ عہد و اقرار کسی کو یاد ہی نہیں ہے تو اس پر گرفت کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے؟ تو یہی اعتراض پہلی تفسیر پر بھی ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کا انسان کی فطرت میں ودیعت کر دینا کیا اس بات کے لیے کافی ہے کہ وہ اس کی پابندی کرے' جب کہ اسے اس بات کا شعور و ادراک ہی نہیں ہے؟ اس کی جو توجیہ ہو سکتی ہے' دوسری تفسیر میں بھی وہی توجیہ ہے (ص-ی)

لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿١٧٦﴾ سَآءَ مَثَلَاۨ الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ

تاکہ وہ غور و فکر کریں ○ بری ہے مثال ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور اپنی جانوں پر

كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿١٧٧﴾ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ

تھے وہ ظلم کرتے ○ جسے ہدایت دے اللہ پس وہی ہے ہدایت یافتہ اور جسے گمراہ کر دے (اللہ)

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿١٧٨﴾

تو وہی لوگ ہیں خسارہ پانے والے ○

﴿ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا ﴾ ”اور سنا دو ان کو حال اس شخص کا جس کو ہم نے اپنی آیتیں دیں“ یعنی ہم نے اسے کتاب اللہ کی تعلیم دی اور وہ ایک علامہ اور ماہر عالم بن گیا ﴿ فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ الشَّيْطٰنُ ﴾ ”پھر وہ ان کو چھوڑ نکلا اور شیطان اس کے پیچھے گیا“ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے علم سے حقیقی طور پر متصف نہ ہوا کیونکہ آیات الٰہی کا علم، صاحب علم کو مکارم اخلاق اور محاسن اخلاق سے متصف کر دیتا ہے اور اسے اعلیٰ ترین درجات اور بلند ترین مقامات پر فائز کر دیتا ہے۔ پس اس نے کتاب کو چھوڑ دیا اور ان اخلاق کو دور پھینک دیا جن کا حکم کتاب اللہ دیتی تھی اور ان اخلاق کو اس طرح (اپنی ذات سے) اتار دیا جس طرح لباس اتارا جاتا ہے۔ جب وہ آیات الٰہی سے نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور جب وہ مضبوط پناہ گاہ سے نکل بھاگا تو شیطان اس پر مسلط ہو گیا اور یوں وہ ادنیٰ ترین لوگوں میں شامل ہو گیا شیطان نے اسے گناہوں پر آمادہ کیا (اور وہ گناہوں میں گھر گیا) ﴿ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴾ ”پس وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔“ جب کہ وہ ہدایت یافتہ لوگوں میں سے تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے حال پر چھوڑ کر اس کے نفس کے حوالے کر دیا تھا۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا ﴾ ”اور اگر ہم چاہتے تو اس کا رتبہ ان آیتوں کی بدولت بلند کر دیتے“ یعنی ہم اسے آیات الٰہی پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرتے اور یوں وہ دنیا و آخرت میں بلند درجات پاتا اور اپنے دشمنوں سے محفوظ ہو جاتا ﴿ وَلٰكِنَّهٗ ﴾ مگر اس نے ایسے افعال سرانجام دیئے جو اس بات کا تقاضا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی توفیق سے محروم کر دے۔ ﴿ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ ﴾ ”وہ ہو رہا زمین کا“ یعنی وہ سفلی جذبات وخواہشات اور دنیاوی مقاصد کی طرف مائل ہو گیا ﴿ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ ﴾ اور خواہشات نفس کے پیچھے لگ گیا اور اپنے آقا و مولیٰ کی اطاعت چھوڑ دی۔ ﴿ فَمَثَلُهٗ ﴾ ”تو اس کی مثال۔“ پس دنیا کی حرص کی شدت اور اسکی طرف میلان میں اس کی حالت یہ ہو گئی ﴿ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَثْ ﴾ ”جیسے کتا ہوتا ہے' اس پر تو بوجھ لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے“ یعنی وہ ہر حال میں (حرص کی وجہ سے) زبان باہر نکالے رکھتا ہے' سخت لالچی بنا رہتا ہے' اس میں ایسی حرص ہے جس نے اس کے دل کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا

ہے دنیا کی کوئی چیز اس کی محتاجی کو دور نہیں کر سکتی۔ ﴿ ذٰلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ﴾ ”یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا“ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنی آیات بھیجیں مگر انہوں نے ان کی اطاعت نہ کی بلکہ انہوں نے خواہشات نفس کی پیروی میں ان آیات کو جھٹلا کر ٹھکرا دیا۔ ﴿ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴾ ”پس بیان کرو یہ احوال' تاکہ وہ غور و فکر کریں“ یعنی شاید وہ ان ضرب الامثال' آیات الٰہی اور عبرتوں میں غور و فکر کریں' کیونکہ جب وہ غور و فکر کریں گے تو انہیں علم حاصل ہو گا' جب علم حاصل ہو گا تو اس پر عمل بھی کریں گے۔

﴿ سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاَنْفُسَهُمْ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴾ ”جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ان کی مثال بری ہے اور انہوں نے اپنا ہی نقصان کیا۔“ یعنی اس شخص کی بہت بری مثال ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی اور مختلف قسم کے گناہ اور معاصی کے ذریعے سے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ پس ان کی مثال بدترین مثال ہے۔ یہ شخص' جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا' احتمال ہے کہ اس سے کوئی معین شخص مراد ہو جس سے یہ سب کچھ واقع ہوا جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اور بندوں کو تنبیہ کے لیے یہ قصہ بیان کیا اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد اسم جنس ہو اور اس کے عموم میں ہر وہ شخص شامل ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کا علم عطا کیا ہو اور وہ ان سے نکل بھاگا ہو۔

ان آیات کریمہ میں علم پر عمل کرنے کی ترغیب ہے' نیز یہ کہ علم پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ صاحب علم کو رفعت عطا کرتا اور شیطان سے بچاتا ہے۔ نیز ان آیات کریمہ میں علم پر عدم عمل سے ڈرایا گیا ہے اس لئے کہ اگر علم پر عمل نہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ عمل نہ کرنے والے کو اسفل سافلین کے درجے پر اتار دیتا ہے اور اس پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے۔ ان آیات کریمہ میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو کوئی خواہشات نفس کی پیروی کرتا ہے اور شہوات میں دھنس جاتا ہے تو یہ چیز اس بات کا سبب بنتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ راہ راست دکھانا اور گمراہ کرنا صرف اسی اکیلے کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ ﴾ ”جس کو اللہ ہدایت دے“ یعنی نیکیوں کی توفیق عطا کر کے اللہ تعالیٰ جسے راہ راست دکھا دے اور ناپسندیدہ امور سے بچا لے اور ان چیزوں کے علم سے نواز دے جنہیں وہ نہیں جانتا تھا ﴿ فَهُوَ الْمُهْتَدِيْ ﴾ ”تو وہی حقیقی ہدایت یافتہ ہے“ کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو ترجیح دی۔ ﴿ وَمَنْ يُّضْلِلْ ﴾ ”اور جس کو گمراہ کر دے۔“ یعنی جسے اس کے حال پر چھوڑ کر اور بھلائی کی توفیق سے محروم کر کے وہ گمراہ کر دے۔ ﴿ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴾ ”تو ایسے ہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔“ یہی لوگ قیامت کے روز اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈالنے والے ہیں۔ خبردار! یہی کھلا خسارہ ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۖ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا

اور البتہ تحقیق پیدا کیے ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جن اور انسان' ان کے دل ہیں (لیکن) نہیں

يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ

سمجھتے وہ ساتھ ان کے (حق کو) اور ان کی آنکھیں ہیں (لیکن) نہیں دیکھتے وہ ساتھ ان کے' اور ان کے کان ہیں (لیکن) نہیں سنتے وہ

بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿١٧٩﴾ وَلِلَّهِ

ساتھ ان کے (حق)' یہی لوگ ہیں مانند چوپایوں کے بلکہ وہ (ان سے) بھی زیادہ گمراہ ہیں' یہی لوگ ہیں غافل ○ اور اللہ ہی کیلئے ہیں

الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ ۚ

نام اچھے اچھے' سو تم پکارو اسے ساتھ ان (ناموں) کے' اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جو کجروی اختیار کرتے ہیں اس کے ناموں میں

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٨٠﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ

عنقریب بدلہ دیے جائیں گے وہ اسکا جو تھے وہ عمل کرتے ○ اور ان میں سے جنہیں پیدا کیا ہم نے ایک جماعت ہے جو رہنمائی کرتی ہے ساتھ حق کے'

وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿١٨١﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ

اور ساتھ اسی کے وہ عدل کرتی ہے ○ اور وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو' ضرور بتدریج پکڑیں گے ہم انہیں جہاں سے

لَا يَعْلَمُونَ ﴿١٨٢﴾ وَأُمْلِي لَهُمْ ۚ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿١٨٣﴾ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا ۗ مَا

انہیں علم بھی نہ ہوگا ○ اور مہلت دیتا ہوں میں انہیں' بلاشبہ میری تدبیر انتہائی مضبوط ہے ○ کیا نہیں غور کیا انہوں نے کہ نہیں

بِصَاحِبِهِم مِّن جِنَّةٍ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿١٨٤﴾ أَوَلَمْ يَنظُرُوا فِي مَلَكُوتِ

ہے ان کے ساتھی (پیغمبر) کو کوئی جنون؟ نہیں ہے وہ مگر ڈرانے والا ظاہر ○ اور کیا نہیں دیکھا انہوں نے بادشاہی میں

السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ وَأَنْ عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَدِ

آسمانوں اور زمین کی' اور جو کچھ پیدا کیا اللہ نے ہر چیز سے؟ اور یہ کہ شاید

اقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿١٨٥﴾ مَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَا

قریب آ گئی مقررہ مدت ان کی پس ساتھ کس بات کے' بعد اس (قرآن) کے وہ ایمان لائیں گے؟ ○ جس کو گمراہ کر دے اللہ تو نہیں

هَادِيَ لَهُ ۚ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٨٦﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ

کوئی ہدایت دینے والا اسے' اور وہ چھوڑ دیتا ہے انہیں ان کی سرکشی میں' وہ سرگرداں پھرتے ہیں ○ سوال کرتے ہیں آپ سے قیامت کے بارے میں

أَيَّانَ مُرْسَاهَا ۖ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِندَ رَبِّي ۖ لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا

کہ کب ہے واقع ہونا اس کا؟ کہہ دیجیے! یقیناً اسکا علم نزدیک میرے رب ہی کے ہے' نہیں ظاہر کرے گا اس کو اسکے وقت پر مگر

هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۚ لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۗ يَسْأَلُونَكَ

وہی بھاری (حادثہ) ہے وہ (قیامت) آسمانوں اور زمین میں نہیں آئے گی وہ تمہارے پاس مگر اچانک ہی' وہ (لوگ) سوال کرتے ہیں آپ سے

ع ٢٣ / ١٢ — وقف لازم

كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

گویا کہ آپ پوری تحقیق کر چکے ہیں اس کی بابت' فرما دیجئے! اس کا علم تو صرف اللہ ہی کے پاس ہے' لیکن اکثر لوگ نہیں

يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَلَوْ كُنْتُ

جانتے ○ کہہ دیجئے! نہیں اختیار رکھتا میں اپنی جان کے لیے نفع کا اور نہ نقصان کا' مگر جو چاہے اللہ' اور اگر ہوتا

اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚۛ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ

میں جانتا غیب تو البتہ بہت حاصل کر لیتا میں بھلائیاں اور نہ پہنچتی مجھے تکلیف' نہیں ہوں میں (کچھ بھی) مگر ڈرانے والا (کافروں کو)

وَّبَشِيْرٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۸﴾ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ

اور خوشخبری دینے والا ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں ○ وہی ہے (اللہ) جس نے پیدا کیا تمھیں ایک جان سے اور بنایا اس نے

مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا فَمَرَّتْ

اس سے اسکا جوڑا تاکہ وہ سکون حاصل کرے اس سے' پس جب صحبت کی اس نے بیوی سے تو اٹھایا اس نے حمل ہلکا' پس وہ لیے پھرتی رہی

بِهٖ ۚ فَلَمَّآ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ

اس کو سو جب بوجھل ہو گئی وہ تو دعا کی ان دونوں نے اللہ' اپنے رب سے کہ اگر دیا تو نے ہمیں تندرست (بچہ) تو ہونگے ہم

مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰىهُمَا ۚ

شکر گزاروں میں سے ○ پس جب دیا اللہ نے انہیں تندرست (بچہ) تو بنا لیے انہوں نے اللہ کے شریک اس میں جو دیا تھا اس نے انہیں

فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾ اَيُشْرِكُوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَّهُمْ

پس بلند تر ہے اللہ اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں ○ کیا شریک ٹھہراتے ہیں وہ ان کو جو نہیں پیدا کرتے کوئی چیز بھی اور وہ خود

يُخْلَقُوْنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ نَصْرًا وَّلَآ اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۲﴾

پیدا کیے جاتے ہیں ○ اور نہیں طاقت رکھتے وہ' ان (مشرکین) کی مدد کرنے کی' اور نہ اپنی ہی وہ مدد کر سکتے ہیں ○

وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ ؕ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ

اور اگر بلاؤ تم انہیں طرف ہدایت کی تو نہیں پیروی کریں گے وہ تمہاری' برابر ہے اوپر تمہارے خواہ تم بلاؤ ان کو

اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴿۱۹۳﴾

یا ہو تم خاموش رہنے والے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ راہ راست سے بھٹکے ہوئے گمراہ لوگوں اور شیطان لعین کے پیروکاروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ ذَرَاْنَا﴾ "اور ہم نے پیدا کیا۔" یعنی ہم نے پیدا کیا اور پھیلایا ﴿لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ "جہنم کے لئے بہت سے جن اور آدمی" پس چوپائے بھی ان سے بہتر حالت میں ہیں ﴿لَهُمْ

منزل۲

﴿ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا ﴾ ''ان کے دل ہیں' جن سے وہ سمجھتے نہیں'' یعنی علم اور سمجھ ان تک راہ نہیں پاتے' سوائے ان کے خلاف قیام حجت کے ﴿ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ﴾ ''ان کی آنکھیں ہیں' جن سے وہ دیکھتے نہیں'' یعنی وہ ان آنکھوں سے اس طرح نہیں دیکھتے کہ دیکھنا ان کے لئے فائدہ مند ہو بلکہ انہوں نے اپنی بینائی کی منفعت اور فائدے کو کھودیا۔ ﴿ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ﴾ ''ان کے کان ہیں' جن سے وہ سنتے نہیں'' وہ ان کانوں سے اس طرح نہیں سنتے کہ ان کے دلوں تک معانی و مفاہیم پہنچ جائیں۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ ﴾ ''یہ'' یعنی وہ لوگ جو ان اوصاف قبیحہ کے حامل ہیں ﴿ كَالْاَنْعَامِ ﴾ ''چوپاؤں کی مانند ہیں'' جو عقل سے محروم ہیں۔ انہوں نے فانی چیزوں کو ان چیزوں پر ترجیح دی جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں پس ان سے عقل کی خاصیت سلب کرلی گئی ﴿ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ﴾ ''بلکہ وہ زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔'' یعنی وہ چوپاؤں سے بھی زیادہ گمراہ اور بے سمجھ ہیں کیونکہ بہائم سے تو وہ کام لئے جاتے ہیں جن کاموں کے لیے ان کو تخلیق کیا گیا ہے' ان کے ذہن ہیں جن کے ذریعے سے وہ مضرت و منفعت کا ادراک کرتے ہیں۔ بنا بریں چوپاؤں کا حال ان کے حال سے اچھا ہے۔ ﴿ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴾ ''وہی لوگ ہیں غافل'' جو سب سے زیادہ نفع مند چیز سے غافل ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان' اس کی اطاعت اور اس کے ذکر سے غافل ہیں حالانکہ ان کو دل' کان اور آنکھیں عطا کی گئیں' تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں ان سے مدد لیں' لیکن انہوں نے اس مقصد کے برعکس امور کے لئے ان کو استعمال کیا۔ پس یہ لوگ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کو ان لوگوں میں شمار کیا جائے جن کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کے لیے تخلیق کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آگ میں جھونکنے کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ لوگ اہل جہنم کے اعمال سرانجام دے رہے ہیں۔

رہا وہ شخص جو ان جوارح کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں استعمال کرتا ہے' جس کا قلب اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی محبت کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور وہ اللہ سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ پس ایسے ہی لوگ اہل جنت ہیں اور وہ اہل جنت کے اعمال سرانجام دیتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے جلال کی عظمت اور اس کے اوصاف کی وسعت کو بیان کرتی ہے' نیز یہ بیان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نام اسمائے حسنیٰ ہیں' یعنی اس کا ہر نام اچھا ہے۔ اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر نام ایک عظیم صفت کمال پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لئے ان اسماء کو اسمائے حسنیٰ کہا گیا ہے۔ اگر یہ اسماء صفات پر دلالت نہ کرتے بلکہ محض علم ہوتے تو یہ اسماء ''حسنیٰ'' نہ ہوتے اس طرح اگر یہ اسماء کسی ایسی صفت پر دلالت کرتے جو صفت کمال نہ ہوتی بلکہ اس کے برعکس صفت نقص یا صفت منقسم ہوتی یعنی بہ یک وقت مدح و قدح پر دلالت کرتے تب بھی یہ اسماء ''حسنیٰ'' نہ کہلا سکتے۔ پس اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہر اسم پوری صفت پر دلالت کرتا ہے جس سے یہ اسم مشتق ہے اور وہ اس صفت کے تمام معانی کو شامل ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک (اَلْعَلِیْم) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ایسے علم کا مالک ہے جو عام ہے اور تمام اشیاء کا احاطہ کئے ہوئے ہے' پس زمین و آسمان میں ایک ذرہ بھی اس کے دائرہ علم سے باہر نہیں۔ اس کا اسم مبارک (اَلرَّحِیْم) دلالت کرتا ہے کہ وہ عظیم اور بے پایاں رحمت کا مالک ہے جو ہر چیز پر سایہ کناں ہے۔ (اَلْقَدِیْر) دلالت کرتا ہے کہ وہ قدرت عامہ کا مالک ہے کوئی چیز بھی اس کی قدرت کو عاجز اور لاچار نہیں کرسکتی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء کا کامل طور پر (حُسْنٰی) ہونا یہ ہے کہ اس کو ان اسماء حسنیٰ کے سوا کسی اور اسم سے نہ پکارا جائے بنابریں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ﴿فَادْعُوْهُ بِهَا﴾ "پس اس کو انہی ناموں سے پکارو" اور اس دعا میں دعائے عبادت اور دعائے مسئلہ دونوں شامل ہیں۔ پس ہر مطلوب میں اللہ تعالیٰ کو اس کے اس اسم مبارک سے پکارا جائے جو اس مطلوب سے مناسبت رکھتا ہے۔

پس دعا مانگنے والا یوں دعا مانگے "اے اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر بے شک تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے"۔ "اے توبہ قبول کرنے والے میری توبہ قبول کر" "اے رزق دینے والے مجھے رزق عطا کر" اور "اے لطف وکرم کے مالک مجھے اپنے لطف سے نواز۔۔۔" وغیرہ۔

﴿وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَاۗىِٕهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ "اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں' عنقریب ان کو ان کے عملوں کا بدلہ دیا جائے گا" یعنی اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کی پاداش میں انہیں سخت سزا اور عذاب دیا جائے گا اور الحاد کی حقیقت یہ ہے کہ ان اسماء کو ان معانی سے ہٹا کر جن کے لیے ان کو وضع کیا گیا ہے' دوسری طرف موڑنا' (اور اس کی مختلف صورتیں ہیں)۔

(۱) ان ناموں سے ایسی ہستیوں کو موسوم کرنا جو ان ناموں کی مستحق نہیں' مثلاً مشرکین کا اپنے معبودوں کو ان ناموں سے موسوم کرنا۔

(۲) ان اسماء کے اصل معانی و مراد کی نفی اور ان میں تحریف کرکے' ان کے کوئی اور معانی گھڑ لینا' جو اللہ اور اس کے رسول کی مراد نہیں۔

(۳) ان اسماء سے دوسروں کو تشبیہ دینا۔ پس واجب ہے کہ اسمائے حسنیٰ میں الحاد سے بچا جائے اور اسماء میں الحاد کرنے والوں سے دور رہا جائے۔ صحیح حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے' آپ نے فرمایا:

"اللہ تبارک وتعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو ان کو یاد کر لیتا ہے وہ جنت میں داخل ہوگا"۔ [1]

﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ﴾ "اور ہماری مخلوقات میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو حق کا راستہ بتاتے ہیں۔" یعنی ان تمام لوگوں میں جن کو ہم نے پیدا کیا ہے ایک ایسا گروہ بھی ہے جو فضیلت کا مالک ہے' جو خود کامل

---

[1] صحیح البخاری' کتاب الشروط' باب مایجوز من الاشتراط والثنیا فی الإقرار...... الخ' ح ۲۷۳۶

ہے اور دوسروں کی حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہے' یہ لوگ حق کا علم رکھتے ہیں' اس پر عمل کرتے ہیں' حق کی تعلیم دیتے' اس کی طرف بلاتے اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ﴿ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴾ ''اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں'' جب وہ لوگوں کے مال' خون' حقوق اور ان کے مقالات وغیرہ کے بارے میں فیصلے کرتے ہیں تو حق کی بنیاد پر انصاف کرتے ہیں۔ یہ لوگ ائمہ ہدیٰ اور تاریکیوں میں روشن قنادیل ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان' عمل صالح' حق کی وصیت اور صبر کی وصیت جیسی نعمتوں سے نوازا ہے۔ وہ صدیق ہیں جن کا مرتبہ رسالت کے بعد ہے اور خود ان کے مراتب میں ان کے احوال اور قدر و منزلت کے مطابق تفاوت ہے۔

پس پاک ہے وہ ذات جو اپنی رحمت کے لیے جس کو چاہتی ہے' مختص کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ان آیات کی تکذیب کی' جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب اور ہدایت کی صحت پر دلالت کرتی ہیں' پس انہوں نے ان کو ٹھکرا دیا اور ان کو قبول نہ کیا ﴿ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسی جگہ سے پکڑیں گے جہاں سے ان کو خبر بھی نہ ہوگی'' یعنی اس طرح کہ اللہ تعالیٰ ان کو وافر رزق بہم پہنچاتا ہے۔ ﴿ وَاُمْلِيْ لَهُمْ ﴾ ''اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں'' یہاں تک کہ وہ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ان کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور ان کو سزا نہیں دی جائے گی' پس وہ کفر اور سرکشی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں اور ان کے شر میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ بنا بریں ان کی سزا میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور ان کا عذاب کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور انہیں علم تک نہیں ہوتا۔ اس لئے فرمایا: ﴿ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴾ ''میری تدبیر (بڑی) مضبوط ہے۔'' یعنی میری چال بہت مضبوط اور کارگر ہے۔ ﴿ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا مَا بِصَاحِبِهِمْ ﴾ ''کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی کو'' یعنی محمد مصطفی ﷺ کو ﴿ مِّنْ جِنَّةٍ ﴾ ''کوئی جنون نہیں'' یعنی کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا کہ ان کے ساتھی کا حال' جس کو یہ اچھی طرح جانتے ہیں' چھپا ہوا نہیں ہے۔ کیا وہ پاگل ہے؟ پس اس کے اخلاق و اطوار' اس کی سیرت' طریقے اور اس کے اوصاف کو دیکھیں اور اس کی دعوت میں غور و فکر کریں۔ وہ اس میں کامل ترین صفات' بہترین اخلاق اور ایسی عقل و رائے کے سوا کچھ نہیں پائیں گے جو تمام جہانوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ وہ بھلائی کے سوا کسی چیز کی دعوت نہیں دیتا اور برائی کے سوا کسی چیز سے نہیں روکتا۔ پس اے صاحبان عقل و دانش! کیا اس شخص کو جنون لاحق ہے یا یہ شخص بہت بڑا راہ نما' کھلا خیر خواہ' مجد و کرم کا مالک اور رؤف و رحیم ہے؟ بنا بریں فرمایا: ﴿ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴾ ''وہ تو صرف ڈرانے والا ہے'' یعنی وہ تمام مخلوق کو اس چیز کی طرف بلاتا ہے جو انہیں عذاب سے نجات دے اور جس سے انہیں ثواب حاصل ہو۔

﴿ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ﴾ ''کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں نظر نہیں کی'' کیونکہ جب یہ لوگ زمین و آسمان کی بادشاہی میں غور و فکر کریں گے تو وہ اسے اس کے رب کی

وحدانیت اور اس کی صفات کمال پر دلیل پائیں گے۔ ﴿ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَیۡءٍ ﴾ ’’اور جو کچھ پیدا کیا اللہ نے ہر چیز سے‘‘ اسی طرح وہ ان تمام چیزوں میں غور و فکر کریں‘ کیونکہ کائنات کے تمام اجزا اللہ تعالیٰ کی ذات‘ اس کی قدرت‘ اس کی حکمت اور اس کی بے کراں رحمت‘ اس کے احسان‘ اس کی مشیت نافذہ اور اس کی ان عظیم صفات پر سب سے بڑی دلیل ہیں‘ جو اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ اکیلا خلق و تدبیر کا مالک ہے وہ اکیلا معبود محمود‘ وہ اکیلا پاکیزگی کا مستحق اور واحد محبوب ہے۔ فرمایا: ﴿ وَّاَنۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّکُوۡنَ قَدِ اقۡتَرَبَ اَجَلُهُمۡ ﴾ ’’اور شاید کہ قریب آ گیا ہو ان کا وعدہ‘‘ یعنی وہ اپنے خصوصی احوال میں غور کریں اس سے قبل کہ ان کا وقت آن پہنچے اور اچانک ان کی غفلت اور اعراض کی حالت میں موت کا پنجہ ان کو اپنی گرفت میں لے لے اور اس وقت وہ اپنی کوتاہی کا استدراک نہ کر سکیں ﴿ فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَهٗ یُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ ’’تو اس کے بعد وہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے؟‘‘ یعنی اگر یہ اس جلیل القدر کتاب پر ایمان نہیں لائے تو پھر کون سی بات پر ایمان لائیں گے؟ کیا یہ جھوٹ اور گمراہی کی کتابوں پر ایمان لائیں گے؟ کیا وہ ہر بہتان طراز اور دجال کی بات پر ایمان لائیں گے؟ مگر گمراہ شخص کی ہدایت کی کوئی سبیل نہیں۔

﴿ مَنۡ یُّضۡلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ ؕ وَیَذَرُهُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِهِمۡ یَعۡمَهُوۡنَ ﴾ ’’جس کو اللہ گمراہ کر دے‘ اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور اللہ چھوڑے رکھتا ہے ان کو گمراہی میں سرگرداں‘‘ یعنی وہ اپنی سرکشی میں حیران و سرگرداں پھرتے ہیں‘ وہ اپنی سرکشی سے نکل کر حق کی طرف نہیں آتے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ ﴾ ’’آپ سے پوچھتے ہیں۔‘‘ یعنی یہ جھٹلانے والے اور تلبیس کی غرض سے سوال کرنے والے آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں۔ ﴿ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرۡسٰهَا ﴾ ’’قیامت کے بارے میں‘ کہ اس کے واقع ہونے کا وقت کب ہے۔‘‘ یعنی وہ وقت کب ہو گا جب قیامت کی گھڑی آئے گی اور مخلوق میں قیامت قائم ہو گی۔ ﴿ قُلۡ اِنَّمَا عِلۡمُهَا عِنۡدَ رَبِّیۡ ﴾ ’’کہہ دیجیے! اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے‘‘ یعنی قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ ﴿ لَا یُجَلِّیۡهَا لِوَقۡتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ﴾ ’’وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔‘‘ یعنی وہ وقت جو اس کے قائم ہونے کے لیے مقرر کیا ہوا ہے‘ صرف اللہ تعالیٰ ہی ظاہر کرے گا ﴿ ثَقُلَتۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ﴾ ’’وہ بھاری بات ہے آسمانوں اور زمین میں‘‘ یعنی زمین و آسمان کے رہنے والوں پر قیامت کی گھڑی مخفی ہے‘ اس گھڑی کا معاملہ ان کے لیے نہایت شدید اور وہ اس گھڑی سے بہت خوف زدہ ہیں۔ ﴿ لَا تَاۡتِیۡکُمۡ اِلَّا بَغۡتَةً ﴾ ’’اور وہ ناگہاں تم پر آ جائے گی۔‘‘ یہ گھڑی اچانک انہیں اس طرح آئے گی کہ وہ ان کے خواب و خیال میں بھی نہ ہو گی اور اس کے لیے وہ تیار بھی نہ ہوں گے۔ ﴿ یَسۡـَٔلُوۡنَکَ کَاَنَّکَ حَفِیٌّ عَنۡهَا ﴾ ’’یہ آپ سے اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا آپ اس سے بخوبی واقف ہیں۔‘‘ وہ اس گھڑی کے بارے میں آپ سے سوال کرنے کے بہت خواہش مند ہیں گویا کہ آپ اس سوال کے متعلق پورا علم رکھتے ہیں اور انہوں نے اس بات کو نہیں جانا کہ باوجود

اس بات کے کہ آپ کو اپنے رب کی بابت کمال علم حاصل ہے اور یہ کہ رب سے کون سی بات پوچھنی فائدہ مند ہے' آپ ایسے سوال کی پروا نہیں کرتے تھے جو مصلحت سے خالی ہوتا اور جس کا جاننا ناممکن ہوتا' قیامت کی گھڑی کو کوئی رسول جانتا ہے نہ کوئی مقرب فرشتہ۔ اور اس کا تعلق ایسے امور سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل حکمت اور وسیع علم کی بنا پر مخلوق سے مخفی رکھا ہے۔

﴿ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ کہہ دیجیے! اس قیامت کا علم اللہ کے پاس ہے' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے'' اسی لیے وہ اس چیز کے خواہش مند ہوتے ہیں جس کی خواہش کرنا ان کے لیے مناسب نہیں۔ خاص طور پر وہ لوگ جو ان اہم امور کے بارے میں تو سوال نہیں کرتے' جن کے بارے میں علم حاصل کرنا ان پر فرض ہے اور ان امور کے بارے میں سوال کرتے ہیں جن کے بارے میں حصول علم کی کوئی سبیل نہیں ہوتی' نہ ان سے یہ مطالبہ ہی کیا جائے گا کہ انہوں نے اس کا علم حاصل کیوں نہیں کیا۔

﴿ قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ﴾ کہہ دیجیے! میں تو اپنے نفس کے لیے بھی نفع ونقصان کا اختیار نہیں رکھتا'' اس لئے کہ میں تو محتاج بندہ ہوں اور کسی دوسری ہستی کے دست تدبیر کے تحت ہوں۔ مجھے اگر کوئی بھلائی عطا ہوتی ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور مجھ سے شر بھی کوئی دور کرتا ہے تو صرف وہی اور میرے پاس کوئی علم بھی نہیں' سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے ﴿ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ﴾ ''اگر میں غیب جان لیا کرتا تو بہت بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے برائی کبھی نہ پہنچتی'' یعنی میں وہ اسباب مہیا کر لیتا جن کے بارے میں مجھے علم ہوتا کہ وہ مصالح اور منافع پر منتج ہوں گے اور میں ہر تکلیف دہ اور ناپسندیدہ چیز سے بچ جاتا کیونکہ مجھے ان کے وقوع کا بھی پہلے ہی سے علم ہوتا اور مجھے یہ بھی معلوم ہوتا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ مگر مجھے غیب کا علم نہ ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی تکلیف بھی پہنچتی ہے اور اسی وجہ سے کبھی کبھی مجھ سے دنیاوی فوائد اور مصالح بھی فوت ہو جاتے ہیں۔ اور یہ اس بات کی اولین دلیل ہے کہ میں غیب کا علم نہیں جانتا ﴿ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ ﴾ ''میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں۔'' یعنی میں تو صرف دنیاوی' دینی اور اخروی سزاؤں سے ڈراتا ہوں اور ان اعمال سے آگاہ کرتا ہوں جو ان سزاؤں کا باعث بنتے ہیں اور سزاؤں سے بچنے کی تلقین کرتا ہوں۔

﴿ وَّبَشِيْرٌ ﴾ ''اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔'' اور ثواب عاجل و آجل کی منزل تک پہنچانے والے اعمال کو واضح کر کے اور ان کی ترغیب دے کر اس ثواب کی خوشخبری سناتا ہوں۔ مگر ہر شخص اس تبشیر و انذار کو قبول نہیں کرتا بلکہ صرف اہل ایمان ہی اس بشارت و انذار کو قبول کر کے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

یہ آیات کریمہ اس شخص کی جہالت کو بیان کرتی ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی ذات کو مقصود بناتا ہے اور حصول منفعت اور دفع مضرت کے لیے نبی کریم ﷺ کو پکارتا ہے .... کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں کچھ بھی نہیں'

جسے اللہ تعالیٰ نفع پہنچانا نہ چاہے آپ اسے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ جس سے ضرر دور نہ کرے آپ اس سے ضرر کو دور نہیں کر سکتے۔ اسی طرح آپ کے پاس علم بھی صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے۔

صرف تبشیر و انذار اور ان پر عمل ہی فائدہ دیتا ہے جن کے ساتھ آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔ یہ تبشیر اور انذار ہی آپ ﷺ کی طرف سے فائدہ ہے جو ماں باپ' دوست احباب اور بھائیوں کی طرف سے فائدے پر فوقیت رکھتا ہے' یہی وہ نفع ہے جس کے ذریعے سے بندوں کو ہر بھلائی پر آمادہ کیا جاتا ہے اور ہر برائی سے ان کے لیے حفاظت ہے اور اس میں ان کے لیے حد درجہ بیان اور توضیح ہے۔

﴿هُوَ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ﴾ "وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا" اے مردو اور عورتو! جو روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہو' تمہاری کثرت تعداد اور تمہارے متفرق ہونے کے باوصف ﴿مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ﴾ "ایک جان سے۔" اور وہ ہیں ابوالبشر آدم علیہ السلام۔ ﴿وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ "اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا" یعنی آدم علیہ السلام سے ان کی بیوی حوا علیہا السلام کو تخلیق کیا۔ ﴿لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا﴾ "تاکہ اس کے پاس آرام پکڑے" چونکہ حوا علیہا السلام کو آدم علیہ السلام سے پیدا کیا گیا ہے اس لئے ان دونوں کے مابین ایسی مناسبت اور موافقت موجود ہے جو تقاضا کرتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے سکون حاصل کریں اور شہوت کے تعلق سے ایک دوسرے کی اطاعت کریں۔ ﴿فَلَمَّا تَغَشّٰهَا﴾ "سو جب وہ اس کے پاس جاتا ہے۔" یعنی جب آدمی نے اپنی بیوی سے مجامعت کی تو باری تعالیٰ نے یہ بات مقدر کر دی کہ اس شہوت اور جماع سے ان کی نسل وجود میں آئے اور اس وقت ﴿حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا﴾ "حمل رہا ہلکا سا حمل" یہ کیفیت حمل کے ابتدائی ایام میں ہوتی ہے عورت اس کو محسوس نہیں کر پاتی اور نہ اس وقت یہ حمل بوجھل ہوتا ہے۔ ﴿فَلَمَّآ﴾ "پس جب" یہ حمل اسی طرح موجود رہا ﴿اَثْقَلَتْ﴾ "بوجھل ہو گئی" یعنی اس حمل کی وجہ سے جب کہ وہ حمل بڑا ہو جاتا ہے تو اس وقت والدین کے دل میں بچے کے لیے شفقت' اس کے زندہ صحیح و سالم اور ہر آفت سے محفوظ پیدا ہونے کی آرزو پیدا ہوتی ہے۔ بنابریں ﴿دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَئِنْ اٰتَيْتَنَا﴾ "دونوں نے دعا کی اللہ اپنے رب سے' اگر بخشا تو نے ہم کو" یعنی بچہ ﴿صَالِحًا﴾ "صحیح و سالم" یعنی صحیح الخلقت' پورا اور ہر نقص سے محفوظ ﴿لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ﴾ "تو ہم شکر گزار بندوں میں سے ہوں گے۔"

﴿فَلَمَّآ اٰتٰهُمَا صَالِحًا﴾ "پس جب وہ ان کو صحیح و سالم (بچہ) دیتا ہے۔" یعنی ان کی دعا قبول کرتے ہوئے جب ان کو صحیح سالم بچہ عطا کیا اور اس بارے میں ان پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دی ﴿جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِيْمَآ اٰتٰهُمَا﴾ "تو اس میں جو وہ ان کو دیتا ہے اس کا شریک مقرر کرتے ہیں۔" یعنی اس بچے کے عطا ہونے پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرا دیئے۔ جس کو اکیلا اللہ تعالیٰ وجود میں لایا ہے اس نے یہ نعمت عطا کی ہے اور اسی نے یہ بچہ عطا کر کے والدین کی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ پس انہوں نے اپنے بیٹے کو غیر اللہ کا بندہ بنا دیا۔ یا تو اسے غیر اللہ کے

بندے کے طور پر موسوم کر دیا مثلاً ''عبدالحارث'' ''عبدالعزیٰ'' اور ''عبدالکعبہ'' وغیرہ۔ یا انہوں نے یہ کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ان نعمتوں سے نوازا جن کا شمار کسی بندے کے بس سے باہر ہے' تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شرک کیا۔

کلام میں یہ انتقال نوع سے جنس کی طرف انتقال کی قسم شمار ہوتا ہے کیونکہ کلام کی ابتدا آدم اور حوا علیہما السلام کے بارے میں ہے پھر کلام آدم و حوا علیہما السلام سے جنس کی طرف منتقل ہو گیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شرک' آدم و حوا علیہما السلام کی ذریت میں بہت کثرت سے موجود ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے شرک کے بطلان کا اقرار کروایا ہے نیز یہ کہ وہ اس بارے میں سخت ظالم ہیں' خواہ یہ شرک اقوال میں ہو یا افعال میں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ان سب کو ایک جان سے پیدا کیا پھر اس جان سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان میں سے ان کے جوڑے پیدا کئے پھر ان کے درمیان مودت و محبت پیدا کی جس کی بنا پر وہ ایک دوسرے کے پاس سکون پاتے ہیں' ایک دوسرے کے لیے الفت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے سے لذت حاصل کرتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف ان کی راہ نمائی فرمائی جس سے شہوت' لذت' اولاد اور نسل حاصل ہوتی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے وقت مقررہ تک ماؤں کے بطن میں اولاد کو وجود عطا کیا۔ وہ بڑی امیدوں کے ساتھ اولاد کی پیدائش کا انتظار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ بچے کو صحیح سالم ماں کے پیٹ سے باہر لائے۔ پس (اس دعا کو قبول کرتے ہوئے) اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمت پوری کر دی اور ان کو ان کا مطلوب عطا کر دیا۔ تب کیا اللہ تعالیٰ اس بات کا مستحق نہیں کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں' اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اسی کے لیے اطاعت کو خالص کریں؟ مگر معاملہ اس کے برعکس ہے' انہوں نے ان ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا دیا ﴿ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ لَهُمْ ﴾ ''جو پیدا نہ کریں کوئی چیز بھی اور وہ پیدا ہوئے ہیں اور نہیں کر سکتے وہ ان کے لئے'' یعنی اپنے عبادت گزاروں کے لیے ﴿ نَصْرًا وَّلَا اَنْفُسَهُمْ يَنْصُرُوْنَ ﴾ ''مدد اور نہ اپنی ہی مدد کریں'' کسی کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں نہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں۔

جب (شریک ٹھہرائی ہوئی اس ہستی کی) یہ حالت ہو کہ وہ پیدا نہ کر سکتی ہو' ایک ذرہ بھی پیدا کرنے پر قادر نہ ہو بلکہ وہ خود مخلوق ہو اور وہ اپنے عبادت گزار سے کسی تکلیف دہ چیز کو دور کرنے کی طاقت نہ رکھتی ہو بلکہ خود اپنی ذات سے بھی کسی تکلیف دہ چیز کو دور کرنے پر قادر نہ ہو' تو بھلا اس کو اللہ کے ساتھ کیسے معبود بنایا جا سکتا ہے؟ بلاشبہ یہ سب سے بڑا ظلم اور سب سے بڑی حماقت ہے۔

﴿ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ ﴾ ''اور اگر تم ان کو پکارو۔'' یعنی اے مشرکو! اگر تم ان بتوں کو' جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو' پکارو ﴿ اِلَى الْهُدٰى لَا يَتَّبِعُوْكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْكُمْ اَدَعَوْتُمُوْهُمْ اَمْ اَنْتُمْ صَامِتُوْنَ ﴾ ''راستے کی

طرف، تو نہ چلیں تمہاری پکار پر، برابر ہے تم پر کہ تم ان کو پکارو یا چپکے ہو رہو" ان معبودوں سے تو انسان ہی اچھا ہے کیونکہ یہ معبود سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں۔ یہ کسی کی راہ نمائی کر سکتے ہیں نہ ان کی راہ نمائی کی جا سکتی ہے۔ ایک عقل مند شخص جب ان تمام امور کو مجرد طور پر اپنے تصور میں لاتا ہے تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ ان کی الوہیت باطل ہے اور جو کوئی ان کی عبادت کرتا ہے وہ بے وقوف ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا

بے شک وہ لوگ جنھیں پکارتے ہو تم اللہ کو چھوڑ کر، (وہ تو) بندے ہیں تم جیسے ہی، سو پکارو تم انھیں، پس چاہیے کہ جواب دیں وہ

لَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٩٤﴾ اَلَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ

تمہیں، اگر ہو تم سچے ○ کیا ان کے ایسے پیر ہیں کہ چلتے ہیں وہ ان سے؟ کیا ان کے ایسے ہاتھ ہیں کہ پکڑتے ہیں وہ

بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَآ ۡ اَمْ لَهُمْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ قُلِ

ان سے؟ کیا ان کی ایسی آنکھیں ہیں کہ دیکھتے ہیں وہ ان سے؟ کیا ان کے ایسے کان ہیں کہ وہ سنتے ہیں ان سے؟ کہہ دیجیے!

ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿١٩٥﴾ اِنَّ وَلِيِّۦَ اللّٰهُ الَّذِيْ

بلاؤ تم اپنے شریکوں کو، پھر تدبیر کرو تم میرے خلاف، اور نہ مہلت دو تم مجھے ○ بلاشبہ میرا کارساز تو اللہ ہی ہے جس نے

نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩٦﴾

نازل کی ہے یہ کتاب، اور وہی کارسازی کرتا ہے صالحین کی ○

یہ بتوں کے پوجنے والے مشرکین کو مقابلے کی دعوت ہے، اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ﴾ "جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو تم جیسے ہی بندے ہیں" ان کے اور تمہارے درمیان کوئی فرق نہیں، تم سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے غلام ہو۔ اگر تم اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہو کہ یہ ہستیاں جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے عبادت کی مستحق ہیں ﴿فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ﴾ "تو تم انہیں پکارو، پس چاہیے کہ وہ تمہاری پکار کا جواب دیں"۔ پس اگر وہ تمہاری پکار کا جواب دے دیں اور تمہارا مطلوب حاصل ہو جائے۔۔۔ ورنہ ثابت ہو گیا کہ تم اپنے دعوے میں جھوٹے ہو اور اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان لگا رہے ہو۔

یہ چیز کوئی وضاحت کی محتاج نہیں، کیونکہ اگر تم ان کی طرف دیکھو تو ان کی شکل ہی دلالت کرتی ہے کہ ان کے پاس کوئی نفع مند چیز نہیں۔۔۔ ان کے پاس چلنے کے لیے پاؤں، پکڑنے کے لیے ہاتھ، دیکھنے کے لیے آنکھیں اور سننے کے لیے کان نہیں۔ یہ تمام اعضاء و قویٰ سے محروم ہیں جو انسان میں موجود ہوتے ہیں۔ جب تم انہیں پکارتے ہو تو یہ جواب نہیں دے سکتے۔ تو یہ تمہاری ہی مانند بندے ہیں بلکہ تم ان سے زیادہ کامل اور ان سے زیادہ طاقت ور ہو۔ تب کس بنا پر تم ان کی عبادت کرتے ہو؟ ﴿قُلِ ادْعُوْا شُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ كِيْدُوْنِ فَلَا تُنْظِرُوْنِ﴾ "کہہ

دیجیے! پکارو اپنے شریکوں کو' پھر برائی کرو میرے حق میں اور مجھ کو ڈھیل نہ دو" یعنی اگر تمہارے معبود اور تم خود مجھے برائی اور تکلیف پہنچانے کے لیے اکٹھے ہو جاؤ اور مجھے کوئی ڈھیل اور مہلت بھی نہ دو' تب بھی تم مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچا سکو گے۔ ﴿إِنَّ وَلِيِّـۧ اللَّهُ﴾ "میرا حمایتی تو اللہ ہے" جو میری سرپرستی کرتا ہے' پس مجھے ہر قسم کی منفعت عطا کرتا ہے اور ہر قسم کے ضرر سے بچاتا ہے۔ ﴿الَّذِي نَزَّلَ الْكِتٰبَ﴾ "جس نے کتاب نازل فرمائی۔" جس میں ہدایت' شفا اور روشنی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے خاص بندوں کی دینی تربیت کے لیے سرپرستی ہے۔ ﴿وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ﴾ "اور وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی" وہ لوگ جن کی نیتیں' اعمال اور اقوال پاک ہیں' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ﴾ (البقرہ: ۲/۲۵۷) "اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست اور سرپرست ہے جو ایمان لائے' وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے"۔

پس صالح مومن' جب ایمان اور تقویٰ کے ذریعے سے اپنے رب کو اپنا دوست اور سرپرست بنا لیتے ہیں اور کسی ایسی ہستی کو اپنا دوست نہیں بناتے جو کسی کو نفع پہنچا سکتی ہے نہ نقصان' تو اللہ تعالیٰ ان کا دوست اور مددگار بن جاتا ہے' ان کو اپنے لطف و کرم سے نوازتا ہے' ان کے دین و دنیا کی بھلائی اور مصالح میں ان کی مدد کرتا ہے اور ان کے ایمان کے ذریعے سے ان سے ہر ناپسندیدہ چیز کو دور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿إِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (الحج: ۲۲/۳۸) "اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے ان کے دشمنوں کو ہٹاتا ہے۔"

وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ اَنْفُسَهُمْ

اور وہ جنہیں تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے' نہیں استطاعت رکھتے وہ تمہاری مدد کرنے کی اور نہ اپنی ہی

يَنْصُرُوْنَ ﴿۱۹۷﴾ وَاِنْ تَدْعُوْهُمْ اِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ؕ وَتَرٰىهُمْ

وہ مدد کر سکتے ہیں ○ اور اگر بلاؤ تم انہیں طرف ہدایت کی تو نہ سنیں وہ اور دیکھتے ہیں آپ ان کو

يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۹۸﴾

کہ دیکھ رہے ہیں وہ طرف آپ کی حالانکہ وہ نہیں دیکھتے ○

یہ آیت بھی ان بتوں کی عبادت کے عدم استحقاق کو بیان کرتی ہے جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں' کیونکہ یہ خود اپنی مدد کرنے کی استطاعت اور قدرت رکھتے ہیں نہ اپنے عبادت گزاروں کی مدد کر سکتے ہیں۔ ان میں قوت عقل ہے نہ جواب دینے کی طاقت۔ اگر تو ان کو ہدایت کی طرف بلائے تو ان کی طرف نہیں آئیں گے کیونکہ یہ تو زندگی کے بغیر محض تصویریں ہیں۔ تو ان کو دیکھے گا کہ گویا وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں مگر حقیقت میں وہ دیکھ نہیں سکتے' کیونکہ مصوروں نے ان کو انسانوں وغیرہ جانداروں کی صورت دی ہے' ان کی آنکھیں اور دیگر اعضاء بنائے ہیں۔ جب تو ان کی طرف دیکھے گا تو کہہ اٹھے گا کہ یہ زندہ ہیں مگر جب تو ان کو غور سے دیکھے گا تو

پہچان لے گا کہ یہ تو جامد پتھر ہیں جن میں کوئی حرکت ہے نہ زندگی۔ تب کس بنا پر مشرکین نے ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ الٰہ ٹھہرالیا؟ کون سی مصلحت اور کون سے فائدے کی خاطر یہ لوگ ان کے پاس اعتکاف کرتے ہیں اور مختلف عبادات کے ذریعے سے ان کا تقرب حاصل کرتے ہیں؟

جب اس چیز کی معرفت حاصل ہوگئی تو یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر مشرکین اور ان کے معبود' جن کی یہ عبادت کرتے ہیں' اکٹھے ہو کر ان لوگوں کے خلاف چالیں چل لیں جن کو زمین اور آسمانوں کی تخلیق کرنے والے نے اپنی سرپرستی میں لے رکھا ہے اور اپنے نیک بندوں کے احوال کا والی ہے' وہ اپنی چال سے ذرہ بھر نقصان پہنچانے پر قادر نہیں کیونکہ وہ کامل طور پر عاجز اور ان کے معبود بھی عاجز ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ پوری قوت اور کامل اقتدار کا مالک ہے اور وہ شخص بھی قوی ہے جو اس کے جلال کی پناہ لیتا اور اس پر بھروسہ کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَتَرٰىهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ﴾ میں ضمیر مشرکین کی طرف لوٹتی ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی (تب اس کے معنی یہ ہوں گے) اے اللہ کے رسول! آپ سمجھتے ہیں کہ مشرکین آپ کو اعتبار کی نظر سے دیکھتے ہیں تاکہ جھوٹے میں سے سچے کا امتیاز ہو سکے۔ مگر وہ آپ ﷺ کی حقیقت کو نہیں دیکھ سکتے اور وہ جمال وکمال اور صدق کی ان علامتوں کو نہیں دیکھ سکتے جن کے ذریعے سے پہچاننے والے حقیقت کو پہچانتے ہیں۔

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ ﴿١٩٩﴾

اختیار کیجیے درگزر کو اور حکم کیجیے نیک کام کا اور اعراض کیجیے جاہلوں سے ○

یہ آیت کریمہ لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق اور ان کے ساتھ رویئے کے بارے میں جامع آیت ہے۔ لوگوں کے ساتھ معاملے میں مناسب رویہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ عفو ودرگزر' آسان اعمال واخلاق اور نرمی سے پیش آیا جائے' ان کو کسی ایسی بات کا مکلف نہ کیا جائے جس کو ان کی طبائع قبول نہ کریں بلکہ ہر شخص کی بات اور اچھے یا برے فعل کو قبول کیا جائے' ان کی کوتاہی سے درگزر کیا جائے اور ان کے نقائص سے چشم پوشی کی جائے۔ کسی چھوٹے کے ساتھ اس کے چھوٹا ہونے' کسی ناقص العقل کے ساتھ اس کے نقص اور کسی محتاج کے ساتھ اس کی محتاجی کی بنا پر تکبر سے پیش نہ آیا جائے' بلکہ تمام لوگوں کے ساتھ لطف وکرم کا اور احوال کے تقاضے کے مطابق معاملہ کیا جائے کہ جس سے ان کے سینے کھل جائیں۔

﴿وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ ''اور حکم کیجیے نیک کام کرنے کا'' یعنی ہر قریب اور بعید شخص کو اچھی بات' اچھے فعل اور کامل اخلاق کا حکم دیجیے۔ آپ جو کچھ لوگوں کو عطا کریں وہ تعلیم علم ہو یا کسی بھلائی کی ترغیب دینا' جیسے صلہ رحمی' یا والدین کے ساتھ حسن سلوک یا لوگوں کے درمیان صلح کروانا یا نفع بخش خیر خواہی یا صائب رائے یا نیکی اور تقویٰ پر معاونت

یا برائی پر زجر و توبیخ یا کسی دینی یا دنیاوی بھلائی کی طرف راہ نمائی۔ چونکہ جاہل کی طرف سے تکلیف اور اذیت کا پہنچنا ایک لابدی امر ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جاہل سے اعراض اور درگزر سے کام لیا جائے اور اس کی جہالت کا مقابلہ نہ کیا جائے۔ پس جو کوئی آپ کو اپنے قول و فعل سے اذیت دیتا ہے آپ اس کو اذیت نہ دیں' جو آپ کو محروم کرتا ہے آپ اس کو محروم نہ کریں' جو آپ سے قطع تعلق کرتا ہے آپ اس سے تعلق جوڑے رکھیں اور جو آپ پر ظلم کرتا ہے آپ اس کے ساتھ انصاف کریں۔

رہی یہ بات کہ بندۂ مومن کو شیاطین جنوں اور انسانوں کے ساتھ کیسا معاملہ کرنا چاہئے؟ تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ؕ اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۰۰﴾

اور اگر ابھارے آپ کو شیطان کا کوئی وسوسہ تو پناہ مانگئے اللہ کی' یقیناً وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ○

اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّہُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا ہُمۡ

بے شک وہ لوگ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا جب پہنچتا ہے انہیں کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے تو چونک پڑتے ہیں' پھر ناگہاں وہ

مُّبۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۱﴾ۚ وَاِخۡوَانُہُمۡ یَمُدُّوۡنَہُمۡ فِی الۡغَیِّ ثُمَّ لَا یُقۡصِرُوۡنَ ﴿۲۰۲﴾

سوجھ بوجھ والے ہوجاتے ہیں ○ اور بھائی ان (شیاطین) کے' کھینچتے ہیں وہ انہیں گمراہی میں پھر نہیں وہ کمی کرتے ○

﴿ یَنۡزَغَنَّکَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ ﴾ "ابھارے آپ کو شیطان کی چھیڑ" یعنی کسی وقت اور کسی حال میں بھی اگر آپ شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ' بھلائی کے راستے میں رکاوٹ' برائی کی ترغیب اور اکتاہٹ محسوس کریں ﴿ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ ﴾ "تو اللہ تعالیٰ کی پناہ لیجئے" اور اس کی حفاظت میں آ کر محفوظ ہو جائیے ﴿ اِنَّہٗ سَمِیۡعٌ ﴾ "بے شک وہ سننے والا ہے۔" آپ جو کچھ کہتے ہیں اللہ اسے سنتا ہے۔ ﴿ عَلِیۡمٌ ﴾ "جاننے والا ہے۔" آپ کی نیت' آپ کی کمزوری اور آپ کی پناہ لینے کی قوت کو خوب جانتا ہے' وہ آپ کو اس کے فتنے سے محفوظ رکھے گا اور آپ کو اس کے وسوسوں سے بچائے گا۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ قُلۡ اَعُوۡذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ مَلِکِ النَّاسِ ○ اِلٰہِ النَّاسِ ○ مِنۡ شَرِّ الۡوَسۡوَاسِ الۡخَنَّاسِ ○ الَّذِیۡ یُوَسۡوِسُ فِیۡ صُدُوۡرِ النَّاسِ ○ مِنَ الۡجِنَّۃِ وَ النَّاسِ ○ ﴾ (الناس: ١١٤/ ١-٦) "کہو میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی' لوگوں کے بادشاہ حقیقی کی' لوگوں کے معبود کی' شیطان وسوسہ انداز کی برائی سے' شیطان پیچھے ہٹ جانے والے سے جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ اندازی کرتا ہے خواہ وہ شیطان جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے"۔

جب بندے کا غافل ہو جانا اور اس شیطان کا اس کو کچھ نہ کچھ شکار کر لینا لازمی امر ہے' جو ہمیشہ گھات لگائے رہتا اور بندے کی غفلت کا منتظر رہتا ہے' تو اب اللہ تعالیٰ نے گمراہ کرنے والوں سے بچ جانے والوں کی علامت

ذکر کی ہے۔۔۔ اور صاحب تقویٰ جب شیطانی وسوسے کو محسوس کر لیتا ہے اور وہ کسی فعل واجب کو ترک کر کے یا کسی فعل حرام کا ارتکاب کر کے گناہ کر بیٹھتا ہے' تو فوراً اسے تنبیہ ہوتی ہے' وہ غور کرتا ہے کہ شیطان کہاں سے حملہ آور ہوا ہے اور کون سے دروازے سے داخل ہوا ہے۔ وہ ان تمام لوازم ایمان کو یاد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب قرار دیئے ہیں تو اسے بصیرت حاصل ہو جاتی ہے' وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے اور جو اس سے کوتاہی واقع ہوئی ہے' توبہ اور نیکیوں کی کثرت کے ذریعے سے اس کی تلافی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس وہ شیطان کو ذلیل ورسوا کر کے دھتکار دیتا ہے اور شیطان نے اس سے جو کچھ حاصل کیا ہوتا ہے' اس پر پانی پھیر دیتا ہے۔

رہے شیاطین کے بھائی اور ان کے دوست' تو یہ جب کسی گناہ میں پڑ جاتے ہیں تو یہ اپنی گمراہی میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں' گناہ پر گناہ کرتے ہیں اور گناہ کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے' پس شیاطین بھی ان کو بدراہ کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے کیونکہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ وہ نہایت آسانی سے ان کے تابع ہو جاتے ہیں اور برائی کے ارتکاب میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے' تو وہ ان کی بدراہی کے بہت خواہش مند ہو جاتے ہیں۔

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا

اور جب نہیں لاتے آپ ان کے پاس کوئی نشانی تو کہتے ہیں' کیوں نہیں خود بنا لایا تو؟ کہہ دیجیے! میں تو پیروی کرتا ہوں صرف اس چیز کی

يُوحَىٰ إِلَيَّ مِن رَّبِّي ۚ هَٰذَا بَصَائِرُ مِن رَّبِّكُمْ وَهُدًى

جو وحی کی جاتی ہے میری طرف میرے رب کی طرف سے' یہ روشن دلائل ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت

وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠٣﴾

اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں ○

یہ جھٹلانے والے آپ کے ساتھ عناد رکھتے ہی رہیں گے خواہ ان کے پاس رشد و ہدایت پر کتنے ہی دلائل کیوں نہ آ جائیں۔ پس جب آپ ان کو کوئی ایسی دلیل دیتے ہیں جو آپ کی صداقت پر دلالت کرتی ہے' تو یہ اسے تسلیم نہیں کرتے۔ ﴿وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِم بِآيَةٍ﴾ ''اور جب تم ان کے پاس کوئی آیت نہیں لاتے۔'' یعنی جب ان کے حسب خواہش آیات و معجزات نہیں لاتے ﴿قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا﴾ ''تو کہتے ہیں کہ تم نے (اپنی طرف سے) کیوں نہیں بنا لی۔'' یعنی کہتے ہیں کہ تم فلاں آیت اور فلاں معجزہ کیوں نہیں لاتے گویا کہ آیات اور معجزات آپ نازل کرتے ہیں اور تمام مخلوقات کی تدبیر آپ کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں اس بات کا علم نہیں کہ آپ تو کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے۔۔۔۔ (یا وہ یوں کہتے ہیں کہ) تم نے ان آیات کو اپنے پاس سے کیوں نہیں گھڑ لیا۔ ﴿قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُوحَىٰ إِلَيَّ مِن رَّبِّي﴾ ''کہہ دیجیے کہ میں تو اس حکم کی اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میرے پاس آتا ہے۔'' پس میں تو اللہ تعالیٰ کا تابع فرمان بندہ اور اس کے دست تدبیر کے تحت ہوں۔ وہ اللہ تعالیٰ

ہی ہے جو معجزات نازل کرتا ہے وہ اپنی حمد وثنا اور حکمت بالغہ کے تقاضوں کے مطابق آیات اور معجزات بھیجتا ہے۔

اگر تم ایسی نشانی اور معجزہ چاہتے ہو جو مرور اوقات کے ساتھ کمزور نہ ہو اور ایسی حجت چاہتے ہو جو کسی بھی لمحہ باطل نہ ہو تو ﴿هٰذَا﴾ ''یہ'' قرآن عظیم اور ذکر حکیم ﴿بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ﴾ ''تمہارے رب کی طرف سے دانائی ہے'' جن کے ذریعے سے الٰہی مطالب اور انسانی مقاصد کو پرکھا جاتا ہے۔ یہ قرآن عظیم دلیل اور مدلول ہے۔ جو کوئی اس میں تدبر کرتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ' حکمت والے اور قابل تعریف کی طرف سے نازل کردہ ہے' باطل جس کے سامنے سے آ سکتا ہے نہ پیچھے سے اور یہ قرآن ہر اس شخص کے خلاف حجت ہے جس کے پاس یہ پہنچتا ہے۔ مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

ورنہ جو کوئی اس پر ایمان لاتا ہے ﴿وَهُدًى﴾ ''اور ہدایت ہے'' تو یہ قرآن گمراہی کے اندھیرے میں اس کے لئے ہدایت کا نور ہے ﴿وَرَحۡمَةٌ﴾ ''اور رحمت ہے'' اور بدبختیوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ پس مومن قرآن سے راہ نمائی حاصل کرتا ہے اور اس کی اتباع کرتا ہے' اپنی دنیا و آخرت میں سعادت مند ہے اور جو کوئی اس پر ایمان نہیں لاتا وہ دنیا و آخرت میں گمراہ اور بدبخت ہے۔

وَاِذَا قُرِئَ الۡقُرۡاٰنُ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ وَاَنۡصِتُوۡا لَعَلَّكُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۲۰۴﴾

اور جب پڑھا جائے قرآن تو غور سے (کان لگا کر) سنو تم اس کو اور خاموش رہو تا کہ تم رحم کیے جاؤ ○

یہ ہر اس شخص کے لیے ایک عام حکم ہے جو کتاب اللہ کی تلاوت سنتا ہے' وہ اسے غور سے سننے اور خاموش رہنے پر مامور ہے۔ استماع اور انصات کے درمیان فرق یہ ہے کہ (انصات) ''چپ رہنا'' ظاہر میں بات چیت اور ایسے امور میں مشغولیت کو ترک کرنے کا نام ہے جن کی وجہ سے وہ غور سے سن نہیں سکتا اور (استماع) ''سننا'' یہ ہے کہ سننے کے لیے پوری توجہ مبذول کی جائے' قلب حاضر ہو اور جو چیز سنے اس میں تدبر کرے۔

کتاب اللہ کی تلاوت کے وقت جو کوئی ان دونوں امور کا التزام کرتا ہے وہ خیر کثیر' بے انتہا علم' دائمی تجدید شدہ ایمان' بہت زیادہ ہدایت اور دین میں بصیرت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے حصول رحمت کو ان دونوں امور پر مترتب قرار دیا ہے اور یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس کے سامنے کتاب اللہ کی تلاوت کی جائے اور وہ اسے غور سے نہ سنے اور خاموش نہ رہے تو رحمت کے بہت بڑے حصے سے محروم ہو جاتا ہے' وہ خیر کثیر حاصل نہیں کر پاتا اور قرآن سننے والے کو سخت تاکید ہے کہ جہری نمازوں میں' جب کہ امام قراءت کرے' وہ توجہ سے سنے اور خاموش رہے' کیونکہ اسے چپ رہنے کا حکم ہے۔ یہاں تک کہ اکثر اہل علم کی رائے ہے کہ نماز کے اندر امام کی قراءت کے وقت خاموش رہنا سورۂ فاتحہ وغیرہ پڑھنے سے اولیٰ ہے۔[1]

[1] یہ مؤلف کتاب کی اپنی رائے ہے' اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے' مرحوم کی یہ رائے صحیح نہیں' کیونکہ یہ نصوص صریحہ کے خلاف ←

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ

اور یاد کیجئے اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے اور ایسی آواز سے کہ کم ہو پکار کر بات کرنے سے

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿٢٠٥﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ

صبح اور شام کو اور نہ ہوں آپ غافلوں میں سے ○ بے شک وہ (فرشتے) جو آپ کے رب کے پاس ہیں

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿٢٠٦﴾ السجدة ع

نہیں تکبر کرتے وہ اس کی عبادت سے اور تسبیح بیان کرتے ہیں وہ اس کی اور اسی کو وہ سجدہ کرتے ہیں ○

الثلاثة ١٣ ع ٢٤ السجدة ١

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر قلب کے ذریعے سے، زبان کے ذریعے سے اور قلب اور زبان دونوں کے ذریعے سے ہوتا ہے اور یہ ذکر اپنی نوع اور احوال کے اعتبار سے کامل ترین ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو اصلاً اور دیگر اہل ایمان کو تبعاً حکم دیا ہے کہ وہ نہایت اخلاص کے ساتھ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ ﴿تَضَرُّعًا﴾ ''عاجزی اور تذلل سے'' ذکر کی مختلف انواع کے تکرار کے ساتھ اپنی زبان سے ذکر کریں ﴿وَّخِيْفَةً﴾ ''اور ڈرتے ہوئے'' اور آپ کی حالت یہ ہونی چاہئے کہ آپ اپنے دل میں، اللہ تعالیٰ سے خائف اور ڈرتے ہوں مبادا کہ آپ کا عمل قبول نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامت یہ ہے کہ بندہ خیر خواہی کے ساتھ اپنے عمل کی اصلاح اور تکمیل میں پیہم کوشاں رہتا ہے۔ ﴿وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ ''اور ایسی آواز سے جو کہ پکار کر بولنے سے کم ہو'' یعنی متوسط رویہ اختیار کیجئے ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا﴾ (بنی إسرائیل: ١١٠/١٧) ''اپنی نماز بلند آواز سے پڑھئے نہ بہت آہستہ آواز سے بلکہ درمیان کا راستہ اختیار کیجئے''۔ ﴿بِالْغُدُوِّ﴾ ''دن کے ابتدائی حصے میں'' ﴿وَالْاٰصَالِ﴾ ''اور دن کے آخری حصے میں''۔ ان دونوں اوقات کو دیگر اوقات پر فضیلت حاصل ہے۔ ﴿وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ﴾ ''اور غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہوں'' یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حال کر دیا کہ وہ اپنے آپ کو بھول گئے۔ پس وہ دنیا اور آخرت کی بھلائی سے محروم رہ گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی عبودیت میں ہر فلاح و سعادت سے روگردانی کی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہر بدبختی اور ناکامی کی طرف متوجہ رہے۔

یہ وہ آداب ذکر ہیں جن کی بندے کو رعایت رکھنی چاہئے جیسا کہ رعایت رکھنے کا حق ہے یعنی دن اور رات

< ہے۔ احادیث میں وضاحت موجود ہے کہ امام ہر آیت پر وقف کر کے سورۂ فاتحہ پڑھے اور اس وقفے میں مقتدی بھی سورۂ فاتحہ پڑھتے جائیں۔ کیونکہ سورۂ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس طرح وقفوں اور سکتات میں سورۂ فاتحہ پڑھنے سے استماع اور انصات کی بھی خلاف ورزی نہیں ہوتی اور حدیث پر بھی عمل ہو جاتا ہے، ہاں! البتہ سورۂ فاتحہ کے علاوہ کچھ اور پڑھنا جائز نہیں۔ (ص۔ی)

کے اوقات میں' خاص طور پر دن کے دونوں کناروں میں' نہایت اخلاص' خشوع وخضوع' عاجزی' تذلل کے ساتھ' پرسکون حالت میں' قلب ولسان کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرتے ہوئے' نہایت ادب ووقار سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اور بہت توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس سے دعا کی جائے۔ غفلت کو دور کر کے حضور قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے' کیونکہ اللہ تعالیٰ غافل اور مشغول دل کے ساتھ کی ہوئی دعا کو قبول نہیں فرماتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ اس کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو ہمیشہ اس کی عبادت اور خدمت میں مصروف رہتے ہیں ۔۔۔ اور وہ ہیں اللہ تعالیٰ کے فرشتے ۔۔۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری کثرت عبادت سے کوئی کمی پوری کرنی چاہتا ہے نہ تمہاری عبادت کے ذریعے سے ذلت سے نکل کر معزز ہونا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری عبادت کے ذریعے سے تمہیں ہی فائدہ دینا چاہتا ہے تاکہ تم اس کے ہاں اپنے اعمال سے کئی گنا زیادہ نفع حاصل کر سکو۔ بنابریں فرمایا: ﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ رَبِّكَ ﴾ ''وہ لوگ جو آپ کے رب کے پاس ہیں'' یعنی اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے' عرش الٰہی کو اٹھانے والے فرشتے اور اس کے اشراف فرشتے ﴿ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ ﴾ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے'' بلکہ اس کی عبادت کے لیے سرافگندہ اور اپنے رب کے احکام کے سامنے مطیع ہیں ﴿ وَیُسَبِّحُوْنَهٗ ﴾ ''اور اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔'' رات دن اس کی تسبیح میں مگن رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی نہیں کرتے۔ ﴿ وَلَهٗ ﴾ ''اور اس کے لیے۔'' یعنی اللہ وحدہ لاشریک کے لیے ﴿ یَسْجُدُوْنَ ﴾ ''سجدے کرتے ہیں۔'' پس بندوں کو ان ملائکہ کرام کی پیروی کرنی چاہئے اور ہمیشہ اللہ' علم والے بادشاہ حقیقی کی عبادت میں مصروف رہنا چاہئے۔

تفسیر سورۃ الانفال

سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ (٨) مَدَنِيَّةٌ (٨٨) — بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ — اٰيَاتُهَا ٧٥ رُكُوْعَاتُهَا ١٠

اللہ کے نام سے (شروع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا

سوال کرتے ہیں وہ آپ سے غنیمتوں کے بارے میں' کہہ دیجیے! غنیمتیں اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں' پس ڈرو تم اللہ سے اور اصلاح کر لو تم

ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ① اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

اپنی آپس میں' اور اطاعت کرو تم اللہ کی اور اس کے رسول کی اگر ہو تم مومن ○ یقیناً (کامل) مومن

الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ

تو وہ لوگ ہیں کہ جب ذکر کیا جائے اللہ کا تو ڈر جاتے ہیں دل ان کے اور جب تلاوت کی جاتی ہیں اوپر ان کے اس کی آیتیں تو زیادہ کر دیتی ہیں وہ ان کو

اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ۚ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا

ایمان میں اور اوپر اپنے رب ہی کے وہ توکل کرتے ہیں ○ وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں نماز اور اس سے جو

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

رزق دیا ہم نے ان کو وہ خرچ کرتے ہیں ○ یہی لوگ ہیں مومن سچے ان کے لیے درجے ہیں نزدیک ان کے رب کے

وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۚ ﴿۴﴾

اور بخشش ہے اور رزق باعزت ○

﴿ الْاَنْفَالِ ﴾ سے مراد غنائم ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کفار کے مال میں سے اس امت کو عطا کی ہیں۔ اس سورۂ مبارکہ کی یہ آیات کریمات غزوۂ بدر کے بارے میں نازل ہوئیں۔ غزوۂ بدر میں مسلمانوں کو کفار سے اولین مال غنیمت حاصل ہوا' تو اس کے بارے میں بعض مسلمانوں میں نزاع واقع ہو گیا چنانچہ انہوں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

﴿ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ﴾ ''وہ آپ سے غنیمتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں'' ان کو کیسے تقسیم کیا جائے اور انہیں کن لوگوں میں تقسیم کیا جائے۔ ﴿ قُلِ ﴾ آپ ان سے کہہ دیجیے! ﴿ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ﴾ ''غنیمتیں اللہ اور رسول کے لیے ہیں'' وہ جہاں چاہیں گے ان غنائم کو خرچ کریں گے۔ پس تمہیں اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں' بلکہ تم پر فرض ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دیں تو تم ان کے فیصلے پر راضی رہو اور ان کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دو اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں داخل ہے۔ ﴿ فَاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ''پس اللہ سے ڈرو'' اس کے احکام کی تعمیل اور اس کے نواہی سے اجتناب کر کے۔ ﴿ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ ﴾ ''اور صلح کرو آپس میں'' یعنی تم آپس کے بغض' قطع تعلقی اور ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرنے کی' آپس کی مودت' محبت اور میل جول کے ذریعے سے اصلاح کرو۔ اس طرح تم میں اتفاق پیدا ہو گا اور قطع تعلق' مخاصمت اور آپس کے لڑائی جھگڑے کی وجہ سے جو نقصان پہنچا ہے اس کا ازالہ ہو جائے گا۔ آپس کے معاملات کی اصلاح میں حسن اخلاق اور برا سلوک کرنے والوں سے درگزر کا بہت بڑا دخل ہے اس سے دلوں کا بغض اور نفرت دور ہو جاتی ہے اور ان تمام باتوں کی جامع بات یہ ہے ﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو' اگر تم مومن ہو'' کیونکہ ایمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا تقاضا کرتا ہے جیسے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت نہیں کرتا وہ مومن نہیں' جس کی اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول ناقص ہے اس کا ایمان بھی اتنا ہی ناقص ہے۔

چونکہ ایمان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایمان کامل، جس پر مدح وثنا اور کامل فوز وفلاح مترتب ہوتی ہے۔

(۲) ناقص ایمان۔

تو اس کامل ایمان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ "مومن تو صرف وہ ہیں" الف لام استغراق کے لیے ہے جو تمام شرائع ایمان کو شامل ہے ﴿الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ﴾ "کہ جب ذکر کیا جائے اللہ کا تو ڈر جائیں دل ان کے" یعنی ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور یہ ڈر خشیت الٰہی اور محارم سے اجتناب کا موجب بنتا ہے، کیونکہ خوف الٰہی گناہوں سے باز آنے کی سب سے بڑی علامت ہے۔

﴿وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا﴾ "اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جائیں تو زیادہ کر دیتی ہیں ان کو ایمان میں" اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آیات الٰہی کو حضور قلب کے ساتھ غور سے سنتے ہیں تاکہ وہ ان میں غور و فکر کریں جس سے ان کے ایمان میں اضافہ ہو کیونکہ تدبر، اعمال قلوب میں شمار ہوتا ہے، نیز ان کے لیے معانی کی بھی توضیح ہوتی ہے جن سے وہ لاعلم ہیں اور ان کو ان امور کی یاددہانی ہوتی ہے جن کو وہ فراموش کر چکے ہیں یا ان کے دلوں میں نیکیوں کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور اپنے رب کے اکرام و تکریم کے حصول کا شوق پیدا ہوتا ہے یا ان کے دل میں عذاب سے خوف اور معاصی سے ڈر پیدا ہوتا ہے اور ان تمام امور سے ایمان بڑھتا ہے۔

﴿وَّعَلٰى رَبِّهِمْ﴾ "اور اپنے رب پر" یعنی اپنے رب وحدہ لاشریک پر ﴿يَتَوَكَّلُوْنَ﴾ "وہ بھروسہ کرتے ہیں" یعنی اپنے مصالح کے حصول اور دینی اور دنیاوی مضرتوں کو دور کرنے میں اپنے دلوں میں اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور انہیں پورا وثوق ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ کام ضرور کرے گا۔ توکل ہی انسانوں کو تمام اعمال پر آمادہ کرتا ہے، توکل کے بغیر اعمال وجود میں آتے ہیں نہ تکمیل پا سکتے ہیں۔

﴿الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ "جو نماز پڑھتے ہیں۔" فرض اور نفل نماز کو اس کے ظاہری اور باطنی اعمال، مثلاً حضور قلب، جو کہ نماز کی روح اور اس کا مغز ہے، کے ساتھ قائم کرتے ہیں۔ ﴿وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ﴾ "اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے، اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں" یعنی وہ نفقات واجبہ مثلاً زکوٰۃ، کفارہ، بیویوں، اقارب اور غلاموں پر خرچ کرتے ہیں اور نفقات مستحبہ مثلاً بھلائی کے تمام راستوں میں صدقہ کرتے ہیں۔

﴿اُولٰٓئِكَ﴾ یعنی وہ لوگ جو ان صفات سے متصف ہیں ﴿هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا﴾ "وہی حقیقی مومن ہیں" کیونکہ انہوں نے اسلام اور ایمان، اعمال باطنہ اور اعمال ظاہرہ، علم اور عمل اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کو جمع کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اعمال قلوب کو مقدم رکھا ہے، کیونکہ اعمال قلوب، اعمال جوارح کی بنیاد اور ان سے افضل ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ نیکی کے افعال سے ایمان بڑھتا ہے

اور اس کے متضاد افعال سے ایمان گھٹتا ہے' نیز بندے کو چاہیے کہ وہ اپنے ایمان کی حفاظت کرے اور اس کو نشوونما دے اور یہ مقصد کتاب اللہ میں تدبر اور اس کے معانی میں غور و فکر کرنے سے بدرجہ اولیٰ حاصل ہوتا ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے حقیقی ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ''اور ان کے لیے ان کے رب کے ہاں درجات ہیں۔'' یعنی ان کے اعمال کے مطابق ان کے درجات بلند ہوں گے۔ ﴿وَمَغْفِرَةٌ﴾ اور ان کے گناہوں کی بخشش ﴿وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ﴾ ''اور عزت کی روزی۔'' یہ وہ روزی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اکرام و عزت والے گھر میں اہل ایمان کے لیے تیار کر رکھی ہے جو کسی آنکھ نے دیکھی ہے نہ کسی کان نے سنی ہے اور نہ کسی بشر کا طائر خیال وہاں تک پہنچا ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کوئی ایمان میں ان کے درجے تک نہیں پہنچ پاتا' وہ اگرچہ جنت میں داخل ہو جائے گا مگر اللہ تعالیٰ کی کرامت تامہ جو انہیں حاصل ہوئی ہے' اسے حاصل نہیں ہوگی۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۠ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ

جس طرح کہ نکالا تھا آپ کو آپ کے رب نے آپ کے گھر سے ساتھ حق کے' اور بلاشبہ کچھ لوگ مومنوں میں سے

لَكٰرِهُوْنَ ۝۵ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ

البتہ ناپسند کرتے تھے ○ وہ جھگڑتے تھے آپ سے حق میں بعد اسکے کہ واضح ہوگیا تھا وہ' گویا کہ ہانکے جارہے ہیں وہ موت کی طرف'

وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝۶ وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ

اور وہ دیکھ رہے ہیں (اسے) ○ اور جب وعدہ کر رہا تھا تم سے اللہ دو گروہوں میں سے ایک کا کہ یقیناً وہ تمہارے لیے ہے

وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ

اور تم چاہتے تھے کہ جو غیر مسلح (گروہ) ہے وہی ہو تمہارے لیے' اور چاہتا تھا اللہ کہ وہ ثابت کر دکھائے

الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ

حق کو ساتھ اپنے حکموں کے اور کاٹ دے جڑ کافروں کی ○ تاکہ وہ حق کر دکھائے حق کو اور باطل کر دکھائے

الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸

باطل کو' اگرچہ ناپسند کریں (اسے) مجرم لوگ ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس عظیم اور مبارک غزوہ کے ذکر سے قبل' اہل ایمان کی صفات بیان فرمائی ہیں جن کو انہیں اختیار کرنا چاہیے' کیونکہ جو کوئی ان صفات کو اختیار کرتا ہے' اس کے احوال میں استقامت آجاتی ہے اور اس کے اعمال درست ہو جاتے ہیں۔ جن میں سب سے بڑا عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ پس جیسے ان کا ایمان' سچا اور حقیقی ایمان ہے' ان کے لیے جزا بھی حقیقی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے

رسول ﷺ کو بدر کے مقام پر مشرکین کے ساتھ معرکہ آرائی کرنے کے لیے اس حق کے ساتھ باہر نکالا' جس حق کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور اس معرکے کو اللہ تعالیٰ نے مقدر کر رکھا تھا اگرچہ گھر سے نکلنا اور اپنے دشمن کے خلاف لڑنا کبھی ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آیا تھا۔

جب ان پر یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ معرکہ ہو کر رہے گا تو مومنوں میں سے ایک گروہ نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے جھگڑنا شروع کر دیا' وہ دشمن کا مقابلہ کرنے کو ناپسند کرتے تھے' گویا کہ ان کو' ان کے دیکھتے ہوئے' موت کی طرف دھکیلا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ رویہ ان کو زیب نہیں دیتا تھا خاص طور پر جب ان پر واضح ہو گیا تھا کہ ان کا گھر سے نکلنا حق پر مبنی ہے' یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور وہ اس پر راضی ہے۔ اس صورت حال میں یہ بحث کرنے کا مقام نہیں تھا بحث کرنے کا محل و مقام وہ ہوتا ہے جہاں حق میں اشتباہ اور معاملے میں التباس ہو' وہاں بحث کرنا مفید ہوتا ہے' لیکن جب حق واضح اور ظاہر ہو جائے تو اس کی اطاعت اور اس کے سامنے سرافگندہ ہونے کے سوا کوئی اور صورت نہیں رہتی۔ یہ تو تھی ان لوگوں کی بات' مگر اکثر اہل ایمان نے اس بارے میں کسی قسم کی بحث نہیں کی اور نہ انہوں نے دشمن کا مقابلہ کرنے کو ناپسند کیا۔ اس طرح وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا تھا انہوں نے جہاد کے لیے سرِ تسلیم خم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ثابت قدمی عطا فرمائی اور ان کو وہ اسباب مہیا فرمائے جن سے ان کے دل مطمئن ہو گئے۔ جیسا کہ ان میں سے بعض اسباب کا ذکر آئندہ سطور میں آئے گا۔

ان کا مدینہ منورہ سے باہر نکلنے کا اصل مقصد تو اس تجارتی قافلے کا راستہ روکنا تھا جو ابوسفیان کی قیادت میں قریش کا سامان تجارت لے کر شام گیا تھا' یہ ایک بہت بڑا قافلہ تھا۔ جب مسلمانوں کو قریش کے قافلے کی واپسی کی اطلاع ملی تو رسول اللہ ﷺ نے اس قافلے کو روکنے کے لیے مسلمانوں کو اکٹھا کیا چنانچہ آپ کے ساتھ تین سو سے کچھ زائد مسلمان مدینہ منورہ سے نکلے۔ ستر اونٹوں کے ساتھ' جن پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے اور ان پر انہوں نے اپنا سامان لادا ہوا تھا۔ قریش کو بھی مسلمانوں کے باہر نکلنے کی خبر پہنچ گئی' وہ اپنے تجارتی قافلے کو بچانے کے لیے کثیر تعداد میں جنگی ساز و سامان کی پوری تیاری' گھوڑ سواروں اور پیادوں کے ساتھ مکہ سے نکلے۔ ان کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے ساتھ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ ان دونوں گروہوں' یعنی قافلہ یا فوج' میں سے ایک کے مقابلے میں ان کو فتح سے نوازے گا۔ مسلمانوں نے اپنی تنگ دستی کی وجہ سے قافلے کے ملنے کو پسند کیا' نیز قافلہ والوں کے پاس طاقت بھی زیادہ نہیں تھی مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے لیے اس امر کو پسند کیا جو اس سے اعلیٰ و افضل تھا جسے مسلمان پسند کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ کفار کی فوج کے مقابلے میں ظفریاب ہوں جس کے اندر کفار کے بڑے بڑے سردار اور بہادر شہسوار لڑنے کے لیے آئے تھے۔

﴿ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَتِهِ ﴾ ''اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کر دے حق کو اپنے کلمات سے'' پس اس

طرح وہ اہل حق کی مدد فرماتا ہے ﴿ وَيَقْطَعَ دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ "اور کاٹ ڈالے جڑ کافروں کی" یعنی وہ اہل باطل کا استیصال کرتا ہے اور اپنے بندوں کو نصرت حق کا ایسا معاملہ دکھاتا ہے کہ جس کے بارے میں کبھی ان کے دل میں خیال بھی نہیں گزرا ہوتا ﴿ لِيُحِقَّ الْحَقَّ ﴾ "تاکہ حق کو ثابت کر دے۔" حق کی صحت اور صداقت کے شواہد اور براہین کو ظاہر کر کے۔ ﴿ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ ﴾ "اور باطل کو باطل کر دے۔" اس کے بطلان پر دلائل اور شواہد قائم کر کے۔ ﴿ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴾ "خواہ مجرموں کو یہ بات ناپسند ہی کیوں نہ ہو" پس اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پروا نہیں۔

اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

جب فریاد کر رہے تھے تم اپنے رب سے پس قبول کر لی اس نے (فریاد) تمہاری کہ بیشک میں امداد کروں گا تمہاری ساتھ ایک ہزار فرشتوں کے

مُرْدِفِيْنَ ﴿۹﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ ۚ

ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے ○ اور نہیں بنایا اس (مدد) کو اللہ نے مگر خوشخبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع اِذْ يُغَشِّيْكُمُ

اور نہیں ہے نصرت مگر اللہ ہی کے پاس سے بلاشبہ اللہ غالب ہے خوب حکمت والا ○ (یاد کرو) جب طاری کر رہا تھا (اللہ) تم پر

النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ

اونگھ امن دینے کے لیے اپنی طرف سے اور نازل فرما رہا تھا تم پر آسمان سے پانی (بارش) تاکہ وہ پاک کر دے تمہیں اسکے ساتھ

وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ

اور لے جائے تم سے نجاست شیطان کی اور تاکہ مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور تاکہ ثابت رکھے اس کی وجہ سے

الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ

قدموں کو ○ (یاد کرو) جب وحی کر رہا تھا آپ کا رب طرف فرشتوں کی کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں پس ثابت (قدم) رکھو تم انکو

اٰمَنُوْا ؕ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ

جو ایمان لائے عنقریب ڈالوں گا میں دلوں میں ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا رعب۔ پس مارو تم اوپر

الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ

(ان کی) گردنوں کے اور ضرب لگاؤ ان کی (ہر) ہر پور پر ○ یہ اس لیے کہ بلاشبہ انہوں نے مخالفت کی اللہ

وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾

اور اس کے رسول کی اور جو کوئی مخالفت کرے اللہ اور اس کے رسول کی تو یقیناً اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

یہ (سزا) پس چکھو تم اس کو اور بے شک کافروں کے لیے عذاب ہے آگ کا ○

یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب اس نے دشمنوں کے ساتھ تمہاری مڈ بھیڑ کو یقینی اور قریب کر دیا' تو تم نے اپنے رب کو مدد کے لیے پکارا اور اس سے اعانت اور نصرت کے طلب گار ہوئے۔ ﴿فَاسْتَجَابَ لَكُمْ﴾ "پس اس نے تمہاری پکار کا جواب دیا" اور متعدد امور کے ساتھ تمہاری مدد فرمائی' مثلاً اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کے لیے فرشتوں کو بھیجا۔ ﴿بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ﴾ "ہزار فرشتے لگاتار آنے والے" یعنی وہ پے در پے ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے تھے۔ ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ﴾ "اور نہیں بنایا اس کو اللہ نے" یعنی فرشتوں کے نازل کرنے کو ﴿إِلَّا بُشْرَىٰ﴾ "مگر خوش خبری" تاکہ اس سے تمہارے دل خوشی حاصل کریں۔ ﴿وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ﴾ "اور تمہارے دل مطمئن ہوں" ورنہ فتح و نصرت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے' فتح کثرت تعداد اور ساز و سامان سے حاصل نہیں ہوتی۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ﴾ "بے شک اللہ غالب ہے۔" کوئی اس پر غالب نہیں آ سکتا بلکہ وہی غالب ہے وہ جن لوگوں سے علیحدہ ہو کر ان کی مدد چھوڑ دیتا ہے خواہ ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ اور آلات حرب خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں (غلبہ حاصل نہیں کر سکتے) ﴿حَكِيمٌ﴾ "حکمت والا ہے۔" کیونکہ اس نے تمام امور کو ان کے اسباب کے ساتھ مقدر کیا ہے اور اس نے ہر چیز کو اس مقام پر رکھا ہے جو اس کے لیے مناسب ہے۔

اس کی فتح و نصرت اور تمہاری دعا کی قبولیت یہ ہے کہ اس نے تم پر اونگھ نازل کر دی ﴿إِذْ يُغَشِّيكُمُ﴾ "جو تمہیں ڈھانپ رہی تھی۔" یعنی تمہارے دل میں جو ڈر اور خوف تھا اسے دور کر رہی تھی۔ ﴿أَمَنَةً﴾ "تمہارے لئے سکون کا باعث' فتح و نصرت اور اطمینان کی علامت تھی۔ اور اس کی نصرت ہی کی ایک صورت یہ تھی کہ اس نے تم پر آسمان سے بارش نازل کی' تاکہ تم سے ناپاکی اور گندگی دور کر کے تمہیں پاک کرے اور شیطانی وسوسوں اور اس کی نجاست سے تمہاری تطہیر کرے۔ ﴿وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ﴾ "اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے۔" یعنی دلوں کو مضبوطی اور ثابت بخشے کیونکہ دل کی مضبوطی بدن کی مضبوطی ہے۔ ﴿وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ﴾ "اور جما دے اس کے ذریعے سے تمہارے قدم" کیونکہ زمین ہموار اور نرم تھی جب اس پر بارش نازل ہوئی تو سخت اور ٹھوس ہو گئی اور قدم مضبوطی سے جمنے لگے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت تھی کہ اس نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی۔ ﴿أَنِّي مَعَكُمْ﴾ "کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔" یعنی میری مدد' نصرت اور تائید تمہارے ساتھ ہے۔ ﴿فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ "پس ثابت رکھو تم دل ایمان والوں کے" یعنی دشمن کے مقابلے میں ان کے دلوں کو مضبوط کرو اور ان کے دلوں کو جرأت سے لبریز کر دو اور انہیں جہاد کی ترغیب دو ﴿سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ "میں ڈال دوں گا کافروں کے دلوں میں دہشت" جو کافروں کے مقابلے میں تمہارا سب سے بڑا لشکر ہے' کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ثابت قدمی عطا کرتا ہے اور کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے تو کفار ثابت قدم نہیں رہ سکتے اور اللہ تعالیٰ ان کی گردنیں اہل ایمان کے

قبضے میں دے دیتا ہے۔ ﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ﴾ ''پس تم انکی گردنیں مارو'' ﴿وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾ ''اور کاٹو ان کی پور پور'' یعنی ان کے جوڑ جوڑ پر ضرب لگاؤ۔۔۔ یہ خطاب یا تو ان فرشتوں سے ہے جن کی طرف وحی کی گئی تھی کہ وہ اہل ایمان کے دل مضبوط کریں' تب یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غزوہ بدر میں فرشتے قتال میں شریک ہوئے۔۔۔ یا یہ خطاب اہل ایمان سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا حوصلہ بڑھاتا ہے اور انہیں تعلیم دیتا ہے کہ وہ مشرکین کو کیسے قتل کریں اور یہ کہ وہ ان پر رحم نہ کریں۔

﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاۗقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ﴾ ''یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔'' یعنی یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کی اور ان کے ساتھ عداوت کا اظہار کیا۔ ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ ''اور جو مخالف ہوا اللہ اور اس کے رسول کا' تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے'' اور یہ بھی اس کا عذاب ہی ہے کہ اس نے اپنے اولیاء کو اپنے اعداء پر مسلط کیا اور ان کے ہاتھوں قتل کروایا۔ ﴿ذٰلِكُمْ﴾ یہ عذاب مذکور ﴿فَذُوْقُوْهُ﴾ ''پس چکھو تم اس کو'' اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والو! (اس دنیا کے) فوری عذاب کا مزا چکھ لو ﴿وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ﴾ ''اور کافروں کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔''

اس قصہ میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانیاں ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جو کچھ محمد رسول اللہ ﷺ لے کر تشریف لائے ہیں' وہ حق ہے۔

(۱) اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان کے ساتھ ایک وعدہ کیا اور یہ وعدہ پورا کر دیا۔

(۲) اس میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ﴾ (آل عمران: ۱۳/۳) ''تمہارے لئے ان دو گروہوں میں (جنگ بدر میں) جن کی مڈبھیڑ ہوئی ایک نشانی تھی ایک گروہ وہ تھا جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا' وہ اپنی آنکھوں سے انہیں اپنے سے دوگنا مشاہدہ کر رہے تھے''۔

(۳) جب اہل ایمان نے اللہ تعالیٰ کو مدد کے لیے پکارا تو اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کے ذریعے سے ان کی دعا قبول فرمائی جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن بندوں کے حال اور ان اسباب کے مقدر کرنے کے ساتھ بڑا اعتناء پایا جاتا ہے جن کے ذریعے سے اہل ایمان کے ایمان مضبوط اور ان میں ثابت قدمی پیدا ہوا اور ان سے تمام ناپسندیدہ امور اور شیطانی وسوسے دور ہوں۔

(۴) یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر لطف و کرم ہے کہ وہ داخلی اور خارجی اسباب کے ذریعے سے اس کے لئے اطاعت کے راستوں کو آسان اور سہل کر دیتا ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب ملو تم ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا' اکٹھے ہو کر' تو نہ پھیرو ان سے (اپنی)

الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ

پیٹھیں ○ اور جو شخص پھیرے گا ان سے اس دن اپنی پیٹھ' سوائے اس شخص کے جو پینترا بدلنے والا ہو لڑائی کے لیے

اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ

یا پناہ پکڑنے والا ہو طرف (اپنی) کسی جماعت کی' تو یقیناً لوٹا وہ شخص ساتھ غضب کے اللہ کے' اور اس کا ٹھکانا

جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

جہنم ہے' اور بری ہے وہ جگہ پھرنے کی ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے اہل ایمان بندوں کو شجاعت ایمانی' اللہ کے معاملے میں قوت اور دلوں اور جسموں کو مضبوط کرنے والے اسباب فراہم کرنے کا حکم دیا ہے اور جب دونوں فوجوں کے درمیان معرکہ ہو تو میدان جنگ سے فرار ہونے سے منع کیا ہے۔ ﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا﴾ ''اے ایمان والو! جب بھڑو تم کافروں سے میدان جنگ میں'' یعنی جب لڑائی کے لیے صف بندی ہو چکی ہو' فوجیں ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہی ہوں اور جنگجو ایک دوسرے کے قریب آ چکے ہوں' ﴿فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ﴾ ''تو پھر کفار کے سامنے پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو'' بلکہ ان سے لڑنے کے لیے ثابت قدمی سے ڈٹ جاؤ اور ان کی قوت اور حملے کا صبر سے مقابلہ کرو' کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت' اہل ایمان کے دلوں کی مضبوطی اور دشمنوں کو خوف زدہ کرنے کا باعث ہو گی۔

﴿وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَىِٕذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ﴾ ''اور جو کوئی پیٹھ پھیرے ان سے اس دن' مگر یہ کہ ہنر کرتا ہو لڑائی کا یا جا ملتا ہو فوج میں' تو پھر وہ'' یعنی وہ لوٹا ﴿بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ﴾ ''اللہ کا غضب لے کر اور اس کا ٹھکانا'' ﴿جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ﴾ ''جہنم ہے اور وہ کیا برا ٹھکانا ہے'' یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ کسی عذر کے بغیر' میدان جنگ سے فرار ہونا سب سے بڑا گناہ ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے اور جیسا کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرار ہونے والے کے لیے سخت وعید سنائی ہے۔

اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ جنگی چال کے طور پر میدان جنگ سے ہٹنے میں' یعنی میدان جنگ میں ایک جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ جا کر لڑنا تاکہ اس جنگی چال میں دشمن کو زک پہنچا سکے' کوئی حرج نہیں' کیونکہ وہ میدان جنگ

سے منہ موڑ کر نہیں بھاگا بلکہ اس نے دشمن پر غالب آنے کے لیے ایسا کیا ہے' یا اس نے کسی پہلو سے دشمن پر حملہ کرنے کے لیے' یا دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے یہ چال چلی ہے' یا دیگر جنگی مقاصد کے لیے ایسا کیا ہے۔ اسی طرح کفار کے خلاف کمک کے طور پر ایک جماعت سے علیحدہ ہو کر دوسری جماعت میں جا کر ملنا بھی جائز ہے۔

اگر لشکر کا وہ گروہ جس کے ساتھ یہ گروہ جا کر ملا ہے' میدان جنگ میں موجود ہے تو ایسا کرنے کا جواز بالکل واضح ہے اور اگر وہ گروہ مقام معرکہ کی بجائے کسی اور مقام پر ہے' مثلاً مسلمانوں کا کفار کے مقابلے سے کسی ایک شہر سے پسپا ہو کر مسلمانوں کے کسی دوسرے شہر میں پناہ لینا یا ایک میدان جنگ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ دشمن پر حملہ آور ہونا' تو اس بارے میں صحابہ کرامؓ سے جو آراء منقول ہوئی ہیں وہ اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ شاید پسپائی اس شرط سے مشروط ہے کہ مسلمان سمجھتے ہوں کہ پسپائی انجام کار ان کے لیے بہتر اور دشمن کے مقابلے میں زیادہ مفید ہو اور اگر وہ یہ سمجھتے ہوں کہ میدان جنگ میں جمے رہنے سے کفار پر ان کو غلبہ حاصل ہو جائے گا تو اس صورت حال میں یہ بعید ہے کہ پسپائی کا جواز ہو' کیونکہ تب میدان جنگ سے فرار ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے' جس سے روکا گیا ہے۔ یہ آیت کریمہ مطلق ہے۔ (یعنی فرار کی ہر صورت ممنوع ہے) البتہ سورت کے آخر میں اس کو تعداد کے ساتھ مشروط کرنے کا بیان ہے۔ (دیکھیے آیت نمبر ۶۶ کی تفسیر)

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ ۠ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ

پس نہیں قتل کیا تم نے انہیں لیکن اللہ ہی نے قتل کیا ہے انہیں' اور نہیں پھینکی تھی آپ نے (مٹھی بھر خاک) جبکہ پھینکی تھی آپ نے' لیکن

اللّٰهَ رَمٰى ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ⑰

اللہ ہی نے پھینکی تھی وہ' اور تاکہ نوازے وہ مومنوں کو اپنی طرف سے اچھے انعام سے' یقیناً اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے ○

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ⑱ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ

یہ تھی (حکمت) اور بے شک اللہ کمزور کرنے والا ہے تدبیر کافروں کی ○ اگر طلب کرتے ہو تم فیصلہ تو تحقیق آ گیا ہے تمہارے پاس

الْفَتْحُ ۚ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ ۚ وَلَنْ تُغْنِيَ

فیصلہ اور اگر باز آ جاؤ تم تو وہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے' اور اگر تم پھر ایسا کرو گے تو ہم بھی دوبارہ ایسا ہی کریں گے اور ہرگز نہیں فائدہ دے گی

عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ⑲ ع

تمہیں تمہاری جماعت کچھ اگرچہ وہ کثیر ہی ہو اور یقیناً اللہ ساتھ ہے مومنوں کے ○

جب غزوۂ بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی اور مسلمانوں نے ان کو قتل کیا' تو اس ضمن میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ﴾ "تم نے ان کو قتل نہیں کیا" یعنی تم نے اپنی قوت سے ان کو قتل نہیں کیا ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ﴾ "لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا" کیونکہ ان کے قتل پر اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی تھی' جیسا کہ گزشتہ سطور میں گزرا۔

﴿ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ﴾ ''اور آپ نے نہیں پھینکی مٹھی خاک کی جس وقت کہ پھینکی تھی' لیکن اللہ نے پھینکی''۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب معرکہ شروع ہوا تو رسول اللہ ﷺ ایک خیمہ میں چلے گئے اور اللہ تعالیٰ سے قسمیں دے دے کر فتح ونصرت کے لیے دعائیں کرنے لگے' پھر خیمے سے باہر تشریف لائے' آپ ﷺ نے خاک کی ایک مٹھی اٹھا کر کفار کے چہروں کی طرف پھینکی اور اللہ تعالیٰ نے یہ خاک ان کے چہروں تک پہنچا دی' ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کے چہرے' منہ اور آنکھوں میں یہ خاک نہ پڑی ہو۔ پس اس وقت ان کی طاقت ٹوٹ گئی' ان کے ہاتھ شل ہوگئے' ان کے اندر کمزوری اور بزدلی ظاہر ہوئی پس وہ شکست کھا گئے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ''جب آپ نے کفار کی طرف خاک کی مٹھی پھینکی تو آپ نے اپنی قوت سے یہ خاک ان کے چہروں تک نہیں پہنچائی تھی' بلکہ ہم نے اپنی قوت اور قدرت سے یہ خاک ان کے چہروں تک پہنچائی''۔

﴿ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ﴾ ''اور تاکہ اللہ آزمائے مومنوں کو اپنی طرف سے خوب آزمانا'' یعنی براہ راست لڑائی کے بغیر اللہ تعالیٰ کفار کے مقابلے میں اہل ایمان کی مدد کرنے پر قادر ہے مگر اللہ تعالیٰ مومنوں کا امتحان لینا اور جہاد کے ذریعے سے انہیں بلند ترین درجات اور اعلیٰ ترین مقامات پر فائز کرنا' نیز انہیں اجر حسن اور ثواب جزیل عطا کرنا چاہتا ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ ''بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔'' بندہ جو بات چھپا کر کرتا ہے یا اعلانیہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب سنتا ہے۔ بندے کے دل میں جو اچھی یا بری نیت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم وحکمت اور بندوں کے مصالح کے مطابق ان کی تقدیر مقرر کرتا ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق جزا دیتا ہے۔ ﴿ ذٰلِكُمْ ﴾ یہ فتح ونصرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''اور بلاشبہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کر دینے والا ہے۔'' یعنی کفار اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو مکروفریب اور سازشیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی چالوں کو کمزور کرتا ہے اور انہی کو ان کی چالوں میں پھنسا دیتا ہے۔ ﴿ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا ﴾ ''اور اگر تم چاہتے ہو فیصلہ'' اے مشرکو! اگر تم اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کرتے ہو کہ وہ ظلم وتعدی کا ارتکاب کرنے والوں پر اپنا عذاب نازل کردے۔ ﴿ فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ ﴾ ''تو تحقیق آ چکا تمہارے پاس فیصلہ'' یعنی جب اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنا عذاب نازل کیا جو تمہارے لئے سزا اور متقین کے لیے عبرت ہے ﴿ وَاِنْ تَنْتَهُوْا ﴾ ''اور اگر تم باز آ جاؤ۔'' یعنی اگر تم فیصلہ چاہنے سے باز آ جاؤ۔ ﴿ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ﴾ ''تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے'' کیونکہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ تمہیں مہلت دیتا ہے اور تمہیں فوراً سزا نہیں دیتا۔

﴿ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ﴾ ''اور تمہاری جماعت خواہ کتنی ہی کثیر ہو تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گی۔'' یعنی وہ انصار واعوان تمہارے کچھ کام نہ آئیں گے جن کے بھروسے پر تم جنگ کر رہے ہو' چاہے وہ کتنے ہی زیادہ ہوں۔ ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''اور اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے'' اور اللہ تعالیٰ جن کے ساتھ

ہوتا ہے وہی فتح ونصرت سے نوازے جاتے ہیں خواہ وہ کمزور اور تعداد میں کم ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ معیت، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے اہل ایمان کی تائید فرماتا ہے' ان کے اعمالِ ایمان کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر بعض اوقات دشمنوں کو اہل ایمان پر فتح حاصل ہوتی ہے تو یہ اہل ایمان کی کوتاہی' واجبات ایمان اور اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ورنہ اگر وہ ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کریں تو ان کا پرچم کبھی سرنگوں نہ ہو اور دشمن کو کبھی ان پر غالب آنے کا موقع نہ ملے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نہ منہ پھیرو تم اس سے جب کہ تم

تَسْمَعُوْنَ ۝٢٠ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝٢١

سن رہے ہو ○ اور نہ ہو تم مانند ان لوگوں کی جنھوں نے کہا تھا سن لیا ہم نے حالانکہ وہ نہیں سنتے تھے ○

چونکہ اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ اہل ایمان کے ساتھ ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں جن سے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ "اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی" یعنی ان کے اوامر کی پیروی اور ان کے نواہی سے اجتناب کر کے ﴿ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ ﴾ "اور اس سے روگردانی نہ کرو" یعنی اس معاملے سے منہ نہ موڑو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے۔ ﴿ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴾ "اور تم سنتے ہو" حالانکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی کتاب' اس کے اوامر' اس کی وصیتوں اور اس کی نصیحتوں کی جو تلاوت کی جاتی ہے' تم اسے سنتے ہو۔ اس حال میں تمہارا اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑنا بدترین حال ہے۔

﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴾ "اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا اور وہ سنتے نہیں" یعنی مجرد خالی خولی دعووں پر اکتفا نہ کرو جن کی کوئی حقیقت نہیں' کیونکہ یہ ایسی حالت ہے جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی نہیں۔ ایمان محض تمناؤں اور دعووں سے مزین ہونے کا نام نہیں ہے' بلکہ ایمان وہ ہے جو دل میں جاگزیں ہو اور اعمال اس کی تصدیق کریں۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ۝٢٢ وَلَوْ عَلِمَ

بے شک بدترین' زمین پر چلنے والے اللہ کے نزدیک وہ بہرے گونگے ہیں جو نہیں عقل رکھتے ○ اور اگر جانتا

اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ ؕ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝٢٣

اللہ ان میں کوئی بھلائی تو البتہ سنوا دیتا وہ انہیں' اور اگر سنواتا وہ انہیں تو ضرور منہ پھیر لیتے وہ' اور وہ اعراض کرنے والے ہوتے ○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ "سب جان داروں سے بدتر اللہ کے ہاں" جن کو معجزات

اور ڈرانے والے کوئی فائدہ نہیں دیتے' وہ ہیں جو ﴿الصُّمُّ﴾ حق سننے سے بہرے ہیں۔ ﴿الْبُكْمُ﴾ حق بولنے سے گونگے ہیں ﴿الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ وہ کسی ایسی چیز کو سمجھ نہیں سکتے جو ان کو فائدہ دیتی ہے اور نہ اسے اس چیز پر ترجیح دے سکتے ہیں جو انہیں نقصان دیتی ہے۔

یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں بدترین چوپاؤں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کان' آنکھ اور عقل سے نوازا تاکہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے راستے میں استعمال کریں' مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ان نعمتوں کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی راہ میں استعمال کیا اور اس وجہ سے وہ خیر کثیر سے محروم ہو گئے۔ ان کو چاہیے تھا کہ وہ بہترین مخلوق بننے کی کوشش کرتے مگر انہوں نے اس راستے پر چلنے سے انکار کر دیا اور انہوں نے بدترین مخلوق بننا پسند کیا۔

وہ سماعت' جس کی اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں نفی کی ہے' وہ ہے دل میں اثر کرنے والے معانی کی سماعت۔۔۔ رہی سماعت حجت تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جو آیات سنی ہیں اس کی وجہ سے ان کے خلاف اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو سماع نافع سے محروم کر دیا' کیونکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ ان کے اندر کوئی بھلائی نہیں جس کی وجہ سے ان میں اللہ تعالیٰ کی آیات کو سننے کی صلاحیت ہوتی۔

﴿وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ﴾ ''اور اگر اب وہ ان کو سنا دے'' یعنی اگر یہ فرض کر لیا جائے ﴿لَتَوَلَّوْا﴾ ''تو وہ ضرور پھر جائیں'' یعنی اللہ کی اطاعت سے ﴿وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ ''اور وہ اعراض کرنے والے ہیں۔'' یعنی وہ کسی طور بھی حق کی طرف التفات نہیں کریں گے۔ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ صرف اس شخص کو ایمان اور بھلائی سے محروم کرتا ہے جس میں کوئی صلاحیت نہیں ہوتی اور نہ بھلائی اس کے پاس پھلتی پھولتی ہے۔ اس بارے میں وہ نہایت قابل تعریف اور دانائی کا مالک ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۚ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! کہنا مانو تم اللہ کا اور اسکے رسول کا جب بلائے وہ تمہیں طرف اس (امر) کی جو زندگی بخشتا ہے تمہیں'

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَاتَّقُوْا

اور جان لو تم کہ یقیناً اللہ حائل ہو جاتا ہے درمیان بندے اور اسکے دل کے' اور بلاشبہ اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے تم ○ اور ڈرو

فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا

اس فتنے سے جو نہیں پہنچے گا (صرف) انہی لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے خاص طور پر اور جان لو تم!

اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾

بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اہل ایمان کو ان امور کا حکم دیتا ہے جو ان کے ایمان کا تقاضا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے

رسول کی آواز پر لبیک کہنا' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کرنا' اس کی تعمیل کے لیے سبقت کرنا اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور انہوں نے جس چیز سے روکا ہے اس سے باز رہنا اور اس سے اجتناب کرنا۔ ﴿اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ﴾ "جس وقت بلائے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے" یہ ہر اس امر کا وصف لازم ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ دعوت دیتے ہیں اور نیز یہ اس کے حکم کے فائدے اور حکمت کو بیان کرتا ہے' کیونکہ قلب و روح کی زندگی کا دارومدار اللہ تعالیٰ کی عبودیت' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے دائمی التزام پر ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک نہ کہنے پر ڈراتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ﴾ "اور جان لو کہ اللہ آڑ بن جاتا ہے آدمی اور اس کے دل کے درمیان" اس لئے جب اللہ تعالیٰ کا حکم پہلی بار تمہارے پاس آئے' تو اس کو ٹھکرانے سے بچو کیونکہ پھر اگر اس کے بعد اس کا ارادہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کے درمیان اور تمہارے درمیان حائل ہو جائے گا اور تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ جیسے چاہتا ہے اسے ادل بدل کرتا ہے اور جیسے چاہتا ہے اس میں تصرف کرتا ہے۔ پس بندے کو بہت کثرت سے یہ دعا کرتے رہنا چاہیے (يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلٰى دِيْنِكَ [1]' اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قَلْبِي عَلٰى طَاعَتِكَ [2]) فرمایا: ﴿وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ "اور یہ کہ تم سب اس کے روبرو جمع کیے جاؤ گے۔" یعنی تم سب اس دن اکٹھے کئے جاؤ گے جس کے آنے میں کوئی شک و شبہ نہیں وہ نیکو کاروں کو ان کی نیکی کی جزا اور بدکاروں کو ان کی بدی کی سزا دے گا۔

﴿وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً﴾ "اور اس فتنے سے بچو' جو تم میں سے خاص ظالموں پر ہی نہیں آئے گا" بلکہ یہ فتنہ ظلم کرنے والوں اور دیگر لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لے لے گا۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب ظلم غالب آ جائے اور اس کو بدلا نہ جائے تو اس کی سزا ظلم کرنے والوں اور دوسرے لوگوں' سب کے لئے عام ہوتی ہے۔ اس لئے برائیوں سے منع کر کے' اہل شر کا قلع قمع کر کے کہ وہ ظلم اور معاصی کا ارتکاب نہ کر سکیں' اس فتنہ سے بچا جائے ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ "اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔" جو کوئی اللہ تعالیٰ کی ناراضی مول لیتا ہے اور اس کی رضا کو ترک کر دیتا ہے' تو اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب دیتا ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ

اور یاد کرو جب تم (بہت) تھوڑے تھے' کمزور سمجھے جاتے تھے زمین میں' خوف کھاتے تھے تم اس بات سے کہ

يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ

(کہیں) اچک (نہ) لے جائیں تمہیں لوگ' پس جگہ دی اللہ نے تمہیں اور تمہاری تائید کی ساتھ اپنی نصرت کے' اور رزق دیا تمہیں

[1] المسند: ۱۱۲/۳...... [2] صحیح مسلم' القدر' ح: ۲۶۵۴

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿٢٦﴾

پاکیزہ چیزوں سے تاکہ تم شکرگزار رہو○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے احسان کا تذکرہ کرتا ہے کہ وہ کمزور اور مغلوب تھے' اس نے ان کو اپنی نصرت سے نوازا' وہ قلیل تھے اس نے ان کو کثرت عطا کی اور وہ تنگ دست تھے' اس نے ان کو فراخی عطا کی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِى الْاَرْضِ ﴾ ''اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے' کمزور تھے زمین میں'' یعنی تم غیروں کی حکومت میں محکوم و مجبور تھے ﴿ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ ﴾ ''تم ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لیں'' ﴿ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ﴾ ''تو اس نے تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد سے تم کو تقویت دی اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔'' اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک شہر عطا کیا جہاں تم نے پناہ لی' اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں تمہارے دشمنوں کو شکست دی' تم نے ان سے مال غنیمت حاصل کیا جس کے ذریعے سے تم مال دار ہو گئے۔ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴾ ''تاکہ تم شکر کرو'' یعنی شاید کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور کامل احسان پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اور اس کے ساتھ شرک سے اجتناب کر کے اس کا شکر ادا کرو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مت خیانت کرو تم اللہ اور اسکے رسول سے' اور (نہ) خیانت کرو تم اپنی آپس کی امانتوں میں جب کہ تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ

جانتے ہو○ اور جان لو! یقیناً تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں' اور بلاشبہ

اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٨﴾ ع

اللہ اس کے ہاں اجر عظیم ہے○

اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اس نے اوامر و نواہی کی جو امانت ان کے سپرد کی ہے' وہ اسے ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ امانت آسمانوں' زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو وہ ڈر گئے اور انہوں نے اس امانت کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا اور انسان نے اس بوجھ کو اٹھا لیا' کیونکہ وہ نہایت ظالم اور نادان ہے۔

پس جو کوئی امانت ادا کرتا ہے وہ بے پایاں ثواب کا مستحق بن جاتا ہے اور جو کوئی یہ امانت ادا نہیں کرتا تو سخت عذاب اس کے حصے میں آتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ' اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اپنی امانت میں خیانت کا مرتکب قرار پاتا ہے' وہ اپنے آپ کو خیانت جیسی خسیس ترین صفات اور بدترین علامات سے متصف کر کے اپنے نفس کو نقصان میں ڈالتا ہے اور امانت جیسی بہترین اور کامل ترین صفات سے محروم ہو جاتا ہے۔

چونکہ بندے کو اس کے مال اور اولاد کے ذریعے سے امتحان میں مبتلا کیا گیا ہے اس لئے بسا اوقات مال اور

اولاد کی محبت میں بندہ خواہشات نفس کو امانت کی ادائیگی پر ترجیح دیتا ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ مال اور اولاد ایک آزمائش ہے جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں بندے کو عاریتاً عطا کی گئی ہیں جو عنقریب اس ہستی کو واپس لوٹانا ہوں گی جس نے یہ چیزیں عاریتاً عطا کی تھیں۔ ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ عَظِيْمٌ﴾ ''اور اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔'' پس اگر تم میں کوئی عقل اور رائے ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل عظیم کو چھوٹی سی فانی اور ختم ہو جانے والی لذت پر ترجیح نہ دو۔ عقل مند شخص تمام اشیاء کے درمیان موازنہ کرتا ہے اور بہترین چیز کو ترجیح دیتا ہے اور تقدیم کی مستحق چیز کو مقدم رکھتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر ڈرو تم اللہ سے تو وہ بنا دے گا تمہارے لیے کسوٹی (دلیل حق) اور مٹا دے گا تم سے

سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝۲۹

تمہاری برائیاں اور بخش دے گا تمہیں، اور اللہ مالک ہے فضل عظیم کا ○

بندے کا اپنے رب سے تقویٰ اختیار کرنا سعادت کا عنوان اور فلاح کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت کی بہت سی بھلائیوں کا دارومدار تقویٰ پر رکھا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا ہے کہ جو کوئی اس سے ڈرتا ہے اسے چار چیزیں عطا ہوتی ہیں اور ان میں سے ہر چیز دنیا و مافیہا سے کہیں بہتر ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ صاحب تقویٰ مومن کو ''فرقان'' عطا کرتا ہے۔ فرقان سے مراد علم و ہدایت ہے جس کے ذریعے سے وہ ہدایت اور گمراہی، حق اور باطل، حلال اور حرام، خوش بخت اور بدبخت لوگوں کے درمیان امتیاز کرتا ہے۔

(۲، ۳) برائیوں کو مٹانا اور گناہوں کو بخش دینا۔ اطلاق اور اجتماع کے وقت یہ دونوں امور ایک دوسرے میں داخل ہیں۔ (السَّيِّئَات) برائیوں کے مٹانے کی تفسیر گناہ صغیرہ سے اور (الذُّنُوب) گناہوں کو بخش دینے کی تفسیر کبیرہ گناہوں کو مٹا دینے سے کی جاتی ہے۔

(۴) وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اپنی خواہش نفس پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو ترجیح دیتا ہے اس کے لئے بہت بڑا اجر اور بے پایاں ثواب ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ ''اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔''

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ ؕ

اور یاد کیجیے! جب تدبیر کر رہے تھے آپ کی بابت وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، تاکہ وہ قید کر دیں آپ کو یا قتل کر دیں آپ کو یا نکال دیں آپ کو

وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۳۰

اور تدبیریں کر رہے تھے وہ اور تدبیر کر رہا تھا اللہ بھی، اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے ○

یعنی اے رسول ﷺ! اللہ تبارک و تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کیجیے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہے ﴿ وَاِذْ یَمْكُرُ بِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''جب سازش کرتے تھے کافر آپ کے بارے میں'' جب مشرکین مکہ نے ''دارالندوہ'' میں مشورہ کیا کہ رسول ﷺ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

(۱) آپ کو بیڑیاں پہنا کر محبوس کر دیا جائے۔

(۲) آپ کو قتل کر دیا جائے تا کہ۔۔۔ بزعم خود۔۔۔ ہمیشہ کے لیے آپ سے نجات حاصل کر لیں۔

(۳) آپ کو مکہ سے نکال باہر کر کے ملک بدر کر دیا جائے۔

ہر شخص نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ آخر کار تمام لوگوں نے اس مجلس میں شریک شریر ترین آدمی، ابوجہل (لَعنَہُ اللہُ) کی رائے سے اتفاق کیا کہ قریش کے تمام قبائل سے ایک ایک آدمی لے کر اسے تیز تلوار دی جائے اور تمام لوگ بیک وقت حملہ کر کے آپ کو قتل کر دیں تا کہ تمام قبائل آپ کے قتل کے ذمہ دار ٹھہریں۔ اس صورت میں بنو ہاشم آپ کی دیت قبول کرنے پر راضی ہو جائیں گے اور قصاص لینے کے لیے قریش کے تمام قبائل کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ وہ رات کے وقت گھات لگا کر بیٹھ گئے تا کہ جب آپ اپنے بستر سے بیدار ہوں تو آپ پر حملہ کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے وحی نازل ہوئی۔ آپ باہر تشریف لائے، آپ نے ان سب کے سروں میں خاک ڈالی اور وہاں سے نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اندھا کر دیا۔ جب بہت دیر ہوگئی تو کسی آنے والے نے کہا ''وائے تمہاری ناکامی! محمد (ﷺ) تو نکل گیا اور تمہارے سروں میں خاک بھی ڈال گیا ہے''۔ انہوں نے اپنے سروں سے مٹی جھاڑی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بچا لیا اور آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ پس آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار کے ذریعے سے آپ کی مدد فرمائی اور یوں آپ کو غلبہ حاصل ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آپ فاتح بن کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ تمام قریش مکہ نے آپ کی اطاعت قبول کر لی اور آپ کے ماتحت آ گئے حالانکہ اس سے پہلے آپ ان سے چھپ کر جان کے خوف سے وہاں سے نکلے تھے۔ پس پاک ہے وہ ہستی جو اپنے بندوں کو لطف و کرم سے نوازتی ہے اور جس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَاۤ ۙ اِنْ

اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں تو کہتے ہیں تحقیق سن لیا ہم نے، اگر چاہیں ہم تو کہہ سکتے ہیں ہم بھی مثل اس کی نہیں ہے

هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۱﴾ وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ

یہ مگر داستانیں پہلوں کی ○ اور جب کہا انہوں نے، اے اللہ! اگر ہے یہ (قرآن) حق

مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ
تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے یا لے آ ہم پر عذاب

اَلِيْمٍ ﴿۳۲﴾ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ
دردناک ○ اور نہیں ہے اللہ کہ عذاب دے انہیں جبکہ آپ بھی ان کے اندر موجود ہوں اور نہیں ہے اللہ عذاب دینے والا ان کو

وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ
جب کہ وہ بخشش طلب کرتے ہوں ○ اور (اب) کیا وجہ ہے ان کے لیے کہ نہ عذاب دے انہیں اللہ جب کہ وہ روکتے ہیں

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ؕ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا
مسجد حرام سے' درآں حالیکہ نہیں ہیں وہ مختار اس کے؟ نہیں ہیں مختار اس کے مگر

الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾
متقی لوگ ہی' اور لیکن اکثر ان کے نہیں جانتے ○

رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والے آپ کے ساتھ جو عناد رکھتے تھے اسے بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا﴾ ''اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں'' جو اس چیز کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں ﴿قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ ''تو کہتے ہیں اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسی بات کہہ سکتے ہیں' یہ تو صرف پہلوں کی کہانیاں ہیں'' یہ انہوں نے ظلم اور عناد کی بنا پر کہا تھا ورنہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو مقابلے کی دعوت دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اس جیسی ایک سورت ہی بنا لائیں اور اللہ کے سوا جس کسی کو اپنی مدد کے لیے بلا سکتے ہیں بلا لیں۔ مگر وہ ایسا نہ کر سکے جس سے ان کی بے بسی ظاہر ہو گئی۔

قائل سے صادر ہونے والا یہ قول مجرد دعویٰ ہے' جس کا جھوٹ ہونا ثابت ہے۔ ہمیں یہ حقیقت معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ پڑھے ہوئے نہ تھے' آپ لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے' گزشتہ قوموں کی تاریخ کا علم حاصل کرنے کے لئے آپ نے کہیں سفر نہیں کیا تھا' بایں ہمہ آپ نے یہ جلیل القدر کتاب پیش کی جس کے سامنے سے یا پیچھے سے باطل دخل اندازی نہیں کر سکتا' یہ کتاب حکمت والے اور قابل تعریف اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

﴿وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ﴾ ''اور جب انہوں نے کہا' اے اللہ! اگر یہ تیری طرف سے حق ہے'' جس کی طرف محمد مصطفیٰ ﷺ دعوت دیتے ہیں ﴿فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ﴾ ''تو ہم پر برسا دے پتھر آسمان سے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لا'' انہوں نے اپنے باطل پر ڈٹتے ہوئے اور آداب تخاطب سے جہالت کے ساتھ' پورے جزم سے یہ بات کہی تھی۔ اگر انہوں نے۔۔۔۔ جبکہ وہ اپنے باطل پر ملمع سازی کر رہے تھے جو ان کے لئے یقین اور بصیرت کی موجب تھی۔۔۔۔ اپنے ساتھ مناظرہ کرنے

والے اس شخص سے یہ کہا ہوتا جو اس بات کا مدعی ہے کہ حق اس کے ساتھ ہے ''اگر وہ چیز جس کا تم دعوی کرتے ہو کہ وہ حق ہے تو ہماری بھی راہ نمائی کیجیے'' ۔تو یہ چیز ان کے لیے زیادہ بہتر ہوتی اور ان کے ظلم و تعدی کی زیادہ اچھے طریقے سے پردہ پوشی کر سکتی تھی۔ پس جب سے انہوں نے کہا ﴿اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ﴾ ان کی مجرد اسی بات سے معلوم ہو گیا کہ وہ انتہائی بے وقوف' بے عقل' جاہل اور ظالم ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان پر عذاب بھیجنے میں جلدی کرتا تو ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو ہٹا دیا' کیونکہ ان کے اندر رسول (ﷺ) موجود ہیں اس لئے فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ﴾ ''اللہ آپ کی موجودگی میں ان کو عذاب نہیں دے گا'' پس رسول اللہ ﷺ کا وجود مبارک ان کے لیے عذاب سے امن کی ضمانت تھی۔

اپنے اس قول کے باوجود' جس کا وہ برسرعام اظہار کرتے تھے' وہ اس قول کی قباحت کو اچھی طرح جانتے تھے' اس لئے وہ اس کے وقوع سے ڈرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے استغفار بھی کیا کرتے تھے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ﴾ ''اور اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا جب کہ وہ معافی مانگنے والے ہوں گے'' یہی وہ مانع تھا جو عذاب کو واقع ہونے سے روک رہا تھا حالانکہ اس کے اسباب منعقد ہو چکے تھے۔ پھر فرمایا: ﴿وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ﴾ ''اور ان میں کیا بات ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے'' یعنی کون سی چیز ان سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور کر سکتی ہے حالانکہ ان کے کرتوت ایسے ہیں جو اس عذاب کو واجب ٹھہراتے ہیں اور وہ ہے ان کا لوگوں کو مسجد حرام میں عبادت سے روکنا' خاص طور پر انہوں نے نبی مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام کو مسجد حرام سے روکا حالانکہ مسجد حرام میں عبادت کرنے کے وہی سب سے زیادہ مستحق تھے۔ بنابریں فرمایا: ﴿وَمَا كَانُوْٓا﴾ ''اور نہیں تھے وہ'' یعنی مشرکین ﴿اَوْلِيَآءَهٗ﴾ ''اس کا اختیار رکھنے والے'' اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہو یعنی (اولیاء اللہ) نیز یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ضمیر کا مرجع مسجد حرام ہو یعنی وہ مسجد حرام کے دوسرے لوگوں سے زیادہ مستحق نہ تھے۔

﴿اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ﴾ ''اس کا اختیار رکھنے والے تو وہی ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں'' اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں جنہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کو عبادت کا مستحق قرار دیا اور اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا' ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴾ ''لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔'' اسی لئے وہ اپنے لئے ایسے امور کے مدعی ہیں جن کے دوسرے لوگ زیادہ مستحق ہیں۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ

اور نہیں تھی نماز ان (مشرکین) کی بیت اللہ کے پاس مگر سیٹیاں اور تالیاں بجانا ہی' پس چکھو تم عذاب

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿٣٥﴾

بوجہ اس کے جو تھے تم کفر کرتے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسجد حرام صرف اس لئے بنائی ہے کہ اس میں اس کے دین کو قائم کیا جائے اور اس میں خالص اسی کی عبادت کی جائے۔ پس اہل ایمان ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کی اور رہے یہ مشرکین جنہوں نے لوگوں کو مسجد حرام سے روکا تو ان کی نماز' جو کہ سب سے بڑی عبادت ہے' ﴿ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ﴾ "سیٹیوں اور تالیوں کے سوا کچھ بھی نہیں" جو کہ جہلا اور کم عقل لوگوں کا فعل ہے جن کے دل اپنے رب کی تعظیم سے خالی ہوتے ہیں' جو اپنے رب کے حقوق کی معرفت سے تہی دست ہوتے ہیں اور ان کے دل میں افضل ترین خطۂ زمین کا کوئی احترام نہیں ہوتا۔ جب ان کی نماز کا یہ حال ہے تو ان کی بقیہ عبادات کا کیا حال ہوگا؟

پس ان میں کون سی چیز ایسی ہے جس کی بنا پر وہ اپنے آپ کو ان مومنوں سے زیادہ بیت اللہ کا مستحق سمجھتے ہیں' جو اپنی نمازوں میں خشوع وخضوع اختیار کرتے ہیں' جو لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں اور ان میں وہ تمام اوصاف حمیدہ اور افعال سدیدہ موجود ہیں جو ان کے رب نے بیان فرمائے ہیں۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اپنے محترم گھر کا وارث بنایا اور اس پر ان کو قدرت عطا کی۔۔۔ اور پھر ان کو اس پر قدرت عطا کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ﴾ (التوبہ: ۲۸/۹) "اے مومنو! مشرکین تو ناپاک ہیں' اس لئے وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ جائیں"۔ اور یہاں فرمایا: ﴿ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴾ "اپنے کفر کی پاداش میں عذاب کا مزا چکھو۔"

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا' خرچ کرتے ہیں وہ اپنے مال تاکہ روکیں وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے

فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ

سو عنقریب خرچ کریں گے وہ ان مالوں کو' پھر ہوگا وہ (خرچ کرنا) ان پر (باعث) حسرت' پھر وہ مغلوب کر دیے جائیں گے' اور وہ لوگ

كَفَرُوْۤا اِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ۟ۙ ﴿۳۶﴾ لِيَمِيْزَ اللّٰهُ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ

جنہوں نے کفر کیا' طرف جہنم کی اکٹھے کیے جائیں گے ○ تاکہ الگ کر دے اللہ' ناپاک کو پاک سے'

وَيَجْعَلَ الْخَبِيْثَ بَعْضَهٗ عَلٰى بَعْضٍ فَيَرْكُمَهٗ جَمِيْعًا فَيَجْعَلَهٗ

اور کر دے ناپاک (یعنی) اس کے بعض کو اوپر بعض کے' پس اوپر تلے ڈھیر لگا دے وہ اس کا اکٹھا' پھر ڈال دے اسے

فِيْ جَهَنَّمَ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۟ ﴿۳۷﴾ ع

جہنم میں' یہی لوگ ہیں خسارہ پانے والے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ مشرکین کی عداوت' ان کے مکروفریب' اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ان کی مخالفت' اللہ کے چراغ کو بجھانے کے لیے ان کی کوششوں اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو نیچا دکھانے کے لیے ان کی تگ ودو کا ذکر کرتے

ہوئے واضح کرتا ہے کہ ان کے مکروفریب اوران کی سازشوں کا وبال انہی پر پڑے گا۔مکروفریب کی برائی صرف فریب کاروں کو اپنی لپیٹ میں لیتی ہے۔ ﴿ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ ﴾ ''کافر اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ اللہ کے راستے سے روکیں''یعنی تاکہ وہ حق کا ابطال کرکے باطل کی مدد کریں اور اللہ رحمٰن کی وحدانیت کی نفی کرکے بتوں کی عبادت کے دین کو قائم کریں۔ ﴿ فَسَيُنفِقُونَهَا ﴾ ''سو ابھی اور خرچ کریں گے''یعنی یہ نفقات ان سے ابھی اور صادر ہوں گے اور یہ نفقات انہیں بہت خفیف محسوس ہوں گے کیونکہ وہ باطل سے چمٹے ہوئے ہیں اور حق کے خلاف سخت بغض رکھتے ہیں' ﴿ ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ﴾ ''پھر آخر ہوگا وہ ان پر افسوس''یعنی ان کو ندامت' رسوائی اور ذلت کا سامنا کرنا ہوگا' ﴿ ثُمَّ يُغْلَبُونَ ﴾ ''پھر وہ مغلوب ہوں گے''پس ان کے مال و متاع اور آرزوئیں خاک میں مل جائیں گی اور آخرت میں انہیں سخت عذاب دیا جائے گا۔اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴾ ''تمام کفار کو جہنم میں اکٹھا کیا جائے گا'' تاکہ وہ جہنم کا عذاب چکھیں کیونکہ جہنم ہی خبیث لوگوں اور انکی خباثت کا ٹھکانا ہے۔

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ پاک اور ناپاک کو علیحدہ علیحدہ کرکے دونوں کو اپنے اپنے مخصوص ٹھکانوں میں داخل کردے' پس خبیث اعمال' خبیث اموال اور خبیث اشخاص' سب کو جمع کردے ﴿ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ ﴾ ''پھر اس کو ڈھیر کردے اکٹھا' پھر ڈال دے اس کو جہنم میں' یہی لوگ ہیں نقصان اٹھانے والے'' یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے روز اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈالا۔ آگاہ رہنا! یہی کھلا خسارہ ہے۔

قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنتَهُوا يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ وَإِن
کہہ دیجئے! ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا' اگر باز آجائیں وہ تو بخش دیا جائے گا ان کے لیے جو کچھ پہلے گزر چکا' اور اگر
يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ
دوبارہ ایسا ہی کریں گے وہ' تو تحقیق گزر چکی ہے (ہماری) سنت پہلے لوگوں (میں) ○ اور لڑو تم ان سے یہاں تک کہ نہ رہے
فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنِ انتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ
فتنہ (شرک)' اور ہو جائے دین سارا کا سارا اللہ ہی کا' پس اگر باز آجائیں وہ (کافر)' تو یقیناً اللہ' ساتھ اسکے جو وہ عمل کرتے ہیں'
بَصِيرٌ ﴿٣٩﴾ وَإِن تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَوْلَاكُمْ
خوب دیکھنے والا ہے ○ اور اگر وہ منہ پھیریں تو جان لو! یقیناً اللہ ہی تمہارا کارساز ہے'
نِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ﴿٤٠﴾
اور وہ اچھا کارساز ہے' اور اچھا مددگار ہے ○

یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف و کرم ہے کہ ان کا کفر اور ان کا دائمی عناد اسے اس بات سے نہیں روکتا کہ وہ انہیں رشد و ہدایت کے راستے کی طرف بلائے اور انہیں گمراہی اور ہلاکت کی راہوں پر چلنے سے منع کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّنْتَهُوْا﴾ ’’کفار سے کہہ دیجیے اگر وہ باز آ جائیں۔‘‘ یعنی اگر وہ کفر سے باز آ جائیں اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ وہ اللہ وحدہ لاشریک لہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ ﴿یُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ﴾ ’’تو بخش دیا جائے گا جو کچھ ہو چکا ہے‘‘ یعنی ان سے جن جرائم کا ارتکاب ہو چکا ہے ﴿وَاِنْ یَّعُوْدُوْا﴾ ’’اگر وہ اعادہ کریں۔‘‘ یعنی اگر وہ اپنے کفر اور عناد کا اعادہ کریں ﴿فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِیْنَ﴾ ’’تو تحقیق گزر چکا ہے طریقہ پہلوں کا‘‘ یعنی رسولوں کو جھٹلانے والی قوموں کو ہلاک کرنے کا۔ پس وہ بھی اسی عذاب کا انتظار کریں جو ان معاندین حق پر نازل ہوا تھا۔۔۔ عنقریب ان کے پاس وہی خبریں آئیں گی جن کا یہ تمسخر اڑایا کرتے تھے۔ یہ خطاب تو جھٹلانے والوں سے تھا۔ رہا وہ خطاب جو اہل ایمان کو کفار کے ساتھ معاملہ کرنے کا حکم دیتے وقت اہل ایمان کے ساتھ تھا' تو اس میں اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ﴿وَ قَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ﴾ ’’اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ نہ رہے فساد‘‘ یعنی جب تک کہ شرک اور اللہ تعالیٰ کے راستے کی تمام رکاوٹیں دور نہ ہو جائیں اور کفار اسلام کے احکام کے سامنے سرنگوں نہ ہو جائیں۔ ﴿وَّ یَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ ’’اور ہو جائے حکم سب اللہ کا‘‘ پس دشمنان دین کے خلاف جہاد اور قتال کا یہی مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو کفار کے شر سے بچایا جائے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی' جس کے لیے تمام کائنات تخلیق کی گئی ہے' حفاظت کی جائے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا دین تمام ادیان پر غالب آ جائے۔

﴿فَاِنِ انْتَهَوْا﴾ ’’پس اگر وہ باز آ جائیں۔‘‘ اپنے ظلم کے رویے سے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ﴾ ’’تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو دیکھتا ہے' اور اللہ تعالیٰ سے ان کی کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی۔ ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ ’’اور اگر وہ روگردانی کریں۔‘‘ یعنی اگر اطاعت سے منہ موڑ کر کفر و سرکشی میں سرگرم ہو جائیں۔ ﴿فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰى﴾ ’’تو جان لو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے' کیا اچھا حمایتی ہے' جو اپنے مومن بندوں کی سرپرستی کرتا ہے' انہیں ان کے مصالح بہم پہنچاتا ہے اور ان کے لیے دینی اور دنیاوی فوائد کے حصول میں آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ ﴿وَنِعْمَ النَّصِیْرُ﴾ ’’اور کیا اچھا مددگار ہے' جو ان کی مدد کرتا ہے' ان کے خلاف فساق و فجار کی سازشوں کو ناکام بناتا ہے اور اشرار کی عداوت سے حفاظت کرتا ہے اور جس کا سرپرست اور حامی و ناصر اللہ تعالیٰ ہو تو اسے کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا اور جس کا اللہ تعالیٰ مخالف ہو اسے کوئی مدد اور سہارا نہیں دے سکتا۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

تيسير الكريم الرحمن
في تفسير كلام المنان

المعروف

تفسير السعدی (اردو)

فضيلة الشيخ عبد الرحمن بن ناصر السعدي رحمه الله

دار السلام
کتاب وسنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارُالسّلام
کتاب وسُنّت کی اشاعت کا عالمی اِدارہ
ریاض ٭جدہ ٭شارجہ ٭لاھور
لندن ٭ھیوسٹن ٭نیو یارك
DARUSSALAM

ہیڈ آفس : پوسٹ بکس:22743 الریاض:11416 سعودی عرب
فون : 4033962-4043432 (009661) فیکس: 4021659
ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون وفیکس: 4614483

جدہ فون وفیکس : 6807752 الخبر فون: 8692900 فیکس: 8691551
شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان : ① 50 لوئر مال نزد ایم ۔ اے ۔ او کالج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)
فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com
② اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس : 5217645 (0044 208)
ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیو یارک فون: 6255925 (001 718)
Website: http://www.dar-us-salam.com

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ

تیسیر الکریم الرحمن

فی تفسیر کلام المنّان

(اردو ترجمہ)

پا رۃ نمبر دس 10

مفسر قرآن: فضیلۃ الشیخ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

تحقیق: عبدالرحمان بن معلا اللویحق حفظہ اللہ

ترجمۃ القرآن: حافظ صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ

ترجمۃ التفسیر: پروفیسر طیب شاہین لودھی حفظہ اللہ

دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فرمانِ الٰہی

وَقَالَ الرَّسُوْلُ يٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا

اور رسول (ﷺ روزِ قیامت) فرمائیں گے:

"الٰہی! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔"

(الفرقان: ۲۵/ ۳۰)

فرمانِ نبوی

إِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ آخَرِينَ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں دھکیل دیتا ہے

(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۷)

پا رۃ نمبر دس 10

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِي الْقُرْبٰى

اور جان لو تم کہ جو غنیمت حاصل کرو تم کسی چیز سے تو بیشک اللہ کے لیے ہے پانچواں حصہ اس کا اور رسول کے لیے اور رشتے داروں

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى

اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے اگر ہو تم ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور (ساتھ) اس کے جو اتارا ہم نے اوپر

عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿٤١﴾

اپنے بندے کے دن فیصلے کے جس دن کہ ملیں دو جماعتیں اور اللہ اوپر ہر چیز کے خوب قادر ہے ○

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۭ

جس وقت کہ تھے تم قریب کے کنارے پر اور وہ (تمہارے دشمن) تھے دور کے کنارے پر اور قافلہ نیچے کی جانب تھا تم سے

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ ۙ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا

اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو ضرور اختلاف کرتے تم وقت (مقرر کرنے) میں لیکن (اللہ نے یوں ہی جمع کر دیا) تا کہ پورا کر دے اللہ اس کام کو

كَانَ مَفْعُوْلًا ڏ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ

کہ تھا وہ کیا ہوا تا کہ ہلاک ہو جو ہلاک ہو دلیل سے (حجت قائم ہونے کے بعد) اور زندہ رہے جو زندہ رہے

عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٤٢﴾

دلیل سے (حق پہچان کر) اور بیشک اللہ سنتا جانتا ہے ○

﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ﴾ ''اور جان رکھو کہ تم مال غنیمت سے جو کچھ حاصل کرو۔'' یعنی کفار کا جو مال تم فتح یاب ہو کر حق کے ساتھ حاصل کرو' خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ ﴿فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ﴾ ''تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے'' ۔اور باقی تمہارے لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غنیمت کی اضافت ان کی طرف کی ہے اور اس میں سے پانچواں حصہ نکال دیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پانچواں حصہ نکال کر باقی ان میں اسی طرح تقسیم کیا جائے گا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے تقسیم فرمایا تھا۔۔۔ یعنی پیادے کے لیے ایک حصہ اور سوار کے لیے دو حصے' ایک حصہ خود اس کے لیے اور ایک حصہ اس کے گھوڑے کے لیے [1] ۔ رہا خمس' تو اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے' ان میں سے ایک حصہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے مختص ہے جو کسی تعین کے بغیر عام مسلمانوں کے مصالح پر خرچ کیا جائے گا' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اللہ اور رسول ﷺ کا حصہ قرار دیا ہے اور اللہ

---

[1] لیکن حدیث سے سوار کے لیے تین حصے ثابت ہوتے ہیں' دو حصے اس کے گھوڑے کے لیے اور ایک حصہ خود اس کے لیے۔ «اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ جَعَلَ لِلْفَرَسِ سَهْمَيْنِ وَلِصَاحِبِهِ سَهْمًا» (صحیح بخاری' الجهاد والسیر' باب سهام الفرس' حدیث: ٢٨٦٣' ٤٢٢٨)(ص-ي)

اور اس کا رسول ﷺ اس سے بے نیاز ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حصہ درحقیقت بندگان الٰہی کے لیے ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مصارف متعین نہیں فرمائے اس لئے واضح ہوا کہ اس کو مصالح عامہ میں صرف کیا جائے گا۔

خمس کا دوسرا حصہ' ذووالقربیٰ کے لیے ہے اور یہاں ذووالقربیٰ سے مراد رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار یعنی بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ہیں۔ ذووالقربیٰ کی طرف اس کی اضافت اس امر کی دلیل ہے کہ اس حکم کی علت مجرد قرابت ہے جس میں ان کے مال دار اور محتاج' مرد اور عورتیں سب شامل ہیں۔

خمس کا تیسرا حصہ' یتیموں کے لیے ہے جن کے باپ فوت ہو چکے ہیں اور خود وہ بہت کمسن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت کی بناء پر ان کے لیے خمس کا پانچواں حصہ مقرر فرمایا ہے' کیونکہ وہ خود اپنے مصالح کی دیکھ بھال کرنے سے عاجز ہیں اور وہ کسی ایسی ہستی سے بھی محروم ہیں جو ان کے مصالح کا انتظام کرے۔

خمس کا چوتھا حصہ مساکین' یعنی چھوٹوں' بڑوں' مردوں اور عورتوں میں سے محتاج اور تنگ دستوں کے لیے ہے۔

خمس کا آخری حصہ مسافروں کی بہبود کے لیے ہے۔ (ابْنُ السَّبِيلِ) سے مراد وہ غریب الوطن شخص ہے جو اپنے وطن سے کٹ کر رہ گیا ہو۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ ان مذکورہ مصارف سے باہر خرچ نہ کیا جائے۔ البتہ یہ لازم نہیں کہ ان اصناف مذکورہ میں برابر برابر تقسیم کیا جائے بلکہ مصالح کے مطابق ان کے درمیان اس مال کو تقسیم کیا جائے گا۔۔۔۔ یہی رائے زیادہ قرین صواب ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے خمس کو اس طریقے سے خرچ کرنا ایمان کی شرط قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿إِنْ كُنتُمْ آمَنتُم بِاللَّهِ وَمَا أَنزَلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ﴾ "اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے نازل کی اپنے بندے پر فیصلے کے دن" (یوم الفرقان) سے مراد یوم بدر ہے جس کے ذریعے سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حق اور باطل میں فیصلہ کیا۔ حق کو غالب کیا اور باطل کا بطلان ظاہر کیا۔ ﴿يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ﴾ "جس دن بھڑ گئیں دونوں فوجیں" یعنی مسلمانوں کے گروہ اور کفار کے گروہ کی مڈبھیڑ ہوئی۔۔۔۔ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور اس حق پر ایمان رکھتے ہو جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر بدر کے روز نازل فرمایا' جس سے ایسے دلائل اور براہین حاصل ہوئے جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ لائے ہیں' وہ حق ہے ﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ "اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔" یعنی جو کوئی اللہ کا مقابلہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی غالب آتا ہے۔

﴿إِذْ أَنتُم بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا﴾ "جس وقت تم قریب کے ناکے پر تھے" یعنی جب تم مدینہ سے قریب ترین وادی میں تھے۔ ﴿وَهُم بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ﴾ "اور وہ (کفار) مدینہ سے بعید ترین وادی میں تھے" اللہ تعالیٰ نے تم دونوں گروہوں کو ایک ہی وادی میں جمع کر دیا ﴿وَالرَّكْبُ﴾ "اور قافلہ" یعنی وہ تجارتی قافلہ جس کے تعاقب میں تم نکلے

تھے، مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ کچھ اور ہی تھا ﴿ اَسۡفَلَ مِنۡكُمۡ ﴾ ''تم سے نیچے کی طرف تھا'' یعنی وہ ساحل کے ساتھ ساتھ تھا۔ ﴿ وَلَوۡ تَوَاعَدتُّمۡ ﴾ ''اور اگر تم آپس میں قرارداد کر لیتے'' اگر تم نے اور کفار نے اس حال میں اور اس وصف کے ساتھ ایک دوسرے سے وعدہ کیا ہوتا ﴿ لَاخۡتَلَفۡتُمۡ فِی الۡمِیۡعٰدِ ﴾ ''تو نہ پہنچتے وعدے پر ایک ساتھ'' یعنی مقررہ میعاد میں تقدیم و تاخیر یا جگہ کے انتخاب وغیرہ میں کسی عارضہ کی بنا پر تم میں اختلاف واقع ہو جاتا جو تمہیں میعاد مقررہ پر پہنچنے سے روک دیتا۔ ﴿ وَلٰكِنۡ ﴾ ''اور لیکن'' اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس حال میں اکٹھا کر دیا۔ ﴿ لِّیَقۡضِیَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا ﴾ ''تاکہ اللہ اس امر کو پورا کرے (جو روز ازل سے مقرر ہے) جس کا واقع ہونا لابدی ہے''۔ ﴿ لِّیَهۡلِكَ مَنۡ هَلَكَ عَنۢ بَیِّنَةٍ ﴾ ''تاکہ مرے جس کو مرنا ہے دلیل کے وا ضح ہونے کے بعد'' تاکہ معاندِ حق کے خلاف حجت اور دلیل قائم ہو جائے' کہ اگر وہ کفر اختیار کرے تو پوری بصیرت کے ساتھ اختیار کرے اور اس کے بطلان کا اسے پورا یقین ہو اور یوں اللہ کے حضور پیش کرنے کے لیے اس کے پاس کوئی عذر نہ ہو۔ ﴿ وَّیَحۡیٰی مَنۡ حَیَّ عَنۢ بَیِّنَةٍ ﴾ ''اور زندہ رہے جس کو جینا ہے دلیل کے واضح ہونے کے بعد'' تاکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں پر جو حق کے دلائل واضح کیے ہیں اس کی بنا پر اہل ایمان کے یقین اور بصیرت میں اضافہ ہو۔ یہ دلائل و براہین عقل مندوں کے لیے یاددہانی ہے۔ ﴿ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیۡعٌ ﴾ ''بے شک اللہ سننے والا ہے'' تمام آوازوں کو زبانوں کے اختلاف اور مخلوق کی مختلف حاجات کے باوجود۔ ﴿ عَلِیۡمٌ ﴾ ''جاننے والا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ ظاہری اعمال' ضمیر میں چھپی ہوئی نیتوں اور بھیدوں' غائب اور حاضر ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

اِذۡ یُرِیۡكَهُمُ اللّٰهُ فِیۡ مَنَامِكَ قَلِیۡلًا ؕ وَلَوۡ اَرٰىكَهُمۡ كَثِیۡرًا لَّفَشِلۡتُمۡ

جب دکھلاتا تھا ان (کافروں) کو اللہ آپ کے خواب میں تھوڑا' اور اگر دکھلاتا وہ آپ کو انہیں زیادہ تو تم پست ہمت ہو جاتے

وَلَتَنَازَعۡتُمۡ فِی الۡاَمۡرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۴۳﴾

اور ضرور باہم نزاع کرتے اس معاملے میں' لیکن اللہ نے بچا لیا' بے شک وہ خوب جانتا ہے راز سینوں کے ○

وَاِذۡ یُرِیۡكُمُوۡهُمۡ اِذِ الۡتَقَیۡتُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِكُمۡ قَلِیۡلًا وَّیُقَلِّلُكُمۡ فِیۡۤ اَعۡیُنِهِمۡ

اور جب دکھلاتا تھا وہ تمہیں ان کافروں کو جب ملے تم' تمہاری آنکھوں میں تھوڑا' اور تھوڑا دکھلاتا تھا تم کو ان کی آنکھوں میں'

لِیَقۡضِیَ اللّٰهُ اَمۡرًا كَانَ مَفۡعُوۡلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۴۴﴾ ع

تاکہ پورا کر دے اللہ اس کام کو کہ تھا وہ کیا ہوا اور طرف اللہ ہی کی لوٹائے جاتے ہیں سارے کام ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو آپ کے خواب میں مشرکین کی بہت کم تعداد دکھائی۔ اس بنا پر آپ نے اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو خوشخبری دے دی' اس سے وہ مطمئن اور ان کے دل مضبوط ہو گئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوۡ اَرٰىكَهُمۡ كَثِیۡرًا ﴾ ''اور اگر اللہ ان کو بہت کر کے تمہیں دکھاتا'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ

نے آپ ﷺ کو کفار کثیر تعداد میں دکھائے ہوتے اور پھر آپ نے اس کی خبر اپنے اصحاب ﷺ کو دی ہوتی ﴿لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ تو تم لوگ جی چھوڑ دیتے اور جو معاملہ تمہیں درپیش تھا اس میں جھگڑنا شروع کر دیتے، کوئی کہتا کہ آگے بڑھ کر کفار سے لڑائی کرو اور کوئی اس رائے کے خلاف ہوتا اور جھگڑا کمزوری کا باعث بنتا ہے۔ ﴿وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ﴾ ”اور لیکن اللہ نے بچالیا“ یعنی اللہ نے تم پر لطف و کرم کیا ﴿إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ ”بے شک وہ سینوں کی باتوں تک سے واقف ہے۔“ یعنی تمہارے سینوں میں ثابت قدمی یا بے صبری، سچائی یا جھوٹ جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کی اس کیفیت کو جان لیا جو تم پر اس کے لطف و احسان اور اس کے رسول ﷺ کے خواب کی صداقت کا باعث بنی اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی نگاہوں میں ان کے دشمن کو تھوڑا کر کے دکھایا۔۔۔ اور اے مومنو! تمہیں ان کی نظروں میں تھوڑا کر کے دکھایا۔ چنانچہ دونوں گروہوں میں سے ہر گروہ کو اپنا مد مقابل تھوڑا نظر آتا تھا، تاکہ دونوں میں سے ہر ایک، دوسرے پر پیش قدمی کرنے میں تامل نہ کرے۔

﴿لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا﴾ ”تاکہ اللہ تعالیٰ اس امر کو پورا کردے جس کا پورا ہونا مقدر تھا“ یعنی اہل ایمان کو فتح و نصرت عطا کرے، کفار کو ان کے حال پر چھوڑ کر ان سے علیحدہ ہو جائے، چنانچہ ان کے راہ نما اور گمراہ سردار قتل ہوئے اور ان میں سے کوئی قابل ذکر شخص باقی نہ بچا۔ پھر اس کے بعد جب کفار کو اسلام کی دعوت دی گئی تو ان کا مطیع ہونا آسان ہو گیا اور یہ چیز باقی بچ جانے والے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا باعث بنی جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا کر کے ان پر احسان فرمایا۔ ﴿وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ﴾ ”اور سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔“ یعنی مخلوق کے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹتے ہیں، اللہ تعالیٰ پاک اور ناپاک کو علیحدہ علیحدہ کرتا ہے، تمام مخلوقات پر عدل و انصاف پر مبنی فیصلے کو نافذ کرتا ہے جس میں کوئی ظلم و جور نہیں ہوتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب ٹکراؤ تم کسی جماعت سے تو ثابت قدم رہو اور یاد کرو اللہ کو بہت تاکہ تم

تُفْلِحُونَ ﴿٤٥﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ

فلاح پاؤ ○ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نہ نزاع کرو آپس میں، پس کم ہمت ہو جاؤ گے تم اور جاتی رہے گی

رِيحُكُمْ ۖ وَاصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٤٦﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ

تمہاری ہوا اور صبر کرو، بے شک اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے ○ اور نہ ہو تم مانند ان لوگوں کی جو

خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ

نکلے اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کے دکھلانے کے لیے، اور روکتے تھے وہ اللہ کی راہ سے

وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿٤٧﴾ وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ

اور اللہ اس کو جو وہ عمل کرتے ہیں' گھیرنے والا ہے ○ اور جب مزین کر دکھائے ان کے لیے شیطان نے ان کے عمل' اور کہا'

لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّيْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ

نہیں کوئی غالب آنے والا تم پر آج کے دن لوگوں میں سے اور میں پشت پناہ ہوں تمہارا۔ پس جب آمنے سامنے ہوئیں دونوں جماعتیں

نَكَصَ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّيْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّيْٓ

تو پھر گیا وہ اوپر اپنی دونوں ایڑیوں کے اور کہا' بے شک میں بیزار ہوں تم سے' تحقیق میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے' بے شک میں

اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿٤٨﴾ ع اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ

ڈرتا ہوں اللہ سے' اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○ جب کہ کہتے تھے منافق اور وہ لوگ کہ

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَاۗءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ

جن کے دلوں میں روگ تھا' دھوکے میں ڈال دیا ہے ان کو ان کے دین نے' اور جو کوئی بھروسہ کرے اوپر اللہ کے'

فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٤٩﴾

تو یقیناً اللہ زبردست' خوب حکمت والا ہے ○

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً ﴾ ''اے ایمان والو! جب ملو تم کسی گروہ کو'' یعنی کفار کا گروہ جو تمہارے ساتھ جنگ کرتا ہے ﴿ فَاثْبُتُوْا ﴾ ''تو ثابت قدم رہو'' یعنی کفار کے خلاف جنگ میں ثابت قدم رہو' صبر سے کام لو اور اس عظیم نیکی میں جس کا انجام عزت و نصرت ہے' اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ اور اس بارے میں کثرت ذکر سے مدد لو۔ ﴿ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴾ ''تا کہ تم فلاح پاؤ'' یعنی شاید تم وہ کچھ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ جو تمہارا مطلوب و منشا ہے' یعنی دشمنوں کے مقابلے میں فتح و نصرت۔ پس صبر' ثابت قدمی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت' فتح و نصرت کے سب سے بڑے اسباب ہیں۔

﴿ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ ''اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔'' ان دونوں کے احکام کی اپنے تمام احوال میں پیروی کر کے اور اس کے پیچھے چل کر ﴿ وَلَا تَنَازَعُوْا ﴾ ''اور آپس میں نہ جھگڑنا۔'' یعنی اس طرح نہ جھگڑو جس سے تمہارے دل تشتت اور افتراق کا شکار ہو جائیں۔ ﴿ فَتَفْشَلُوْا ﴾ ''پس تم بزدل ہو جاؤ گے۔'' ﴿ وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ ﴾ ''اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے'' یعنی عزائم کمزور ہو جائیں گے' تمہاری طاقت بکھر جائے گی اور تم سے فتح و نصرت کا وہ وعدہ اٹھا لیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے مشروط ہے۔ ﴿ وَاصْبِرُوْا ﴾ ''اور صبر سے کام لو'' یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رکھو ﴿ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ ''بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مدد' فتح و نصرت اور تائید کے ذریعے سے صبر

کرنے والوں کے ساتھ ہے۔اس لئے اس سے ڈرو اور اس کے سامنے عاجزی اختیار کرو۔

﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ﴾ ''اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے نکلے اور وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے'' یعنی یہ ان کا مقصد تھا جس کے لیے وہ نکل کر آئے تھے' یہی ان کا منشا تھا جس نے ان کو ان کے گھر سے نکالا تھا' ان کا مقصد صرف غرور اور زمین میں تکبر کا اظہار تھا' تاکہ لوگ ان کو دیکھیں اور وہ ان کے سامنے فخر کا اظہار کریں۔گھروں سے نکلنے میں ان کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ وہ ان لوگوں کو روکیں جو اللہ کے راستے پر گامزن ہونا چاہتے ہیں۔﴿ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴾ ''اور اللہ کے احاطہ میں ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں'' اسی لئے اس نے تمہیں ان کے مقاصد کے بارے میں آگاہ کیا ہے اور تمہیں ان کی مشابہت اختیار کرنے سے ڈرایا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ عنقریب انہیں سخت سزا دے گا۔پس گھروں سے نکلنے میں تمہارا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب' دین کی سربلندی' اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی منزل کو جانے والے راستے سے روکنا اور اللہ تعالیٰ کے سیدھے راستے کی طرف لوگوں کو کھینچنا ہو جو نعمتوں سے بھری جنت کو جاتا ہے۔

﴿ وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ ﴾ ''اور جب شیطان نے ان کے اعمال ان کو آراستہ کر دکھائے'' یعنی شیطان نے ان کے دلوں میں ان کے اعمال خوبصورت بنا دیئے اور انہیں دھوکے میں ڈال دیا۔﴿ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ ﴾ ''اور اس نے کہا آج تم پر کوئی غالب نہیں ہوگا لوگوں میں سے'' کیونکہ تم تعداد' ساز و سامان اور ہیئت کے اعتبار سے اتنے طاقتور ہو کہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

﴿ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ﴾ ''اور میں تمہارا حمائتی ہوں'' میں اس کے مقابلے میں تمہارا ساتھی ہوں جس کے شب خون سے تم ڈرتے ہو' کیونکہ ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم مدلجی کی شکل میں قریش کے پاس آیا' قریش اور بنو مدلج کے درمیان عداوت تھی اس لئے قریش ان کے شب خون سے بہت خائف تھے۔شیطان نے ان سے کہا ''میں تمہارے ساتھ ہوں''۔چنانچہ ان کے دل مطمئن ہو گئے اور وہ غضب ناک ہو کر آئے۔

﴿ فَلَمَّا تَرَاءَتِ الْفِئَتَانِ ﴾ ''پس جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں'' مسلمانوں اور کافروں کا آمنا سامنا ہوا اور شیطان نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ ترتیب کے ساتھ فرشتوں کی صف بندی کر رہے ہیں تو سخت خوفزدہ ہوا ﴿ نَكَصَ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ﴾ ''تو وہ ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گیا۔'' یعنی پسپا ہو کر الٹے پاؤں واپس بھاگا۔﴿ وَقَالَ ﴾ اور جن کو اس نے دھوکہ اور فریب دیا تھا ان سے کہنے لگا ﴿ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ ﴾ ''میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں' میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے'' یعنی میں ان فرشتوں کو دیکھ رہا ہوں جن کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا ﴿ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ ﴾ ''مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے۔'' یعنی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں

کہ کہیں وہ مجھے اس دنیا ہی میں عذاب نہ دے دے ﴿وَ اللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ ''اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے''۔
اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈال کر ان کے سامنے یہ بات مزین کر دی ہو کہ آج کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا' آج میں تمہارا رفیق ہوں اور جب وہ ان کو میدان جنگ میں لے آیا تو براءت کا اظہار کرتے ہوئے پسپا ہو کر ان کو چھوڑ کر بھاگ گیا' جیسا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَمَثَلِ الشَّيْطٰنِ اِذْ قَالَ لِلْاِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّنْكَ اِنِّيْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ○ فَكَانَ عَاقِبَتَهُمَآ اَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدَيْنِ فِيْهَا وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ﴾ (الحشر: ۵۹/ ۱۶' ۱۷) ''ان کی مثال شیطان کی سی ہے اس نے انسان سے کہا کفر کر' جب اس نے کفر کیا تو کہنے لگا' میں تجھ سے بری ہوں۔ میں تو اللہ' جہانوں کے رب سے ڈرتا ہوں۔ پس دونوں کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں جہنم میں جائیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے اور ظالموں کی یہی سزا ہے''۔

﴿اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَ الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ ''اس وقت منافق اور جن کے دلوں میں مرض تھا کہتے تھے'' یعنی جب اہل ایمان اپنی قلت اور مشرکین کی کثرت کے باوجود لڑائی کے لیے نکلے تو ضعیف الایمان لوگ جن کے دلوں میں شک وشبہ تھا' اہل ایمان سے کہنے لگے ﴿غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ﴾ ''ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔'' یعنی جس دین پر یہ کاربند ہیں اس دین نے انہیں اس ہلاکت انگیز مقام پر پہنچا دیا ہے جس کا مقابلہ کرنے کی ان میں طاقت نہیں ہے۔ یہ بات وہ اہل ایمان کو حقیر اور کم عقل سمجھتے ہوئے کہتے تھے' حالانکہ وہ خود...... اللہ کی قسم...... کم عقل اور بے سمجھ تھے' کیونکہ جذبہء ایمان مومن کو ایسے ہولناک مقامات میں کود جانے پر آمادہ کرتا ہے جہاں بڑے بڑے لشکر آگے بڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والا مومن جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس کوئی قوت واختیار نہیں۔ اگر تمام لوگ کسی شخص کو ذرہ بھر فائدہ پہنچانے کے لیے اکٹھے ہو جائیں تو اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور اگر اس کو نقصان پہنچانے پر اکٹھے ہو جائیں تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر صرف وہی جو اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ مومن جانتا ہے کہ وہ حق پر ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی قضا وقدر میں حکمت والا اور نہایت رحمت کرنے والا ہے اس لئے جب وہ کوئی اقدام کرتا ہے تو وہ (مخالفین کی) کثرت اور قوت کو خاطر میں نہیں لاتا۔ وہ اطمینان قلب کے ساتھ اپنے رب پر بھروسہ کرتا ہے۔ وہ گھبراتا ہے نہ بزدلی دکھاتا ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ مَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ﴾ ''اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ غالب ہے'' کوئی طاقت اس کی طاقت پر غالب نہیں آ سکتی۔ ﴿حَكِيْمٌ﴾ ''وہ حکمت والا ہے۔'' یعنی وہ اپنی قضا وقدر میں نہایت حکمت والا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ

اور کاش! دیکھیں آپ جبکہ جان قبض کرتے ہیں ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا' فرشتے' مارتے ہیں وہ (فرشتے) ان کے چہروں کو

وَ اَدْبَارَهُمْ ۚ وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ

اور ان کی پیٹھوں کو اور (کہتے ہیں) چکھو عذاب جلانے والا ○ یہ بہ سبب اس کے ہے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے

وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ

اور یہ کہ بے شک اللہ نہیں ہے ظلم کرنے والا اپنے بندوں پر ○ جیسے عادت تھی آل فرعون اور ان لوگوں کی

مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ؕ

جو ان سے پہلے تھے' کفر کیا انہوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ تو پکڑ لیا ان کو اللہ نے بہ سبب ان کے گناہوں کے'

اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝

بے شک اللہ طاقت ور سخت سزا دینے والا ہے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر آپ کفر کا ارتکاب کرنے والوں کو اس وقت دیکھیں جب موت کے فرشتے ان کی روح قبض کر رہے ہوں گے' ان کو سخت قلق ہوگا اور وہ سخت تکلیف اور کرب میں ہوں گے ﴿يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾ ''مارتے ہیں وہ ان کے مونہوں پر اور ان کے پیچھے' اور ان سے کہتے ہیں'' اپنی جان نکالو۔ ان کی جانیں نکلنے سے انکار کریں گی' کیونکہ انہیں علم ہے کہ انہیں کس دردناک عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ﴾ ''اور عذاب آتش چکھو۔'' یعنی نہایت سخت اور جلانے والے عذاب کا مزا چکھو۔ یہ عذاب تمہیں تمہارے رب کی طرف سے کسی ظلم و جور کی وجہ سے نہیں دیا جائے گا' بلکہ یہ صرف تمہارے گناہوں کی پاداش ہے جن کی یہ تاثیر ہے' جس نے یہ اثر دکھایا ہے اور اولین و آخرین کے بارے میں یہی سنت الٰہی ہے' کیونکہ ان جھٹلانے والوں کی عادت اور ان کے گناہوں کی پاداش میں ان کی ہلاکت ایسے ہی ہے ﴿كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ''جیسے عادت آل فرعون کی تھی اور ان کی جو ان سے پہلے تھے'' یعنی انبیاء و مرسلین کی تکذیب کرنے والی گزشتہ قوموں میں سے ﴿كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ﴾ ''انہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا' تو اللہ نے ان کو پکڑ لیا'' اللہ تعالیٰ نے عذاب کے ذریعے سے ان کو پکڑ لیا ﴿بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ ''ان کے گناہوں پر' یقیناً اللہ طاقت ور ہے' سخت عذاب کرنے والا'' اللہ تعالیٰ اپنے عذاب کے ساتھ جس کی گرفت کرنا چاہے تو اسے کوئی بے بس نہیں کر سکتا۔ ﴿مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا﴾ (هود: ١١/٥٦) ''زمین پر چلنے والا جو بھی جانور ہے اللہ نے اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ رکھا ہے''۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا

یہ اس واسطے کہ بے شک اللہ نہیں ہے بدلنے والا کسی نعمت کا جو انعام کی ہو اس نے اوپر کسی قوم کے' یہاں تک کہ وہ خود ہی بدل دیں

مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٥٣﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ

جو ان کے دلوں میں ہے اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے ○ جیسے عادت تھی آل فرعون اور ان لوگوں کی جو

مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ

ان سے پہلے تھے انہوں نے جھٹلایا اپنے رب کی آیتوں کو تو ہلاک کر دیا ہم نے ان کو بہ سبب ان کے گناہوں کے اور غرق کر دیا ہم نے

اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿٥٤﴾

آل فرعون کو اور سب تھے وہ ظالم ○

﴿ ذٰلِكَ ﴾ وہ عذاب جو اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والی قوموں پر نازل فرمایا تھا اور وہ نعمتیں جو انہیں حاصل تھیں' ان سے سلب کر لی گئی تھیں۔ اس کا سبب ان کے گناہ اور ان کا اطاعت کے رویے کو بدل کر نافرمانی کا رویہ اختیار کرنا تھا۔ ﴿ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ ﴾ ''اللہ بدلنے والا نہیں ہے اس نعمت کو جو دی اس نے کسی قوم کو'' اللہ تعالیٰ کسی قوم کو دین و دنیا کی نعمتیں عطا کرتا ہے تو ان کو سلب نہیں کرتا' بلکہ ان کو باقی رکھتا ہے اور اگر وہ شکر کرتے رہیں تو ان میں اضافہ کرتا ہے۔ ﴿ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ﴾ ''جب تک وہی نہ بدل ڈالیں اپنے دلوں کی بات'' یعنی جب تک کہ وہ اطاعت کے رویے کو بدل کر نافرمانی کا رویہ اختیار نہیں کرتے' پس جب وہ نعمتوں کی ناشکری کرتے اور ان کے بدلے کفر کرتے ہیں۔۔۔ تب اللہ تعالیٰ ان سے ان نعمتوں کو چھین لیتا ہے اور ان نعمتوں کو اس طرح بدل ڈالتا ہے جس طرح انہوں نے اپنے رویے کو بدل ڈالا۔

اس بارے میں اپنے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ حکمت اور عدل و احسان پر مبنی ہے' کیونکہ وہ ان کو عذاب نہیں دیتا مگر ان کے ظلم کے سبب سے' اور بندے اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو ان کو عبرت ناک سزا دیتا ہے' جس سے وہ اپنے اولیا کے دل اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ ﴿ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴾ ''بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔'' بولنے والے جو کچھ بولتے ہیں خواہ وہ آہستہ آواز سے بات کریں یا اونچی آواز میں' اللہ تعالیٰ سب کی باتیں سنتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جو بندوں کے ضمیر میں مخفی اور ان کی نیتوں میں چھپا ہوا ہے' وہ اپنے بندوں کی تقدیر میں وہی کچھ جاری کرتا ہے جس کا اس کا علم اور اس کی مشیت تقاضا کرتے ہیں۔

﴿ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ﴾ ''جیسی عادت آل فرعون کی'' یعنی فرعون اور اس کی قوم کی عادت ﴿ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ ﴾ ''اور ان کی جو ان سے پہلے لوگ تھے' انہوں نے رب کی آیتوں کو جھٹلایا'' یعنی جب ان کے پاس ان کے رب کی نشانیاں آئیں تو انہوں نے ان کی تکذیب کی۔ ﴿ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ﴾ ''پس ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے باعث ہلاک کر دیا'' ہر ایک کو اس کے جرم کے مطابق۔ ﴿ وَكُلٌّ ﴾ ''اور وہ سب'' یعنی تمام ہلاک ہونے والے اور جن پر عذاب نازل کیا گیا۔ ﴿ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴾ ''ظالم تھے۔'' یعنی وہ اپنے آپ

پر ظلم کرنے والے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والے تھے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا اور نہ ان کو کسی ایسے جرم میں پکڑا ہے جس کا انہوں نے ارتکاب نہ کیا ہو۔ پس ان لوگوں کو جو ان آیات کریمات کے مخاطب ہیں، ظلم میں ان قوموں کی مشابہت سے بچنا چاہیے' ورنہ ان پر بھی اللہ تعالیٰ وہی عذاب نازل کرے گا جو ان فساق وفجار لوگوں پر نازل کیا تھا۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٥٥﴾ اَلَّذِيْنَ

بے شک بدترین زمین پر چلنے والے اللہ کے نزدیک' وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا' پس وہ نہیں ایمان لاتے ○ وہ لوگ کہ

عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿٥٦﴾

عہد باندھا آپ نے ان سے' پھر توڑ دیتے رہے وہ اپنا عہد ہر مرتبہ اور وہ (ذرا) نہیں ڈرتے ○

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٥٧﴾

پس اگر پائیں آپ ان کو لڑائی میں تو بھگا دیں ان کے ذریعے سے ان لوگوں کو جو ان کے پیچھے ہیں' تاکہ وہ نصیحت پکڑیں ○

فرمایا ﴿اِنَّ﴾ بے شک وہ لوگ جن میں یہ تین خصلتیں جمع ہیں۔۔۔ یعنی کفر' عدم ایمان اور خیانت۔۔۔ خیانت سے مراد یہ ہے کہ وہ جو عہد کرتے ہیں' اس پر ثابت قدمی نہیں دکھاتے اور جو بات کرتے ہیں' اس پر پکے نہیں رہتے ﴿شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ''سب جان داروں میں بدتر ہیں اللہ کے ہاں'' پس وہ گدھوں اور کتوں اور دیگر چوپایوں سے بھی بدتر ہیں' کیونکہ ان کے اندر بھلائی معدوم ہے اور برائی متوقع ہے' لہٰذا ان کو ختم کرنا اور ہلاک کرنا ضروری ہے' تاکہ ان کی بیماری دوسروں میں نہ پھیلے' اسی لئے فرمایا: ﴿فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ﴾ ''پس جب تم ان کو حالت جنگ میں پاؤ'' جب کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد و میثاق نہ ہو۔ ﴿فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ﴾ ''تو ان کو ایسی سزا دو کہ دیکھ کر بھاگ جائیں ان کے پچھلے'' یعنی ان کے ذریعے سے دوسروں کو سبق سکھادیں اور ان کو ایسی سزا دیں کہ وہ بعد میں آنے والوں کے لیے نشان بن جائیں۔ ﴿لَعَلَّهُمْ﴾ ''شاید کہ وہ'' یعنی بعد میں آنے والے ﴿يَذَّكَّرُوْنَ﴾ ''نصیحت پکڑیں۔'' ان کے کرتوتوں سے نصیحت پکڑیں تاکہ ان پر بھی وہی عذاب نازل نہ ہو جائے جو ان پر نازل ہوا تھا۔ یہ سزاؤں اور حدود کے فوائد ہیں جو گناہوں پر مترتب ہوتی ہیں۔ یہ ان لوگوں کیلئے زجر وتوبیخ کا سبب ہیں' جنہوں نے گناہ نہیں کئے بلکہ ان کے لیے بھی جنہوں نے گناہ کا ارتکاب کیا تاکہ وہ گناہ کا اعادہ نہ کریں۔

اس عقوبت کے لیے حالت جنگ کی قید لگانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کافر۔۔۔ اگرچہ بہت زیادہ خیانت کا ارتکاب کرنے والا بدعہد ہو۔۔۔ جب اس سے معاہدۂ امن کر لیا جائے' تو اس عہد میں خیانت کرنا اور اسے عقوبت دینا جائز نہیں۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

اور اگر آپ ڈریں کسی قوم کی بدعہدی سے تو پھینک دیں ان کی طرف (ان کا عہد) اوپر برابری کے، بے شک اللہ

لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ﴿٥٨﴾

نہیں پسند کرتا بدعہدی کرنے والوں کو ○

یعنی جب آپ ﷺ کے اور کسی قوم کے درمیان جنگ نہ کرنے کا عہد اور میثاق ہو اور آپ کو اس قوم کی طرف سے خیانت اور بدعہدی کا خدشہ ہو یعنی ان کی طرف سے معاہدے کی صریحاً خلاف ورزی کے بغیر ایسے قرائن واحوال ہوں جو عہد میں ان کی خیانت پر دلالت کرتے ہوں ﴿ فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ ﴾ ''تو انہی کی طرف پھینک دیں'' ان کا عہد' یعنی ان کی طرف پھینک دیں اور ان کو اطلاع دے دیں کہ آپ کے درمیان اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ﴿ عَلٰى سَوَآءٍ ﴾ ''تا کہ تم اور وہ برابر ہو جاؤ'' یعنی معاہدہ ٹوٹنے کے بارے میں آپ ﷺ کا علم اور ان کا علم مساوی ہو' آپ کے لیے جائز نہیں کہ آپ ان کے ساتھ بدعہدی کریں یا کوئی ایسی کوشش کریں کہ موجبات عہد اس سے مانع ہوں جب تک کہ آپ ان کو اس کے بارے میں آگاہ نہ کر دیں ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ﴾ ''بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا'' بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں سے سخت ناراض ہوتا ہے۔اس لئے معاملے کا واضح ہونا نہایت ضروری ہے جو تمہیں خیانت سے بری کر دے۔

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ جب ان کی خیانت متحقق ہو جائے تو ان کی طرف معاہدہ پھینکنے کی ضرورت نہیں ہے' کیونکہ ان کی طرف سے کوئی اخفا نہیں رہا بلکہ ان کی بدعہدی معلوم ہو چکی ہے' علاوہ ازیں اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں نیز اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ عَلٰى سَوَآءٍ ﴾ ''برابر'' اور یہاں ان کی بدعہدی سب کو معلوم ہے۔ آیت کریمہ کا مفہوم اس پر بھی دلالت کرتا ہے کہ اگر ان کی طرف سے کسی خیانت کا خدشہ نہ ہو یعنی ان کے اندر کوئی ایسی چیز نہ پائی جاتی ہو جو ان کی خیانت پر دلالت کرتی ہو' تو عہد کو ان کی طرف پھینکنا جائز نہیں' بلکہ اس معاہدے کو مدت مقررہ تک پورا کرنا واجب ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿٥٩﴾

اور نہ گمان کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ وہ بچ نکلے' بے شک وہ نہیں عاجز کر سکتے (اللہ کو) ○

یعنی اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والے اور اس کی آیات کو جھٹلانے والے یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بازی لے گئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو بے بس نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی گھات میں ہے اور کفار کو مہلت دینے اور ان کو سزا دینے میں عجلت نہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پنہاں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن بندوں کی آزمائش' ان کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رضا کو زاد راہ بنانا جس کے ذریعے سے وہ مقامات بلند پر پہنچتے ہیں

اوران کا اپنے آپ کو ان اخلاق واوصاف سے متصف کرنا جن کے بغیر وہ اس منزل پر نہیں پہنچ سکتے تھے۔۔۔۔ سب اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ ہی کا حصہ ہے۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ

اور تیاری کروان (کافروں) کے لیے جتنی استطاعت رکھوتم' قوت کی اور (تیار) بندھے ہوئے گھوڑے (فراہم کرنے) کی خوف زدہ کروگے تم

بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ

اس کے ذریعے سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو اور دوسروں کو ان کے علاوہ' نہیں جانتے تم ان کو' اللہ ہی

يَعْلَمُهُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ

جانتا ہے ان کو' اور جو بھی خرچ کروگے تم کوئی چیز اللہ کی راہ میں' پورا دیا جائے گا تمہیں (اس کا اجر)

وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٦٠﴾

اور تم نہیں ظلم کیے جاؤ گے ○

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں سے فرمایا: ﴿وَاَعِدُّوْا﴾ ''اور تیار کروتم'' یعنی اپنے کفار دشمنوں کے لیے تیار کرو جو تمہیں ہلاک کرنے اور تمہارے دین کے ابطال کے درپے رہتے ہیں۔ ﴿مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ﴾ ''اپنی طاقت بھر قوت'' یعنی قوت عقلیہ' قوت بدنیہ اور مختلف انواع کا اسلحہ' جو دشمن کے خلاف جنگ میں تمہاری مدد کرے۔ کفار کے خلاف اس تیاری میں وہ تمام صنعتیں آجاتی ہیں جن سے اسلحہ اور آلات حرب بنائے جاتے ہیں' مثلاً توپیں' مشین گنیں' بندوقیں' جنگی طیارے' بری اور بحری سواریاں' دفاعی قلعہ بندیاں' مورچے اور دیگر دفاعی آلات حرب وغیرہ۔ نیز حکمت عملی اور سیاست کاری میں مہارت پیدا کرنا' جس کے ذریعے سے وہ آگے بڑھ سکیں اور دشمن کے شر سے اپنا دفاع کرسکیں۔ نشانہ بازی' شجاعت اور جنگی منصوبہ سازی کی تعلیم حاصل کرنا۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((اَلَا اِنَّ الْقُوَّةَ الرَّمْيُ)) ''سن لو! قوت سے مراد تیر اندازی ہے۔''[1] کیونکہ عہد رسالت میں تیر اندازی' جنگ کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھا۔ نیز ان گاڑیوں کی تیاری' جو جنگ میں نقل و حمل کے کام آتی ہیں' جنگی استعداد میں شمار ہوتی ہیں۔ بنابریں فرمایا: ﴿وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ ''اور گھوڑوں کو تیار رکھ کر' کہ اس سے دھاک بٹھاؤ تم اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر'' اس حکم کی علت' اس زمانے میں بھی موجود ہے اور وہ ہے دشمنوں کو مرعوب رکھنا۔ حکم کا دارومدار علت پر ہوتا ہے۔ اگر دنیا میں ایسے آلات اور سامان حرب موجود ہوں جن کے ذریعے سے دشمن کو مذکورہ چیزوں سے زیادہ خوف زدہ رکھا جاسکتا ہو۔۔۔ یعنی گاڑیاں اور ہوائی طیارے جو جنگ میں کام آتے ہیں اور جن کی ضرب بھی کاری ہے۔۔۔ تو ان کو

[1] صحيح مسلم' كتاب الإمارة' باب فضل الرمي...... الخ' حديث: ١٩١٧

حاصل کر کے ان کے ذریعے سے جنگی استعداد بڑھانا فرض ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس سامان حرب کو صنعت کی تعلیم حاصل کیے بغیر' حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو یہ تعلیم حاصل کرنا بھی فرض ہوگا' کیونکہ فقہی قاعدہ ہے (مَالَا یَتِمُّ الْوَاجِبُ اِلَّا بِهٖ فَهُوَ وَاجِبٌ) ''جس کے بغیر واجب کی تکمیل ممکن نہ ہو' تو وہ بھی واجب ہے''۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿ تُرۡهِبُوۡنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمۡ ﴾ میں ''تمہارے دشمن'' سے مراد وہ ہیں جن کے بارے میں تم جانتے ہو کہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ﴿ وَاٰخَرِيۡنَ مِنۡ دُوۡنِهِمۡ ۚ لَا تَعۡلَمُوۡنَهُمۡ ﴾ ''اور دوسروں کو ان کے سوا' جن کو تم نہیں جانتے'' یعنی جن کے بارے میں تمہیں معلوم نہیں جو اس وقت کے بعد' جب اللہ تم سے مخاطب ہے' تمہارے ساتھ لڑائی کریں گے۔ ﴿ اَللّٰهُ يَعۡلَمُهُمۡ ﴾ ''اللہ ان کو جانتا ہے''۔ پس اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف تیار رہنے کا حکم دیا ہے۔

دشمن کے خلاف جنگ میں جو چیز سب سے زیادہ مدد دیتی ہے وہ ہے کفار کے خلاف جہاد میں مال خرچ کرنا' اس لیے اللہ تعالیٰ نے جہاد میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَىۡءٍ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ﴾ ''اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں'' خواہ یہ قلیل ہو یا کثیر ﴿ يُوَفَّ اِلَيۡكُمۡ ﴾ ''وہ پورا پورا تمہیں دیا جائے گا'' یعنی قیامت کے روز اس کا اجر کئی گنا کر کے ادا کیا جائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیے گئے مال کا ثواب سات سو گنا تک، بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھا کر دیا جائے گا۔ ﴿ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴾ ''اور تمہاری حق تلفی نہ ہوگی'' یعنی تمہارے لیے اس کے اجر و ثواب میں کچھ بھی کمی نہ کی جائے گی۔

وَاِنۡ جَنَحُوۡا لِلسَّلۡمِ فَاجۡنَحۡ لَهَا وَتَوَكَّلۡ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيۡعُ

اور اگر جھکیں وہ واسطے صلح کے' تو جھک جائیں آپ بھی اس کے لیے' اور بھروسہ کیجئے اللہ پر' بے شک وہی خوب سننے والا

الۡعَلِيۡمُ ﴿۶۱﴾ وَاِنۡ يُّرِيۡدُوۡۤا اَنۡ يَّخۡدَعُوۡكَ فَاِنَّ حَسۡبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِىۡۤ

خوب جاننے والا ہے ○ اور اگر ارادہ کریں وہ یہ کہ دھوکہ دیں آپ کو' تو بے شک کافی ہے آپ کو اللہ' وہی ہے جس نے

اَيَّدَكَ بِنَصۡرِهٖ وَبِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ ﴿۶۲﴾ وَاَلَّفَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ ؕ لَوۡ اَنۡفَقۡتَ مَا

تائید کی آپ کی اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے سے ○ اور الفت ڈال دی اس نے درمیان انکے دلوں کے' اگر خرچ کر دیتے آپ جو کچھ

فِى الۡاَرۡضِ جَمِيۡعًا مَّاۤ اَلَّفۡتَ بَيۡنَ قُلُوۡبِهِمۡ وَلٰـكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيۡنَهُمۡ ؕ

زمین میں ہے سارا' نہیں الفت ڈال سکتے تھے آپ درمیان ان کے دلوں کے' لیکن اللہ ہی نے الفت ڈالی درمیان ان کے

اِنَّهٗ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿۶۳﴾ يٰۤاَيُّهَا النَّبِىُّ حَسۡبُكَ اللّٰهُ

بیشک وہ زبردست' حکمت والا ہے ○ اے نبی! کافی ہے آپ کو اللہ

وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٤﴾

اور وہ جنہوں نے پیروی کی آپ کی مومنوں میں سے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَاِنْ جَنَحُوْا ﴾ ''اگر وہ مائل ہوں'' یعنی جنگ کرنے والے کفار ﴿ لِلسَّلْمِ ﴾ ''صلح کی طرف'' یعنی صلح اور ترک قتال کی طرف ﴿ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ﴾ ''تو آپ بھی اس (صلح) کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ کریں'' یعنی جو چیز وہ طلب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے ان کو دے دو' کیونکہ اس میں بہت سے فوائد ہیں' مثلاً:

(۱) ہر وقت طلب عافیت مطلوب ہے اور اگر وہ طلب عافیت میں ابتدا کرتے ہیں تو اس کا مثبت جواب دینا اولیٰ ہے۔

(۲) اس سے تمہاری قوتیں جمع ہوں گی اور کسی دوسرے وقت اگر ان کے خلاف جنگ ناگزیر ہو جائے' تو تمہاری یہ جنگی استعداد تمہارے کام آئے گی۔

(۳) اگر تم نے صلح کر لی اور ایک دوسرے سے مامون ہو گئے اور ایک دوسرے کے اطوار کی معرفت حاصل کر لی' تو اسلام کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ غالب آتا ہے کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔

پس ہر وہ شخص جو عقل وبصیرت سے بہرہ ور ہے اگر وہ انصاف سے کام لیتا ہے تو وہ اسلام کو' اس کے اوامر ونواہی کی خوبی' مخلوق کے ساتھ اس کے حسن معاملہ اور ان کے ساتھ عدل وانصاف کی بنا پر دوسرے ادیان پر ترجیح دے گا۔ وہ یہ بھی دیکھے گا کہ کسی بھی پہلو سے اس میں کوئی ظلم وجور نہیں اور کثرت سے لوگ اس کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ تب یہ صلح کفار کے خلاف مسلمانوں کے لیے مددگار ثابت ہوتی ہے۔

اس صلح میں صرف ایک بات کا خوف ہوتا ہے کہ کہیں کفار کا مقصد مسلمانوں کو دھوکہ دینا اور اس کے ذریعے سے صرف وقت اور مہلت حاصل کرنا نہ ہو۔۔۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو آگاہ فرمایا ہے کہ وہ کفار کے مکر وفریب کے مقابلے میں ان کے لیے کافی ہے اور اس مکر وفریب کا ضرر انہی کی طرف لوٹے گا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ﴾ ''اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں' تو آپ کو اللہ کافی ہے''۔ یعنی آپ کو جو ایذا پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے۔ وہی ہے جو آپ کے مصالح اور امور ضروریہ کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور کفایت اس سے پہلے بھی تھی جس پر آپ کا قلب مطمئن تھا۔

﴿ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''وہی ہے جس نے آپ کو اپنی مدد سے اور مومنوں (کی جمعیت) سے تقویت بخشی''۔ یعنی وہی ہے جس نے آسمانی مدد کے ذریعے سے آپ کی اعانت فرمائی اور یہ اس کی طرف سے ایسی مدد ہے جس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی نیز اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان کے ذریعے سے آپ کی مدد فرمانا یہ ہے

کہ ان کو آپ کی مدد پر مقرر فرما دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا'' پس وہ اکٹھے ہو گئے اور اس سبب سے ان کی قوت میں اضافہ ہو گیا۔ یہ سب کچھ اللہ کی طاقت کے سوا کسی اور کی کوشش اور طاقت کے سبب سے نہ تھا۔ ﴿لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا﴾ ''اگر آپ خرچ کر دیتے جو کچھ زمین میں ہے سارا'' اس شدید نفرت اور افتراق کے ہوتے ہوئے جو ان میں پایا جاتا تھا اگر آپ زمین کا تمام سونا' چاندی وغیرہ ان کے دلوں کو جوڑنے کے لیے خرچ کر دیتے ﴿مَّاۤ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''پھر بھی آپ ان کے دلوں کو کبھی جوڑ نہ سکتے'' کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہستی دلوں کو بدلنے پر قادر نہیں۔ ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ''لیکن اللہ نے الفت ڈال دی ان میں' بے شک وہ غالب ہے حکمت والا۔'' یہ اس کا غلبہ ہی ہے کہ اس نے ان کے دلوں میں الفت ڈال دی اور ان کے افتراق اور تفرقہ کے بعد ان کو اکٹھا اور متحد کر دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا﴾ (آل عمران: ۱۰۳/۳) ''اور اللہ کی نعمت کو' جو تم پر ہوئی' یاد کرو' جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے' پس اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ﴾ ''اے نبی اللہ آپ کو کافی ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے ﴿وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ''اور آپ کے متبعین اہل ایمان کے لیے (بھی) کافی ہے۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لیے' جو اس کے رسول کے اطاعت گزار ہیں' کافی ہونے کا اور ان کے دشمنوں کے خلاف فتح ونصرت کا وعدہ ہے۔ جب انہوں نے ایمان اور اتباع رسول کے سبب کو اختیار کیا تو ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی دین ودنیا کی پریشانیوں سے ان کے لیے کافی ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی کفایت تو صرف اپنی شرط کے معدوم ہونے پر معدوم ہوتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ

اے نبی! ابھاریے مومنوں کو اوپر لڑائی کے' اگر ہوں گے تم میں سے بیس

صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْۤا اَلْفًا

صبر کرنے والے تو غالب آئیں گے وہ دو سو پر۔ اور اگر ہوں گے تم میں سے ایک سو تو غالب آئیں گے وہ ہزار پر'

مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ

ان میں سے جنہوں نے کفر کیا' اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے ○ اب تخفیف کر دی اللہ نے

عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا

تم سے اور جان لیا اس نے کہ تمہارے اندر کمزوری ہے۔ پس اگر ہوں گے تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے تو غالب آئیں گے

مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ

وہ دو سو پر اور اگر ہوں گے تم میں سے ایک ہزار تو غالب آئیں گے وہ دو ہزار پر اللہ کے حکم سے

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿٦٦﴾

اور اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَي الْقِتَالِ ﴾ ”اے نبی! مومنوں کو جہاد کی ترغیب دو۔“ یعنی آپ انہیں ہر اس طریقے کے ذریعے سے قتال پر آمادہ کریں جس سے ان کے عزائم مضبوط ہوں اور ان کے ارادوں میں نشاط پیدا ہو۔ یعنی جہاد اور دشمن سے مقابلے کی ترغیب دی جائے اور جہاد سے باز رہنے کے انجام سے ڈرایا جائے۔ شجاعت اور صبر کے فضائل اور ان پر مرتب ہونے والی دین و دنیا کی بھلائی کا ذکر کیا جائے۔ بزدلی کے نقصانات بیان کیے جائیں اور یہ واضح کیا جائے کہ بزدلی ایک انتہائی رذیل اور ناقص خصلت ہے اور شجاعت کا اہل ایمان کی صفت ہونا دوسروں کی نسبت زیادہ اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّھُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ﴾ (النساء: ۴/۱۰۴) ”اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو انہیں بھی تکلیف پہنچتی ہے جیسے تمہیں پہنچتی ہے جبکہ تم اللہ سے ایسی امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔“ ﴿ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ ﴾ ”اے مومنو! اگر ہوں تم میں سے“ ﴿ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ”بیس شخص ثابت قدم رہنے والے، تو غالب ہوں گے وہ دو سو پر اور اگر ہوں تم میں سے سو شخص، تو غالب ہوں گے ہزار کافروں پر۔“ یعنی ایک مومن دس کافروں کا مقابلہ کرے گا اور اس کا سبب یہ ہے ﴿ بِاَنَّھُمْ ﴾ ”کہ وہ“ یعنی کفار ﴿ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴾ ”ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے۔“ یعنی انہیں کوئی علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں جہاد کرنے والے مجاہدین کے لیے کیا ثواب تیار کر رکھا ہے۔ پس یہ کفار زمین میں اقتدار، تغلب اور اس میں فساد پھیلانے کے لیے لڑتے ہیں اور تم (اے مسلمانو!) اس جنگ کا مقصد سمجھتے ہو کہ یہ جنگ اعلائے کلمۃ اللہ، دین کے غلبہ، کتاب اللہ کی حفاظت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے بڑی کامیابی کے حصول کے لیے ہے اور یہ تمام امور شجاعت، صبر و ثبات اور اقدام علی القتال کے اسباب ہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے اس حکم میں تخفیف کر دی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ﴾ ”اب بوجھ ہلکا کر دیا اللہ نے تم پر سے اور جان لیا کہ تم میں کمزوری ہے۔“ اسی لئے اللہ کی رحمت اور اس کی حکمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ اس حکم میں تخفیف کر دی جائے، چنانچہ اب اگر تم

میں سے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں' تو وہ دو سو پر اور اگر ہزار ہوں تو وہ دو ہزار پر غالب ہوں گے۔ ﴿ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ ''اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مدد اور تائید کے ذریعے سے صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

ان آیات کریمہ کا اسلوب اگرچہ اہل ایمان کے بارے میں خبر کا ہے کہ جب وہ اس معینہ تعداد تک پہنچتے ہیں تو وہ مقابلے میں کفار کی مذکورہ تعداد پر غالب آ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا کہ اس نے ان کو شجاعت ایمانی سے نوازا ہے' مگر اس کا معنی اور حقیقی منشا امر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو پہلے حکم دیا کہ ایک مومن کو (میدان جنگ میں) دس کافروں کے مقابلے سے فرار نہیں ہونا چاہیے' اسی طرح دس مومنوں کو سو کافروں اور سو مومنوں کو ہزار کافروں کے مقابلے سے منہ نہیں موڑنا چاہیے۔

پھر اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرما دی اور حکم دیا کہ وہ اپنے سے دوگنا کفار کے مقابلے سے فرار نہ ہوں۔ اگر کفار کی تعداد دوگنا سے زیادہ ہو تو اس صورت میں کفار کے مقابلے سے بھاگنا جائز ہے۔ مگر دو امور اس کی تردید کرتے ہیں۔

(۱) یہ حکم خبر کے اسلوب میں ہے اور خبر کا اصول یہ ہے کہ یہ اپنے باب کے مطابق استعمال ہوتی ہے اور اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر اور امر واقع کی خبر دینا ہے۔

(۲) اس عدد مذکور کو صبر کی قید کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ یعنی انہوں نے صبر کو مشق کے ذریعے سے اپنی عادت بنا لیا ہو۔

اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر وہ صابر نہ ہوں تو ان کے لیے فرار جائز ہے خواہ کافر ان سے کم ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ اس صورت میں ہے جب نقصان پہنچنے کا اندیشہ غالب ہو' جیسا کہ حکمت الٰہیہ کا تقاضا ہے۔

پہلے نکتے کا جواب یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ﴿ اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ ﴾ ... سے لے کر ﴿ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ تک ۔۔۔ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ امر لازم اور حتمی ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے اس تعداد میں تخفیف فرما دی۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت کریمہ کا پیرایہ اگرچہ خبر کا ہے مگر اس سے مراد امر ہے۔

اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حکم کو خبر کے پیرائے میں بیان کرنے میں ایک انوکھا نکتہ پنہاں ہے' جو امر کے اسلوب میں ہرگز نہ پایا جاتا ۔۔۔ اور وہ یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کے دلوں کے لیے تقویت اور بشارت ہے کہ وہ عنقریب کافروں پر غالب آئیں گے۔

دوسرے نکتے کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اہل ایمان کو صبر کی صفت سے مقید کرنا درحقیقت ان کو صبر کی ترغیب دینا ہے۔ یعنی تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ تم وہ تمام اسباب اختیار کرو جو صبر کے موجب ہیں۔

جب وہ صبر کا التزام کرتے ہیں تو تمام اسباب ایمانی اور اسباب مادی اس امر کے حصول کی خوشخبری دیتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے۔۔۔ یعنی اہل ایمان کی قلیل تعداد کو فتح و نصرت سے نوازنا۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ تُرِيْدُوْنَ

نہیں لائق کسی نبی کے کہ ہوں اسکے پاس قیدی (اور وہ انہیں قتل نہ کرے) یہاں تک کہ وہ خوب خوں ریزی کر لے زمین میں ارادہ کرتے ہو تم

عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ

سامان دنیا کا اور اللہ ارادہ کرتا ہے آخرت کا اور اللہ زبردست حکمت والا ہے ○ اگر نہ ہوتی (ایک بات) لکھی ہوئی

مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ

اللہ کی طرف سے پہلے ہی تو پہنچتا تم کو اس (کے بدلے) میں جو لیا تم نے عذاب بڑا ○ پس کھاؤ تم اس سے جو لیا تم نے غنیمت کا مال

رکوع ۹

حَلٰلًا طَيِّبًا ۖؗ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾ ع

حلال پاکیزہ اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ○

یہ غزوۂ بدر کے موقع پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ اور اہل ایمان پر عتاب ہے جب انہوں نے مشرکین کو جنگی قیدی بنایا اور ان سے معاوضہ لینے کے لئے اپنے پاس رکھا۔ امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان سے مالی معاوضہ لینے کی بجائے ان کو قتل کر کے ان کی جڑ کاٹ دی جائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ﴾ ”نبی کے شایاں نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں یہاں تک کہ (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں کثرت سے خون نہ بہادے۔“ یعنی نبی کے لیے یہ بات ہرگز مناسب نہیں کہ جب وہ کفار کے ساتھ جنگ کرے جو اللہ تعالیٰ کی روشنی کو بجھانا اور اس کے دین کو مٹانا چاہتے ہیں اور وہ یہ بھی خواہش رکھتے ہیں کہ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو۔۔۔ تو محض فدیہ کی خاطر (کفار کو قتل کرنے کی بجائے) قیدی بنانا شروع کر دے۔ یہ فدیہ اس مصلحت کی نسبت سے بہت حقیر ہے جو ان کے قلع قمع اور ان کے شر کے ابطال کا تقاضا کرتی ہے۔ جب تک ان میں شر اور حملہ کرنے کی قوت موجود ہے اس وقت تک بہتر یہی ہے کہ ان کو (قتل کرنے کی بجائے) جنگی قیدی نہ بنایا جائے۔ جب خونریزی کے بعد کفار کا قلع قمع اور مشرکین کے شر کا سد باب ہو جائے اور ان کا معاملہ کمزور پڑ جائے تب ان کو (میدان جنگ میں) قیدی بنانے اور ان کی جان بخشی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿تُرِيْدُوْنَ﴾ ”تم چاہتے ہو“ یعنی تم ان کی جان بخشی کر کے اور اس کے عوض فدیہ لے کر ﴿عَرَضَ الدُّنْيَا﴾ ”دنیاوی مال و متاع لینا“ یعنی تم کسی ایسی مصلحت کی خاطر ان کی جان بخشی نہیں کر رہے جو دین کی طرف راجع ہو۔ ﴿وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ﴾ ”اور اللہ آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے۔“ مگر

اللہ تعالیٰ دین کو عزت سے نواز کر، اپنے اولیاء کی مدد کر کے اور دیگر قوموں پر انہیں غلبہ بخش کر اہل ایمان کے لئے آخرت کی بھلائی چاہتا ہے۔ پس وہ انہیں انہی امور کا حکم دیتا ہے جو اس منزل مراد پر پہنچاتے ہیں۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ غالب، حکمت والا ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کامل غلبے کا مالک ہے۔ اگر وہ کسی لڑائی کے بغیر کفار پر فتح دینا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ مگر وہ حکمت والا ہے، وہ تمہیں ایک دوسرے کے ذریعے سے آزماتا ہے۔

﴿ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ ﴾ ''اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا'' یعنی اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر مقرر نہ ہو چکی ہوتی اور تمہارے لئے غنائم کو حلال نہ کر دیا گیا ہوتا اور اے امت مسلمہ!..... تم سے عذاب کو نہ اٹھا لیا گیا ہوتا ﴿ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''تو تم نے جو فدیہ حاصل کیا ہے اس کی پاداش میں تمہیں عذاب عظیم آلیتا۔'' اور حدیث میں آتا ہے ''اگر بدر کے روز (قیدیوں کے فدیہ کے معاملے میں) عذاب نازل ہوتا تو عمر (رضی اللہ عنہ) کے سوا کوئی نہ بچتا۔ ①

﴿ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ﴾ ''پس کھاؤ تم جو تم کو غنیمت میں ملا، حلال پاکیزہ'' یہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اس کے لیے غنائم کو حلال کر دیا حالانکہ اس سے قبل کسی امت پر غنائم کو حلال نہیں کیا گیا تھا۔ ﴿ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ﴾ ''اور اللہ سے ڈرتے رہو۔'' یعنی اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ ﴾ ''بے شک اللہ بخشنے والا ہے۔'' جو کوئی توبہ کر کے اس کی طرف لوٹتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے اور جس نے شرک نہیں کیا، اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دے گا۔ (اگر چاہے گا) ﴿ رَّحِيْمٌ ﴾ اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے کہ اس نے تم پر مال غنیمت کو مباح کیا اور اس کو تمہارے لئے حلال اور پاک قرار دیا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ

اے نبی! کہہ دیجئے! ان سے جو تمہارے ہاتھوں میں (گرفتار) قیدی ہیں، اگر جانے گا اللہ تمہارے دلوں میں

خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٠﴾

بھلائی، تو دے گا وہ تمہیں زیادہ بہتر اس سے جو (فدیے میں) لیا گیا تم سے اور بخش دے گا تمہیں، اور اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے ○

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۭ

اور اگر ارادہ کریں وہ آپ سے خیانت کا، تو تحقیق وہ خیانت کر چکے ہیں اللہ سے اس سے پہلے، تو قدرت دی اللہ نے (آپ کو) ان پر،

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾

اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے ○

① تفسیر الدر المنثور، (٣٦٦/٣)

یہ آیت کریمہ اسیران بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ان قیدیوں میں رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس بھی شامل تھے۔ جب رہائی کے عوض ان سے فدیہ کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے عرض کیا کہ انہوں نے اس سے قبل اسلام قبول کیا ہوا تھا، مگر مسلمانوں نے ان سے فدیہ کو ساقط نہ کیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی اور ان لوگوں کی دل جوئی کی خاطر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی جو اس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوں۔ فرمایا: ﴿ یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّمَنْ فِیْۤ اَیْدِیْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤی اِنْ یَّعْلَمِ اللّٰهُ فِیْ قُلُوْبِكُمْ خَیْرًا یُّؤْتِكُمْ خَیْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ ﴾ ”اے نبی! ان سے کہہ دو! جو تمہارے ہاتھوں میں قیدی ہیں، اگر اللہ تمہارے دلوں میں کچھ نیکی جانے گا، تو تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے“ یعنی جو مال تم سے لیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے بدلے خیر کثیر عطا کرے گا۔ ﴿ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ﴾ ”اور (اللہ تعالیٰ) تمہارے گناہ بخش دے گا“ اور تمہیں جنت میں داخل کرے گا۔ ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴾ ”اور اللہ بہت بخشنے والا، نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اپنا وعدہ پورا کر دیا، اس کے بعد انہیں بہت زیادہ مال حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بہت زیادہ مال آیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے کپڑے میں جتنا مال اٹھا سکتے ہیں لے لیں۔ انہوں نے اتنا مال لیا کہ ان سے اٹھایا نہیں جا رہا تھا۔

﴿ وَاِنْ یُّرِیْدُوْا خِیَانَتَكَ ﴾ ”اور اگر یہ لوگ آپ سے دغا کرنا چاہتے ہیں“ یعنی اگر وہ آپ ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کی کوشش کر کے خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں ﴿ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ﴾ ”تو وہ خیانت کر چکے ہیں اللہ کی اس سے پہلے، پس اس نے ان کو پکڑوا دیا“ پس وہ آپ کے ساتھ خیانت کرنے سے بچیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان پر اختیار رکھتا ہے اور وہ اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ علیم ہے، وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے، وہ ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھتا ہے۔ یہ اس کا علم و حکمت ہی ہے کہ اس نے تمہارے لئے نہایت خوبصورت اور جلیل القدر احکام وضع فرمائے اور کفار کے شر اور ان کی خیانت کے ارادے کے مقابلے میں تمہاری کفایت کا ذمہ لیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے اللہ کی راہ میں،

وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْۤا اُولٰٓىِٕكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ ؕ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اور وہ لوگ جنہوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور مدد کی، یہی لوگ ہیں کہ بعض ان کے حمایتی ہیں بعض کے، اور وہ جو ایمان لائے

وَلَمْ یُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَایَتِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ حَتّٰی یُهَاجِرُوْا ۚ وَاِنِ

اور نہیں ہجرت کی انہوں نے، نہیں ہے تمہارے لیے ان کی حمایت سے کچھ بھی، یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں۔ اور اگر

اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ

وہ مدد طلب کریں تم سے دین (کے کام) میں تو تم پر واجب ہے مدد کرنا' مگر مقابلے میں اس قوم کے کہ تمہارے

وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾

درمیان اوران کے درمیان کوئی عہد ہو'اوراللہ ان کو جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا ہے ○

یہ موالات اور محبت کا رشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے درمیان...... جو ایمان لائے' جنہوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑا۔۔۔۔اور انصار کے درمیان قائم کیا' جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو پناہ دی' اپنے گھر' مال اور خود ان کی ذات کے بارے میں ان کی مدد کی۔ یہ سب لوگ اپنے کامل ایمان اور ایک دوسرے کے ساتھ مکمل اتصال کی بنا پر ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يُهَاجِرُوْا مَا لَكُمْ مِّنْ وَّلَايَتِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا ﴾ ''اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی' تم کو ان کی رفاقت سے کچھ کام نہیں' جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں'' کیونکہ انہوں نے تم سے علیحدہ ہو کر تمہاری ولایت و دوستی کا رشتہ ایسے وقت میں منقطع کر لیا جب کہ تمہیں مردوں کی مدد کی سخت ضرورت تھی اور چونکہ انہوں نے ہجرت نہیں کی اس لئے مومنین کی طرف سے ان کی کوئی دوستی نہیں۔ البتہ ﴿ وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ ﴾ ''اگر وہ تم سے دین (کے معاملات) میں مدد طلب کریں'' یعنی اگر کوئی قوم ان کے خلاف لڑائی کرے اور یہ اس لڑائی میں تم سے مدد مانگیں ﴿ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ ﴾ ''تو تم کو مدد کرنی لازم ہے۔'' یعنی تم پر ان کی مدد کرنا اور ان کے ساتھ مل کر ان کے دشمن کے خلاف لڑنا واجب ہے اور اگر وہ اس کے علاوہ دیگر مقاصد کے لیے لڑتے ہیں تو تم پر ان کی مدد کرنا واجب نہیں۔

﴿ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ﴾ ''مگر ان لوگوں کے مقابلہ میں کہ تم میں اور ان میں (صلح کا) عہد ہو چکا ہے (مدد نہیں کرنی چاہیے)''۔ یعنی جن کے ساتھ تمہارا جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہے اور وہ مومن جنہوں نے ہجرت نہیں کی' اگر ان کے ساتھ لڑنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو ان کے خلاف ان مومنوں کی مدد نہ کرو' کیونکہ تمہارے اور ان کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴾ ''اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔'' یعنی وہ تمہارے احوال اور رویوں کو جانتا ہے' اس لئے اس نے تمہارے لئے ایسے احکام مشروع کیے ہیں جو تمہارے احوال کے لائق ہیں۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاۗءُ بَعْضٍ ۭ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا' بعض ان کے حمایتی ہیں بعض کے۔ اگر (مسلمانو!) نہ کرو گے تم ایسا (باہم حمایت) تو ہو گا فتنہ

فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۷۳﴾ ۭ

زمین میں اور فساد بڑا ○

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اہل ایمان کے درمیان موالات کا رشتہ قائم کر دیا تو اس نے آگاہ فرمایا کہ چونکہ کفار کو ان کے کفر نے اکٹھا کر دیا ہے اس لئے وہ ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں اور ان جیسے کفار کے سوا ان کا کوئی ولی اور دوست نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِلَّا تَفۡعَلُوۡهُ ﴾ ''تو (مومنو) اگر تم (بھی) یہ (کام) نہ کرو گے''، یعنی اگر تم مومنوں کے ساتھ موالات اور کفار کے ساتھ عداوت کے اصول پر عمل نہیں کرو گے یعنی تم اہل ایمان کی حمایت اور کفار سے دشمنی نہیں کرو گے' یا تم کفار کی حمایت کرو گے اور اہل ایمان سے دشمنی رکھو گے ﴿ تَكُنۡ فِتۡنَةٌ فِى الۡاَرۡضِ وَفَسَادٌ كَبِيۡرٌ ﴾ ''تو ملکوں میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد مچے گا۔'' یعنی حق و باطل اور مومن و کافر کے اختلاط سے ایک ایسی برائی جنم لے گی جس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا اور بہت سی بڑی بڑی عبادات مثلاً جہاد اور ہجرت وغیرہ معدوم ہو جائیں گی۔ جب اہل ایمان صرف اہل ایمان ہی کو اپنا دوست اور حمایتی نہیں بنائیں گے تو شریعت اور دین کے اس قسم کے مقاصد فوت ہو جائیں گے۔

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالَّذِيۡنَ اٰوَوْا

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا انہوں نے اللہ کی راہ میں اور (اسی طرح) وہ لوگ جنہوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی

وَّنَصَرُوۡۤا اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ؕ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ﴿۷۴﴾

اور مدد کی (ان کی) یہی ہیں مومن سچے انہی کے لیے ہے مغفرت اور روزی باعزت ○

وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡۢ بَعۡدُ وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا مَعَكُمۡ فَاُولٰۤـئِكَ مِنۡكُمۡ ؕ

اور وہ لوگ جو ایمان لائے بعد میں اور ہجرت کی انہوں نے اور جہاد کیا تمہارے ساتھ (مل کر)' پس یہ لوگ تم ہی میں سے ہیں

وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ ؕ

اور رشتے دار بعض ان میں سے زیادہ حق دار ہیں ساتھ بعض کے اللہ کی کتاب میں۔

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴿۷۵﴾

بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

گزشتہ آیات میں مہاجرین وانصار کے رشتہ موالات کا تذکرہ تھا اور ان آیات میں ان کی مدح اور ثواب کا ذکر ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَهَاجَرُوۡا وَجٰهَدُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَالَّذِيۡنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوۡۤا ﴾ ''اور جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑائیاں کرتے رہے اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) پناہ دی اور ان کی مدد کی'' یعنی مہاجرین وانصار ﴿ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ حَقًّا ﴾ یعنی وہی سچے مومن ہیں کیونکہ انہوں نے ہجرت' نصرت دین' ایک دوسرے کے ساتھ موالات اور اپنے دشمنوں کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کر کے اپنے ایمان کی تصدیق کی ہے۔ ﴿ لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ ﴾ ''ان کے لیے مغفرت ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کی

طرف سے۔جس سے ان کی برائیاں محو کردی جائیں گی اور ان کی لغزشیں ختم کردی جائیں گی ﴿ وَرِزۡقٌ كَرِيۡمٌ ﴾ ''اور عزت کی روزی''یعنی ان کے لیے ان کے رب کی طرف سے نعمتوں بھری جنتوں میں خیر کثیر ہے۔بسا اوقات اس دنیا ہی میں انہیں بہت جلد ثواب عطا کردیا جاتا ہے جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں اور دل مطمئن ہوتے ہیں۔اسی طرح جو لوگ ان مہاجرین وانصار کے بعد آئیں' نیکیوں میں ان کی اتباع کریں' ایمان لائیں' ہجرت کریں اور اللہ کے راستے میں جہاد کریں ﴿ فَاُولٰٓئِكَ مِنۡكُمۡ ﴾ ''پس وہ لوگ تم ہی میں سے ہیں'' ان کے وہی حقوق ہیں جو تمہارے حقوق ہیں اور ان کے ذمے وہی فرائض ہیں جو تمہارے ذمے ہیں۔ایمان پر مبنی یہ موالات اسلام کے ابتدائی زمانے میں تھی۔اس کی بہت بڑی وقعت اور عظیم شان ہے۔حتی کہ نبی مصطفیٰ ﷺ نے مہاجرین وانصار کے درمیان جو اخوت قائم کی تھی' وہ خاص اخوت تھی جو اخوت عامہ وایمانیہ کے علاوہ ہے' حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے وارث بھی بنے۔پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی ﴿ وَاُولُوا الۡاَرۡحَامِ بَعۡضُهُمۡ اَوۡلٰى بِبَعۡضٍ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ ''اور رشتے دار آپس میں زیادہ حق دار ہیں ایک دوسرے کے' اللہ کے حکم میں'' اس لئے میت کی وراثت صرف انہی لوگوں کو ملے گی جو اصحاب الفروض ہیں یا وہ میت کا عصبہ ہیں۔اگر میت کا عصبہ اور اصحاب الفروض موجود نہ ہوں تو ذوو الارحام میں سے وہ لوگ وارث بنیں گے جو رشتہ میں میت کے سب سے زیادہ قریب ہیں جیسا کہ آیت کریمہ کا عموم دلالت کرتا ہے۔﴿ فِىۡ كِتٰبِ اللّٰهِ ﴾ ''اللہ کی کتاب میں''یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی کتاب میں۔﴿ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىۡءٍ عَلِيۡمٌ ﴾ ''کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔'' اس کے احاطۂ علم میں تمہارے احوال بھی شامل ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی مناسبت سے تم پر دینی اور شرعی احکام جاری کرتا ہے۔

ایاتها ١٢٩ (٩) سُوۡرَةُ التَّوۡبَةِ مَدَنِيَّةٌ (١١٣) رکوعاتها ١٦

سُوۡرَةُ التَّوۡبَةِ

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖۤ اِلَى الَّذِيۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ١ فَسِيۡحُوۡا

(یہ) دست برداری ہے اللہ اور اسکے رسول کی جانب سے' ان لوگوں سے کہ عہد کررکھا تھا تم نے (ان) مشرکین سے ○ پس چلو پھرو تم

فِى الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ وَّاعۡلَمُوۡۤا اَنَّكُمۡ غَيۡرُ مُعۡجِزِى اللّٰهِ

زمین میں چار مہینے اور جان لو کہ بیشک تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ کو

وَاَنَّ اللّٰهَ مُخۡزِى الۡكٰفِرِيۡنَ ٢

اور یہ کہ بلاشبہ اللہ رسوا کرنے والا ہے کافروں کو ○

یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے تمام مشرکین و معاندین سے اظہار براءت ہے۔ انہیں چار ماہ کی مہلت دی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے مامون ہیں، اس مدت میں وہ اپنے اختیار سے زمین میں چل پھر لیں۔ چار ماہ کے بعد ان کے ساتھ کوئی معاہدہ و میثاق نہیں۔ یہ معاملہ ان کفار کے ساتھ ہے جن کے ساتھ لامحدود مدت کے لئے معاہدہ ہے یا معاہدہ کی مدت چار ماہ یا اس سے کم ہے۔ رہا وہ معاہدہ جو چار ماہ سے زیادہ مدت کے لیے کیا گیا ہو، اگر معاہد سے خیانت کا خدشہ نہ ہو اور اس سے نقض عہد کی بھی ابتدا نہ ہوئی ہو تو مدت معینہ تک اس کے ساتھ کئے گئے معاہدے کو پورا کیا جائے گا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے معاہدین کو ان کی مدت عہد کے بارے میں ڈرایا ہے کہ اگرچہ وہ اس دوران میں مامون و محفوظ ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکیں گے نہ اس سے بچ سکیں گے اور ان میں سے جو کوئی اپنے شرک پر قائم رہے گا اللہ تعالیٰ ضرور اسے رسوا کرے گا۔۔۔ اور یہ چیز ان کے اسلام میں داخل ہونے کا باعث بن گئی۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے معاندانہ رویہ اختیار کیا اور اپنے کفر پر اصرار کیا اور اللہ تعالیٰ کی وعید کی کوئی پروا نہیں کی۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ

اور اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے لوگوں کی طرف، دن حج اکبر کے، کہ بے شک اللہ دست بردار ہے

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ

مشرکین سے اور اس کا رسول (بھی)، پس اگر تم توبہ کر لو تو یہ بہتر ہے تمہارے لیے اور اگر تم نے منہ پھیرے رکھا،

فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳﴾

تو جان لو کہ بیشک تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ کو، اور خوش خبری دے دیجیے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا، عذاب دردناک کی ○

یہ اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان کے ساتھ وعدہ ہے کہ وہ اپنے دین کو فتح مند اور اپنے کلمہ کو بلند کرے گا اور ان کے مشرک دشمنوں سے علیحدہ ہو جائے گا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکہ مکرمہ اور اللہ تعالیٰ کے محترم گھر سے نکال کر حجاز کے اس خطۂ ارضی سے جلاوطن کیا جس پر ان کا تسلط تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور مومنین کو فتح و نصرت سے نوازا حتیٰ کہ مکہ فتح ہو گیا۔ مشرکین مغلوب ہوئے اور ان علاقوں کا اقتدار اور غلبہ مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا، تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے اعلان کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ حج اکبر کے دن جو کہ قربانی اور جزیرۃ العرب کے مسلمانوں اور کفار کے اکٹھے ہونے کا دن ہے۔۔۔ اعلان کر دے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری الذمہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ہاں اب ان کے لیے کوئی عہد اور میثاق نہیں۔ وہ جہاں کہیں بھی ملیں گے ان کو قتل کیا جائے گا اور ان سے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ جائیں اور یہ سن ۹ ہجری تھا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ حج کیا اور قربانی کے روز رسول اللہ ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے براءت کا اعلان کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو توبہ کی ترغیب دی اور ان کو شرک پر جمے رہنے سے ڈرایا۔ ﴿ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ ﴾ ”پس اگر تم توبہ کرلو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر نہ مانو تو جان لو کہ تم اللہ کو ہرگز نہ تھکا سکو گے۔“ یعنی تم اللہ تعالیٰ سے بھاگ نہیں سکتے' بلکہ تم اس کے قبضہ' قدرت میں ہو اور وہ اس بات پر قادر ہے کہ تم پر اپنے مومن بندوں کو مسلط کر دے۔ ﴿ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ ”اور کافروں کو دکھ دینے والے عذاب کی خوش خبری سنادو۔“ جو دنیا میں قتل' اسیری اور جلاوطنی کی صورت میں انہیں دیا جائے گا اور آخرت میں جہنم کی آگ کا' جو بہت برا ٹھکانا ہے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا

مگر وہ لوگ جن سے تم نے عہد کر رکھا ہے' مشرکین میں سے' پھر نہیں کمی کی انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا بھی

وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ؕ

اور نہ مدد کی تمہارے خلاف کسی کی' سو پورا کرو ان کے ساتھ ان کا عہد ان کی مدت (مقررہ) تک۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ④

بے شک اللہ پسند کرتا ہے متقیوں کو ○

یعنی یہ تمام مشرکین سے کامل اور مطلق براءت کا اظہار ہے۔ ﴿ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴾ ”سوائے ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدہ کر رکھا ہے“ اور وہ اپنے عہد پر قائم ہیں اور ان سے کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہیں ہوا جو نقض عہد کا موجب ہو۔ انہوں نے معاہدے میں کوئی کوتاہی کی ہے نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی ہے۔ پس ان لوگوں کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کو اس کی مدت مقررہ تک پورا کرو خواہ یہ مدت تھوڑی ہو یا زیادہ۔۔۔ کیونکہ اسلام خیانت کا حکم نہیں دیتا' وہ تو معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴾ ”بے شک اللہ پسند کرتا ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کو“۔ وہ لوگ جنہوں نے ان ذمہ داریوں کو ادا کیا جن کا انہیں حکم دیا گیا اور شرک' خیانت اور دیگر گناہوں سے بچے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ

پس جب گزر جائیں مہینے حرمت والے تو قتل کرو مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ تم انہیں

وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا

اور پکڑو انہیں اور گھیرے میں لے رکھو ان کو اور بیٹھو ان کی تاک میں ہر گھات پر۔ پھر اگر وہ توبہ کرلیں اور قائم کریں

الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

نماز اور دیں زکوٰۃ' تو چھوڑ دو ان کا راستہ ۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ ﴾ "پس جب گزر جائیں مہینے پناہ کے" یعنی وہ مہینے جن میں معاہد مشرکین کے خلاف جنگ کو حرام ٹھہرایا گیا ہے اور یہ آسانی کے چار ماہ ہیں اور جن کے ساتھ چار ماہ سے زیادہ مدت کا معاہدہ کیا گیا ہے' اس مدت کو پورا کیا جائے۔۔۔۔اس کے بعد ان کے ساتھ معاہدہ کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔ ﴿ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ﴾ "پس مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔" یعنی وہ جس وقت اور جہاں کہیں بھی ہوں۔ ﴿ وَخُذُوْهُمْ ﴾ "ان کو قیدی بناؤ" ﴿ وَاحْصُرُوْهُمْ ﴾ "اور ان کو گھیر لو۔" یعنی ان پر زمین تنگ کر دو۔ اللہ کی اس زمین میں انہیں اس طرح نہ چھوڑ دو کہ وہ کھلے دندناتے پھرتے رہیں' جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے عبادت گاہ بنایا ہے۔ یہ لوگ اس زمین پر رہنے کے قابل نہیں' بلکہ وہ اس زمین سے بالشت بھر جگہ کے بھی مستحق نہیں کیونکہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور کفار اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں' ان کے خلاف جنگ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ زمین اللہ تعالیٰ کے دین سے خالی ہو جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا خواہ کفار کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔ ﴿ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ﴾ "اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھو۔" یعنی ہر گھاٹی اور ہر راستے میں گھات لگا کر بیٹھو جہاں سے وہ گزرتے ہیں۔ ان کے خلاف جہاد کے لیے پوری طرح تیار رہو اور جہاد میں اپنی پوری کوشش صرف کر دو اور ان کے خلاف اس وقت تک جہاد کرتے رہو جب تک کہ وہ اپنے شرک سے توبہ نہ کر لیں۔ بنابریں فرمایا: ﴿ فَاِنْ تَابُوْا ﴾ "پس اگر وہ توبہ کر لیں" یعنی اپنے شرک سے ﴿ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ ﴾ "اور نماز پڑھنے لگیں" یعنی اسے اس کے حقوق کے ساتھ ادا کریں ﴿ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ ﴾ "اور زکوۃ دینے لگیں" مستحقین کو زکوۃ دیں۔ ﴿ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ﴾ "تو ان کی راہ چھوڑ دو۔" یعنی ان کو چھوڑ دو' اب وہ تمہارے برابر ہیں ان کے وہی حقوق ہیں جو تمہارے ہیں اور ان کے ذمے وہی فرائض ہیں جو تمہارے ذمے ہیں ﴿ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ "بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔" یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کا شرک اور ان کے دیگر کم تر گناہ بخش دیتا ہے۔ انہیں توبہ کی توفیق بخش کر اور پھر اس توبہ کو قبول کر کے انہیں اپنی رحمت کے سائے میں لے لیتا ہے۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کوئی نماز قائم کرنے یا زکوۃ ادا کرنے سے رکے گا' اس کے خلاف اس وقت تک جنگ کی جائے گی جب تک کہ وہ نماز قائم نہیں کرتا اور زکوۃ ادا نہیں کرتا۔ جیسا کہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا تھا۔

وَاِنۡ اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ اسۡتَجَارَكَ فَاَجِرۡهُ حَتّٰى يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ

اور اگر کوئی مشرکین میں سے پناہ مانگے آپ سے تو پناہ دے دیں اس کو تا کہ سنے وہ کلام اللہ کا' پھر

اَبۡلِغۡهُ مَاۡمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا يَعۡلَمُوۡنَ ۝٦ ع

پہنچادیں اس کو اس کے امن کی جگہ پر۔ یہ اس سبب سے کہ وہ لوگ ایسے ہیں کہ نہیں علم رکھتے ۝

اللہ تبارک وتعالیٰ کا گزشتہ ارشاد ﴿ فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَيۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ وَخُذُوۡهُمۡ وَاحۡصُرُوۡهُمۡ وَاقۡعُدُوۡا لَهُمۡ كُلَّ مَرۡصَدٍ ﴾ تمام اشخاص کے لیے اور تمام احوال میں ایک عام حکم ہے۔ ہاں اگر مصلحت ان میں سے کسی کو قریب کرنے کا تقاضا کرتی ہو تو یہ جائز' بلکہ واجب ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَاِنۡ اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ اسۡتَجَارَكَ ﴾ ''اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ طلب کرے'' یعنی وہ یہ چاہے کہ آپ اس کو ضرر سے بچالیں تو اس مقصد کے لیے اس کو پناہ دے دیں تا کہ وہ اللہ کا کلام سن لے اور اسلام میں اچھی طرح غور وفکر کر لے۔ ﴿ فَاَجِرۡهُ حَتّٰى يَسۡمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ﴾ ''تو اس کو پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سنے'' یعنی پھر اگر وہ اسلام قبول کر لے تو بہتر ورنہ اسے امن کی جگہ پہنچا دیں یعنی وہ جگہ جہاں وہ مامون ہو اور اس کا سبب یہ ہے کہ کفار بے علم لوگ ہیں۔ بسا اوقات ان کا کفر پر قائم رہنا جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے' جب یہ سبب زائل ہو جاتا ہے تو وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں۔

اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور آپ کی امت کو احکام میں اس کے نمونے کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ کفار میں سے جو کوئی اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کی خواہش کرے تو اس کو امان دے دیں۔

اس آیت کریمہ میں اہل سنت والجماعت کے مذہب پر صریح دلیل ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کلام کیا ہے اور اس نے اس کی اضافت اپنی طرف کی ہے جیسے صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہوتی ہے۔۔۔۔ نیز اس سے معتزلہ اور ان کے ہم نواؤں کے مذہب کا بطلان ثابت ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔۔۔۔ کتنے ہی دلائل ہیں جو ان کے اس قول کے بطلان پر دلالت کرتے ہیں' لیکن یہ ان کی تفصیل کا مقام نہیں۔

كَيۡفَ يَكُوۡنُ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ عَهۡدٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ رَسُوۡلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيۡنَ

کیوں کر ہوسکتا ہے واسطے مشرکوں کے عہد' نزدیک اللہ کے اور نزدیک اس کے رسول کے سوائے ان لوگوں کے جن سے

عٰهَدۡتُّمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ‌ۚ فَمَا اسۡتَقَامُوۡا لَكُمۡ فَاسۡتَقِيۡمُوۡا لَهُمۡ‌ؕ

عہد کیا تم نے نزدیک مسجد حرام کے' پس جب تک سیدھے رہیں وہ تمہارے لیے تو سیدھے رہو تم بھی ان کے لیے'

إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٧﴾

بے شک اللہ پسند کرتا ہے متقیوں کو ○

یہ اس حکمت الٰہی کا بیان ہے جو اس بات کی موجب ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ﴾ ''کیوں کر ہو مشرکین کے لیے کوئی عہد اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک''؟ کیا انہوں نے واجبات ایمان کو قائم کیا ہے؟ یا انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کو اذیت دینا چھوڑ دی ہے؟۔۔۔۔ (بلکہ) انہوں نے حق کے خلاف جنگ کی اور باطل کی مدد کی۔۔۔۔ کیا انہوں نے زمین میں فساد پھیلانے کی بھرپور کوشش کر کے اپنے آپ کو اس بات کا مستحق نہیں ٹھہرا لیا کہ اللہ تعالیٰ ان سے بریٔ الذمہ ہو' اللہ اور اس کے رسول کے ہاں ان کے لیے کوئی عہد اور ذمہ نہ ہو؟ ﴿اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ﴾ ''سوائے ان کے جن سے تم نے عہد کیا'' یعنی مشرکین میں سے جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا ﴿عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ''مسجد حرام کے پاس'' پس اس عہد میں۔۔۔۔ خاص طور پر فضیلت والی اس جگہ پر۔۔۔۔ ان کے لیے حرمت ہے جو اس بات کی موجب ہے کہ ان کی رعایت رکھی جائے۔ ﴿فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ﴾ ''پس جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں تو تم بھی اپنے عہد پر قائم رہو۔ بے شک اللہ اہل تقویٰ کو پسند کرتا ہے۔'' بنابریں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا:

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ

کیوں کر (رہ سکتا ہے عہد) درآں حالیکہ اگر غالب آجائیں وہ تم پر تو نہیں خیال کریں گے وہ تمہارے بارے میں رشتے داری کا اور نہ کسی عہد کا'

يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٨﴾ اِشْتَرَوْا

وہ خوش کرتے ہیں تمہیں ساتھ اپنے مونہوں کے اور انکار کرتے ہیں دل ان کے اور اکثر ان کے نافرمان ہیں ○ بیچا انہوں نے

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ اِنَّهُمْ سَاۗءَ مَا كَانُوْا

اللہ کی آیتوں کو مول تھوڑے پر اور روکا (لوگوں کو) اس کے راستے سے' پس بے شک برا ہے جو ہیں وہ

يَعْمَلُوْنَ ﴿٩﴾ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ

عمل کرتے ○ نہیں خیال کرتے وہ کسی مومن کے بارے میں رشتے داری کا اور نہ کسی عہد کا اور یہ لوگ وہی ہیں

الْمُعْتَدُوْنَ ﴿١٠﴾ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ

حد سے نکل جانے والے ○ پس اگر وہ توبہ کر لیں اور قائم کریں نماز اور دیں زکوۃ تو وہ تمہارے بھائی ہیں

فِي الدِّيْنِ ۭ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿١١﴾

دین میں' اور ہم مفصل بیان کرتے ہیں اپنی نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں ○

﴿ كَيْفَ ﴾ ''کیسے'' یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں مشرکین کے لیے کیسے عہد و میثاق ہو سکتا ہے۔ ﴿ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ ﴾ '' کہ اگر وہ تم پر غلبہ پالیں'' ان کا حال تو یہ ہے کہ اگر ان کو تم پر قدرت اور غلبہ حاصل ہو تو تم پر کوئی رحم نہیں کریں گے۔ ﴿ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ﴾ ''تو نہ قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا'' یعنی وہ کسی عہد اور قرابت کا لحاظ نہیں رکھیں گے، وہ تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈریں گے، بلکہ وہ تمہیں بدترین عذاب دیں گے۔ اگر وہ غالب آ جائیں تو ان کا تمہارے ساتھ یہ حال ہو گا لیکن اگر وہ تم سے ڈر کر تمہارے ساتھ کوئی معاملہ کرتے ہیں تو تمہیں ان کے بارے میں دھوکے میں نہیں آنا چاہیے' کیونکہ ﴿ يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ﴾ ''وہ اپنے منہ سے تمہیں خوش کر دیتے ہیں اور ان کے دل تمہاری طرف میلان اور محبت سے انکار کرتے ہیں'' بلکہ وہ تمہارے حقیقی دشمن ہیں اور تمہارے ساتھ دلی بغض رکھتے ہیں۔ ﴿ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ ''اور ان کے اکثر بدعہد ہیں'' ان میں کوئی دیانت اور مروت نہیں۔

﴿ اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ﴾ ''یہ اللہ کی آیات کے عوض تھوڑا سا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔'' یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کی آیات پر عمل کرنے کی بجائے اس دنیا میں جلدی حاصل ہونے والے خسیس عوض کو اختیار کر لیا۔ ﴿ فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ﴾ انہوں نے خود اپنے آپ کو اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا۔ ﴿ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴾ ''بلاشبہ بہت ہی برے کام ہیں جو یہ کرتے ہیں۔'' ﴿ لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ﴾ ''وہ کسی حرمت کے حق میں نہ تو رشتہ داری کا پاس کرتے ہیں نہ عہد کا۔'' یعنی ایمان اور اہل ایمان سے عداوت کی بنا پر وہ کسی عہد اور قرابت کا لحاظ نہیں کرتے۔ وہ وصف جس کی بنا پر وہ تم سے عداوت اور بغض رکھتے ہیں۔۔۔ وہ ایمان ہے' اس لئے اپنے دین کا دفاع کرو اور اس کی مدد کرو اور جو کوئی تمہارے دین سے عداوت رکھتا ہے اسے اپنا دشمن سمجھو اور جو تمہارے دین کی مدد کرتا ہے اسے اپنا دوست سمجھو۔ دوستی کے وجود اور عدم وجود کے اعتبار سے دین کو حکم کا مدار بناؤ۔ طبیعت کو دوستی اور دشمنی کا معیار نہ بناؤ کہ جدھر خواہش کا میلان ہو تم بھی ادھر جھک جاؤ اور اس بارے میں اس نفس کی پیروی کرو جو برائی کا حکم دیتا ہے۔

اس لئے فرمایا: ﴿ فَاِنْ تَابُوْا ﴾ ''اگر وہ توبہ کر لیں'' یعنی اگر وہ اپنے شرک سے توبہ کر کے ایمان کی طرف لوٹ آئیں ﴿ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ﴾ ''اور نماز قائم کریں' زکوۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں'' اور اس عداوت کو فراموش کر دو جب وہ مشرک تھے' تاکہ تم سب اللہ کے مخلص بندے بن جاؤ اور اس طرح بندہ اللہ تعالیٰ کا حقیقی بندہ بن جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم احکام کو بیان فرمایا ان میں سے کچھ احکام کی توضیح فرمائی' کچھ حکمتوں اور فیصلوں کو بیان کیا' تو فرمایا: ﴿ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ ﴾ ''ہم آیات کو

واضح اور ممیز کرتے ہیں" ﴿لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ﴾ "جاننے والے لوگوں کے واسطے" پس سیاق کلام انہی کی طرف ہے' انہی کے ذریعے سے آیات واحکام کا علم حاصل ہوتا ہے اور انہی کے ذریعے سے دین اسلام اور شریعت کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

اے اللہ! اے رب العالمین! اپنی رحمت' اپنے جود و کرم اور اپنے احسان سے' ہمیں ایسے لوگوں میں شامل کر جو علم رکھتے ہیں اور ان باتوں پر عمل کرتے ہیں جن کا ان کو علم ہے۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا

اور اگر توڑ دیں وہ قسمیں اپنی' بعد اپنے عہد کر لینے کے اور طعن کریں تمہارے دین میں' تو لڑو تم

اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ⑫ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ

(ان) پیشوایان کفر سے' بے شک نہیں (معتبر) قسمیں ان کی' تاکہ وہ باز آ جائیں ○ کیا نہیں لڑو گے تم

قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ

ان لوگوں سے کہ توڑ دیں انہوں نے قسمیں اپنی اور ارادہ کیا تھا انہوں نے نکالنے کا رسول کو اور انہوں ہی نے (لڑائی) شروع کی تم سے

اَوَّلَ مَرَّةٍ ۭ اَتَخْشَوْنَهُمْ ۚ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑬

پہلے پہل کیا ڈرتے ہو تم ان سے؟ پس اللہ زیادہ حق دار ہے کہ ڈرو تم اس سے' اگر ہو تم مومن ○

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ

لڑو تم ان سے کہ عذاب دے ان کو اللہ تمہارے ہاتھوں سے اور رسوا کرے ان کو اور مدد کرے تمہاری ان کے مقابلے پر اور شفا بخشے

صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ⑭ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ

سینوں کو مومن قوم کے ○ اور دور کر دے وہ غصہ ان کے دلوں کا اور توجہ فرماتا ہے اللہ

عَلٰي مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑮

جس پر چاہتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ○

اس بات کا ذکر کرنے کے بعد کہ اگر مشرک معاہدین اپنے عہد پر قائم رہتے ہیں تو تم بھی اپنے عہد پر قائم رہتے ہوئے ان سے اپنے عہد کو پورا کرو۔۔۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ﴾ "اور اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں" یعنی انہوں نے اپنے حلف کو توڑ دیا اور جنگ میں تمہارے خلاف دشمن کی مدد کی یا تمہیں نقصان پہنچایا ﴿وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ﴾ "اور تمہارے دین میں طعن کرنے لگیں" یعنی تمہارے دین میں عیب چینی کی یا اس کا تمسخر اڑایا۔ یہ دین اور قرآن میں ہر قسم کے طعن و تشنیع کو شامل ہے۔ ﴿فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ﴾ "تو ان کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو" یعنی قائدین کفر اور ان

سرداروں سے لڑو جو اللہ رحمٰن کے دین میں طعن و تشنیع کرتے ہیں اور شیطان کے دین کی مدد کرتے ہیں۔ ان قائدین کفر کا خاص طور پر ذکر اس لئے کیا ہے کیونکہ ان کا جرم بہت بڑا تھا اور دیگر لوگ تو محض ان کے پیروکار تھے اور تاکہ یہ اس بات کی دلیل ہو کہ جو کوئی دین میں طعن و تشنیع کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کو ٹھکرانے کے درپے ہوتا ہے تو اس کا شمار ائمہ کفر میں ہوتا ہے۔

﴿ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ ﴾ یعنی ان کا کوئی عہد و میثاق نہیں کہ وہ اس کے ایفا کا التزام کریں بلکہ وہ تو ہمیشہ خیانت کرتے رہتے ہیں اور عہد کو توڑتے رہتے ہیں۔ ان پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔ ﴿ لَعَلَّهُمْ ﴾ ''شاید کہ وہ'' یعنی ان کے ساتھ تمہارے لڑائی کرنے میں ﴿ يَنْتَهُوْنَ ﴾ ''باز آ جائیں۔'' یعنی تمہارے دین میں طعن کرنے سے باز آ جائیں' اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ دین میں داخل ہو جائیں۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے خلاف جہاد کی ترغیب دی ہے اور دشمنوں سے جو اوصاف صادر ہوتے ہیں ان کو بیان کر کے اہل ایمان کو ان کے خلاف جہاد پر ابھارا ہے' کیونکہ جن اوصاف سے یہ کفار متصف ہیں وہ ان کے خلاف جہاد کا تقاضا کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ ﴾ ''تم ان لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنے عہدوں کو توڑ دیا اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا'' جس کا احترام اور تعظیم و توقیر فرض ہے' نیز انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جلاوطن کر دیں اور اس مقصد کے لیے انہوں نے امکان بھر کوشش کی۔ ﴿ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ ''اور انہوں نے پہلے چھیڑ کی تم سے'' جبکہ انہوں نے نقض عہد کا ارتکاب کیا اور تمہارے خلاف دشمن کی اعانت کی اور یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب قریش نے۔۔۔ در آں حالیکہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا۔۔۔ بنوخزاعہ کے خلاف اپنے حلیفوں یعنی بنوبکر کی مدد کی۔ بنوخزاعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف تھے اور قریش نے بنوخزاعہ کے خلاف لڑائی کی' جیسا کہ اس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔

﴿ اَتَخْشَوْنَهُمْ ﴾ ''کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟'' یعنی کیا تم ان سے قتال کرنے سے ڈرتے ہو؟ ﴿ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴾ ''حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو' اگر تم مومن ہو'' اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کی تمہیں سخت تاکید کی ہے۔ اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو اور کفار سے ڈر کر اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترک نہ کرو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا اور ان فوائد کا ذکر کیا جو کفار کے خلاف جہاد پر مترتب ہوتے ہیں' یہ سب اہل ایمان کے لیے کفار کے خلاف جہاد کی ترغیب ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ ﴾ ''ان سے لڑائی کرو' اللہ ان کو سزا دے گا تمہارے ہاتھوں سے'' یعنی قتل کے ذریعے

سے ﴿ وَيُخْزِهِمْ ﴾ "اور رسوا کرے گا ان کو" یعنی جب اللہ تعالیٰ کفار کے خلاف تمہاری مدد کریگا۔ یہ وہ دشمن ہیں جن کی رسوائی مطلوب ہے اور اس کی خواہش کی جاتی ہے ﴿ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ ﴾ "اور تم کو ان پر غالب کردے گا" یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے وعدہ اور بشارت تھی اور اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔

﴿ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ﴾ "اور ٹھنڈے کرے گا دل مسلمان لوگوں کے اور نکالے گا ان کے دلوں کی جلن" کیونکہ کفار کے خلاف ان کے دل غیظ وغضب سے لبریز ہیں۔ ان کے خلاف قتال کرنے اور ان کو قتل کرنے سے اہل ایمان کو ان کے دلوں میں موجود غیظ وغضب اور غم وہموم سے شفا ملتی ہے۔ کیونکہ وہ ان دشمنوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف برسرپیکار ہیں اور اللہ کے نور کو بجھانے میں کوشاں ہیں چنانچہ انہیں قتل ورسوا کر کے مومنوں کے دلوں میں موجود غیظ وغضب زائل ہوتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے محبت کرتا ہے اور ان کے احوال کو درخور اعتناء سمجھتا ہے۔ حتیٰ کہ اس نے اہل ایمان کے دلوں کو شفا دینا اور ان کے غیظ وغضب کو زائل کرنا، مقاصد شرعیہ میں شمار کیا ہے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ﴾ "اور جس پر چاہے گا اللہ رحمت کرے گا۔" یعنی ان برسرپیکار کفار میں سے جسے چاہے اسلام میں داخل ہونے کی توفیق عطا کر کے اس کی توبہ قبول کر لے، اسلام کو ان کے دلوں میں آراستہ کر دے اور کفر، فسق اور نافرمانی کو ان کے لیے ناپسندیدہ کر دے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ "اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔" یعنی وہ تمام اشیا کو ان کے مقام پر رکھتا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون ایمان لانے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ چنانچہ وہ اس کی راہ نمائی کرتا ہے اور کون اس صلاحیت سے محروم ہے؟ وہ اس کو اس کی گمراہی اور سرکشی میں غلطاں چھوڑ دیتا ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ

کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ تم (یوں ہی) چھوڑ دیے جاؤ گے جب کہ ابھی نہیں جانا اللہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے

وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ

اور نہیں بنایا انہوں نے سوائے اللہ کے اور نہ سوائے اس کے رسول کے اور نہ مومنین کے کوئی دلی دوست؛

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ ع

اور اللہ خوب خبردار ہے ان سے جو تم عمل کرتے ہو ○

عـ۹ـ

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں کو جہاد کا حکم دینے کے بعد ان سے فرماتا ہے: ﴿ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا ﴾ "کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم چھوٹ جاؤ گے" یعنی تمہیں کسی آزمائش اور امتحان میں مبتلا کیے بغیر اور تمہیں کوئی ایسا حکم دیے بغیر چھوڑ دیا جائے گا جس سے سچے اور جھوٹے کے درمیان فرق واضح ہوتا ہے۔ ﴿ وَلَمَّا

﴿يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ﴾ ’’حالانکہ ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا ہے‘‘ یعنی ایسا علم جو اس چیز کو خارج میں ظاہر کر دے جو قوت میں موجود ہے تاکہ اس پر ثواب و عقاب مرتب ہو۔ پس ان لوگوں کو جان لے جو اس کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے اس کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔ ﴿وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً﴾ ’’اور نہیں بنایا انہوں نے اللہ اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کوئی دوست‘‘ یعنی انہوں نے کفار کو اپنا دوست نہیں بنایا بلکہ وہ اللہ اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاد اس لئے مشروع فرمایا تاکہ اس سے یہ عظیم مقصد حاصل ہو سکے اور وہ عظیم مقصد یہ ہے کہ سچے لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو صرف دین کے لیے وقف کر رکھا ہے ان جھوٹے لوگوں سے ممیز ہو جائیں جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور حال ان کا یہ ہے کہ وہ اللہ اس کے رسول اور مومنین کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا دلی دوست اور مددگار بناتے ہیں۔ ﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ﴾ ’’اور اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔‘‘ یعنی تم سے جو کچھ صادر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح آگاہ ہے پس وہ تمہاری آزمائش اس طریقہ سے کرتا ہے جس سے تمہاری پوری حقیقت ظاہر ہو جائے۔ نیز وہ تمہیں اور تمہارے اچھے برے اعمال کی جزا دے گا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ

نہیں ہے لائق واسطے مشرکین کے یہ کہ آباد کریں وہ مسجدیں اللہ کی جب کہ وہ شہادت دینے والے ہے اپنے نفسوں پر

بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٧﴾

کفر کی یہی لوگ ہیں کہ برباد ہو گئے عمل ان کے اور آگ ہی میں وہ ہمیشہ رہیں گے ○

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ

یقیناً صرف وہی آباد کرتا ہے مسجدیں اللہ کی جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخرت پر اور قائم کی اس نے نماز

وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ۫ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ

اور ادا کی زکوۃ اور نہیں ڈرا وہ مگر اللہ ہی سے سو امید ہے کہ وہی

يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٨﴾

ہوں گے ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ ’’مشرکوں کو زیبا نہیں‘‘ یعنی مشرکین کے لائق اور ان کے لیے مناسب نہیں ﴿اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ﴾ ’’کہ آباد کریں وہ اللہ کی مسجدوں کو‘‘ یعنی عبادات نماز اور مختلف انواع کی نیکیوں کے ذریعے سے اللہ کی مساجد کو آباد کریں اور حال ان کا یہ ہے کہ وہ اپنی فطرت اور

شہادت حال کے ذریعے سے اپنے کفر کا اقرار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر لوگوں کی بابت علم ہے کہ وہ کفر اور باطل پر ہیں۔ ﴿ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ﴾ ”جب کہ وہ اپنے آپ پر کفر (اور عدم ایمان) کی گواہی دیتے ہیں۔“ ایمان اعمال کی قبولیت کی شرط ہے، تب وہ کیوں کر یہ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مساجد کو آباد کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے اعمال کی بنیاد ہی مفقود ہے اور ان کے اعمال باطل ہیں۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا: ﴿ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۚ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴾ ”یہی لوگ ہیں، ان کے اعمال برباد ہو گئے اور وہ آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا کہ وہ کون لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مساجد کو آباد کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ ﴾ ”اللہ کی مسجدوں کو تو وہی آباد کرتا ہے جو ایمان لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور قائم کیا نماز کو“ یعنی وہ فرض اور مستحب نمازوں کو ظاہری اور باطنی طور پر قائم کرتا ہے ﴿ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ﴾ اور مستحق لوگوں کو زکوٰۃ ادا کرتا ہے ﴿ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ ﴾ ”اور نہیں ڈرا سوائے اللہ کے“ یعنی اس نے اپنی خشیت کو صرف اللہ تعالیٰ پر مرکوز کر رکھا ہے۔ ان امور کو اپنے آپ سے دور رکھتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حقوق واجبہ کی ادائیگی میں کبھی کوتاہی نہیں کرتا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مومنوں کو ایمان نافع اور اعمال صالحہ کے بجا لانے سے متصف کیا ہے۔ ان اعمال صالحہ کی اساس نماز اور زکوٰۃ ہے، نیز ان کو خشیت الٰہی سے موصوف کیا ہے جو ہر بھلائی کی بنیاد ہے۔۔۔ درحقیقت یہی وہ لوگ ہیں جو مساجد کو آباد کرتے ہیں اور یہی ان کے اہل ہیں۔ ﴿ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴾ ”پس امید ہے کہ یہ لوگ ہوں ہدایت والوں میں“ لفظ (عَسٰی) اللہ تعالیٰ کی طرف سے وجوب کے معنی میں آتا ہے۔ رہے وہ لوگ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں نہ اللہ سے ڈرتے ہیں تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی مساجد کو آباد کرنے والے نہیں اور نہ ان کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو ان کے اہل ہیں۔ اگرچہ وہ اس کا دعویٰ کرتے ہیں۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

کیا ٹھہرا لیا ہے تم نے پانی پلانے کو حاجیوں کے اور آباد کرنے کو مسجد حرام کے، مانند اس شخص کے (عمل کے) جو ایمان لایا اللہ پر

وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ

اور یوم آخرت پر اور جہاد کیا اس نے اللہ کی راہ میں، نہیں برابر ہو سکتے وہ (دونوں) نزدیک اللہ کے، اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝۱۹ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا

نہیں ہدایت دیتا ظالم لوگوں کو ○ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا

وقف لازم

فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ

اللہ کی راہ میں ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے‘ وہ سب سے بڑھ کر ہیں درجے میں نزدیک اللہ کے‘

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿٢٠﴾ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ

اور یہی لوگ ہیں کامیاب ○ خوش خبری دیتا ہے ان کو ان کا رب‘ رحمت کی اپنی طرف سے اور رضامندی کی اور ایسے باغوں کی کہ

لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ ﴿٢١﴾ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ

ان کے لیے ان میں نعمت ہے ہمیشہ رہنے والی ○ ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں ابد تک‘

اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ ﴿٢٢﴾

بے شک اللہ اسی کے پاس ہے اجر بہت بڑا ○

جب بعض مسلمانوں کے درمیان یا بعض مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان اس امر میں اختلاف واقع ہو گیا کہ مسجد حرام کی تعمیر‘ اس کے اندر نماز پڑھنا‘ اس میں عبادت کرنا اور حاجیوں کو پانی پلانا افضل ہے یا اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا؟ تو اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان بہت تفاوت ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ اَجَعَلْتُمْ سِقَایَةَ الْحَآجِّ ﴾ ”کیا کر دیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے کو“ یعنی ان کو آب زم زم پلانا‘ جیسا کہ معروف ہے جب پلانے کا ذکر مطلق کیا جائے تو اس سے مراد آب زم زم پلانا ہی ہوتا ہے ﴿ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ ﴾ ”اور مسجد حرام کے بسانے کو‘ اس شخص کے برابر جو ایمان لایا اللہ اور یوم آخرت پر اور لڑا اللہ کی راہ میں‘ یہ برابر نہیں ہیں اللہ کے نزدیک“۔ پس جہاد اور ایمان باللہ حاجیوں کو آب زمزم پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر سے کئی درجے افضل ہیں کیونکہ ایمان دین کی اساس ہے اور اسی کے ساتھ اعمال قابل قبول ہوتے ہیں اور خصائل کا تزکیہ ہوتا ہے۔

رہا جہاد فی سبیل اللہ تو وہ دین کی کوہان ہے جہاد ہی کے ذریعے سے دین اسلام کی حفاظت ہوتی ہے اور اس میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ جہاد ہی کے ذریعے سے حق کی مدد کی جاتی ہے اور باطل بے یارو مددگار رہتا ہے۔

رہا مسجد حرام کو آباد کرنا اور حاجیوں کو آب زمزم پلانا‘ یہ اگرچہ نیک اعمال ہیں مگر ان کی قبولیت ایمان باللہ پر موقوف ہے اور ان اعمال میں وہ مصالح نہیں ہیں جو ایمان باللہ اور جہاد میں ہیں۔ اسی لئے فرمایا: یہ اللہ کے ہاں برابر نہیں۔ ﴿ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴾ ”اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا“ یعنی وہ لوگ جن کا وصف ہی ظلم ہے جو بھلائی کی کسی چیز کو بھی قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے‘ بلکہ برائی کے سوا کوئی چیز ان کے لائق نہیں۔ پھر نہایت صراحت کے ساتھ اہل ایمان کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

﴿ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ ﴾ ''وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا اپنے مالوں کے ساتھ'' یعنی اپنا مال جہاد میں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والوں کو جہاد کا سامان مہیا کرنے میں خرچ کرتے ہیں۔ ﴿ وَاَنْفُسِهِمْ ﴾ ''اور اپنی جانوں کے ساتھ'' اور خود جہاد کے لیے نکلتے ہیں ﴿ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴾ ''ان کے لئے بڑا درجہ ہے اللہ کے ہاں اور یہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے'' یعنی کوئی شخص اپنا مطلوب حاصل کر سکتا ہے نہ کسی ڈر سے نجات پا سکتا ہے سوائے اس کے جو ان کی صفات سے متصف ہوتا ہے اور ان کے اخلاق کو اپناتا ہے۔

﴿ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ ﴾ ''ان کو ان کا رب بشارت دیتا ہے'' اپنی طرف سے رحم و کرم' ان پر لطف و احسان اور ان سے اعتناء اور محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ﴿ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ ﴾ ''اپنی طرف سے رحمت کی'' جس کے ذریعے سے وہ ان سے برائیوں کو دور کرتا اور ہر طرح کی بھلائی ان تک پہنچاتا ہے۔ ﴿ وَرِضْوَانٍ ﴾ ''اور اپنی رضامندی کی'' جو جنت میں سب سے بڑی اور نہایت جلیل القدر نعمت ہو گی۔ پس وہاں اللہ تعالیٰ اہل جنت کے سامنے اپنی رضامندی کا اعلان فرمائے گا اور پھر کبھی ان پر ناراض نہیں ہو گا۔ ﴿ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴾ ''اور باغوں کی جن میں ان کو آرام ہے ہمیشہ کا'' ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والی ہر قسم کی نعمتیں موجود ہوں گی جن کی دل خواہش کریں گے اور جن سے آنکھیں لذت حاصل کریں گی جن کے اوصاف اور مقدار کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا جو یہ نعمتیں عطا کرے گا۔ ان میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والے مجاہدین کے لیے جنت میں سو درجے تیار کر رکھے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان۔ اگر تمام مخلوق ایک درجہ میں جمع ہو جائے تو اس ایک درجہ میں سما جائے۔ ﴿ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ﴾ ''اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے'' وہ وہاں سے منتقل ہوں گے' نہ وہاں سے نکلنا چاہیں گے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴾ ''بے شک اللہ کے پاس ہے بڑا اجر'' اجر کی کثرت اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی بعید نہیں اور نہ اس اجر کا بڑا اور اچھا ہونا اس ہستی کے بارے میں کوئی تعجب خیز ہے جو کسی چیز سے جب کہتی ہے ''ہو جا'' ! تو وہ ہو جاتی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ بناؤ اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست' اگر وہ پسند کریں

الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ۭ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝۲۳

کفر کو ایمان پر' اور جو دوستی رکھے گا ان سے تم میں سے' تو یہی لوگ ہیں ظالم ○

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ

کہہ دیجیے! اگر ہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا قبیلہ کنبہ

وَ اَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَ مَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ

اور وہ مال جو کمائے تم نے اور وہ تجارت کہ ڈرتے ہو تم اس کے مندے پڑ جانے سے اور وہ گھر کہ پسند کرتے ہو تم انہیں،

اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى

زیادہ محبوب تمہیں، اللہ سے اور اس کے رسول سے اور جہاد کرنے سے اس کی راہ میں، تو انتظار کرو تم، یہاں تک کہ

يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ع

لائے اللہ اپنا حکم، اور اللہ نہیں ہدایت دیتا ان لوگوں کو جو نافرمانی کرنے والے ہیں ○

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ﴾ ''اے مومنو!'' ایمان کے تقاضوں کے مطابق عمل کرو۔ جو ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اس کے ساتھ موالات رکھو، جو ان تقاضوں کو پورا نہیں کرتا ان سے عداوت رکھو اور ﴿ لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ ﴾ ''نہ بناؤ تم اپنے باپوں اور بھائیوں کو دوست'' جو لوگوں میں سے سب سے زیادہ تمہارے قریب ہیں اور دوسرے لوگوں کے بارے میں تو زیادہ اولیٰ ہے کہ تم ان کو دوست نہ بناؤ۔ ﴿ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ ﴾ ''اگر وہ کفر کو پسند کریں ایمان کے مقابلے میں'' یعنی اگر وہ برضا ورغبت اور محبت سے ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔ ﴿ وَ مَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴾ ''اور جو بھی دوستی کرے گا ان سے تم میں سے، پس وہی لوگ ہیں ظالم'' کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جسارت کی اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو اپنا دوست بنایا چونکہ ولایت اور دوستی کی اساس محبت اور نصرت ہے اور ان کا کفار کو دوست بنانا، کفار کی اطاعت اور ان کی محبت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت ومحبت پر مقدم رکھنے کا موجب ہے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے اس سبب کا ذکر فرمایا ہے جو اس کا موجب ہے اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ اس سے یہ بات متعین ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہر چیز پر مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کی محبت کو اس محبت کے تابع کیا ہے۔

فرمایا: ﴿ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ ﴾ ''کہہ دیجئے! اگر ہیں تمہارے باپ'' اسی طرح یہ حکم ماؤں کے بارے میں بھی ہے ﴿ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ ﴾ ''اور تمہارے بیٹے اور بھائی'' یعنی نسبی اور خاندانی اعتبار سے۔ ﴿ وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِيْرَتُكُمْ ﴾ ''اور تمہاری بیویاں اور دیگر عمومی رشتہ دار'' ﴿ وَ اَمْوَالُ ۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا ﴾ ''اور وہ مال جو تم کماتے ہو'' جس کے حصول میں مشقت برداشت کرتے ہو۔ کمائے ہوئے مال کا خاص طور پر اس لئے ذکر کیا ہے کیونکہ یہ اصحاب اموال کے نزدیک مرغوب ترین مال ہوتا ہے اور انہیں اس مال کی نسبت جو انہیں بغیر کسی محنت اور مشقت کے حاصل ہوتا ہے، زیادہ محبوب ومرغوب ہوتا ہے۔ ﴿ وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا ﴾ ''اور وہ سوداگری جس کے مندا ہونے سے تم ڈرتے ہو'' یعنی سامان کے ارزاں ہونے اور اس میں نقصان واقع

ہونے سے ڈرتے ہو۔ اس میں تجارت اور کاروبار کی تمام اقسام شامل ہیں، مثلاً ہر قسم کا سامان تجارت، مال کی قیمتیں، برتن، اسلحہ، اشیائے استعمال، غلہ جات، کھیتیاں اور مویشی وغیرہ سب اسی زمرے میں آتے ہیں۔ ﴿ وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ ﴾ "اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو" ان کی خوبصورتی، سجاوٹ اور ان کا تمہاری خواہشات اور پسند کے مطابق ہونے کی وجہ سے۔ ﴿ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ ﴾ "اگر یہ تمام چیزیں، تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور جہاد سے زیادہ محبوب ہیں" تو تم فاسق و فاجر اور ظالم ہو۔ ﴿ فَتَرَبَّصُوْا ﴾ "تو انتظار کرو۔" یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہونے کا انتظار کرو ﴿ حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ﴾ "یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے" جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ "اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔" یعنی اللہ تعالیٰ کے دائرۂ اطاعت سے باہر نکلنے والے اور اللہ تعالیٰ کی محبت پر مذکورہ بالا اشیا کی محبت کو ترجیح دینے والے کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے نہیں نوازتا۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت فرض ہے اور دیگر تمام اشیا کی محبت پر مقدم ہے۔ نیز آیت کریمہ میں اس شخص کے لیے نہایت سخت وعید اور شدید ناراضی کا اظہار کیا گیا ہے جسے یہ مذکورہ اشیاء اللہ، اس کے رسول اور جہاد سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اگر اس کے سامنے دو امور پیش ہوں ان میں ایک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب ہو مگر اس میں اس کے نفس کی چاہت کا کوئی پہلو نہ ہو اور دوسرے معاملے کو نفس پسند کرتا ہو مگر اس کو اختیار کرنے سے اس چیز سے محروم ہو جاتا ہو جسے اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں یا اس چیز میں کمی واقع ہو جاتی ہو......اس صورت میں اگر وہ اس چیز کو اس امر پر ترجیح دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ظالم اور اس امر کا تارک ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب کیا ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ

البتہ تحقیق مدد کی تمہاری اللہ نے بہت سی جگہوں میں اور دن حنین کے (بھی) جب کہ خوش فہمی میں ڈال دیا تھا تم کو

كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

تمہاری کثرت نے پس نہ کام آئی وہ تمہارے کچھ بھی اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود فراخی کے

ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿25﴾ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ

پھر لوٹے تم پیٹھ پھیرتے ہوئے ○ پھر نازل کی اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر

وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ

اور مومنوں پر اور نازل کیے اس نے ایسے لشکر کہ نہیں دیکھا تم نے ان کو اور عذاب دیا ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا،

وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ

اور یہی سزا ہے کافروں کی ○ پھر توجہ فرمائے گا اللہ بعد اس کے جس پر چاہے گا

وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مومن بندوں پر اپنے احسان کا ذکر فرماتا ہے کہ اس نے بہت سی لڑائیوں اور جنگی معرکوں میں انہیں اپنی نصرت سے نوازا حتیٰ کہ ''حنین'' کی جنگ میں جب کہ وہ انتہائی شدید صورت حال سے دوچار تھے، وہ دیکھ رہے تھے کہ لوگ ان کو چھوڑ کر فرار ہو رہے ہیں اور زمین اپنی کشادگی اور وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو رہی ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی کہ بنو ہوازن آپ پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والے قریش کو ساتھ لے کر مقابلے کے لیے نکلے اس وقت ان کی تعداد بارہ ہزار اور مشرکین کی تعداد چار ہزار تھی۔ کچھ مسلمانوں نے اس کثرت تعداد پر اتراتے ہوئے کہا ''آج ہم پر کوئی غالب نہیں آ سکے گا''۔

جب بنو ہوازن اور مسلمانوں کی مڈبھیڑ ہوئی تو انہوں نے مسلمانوں پر یک بارگی حملہ کیا جس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور شکست کھا کر بھاگ اٹھے اور انہوں نے پلٹ کر ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سو کے لگ بھگ آدمی رہ گئے تھے جو نہایت ثابت قدمی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ڈٹے مشرکین سے لڑ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے خچر کو ایڑ لگا کر مشرکین کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ «اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ» ''میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں''۔ جب آپ نے مسلمانوں کی یہ ہزیمت دیکھی تو آپ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کو جو کہ بلند آواز شخص تھے، حکم دیا کہ وہ انصار اور باقی مسلمانوں کو آواز دیں۔ چنانچہ انہوں نے پکار کر کہا:

''اے اصحاب بیعت رضوان! اے اصحاب سورۂ بقرہ''!

جب بھاگنے والوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو وہ یک بارگی واپس پلٹے اور مشرکین پر ٹوٹ پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو زبردست شکست سے دوچار کیا۔ میدان جنگ مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ ان کے اموال اور عورتیں مسلمانوں کے قبضے میں آ گئیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ﴾ ''یقیناً اللہ نے تمہاری مدد فرمائی بہت سی جگہوں میں اور حنین کے دن'' حنین، مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان وہ مقام ہے جہاں حنین کا معرکہ ہوا تھا ﴿اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا﴾ ''جب تمہیں تمہاری کثرت نے گھمنڈ میں مبتلا کر دیا پس اس نے تمہیں کچھ فائدہ نہیں دیا'' تمہاری

کثرت نے تمہیں تھوڑا یا زیادہ کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ ﴿ وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ ﴾ ''اور زمین تم پر تنگ ہوگئی۔'' یعنی جب تمہیں شکست ہوئی اور تم پر غم وہموم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور تم پر زمین تنگ ہوگئی۔ ﴿ بِمَا رَحُبَتْ ﴾ ''اپنی کشادگی اور وسعت کے باوجود'' ﴿ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴾ ''پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔''

﴿ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکینت نازل فرمائی'' سکینت اس کیفیت کا نام ہے جو دل کو ہلا دینے والے تباہ کن واقعات اور زلزلوں کے وقت اللہ تعالیٰ دل میں پیدا کرتا ہے جو دل کو سکون عطا کر کے مطمئن کرتی ہے۔ یہ سکون قلب بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے ﴿ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ﴾ ''اور ایسے لشکر اتارے جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے'' وہ فرشتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے حنین کی جنگ میں مسلمانوں کی مدد کے لیے نازل فرمایا جو مسلمانوں کو ثابت قدم رکھتے تھے اور انہیں فتح ونصرت کی خوشخبری دیتے تھے۔ ﴿ وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ''اور کافروں کو عذاب دیا'' اللہ تعالیٰ نے کفار کو شکست' قتل' ان کے اموال واولاد اور ان کی عورتوں پر مسلمانوں کے قبضہ کے ذریعے سے عذاب کا مزا چکھا دیا۔ ﴿ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴾ ''اور یہ ہے سزا کافروں کی'' اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی عذاب دے گا اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔

﴿ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ﴾ ''پھر اللہ اس کے بعد جس پر چاہتا ہے' رجوع فرماتا ہے'' اللہ تبارک وتعالیٰ نے' ہوازن کے کفار میں سے جن کے ساتھ جنگ ہوئی' اکثر کی توبہ قبول فرمالی اور وہ اسلام قبول کر کے تائب ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان کی عورتیں اور بچے واپس کر دیے ﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ بے انتہا مغفرت اور بے پایاں رحمت کا مالک ہے' وہ توبہ کرنے والے کے بڑے بڑے گناہ بخش دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو توبہ اور اطاعت کی توفیق عطا کر کے' ان کے جرائم سے درگزر کر کے اور ان کی توبہ قبول کر کے ان پر رحم کرتا ہے۔ پس کسی نے کتنے ہی بڑے بڑے گناہوں اور جرائم کا ارتکاب کیوں نہ کیا ہو' اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش سے ہرگز مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! بلاشبہ مشرکین تو ناپاک ہیں' پس نہ قریب جائیں وہ مسجد حرام کے'

بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ

بعد اپنے اس سال کے' اور اگر تم خوف کرتے ہو مفلسی سے تو عنقریب غنی کر دے گا تم کو اللہ اپنے فضل سے

اِنْ شَآءَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾

اگر اس نے چاہا' یقیناً اللہ خوب جاننے والا بڑا حکمت والا ہے ○

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ ''اے ایمان والو! بے شک مشرکین''، یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اور اس کے ساتھ غیروں کی عبادت کی ﴿ نَجَسٌ ﴾ ''ناپاک ہیں۔''، یعنی اپنے عقائد و اعمال میں ناپاک ہیں، اور اس شخص سے بڑھ کر ناپاک اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتا ہے جو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان اور نہ وہ کوئی کام آ سکتے ہیں اور ان لوگوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کرنے، اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے، باطل کی مدد کرنے، حق کو ٹھکرانے اور زمین میں اصلاح کی بجائے فساد کے لیے کام کرنے جیسے افعال پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس لئے تم پر فرض ہے کہ تم سب سے زیادہ شرف کے حامل اور سب سے زیادہ پاک گھر سے مشرکین کو پاک رکھو۔ ﴿ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ﴾ ''پس یہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں'' اور یہ ۹ ھ کا سال تھا جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ حج کیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچازاد بھائی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا کہ حج کے روز ''براءت'' کا اعلان کر دیں، چنانچہ انہوں نے اعلان کیا کہ سال رواں کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہیں آئے گا اور نہ کوئی شخص عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے گا۔

یہاں نجاست سے مراد بدن کی نجاست نہیں، کیونکہ کافر کا بدن بھی دوسرے لوگوں کے بدن کی طرح پاک ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کتابیہ عورت کے ساتھ مباشرت جائز قرار دی ہے مگر اس کا پسینہ وغیرہ لگ جانے کی صورت میں اسے دھونے کا حکم نہیں دیا۔ مسلمان ہمیشہ سے کفار کے ساتھ بدنی اختلاط رکھتے چلے آئے ہیں مگر ان سے یہ بات منقول نہیں کہ انہوں نے کفار کو اس طرح ناپاک سمجھا ہو جس طرح وہ گندگی کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ درحقیقت اس سے مراد جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے............ معنوی نجاست، یعنی شرک ہے۔ تو جس طرح توحید اور ایمان معنوی طہارت ہے اسی طرح شرک معنوی نجاست ہے۔

﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً ﴾ ''(اے مسلمانو!) اگر تمہیں محتاجی کا خوف ہو۔''، یعنی مشرکین کو مسجد حرام کے قریب جانے سے روک دینے کی وجہ سے تمہارے اور ان کے درمیان دنیاوی امور میں قطع تعلق کی بنا پر فقر و احتیاج کے لاحق ہونے کا ڈر ہو۔ ﴿ فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ ﴾ ''تو اللہ اپنے فضل سے تمہیں غنی کر دے گا'' رزق کا ایک ہی دروازہ اور ایک ہی جگہ تو نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اگر رزق کا ایک دروازہ بند ہو جاتا ہے تو بے شمار دوسرے دروازے کھل جاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ بے انتہا فضل و کرم اور بہت بڑے جود و سخا کا مالک ہے۔ خاص طور پر اس شخص کے لیے جو محض اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی چیز کو ترک کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا کریم ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، کیونکہ اس نے اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو غنی کر دیا۔ انہیں اس قدر کشادہ رزق عطا کیا کہ وہ بڑے بڑے مال داروں اور بادشاہوں میں شمار ہونے لگے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿ اِنْ شَآءَ ﴾ ''اگر اس نے چاہا'' اللہ تعالیٰ کا غنی کرنا اس کی مشیت کے ساتھ معلق ہے' کیونکہ دنیا کے اندر غنا کا حاصل ہونا لوازم ایمان میں شمار ہوتا ہے' نہ اللہ تعالیٰ کی محبت پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی مشیت کے ساتھ معلق کیا ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ دنیا' ہر ایک کو دیتا ہے' اپنے محبوب بندے کو بھی اور اس کو بھی جس سے وہ محبت نہیں کرتا' مگر وہ ایمان اور دین صرف اسے عطا کرتا ہے جس کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ ''بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔'' اس کا علم بڑا وسیع ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون غنا عطا کیے جانے کے لائق ہے اور کون ہے جو اس کے لائق نہیں اور اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو ان کے لائق مقام پر رکھتا ہے۔

آیت کریمہ ﴿ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ﴾ دلالت کرتی ہے کہ مشرکین مکہ بیت اللہ کی وجہ سے ریاست اور بادشاہی کے مالک تھے پھر فتح مکہ کے بعد حکومت اور اقتدار رسول اللہ ﷺ اور مومنین کے پاس آ گیا اور مشرکین مکہ بیت اللہ اور مکہ مکرمہ میں مقیم رہے' پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جب نبی اکرم ﷺ نے وفات پائی تو (وفات کے وقت) آپ نے حکم دیا کہ مشرکین کو سرزمین حجاز سے نکال دیا جائے۔ حجاز میں بیک وقت دو دین نہیں رہ سکتے .... اور یہ اس وجہ سے' تاکہ ہر کافر کو مسجد حرام سے دور رکھا جائے۔ پس ہر کافر اللہ تعالیٰ کے حکم ﴿ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ﴾ میں داخل ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ

لڑو ان لوگوں سے جو نہیں ایمان لاتے اللہ پر اور نہ یوم آخرت پر اور نہیں حرام سمجھتے اس چیز کو جس کو حرام ٹھہرایا

اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اللہ نے اور اس کے رسول نے اور نہیں قبول کرتے دین حق کو' ان لوگوں میں سے جنہیں دی گئی کتاب'

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿٢٩﴾

یہاں تک کہ دیں وہ جزیہ اپنے ہاتھ سے' اس حال میں کہ وہ ذلیل ہوں ○

اس آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ کے ساتھ قتال کا حکم ہے۔ ﴿ اَلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ﴾ ''جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں لاتے'' ایسا ایمان جس کی تصدیق ان کے افعال و اعمال کرتے ہوں۔ ﴿ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ﴾ ''اور نہ حرام سمجھتے ہیں ان چیزوں کو جن کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے'' یعنی محرمات کی تحریم میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی اتباع نہیں کرتے۔ ﴿ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ ﴾ ''اور نہ وہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں''۔ اگرچہ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایک دین رکھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک باطل دین پر عمل پیرا ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دین میں تغیر و تبدل اور تحریف واقع ہو گئی

ہے اور یہ (تحریف شدہ) وہ دین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مشروع نہیں کیا یا وہ اس دین پر عمل پیرا ہیں جو منسوخ ہے یعنی جسے اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمایا تھا' پھر محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت کے ذریعے سے منسوخ کر دیا۔ پس اس کے منسوخ ہونے کے بعد اس کے ساتھ تمسک کرنا جائز نہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم اور اس کی ترغیب دی ہے' کیونکہ وہ لوگوں کو اپنے باطل نظریات کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اس سے لوگوں کو اس سبب سے بہت نقصان پہنچتا ہے کہ وہ اہل کتاب ہیں اور اس قتال و جہاد کی غایت و انتہا یہ مقرر کی ہے۔ ﴿حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ﴾ ''یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں'' یعنی وہ مال ادا کریں جو ان کے خلاف مسلمانوں کے قتال ترک کرنے اور مسلمانوں کے درمیان اپنے مال و متاع سمیت پر امن رہنے کا عوض ہے جو ہر سال ہر شخص سے اس کے حسب حال خواہ وہ امیر ہے یا غریب' وصول کیا جائے گا۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر سربراہان نے کیا تھا۔ ﴿عَنْ يَّدٍ﴾ ''اپنے ہاتھوں سے'' یعنی مطیع ہو کر اور اقتدار چھوڑ کر یہ مالی عوض ادا کریں اور اپنے ہاتھ سے ادا کریں اور اس کی ادائیگی کے لیے خادم وغیرہ نہ بھیجیں' بلکہ یہ جزیہ صرف انہی کے ہاتھ سے وصول کیا جائے۔ ﴿وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ﴾ اور وہ زیردست اور مطیع بن کر رہیں۔

جب ان کا یہ حال ہو اور وہ مسلمانوں کو جزیہ ادا کرنا' مسلمانوں کے غلبہ اور ان کے احکامات کے تحت آنا قبول کر لیں' حالات ان کے شر اور فتنہ سے مامون ہوں۔ وہ مسلمانوں کی ان شرائط کو تسلیم کر لیں جو ان پر عائد کی گئی ہوں جن سے ان کے اقتدار اور تکبر کی نفی ہوتی ہو اور جو ان کی زیردستی کی موجب ہوں........ تو مسلمانوں کے امام یا اس کے نائب پر واجب ہے کہ وہ ان کے ساتھ معاہدہ کر لے۔ اگر وہ معاہدے کو پورا نہ کریں اور زیردست رہ کر جزیہ ادا نہ کریں' تو ان کو امان دینا جائز نہیں' بلکہ ان کے ساتھ قتال کیا جائے یہاں تک کہ اطاعت کر لیں۔

اس آیت کریمہ سے جمہور اہل علم استدلال کرتے ہیں کہ جزیہ صرف اہل کتاب سے لیا جائے' کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے صرف اہل کتاب سے جزیہ وصول کرنے کا حکم دیا ہے۔ رہے اہل کتاب کے علاوہ دیگر کفار تو ان کے خلاف اس وقت تک لڑنے کا ذکر ہے جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کر لیں۔ جزیہ ادا کرنے اور اس کے عوض مسلمانوں کے شہروں میں رہنے کے احکام میں مجوس بھی شامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے علاقہ ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا۔ پھر امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایران کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب تمام کفار سے جزیہ قبول کیا جائے گا کیونکہ یہ آیت کریمہ مشرکین عرب کے ساتھ قتال سے فراغت کے بعد اور اہل کتاب وغیرہ کے ساتھ قتال شروع ہونے پر نازل ہوئی ہے۔ تب یہ قید واقعہ کی خبر ہے اس کا مفہوم نہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مجوسیوں سے جزیہ لیا گیا ہے

حالانکہ وہ اہل کتاب میں شمار نہیں ہوتے۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد میں آنے والے مسلمانوں سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ جس قوم کے خلاف جنگ کرتے انہیں سب سے پہلے تین میں سے ایک چیز قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ (۱) اسلام قبول کرنا۔ (۲) جزیہ ادا کرنا۔ (۳) یا تلوار کا فیصلہ قبول کرنا....... اور اس میں انہوں نے اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کے درمیان کبھی کوئی فرق نہیں رکھا۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ
اور کہا یہودیوں نے' عزیر بیٹا ہے اللہ کا اور کہا نصاریٰ نے' مسیح بیٹا ہے اللہ کا' یہ
قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ
بات ہے انکے مونہوں کی' (یوں) مشابہت کرتے ہیں وہ ان لوگوں کی بات کی جنہوں نے کفر کیا ان سے پہلے ہلاک کرے ان کو اللہ'
اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝٣٠ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
کہاں وہ پھیرے جاتے ہیں ○ بنا لیا انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو (اپنا) رب' اللہ کو چھوڑ کر
وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ ۚ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰــهًا وَّاحِدًا ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۭ
اور مسیح ابن مریم کو (بھی) حالانکہ نہیں حکم دیے گئے تھے وہ مگر یہ کہ وہ عبادت کریں (صرف) ایک معبود کی نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے'
سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝٣١ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِــُٔـوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى
وہ پاک ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں ○ وہ چاہتے ہیں یہ کہ بجھا دیں نور اللہ کا اپنے مونہوں سے اور انکار کرتا ہے
اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۝٣٢ هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ
اللہ مگر یہ کہ پورا کرے اپنا نور' اگرچہ ناخوش ہوں کافر ○ وہ (اللہ) وہ ذات ہے جس نے بھیجا اپنا رسول
بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَي الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝٣٣
ساتھ ہدایت اور دین حق کے تاکہ غالب کرے اس کو سب دینوں پر' اگرچہ ناخوش ہوں مشرک ○

جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ساتھ قتال کا حکم دیا تو ان کے ان خبیث اقوال کا ذکر کیا' جو اہل ایمان کو' جن کے اندر اپنے دین اور اپنے رب کے بارے میں غیرت ہوتی ہے' ان کے ساتھ جنگ کرنے' ان کے خلاف جدوجہد کرنے اور اس میں پوری کوشش صرف کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ابْنُ اللّٰهِ ﴾ "یہود نے کہا' عزیر اللہ کے بیٹے ہیں" ان کا یہ قول ان کے تمام عوام کا قول نہ تھا بلکہ ان میں سے ایک فرقے کا قول تھا۔ البتہ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہودیوں کی سرشت میں خباثت اور شر کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا جس نے ان کو یہاں تک پہنچا دیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ بات کہنے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال میں نقص ثابت کرنے کی جسارت کی۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرنے کا سبب یہ تھا کہ جب (غیر اسرائیلی مشرک) بادشاہوں نے ان پر تسلط حاصل کر کے ان کو تتر بتر کر دیا اور حاملین تورات کو قتل کر دیا' اس کے بعد انہوں نے عزیر علیہ السلام کو پایا کہ تمام تورات یا اس کا بیشتر حصہ ان کو حفظ ہے' حضرت عزیر علیہ السلام نے ان کو تورات اپنے حافظہ سے املا کروا دی اور انہوں نے تورات کو لکھ لیا۔ بنابریں انہوں نے حضرت عزیر علیہ السلام کے بارے میں یہ بدترین دعویٰ کیا۔ ﴿وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ﴾ ''اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح'' عیسیٰ بن مریم ﴿ابْنُ اللّٰهِ﴾ ''اللہ کا بیٹا ہے''۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ﴾ ''یہ'' یعنی وہ قول جو یہ کہتے ہیں۔ ﴿قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ﴾ ''باتیں ہیں ان کے مونہوں کی'' جس کی صداقت پر یہ لوگ کوئی حجت اور دلیل قائم نہیں کر سکے۔ جس شخص کو اس بات کی پروانہ ہو کہ وہ کیا بولتا ہے اگر وہ کیسی بھی بات کرے تو اس کے بارے میں یہ چیز تعجب خیز نہیں' کیونکہ اس کے پاس کوئی عقل اور کوئی دین نہیں جو اس کو ایسی بات کرنے سے روکے۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يُضَاهِـُٔوْنَ﴾ ''وہ مشابہت رکھتے ہیں۔'' یعنی وہ اپنے اس قول میں مشابہت رکھتے ہیں۔ ﴿قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ﴾ ''ان لوگوں کے قول سے جنہوں نے اس سے پہلے کفر کیا'' یعنی ان کا قول مشرکین کے قول سے مشابہت رکھتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ باطل ہونے میں ان کے اقوال باہم مشابہت رکھتے ہیں۔ ﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾ ''اللہ ان کو ہلاک کرے' کہاں پھرے جاتے ہیں'' یعنی وہ کیسے واضح اور خالص حق کو واضح طور پر باطل کی طرف موڑ دیتے ہیں۔

یہ رویہ اگرچہ ایک بڑی امت سے بہت نادر اور عجیب سا لگتا ہے کہ وہ کسی ایسی بات پر متفق ہو جس کے بطلان پر ادنیٰ سا غور و فکر اور عقل اور سمجھ دلالت کرتے ہیں' کیونکہ اس کا سبب یہ ہے کہ ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ﴾ ''انہوں نے ٹھہرا لیا اپنے احبار کو'' (اَحْبَار) سے مراد ان کے ''علماء'' ہیں۔ ﴿وَرُهْبَانَهُمْ﴾ ''اور اپنے رہبان کو'' اور (رُهْبَان) سے مراد ''وہ عبادت گزار لوگ ہیں جنہوں نے عبادت کے لیے گوشہ نشینی اختیار کی ہے۔'' ﴿اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ ''رب' اللہ کے سوا'' وہ ان کے لیے ان امور کو حلال کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے اور یہ ان کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور ان امور کو حرام کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا ہے۔ اور یہ (ان کی تقلید میں) ان امور کو حرام قرار دے لیتے ہیں۔ یہ احبار اور رہبان ان کے لیے ایسی شریعت اور اقوال مشروع کرتے ہیں جو انبیاء و رسل کے دین کے منافی ہیں اور یہ ان کی تقلید کرتے ہیں۔ نیز یہ اپنے مشائخ و عباد کے بارے میں غلو سے کام لیتے ہیں' ان کی تعظیم کرتے ہیں' ان کی قبروں کو بت بنا دیتے ہیں جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے' جہاں جانور ذبح کرنے کی منتیں مانی جاتی ہیں' دعائیں مانگی جاتی ہیں اور ان کو مدد کے لیے پکارا جاتا ہے۔ ﴿وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ﴾ ''اور مسیح ابن مریم کو۔'' یعنی انہوں نے اللہ کے سوا مسیح ابن مریم علیہ السلام کو بھی معبود بنا

لیا۔اس حال میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی جواس نے اپنے انبیاء ومرسلین کے توسط سے ان کو دیا تھا۔﴿ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا ﴾ ''حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ اللہ واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔'' پس عبادت اور اطاعت کو صرف اسی کے لیے خالص کریں۔محبت اور دعا کے لیے صرف اسی کو مخصوص کریں۔انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو دور پھینک دیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔﴿ سُبْحٰنَهٗ ﴾ ''پاک ہے وہ اس سے'' اور بلند ہے۔﴿ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴾ ''ان چیزوں سے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں'' وہ پاک اور مقدس ہے'اس کی عظمت اور شان ان کے شرک اور بہتان طرازی سے بہت بلند ہے'کیونکہ وہ اس بارے میں نقص کے مرتکب ہیں اور اسے ایسی صفات سے متصف کرتے ہیں جو اس کی جلالت شان کے لائق نہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے اوصاف وافعال میں ہر اس چیز سے منزہ اور بلند ہے جو اس کے کمال مقدس کے منافی ہے۔

جب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ان کے قول کی کوئی دلیل اور ان کے اصول کی کوئی برہان تائید نہیں کرتی۔ان کا قول محض ان کے منہ کی بات ہے اور ایک ایسا بہتان ہے جو انہوں نے خود گھڑ لیا ہے......... تو اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا﴿ يُرِيْدُوْنَ ﴾ ''وہ چاہتے ہیں۔'' اس کے ذریعے سے ﴿ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ ﴾ ''کہ وہ اللہ کے نور کو اپنے مونہوں سے بجھادیں'' یہاں اللہ کے نور سے مراد اس کا دین ہے جس کو اس نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے بھیجا اور کتابوں کے ذریعے سے نازل فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے دین کو نور کہا ہے' کیونکہ جہالت اور ادیان باطلہ کے اندھیروں میں اس کے ذریعے سے روشنی حاصل کی جاتی ہے'کیونکہ دین' حق کے علم اور حق پر عمل کا نام ہے اور حق کے علاوہ ہر چیز اس کی ضد ہے۔یہ یہود ونصاریٰ اور ان کی مانند دیگر مشرکین چاہتے ہیں کہ وہ محض اپنی ایسی خالی خولی باتوں سے اللہ تعالیٰ کی روشنی کو بجھادیں'جن کی اساس کسی دلیل پر قائم نہیں۔﴿ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ ﴾ ''اور اللہ نہ رہے گا بغیر پورا کیے اپنے نور کے'' اور اللہ تعالیٰ اپنا نور پورا کر کے رہے گا' کیونکہ یہ نور ایسا غالب نور ہے کہ تمام مخلوق اگر اس کو بجھانے کے لیے اکٹھی ہو جائے تو اسے بجھا نہیں سکتی اور جس نے یہ نور نازل فرمایا ہے' تمام بندوں کی پیشانی اسی کے ہاتھ میں ہے۔اس نے ہر اس شخص سے' جو اس کے بارے میں برا ارادہ رکھتا ہے'اس نور کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہوا ہے۔بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:﴿ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴾ ''اور اللہ اپنے نور کو پورا کیے بغیر رہنے کا نہیں' اگرچہ کافروں کو برا ہی لگے۔'' یعنی وہ اس نور کے ابطال اور اس کو رد کرنے میں پوری طرح کوشاں رہتے ہیں مگر ان کی یہ بھاگ دوڑ حق کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کو' جس کی تکمیل اور حفاظت کا اس نے ذمہ اٹھایا ہے' واضح کرتے ہوئے فرمایا ﴿ هُوَ

﴿ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى ﴾ ''وہی ذات ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ'' جو کہ علم نافع کا نام ہے۔ ﴿ وَدِيْنِ الْحَقِّ ﴾ ''اور دین حق کے ساتھ'' جو کہ عمل صالح کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جناب محمد ﷺ کو جو دین دے کر مبعوث فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات' اس کے افعال اور اس کے احکام و اخبار کے بارے میں باطل میں سے حق کو واضح کرنے اور ہر ایسے حکم پر مشتمل ہے جو بدن' روح اور قلب کے لیے نافع اور ان کی اصلاح کرتا ہے' یعنی دین میں اخلاص' اللہ تعالیٰ سے محبت اور اسی کی عبادت کا حکم دیتا ہے' وہ مکارم اخلاق' محاسن عادات' اعمال صالحہ اور آداب نافعہ کے احکام پر مشتمل ہے اور ان تمام برے اخلاق اور برے اعمال سے روکتا ہے جو ان کی ضد ہیں۔ جو دنیا و آخرت میں قلب و بدن کے لیے ضرر رساں ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ﴿ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ ''تاکہ اس (دین) کو تمام دینوں پر غالب کرے' اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔'' یعنی تاکہ حجت و برہان اور شمشیر و سناں کے ذریعے سے تمام ادیان پر اسے غالب کرے۔ اگرچہ مشرکین کو یہ بات بہت ناگوار گزرتی ہے' وہ اس کے خلاف فساد برپا کرتے ہیں اور اس کے خلاف سازشیں کرتے ہیں مگر سازش کا نقصان سازش کرنے والے ہی کو پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا اس نے جو ذمہ اٹھایا ہے وہ اسے ضرور نبھائے گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک بہت سے علماء اور درویش البتہ کھاتے ہیں

اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ

مال لوگوں کے باطل طریقے سے' اور روکتے ہیں وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے' اور وہ لوگ جو جمع کر کر کے رکھتے ہیں

الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿٣٤﴾

سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اسے اللہ کی راہ میں۔ پس خوش خبری دے دیجیے ان کو ساتھ عذاب دردناک کے ○

يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ

جس دن کہ تپایا جائے گا وہ (مال) جہنم کی آگ میں' پھر داغا جائے گا اس سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو

وَظُهُوْرُهُمْ ۭ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا

اور ان کی پیٹھوں کو (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ جو تم جمع کر کر کے رکھتے تھے اپنے نفسوں کے لیے' سو (مزہ) چکھو تم

مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿٣٥﴾

(اس کا) جو تھے تم جمع کر کر کے رکھتے ○

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اپنے اہل ایمان بندوں کو تحذیر ہے کہ وہ بہت سے احبار اور رہبان، یعنی اہل کتاب کے علماء اور عبادت گزاروں سے بچیں جو باطل یعنی ناحق طریقے سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، کیونکہ ان کے علم، ان کی عبادت اور ان کی پیشوائی کی وجہ سے لوگوں کے مال اور ان کے چندوں میں سے ان کے وظائف مقرر ہیں۔ یہ احبار و رہبان وظائف لیتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ ان کا اس طریقے سے وظائف لینا حرام اور ظلم ہے، کیونکہ لوگ ان پر اپنا مال اس لئے خرچ کرتے ہیں، تاکہ وہ راہ راست کی طرف ان کی راہ نمائی کریں اور ناحق طریقے سے لوگوں کا مال ہتھیانے کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ لوگ ان کو مال دے کر ایسا فتویٰ حاصل کرتے تھے یا ان سے ایسا فیصلہ کرواتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق نہیں ہوتا تھا۔ ان احبار و رہبان کی ان دو حالتوں سے بچنا چاہئے:

(۱) ناحق لوگوں کا مال لینا۔ (۲) لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ ﴾ ”اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں۔“ یعنی ان کو روک رکھتے ہیں۔ ﴿ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ”اور ان کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے۔“ یعنی بھلائی کے راستوں میں خرچ نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں۔ یہ وہ جمع کرنا ہے جو حرام ہے، یعنی مال کو روک رکھنا اور اسے وہاں خرچ نہ کرنا جہاں خرچ کرنا فرض ہے، مثلاً زکوٰۃ ادا نہ کرنا، بیویوں اور دیگر اقارب کو نفقات واجبہ نہ دینا۔ ﴿ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴾ ”تو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیجئے“۔

پھر اس عذاب کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا ﴾ ”جس دن اس (مال) کو گرم کیا جائے گا“ یعنی ان کے مال پر آگ دہکائی جائے گی۔ ﴿ فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ ﴾ ”جہنم کی آگ میں۔“ یعنی ہر دینار اور ہر درہم پر علیحدہ علیحدہ آگ دہکائی جائے گی۔ ﴿ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ﴾ ”(پھر اس سے قیامت کے روز) ان لوگوں کی پیشانیوں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا۔“ جب بھی یہ دینار و درہم ٹھنڈے پڑ جائیں گے تو ان کو دوبارہ دن بھر تپایا جائے گا اور وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا اور انہیں زجر و توبیخ اور ملامت کرتے ہوئے کہا جائے گا۔ ﴿ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴾ ”یہی وہ مال ہے جو تم سینت سینت کر رکھتے تھے اپنی جانوں کے لئے اب مزہ چکھو اپنے جمع کرنے کا“ پس اللہ تعالیٰ نے تم پر ظلم نہیں کیا بلکہ تم نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اس خزانے کے ذریعے سے تم نے اپنی جانوں کو عذاب میں مبتلا کیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان دو آیات کریمہ میں انسان کے اپنے مال کے بارے میں انحراف کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ انحراف دو امور کے ذریعے سے ہوتا ہے۔

(۱) انسان اس کو باطل کے راستے میں خرچ کرتا ہے جس کا اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ اس سے اس کو صرف نقصان ہی پہنچتا ہے، مثلاً معاصی اور شہوات میں مال خرچ کرنا جس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت

پر اعانت حاصل نہیں ہوتی۔ اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کے لیے مال خرچ کرنا۔

(۲) جہاں مال خرچ کرنا واجب ہو وہاں مال خرچ نہ کرنا اور کسی چیز سے روکنا در حقیقت اس کی ضد کا حکم دینا ہے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ

بیشک شمار مہینوں کا، نزدیک اللہ کے بارہ مہینے ہی ہیں، اللہ کی کتاب میں، جس دن کہ پیدا کیے اس نے

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ فَلَا

آسمان اور زمین، ان میں سے چار (مہینے) ہیں حرمت والے، یہی ہے دین سیدھا، پس نہ

تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً

ظلم کرو تم ان میں اپنی جانوں پر، اور لڑو تم مشرکوں سے اکٹھے، جیسے وہ لڑتے ہیں تم سے اکٹھے

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (۳۶)

اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے ○

﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ ''اللہ کے ہاں مہینوں کی گنتی'' یعنی اللہ تعالیٰ کی قضاوقدر میں۔ ﴿اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا﴾ ''بارہ مہینے ہے'' یہ وہی معروف مہینے ہیں۔ ﴿فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ ''اللہ کی کتاب میں'' یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم قدری میں۔ ﴿يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ ''جس دن اس نے پیدا کئے تھے آسمان اور زمین'' اللہ تعالیٰ نے اس کے لیل ونہار جاری کئے' اس کے اوقات کی مقدار مقرر کی اور اس کو ان بارہ مہینوں میں تقسیم کیا۔ ﴿مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ﴾ ''ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں'' اور یہ ہیں رجب' ذیقعد' ذوالحج اور محرم......... اور ان کے احترام کی وجہ سے ان کو حرام مہینوں سے موسوم کیا گیا ہے۔ نیز ان کو اس وجہ سے بھی حرام مہینے کہا گیا ہے کہ ان میں قتال کرنا حرام ٹھہرایا گیا ہے۔

﴿فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ ''پس ان میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو'' اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ضمیر بارہ مہینوں کی طرف لوٹتی ہے اور یہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اس نے ان مہینوں کو بندوں کے لیے وقت کی مقدار کے تعین کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ پس ان مہینوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے معمور رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان پر اس کا شکر ادا کیا جائے' نیز یہ کہ اس نے ان مہینوں کو اپنے بندوں (کے مصالح) کے لیے مقرر فرمایا۔ پس اپنے آپ پر ظلم کرنے سے بچو۔ اس میں یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ضمیر صرف چار حرام مہینوں کی طرف لوٹتی ہو یعنی ان کے لیے ممانعت ہے کہ وہ خاص طور پر ان چار مہینوں میں ظلم کریں۔ حالانکہ تمام اوقات میں ظلم کرنے کی ممانعت ہے' لیکن چونکہ ان چار مہینوں کی حرمت زیادہ ہے اور ان مہینوں میں دوسرے مہینوں کی نسبت

ظلم کے گناہ کی شدت بھی زیادہ ہے' اس لئے ان مہینوں میں ظلم کرنے سے بطور خاص منع کیا گیا۔

ان چار مہینوں میں ان علماء کے نزدیک' جو یہ کہتے ہیں کہ حرام مہینوں میں لڑائی کی تحریم منسوخ نہیں' لڑائی کرنا ممنوع ہے۔ وہ ان مہینوں میں قتال کی تحریم کے بارے میں عام نصوص پر عمل کرتے ہیں۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ان مہینوں میں قتال کی تحریم منسوخ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی عمومیت پر عمل کرتے ہیں۔﴿ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَآفَّةً ﴾ ''اور تم سب کے سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب کے سب تم سے لڑتے ہیں۔'' یعنی تمام قسم کے مشرکین اور رب العالمین کا انکار کرنے والوں سے لڑو اور لڑائی کے لیے کسی کو مخصوص نہ کرو' بلکہ تمام مشرکین اور کفار کو اپنا دشمن سمجھو جیسا کہ تمہارے ساتھ ان کا رویہ ہے۔ وہ اہل ایمان کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اور شرارت سے کبھی نہیں چوکتے۔

اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ﴿ كَآفَّةً ﴾ ''قاتلوا'' کی واؤ سے حال ہو' تب معنی یہ ہوگا کہ تم سب اکٹھے ہو کر مشرکین سے جنگ کرو' اس صورت میں تمام اہل ایمان پر جہاد کے لیے نکلنا فرض ہے۔ اس احتمال کے مطابق یہ آیت کریمہ' اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد ﴿ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَآفَّةً ﴾ (التوبہ: ۹/۱۲۲) ''اہل ایمان کے لیے ضروری نہ تھا کہ وہ سارے کے سارے نکل کھڑے ہوتے'' ۔ کے لئے ناسخ قرار پائے گی۔

﴿ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴾ ''اور جان رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔'' یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی مدد' نصرت اور تائید کے ذریعے سے تقویٰ شعار لوگوں کے ساتھ ہے۔ پس تم اپنے ظاہر و باطن اور اطاعت الٰہی پر قائم رہنے میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کے حریص بنو۔ خاص طور پر کفار کے خلاف قتال کے وقت' کیونکہ ایسی صورت حال میں' جنگ میں شریک کفار دشمنوں کے معاملہ میں مومن سے تقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔

إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا

بیشک مہینے کو پیچھے ہٹا دینا تو زیادتی ہے کفر میں' گمراہ کیے جاتے ہیں اس کی وجہ سے کافر لوگ' حلال کر لیتے ہیں وہ اس کو ایک سال'

وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِّيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا

اور حرام کر دیتے ہیں اسکو (دوسرے) سال' تاکہ پوری کریں گنتی ان مہینوں کی جو حرام ٹھہرائے اللہ نے۔ پس وہ حلال کر لیتے ہیں جس کو

حَرَّمَ اللَّهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوٓءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللَّهُ

حرام کیا اللہ نے' مزین کر دیے گئے ان کے لیے برے عمل ان کے' اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾

نہیں ہدایت دیتا کافر قوم کو○

﴿ اَلنَّسِیٓءُ ﴾ ”تاخیر“ وہ ہے جو اہل جاہلیت حرام مہینوں میں استعمال کیا کرتے تھے۔ یہ ان کی جملہ بدعات میں سے ایک بدعت تھی کہ جب انہیں حرام مہینوں میں سے کسی مہینے میں لڑائی کی ضرورت پڑتی' تو وہ...... اپنی فاسد آراء کے مطابق...... سمجھتے تھے کہ حرام مہینوں کی گنتی کو پورا رکھا جائے جن کے اندر لڑائی حرام ہے۔ اور یہ کہ وہ بعض حرام مہینوں کو موخر یا مقدم کر دیتے تھے اور اس کی جگہ حلال مہینوں میں سے کسی مہینے کو حرام بنا لیتے تھے۔ جب ان حرام کی جگہ حلال مہینوں کو مقرر کر دیتے تو حرام مہینوں میں لڑائی کو حلال کر لیتے اور حلال مہینوں کو حرام قرار دے دیتے۔ ان کا یہ رویہ...... جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں آگاہ فرمایا ہے...... ان کی طرف سے مزید کفر اور گمراہی کا رویہ ہے کیونکہ اس میں ایسے امور ہیں جن سے پرہیز کیا جانا چاہیے۔

(۱) انہوں نے (نَسِیٓءُ) کو اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی شریعت اور دین قرار دے دیا حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔

(۲) انہوں نے دین کو بدل ڈالا' حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے ڈالا۔

(۳) انہوں نے بزعم خود اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے ساتھ فریب کیا۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ان کے دین کو گڈمڈ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے دین میں حیلہ سازی اور فریب کاری کو استعمال کیا۔

(۴) شریعت کی مخالفت میں بار بار کئے جانے والے اعمال پر دوام سے لوگوں کے دلوں سے ان کی قباحت زائل ہو جاتی ہے' بلکہ بسا اوقات ایسے کام اچھے محسوس ہونے لگتے ہیں' اس کے جو خطرناک نتائج نکلتے ہیں' محتاج وضاحت نہیں۔

بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّ یُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِـُٔوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ ﴾ ”گمراہی میں پڑتے ہیں اس سے کافر' حلال کر لیتے ہیں اس مہینے کو ایک برس اور حرام رکھتے ہیں اس کو دوسرے برس' تاکہ پوری کر لیں گنتی ان مہینوں کی جن کو اللہ نے حرمت والا قرار دیا ہے“ یعنی حرام مہینوں کے عدد میں موافقت کریں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے انہیں حلال قرار دے لیں ﴿ زُیِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ ﴾ ”ان کے برے اعمال ان کے لیے مزین کر دیے گئے ہیں۔“ یعنی شیاطین نے ان کے سامنے ان کے برے اعمال کو مزین کر دیا اور ان کے دلوں میں جو عقائد مزین ہو گئے ہیں ان کی وجہ سے وہ ان اعمال کو اچھا سمجھتے ہیں۔ ﴿ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْكٰفِرِیْنَ ﴾ ”اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ یعنی وہ لوگ جو کفر کے رنگ میں رنگے گئے ہیں اور تکذیب نے ان کے دلوں میں جڑ پکڑ لی ہے لہٰذا ان کے پاس اگر تمام نشانیاں بھی آ جائیں تو یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! کیا ہے تمہیں؟ جب کہا جاتا ہے تم سے کہ کوچ کرو راہ میں اللہ کی تو بوجھل ہو جاتے (اور گرے جاتے) ہو تم

اِلَى الْاَرْضِ ۭ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ

طرف زمین کی، کیا تم نے پسند کر لیا ہے دنیا کی زندگی کو بمقابلہ آخرت کے؟ پس نہیں ہے فائدہ

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝٣٨ اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ

دنیا کی زندگی کا آخرت کے مقابلے میں، مگر تھوڑا ○ اگر نہ کوچ کرو گے تم تو دے گا وہ تمہیں

عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَـيْـــًٔـا ۭ

عذاب دردناک اور بدل کر لے آئے گا کسی اور قوم کو سوائے تمہارے اور نہ بگاڑ سکو گے تم اس کا کچھ بھی،

وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٣٩

اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ○

واضح رہے کہ اس سورۂ کریمہ کا اکثر حصہ غزوۂ تبوک میں نازل ہوا ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے رومیوں کے مقابلے میں جنگ کے لیے لوگوں کو بلایا۔ اس وقت سخت گرمی کا موسم تھا، لوگوں کے پاس زادِراہ بہت کم تھا اور ان کے معاشی حالات عسرت کا شکار تھے۔ اس کی وجہ سے بعض مسلمانوں میں سستی آ گئی تھی جو اللہ تعالیٰ کے عتاب کی موجب بنی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کو جہاد کے لیے اٹھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ ''اے ایمان والو''! کیا تم ایمان کے تقاضوں اور یقین کے داعیوں کو نہیں جانتے؟ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں سبقت کی جائے، اس کی رضا کے حصول، اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور تمہارے دین کے دشمنوں کے خلاف جہاد کی طرف سرعت سے بڑھا جائے۔ پس ﴿مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ﴾ ''تمہیں کیا ہے کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں کوچ کرو، تو گرے جاتے ہو زمین پر'' یعنی تم سستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیٹھ رہے ہو اور راحت و آرام کی طرف مائل ہو رہے ہو۔ ﴿اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ﴾ ''کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو۔'' یعنی تمہارا حال تو بس اس شخص جیسا ہے جو دنیا کی زندگی پر راضی ہے اور اسی کے لیے بھاگ دوڑ کرتا ہے اور آخرت کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ گویا آخرت پر وہ ایمان ہی نہیں رکھتا۔

﴿فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا﴾ ''پس نہیں ہے نفع اٹھانا دنیا کی زندگی کا'' جس کی طرف تم مائل ہو، جس کو تم نے آخرت پر ترجیح دے رکھی ہے۔ ﴿اِلَّا قَلِيْلٌ﴾ ''مگر بہت تھوڑا'' کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں عقل سے نہیں نوازا جس کے ذریعے سے تم تمام معاملات کو تولو کہ کون سا معاملہ ہے جو ترجیح دیے جانے کا مستحق ہے؟ کیا ایسا نہیں کہ

یہ دنیا........ اول سے لے کر آخر تک .... آخرت کے ساتھ اس کی کوئی نسبت ہی نہیں؟ اس دنیا میں انسان کی عمر بہت تھوڑی ہے' یہ عمر اتنی نہیں کہ اسی کو مقصد بنا لیا جائے اور اس کے ماوراء کوئی مقصد ہی نہ ہو اور انسان کی کوشش' اس کی جہد اور اس کے ارادے اس انتہائی مختصر زندگی سے آگے نہ بڑھتے ہوں جو تکدر سے لبریز اور خطرات سے بھرپور ہے۔ تب کس بنا پر تم نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دے دی جو تمام نعمتوں کی جامع ہے جس میں وہ سب کچھ ہوگا نفس جس کی خواہش کریں گے اور آنکھیں جس سے لذت حاصل کریں گی اور تم اس آخرت میں ہمیشہ رہو گے........ اللہ کی قسم! وہ شخص جس کے دل میں ایمان جاگزیں ہو گیا ہے' جو صائب رائے رکھتا ہے اور جو عقل مندوں میں شمار ہوتا ہے' کبھی دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاد کے لیے نہ نکلنے پر ان کو سخت وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا﴾ ''اگر تم نہ نکلو گے تو وہ تم کو عذاب دے گا' دردناک عذاب'' دنیا اور آخرت میں' کیونکہ جہاد کے لیے بلانے پر' جہاد کے لیے گھر سے نہ نکلنا کبیرہ گناہ ہے جو سخت ترین عذاب کا موجب ہے' کیونکہ اس میں شدید نقصان ہے بوقت ضرورت جہاد سے جی چرا کر پیچھے بیٹھ رہنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی منہیات کا ارتکاب ہے۔ جہاد سے گریز کرنے والے نے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کی' نہ اس کی کتاب اور شریعت کی مدافعت کی اور نہ اس نے اپنے مسلمان بھائیوں کی ان کے ان دشمنوں کے خلاف مدد کی جو ان کو ختم کرنا اور ان کے دین کو مٹانا چاہتے ہیں۔

نیز بسا اوقات ضعیف الایمان لوگ جہاد سے جی چرانے میں ان کی پیروی کرنے لگتے ہیں' بلکہ اس طرح دشمن کے خلاف جہاد کرنے والوں کی قوت ٹوٹ جاتی ہے۔ اس لئے جس کا یہ حال ہو تو وہ اسی قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے سخت وعید سنائے۔ اس لئے فرمایا: ﴿اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْهُ شَيْـًٔا﴾ ''اگر تم نہ نکلو گے' تو تم کو دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو بدلے میں لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے'' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی نصرت اور اپنے کلمہ کو بلند کرنے کا ذمہ اٹھا رکھا ہے۔ اس لئے اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہو یا ان کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیتے ہو' اللہ کے لئے برابر ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ''اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرے تو وہ اسے بے بس نہیں کر سکتی اور کوئی اس پر غالب نہیں آ سکتا۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ

اگر نہ مدد کرو گے تم اس کی تو تحقیق مدد کی اس (پیغمبر) کی اللہ نے' جب کہ نکال دیا تھا اس کو ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا (وہ) دوسرا تھا دو میں سے

اِذْ هُمَا فِى الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ

جب وہ دونوں تھے غار میں' جب کہ وہ کہہ رہا تھا اپنے ساتھی سے' غم نہ کر' بیشک اللہ ہمارے ساتھ ہے' پس نازل کی اللہ نے

سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا

اپنی سکینت اس پر اور مدد کی اسکی ایسے لشکروں سے کہ نہیں دیکھا تم نے ان کو اور کر دی اس نے بات ان لوگوں کی جنھوں نے کفر کیا'

السُّفْلٰى ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۰﴾

نیچی۔ اور بات اللہ کی وہی ہے بالا اور اللہ بڑا زبردست بہت حکمت والا ہے ○

اگر تم اللہ تعالیٰ کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کی مدد نہیں کرتے' تو اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز ہے تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس نے قلت زاد اور بے کسی کے حالات میں بھی آپ کی مدد فرمائی۔ ﴿اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ''جب اس کو کافروں نے نکال دیا۔'' جب کفار نے آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا تھا' جب انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد کے حصول کے لیے بھرپور کوشش کی اور وہ اس کی شدید خواہش رکھتے ہیں۔ آخر انہوں نے آپ کو مکہ مکرمہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ ﴿ثَانِيَ اثْنَيْنِ﴾ ''وہ دو میں سے دوسرا تھا'' یعنی نبی کریم ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ﴿اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ ''جب وہ دونوں غار میں تھے'' یعنی جب رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ سے نکل کر مکہ سے نیچے کی طرف واقع غار ثور میں پناہ گزین ہوئے۔ دونوں اس وقت تک غار میں ٹھہرے رہے جب تک کہ ان کی تلاش کا معاملہ ٹھنڈا نہیں پڑ گیا۔ دونوں اصحاب شدید حرج اور مشقت کی حالت میں مبتلا رہے۔ جب ان کے دشمن ان کی تلاش میں ہر طرف پھیل گئے تاکہ ان کو پکڑ کر قتل کر دیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نصرت نازل فرمائی جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

﴿اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ﴾ ''جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے۔'' یعنی جب نبی اکرم ﷺ نے اپنے ساتھی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے' جب کہ وہ سخت غم زدہ اور قلق کا شکار تھے .... فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا﴾ ''غم نہ کھا' اللہ ہمارے ساتھ ہے'' یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد' نصرت اور تائید ہمارے ساتھ ہے۔ ﴿فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ﴾ ''پس اتاری اللہ نے اپنی طرف سے اس پر سکینت'' یعنی اللہ تعالیٰ نے ثابت قدمی' طمانیت اور ایسا سکون نازل فرمایا جو دل کی مضبوطی کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے جب آپ کا ساتھی گھبرایا تو آپ نے اس کو پرسکون کرتے ہوئے فرمایا ''غم نہ کھا' اللہ ہمارے ساتھ ہے''۔ ﴿وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ ''اور اس کی مدد کو وہ فوجیں بھیجیں کہ تم نے نہیں دیکھیں'' اور وہ معزز فرشتے تھے جن کو اللہ نے آپ کا محافظ بنا دیا۔

﴿وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى﴾ ''اور کافروں کی بات کو پست کر دیا'' یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار کو ساقط اور بے یار و مددگار چھوڑ دیا' کیونکہ کفار سخت غضب ناک تھے اور رسول اللہ ﷺ پر سخت غصہ تھا وہ سمجھتے تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گرفتار کر کے قتل کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی پوری کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور وہ مقصد حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے' بلکہ وہ کچھ

بھی حاصل نہ کر سکے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی مدافعت فرما کر آپ کو اپنی نصرت سے نوازا۔ یہی وہ مدد ہے جس کا اس مقام پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ مدد کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جب مسلمان دشمن کو زک پہنچانے کے خواہش مند ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خواہش اور مقصد کو پورا کرتا ہے اور وہ اپنے دشمن پر غالب آ جاتے ہیں۔

(۲) مدد کی دوسری قسم مستضعفین کی مدد ہے جن کو ان کا طاقتور دشمن نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے دشمن کو آپ سے دور کر کے اور دشمن سے آپ کا دفاع کر کے آپ کی مدد فرمائی اور شاید مدد و نصرت کی یہ قسم سب سے زیادہ فائدہ مند ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کی مدد کرنا' جب کفار نے دونوں کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا تھا........ نصرت کی اسی نوع میں شمار ہوتا ہے۔

﴿ وَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ﴾ ''اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے کلمات قدریہ اور کلمات دینیہ دیگر تمام کلمات پر غالب ہیں۔ اس مفہوم کی چند دیگر آیات یہ ہیں۔ ﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ (الروم: ۴۷/۳۰) ''اور اہل ایمان کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے۔'' فرمایا: ﴿ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ ﴾ (غافر: ۵۱/۴۰) ''ہم اپنے رسولوں کی اور ان کی جو ایمان لائے' دنیا کی زندگی میں اور جس روز گواہ (گواہی دینے کے لیے) کھڑے ہوں گے' ضرور مدد کریں گے۔'' ﴿ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴾ (الصافات: ۱۷۳/۳۷) ''اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔''

پس اللہ تعالیٰ کا دین واضح دلائل' حیرت انگیز آیات اور تائید کرنے والے براہین کے ذریعے سے تمام ادیان پر غالب ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ﴾ ''اور اللہ غالب ہے۔'' کوئی اس پر غالب آ سکتا ہے' نہ کوئی بھاگ کر اس سے بچ سکتا ہے۔ ﴿ حَكِيْمٌ ﴾ ''وہ حکمت والا ہے۔'' تمام اشیاء کو ان کے مناسب مقام پر رکھتا ہے وہ کبھی کبھی اپنے گروہ کی مدد کو کسی دوسرے وقت تک موخر کر دیتا ہے جس کا تقاضا حکمت الٰہیہ کرتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ایک ایسی خصوصیت بیان کی گئی ہے جو اس امت کے کسی اور فرد میں نہیں اور وہ ہے یہ منقبت جلیلہ اور صحبت جمیلہ........ اور تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت کریمہ سے یہی مراد ہے۔ بنا بریں جن لوگوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت کا انکار کیا انہوں نے ظلم و تعدی اور کفر کا ارتکاب کیا' کیونکہ اس نے قرآن کا انکار کیا جو اس صحبت کی تصریح کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے سکینت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ مصیبت اور خوف کے اوقات میں جب دل پریشان ہو جاتے ہیں' تو سکینت اللہ تعالیٰ کی نعمت کاملہ ہے۔ یہ نعمت کاملہ بندۂ مومن کو اس کی اپنے رب کی معرفت' اپنے رب کے سچے وعدے پر اعتماد' اپنے ایمان اور اپنی شجاعت کے مطابق عطا ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ

بھی ثابت ہوتا ہے کہ حزن کبھی کبھار اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں اور صدیقین کو بھی لاحق ہو جاتا ہے۔ بایں ہمہ جب بندۂ مومن پر یہ کیفیت نازل ہو تو بہتر یہ ہے کہ وہ اس کیفیت کو دور کرنے کی کوشش کرے' کیونکہ حزن بندے کے دل کو کمزور اور اس کی عزیمت کو پراگندہ کر دیتا ہے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ

کوچ کرو تم' ہلکے بھی اور بھاری بھی اور جہاد کرو ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے اللہ کی راہ میں'

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا

یہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے اگر ہو تم علم رکھتے ○ اگر ہوتا مال جلد مل جانے والا اور سفر (بھی)

قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۭ وَسَيَحْلِفُوْنَ

درمیانہ تو ضرور پیروی کرتے وہ آپ کی لیکن دور دکھائی دی ان کو مسافت اور عنقریب وہ قسمیں کھائیں گے

بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ

اللہ کی کہ اگر ہم استطاعت رکھتے تو ضرور نکلتے ہم تمہارے ساتھ' ہلاک کر رہے ہیں وہ اپنی ہی جانوں کو'

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝

اور اللہ جانتا ہے کہ بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اپنے راستے میں جہاد کے لیے نکلنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتا ہے ﴿ اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا ﴾ ''نکلو ہلکے اور بوجھل'' یعنی تنگی اور فراخی' نشاط اور ناگواری' گرمی اور سردی تمام احوال میں جہاد کے لیے نکلو۔ ﴿ وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ﴾ ''اور اللہ کے راستے میں مال اور جان سے جہاد کرو۔'' یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کر دو اور اپنی جان و مال کو کھپا دو۔ اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ جس طرح جان کے ساتھ جہاد فرض ہے' اسی طرح بوقت ضرورت مال کے ساتھ بھی جہاد فرض ہے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''یہ تمہارے حق میں اچھا ہے بشرطیکہ تمہیں علم ہو۔'' یعنی گھر بیٹھ رہنے کی نسبت' جان و مال سے جہاد کرنا تمہارے لئے بہتر ہے' کیونکہ جہاد میں اللہ تعالیٰ کی رضا' اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند درجات کا حصول' اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت' اس کی فوج اور اس کے گروہ میں داخل ہونا ہے۔ ﴿ لَوْ كَانَ ﴾ ''اگر ہوتا'' ان کا گھروں سے نکلنا ﴿ عَرَضًا قَرِيْبًا ﴾ ''جلد حاصل ہو جانے والا سامان۔'' یعنی دنیوی نفع (مال غنیمت) سہل الحصول ہوتا۔ ﴿ وَّ ﴾ ''اور'' ہوتا ﴿ سَفَرًا قَاصِدًا ﴾ ''سفر ہلکا'' قریب اور آسان۔ ﴿ لَّاتَّبَعُوْكَ ﴾ تو (زیادہ مشقت نہ ہونے کی وجہ سے) ضرور آپ کی پیروی کرتے۔ ﴿ وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ﴾ ''لیکن لمبی نظر آئی ان کو مشقت''

یعنی مسافت بہت طویل تھی اور سفر پر صعوبت تھا لہذا وہ آپ کے ساتھ جہاد میں شرکت چھوڑ کر بیٹھ رہے۔ اور یہ عبودیت کی علامات نہیں ہیں۔ بندہ درحقیقت ہر حال میں اپنے رب کا عبادت گزار ہے' عبادت خواہ مشکل ہو یا آسان وہ اپنے رب کی عبودیت کو قائم کرتا ہے۔ یہی بندہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔

﴿ وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ﴾ ''اور اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے' تو ضرور آپ کے ساتھ نکلتے۔'' یعنی وہ جہاد کے لیے نہ نکلنے اور پیچھے رہ جانے پر قسمیں اٹھا کر کہیں گے کہ وہ معذور تھے اور وہ جہاد کے لیے نکلنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے۔ ﴿ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ﴾ ''اپنے تئیں ہلاک کر رہے ہیں۔'' یعنی جہاد سے جی چرا کر پیچھے بیٹھ رہنے' جھوٹ بولنے اور خلاف واقع خبر دینے پر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ ﴿ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴾ ''اور اللہ جانتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں''۔ یہ عتاب منافقین کے لیے ہے جو غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہو کر پیچھے بیٹھ رہے اور مختلف قسم کے جھوٹے عذر پیش کیے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان منافقین کو آزمائے بغیر کہ کون سچا اور کون جھوٹا ہے' ان کے محض معذرت پیش کرنے پر معاف فرما دیا' بنابریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان منافقین کا عذر قبول کرنے کی جلدی پر آپ کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ

معاف کر دیا اللہ نے آپکو' کیوں اجازت دی آپ نے انکو؟ یہاں تک کہ ظاہر ہو جاتے آپ کیلئے وہ لوگ جو سچے تھے اور جان لیتے آپ

الْكٰذِبِيْنَ ﴿٤٣﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ

جھوٹوں کو ○ نہیں اجازت مانگتے آپ سے وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور یوم آخرت پر' اس سے کہ

يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٤﴾ اِنَّمَا

وہ جہاد کریں ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے' اور اللہ خوب جاننے والا ہے پرہیز گاروں کو ○ بے شک

يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ

اجازت تو وہی مانگتے ہیں آپ سے جو نہیں ایمان رکھتے اللہ اور یوم آخرت پر' اور شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کے دل'

فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿٤٥﴾

پس وہ اپنے شک میں پڑے تردد کر رہے ہیں ○

﴿ عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ﴾ ''اللہ نے آپ سے درگزر فرمایا'' اور آپ سے جو کچھ صادر ہوا اسے بخش دیا۔ ﴿ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ ﴾ ''آپ نے (انہیں پیچھے رہ جانے کی) اجازت کیوں دی۔'' ﴿ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴾ ''حتی کہ آپ پر وہ لوگ ظاہر ہو جاتے جو سچے ہیں اور وہ بھی آپ کو معلوم ہو جاتے

جو جھوٹے ہیں۔'' یعنی ان کو آزمانے کے بعد معلوم ہوتا کہ سچا کون اور جھوٹا کون ہے' تب آپ اس شخص کا عذر قبول فرماتے جو اس کا مستحق ہے اور اس شخص کا عذر قبول نہ فرماتے جو اس کا مستحق نہیں۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے اپنے جان و مال کے ذریعے سے جہاد ترک کرنے کی اجازت طلب نہیں کرتے' بلکہ بغیر کسی عذر کے جہاد ترک کرنے کی اجازت مانگنا تو کجا' بغیر کسی ترغیب کے' ایمان اور بھلائی میں ان کی رغبت انہیں جہاد پر آمادہ رکھتی ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴾ ''اور اللہ متقین کو خوب جانتا ہے'' پس وہ انہیں اس بات کی جزا دے گا کہ انہوں نے تقویٰ کو قائم رکھا۔ متقین کے بارے میں یہ اللہ تعالیٰ کا علم ہی ہے کہ اس نے آگاہ فرمایا کہ ان کی علامت یہ ہے کہ وہ جہاد چھوڑنے کی اجازت نہیں مانگتے۔ ﴿ اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ ﴾ ''آپ سے رخصت تو صرف وہی مانگتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر یقین نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں'' یعنی ان کے اندر ایمان کامل اور یقین صادق نہیں ہے اسی لئے بھلائی میں ان کی رغبت بہت کم ہے۔ قتال کے بارے میں وہ بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور حاجت محسوس کرتے ہیں کہ وہ قتال ترک کرنے کی اجازت طلب کریں۔ ﴿ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴾ ''اور وہ اپنے شک میں متردد رہتے ہیں۔''

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ

اور اگر ارادہ کرتے وہ نکلنے کا تو ضرور تیار کرتے اس کے لیے کچھ سامان' لیکن نہیں پسند کیا اللہ نے ان کے اٹھنے (جانے) کو'

فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ۝۴۶ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ

پس انکوست کر دیا (روک دیا) اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھے رہو تم ساتھ بیٹھنے والوں کے ○ اگر وہ نکلتے تم میں (شامل ہو کر) تو نہ زیادہ کرتے تمہارے لیے

اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ

مگر خرابی ہی' اور البتہ دوڑاتے وہ (اپنے گھوڑے) تمہارے درمیان' تلاش کرتے ہوئے تمہارے اندر فتنہ' اور تم میں (کچھ) جاسوس ہیں

لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۴۷ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا

ان کے لیے اور اللہ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو ○ البتہ تحقیق تلاش کیا تھا انہوں نے فتنہ اس سے پہلے بھی اور الٹ پلٹ کرتے رہے

لَكَ الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝۴۸

آپ کے لیے معاملات کو' یہاں تک کہ آ گیا حق اور غالب ہو گیا حکم اللہ کا جبکہ وہ ناپسند کرنے والے تھے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ بیان فرماتا ہے' جہاد سے جی چرا کر پیچھے رہ جانے والے منافقین کی علامات اور قرائن سے ظاہر ہو گیا ہے کہ جہاد کے لیے نکلنے کا ان کا ارادہ ہی نہ تھا اور ان کی وہ معذرتیں جو وہ پیش کر رہے ہیں سب باطل ہیں' کیونکہ عذر جہاد کے لیے نکلنے سے تب مانع ہوتا ہے جب بندۂ مومن پوری کوشش کر کے جہاد کے لیے نکلنے

کے تمام اسباب استعمال کرنے کی سعی کرتا ہے، پھر کسی شرعی مانع کی وجہ سے جہاد کے لیے نکل نہیں سکتا تو یہی وہ شخص ہے جس کا عذر قبول ہے۔ ﴿ وَ ﴾ ''اور'' یہ منافقین ﴿ لَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً ﴾ ''اگر نکلنے کا ارادہ کرتے، تو اس کے لئے ضرور کچھ سامان تیار کرتے'' یعنی وہ تیاری کرتے اور ایسے تمام اسباب عمل میں لاتے جو ان کے بس میں تھے۔ چونکہ انہوں نے اس کے لیے تیاری نہیں کی اس لئے معلوم ہوا کہ ان کا جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ ہی نہ تھا ﴿ وَلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ ﴾ ''لیکن اللہ نے پسند نہیں کیا ان کا اٹھنا'' یعنی ان کا جہاد کے لیے تمہارے ساتھ نکلنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوا ﴿ فَثَبَّطَهُمْ ﴾ ''سو روک دیا ان کو'' اللہ تعالیٰ نے قضا وقدر کے ذریعے سے ان کو جہاد کے لیے نکلنے سے باز رکھا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا تھا اور اس کی ان کو ترغیب بھی دی اور وہ ایسا کرنے کی قدرت بھی رکھتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کی بنا پر ان کی اعانت نہ فرمائی، اس نے ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور ان کو جہاد کے لیے نکلنے سے باز رکھا۔ ﴿ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴾ ''اور کہا گیا، بیٹھے رہو بیٹھنے والوں کے ساتھ'' یعنی عورتوں اور معذوروں کے ساتھ بیٹھ رہو۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا ﴾ ''اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو تمہارے نقصان ہی میں اضافہ کرتے'' (خبالًا) یعنی ''نقصان'' ﴿ وَّلَاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ ﴾ ''اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے درمیان'' یعنی تمہارے درمیان فتنہ وفساد برپا کرنے کی کوشش کرتے اور تمہاری متحد جماعت میں تفرقہ پیدا کرتے۔ ﴿ يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ﴾ ''بگاڑ کرانے کی تلاش میں'' یعنی وہ تمہارے درمیان فتنہ برپا کرنے اور عداوت پیدا کرنے کے بہت حریص ہیں۔ ﴿ وَفِيْكُمْ ﴾ ''اور تمہارے اندر'' ضعیف العقل لوگ موجود ہیں۔ جو ﴿ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ﴾ ''جاسوسی کرتے ہیں ان کے لئے'' یعنی ان کے دھوکے میں آکر ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ پس جب وہ تمہیں تنہا چھوڑ دینے، تمہارے درمیان فتنہ ڈالنے اور تمہیں تمہارے دشمنوں کے خلاف لڑنے سے باز رکھنے کے بہت حریص ہیں اور تم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کی بات کو قبول کرتے ہیں اور ان کو اپنا خیر خواہ سمجھتے ہیں، تو کیا آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اگر وہ جہاد کے لیے اہل ایمان کے ساتھ نکلتے تو انہیں کتنا زیادہ نقصان پہنچتا؟

پس اللہ تعالیٰ کی حکمت کتنی کامل ہے کہ اس نے ان کو اس سے باز رکھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں پر رحم اور لطف وکرم کرتے ہوئے ان کے ساتھ جہاد کے لیے نکلنے سے ان کو روک دیا، تاکہ وہ ان کے معاملات میں دخل اندازی نہ کریں جس سے ان کو کوئی فائدہ پہنچنے کی بجائے نقصان پہنچتا۔ ﴿ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴾ ''اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔'' پس وہ اپنے بندوں کو تعلیم دیتا ہے کہ وہ کیسے ان کی فتنہ پردازی سے بچیں، نیز وہ ان مفاسد کو واضح کرتا ہے جو ان کے ساتھ میل جول سے پیدا ہوتے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ پہلے بھی ان

کی شرانگیزی ظاہر ہو چکی ہے۔ ﴿ لَقَدِ ابۡتَغَوُا الۡفِتۡنَةَ مِنۡ قَبۡلُ ﴾ ''وہ اس سے پہلے بھی بگاڑ تلاش کرتے رہے ہیں'' یعنی جب تم لوگوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو اس وقت بھی انہوں نے فتنہ اٹھانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ ﴿ وَ قَلَّبُوۡا لَكَ الۡاُمُوۡرَ ﴾ ''اور الٹتے رہے ہیں آپ کے کام'' یعنی انہوں نے افکار کو الٹ پلٹ کر ڈالا' تمہاری دعوت کو ناکام کرنے اور تمہیں تنہا کرنے کے لیے حیلہ سازیاں کیں اور اس میں انہوں نے کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی۔ ﴿ حَتّٰی جَآءَ الۡحَقُّ وَ ظَهَرَ اَمۡرُ اللّٰهِ وَ هُمۡ كٰرِهُوۡنَ ﴾ ''یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ہو گیا اور وہ ناخوش تھے'' پس ان کی تمام سازشیں ناکام ہو گئیں اور ان کا باطل مضمحل ہو گیا۔ سو اس قسم کے لوگ اسی قابل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ان سے بچنے کی تلقین کرے اور اہل ایمان ان کے پیچھے رہ جانے کی پروا نہ کریں۔

وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّقُوۡلُ ائۡذَنۡ لِّيۡ وَلَا تَفۡتِنِّيۡ ؕ اَلَا فِي الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا ؕ

اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں' اجازت دیجئے مجھے اور نہ فتنے میں ڈالیں مجھے۔ آگاہ رہو! فتنے میں تو وہ گر چکے ہیں'

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۴۹﴾

اور بے شک جہنم یقیناً گھیرنے والی ہے کافروں کو ○

اور ان منافقین میں کچھ وہ بھی تھے جو جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگتے تھے اور عجیب و غریب قسم کے عذر پیش کرتے تھے۔ کوئی یہ کہتا تھا ﴿ ائۡذَنۡ لِّيۡ ﴾ ''مجھے (پیچھے رہنے کی) اجازت دیجئے۔'' ﴿ وَلَا تَفۡتِنِّيۡ ﴾ ''اور مجھے (گھر سے نکلنے کے باعث) فتنے میں نہ ڈالیے۔'' کیونکہ جب میں بنی اصفر (رومیوں) کی عورتوں کو دیکھوں گا تو صبر نہیں کر سکوں گا۔ جیسا کہ جد بن قیس نے کہا تھا...... اللہ تعالیٰ اس کا برا کرے اس کا مقصد محض ریا اور نفاق تھا اور وہ اپنی زبان سے ظاہر کرتا تھا کہ اس کا مقصد اچھا ہے اور جہاد میں نکلنے سے وہ فتنہ اور شر میں مبتلا ہو جائے گا اور اگر وہ جہاد کے لیے نہ جائے تو عافیت میں ہوگا اور فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے جھوٹ کا پول کھولتے ہوئے فرمایا ﴿ اَلَا فِي الۡفِتۡنَةِ سَقَطُوۡا ﴾ ''خبردار' وہ تو گمراہی میں پڑ چکے'' اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ قائل اپنے قصد میں سچا ہے' تب بھی پیچھے رہ جانے میں بہت بڑی مفسدت اور عظیم فتنہ متحقق ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی نیز کبیرہ گناہ کے ارتکاب اور اس کے بہت بڑے بوجھ کو اٹھانے کی جسارت۔ رہا جہاد کے لیے نکلنا تو جہاد کے لیے نکلنے میں نہ نکلنے کی نسبت بہت تھوڑے مفاسد ہیں اور وہ بھی محض متوہم ہیں۔ بایں ہمہ اس قائل کا مقصد پیچھے رہنے کے سوا کچھ بھی نہیں اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيۡطَةٌۢ بِالۡكٰفِرِيۡنَ ﴾ ''بے شک جہنم گھیر رہی ہے کافروں کو'' جہنم سے بھاگ کر ان کے لیے کوئی جائے پناہ اور کوئی مفر نہیں' جہنم سے ان کے لیے گلوخلاصی ہے نہ نجات۔

اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۚ وَاِنۡ تُصِبۡكَ مُصِيۡبَةٌ يَّقُوۡلُوۡا قَدۡ اَخَذۡنَاۤ

اگر پہنچتی ہے آپ کو کوئی بھلائی تو بری لگتی ہے ان کو اور اگر پہنچتی ہے آپ کو کوئی مصیبت تو کہتے ہیں وہ تحقیق ہم نے تو اختیار کر لی تھی (احتیاط)

اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ وَيَتَوَلَّوۡا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ ﴿۵۰﴾ قُلۡ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا

اپنے معاملے میں پہلے ہی، اور پھرتے ہیں وہ شاداں و فرحاں ○ کہہ دیجیے! ہرگز نہیں پہنچے گا ہمیں مگر وہی

كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوۡلٰٮنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۵۱﴾

جو لکھ دیا ہے اللہ نے ہمارے لیے، وہی ہے کارساز ہمارا، اور اوپر اللہ ہی کے پس چاہیے کہ بھروسہ کریں مومن ○

اللہ تبارک وتعالیٰ، منافقین کے بارے میں یہ واضح کرتے ہوئے کہ وہی حقیقی دشمن اور اسلام کے خلاف بغض رکھنے والے ہیں........ فرماتا ہے ﴿ اِنۡ تُصِبۡكَ حَسَنَةٌ ﴾ ''اگر پہنچے آپ کو کوئی بھلائی'' مثلاً فتح و نصرت اور دشمن کے خلاف آپ کی کامیابی ﴿ تَسُؤۡهُمۡ ﴾ ''تو ان کو بری لگتی ہے۔'' یعنی ان کو غمزدہ کر دیتی ہے ﴿ وَاِنۡ تُصِبۡكَ مُصِيۡبَةٌ ﴾ ''اور اگر آپ کو پہنچے کوئی مصیبت'' مثلاً آپ کے خلاف دشمن کی کامیابی ﴿ يَّقُوۡلُوۡا ﴾ ''تو کہتے ہیں۔'' آپ کے ساتھ نہ جانے کی وجہ سے سلامت رہنے کی بنا پر نہایت فخر سے کہتے ہیں: ﴿ قَدۡ اَخَذۡنَاۤ اَمۡرَنَا مِنۡ قَبۡلُ ﴾ ہم نے اس سے پہلے اپنا بچاؤ کر لیا تھا اور ہم نے ایسا رویہ رکھا جس کی وجہ سے ہم اس مصیبت میں گرفتار ہونے سے بچ گئے ﴿ وَيَتَوَلَّوۡا وَّهُمۡ فَرِحُوۡنَ ﴾ ''اور پھر کر جائیں وہ خوشیاں کرتے ہوئے'' یعنی وہ آپ کی مصیبت اور آپ کے ساتھ اس میں عدم مشارکت پر خوش ہوتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے اس قول کا جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ قُلۡ لَّنۡ يُّصِيۡبَنَاۤ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ﴾ ''کہہ دیجیے! ہمیں وہی پہنچے گا جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ دیا ہے'' یعنی جو کچھ اس نے مقدر کر کے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔ ﴿ هُوَ مَوۡلٰٮنَا ﴾ ''وہی ہمارا کارساز ہے۔'' یعنی وہ ہمارے تمام دینی اور دنیاوی امور کا سرپرست ہے پس ہم پر اس کی قضا و قدر پر راضی رہنا فرض ہے۔ ہمارے ہاتھ میں کوئی اختیار نہیں ﴿ وَعَلَى اللّٰهِ ﴾ ''اور اللہ پر'' یعنی اکیلے اللہ تعالیٰ ہی پر ﴿ فَلۡيَتَوَكَّلِ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ﴾ ''مومنوں کو توکل کرنا چاہیے۔'' یعنی اہل ایمان کو اپنے مصالح کے حصول اور ضرر کو دور کرنے کے لیے اعتماد اور اپنے مطلوب و مقصود کی تحصیل کی خاطر اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ کبھی خائب و خاسر نہیں ہوتا اور جو غیروں پر تکیہ کرتا ہے تو وہ ایک تو بے یار و مددگار رہے گا، دوسرے اپنی امیدوں کے حصول میں ناکام رہے گا۔

قُلۡ هَلۡ تَرَبَّصُوۡنَ بِنَاۤ اِلَّاۤ اِحۡدَى الۡحُسۡنَيَيۡنِ ؕ وَنَحۡنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمۡ

کہہ دیجیے! نہیں انتظار کرتے تم ہمارے معاملے میں، مگر ایک کا دو بھلائیوں میں سے اور ہم انتظار کرتے ہیں تمہارے حق میں

اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۖ

یہ کہ پہنچائے تمہیں اللہ عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے

فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿٥٢﴾

پس انتظار کرو تم' بلاشبہ ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں ○

آپ ان منافقین سے کہہ دیجئے جو تم لوگوں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹنے کا انتظار کر رہے ہیں ''تم ہمارے بارے میں کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ تم ہمارے بارے میں ایسی چیز کا انتظار کر رہے ہو جو مآل کار ہمارے لئے فائدہ مند ہے اور وہ ہے دو میں سے ایک بھلائی''۔

(۱) دشمنوں پر فتح و نصرت اور اخروی اور دنیاوی ثواب کا حصول۔

(۲) شہادت' جو مخلوق کے لئے سب سے اعلیٰ درجہ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے ارفع مقام ہے۔

اور اے گروہ منافقین! ہم جو تمہارے بارے میں انتظار کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے توسط کے بغیر تمہیں عذاب دے گا یا ہمیں تم پر مسلط کر کے ہمارے ذریعے سے تمہیں عذاب میں مبتلا کرے گا' پس ہم تمہیں قتل کریں گے۔

﴿فَتَرَبَّصُوْٓا﴾ ''پس تم منتظر رہو۔'' پس تم ہمارے بارے میں (اس بھلائی کے) منتظر رہو ﴿اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ﴾ ''ہم تمہارے بارے میں (اس برائی کے) منتظر ہیں۔''

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا

کہہ دیجئے! خرچ کرو تم' خوشی سے یا ناخوشی سے' ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا تم سے' کیونکہ تم ہو قوم

فٰسِقِيْنَ ﴿٥٣﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ

نافرمان ○ اور نہیں مانع ہوا ان کے' یہ کہ قبول کیے جائیں ان سے ان کے صدقات' مگر یہ (امر کہ) بلاشبہ کفر کیا انہوں نے اللہ کے ساتھ

وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى

اور اس کے رسول کے ساتھ اور نہیں آتے وہ نماز کو مگر اس حال میں کہ وہ ست ہوتے ہیں

وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿٥٤﴾

اور نہیں خرچ کرتے وہ مگر ناگواری کے ساتھ ○

اللہ تبارک و تعالیٰ منافقین کے صدقات کے بطلان اور اس کے سبب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿قُلْ﴾ ان سے کہہ دیجئے ﴿اَنْفِقُوْا طَوْعًا﴾ ''خوشی سے خرچ کرو۔'' یعنی بطیب خاطر خرچ کرو ﴿اَوْ كَرْهًا﴾ ''یا

ناخوشی سے" یا اپنے اختیار کے بغیر ناگواری کے ساتھ خرچ کرو۔ ﴿ لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ﴾ "تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔" اللہ تعالیٰ تمہارے کسی عمل کو قبول نہیں کرے گا۔ ﴿ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴾ "اس لیے کہ تم نافرمان لوگ ہو۔" یعنی تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے دائرے سے باہر نکلنے والے لوگ ہو۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے فسق اور ان کے اعمال کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ ﴾ "اور نہیں موقوف ہوا ان کے خرچ کا قبول ہونا، مگر اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا"۔ ایمان، تمام اعمال کے قبول ہونے کی شرط ہے اور یہ لوگ ایمان اور عمل صالح سے محروم لوگ ہیں حتیٰ کہ ان کی حالت تو یہ ہے کہ جب یہ لوگ نماز........ جو کہ افضل ترین بدنی عبادت ہے........ پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کسمساتے ہوئے اٹھتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی یہ حالت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى ﴾ "اور نماز کو آتے ہیں تو سست و کاہل ہو کر۔" یعنی نماز کے لیے بوجھل پن کے ساتھ اٹھتے ہیں چونکہ نماز ان پر گراں گزرتی ہے، اس لئے نماز پڑھنا ان کے لئے بہت ہی مشکل ہے۔ ﴿ وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴾ "اور خرچ کرتے ہیں تو ناخوشی سے۔" یعنی وہ انشراح صدر اور ثبات نفس کے بغیر خرچ کرتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی مذمت کی انتہا ہے جو ان جیسے افعال کا ارتکاب کرتے ہیں۔

بندے کے لیے مناسب یہ ہے کہ جب وہ نماز کے لیے آئے تو نشاط بدن اور نشاط قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے، تو انشراح صدر اور ثبات قلب کے ساتھ خرچ کرے اور امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا ہے اور صرف اسی سے ثواب کی امید رکھے اور منافقین کی مشابہت اختیار نہ کرے۔

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا
پس نہ حیرت میں ڈالیں آپ کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد، یقیناً ارادہ کرتا ہے اللہ کہ عذاب دے ان کو ان کی وجہ سے

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ
دنیا کی زندگی ہی میں اور نکلیں ان کی جانیں، اس حال میں کہ وہ کافر ہوں ○ اور قسمیں کھاتے ہیں وہ اللہ کی

اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً
کہ بیشک وہ تم ہی میں سے ہیں، حالانکہ نہیں ہیں وہ تم میں سے، لیکن وہ تو ایسے لوگ ہیں کہ ڈرتے ہیں ○ اگر پائیں وہ کوئی جائے پناہ

اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾
یا غاریں یا کوئی اور گھس بیٹھنے کی جگہ تو ضرور بھاگ جائیں وہ اس کی طرف رسیاں تڑاتے ہوئے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے کہ ان منافقین کا مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالے کیونکہ یہ کوئی قابل رشک بات نہیں۔ مال اور اولاد کی ایک ''برکت'' ان پر یہ ہوئی کہ انہوں نے اس مال اور اولاد کو اپنے رب کی رضا پر ترجیح دی اور اس کی خاطر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا' فرمایا: ﴿ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ﴾ ''اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیا کی زندگی میں ان کو عذاب دے۔'' یہاں عذاب سے مراد وہ مشقت اور کوشش ہے جو اسے حاصل کرنے میں انہیں برداشت کرنی پڑتی ہے اور اس میں دل کی تنگی اور بدن کی مشقت ہے۔ اگر آپ اس مال کے اندر موجود ان کی لذات کا مقابلہ اس کی مشقتوں سے کریں تو ان لذتوں کی ان مشقتوں کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں اور ان لذات نے چونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دیا ہے اس لئے یہ ان کے لیے اس دنیا میں بھی وبال ہیں۔ ان کا سب سے بڑا وبال یہ ہے کہ ان کا دل انہی لذات میں مگن رہتا ہے اور ان کے ارادے ان لذات سے آگے نہیں بڑھتے' یہ لذات ان کی منتہائے مطلوب اور ان کی مرغوبات ہیں' ان کے قلب میں آخرت کے لیے کوئی جگہ نہیں اور یہ چیز اس بات کی موجب ہے کہ یہ لوگ دنیا سے اس حالت میں جائیں ﴿ وَ تَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ ''اور جب ان کی جان نکلے تو وہ کافر ہی ہوں۔'' یعنی اس حالت میں ان کی جان نکلے کہ ان کا رویہ انکار حق ہو۔ تب اس عذاب سے بڑھ کر کون سا عذاب ہے جو دائمی بدبختی اور کبھی دور نہ ہونے والی حسرت کا موجب ہے؟

اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَ یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَ مَا هُمْ مِّنْكُمْ ﴾ ''اور وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ بے شک تم میں سے ہیں' حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں'' ان کی قسمیں اٹھانے میں ان کا مقصد یہ ہے ﴿ قَوْمٌ یَّفْرَقُوْنَ ﴾ ''وہ ایسے لوگ ہیں جو (تم سے) خوفزدہ ہیں'' ۔ یعنی وہ گردش ایام سے خائف ہیں اور ان کے دل ایسی شجاعت سے محروم ہیں جو ان کو اپنے احوال بیان کرنے پر آمادہ کرے۔ وہ اس بات سے خائف ہیں کہ اگر انہوں نے اپنا حال ظاہر کر دیا اور کفار سے براءت کا اظہار کر دیا تو ہر طرف سے لوگ ان کو اچک لیں گے۔ رہا وہ شخص جو دل کا مضبوط اور مستقل مزاج ہے تو یہ صفات اسے اپنا حال .... خواہ وہ اچھا ہو یا برا........ بیان کرنے پر آمادہ رکھتی ہیں۔ مگر اس کے برعکس منافقین کو بزدلی کا لباس اور جھوٹ کا زیور پہنا دیا گیا ہے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی بزدلی کی شدت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ لَوْ یَجِدُوْنَ مَلْجَاً ﴾ ''اگر وہ کوئی پناہ گاہ پا لیں'' تو جس وقت ان پر مصائب نازل ہوں تو یہ اس میں پناہ لے لیں ﴿ اَوْ مَغٰرٰتٍ ﴾ ''یا کوئی غاریں'' جن میں یہ داخل ہو کر اسے اپنا ٹھکانا بنا لیں ﴿ اَوْ مُدَّخَلًا ﴾ ''یا سر گھسانے کی جگہ'' یعنی انہیں ایسی جگہ مل جائے جہاں یہ گھس بیٹھیں اور اس طرح اپنے آپ کو محفوظ کر لیں ﴿ لَّوَلَّوْا اِلَیْهِ وَ هُمْ یَجْمَحُوْنَ ﴾ ''تو الٹے بھاگیں گے اسی طرف رسیاں تڑاتے'' یعنی اس کی طرف تیزی سے بھاگیں گے۔ پس یہ ایسے ملکہ سے محروم ہیں جس کے ذریعے

سے وہ ثابت قدمی پر قادر ہوں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ

اور بعض ان میں سے وہ ہیں کہ طعن کرتے ہیں آپ پر صدقات میں سو اگر دیے جا۔۔ اس میں سے تو راضی ہوتے ہیں اور اگر نہ

يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ

دیے جائیں وہ اس میں سے تو جھٹ ناراض ہو جاتے ہیں ○ اور (کیا اچھا ہوتا) اگر وہ راضی ہوتے اس پر جو دیا ان کو اللہ نے

وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ

اور اس کے رسول نے اور کہتے، کافی ہے ہمارے لیے اللہ، عنقریب دے گا ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول بھی،

اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿٥٩﴾ ع

بیشک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں ○

یعنی ان منافقین میں ایسے لوگ بھی ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ کی عیب جوئی اور اس بارے میں آپ پر تنقید کرتے ہیں اور ان کی تنقید اور نکتہ چینی کسی صحیح مقصد کی خاطر اور کسی راجح رائے کی بنا پر نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد تو صرف یہ ہے کہ انہیں بھی کچھ عطا کیا جائے۔ ﴿ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴾ ''پس اگر اس میں سے ان کو دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر نہ دیا جائے ان کو تو جب ہی وہ ناخوش ہو جاتے ہیں''۔ حالانکہ بندے کے لئے مناسب نہیں کہ اس کی رضا اور ناراضی، دنیاوی خواہش نفس اور کسی فاسد غرض کے تابع ہو، بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس کی خواہشات اپنے رب کی رضا کے تابع ہوں جیسا کہ نبی ﷺ نے فرمایا: «لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ» ''تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس چیز کے تابع نہ ہوں جو میں لے کر آیا ہوں۔''[1]

یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ﴾ ''اگر وہ راضی ہوتے اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے'' یعنی انہیں کم یا زیادہ جو کچھ بھی دیا ہے ﴿ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ ﴾ ''اور کہتے کہ اللہ ہمیں کافی ہے'' اور اس نے جو کچھ ہماری قسمت میں رکھا ہے ہم اس پر راضی ہیں۔ انہیں چاہئے کہ وہ یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی امید رکھیں ﴿ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴾ ''وہ اللہ دے گا ہم کو اپنے فضل سے اور اس کا رسول، بے شک ہم تو اللہ ہی کی طرف رغبت رکھتے ہیں'' یعنی اپنی منفعتوں کے حصول اور نقصانات سے بچنے کے لیے نہایت عاجزی سے اس سے دعا کرتے ہیں۔

① شرح السنة، حديث: ١٠٤

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ

بیشک زکوٰۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور ان اہل کاروں کے لیے ہے جو اس (کی وصولی) پر مقرر ہیں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب منظور ہے

وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ فَرِيْضَةً

اور (خرچ کرنا ہے) گردنیں (چھڑانے) میں اور تاوان (اور قرض) ادا کرنے والوں میں اور اللہ کی راہ اور مسافروں میں (یہ) فریضہ ہے

مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶۰

اللہ کی طرف سے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے ○

پھر اللہ تعالیٰ نے صدقات واجبہ کی تقسیم کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ﴾ ''صدقات وخیرات'' یعنی زکوٰۃ واجب........ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مستحب صدقات ہر ایک شخص کو دیئے جاسکتے ہیں، ان صدقات کو خرچ کرنے کے لیے کسی کو مختص نہیں کیا گیا۔ جب کہ صدقات واجبہ صرف ان لوگوں پر خرچ کئے جائیں جن کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے صدقات کے مصرف کو صرف انہی لوگوں میں محدود رکھا ہے۔ ان کی آٹھ اصناف ہیں۔

(۱،۲) فقراء ومساکین، اس مقام پر یہ دو الگ اقسام ہیں جن میں تفاوت ہے، فقیر مسکین سے زیادہ ضرورت مند ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان اصناف کے ذکر کی ابتداء ''فقیر'' سے کی ہے اور ابتداء کا طریقہ یہی ہے کہ پہلے سب سے اہم چیز کا، پھر اس سے کم تر مگر دوسروں سے اہم تر کا بیان ہوتا ہے۔ فقیر کی یہ تفسیر بیان کی گئی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو یا جس سے کفایت ہوسکتی ہو اس کے پاس اس کے نصف سے بھی کم ہو۔ مسکین اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے پاس کفایت سے نصف یا اس سے کچھ زیادہ موجود ہو مگر اس کے پاس پوری کفایت موجود نہ ہو، کیونکہ اگر اس کے پاس پوری کفایت موجود ہو تو وہ غنی ہوتا۔ پس فقراء اور مساکین کو اتنی زکوٰۃ دی جائے جس سے ان کا فقر و فاقہ اور مسکنت زائل ہوجائے۔

(۳) وہ لوگ جو صدقات کی وصولی وغیرہ کے کام پر مامور ہوں اور یہ وہ لوگ ہیں جو صدقات کے ضمن میں کسی ذمہ داری میں مشغول ہوں، ان کی وصولی کرنے والے، صدقات کے مویشیوں کو چرانے والے، ان کے نقل وحمل کا انتظام کرنے والے اور صدقات کا حساب کتاب لکھنے والے سب ''عاملین'' کے زمرے میں آتے ہیں........ لہٰذا ان کو ان کے کام کا معاوضہ صدقات میں سے دیا جائے اور یہ ان کے کام کی اجرت ہے۔

(۴) وہ لوگ جن کی تالیف قلب مطلوب ہو۔ (مُؤَلَّفَةُ الْقُلُوْبِ) سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی اپنی قوم میں

اطاعت کی جاتی ہے' جس کے اسلام قبول کرنے کی امید ہو یا جس کے شر کا خوف ہو' یا جس کو عطا کرنے سے اس کی قوت ایمان میں اضافہ ہوتا ہو یا اس جیسے کسی اور شخص کے اسلام قبول کرنے کی توقع ہو یا کسی ایسے شخص سے صدقات وصول ہونے کی توقع ہو جو صدقات ادا نہ کرتا ہو۔ اس صورت میں ﴿وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ﴾ کو صدقات میں سے دیا جا سکتا ہے جس میں کوئی مصلحت اور ان کی تالیف قلب مطلوب ہو۔

(۵) گردنیں چھڑانے میں' اس سے مراد وہ غلام ہیں جنہوں نے اپنے آقاؤں سے مکاتبت کے ذریعے سے آزادی خرید رکھی ہو اور وہ غلامی سے اپنی گردن چھڑانے کے لیے جدوجہد کر رہے ہوں۔ پس زکوٰۃ کی مد سے ان کی مدد کی جا سکتی ہے اور وہ مسلمان جو کفار کی قید میں ہیں ان کو آزاد کرانے کے لیے بھی زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جا سکتا ہے' بلکہ یہ مسلمان قیدی بدرجہ اولیٰ اس مد کے مستحق ہیں اور مستقلاً کسی غلام کو آزاد کرنے پر خرچ کرنا بھی جائز ہے' کیونکہ یہ بھی (وفي الرقاب) کے زمرے میں آتے ہیں۔

(۶) قرض داروں کی مدد کرنے میں .... قرض داروں کی دو قسمیں ہیں۔

(اول) وہ قرض دار جنہوں نے لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے قرض اٹھایا ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دو گروہوں کے درمیان کوئی فتنہ یا فساد پھیل جائے تو وہ آدمی ان دونوں کے درمیان پڑ کر ان کے مابین صلح کروا کر ان میں سے کسی ایک کی طرف سے یا سب کی طرف سے مالی تاوان ادا کر دے۔ اس قسم کے قرض دار پر زکوٰۃ کی مد میں سے خرچ کیا جا سکتا ہے' تاکہ اس کے لیے زیادہ نشاط انگیز اور اس کے عزم کے لیے زیادہ قوت کا باعث ہو۔ وہ اگرچہ مال دار بھی ہو' تب بھی اسے زکوٰۃ کی مد میں سے عطا کیا جا سکتا ہے۔

(ثانی) دوسری قسم کا قرض دار وہ ہے جس نے کسی ذاتی ضرورت کی بنا پر قرض لیا مگر وہ عسرت کی وجہ سے قرض واپس نہ کر سکا۔ تو اسے صدقات میں سے اتنا مال عطا کیا جائے جس سے اس کے ذمہ سے قرض ادا ہو جائے۔

(۷) اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے۔ یہ وہ مجاہدین ہیں جو رضاکارانہ جہاد میں شریک ہوتے ہیں جن کا نام باقاعدہ فوج میں درج نہیں۔ ان کو زکوٰۃ کی مد میں سے اتنا مال عطا کیا جا سکتا ہے جو جہاد میں اس کی سواری' اسلحہ اور اس کے اہل و عیال کی کفالت کے لیے کافی ہوتا کہ وہ اطمینان قلب کے ساتھ پوری طرح سے جہاد میں شریک ہو سکے۔

بہت سے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اگر روزی کمانے پر قدرت رکھنے والا شخص اپنے آپ کو طلب علم کے لیے

وقف کر دے تو اسے بھی زکوٰۃ میں سے مال دیا جائے۔ کیونکہ حصول علم بھی جہاد فی سبیل اللہ کے زمرے میں آتا ہے، نیز بعض فقہا کہتے ہیں کہ کسی فقیر کو فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ میں سے مال عطا کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ قول محل نظر ہے۔ ①

(۸) مسافر، اور یہاں مسافر سے مراد وہ غریب الوطن ہے جو اپنے وطن سے دور پردیس میں منقطع ہو کر رہ گیا ہو۔ اسے زکوٰۃ کی مد میں سے اتنا مال عطا کیا جا سکتا ہے جو اسے اپنے وطن پہنچانے کے لیے کافی ہو۔

یہ آٹھ قسم کے لوگ ہیں صرف انہی کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے ﴿ فَرِيضَةً مِّنَ اللَّهِ ﴾ ''اللہ کی طرف سے مقرر کر دیے گئے ہیں۔'' یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو فرض اور مقرر کیا ہے اور فریضہ زکوٰۃ اس کے علم اور اس کی حکمت کے تابع ہے۔ واضح رہے کہ صدقات کے یہ آٹھ مصارف دو امور کی طرف راجع ہیں۔

(۱) وہ شخص جسے اس کی حاجت اور فائدے کے لیے زکوٰۃ دی جاتی ہے، مثلاً فقیر اور مسکین وغیرہ۔

(۲) وہ شخص جسے اس لئے زکوٰۃ دی جاتی ہے کہ مسلمانوں کو اس کی ضرورت و حاجت ہوتی ہے اور اسلام کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مال داروں کے مال میں سے یہ حصہ عوام و خواص اسلام اور مسلمانوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے مقرر کیا ہے۔ مگر مال دار لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ صحیح معنوں میں شرعی طریقے سے ادا کریں، تو مسلمانوں میں کوئی فقیر نہ رہے اور اسی طرح زکوٰۃ سے اتنا مال جمع ہو سکتا ہے جس سے سرحدوں کی حفاظت، کفار کے ساتھ جہاد اور دیگر تمام دینی مصالح کا انتظام ہو سکتا ہے۔

وَمِنْهُمُ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ ۚ قُلْ أُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ

اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو ایذاء دیتے ہیں نبی کو اور کہتے ہیں، وہ تو کان ہے کہہ دیجئے! (وہ) کان ہے بھلائی کا تمہارے لیے،

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ ۚ

یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین رکھتا ہے مومنوں (کی باتوں) پر اور رحمت ہے ان کے لیے جو ایمان لائے تم میں سے،

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٦١﴾ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ

اور وہ لوگ جو ایذاء دیتے ہیں رسول اللہ کو، ان کے لیے ہے عذاب بہت درد ناک ○ وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی

---

① لیکن ان کی بنیاد سنن ابی داود وغیرہ کی ایک روایت ہے جس کی رو سے حج و عمرہ پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے لیکن اس میں عمرہ کے ذکر کو شاذ قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو: ارواء الغلیل ۳/۳۷۲) علاوہ ازیں صحابہ میں سے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم اور ائمہ میں سے امام احمد و امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بھی اس کے قائل ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے، راقم کی کتاب ''زکوٰۃ، عشر اور صدقۃ الفطر'' ص ۱۰۳-۱۰۴ مطبوعہ دارالسلام۔ (ص-ی)

لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا

تمہارے سامنے تاکہ راضی کریں تمہیں، حالانکہ اللہ اور اسکا رسول زیادہ حق دار ہے اسکا کہ وہ اس کو راضی کریں، اگر ہیں وہ

مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ

مومن ○ کیا نہیں معلوم ہوا انہیں کہ بے شک جو مخالفت کرے اللہ اور اس کے رسول کی، تو بلاشبہ اس کے لیے ہے

نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾

آگ جہنم کی، ہمیشہ رہے گا وہ اس میں، یہ ہے رسوائی بہت بڑی ○

یعنی یہ منافقین ﴿ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ النَّبِیَّ ﴾ ''جو نبی کو ایذا دیتے ہیں۔'' یعنی جو ردی اقوال اور عیب جوئی کے ذریعے سے نبی اکرم ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ ﴿ وَیَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ﴾ ''اور کہتے ہیں کہ وہ کان (کا کچا) ہے''۔ اور انہیں اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ ان کی بدگوئی کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو دکھ پہنچتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب ان میں سے کچھ باتیں آپ تک پہنچتی ہیں تو ہم آپ کے پاس معذرت پیش کرنے کے لیے آجاتے ہیں اور آپ ہماری معذرت قبول کر لیتے ہیں، کیونکہ آپ کان کے کچے ہیں۔ یعنی آپ سے جو کچھ کہا جاتا ہے آپ اسے تسلیم کر لیتے ہیں سچے اور جھوٹے میں تمیز نہیں کرتے۔ ان کا مقصد تو محض یہ تھا........ اللہ ان کا برا کرے........ کہ وہ اس بات کی کوئی پروا کریں نہ اس کو اہمیت دیں، کیونکہ اگر ان کی کوئی بات آپ تک نہ پہنچے تو یہی ان کا مطلوب ہے اور اگر آپ تک وہ بات پہنچ جائے تو صرف باطل معذرتوں پر اکتفا کریں۔ پس انہوں نے بہت سے پہلوؤں سے برائی کا رویہ اختیار کیا:

(۱) ان میں سب سے بری بات یہ ہے کہ وہ اپنے نبی (ﷺ) کو ایذا پہنچاتے ہیں جو ان کی رہنمائی اور ان کو ہلاکت اور شقاوت کے گڑھے سے نکال کر ہدایت اور سعادت کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے تشریف لائے۔

(۲) وہ اس ایذا رسانی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے، یہ مجرد ایذا رسانی پر ایک قدر زائد ہے۔

(۳) وہ نبی کریم ﷺ کی عقل و دانش میں عیب نکالتے تھے، آپ کو عدم ادراک اور سچے اور جھوٹے کے درمیان امتیاز نہ کر سکنے کی صفات سے متصف کرتے تھے۔ حالانکہ آپ مخلوق میں سب سے زیادہ عقل کامل سے بہرہ مند، بدرجہ اتم ادراک کے حامل، عمدہ رائے اور روشن بصیرت رکھنے والے تھے۔

بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قُلْ اُذُنُ خَیْرٍ لَّكُمْ ﴾ ''آپ کہہ دیجیے' کان ہیں تمہاری بہتری کے لئے'' یعنی جو کوئی بھلی اور سچی بات کہتا ہے آپ ﷺ اسے قبول فرما لیتے ہیں۔ رہا آپ کا صرفِ نظر کرنا اور جھوٹے عذرات پیش کرنے والے منافقین کے ساتھ سختی سے پیش نہ آنا' تو یہ آپ کی کشادہ ظرفی' ان کے

معاملے میں عدم اہتمام اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اطاعت کی بنا پر تھا۔ ﴿ سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ ﴾ (التوبہ: ۹/۹۵) ''جب تم واپس لوٹو گے تو یہ منافقین قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم ان سے صرف نظر کرو، پس تم ان کے معاملے کو نظر انداز کر دو کیونکہ وہ ناپاک ہیں''۔ رہی یہ حقیقت کہ آپ ﷺ کے دل میں کیا ہے اور آپ کی رائے کیا ہے تو اس کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''وہ یقین کرتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مومنوں کی بات پر'' جو سچے اور تصدیق کرنے والے ہیں اور وہ سچے اور جھوٹے کو خوب پہچانتا ہے اگرچہ وہ بہت سے ایسے لوگوں سے صرفِ نظر کرتا ہے جن کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ وہ جھوٹے ہیں اور ان میں سچائی معدوم ہے۔

﴿ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ﴾ ''اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو تم میں سے ایمان لائے'' کیونکہ وہی آپ کی وجہ سے راہ راست پر گامزن ہوتے اور آپ کے اخلاق کی پیروی کرتے ہیں۔ رہے اہل ایمان کے علاوہ دیگر لوگ تو انہوں نے اس رحمت کو قبول نہ کیا، بلکہ ٹھکرا دیا اور یوں وہ دنیا و آخرت کے گھاٹے میں پڑ گئے۔

﴿ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﴾ ''اور وہ لوگ جو (قول و فعل کے ذریعے سے) رسول اللہ کو دکھ دیتے ہیں۔''

﴿ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ''ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔'' دنیا و آخرت میں۔ اور دنیا میں ان کے لیے دردناک عذاب یہ ہے کہ آپ کو دکھ پہنچانے والے اور آپ کی شان میں گستاخی کرنے اور ایذا پہنچانے والے کی حتمی سزا قتل ہے۔

﴿ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ﴾ ''وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تاکہ تمہیں راضی کریں'' اور ان کی طرف سے جو ایذا رسانی ہوئی وہ اس سے بری ٹھہریں۔ پس ان کی غرض و غایت محض یہ ہے کہ تم ان سے راضی رہو۔ ﴿ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴾ ''حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ ان کو راضی کریں اگر وہ مومن ہوں'' کیونکہ بندۂ مومن اپنے رب کی رضا پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتا۔ یہ آیت ان کے ایمان کی نفی پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی رضا پر دوسروں کی رضا کو مقدم رکھا اور یہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور کھلی دشمنی ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے دشمنی رکھتا ہے اس کے لیے سخت وعید ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ ''کیا انہوں نے نہیں جانا کہ جو کوئی مقابلہ کرے اللہ سے اور اس کے رسول سے''، یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اہانت و تحقیر اور اس کے محارم کے ارتکاب کی جسارت کر کے وہ اللہ اور اس کے رسول سے بہت دور اور ان کے مخالف ہو جائے ﴿ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴾ ''تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے اور اس میں وہ ہمیشہ رہے گا' یہ بڑی رسوائی کی بات ہے''۔ جس سے بڑھ کر کوئی رسوائی نہیں، کیونکہ وہ دائمی نعمتوں سے محروم ہو گئے اور بھڑکتی ہوئی آگ کا

عذاب حاصل کر لیا۔ ان کے حال سے اللہ کی پناہ!

يَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَيۡهِمۡ سُوۡرَةٌ تُنَبِّئُهُمۡ بِمَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ‌ؕ قُلِ

ڈرتے ہیں منافق اس بات سے کہ نازل کر دی جائے ان پر کوئی سورت، جو بتا دے انہیں جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، کہہ دیجئے!

اسۡتَهۡزِءُوۡا‌ ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخۡرِجٌ مَّا تَحۡذَرُوۡنَ ﴿۶۴﴾ وَلَئِنۡ سَاَلۡتَهُمۡ لَيَـقُوۡلُنَّ

تم مذاق کرتے رہو بیشک اللہ ظاہر کرنے والا ہے وہ بات جس سے تم ڈرتے ہو○ اور اگر آپ پوچھیں ان سے، تو وہ ضرور کہیں گے

اِنَّمَا كُنَّا نَخُوۡضُ وَنَلۡعَبُ‌ؕ قُلۡ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوۡلِهٖ كُنۡتُمۡ تَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ﴿۶۵﴾

ہم تو تھے محض شغل کے طور پر باتیں اور دل لگی کرتے، کہہ دیجئے! کیا تم اللہ اور اسکی آیتوں اور اسکے رسول کے ساتھ مذاق کرتے تھے؟○

لَا تَعۡتَذِرُوۡا قَدۡ كَفَرۡتُمۡ بَعۡدَ اِيۡمَانِكُمۡ‌ؕ اِنۡ نَّـعۡفُ عَنۡ طَآئِفَةٍ مِّنۡكُمۡ

(اب) عذر پیش نہ کرو، یقیناً تم نے کفر کیا ہے بعد اپنے ایمان کے، اگر ہم معاف بھی کر دیں ایک گروہ کو تم میں سے

نُعَذِّبۡ طَآئِفَةًۢ بِاَنَّهُمۡ كَانُوۡا مُجۡرِمِيۡنَ ﴿۶۶﴾ ع

تو ہم عذاب دیں گے (دوسرے) گروہ کو، بہ سبب اس کے کہ بلاشبہ تھے وہ مجرم○

اس سورۂ کریمہ کو (اَلْفَاضِحَة) ''رسوا کرنے والی سورت'' کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے، کیونکہ اس نے منافقین کے بھید کھولے ہیں اور ان کے رازوں پر سے پردہ اٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ''ان میں سے بعض''۔ ''ان میں سے بعض'' کہہ کر ان کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ لیکن متعین طور پر اشخاص کے نام نہیں لئے، اس کے دو فائدے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ ''ستار'' ہے وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے۔

(۲) مذمت کا رخ ان تمام منافقین کی طرف ہے جو ان صفات سے متصف ہیں جس میں وہ بھی آ گئے جو (بلاواسطہ) مخاطب تھے اور ان کے علاوہ قیامت تک آنے والے منافقین بھی اس میں شامل ہیں۔

اس اعتبار سے اوصاف کا تذکرہ زیادہ عمومیت کا حامل اور زیادہ مناسب ہے تاکہ لوگ خوب خائف رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَئِنۡ لَّمۡ يَنۡتَهِ الۡمُنٰفِقُوۡنَ وَالَّذِيۡنَ فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ وَّالۡمُرۡجِفُوۡنَ فِى الۡمَدِيۡنَةِ لَـنُغۡرِيَنَّكَ بِهِمۡ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوۡنَكَ فِيۡهَاۤ اِلَّا قَلِيۡلًا ○ مَّلۡعُوۡنِيۡنَ‌ ۛۚ اَيۡنَمَا ثُقِفُوۡۤا اُخِذُوۡا وَقُتِّلُوۡا تَقۡتِيۡلًا﴾ (الأحزاب: ۶۰/۳۳-۶۱)

''اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو مدینہ میں بری بری افواہیں پھیلاتے ہیں، اپنے کرتوتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان کے پیچھے لگا دیں گے پھر وہ بہت تھوڑے دن ہی آپ کے پڑوس میں رہ سکیں گے۔ وہ دھتکارے ہوئے جہاں بھی پائے جائیں، پکڑے جائیں اور قتل کر دیئے جائیں''۔ اور یہاں اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَيۡهِمۡ سُوۡرَةٌ تُنَبِّئُهُمۡ بِمَا فِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ﴾

’’منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان پر کوئی سورت نازل ہو جو ان کو جتا دے جو ان کے دلوں میں ہے‘‘ یعنی وہ سورت ان کو ان کے کرتوتوں کے بارے میں آگاہ کر کے ان کی فضیحت کا سامان کرتی ہے اور ان کا بھید کھولتی ہے یہاں تک کہ ان کی کارستانیاں لوگوں کے سامنے عیاں ہو جاتی ہیں اور وہ دوسروں کے لیے سامان عبرت بن جاتے ہیں۔

﴿ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ﴾ ’’کہہ دو کہ ہنسی مذاق کیے جاؤ۔‘‘ یعنی استہزاء اور تمسخر کا تمہارا جو رویہ ہے اس پر قائم رہو ﴿ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴾ ’’اللہ کھول کر رہے گا اس چیز کو جس سے تم ڈرتے ہو‘‘ اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور یہ سورت نازل فرمائی جو ان کے کرتوت بیان کر کے ان کو رسوا کرتی ہے اور ان کے رازوں پر سے پردہ اٹھاتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَلَىِٕنْ سَاَلْتَهُمْ ﴾ ’’اور اگر آپ ان سے دریافت کریں۔‘‘ اس بارے میں جو وہ مسلمانوں اور ان کے دین کی بابت طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ غزوہ تبوک کے موقع پر کہتا تھا ’’ہم نے ان جیسے لوگ نہیں دیکھے‘‘ ان کی مراد نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام تھے .... ’’جو کھانے میں پیٹو، زبان کے جھوٹے اور میدان جنگ میں بزدلی دکھانے والے ہیں‘‘۔ ①

جب انہیں یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی ہرزہ سرائی کا علم ہو گیا ہے تو معذرت کرتے اور یہ کہتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ﴿ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ﴾ ’’ہم تو بات چیت کرتے تھے اور دل لگی‘‘، یعنی ہم تو ایک ایسی بات کہہ رہے تھے جس سے کسی کو نشانہ بنانا یا طعن اور عیب جوئی ہمارا مقصود نہ تھا۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کا عدم عذر اور ان کا جھوٹ واضح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ قُلْ ﴾ ان سے کہہ دیجیے: ﴿ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ﴾ ’’کیا تم اللہ سے اس کے حکموں سے اور اس کے رسول سے ٹھٹھے کرتے تھے؟ تم بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔‘‘ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کفر ہے جو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے، کیونکہ دین کی اساس اللہ تعالیٰ، اس کے دین اور اس کے رسول کی تعظیم پر مبنی ہے۔ ان میں سے کسی کے ساتھ استہزاء کرنا اس اساس کے منافی اور سخت متناقض ہے۔ بنابریں جب وہ معذرت میں یہ بات کہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا ﴿ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ﴾ ’’کیا تم اللہ، اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ دل لگی کرتے تھے؟ اب معذرتیں نہ کرو تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کیا‘‘۔ فرمایا: ﴿ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآىِٕفَةٍ مِّنْكُمْ ﴾ اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معاف بھی کر دیں‘‘ ان کی توبہ واستغفار اور ان کی ندامت کی وجہ

① تفسیر طبری، ٦/ ٢٢٠

سے ﴿نُعَذِّبْ طَآئِفَةً﴾ ''تاہم بعض کو ضرور ہی عذاب دیں گے'' ﴿بِاَنَّهُمْ﴾ ''کیونکہ وہ''یعنی اس سبب سے کہ ﴿كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ﴾ ''وہ گناہ گار تھے''یعنی اپنے کفر ونفاق پر قائم ہیں۔ یہ آیات کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جو کوئی اپنا بھید چھپاتا ہے خاص طور پر وہ بھید جس میں اللہ تعالیٰ کے دین کے خلاف سازش' اللہ تعالیٰ' اس کی آیات اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ استہزاء ہو تو اللہ تعالیٰ اس بھید کو کھول دیتا ہے' اس شخص کو رسوا کرتا ہے اور اسے سخت سزا دیتا ہے اور جو کوئی کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت ثابتہ کے ساتھ کسی قسم کا استہزا کرتا ہے' یا ان کا تمسخر اڑاتا ہے' یا ان کو ناقص گردانتا ہے' یا رسول اللہ ﷺ سے استہزاء کرتا ہے یا آپ کو ناقص کہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر قسم کے گناہ کی توبہ قبول ہو جاتی ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ

منافق مرد اور منافق عورتیں ان کے بعض بعض سے (یعنی ایک جیسے ہی) ہیں' حکم دیتے ہیں وہ برے کام کا

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ ط نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُمْ ط اِنَّ

اور روکتے ہیں نیک کام سے اور بند رکھتے ہیں اپنے ہاتھ (خرچ کرنے سے) بھلا دیا انہوں نے اللہ کو تو اس نے بھی بھلا دیا ان کو' بے شک

الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ

منافقین' وہی ہیں نافرمان ○ وعدہ کیا ہے اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے

نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ط هِيَ حَسْبُهُمْ ج وَلَعَنَهُمُ

جہنم کی آگ کا' ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں' یہی (عذاب) کافی ہے ان کو' اور لعنت کی ان پر

اللّٰهُ ج وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿٦٨﴾

اللہ نے' اور ان کے لیے عذاب ہے دائمی ○

﴿اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ﴾ ''منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں ایک ہی ہیں۔'' کیونکہ نفاق ان میں قدر مشترک ہے اس لئے وہ ایک دوسرے کے باہم دوست ہیں۔ اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اہل ایمان اور منافقین کے درمیان موالات کا رشتہ منقطع ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے منافقین کا عمومی وصف بیان فرمایا جس سے ان کا چھوٹا اور بڑا کوئی بھی باہر نہیں۔ ﴿يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ﴾ ''وہ بری بات کا حکم دیتے ہیں'' اور وہ ہے کفر' فسق اور معصیت۔ ﴿وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ﴾ ''اور معروف سے روکتے ہیں'' معروف سے مراد ایمان' اخلاق فاضلہ' اعمال صالحہ اور آداب حسنہ ہیں۔ ﴿وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ﴾ ''اور بند رکھتے ہیں اپنے ہاتھوں کو' صدقہ اور بھلائی کے راستوں سے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو بخل کی صفت سے

موصوف کیا ہے۔ ﴿ نَسُوا اللّٰهَ ﴾ ''وہ بھول گئے اللہ کو'' پس وہ بہت کم اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ ﴿ فَنَسِيَهُمْ ﴾ ''تو وہ بھی بھول گیا ان کو'' یعنی ان پر رحمت کرنے سے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کو بھلائی کی توفیق عطا نہیں کرتا اور نہ ان کو جنت میں داخل کرے گا' بلکہ وہ ان کو جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں چھوڑ دے گا جہاں ان کو ہمیشہ رکھا جائے گا۔ ﴿ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴾ ''بے شک منافق ہی نافرمان ہیں'' اللہ تعالیٰ نے فسق کو منافقین میں محصور کر دیا' کیونکہ ان کا فسق دیگر فساق کے فسق سے زیادہ بڑا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کو دیا جانے والا عذاب دوسروں کو دیئے جانے والے عذاب کی نسبت زیادہ بڑا ہے۔ نیز اہل ایمان جب ان کے درمیان رہ رہے تھے تو ان منافقین کے باعث ان کو آزمائش میں ڈالا گیا اور ان سے بچنے کی نہایت سختی سے تاکید کی گئی۔

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴾ ''وعدہ دیا ہے اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں کو اور کافروں کو جہنم کی آگ کا' ہمیشہ رہیں گے اس میں' وہی بس ہے ان کو' اور لعنت کی ان پر اللہ نے اور ان کے لئے برقرار رہنے والا عذاب ہے'' اللہ تبارک و تعالیٰ منافقین اور کفار کو جہنم اور لعنت میں اکٹھا کر دے گا جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے' کیونکہ دنیا میں بھی وہ کفر' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ عداوت اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکار پر متفق تھے۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ؕ

(تم منافقو!) ان لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے ہوئے' تھے وہ زیادہ سخت تم سے قوت میں اور زیادہ تھے مال اور اولاد میں۔

فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ

پس فائدہ اٹھایا انہوں نے ساتھ اپنے حصے کے' اور فائدہ اٹھایا تم نے بھی ساتھ اپنے حصے کے' جیسے فائدہ اٹھایا تھا ان لوگوں نے جو

مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْا ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ

تم سے پہلے تھے' ساتھ اپنے حصے کے اور تم بھی فضول بحث میں الجھے' جیسے وہ فضولیات میں الجھے رہے' یہی لوگ ہیں کہ برباد ہو گئے

اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿٦٩﴾ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ

ان کے عمل دنیا اور آخرت میں اور یہی لوگ ہیں خسارہ پانے والے ○ کیا نہیں آئی ان کو خبر

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ

ان لوگوں کی جو ان سے پہلے ہوئے؟ قوم نوح اور عاد اور ثمود کی' اور قوم ابراہیم

وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ فَمَا كَانَ اللّٰهُ

اور مدین والوں اور الٹی بستیوں والوں کی' آئے ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل کے ساتھ' پس نہیں ہے اللہ

لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿٧٠﴾

کہ ظلم کرتا ان پر' لیکن تھے وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ منافقین کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے' اے منافقو! تمہارا حال تم جیسے ان منافقین کی مانند ہے جنہوں نے تم سے پہلے نفاق اور کفر کا ارتکاب کیا۔ وہ تم سے زیادہ طاقتور' تم سے زیادہ دولت منداور تم سے زیادہ اولاد والے تھے۔ ان کے لیے جو حظوظِ دنیا (دنیوی منافع اور حصے) مقدر کیے گئے تھے انہوں نے ان سے خوب فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے تقویٰ سے روگردانی کی۔ انبیائے کرام کے ساتھ نہایت حقارت اور استخفاف کے ساتھ پیش آئے اور اپنے اور انبیائے کرام کے معاملہ میں ان کا خوب تمسخر اڑایا۔ تم نے بھی دنیا کی لذتوں سے' جو تمہارے لئے مقدر کی گئی تھیں' خوب فائدہ اٹھایا جیسے پہلے لوگوں نے فائدہ اٹھایا تھا۔ تم بھی باطل اور ان منکرات میں ڈوبے ہوئے ہو جن میں تمہارے پیشرو ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کے اعمال اکارت گئے اور ان اعمال نے ان کو دنیا و آخرت میں کوئی فائدہ نہ دیا اور وہ سراسر خسارے میں رہے۔ تم بھی سوء حال و مآل اور برے انجام میں انہی کی مانند ہو۔ ﴿فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ﴾ ''تم نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا۔'' یعنی اپنے دنیاوی نصیب سے۔ اللہ تعالیٰ کی مراد کو نظر انداز کرتے ہوئے تم نے لذت و شہوت کے پہلو سے دنیا کو استعمال کیا۔ اس نصیبِ دنیا سے تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مدد لی' تمہارا عزم اور ارادہ ان دنیاوی نعمتوں سے آگے نہ بڑھ سکا' جیسے تم سے پہلے لوگوں نے کیا تھا ﴿وَخُضْتُمْ كَالَّذِي خَاضُوا﴾ ''اور جس طرح وہ باطل میں ڈوبے رہے اسی طرح تم باطل میں ڈوبے رہے۔'' یعنی تم بھی (پہلوں کی طرح) باطل اور جھوٹ میں مستغرق ہو اور حق کو ناکام کرنے کے لیے تم باطل کے ذریعے سے جھگڑتے ہو۔ پس یہ ہیں ان کے اعمال وعلوم' نصیبِ دنیا سے استفادہ کرنا اور باطل میں مستغرق رہنا۔ اس لئے یہ بھی عذاب اور ہلاکت کے مستحق ہیں جیسے پہلے لوگ اس ہلاکت کے مستحق ٹھہرے جن کے وہی کرتوت تھے جو ان کے ہیں۔ رہے اہل ایمان........ اگر انہوں نے دنیاوی نعمتوں میں اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا ہے........ تو صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مدد لینے کے لیے۔ رہے ان کے علوم تو یہ درحقیقت انبیاء و رسل کے علوم ہیں جو تمام مطالب عالیہ میں یقین کی منزل تک پہنچاتے ہیں اور باطل کو سرنگوں کرنے کے لیے حق کے ذریعے سے مجادلہ کی راہ پر گامزن کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ منافقین کو اس عذاب سے ڈراتا ہے جو ان سے پہلے جھٹلانے والی قوموں پر نازل ہوا تھا۔ جیسے قوم نوح' عاد' ثمود' قوم ابراہیم' اصحاب مدین اور المؤتفکات یعنی قوم لوط کی بستیاں ﴿أَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ ''ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے۔'' یعنی ان سب کے پاس ان کے رسول واضح اور روشن حق لے کر آئے جو تمام اشیاء کے حقائق کو بیان کرتا ہے' مگر انہوں نے اس حق کو جھٹلایا' تب ان پر وہی عذاب نازل ہوا جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔ پس تمہارے اعمال بھی ان کے اعمال سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ﴿فَمَا كَانَ اللَّهُ لِيَظْلِمَهُمْ﴾ ''اور اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا۔'' جب اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی تو یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں

تھا۔﴿ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴾ ''بلکہ انہوں نے خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا'' کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی جسارت کی' اس کے رسولوں کی اطاعت نہ کی اور ہر سرکش اور جبار کی بات کے پیچھے لگ گئے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ

اور مومن مرد اور مومن عورتیں' بعض ان کے دوست ہیں بعض کے' حکم دیتے ہیں وہ نیک کام کا

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ

اور روکتے ہیں برے کام سے اور قائم کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوۃ' اور اطاعت کرتے ہیں اللہ کی

وَرَسُوْلَهٗ ۭ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٧١﴾ وَعَدَ

اور اسکے رسول کی' یہی لوگ ہیں' ضرور رحم فرمائے گا ان پر اللہ' بے شک اللہ ہے بہت زبردست خوب حکمت والا ○ وعدہ کیا ہے

اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باغوں کا کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں'

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ

ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور پاکیزہ مکانوں کا' ہمیشہ رہنے والے باغوں میں' اور رضا مندی اللہ کی

اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٧٢﴾ ع

سب سے بڑھ کر ہوگی' یہی ہے کامیابی بہت بڑی ○

جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ منافقین آپس میں ایک ہی ہیں' تو یہ بھی واضح فرمادیا کہ اہل ایمان بھی ایک دوسرے کے والی اور مددگار ہیں اور ان کو ایسے اوصاف سے متصف کیا ہے جو منافقین کے اوصاف کی ضد ہیں' چنانچہ فرمایا:﴿ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ ﴾ ''اہل ایمان مرد اور عورتیں''﴿ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ﴾ ''ایک دوسرے کے دوست ہیں۔'' یعنی محبت' موالات' منسوب ہونے اور مدد کرنے میں باہم والی ومددگار ہیں۔ ﴿ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ﴾ ''وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں'' (المعروف) ہر ایسے کام کے لیے ایک جامع نام ہے جس کی بھلائی مسلم ہو' مثلاً عقائد حسنہ' اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ وغیرہ۔ اور نیکی کے اس حکم میں سب سے پہلے خود داخل ہوتے ہیں۔﴿ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ﴾ ''اور برائی سے روکتے ہیں'' اور ہر وہ کام جو (المعروف) کے خلاف اور اس کے منافی ہو (المنکر) کے زمرے میں آتا ہے' مثلاً عقائد باطلہ' اعمال خبیثہ اور اخلاق رذیلہ وغیرہ۔ ﴿ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ ''اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔'' یعنی وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا التزام کرتے ہیں۔﴿ اُولٰۗىِٕكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ﴾ ''یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم کرے گا۔'' یعنی اللہ تعالیٰ انہیں اپنی بے پایاں رحمت کے سائے میں داخل کرے گا اور انہیں اپنے احسان سے

نوازے گا۔﴿إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ ”بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔“یعنی وہ طاقتور اور غالب ہے طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حکمت والا بھی ہے وہ ہر چیز کو اس کے لائق مقام پر رکھتا ہے۔ وہ جو کچھ تخلیق کرتا ہے اور جو کچھ حکم دیتا ہے' اس پر اس کی حمد بیان کی جاتی ہے۔

پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اس ثواب کا ذکر فرماتا ہے جو اس نے اہل ایمان کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ فرمایا:﴿وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ ”وعدہ دیا ہے اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں کا کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں“ ان جنتوں میں ہر نعمت اور ہر فرحت جمع ہے اور وہ تمام تکلیف دہ چیزوں سے بالکل خالی ہیں ان کے محلات' گھروں اور درختوں کے نیچے سے نہریں بہہ رہی ہیں جو خوبصورت باغات کو سیراب کرتی ہیں۔ ان جنتوں میں جو بھلائیاں ہیں انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ”اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“ اور وہ کسی اور جگہ منتقل ہونا نہ چاہیں گے۔﴿وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ﴾ ”اور ستھرے مکانوں کا' ہمیشہ کے باغوں میں“ ان مسکنوں کو آراستہ اور خوبصورت بنا کر اللہ تعالیٰ کے متقی بندوں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ جنت کے نظارے' اس کی منازل اور آرام گاہیں بہت خوبصورت ہیں۔ بلند مرتبہ مساکن کے تمام آلات اور ساز و سامان ان کے اندر مہیا کئے گئے ہیں۔ تمنا کرنے والے اس سے بڑھ کر کسی چیز کی تمنا نہیں کر سکتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے بالا خانے تیار کر رکھے ہیں جو انتہائی خوبصورت اور پاک صاف ہیں۔ جن کے اندر سے باہر کا نظارہ کیا جا سکے گا اور باہر سے اندر دیکھا جا سکے گا۔ پس یہ خوبصورت مساکن اس لائق ہیں کہ نفس ان میں سکون حاصل کریں' دل ان کی طرف کھنچے چلے آئیں اور ارواح ان کی مشتاق ہوں' اس لیے کہ وہ جنت عدن میں مقیم ہوں گے اور یہ ایسی جگہ ہے جہاں سے وہ کوچ کرنا اور کسی دوسری جگہ منتقل ہونا نہیں چاہیں گے۔

﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ﴾ ”اور اللہ کی رضا مندی“ جو وہ اہل جنت پر نازل فرمائے گا۔﴿أَكْبَرُ﴾ ”سب سے بڑی ہوگی“ یعنی ان تمام نعمتوں سے جو ان کو حاصل ہوں گی۔ کیونکہ ان کو حاصل ہونے والی تمام نعمتیں ان کے رب کے دیدار اور اس کی رضا کے بغیر اچھی نہ لگیں گی اور یہ وہ غایت مقصود ہے' عبادت گزار جس کا قصد رکھتے ہیں اور یہ وہ منتہائے مطلوب ہے' اہل محبت جس کے حصول کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ پس زمین و آسمان کے رب کی رضا جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔﴿ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ ”یہی بڑی کامیابی ہے۔“ کیونکہ ان کا ہر مطلوب و مقصود حاصل ہوگا۔ ان سے ہر خوف دور ہوگا۔ ان کے تمام معاملات خوبصورت اور خوشگوار ہوں گے...... ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے جود و کرم سے ہمیں بھی ان کی معیت نصیب فرمائے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ

اے نبی! جہاد کیجیے کافروں اور منافقوں سے! اور سختی کیجیے ان پر!

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿٧٣﴾ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ

اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے لوٹ کر جانے کی ○ وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ نہیں کہی انہوں نے (کوئی بات) حالانکہ ضرور

قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا

کہی انہوں نے بات کفر کی اور کفر کیا انہوں نے بعد اپنے اسلام کے اور ارادہ کیا تھا انہوں نے اس کا جو وہ حاصل نہ کر سکے اور نہیں

نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ

غصہ نکالا انہوں نے مگر اس بات پر کہ غنی کر دیا انہیں اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے، پس اگر وہ توبہ کر لیں تو ہوگا

خَيْرًا لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ

بہتر ان کے لیے اور اگر وہ منہ پھیریں تو عذاب دے گا ان کو اللہ عذاب بہت درد ناک

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿٧٤﴾

دنیا میں اور آخرت میں، اور نہیں ہو گا ان کے لیے زمین میں کوئی دوست اور نہ کوئی مدد گار ○

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ﴾ ''اے پیغمبر! کافروں اور منافقوں سے جہاد کریں'' بھرپور جہاد۔ ﴿ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ﴾ ''اور ان پر سختی کریں۔'' جہاں حالات سختی کا تقاضا کریں وہاں سختی کیجیے۔ اس جہاد میں تلوار کا جہاد اور حجت و دلیل کا جہاد سب شامل ہیں۔ پس جو جنگ کرتا ہے اس کے خلاف ہاتھ، زبان اور شمشیر و سناں کے ذریعے سے جہاد کیا جائے اور جو کوئی ذمی بن کر یا معاہدہ کے ذریعے سے اسلام کی بالادستی قبول کرتا ہے، تو اس کے خلاف دلیل و برہان کے ذریعے سے جہاد کیا جائے۔ اس کے سامنے اسلام کے محاسن اور کفر و شرک کی برائیاں واضح کی جائیں۔ پس یہ تو وہ رویہ ہے جو دنیا میں ان کے ساتھ ہونا چاہیے۔ ﴿ وَ ﴾ اور آخرت میں، تو ﴿ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ﴾ ''ان کا ٹھکانا جہنم ہے'' یعنی ان کی جائے قرار جہاں سے وہ کبھی نہیں نکلیں گے۔ ﴿ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴾ ''اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔''

﴿ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ ﴾ ''قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انہوں نے نہیں کہا اور بے شک کہا ہے انہوں نے لفظ کفر کا'' یعنی جب انہوں نے اس شخص کی مانند بات کہی تھی جس نے یہ کہا تھا ﴿ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ ﴾ (المنافقون: ٨/٦٣) ''عزت دار ذلیل لوگوں کو مدینہ سے باہر نکال دیں گے''۔ اور وہ باتیں جو دین اور رسول (ﷺ) کے ساتھ استہزاء کرتے ہوئے ایک کے بعد دوسرا کرتا تھا۔ جب ان کو یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی باتیں معلوم ہو گئی ہیں تو وہ قسمیں کھاتے ہوئے آپ کی خدمت

میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ انہوں نے یہ بات ہرگز نہیں کہی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ ﴾ ''بے شک کہا ہے انہوں نے لفظ کفر کا اور منکر ہو گئے وہ اسلام لانے کے بعد'' گزشتہ وقت میں ان کے اسلام قبول کرنے نے اگرچہ ان کو ظاہری طور پر دائرہ کفر سے نکال دیا تھا' مگر ان کا یہ آخری کلام اسلام کے متناقض ہے جو انہیں کفر میں داخل کر دیتا ہے۔

﴿ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ﴾ ''اور انہوں نے ایسی چیز کا ارادہ کیا جو انہیں نہیں ملی'' یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب انہوں نے غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کو دھوکے کے ساتھ قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے منصوبے کے بارے میں آگاہ فرما دیا' چنانچہ آپ نے کسی کو حکم دیا اور اس نے ان کو اپنے منصوبے پر عمل کرنے سے روک دیا۔ ﴿ وَ ﴾ ''ان کا حال یہ ہے'' ﴿ مَا نَقَمُوْٓا ﴾ یعنی ''وہ رسول اللہ ﷺ پر صرف اس وجہ سے ناراض ہیں'' اور آپ کی عیب جوئی کرتے ہیں ﴿ اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ﴾ ''کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اللہ کے فضل سے ان کی محتاجی کے بعد ان کو غنی کر دیا''۔ یہ نہایت ہی عجیب بات ہے کہ وہ اس ہستی کی اہانت کریں جو ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانے اور محتاجی کے بعد غنا کا سبب بنی۔ کیا ان پر اس ہستی کا حق نہیں کہ وہ اس کی تعظیم اور توقیر کریں اور اس پر ایمان لائیں؟ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے توبہ پیش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ﴾ ''پس اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے لئے بہتر ہے'' کیونکہ توبہ دنیا و آخرت کی سعادت کی اساس ہے۔ ﴿ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا ﴾ ''اور اگر وہ منہ پھیر لیں''۔ یعنی اگر وہ توبہ اور انابت سے منہ موڑ لیں۔ ﴿ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ﴾ ''تو عذاب دے گا اللہ ان کو دردناک عذاب دنیا اور آخرت میں'' دنیا میں ان کے لیے عذاب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے دین کو فتح و نصرت سے نوازتا ہے اور اپنے نبی ﷺ کو عزت عطا کرتا ہے اور یہ لوگ اپنا مقصد حاصل نہیں کر پاتے تو حزن و غم کا شکار ہو جاتے ہیں اور آخرت میں ان کو جہنم کا عذاب ملے گا۔ ﴿ وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ ﴾ ''اور زمین میں ان کا کوئی دوست نہیں'' جو ان کے معاملات کی سرپرستی کرے اور ان کو ان کے مقصد تک پہنچائے ﴿ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴾ ''اور نہ کوئی مددگار'' جو تکلیف دہ امور کو ان سے دور کرے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی سرپرستی سے محروم ہو گئے تو پھر شر' خسران' بدبختی اور حرماں نصیبی ہی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ

اور بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے عہد کیا اللہ سے' البتہ اگر دیا ہمیں اللہ نے اپنے فضل سے' تو ہم ضرور صدقہ خیرات کریں گے

وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا

اور ہو جائیں گے ہم صالحین میں سے ○ پس جب نواز دیا اس نے ان کو اپنے فضل سے تو بخل کیا انہوں نے اسکے ساتھ اور پھر گئے

وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ

اور وہ روگرداں تھے ○ پس سزا دی انہیں اللہ نے نفاق (ڈال کر) ان کے دلوں میں اس دن تک کہ ملیں گے وہ اس سے بہ سبب ان کے

اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا

خلاف ورزی کرنے کے اللہ سے اپنے وعدے کی اور بہ سبب اس کے جو تھے وہ جھوٹ بولتے ○ کیا نہیں معلوم انہیں

اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۷۸﴾

کہ یقیناً اللہ جانتا ہے بھید ان کے اور سرگوشیاں ان کی اور یہ کہ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے غیب کی باتوں کو؟ ○

ان منافقین میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا ﴿لَىِٕنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں عطا کرے گا۔'' یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا عطا کر کے اس میں کشادگی پیدا کرے ﴿لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ﴾ ''تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور ہم نیکوکاروں میں سے ہو جائیں گے'' پس ہم صلہ رحمی کریں گے' مہمان نوازی کریں گے' راہ حق میں لوگوں کی مدد کریں گے اور اچھے اور نیک عمل کریں گے۔ ﴿فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ﴾ ''پس جب دیا ان کو اپنے فضل سے'' تو انہوں نے اس وعدے کو پورا نہ کیا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا بلکہ ﴿بَخِلُوْا بِهٖ﴾ ''بخل کیا ساتھ اس کے'' ﴿وَتَوَلَّوْا﴾ اور اطاعت سے منہ موڑ گئے ﴿وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾ ''اور وہ روگردانی کرنے والے تھے'' یعنی بھلائی کی طرف التفات نہ کرنے والے۔ جب انہوں نے اس عہد کو پورا نہ کیا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی۔ ﴿فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ﴾ ''پس بطور سزا کر دیا نفاق ان کے دلوں میں'' یعنی ہمیشہ رہنے والا نفاق۔ ﴿اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ﴾ ''جس دن تک کہ وہ اس سے ملیں گے' اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف کیا اللہ سے جو وعدہ اس سے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے'' پس بندۂ مومن کو اس برے وصف سے بچنا چاہیے کہ اگر اس کو اس کا مقصد حاصل ہو گیا تو وہ فلاں کام کرے گا اس کے بعد وہ اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو پورا نہ کرے۔ اس لیے بسا اوقات اللہ تعالیٰ نفاق کے ذریعے سے اس کو سزا دیتا ہے جیسا کہ ان لوگوں کو سزا دی۔ ایک صحیح حدیث میں' جو کہ صحیحین میں ثابت ہے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''منافق کی تین نشانیاں ہیں' جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب عہد کرے تو بد عہدی سے کام لے اور وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے''۔ ①

پس یہ منافق جس نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے فضل سے نوازا تو وہ ضرور صدقہ کرے گا اور نیک بن جائے گا۔ پس اس نے اپنی بات میں جھوٹ بولا' عہد کر کے بد عہدی کی اور وعدہ کر کے

① صحیح بخاری' کتاب الإیمان' باب علامات المنافق' حدیث: ۳۳

پورا نہ کیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کو یہ وعید سنائی جن سے یہ کام صادر ہوا چنانچہ فرمایا ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴾ ”کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے ان کا بھید اور ان کا مشورہ اور یہ کہ اللہ خوب جانتا ہے سب چھپی باتوں کو“۔ پس اللہ تعالیٰ ان کو ان کے ان اعمال کی جزا دے گا جنہیں وہ جانتا ہے۔

یہ آیات کریمہ منافقین میں سے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئیں جسے ”ثعلبہ“ کہا جاتا تھا۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل سے نواز دے' اگر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے فضل و کرم سے نواز دیا تو وہ اللہ کے راستے میں صدقہ کرے گا' صلہ رحمی کرے گا اور راہ حق میں خرچ کرے گا“۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے دعا فرمائی۔ اس شخص کے پاس بکریوں کا ریوڑ تھا' وہ ریوڑ بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ اسے اس ریوڑ کو لے کر مدینہ منورہ سے باہر جانا پڑا۔ وہ نماز پنجگانہ میں سے کسی اکا دکا نماز میں حاضر ہوتا تھا پھر اور دور چلا گیا یہاں تک کہ وہ صرف جمعہ کی نماز میں حاضر ہوتا تھا۔ جب بکریاں بہت زیادہ ہوگئیں تو وہ اور دور چلا گیا اور اس نے جماعت اور جمعہ دونوں میں حاضر ہونا بند کر دیا۔

پس جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر نہ آیا اور آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ کو اس کے حال کے بارے میں آگاہ کیا گیا۔ آپ نے کسی کو اس کے گھر صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا۔ وہ ثعلبہ کے پاس آیا۔ ثعلبہ نے کہا ”یہ تو جزیہ ہے' یہ تو جزیہ کی بہن ہے“ .... پس اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی' زکوٰۃ کے تحصیل دار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو تمام امور سے آگاہ کیا آپ نے تین بار فرمایا (يَا وَيْحَ ثَعْلَبَة) ”افسوس ثعلبہ کے لئے ہلاکت ہے“۔ جب اس کے بارے میں اور اس جیسے دیگر لوگوں کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو اس کے گھر والوں میں سے کوئی شخص اس کے پاس گیا اور اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بارے میں آگاہ کیا۔ چنانچہ وہ زکوٰۃ لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر آپ نے وہ زکوٰۃ قبول نہ فرمائی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد وہ زکوٰۃ لے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی زکوٰۃ قبول نہ فرمائی۔ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا مگر انہوں نے بھی زکوٰۃ قبول نہ فرمائی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں مر گیا۔ ①

① ثعلبہ کا یہ واقعہ بہت سے مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کو ماہر نقاد محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ جیسے امام ابن حزم بیہقی' قرطبی' ہیثمی' عراقی' ابن حجر' سیوطی اور امام مناوی رحمہم اللہ نے اس کو ضعیف کہا ہے۔
اس قصے کی سند میں' علی بن یزید' معان بن رفاعۃ اور قاسم بن عبدالرحمان ضعیف راوی ہیں اور ابن حزم رحمہ اللہ نے اس کو متن کے اعتبار سے بھی ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھیے: المحلی (۲۰۸/۱۱) الاصابة: ترجمة ثعلبه' مجمع الزوائد ≻

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ

وہ لوگ جو طعن کرتے ہیں فراخ دلی سے خیرات کرنے والے مومنوں پر (ان کے) صدقات میں، اور ان پر جو

لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ ؕ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۫ وَلَهُمْ

نہیں پاتے سوائے اپنی (تھوڑی سی) محنت مزدوری کے اور ٹھٹھا کرتے ہیں ان سے ٹھٹھا کرے گا اللہ بھی ان سے اور ان کے لیے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٩﴾ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ

عذاب ہے دردناک ○ (برابر ہے) آپ مغفرت مانگیں ان کے لیے یا نہ مغفرت مانگیں ان کے لیے، اگر آپ مغفرت مانگیں گے ان کے لیے

سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ

ستر مرتبہ بھی تو ہرگز نہیں بخشے گا اللہ ان کو، یہ اس لیے کہ بے شک انہوں نے کفر کیا ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے،

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٨٠﴾

اور اللہ نہیں ہدایت دیتا نافرمان لوگوں کو ○

یہ بھی منافقین کی رسوائی کا باعث بننے والی باتوں میں سے ہے........ اللہ تعالیٰ ان کا برا کرے........ وہ اسلام اور مسلمانوں کے امور میں کوئی ایسی چیز دیکھتے جس پر زبان طعن دراز کر سکتے ہوں تو وہ ظلم وتعدی سے کام لیتے ہوئے طعن وتشنیع کرنے سے باز نہ آتے۔ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اہل ایمان کو صدقات کی ترغیب دی، تو مسلمانوں نے نہایت تیزی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور ان میں سے ہر امیر وغریب نے اپنے حسب حال اللہ کے راستے میں اپنا مال خرچ کیا۔ پس منافقین دولت مند مسلمانوں پر نکتہ چینی کرتے تھے کہ وہ صرف ریاء اور شہرت کی خاطر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور کم حیثیت مسلمانوں سے کہتے ''اللہ تعالیٰ اس صدقہ سے بے نیاز ہے......'' تو اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی ﴿ اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ ﴾ ''جو عیب جوئی اور طعن کرتے ہیں'' ﴿ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ ﴾ ''ان مومنوں پر جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں (ان کے) صدقات میں'' پس کہتے ہیں کہ یہ ریاکار ہیں۔ صدقہ کرنے سے ان کا مقصد صرف ریاکاری اور فخر کا اظہار ہے۔

﴿ وَ ﴾ ''اور'' ۔ وہ ان لوگوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں ﴿ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ ﴾ ''جو اپنی محنت کے سوا کچھ نہیں پاتے'' پس وہ اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کے راستے میں (تھوڑا سا) مال نکالتے ہیں۔ ان کے

(٣٢/٧) الجامع لأحكام القرآن (٢١٠/٨)، فيض القدير (٢٥٧/٤) فتح الباري (٨/٣)، لباب النقول للسيوطي (١٢١) و تخريج الإحياء للعراقي (٣٣٨/٣) (از محقق)

اس لیے اس سے حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہ کو مراد لینا درست نہیں ہے۔ اس آیت میں بھی دراصل منافقین ہی کے کردار کے ایک نمونے کا بیان ہے۔ (ص ی)

بارے میں یہ منافقین کہتے ''اللہ تعالیٰ ان کے صدقات سے بے نیاز ہے''۔ ﴿فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ﴾ ''اس طرح وہ ان کا تمسخر اڑاتے ہیں۔'' ان کے تمسخر کے مقابلے میں ان کے ساتھ تمسخر کیا گیا ﴿سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ''اللہ نے ان سے تمسخر کیا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے'' کیونکہ انہوں نے اپنے اس کلام میں متعدد ایسے امور اکٹھے کر دیے جن سے بچنا ضروری تھا۔

(۱) وہ مسلمانوں کے احوال کی تلاش میں رہتے تھے انہیں یہ خواہش رہتی تھی کہ وہ مسلمانوں کی کوئی ایسی بات پائیں جس پر یہ اعتراض اور نکتہ چینی کر سکیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ (النور: ۱۹/۲٤) ''جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی پھیلے ان کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

(۲) وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور اسلام کے ساتھ بغض کی وجہ سے اہل ایمان پر ان کے ایمان کی وجہ سے زبان طعن دراز کرتے رہتے تھے۔

(۳) طعنہ زنی اور چغل خوری کرنا حرام ہے، بلکہ دنیاوی امور میں یہ کبیرہ گناہوں میں شمار ہوتا ہے اور نیکی کے کام میں طعنہ زنی تو سب سے بڑا گناہ ہے۔

(۴) جو کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے کوئی نیکی کا کام کرتا ہے تو اس کے بارے میں مناسب یہ ہے کہ نیکی کے اس کام میں اس کی اعانت اور اس کی حوصلہ افزائی کی جائے، مگر ان منافقین کا مقصد تو صرف اسے نیکی کے کاموں سے باز رکھنا اور اس کی عیب جوئی کرنا تھا۔

(۵) اللہ کے راستے میں مال کثیر خرچ کرنے والے کے بارے میں ان کا یہ فیصلہ کہ وہ ریاکار ہے سخت غلطی، غیب دانی کا دعویٰ اور اٹکل پچو ہے اور اس سے بڑی اور کون سی برائی ہو سکتی ہے؟

(۶) قلیل مقدار میں صدقہ کرنے والے کی بابت ان کا یہ کہنا ''اللہ تعالیٰ اس صدقہ سے بے نیاز ہے''۔ ایک ایسا کلام ہے جس کا مقصود باطل ہے، کیونکہ صدقہ خواہ قلیل ہو یا کثیر، اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والے کے صدقہ سے مستغنی ہے، بلکہ وہ زمین اور آسمان کے تمام رہنے والوں سے بے نیاز ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایسے امور کا حکم دیا ہے جن کے وہ خود محتاج ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ........ اگرچہ ان سے بے نیاز ہے، لیکن لوگ تو اس کے محتاج ہیں........ فرماتا ہے: ﴿فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ﴾ (الزلزال: ۷/۹۹) ''پس جو ذرہ بھر نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا''۔ چنانچہ ان کے اس قول میں نیکی سے باز رہنے کی جو ترغیب ہے، وہ بالکل ظاہر اور بین ہے، لہذا ان کی جزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ تمسخر کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

﴿ اِسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اَوۡ لَا تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ اِنۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ سَبۡعِيۡنَ مَرَّةً ﴾ ''آپ ان کے لئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں' اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی بخشش مانگیں گے'' ستر مرتبہ کا لفظ مبالغہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے ورنہ اس کا مفہوم مخالف نہیں ہے ﴿ فَلَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ﴾ ''تب بھی اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا'' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ اَسۡتَغۡفَرۡتَ لَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تَسۡتَغۡفِرۡ لَهُمۡ لَنۡ يَّغۡفِرَ اللّٰهُ لَهُمۡ ﴾ (المنافقون: ٦٣/٦) ''ان کے لیے برابر ہے آپ ان کے لیے مغفرت مانگیں یا نہ مانگیں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا''۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سبب کا ذکر کیا ہے جو ان کی مغفرت سے مانع ہے چنانچہ فرمایا: ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمۡ كَفَرُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ ﴾ ''یہ اس واسطے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا'' اور کافر جب تک اپنے کفر پر قائم ہے اسے کوئی استغفار کام دے سکتا ہے نہ کوئی نیک عمل۔ ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡفٰسِقِيۡنَ ﴾ ''اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا'' یعنی فسق جن کا وصف بن چکا ہے جو فسق و فجور کے سوا کوئی اور چیز نہیں چن سکتے' جو اس کا بدل نہیں چاہتے۔ ان کے پاس واضح حق آتا ہے مگر یہ اسے ٹھکرا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ سزا دیتا ہے کہ وہ اس کے بعد ان کو توفیق سے محروم کر دیتا ہے۔

فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ بِمَقۡعَدِهِمۡ خِلٰفَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوۡۤا اَنۡ يُّجَاهِدُوۡا

خوش ہوئے وہ لوگ جو پیچھے چھوڑ دیے گئے تھے' اپنے بیٹھ رہنے پر بعد (جانے) رسول اللہ کے اور انہوں نے ناپسند کیا کہ وہ جہاد کریں

بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَقَالُوۡا لَا تَنۡفِرُوۡا فِى الۡحَرِّ ؕ قُلۡ

ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے' اللہ کی راہ میں اور کہا انہوں نے' نہ کوچ کرو تم (اس) گرمی میں' کہہ دیجیے!

نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوۡ كَانُوۡا يَفۡقَهُوۡنَ ﴿۸۱﴾ فَلۡيَضۡحَكُوۡا قَلِيۡلًا وَّلۡيَبۡكُوۡا

آگ جہنم کی (اس سے بھی) زیادہ سخت ہے گرمی میں' اگر ہوں وہ سمجھتے ○ پس چاہیے کہ ہنسیں وہ تھوڑا اور روئیں

كَثِيۡرًا ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۸۲﴾ فَاِنۡ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآئِفَةٍ

زیادہ' بدلے میں ان (عملوں) کے جو تھے وہ کماتے ○ پس اگر واپس لے آئے آپ کو اللہ کسی گروہ کی طرف

مِّنۡهُمۡ فَاسۡتَاۡذَنُوۡكَ لِلۡخُرُوۡجِ فَقُلۡ لَّنۡ تَخۡرُجُوۡا مَعِىَ اَبَدًا وَّلَنۡ

ان (منافقین) میں سے اور اجازت مانگیں وہ آپ سے نکلنے کی' تو کہہ دیجیے! ہرگز نہ نکلو گے تم میرے ساتھ کبھی بھی اور نہ

تُقَاتِلُوۡا مَعِىَ عَدُوًّا ؕ اِنَّكُمۡ رَضِيۡتُمۡ بِالۡقُعُوۡدِ

لڑو گے میرے ساتھ (مل کر) دشمن سے' بیشک تم راضی ہو گئے تھے بیٹھ رہنے پر

اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقۡعُدُوۡا مَعَ الۡخٰلِفِيۡنَ ﴿۸۳﴾

پہلی مرتبہ' سو بیٹھو (اب بھی) پیچھے رہنے والوں کے ساتھ ○

اللہ تبارک و تعالیٰ منافقین کا ان کے پیچھے رہ جانے پر تکبر اور فرحت کا اظہار کرنے اور اس پر ان کی لاپروائی کو بیان کرتا ہے' جو ان کے عدم ایمان اور اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿ فَرِحَ الۡمُخَلَّفُوۡنَ بِمَقۡعَدِهِمۡ خِلٰفَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ ﴾ ''خوش ہو گئے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے سے' رسول اللہ سے جدا ہو کر'' یہ خوش ہونا' پیچھے رہ جانے پر ایک قدر زائد ہے' کیونکہ جہاد سے جی چرا کر پیچھے بیٹھ رہنا حرام ہے اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ وہ معصیت کے اس فعل پر خوشی اور فخر محسوس کرتے ہیں۔ ﴿ وَكَرِهُوۡٓا اَنۡ يُّجَاهِدُوۡا بِاَمۡوَالِهِمۡ وَاَنۡفُسِهِمۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ ﴾ ''اور وہ گھبرائے اس بات سے کہ لڑیں اپنے مالوں اور جانوں سے' اللہ کی راہ میں'' اور اہل ایمان کا معاملہ اس کے برعکس ہے' وہ اگر پیچھے رہ جائیں........ خواہ اس کا سبب کوئی عذر ہی کیوں نہ ہو........ تو اپنے پیچھے رہ جانے پر سخت غمگین ہوتے ہیں' وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ وہ اپنی جان اور مال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کریں' کیونکہ ان کے دلوں میں ایمان موجزن ہے' وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے احسان کی امید رکھتے ہیں۔

﴿ وَقَالُوۡا ﴾ یعنی منافقین کہتے ہیں: ﴿ لَا تَنۡفِرُوۡا فِى الۡحَرِّ ﴾ ''نہ کوچ کرو گرمی میں'' یعنی وہ کہتے ہیں گرمی کے موسم میں جہاد کے لیے باہر نکلنا ہمارے لئے مشقت کا باعث ہے۔ پس انہوں نے مختصر سی عارضی راحت کو ہمیشہ رہنے والی کامل راحت پر ترجیح دی۔ وہ اس گرمی سے گھبرا گئے جس سے سایہ میں بیٹھ کر بچا جا سکتا ہے جس کی شدت صبح و شام کے اوقات میں کم ہو جاتی ہے اور اس شدید ترین گرمی کو اختیار کر لیا جس کی شدت کو کوئی شخص برداشت کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور وہ ہے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ۔ بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قُلۡ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ لَوۡ كَانُوۡا يَفۡقَهُوۡنَ ﴾ ''کہہ دیجئے! جہنم کی آگ' کہیں زیادہ سخت گرم ہے' اگر وہ سمجھتے'' کیونکہ انہوں نے فانی چیز کو ہمیشہ باقی رہنے والی چیز پر ترجیح دی اور انہوں نے نہایت ہی خفیف اور ختم ہو جانے والی مشقت سے فرار ہو کر دائمی مشقت کو اختیار کر لیا۔ ﴿ فَلۡيَضۡحَكُوۡا قَلِيۡلًا وَّلۡيَبۡكُوۡا كَثِيۡرًا ﴾ ''پس ہنسیں وہ تھوڑا اور روئیں زیادہ'' یعنی اس ختم ہو جانے والی دنیا سے خوب فائدہ اٹھائیں۔ اس کی لذات سے فرحت حاصل کریں اور اس کے کھیل کود میں مگن ہو کر غافل ہو جائیں وہ عنقریب دردناک عذاب میں خوب روئیں گے ﴿ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴾ ''بدلہ اس کا جو کماتے تھے'' انہوں نے کفر' نفاق اور اپنے رب کے احکام کی عدم اطاعت پر مبنی افعال سرانجام دیئے تھے' یہ ان کی جزا ہے۔

﴿ فَاِنۡ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآٮِٕفَةٍ مِّنۡهُمۡ ﴾ ''پھر اگر لے جائے اللہ آپ کو ان میں سے کسی فرقے کی طرف'' اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی عذر کے بغیر پیچھے بیٹھ رہے تھے اور پھر اپنے پیچھے رہ جانے پر انہیں کوئی حزن و ملال نہ تھا ﴿ فَاسۡتَاۡذَنُوۡكَ لِلۡخُرُوۡجِ ﴾ ''پس وہ اجازت چاہیں آپ سے نکلنے کی'' یعنی جب وہ کسی اور

غزوہ میں سہولت دیکھیں تو جہاد کے لیے آپ سے اجازت طلب کریں۔ ﴿ فَقُلْ ﴾ ”تو ان سے کہئے“ یعنی سزا کے طور پر۔ ﴿ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ﴾ ”تم ہرگز نہ نکلو گے میرے ساتھ کبھی اور نہ لڑو گے میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے“ کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا۔ ﴿ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴾ ”تم نے پسند کیا تھا بیٹھ رہنا پہلی مرتبہ، پس بیٹھے رہو تم پیچھے رہنے والوں کے ساتھ“ یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ ﴾ (الأنعام: ١١٠/٦) ”ہم ان کے دلوں اور نگاہوں کو الٹ دیں گے (اور) جیسے یہ قرآن پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے تھے (اب بھی نہیں لائیں گے)“۔ کیونکہ وہ شخص جو فرصت کے اوقات میں احکام کی بجا آوری میں سستی سے پیچھے رہ جاتا ہے، تو اس کے بعد اس کو ان احکام کی تعمیل کی توفیق عطا نہیں ہوتی، چنانچہ اس کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں۔

اس آیت کریمہ میں ان کے لیے تعزیر بھی ہے، کیونکہ جب مسلمانوں کے نزدیک یہ چیز متحقق ہو گئی کہ یہ لوگ اپنی نافرمانی کی بنا پر جہاد کی توفیق سے محروم کر دیئے گئے ہیں، تو یہ چیز ان لوگوں کے لئے بھی زجر و توبیخ، عار اور عبرت کا باعث ہو گی جو ان کی طرح اس حرکت کا ارتکاب کریں گے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ۭ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ

اور نہ نماز پڑھیں آپ اوپر کسی کے ان میں سے جو مر جائے، کبھی بھی اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر، بیشک انہوں نے کفر کیا ساتھ اللہ

وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

اور اس کے رسول کے اور مرے وہ اس حال میں کہ وہ نافرمان تھے ○

﴿ وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ ﴾ ”اور آپ نہ نماز پڑھیں ان میں سے کسی پر جو مر جائے“ منافقین میں سے اگر کوئی مر جائے ﴿ وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ ﴾ ”اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر“ دفن کرنے کے بعد، تاکہ آپ اس کے حق میں دعا کریں، کیونکہ ان کی قبروں پر کھڑے ہو کر ان کے لیے دعا کرنا آپ ﷺ کی طرف سے ان کی شفاعت ہے اور شفاعت ان کو کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ ﴿ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴾ ”بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ مرے نافرمان“ اور جو کافر ہے اور کفر ہی کی حالت میں مر گیا تو کسی شفاعت کرنے والے کی شفاعت اس کے کام نہ آئے گی۔ اس آیت کریمہ میں دوسروں کے لیے عبرت اور زجر و توبیخ ہے۔ اسی طرح ہر اس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے جس کا کفر اور نفاق معلوم ہو۔

نیز آیت کریمہ میں اہل ایمان کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کی قبروں پر کھڑے ہو کر ان کے لیے دعا مانگنے کی مشروعیت کی دلیل ہے جیسا کہ اہل ایمان کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا طریقہ تھا، کیونکہ منافقین کے بارے

میں اللہ تعالیٰ کی یہ تقیید دلالت کرتی ہے کہ اہل ایمان کے بارے میں یہ چیز متحقق اور جائز ہے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا

اور نہ حیرت میں ڈالیں آپ کو ان کے مال اور ان کی اولاد بے شک چاہتا ہے اللہ کہ عذاب دے ان کو ان کی وجہ سے

فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾

دنیا میں اور نکلیں ان کی جانیں اس حال میں کہ وہ کافر ہی ہوں ○

اللہ تعالیٰ نے ان کو جو مال اور اولاد سے نواز رکھا ہے اس سے دھوکہ نہ کھائیے کیونکہ یہ مال اور اولاد ان کی تکریم کے لیے نہیں، یہ ان کی تحقیر اور اہانت کے لیے ہے۔ فرمایا: ﴿ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا ﴾ ''اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ ان کو ان چیزوں کی وجہ سے دنیا میں عذاب میں رکھے'' پس وہ اس کے حصول کے پیچھے لگے رہتے ہیں اس کے زوال سے خائف رہتے ہیں اور وہ اس مال سے لطف نہیں اٹھا سکتے، بلکہ وہ مال کے حصول میں تکالیف اور مشقتیں برداشت کرتے رہتے ہیں، مال اور اولاد ان کو اللہ تعالیٰ اور آخرت سے غافل کر دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس دنیا کو چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ ﴿ وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴾ ''اور نکلے ان کی جان اور وہ اس وقت تک کافر ہی رہیں'' مال اور اولاد کی محبت نے ان سے ہر چیز سلب کر لی، ان کو موت نے آلیا تو ان کے دل ابھی تک دنیا سے چمٹے ہوئے تھے اور ان کے ذہن ابھی تک اس کے لیے سرگرم تھے۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ

اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورت کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو ساتھ (مل کر) اسکے رسول کے، تو اجازت مانگتے ہیں آپ سے

اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا

مقدرت والے ان میں سے اور کہتے ہیں چھوڑ دیجیے ہمیں کہ ہو جائیں ہم ساتھ بیٹھنے والوں کے ○ راضی ہو گئے وہ اس پر کہ ہو جائیں وہ

مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

ساتھ پیچھے رہنے والی عورتوں کے اور مہر لگا دی گئی دلوں پر، پس وہ نہیں سمجھتے ○

اللہ تبارک وتعالیٰ منافقین کی دائمی کاہلی اور نیکیوں سے ان کے دائمی گریز کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے نیز آگاہ فرماتا ہے کہ سورتیں اور آیات ان کے رویے پر کوئی اثر نہیں کرتیں، چنانچہ فرماتا ہے: ﴿ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ ﴾ ''اور جب اترتی ہے کوئی سورت'' جس میں ان کو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہو ﴿ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ ﴾ ''تو رخصت مانگتے ہیں ان کے صاحب حیثیت لوگ'' یعنی دولت مند اور مال دار لوگ جنہیں کسی قسم کا عذر نہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال اور بیٹوں سے نواز رکھا ہے۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر

اور اس کی تعریف نہیں کرتے اور واجبات کو قائم نہیں کرتے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب کر دیا ہے اور ان پر اپنا معاملہ سہل کر دیا ہے؟ مگر وہ سستی اور کاہلی کا شکار رہے اور پیچھے بیٹھ رہنے کی اجازت مانگتے رہے۔ ﴿ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴾ ''اور وہ کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دو! ہو جائیں ہم (پیچھے) بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ۔''

﴿ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ﴾ ''وہ راضی ہو گئے اس بات پر کہ رہیں وہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ'' وہ کیوں کر اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ ان خواتین کے ساتھ پیچھے گھروں میں بیٹھ رہیں جو جہاد کے لیے نہیں نکلیں۔ کیا ان کے پاس کوئی عقل اور سمجھ ہے جو اس پر ان کی راہ نمائی کرے؟ ﴿ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ یا ''ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔'' پس وہ کسی بھلائی کو یاد نہیں رکھ سکتے اور ان کے دل ان افعال کے ارادے سے خالی ہیں جو خیر و فلاح پر مشتمل ہیں۔ پس وہ اپنے مصالح و مفاد کو نہیں سمجھتے۔ اگر وہ حقیقی سمجھ رکھتے ہوتے تو وہ اپنے لئے اس صورت حال پر کبھی راضی نہ ہوتے۔ جس نے ان کو جواں مردوں کے مقام سے نیچے گرا رکھا ہے۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ

لیکن رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ لوگ جو ایمان لائے ساتھ اس کے انہوں نے جہاد کیا ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿٨٨﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ

اور یہی لوگ ہیں کہ انکے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ○ تیار کیے ہیں اللہ نے انکے لیے ایسے باغات

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿٨٩﴾ ع

کہ چلتی ہیں ان کے نیچے نہریں' ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں' یہی ہے کامیابی بہت بڑی ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: جب یہ منافقین جہاد سے جی چرا کر پیچھے بیٹھ رہے ہیں' تو اللہ تعالیٰ ان سے بے نیاز ہے۔ اس کی مخلوق میں اس کے ایسے خاص بندے ہیں جن کو اس نے اپنے فضل سے خاص طور پر نوازا ہے وہ اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور وہ ہیں ﴿ الرَّسُوْلُ ﴾ رسول مصطفیٰ ﷺ ﴿ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ﴾ ''اور وہ لوگ جو آپ پر ایمان لائے اور جہاد کیا انہوں نے آپ کے ساتھ اپنے مالوں اور جانوں سے۔'' وہ کاہل ہیں نہ سست بلکہ وہ فرحاں اور بشارت حاصل کرنے والے ہیں۔ ﴿ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ﴾ ''یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے (دنیا و آخرت) کی بے شمار بھلائیاں ہیں۔'' ﴿ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴾ ''اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔'' جو بلند ترین مطالب اور کامل ترین مرغوبات کے حصول میں کامیاب ہیں۔ ﴿ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴾ ''تیار کیے ہیں اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ کہ ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں' اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' یہی ہے بڑی کامیابی'' ہلاکت ہے ایسے شخص کے لیے جو ان امور میں رغبت نہیں رکھتا جن میں اہل جنت

رغبت رکھتے ہیں اور وہ اپنے دین اور دنیا و آخرت میں خسارے میں پڑنے والا شخص ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی نظیر ہے ﴿ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۷/ ۱۰۷) ''کہہ دیجیے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جن لوگوں کو اس سے پہلے کتاب کا علم دیا گیا ہے جب ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں''۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی نظیر ہے ﴿ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴾ (الانعام: ۶/ ۸۹) ''اگر یہ کفار ان باتوں کا انکار کرتے ہیں تو ہم نے ان باتوں پر ایمان لانے کے لیے ایسے لوگوں کو مقرر کر دیا ہے جو اس کا انکار کرنے والے نہیں''۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ

اور آئے بہانہ کرنے والے دیہاتیوں میں سے تاکہ اجازت دی جائے ان کو اور بیٹھ گئے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ بولا اللہ

وَرَسُوْلَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ

اور اسکے رسول سے عنقریب پہنچے گا ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب بہت دردناک ○ نہیں ہے ضعیفوں پر

وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا

اور نہ بیماروں پر اور نہ پر ان لوگوں کے جو نہیں پاتے وہ چیز کہ خرچ کریں کوئی گناہ (پیچھے رہنے میں) جب کہ خیر خواہی کرتے ہیں وہ

لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾

اللہ کی اور اسکے رسول کی نہیں ہے نیکی کرنے والوں پر (گرفت کرنے کی) کوئی راہ اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ○

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ

اور نہ ان لوگوں پر کہ جب آئے وہ آپ کے پاس تاکہ سواری دیں آپ انہیں تو آپ نے کہا نہیں پاتا میں ایسی چیز کہ سوار کروں میں تم کو

عَلَيْهِ ۠ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا

اس پر تو وہ لوٹے جبکہ ان کی آنکھیں بہتی تھیں آنسوؤں سے اس غم سے کہ نہیں پاتے وہ جو وہ

مَا يُنْفِقُوْنَ ؕ ﴿۹۲﴾ اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ

خرچ کریں ○ بے شک (گرفت کی) راہ تو اوپر ان لوگوں کے ہے جو اجازت مانگتے ہیں آپ سے حالانکہ وہ

اَغْنِيَآءُ ۚ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ۙ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ

مال دار ہیں وہ راضی ہو گئے اس بات پر کہ ہو جائیں وہ ساتھ پیچھے رہنے والی عورتوں کے اور مہر لگا دی اللہ نے اوپر ان کے دلوں کے

فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾

پس وہ نہیں جانتے ○

﴿ وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ ﴾ ''اور آئے بہانے کرنے والے گنوار' تاکہ ان کو رخصت مل جائے'' یعنی وہ لوگ جنہوں نے سستی کی اور جہاد کے لیے نکلنے سے قاصر رہے' اس لئے آئے کہ انہیں ترک جہاد کی اجازت مل جائے۔ انہیں اپنی جفا' عدم حیا اور اپنے کمزور ایمان کی بنا پر معذرت کرنے کی بھی پروا نہیں........ اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا' انہوں نے اعتذار کو بالکل ہی ترک کر دیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ارشاد ﴿ الْمُعَذِّرُوْنَ ﴾ ''عذر کرنے والے'' میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہوں جو کوئی حقیقی عذر رکھتے تھے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' تاکہ آپ ان کی معذرت قبول فرمائیں اور رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ عذر پیش کرنے والے کا عذر قبول فرما لیا کرتے تھے۔ ﴿ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ﴾ ''اور بیٹھ رہے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ بولا اللہ اور اس کے رسول سے'' یعنی جنہوں نے اپنے دعوائے ایمان میں' جو جہاد کے لیے نکلنے کا تقاضا کرتا ہے' اور اس کے ساتھ ان کے عمل نہ کرنے میں' اللہ اور رسول سے جھوٹ بولا۔ پھر ان کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴾ ''اب پہنچے گا ان کو جو کافر ہیں ان میں دردناک عذاب'' دنیا وآخرت میں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے معذرت پیش کرنے والوں کا ذکر فرمایا۔ ان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جو شرعی طور پر معذور ہیں۔

(۲) جو شرعی طور پر غیر معذور ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے معذور لوگوں کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے ﴿ لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ ﴾ ''نہیں ہے (حرج) کمزوروں پر''۔ جو کمزور جسم اور کمزور نظر والے ہیں جو جہاد کے لیے باہر نکلنے اور دشمن سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ﴿ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى ﴾ ''اور نہ بیماروں پر'' یہ آیت ان تمام امراض کو شامل ہے جن کی بنا پر مریض جہاد اور قتال کے لیے باہر نہیں نکل سکتا' مثلاً لنگڑا پن' اندھا پن' بخار' نمونیہ اور فالج وغیرہ۔ ﴿ وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ ﴾ ''اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو نہیں ہے'' یعنی ان کے پاس زاد راہ ہے نہ سواری جس کے ذریعے سے منزل مطلوب پر پہنچ سکیں۔ پس ان مذکورہ لوگوں کے لیے کوئی حرج نہیں' بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی رکھتے ہوں' صادق الایمان ہوں' ان کی نیت اور ان کا عزم یہ ہو کہ اگر وہ جہاد پر قادر ہوئے تو وہ ضرور جہاد کریں گے اور ایسے کام کرتے ہوں جن پر وہ قدرت رکھتے ہیں مثلاً لوگوں کو جہاد کی ترغیب دینا اور جہاد کے لیے ان کا حوصلہ بڑھانا۔ ﴿ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ﴾ ''نیکی کرنے والوں پر کوئی راستہ نہیں'' یعنی ایسا راستہ جس سے نیکی کرنے والوں کو کوئی ضرر پہنچے' کیونکہ انہوں نے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں بھلائی سے کام لے کر ملامت کو ساقط کر دیا۔ بندۂ مومن جس چیز پر قادر ہے جب اس میں اچھی کارکردگی دکھاتا

ہے تو اس سے وہ امور ساقط ہو جاتے ہیں جن پر وہ قادر نہیں۔ اس آیت کریمہ سے اس شرعی قاعدہ پر استدلال کیا جاتا ہے کہ جو کوئی کسی دوسرے شخص پر اس کی جان اور مال وغیرہ میں احسان کرتا ہے' پھر اس احسان کے نتیجے میں کوئی نقصان یا اتلاف واقع ہو جاتا ہے' تو اس احسان کرنے والے پر کوئی ضمان نہیں۔ کیونکہ وہ محسن ہے اور محسن پر کوئی گرفت نہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ غیر محسن...... جو کام کو عمدہ طریقے سے انجام نہ دے اس کی حیثیت کوتاہی کرنے والے کی ہوگی' اس لئے اس پر ضمان عائد کیا جائے گا۔

﴿ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴾ ''اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' یہ اللہ تعالیٰ کی وسیع مغفرت اور بے پایاں رحمت ہی ہے کہ اس نے قدرت نہ رکھنے والے بے بس لوگوں کو معاف کر دیا ہے اور ان کی نیت کے مطابق ان کو وہ ثواب عطا کرتا ہے جو وہ قدرت رکھنے والوں کو عطا کرتا ہے۔

﴿ وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ ﴾ ''اور نہ ان پر کوئی حرج ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئیں' تاکہ آپ ان کو سواری دیں'' مگر انہوں نے آپ کے پاس کوئی چیز نہ پائی ﴿ قُلْتَ ﴾ اور آپ نے ان سے معذرت کرتے ہوئے کہا: ﴿ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴾ ''میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا کہ میں تم کو اس پر سوار کراؤں' تو وہ الٹے پھرے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے' اس غم میں کہ وہ خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے'' کیونکہ وہ عاجز' بے بس اور اپنی جان کو خرچ کرنے والے ہیں۔ وہ انتہائی حزن وغم اور مشقت میں مبتلا ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے کوئی حرج اور گناہ نہیں' جب ان سے گناہ ساقط ہو گیا تو معاملہ اپنی اصل کی طرف لوٹ گیا یعنی جو کوئی بھلائی کی نیت کرتا ہے اور اس کی اس نیت جازمہ کے ساتھ مقدور بھر اس کی کوشش بھی مقرون ہوتی ہے' اس کے باوجود وہ اس فعل کو بجالانے پر قادر نہیں ہوتا' تو اس کو فاعل کامل ہی شمار کیا جائے گا۔

﴿ اِنَّمَا السَّبِيْلُ ﴾ ''الزام تو'' یعنی گناہ اور ملامت تو ﴿ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ ﴾ ''ان لوگوں پر ہے جو دولت مند ہیں اور پھر بھی آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں۔'' یعنی جو جہاد کے لیے نکلنے پر قادر ہیں اور ان کے پاس کوئی عذر نہیں۔ ﴿ رَضُوْا ﴾ ''وہ خوش ہیں۔'' یعنی اپنے دین اور اپنی ذات کے بارے میں ﴿ بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ ﴾ ''یہ کہ وہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ گھروں میں رہیں۔'' ﴿ وَ ﴾ ''اور'' ان کا اس حال پر راضی رہنا اس وجہ سے تھا کہ ﴿ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ ﴾ ''اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔'' اس لئے ان کے اندر کوئی بھلائی داخل نہیں ہو سکتی اور وہ اپنے دینی اور دنیاوی مصالح کو محسوس نہیں کرتے ﴿ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴾ ''پس وہ نہیں جانتے۔'' کہ یہ اس گناہ کی سزا ہے جس کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے۔